

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 وَبِإِذْنِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 وَبِإِذْنِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَفْسِيرُ فَتْحِ الْمَلِكِ

المشهور

تفسير حَقَّانِي

مقدس

عَمْدَةُ الْمُتَشَائِمِينَ فِي تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ
 شَيْخُ الْإِسْلَامِ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَقُّ الْحَقَّانِيُّ الدِّمَشْقِيُّ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَبِالْحَمْدِ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

تَفْسِيرُ فَتْحِ الْمَلِكِ
الشُّرُوزِ

تفسير حقاني

عمدة المحررين في التفسيرين شيخنا أبو محمد الحق الحقاني الدلوئي الشافعي

حصه هفتم

الفصل
ناشران: تاجران مكتب
غفراني شريف اؤدو وازار الله

”تفسیر حقانی“ کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جا رہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227

Quran

Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu
Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal
Nashran, 2009.

8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul
Haq I. Title card

ISBN 969-503-778-x

اکتوبر 2009ء

محمد فیصل نے

محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan

Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387

http : www.alfaisalpublishers.com

e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

المجلد السابع جلد ہفتم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۝ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ۱ ۝ وَانْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ۝ ۲ ۝

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقَرٌّ ۝ ۳ ۝ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ

مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۝ ۴ ۝ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ۝ ۵ ۝ فَمَا تُغْنِ التُّذُرُ ۝ ۶ ۝

قریب آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور گرہ (منکرن) کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہنے لگیں کہ یہ جادو ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے اور وہ تو جھٹلا چکے ہیں اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہو گئے اور ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا ہوا ہے اور ان کو اتنی خیریں پہنچ چکی ہیں کہ جن میں (کافی) عبرت ہے اور پوری دانائی بھی ہے پر ان کو ڈر سنانے والوں سے فائدہ نہیں پہنچا۔

ترکیب : وَانْشَقَّ عطف علی اقترَب وان شرطیۃ یعرضوا ویقولوا جوابہ سحر خبر مبتداء محذوف ای ہذا وکل امر مبتداء مستقر خبرہ وبقراءہ بالمجر صفة لامر من الانباء بیان لمزدجر ہوا اسم مکان او مصدر سی یقال از دجرتہ اذ انہیۃ عن السوء ووجہ غلطہ بغلط واصلہ فرجہ قرآء الافعال قلبت والالو تو عہا بعد الزاء وماموصلۃ او موصوفۃ حکمۃ خبر مبتداء محذوف او بدل من ما او من مزدجر فاما استفہلیۃ او تانیۃ تغن اصلہ تغنی لم یکتب الیاء بعد النون اتباعا لرسم المصحف والنذر جمع نذیر بمعنی الامذر رای الامور الامذرۃ لہم کا اخبار بالماضیۃ والامور الہائکلتہ : تفسیر : یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر بھی یہی فرماتے ہیں۔ آیات کے فواصل راء ساکنہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سورہ قاف اور سورہ قمر عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں اور بڑی مجالس میں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان میں وعدہ وعید و بدیہ خلق وشر و تحید و اثبات الہوت وغیرہا اعظم المقاصد مذکور ہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

اس سے پہلے سورۃ النجم کے خاتمہ میں قیامت کے برپا ہونے کا ذکر تھا ازفت الازفۃ الآیہ کہ قیامت قریب آگئی اس لیے اس سورہ میں بھی سب سے اول قیامت ہی کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے اور اس کا ذکر منصب نبوت کے لیے بڑی ضروری بات ہے کس لیے کہ انسان کو جب تک اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مرکز زندہ ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان کے بھلے برے پھل کھانا پڑے گا تب تک وہ سعادت کے راستے کو جو کہ بڑا دشوار گزار راستہ ہے کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کہ وہ گھڑی یعنی قیامت کی ساعت (بمعنی وقت) قریب آگئی آنے والی چیز کا جوں جول زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے خصوصاً جبکہ اس کے آثار و علامات نمودار ہونے لگتے ہیں پھر تو اور بھی اس کا قریب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ معجزہ شق القمر قیامت کے آثار و علامات میں سے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ہے اسی طرح چاند کا پھٹنا بھی اس کی ایک بڑی علامت ہے جس کا اشارہ پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور چاند پھٹ گیا۔ جمہور مفسرین اور تمام اہل سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کس لیے کہ جب آپ کے میں تھے تو کفار نے آپ سے کوئی معجزہ طلب کیا تھا تب آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس

۱ امام احمد بیہق نے مسند میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی وہ انگلیوں کو کھار کھایا کہ اس طرح سے یکے بعد دیگر ہیں اور اسی لیے آپ کا ایک نام حاضر بھی ہے۔ ۱۲۰

کے دو ٹکڑے لوگوں کو دکھائے۔ ایک ابوبتیس پہاڑ اور دوسرا اس کے قریب قعیقان پہاڑ پر نظر آیا اور لوگوں نے دیر تک دیکھا۔ اس بات کو محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری صحیح مسلم و مسند امام احمد وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے یہ کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ **وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَعْتَبٌ** کہ اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو قوی یا قدیم جادو کہتے ہیں۔ (طبرانی) اور آیات کا سیاق و سباق بھی یہی کہہ رہا ہے کس لیے کہ اول **اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ** فرمایا اور بعد نشانی دیکھ کر اس کو جادو کہنا اور اس سے انکار کرنے کا ذکر آیا۔

بعض نے یہ کہہ دیا ہے کہ انشق کو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد مستقبل ہے یعنی پھٹنے کا قیامت میں۔ اس قول کو محققین مفسرین نے رد کر دیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تفاسیر ملاحظہ کرو۔ بعض کہتے ہیں **اِنْشَقَّ الْقَمَرُ** عرب کی زبان میں کسی بات کے ظاہر ہونے پر بطور مثل کے بولا جاتا ہے۔ قمر سے روشن چیز کو تشبیہ دیا کرتے ہیں اور انشق کے معنی واضح یعنی یہ بات بالکل چاند کی طرح سے واضح ہو گئی کہ قیامت قریب آگئی ہے عقلمندوں کے نزدیک۔

یہ قول بھی مردود ہے مگر صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے مگر اس پر مخالفین اسلام نے بعض شبہات وارد کئے ہیں۔

(۱) یہ کہ چاند اس قدر بڑا جسم ہے جو زمین کے کرہ سے بہت زیادہ ہے باوجود اس کے اجرام علویات میں حکماء نے کون و فساد متمنع ثابت کیا ہے۔

(۲) اگر یہ واقعی ممکن بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا وقوع ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہتا حالانکہ اس وقت مختلف ممالک میں مورخ تھے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

جواب (۱): اول شبہ کا یہ جواب ہے کہ خواہ کسی قدر عظیم القدر جسم کیوں نہ ہو سب اس قادر مطلق کے احاطہ قدرت میں ہیں اور کون و فساد جن حکماء نے متمنع ثابت کیا ہے ان کے دلائل کی بنیاد محض توہمات باطلہ پر ہے جن کا بطلان علم کلام میں بدیہاً قائم ہو چکا ہے۔ جواب (۲): دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ چاند اس وقت باعتبار کر دیت زمین کے تمام ملکوں پر تو طلوع کیا ہوا تھا ہی نہیں خصوصاً آفاق بعیدہ میں تو وہ اس وقت دکھائی بھی نہیں دیتا تھا پھر ان پر اس کا پھٹنا اور پھر مل جانا کیونکر ظاہر ہوتا؟ پھر اس کو کیونکر لکھتے؟ اب رہے آفاق قریبہ کے لوگ سوا دل تو یہ رات کا معاملہ تھا جبکہ سینکڑوں بلکہ نصف سے زیادہ لوگ سوتے ہوں گے اور ایک حصہ کثیر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگا، ان کو آسمان کی طرف خیال بھی نہ ہوگا اور اس کے سوا یہ معاملہ پہر دو پہر بھر نہیں رہا تھا صرف چند منٹ میں ہو گیا جو بہت کو بغیر متنبہ کے خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی اور نہ پہلے سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ آج رات کو فلاں وقت یہ ماجرا گزرے گا۔ ان وجوہ سے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب متوجہ تھے یا آفاق بعیدہ کے چند اور اشخاص کہ جن کو اتفاقاً یہ معاملہ دکھائی دیا اس پر بھی عرب میں اس کا ایسا چرچا پھیلا تھا کہ اس وقت کے شعراء نے اس کو نظم کیا اور یہی اشعار ان کی تواریخ کا محفوظ دفتر تھا جس سے صد ہا واقعات گزشتہ کا صحیح حال واضح ہوتا ہے۔ اس کے سوا جو کسی نے تاریخ میں بھی لکھا ہو تو کیا تعجب ہے۔ ہاں اس وقت کے مورخوں کی تمام تواریخ محفوظ ہمارے پاس موجود ہوں اور ان میں سے کسی میں بھی یہ واقعہ مندرج نہ ہو تو البتہ تعجب کی بات ہے اور جس حالت میں کہ اس وقت کی کوئی صحیح تاریخ بھی ہمارے پاس نہ ہو اور جو کوئی ہے بھی تو کسی یونانی وغیرہ کی جس میں بجز شاہان ملک کے ایسے واقعات درج کرنے کا کم التزام کیا تھا تو پھر ہم کس اعتماد پر کہہ سکتے ہیں کہ کسی مورخ نے اس کو نہیں لکھا؟ ہندوستان کے راجہ بھوج کی ایک متواتر نقل یہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علماء سے پوچھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ سرزد ہونا بحوالہ اپنے علوم متواتر کے بیان کیا جس سے وہ

راہِ حضرت ﷺ پر ایمان لایا۔

اہل مذاہب میں سے ہر شخص تھوڑی دیر کے لیے اپنی مذہبی کتابیں بھی خیال میں رکھے تو کبھی اس واقعہ پر اعتراض نہ کریں۔ ہنود کے دید اور، پوران تو اس سے بھی بڑھ کر واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کتابِ یثوع کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ اس روز آفتاب ٹھہرا رہا اور عیسائی انجیل کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ مسیح کو صلیب دینے کے وقت ہیکل کے پردے پھٹ گئے اور تمام زمین پر بڑی دیر تک تاریکی چھا گئی اور قبریں کھلیں اور ان میں سے مردے نکلے اور بعض لوگوں کو دکھائی بھی دیے حالانکہ یہود میں اس وقت ایسے واقعات لکھنے کا دستور تھا پھر یہ کس مؤرخ نے لکھا اور کس نے اس کو دیکھا؟ یہود تو معجزے کے طالب تھے ان کو ایسا معجزہ دکھایا جاتا۔ سب نہیں تو بہت سے ایمان لے آتے۔ حضراتِ عیسائی ان توہمات آمیز روایتوں کا پہلے جواب دے لیں پھر ہم سے شق القمر کے معجزے میں گفتگو کریں۔

مُسْتَقَرِّ کے معنی بعض کہتے ہیں قوی کے ہیں۔ ابو العالیہ و ضحاک و نحاس کا یہی قول ہے۔ انھیں کہتا ہے کہ یہ امر امداد الحبل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے بننا۔ فراء و کسائی و ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فنا ہونے والے کے کہ اس جادو کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں ہمیشہ کے یعنی ایسے جادو ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی تکذیب اور حال بیان فرماتا ہے وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَ هُمْ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلادیا اور اپنی خواہشوں کا کہنا کیا۔ اب چاہیے تھا کہ ایسے معجزے کے انکار پر عذاب الہی آتا اور فوراً ہلاک کئے جاتے مگر کُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ہر بات کا ایک وقت معین ہے کسی مصیحت کی وجہ سے اس نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر ایک بات کی ایک انتہا ہوتی ہے ان کے کفر کی بھی انتہا ہے اسلام کے دہنے کی بھی انتہا ہے۔ اس انتہا کے بعد ان کا کفر زائل ہوگا، اسلام ظہور پکڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس معجزے ہی پر کیا موقوف ہے۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ان کے پاس بہت سی خبریں پہلی امتوں کے ہلاک و برباد ہونے کی آچکی ہیں جن میں اہل بصیرت کے لیے نصیحت و عبرت حاصل ہو سکتی ہے۔ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ کامل دانائی حاصل ہو سکتی ہے۔ فَمَا تَغْنِفُ النَّذْرُ مگر ان جنم کے اندھوں اور اذلی بد نصیبوں کو چند نصائح اور خوفناک عبرت انگیز باتوں اور ڈرانے والوں بیدار کرنے والوں واعظوں کی نصیحت نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ یہ ویسے کے ویسے گمراہ اور اندھے ہی رہے۔ پھر جب ان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو اس معجزے سے کیا ہوتا اس کو بھی جادو کہہ دیا۔

فائدہ: جیسا یہ معجزہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے ایسا معجزہ کبھی کسی نبی سے صادر نہیں ہوا اور انبیا کی روحانی قوت کا اثر زمین کی چیزوں پر ہوا۔ پھر سے پانی نکلا، قلم جیسے سمندر کو چیر کر رستہ لیا، لاشی کا اثر دھابنایا، ہاتھ میں روشنی دکھائی، ان کی بد دعاؤں سے سرکش ہلاک ہوئے، دعاؤں سے مردے بھی جی اٹھے، دریا کو ڈانٹا، ہوا پر حکومت کی، مگر آسمانی چیزوں پر خاص اسی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر پہنچا اور ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت و فوقیت ثابت کی گئی۔

فَقَوْلَ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نَّكِرٍ ① خُشْعًا أَبْصَارُهُمْ يَخَرُّونَ

مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ② مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ

هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ③ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَلَكِّدُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ

وَأَزْدَجَدَ ⑩ فَدَا رَبِّيَ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتَصِرُ ⑪ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ

بِمَاءٍ مِنْهُمْ ⑫ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑬

وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ⑭ تَجْرِى بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑮

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ⑯ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ⑰ وَلَقَدْ

يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ⑱

پس (اے رسول!) آپ ان سے کنارہ کر لیں جس دن پکارنے والا ایک ناپسندیدہ چیز کے لیے پکارے گا (تو اس دن) وہ آنکھیں نیچی کئے ہوئے ہوں گے (اور) قبروں سے ایسے نکل پڑیں گے جیسے مڈیاں پھیل پڑی ہوں (اور) پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ کافر کہتے ہوں گے یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔ (اے رسول!) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہہ دیا (یہ تو) دیوانہ دھنکارا ہوا ہے۔ بھرنوح نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہو گیا تو میری مدد کر پھر تو ہم نے ان پر پانی کے ریلوں سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کی سوتیں کھول دیں۔ پھر جہاں تک پانی کا چڑھاؤ چڑھنا ٹھہر چکا تھا (اس حد تک کہ ٹھہر گئی تھی) چڑھا آیا۔ اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا جو ہماری عنایت سے چلتی تھی۔ یہ اس کا بدلہ تھا کہ جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے کشتی کو نشانی بنا کر رہنے دیا کہ کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے پھر (دیکھا) کیسا تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا اور ابنتہ ہم نے تو سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟

ترکیب : یوم ناصب یخز جون یدع سقطت الواو من یدع اتباعا للفظ حذف الیاء من الداع مبالغۃ فی التحقیف واکتفاء بالکسرۃ نکور بضم النون والکاف وبارکان الکاف موصوفۃ بمعنی منکر وبقراء بضم النون وکسر الکاف وفتح الراء علی انه فعل مالم یسم فاعله خشعا جمع خاشع وقری خاشعا علی الافراد وحوال والعال یدعوا ابصارهم مرفوع بخشعا کانهم حال من الضمیر فی یغیرجون مهطعین الاھطاع الاسراع فی الحشۃ حال من الضمیر فی یخزجون وازدجر الدال بدل من التاء انی بالفتح ای بانی علی امر حال او ظرف والھاء فی حملناھ فی موضع جر صفتہ باعیننا حال من الضمیر فی تجری ای محفوظۃ جزاء مفعول لہ کفر ای بہ ونذر قال الفراء الانذار والذرمصدران۔

تفسیر : منکرین نے جب ایسا بڑا معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کیا اور اس کو جادو بتا دیا تو اب ان سے حق قبول کرنے کی کیا توقع باقی رہ گئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ازلی بد نصیبوں کو جہنم سے بچانے کی از حد حرص تھی اس لیے آپ کو حکم ہوا فتوّل عَنْهُمْ کہ آپ ان سے منہ پھیر لیں یعنی گفتگو نہ کریں کچھ فائدہ نہیں۔ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ جنگ کے موقع پر آپ ان سے جنگ نہ کریں اور سزا کے موقع پر سزا نہ دیں پھر اس کو آیت السیف سے منسوخ قرار دینا زائد بات ہے۔ یہاں تک کلام تمام ہو گیا اور اسی لیے یہاں قراء کے نزدیک وقف لازم ہے۔

یوم الداع الخ سے دوسری بات شروع ہوتی ہے یعنی حشر کا ہولناک واقعہ اور قبروں سے نکل کر حساب دینے کے لیے عدالت میں آنے کی کیفیت بیان کرتا ہے تاکہ اس بات کو سن کر منکرین حشر کے دلوں میں خوف پیدا ہو پس فرماتا ہے اس دن کو یاد دلا کر جس دن پکارنے والا فرشتہ اسرافیل علیہ السلام یا جبریل علیہ السلام یا میکائیل علیہ السلام ایک مکروہ چیز کے لیے بلائے گا اور ناپسند چیز حساب ہے۔ اس کی آواز دیتے ہی مٹیوں کی طرح سے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر عدالت کی طرف مجبور دوڑتے چلے آئیں گے اور خوف اور شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوں گی۔ پھیلی ہوئی مٹیوں سے تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح وہ بکثرت ہر طرف سے دوڑتی ہوئی جاتی ہیں اسی طرح لوگوں کا بھی ایک بڑا بڑا دل

كَذَّبَتْ عَادٌ فَلَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِي ﴿١٨﴾ إِنَّمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا

فِي يَوْمٍ نَحْسُ مُسْتَمَرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ

كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنُ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۝

بَع

قوم عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے بھی ان پر سخت محسوس دن میں ایک سخت آندھی چلائی جو لوگوں کو ایسا پھینک رہی تھی کہ گویا وہ مجبور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے چیل ہیں۔ پھر (دیکھا) ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی کہ سمجھے۔

ترکیب : اِنَّا اَرْسَلْنَا جَمَلَةً مِّنْآفَقِهِ مِیْنَةً لِّمَا اَجْمَلْتُمْ قَبْلَ فِیْ یَوْمِ الظَّرْفِ مَتَعْلَقٌ بِاَرْسَلْنَا تَنْزِعُ النَّاسَ الْجَمَلَةَ صِفَةً لِّرَیْحٍ اَوْحَالَ مِنْهَا۔ کَأَنَّهُمْ حَالَ مِنَ النَّاسِ اَلنَّخْلِ وَالنَّخِیلِ یَذْکُرُوْنِیْثَ وَلِذَیْیُوصَفُ بِالْمَذْکَرِ کَمَا فِیْ قَوْلِهِ تَعَالٰی نَخْلٌ مُنْقَعِرٌ وَبِالْمَوْثِ کَمَا فِیْ قَوْلِهِ تَعَالٰی اَعْجَازُ نَخْلٍ خَدِیْبٍ وَقَالَ اَللّٰهُ کِیْرَعَمَیْیَہِ وَالتَّائِیْثِ لَلْفَلْکِ عَیْیَہِ وَنُذُرٌ اَصْلُهُ نَذِرٌ۔ حَذَفَ الْیَاءَ رِعَیْیَہِ لَلْفَوَاقِیْلِ وَبَقِیَّتِ الْکِسْرَةُ عَوْضًا عَنْهَا۔

تفسیر..... قوم عاد کی بربادی : یہ دوسرا تذکرہ قوم عاد کا ہے کہ انہوں نے بھی پیغمبر کا انکار کیا۔ پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ پھر اس کی جملہ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اِنَّا اَرْسَلْنَا اَہْمَ اِسْمَ قَوْمِ پَرِیْثَ آندھی بھیجی تا مبارک دن میں جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینکی تھی اور لوگ کھجور کے اکھڑے ہوئے پیڑوں کی طرح زمین پر مردے پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھو میرا عذاب اور میری تنبیہ کیسی تھی؟ اس کلمہ فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرٌ کو اسی قصہ میں دوبارہ ذکر کیا۔ اول بار انکار و کفر ذکر کر کے دوسری بار سرایمان کر کے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اول بار کے ذکر میں دنیاوی بربادی و ہلاکت کی طرف اشارہ ہوا اور یاد دہانی کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے اعمال بد کے نتیجہ بد کو ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے وَلَقَدْ یَسْرُنَا الْقُرْآنُ لِلذِّکْرِ کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے ہند و نصائح ذکر کر دیے ہیں صاف صاف طور پر نہ جن میں کوئی ابہام ہے نہ معمہ نہ ایسے رموز و اشارات ہیں کہ جن کی طرف ذہن نہ جاسکتا ہو (جیسا کہ مکاشفات یوحنا اور بعض پیشین گوئیاں بائبل میں ہیں) نہ شاعرانہ خیال کی بلند پروازیاں ہیں بلکہ بہت صاف اور آسان۔ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟ اس پر بھی جو کوئی نہ سمجھے تو جان لو کہ اس کی تقدیر میں سعادت ازلی کا حصہ ہی نہیں۔

فائدہ (۱): قرآن کے آسان کرنے کے یہ معنی تھے جو ہم نے بیان کئے۔ اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لغات عرب سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور قواعد صرف و نحو و معانی و بلاغت کے رموز سے واقف نہ ہو۔ احکام کے علل و اسرار تک رسائی نہ ہو۔ حقائق غامضہ و لطائف روحانیہ تک ذہن اڑ کر نہ جاتا ہو۔ ابہام ربانی و اساس نوامیس سے آشنا نہ ہو۔ وہ بھی قرآن مجید کو دیا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ جس میں یہ سب باتیں ہوں حاشا وکلا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لیے ظہر و بطن ہے اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ یہ دریا ئے بے کنار ہے۔ اس سے ہر شخص بقدر فہم خود حصہ پاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسے جاہل کا کہ جس کو بجز ترجمے کے بارگاہ قرآنیہ تک رسائی نہیں یہ کہہ دینا (کہ جو کچھ آئمہ مجتہدین و علماء مستنبطین نے قرآن سے مسائل شرعیہ و معارف حکمیہ ثابت کیے ہیں ہم کو ان کی کچھ پروا نہیں) محض یادہ گوئی اور دریدہ دہنی ہے جو آج کل ظاہر بینوں اور سرسری نظروالوں میں انگریزی الحاد کی بابت از حد بڑھی ہوئی ہے۔

فائدہ (۲): فِیْ یَوْمٍ نَحْسُ یَوْمَ سے مراد مطلق وقت ہے جیسا کہ کلام عرب میں دستور ہے۔ پس یہ آیت سورہ سجدہ کی اس آیت کے منافی نہیں فِیْ اَیَّامٍ نَّحْسَاتٍ اور نہ الحاقہ کی اس آیت کے مخالف ہے سَبْعَ لَیَالٍ وَکَمَائِیَّةٍ اَیَّامٍ حُسُومًا۔ مستمر غالباً نحس کی صفت نہیں بلکہ یوم کی جیسا کہ قرأت اضافہ یوم نحس کی طرف اس کی مؤید ہے یوم کے متر ہونے سے کئی روز تک پے در پے آندھی کا چلنا مراد ہے یا مستمر کے معنی قوی کے ہیں۔ بعض مؤرخوں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ آندھی جس روز شروع ہوئی تھی وہ آخری چہار شنبہ تھا اور ہر مہینے کا آخری بدھ محسوس ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ ایام کافی ذاتہا انسان کی سعادت و شقاوت میں کوئی دخل نہیں اسی کے اعمال کا نیک و بد ثمرہ ایام میں

ظہور کرتا ہے جس لیے وہ اس دن کو منحوس یا سعید کہتے ہیں۔ ورنہ وہی ایک دن ہے جو سنگتوں کے لیے غم اور سنگتوں کے لیے سعد ہے اگر دن میں کوئی اثر ہوتا تو سب کے لیے برابر ہوتا۔ ایسے خیالات اور توہمات بنود اور دیگر بت پرست اور ادہام پرست قوموں میں مدت سے چلے آتے ہیں جن سے ان کے تمدن میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّمَّنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ ۚ إِنَّا إِذًا لَفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ أَلُنَا لَكَ الْذِكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشْرٌ ۝ سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الْكَذَّابِ الْأَشْرِ ۝ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسْرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۝

قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ پس کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں گے تب تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر وحی بھیجی گئی؟ بلکہ وہ تو بڑا ہی جھوٹا (اور) شیخی خور ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خور ہے۔ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں پھر (اے صالح!) انہیں دیکھتے رہو اور غصہ نہ کرو اور ان سے کہہ دیا کہ پانی ان میں بٹ گیا ہے ہر ایک اپنی باری سے پانی پر آیا کرے۔ پھر قوم ثمود نے اپنے رفیق کو بلایا تب اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیا تھا (پھر تو) ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب بھیجا پھر تو وہ ایسے ہو کر رہ گئے کہ جیسا کانٹوں کی باڑ کا چورا اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب : بَشَرًا ھو منصوب بفعل یفسرہ المذکور ای اتباع بَشَرًا ۱۰۱۱ نعت و یقرء بالرفع فھو مبتداء و مِمَّنَّا نعت لہ و اِحْدًا حال من الھاء فی نَتَّبِعُ من بیننا حال من الھاء الاشرہ کبسر الشین و ضمہا لالتان مثل فرح و فرح و یقرء بفتح ید الراء فھو فعل من الشر ففتنة مفعول لہ۔
تفسیر..... قوم ثمود کی بربادی : یہ تیسرا قصہ ثمود کا ہے کہ انہوں نے بھی نذر یعنی ڈرسانے والے رسولوں کو جھٹلایا (اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر جو بات صالح کہتے تھے وہی سب اگلے انبیاء کہتے آئے تھے پس ایک کا جھٹلانا گویا سب کا جھٹلانا ہے۔ یا یوں کہو خدا کی طرف کے انسان کو ڈرسانے والے انسانی انقلابات اور حوادث دہر بھی ہیں ان سے ہند پذیر نہ ہونا اور ان کو پس پشت ڈال دینا ان کی تکذیب ہے)۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک شخص کے جو ہمارے برابر ہے تابع ہو جائیں؟ اس میں کیا فوجیت ہے جو اسی پر خدا کی طرف سے نصیحت نازل ہوئی ہے۔ اس کے تابع ہونا گمراہی اور مصیبت میں پڑ جانا ہے بلکہ یہ جھوٹا شیخی خور ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الْكَذَّابِ کہ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خور ہے؟ اب ہم ان کی

آزمائش کو اونٹنی بھیجتے ہیں اس کو دیکھو لو وہ صبر کرو اور کہہ دو کہ پانی پینے کو ہر ایک اپنی باری سے گھاٹ پر آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قوم نے ایک بدر کردار کو آمادہ کیا اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر ان پر عذاب آیا۔ ایک ہیبتناک آواز رات میں آئی، پھر سخت زلزلہ آیا جس سے سب چورا چور ہو کر رہ گئے اس کا مفصل بیان سورہ ہود میں ہو چکا ہے۔

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں ایسے ایسے عبرت انگیز واقعات ہیں سمجھو قرآن کو آسان کر دیا ہے کوئی ہے کہ سمجھے؟
فائدہ (۳): سحر آگ کا شعلہ، جنون جمع سحیر کی۔ (ابو عبیدہ)۔ فراء کہتے ہیں اس کے معنی ہیں سختی اور مشقت کے (۲) ایشور بردزن فعل صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں خوشی کرنے والا اور اترانے والا۔ جس کا ٹھیک ترجمہ ہے شخی مارنے والا۔ (۳) شرب بکسر شین پانی کا حصہ۔

فائدہ (۴): ہَشِيمَ اِنْدَهِن۔ مُخْتَضِرٌ جمہور نے بکسر ظاہر ہا ہے یعنی اسم فاعل جس کے معنی ہیں کانٹوں کی باڑ بنانے والا جو کھیت یا مواشی کی حفاظت کے لیے بنایا کرتا ہے۔ بعض نے بفتح ظاء پڑھا ہے جس کے معنی ہیں حظیرہ کے جس کو احاطہ یا گھیر یا باڑ کہتے ہیں مراد ہے چورا چور اور شکستہ ہونا۔

فائدہ (۱): اَبَشْرًا مِّنَّا وَاحِدًا تَتَّبِعُهُ، تبع کے اول بشر کو مقدم کیا جس میں ان کفار کے وجوہ انکار و اسباب عدم اتباع رسول علیہ السلام کی طرف چند اشارات ہیں۔ اول یہ کہ بشر یعنی انسان ہونا ان کے نزدیک اتباع کے مناسب نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ انسان سب برابر پھر ہم میں کیا بات نہیں جو اس میں ہے۔ پھر کس لیے ہم اس کے کہنے پر چلیں۔ دوم بشر کو کفر بیان کیا جس سے اس کی تحقیر مقصود تھی یعنی بشر بھی کوئی نامور و معزز اور معروف شخص نہیں جس کے پاس دنیاوی عزت کا کوئی سامان نہیں۔ نہ مال و اسباب ہے نہ اور کوئی تجمل کی بات ہے۔ ایک فقیر آدمی ہے۔ سوم بشر بھی منہا ہم لوگوں میں کا ایک آدمی۔ عقلا کے نزدیک مجانست انسان کا اصلی حال دریافت کر کے اس پر اعتقاد لانے کا عذر دے رہا ہوتا ہے کیونکہ آپس کے لوگوں سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں رہتی مگر ان حقاء کے نزدیک یہ بھی ایک عیب کی بات تھی۔ سچ ہے آپس کے لوگ اور ہم زمانہ اور ہم وطن اپنے آدمی کے کمالات پر بہت کم اعتقاد لایا کرتے ہیں۔ اسی لیے حکماء اور عرفاء کا قول ہے کہ آدمی کی اس کے وطن میں قدر نہیں ہوتی۔ باغ میں پھول کی اور کان میں جواہر کی قدر نہیں جب وہ اپنے وطن سے نکل کر جوہریوں کے ہاتھ میں آتا ہے تو بڑی قدر و منزلت پاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کالمین کو قضاء و قدر نے بے وطن کیا ہے اور اسی سبب سے جناب رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وطن چھوڑنے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر مجبور کئے گئے۔ چہارم واحد یعنی اکیلا ہونا اس کے ساتھ جماعت کثیر نہ ہونا۔ یہ بھی اس کی کسر شان کا باعث عام دلوں میں سمجھا گیا اور یہی بات عموماً قوموں کی جبلی ہو گئی ہے اسی لیے ہر جگہ کے لوگوں نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم اور دنیاوی تجمل و حشمت نہ رکھنے والے نبی کا انکار ہی کر دیا ہے اور اب تک بنی آدم اسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ہم قوم اور ہم وطن اہل کمال کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں اور اسی طرح جس کے پاس سامان و اسباب دنیاوی اور ظاہری حشمت و عزت اور جماعت و اعوان و انصار نہیں ہوتے خواہ وہ کیسا ہی باکمال ہو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آج کل تو کمالات انسانیہ کا دار و مدار حشمت و مال و اعوان و انصار پر ٹھہر گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس زمانے میں حیات میں انسان نے ترقی کی ہے مگر روحانی کمالات میں بہت پستی ہو گئی ہے اور یہی سبب ہے کہ فواحش اور ریاکاری و عیاری و نفس پرستی نے بہت رواج پایا ہے اور پاتا بھی چاہیے تھا کس لیے کہ جس قدر ہادی برحق سے لوگوں کو زمانہ دور کھینچے جا رہا ہے اسی قدر ان کی روحانی قوت میں سستی اور ضعف آتا جا رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس زمانے میں نفوس قدسیہ حضرات اولیاء کرام بہت کم نظر آتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس ایک چھوٹے سے فقرے میں انسانی جبلت اور اس کے آثار بتلا کر ایمانداروں کو کس لطیف پیرایہ میں اسباب ظاہریہ

پر کمالات کی قدردانی کو منحصر جانے کو منع فرمایا اور یہ بات بتلا دی کہ ان باتوں کی طرف نظر نہ کیا کرو اصلی بات کو دیکھو۔ ان اسباب کے مفقود ہونے پر کفار اپنے نبی کی اتباع کرنے کو گمراہی اور جنون سمجھتے تھے۔ اِنَّا اِذَا الْغَيِّ ضَلَّالٌ وَّسُفَرٌ اور ہم جنس اور ہم وطن ہونے کے سبب سے ان کو اس بات کا کمال تعجب تھا کہ ہم میں سے یہ کیونکر خدا کا نبی ہو گیا اَللّٰہِ الَّذِیْ کُرَّ عَلَیْہِ مِنْ بَیْنِنَا اَخْرَجَ فِہِمْ نَیِّبًا اَمَّا اِذَا الْغَيِّ ضَلَّالٌ وَّسُفَرٌ اور وہ ان میں غور کر کے نتیجہ نکالنے اسی لیے سزا ہی کے تازیانے کی ان کو خبر دی گئی جیسا کہ بہائم اور بے عقلوں کو سمجھایا جاتا ہے فَالْاٰیَاتِ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مِّنَ الْکَذٰبِ الْاَوَّلِ۔

کَذٰبَتْ قَوْمٌ لُّوْطٍ بِالَّذِیْ ۝۳۱ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ حَاصِبًا اِلَّا اَنْ لُّوْطٌ
نَجَّیْنٰہُمْ بِسَحَرٍ ۝۳۲ نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا کَذٰلِکَ نَجْزِیْ مَنْ شَکَرَ ۝۳۳
وَلَقَدْ اَنْذَرْنٰہُمْ بَطْشَتْنَا فَنَتَّارُوْا بِالَّذِیْ ۝۳۴ وَلَقَدْ رَاوْدُوْہُ عَنْ ضَیْفِہِ
فَطَسْنَا اَعْنَیْہُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذِرُ ۝۳۵ وَلَقَدْ صَبَحْنٰہُمْ بُکْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ ۝۳۶ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذِرُ ۝۳۷ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ
مِّنْ مُّذْکَرٍ ۝۳۸

۱۰۰

قوم لوط نے بھی ڈرسانے والوں کو جھٹلایا تھا (پھر تو) ہم نے ان (سرکش قوم) پر پتھر برسائے۔ لوط کے خاندان کے سوا کہ ان کو تو (اپنی عنایت سے) ہم نے بچا دیا۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا پھر وہ خوف کی بات کو ٹھکرانے لگے اور وہ اس کے مہمانوں کو چھٹنے لگے پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پٹ کر دیں (اور کہہ دیا لو) اب ہمارے عذاب دسرا کے مزے چکھو اور صبح سویرے سے ان کو اٹل عذاب نے آ لیا۔ کہا گیا کہ لو اب ہمارے عذاب دسرا کے مزے چکھو اور البتہ ہم نے سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھے والا؟

ترکیب: الحاصب اسم الفاعل من حسب اذاری الحصباء ہی الحصباء ومنہ الحصب موضع بالحجاز قال ابو عبیدۃ الحاصب الحجاز فی المرتع وقال فی الصحاح الحاصب المرتع الحدیۃ التی تثیر الحصباء تذکیر الحاصب مع انه من الدالی المرتع وہی مونت ساعی لکوفھا فی تاویل العقاب الاآل لوط استثناء متصل بسحر الباء بمعنی فی اول الملابستہ ای حال کونھم متلبسین بحر نعمة منصوب علی العلة اوعلی المصدر یتماذوا تقاعلو من المریۃ وہی الشک والمجادلۃ راودوہ المرادوا الطلب مرۃ بعد مرۃ۔

تفسیر..... حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ: چوتھا قصہ قوم لوط کا ہے کہ انہوں نے بھی نبیوں اور ان کی باتوں کو جھٹلایا تھا جس سے ان پر بلائے عظیم نازل ہوئی۔ یہ قصہ کئی ایک جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ مختصر آئیے ہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفر مصر میں ساتھ تھے۔ دونوں کے مویشی بکثرت تھے اس لیے دونوں کو جدا ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان میں آ رہے اور حضرت لوط علیہ السلام یرون ندی کی ترائی میں جہاں سدوم اور عموره شہر آباد تھے۔ یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور بت پرست تھے۔ مردوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر وہ بد بخت اپنی ناجائز شہوت کے نشے میں اندھے تھے، نہ مانا اور جھٹلایا۔ اب

انتقام الہی کا وقت قریب آیا۔

دو فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر آئے تھے۔ لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت حضرت لوط علیہ السلام کو جو سدوم کے پھانک پر بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ان مہمانوں کو گھر لے گئے۔ سدوم کے مردوں نے جو ان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے ان کا گھر گھیر لیا اور انہوں نے پکار کر لوط علیہ السلام کو کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں مہمان آئے ہیں کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لاکہ ہم ان سے صحبت کریں۔ تب لوط علیہ السلام دروازے سے ان کے پاس باہر گیا اور کوڑا اپنے پیچھے بند کیا اور کہا اے بھائیو! برا کام نہ کرو۔ تب انہوں نے کہا ہٹ جا۔ تو گزران کرنے آیا ہے یا حاکمی کرنا چاہتا ہے۔ اب تیرے ساتھ ہم ان سے زیادہ بدسلوکی کریں گے۔ پھر وہ لوط علیہ السلام پر حملہ کر کے آئے اور کوڑا توڑنے لگے تب ان فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لوط علیہ السلام کو اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر لیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا۔ سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ تب فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ اپنے لوگوں کو لے کر اس مقام سے نکل جا کیونکہ ہم اس کو غارت کریں گے۔ صبح کو لوط علیہ السلام اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو لے کر نکل گئے اور شہر صغر میں پہنچے اور جب صغر میں داخل ہوئے سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی اور ان شہروں کو غارت کر دیا مگر ان کی بیوی نے باوجود منع کر دینے کے پیچھے پھر کے دیکھا سو وہ نمک کا کھدبان گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے فجر کو اٹھ کر اس زمین کے میدان کی طرف نظری اور کیا دیکھا کہ زمین پر بھٹی کا سادھواں اٹھ رہا ہے۔ (تورات سفر التخلیقہ باب ۱۹)

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذْرُ ﴿٣١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخَذَ

عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٣٢﴾ أَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٣٣﴾

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٣٤﴾ سَيَهْرَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ﴿٣٥﴾

اور البتہ فرعون کے خاندان کے پاس بھی ڈرسانے والے آئے تھے انہوں نے ہماری سب نشانیاں کو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو بڑی زبردست پکڑ سے پکڑا۔ کیا (اے اہل مکہ!) تمہارے منکران سے کچھ بہتر ہیں کیا تمہارے لیے دفتر میں معافی (لکھی) ہے کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زبردست جماعت ہیں جلد یہ جماعت ظلمت کھائے گی اور پیچھے پھیر کر بھاگے گی۔

ترکیب : النذر جمع نذیر و مصدر بمعنی الانذار۔ اخذ منصوب علی المصدر یہ اکفار کہ الاستفہام انکاری فی الزبور صفت البراءۃ ای براءۃ مکتوبہ فی الادراق او الکتب السماویۃ المنزلیۃ علی الانبیاء السابقین۔ الدبر والمراد الادبار لا رادۃ الجنس اولان کل واحد یولی دبرہ وقیل لاجل دبرہ وقیل لاجل رؤس الائی وقیل فی الافراد اشارۃ الی انہم فی التولیۃ والہزیمۃ کثرت واحد فلا یقدرون علی القابلۃ۔ تفسیر..... فرعونین کا حال : پانچواں قصہ فرعونین کا ہے۔ آل فرعون سے صرف اس کا خاندان ہی مراد نہیں بلکہ اس کی ساری قوم۔ ان کے پاس خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خوف اور دہشت دلانے والی باتیں پہنچیں مگر وہ بد بخت ازلی جو جاہ و شہم کے نشے میں

۱۔ قرآن مجید میں آندھی اور پتھر برسانا آیا ہے اور تورات میں گندھک اور آگ گندھک کے دیکھتے ہوئے ڈھیلے سخت ہوا میں گرتا قرار دیا جاوے تو کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی جو اعجاز اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اب بھی آسمان سے مختلف چیزیں لوگوں پر برسی ہیں اور جو فلسفی تاریکیوں میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ آسمان سے بسا اوقات انحراف دادنہ مختلف صورتیں حاصل کر کے زمین پر گر اترتے ہیں ہم کہتے ہیں مختلف صورتیں بنا کر حسب وقت کسی خاص قوم پر ان کی بربادی کے لیے گرانا طبیعت اجسام کا کام نہیں بلکہ قائل مختار اور واحد قہار کا۔ ۱۲۰

بدست ہو رہے تھے کب ڈرنے والے تھے اور اپنی بدکاریوں سے باز آنے والے تھے؟ خدا تعالیٰ کی کسی نشانی کو بھی نہیں مانا۔ خدا تعالیٰ کی نو نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں جو انہوں نے فرعونین کو دوقافو قفا دکھائیں۔ یہ بیضا، عصاء وغیرہ اس کے سوا اور بھی صدا خداوند تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حالات کا تغیر، عالم کا تبدل اور ارضی و سماوی حوادث اور اس کے عجائبات پہاڑوں اور دریاؤں اور زمین و آسمان کے بے انتہا قدرت کے کارخانے خداوند تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان میں غور و فکر کرنے والے کو ہدایت کے صدا ہانموں نے ہیں پھر جو کسی میں بھی غور نہیں کرتا تو پھر وہ ان سب کو جھوٹا جان رہا ہے پھر اس پر ہدایت کے دروازے بند نہ ہوں تو اور کیا ہو؟

جب فرعونین کی یہ حالت ہوئی تو ان کو ہم نے خوب پکڑ کر قابو کیا۔ ان پر ہر طرح کی بلائیں آئیں۔ فرعون اور اس کا لشکر بحر قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصے سنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لوگوں سے خطاب کرتا ہے کہ اکفار کھ خیراے عرب! یا اے اہل مکہ! کیا تمہارے کافران پہلے کافروں سے جو ہلاک ہوئے اور جن کے تذکرے تم سے آئے بہتر ہیں کہ ان کو وہ ہلاکی و بربادی پیش نہ آئے گی؟ اگر بہتر نہیں تو دوسری صورت بچنے کی یہ ہے کہ تمہارے لیے پہلی کتابوں میں کوئی برأت لکھ دی گئی ہو؟ کیا تم کو کوئی پروا نسل گیا ہے کہ تم پر عذاب نہ آئے گا؟ تیسری بات دنیا میں عذاب سے مامون ہونے کی اپنی ذاتی قوت ہے اپنی جماعت کے زور و شوکت سے خدا تعالیٰ کے قہر و جبروت کو مقابلہ کر کے ٹلا سکتے ہو سو یہ بھی نہیں۔ کیونکہ سَيَهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ یہ پسپا ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بخاری و نسائی نے روایت کی ہے کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر مقابلے میں نکلے اور یہ آیت پڑھتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ کون سی جماعت غالب ہوگی کون سی مغلوب؟ پھر جب بدر کے روز آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے برآمد ہوئے تو اس کا مطلب معلوم ہوا۔

بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَبُ وَأَمْرٌ ۝۳۱ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ
وَسُعْرٍ ۝۳۲ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝۳۳ إِنَّا
كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝۳۴ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝۳۵ وَلَقَدْ
أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ۝۳۶ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝۳۷ وَكُلُّ
صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌّ ۝۳۸ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۝۳۹ فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ
عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۴۰

بلکہ وہ گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور وہ گھڑی بڑی سخت اور تلخ ہے بے شک گنہگار اگر اسی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے (تو کہا جائے گا) آگ لگنے کا مزا اچھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز انداز سے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم تو ایک ہی بات ہوتی ہے جیسا کہ پلک کا جھپکنا اور البتہ ہم تمہارے جیسوں کو غارت کر چکے ہیں پھر کیا کوئی سمجھنے والا ہے؟ اور وہ جو کچھ کر چکے ہیں وہ تو اعمال ناموں میں (لکھا جا چکا ہے) اور ہر بات چھوٹی اور بڑی سب لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں (اور) مقام صدق میں بادشاہ قادر کے پاس ہوں گے۔

ترکیب : ادھی اسم تفصیل من الدھیۃ وہی الامر الحکر انقطع الشدید و امر اشد مرارة من عذاب الدنیا کل شیء و الجمہور علی نصب کل

بالاشتغال ای عاملہ فعل بفسرہ مابعدہ وقرنی بالرفع علی الابداء کلمہ الخ انظر علی السرعة وفي الصحاح لمحذولہ اذلا بصرہ بظفر خفيف والاسم للمحذول۔ کل شیء مبتدأ فی الزبر خبرہ مَقْعَدٌ صِدْقٍ من اضافة الموصوف الی الصفۃ ای فی مجلس حق ومکان مرضی وهو الجحیمہ او موضع لفریضۃ علی سائر الاماکن فی مَقْعَدٍ صِدْقٍ بدل من قولہ فی جنت وقولہ عِنْدَ مَلِیْکٍ بدل منه و یحتمل ان یكون صفۃ مقعد صدق۔

تفسیر: کفار کے حق میں پہلے بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا کہ ان کی جماعت ہزیمت کھا کر بھاگے گی۔ (ایسا ہی ہوا بھی)۔ اب یہاں یہ بتلاتا ہے کہ اس بھاگنے پر ہی ان کی سزا و سزائش موقوف نہیں۔ بَلِ السَّاعَةُ مُوعَدُهُمْ بلکہ ان کے عذاب کامل کا وقت ساعت یعنی قیامت ہے وہ سخت مصیبت کی گھڑی اور بڑی تلخ ہے وہاں کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے بہت ہی سخت ہے یعنی ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس کے بعد وہاں کے عذاب کا قانون بتاتا ہے کہ وہ کس کو ہوگا اور کیونکر ہوگا؟ فَقَالَ اِنَّ الْمَجْرِمِیْنَ فِی ضَلَالٍ وَسُعُرٍ کہ مجرمین یعنی گنہگار اللہ اور رسول کے نافرمان کفار اور شرکین (تعمیم ہے ضعیف روایتوں سے قدریہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص کرنا تکلف ہے) دنیا میں گمراہی میں ہیں نجات کا رستہ بھولے ہوئے ہیں ان کی یہ گمراہی اور جرم آتش جہنم ہو جائے گی۔ یا یوں کہو جنت کا رستہ بھولے ہوئے ہیں اور جہنم میں ہوں گے۔ یَوْمَ یُسْعَبُونَ اس دن وہ اپنے تکبر کے بدلے میں منہ کے بل آگ میں تھپیٹے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ گلنے کا مزہ چکھو۔

قیامت کے قائم ہونے اور وہاں مجرموں کے عذاب پانے کا ذکر کیا تھا لیکن یہ بات دو امر کے ثبوت پر موقوف تھی۔ اول یہ کہ ہر چیز کا خدا خالق ہے اور ہر چیز اس نے اندازے سے پیدا کی ہے۔ فقال اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ کہ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ منجملہ ہر شے کے عالم دنیا بھی ہے اس کی بھی ایک حد معین ہے آخر ایک روز یہ تمام ہوگا اور یہی قیامت کا دن ہے۔

ع ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات پر ہر طرح سے حکمران ہے اس کے حکم کے نافذ ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی۔ پس جب وہ قیامت قائم کرنا چاہے گا اور وہاں مجرموں کو سزا دینا چاہے گا تو فوراً کر دے گا۔ اس بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وما امرنا الا واحدة کلمہ بالبصر کہ ہمارا حکم ایک ہی کلمہ ہے وہ کن اور جب ہم ہونے کا حکم کرتے ہیں تو وہ بہت جلد ہو جاتا ہے جس طرح آنکھ جھپکنے میں دیر نہیں لگتی اسی طرح قیامت برپا ہونے میں اس کے حکم کے بعد دیر نہ ہوگی۔ اور نیز عالم خلق کو اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ میں ذکر کیا تھا پس مناسب تھا کہ عالم امر کو بھی ذکر کرتے اس لیے وما امرنا الا واحدة ذکر کیا۔

فائدہ: خلقناہ بقدر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے نافع ہو خواہ ضار ہو اور اس نے ہر چیز کا اندازہ اور پورا پیمانہ اور حد بھی پیدا کرنے میں ملحوظ رکھی ہے۔ اذہان بنی آدم میں مختلف مضامین جانشین ہوتے آئے ہیں۔ مشرکین تمام حوادث کو ستاروں کی تاثیرات اور ان کے اتصالات سے پیدا ہونا خیال کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے سوا اور میں بھی قدرت ثابت کرتے تھے اس لیے ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اپنے افعال میں اپنے آپ کو مستقل قادر سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں بندہ ہی خالق و مختار اپنے نیک و بد اعمال کا ہے۔ علم ازلی سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ عقیدہ آج کل کے شفیروں اور بعض ہندو کا ہے اور مسلمانوں میں بھی ایک فریق تھا جس کو قدریہ کہتے تھے یہ اس لحاظ کہ قضاء و قدر کے منکر ہیں انہیں کی مذمت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور فرقہ معتزلہ بھی انہیں کے قریب قریب ہے بلکہ شیعہ بھی ان کے مقابلے میں ایک دوسرا فریق تھا جس کو جبریہ کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ محض بے بس ہے جو کچھ ہم سے سرزد ہوتا ہے اس طرح سے ہوتا ہے کہ جیسا مرتعش کا ہاتھ ہلنے میں بیخود اور مجبور ہو کر حرکت کرتا ہے۔ پہلا فریق اس جبریہ فریق کو قدری کہتا تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے زنا پر ہم کو قادر کیا تو ہم نے زنا کیا۔ بایں معنی کہ یہ اثبات قدر کرتے ہیں مگر سنت والجماعت کا فریق نہ قدر کا قائل ہے نہ جبر کا۔ وہ کہتے ہیں

جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا یہاں تک کہ ہمارے افعال و حرکات ان کا بھی خدا تعالیٰ کا ازل میں علم تھا بندے کو اختیار ہے مگر اس اختیار میں مستقل نہیں اس کے جمیع افعال کا بھی اللہ ہی خالق ہے بندہ کا سب ہے اس کسب پر اس کو ثواب و عذاب ملتا ہے اور مدح و ذم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

پھر جب اپنا خالق اور عالم امر کا مالک ہونا ثابت کیا گیا تو اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ (جزاء و سزا دینے کے پیرائے میں) ثابت کرتا ہے فقال وَلَعَدَّ أَهْلَكُنَا أَشْيَا عَنْكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ کہ ہم نے اپنی قدرت و جبروت سے اے کفار قریش! تم جیسے بہت لوگ غارت کر دیے پھر کوئی سمجھنے والا ہے۔ یعنی پھر تم کو کیا امن ہے اور کون سی بات حاصل ہے جو ہلاکی سے مانع آئے گی؟

اس کے بعد اپنا بے انتہا علم ثابت کرتا ہے جو عدالت و جزاء و سزا اعمال کے لیے اور وہ بھی دوسرے عالم میں پر ضرور ہے۔ فقال وَبِئْسَ شَيْءٌ مَقْلُوبٌ فِي الْزُبُرِ کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفتر اعمال میں موجود ہے اور ہر بات لکھی ہوئی ہے۔ اس لکھنے اور دفتر اعمال کی کیفیت ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں کہ وہ لکھنا اس دواتِ قلم سے نہیں نہ وہ دفتر دنیا کے کاغذوں پر ہے۔

پہلے مجرموں کی کیفیت سزایمان کی تھی اب فرماں برداروں کا انجام نیک بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ کہ پرہیز گار جو زیور ایمان و اعمالِ صالحہ سے مزین ہیں مرنے کے بعد باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ یہ جنت جسمانی ہے فی مقعد صدق عند مليك مقتدر عمدہ موقع میں خدا تعالیٰ کے پاس رہیں گے۔ یہ جنت روحانی ہے جو متقین میں سے خاص اہل ارادہ و احرار کا حصہ ہے۔ مرنے کے بعد ان کی روح حظیرۃ القدس کی طرف عالم بالا میں محبوبِ اصلی کے پاس جا کر آرام پاتی ہے۔ تحت رب العالمین کے وہی طرف بیٹھنے سے یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس بارگاہِ قدس میں کاش اپنے ابرار کی صفہِ فعال ہی میں جگہ دے۔ وما لک علی اللہ عزیز۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّحْمَنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۖ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۖ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۖ الشَّمْسُ

وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۖ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۖ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ

الْمِيزَانَ ۖ أَلا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۖ

رحمان ہی نے قرآن سکھایا (اور) اس نے انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا (قوتِ باطن عطا کیا) سورج اور چاند حساب پر لگے ہوئے ہیں۔ بولیاں اور درخت (اسی کے حکم سے) سر بسجود ہیں اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور تر از و قائم کی تاکہ تم اندازے سے نہ بڑھو۔

ترکیب : الرحمن ذہب قوم الی انھایہ فالابتداء محذوف تقدیرہ اللہ الرحمن۔ علی قول الاخرین الرحمن مبتداء و ما بعدہ الخمر۔ خلق الانسان مستأنف و کذا علمہ و یسکن ان یكون حالاً من الانسان وقد محذوف۔ بحسبان قال الانعش الحبان جماعة الحساب مثل شہب و شہبان۔ و قيل مصدر مفر د بمعنی الحساب کالخفران و الکفران۔ و الجاریۃ تعلل بجزایان محذوف۔ و السماء منصوب بفعل محذوف یفسرہ المذکور الا تطغوا الصلا تطغوا افلا تأید و تطغوا منصوب بان و قبلھا الام العلة مقدرۃ و قيل ان مفسرۃ لان فی الوضع معنی القول۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسن و عروہ و عکرمہ و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور ابن مسعود و مقاتل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اول قول اصح ہے کیونکہ امام احمد و ابن مردودہ نے اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں رکن کی طرف منہ کئے ہوئے اس سورہ کو پڑھتے سنا اور مشرکین بھی فہمائی 'الَّذِينَ يَرْبُّونَا'

تَنكِدُ بْنُ سَن رَہے تھے۔ یہ اس سے پہلے کا اجرا ہے کہ حضرت ﷺ کو صاف صاف سنا دینے کا حکم ہوا تھا انہی۔

اس سورہ میں بھی انہیں تینوں اہم مسائل کا بڑے لطف و خوبی کے ساتھ اثبات ہے اور کن کن معانی خیز اور دل پر اثر کرنے والے پیارے پیارے الفاظ اور عرب کی میٹھی بول چال میں خاص انہیں کے مذاق کے موافق مکرر جملے لاکر ان کو دل نشین فرمایا ہے۔

شعراے عرب بلکہ عجم چند اشعار مختلف المضامین کے بعد ایک بند بطور مسدس یا مخمس کے ایک اشتراک خاص ملحوظ رکھ کر مکرر لایا کرتے ہیں جس سے اس مضمون کی خوبی دوبالا ہو جاتی ہے اور طبیعت سامع جو کسی قدر غافل ہو جاتی ہے اس پر ایک کوڑا سائبہ کرنے کے لیے پڑ جایا کرتا ہے۔ اس سورت میں وہ بند قُبَائِيْ اَلْاَءِ رَبِّكُمَا تَنكِدُ بْنُ سَن ہے جو ہر ایک جاں بخش مضمون کے بعد مکرر آ کر مطالب میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس بات کا لطف انہیں کو زیادہ آتا ہے جو کچھ مذاق سخن بھی رکھتے ہیں۔ عبارت کا دلکش ہونا بھی اثر کلام میں بڑی تاکید کرتا ہے۔

پہلا مسئلہ جو جملہ اصول کے ایک بڑی اصل ہے اثبات نبوت و قرآن کا سنجاب اللہ ہونا اس لیے اس سورہ میں سب سے اول کو اس لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔

فَقَالَ الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ کہ رحمان نے قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے نہ اس نے اپنے جی سے بنالیا ہے نہ کسی جن و خبیث کا شیطانی کلام ہے۔ الرحمن میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم و نزول اس کی رحمت خاصہ کا مقتضی ہے کیونکہ اس وقت مشرق و مغرب تک دنیا تاریک و خراب ہو رہی تھی دنیا گمراہیوں کے دریائے بے کنار میں غوطے کھا رہی تھی اس کی رحمت کب اس درطہ ہلاکت میں چھوڑتی اس لیے آپ نے قرآن تعلیم کیا جو ان ڈوبتوں کے لیے نجات کی کشتی اور ان اندھیروں کی قعر میں مبتلاؤں کے واسطے آفتاب ہدایت ہے۔

اور الرحمن کے مقدم کرنے نے اس بات کو اور بھی واضح کر دیا۔ یہ بات بھی ثابت کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر آدمی تھے یعنی کسی کے شاگرد نہ تھے وہ خاص تلمیذ رحمان تھے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس میں اپنی رحمت خاص کا اظہار کرتا ہے کہ انسان کو اس نے اپنی رحمت سے پیدا کیا اور پیدا کر کے دیگر حیوانات کی طرح گونگانہ چھوڑا بلکہ اپنی مہربانی سے اس کو بولنا سکھایا۔ پھر جس نے انسان کو بولنا سکھایا وہ رحمان بندوں کے درست کرنے کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کیوں نہ سکھاتا؟

اور تعلیم بیان ہی پر اس کی رحمت کا ظہور منحصر نہیں بلکہ اس نے انسان کے فائدے کے لیے الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ چاند اور سورج کو حساب میں لگا رکھا ہے یعنی وہ اس معین اور اندازے کی چال سے چلتے ہیں کہ جن سے سال اور مہینوں کا حساب درست ہوتا ہے۔ یوں ہی بے تک حرکت نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس کے حکم جبروت کے مسخر ہیں اور یہ گردش ان کی اس معبود حقیقی کا طواف اور قربان ہونا بھی ہے۔ دیکھو یہ انسان کے حق میں بھی اس کی کیسی رحمت ہے اور عالم میں اس کا کیسا حکومت و انتظام جلوہ گر ہے۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ زمین کی بلیں اور درخت بھی اس کے آگے جھکتے ہیں۔ نجم اس پیڑ کو کہتے ہیں کہ جو اپنی ساق پر کھڑا نہ ہو بلکہ زمین یا کسی چیز پر پھیلا ہوا ہو اور شجر اس کے برخلاف جو اپنی ساق پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا انقیاد و فطری ہے۔ حسن و مجاہد کہتے ہیں نجم سے مراد آیت میں آسمان کے ستارے ہیں ان کا جود بھی وہی انقیاد و فطری اور غروب ہے۔ وَالسَّمَاءُ وَرَفَعَهَا اور آسمان کو

یہ جملہ اس سورہ میں آئیں جگہ آیا ہے آٹھ بار اس کی نعمتیں اور عالم علوی و سفلی کے عجائبات قدرت ذکر کرنے کے بعد اور سات بار بعد ادواب جہنم دوزخ کے شدید ذکر کرنے کے بعد کیونکہ مومنین سے ان بلاؤں کا دفع کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور آٹھ بار دوزخ اور ان کے نعاء اور ان کے رہنے والوں کے حسن و جمال ذکر کرنے کے بعد بعد ادواب جنت کے وہ بھی آٹھ ہیں اور آٹھ بار ان کے سوا اور دوزخوں کی کیفیات بیان کرنے کے بعد جس میں اشارہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے گا، نیک کام کرے گا وہ دوزخ کے ساتوں دروازوں سے امن میں رہے گا اور دونوں جنتوں کے نعاء حاصل کرے گا اور اس جملہ کے بعد

سن کر یہ کہنا چاہیے لا اِلهَ اِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ رَبُّ الْمَرْكَبَاتِ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُحْمَلُ عَلَيْهَا اَشْفَالُ الْبَنَانِ لِيُنْزِلَ السَّمَاءَ مَاءً فَيَخْرُجُ مِنْهُ شَجَرٌ يَخْرُجُ مِنْهُ طَعَامٌ لِّالْعَالَمِينَ

بلند کیا۔ یہ بھی منجملہ انتظامِ عالم کے ایک بات ہے۔ ان سب باتوں میں علویات سے لے کر عالمِ سفلی تک اس کی رحمت کا ظہور و جبروت کا اعلان تھا اور یہ بات چاہتی ہے کہ ایسا قادرِ رحیم و کریم اپنے اشرف المخلوقات انسان کو ایسی بری حالت میں کیونکر چھوڑتا اور اس کے پاس نبی و کتاب نہ بھیجتا چنانچہ ان سب بیانیوں کے بعد آپ ہی اس نتیجہ کو اگلے جملے میں ظاہر فرماتا ہے۔ وَوَضَعَ الْمِيزَانَ اور اس رحمان نے دنیا میں ترازو یعنی عدل قائم کیا۔ مجاہد و قتادہ و سدی کہتے ہیں میزان سے مراد عدل و انصاف زمین پر قائم کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے قائم ہوا یعنی قانونِ انصاف قائم کیا جو بواسطہ وحی و الہام انبیاء علیہم السلام خدا نے دنیا میں قائم کیا اور یہی وجہ نبوت قائم کرنے کی ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيزَانِ تاکہ تم اس انصاف کرنے میں حد سے نہ بڑھو ہر شخص اپنے اپنے حقوق پر قائم رہے۔ دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔ باہمی معاملات سے لے کر عبادات و توحید تک۔

وہ قانونِ الہی قرآن مجید ہے جس میں سب معاملات و عبادات و طہارت و نجاست، بیع و شراء کے قوانین ماں باپ کے حقوق، تربیتِ اولاد کے احکام، زن و شوکا دستور العمل، حسن معاشرت کے طریقے، عبادت و تزکیہ نفس کے رستے، دارِ آخرت کی بقا، دنیا کی فقا، انسانی جذبات کے جز و مد۔ اس کے عمر گراں مایہ کا نتیجہ۔ حاکم و محکوم بادشاہ و رعیت کے ضوابط و نحوئی مندرج ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بیان میں روحانی برکت اور تحریک دلانے والا بے انتہا اثر بھی ہے۔

وَاقْيُمُوا الْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ ① وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ②
فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ③ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ④
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ⑤ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑥
وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑦ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ⑧ رَبُّ
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ⑨ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ⑩

اور انصاف سے تولو اور تول نہ گمناؤ اور اسی نے زمین کو لوگوں کے (فائدہ کے) لیے چھایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل گاہوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور (اس میں) بالوں میں لپٹے اناج اور خوشبو اور پھول (بھی ہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اس نے انسان کو ایسی کھڑکی مٹی سے بنایا جیسا کہ خشک اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا پھر تم (اے جن و انس!) اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دُشراق اور دُشراق کا مالک ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : وَلَا تَخْسِرُوا بِضَمِّ التَّاءِ اِی وَلَا تَنْقُصُوا الْمَوْزُونَ وَقِيلَ التَّقْدِيرُ فِی الْمِيزَانِ۔ وَيَقْرَأُ التَّاءُ وَالْحَاءُ وَالْوَوَالِدُ صَح۔ لِلْأَنَامِ يَتَعَلَّقُ بِوَضْعِهَا وَالْحَبُّ بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلَى النَّخْلِ وَالرَّيْحَانُ كَذَلِكَ وَيَقْرَأُ بِالنَّصْبِ اِی خَلَقَ الْحَبُّ۔ كَالْفَخَّارِ لَفَتْ لَصْلُصَالٍ مِّنْ نَّارِ لَفَتْ لِمَارِجٍ۔ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ اِی هُوَ قِيلَ هَذَا مَبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ مَّرْجٍ الْأَكْمَامُ جَمْعُ كَمٍ بِالْكَسْرِ وَهُوَ دَعَاءُ الشَّرِّ اَصْلُهُ يَطْلُقُ عَلَى مَا سَرَّهِنَّ وَمَنْ كَمَ الْقَمِيصُ بِالضَّمِّ۔

تفسیر : پہلے بطور علت و سبب کے عدل قائم کرنا بیان فرمایا تھا۔ اب بصراحت حکم دیتا ہے وَاقْيُمُوا الْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ کہ دنیا میں انصاف کی ترازو سے تولو۔ یہ حکم بڑا وسیع المعنی ہے جس میں اشیاء کا انصاف سے تولنا بھی داخل ہے اور عموماً ہر بات میں حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا اور عبادت و معاملات میں حقوق العباد سے لے کر حقوق اللہ تک بلکہ اپنے نفس کے حقوق دنیاوی اور دینی سب میں انصاف کی ترازو ہاتھ میں

رکھنے اور تولنے کا حکم ہے۔ بات چیت کرنے اور چلنے پھرنے سونے جاگنے میں۔ کیا جامع کلمہ ہے جس میں صداہا حکمت کے خزانے دبے ہوئے ہیں۔ پھر اس کی تائید کی جاتی ہے وَلَا تُحْسِرُوا الْعُمُوزَانَ کہ اس ترازو میں گھٹاؤ نہیں یعنی بے انصافی نہ کرو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو قیامت میں تمہارے اعمال کی ترازو میں کمی ہوگی۔ پس تم اپنی اس میزان میں کمی کرنے کا سبب نہ بنو۔

سماویات کے بعد عالم سفلی کی ایجاد میں جو کچھ انتظام اور مصحتیں اور رحمتیں ملحوظ رکھی ہیں ان کو بیان کر کے اپنا قادر و رحیم ہونا ثابت کرتا ہے۔ **وَقَالَ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ** کہ زمین کو انسان کے لیے کس طرح بچھایا اور ان کے آرام کرنے کے قابل بنایا کہ جس پر بلا کلفت و تکلف بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ نہ وہ ڈمگاتی ہے، نہ ایسی گول ہے کہ جس پر یہ ٹھہر نہ سکیں اور نہ صرف یہی بات ہے بلکہ **فِيهَا فَلَاحٌ وَنَخْلٌ وَدَاتُ الْأَكْمَامِ**۔ اس میں انواع و اقسام کے میوے ہیں اور کھجور بھی ہے جس کے پھلوں پر غلاف ہوتے ہیں یعنی میوے ہی پر موقوف نہیں ایسے بھی درخت زمین پر پیدا کئے ہیں جن کے پھل کھا کر انسان بغیر اناج کے بھی بسر کر سکتا ہے جیسا کہ کھجور اور وہ پھل کس حفاظت سے رہتے ہیں کہ گاہے میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اس قسم کے درختوں کے **سَوَاءٌ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ** چارے والے اناج اور غلے بھی پیدا کئے جن کے تخم تو انسان کی خوراک ہیں اور ان کے پٹھے اور پتے جانوروں کی جیسا کہ گیسوں چاول جو وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ الدیحاں خوشبو کی چیزیں اور عمدہ پھول بھی پیدا کئے۔ گلاب، موتیا، چنیل وغیرہ بلکہ خود ریحان بھی اسی قسم میں داخل ہے جس کے پتوں میں سے خوشبو آتی ہے۔ ان کے پتے اور پھول خوشبودار اور آنکھوں میں اپنی مختلف رنگوں سے نور اور سرور بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایک پھول ہے کہ سرخ، کوئی گلابی، کوئی زرد، کوئی کاسنی، کوئی اودا، کوئی سفید۔ پھر ایک پیڑ میں مختلف الوان کے پھول بلکہ ایک پھول میں مختلف رنگتیں پھر یہ گلکاری اس صانع مطلق نے تمہارے لیے کی ہے تم شکریہ ادا کرو۔ **فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ** اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ **آلَاءِ جَمْعُ** ہے الی و الی کی جس کے معنی ہیں نعمت و احسان کے۔ **رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ** میں تثنیہ کا صیغہ جن و انس کی طرف خطاب کئے لیے آیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے **سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَيْنِ** اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ میں نے اس سورہ کو جنوں کے سامنے پڑھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں خطاب انسان کی طرف ہے اور عرب خطاب میں صیغہ مفرود کو تثنیہ کر کے بول دیا کرتے ہیں۔

یہاں تک جس طرح مسئلہ نبوت کا اثبات تھا اسی طرح دوسرے مسئلہ توحید کا بھی کامل اثبات کر دیا گیا اس طور پر کہ جس نے دنیا میں آفتاب و مہتاب کو ایک خاص اندازے پر چلایا، ستاروں اور درختوں کو جھکایا، زمین کو بننے کے قابل بنایا پھر اس میں طرح طرح کے درخت اناج اور پھل پھول اگائے وہی تھا خداوند خدا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ سہیم۔

اس کے بعد انسان اور جن کی پیدائش کا ذکر کر کے دونوں مسئلوں کو قوت دیتا ہے۔ فقال خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ صَلْصَالٍ خَشْكَ مِثْلَ نَبْطِ كُفَّانٍ۔ صلسلہ کے معنی ہیں آواز دینا، کھن کھن کی سوکھی مٹی میں سے آواز آتی ہے اس لیے اس کو صلسال کہتے ہیں۔ نارتھیکری صلسال بالفتح گل پار یک آمینۃ یعنی غریژن فاذا طح بالنار يقال الفخار (مراح) آدمی کی پیدائش متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ل عمران میں من تراب اور حجر میں من حماء مسنون اور صفات میں طین لازب آیا ہے اور ایک جگہ ماء مہین آیا ہے اور اس جگہ بلصال کالفخار آیا ہے۔ ان میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ اختلاف نہیں کیونکہ روایات اہل اسلام کے مطابق حضرت دم علیہ السلام کا قالب خشک مٹی سے بنایا گیا جو کھنکھاتی اور ٹھیکرے کے مثل تھی پھر اس کو مہین کر کے پانی سے گوندھا وہ طین لازب گارا ہوگئی پھر جب خیر اٹھ گیا تو حماء مسنون ہوگئی اور اس کے بعد اس کی اولاد کا سلسلہ ماء مہین منی سے جاری ہوا۔

وخلق الجن من نار اور جان یعنی جنوں کے جدِ اعلیٰ کو آگ کے شعلہ سے بنایا۔ مارح آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو جس طرح انسان عناصر سے بنا ہے جن بھی عناصر سے بنا ہے مگر جس طرح انسان کا زیادہ مادہ خاک ہے اسی طرح جن کا آتش۔ جس لیے وہ

لحافات کی وجہ سے جس بصر سے محسوس نہیں ہوتا اور ہر بلع الحركات و خفیف ہوتا ہے۔ پھر ان کے بہت سے اقسام ہیں جیسا کہ ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی تاویل کر کے وجود جن کے منکر کہاں ہیں جو بتقلید فلاسفہ حال جن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی انسانوی کی ایک جنگی قوم بلحاظ لفظ جن قرار دیتے ہیں وہ یہاں کیا کریں گے یہاں تو انسان کے مقابلہ میں دوسری قوم بیان ہوئی اور ان کا مادہ بھی بیان فرمادیا۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ۔ اے انسان و جن تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ دو مشرق اور دو مغرب کا رب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جازے میں آفتاب اور جگہ سے اور گرمی میں اور جگہ سے طلوع کرتا ہے۔ اس ظاہر فرق کے لحاظ سے مشرقین یعنی دو مشرق کہتے ہیں۔ اسی طرح دونوں موسموں میں غروب بھی دو جگہ سے معلوم ہوتا ہے اسی لیے مغربین دو مغرب کہے جاتے ہیں ورنہ ہر روز آفتاب کا طلوع و غروب دوسری جگہ سے ہوتا ہے جس لیے رب المشارق والمغرب کہا جاتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَنِ ۖ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَنِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۖ
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۚ
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۚ

اس نے دو دریا ملے جلتے چلائے۔ ان میں پردہ (رکھ دیا) ہے جس سے بڑھنے نہیں پاتے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں سے موتی اور موتی نکلتا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور دریا میں پہاڑوں جیسے کھڑے ہوئے جہاز اسی کے ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : المرج الارسال يقال مرجت الدابة اذا ارسلتها يلتقيان حال و بينهما برزخ حال من الضمير في يلتقيان ولا يبغيان حال ايضا يخرج قالوا التقدير من اجدما الجوارى جمع جارية وهي السفن وحذفت الياء المنشئات من انشاء اذا ارفعه المرفوعات وقرئ بكسر الضمين وفي البحر يعلق به كالأعلام جمع علم وهو الجبل الطويل۔ حال من الضمير في المنشئات۔

تفسیر : ان آیات میں دوسرے مسئلہ توحید کو ثابت کر رہا ہے مگر جہاں کہیں قرآن مجید میں اپنے دلائل قدرت و جبروت ذکر کر کے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے دلائل میں وہی چیزیں بیان فرمائی ہیں کہ جو بندوں کے لیے انعام اور کارآمد چیزیں ہیں یہ اس لیے کہ انسانی جبلت انعام کی وجہ سے منعم کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے۔ ان آیات میں بھی وہی قاعدہ ملحوظ ہے۔ فقال مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَنِ کہ اس قادر مطلق نے دو دریا رواں کئے جو ملے ہوئے چلتے ہیں اور باہم خلط نہیں ہونے پاتے ان میں ایک قدرتی برزخ یعنی پردہ رکھا ہوا ہے جس سے دونوں باوجود اتصال کے خلط ملت نہیں ہونے پاتے۔ یہ دو دریا کس کے بس میں ہیں اور کس کی حکومت ان پر نافذ ہے؟ اسی قادر مطلق کی۔

ان دو دریا سے کون سا دریا مراد ہے؟ ابن جریج کہتے ہیں بحر شمر یعنی سمندر اور زمین کی میٹھی ندیاں مراد ہیں جیسا کہ نیل بیحون و جلہ فرات ننگ وغیرہ جب یہ سمندر میں گرتے ہیں کوسوں تک دونوں پانی جدا جدا ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ دو دھاریں الگ معلوم ہوتی ہیں، رنگت میں بھی اور پانی کے میٹھے کھاری پے میں بھی۔ بعض کہتے ہیں خود سمندر ہی کے مختلف ٹکڑے مراد ہیں بحر فارس و روم وغیرہ۔

بعض محققین کہتے ہیں لفظ میں تعیم سے یہ بھی مراد ہیں اور ان کے ساتھ اور بھی دریا مراد ہیں جیسا کہ دریائے ملکیت و بحیثیت جو ایک میٹھا اور ایک کھاری ہے۔ انسان کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں اور خلط ہونے نہیں پاتے اور ان سے بعد تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کے عمدہ

نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کو موتی اور مونگا کہنا چاہیے اور اسی طرح انسان کی ہر متضاد قوتیں مراد ہو سکتی ہیں جن کے دریا اس کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں۔

موتی سیپ میں پیدا ہوتا ہے اور مونگا ایک قسم کا پتھر ہے جو درخت کی طرح شاخیں نمودار کرتا ہے وہ بھی سمندر سے برآمد ہوتا ہے۔ موتی سفید یہ سرخ کیا قدرت ہے؟ یہ تو تھا ہی اور قدرت کا تماشا دیکھو ولہ الجوار المنشئات فی البحر کالاعلام۔ کہ بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز اور آگ بوت پہاڑ جیسے سمندر میں کھڑے ہیں، پانی کی طبیعت تھی کہ ڈوب جائیں مگر وہ قادر مطلق نہیں ڈوبنے دیتا اس کے سامان پیدا کر کے ان کو سمندر میں ایسا دوڑاتا پھرتا ہے کہ جس طرح زمین پر گھوڑے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک اپنی قدرت و جبروت عناصر پر ثابت کی کہ جن کو اوہام پرستوں نے اپنا متبہود بنا رکھا ہے ہنود آگ اور پانی کی پرستش کرتے ہیں اور پانی کی مایہ بتاتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝
فِي آيِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ
يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ فِي آيِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ سَنَفَعُ لَكُمْ آيَةَ الثَّقَلَيْنِ ۝
فِي آيِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَمْشُرُ الْجِبْنَ وَالْأَنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ
تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا
بِسُلْطَنِ ۝ فِي آيِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِئَ مِّنْ
تَّارٍ ۚ وَنَحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ۝ فِي آيِ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

جو کوئی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے اور (صرف ایک) آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور بزرگی والا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اسی سے مانگتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے۔ ہر دن اس کی (ایک) نئی شان ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جن و انس! ہم ابھی تمہارے کام سے فارغ ہوئے جاتے ہیں پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ (کچھ ایسا ہی) زور ہو تو نکل سکتے ہو (لیکن وہ ہے نہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم دفع نہ کر سکو گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فان خبر کل من ذوالجلال بالرفع علی انه لغت للوجه وبالجر لغت للجر۔ یسئلہ مستانف احوال من وجہ والعال فیہ یبقی۔ کل ظرف لما ول علیہ ہونی شان لاتنفذون لانافیہ شواظ بالضم واکسر لختان هو الملبب الذی لا داخان معہ۔ من نار صفۃ او متعلق بالفعل۔ نحاس بالرفع عطفا علی شواظ بالجرح عطا علی نار والا اول اقوی۔

تفسیر : دلائل توحید میں عالم اور اس کی عمدہ اور نافع چیزیں پیدا کرنے کا ذکر تھا تاکہ معلوم ہو کہ یہ عالم قدیم نہیں بلکہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اس کے بعد عالم فنا کرنے کی قدرت بیان کرتا ہے اور ان کے فنا کرنے میں اپنی قدرت و جبروت ظاہر فرما کر تیسرے مسئلہ حشر کو بھی اسی کام

کے دوسرے پہلو میں ثابت فرماتا ہے کہ وہی پیدا کرنے والا وہی مٹانے والا ہے۔ فقال كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کہ جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے۔ اس تقدیر پر آیت میں جنت و دوزخ کی تخصیص کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ وہ زمین ہی پر نہیں ان کا فنا کرنا یہاں مذکور نہیں۔

وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ اور اے مخاطب! تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ عزت و جلال والا ہے۔ وجہ سے مراد اس کی ذات اور اس کا وجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ربك میں واحد حاضر کی طرف خطاب اس رمز کے لیے ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اصلی مخاطب ہوتی ہی اس بات کو سمجھتے ہو تمہارا رب جیسا کچھ ہے تم ہی اس کو خوب جانتے ہو کہ وہ جی و قیوم ازلی ابدی ہے اور اس کے سوا ممکنات فی ذاتہا فانی ہیں ان کی حیات ان کا وجود مستعار ہے۔ دنیا کی فنا بھی انسان کے لیے اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے فنا ہونے کے بعد عالم باقی میں جانا میسر آئے گا جو بڑی نعمت ہے۔ عرفاء نے سچ کہا ہے موت بہل ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچا دیتی ہے اس کے علاوہ انسان کا رنج اور متکبروں کا جاہ و حشم فانی پر غرور اور ان کی کامرانی کی انتہا اور ایک محدود زمانہ دیکھ کر مومن کے دل میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک اس کی بڑی نعمت ہے جس لیے فرماتا ہے فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ۔

ایجاد اور فنا کے بعد یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ ہم نے ایک بار عالم کو پیدا کر دیا پھر سب کچھ آپ ہی ہو رہا ہے اور ایک روز ہم فنا کر دیں گے بس ہمارے کام کے یہی دو روز ہیں اور سچ میں ہم کچھ نہیں کرتے جیسا کہ بعض اقوام کا خیال ہے بلکہ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے خواہ بزبان حال خواہ بزبان مقال اسی سے مانگتے ہیں اور وہ ہر روز نئی شان میں ہے اس کی شانیں بے انتہا ہیں جن کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتا ہے۔ عبد اللہ بن زبیب رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے رب و رب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ہم نے پوچھا حضرت شان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ وہ گناہ بخشا ہے اور غم دور کرتا ہے اور کسی قوم کو بلند اور کسی کو پست کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو حسن ابن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مندہ و ابن مردويه و ابونعیم و ابن عساکر نے اور ابوداؤد و ترمذی سے یہی حدیث اپنی تاریخ میں بخاری نے و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ حق سبحانہ کی شیون اور اس کی نئی نئی تخلیقات کا عالم میں ظہور ہوتا ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور آئندہ ہوگا اور قیامت میں ہوگا سب اس کی ایک ایک شان کا جلوہ ہے۔ وہ بیکار اور نکما نہیں کہ دنیا کو پیدا کر کے آپ بیکار بن بیٹھا جیسا کہ بعض حکماء اور ہنود اور دیگر اہل مذاہب کا خیال ہے خصوصاً حکماء فرنگ کا۔

اس کے بعد پھر دارِ آخرت کے مسئلہ میں اپنی شان بیان فرماتا ہے سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ۔ زجاج و کسائی و ابن الاعرابی و ابویعلیٰ فارسی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں فراغ سے مراد وہ فراغ نہیں جو کام کے بعد ہوتا ہے کس لیے کہ اس کا کوئی ایسا شغل نہیں کہ جس سے فراغ ہونا کہا جائے اور نہ اس کی کوئی شان دوسری شان کو روکتی ہے بلکہ مراد ہے قصد کرنا۔ ثقلان ثقل کا تشبیہ ہے جس سے مراد جن و انس ہیں۔ ثقل بوجھ کو کہتے ہیں۔ انسان و جن احکام الہی کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں اس لیے ان کو ثقلان کہتے ہیں یا اس لیے کہ یہ بہ نسبت اور حیوانات کے ہماری بھرم یعنی ذی عزت عاقل ہیں یا اس لیے کہ یہ گناہوں کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ یہ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ لکھ میں جمع کا صیغہ لا کر پھر خطاب میں ایہا الثقلان تشبیہ کا صیغہ لایا اس لیے کہ وہ دو فریق ہیں اور ہر فریق جماعت ہے۔ بعض کہتے ہیں ثقلان سے مراد نیک و بد انسان ہیں۔ یا عالم ناسوت و ملکوت کے لوگ۔ یہ خلاف جمہور ہے۔ یعنی اے جن و انس! کیوں حساب و قیامت کے بارے میں جلدی کرتے ہو ہم ابھی تمہارا کام کئے دیتے ہیں۔ یہ دیر ہمارے نزدیک کچھ بھی دیر نہیں اس میں تہدید ہے منکران قیامت کے لیے۔ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے کہ اس سے بد ذکر و بدی سے باز آئے اور نیک نیکی میں سرگرمی کرے۔ اس لیے فرماتا ہے فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ۔ اس کے بعد یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک ہماری قدرت کے احاطہ میں ہے کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا فقال يَمْعُرُ

الْبَحْرِ وَالْأَنْسِ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا کہ اے جن و انسان کے گروہ اگر تم آسمانوں اور زمین کے حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ نکل نہ سکو گے مگر قوت کے ساتھ اور وہ قوت تم میں کہاں ہے بلکہ کسی میں بھی نہیں۔ تم سب اس کی قدرت کے احاطہ میں بند ہو وہ جو احکام چاہتا ہے دنیا میں نافذ کرتا ہے کوئی ان پیش آنے والے حوادث کو نال نہیں سکتا اور آخرت میں تم پر اپنے احکام جبروتی نافذ کرے گا۔ يُرْسِلْ عَلَيْكُمْ شَوَاطِلَ مِنْ ثَارٍ وَنَحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرُونَ۔ شواظ ابن عباسؓ کہتے ہیں شواظ آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں نحاس۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا جو قیامت میں دوزخیوں پر ڈالا جائے گا۔ سعید بن جبیر و ابن عباسؓ کہتے ہیں نحاس دھواں جو جہنمیوں پر چھوڑا جائے گا۔ یعنی قیامت میں۔ اے جن و انس کے مجرمو! تم پر شعلہ آتش اور دھواں چھوڑا جائے گا جس کو تم دفع نہ کر سکو گے۔ اس بیان میں بھی بوجہ تہدید ہونے کے جس سے انسان بدی سے بچ کر نیکی کا رستہ اختیار کرنے میں سرگرم ہو جائے بڑی نعمت و احسان ہے۔ جس لیے ان شدا ئد قیامت کے ذکر کرنے کے بعد بھی فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ کالانا ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٥٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٦﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿٥٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٨﴾ يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالتَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٥٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٠﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٦١﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ إِنْ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٦٣﴾
--

تُكَذِّبِينَ ﴿٦٤﴾

تُكَذِّبِينَ ﴿٦٥﴾

پھر جب کہ آسمان پھٹ جائے اور پھٹ کر گلابی تیل کی طرح سرخ ہو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ پھر اس دن نہ کسی آدمی کے گناہ کی پرش ہوگی اور نہ جن کی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گنہگار ان کے چہروں سے پچانے جائیں گے پھر تو بچے اور ناگئیں پکڑ کر کھینچے جائیں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنم کہ جس کو گنہگار جھٹلایا کرتے تھے۔ گنہگار جہنم میں اور کھولتے ہوئے پانی میں تڑپتے پھریں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فاذا شرط فکانت جواب الشرط وقیل جوابه فیومئذ ان فکانت علی هذا عطف۔ وقیل جوابه محذوف ای رأیت امر موصلا۔ کالدہان جمع دهن وقیراط ورج ورماح۔ وقیل اسم مفرد کا لخرام والادام۔ خبرتان علی کان الناقصۃ وحال علی تقدیر کوکھا تامۃ عن ذنبه والغصیر للانس باعتبار اللفظ وان تاخر لفظا تقدم رتبۃ۔ والاخذ يستعمل بالباء تارة بغیر حاتارة یقال اخذت الخطام واخذت بالخطام قاله الکرخی بطوفون حال من المجرمون وبجوزان یکون مستانفان اسم فاعل منقوص کقاص۔ قال الزجاج انی یانی فهو آن اذا انطی فی الفج والحراة۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا یرسل علیکم شواظ من نار کہ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا۔ اب یہاں اس کا وقت بیان فرماتا ہے کہ یہ کب ہوگا؟ یعنی قیامت میں اس لیے قیامت کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کب ہوگی اور کیوں کر؟ اور تیسرے مسئلہ معاد کا بھی ذکر کرنا مقصود تھا مگر

اسی سلسلہ میں فقال اذا انشقت السماء کہ جس دن آسمان پھٹ جائیں گے پھر وہ گلابی ہو جائیں گے جیسا کہ سرخ چڑا۔ فکانت وردة کالدھان کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وردة سرخی مائل گھوڑے کی طرح ان کا رنگ ہو جائے گا۔ صراح میں ہے ورد بالفتح کل وردة یکے وقیل لاسدور دلونہ وللفرس ایضا وهو بین الکویت والاشقر واللانعی وردة والجمع ورد مثل یون و یون و دراء ایضا وردة کلکوں شدن۔ دھن بالضم روغن و بارانی ضعیف۔ دھان جمع۔ دھان بالکسر ایضا اودیم سرخ۔ صراح

یہ اختلاف دھان کے لفظی معنی پر مبنی ہے۔ فراء ابو عبیدہ کہتے ہیں اس وقت شدت حرارت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو جائے گا اور حسن کہتے ہیں کہ جس طرح تیل کو پانی میں ڈال دیتے ہیں اور اس میں سرخی مائل مختلف نکلے نظر آیا کرتے ہیں قیامت کے دن آسمانوں کا یہی حال ہو جائے گا۔ پہلے قول کی علت گازرونی و عمادی وغیرہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اصلی رنگت آسمان کی قدماء کے نزدیک سرخ ہے لیکن بعد مسافت اور کثرت حوائج و حواجز اور ہمارے اور اس کے بیچ میں ہوا آ جانے کی وجہ سے نیلگوں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ عروق میں خون باوجود سرخ ہونے کے نیلگوں دکھائی دیا کرتا ہے۔

ایسا ہو مگر فلسفہ جدید یا قدیم کے مطابق کرنے میں ہم کو اس قدر موشگافی کرنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ خواہ آسمانوں کی اصلی رنگت سرخ ہو یا نیلگوں یا کوئی بھی رنگت نہ ہو بوجہ شفاف ہونے کے اور یہ نیلی چھتری صرف کرہ ہوا کے سبب ہم کو نظر آیا کرتی ہے اور چونکہ آسمانوں کے تلے یہ چھت گیری ہم کو دکھائی دیتی ہے اور اسی لیے ہم اسی کو آسمان کہتے ہیں یا جو کچھ ہو قرآن مجید کا صاف مطلب اسی قدر سے متعلق ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائیں گے یعنی خراب ہو جائیں گے اور اس صدمہ عظیم کے وقت سرخی نمودار ہوگی۔ یہ آسمان سرخ ہو جائے گا اس کے قہر و جبروت کے آثار اس پر ظاہر ہوں گے اور وہ خونی لباس سے ملبوس ہوگا۔

یہ بھی اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ آسمان فنا نہ ہوں تو عالم قدس آباد نہ ہو اس لیے فرماتا ہے فَبَیْأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمْ تُکَذِّبْنَ کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر اس روز مجرموں کے ساتھ کیا ہوگا۔ فقال فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان کہ اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت کچھ نہ پوچھا جائے گا۔ یہ بڑی تہدید ہے جس سے عاقل گناہ سے بچنے میں بڑی کوشش کر سکتا ہے اس لیے یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے فَبَیْأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمْ تُکَذِّبْنَ اس کے بعد اس پوچھے جانے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال یَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَمِئَتِهِمْ فِیَوْمَئِذٍ بِالنَّاصِیِ وَالْاَقْدَامِ کہ گنہگار ان کے چہروں سے خود پہچانے جائیں گے۔ گناہوں کا داغ اور اس کی سیاحتی ان کے منہ پر خود بخود دکھ دے گی کہ یہ گنہگار ہے، پھر پوچھنے کی کیا حاجت؟ پھر ان کے سر کے بال اور ٹانگیں پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا النواصی جمع ناصیہ ماتھے کے بال۔

فائدہ: اس قسم کی آیات کے کہ جہاں نہ پوچھے جانے کا ذکر ہے وہ آیات مخالف نہیں کہ جہاں سوال کرنے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ یہ آیت فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِیْنَ کہ تیرے رب کی یعنی اپنی قسم کہ ہم ہر ایک سے ضروری پریش کریں گے) کس لیے کہ یہ سوال کرنا ایک مقام خاص پر مراد ہے اور نہ سوال کرنا دوسری جگہ ہوگا۔ یا یہ کہ وہ سوال کرنا بطور دریافت کرنے کے نہ ہوگا بلکہ سرزنش اور تہدید کے طور پر اور یہاں بھی سوال نہ کئے جانے سے یہی مراد ہے کہ بطور دریافت کے سوال نہ ہوگا کس لیے کہ ان کے چہروں سے معلوم ہو جائے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ کلام بھی بڑی تہدید کا ہے جو انسان کو سعادت کے رستہ پر کھینچ کر لانے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک نعمت ہے فقال فَبَیْأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمْ تُکَذِّبْنَ۔ پھر ان دوزخیوں سے کہا جائے گا هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ۔ کہ یہ وہی تو جہنم ہے کہ جس کو یہ گنہگار دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ یَطُوفُونَ بَیْنَهَا وَبَیْنِ جَمِیْعِہِہَا۔ اب یہ حال ہے کہ وہ گنہگار اس دوزخ میں اور اس کے اندر جو گرم اور کھولتا ہوا پانی ہے اس میں پھر رہے ہیں جس کا انکار تھا وہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

احادیث صحیحہ میں جہنم کے عذابوں کا مفصل طور پر بیان آیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب یہ ہوگا کہ اس کی جوتیاں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے جس سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح پکے گا وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں حالانکہ اس کو سب سے کم ہے۔ (متفق علیہ)

اس مصیبت دردناک سے خدا نے اس کی تدبیر بتلا کر بچنے کا سامان کیا۔ یہ اس کی کبھی نعمت ہے؟ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ۔ انسان جو ان باتوں پر کان نہیں دھرتا تو اس نعمت کا انکار کرنا اور جھٹلانا ہے۔ یہاں تک مجرموں کی سزا کا بیان تھا۔

وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٍ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ ذَوَاتَا
أَفْنَانٍ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٠﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ۖ فَبِأَيِّ
آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥١﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٢﴾ مُتَكَيِّفٍ عَلَى فَرْشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۖ وَجَنَّا
الْبَحْتَيْنِ ذَا ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٣﴾ فِيهِنَّ قَصْرٌ مِمَّا ظُنُّوا ۖ لَمْ
يَبْطِئْهُنَّ لَأْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جِأُنَّ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٤﴾ كَانَتْهُنَّ
أَلْيَاقُوتٌ وَالْمَرْجَانُ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٥﴾ هَلْ جَزَاءُ
الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٦﴾

اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا تھا اس کے لیے دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ دونوں باغ بڑے پھلے پھولے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (اور) ان میں ہر ایک قسم کے میوے ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نکیہ لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کا استر مخملی ہوگا۔ اور ان باغوں کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں پہنچی نگاہ والیاں عورتیں ہوں گی کہ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ کسی جن نے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (رنگت میں) یاقوت اور موتی ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نکیہ کا بدلہ نکی کے سوا اور کیا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : جنتان مبتداء لمن خاف خبرہ مقام ربہ المقام اما اسم منان ای خاف الموقف الذی یقف فیہ العباد للحساب کمافی قولہ تعالیٰ یوم یقوم الناس لرب العالمین واما مصدر رفیعہ احتمالان اما بمعنی قیامہ تعالیٰ علی احوال العباد من قام علیہ اذا رقبہ کمافی قولہ تعالیٰ فمن هو قائم علی کل نفس بما کسبت واما بمعنی قیام العبادین یدیه۔ فعلی الاول اضافۃ الی الرب تعظیماً و تعویلاً۔ وقیل لفظ المقام مقم ای ولمن خاف ربہ والمعنی لکل خائفین منکما اوکل واحد جنتان۔ ذواتا تشبیہ ذات علی الاصل ولا محاشا (الجلال المحلی) قال ابن الصائغ الالف قبل التاء بدل من یاء وقیل من واد قال الخطیب فی تشبیہ ذات لغتان الاولی الروای الاصل فان اصلها ذویہ فالعین وادواللام یاء لانها مؤنثہ ذوی والثانیۃ

التعمیہ علی اللفظ فیقال ذاتان۔ وهو صفۃ الجنتان او خبر مبتداء محذوف۔ افنان جمع فنن وہی النصۃ^۱ الی تشعب من فرع الشجر۔ وقال الزجاج جمع فنن^۲ کدن وهو الضرب والنوع من کل شیء والمراد بها الالوان وبہ قال عطاء وسعید بن جبیر وجمع عطاء بین القولین فقال فی کل غصن فنون من الفا کتہ۔ وقیل ذواتا انواع واشکال من الثمار وقیل الافنان ظل الاعصان علی الخیطان متکئین انقباضاً علی المدح للحنان فین احوال منھم لان من خاف فی معنی الجمع وجنا الجنۃین مبتداء ودان خبرہ اصلد انومثل غاز فاعل اعلاہ وحنی فعل بمعنی مفعول الجنی ما یتکئی^۳ من الثمار۔ قاصرات الطرف من اضافۃ اسم الفاعل الی مفعولہ تخفیفاً۔ لہ یطمئنھن الضمیر راجع الی الازواج المدلول علیھن بقاصرات الطرف۔ الطمٹ الجماع وقال ابو عمر والطمٹ المس۔

تفسیر: یہاں سے اہل سعادت کے منازل بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٍ کہ جو دنیا میں اس بات سے ڈرا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے (اور یہی اصولِ حسنات میں سب سے بڑھ کر ہے یہی فطری اور عملی حسنات پر آمادہ کرتی ہے اور برائیوں سے باز رکھتی ہے) اس کے لیے آخرت میں دو بہشت ہوں گے۔ ایک روحانی دوسری جسمانی اور دو اس لیے کہ ہمیشہ ایک مقام میں رہنے سے طبیعت بھر جاتی ہے کبھی یہاں کبھی وہاں سیر و تفریح کے لیے ایک گھر دوسرے سیر کا باغ۔ ایک جنت معصیت ترک کرنے کے بدلے میں، دوسری اطاعت کے بدلے میں۔ یا کہو ایک عقیدہ پاک کے سبب دوسری اعمال کے سبب یا ایک محض فضل الہی کے سبب۔

آگے ان دونوں باغوں کا وصف بیان فرماتا ہے۔ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ شاخوں والے یعنی پھلے پھولے ہرے بھرے جن پر خزاں و بادِ صرصر و گرمی و سردی کا کبھی اثر نہ ہو۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ۔ فِیْھِمَا عَیْنٌ مِّنْ تَجْوِیْنِ۔ یہ دوسری صفت ہے کہ ان دونوں میں دو نہر جاری ہوں گی نہایت صاف اور فرحت خیز پانی بلوریں چھپر اور ان میں نہت کے کام کئے ہوئے اور پھر کہیں فواروں میں سے پانی کا گرنہ کہیں چادریں چھٹنا عجب فرحت بخشا ہے۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَنِ۔ فِیْھِمَا مِنْ کُلِّ فَاكِهَةٍ دُونَ جَنِّ۔ یہ تیسری صفت ہے صرف بہار ہی نہیں بلکہ ہر ایک قسم کے میوے بھی ان میں ہوں گے جو نہ موسم کے تمام ہونے سے تمام ہوں اور نہ فصلوں کے خراب ہونے سے خراب ہوں۔ زَوْجَانِ الصُّفْھَانِ وَالنَّوْعَانِ والمعنی فی الجنۃ من کل نوع من ثمار الدنیا نواعان۔ یعنی دنیا میں جس قسم کے میوے ہیں ان کی وہاں دو قسمیں ہوں گی رنگت اور ذائقہ اور خوشبو اور چھوٹے بڑے ہوتے ہیں فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَنِ عَلٰی فُرُشٍ بَطَآئِنُھَا مِنْ اَسْتَبْرَقٍ۔ نکلیہ لگا کر ایسے عمدہ فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کے استرخمیل کے ہوں گے۔ یہ چوتھی صفت ہے کہ پتوں اور گھاس اور پتھروں پر بیٹھنا نہ پڑے گا بلکہ ایسے عمدہ مقامات بنگلے اور بارہ دریاں اور کوٹھیاں ان باغوں میں ان نہروں کے اوپر نہایت صنعت کے ساتھ جواہرات سے بنی ہوں گی کہ جن میں ایسے فرش ہوں گے کہ جن کے استرخمیل ریشمی ٹمبل کے ہوں گے پھر ان کے اوپر کے رخ کے تو کیا کہنے ہیں۔ دستِ قدرت نے کیا کیا اس میں گلکاری کی ہوگی اور کیسا عمدہ کپڑا لگایا ہوگا۔ بطائن جمع بطانہ وہ رخ جو زمین سے ملا ہو۔ استبرق۔ موٹی دیبا یعنی ریشمی ٹمبل۔ اور یہ بھی نہیں کہ باوجود اس خوبی کے جنت کے میوے ایسے بلند اور مشکل چڑھائی کے درختوں پر اور شاخوں میں ہوں کہ جن کے لیے محنت اٹھانی پڑے۔

پانچویں صفت ہے۔ عمدہ باغ اور نفیس مکانات اور آراستہ فرش اور عمدہ کھانوں کے بعد انسان کی طبع حسین عورتوں کی طرف مائل ہوتی بلکہ وَجَنَّا الْجَنَّتَیْنِ دَان۔ ان کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے، ہاتھ بڑھاؤ اور توڑ لو۔ کیسی ہی بلند شاخ ہے جھکی چلی آتی ہے۔ یہ ہے

۱۔ شاخ۔ ۲۔ قسم۔ ۱۲۔

۳۔ پنے ہوئے میوے۔ ۱۲۔

۴۔ ابوبکر و راقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عینان تجریان میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں جو آنکھیں اللہ کی محبت یا خوف میں روتی تھیں وہی جنت میں ہوں گی ان کے آنسو وہاں دو جاری نہر کی صورت میں متشکل ہوں گے۔ ابراہیم خواص فرماتے ہیں اسلام کی جزا دار السلام ہے۔ دار السلام جنت کا ایک نام ہے۔

اور یہ جلسہ ان سے دو بالا ہو جاتا ہے۔ ایسے عمدہ مقامات پر یہ نہ ہوں تو حظ نہیں اس لیے فرماتا ہے فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ۔ یہ چھٹی صفت ہے کہ وہاں ایسی نیک سیرت عورتیں ہوں گی کہ جن کی بچی لگا ہیں ہوں گی۔ شوخ چشم غیروں کی گھورنے والیاں نہ ہوں گی اور یہ وصف ان میں پیدا انٹی ہوگا یہ نہیں کہ پہلے بدکار تھیں پھر توبہ کر کے نیک ہو گئی ہوں۔ ایسی عورتوں سے بھی غیرت مند طبائع نفرت کیا کرتی ہیں بلکہ لہر یطمئنہ ان کو کسی نے ان سے پہلے ہاتھ ہی نہیں لگایا ہوگا نہ جن نے نہ انسان نے۔ یہ ان کی سیرت کی خوبی بیان ہوئی کس لیے کہ سیرت صورت پر مقدم ہے بد سیرت ہے تو سب حسن صورت بیچ۔ اس کے بعد حسن صورت بیان فرماتا ہے كَانَهُنَّ الْيَتَامَىٰ وَالْمَرْجَانُ گویا وہ یا قوت اور مونگا ہیں۔ یہ ان کے صفائے رنگ میں تشبیہ ہے جو کمال حسن کو مختص ہے۔ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ۔ انسان کا جہاں تک خیال جاسکتا ہے اور جن چیزوں پر اس کی رغبت ہے وہ یہی چیزیں ہیں جن کا بہ ترتیب بیان ہوا مگر وہاں اس کے خیال سے بھی بڑھ کر نعمتیں ہیں ھَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ دنیا میں جو کوئی نیکی کرتا ہے پھر اس کا وہاں نیک ہی بدلہ ہے گویا یہاں تک نیک بدلہ کی تشریح تھی۔ یہ آیت مجملہ ان چار آیتوں کے ہے کہ جن کے سو سو معنی سے زائد ہیں۔ ان کے کلمات جامع بے شمار معانی کو حاوی ہیں۔ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ۔

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ مُدْهَمَمَتَيْنِ ۖ
فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ فِيهِمَا عَيْنٌ نَّضَّاحَتَيْنِ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَانٌ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَنٌ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ مُتَكِبِينَ عَلَى رَفْرَفٍ خُضِرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حَسَنِ ۖ فَبِئْسَ مَا كَانُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا عِبَادَ اللَّهِ الْأَبْرَارَ ۖ رَبِّكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۖ

اور ان دونوں باغوں کے سوا اور دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں بہت ہی سبز ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جوش مار رہے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے اور گھوڑیں اور انار ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں بڑی نیک سیرت عورتیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہوں گی جو خیموں میں بند بٹی ہوئی ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا نہ جن نے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نیک لگائے بیٹھے ہوں گے سبز اور رنگ برنگ کے عمدہ قالینوں پر پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے جو (بڑے) جلال و عزت والا ہے۔

ترکیب : جنتان مبتداء و من دونہما خبر مدها متان صفة للجلالتان و خبر مبتداء محذوف عینان موصوف نضاحتان صفة للموصوف

والصفة مبتدأ فیهما خبرہ قس علیہ ما بعدہ۔ حور بدل من خیرات وقیل الخمر محذوف ای فیمن حور۔ حال وذوالحال محذوف دل علیہ الضمیر فی قلیلہم۔ رفوف فی معنی الجمع وقیل رفوفہ حضرت صفۃ والا کرامہ بالجر عطفاً علی الجلال وقرأ ابن عامر بالرفع صفۃ للاسم۔

تفسیر: یہ اہل سعادت کے مقامات کی اور زیادہ تشریح ہے کہ ان خدا ترسوں کے لیے دو اور باغ ملیں گے جن کے اوصاف بعد میں بیان فرماتا ہے۔ کیا یہ چاروں جنت ایک کے لیے ہوں گی؟ جمہور کے نزدیک وہ دو جنت ایک گروہ اہل سعادت کے لیے ہوں گی اور یہ دونوں دوسرے گروہ اہل سعادت کے لیے۔ یہ پہلی بہتر ہیں یا یہ دونوں بچھلی؟ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں لکھتے ہیں۔ یہ دونوں جن کا ان آیات میں ذکر ہے ان دونوں سے جن کا پہلے ذکر ہوا بڑھ کر ہیں۔ دونہما کے معنی ہیں اقر بھما واماھما کے کہ یہ عرش کے ان سے زیادہ قریب تر ہیں یعنی ان سے بالاتر کے مقامات ہیں مگر اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں ان دونوں سے کتر درجہ کی جنت ہیں۔ لفظ دون جس کے معنی کمی کے ہیں اس پر شہادت دے رہا ہے اور احادیث صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ وہ پہلی دو جنت ساتھین مقررین کے لیے ہیں اور یہ اصحاب الیمین کے لیے۔

بعض کہتے ہیں اُن دونوں کا نام جنت عدن و جنت نعیم ہے اور ان کا جنت الفردوس و جنت الماویٰ۔

اہل سعادت میں سے ساتھین مقررین کا درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ہیں اور اصحاب الیمین ان سے درجہ میں کم ہیں کیونکہ اصحاب الیمین صلحاء مومنین ہیں اس لیے ان کے لیے جو دو باغ ملیں گے بڑھ کر ہوں گے اصحاب الیمین کے دو باغ۔

اس لیے ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں پہلی دو جنتوں کے جو اوصاف ہیں قرآن مجید کے الفاظ سے ان کا ان اوصاف سے جو ان دو جنتوں کے ہیں بڑھ کر ہونا ثابت کر کے دکھایا ہے۔ ایسی باتوں کو علم الہی کے حوالے کرنا میں پسند کرتا ہوں اس علم کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے۔ مدھامتان مشتق ہے دھمتہ سے جس کے معنی لغت میں سیاہی کے ہیں۔ کہتے ہیں فرس ادھم و بعر ادھم جب کہ ان پر سیاہی غالب آ جائے ادھام ادھیما۔ ابن عباس رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سبز کے۔ محمد بن کعب۔ کہتے ہیں تیز سبزی، سبزی جب تیز ہو جاتی ہے تو سیاہی مارنے لگتی ہے اسی سبزی کو دھمتہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی پانی کی کثرت اور شادابی کے زیادہ ہو جانے سے ان دونوں باغوں کے درخت نہایت سبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

نضاعتان نضج کے معنی ہیں چشمے سے پانی کا ابلنا، فوارے کی طرح جوش مار کر نکلتا۔ اور نضج ماء مہملہ سے جو ہے تو اس کے معنی میں کمی ملحوظ ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں ترش اور چھڑکنے کے۔ یعنی ان دونوں باغوں میں ایسے دو چشمے ہوں گے کہ جن کا پانی فوارے کی طرح سے گرتا ہوگا۔ اس قسم سے پانی کا نکلتا بھی عجب فرحت خیز ہے۔

فیہما فاکھۃ و نخل و رمان ان میں میوے اور کھجور اور انار بھی ہوں گے۔ یہ چیزیں باغوں کو خصوصاً عرب کے قلوب میں نہایت زینت دیتی ہیں کس لیے کہ کھجور تو ان کی عام خوراک ہے اور انار بمنزلہ شراب کے ہے۔ اناہم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کھجور اور انار پر عرف عرب میں فاکھتہ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ ان کا فاکھہ پر عطف ہے اور معطوف علیہ معطوف کے غیر ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز نہیں ہوا کرتی۔

فیہن خیرات حسان۔ فیہن کی ضمیر انہیں دونوں باغوں کی طرف پھرتی ہے تغلیباً۔ بعض کہتے ہیں ان دو کی خصوصیت نہیں اس میں پہلے دو باغ بھی شامل ہیں۔ مکانات کی خوبی اور ان کی تروتازگی کے بعد وہاں کی دلکش چیزوں کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ان میں خیرات حسان ہیں خیرات کو جمہور نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے تب یہ خیرۃ بوزن فعلیہ کی جمع ہے کہتے ہیں امرۃ خیرۃ یعنی اچھی عورت جیسا کہ

اس کے مقابل میں کہتے ہیں امروۃ مشرۃ بری عورت اور بعض نے خیرات بالتشدد پڑھا ہے تب یہ خبیثۃ کی جمع ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں خوبصورتی کے دوسری میں عادت و اخلاق کی اچھائی کے اور بعض نے عام رکھا ہے مگر قوی یہی ہے کہ خیرات سے اخلاق و عادات کی خوبی مراد لی جائے اور حسان سے صورت کی۔ اور ممکن ہے کہ ایک لفظ دوسرے کی تائید کے لیے آیا ہو۔ حسان خوبصورت، یعنی ان دونوں باغوں میں خوبصورت اور حسین عورتیں ہوں گی۔

حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِی الْخِیَامِ، ان باغوں میں خیمے ہوں گے جن میں حوریں پردہ ستر میں ہوں گی۔ حسن کہتے ہیں وہ حورالعین جو قرآن میں مذکور ہیں وہ یہی دنیا کی نیک عورتیں ہوں گی جن کو حسن و خوبی دے کر وہاں حور بنا دیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک وہ ایک نئی قسم کی عورتیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے جنت میں پیدا کی ہیں وہ دنیا کی عورتیں نہیں۔ اس پر جمہور کے پاس بہت سے شواہد نقلیہ موجود ہیں۔ پھر ان دونوں میں کس کا حسن زیادہ ہوگا؟ بعض کہتے ہیں حوریں بڑھ کر ہوں گی بعض کہتے ہیں دنیا کی نیک بیویاں ستر درجے بڑھ کر حسن میں حور سے زیادہ ہوں گی اور حوریں ان کے آگے لوٹ پوٹ کی طرح رہیں گی۔ واللہ اعلم ان باتوں میں بھی کسی کے پاس کوئی حجت قاطعہ نہیں۔ مکانات میں ان حسین عورتوں کا رہنا اور خیموں میں سیر و تفرق کے لیے جانا انہیں کا جا کر رہنا وہاں حوروں کا موجود ہونا طابع انسانیت کے لیے نہایت مرغوب ہے۔

مُتَّكِئِينَ عَلٰی رُفُوفٍ خُضْبَرٍ وَعَبَقَرٰی حَسَنٍ۔ رُفُوفٌ سبز اور خوبصورت عبقری پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ رُفُوفٌ رف برف اذا ارتفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کے ہیں اور اسی لیے جو طائر ہوا میں پر کھول کر اڑتا ہے اس کو رُفُوفہ کہتے ہیں۔ آیت میں اس سے کیا مراد ہے؟ ابو عبیدہ کہتے ہیں اس سے مراد بچھونے۔ اور یہی قول ہے حسن و مقاتل و ضحاک وغیرہم کا بعض کہتے ہیں نیلے بعض کہتے ہیں جنت کے چمن۔ مگر صحیح اول قول ہے کہ وہ عمدہ ریشمی قالین سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری عبقری طرف منسوب (عبقر زمین پر یاں و عرب ہر چیز سے از مردم دستور و جامد و فرش و خبر آں را کہ در غایت قوت و حسن و لطافت باشد بوی منسوب کنند يقال ثوب عبقری و هو واحد و جمع والا عبقری عبقری) صراح۔ اس سے مراد بھی وہی گدے اور نیلے اور نہالے ہیں جو نہایت عمدہ ہوں گے اس کے بعد کلام کو اپنی ذات کی خوبی و برکت پر تمام کرتا ہے تَبٰرَکَ اَسْمُ رَبِّكَ ذٰی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہ جس نے انسان کے لیے یہ نعمتیں پیدا کیں۔ ثوبان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تین بار استغفار کرتے اور پھر یہ کہتے تھے۔ اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاكرام۔ (رواہ مسلم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا کَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًا ۝۴ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا ۝۵ فَکَانَتْ هَبًا مُّنبَسًا ۝۶

وَکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝۷ فَاصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ ۝۸ مَا اَصْحَبُ الْمِیْمَنَةِ ۝۹

ترجمہ

۱۔ اصل تبارک کی تہرک ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں اور اسی سے ہے برک البعیر و برکۃ الماء کہ جہاں پانی ٹھہرتا ہے۔ یہ معنی ہوئے کہ اس کا نام سدا رہے گا اور سب خیر و خوبی اسی کو ہے کس لیے کہ برکت کا استعمال خیر میں ہوتا ہے یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی شان بلند اور وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔ ازاں جملہ کذب ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ جو اس کے وعدے ہیں سب سچ ہیں بعد مرنے کے ہر کوئی دیکھ لے گا ترغیب کے لیے جھوٹی باتیں نہیں بنائی گئی ہیں جیسا کہ طحا کہتے ہیں۔

وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۚ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۙ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۙ

أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۙ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۙ

جبکہ واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے (قیامت) جس کے واقع ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں (وہ) کبھی کو پست کر دے گی اور کسی کو بلند جبکہ زمین بڑے زور سے لرزے گی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چور ہو جائیں گے سو وہ غبار ہو کر اڑتے پھریں گے اور (اس وقت) تمہاری تین جماعت ہو جائیں گی ایک تو دائیں طرف والے دائیں طرف والوں کا کیا ہی کہنا ہے اور (دوسرے) بائیں طرف والے، بائیں طرف والوں کا کیا ہی برا حال ہے اور (تیسرے) آگے والے تو آگے والے ہی ہیں (اور) وہی مقرب بھی ہیں وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے۔

ترکیب : اذا والعال فیما اذکر او مادل علیہ لیس لوقعتھا کاذبہ ای اذا وقعت لم تکذب۔ اوصی ظرف لحاظ خطہ الرفعة اذ الشاء تکریر لادلی او بدل منها کاذبہ مصدر کالعافیۃ والعاقبۃ ہی اسم لیس۔ خانضۃ رافعة قرأ الجہور بالرفع علی انھما۔ مبتداء محذوف وقری بالنصب علی الحال من الضمیر فی کاذبۃ ادنی وقعت۔ فاصحاب المیمنۃ مبتداء ما اصحاب المیمنۃ الجملة خبر ولما کان الثانی عین الاول لم یحتاج الی ضمیر الی المبتداء والسابقون مبتداء السابقون خبرہ قبل الثانی لغت للاول او تکریر وتوکید اولئک الخ الجملة خبر۔ فی جنات النعیم خبر ثان او حال من الضمیر فی المقربون او ظرف قرأ الجہور جنات بالجمع وقری بالافراد واضافۃ الجنات الی النعیم من اضافۃ المكان الی ما فیہ کدار الضیافۃ۔

تفسیر : یہ سورہ مکے میں نازل ہوئی ہے ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما وکرمہ وجابر وعطا کا یہی قول ہے۔ مقدمہ کہتے ہیں صرف یہ آیہ وتجعلون رزقکم الآیہ مدینے میں نازل ہوئی۔ کلی کہتے ہیں اس میں سے چار آیات اَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ الخ سفر مکہ میں نازل ہوئیں، باقی مدینے میں۔ پہلا قول قوی ہے۔

یہی پیوستہ نے شعب الایمان میں اور حارث بن اسامہ اور ابویعلیٰ اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہر شب سورۃ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہ آئے گی۔ ابن عساکر رحمہم اللہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورۃ واقعہ غنی کی سورۃ ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔

یہ اور اس قسم کی احادیث جو بیشتر فضائل میں مذکور ہیں محققین کے نزدیک صحت و قوت کے درجہ کو نہیں پہنچیں مگر ان کے مطالب میں ذرا بھی شک نہیں۔ کس لیے کہ ہر کلام و ہر کام کا دنیا میں بھی ایک اثر خاص ہے۔ کلام کے اس اثر کے سوا جو اصل مقصود ہے یعنی سامع یا مخاطب کے دل پر بیٹھ جانا ایک اور بھی اثر خصوصاً کلام اللہ کا بارہا تجربے میں آیا ہے۔ آج کل کے لوگ جو سائنس (علوم) کی ترقی کا دم بھرتے ہیں ان باتوں کے منکر ہیں مگر ابھی ان کے سائنس نے کامل ترقی نہیں کی جب کرے گا بہت سی باتوں کو جن کا وہ اب انکار کرتے ہیں اقرار کریں گے اور کرتے جا رہے ہیں۔

سورۃ الرحمن کے اخیر میں فرمایا تھا تبارک اسم ربک ذو الجلال والاكرام۔ اب اس سورہ میں اس کے کامل جلال واکرام کے ظاہر ہونے کا وقت بیان کرتا ہے کہ وہ کس دن ظاہر ہوگا؟ فرماتا ہے اذا وقعت الواقعة الخ کہ جب ہونے والی گھڑی جو کسی طرح ٹلنے ہی کی نہیں آئے گی یا یوں کہو جنت کی نعمتیں اور وہاں کے اسباب عیش و آرام کا ذکر ہونے سے نفوس سامعین مشتاق ہو کر پوچھتے تھے کہ یہ کب ہوگا؟ فرمادیا کہ جب قیامت آئے گی یعنی دوسرے جہان میں۔ اس جہان میں نہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان عیش و کامرانی کی جگہ نہیں۔ یہ

جہان کوشش، عمل اور تکالیف کی جگہ ہے جو بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے۔ اس سورہ میں زیادہ تر تیسرے مسئلہ قیامت کا ذکر ہے۔

واقعة قیامت کا نام ہے اس لیے کہ یہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اسی طرح اس کا نام افزہ وغیرہا ہے لَئِنْ لَوْقَعْتَهَا كَاذِبَةٌ کہ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ یہ کلمہ واقعہ کی تاکید ہے۔ زجاج کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو کوئی روئیں کر سکتا اور یہی حسن و قدادہ کا قول ہے اور یہ بھی کہ اس دن اس کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا۔ پھر اس کی تصریح اور اس کے خواص بیان فرماتا ہے۔ حافضہ کہ وہ گھڑی پست کرنے والی ہے بہت سے دنیا کے سر بلندوں کو جو خدا تعالیٰ سے غافل اور اس کے منکر اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے، نینچا دکھائے گی۔ رافعة بلند کرنے والی بھی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو نیک ہیں اس روز سر بلندی نصیب ہوگی گو وہ دنیا میں پست اور ذلیل تھے یہ کب ہوگا؟ اذا رجعت الارض رجا کہ جس دن زمین ہلے گی۔ رجحہ اضطراب و حرکت۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا اور پہاڑ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، بس ٹکڑے ٹکڑے ہونا، ٹوٹنا۔ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا پھر وہ غبار اڑتا ہوا ہو جائیں گے۔ ہباء کے معنی غبار اور منبثا کے معنی منتشر اڑنے والا۔

حال کی فلاسفی کے بموجب بھی ایسا ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں۔ حال کے منجموں نے ذم دار ستاروں کی بابت تحقیق کر کے ان کے اجسام کا اندازہ ہزار ہا حصے زمین سے بڑا ثابت کر کے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حرکت ایسی تیز ہے کہ ایک دو منٹ میں ہزاروں کوس کا رستہ طے کرتے ہیں اور ایک بار قریب تھا کہ یہ ستارہ زمین سے ٹکرا جائے مگر خیر گزری ورنہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ پس اس روز اگر ایسا صدمہ آنے سے یہ ہو جائے تو کیا بعید ہے اس لیے خدائے قہار سے ہر وقت ڈرنا چاہیے کہ ایسے اجرام عظیمہ ٹکرا کر ہر ایک کو چور اچور کر دیں۔ ہر گھڑی یہ احتمال اور یہ وعدہ لگا ہوا ہے۔

مگر یہ باتیں ظاہر بینوں کی ہیں جو عالم اجسام اور ان کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اس قادر مطلق کی بے انتہا قدرت اور طاقت کے آگے سب کچھ ممکن ہے۔ وکنتم ازواجاً ثلاثہ۔ اس روز دنیا فنا ہونے کے بعد جب دوسرا عالم پیدا ہوگا اور لوگ بار دیگر زندہ ہوں گے تو اے بنی آدم! تمہاری تین قسم یعنی تین گروہ ہو جائیں گے۔ پھر آگے تین گروہوں اور ان کے حالات و درجات کا بیان کرتا ہے۔ فقال فاصحاب المیمنة ما اصحاب المیمنة ایک وہ جو تخت رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے یا یہ معنی کہ ان کو نامہ اعمال دائیں طرف سے دیے جائیں گے یعنی دائیں والے یا یمن و برکت والے۔ یمن سے مشتق ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبے والے۔ عرب میں جو دائیں طرف سے چیز آتی تھی اس کو بہتر سمجھتے تھے اور بائیں طرف سے جو چیز آتی تھی اس کو خوست پر محمول کرتے تھے اس لیے عمدہ اور بہتر یمن والی اور بری چیز شمال والی بطور استعارہ کے مراد ہونے لگی یعنی یمن والے کیا ہی عمدہ ہیں۔ وَأَصْحَابُ الْمَشْنَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْنَمَةِ اور بائیں ٹوالے یا برے مرتبے والے شوم منحوس کیا ہی برے ہیں۔ یہ دوسرا فریق تھا۔ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ یہ تیسرا فریق ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و نیکی اختیار کرنے والے یا سعادت و حسنات میں سبقت کرنے والے یا اگلے لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام یا تخت رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے والے وہی درجات میں سبقت کرنے والے ہیں وہی مقرب ہیں جو جنات النعیم میں رہیں گے۔ اب کلام اس میں ہے کہ ان تینوں گروہ میں کون کون داخل ہیں؟ صحیح تر یہ ہے کہ اصحاب الیمین مومنین و صالحین ہیں خواہ امت محمدیہ کے ہوں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا پہلی امتوں کے اور اصحاب الشمال کافر و منافق و گنہگار۔

۱۔ ایسی تیز حرکت کا کیا ٹھکانا ہے پھر اتنے بڑے جسم کا جو زمین سے بہت ہی بڑا ہوزمین کے کرہ سے ٹکرا کر قیامت برپا ہونا نہیں تو اور کیا ہے۔ ۱۲۰

۲۔ بائیں طرف کھڑے ہونے والے یا بائیں طرف سے نامہ اعمال پانے والے۔ ۱۲۰

ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ عَلَىٰ سُرٍّ مَّوضُونَةٍ ۝
 مُتَكَيِّنٍ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ۝ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلِدَانٌ مُّخْلَدُونَ ۝ بِأَكْوَابٍ
 وَآبَارٍ ۝ وَكَاسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۝ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ ۝
 وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَحُورٌ عِينٌ ۝
 كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ
 فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قَبِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝

بہت سے توانگے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے بچھلوں میں سے بھی بڑاؤ پلنگوں پر بکیر لگائے ہوئے آٹنے سائے بیٹھے ہوں گے (وہ) لڑکے جو سداڑ کے رہیں گے آنچورے اور آفتابے اور صاف شراب کے جام لاتے لے جاتے ہوں گے کہ جس سے زنان کو درد سر ہو گا نہ بے ہوشی اور (نیز) جو میوے پسند کریں گے اور جس پرند کا گوشت چاہیں گے (وہ بھی لائیں گے) اور ایسی حوریں ہوں گی جیسا کہ صدف کا پوشیدہ موتی ان کے ان کاموں کے بدلے میں کہ جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں کوئی بیودہ بات نہیں گے نہ خلاف تہذیب مگر باہم سلام سلام کی آواز۔

ترکیب : ثلثہ مبتداء۔ وہی القطعۃ والفرقۃ من خلقت اشیاء اذا قطع وقیل معطوف علی المبتداء علی سور الخ خبر وقیل ہم ثلثہ سررہضم السین والراء الاولی وقرئ بفتح الراء وہی لغتہ جمع سریر موضوعۃ منسوجۃ والفسن النج المضاعف یقال فسن اشیاء یعنی فہو موضوعون ووضین متکینین ومتقابلین حالان من الضمیر فی الخمر وقیل متقابلین حال من الضمیر فی متکینین یطوف مستانقہ وبجوز ان یکون حالا باکواب متعلق یطوف اکواب جمع کوب (کوزہ بے دستہ) صراح۔ وایباریق جمع ابریق کوزہ بادستہ معطوف علی اکواب وحوار بارفع علی انہ معطوف علی ولدان اہم حور وبقراء بالنصب علی تقدیر یعطون وبالجر عطفاً علی اکواب والحوار جمع حوراء والعین جمع عیناء خبر او مفعول لہ او مفعول مطلق ای خبرون خبر اولاً قلیلاً استثناء منقطع سلاما بادل منہ اوصفۃ او مفعولہ بمعنی الا ان یقولوا سلاماً او مصدر ای یسلمون سلاماً والکثیر الکثیر ای یفشون السلام یتھم۔

تفسیر : اور سابقین انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام ہیں۔ ان تینوں فرقوں میں اعلیٰ درجہ کے سابقون ہیں لیکن سب کے اخیران کا ذکر اس لیے آیا کہ انہیں کے فضائل ودرجات کا سب سے اول بیان کرنا مقصود تھا اس صورت میں اتصال ہو گیا۔

فرقہ سابقین کا ذکر : سب سے اول سابقون کے درجات بیان فرماتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلاتا ہے کہ سابقون پہلے لوگوں میں سے کتنے ہیں اور پچھلوں میں سے کتنے؟ اس لیے فرمایا ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ کہ یہ سابقین پہلے زمانے والوں میں سے ایک گروہ ہے اور پچھلے زمانے والوں میں سے تھوڑے سے۔ پہلا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ بے شک ان میں سابقین زیادہ ہیں کس لیے کہ ان میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخلصین شامل ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے اور پچھلا زمانہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک۔ ان میں سابقین بہ نسبت پہلے زمانے والوں کے کم ہیں گوئی نفسہ بہت ہیں

ان میں ہمارے حضرت عائشہؓ ہیں اور آل و اصحاب جنہوں نے اولیائے کرام جو سعادت کے درجہ قصویٰ تک پہنچ گئے تھے۔

یہ مجاہد و حسن بصریؒ کا قول ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کیا ہے اور ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی وہ حدیث کہ جس کو امام احمدؒ نے ابی ہریرہؓ اور حافظ ابن عساکر نے جابر بن عبد اللہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ پر یہ بات شاق گزری کہ سابقین پہلے لوگوں میں سے بہت ہوں اور ہم میں سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم تمام اہل جنت کے چوتھائی یا تہائی بلکہ نصف ہو گے یعنی گوتم میں سے سابقین کم ہیں مگر جنت میں داخل ہونا سابقین میں سے ہونے پر موقوف نہیں۔ اصحاب الیمین بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ اصحاب الیمین تم میں سے ایک بڑا فریق ہے جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے۔ ثلثة من الاولین و ثلثة من الآخرین۔ ابن سیرین وغیرہ کا قول ہے کہ ثلثة من الاولین و قلیل من الآخرین میں اسی امت خیر الام کے اولین و آخرین مراد ہیں کہ اس کے اولین یعنی خیر القرون کے لوگوں میں سابقین بہت ہیں اور پچھلوں میں جو خیر القرون کے بعد کا زمانہ ہے ان میں سے کم۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب سابقین کے لیے جو وہاں عیش و آرام ہیں ان کا بیان فرماتا ہے۔ ان کے درجات اجمالاً ایک جملے میں پہلے بیان فرمائے تھے کہ اولئک المقربون کہ وہ مقرب الہی ہیں۔ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اس کی تجلی جمال و مشاہدہ انوار میں شاداں و فرحاں رہیں گے۔ فی جنات النعیم یہ مشاہدہ بری جگہ میں نہ ہوگا بلکہ نعمت کے بھرے ہوئے باغوں میں۔ اب ان نعمتوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ فقال علی سرر موضونة کہ طلائی تاروں سے بنے ہوئے تختوں اور چھپر کھنوں پر آ منے سانسے بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے اور ان کے پاس ولدان مخلصون لڑکے کہ جن کا لڑکپن ہمیشہ رہے گا (فراء کہتے ہیں عرب اس شخص کو کہ جو بڑی عمر کا ہو اور اس کی صورت میں فرق نہ آئے مخلص کہتے ہیں یعنی وہ لڑکے ہمیشہ اسی حسن و جمال کے ساتھ رہیں گے یہ اس لیے کہ لڑکپن کا زمانہ اور حسن کی بہار بہت ہی تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں مخلصون کے معنی ہیں کہ غلدہ یعنی بالا پہنے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کانوں میں بالے پڑے ہوں گے۔ وہ لڑکے کفار و مشرکین کی وہ صغیر اولاد ہوگی جو نابالغی میں مر گئے اور ممکن ہے کہ حوروں کی طرح وہ بھی ایک نئی مخلوق ہو، دنیا کے لڑکے نہ ہوں۔ لڑکوں کا خدمت کے لیے چیزیں لانا لے جانا صرف ان کے حسن کی وجہ سے بلکہ ان کی پھرتی اور بالے پنے کے ساتھ ہنسنے بولنے میں عجب لطف دیتا ہے)۔ ان کے پاس پیالے اور آنکھو رے اور رکابیاں اور طشتریاں (اکواب) اور لوٹے اور آفتابے یعنی چمکتے ہوئے دستہ دار برتن (اباریق) اور جام جن میں طلائی کام کئے ہوں گے (کاس) لائیں لے جائیں گے۔ پھر ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ سب سے پہلے جام کی چیز بتلاتا ہے جس کے پینے سے سرور ہو وہ کیا ہے معین صاف شفاف پانی یا کوئی جنتی عرق یا کوئی خاص وہاں کی ساخت کی شراب جو کسی برتن میں سے نہ اٹھ لی جائے گی بلکہ اس کا وہاں چشمہ جاری ہوگا جس سے نہر میں درداور شمار ہوگا نہ بیہوشی ہوگی۔ لَا يَصْدَعُونَ عَنْهَا اور جب ہوش ہی بجا نہ رہے تو کوئی لطف باقی نہ رہا۔ ایک شخص مردے کی طرح پڑا ہے خواہ منہ میں کھیاں گھسیں یا کتے موتیں اور اس کی محبوب چیزوں کو کوئی کام میں لائے وہاں ایسا نہ ہوگا اور اسی لیے دنیا کی شراب حرام کی گئی۔ اور ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ وفاکھہ مما يتغیرون وہ عمدہ میوے کہ جن کو وہ پسند کریں گے۔ وَلَحْمٍ طَيِّرٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ اور ان پرندوں کا گوشت کہ جن کو چاہیں گے۔ پرند کا گوشت ہی مزے دار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔ یہ تو کھانے پینے کا سامان تھا مگر اس کی زینت اور جان حسین عورتوں سے ہوتی ہے اس لیے فرمایا وَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ الْكُلُوبِ الْمُكْنُونِ۔ حوریں یعنی گوری رنگت والیاں۔ عین بڑی بڑی آنکھوں والیاں جیسے سیپ کے اندر کے موتی۔ نہ کوئی عیب ہوگا نہ کسی کی صرف میں آئی ہوئی ہوں گی جیسا موتی سیپ کا کسی کے استعمال میں آیا ہوا نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی بیرونی عیب و نقصان پہنچا ہوتا ہے۔ وہ چھیدا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں میں اور نیز خوبصورتی میں سیپ کے

موتی کے ساتھ تشبیہ کیا عمدہ تشبیہ ہے۔ یہ بدلہ ہوگا ان کے دنیاوی نیک کاموں کا۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ کوئی ضرورت تکلیف نہ ہونا بھی بڑی خوبی ہے اس لیے فرماتا ہے لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَحْ کہ وہاں کوئی بیہودہ اور تائید یعنی قابل الزام رنج و نہ بات سننے میں بھی نہ آئے گی۔ صرف باہم سلام کہنا اور اس کے متعلق جو دل خوش کرنے والی بات ہو۔

وَاصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝ وَطَلْحٍ
مَنْضُودٍ ۝ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝
لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝ إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنِشَاءً ۝
فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرْبًا أَتْرَابًا ۝ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝ ثَلَاثَةٌ مِّنَ
الْأَوَّلِينَ ۝ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝

۱۔

اور دائیں طرف والے کیا کہتا ہے دائیں طرف والوں کا وہ ان باغوں میں ہوں گے (کہ جہاں) بے خار بیریاں اور تہ برتہ کیلے اور راز سائے ہیں اور پانی کے جمرے اور بہت سے میوے ہیں کہ نہ جن کی فصل تمام ہوگی نہ ان کی ممانعت ہوگی اور بلند فرشوں میں آرام کر رہے ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو ایک اٹھان پر اٹھایا پھر ان کو کنواریاں اور دل بھانے والیاں ہم عمر بنادیا ہے۔ (یہ سب) دائیں طرف والوں کے لیے (اس جماعت میں) اگلے لوگوں کا بھی ایک انبوہ ہے اور پچھلے لوگوں کا بھی انبوہ ہوگا۔

ترکیب : فی سدر الظرفیۃ للہماخذ فی النعم والافتاح بہ مخضود لاشوک لہ من خضد الشوک اذا قطعہ او شمی اغصانہ من کثرۃ حملہ لامقطوعۃ لغت لفاکھۃ وقل معطوف علیہا انشاءنھن الضمیر للفرش لان المراد بها النساء عرب جمع عروب قال البردھی العاشقۃ لزوجھا وقال زید بن اسلم حمی الحسۃ الکلام وقل الحمدیۃ والا تراب جمع ترب وهو المسادوی لک فی السن لانه یس جلدھا التراب فی وقت واحد قیل یطلق علی النساء والرجال اقران۔ لاصحاب الیمین اللام متعلقۃ بانشاءنھن او یجعلنا۔

تفسیر..... اصحاب الیمین کا ذکر: یہ دوسرے گروہ اصحاب الیمین کا ذکر ہے کہ وہ بہت ہی خوب لوگ ہیں اور ان کے لیے جنت میں یہ نعمتیں ہیں۔ فی سدر مخضود۔ باغات ہوں گے جن میں سے یہ چند درخت ہیں۔ سدر بیریری مخضود بے خار یا جھکی ہوئی شاخیں جو پھلوں کے بوجھ سے جھک پڑیں۔ حاکم و بیہقی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا عرض کیا کہ یا حضرت میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے آپ نے پوچھا وہ کیا۔ عرض کیا سدر اس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے مخضود نہیں فرمایا ان کے کانٹے توڑیں جائیں گے ان کی جگہ پھل ہوں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیریری مراد نہیں بلکہ ایک اور عمدہ درخت جو بیریری سے مشابہ ہے طلحہ اکثر مفسر کہتے ہیں اس سے مراد کیلا ہے۔ مَنْضُودٌ تہ بہ تہ او پر تلے۔ اور ان کے سوا بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے۔ ظِلٌّ مَّمْدُودٌ وَحَا۟ءٌ مَّسْکُوبٌ اور جا بجا سے پانی اوپر سے نیچے گرتا ہوگا اور فاکھۃ کثیرہ بہت سے میوے جو لامقطوعۃ قطع نہ ہوں گے یعنی کسی وقت تمام نہ ہوں گے برخلاف دنیا کے میووں کے کہ ان کی فصل تمام ہو جاتی ہے اور شائقین کا دل ترستارہ جاتا ہے۔ ولا ممنوعۃ اور نہ ان کی ممانعت جس کا جہاں سے دل چاہے کھائے۔ و فرش مرفوعۃ اور بلند فرش ہوں گے یعنی بلند تختوں پر بچھے ہوں گے یا یہ معنی کہ خوبی میں بلند ہوں گے

بعض مفسرین کہتے ہیں فرشتوں سے مراد عورتیں ہیں یہ مرد کے تلے بچھتی ہیں اس لیے بطور استعارہ کے ان کو فرشت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بلند ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند تختوں پر ہوں گی یا یہ کہ حسن و خوبی میں بلند قدر ہوں گی جیسا کہ سورہ یس میں آیا ہے **هُمُ وَاَزْوَاجُهُمْ عَلَى الْأَرْزَاقِ مَتَكُونُونَ** اس لیے ان کی مدح میں فرماتا ہے **أَنَا أَنشَأْنَهُنَّ الْخَلْقَ** کہ ان کو ہم نے پیدا کیا اور عجب اٹھان اٹھایا ہے کہ ان کو ابکار انوار یاں بنادیا ان سے پہلے کسی نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور اس کنوار پن کی وجہ سے ایسی نہ ہوں گی کہ ان کو مرد سے نفرت یا سرکشی ہو بلکہ عرب یعنی دل لبھانے والیاں محبت کرنے والیاں ناز و کرشمے سے دل کو کھینچنے والیاں ہوں گی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ اترا اب یعنی ہم سن ہوں گی کس لیے کہ بڑی عمر کی عورت سے یا نہایت چھوٹی سے دل بستی نہیں ہوتی ہم سنی کا بھی ایک عجیب لطف ہوتا ہے یہ کن کے لیے؟ اصحاب الیمین کے لیے جو پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے ایک ایک گروہ اور انبویہ کثیر ہوگا۔

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سُومٍ وَحَمِيمٍ ۖ
وَوَظِلٍّ مِّنْ يَحُمُّومٍ ۖ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ
ذَلِكَ مُتَرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يَصْرُونَا ۖ عَلَى الْخَنَثِ الْعَظِيمِ ۖ وَكَانُوا
يَقُولُونَ ۖ آيِدَا مِنَّا وَكُنَّا ثَرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَبَعُوثُونَ ۖ أَوَابَاؤُنَا
الْأَوَّلُونَ ۖ قُلْ إِنَّا الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْبُوعُونَ ۖ إِلَّا مِيقَاتٍ
يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۖ لَأَكُلُونَ مِنْ
شَجَرٍ مِّنْ زَقُّومٍ ۖ فَمَالُؤُنْ مِنْهَا الْبُطُونُ ۖ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ
مِنَ الْحَمِيمِ ۖ فَشَرِبُونَ شَرَبَ الْهَلِيمِ ۖ هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ
الدِّينِ ۖ

اور بائیں طرف والے کیا ہی بری گت ہے بائیں طرف والوں کی وہ لبوں اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں جہاں نہ ٹھنڈک ہے نہ عزت۔ کس لیے کہ یہ لوگ اس سے پہلے ناز و نعمت میں رہے تھے اور بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر چکیں گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔ تو کیا ہم تب بھی زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی۔ کہہ دیجئے ایک روز معلوم (وقت پر) سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کئے جائیں گے۔ پھر بے شک تم کو اے گمراہ جھٹلانے والو! ضرور تھوہر کا پیڑ کھانا ہوگا پھر اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولنا ہو پانی پینا پڑے گا۔ پھر تم اس کو پیاسے اونٹوں کی طرح پیو گے قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

ترکیب : السوم حر النار و قبل الریح الحارة جدا و الحميم الماء الحار الشديد الحرارة يحومو مفعول من الاحم او الحميم وهو الاسود يقال اسود محموم صفه لظلم او حال وكذا الابرار دولا كريم آ الاستفهام لانا نكار اذا والعامل فيه ما يدل عليه مبعوثون لان ما بعد الاستفهام لا يحمل فيا قبله وآباؤنا معطوف على الضمير في لمبعوثون لوقوع الفصل بينهما بالهمزة والميقات ما وقت به الشيء اي حدوده مواقيت الاحرام والاضافه

بمعنی من والمعنی انھم بخسرون الی ما وقتت بہ الدنیا من یوم الحساب۔ من شجر من زائدة وقیل لا ابتداء الغلیۃ من زقوم من بیامیۃ منها الضمیر تعود الی شجر الزقوم لکون الشجر اسم جنس واسم الجنس یدکر وینث شرب الھیمہ شرب قراء الجھور بضم الشین فتحوا کسر حاء قال البرد بالفتح مصدر و بالکسر والغصم اسم لہ۔ والھیمہ جمع الھیم والاشی ھیماء وقیل جمع ھیمان للذکر وھیماء للاثنی کعطشی او عطشان وھی ابل عطاش لا تردی لداء وقیل الرمال علی انہ جمع ھیام بالفتح وھو الرمل الذی لا یتماسک جمع اولیٰ وزن ھیم کسب ثم خفت ای بدل ضمة الھاء کسر البقاء الیاء کمافی بیض جمع ابیض۔ والتقدیر شربا مثل شرب الھیم وکل من المعطوف علیہ انھ من الاخر من وجہ فلا اتحاد۔

تفسیر..... اصحاب الشمال کا حال: اب تیسرے گروہ اصحاب الشمال کا ذکر کرتا ہے کہ اصحاب الشمال ماصحاب الشمال کہہ جائیں والے کیا ہی برے ہیں۔ پھر آگے ان کی بری حالت جو ان کے اعمال بد کا مظہر ہے بیان فرماتا ہے ففی سؤوم وحمیم کہ گرم ہو یا آگ کی لپٹ اور گرم کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور یہ سایہ گرم دھوئیں کا سایہ ایسا ہوگا کہ نہ جس میں کچھ خنکی ہو گی جیسا کہ اور چیزوں کے سایہ میں ہوا کرتی ہے اور نہ کچھ آرام و عافیت ہوگا اور نہ کوئی عزت ہوگی۔

ابن حریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب اس لفظ کریم کو اور الفاظ کے پیچھے محض تہجاذ کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں هذا الطعام لیس بسمین ولا کریم۔ معاذ اللہ سایہ بھی ملاتا تو کیسا اور جگہ بھی ملی تو کیسی؟

اس کے بعد ان کے اس ہیبت ناک جگہ اور مصیبت کدہ میں داخل ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال انھم کانوا قبل ذلک مغتربین کہ وہ پہلے یعنی دنیا میں بڑے عیش و آرام اور ترفذ میں تھے۔ فراغ دیتی اور ترفذ اگر خدا پرستی اور نیکو کاری سے مانع نہ آئے تو کوئی بری چیز نہیں اس کی نعت ہے مگر اس میں خرابی ہے تو یہی کہ یہ نفس پروری اور غفلت اور شہوانی اور غضبانی کاموں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے ظلم اور غرور دین اور بزرگان دین سے مقابل کر دیتی ہے اور دنیا میں رہنے اور یہاں کے اسباب تجمل پیدا کرنے پر آمادہ کرتی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وکانوا یصبرون علی الحینٹ العظیمہ اور بڑے گناہ پر اڑی کیا کرتے تھے اسی دنیا کے مال و جاہ کے نشے میں۔ غریب آدمی کو جب کسی برے کام پر ملامت کی جاتی ہے تو بیشتر وہ نامدوم ہو جاتا ہے اور اڑتا نہیں مگر پیٹ بھرے دولت مند کب مانتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ بڑے گناہ سے کیا مراد ہے؟ واحدی کہتے ہیں شرک اور یہی ضحاک و حسن وابن زید کا قول ہے مگر قوی یہی ہے کہ عموماً ہر ایک بڑا گناہ مراد ہے خواہ شرک ہو خواہ انکار آخرت و نبوت خواہ زنا قتل وغیرہ اور اس پر اصرار کرنے کے معنی ہیں کہ اس سے نام نہ نہ ہو تو بہ نہ کرے۔ وکانوا یقولون اذ امتنا وکننا ترابا وعظاما اننا لم نموت وانا لم نکون الاولون اور مجملہ ان کے گناہ عظیم کے ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ مر کر بارگھر میں زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور تعجب کر کے کہتے تھے کہ بھلا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیوں کا چوراہو گئے تو پھر ہم اور ہمارے باپ دادا اگلے زمانے کے جن کی قبروں اور ہڈیوں کا نشان بھی باقی نہیں رہا بارگھر زندہ ہو کر اٹھیں گے۔

یہ بات ان کے نزدیک بڑی تعجب انگیز اور ان کے عقول ناقصہ کے احاطہ سے باہر تھی اور اصل سبب اس تعجب و انکار کا وہی کم بخت حبت دنیا اور اس کا ترفذ تھا جس نے ان کے انوار فطریہ اور عقول صافیہ کو سیاہ کر کے ایسی باتوں کے سمجھنے سے قاصر کر دیا تھا اور ان کی محبت دنیا اس خطرے کو بھی ان کے دل میں جگہ نہ دیتی تھی کہ آخر ایک روز مرنا ہے اور مر کر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے جانا ہے۔

ان کے جہنم میں جانے کی یہی تین باتیں سبب ہوئیں جو تمام گناہوں اور ہر قسم کی اصل الاصول ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔ اس انکار کے جواب میں فرماتا ہے، قُلْ اِنَّ الْاَوَّلَیْنَ وَالْاٰخِرَیْنَ لَمَجْمُوعُونَ اِلٰی مِیْقَاتٍ یُّوْمٍ مَّعْلُومٍ کہ اے محمد (ﷺ) ان منکروں سے کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب لوگ زندہ کر کے ایک روز جمع کئے جائیں گے۔

پھر اس روز ایھا الصّٰلَوْنَ الْمَکْدُوْبُونَ لَا کُلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُوْمٍ فَمَا یُؤْنِمْنٰهَا الْهُطُوْنَ۔ اے گمراہو جھٹلانے والو! ان

نعمتوں کی جگہ تم تھوہر کا درخت کھاؤ گے اور یہ نہیں کہ ذرا کچھ لو بلکہ اس سے پیٹ بھر و گے۔ ہر چند وہ جہنم کا پیڑ جو دنیا کے تھوہر سے مشابہ ہے نہایت بدمزہ اور تلخ اور گلا گھونٹنے والا انتڑیوں کا زخمی کرنے والا ہے مگر بھوک کی تکلیف اس سے بھی زیادہ تم کو معلوم ہوگی اس سبب سے اس سے پیٹ بھرنا غیبت جانو گے۔ پھر اس کے کھانے کے بعد پیٹ میں ایک سخت گرمی اور بے انتہا پیاس معلوم ہوگی۔ سرد پانی کی تلاش کرو گے۔ سرد پانی وہاں کہاں نا چار جہنم میں جو کھولتا ہوا پانی ہے فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ اسی کو پیو گے اور کس طرح فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ اس طرح سے اس پر گرو گے کہ جس طرح کئی دن کے پیاسے اونٹ خشک بیابانوں میں جو پانی دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف بے خود ہو کر دوڑتے ہیں اور اس پانی پر گرتے ہیں اس طرح یہ لوگ اس پر بھی گریں گے۔ اس پانی کے پینے سے انتڑیاں کٹ کٹ کر دستوں میں ٹکلیں گی ہر روز یہی معاملہ رہے گا۔ ہائے یہ کیسی بیماری اور کیسی مصیبت ہوگی (اللہ محفوظ رکھے) یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن جس کی وہ نعمتیں کھا کھا کر منکر ہو رہے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تَصَدَّقُونَ ﴿۵۶﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿۵۷﴾ ءَأَنْتُمْ
تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۸﴾ نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا
نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۵۹﴾ عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا
لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۰﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۱﴾ أَفَرَأَيْتُمْ
مَا تَحْرُثُونَ ﴿۶۲﴾ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۶۳﴾ لَوْ نَشَاءُ
لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿۶۴﴾ إِنَّا لَمُعْرِضُونَ ﴿۶۵﴾ بَلْ نَحْنُ
مُعْرِضُونَ ﴿۶۶﴾ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿۶۷﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ
الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿۶۸﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿۶۹﴾
أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿۷۰﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ
الْمُنْشِئُونَ ﴿۷۱﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿۷۲﴾ فَسَبِّحْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۷۳﴾

الْقَابِ

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں سچ نہیں جانتے (کہ وہ پھر بھی کر سکتا ہے) بھلا دیکھو تو وہ مٹی جس کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم نے تم میں مرنا ظہر ادا کیا ہے اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی (دوسری) حالت میں کہ جس کو تم جانتے بھی نہیں تم کو بنا کھڑا کر دیں اور تم اول بار اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خداوند قادر مطلق کے حقائق غیب بے انتہا ہیں اور بے شمار و بے حد قدرت کے سانچے ہیں جس میں چاہے ڈھالے۔ سعادت کے سانچے میں یا شقاوت کے اور پھر ہر وقت ایک جدا سفر فی منزل اور نیا میدان اس کے سامنے ہے۔ اس سے کچھ لینا کہ انسان تارخ کا لباس ←

کا پیدا کرنا جان بھی چکے ہو پھر کس لیے نہیں سمجھتے (کہ قیامت کے دن بھی بن سکتا ہے) بھلا دیکھو تو تم جو کچھ بویا کرتے ہو پھر کیا اس کو تم اگا تے ہو یا ہم اگایا کرتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں پھر تو تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم زبر پر بار ہو گئے بلکہ یہ نصیب ہو گئے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ پانی کہ جس کو تم پیا کرتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے اتارایا ہم اتارتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو کھادی کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ آگ کہ جس کو تم سلا گیا کرتے ہو کیا تم نے اس کا درخت اگایا ہم اگاتے ہیں ہم نے اس کو یادگار (قدرت) اور مسافروں کے کارآمد بنادیا ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کرو جو بہت بڑا ہے۔

تركيب : نحن مبتداء خلقنا كم خبره افرايتمهم الهمزة للاستفهام والفاء للتفريع او العطف ما موصولة تمنون قراء الجمهور بضم
الفوقية من امي - نسي وقرئ بفتحها من مني - لمني وهما بمعنى واحد قيل بينهما فرق امي اذا انزل عن الجماع ومني اذا انزل من احتلام والمعنى
ما تصبو ندي ارحام النساء والجملة صلة - والموصول مع صلة مفعول اراء يتم بمسبوقين اي لا يسبقنا احد فمهرب من الموت او العذاب
او لا يغلبنا احد من سبقه على كذا اذا غلبة عليه على الاول حال من فاعل قدرنا الموت كائنين على ان نبدل امثالكم او علة تقدرنا وعلى
بمعنى اللام وما نحن بمسبوقين اعتراض وعلى الثاني صلة ظلمت بفتح الظاء مع لام واحدة قرئ بكسر هاء معها وقرئ ظلمت بلا ميم اولاهما
مكسورة على الاصل تفكهون تدمون على ما صيتم بذلك من المعاصي فتحدثون فيه والتفكه التقليل بصوف الفاكهة وقد استعير للتقليل بالجديث
المزون جمع مزنة وهي السحابة البيضاء والمطر - اجاجا الاجاج الماء الشديد الملوحة الذي لا يمكن شربه وقيل الماء المزمز من الانج وهو تهاب
النار فانه يحرق القوم ولو ليست خالصة للمطر بخلاف ان وانما جاء فيها معنى الشرط اتفاقا من حيث انها تدخل على المحتملين متع الثانية لانتاع
الاولى فلا بد في جوابها من اللام تكون علما على ذلك وفي هذه الآية حذف حيث قال جعلنا ولم يقل لجعلنا لعلم السامع بها حيث ذكرت اولاً -
المعقوبين الذين ينزلون القواء اي البوادي والصحراء اي المسافرين يقال ارض قواء بالمد والقصر اي مغفرة وقال قطرب القوي من
الاضداد بمعنى الفقر والغنى -

تفسیر : تینوں گروہوں کا حال بیان کر کے دلائلِ حشر بیان کرتا ہے جو خاص انسان کی پیدائش اور اس کے حالات اور کارآمد چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

اول دلیل: انسان کا پیدا کرنا ہے اس بات کو پہلے تو اجمالی طور پر بیان فرماتا ہے فَقَالِ نَحْنُ خَلَقْنَاهُ کہ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے فَلَولا تَصَدَّقُونَ پھر تم کس لیے اس بات کو سچ نہیں جانتے کہ وہ بارود گر بھی پیدا کر سکتا ہے پھر اس پیدا کرنے کی کیفیت مشاہدہ کراتا ہے اَفَرِيتَم مَاتَمْنُون کہ کیا تم نے منی کو رحم میں ڈالتے نہیں دیکھا۔ کیوں نہیں بلکہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے پھر وہ منی ایک قطرہ پانی کا ہے جَوْعَدَاؤُا کَافُورُ ہے۔ اَنْتُمْ تُخَلِّقُوْنَ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ پھر اس منی کو تم انسان بناتے ہو یا ہم؟ نہیں اللہ ہی اس قطرہ منی سے انسان بناتا ہے ورنہ انسان کو تو منی ڈالنے کے بعد کچھ بھی خبر نہیں رہتی کہ رحم میں قرار پانے کے بعد متحد الحقیقت چیز سے مختلف الطبائع چیزیں کس نے پیدا کیں کسی جز کو قلب کسی کو دماغ کسی کو جگر پھر کسی کو ہڈی کسی کو کچھ۔ یہ کاریگری کسی فاعل مختار کا کام ہے جس کے قبضے میں طبیعت کل کی طرح کام کرتی ہے اور منی کی بھی ضمیر پھر سکتی ہے کہ منی کو کبھی تم نہیں بلکہ ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ابتداء ہماری طرف سے ہے انتہا بھی ہمارے حکم سے ہے۔ فَعَالِ نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات میں لوگ مرتے ہیں پھر جس کی ابتداء و انتہا ہمارے بس میں ہے کیا بارود گر پیدا کرنا ہمارے بس میں نہیں؟ ہم قادر ہیں کہ تمہارے جیسے اور لوگ پیدا کر دیں یا تمہاری حالت بدل دیں کہ مار کر ریزہ ریزہ کر دیں اور پھر جلا دیں۔ اول صورت میں امثال مثل بالکسر کی

← پہننا ہے غلط سمجھ کے کیونکہ یہ اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ ایسا کر سکتے ہیں اور نیز یہ تغیرات یا اسی عالم کے ہیں جو اس کے حالات کے تغیر و تبدل ہیں یا اس عالم سے دوسرے عالم کے۔ ۱۲۰ منہ

جج ہے اور دوسری میں مثل الفتح کی جس کے معنی ہیں صفت وحالت وَنُنْشِئُكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ اور تم کو اس بیت وحالت میں پیدا کر سکتے ہیں کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں یعنی انسان بنا کر تمہیں اور دوسری چیز بھی بنا سکتے ہیں۔ ابتداء و انتہا اور میانی حالت بھی سب ہماری قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس لیے دلیل کو اجمالی طور پر اعادہ کرتا ہے فقال وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَئِكَ تَذْكُرُونَ کہ تم اول بار کا پیدا ہونا جان چکے ہو پھر کس لیے اس کو یاد نہیں کرتے اور کس لیے نہیں سمجھتے کہ وہ بار دیگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل: أَفَرَأَيْتُمْ مَتَّحِرُونَ الخ بھلا رحم کے اندر پیدا کرنے کی کیفیت تو تھی ہی اب تم اپنی کھیتی کرنے کو دیکھو کہ تم زمین میں تخم ڈالتے ہو جو ہمارا پیدا کیا ہوا ہے پھر دیکھو زمین کے اندر تمہارا کوئی فعل موثر نہیں ہمیں اس کو اگاتے اور پیڑ بنا کر باہر لاتے ہیں اور اس پر بھی ہم ہر طرح سے قادر ہیں۔ چاہیں تو سکھا کر گھانس اور چورا کر دیں جس پر تم افسوس و حسرت کرنے لگو معلوم ہوا کہ نہ اس کے پیدا کرنے میں تمہارا اختیار تھا نہ باقی رکھنے میں پھر جو زمین میں ایک دانے سے دیا ہی پیڑ پیدا کرتا ہے کہ جس کا وہ دانہ تھا کیا انسان کے کسی جزو جسم سے پھر اس کو اسی طرح زمین سے نہیں اگاسکتا؟ ضرور اگاسکتا ہے اور اگائے گا یہ بات اے بنی آدم! تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو۔

تیسری دلیل: أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ الخ بارش کے پانی کو دیکھو کہ جس کو تم پیتے ہو بھلا اس کو بادل سے کس نے برسا یا ہے ہم نے یا تم نے۔ ہمیں نے بادل اٹھائے اور ہمیں ان میں سے شیریں پانی برساتے ہیں اور چاہیں تو اس پانی کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لائے کہ وہ قادر مطلق انسان کو بار دیگر بھی زندہ کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: أَفَرَأَيْتُمُ اللَّيْلَ الَّتِي تُؤْبِسُونَ الخ تم اس آگ کو دیکھو کہ جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں جنگلوں میں سلگایا کرتے ہو پھر وہ درخت کس نے پیدا کیا تم نے یا ہم نے؟ ہم نے اس آگ کو اپنی قدرت یا ددلانے والا یا جنگل میں بھولوں کو رستہ یا ددلانے والا کر دیا کہ آگ کی روشنی دیکھ کر رات میں بیابانوں کے مسافر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور مسافروں کے برتنے کی چیز بنادیا۔ اب سبز درخت دیکھو اور اس میں سے آگ کا ٹکنا دیکھو خالق کی کیسی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے۔

عرب میں ایک قسم کا درخت ہے جب اس کی شاخوں کو باہر رگڑا جاتا ہے یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتی ہیں تو آگ نکل آتی ہے۔ عرب جنگلوں میں جہاں آگ نہیں ملتی اس آگ سے کام لیتے ہیں۔ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ میں بانسوں میں بھی باہم رگڑ کھانے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ دلائل کو تمام کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کے پاک نام کی تسبیح و تقدیس کرنے کا حکم دیتا ہے فقال فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔

۱۔ اول دلیل کو مٹی ڈال کر انسان کے پیدا ہونے سے ذکر کیا کہ وہ بھی ایک طرح کی کھیتی ہے پانی کے قطرہ کو غم بنا کر عورت کے رحم میں اگاتا ہے جو اس کا کھیت ہے۔ دوسری دلیل کو ایک اور زیادہ محسوس کھیتی سے شروع کیا اور دونوں میں نہایت مناسبت ہے مگر اول سے انسان اور دوسری سے نباتات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اول کو مقدم کیا۔ شرف انسانی کی وجہ سے مگر پانی ڈالنے سے دونوں کی پیدائش تھی اس مناسبت سے تیسری دلیل میں پانی کا ذکر کیا جو اوپر سے زمین میں قضاء و قدر ڈالتی ہے جس میں انسانی صفت کو کچھ بھی دخل نہیں لیکن دونوں کھیتوں میں گو پانی سے پیدائش ہوتی ہے مگر ان پودوں کا نشو و نما بغیر حرارت کے نہیں ہوتا اس لیے چوتھی دلیل میں ایک ایسی حرارت اور آگ کا ذکر کیا جو انہیں نباتی چیزوں میں سے برآمد ہوتی ہے جس کو قضاء و قدر نے ودیعت رکھا تھا اس کو بھی ظاہر کر کے دکھادیا اور اس کو اپنی قدرت کاملہ کا یادگار اور انسان کے لیے کارآمد بنادیا۔ سفر و غربت کی حالت میں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حرارت جس سے یہ کاروبار چلتے ہیں خشک پیڑوں میں سے ظاہر نہیں ہوتی یعنی زندہ دل انسانوں میں بھی یہ حرارت رکھی ہوتی ہے مسافرین راہ عرفان و ترقی تمدن کے لیے چراغ ہدایت و کارآمد ہے۔ اسی حرارت نے جو عرب کے سرسبز پودوں میں ودیعت تھی ان کو دینی و دنیاوی مقاصد کے اعلیٰ درجوں پر پہنچایا اور ان کے کاروانوں کے لیے جو ترقی کی راہ طے کرنے کے لیے سفر کرتے تھے رہبر ہو گئی۔ سبحان اللہ دلائل میں کیا ہی ارجاطا ہے اور پھر الفاظ میں کیا ہی رموز و اسرار ہیں ان دلائل میں خود کرنے کے بعد زندہ دل انسان فوراً یقین کر سکتا ہے کہ وہ قادر مطلق باوجود بھی انسان کو دوسرے طور سے پیدا کر کے حشر کے روز عدالت میں کھڑا کر سکتا ہے۔ ۱۱۲ ابو محمد عبدالحق۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۖ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّو تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۖ إِنَّهُ
لَقَرَّانٌ كَرِيمٌ ۖ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۖ لَا يَبْسُتُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۖ
تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۖ
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ شُكْدِبُؤُونَ ۖ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۖ
وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۖ
فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۖ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ

پھر میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ عزت والا قرآن ہے مخفی دفتر میں لکھا ہوا جس کو بغیر پاکوں کے اور کوئی نہیں چھوتا۔ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر کیا تم اس بات میں شک کرتے ہو اور تم نے اپنی یہی روزی بنالی ہے کہ تم جھٹلایا کرو پھر کسی لیے جان کو روک نہیں لیتے جب کہ وہ گلے تک آجاتی ہے تم اس وقت نکلا کرتے ہو اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں پھر اگر تم کسی کے حکوم نہیں تو کیوں اس کو لوٹا نہیں لیا کرتے اگر تم جے ہو۔

ترکیب : فلا لامزیدہ للتاکید کافی قولہ۔ وقیل انھا للتمی لا اقسام الا حاجۃ الی القسم فان الامر واضح وقیل معناه لیس الامر کما زعم الکفار ثم اکده بالقسم فقال اقسام بمواقف النجوم وانه خبره عظیم لو تعلمون جمله مقترضة بین القسم والقسم وعلیه انه لقدر ان کریم صفة فی کتاب صفة ثانیة لایسہ ثالثہ تنزیل رابعہ لقرآن مع صفاتہ خبر ان والجملة جواب القسم وتجعلون معطوف علی مدھنون رزقکم مفعول اول لتجعلون انکم تکذبون الجملة مفعول ثان معنی ہلا اذا ظرفیہ والعال ترفعونها اتم الخ الجملة حال ونحن الخ حال من قائل تنظرون فلولا تکریر و تاکید لاولی ترفعونها انھض علیہ لولا ان کتتم شرط جوابہ مخدوف یدل علیہ ترفعونها والمعنی ہلا ترفعون الروح ان کتتم غیر مملوکن مجزین۔

تفسیر : ان دلائل میں اعجاز قرآنی بھی اپنا جلوہ دکھا گیا تھا اور چوتھی دلیل میں ایک حرارت قدرتی کا ذکر تھا کہ وہ مسافروں کے لیے رہنما بھی ہو جاتی ہے اب ترقی کرتا ہے کہ ارضی چیزوں پر کیا موقوف ہے ستاروں میں بھی اس رہنمائی کا وصف رکھا گیا ہے اس لیے مواقع النجوم کی قسم کھا کر اور یہ جتلا کر کہ یہ قسم بڑی قسم ہے قرآن مجید کا مغناجب اللہ ہونا اور اس کے چند اوصاف حمیدہ بیان فرماتا ہے جو اس کے مغناجب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اور وہ اوصاف بھی چار ہیں جن کو چار دلیل سمجھنا چاہیے۔ اس خوبی اور لطف کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو تمام کر کے مسئلہ نبوت کو ذکر کرتا ہے اس لیے کہ دلائل کے بعد کامل تسلی اس مسئلہ میں قطعی دلائل سے ہوتی ہے اور قطعی دلائل مخبر صادق کی تصدیق اور اس پر ایمان لائے بغیر فائدہ بخش نہیں ہو سکتیں۔

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ تک مسئلہ نبوت کا ذکر ہے پھر اَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ الخ سے مخالفین کے بے جا انکار و شبہات کا رد اور ان کا لچر و پوچ ہونا بیان کرتا ہے اور پھر انسان کی انتہائی حالت بیان کر کے (جو دنیا سے کوچ کرنے کے وقت نہایت عجز و بے بسی کے پیرا یہ میں

۱۔ ہم تم سے بھی زیادہ مرنے والے کے قریب اور پاس ہوتے ہیں قریب علمی مراد ہے ہم سے مراد اس کے جان قبض کرنے والے ملائکہ مجاز ہیں ان کے کام اور ان کے حاضر و موجود ہونے کو اپنا کام اور اپنا موجود ہونا کہا جایا کرتا ہے۔ ۱۲۔ امنہ

ظاہر ہوتی ہے اور اس سفر سے اس کا عزیز و قریب اس کو نہیں روک سکتا اور سب پڑے دیکھا ہی کرتے ہیں اور اس کی جان ہے کہ گلے تک پہنچ گئی ہوتی ہے اور وہ ہچکیاں لے لے کر دم توڑتا ہے اور اقارب و احباب پاس بیٹھے ہوئے محض بے بسی کی حالت میں آنکھوں سے آنسو بہایا کرتے ہیں اور اپنے آہ و نالے کی صدائیں بلند کرتے ہیں) اپنی قدرت و جبروت کا اظہار کرتا ہے کہ انسان یوں ہمارے بس میں ہے اور یوں اس کو ہم کشاں کشاں دوسرے عالم میں لیے جاتے ہیں اور تم بیٹھے دیکھا کرتے ہو۔

یہاں سے پھر مسئلہ معاد کی طرف (دلائل و تصدیق نبوت سے مستحکم کر کے) کلام کو متوجہ کیا جاتا ہے اور الفاظ میں سینکڑوں رموز و حقائق کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے۔ فلا اقسام بمواقف النجوم موقع کی جمع جس کے معنی ہیں ستاروں کے واقع ہونے کے یعنی ٹوٹنے یا غروب ہونے کی جگہ مبرد کہتے ہیں مواقع اس جگہ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب یا ٹوٹنے کی قسم کھانا ہے۔ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ پچھلی رات جب جلوہ دکھا کر ستارے غروب ہونے کو ہوتے ہیں وہ بھی ایک عجیب وقت ہوتا ہے گویا عارف کی نظر میں (جو تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اور ان انوار و برکات سے حصہ پا کر بیٹھتا ہے جو اس وقت مناجات و عبادات کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں) ستاروں کا غروب ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ اس آفتاب بنانے والے پر ثار ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جمال کا جو ایک ادنیٰ مظہر آفتاب برآمد ہونے والا ہے اس کے سامنے رومانی کی ان کو تاب نہیں اور یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے انسانوں کا غروب یا دولاٹے ہیں (قائد وغیرہ) حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مواقع النجوم سے مراد قیامت کے دن ان کا ٹوٹنا۔ (اور بے نور ہونا جو بڑا حیرت انگیز وقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد قرآن مجید کی آیات اور ان کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا۔ مواقع یعنی ٹوٹنا)۔

یہ استعارہ ہے۔ نزول آیات کی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اگلے کلام کو موکد کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں انبیاء و اولیاء کرام کے دل مراد ہیں جہاں اس کے انوار و محبت کے ستارے ٹوٹ کر گر کر اترتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد نیک باخدا لوگ ہیں جو دنیا کی اندھیری رات میں ستارے ہیں اور ان کا ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا یکے بعد دیگرے دنیا سے گزر جانا اور اس کو خالی کرتے جانا ہے جو حسرت و افسوس و عبرت کا مقام ہے۔ اس بات کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ کلام الہی میں ان سب احتمالات کی گنجائش ہے کیا مبلغ کلام ہے۔ یہ چیزیں کہ جن کی قسم کھانا مذکور ہوا بڑی چیزیں ہیں اس لیے فرماتا ہے کہ یہ بڑی قسم ہے مگر کب؟ جب کہ تم جانو اور جب جہالت اور نادانی ہے جانتے ہی نہیں تو تمہارے نزدیک کچھ بات نہیں۔ قرآن کریم اول مدح ہے۔ ففی کتاب مکنون یہ قرآن کی دوسری مدح ہے کہ وہ مخفی دفتر میں ثبت ہے کوئی اس میں تحریف و تبدیل نہیں کر سکتا۔ کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ جو لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہے اور ممکن ہے کہ حفاظ کے دل مراد ہوں کہ اس مخفی دفتر میں قرآن کو قضاء و قدر نے لکھ دیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب مکنون سے مراد تورات و انجیل ہو کیونکہ یہ کتابیں مکنون یعنی مخفی ہیں اصلی کتابیں تو چھپ گئیں ان کے نام کی دو کتاب موجود ہیں ان میں قرآن کا ذکر تھا۔ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ مصحف بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں قرآن مجید لکھا ہوا ہوتا ہے یعنی اوراق۔

قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کہ اس کو پاک ہی ہاتھ لگاتے ہیں، یہ تیسری مدح ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم۔ واحدی کہتے ہیں اس تقدیر پر اکثر مفسرین کے نزدیک ضمیر کتاب مکنون کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ کو بجز پاک لوگوں کے یعنی ملائکہ مقربین کے جو جمع نجاستوں ظاہری و باطنی سے پاک ہیں اور کوئی نہیں چھوتا کیونکہ وہی اس کو وہاں سے یاد کر کے دنیا میں لاتے ہیں اور اس کو معنائی قرار دیا جائے جو تاکید کے لیے بصورت نفی صادر ہوئی ہے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پاکوں کو ہی اسے چھونا

کس لیے کفری کی صورت میں مخاطب کو خیال ہوتا ہے کہ خلاف کرنے میں امر کی تکذیب لازم آئے گی اس کو وہ گوارا نہیں رکھتا (مثال نفی) تم نہ کرو اور نفی یہ کہ تم نہ کرو گے دوسری بات میں تاکید ہے۔ ۱۲ منہ

چاہیے۔ اس تقدیر پر لایمسمہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے۔ یہ جمہور فقہاء اور اکثر محدثین کا قول ہے یعنی بے وضو، بے غسل جنابت اور حیض ونفاس میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ حضرت علی وابن مسعود وسعد بن ابی وقاص وسعد بن زیدؓ وعطاء وزہری ونجاشی وحکم وحماد وغیرہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اس بارے میں احادیث بھی وارد ہیں چنانچہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ کتب حنفیہ میں ہے کہ محدث وحائض ونفاس والے کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر جدا گانہ غلاف میں ہو تو مضائقہ نہیں کہ غلاف کو ہاتھ لگایا جائے۔ ہاں بے وضو کو پڑھنا درست ہے اگر حافظ ہو اور اگر دیکھ کر پڑھتا ہے تو قلم یا اور کسی چیز سے ورق الٹے۔

مدھنون۔ ادہان۔ مدہنت جھٹلانا اس کے اصلی معنی ہیں چکنا کرنا چونکہ جھٹلانے والا چھڑی چکئی باتیں بنایا کرتا ہے اس لیے اس کے اس فعل کو مدہنت وادہان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غیر مدینین غیر مطہین۔ اوغیر بحر میں اوغیر حائین۔ واللہ اعلم۔

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۖ وَجَنَّتُ نَعِيمٌ ۝
وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝
وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ۖ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ۖ
وَتَصْلِيَةٌ جَهِيمٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ۖ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الْعَظِيمِ ۝

۱۰۲

پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (ان کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہے (تو اس کو سنایا جائے گا) کہ اے فضل تو جو دائیں طرف والوں میں سے ہے تجھ پر سلام اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو (اس کے لیے) کھولتے پانی اور آگ میں جلنے کی ضیافت ہے بے شک یہ (جو بیان کیا گیا ہے) کامل یقینی ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کیا کرو جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب : فروح جواب فاما جواب ان مستغنی عنه بجواب اما والتقدير فله روح قراء الجہور ریح الرائق وقری بالضم فالفتح مصدر والضم اسم له وقيل بالفتح معناه الراحة بالضم معناه الرحمة مجازاً الطلاقة السببية لانها كالسبب لحياة المرحوم ريحان اصله ريحان على فيعل ان قلبت الواو ياء وادغم ثم خفت مثل سيد وسيد وقيل هو فعلا ان قلبت الواو ياء وان سكنت والفتح ما قبلها۔ (ابن الصاغ) تصليية بالرفع عطفاً على نزل وبالجزم عطفاً على حميم حق اليقين اي حق خبر اليقين فالوصف بمذوف الصفة قائمة مقامه۔

تفسیر : تینوں گروہوں کا بعد موت کے جو حال ہوتا ہے اس کو بیان فرماتا ہے یعنی جب کہ روح جسم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہے نیست و نابود نہیں ہو جاتی نہ وہ دنیا کے تنگ میدانوں میں تنازع کے ذریعے سے اجسام مختلفہ کے لباس پہن کر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ فاما ان کان من المقربين یعنی ساقین میں سے ہے تو اس کے لیے رَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۖ وَجَنَّتُ نَعِيمٌ۔ عیش و عمدہ روزی اور نعمتوں کے بھرے پرے باغ ہیں۔ باغ و بہار اور خوشبوئیں اور بہشت میں ہر قسم کی شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ اور اگر اصحاب الیمین میں سے ہے تو فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ تو تجھے اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب! ان کی طرف سے سلام یعنی سلامتی ہے رنج و غم سے ان کا ایسا عمدہ حال ہوگا کہ جس کو دیکھ کر تجھے رنج و غم نہ ہوگا وہ عذاب سے سالم و محفوظ ہوں گے یا یہ معنی کہ وہ ایسے

خوش حال میں ہو گئے کہ وہاں خوش ہو کر تجھ پر سلام بھیجیں گے یا یہ کہ اے صاحب الیمین تجھے تیرا دوسرا بھائی سلام کرے گا یعنی آپس میں خوش و غمی میں ایک دوسرے سے سلام علیکم کہے گا جیسا کہ عید وغیرہ خوشی کے دنوں میں باہم ملتے اور سلام کیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتہ اللہ کی طرف سے اس کو سلام کرے گا اور خبر دے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے۔ (احل سادات)

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ اور اگر وہ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے یعنی اصحاب الشمال (گمراہ اصحاب الشمال کو ان الفاظ سے اس لیے ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہی بد خصلت ان کو اس عذاب میں لائی ہے فَنُزِّلُ مِنْ جَحِيمٍ تو اس کی مہمانی اور ضیافت کھولتا ہوا پانی وَتَصْلِيَةً جَحِيمٍ اور آگ میں ڈالا جاتا ہے یعنی وہ زقوم کھانے کے بعد کھولتا پانی پئے گا اور آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی ضیافت اور مہمانی یہ ہے اور یہ اس کے لیے سامان مہمانی تیار ہیں جانے ہی کی دیر ہے۔ ہائے بہت لوگ دنیا میں بدکاری و کفر میں گرفتار ہیں اور ان کو ہر قسم کی کامرانی اور عیش اور دنیاوی عزت و جاہ بھی ہے اور اپنے لیے بڑے بڑے سامان دوام کے لیے کر رہے ہیں کہ یکا یک موت آئے گی۔ صبح دنیا کی ان شادمانیوں میں تھا شام سے پہلے اس عالم میں ان بلاؤں میں گرفتار ہو گیا اور ایسے بھی ہیں کہ نیک و باخدا ہیں گرد دنیاوی تکالیف تنگدستی، بیماری، خواری، بیکسی، غربت میں گرفتار۔ موت آگئی دوسرے عالم میں سلطان و کامران ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دولت مند اور ایک معزز زنا می محتاج و بیمار کا انجام کار بیان فرمایا کہ دولت مند دوزخ میں گیا اور وہ محتاج جو اس کی ڈیوڑھی پر اس کے بچے ہوئے نگڑوں کی آرزو کیا کرتا اور کتے اس کے زخم چاٹا کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں بیٹھا ہوا اس کو نظر آیا اور التجا کی کہ کاش عزیز اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے منہ میں چکا دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ نہ ہو گا تو دنیا میں مزے اڑا چکا وہ تکلیف پا چکا تیرے اس کے درمیان جہنم کا گڑھا ہے یہ تیرے پاس بھی نہیں آ سکتا (انجیل۔ لوقا۔ باب ۱۶) یہ باتیں بظاہر اہل دنیا کے خیال میں نہیں آتیں اس لیے فرماتا ہے إِنَّ هَذَا هُوَ حَقُّ الْيَقِينِ کہ یہ مذکور یقینی ہے۔ پھر دار آخرت کے توشہ حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ کو اس کے بزرگ و برتر نام کی تقدیس و تسبیح کیا کر۔ یہی آخرت کا بڑا ذخیرہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے سے پاک ہے جو کچھ فرمایا حق ہے۔ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے کہ جس کا لطف بیان سے باہر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① لَهُ مُلْكُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ② هُوَ الْأَوَّلُ

وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③ هُوَ الَّذِي خَلَقَ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا

يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُبُ

بعض پاک لوگوں کو خواب یا مکاففہ میں دار آخرت کے یہ حال جو مرنے کے بعد پیش آتے ہیں دکھائے بھی جاتے ہیں جس سے وہ دنیا ان کی آنکھوں میں گرد و سہا جاتی ہے اور وہ اس جگہ کے مشتاق رہتے ہیں یہاں ان کا کسی حال میں دل نہیں لگتا اور خواب میں بھی آ کر بعض نے یہ کیفیت بیان کر دی ہے۔

فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ٦

مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ۝ ٧ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ

وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ٨

اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ ہر درست (اور) حکمت والا ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور ظاہر اور پوشیدہ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ کہ زمین میں گھستا ہے اور جو کچھ اس سے برآمد ہوتا ہے اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا اور جو کچھ کہ اوپر کو چڑھ کر جاتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا وہی بادشاہ ہے۔ اور سب چیزیں اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ وہی داخل کر دیتا ہے رات کو دن میں اور داخل کر دیتا ہے دن کو رات میں اور وہ دلوں کے راز کو (خوب) جانتا ہے۔

ترکیب : یحییٰ ویمیت فی محل الرفع لكونه جزاء المبتداء المحذوف ای ہو۔

تفسیر : اس سے پہلی سورۃ کو اپنے نام پاک کی تسبیح کرنے پر تمام کیا تھا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔ اب اس سورۃ کی ابتداء میں اس تسبیح کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کہ تمہیں پر کچھ موقوف نہیں آسمانوں کے رہنے والے فرشتے (اور روحانیات حضرات انبیاء و اولیاء کرام) اور زمین کے رہنے والے ملائکہ و جمادات و نباتات اور کل موجودات اپنی زبان حال سے اس کی یکتائی و صنعت و ربوبیت و کمال کی گواہی دے رہے ہیں اور یہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ جو لوگ زبان سے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں مومنین و ملائکہ کرام خواہ وہ ارضی ہوں خواہ سماوی وہ زبان سے باقی کادالات حال تسبیح کر رہا ہے۔

یہ لفظ تسبیح قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں آیا ہے۔ اس سورہ اور سورہ حشر اور صف وغیرہ میں بصیغہ ماضی اور سورہ جمعہ و تغابن وغیرہ میں بلفظ مضارع یسبحہ اور بعض میں بصیغہ امر سبھ جیسا کہ سورہ اعلیٰ اور سورہ بنی اسرائیل کے اول میں بصیغہ مصدر سُبِّحْ۔ الَّذِي اَسْرَىٰ بَعْدَهُ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی تسبیح و تقدیس کسی وقت کسی حال میں منقطع نہیں بلکہ ہر حال میں ہونی چاہیے گویا یوں فرمایا، اس کی تسبیح و تقدیس ہوتی آئی ہے اور ہوگی اور ہونی چاہیے اور ہوتی رہتی ہے اور اے لوگو! تم بھی کرو۔ اور مافی السَّمَوَاتِ الخ میں یہ اشارہ ہے اے بنی آدم! کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح و تقدیس موقوف نہیں اس کی تسبیح و تقدیس کرنے والے بہت ہیں آسمانوں کے فرشتے اور دیگر چیزیں اور زمین کے رہنے والے اور دریا کے جانور اور بیابانوں کے وحوش و طیور سوراخوں کے چھوٹے اور درندہ پرند، نباتات و جمادات۔ اگر سننے والے کے کان ہوں تو عرش سے لے کر فرش تک اس کی تسبیح و تقدیس کا غلغلہ اور شور ہے۔ خاصانِ خدا نے کبھی جمادات کی تسبیح بھی سنی ہے۔ بخلاف مفسدین نے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی جس وقت کہ وہ کھایا جاتا تھا تسبیح سنا کرتے تھے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غرض اس کہنے سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورہ میں یہ ہے کہ اے مشرک، اے جاہلو، تم نے جو اپنے اہام باطلہ اور قیاسات فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذات پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں، کسی نے اس کے لیے بیٹیاں کسی نے بیٹا، کسی نے اس کے کارخانہ قضاء و قدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں، کسی نے انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا ہے، کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس کے لیے نکان ثابت کیا ہے کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا ہے، کسی نے اس کو بغیر وسائل کے ہندوؤں کی دعائیں سننے سے بہر اقرار دے کر وسائل تجویز کر کے ان کی پرستش اختیار کی ہے، کسی نے اس کو عالم پیدا کرنے کے بعد معطل ٹھہرا رکھا ہے،

وہ ان سب باتوں سے پاک ہے، اس کی پاکی زمین و آسمان کی ہر ایک چیز بیان کر رہی ہے۔

اس کے بعد وہ ان امور کے ابطال اور اپنی قدرت و کمال کے ثبوت میں جو تسبیح و تقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرماتا ہے مگر اسی سادے اور دل پسند طریق سے۔ دلیل اول **وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** تسبیح تنزیہ یعنی برائیوں سے مبرا کرنا۔ یہ دو باتیں چاہتا ہے اول یہ کہ جس کو عیوب سے مبرا کہا جاتا ہے وہ بے انتہا قدرت کا ملکہ رکھتا ہو کہ جس کے سبب کوئی عیب و نقص عجز کی وجہ سے اس کے گرد نہیں آنے پاتا۔ اس میں بے شمار باتیں آگئیں جو رو بچوں سے پاک ہونا جسم و مقتضیات جسم اور ہر قسم کی شہوانی و نفسانی خواہشیں بھوک، پیاس، نیند، اونگھ، موت و بیماری کسی کام کے کرنے پر بغیر کسی آلات و اسباب معین و مددگار کے قادر نہ ہونا سب سے پاک ہے۔ دوسری بات قدرت کے ساتھ حکمت بھی ہو کہ حقائق الاشیاء اور ہر چیز کی مناسب تدبیر آغاز و انجام حاجات و عبادات ان کے دلی معاملات عالم کے انقلابات سب سے بخوبی واقفیت بھی ہو زور ہو اور حکمت و تدبیر نہ ہو وہ بھی بہت سے عیبوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ اس واقفیت کو حکمت کہتے ہیں۔ پہلی بات کے لیے العزیز دوسری کے لیے الحکیم فرما کر دعوے کو مدلل کر دیا۔ اب رہی یہ بات کہ دراصل اس میں یہ دونوں وصف ہیں بھی یا نہیں؟ اس کے ثبوت میں عالم کے تصرفات کو دلیل میں پیش کرتا ہے۔ **فَقَالَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجٰتِ** کہ آسمانوں اور زمین پر اسی کی حکومت اور اسی کی سلطنت ہے۔ یہ بات ہر روز مشاہدے میں آرہی ہے کیونکہ **مُجِئِیُّ و مُجِئِیُّ** وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ گو عالم اسباب میں انسان اور حیوان اور جملہ موجودات کا وجود و عدم جس کو حیات و موت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب عقل دور بین سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہوگا جس کے لیے آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر جس کے قبضہ قدرت میں عالم کا ایجاد و انعدام ہے پھر اس کی کامل بادشاہی میں کیا کلام ہے؟ کس بادشاہ کو رعیت پر یہ اختیارات حاصل ہیں؟ اور لطف بلاغت یہ دیکھو کہ اس کو مضارع کے صیغوں سے بیان کیا تا کہ معلوم ہو کہ بالفعل یہی مارتا جلاتا ہے ہر روز یہ فعل جاری ہے اور رہے گا یہ نہیں کہ کر چکا جس میں کوئی کلام کر سکے۔ اس لیے اس بات کی آپ ہی تصریح بھی کرتا ہے۔ **وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ پھر اس قدرت کا ملکہ کا اظہار اپنی چار صفتوں میں ثابت کرتا ہے **فَقَالَ هُوَ الْاَوَّلُ** کہ وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں کیونکہ ہر شے کا موجد ہے اور علت کا وجود جملہ معلولات سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء جب ہوتی کہ کوئی اس سے پہلے ہوتا پس وہ ازلی اور قدیم ہے۔ ذات و صفات میں اور جو کچھ ہے وہ حادث ہے ذات و صفات میں ان کی نیستی ان کی هستی سے مقدم ہے اور اسی طرح وہ الآخر بھی ہے سب کے بعد وہی رہے گا۔ یعنی ابدی بھی ہے سب مٹ جائیں گے پردہ رہے گا اور الظاہر اور وہ سب پر غالب اور بلند بھی ہے سب سے برتر ہے۔ یا یہ معنی کہ تجلیات اور موجودات کے پردوں میں سے ایسا ظاہر ہے کہ اس قدر کوئی چیز ظاہر نہیں۔ مصنوع جب اپنی خوبیوں کا جلوہ دکھاتا ہے اس سے پہلے اس کے صانع کی خوبی اور اس کا وجود جلوہ گر ہوتا ہے انہیں معنوں میں بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں سب سے پہلے اس میں اللہ کو دیکھتا ہوں۔

کہ پچھمان دل میں جز دوست ہر چہ بینی بداں کہ مظہر اوست

باوجود اس کے الباطن صانع بھی ایسا ہے کسی کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس کی حقیقت ذات اور اک البصار و عقول سے مخب ہے۔ یا یوں کہو کہ جس طرح سب سے بلند اور اونچا ہے اسی طرح سب سے نیچا بھی وہی ہے۔ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ”اگر تم کنوئیں میں ڈول ڈالو گے تو وہ اللہ ہی پر جا کر پڑے گا۔“ اس کے یہی معنی ہیں۔ وہ ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے احاطہ سے کوئی باہر نہیں، سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ ترمذی و مسلم وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ایک دعا کا تلقین فرمانا مذکور ہے۔

وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح احمد و مسلم وغیرہ نے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بھی حدیث نقل کی ہے جس میں ان چاروں لفظوں کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔

یہاں تک پہلی بات کا ثبوت یعنی العزیز کی توضیح و تفسیر تھی مگر انہیں میں سے دوسرے وصف کا بھی جلوہ نمایاں تھا اس لیے اس کی بھی تصریح کر دی وہو بِكَلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ یہ الحکیم کی تفسیر ہے اس کے بعد ایک گزشتہ اور ماضی فعل کو ذکر کرتا ہے جس سے اس کی کمال قدرت و حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ اَرْبْعَ اَسْمَانٍ اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ اس کی تفسیر کئی جگہ ہو چکی ہے۔ ثم استوى على العرش۔ اس کے بعد تخت حکومت پر تصرفات کرنے کو بیٹھا۔ اس کی بھی تفسیر و تحقیق ہو چکی۔ اس کے بعد پھر اپنی حکمت و علم کا اظہار کرتا ہے يعلم ما يلج في الارض کہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں گھستا ہے۔ پانی اور نباتات کے تخم اور خزانے اور مردوں کی لاشیں وغیرہ و ما يَخْرُجُ مِنْهَا اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اس کو بھی جانتا ہے نباتات معادن وغیرہ و ما يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے۔ ملائکہ، رحمت، عذاب، بارش، احکام حوادث وغیرہ سب کو جانتا ہے۔ و ما يَعْزُجُ فِيهَا اور جو کچھ نیچے سے اوپر چڑھ کر جاتا ہے بندوں کے نیک اعمال اور نیک روہیں اور بعض انبیاء زندہ اور بندوں کی دعائیں اور زمین کے انحرافات سب کو جانتا ہے اور انہیں پر کیا موقوف ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ دیکھ رہا ہے۔ پھر اسی جملہ کا اگلے مضمون کی تہدید بنا کر اعادہ کرتا ہے۔ فقال مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اس کے بعد پھر اپنی قوت و حکمت کا اظہار کرتا ہے۔ فقال وَالِىَ اللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ عالم سفلی سے لے کر علوی تک اور جسمانی سے لے کر روحانی تک جن کے کاروبار اسباب پر مبنی ہیں۔ سب اسباب اسی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی قبضہ قدرت میں ہیں اور تمام کائنات کا وہی مرکز اصلی ہے سب کا میلان اسی طرف ہے۔ ہمہ روسوائے تو بود ہمہ سوروائے تو بود۔ مگر بہمیت کے ظلمات اور رسم و رواج کی تقلید کے بغیر اس کے رستے میں حائل ہو کر اس کو اس طرف جانے سے روک دیتے ہیں انہیں کے دور کرنے کو دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ سب چیزوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی اس کے ہاتھ میں ہونا بیان فرماتا تھا اس کے بعد چند بڑی بڑی باتوں کا اس کی طرف رجوع کرنا فرماتا ہے فقال يُؤْتِيهِ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ الْغَرَّ۔ رات دن کو دیکھو کہ وہ قادر مطلق ان کو کس طرح سے الٹی پلٹی دیا کرتا ہے۔ تمام جہان منور ہوتا ہے دن کی بادشاہت زور پر ہوتی ہے کہ اس کو نیست کر کے رات کو اس میں داخل کر دیتا ہے پھر رات ذلیل ہو کر تمام جہان پر اپنا قبضہ کر لیتی ہے۔ اس کے بعد پھر دن کو اس میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ کیا انقلاب عظیم ہے پھر کس کے قبضہ میں ہے؟ اسی کے۔ آفتاب بھی اس کے حکم سے چلتا ہے، اس کی لگام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اس کی قدرت کا نمونہ ہے اور علم کی یہ کیفیت ہے کہ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ وہ ان چیزوں کو بھی تو جانتا ہے جو سینہ میں ہوتی ہیں یعنی دل میں مخفی ہوتی ہیں۔ دل کی بات کو سینے کی بات بھی محاورہ عرب میں کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ دل سینہ میں ہوتا ہے انسان کے تمام مخفی ارادے اور خطرات بھی اس کے سامنے حاضر ہیں۔ جب یہ ہے تو انسان کو اپنے دل میں سب سے عمدہ خیال اور سب سے اعلیٰ اعتقاد رکھنا چاہیے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ

اٰمِنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفِقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۶ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ

وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِيْنَ ۝۷ هُوَ الَّذِيْ يُنْزِلُ عَلٰٓى عَبْدِهٖ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنْ

الْظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَلَئِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَعُوفٌ رَحِيمٌ ① وَمَا لَكُمْ
أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي
مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ② مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ
وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ③

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس چیز میں سے جس میں تم کو قائم مقام کیا دیا کرو (اللہ کی راہ میں) پھر وہ جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے خرچ بھی کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے اور تم کو کیا ہوا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور رسول ہے کہ تم کو تمہارے رب پر ایمان لانے کے لیے (برابر) بلارہا ہے اور تم سے عہد بھی لے چکا ہے۔ اگر تم کو یقین آئے وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کلی آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ لوگوں کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لاوے اور اللہ تو تم پر بڑا عنایت فرما، مہربان ہے اور تم کو کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا کہ جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک جن کا بڑا اجر ہے ان لوگوں سے کہ جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور (یوں تو) اللہ نے ہر ایک سے نیک وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ کوئی ہے جو اللہ کو خوش دلی سے قرض دے کہ وہ اس کو دو چند کر کے دے اور اس کے لیے عمدہ بدلہ ہے۔

تفسیر: اس لیے اس کے بعد فرمایا اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیات ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں اس کے بعد کچھ عمدہ کام بھی کرنے چاہئیں اور اعمال میں خلق خدا کے ساتھ سلوک کرنا بڑا عمدہ کام ہے اس لیے اسی کو ذکر کیا۔ وَانْفِقُوْا الخ کہ خیرات بھی کرو۔ ابتداء اسلام میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش کی سخت کشاکش میں تھے، ایمان لانا اور خیرات کرنا ہی سکھایا جاتا تھا اور باتوں کے ماننے کی ابھی ان میں صلاحیت نہ تھی جب صلاحیت بڑھتی گئی اور احکام بھی تکمیل سعادت کے لیے فرض ہوتے گئے۔ اس لیے اس آیت میں ان کفار قریش کو انہیں دو باتوں کی طرف بلایا جاتا ہے مگر مال خرچ کرنا آسان کام نہیں۔ طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لیے مختلف طور سے اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ (۱)

۱۔ والرسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا انسان کی حالت اور ہر کا انقلاب اور توار و نعماء سب اللہ کے پیغامبر ہیں جو انسان کو اللہ پر ایمان لانے کے لیے بلارہے ہیں اور دلائل آفاق و انفس خدا کا عہد نامہ ہے جو بندے نے زبان حال سے قائم کیا ہے۔ ان دونوں باتوں پر بھی ایمان نہ لانا اس کی طرف نہ جھکنا اندھا پن ہے ایسے اندھے کا عالم محسوس کی بھی چیز اور کسی حالت پر ایمان نہیں ان کتنے مؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اگر کسی کا ان باتوں پر ایمان و یقین ہوگا تو ضرور اللہ ہی پر ہوگا۔ ۱۲۷

۲۔ قبل الفتح یعنی یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انکشاف حجاب ظلمانی سے پہلے مال و جان سے اس کی تلاش میں جہاد و کوشش کرنا اعلیٰ درجہ ہے کس لیے کہ بعد فتح یعنی انکشاف تو مال جان صرف کرنا کوئی بڑی بات نہیں اس تقدیر پر فتح سے فتح مکہ بالخصوص مراد نہیں بلکہ عام ہے فتح بمعنی انکشاف حجابات و فتح بمعنی دفع معاصی و فتح بمعنی حصول مرادات و نعماء جن میں سے اعداء دین پر فتح اور ان کے مسکن پر غلبہ بھی ہے جو فتح مکہ کو بھی شامل ہے اور نفسِ امارہ پر فتح یا بی کو بھی شامل ہے مگر اصل معنی وہی ہے جو متن تفسیر میں مذکور ہوئے جو تہاد والی الفہم ہیں۔ ۱۲۸

مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ اس مال میں سے دو جس کا خدا نے تم کو خلیفہ یا وارث بنایا، باپ دادا کی میراث یا کسی کے عطیہ یا کسی سبب سے حاصل ہوتا۔ کل وہ غیر کے پاس تھا آج اس کے پاس یہ اس کا خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سدا کسی کے پاس نہیں رہا ہے نہ تمہارے پاس رہے گا آنی جانی چیز ہے اس میں جو کچھ ہو سکے اپنے عہد میں نیکی کر لو مرنے سے یادگیر اسباب سے یہ دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے۔ (۲) فَالَّذِينَ آمَنُوا اَلْحٰ کہ جو ایمان لائیں گے اور اللہ کے رستے میں دیں گے ان کے لیے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا یہ ضائع نہ جائے گا۔ کبھی اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ اکثر تو اس جہان میں ملتا ہے جہاں یہ مکر جاتا ہے اور دوسری زندگی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال دسباب دکھائی نہیں دیتا کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا بھائی یہ میرا گھر نہیں مسافر خانہ ہے چند روزہ مہمان ہوں، مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصلی گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حب مال پر رونے لگا۔ یہاں سے ایمان کی بھی تاکید شروع ہو گئی کیونکہ یہ نہیں تو خیرات کا بھی نفع نہیں اور یہی اعتقاد تو اس کو خیرات پر حرکت دیتا ہے اس لیے ایمان کی تاکید کرتا ہے۔ فَقَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ اَلْحٰ کہ تم کس لیے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کا رسول تم کو ایمان لانے کے لیے کہہ رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے لیا ہے یا تو وہی عہد ازلی جو روحوں سے لیا گیا تھا یا دنیا میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا حاصل کرنا اور روزمرہ صمد ہا دلایل دیکھنا عقل سلیم کا عہد ہے کہ اپنے اللہ پر ایمان لائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اگر تم کو ایمان لانا منظور ہے تو کس لیے نہیں لاتے۔ بعض کہتے ہیں ان اَلْحٰ جملہ شرطیہ ہے جزا محذوف ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم کو اجر عظیم ملے گا۔ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ اَلْحٰ کہ اللہ جس پر ایمان لانا چاہیے وہ ہے کہ جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آیتیں نازل کر رہا ہے خاص تمہارے بھلے کو کہ تم کو گمراہی کی اندھیروں میں سے نکال کر ہدایت و سعادت کی روشنی میں لائے اور اللہ تم پر بڑا مہربان ہے جو اس نے ایمان لانے کے لیے رسول بھیجا ورنہ اس کو کیا پروا تھی۔ یہ بیچ میں تاکیدیں ایمان کے لیے تھیں جو مقصد اصلی ہے۔ (۳) تاکیدہ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ اَلْحٰ خیرات کے لیے کہ تم کس لیے خرچ نہیں کرتے آخر چھوڑ جاؤ گے سب اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ یا یہ کہ سب مال اللہ کا ہے اس کے بدلے میں تمہیں اور دے گا۔

(۴) پھر خیرات کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لَا تَسْتَوُوا کہ خیرات اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ابتداء اسلام میں مکہ فتح ہونے سے پہلے فقراء اسلام پر بڑی شکست تھی اس وقت کا دیا بعد کے دیے کے برابر نہیں جس نے اس وقت اللہ کی راہ میں دیا اور جہاد کیا، جان اور مال دونوں کام میں لایا یا اس کا اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے مگر جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لیے بھی کیا مگر مدارنیت اور غلو ص پر ہے اس لیے فرمادیا۔

وَاللّٰهُ يُمَتِّعُكُمْ خَيْرَ مَا كُنْتُمْ تَحْتُمُونَ کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ جانتا ہے۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ اس سے مت ڈرو کہ ہمارے دین کا اس کو علم نہ ہوگا پھر بدلہ کیونکر ملے گا جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کے کارگزاروں کو فکر ہوتی ہے جس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ آقا کو یہ کارگزاری معلوم ہو جائے۔ (۵) مَنْ ذَا الَّذِي يَخْرِجُكُم مِّنْ دَارِكُمْ کہ جو اللہ کی راہ میں دینے کی تحریک ہے یعنی جو کچھ تم دیتے ہو اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے دینے والا ہے۔ پھر کوئی ہے جو اس کو قرض دے جو دگنا واپس دے اور اپنی طرف سے عمدہ اجر بھی دے؟ ہر چند خدا تعالیٰ کو کسی کی کچھ حاجت نہیں نہ وہ محتاج ہے، نہ اس کو قرض لینے کی حاجت ہے مگر یہ اس کی رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے لیے کسی حاجت مند کو دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ اپنی ضمانت دیتا ہے کہ یہ اس نے ہم کو قرض دیا ہم دگنا کر کے دیں گے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں

۱ تجارت ہو یا حرفہ۔ ۱۲۷

۲ گمراہی کے بہت اقسام تھے ہر ایک کی جدا گانہ غلط تھی جس میں اس عہد کے لوگ مبتلا تھے اس لیے ظلمات جمع کا مینہ ہے اور ایمان و ہدایت کی روشنی ایک ہی نور ہے اس لیے مفرد لایا۔ ۱۲۸

خدا تعالیٰ فرمائے گا بندے میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ الہی تو ان باتوں سے پاک تھا۔ فرمائے گا تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرتا گویا میری عیادت کرتا اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا گویا مجھ کو کھلاتا کیونکہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور ہر درد مند پر اس لیے یہ مصائب خاص لوگوں پر نازل ہوتی ہیں یہود بد بخت نے اس بات کو سمجھا نہیں یہ جملہ سن کر کہہ دیا کہ اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔

سبحان اللہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں دینے کی کس قدر بلیغ تاکید کی گئی اور کن کن پیرایوں میں اول یہ کہ مسکین کو دینا ہم کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ ہم دگنا کر کے دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس کے سوا اور بھی عمدہ اجر دیتے ہیں۔ چارم من ذالَّذِي استفهام کیا کہ کون ہے جو ہمیں قرض دے گویا ہم مانگ رہے ہیں پھر اس پر بھی جو کوئی نہ دے تو بڑا ہی بد بخت ازلی ہے۔ اے میرے اللہ آپ پر جان اور مال فدا ہے جو تو نے ہی دیا ہے۔

یہ تمام صفات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ فتح مکہ سے پہلے وہ ایمان لائے، جہاد بھی کیا، اللہ کی راہ میں مال بھی دیا۔ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر امامت کے مسئلے سے (جس کا مدار انتخاب پر تھا جو حسن خدمات و لیاقت و کارگزاری اور فضل علم و صحبت پر تھا جس لیے ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا) کس لیے ان کو کافر و مرتد اور غاصب بنایا جائے؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد میں خلیفہ بنانے سے ان پر جموٹے الزام لگائے جائیں سخت بے جا بات ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَحِيْرُهُ مِنْ تَحْتِهَا لَا تَهْرِٰ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ
هُوَ الْقُوْرُ الْعَظِيْمُ ﴿١١﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنْفِقُوْنَ وَالْمُنْفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اَنْظُرُوْا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ؕ قِيْلَ اَرْجِعُوْا وَّرَآءَكُمْ فَالْتَبَسُوْا نُورًا
فَضْرَبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهِۦۤ ۙ بَابٌۭ ۙ بَاطِنُهُۥ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَٰهَرُهُۥ مِنْ
قَبْلِہِ الْعَذَابُ ﴿١٢﴾ يٰۤاُدُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنْ كُنْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیْ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَعَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَوْرُ ﴿١٣﴾ فَاَلْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاۤ اُولٰٓئِكَ النَّارُ ؕ هِيَۤ اُولٰٓئِكَ مَوْلٰكُمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾

(اے رسول!) جن دن کہ آپ دیکھیں گے ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور ان کی دائیں طرف ان کی روشنی (ایمان) دوڑتی چلی جا رہی ہوگی (اور اس

وقت) ان سے کہا جائے گا آج کے روز تم کو مڑہ ہے ایسے باغوں کا کہ جس کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جس میں تم سدا ہا کرو گے یہ ہے ان کی بڑی کامیابی۔ جس دن کہ منافق مرد اور عورتیں ایمانداروں سے کہیں گے ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی ڈھونڈ کر لاؤ۔ پھر ان کے پیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا جس کے اندر کے رخ تو رحمت اور باہر کے رخ (جدھر کفار ہوں گے) عذاب ہوگا۔ (اور اس دن) وہ منافق پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے بے شک لیکن تم نے اپنے آپ کو خود خرابی میں ڈال دیا تھا اور (ہم پر مصیبت کے آنے کا) انتظار کرتے تھے اور شک میں پڑ گئے تھے (ان بچا) آرزوؤں ہی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ حکم الہی آن پہنچا اور تم کو فریب دینے والے نے اللہ سے غافل کر دیا تھا۔ پھر آج کے روز تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان سے ہی کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (لو اب) تمہارا ٹھکانا آگ ہے یہی تمہاری جگہ ہے اور بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : یومہ الظرف یضاعف وقیل العاقل یسعی وقیل التقدر یو جرون یومہ تدری سستی نورہم حال بین الیدہم ظرف یسعی احوال من النور بشر اکھ مبتداء جنات الخ۔ خبرہ ای دخول جنات والجملة حال ای یقال لہم ذلک یومہ یقول بدل من یوم الاول وقیل التقدر یا ذکر باطنہ الجملة صفة لہاب اول سور دینا دونہم حال من الضمیر فی بینہم۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں جہاد کرنے والوں، ایمانداروں، اللہ کو قرض دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجر عظیم کا وعدہ ہوا تھا اس لیے اس ایفاء وعدہ کا وقت بیان فرماتا ہے۔ فقال یومہ تدری المؤمنین والمؤمنات الخ۔ کہ یہ اس دن ہوگا کہ جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے ان کا نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مڑہ دیا جائے گا اور جس دن منافق اس نور کی حسرت کریں گے یعنی قیامت کے روز کہ جہاں سخت حاجت ہوگی اور وہ ایک دوسرے جہاں کی جاودانی زندگی ہوگی، اس روز ان کو یہ بدلہ ملے گا۔ دنیا چند روزہ ہے اس دُربے بہا کی یہاں چنداں ضرورت نہیں کہ دے کر ضائع کر دیا جائے۔ ہاں کسی قدر اجر یہاں بھی کبھی دے دیتے ہیں۔ اجر ملنے کا وقت بھی بیان فرما دیا اور اس کے ضمن میں قیامت کا حال بھی ذکر کر دیا جس کا خوف انسان کو نیکی کی طرف حرکت دیتا ہے۔

اب کلام اس میں ہے کہ مومنین ومومنات کے آگے نور دوڑنے سے کیا مراد ہے اور کس موقع پر ہوگا؟ جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ بل صراط کا قصہ ہے جو جہنم کے اوپر ایک باریک تاریکی ہوگی جس پر سے چلنے کا حکم ہوگا اور اس کے سامنے جنت کی دیواریں دکھائی دیں گی کہ لو جنت میں جاؤ مگر اس بل پر سخت اندھیری ہوگی وہاں صرف ایمان اور عمل صالح کا نور یا قندیل آگے آگے دوڑتی چلے گی۔ ایماندار برقی خاطف کی طرح عبور کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ منافق ایمانداروں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں کس لیے کہ ان کے پاس روشنی نہ ہوگی۔ ایماندار کہیں گے پیچھے جاؤ یہاں روشنی نہیں ہم بھی وہیں سے لائے ہیں یعنی دنیا سے۔ پھر ان کے درمیان حجاب ہو جائے گا۔ الغرض منافق و کافر اس اندھیری میں اور اس باریک رستے میں جو ایسے قعر جہنم کے منہ پر ہوگی چل نہ سکیں گے، کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہ بھی بندوں کے الزام دفع کرنے کا طریقہ ہوگا کہ ہم نے تمہاری روشنی نہیں بھائی تھی دنیا میں اس کو ضائع کر کے آئے ہو۔ یہ احادیث صحیحہ صریحہ کا خلاصہ ہے جن کو اہل سنت مانتے ہیں۔ سورہ یواریا اس سے مراد حجاب ہے جس کے اس طرف عذاب اوپر کی طرف جنت درجہ ہوگی اس میں ایک درازہ ہوگا جس میں سے گزر کر ایماندار جنت میں جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں یہی وہ دیوار اعراف ہے۔ حجاب ہونے کے بعد منافق مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے تمہارے جیسے اعمال نماز، روزہ عمل میں نہ لاتے تھے پھر آج کس لیے تم نے ہم کو چھوڑ دیا؟ مسلمان جواب دیں گے، ہاں تھے مگر تم کو اعتقاد نہ تھا۔ جو کچھ کرتے تھے دکھانے کے لیے اور تم دنیا کی محبت میں فریفتہ تھے جس لیے اپنے آپ کو کفر و معاصی میں ڈال رکھا تھا جو فتنہ تھا اور اسلام کے درپردہ دشمن تھے۔ نکلا کرتے تھے کہ کب اسلام کو شکست ہو کہ ہم آزادانہ بدکاری و خراباتی کے مزے اڑائیں، احکام کی تکلیف سے چھوٹ جائیں اور دایہ آخرت اور نئی

زندگانی میں تم کو شک تھا اور تمہاری تمناؤں نے تم کو بھول میں ڈال دیا تھا کہ ایسا مال ہو ایسی اولاد ہو، ایسی جائیداد ہو، رات دن اسی کی فکر میں تھے اور شیطان نے خدا تعالیٰ کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا تھا کہ وہ غفور رحیم ہے، ہم جو کچھ کرتے ہیں معاف کر دے گا یا یہ کہ خدا تعالیٰ کو اس روز کے برپا کرنے پر قادر ہی نہیں جانتے تھے یا یہ کہ اس کے منکر تھے اور دہراور طبیعت ہی کو متصرف جان رہے تھے۔ آخر موت آگئی غَرْكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُودِ کہ یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ کوئی جرمانہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ یا مہلت دی ہے۔ نہ آج کے روز تمہاری توبہ قبول ہے نہ روپیہ نہ لیا جاتا ہے۔ مَاؤُكُمْ النار تمہارا ٹھکانا آتش جہنم ہے۔ هٰی مَوْلٰیكُمْ یہی تمہارے پاس کی جگہ ہے یا یہی تمہارے لائق ہے، یا یہی تمہاری چارہ ساز ہے اور کوئی نہیں۔

الغُرُود بِالْفَتْحِ شیطان، دھوکا دینے والا وبالغضم مصدر ہے جس کے معنی ہیں دھوکا کہ دنیا میں تم پر کوئی سزا نہیں آتی تھی اس دھوکے نے تم کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈال دیا تھا۔ عرفاء کے نزدیک وہ نور جو اس کے آگے چلتا ہے معرفت و محبت الہی ہے۔ یہی جذبہ عشق اس کو طبیعت و خواہش کی اندھیریوں اور عدم و امکان کے سخت ظلمات مٹا کر اسے نکال کر نور محض حق جل عظمت کے جوارِ عاطفت تک لے جاتا ہے اور یہ جوارِ جنت و گلزار و حیاتِ جاودانی کی جگہ ہے اور جن کو یہ نور نصیب نہیں وہ انہیں ظلمات میں ٹکرا دیں گے اس صحنِ نور تک نہ پہنچ سکیں گے اور یہ ابدی ظلمات جہنم و تاریکی شکل میں جلوہ گر ہوں گی پھر وہاں اس نور کی تنہا کریں گے جو محض بے سود ہے۔

اَلَمْ يٰۤاَنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ
مِّنَ الْحَقِّ ۚ وَلَا يَكُوْنُوْۤا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوْۤا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ
الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۱۶ اِلْعَلُّوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
يُنۢزِلُ الْاَرْضَۢ بَعْدَ مَوۡتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۷
اِنَّ الْبَصٰدِقِیْنَ وَالْبَصٰدِقٰتِ وَاَقْرَضُوْۤا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَعِفَ لَهُمْ
وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۸

کیا ایمانداروں کے لیے وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس (کلام) برحق سے جو اس نے نازل کیا ہے دگدگاندہ ہو جائیں اور وہ اپنے اہل کتاب جیسے نہ ہو جائیں جس پر مدتِ دراز گزر گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت توان میں سے بدکار رہی ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا کرتا ہے۔ ہم نے تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں کہ تم سمجھو بے شک خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو خوشدلی سے قرض دیا ہے ان کو دو چند دیا جائے گا اور ان کو عمدہ بدلہ ملے گا۔

ترکیب : اَلَمْ يٰۤاَنَ مَنْ اِنِّیْ اَلَا مَرِیَّیْ اِذَا جَآءَ اَنَآءُ اِیْ وَقْتُہٗ۔ وَ قَرِیْ الْمَیْمَنِ مَنْ اُنَّ یَمِیْنِ بِمَعْنٰی اَتٰی یَاتٰی۔ اَنْ تَخْشَعَ الْجُمْلَةُ فَاعِلُ یَانَ وَاللّٰمُ لِلْمَیْمَنِ وَبِاَمْعٰی الَّذِیْ وَهُوَ عَطْفٌ عَلٰی الذِّکْرِ عَطْفُ اَحَدِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی الْاٰخَرُوْنِ نَزَلَ خَمِیْرٌ یُعَوِّدُ اِلَیْہِ۔ وَلَا یَکُوْنُ اِنْ عَطْفٌ عَلٰی تَخَضُّعٍ وَ الْمَرَادُ اَلْنَصْحُ عَنْ مَّجَالِئِ اَحْلَ الْکِتَابِ فِیْمَا حٰکٰی عَنْهُمْ بِقَوْلِهِ فَطَالَ اِنْ وَاَقْرَضُوْۤا اللّٰهَ فِیْہِ وَجْہَانِ اَحَدُہُمَا مُعْتَرِضُ بَیْنِ اَسْمِ اِنْ وَخَبْرُہَا وَهُوَ یَضَاعَفُ وَالثَّانِیْ اِنَّہٗ مُعْطُوْفٌ عَلَیْہِ لِاَنَّ الْاَلْفَ وَاللّٰمَ بِمَعْنٰی الَّذِیْ اِیْ اِنْ الَّذِیْنَ تَصَدَّقُوْا۔

تفسیر : منافقوں اور کافروں کی دردناک مصیبت آنے والے دن کی بیان فرما کر ایمان والوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اپنی حالت پر قائم رہیں اور آئندہ سعادت کے میدان میں ترقی کرتے رہیں اس لیے اصول سعادت ذکر فرماتا ہے۔ فقال المؤمن الخ اعش کہتے ہیں صحابہ مدینے میں آکر کھیتی باڑی کے شغل میں اس سرگرمی سے مست ہو گئے تھے۔ اس آیت میں ان پر عتاب ہے تاکہ پھر پہلی حالت کی طرف رجوع کریں۔ ایمان و اعمال صالحہ کے بعد تنفع یعنی نرم دل ہونا اور اللہ سے ڈرتے رہنا بھی ترقی درجات کے لیے عمدہ سیرجی ہے۔ اس کو مرتبہ احسان کہتے ہیں جس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل علیہ السلام میں خوب فرمادی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

فرماتا ہے کہ کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ ان کے دل لرز ا کریں۔ اللہ کا ذکر اور اس کی نازل کی ہوئی برحق بات (قرآن) سن کر اور وہ اگلے اہل کتاب جیسے نہ بن جائیں کہ جن پر زمانہ گزرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے بدکار ہو گئے۔ یعنی ذکر اللہ اور قرآن سنا کریں اور ڈرا کریں اور یہود و نصاریٰ کی طرح سخت دل نہ بن جائیں۔ زمانہ جو امد کا ترجمہ ہے اس میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ان میں اور ان کے انبیاء میں مدت گزر گئی تھی اس لیے ان کے دل سخت لہو گئے تھے۔ زبان پر سب کچھ تھا مگر دل مر چکے تھے۔ (۲) یہ کہ اس غفلت میں ان کو مدت گزر گئی تھی یہاں تک کہ یہ غفلت اور حب دنیا اور دین سے بے خبری ایک پشت سے دوسری پشت تک متواتر ہو کر طبیعت ہو گئی تھی۔ (۳) یہ کہ ان کی اس بیہوشی اور سخت دلی بردتوں کوئی عذاب و مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے اور بھی ڈھٹ اور غرور ہو گئے تھے۔ صحابہ کے ڈر اور نرم دلی کی یہ نوبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پہنچی تھی کہ قرآن مجید سن کر زار زار رویا کرتے تھے۔ صبح کی نماز میں امام قرآن پڑھ رہا تھا اس میں آیات تھیں کہ جن میں تہدید و تنبیہ ہے سن کر ایک مقتدی پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اس کے گھر لے گئے اسی حالت میں مر گیا۔ (ترمذی)

اس پر خیال گزر سکتا تھا کہ جب دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں پھر وہ کسی صحبت یا وعظ و قرآن سننے سے کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں گویا مایوسی ہے۔ فرماتا ہے اعلموا ان اللہ الخ۔ کہ مایوس نہ ہونا چاہیے کوشش کرنا چاہیے کس لیے کہ اللہ مردہ زمین کو (خشک کو) ابر رحمت سے پھر زندہ (سبز) کر دیا کرتا ہے اس بات کو جان لو۔ ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان فرمادی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ اس میں حشر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں مرنے کے بعد انسانوں کو ہم زندہ کر دیں گے۔ یہ بھی خوف دلانے والی بات تھی کس لیے کہ حشر کا یقین کامل ہونے کے بعد ڈرنا لازمی بات ہے۔

دل مردہ کے زندہ کرنے والے اسباب بھی ضمناً بیان فرما دیے گئے کہ اللہ کے ذکر اور اس کی نازل کردہ کتاب سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک اور بھی نسخہ تھا اس کو دوسرے پیرائے میں ذکر فرماتا ہے۔ إِنَّ الْمُصْطَفِينَ کہ صدقہ دینے سے بھی دل زندہ ہو جاتا ہے۔

۱۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف علم کافی نہیں نہ کتابیں پڑھنا بلکہ ایسے کاطین کی محبت جو نور مجسم ہوتے ہیں اور ان کی زبان سے سننا اور ہی اثر پیدا کرتا ہے وہی بات ہے کہ جس کو ایک خوش بیان عمر قہر یوں میں ادا کر رہا ہے جس کا اثر قلوب تک نہیں پہنچتا اور پہنچتا ہے تو قائم نہیں رہتا اس بات کو وہ نور مجسم سیدھے لفظوں میں بیان کر کے اپنی روحانی تاثیر سے دلوں میں نقش حجر کر دیتا ہے جس سے دیر پا جوش اور جی سرگرمیوں کا ایک دریا رواں ہو کر قوموں اور ملکوں کو احاطہ کر لیتا ہے۔ قرآن ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تھے پھر تیرہ برس میں کیسا انقلاب عظیم عرب میں نمودار ہوا۔ یہی ہے کہ جس کو اور لوگ پڑھتے اور سناتے ہیں آج کل یکچرا اور ہیکچرا حشرات الارض کی طرح نکل پڑے مگر اثر ندارد خود انہیں کے دلوں میں اثر نہیں ہوتا پھر اوروں کے دلوں پر ان کی حکومت کیونکر ہو سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ دل بمنزلہ زمین کے ہے اور ذکر الہی اور قرآن بمنزلہ آب رحمت کے جس طرح آب رحمت سے خشک زمین جس کو مردے سے مشابہت ہے نرم ہو جاتی ہے جس کو زندگی سے مشابہت ہے اسی طرح ذکر و قرآن سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ و دیگر خیرات سب کو شامل ہے کس لیے کہ کسی کا دل خوش کر دیتا اور حاجت براری کرنا اس کی خوشنودی کا باعث ہے اس کے بدلے میں وہ دو چند دیتا ہے اور آخرت میں اجر عظیم جنت عطا کرتا ہے۔ (وَأَقْرَضُوا اللَّهَ اَنْ اٰسٰی صَدَقَہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کو قرض دیا بطور جملہ معترضہ کے)۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِۦٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؕ وَالشّٰهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ؕ اَعْلَمُوْۤا اَنَّآ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ ؕ وَلَهُمْ وِزِيْنَةٌ وَتَفَاخُوْرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَخْبَجَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۷

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر نور ملے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی یہی کھیل اور کوداؤ آرائش اور مال اور اولاد ہیں ایک دوسرے پر بڑائی اور زیادتی ڈھونڈتا ہے جیسا کہ بارش جس کا سبزہ بکھیتی کرنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے پھر وہ زور پر آتا ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر چوراہو جاتا ہے اور آخرت میں تو دنیا پر فریفتہ ہونے والوں کے لیے سخت عذاب ہے (اور خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی ہے کیا؟ یہی ایک دھوکے کا اسباب۔

ترکیب : والذین مبتداء باللہ متعلق بآمنوا ورسله معطوف علیہ اولئک مبتداء هم الصدیقون الخ خبرہ والجملة والذین عند ربهم ظرف للشهداء کمثل الکاف فی موضع نصب من معنی ما تقدم ای یثبت لہا ہذہ الصفات مشبہة بغیث ویکمن ان تكون فی موضع رفع ای مشبہا کمثل غیث۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جہاں ایمانداروں کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوا ان کی رہبری کرے گا اور منافق نور نہ ہونے کی وجہ سے حسرت کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا تھا کہ کیا اب وہ وقت نہیں آن پہنچا کہ ایماندار ڈریں اور غافل نہ ہو جائیں اور صدقہ و خیرات و ذکر و تلاوت عمل میں لائیں اور صدقہ و خیرات دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجر عظیم پانے کی بشارت بھی تھی جس سے ظاہر بیٹوں دنیا پرستوں کا خیال جاسکتا تھا کہ جو کچھ ہے روپیہ پیسہ ہے اسی کی خیرات کے بدلے میں اجر عظیم ملتا ہے۔ خالی عبادت و ایمان و محبت الہی کو کون پوچھتا ہے؟ اس لیے ان آیات میں ایمان کی فضیلت اور ایمانداروں کے درجات اور کفر و تکذیب کی خرابی کو کافر و تکذیب دنیا بھر کی خیرات کرے بیان فرماتا ہے اور اس کے بعد خود دنیا کی بے ثباتی اور اس کی بے قدری ظاہر فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصول سعادت ایمان ہے یہی اس کو صدیق و شہید عند اللہ بنا دیتا ہے۔ یہی اجر عظیم کا مستحق اور اس نور کا مالک کر دیتا ہے۔ وہ نور ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بھی اس کا رہنما ہے اور آخرت کی اندھیریوں میں بھی رہنمائی کرے گا۔

صدق برزوں فعلیل صدیق کرنے والا۔ دل سے سچا جانے والا۔ عرف شرع میں یہ ایک خاص مرتبہ ہے نبوت سے کم اور تجوں سے بڑھ کر۔ صدیق نبی کا قوت نظریہ میں پرتو اور ظل کامل اور سچا نمونہ یا روحانی فرزند اکبر اور جانشین ہوتا ہے۔ ہر امت میں صدیق گزرے ہیں جن کے برکات و فیوض نبوت کا لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اس امت میں ابوبکر و علی و عثمان و زید و طلحہ و زبیر و سعد و حمزہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید یہ نبی علیہ السلام کی قوت عملیہ کا ظل کامل ہے صدیق کے بعد اس کا مرتبہ ہے۔ مگر بڑا بلند مرتبہ ہے۔ اس شخص سے خوارق و کرامات اس کثرت سے خود بخود ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے حیات میں بھی اور بعد الممات بھی ان کے اجساد پاک سے ان کا روحانی تعلق ایک نئی قسم کا باقی رہتا ہے۔ اس امت میں حضرت عمر فاروق و حمزہ و علی و حسین و غیر ہم گزرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑ کر جہاد میں مر جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں اور اسی طرح مہطون و غیرہ کو بھی اس ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے مگر شہید اکبر و نبی لوگ ہیں کہ جن کی قوت روحانی اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ عام ہے کہ یہ جہاد میں یا کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہوں یا نہ وہ اپنے بستروں پر بھی مرجائیں تو بھی شہید ہیں اولیاء کرام علیہم السلام اسی مرتبہ میں ہیں۔

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا دُنْيَا کی زندگی کو لہو و لعب کہا جو لڑکپن اور شہوانی لوگوں کی زندگی ہے۔ اور زینت جوانی کے ایام میں آرائش و تجل مرغوب ہوتا ہے اور تفاخر و تکبر کا بڑھا پے میں۔ پھر ان کو سوان کی گھانس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جب اگتا ہے خوشنما معلوم ہوتا ہے پھر چند روز میں زرد ہو کر سوکھ کر چورا ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کا حال ہے۔ گھانس تو دوا بر آخرت کے عذاب و ثواب سے فارغ ہے مگر اس پر وہاں کا عذاب و ثواب باقی رہ گیا۔ اس لیے دھوکے کا سرمایہ ہے۔

سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ ۖ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۳۱﴾ مَا أَصَابَ مِنْ
مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ
أَن نَّبْرَاهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۳۲﴾ لَّكِنَّا تَأْسَوْنَ عَلَى
مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُونَ بِمَا آتَاكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
فَخُورٍ ﴿۳۳﴾ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۳۴﴾

اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا چوڑاں آسمان و زمین جیسا ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے نصیب کرے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے خوشتر کہ ہم اس کو پیدا کریں

کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر نہ کرو اور جو تم کو دیوے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترا نے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا کہ جو خود بھی کجی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کجی سکھاتے ہیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا بخوبیوں والا ہے۔

ترکیب : عرضہا متبداء کعرض السماء الخ خبرہ والجملة صفة جنة - اعدت صفة اخرى - في الارض الجارية متعلق بمصيبة لانها مصدره يجوز ان تكون صفة لها على اللفظ او المحل - ومثله ولا في انفسكم الا في كتاب حال اى مكتوبہ - من قبل لغت او متعلق بہ لکھنا کے ناصبہ للفصل بمعنى ان (آی) اندوہ واندوئیں شدن بر سميع - سميع يقال آسى على مصيبة - اى حزن وآسيت لفلان اى حزنتم له صراح -

تفسیر : دنیا کی بے ثباتی اور بے قدری بیان فرما کر دار آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے لیے انسان اس فانی گھر میں چند روزہ مہمان بنایا گیا ہے فقال سَابِقُوا إِلَى مَفْجَرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ الخ کہ ان کاموں کی طرف دوڑو اور جلد حاصل کرو کہ جو اللہ کی "نفرت اور حصول جنت کا باعث ہیں پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کہ اس کا چوڑاں آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ جنت کی چوڑاں کو تشبیہ دی ہے۔ آسمان اور زمین کی چوڑاں سے اور بتلایا گیا ہے کہ طول تو کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس قدر وسیع جنت کا آسمان پر قائم ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (اس کے معنی سورہ آل عمران کی تفسیر میں جہاں کہ یہ جملہ آیا تھا ہم بیان کر آئے ہیں جس کا خلاصہ) یہ ہے کہ جنت دوسرے عالم کا نام ہے اس کے آگے یہ عالم ناسوت جس میں آسمان و زمین ہیں ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ پھر آسمانوں پر جو جنت کا ہونا بیان ہوا ہے اس سے مقصود صرف بجہت علو عالم قدس بیان کرنا ہے مقدس چیزوں کو سموات کی طرف اور ادناس کو زمین کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس لیے آسمانوں پر کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ عالم ناسوت اس کا کسی طرح ظرف و مکان ہو نہیں سکتا۔

بعض نے کہا ہے کہ عرض سے مراد چوڑاں نہیں بلکہ صرف فراغی مقصود ہے جیسا کہ آیا ہے فذود عاء عریض۔ اى کثیر۔ بعض کہتے ہیں عرض سے مراد قیمت و قدر ہے۔ (۲) أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ کہ وہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ یہ نہیں کہ تیار کی جائے گی یہ بھی رغبت کا باعث ہے۔ یہ اہل سنت کی دلیل ہے کہ جنت بالفعل موجود ہے۔ اور احادیث صحیحہ کہ جن میں شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کی سیر کرنا آیا ہے اس کے لیے مؤید ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں قیامت کے روز تیار ہوگی۔ یہ قول غلط ہے۔ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہونا فرمایا تاکہ پرہیزگاری کی طرف توجہ ہو کسی قوم اور کسی ملک کے باشندوں یا امیروں کا خاص حصہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض اقوام نے خیال کر رکھا ہے۔ ہنود میں برہمن اور یہود تو اس کو اپنے باوا کا گھر سمجھے بیٹھے ہیں اور تثلیث کے عقیدے سے عیسائی بھی اس کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ پرہیزگاری بقول پولوس بیکار اور لغتی کام ہے۔ اسی طرح اشراف عرب بھی اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے بیٹھے تھے۔

دار آخرت کے بعد انسان کی عاجزی اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی رنج و راحت جو کچھ سامنے آتا ہے سب نوشتہ ازیلی کے موافق ہوتا ہے فقال ما اصاب الخ کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط و بد امنی یا خود تمہاری ذات پر پڑتی ہے جیسا کہ مرض و جنگ و سستی اولاد و احباب کا مرنا، بے عزتی و ذلت و نا کامی نصیب ہونا۔ تم پر اور زمین پر آنے سے پہلے کتاب یعنی دفتر قضاء و قدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے تم کو اس لیے سنا دیا کہ تم کسی نعمت پر اتراؤ نہیں کہ اپنی محنت و تدبیر کا ثمرہ سمجھو یا خود بخود رکھنے لگو کہ اس لیے کہ اللہ کو اترا نے والے متکبر پسند نہیں جو جمل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی جمل پر ترغیب دیتے ہیں اور جو نہ مانے تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں۔ اس میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ چاہیے کہ مصیبت پر صبر اور نعمت کو عطیہ الہی سمجھ کر شکر کرے اور اس کے بندوں پر اس کے شکر یہ میں احسان کرے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ
عَزِيزٌ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النَّبُوَّةَ
وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ
أَنْثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۚ
وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا
مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ
فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ۝

البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازو دے (عدل) بھی بھیجی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تاکہ خدا معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے البتہ اللہ قوی و زبردست ہے اور البتہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ پھر کچھ تو ان میں سے راہ پر ہیں اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے اپنے اور رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو بعد میں بھیجا اور اس کو ہم نے انجیل دی اور اس کے ماننے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کی اور ترک و دنیا بھی قائم کیا تھا جو ہم نے تو ان پر فرض نہ کیا تھا خود انہوں ہی نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا تھا پھر جیسا چاہے تم اس کو دیا جاوے سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو ان کا اجر دیا اور بہت سے تو ان میں بھی بدکار ہی ہیں۔

ترکیب : فیہ ہاس الخ الجملة حال من حدید و منافع معطوف علی ہاس ولیعلم معطوف علی محذوف وهو مستعملوہ وقیل عطف علی قولہ لیقوم الناس بالقیس حال من قائل ینصر او مفعولہ ای غائباً عنہم او غائبین عند رہبانیتہ منصوب بفعل مضمر یفسرہ بالعدہ وهو ابتدعوها وقیل بالعطف علی ما قبلہ ای جعلنا فی قلوبہم رہبانیتہ مبتدئ من عندہم وابتداعوها علی حد التقدر صلتہ لها۔ الہہانیتہ الفعالتہ المنسوبۃ الی الراحہ وقرئ یضم الراء کا خاصیتہ الی الہہان جمع راحہ۔

تفسیر : پہلے بھل کی برائی بیان فرمائی تھی اب یہ ذکر دیا کہ بھل پر کیا مختصر ہے جمع نیک و بد امور بتلانے کے لیے ہم نے رسول بھیجے۔ معجزات و نشانیاں دے کر تاکہ بنی آدم کی اصلاح کریں مگر بنی آدم کے معاملات دو قسم پر تھے ایک ان کی ذات کے متعلق عقائد سے لے کر اعمال حسنہ عبادت و ریاضت تک دوم امور توہن جن میں حقوق عباد میں پہلی باتوں کے لیے اُنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ کتاب نازل کی۔ دوسری قسم کے معاملات کے لیے وَالْمِيزَانَ ترازو یعنی عدل و انصاف نازل کیا۔ لِيَقُومَ النَّاسُ الخ تاکہ بنی آدم ان باتوں میں انصاف پر قائم رہیں زیادتی کی جو رو ظلم نہ کریں۔ مگر سرکش اور کج طبع لوگوں کے لیے جو قانون انصاف پر نہیں چلتے ہیں وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ لوہا نازل کیا۔

لوہے سے مراد حکومت و شوکت ہے جو حاکم کے اپنی ہتھیاروں سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ حکام جو تلوار کے زور سے ان کو انصاف پر چلاتے ہیں اور لوہے کے نازل کرنے سے مراد اس کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ اس کے احکام و قضایا عالم بالا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس لیے ایسی کارآمد چیز کے پیدا کرنے کو انزلنا تعبیر کیا۔

پھر لوہے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ (۱) فِيهِ بَاسٌ شَدِيدٌ بِأَسْخَى وَخَسْبٍ حَرْبٍ شَدِيدٍ (صراح) کہ اس میں جنگ کے وقت بڑی سختی و شدت ہے کس لیے کہ تلوار، بندوق، نیزہ، گرز، توپ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔ (۲) وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ اور بہت نفع ہیں کس لیے کہ انسان کی حاجت کے متعلق جس قدر پیٹھے میں زراعت و معماری وغیرہ سب میں لوہے کے آلات مستعمل ہوتے ہیں۔ (افسوس آج کل مسلمانوں کے ہاتھ میں لوہا نہیں رہا جس سے یہ نبوت پختی)۔ (۳) وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الْخَبْرَ تیسرا فائدہ اس میں اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگاروں، حامیوں کا پورا امتحان بھی ہے کہ دیکھیں کون ہے جو جان کو ہاتھ پر رکھ کر ہتھیار باندھ کر خدا کے قانون جاری ہونے میں مدد کرتا ہے اور دنیا میں ظلمت و فساد پھیلانے والوں خدا پرستوں پر ظلم کرنے والوں کی خبر لیتا ہے؟ (اس میں جہاد کی ترغیب ہے)۔

اس کے بعد اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ بھی فرمادیا کہ اللہ کسی کی مدد کی حاجت نہیں۔ صرف تمہارا امتحان مقصود ہے کہ آیا تم بھی اس کے دین کے باقی رہنے اور شائع ہونے میں مدد کرتے ہو؟ ورنہ وہ تو خود قویٰ زبردست ہے، آپ قائم کر کے رہے گا۔ رسولوں کے اجمالی ذکر کے بعد چند اولوالعزم رسولوں کا ذکر کرتا ہے تاکہ عرب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اچھا نہ معلوم ہو۔ فَقَالَ وَلَقَدْ ارْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی خَلْقِهِ نوح علیہ السلام کو اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی نسل میں کتاب و نبوت کو قائم رکھا۔ ان کے بعد بھی ان کی نسل میں سے صاحب کتاب نبی اٹھے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام و داؤد علیہ السلام کے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے پھر کچھ لوگ ان سے ہدایت پاتے ہیں اور کچھ بدکار ہی رہے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اس کو کتاب دی جس کا نام انجیل ہے۔ یا انجیل یعنی خوشخبری دی کہ وہ ایمان والوں کو نجات کی خوشخبری دیتے تھے (یہ معنی جمہور اہل اسلام کے خلاف ہیں) انجیل عبرانی لفظ انگیول کا معرب ہے جس کے لغوی معنی خوشخبری کے ہیں مراد اس سے کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی جو قیصرہ گردی میں تلف ہو گئی۔ یہ بات پولوس کے بعض خطوط سے بھی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے بعد متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا ان کے حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں نے جو کتابیں ایمان کے حالات میں لکھیں جن کا مبداء سببی اور مروی باتیں ہیں اور ان کا نام بھی انجیل ہے۔ وہ دراصل وہ انجیل نہیں یہ ممکن ہے کہ ان میں اس کی بھی بعض باتیں شامل کی گئی ہوں۔ یوں تو اور بھی بہت سی انجیلیں عیسائیوں کے بزرگوں نے بنائی ہیں جن کو یہ لوگ الہامی نہیں مانتے۔

پھر فرماتا ہے جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الْاَنْبِيَاۡ اِلٰی عِيسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے تابعداروں کے دل میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کر دی تھی وہ لوگ نرم دل اور متواضع اور فروتن تھے اور رہبانیت بھی ان کو ملی تھی جس کو انہوں نے از خود پیدا کیا تھا ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی لیکن ان سے وہ جیسا چاہیے تھی نہ نہ سکی۔ پھر جو ان میں سے پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اجر کے مستحق ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو لوگوں میں سے جو تارک الدنیا ہو جاتے تھے کسی گوشے میں عبادت کرتے نہ وہ بیاہ شادی کرتے تھے نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، نہ عمدہ کھانا کھاتے تھے ان کا نام راہب ہوتا تھا جس کی جمع رہبان آتی ہے جس کے معنی درویش اور رہبانیت درویشی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے راہبوں میں بہت سی باتیں شرمناک پیدا ہو گئی تھیں جن کا ذکر مؤرخین نے بہت کچھ کیا ہے۔ قرآن نے اپنے اخلاقی کریمانہ سے ان کا صراحتہ ذکر کرنا مناسب نہ جانا، فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا میں اشارۃً ذکر کر دیا۔

ابحاث : (۱) وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ کے متعلق کچھ اور بھی اسرار ہیں۔ از انجملہ یہ ہے۔ انسان کے کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کو کرنا چاہیے دوسرے وہ جن کو کرنا نہ چاہیے۔ پھر جن کو کرنا ہے وہ دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو نفس سے متعلق ہیں، دوسرے وہ جو بدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ افعال انسانیہ یعنی معارف ان کا سرچشمہ کتاب ہے کس لیے کہ کتاب اللہ ہی حق و باطل میں تمیز کر دیتی ہے اور بدنی اعمال جو ہاتھ پاؤں اعضا سے متعلق ہیں ان میں بڑا حصہ وہ ہے جن کا لگاؤ خلق خدا کے ساتھ ہے۔ ان کے لیے میزان ہے، اسی عدل کی ترازو میں تل کر عدل و ظلم میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اب رہے وہ افعال کہ جن کو کرنا نہ چاہیے ان سے روکنے والا دنیا میں لوہا ہے۔ واعظ برسوں سمجھائیں کوئی نہ مانے، لوہے کے خوف سے دم بھر میں ترک ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ کتاب قوت نظریہ کے لیے اور میزان قوت عملیہ کے لیے اور حدید نالائق کاموں سے روکنے کے لیے نازل ہوا ہے۔

از انجملہ یہ کہ اگر معاملہ خدا سے ہے تو اس کے لیے کتاب ہے اور جو بندوں سے ہے تو میزان اور دشمنوں سرکشوں سے ہے تو اس کے لیے لوہا ہے۔

از انجملہ بنی آدم تین قسم کے ہیں۔ ایک سابقون جو انصاف کرتے ہیں مگر انصاف کے طالب نہیں ان کا معاملہ کتاب سے ہے۔ دوسرے وہ جو انصاف کرتے ہیں اور انصاف ہی چاہتے ہیں یعنی درمیانی لوگ ان کو میزان درکار ہے۔ تیسرے بدکار ظالم ہیں ان کے لیے حدید درکار ہے۔ وہ اس کی دھمکی سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ شہوات کے تمام نشے نکوار دیکھ کر ہرن ہو جاتے ہیں۔ دم بھر میں بھلے مانس اور نیک ہو جاتے ہیں اور یہی حکمت تھی کہ آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کے عہد میں گمراہی و شہوت پرستی کا دریا طغیانی پر تھا، کتاب و حکمت کے ساتھ حدید یعنی زور و شوکت بھی عطا ہوا۔ فقیری و مسکنت کے لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی بلکہ شان و شوکت شاہانہ کے پیرائے میں جلوہ گر ہوئی اور اسی کو سلطنت آسمانی کہتے ہیں جس کی خبر پہلے انبیاء علیہم السلام دیتے آئے ہیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں کہ جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے مکارم اخلاق تعلیم کر کے سب کے بعد فرمایا، وزرۃ شامہ الجہاد کہ ان سب باتوں کا سر جہاد ہے۔ اور اسی لیے قیامت تک جہاد و احتساب قائم کر کے اور اپنے جانشینوں اور پیروؤں کے لیے ایک عمدہ دستور العمل چھوڑ گئے جس کو آج کل مسلمانوں نے ترک کر رکھا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں حقیر ہو گئے۔ اہل اسلام خدا تعالیٰ کا لشکر خاص ہے جن کی تنخواہ دار آخرت و حیات جاودانی ہے۔

از انجملہ یہ ہے انسان یا عارف کامل ہے جو مقام حقیقت تک پہنچ گیا ہے اس کے لیے بجز محبوب کی کتاب کے اور کوئی بات تسلی بخش نہیں۔ یا وہ طالب ہے یعنی مقام طریقت میں ہے اور یہ مقام نفس لوامہ کا ہے اور مقام اصحاب الیمین جیسا کہ اول مقام نفس مطمئنہ اور سابقون کا تھا تو اس کے لیے معرفت اخلاق کے لیے میزان درکار ہے یہاں تک کہ افراط و تفریط سے بچے اور کسی کجی کی جانب اس رستے میں نہ جھکے اور یا وہ مقام شریعت میں ہے جو نفس امارہ کا مقام ہے اس وقت اس کے لیے مجاہدہ و ریاضات کے ہتھیار اور نفس بد کے لیے ہنسی گرز درکار ہے۔ کبیر

(۲) لا رہبانۃ فی الاسلام۔ یہ مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک مسلم ہے کہ مذہب اسلام میں رہبانیت نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا ترک کر بیٹھنا، نکاح نہ کرنا فقیری کا لباس اور قلندرانہ وضع اختیار نہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان باتوں میں خدا نہیں ملتا اور نیز منشاء الہی کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی متعدد نکاح کئے اور نکاح کرنے کی ترغیب دلائی۔ عمدہ لباس بھی پہنا، عمدہ کھانا بھی جب مل گیا تناول فرمایا۔ دنیا کے سب کاروبار کرو، نوکری، تجارت، زراعت، بال بچوں کی پرورش، اقارب و ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ خدا سے تو اچھا کھاؤ پیو پہنو مگر ہر کار میں اللہ کو نہ بھولو، اس کے احکام کو ملحوظ رکھو۔

مگر نہ ایسا بھی کہ لذائذ و شہوات کے بندے بن جاؤ، رات دن اسی دھندے میں پڑے رہو اور آرائش و تجملات کے حاصل کرنے میں عمر گراں مایہ برباد کرو، دنیا کو خیر باد کہہ بیٹھو، نفس کو موٹا کر دس لیے کہ گو اسلام میں رہبانیت نہیں مگر زہد ضرور محمود ہے اور بزرگان دین نے زہد و تقویٰ اختیار کیا ہے۔ زہد دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے نہ بالاتزام مباحات و لذائذ و طیبات کو حرام کر لینا۔ ہاں زہد کو ان چیزوں کی طرف چنداں التفات نہیں ہوتا نہ وہ ان کے طالب و جوایاں ہوتے ہیں۔ اگر اتفاقاً میسر آ گئیں تو کچھ انکار بھی نہیں برخلاف راہب کے زہد و راہب میں یہ فرق ہے اور بڑا فرق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸﴾ لَيْلًا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۹﴾

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو اپنی عنایت سے دینا اور تم کو ایسا نور عطا کرے جس سے تم رستہ چلو اور تم کو اللہ بخش دے اور اللہ غفور رحیم ہے تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ ہم اللہ کے فضل پر کچھ بھی قادر نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد عیسائیوں کی طرف خطاب کرتا ہے فقال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والو! اتَّقُوا اللَّهَ۔ اللہ سے ڈرو، نفسانیت و تعصب کو چھوڑو۔ اِمْنُوا بِرَسُولِهِ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی بشارت دی ہے اِمْنُوا بِرَسُولِهِ کہ تم کو اپنے فضل سے دو ہر حصہ ثواب دے۔ دونوں پیغمبروں پر ایمان لانے کے سبب جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تھا، فَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ کہ جو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا یعنی دیں گے۔ نفل حصہ، دو ہر حصہ پانے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جو عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اس کو دو ہر حصہ ملنے کے سبب سب سے زیادہ اجر ملے گا کس لیے کہ دو ہرے ہونے سے زیادہ ملنا ثابت نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک چیز کے دس حصے کے اور ایک شخص کو ان دس حصوں میں سے دو ہر حصہ ملا اور پھر اسی چیز کے تین حصے کے ایک شخص کو ایک حصہ دیا تو یہ ایک حصہ پانے والا اس دو ہرے پانے والے سے کم نہیں رہا۔ وَلَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ اور اس ایمان نبی آخر الزمان ﷺ سے تمہارے لیے ایک نور قائم کر دے گا جس کے سبب تم دنیا میں سیدھا رستہ چلو گے یا پل صراط پر چلو گے۔ یہ نور بغیر اس کے حاصل ہی نہیں ہوتا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور تم کو بخش دے گا وہ غفور الرحیم ہے۔ پچھلے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے۔

۱۔ بلکہ اس نے زائد پایا اور یہ اہل اسلام ہیں اس بات کی طرف بخاری کی وہ حدیث اشارہ کر رہی ہے جس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے امت محمدیہ! تمہاری اور تم سے اگلوں کی ایسی مثال ہے جیسا کسی نے کسی کو نصف روز پر خالص اجرت پر معین کیا اور کسی کو نصف النہار سے لے کر عصر تک اسی اجرت پر مامور کیا اور کسی کو عصر سے لے کر غروب آفتاب تک دو چنداں اجرت پر معین کیا۔ پہلوں نے کہا ہمارا وقت زیادہ اور ان کا وقت بھی کم اور اجرت دو چنداں ہے نہ کہ میں نے تمہاری مزدوری میں سے تو کچھ کم نہیں کر لیا۔ صبح سے نصف النہار تک والے اور اس سے لے کر عصر کے وقت تک والے یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور عصر سے آخر دن تک والے جن کو باوجود بہت کم وقت و محنت کے دو چنداں اجرت ملی مسلمان ہیں۔ ۱۲۔

نصیحت ہو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔ پھر جس کو بردہ نہ ملے تو دو مہینے کے روزے لگا تا رہا پس میں ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے۔ پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ سکنیوں کو کھانا کھلا دے یہ اس لیے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول کی (پوری پوری) تصدیق کرو اور یہ تو اللہ کی حدیں باندھی ہوئی ہیں اور منکروں کو سخت عذاب ہے۔ وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ خوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ خوار ہوئے اور ہم نے تو صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں اور منکروں کو ذلت کا عذاب ہے۔ جس دن کہ ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا پھر ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے تھے جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔

ترکیب : وتشتکی معطوف علی تجادلک وقیل حال من فاعله ای تجادل وہی متضرعۃ الی اللہ تعالیٰ الذین موصول یظاہرون الخ صلۃ والکل مبتداء ماہن امہتہم الجملۃ خبرہ امہاتہم بکسر التاء علی انہ خبر او یضمھا علی اللغۃ والذین یظاہرون من نسائہم مبتداء مفتحیر رقبۃ الجملۃ وہی فعل یمھم تحریر رقبۃ خبرہ۔ ذلکم مبتداء تو عظون بہ خبرہ واللام فی لما قالوا تعلق بیعودون وما مصدریۃ یمکن ان تجعل بمعنی الذین وکمرۃ موصوفۃ وقیل اللام بمعنی فی وقیل بمعنی الی فی الکلام تقدیم و تاخیرہ تقدیرہ ثم یعودون تعلیم تحریر رقبۃ لما قالو انصیام شہرین ای فعلیہ صیامہ شہرین ذالک ومحلہ انصب بفعل معلل بقولہ لتو منوا او الرفع علی الابتداء یوم منصوب بما تعلق بہ اللام من الاستقرار او بین او باضمار او ذکر۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قدر کے میں بھی نازل ہوئی ہے مگر یہ قول معتبر نہیں۔ سورۃ حدید کے اخیر میں واللہ ذو الفضل العظیم آیا تھا جو یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد کا رد تھا کہ وہ نبوت اپنے خاندان میں ختم سمجھتے تھے۔ اس سورہ میں منجملہ افضال الہی کے جن میں سے نبوت نبی آخر الزمان ﷺ بڑی چیز ہے اس نبوت کے برکات اور اپنے بعض افضال کا (سہل احکام اور آسان شریعت نازل کرنے کے پیرائے میں) انہما فرماتا ہے کہ یہ بھی اس کے فضل کی ایک بڑی بات ہے کہ اس نے ظہار میں جو جاہلیت میں اشد طلاق سمجھی جاتی تھی یہ سہولت کی کہ کفارے سے عورت کو اس کے مرد کے لیے حلال کر دیا۔ اب اس کی تشریح بعض ایک واقعے کے کرتا ہے۔ فقال قد سمع اللہ قول النبی الخ۔ اس کے شان نزول میں جمہور مفسرین نے یوں نقل کیا ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کے خاوند نے ناراض ہو کر یہ کلمہ کہہ دیا تھا (انت علی کظہر امی) کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح سے حرام ہے۔ یہ کلمہ جاہلیت میں سخت طلاق کا تھا کہ جس کے بعد طلاق نہیں ہوتا تھا اس کو بڑا رنج ہوا۔ خاوند سے بڑی محبت تھی اور بچہ دار بھی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اس وقت حضرت ﷺ کا مرد ہلا رہی تھی اس عورت نے آکر سب قصہ بیان کیا اور اپنی مصیبت ناک حالت بھی عرض کی کہ میں پہلے جوان مالدار تھی اب عمر رسیدہ بھی ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں کہ اگر آپ رکھتی ہوں تو بھوک سے ہلاک ہوتے ہیں اور اس کو دیتی ہوں تو برباد ہوتے ہیں اور مجھے اس سے محبت بھی ہے۔ اب میں کیا کروں گی؟ اب میں اس سے پھر بھی مل سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا مجھے تو طلاق ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر اور بھی رنج ہوا۔ بار بار دردناک الفاظ میں اپنی مصیبت و تنہائی بیان کر کے پھر جائز ہونے کی سبیل پوچھتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں وہی بات فرماتے تھے۔ آخر وہ باپوسانہ حالت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ کہنے لگی کہ الہی میں اپنی مصیبت کا اظہار تجھ سے کرتی ہوں میری مشکل کشائی کے لیے اپنے نبی پر کوئی حکم نازل کر دیجئے۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ یہی کہے جاتی تھی کہ یا نبی اللہ آپ کے قربان جاؤں میرے معاملے میں کچھ تدبیر و فکر کیجئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آثار وحی دیکھ کر اس عورت کو کہا چپ رہو اور اپنی تکرار کو بند کر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کو نہیں دیکھتی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہو چکی تو اس عورت کو بلا کر یہ آیات سنائیں اور کفارے کا حکم دے کر اس کو خاوند کے لیے مباح کر دیا۔ اس کے خاوند نے کفارہ ادا کیا۔ یہ اس کا کیا فضل ہے؟ اور بھی سہل احکام اس سورہ میں ہیں اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

اَللّٰہُ یُظاہِرُ دُنَ مِنْکُمْ الخ ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو یوں کہے انت علی ظہر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے۔ ظہار شریع میں اپنی بیوی کو یا اس کے کسی جزء شائع کو یا ایسے جزء کو جس سے کل تعبیر کیا جاسکتا ہو اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے جز سے تشبیہ دینا کہ جس کا دیکھنا جائز نہیں اور اسی طرح اور محرمات ابدیہ عورتوں سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے یہ ظہر بمعنی پشت سے مشتق ہے۔ اور پشت ذکر کی اور مراد اس سے پیٹ ہے یا مقام مخصوص مجازاً۔ اور شرم کی وجہ سے ایسی چیزوں کو دوسرے ناموں سے تعبیر کر دینا زبان عرب کا دستور ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں ظہر کہ جس سے ظہار لیا گیا ہے اس کے معنی پشت کے نہیں کس لیے کہ اور اعضاء میں سے صرف پشت ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ ظہر بمعنی علو سے مشتق ہے جس سے مراد چڑھنا یعنی مرد جو اپنی بیوی پر چڑھتا ہے اس کو اپنی ماں پر چڑھنے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ یہ ایام جاہلیت میں سخت طلاق تھی اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر شرع نے بھی اس کو طلاق ہی قرار دے رکھا تھا جس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق ہو گئی جس پر وہ عورت حیرت زدہ ہو کر اور حکم چاہتی تھی۔ بالافتاق جمہور علماء اس کلمہ سے عورت مرد پر ایک ایک وقت تک حرام ہو جاتی ہے یعنی جب تک کفارہ نہ دے اور اس لفظ سے طلاق نہیں واقع ہوتی بلکہ ظہار ایک جدا گانہ چیز ہے۔

ان الفاظ کے کہنے سے تو بالافتاق ظہار ہو جائے گا اور ان میں سے دوسری صورت بدل کر کہنے میں اختلاف ہے اور صورتیں چار پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ ظہر وام یا ان کے ہم معنی الفاظ دونوں مذکور ہوں جیسا کہ بیان ہوا۔ اس میں بالافتاق ظہار واقع ہوگا۔ (۲) یہ کہ ظہر تو مذکور ہو اور ام مذکور نہ ہو پس اگر ماں کے بدلے کوئی غیر محرم عورت ذکر ہے یعنی محرم عورت سے تشبیہ نہیں اس صورت میں بھی بالافتاق ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ اپنی عورت کے جماع کو اجنبی عورت سے تشبیہ دینے سے کوئی خرابی نہیں آتی اور اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو اس پر ہمیشہ حرام ہیں خواہ قرابت سے جیسا کہ بہن بیٹی خالہ پھوپھی نانی دادی نواسی بھتیجی بھانجی خواہ دودھ کی شرکت سے جیسا کہ دودھ بہن یا دودھ ماں یا رشتے کے سبب سے جیسا کہ بیوی کی ماں۔ ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا کس لیے کہ جو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے غرض تھی وہی ان کے ساتھ تشبیہ دینے میں حاصل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ظہار نہ ہوگا آخر قول یہ ہے کہ ظہار ہوگا مگر بعض شافعیہ قول اول کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۳) یہ کہ ماں کی پیٹھ سے تشبیہ نہ ہو بلکہ اس کے کسی اور عضو کے ساتھ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کے کسی اور عضو سے تشبیہ ہو کہ جس کا دیکھنا حرام نہیں جیسا کہ ہاتھ پاؤں ان صورتوں میں بھی ظہار نہیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے منہ آنکھ۔ اس میں دو قول ہیں، پہلا یہ کہ ظہار نہیں آخر یہ کہ ظہار ہے۔ دوم یہ کہ ان اعضاء سے تشبیہ ہو کہ جن کا دیکھنا حرام ہے پیٹ، ران، چوترو وغیرہ۔ ان صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں مگر بعض نے قوت اس کو دی کہ ظہار نہیں۔ (۴) یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو نہ پشت کا بلکہ یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری بہن یا بیٹی کا پیٹ یا ران۔ یا یوں کہے کہ تو میری بہن یا بیٹی جیسی ہے۔ ان صورتوں میں اختلاف ہے مگر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہے۔ بحث دوم ظہار کون کر سکتا ہے اور کس سے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو مسلمان طلاق دینے کا مجاز ہے وہ ظہار کا بھی ہے۔ کافر ذمی کا ایسا فعل ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ آیت میں منکم کا لفظ ہے جو اہل اسلام کی طرف خطاب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں مسلمان ہو یا نہ ہو جو کوئی طلاق دے سکتا ہے ظہار بھی کر سکتا ہے۔ ذمیوں کے ایسے افعال کا وہی حکم ہوگا جو مسلمانوں کا ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ شافعی رحمہ اللہ مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت ظہار نہیں کر سکتی۔ اس کے

۱ فتح القدیر میں ظہار کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ ظہار طلال عورت کو اس کے جزء مستورہ یا جزء شائع کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے کبھی نکاح درست نہیں یا اس کی کسی چیز سے جس کا دیکھنا درست نہیں یا اس جزء سے کہ جس سے وہ تعبیر کی جاتی ہو جیسا کہ سرگردن نعل وغیرہ مگر اس میں اختلافی صورتیں بھی داخل ہیں۔ ۱۲۰ منہ

اس کہنے سے کہ تو میرے پر ایسا ہے جیسی میری ماں کی پشت کچھ نہیں ہوتا۔ اوزاعی فرماتے ہیں یہ یحییٰ ہے عورت کو کفارہ دینا پڑے گا۔ مسئلہ اگر مرد نے ظہار میں دن کی قید لگا دی کہ آج کے روز تو مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہے تو ظہار نہ ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ وابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں ظہار ہوگا۔ آیت میں من نسأھم کا لفظ ہے اس سے ثابت ہوا کہ ظہار خاص بیوی سے ہو سکتا ہے نہ لونڈی سے۔ اگر لونڈی کو ایسی بات کہے گا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا۔ مالک رحمہ اللہ و اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں ظہار ہوگا کس لیے کہ من نسأھم میں لونڈی داخل ہے وہ بھی مرد کی عورت ہے۔

فائدہ: آیت میں لفظ منکم عرب پر ایک طرح کی چوٹ ہے کس لیے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ عادت تھی جس سے خدا تعالیٰ نفرت فرماتا ہے اس لیے بعد میں صراحت کرتا ہے مَاھُنَّ اُمَّھَاتِھُمْ کہ اس کہنے سے وہ ان کی مائیں نہیں ہو گئیں۔ اِنْ اُمَّھَاتِھُمْ اِلَّا اَنْفُسُھُمْ مائیں تو ان کی ہھیت وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور حکم حرمت میں ان کے ساتھ وہ مائیں بھی شریک ہیں کہ جن کو شرع نے ماں کے قائم مقام کیا ہے جیسا کہ دودھ کی ماں جس کی نسبت ماں کا لفظ آیا ہے۔ و امھاتکم من الرضاۃ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جن کی نسبت بھی ماں کا لفظ آیا ہے و ازواجہ امھاتھم مگر یہ عورتیں نہ تو حقیقی مائیں ہیں نہ حکمی۔ و اَنْھُمْ لَیَقُولُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا یہ تو ایک بری اور جھوٹی بات منہ سے نکال دی ہے جس کی سزا کفارہ ہے اس لیے اس کے بعد کفارہ سے کا ذکر کرتا ہے۔ فَقَالَ وَالَّذِیْنَ یُظاہِرُوْنَ مِنْ نِّسَابِھُمْ ثُمَّ یُعَوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ کہ جو اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں (ان کو ماں کی ظہر یعنی پشت سے تشبیہ دیتے ہیں) پھر وہ لوٹنا چاہتے ہیں تو ان کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے یہ تمہاری فیحمت کے لیے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے اور جس کو بردہ یعنی غلام میسر نہ ہو تو بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں یعنی فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ یہ کفارہ ہے۔ اس کے بعد پھر بدستور اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔

امحاث: (۱) ثُمَّ یُعَوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا محاورہ عرب میں اس کلام کے دو معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کام کے برخلاف ہونا اور اسی کو بارودگر کرنا کہتے ہیں۔ عادی کا فعل جب کہ اس کے کام کو بگاڑنا چاہے اور جب بارودگر کرنا چاہے تب بھی یہی جملے بولتے ہیں اور ہر ایک کی نظائر موجود ہیں۔ یہ اس لیے کہ الی اور لام ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلے معنی کی طرف (یعنی برخلاف مراد لینے کی طرف) جمہور مجتہدین گئے ہیں ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے اس سے پھرنا چاہیں اور برخلاف ہونا چاہیں تو کفارہ دیں۔ پھر ان پہلے معنوں کی تعیین میں کئی قول ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے دہلی وغیرہ فوائد حاصل کرنا چاہیں تو کفارہ دیں کس لیے کہ ظہار سے بجز اس خاص فائدے کے اور کوئی فائدہ ممنوع نہیں ہوا۔ خانہ داری کے سب کام بعد ظہار بھی کرنے درست ہیں پھر عود کس چیز کی طرف ہے؟ اسی چیز کی طرف ہوگا جو فوت ہو گئی اور وہ دہلی اور اس کے دوائی ہیں۔ (۲) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹھہرا رکھنا یعنی جو شخص ظہار کر کے عود کرے کہ بیوی کو اس قدر زمانے تک اپنے پاس ٹھہرا رکھے کہ اس قدر زمانے میں طلاق دے سکے پس جب اس نے ظہار کر کے عورت کو رہنے دیا طلاق نہ دی تو بیوی بچے کا حق جو ظہار کرنے سے تلف کیا تھا پھر حاصل کیا۔ (۳) امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ عود کہ جو کفارہ کا باعث ہے ظہار کے بعد وہ صرف دہلی کا قصد کرنا ہے۔ ظہار کے بعد جب یہ قصد کر لیا تو عود کیا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کفارہ محض ظہار سے واجب نہیں بلکہ عود سے ان وجوہ ثلاثہ میں سے کسی وجہ پر عود ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عود کی تفسیر یہ کی کہ نادم ہوا اور الفت چاہیے۔ اس کے بھی معنی ہیں جو اد پر بیان ہوئے۔ اور جو علماء عود کے دوسرے معنی لیتے ہیں یعنی بارودگر

اس فعل ظہار کا کرنا تو ان کے نزدیک وجوب کفارہ کا باعث ظہار ہے نہ اور کوئی چیز پھر اس کے بھی کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ مکرر الفاظ منہ سے کہنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے نہ ایک بار کے کہنے سے جیسا کہ ابی عالیہ و داؤد ظاہری اور جمیع اہل ظواہر کا قول ہے ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر کے ثم یعودون لہما قالوا پھر انہیں کلمات کو بار بار منہ سے نکالیں اور اعادہ کریں تو ان پر کفارہ ہے اور جو ایک بار کہا تو کچھ نہیں مگر یہ قول محض ضعیف ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنی ناراضی ان کلمات پر ظاہر فرما رہا ہے جو زمانہ جاہلیت کی بات تھی۔ اس میں ایک بار کہنے سے بھی وہی جاہلیت کی ناشائستہ حرکت پائی گئی۔ دوم اس صحابی کا (کہ جس کی عورت کا آیات میں اشارۃً ذکر ہے) کسی روایت سے دوبارہ کہنا ثابت نہیں بلکہ اس نے ایک ہی بار یہ کلمات منہ سے نکالے تھے جس پر اس کی بیوی حیران و پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ (۲) یہ کہ صرف ظہار کے کلمات باعث ایجاب کفارہ ہیں۔ یہ مجاہد و سفیان کا قول ہے، ان کے نزدیک ثم یعودون لہما قالوا کے یہ معنی ہوئے کہ جو ایام جاہلیت میں کہا کرتے تھے اگر اب پھر کہیں تو کفارہ دیں۔ ان کے نزدیک والذین یظاہرون من نساہم کا بیان ثم یعودون لہما قالوا ہے کہ وہ جو ظہار کرتے ہیں اہل اسلام میں بار بار پھر اسی جاہلیت کی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔

کفارۃ ظہار : فتحہ رقبۃ من قبل ان یتماسا۔ تحریر بنانا یعنی آزاد کرنا۔ رقبہ گردن۔ اس سے مراد گردن والا جز سے کل تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں ہر سر پیچھے یہ ہو۔ یعنی ہر شخص کے لیے۔ رقبہ سے مراد غلام لوٹنی، تمنا، ہاتھ لگانا۔ مراد عام ہے۔ ہاتھ لگانا بوسہ دینا، جماع کرنا سب کو شامل ہے۔ عموم الفاظ کی وجہ سے۔ صحبت کرنے اور اس کے اسباب عمل میں لانے سے پہلے ایک غلام یا لوٹنی آزاد کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رقبہ مطلقہ ہے مومن ہونے کی کوئی قید نہیں، غلام ہو، کافر ہو یا مومن کالا ہو یا گورا آزاد کر دینا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسری آیت میں رقبہ کو مومن سے مقید کر دیا ہے۔ یہاں بھی وہی مراد ہوگا یعنی مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ مگر دوسری آیت میں جو قید تھی وہاں یہ قید قتل کے کفارے میں ہے جوخت جرم ہے۔ اس کو یہاں لانا اور قیاس کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ من قبل ان یتماسا کے متعلق ایک اور بحث ہے۔ وہ یہ کہ آیت کا حکم یہی ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے عورت کو ہاتھ نہ لگائے مگر جو کسی نے لگایا اور صحبت کر لی تو پھر کیا حکم؟ اکثر علماء امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد ضعیف و سفیان ثوری و اسحاق وغیرہ رحمہم نے نزدیک ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ پہلے ہاتھ لگانا دوسرا گناہ ہے اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں استغفار کرے۔ عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں دو کفارے دینے ہوں گے۔ ذالک لتوعظون بہ یہ کفارہ یا غلام آزاد کرنے کا حکم تمہاری نصیحت کے لیے ہے تاکہ پھر ایسی بات نہ کہو۔ واللہ بما تعلقن جہنم اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔ اگر کوئی یہ کلمات کہے کہ کفارے کے ڈر کے مارے نہ کرے گا تو کیا؟ اللہ تو جانتا ہے (یہ کفارے میں ایک بات تھی) فمن لم یجد فصیامہ شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا پھر جس کو غلام میسر نہ آئے تو ہاتھ لگانے سے پہلے لگانا دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ ان روزوں میں بھی یہ شرط ہے کہ ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے رکھے۔ اگر دس بیس روزے رکھ کر بیس بیوی سے صحبت کر لی تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ رات میں نہ دن میں کفارے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا نہ چاہیے۔ عدا تو عدا اگر سہواً بھی کر بیٹھے گا تو ہٹ کر نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر رات میں بیوی سے صحبت کی تو اس سے متابع میں فرق نہ آئے گا۔ امام مالک و امام ابوحنیفہ رحمہم کے نزدیک متابع نہ رہا۔ پھر نئے سرے سے رکھے

۱۔ اصحاب سنن اربعہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس نے صحبت کر لی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ تو نے کس لیے کیا اس نے عرض کیا چاندنی رات میں اس کی پازیب اور گوری پنڈلی دیکھ کر رہا نہ گیا فرمایا کفارہ دینے تک اس کے پاس نہ جانا۔ ۱۲ منہ

اور جو کسی عذر سے اس نے دو مہینے کے روزوں میں سے کوئی روزہ نہ رکھا تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نئے سرے سے رکھے، بعض کہتے ہیں نہیں۔ پھر اگر بیماری یا بڑھاپے یا کسی معتبر عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساتھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكينا۔ صبح و شام دو وقت پیٹ بھر دے معمولی کھانا ہو اور معمولی کھانے والے ہوں۔ اور جو ان کو کھانا پختہ یا غیر پختہ دے کہ اپنے گھر جا کر کھالیں تو کس قدر فی کس دے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر مسکین کو گےبوں کا نصف صاع اور جو چھوڑے کا پورا صاع دے یا ان کی قیمت دے دے اور دلیل ان کی حدیث اوس ابن الصامت و سہل بن صحر کی ہے۔ جس میں نصف صاع گےبوں اور ایک صاع جو چھوڑے دینے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اور نیز صدقۃ الفطر میں یہی مقدار آئی ہے۔ اور صدقات واجبہ برابر ہیں۔ یہ حدیثیں ابوداؤد احمد طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ایک مسکین کو ایک مد دے جو مد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وزن ہو اور وہ ایک رطل اور ثلث مقدار کی ہے۔

مسئلہ اگر ساٹھ روز تک ایک ہی مسکین کو دے گا تو کافی ہوگا اور اگر ساٹھ روز کا ایک فقیر کو ایک ہی روز دے دے گا تو یہ صرف ایک روز کا دینا سمجھا جائے گا۔ (ہدایہ) آیت میں جہاں کھانا دینے کا ذکر ہے اس جگہ من قبل ان یتیماسا کی قید نہیں جیسا کہ غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں تھی۔ اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ بات کہتے ہیں کہ ہر چند کھانا پہلے کھانا واجب ہے اور جو کسی نے کھانا کھلانے سے پہلے صحبت کر لی تو یہ کفارہ کافی ہو جائے گا یعنی ہنوز مساکین دوسرے وقت کا کھانا نہ کھانے پائے تھے اس نے صحبت کر لی برا کیا استغفار کرے مگر کفارہ ادا ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گواں جگہ قید من قبل ان یتیماسا مذکور نہ ہو مگر اس سے پہلے دو چیزوں کے ادا کرنے میں مذکور ہو چکی ہے یہاں بھی وہی مراد ہے یہ کفارہ ادا نہ ہوگا۔

جمع آیت سے متعلق بحث : اللہ تعالیٰ نے الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مَنْ نَسَاءَهُمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ الخ ارشاد فرمایا جس سے کئی باتیں پیدا ہوئیں۔ (۱) ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا یہ تحریر قبائح کا سبب ثابت ہوتا ہے جس لیے تحریر پر پرف سیہ آئی۔ پھر اگر کوئی ظہار کر کے رجوع کرنا نہ چاہے تو کفارہ لازم نہ ہوگا کیا عورت کو عمر بھریوں ہی لٹکائے رکھ سکتا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں عورت کفارہ ادا کئے بغیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دے اور مرد کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے۔ کس لیے کہ ادا نہ کرنے میں عورت کے حقوق تلف ہوتے ہیں حاکم سے رجوع کر کے کفارہ ادا کرائے۔ (کبیر)۔

(۲) من نساہم کے لفظ میں وسعت ہے کہ اگر کسی کی چار بیویاں ہوں اور چاروں کو ایک بار خطاب کر کے یہ کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہو یعنی حرام۔ یہ چار ظہار گئے جائیں گے اور چار کفارے دینے پڑیں گے جس سے صحبت کرنے کا قصد کرے گا پہلے کفارہ دے گا جیسا کہ ایک ساتھ سب کو طلاق ہو سکتی ہے ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ و شافعی و حسن بصری و زہری و ثوری وغیرہم رحمہم کا قول ہے۔ امام مالک و امام احمد ضہیل کہتے ہیں ایک کفارہ دینا ہوگا اور عمرو علی رضی اللہ عنہما و طاؤس و عطاء رحمہم سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ لوگ یحییٰ باللہ پر قیاس کرتے ہیں ایلاء میں۔ فتح القدیر

(۳) اگر کوئی ایک بار ظہار کر کے اور کفارہ دے کر پھر ظہار کرے تو فائدہ سیہ یہ کہہ رہی ہے کہ کفارہ دینا ہوگا تکرار علت سے معلول مکرر ہوگا (ہدایہ) کفارے کے بعد پابندی احکام کی بابت تاکید فرماتا ہے۔ فقال ذالک یہ تعلیم احکام اس لیے ہے کہ اللہ اور رسول پر بجا آوری احکام میں ایمان لاؤ اور اس کے حدود پر قائم رہو اور کافروں کو عذاب الیم ہے اور خدا کو ناخوش کرنے والے عزت نہیں پاتے۔ ایک روز وہ ذلیل ہوں گے جیسا کہ پہلے لوگ ہوئے۔ ہم نے آیات و بیانات نازل کر دیں ان کو جو نہ مانے اس پر خدا کی مار اور ذلت کا عذاب ہے۔ اس روز ان سب کو اللہ اٹھا کر ان کے اعمال بتائے گا اللہ نے ان کو لکھ رکھا ہے یہ بھول گئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک سب چیز حاضر ہے۔

اس میں مسئلہ معاد بھی کس لطف سے ثابت کر دیا اور آخرت کا ذکر بھی جو انسان کو نیکی پر تحریک دلاتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ
مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ④ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ
وَيَتَنَجَّوْنَ بِاللَّيْلِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ
يُحْيِكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُكُمْ
جَهَنَّمُ يَصَلُّونَهَا فَيَكُونُ الْمَصِيرُ ⑤

کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی گروہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر ان کو قیامت کے روز بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے کیونکہ اللہ ہر شے سے واقف ہے کیا آپ نے (اے رسول!) ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کاناپھوسی کرنے سے منع کر دیا تھا پھر بھی وہ اس سے باز نہیں آتے اور گناہ اور سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لیے مخفی مشورہ کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے ان کلمات سے صاحب سلامت کرتے ہیں کہ جن سے اللہ نے نہیں کی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں) کس لیے اللہ اس پر ہم کو عذاب نہیں دیتا ان کے لیے جہنم بس ہے جس میں وہ گریں گے پھر وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : ما یكون جملة مستأنفة مقررہ لما قبلها من سعة علمہ۔ یکون من کان التامة وقرئ نکون من التاء اعتبار التامیث النجوى وان کان غیر حقیقی۔ نجوى مصدر کالتجائی وقال الزجاج النجوى مشتق من النجوة وهى ما ترفع من الارض فان السرا مررتفع عن استماع الغير کالارض المرتفعة لارتفاعها انفصلت عن اتصال الغير۔ ثلاثة مجرد باضافة نجوى اليه اوعلى انها موصوفة بها يتحدیر مضاف الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال۔ ولا ختمه انى ولا نجوى ولا اکثر معطوف على العدد وقرء بالرفع على الملا ابتداء۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اللہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ شَهِید کہ اللہ کے نزدیک ہر چیز حاضر و موجود ہے۔ اب اس جگہ اس وسعت علمی کی تشریح فرماتا ہے تاکہ ہر مکلف کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا کوئی فعل، کوئی قول، کوئی حرکت، کوئی دلی خطرہ بھی خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ جزا دے گا۔ اس بات پر یقین آنا انسان کا بڑا ہادی اور منہیات سے منع کرنے والا ناصح مشفق ہے۔ فقال الکفر کہ کیا اے انسان تو نہیں دیکھتا (کس لیے کہ اس بات کے دلائل تیرے آگے ظاہر ہیں پھر جانا بمنزلہ دیکھنے کے ہے اور یہ بات محسوس و مشاہدہ ہو گئی ہے) کہ اللہ کو آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں معلوم ہیں۔ انسان کی مخفی اور مشورہ نہانی کی باتیں بھی اس کو معلوم ہیں جہاں تین شخص مل کر مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ چوتھا ان کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور جو چار ہوتے ہیں تو وہ پانچواں ہوتا ہے اور پانچ ہوں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ (غالباً مخفی مشورہ میں کم ہی آدمی ہوا کرتے ہیں جن کی اکثر یہ تعداد یہ ہوتی ہے) خواہ کم ہوں خواہ زیادہ ہر حال میں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز بتا دے گا کہ کیا کرتے

تھے، وہ ہر بات جانتا ہے۔ مخفی مشورے کے ذکر کے بعد خاص مشورہ ہی کی بابت ایک مناسب حکم دینے کا موقع آگیا اس لیے بری باتوں کے لیے مخفی مشورت اور کاناپھونی کی ممانعت کس عمدہ پیرائے میں بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ اللَّهُ تَرَى إِلَى الَّذِينَ هُمْ أَعْيُنُ النَّجْوَى كَمَا هُوَ غَيْبٌ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ جو مخفی مشورہ سے منع کئے گئے تھے وہ باز نہیں آتے، پھر کرتے ہیں اور کس بات کی کاناپھونی کرتے ہیں؟ گناہ اور بغاوت کی، رسول کی نافرمانی کی اور اسی پر بس نہیں جب وہ اے رسول! تیرے پاس آتے ہیں تو سلام اس طرح سے کرتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نہیں کیا خدا نے سلام علی عباده الذین اصطفیٰ فرمایا ہے اور السلام علیکم سنت قرار پائی ہے مگر یہ کجخت ان لفظوں سے سلام نہیں کرتے یا تو السام علیک زبان دبا کر کرتے ہیں یا انعم صباحاً وغیرہ الفاظ۔ اور جب مجلس سے باہر جاتے تھے تو دلیری سے کہتے تھے خدا ہماری باتوں پر ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا۔ ان کو جہنم کی سزا ہے مگر دنیا میں جلدی نہیں کرتا وہ بہت بری جگہ ہے۔ معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینے کے منافق اور بنی قریظہ وغیرہ بنی نصیر کے یہود جو اس پاس رہتے تھے مسلمانوں کو حیران و پریشان کرنے کے واسطے لوگوں کو دکھا کر دو چار الگ بیٹھ کر سرگوشی کرتے اور آنکھوں بھروسے سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اس سے مسلمانوں کو تشویش پیدا ہوتی تھی کیونکہ اس وقت بدامنی تھی، کفار کا غلبہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تھا مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ جو شعار اسلام یہ ہے کہیں السام علیک کہیں انعم صباحاً کہتے تھے مقصود خلاف کرنا ہوتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُولِ وَتَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ①
إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا
بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ② يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا
فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ③

اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس

- ۱۔ سام موت مدینے کے یہود ایسا کرتے تھے بد بخت لوگوں میں ایسی کینہگی اور چالاکی اور گستاخی کی عادت اخلاقی کریمانہ کی جگہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲۔
- ۲۔ اسلام کا آسانی قانون جس طرح روحانی اور اخلاق امور کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح بعض رکی اور علامتی باتوں کو بھی بڑے زور سے قائم کرتا ہے خصوصاً ان اوضاع و اطوار کو جو صحابہ ثلاثہ، پیغمبر ﷺ کے تھے جو مسلمانوں کے نشان اور علامات قرار دیے گئے ہیں (جیسا کہ ڈاڑھی رکھنا مونچھیں کتر وانا ناخن لوٹانا زپر ناف کے بال لہنا خنجر کرنا آپس میں بوقت ملاقات السلام علیکم کہنا) اس کا غلبہ اور قوموں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان باتوں میں پیروی کریں اور ان کو جھکا تا ہے مبتذل اور فاحشہ کی طرح ایک کینہگی طرف آپ اپنے کپڑے اور وضع بدل کر جھکتا نہیں چاہتا دیکھو آج کل شوکت انگریزی لوگوں کو اپنی زبان و ادب و ادب کی طرف کھینچ رہی ہے حالانکہ ملکی مصلحت یہی تھی کہ خود انگریز رعایا کی زبان و اطوار کا تتبع کرتے۔ ۱۳۔

کے پاس تم کو بھر جاتا ہے (یہ) سرگوشی کو صرف شیطانی بات ہے تا کہ ایمانداروں کو رنج ہو حالانکہ بغیر حکم اللہ کے کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ایمان والو! جب تم کو کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھو خدا تم کو فراخی دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ۔ تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے کہ جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : لیحزون خبر آخر لانما النجوى والاول من الشيطان والذين اوتوا العلم في محل النصب لكونه معطوفا علی الذین آمنوا درجات منصوبہ بالتعجب۔

تفسیر : پہلے مخفی مشاورت کی برائی بیان ہوئی تھی اب یہاں مسلمانوں کو مشورے کی بابت حکم دیتا ہے۔ فقال یا ایہا الذین آمنوا الخ کہ مخفی مشورہ بالکل ممنوع نہیں ہاں اگر ہو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی بابت نہ ہو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کے لیے ہونا چاہیے اور اگر مصالح دنیاویہ کی بابت ہو بشرطیکہ گناہ اور بغاوت اور نافرمانی رسول نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اسی کے پاس جمع ہونا ہے قیامت میں یا مرنے کے بعد عالم ارواح میں۔ اب اس پہلے مخفی مشورے کی حالت بیان فرماتا ہے۔ انما النجوى الخ کہ وہ مشورہ شیطانی اور مسلمانوں کو رنج دینے کے لیے ہے اور خدا کی مرضی بغیر اس سے ضرر تو کیا دے سکتے ہیں؟ اور ایمانداروں کا اللہ ہی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ مخفی مشورہ اور اشاروں کی کچھ پروا نہیں کرتے یعنی نہ کرنا چاہیے۔

آداب مجلس : مخفی مشورہ جس طرح مجلس میں حضار جلسہ کی پریشانی و رنج کا باعث ہے بلا ضرورت کرنا وہ ممنوع کیا گیا اسی طرح مجلس میں پہنچ کر بیٹھنا اور آنے والے کو جگہ نہ دینا یا خواہ جگہ تنگ کرنے کے لیے اڑ جانا بھی اہل مجلس اور قومی جماعت اور سردار کو رنج دینے والی بات تھی اس لیے اس کی بھی اصلاح کرنی ضرور تھی فقال یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا الخ یہ نشست و برخاست کی بابت دو حکم ہیں جو سراپا تہذیب ہیں۔ (۱) یہ کہ جب مجالس میں (عام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو یا کسی دینی بزرگ کی یا وعظ و پند کی یا مصالح دینی و دنیاوی میں مشورہ کرنے کی یا کوئی تدبیر ملکی و مصلحت قومی کی) تنگ ہو کر نہ بیٹھو اور جب تم کو سردار کشادہ ہونے کا حکم دے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمہارے لیے کشائش عطا کرے گا دنیا میں اور دنیاوی امور میں قبر میں آخرت میں فہم و عقل میں دائرۂ محبت و اخوت اسلامی و قومی میں۔ مجلس میں کھل کر بیٹھنے سے دائرۂ محبت و تہذیب کھل جائے گا۔ (۲) و اذا قیل انشزوا الخ کہ جب تم کو سردار جانے کے لیے کہے تو چلے جاؤ حکم سن لیا جو کام تھا کر لیا چل دیے، اذہام کرنے کو اڑ کر نہ بیٹھو کہ سردار پر اور دیگر آنے والوں پر شاق گزرے۔ دعوت و عیادت میں بھی زیادہ جم کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ تم سردار کے کہنے سے مجلس سے اٹھ کھڑے ہو گے تو خدا تمہارے میں سے ایمانداروں بالخصوص علم والوں کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ یعنی تم اٹھنے میں جو بلند ہوتے ہو تو درجے میں بھی بلندی حاصل کرتے ہو۔ عجب پر معنی لفظ ہے یہ بھی اور اس سے پہلا یفسح اللہ بھی۔ اس آیت میں اہل مجلس کے مراتب بھی اشارۃً بیان کر دیے کہ اسلامی مجلس میں ترجیح ایمان و علم سے ہے نہ کثرت مال و اسباب و زن و فرزند سے۔ علم کے فضائل احادیث صحیحہ میں اس قدر بیان ہیں کہ جن کے ذکر کو ایک دفتر چاہیے۔

مباحث : (۱) مشورہ اور ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا شا و دھہ فی الامر فرمایا۔ نجوی اور چیز ہے۔ نجوی بھی مشورہ ہے مگر مخفی اور تھوڑے آدمیوں میں ہوتا ہے اور مشورے میں یہ قید نہیں بلکہ کبھی وہ علی رؤس الاشہاد سب کے سامنے ہوتا ہے راؤں میں ستم و صحت دریافت کرنے کے لیے جو کسی خاص بات میں دی جاتی ہیں۔ یہ عمدہ چیز کس لیے کہ ہر قسم کے لوگ اور مختلف ذہنوں اور دماغوں کا (جو مختلف تجربے اور کامیابی و ناکامی کی ورزش کئے ہوئے ہوں) کسی بات پر توجہ کرنا مجموعی قوت کے لحاظ سے بڑا اثر رکھتا ہے۔ اسلامی سلطنت جو آسمانی سلطنت کے نام سے بائبل میں نامزد کی گئی ہے اسی مشورے پر مبنی تھی اور جمہوری تھی مگر رفتہ رفتہ بعد زمانہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یا قومی نحوست و بدبختی سے جس طرح اور باتوں میں فرق آتا گیا اس میں بھی آیا سلطنت شخصی رہ گئی جس میں ایک ہی شخص پر تمام بار پڑتا ہے۔ اگر وہ لائق اور مدبر اور اولوالعزم ہو تو اس نے بڑے بڑے کار نمایاں کئے اور اس کے مرتے ہی وہ چراغ گل ہو گیا اور اگر جمہوری ہوتی تو کیوں چراغ گل ہوتا اور نیز شخصی سلطنت میں بادشاہ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وہ لہو و لعب جو رولم خلاف قانون مذہب و ملت خلاف دستور جو چاہے کر سکتا ہے۔ خزانہ شاہی خاص اس کی ملک ہوتا ہے جس کا بڑا حصہ اس کے شہوانی اور آسائشی کاموں میں صرف ہوتا ہے اور پھر اس کو انتظام ملک و تدابیر سلطنت و بقائے قوت اعوانیہ و تحفظ جماعت و نظر قوانین سلطنت و ملک و ملت و انتخاب کارکنان سلطنت کے لیے کوئی وقت بھی نہیں ملتا۔ اس غافل کے کارکن وقت کو غنیمت جان کر خوب دست برد کرتے ہیں اس لیے ملک بر باد سلطنت تمام ہو جاتی ہے اور نیز بدخواہان سلطنت یہ سمجھ کر اس ایک شخص کے مارنے سے ملک ہاتھ لگتا ہے مارنے میں کوشش کرتے ہیں جس لیے بادشاہ اپنی جان کو سپاہیوں کی حفاظت میں رکھتا ہے اور کھانے پینے پھرنے چلنے میں اس کی آزادی جاتی رہتی ہے وہ ایک قیدی یا ایک بیمار ہوتا ہے جو ہر کہیں نہیں جاسکتا نہ ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا کھا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی بیوی اور اولاد اور خاندان سے بھی اطمینان نہیں رہتا۔ یہ کیسی مصیبت ہے؟ اگر جمہوری ہو تو اس کا بوجھ بھی بٹ جائے اور نہ کوئی اس کے مارنے کا قصد کرے نہ اس کے مرنے سے اپنی کامیابی تصور کرے کیونکہ جانتا ہے قوم کو اختیار ہے جو بعد میں بھی باقی ہے۔

ہمارے بادشاہوں نے باغ لگائے، سڑکیں بنائیں، قلعے مستحکم چنائے مگر ایسے پودے نہ لگائے کہ ان کی چھاؤں میں ملک و سلطنت کو بیٹھنا نصیب ہوتا یعنی جمہوری کرنے کے لیے قوم و ملک میں ایسے حوصلے اور علوم کا رآمد شائع نہ کئے کہ جس سے عمدہ افراد پیدا ہوتے اور ہر شخص ملک و ملت کو اپنی جان کر کچی ہمدردی اور کامل سرگرمی کرتا۔

نجدی یعنی کانامچھوئی اور وہ بھی ایک مجلس میں خصوص بڑے شخص کے سامنے دینی و دنیاوی شہنشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بد معاشوں اور چوٹوں کا مکینہ فعل ہے اس لیے اس کو من الشیطان اور موئین کو رنج رساں کہا تھا۔ اس لیے ان آیات میں اذانتنا جیتھ الخ اس پیرایہ سے ذکر کیا کہ جس سے نجدی کی کوئی خوبی اور بہتری نہیں نکلتی کیونکہ یوں فرمایا کہ اگر سرگوشی کرو یا جب کبھی سرگوشی کرو تو بری باتوں کے لیے نہ کرو اچھی باتوں کے لیے کرو تنا جوابا البدر الخ اس تقدیر پر پہلے کلام کا تتمہ ہے مستقل حکم نہیں۔

(۲) اثم گناہ۔ عدوان، سرکشی بغاوت، معصیت الرسول الرسول کی نافرمانی، یہ تین باتیں ہوئیں بظاہر تینوں کے مقصد میں کوئی فرق نہیں، گناہ سب کو شامل ہے مگر گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک بندوں کی حق تلفی ان پر ظلم و زیادتی، دوسرے خدا تعالیٰ کے گناہ نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا وغیرہ گناہ کی تفسیر بالتفصیل عدوان کے ساتھ اور دوسروں کی معصیت الرسول کے ساتھ کی۔ کس لیے کہ ان امور کا ثبوت کہ جن کے ترک و فعل سے گناہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہے بوجی تلو یا غیر تلو اور اس میں باریک فرق ہے جس کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

(۳) برئیک نیک سلوک کرنا تقویٰ پر ہیز گاری بر عدوان کے مقابلے میں اور تقویٰ معصیت الرسول کے مقابلے میں ذکر کی اور جس طرح اثم نہیں میں دونوں کو شامل تھا اسی طرح یہاں امر میں اتقوا اللہ دونوں کو شامل ہے اور اللہ کی صفت میں الذی الیہ تحشرون کا ذکر مٹی عنہ سے بچنے اور مامور کے بجالانے کا باعث ہے کیونکہ جب انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ ہم سب کو خدا کے پاس جمع ہونا اور بندوں کے حقوق کا مطالبہ ہونا اور اپنے گناہوں سے بھی پوچھا جانا ہے تو بری باتوں سے بچنے کا اور نیک باتوں کو کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْهِ نَجْوَكُمْ
صَدَقَهُ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُهُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۶

ءِ اَسْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوِكُمْ صَدَقْتُمْ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ
 اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِمْوْا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ وَاللّٰهُ
 خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

ع

اے ایماندارو! جب تم رسول سے سرگوشی کر دو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور سہری بات ہے پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے۔
 کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈرتے ہو۔ پھر جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو (بس) نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس
 کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : اذا ناجيتم الخ شرط فقد موا جواب والجملة نداء بين يدي بمعنى قبل اي قبل نجواكم - هو ظرف لقد موا وصدقة مفعوله -
 ذلک مبتداء محذوف لكم خبره واطهر خبر بعد خبر وشفقة مهرباني شفق كذلك - اشفاق ترديدن از کے يا چیزے از مهربانی بروے صلہ بعلی وبعنی
 ترديدن از کے وصلہ بمن -

تفسیر : پہلے صرف سرگوشی کی برائی بیان فرمائی تھی کہ یہ شیطانی کام اور رنج دہندہ بات ہے۔ خیر یہ تو ان کی باہمی مشورت کے لیے حکم تھا جو
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خواہ مخواہ سرگوشیاں کر کے مسلمانوں کو وحشت دلاتے تھے۔ مگر منافق تو عجب جیلہ کرتے۔ اب
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنی اختیار کی۔ بات کچھ نہیں یوں ہی میخچ جتانے کے لیے اور اس لیے کہ اس عرصے میں آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ و پند تلقین کرنے کا موقع نہ ملے نہ مسلمانوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سے عرض کرتے کہ آپ سے کچھ مخفی عرض کرنا ہے۔ کان جھکا کر ادھر ادھر کے قافیے ملانے لگتے۔ آپ سراسر اخلاقی مجسم تھے۔ جانتے تھے کہ
 بیہودہ کام کی بات میں مشورہ نہیں مگر پھر بھی اخلاقی کریمانہ سے کسی کی دل آزاری بھری مجلس میں پسند نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر شاق گزرتا
 تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ ایک خاص حکم اس بارے میں نازل فرما دیا۔ فقال لِيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ الخ کہ اے
 مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کر دو تو اس سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔

ایسی سرگوشیاں منافق کیا کرتے تھے مگر رسول پاک ﷺ کے تو اخلاق کریمانہ تھے ہی اللہ تعالیٰ کی ستاری دد لجوبی کو دیکھو یہ نہ فرمایا کہ اے
 منافقو! جب تم رسول سے سرگوشی کر دو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ اس میں کئی باتیں بری پیدا ہو جاتیں۔ ایک تو ان منافقوں کا پردہ کھل
 جاتا۔ دوسرے منافق کہنے میں ان کو بڑی ندامت و شرمندگی اور رنج ہوتا۔ تیسرے اخلاص اور ایمان کی امید ان سے منقطع ہو جاتی کس
 لیے کہ جب اللہ نے ان کو منافق کہہ دیا تو پھر مومن کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ان میں سے بہت لوگ اخیر میں مخلص اور سچے ایماندار ہو گئے گویا
 آمنوا کے لفظ سے یاد کرنا ان کے حق میں نیک فالی اور ایک طرح کی پیشین گوئی اور ایک مژدہ تھا۔ جو تھے ان میں منافقوں ہی کی تخصیص
 ہو جاتی، ایمانداروں کے لیے یہ حکم نہ ہوتا حالانکہ ان کے لیے بھی تھا کس لیے کہ رسول خدا ﷺ سے ہر کس و ناکس کا ہر بات میں مخفی طور سے
 سرگوشی کرنا منصب رسالت کے کاموں میں حرج کرنا ہے اور رسول کو اس کے اعلیٰ مقاصد سے روکنا ہے۔ فی الجملہ یہ بھی ایک قسم کی خطا ہے
 جس کا کفارہ اس کے وقوع سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا یعنی یہاں ادھار نہیں نقد انقد ہے۔ پہلے صدقہ دے لو پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم
 سے سرگوشی کرو۔ پانچویں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب ہم نے مسلمانوں کو ان کی ضروری اور غیر ضروری باتوں میں صدقے کا حکم دیا
 تو منافقوں کو کیوں نہ ہو کہ وہ نہ دیا کریں۔ کیا پر حکمت بول چال ہے۔ انہیں باتوں کی رعایت رکھنا تو اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

اس صدقہ دینے کے حکم میں چند مصلحتیں ہیں۔ (۱) ایک تو یہی کہ اس حرج کا کفارہ ہے۔ (۲) یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔ (۳) مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہے۔ (۴) سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد ہے۔ پہلے تو مفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کہہ دینا آسان بات تھی مگر اب تو صدقہ دینا پڑا اس لیے یہ سرگوشی بہت کم ہوگئی اور کس لطف کے ساتھ کم کی گئی؟ دنیا کے عقلاء جب کسی بات کی قلت اور اس کا انسداد چاہتے ہیں تو دفعۃً اس کے بند اور معدوم کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس پر کوئی ٹیکس یا جرمانہ یا فیس قائم کر دیتے ہیں جس کی صدمہ اظہار آج کل موجود ہیں۔ قرآن روحانی اخلاق تو سکھاتا ہی ہے دنیاوی تدابیر بھی تعلیم کرتا ہے۔ نیک لوگوں نے اس مسئلہ کو اپنے اخلاق ذمہ کم کرنے پر بہت برتا ہے اور خوب عمدہ نتائج پیدا کئے ہیں۔ کسی بزرگ نے التزام رکھا تھا کہ اگر کسی کی غیبت یا کوئی جھوٹی بات یا کوئی ایذا دہندہ کلمہ منہ سے نکلے گا تو سات روزے رکھوں گا دو ایک بار روزے رکھے پھر نفس کو خیر ہوگئی زبان بھی گھل گئی اسی طرح اور باتوں پر بھی ایسے احکام لگا رکھے تھے ایسے باخدا اپنی اصلاح میں شب و روز سرگرم رہتے ہیں اور یہی جہاد اکبر ہے جس نے نفس پر اس کی شہوانی خواہشوں کے روکنے میں فتح پائی اس نے اقلیم جاودانی کو حاصل کر لیا۔

فائدہ: آیت میں اس صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہ ہوئی کہ کس قدر؟ اور نہ تعین کہ کیا چیز دے اور کس کو دے۔ ان سب باتوں کو سہولت کے لیے عرف پر چھوڑ دیا اور صدقہ کمرہ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ مسئلہ: یہ صدقہ کیا واجب تھا یا مندوب؟ بعض علماء کہتے ہیں واجب تھا بعض کہتے ہیں مندوب تھا، آیت کے اخیر الفاظ بتا رہے ہیں جیسا کہ فان لم تجدوا۔ واضح خیر جو کچھ ہو مگر کیا یہ حکم اخیر تک باقی رہا تھا یا منسوخ ہو گیا تھا؟ اکثر علماء کہتے ہیں پھر منسوخ ہو گیا تھا اور یہ اخیر جملے جو بعد میں نازل ہوئے تھے ناخ ہیں اور وہ یہ ہیں فان لم تجدوا الخ اور اشفقتم الخ اور یہ سرگوشی کی عادت بھی جاتی رہی تھی جو مسلم کہتے ہیں جن جملوں کو ناخ قرار دیتے ہو ان میں کوئی بات پہلے حکم کے مخالف نہیں یا تاکید ہے یا تشریح پھر کیونکر ناخ، کہا گیا؟ بلکہ یہ حکم باقی رہا اس کی وجہ سے یہ فعل بھی جاتا رہا اور بہت سے منافق رفتہ رفتہ مخلصین ہو گئے۔

صدقہ کی نسبت فرمایا تھا ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ کہ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ بہتر میں۔ چار اخیر مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے اور اطہر میں پہلی مصلحت کی طرف۔ پھر فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوا الخ اگر تمہیں صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو خیر معاف ہے پھر اسی پہلی آیت کے تمام مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ فَقَالَ اَسْهَقْتُمْ اَنْ تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيَّ نَحْوَكُمْ صَدَقَاتٍ كَمَا تَمَّ اِنْفُسُكُمْ مَشُورَةً سَابِقَةً پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ یعنی نہ ذر و صدقہ دو صدقہ میں بہتری اور پاکیزگی ہے فاذا لم تفعلوا۔ پھر اگر نہ کرو جیسا کہ فان لم تجدوا میں ذکر تھا۔ یعنی بے مقدوری کی وجہ سے صدقہ نہ دے سکو اور تاب اللہ علیکم الفسنة تم کو معاف بھی اسی حالت میں کر دیا ہے تو اقیموا الصلوة الخ نیک کام کیا کرو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔

فائدہ: پہلے تو صدقہ مفرد لفظ فرمایا تھا کس لیے کہ حکم کے وقت مامور بہ کو تھوڑا دکھانے میں مکلف کی ہمت بڑھتی ہے کہ یہ تھوڑی سی بات ہے اسے کر لوں گا مگر اخیر میں بلحاظ افراد مخاطبین یا افراد صدقہ جمع کا لفظ صدقات ارشاد فرمایا۔ فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں خصوصاً جو اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں کہ فاذا لم تفعلوا میں ہم قدری سے صدقہ نہ دینا مراد نہیں کس لیے کہ اگر یہ ہوتا اقیموا الصلوة کے بعد اتوا الزکوٰۃ نہ فرمایا کس لیے کہ مفلس کیا زکوٰۃ دے گا جو تھوڑا سا صدقہ نہ دے سکا؟ بلکہ حکم کو منسوخ کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو تو تمہیں اختیار ہے۔ اس تقدیر پر یہ پہلی آیت کی تصریح و تاکید نہیں بلکہ جدید حکم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَّا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ
 وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَكُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ
 سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴﴾ اِتَّخَذُوْا اٰيَمًا نَّهُمْ جُنَّةٌ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
 اللّٰهِ فَكُھُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۵﴾ لَنْ تَغْنِيْ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ
 مِنْ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۶﴾ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ
 اللّٰهُ جَمِیْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهُ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَیَحْسُبُوْنَ اَنْهُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا
 اَنْتُمْ هُمْ الْكَذٰبُوْنَ ﴿۷﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسَمُ ذَكَرَ اللّٰهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ
 الشَّیْطٰنِ اِلَّا اِنْ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۸﴾

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر رکھی ہے کہ جن پر اللہ کا غضب ہے یہ منافق نہ تہمارے ہیں نہ ان کے اور جان بوجھ کر جھوٹ پر
 قسمیں کھایا کرتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ اپنی قسموں کو آڑ بنالیا ہے سو (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے
 روکتے ہیں سوان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ ہرگز اللہ کے مقابلہ میں نہ تو ان کے مال ہی کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولادیں کچھ کام آئیں گی۔ یہ دوزخی لوگ
 ہیں سدا اس میں رہا کریں گے۔ جس دن کہ اللہ ان سب کو قبروں سے اٹھا دے گا تو اس کے سامنے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی کہ تہمارے سامنے کھاتے ہیں
 اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم رستے پر ہیں۔ دیکھو یہ جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے قابو پا لیا ہے جس لیے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی یہی شیطان کا گروہ ہے۔ دیکھو شیطان کا
 گروہ ہی تو خسارے میں ہے۔

ترکیب : مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ جملہ مستافہ احوال من فاعل تولوا و یحلفون عطف علی تولوا داخل فی حکم التعجب وصیغۃ المضارع
 للدلالة علی تکرار الحلف وتجددہ۔ وہم یعلمون حال من فاعل یحلفون تنفید شانہ توہم لان الحلف علی ما یعلم انہ کذب فی غایۃ القبح۔ یوم یبعثہم
 قبل ظرف لقولہ تعالیٰ لہم عذاب مہین۔

- وہم یعلمون کی قید سے جاخلا کا قول غلط ہو گیا جو کہتا ہے کہ خلاف واقع بات کہنے سے جب جھوٹ ہوگا کہ جب جانتا بھی ہو کہ یہ خلاف واقع ہے کس
 لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہم یعلمون طرک الفاظ میں ملتا بلکہ ثابت ہو گیا کہ جھوٹ دوسم پر ہے ایک یہ کہ بے خبری میں خلاف واقع بات کہے دوسرے یہ کہ جان کر
 کہے یہ سخت ہے پہلے سے ۱۲ منہ
- انسان کا ملکات روحانیہ پر قائم نہ رہنا کبھی ادنیٰ کی طرف یا کبھی ملکیاتی کی طرف یہ بھی اہل طریقت کے نزدیک غفاق ہے اہل شریعت کے
 نزدیک دل میں کچھ ہوزبان سے اور کچھ کہے غفاق کا شعبہ ہے اور روایت میں منافقوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو زبان سے کلمہ توحید پڑھتے تھے باطن میں
 کافر تھے۔ ۱۲ منہ

تفسیر: پہلی آیتوں میں منافقوں کے اعمال بد ذکر تھا جو اہل ایمان کی ایذا اور پریشانی خاطر کے باعث ہوتے تھے یعنی کانٹا پھنسی کرنا۔ اب اس جگہ ان کی دوسری بدعات ایذا دینے والی ذکر کرتا ہے تاکہ اس سے باز آئیں اور دیگر مسلمان بھی دور رہیں فقال اللہ تر ارج اور وہ بد بات یہ تھی کہ منافق اس قوم سے (کہ جس پر غضب الہی ہے یعنی یہود) مخفی یار نہ رکھتے تھے اور اس یار نے میں بھی سچے اور قائم نہ تھے نہ یہود کے ساتھ نہ اہل اسلام کے ساتھ۔ مذهب بین بین، ذلک اور مسلمانوں کے درو بروا کر جھوٹی قسمیں کھایا کرتے۔ یہ مجموعہ ناپسند اور ایذا دہ کام تھا۔ اگر یار نہ یہود سے کیا تھا تو صاف کہہ دیتے مسلمان پھر ان سے بھی خبردار رہتے۔ اس سازش کو چھپانا اور بھی ظلم تھا۔ اس نکوہیدہ بات کو تعجب کے صیغوں میں بیان فرمایا کہ اے نبی! تم نے وہ لوگ بھی دیکھے جو ایسا کرتے ہیں؟ اس سے مقصود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا دریافت کرنا نہیں بلکہ یہ محاورہ تعجب اور افسوس کے لیے ہے۔ یہود کا نام نہیں لیا بلکہ یوں کہہ دیا کہ ان سے ملتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا۔ یہ اس لیے کہ یہود سے بالذات ملنے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مقہور قوم ہے۔ مقہور اور مدبر لوگوں کے ساتھی ہونے میں انسان خود بھی قہر الہی میں آجاتا ہے۔ ذوقی کشتی کا بچانے والا آپ بھی ڈوبتا ہے۔ یہ ایک بڑی کارآمد بات ہے۔ کبھی بد اقبال اور مقہور لوگوں سے میل جول نہ کرے۔ یہود ایک متبرک اور خاندانی قوم تھی، دینی اور دنیاوی دونوں جہت سے مگر جس طرح ہر حادث کی عمر طبعی ہے قومی اقبالوں کی بھی ہے ان کے اقبال کی عمر ہو چکی تھی۔ مدت سے ستارہ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ سخت اندھیروں کے عمیق گڑھے میں پڑے ہوئے تھے اپنے بزرگوں پر تفاخر اور خاندان پر ناز ان کا مایہ بساط تھا اور اس لیے من گھڑت منصوبے بھی باندھ رکھے تھے کہ ہم انبیاء زادے ہیں، دوزخ ہمارے لیے نہیں کس لیے کہ ہم نبی کا جزو بدن ہیں اور نبی کا جزو بدن جہنم میں نہیں جائے گا۔ ہم جو چاہیں کریں، بھلا دوسرے خاندان کے کسی شخص کو ہم مانیں؟ (افسوس مسلمانوں میں بھی بعض لوگوں کی اس کے قریب قریب نوبت آگئی ہے خصوصاً مصنوعی سید اور نالائق بزرگ زادے ایسی باتیں بنایا کرتے ہیں اور بادشاہوں اور امیروں کی بد اقبال اور کجخت اولاد لاف زنیوں کو فو ز مرام کا وسیلہ جانتی ہے خود کچھ بھی نہیں ہوتے) اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ مدینے کے پاس ان کے دو قبیلے رہتے تھے۔ یہ مدینے کے منافق ان سے ملا کرتے تھے اور برائیاں کیا کرتے تھے۔ ان قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال یا آڑ بنا رکھا تھا۔ فرماتا ہے ان کو ذلت کا عذاب ہے۔ ان کے اولاد و مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے خدا کے دشمنوں سے یار نہ کرتے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں، ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ جس روز اللہ ان کو بارگزر زندہ کرے گا یعنی قیامت میں وہاں بھی اپنی عادت کے موافق اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے لیے کھاتے ہیں؟ اور جانتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں، مگر جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے تو اے بہیمیہ ملکیہ پر غالب آگئے ہیں اس لیے اللہ کو بھول گئے، یہ شیطانی گروہ ہے اور شیطانی گروہ خسارے میں ہے۔ تقدیر پھوٹے کجخت لوگ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٥٨﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَبِينَ

أَنَا وَرَسُولِي ۖ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٥٩﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ

۱۔ چنانچہ سدی و مقاتل کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن قریظ منافق آنحضرت ﷺ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا پھر یہود میں جا کر باتیں بنایا کرتا اور عیب جوئی کرتا اور برا بھلا کہتا ایک بار آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا تو کس لیے اور کس بات پر برا بھلا کہتا ہے قسمیں کھانے لگا اس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے جس کو بعض مفسروں نے یوں تعبیر کیا کہ اس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ۱۲ منہ

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَوَيْدُ خَلْصِهِمْ

جَنَّتْ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۖ أُولَٰئِكَ

حِزْبُ اللَّهِ ۚ إِلَّا إِنْ حِزَّبَ اللَّهُ هُمْ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۷﴾

۲۷

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں وہی ذلیل ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اللہ زور آور اور زبردست ہے۔ آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہوں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح سے مدد بھی کی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے۔ اللہ ان سے خوش ہو گا اور وہ اس سے خوش۔ یہی ہے اللہ کا گروہ دیکھو اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہو کر رہے گا۔

ترکیب : اولئک الجملة خبر ان الذین لاتجد امامتہ لای قولہ تعالیٰ یوادون مفعولہ الثانی واما متعالی واحد قولہ یوادون حال من مفعولہ لتخصمه بالصفة وقيل صفة لقوم ولو کان متصلہ بقولہ لاتجد الخ اولئک مبتداء کتب خبرہ وایدہم وید خلمہ معطوف علیہ۔
تفسیر : یہ کفار کی اسی دوستی کے متعلق بیان ہے کہ جس کا پہلے بیان ہوا تھا کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے اور جو اللہ کو ناراض کرتے ہیں وہ ذلیل ہیں۔ منافق یہود سے یا رانہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اس سے ہم کو عزت ہوگی اور ہم اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ انہیں دونوں باتوں سے ان کا محروم رہنا بیان فرما دیا۔ پہلی بات کا اُولَئِكَ فِی الْاَذْکَلِیْن میں ان کا ذلیل ہونا ظاہر ہے کس لیے کہ عزت والا خدا تعالیٰ ہے ایسے عزت دار کے مخالف کو ذلت کے سوا اور کیا ہے۔ دوسری کا کَتَبَ اللہ لَاعْلَبْنَ اَنَادَ رُسُلِی میں اللہ کے دفتر میں لکھا گیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بعض رسول منکروں کے مقابلے میں گوسر دست مغلوب ہو گئے تھے مگر انجام کار وہ منکر ہلاک و برباد ہوئے اس رسول کے گروہ کے لوگ غالب آئے۔

اس کے بعد کفار و مشرکین سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا تاکید حکم دیتا ہے۔ فقال لاتجد قوماً الخ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر ایک اہل بصیرت! تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے والے لوگوں کو نہ دیکھو گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوں خواہ ان کا باپ ہو یا بیٹا ہو بھائی ہو یا برادری ہو۔ وہ سچے ایماندار کبھی ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں۔ اس میں ان کا بھائی ہو یا باپ یا بیٹا کوئی کیوں نہ ہو وہ کسی کی اللہ کے مقابلے میں پروا نہیں کرتے۔ پھر ان سچے ایمانداروں کے (جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی بیٹے باپ برادری کی پروا نہیں کرتے) چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) کتب اللہ الخ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان قائم کر دیا۔ ان کے الواح قلوب پر ازیلی قلم سے ایمان لکھا گیا وہ صرف زبانی ایمان والوں میں نہیں۔ (۲) ایدہم بروح منہ کہ ان کی اپنے ہاں کی روح سے مدد کی روح مؤید کے علمائے کئی ایک معنی بیان فرمائے ہیں۔ نور قلب قرآن مجید دشمنوں پر فنیابی ان سب کو روح کہا گیا اور ایسے ایمانداروں کی تائید ہوئی۔ سدی کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر ایمان کی طرف پھرتی ہے یعنی ان کی روح ایمان سے مدد کی۔ کاتب الحروف کہتا ہے یہ بھی سہی مگر روح منہ روح القدس ہے جس سے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ایدناہ بروح القدس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا۔ اللهم ایدہ بروح القدس پھر روح

القدس کیا ہے اور اس سے کیونکر تائید ہوتی ہے؟ اس کا بیان ایدناہ بروح القدس کی تفسیر میں دیکھو۔ (۳) یدخلہم الخ ان کو ایسے باغوں میں رکھے گا کہ جن میں نہریں جاری ہیں، وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جسانی بہشت کی طرف اشارہ تھا۔ (۴) رضی اللہ عنہم الخ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے۔ یہ روحانی بہشت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب انعام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیب ہوئے کس لیے کہ انہوں نے خصوصاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم نے جنگ بدر، احد وغیرہ مواقع پر اپنے اقارب سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور بعد میں دین پر ثابت قدم رہے اس لیے یہ خوبیاں ان کو نصیب ہوئیں۔ اس لیے صحابہ کے نام پر رضی اللہ عنہ کہنے کا اہل سنت میں قدیم سے دستور ہو گیا ہے۔ (۵) اُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ کہ یہ اللہ کا گروہ ہے جو فلاح پائے گا۔ اسلام میں اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ بات عطا کر دی کہ اہل حق کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم چند روز میں دنیا کی بڑی بڑی عالی شان سلطنتوں پر غالب آ گئے اور قیامت تک اہل حق غالب رہیں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مغلوب ہو کر عمر بھر ترقیہ کے ناگوار بوجھ میں دبے رہے جیسا کہ حضرات شیعہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہ تو کیا ان کے امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی خائف و مغلوب رہے اور اب تک چھپے بیٹھے ہیں کیا ان کے لیے خدا کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ فائدہ: کفار سے جو موت و محبت ممنوع ہے وہ دینی امور اور اسلام کے مقابل دنیوی امور میں ہی رہی حسن معاشرت و خوش اخلاقی، نیکی و احسان جس کے بنی آدم مستحق ہیں یہ ممنوع نہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبَّحَ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ، وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي
أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ
أَنْ يَخْرِجُوا وَظَنُّوا أَنْهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ
يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي
الْمُؤْمِنِينَ ② فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ③

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اس نے تو اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے نکل کر جمع کرنے سے پہلے نکال باہر کر دیا۔ حالانکہ تم کو ان کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے آیا کہ جہاں کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں ہیبت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے آپ ڈھانے لگے پس اے آنکھوں والا عبرت پکڑو۔

ترکیب : مانعہم بالرفع علی انہ خبر۔ مقدم و حصوصہم مبتداء موخر والجملیہ خبر ان من اللہ متعلق بالخبر۔ ویکن ان یکون مانعہم خبر ان و حصوصہم

- ۱۔ حزب اللہ ہوتا صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہاں تک ہے کہ اہل بدر کے اسامہ گرامی عمرو جاد و دغیر غلبہ ایدوا شامین کے لیے عجب خاصیت رکھتے ہیں بارہا تجربہ یہ ہوا ہے ان کی روحانیت و اسمائے شریفہ میں یہ تاثیر خدا نے دی ہے۔ ۱۲ منہ
- ۲۔ دوسری جگہ غالیوں بھی آیا ہے کہ اللہ کا گروہ غالب رہے گا۔ ۱۲ منہ

مرتفع علی الفاعلیۃ یخربون الجملة حال او تفسیر للرب فلا محل لها۔ قرئی بخربون بالتشديد الكثير وقيل الاحزاب العطيل والخریب الهدم۔

تفسیر: پچھلے سورۃ میں منافقوں کے افعال ناشائستہ کا ذکر تھا اس سورہ میں ان کے معین و مددگار یہود کی نالائق حرکت اور اس کا یہ نتیجہ ذکر فرماتا ہے کہ عبرت ہو فقال سبحانه الله۔ ان آیات میں اور نیز ان کے بعد آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مورخین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب پچھلے زمانوں میں یہود پر مصائب پڑے کچھ لوگ ان میں سے عرب میں بھی آ رہے تھے۔ بیشتر مدینہ منورہ کے آس پاس آ رہے تھے۔ اس خیال سے کہ وہ نبی جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے یہیں آ کر رہے گا اور یہی شہر اس آفتاب کا تجلی گاہ بنے گا۔ منجملہ ان کے مدینہ کے آس پاس ایک ایک فرسنگ کے فاصلے سے دو فرقے یہود کے تھے۔ ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر کہلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے تھے مگر احد کی جنگ میں جو مسلمانوں کو کفار قریش سے ہزیمت پہنچی تب سے بنی نضیر کے دماغوں میں بھی سرکشی کا مادہ بھر گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد ابوسفیان سردار قریش کو بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے اپنے ہاں مہمان رکھا تھا جو آنحضرت ﷺ پر شب خون مارنے آیا تھا۔ آخر اس کو مدودی اور ابوسفیان نے اس کی مدد سے مدینے کے بعض مسلمانوں پر جو اپنے کھیتوں میں مصروف تھے رات کو حملہ کیا، مسلمانوں نے خبر پا کر تعاقب کیا۔ یہ تو تھا ہی اب ایک اور نئی بات پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کی گڑھی میں مع چند صحابہ رضی اللہ عنہم اسی عہد نامے اور معاہدے کی رو سے ایک مسلمان کو خون بہا دینا تھا اس روپے کے چندے میں انہیں بھی شریک کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرت ﷺ سے کہا آپ تشریف رکھئے ہم چندہ دیتے ہیں اور بہت کچھ مدد دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گڑھی کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ یہود اندر گئے، جا کر تجویز کی کہ اس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال دو مگر وہ جائے۔ جھگڑا ہی تمام ہوا اس کی خاطر سے بھلا ہم قریش سے اور تمام عرب سے بگاڑ کر کہاں رہیں گے؟ (جب بدبختی سوار ہوتی ہے تو ایسی ہی کمی لگتی کی باتیں سوچا کرتی ہیں) وہ ہنوز اپنا ارادہ پورا کرنے نہ پائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبر کی، آپ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام آپ کے حق میں فرمایا چکے تھے کہ جو آپ پر گرے گا چورا چورا ہو جائے گا اور جس پر آپ گریں گے اس کو بھی چورا کر دیں گے۔ بموجب اس بشارت کے ان متواتر بدذاتیوں پر قہر مان الہی کب صبر کر کے پایہ تخت اسلام میں ان پستی بدذاتوں اور ازاں منحوسوں کو تندر آگیزی کی مہلت دے سکتا تھا؟

وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمُ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرُسُوْلَهُ ؕ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ

- ۱۔ خیر بھی مدینے سے پاس ہے وہاں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل کے یہودی رہتے تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر تو بہت ہی قریب تھے۔ ۱۲۷ھ
- ۲۔ عرب میں قدیم دستور تھا کہ جب دو شخص دو قوم باہم ایک عہد نامہ حلفیہ قائم کر لیتے تھے کہ ہماری جان و مال تمہاری تمہاری جان و مال ہماری تو ان کو حلیف کہتے تھے ان میں حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ اتحاد و حمایت ہوتی تھی اس طوائف الملوک کے زمانے میں خانہ بدوش قوموں سے بچنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی محکم قلعہ منصوب نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے بنی نضیر و بنی قریظہ نے حلف کر کے عہد باندھا تھا جو بعد میں خلاف کیا اور بہت ہی برے طور پر نالائکیاں اور بدذاتیاں کیں جن کی سزا قانون الہی میں ضروری تھی بنی نضیر نکالے گئے بنی قریظہ غزوہ احزاب کے بعد جو اس واقعہ کے بعد ہوا ہے (شاید دو برس بعد) موذی سانپ اور زہریلے جانور کی طرح قتل کیے گئے اور ان کے ناپاک اور زہریلے وجود سے دنیا کو پاک کرنا حکمت آسمانی کا مقتضی ہی تھا جو واقع ہوا اس کو پیغمبر علیہ السلام کی رحم دلی روک نہیں سکتی تھی اس زمانے میں جب مہذب گورنمنٹ کورٹ مارشل لاء (قانونی مجلس) کے بعد رحم دلی پر گولیاں مارنا مصلحت و حکمت جانتی ہیں تو اس حکم پر کیا اعتراض ہے۔ ۱۲۷ھ

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً

عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝

اور اگر اللہ نے ان کے لیے دیس نکالا نہ لکھ دیا ہوتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب ہی ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی تھی اور جو کوئی اللہ سے مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے۔ مسلمانوں نے جو کجھور کا پیڑ کاٹ ڈالا یا اس کو اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا اور تاکہ بدکاروں کو سوا کرے۔

تفسیر: اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الہی اعلان کر دیا کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا اب تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پھر جنگ ہے۔ ان مغروروں نے قریش اور مدینے کے منافقوں کی مدد کے بھروسے پر کہہ دیا اچھا جنگ ہے آئیے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی گڑھی کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔ یہ گڑھی بھی مستحکم اور بلند تھی۔ لشکر اسلام نے محاصرہ کیا۔ گیارہ روز تک سخت محاصرہ رہا۔ یہودی کی باہر سے کوئی مدد نہ آئی ادھر مسلمانوں نے ان کے باغوں کو جن میں بہت عمدہ کجھوریں تھیں کا نشانہ اور کھیتوں کو جلانا شروع کیا (ان کی گڑھی سے لے کر مدینے تک باغات تھے) آخر کجھور ہو کر پیغام بھیجا کہ امن دیجئے۔ آپ جو کہیں گے ہم کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور یہ حکم دیا کہ اپنا اس قدر مال و اسباب کہ تم سے چل سکے یا ایک اونٹ پر لد سکے لے جاؤ۔ یہود نے منظور کیا اور دس روز کی مہلت مانگی۔ اس عرصے میں اپنا اسباب لادنا شروع کیا اور اس جلن کے مارے کہ بعد میں مسلمان ہمارے گھروں میں نہ رہیں اور اس لالچ سے بھی کہ اپنا کڑی کاٹھ کیوں چھوڑ دیں، مکانوں کو گرانا شروع کر دیا۔ آپ بھی ڈھاتے تھے اور مدینے کے مسلمانوں سے بھی اس کام میں مدد لیتے تھے۔ پھر اکثر تواریم و اذراعات کی طرف چلے گئے (یہ شام کے مقامات ہیں) اور ابی العقیق اور جی بن الخطب کا خاندان کچھ تو خیبر میں رہا اور کچھ حیرہ چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی شانِ کبریائی جتلا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ان سرکش یہود کو حشر سے پہلے ہی ان کے گھروں سے نکلوا دیا۔ محاصرہ سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک بھی اپنے گھر بار نہ چھوڑیں گے۔ لو اس نے حشر سے پہلے ہی گھر بار چھڑوا دیے۔ ان کی بلند اور مستحکم گڑھی کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہ نہیں نکل سکتے۔ ادھر خود ان کو بھی یہ غرور تھا کہ ہماری گڑھی اور مستحکم قلعہ ہم کو ہر قسم کی آفت سے بچالے گا ہم کو اس میں کون مار سکتا ہے؟ مگر ان کو اس بدروز کا خیال بھی نہ تھا کہ محاصرہ ہوتے ہی ان کے دلوں میں رعب بھر گیا، نامردی چھا گئی، امان مانگ کر جلا وطنی پر راضی ہوئے۔ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مکانوں کو کس نامرادی کے ساتھ آپ ڈھانے لگے۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے آنکھ والوں کے لیے کہ آسانی حکم کا مقابلہ ایسے برے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ سے دغا کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ کسی سے دوستی کا عہد مستحکم باندھ کر مکاری و عیاری کرنا ضرور برا دن دکھاتی ہے۔ دنیا اور اس کے سامان دل لگانے کے قابل نہیں۔ کل کس شادمانی اور کن کن میٹھی امیدوں سے یہ مکانات بنا رہے تھے اور کیا کیا خیالات پکار رہے تھے۔ آج کس حسرت و یاس کے ہاتھوں سے ڈھا رہے ہیں۔ عبرت، عبرت! پچھلی آیتوں کا یہ مطلب صاف صاف تھا۔ اب ہم مفسرین کی موٹھ کافیاں بھی نقل کرتے ہیں اور آیات میں جو اسرار ہیں ان کو بھی دکھاتے ہیں۔

سَبَّحَ لِلَّهِ تَبْحِيحٌ تَزْيِيدٌ وَتَقْدِيرٌ۔ یعنی اللہ کی تقدیریں تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے کرتے ہیں۔ شریعت و نبی بھیجنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ان کی عبادت کا حاجت مند ہے بلکہ انہیں کے فائدے کے لیے۔ آسمانوں کے ستارے اور ان کے اندر کی کائنات اور اسی طرح زمین کے رہنے والے سب زبان حال سے اپنے خالق کی یکتائی اور شانِ بیان کر رہے ہیں۔ گویا ہر شے اہل بصیرت کے لیے اس کے کمالات اور

عظمتِ شان کا آئینہ اور مکمل دفتر ہے اور یہی اس کی تسبیح و تقدیس بے اختیاری ہے اور ملائکہ اور ارواحِ طیبہ آسمانوں میں نیک لوگ زمین پر اس کی تسبیح و تقدیس بالارادہ کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی جملہ کائنات کا اس طرز و رویہ فطری پر لگا رہنا کہ جن پر ان کو ان کے خالق و مالک نے لگا دیا ہے، ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ تمام کائنات پر اس کے احکام جبروتی نافذ ہیں۔ طوعاً و کرباً سب ان کو تسلیم کر رہے ہیں یہ بھی تسبیح و تقدیس ہے۔

اس جملہ میں اس کی کمال عظمت و شوکت و توانائی بیان ہوئی ہے اس کے بعد اس کی جبروتیت و قہاریت کی ایک خاص بات ذکر کرتا ہے کہ **مَوْلَانِذِيْ اَخْرَجَ النَّعْنَ كَفْرًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ** کہ وہی جبار و توانا ہے کہ جس نے اہل کتاب کے کافروں کو حشر سے پہلے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ کفر و ایمں اشارہ ہے کہ یہ کفر و بے دینی اس سزا کی باعث ہوئی اور اخراج کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ایک توان کے باپ دادا تھے کہ جو توریت میں لکھا و دیکھ کر نبی عربی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں بامید اعانت و اطاعت یہاں آئے تھے ایک یہ ان کی نا اہل اولاد ہے کہ اس سے مخالفت کرنے کے جرم میں نکالے گئے۔ لاول الحشر کے صاف معنی ہی ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اور بھی بیان کئے ہیں۔ حشر جمع کرنا یعنی اس دن سے پہلے کہ ان پر مسلمانوں کے لشکر جمع ہوں جیسا کہ ہرقل روم و کسریٰ فارس پر ہوئے اس سے پہلے ہی آسانی سے نکالے گئے یا یہ معنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار جمع ہوں اس سے پہلے یہ کجخت نکالے گئے۔ ان میں شریک ہونا جس لیے یہاں آئے تھے نصیب نہ ہوا یا یہ کہ معین و مددگار جمع کرنے سے پہلے نکالے گئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آیا۔ اپنے قلعہ پر بڑا گھمنڈ تھا ناگہانی ہلاکی خبر بھی نہ تھی۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَلَوْ لَا اَنَّ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْفُلْاَءَ کہ اگر اللہ نے ان پر جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور اس عذاب سے آخرت کے عذاب میں کمی نہ ہوتی بلکہ وہاں بھی عذاب ہوتا یعنی دونوں ہوتے اس جلا وطنی سے دونوں نہ ہوئے بلکہ صرف آخرت کا ہوگا۔ دنیا میں عذاب دیتا یا تو بنی قریظہ کی طرح قتل کر دیتا یا لوٹ کر غلام بنوا دیتا یا تنگ دستی و بیماری میں مبتلا کر دیتا یا زلزلہ یا برق یا کسی اور آسمانی بلا سے ہلاک کرتا اس کے دنیاوی عذاب صد ہاتھم کے ہیں اس کی امان فرماتا ہے۔ ذلک بانہم شاہوا اللہ الخ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے گردن کشی کی اور جو ایسا کرتا ہے تو اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ

وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦﴾ مَا

أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

وَالسَّكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا

اَتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

شَرِيدُ الْعِقَابِ ④

وقف لازم

اور جو کچھ اللہ نے ان سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تو اس پر تم نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بتیوں والوں سے لے کر دیا ہے سو وہ اللہ اور رسولی اور قربت داروں اور قیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے۔ اور جو کچھ تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی سخت سزا ہے۔

تفسیر: بعض مسلمانوں کو اپنی بہادری کا خیال پیدا ہو گا کہ نبیؐ فسیر کو جو بڑے بہادر لوگ تھے ہم نے یوں نکال دیے۔ اس لیے فرماتا ہے مَا قَطَعْتُمْ مِّن لِّينَةٍ اَوْ دَرَكْتُمْهَا قَائِمَةً عَلٰی اُصُولِهَا اَلَمْ تَمْنُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ هُمْ (عمدہ کھجور) کاٹی یا ویسی ہی قائم چھوڑی سو یہ سب خدا کے حکم کے مقتضی تھا تا کہ بدکاروں کو سزا دے وہ دیکھیں اور حسرت کریں تم اپنی بہادری اور جواں مردی کا نتیجہ نہ سمجھنا۔

اور ممکن ہے کہ کفار نے درختوں کے کانٹے پر طعن کیا ہو کہ یہ فساد فی الارض ہے جس کو تم خود منع کرتے ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں اس کا کوئی اثر پیدا ہوا ہو، اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ جو کچھ تم نے کیا حکم الہی سے کیا۔ اللہ کو بدکاروں کا رسوا کرنا منظور تھا۔ (بخاری کی کتاب التفسیر سے یہی متبادر ہوتا ہے)۔

فائدہ: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے موقعوں پر منع کر دیا ہے کہ میوہ اور سبز درخت نہ کاٹو نہ کھیتی اجاڑو کارآمد جانوروں کو نہ مارو۔ مگر ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا جائز ہے۔ ممانعت تو اس لیے ہے کہ ان کارآمد چیزوں کو برباد کرنا فساد فی الارض اور اپنی قسمت میں آنے والی چیز کو مفت برباد کرنا ہے اور اجازت کسی خاص موقع پر اس لیے ہے کہ مخالفین کو صدمہ پہنچے یا وہ اسباب معیشت کے منقطع ہونے سے صلہ پر یا اطاعت پر آمادہ ہوں جیسا کہ بنی نصیر کے نخلستان میں ہوا۔

فے اور غنیمت کے معنی:

اس کے بعد بنی نصیر کے مال و اسباب کی بابت فرماتا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جس کو وہ نہ لے جا سکے۔ فقال وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ الخ۔ مبرد کہتے ہیں فاء غنمی کے معنی ہیں رجوع کے اور آفاء اللہ جب کہتے ہیں کہ جب اللہ بھیجے۔ از ہری کہتے ہیں فی اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ مخالفوں سے حاصل ہو خواہ اس طور سے کہ کفار چھوڑ کر چلے جائیں یا جزیے کے طور ادا کریں یا رعب میں آکر جان بچانے کے لیے کچھ رقم یا چیزیں دیں یہ سب فی ہے۔ اس کو نفوی معنی کے لحاظ سے فی اس لیے کہتے ہیں کہ کفار سے اللہ نے مسلمانوں کے پاس بھیجا ہے۔ برخلاف غنیمت کے کہ جنگ و جدل و محنت و مشقت سے جو مال کفار سے ہاتھ لگے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ انفال کہ جس کا شروع سورہ انفال میں ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں۔ کبھی تو وہ غنیمت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ نفل کے معنی لغت میں زیادت کے ہیں اور فرض کے علاوہ نماز کو اس لیے نفل کہتے ہیں کہ وہ زائد علی الفرض ہے اور غنیمت بھی جہاد کے اصل مقصود اعلیٰ کلمۃ اللہ سے ایک زائد بات ہے اس لیے اس کو انفال کہتے ہیں۔ اور کبھی سردار لشکر کے اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو وہ کسی خاص مردانہ کام کے مقابلے میں معین کرتا ہے۔

انفال کی تقسیم کا حکم اللہ اور رسول کے سپرد ہونا بیان کر کے پھر اس کی تقسیم بھی ذکر کر دی گئی۔ دیکھو سورہ انفال۔ فی اور غنیمت میں فرق ہے اس لیے سب سے اول اس فرق کو قائم کرتا ہے فقال فَمَا أَوْحَفْتُمُ الْحَيَاةَ کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹنی یعنی تمہاری محنت و مشقت اس میں کچھ نہیں اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح یہ تقسیم نہ ہوگی جیسا کہ غنیمت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شاید تقسیم کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ اس کا فی میں بقول مؤرخین بنی نفیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو پینتالیس اونٹ اور دیگر اسباب حاصل ہوا جس کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جس کو جس قدر مناسب جانا عطا کیا۔ پچھلی آیت میں فی کے صرف کا مسئلہ بھی آتا ہے۔

وجہ، صہب، جفا و جفا، جلد چلنا، دوڑانا اونٹ اور گھوڑے کا۔ خیل گھوڑے۔ رکاب اونٹ ان لفظوں میں سے مفرد صیغہ نہیں۔ ہاں دوسرے لفظ سے ہے را حله۔ گھوڑے کے سوار کو فارس اونٹ کے سوار کو راکب کہتے ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بنی نضیر کے مال کوئی کہنا اور یہ فرمانا کہ اس پر تمہارے گھوڑے اونٹ نہیں دوڑے صحیح نہیں کس لیے کہ بنی نضیر کا کئی روز تک محاصرہ رہا لوگ مرے کچے بھی اخیر جلا وطنی پر وہ راضی ہو گئے تھے اس کو غنیمت کہنا چاہیے۔

جواب: یہ بنی نضیر مدینے سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھے ان کے لیے کچھ زیادہ سامان سفر اور تیاری کی ضرورت نہ ہوئی۔ پاپادہ جا کر محاصرہ کر لیا گیا۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ یعنی جس طرح جنگوں میں تختیں اور تکلیفیں اٹھا کر فتح ہوتی ہے اس میں اس قدر تکالیف اٹھانی نہ پڑیں گویا کہ مفت ہاتھ آگیا اس لیے اس کوئی کہا گیا۔ بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں مذک کی طرف اشارہ ہے البتہ وہ جائیداد بے محنت حاصل ہوئی تھی جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب اور مہمانوں کے لیے خرچ کیا کرتے تھے اور سامان جنگ گھوڑے ہتھیار وغیرہ میں بھی صرف کرتے تھے۔

فے کے مصارف: اس کے بعد نبی کے مصارف بیان فرماتا ہے۔ فقال مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ کہ جو کچھ گاؤں والوں سے پہنچایا۔ گاؤں والے یعنی کفار سے جو گاؤں اور بستیوں کے لوگ تھے ان سے بشوکت اسلامی وصول ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں گاؤں والوں سے مراد قرظہ و نضیر و مذک و خیبر ہیں (معالم) فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ لَأَبْنِ السَّبِيلِ تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لیے ہے یعنی مال اللہ کا ہے یعنی اس میں لشکر کا کوئی حق نہیں وہ رسول کے پاس رہے۔ رسول اس کو اپنے ذاتی مصارف میں بھی بقدر ضرورت صرف کرے اور اپنے قرابت داروں کو بھی دے بوجہ قرابت صلہ رحمی کرے اور جو قرابت دار محتاج ہوں بدرجہ اولیٰ صلہ رحمی کے مستحق ہوں اور یتیموں کو بھی دے۔ عام ہے کہ رسول کے خاندان کے یتیم ہوں یا اور فقراء کو بھی دے کوئی ہوا اور حاجت مند مسافروں کو بھی دے۔ اور محتاج نہ ہوں یوں مہمان آئے ہوں رسول کے پاس جیسا کہ قوموں کے وکیل اور جماعتیں آیا کرتی تھیں۔ یہ شاہی مہمان ہیں ان کا خرچ بھی اسی شاہی خزانے پر ہے۔ آیت میں چھ شخص ذکر ہوئے اول اللہ جل جلالہ۔ یوں تو سب کچھ اسی کا ہے مگر یہاں اللہ کا مال کہنے سے یہ غرض ہے کہ یہ اللہ نے مخصوص حاجتوں کے لیے اپنا خزانہ بنا کر رکھا ہے اس تقدیر پر یہ کہنا کہ لفظ اللہ کا ذکر ہے بے فائدہ بات ہے۔ دوم رسول، سوم قرابت دار، چہارم یتیم، پنجم مساکین، ششم مسافر۔ آیت میں یہ قید نہیں کہ قرابت دار کس کے؟ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور آنحضرت ﷺ کے بعد جو آپ کا جانشین ہو اس کو بھی اپنے اقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنا انسانی خاصہ ہے جس کا بار بقدر ضرورت شاہی خزانے پر ہونا عین انصاف ہے اور یتیم و مسکین و ابن السبیل قومی ذوجات لوگ ہیں۔ خصوصاً شاہی مہمان جو سلطنت سے علاقہ رکھتے ہوں یا ان کی مہمانداری شان سلطنت اور اس کے فوائد آئندہ پیدا کرنے میں موثر ہو یہ بھی اسی شاہی خزانے سے ہونی چاہیے۔

آیت میں یہ بھی ذکر نہیں کہ ان چھٹوں کے حصے مساوی ہیں یا کم زیادہ کیونکہ ان چھٹوں کی طرف تقسیم نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ان اشخاص کو دینا مراد ہے جس کی قبل از وقت کوئی تعداد معین ہو نہیں سکتی اور آیت میں یہ چند ذوجات اس لیے مذکور ہیں کہ ان کی طرف زیادہ توجہ مبذول ہوتی ہے یہ اس کے متانی نہیں کہ اگر کسی حاجت مند کو یا اور کسی کام میں جو قومی اور سلطنت کے مفید ہو صرف نہ کیا جائے۔ الحاصل فی شاہی خزانے میں داخل ہو کر اشخاص مذکورہ بالا کے لیے ہے۔ نہی لَا يَكُونُ دَوْلَةً مِّنَ الْأَغْنِيَاءِ وَمِنْكُمْ۔ مہر دکتے ہیں دولتہ بالضم وہ چیز جو لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جائے کبھی اس پاس کبھی اس پاس اور دولتہ بالفتح خوش حالی ہو ایک قسوم سے منتقل ہو کر دوسرے پر آئے پس بالضم اسم ہے اس کا جس کا تداول کریں، روپیہ پیسہ کپڑا یور وغیرہ اور بالفتح اس کا مصدر (کبیر) کہ یہ اس لیے مقرر کیا تاکہ وہ

فی تمہارے اغنیاء کے ہاتھوں میں نہ پڑے بلکہ اس کے مستحقین ہی کے پاس رہے۔ اے اغنیاء! تم اس کی حرص نہ کرو بلکہ مَا اَنْتُمْ بِالرَّسُولِ فَخُذُوهُ جَوْنًا کونیمت یا اور کسی چیز میں سے رسول دے یا حکم کرے اس کو لو۔ وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا اور جس سے منع کرے جیسا کہ اس فی سے یا اور بری باتوں سے تو اس سے باز آؤ۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ الْخَالِقَ اللّٰہ سے ڈرو، نافرمانی نہ کرو اس کی سزا سخت ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا کئی لَکَیْکُوْنَ سے لے کر یہاں تک۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ قَضًا
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝۸
وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَعْنَهُ نَفْسُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۹
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝۱۰

بَقِ

(وہ مال) مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے رہتے ہیں یہی راستہ از بھی ہیں اور (وہ مال) ان کے لیے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے جو کوئی ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اور دل کو دیا جاتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم سمجھتے ہیں ان کو احتیاج بھی کیوں نہ ہو اور جس نے اپنی جان کو لالچ سے بچایا وہی کامیاب ہوا۔ اور ان کے لیے بھی جو مہاجرین اولین کے بعد آئے (اور) دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ (دشمنی) قائم نہ ہونے پائے تو غصہ کا دھماکا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد مہاجرین و انصار کے فقر اور حاجتمندوں کو ان کے حامد اور اسلامی سرگرمیاں اور سچی جانفشانیاں ذکر فرما کر مستحق ٹھہراتا ہے اور تعیم کے بعد تخصیص کرتا ہے کہ اور فقیروں سے یہ زیادہ تر مستحق ہیں۔ فَقَالَ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الخ کہ یہ ان فقراء مہاجرین کو ملنی چاہیے کہ جو اللہ کے لیے اپنا گھر، بار مال و اسباب چھوڑ کر ہجرت کر کے نبی علیہ السلام کے پاس آئے ہیں۔ جب عرب میں اسلام کا چرچا ہوا اس آفتاب کی کرنیں اسی سرزمین پر پڑیں تو مکہ اور دیگر جگہوں کے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے مگر جہاں کوئی مسلمان ہوا اس پر اس کی قوم کی طرف سے مصیبتیں آئیں، مار دھاڑ شروع ہوئی اس لیے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے تھے۔ اب ان کے پاس بجز صبر و وفا کے اور تھا کیا؟ ان کو مہاجرین کہتے تھے، اس لیے ان پر ترحم دلاتا ہے کہ ان کو بھی دو۔ ان کی فکر بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ صرف یہی بات نہیں کہ ہجرت کر کے چلے آئے ہیں بلکہ یَنْصُرُونَ اللہَ وَرَسُولَهُ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اسلام کا لشکر جبرائیل نے بڑے بڑے گردن کشوں کو سیدھا کر دیا انہیں لوگوں کا تھا۔ اُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ یہ سچے لوگ ہیں۔ یہاں تک مہاجرین کے محامد تھے۔ (۱) یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کو اپنے گھروں سے اور مالوں سے جدا کئے گئے اور نکالے گئے ہیں۔ (۲) وہ اللہ اور رسول کے مددگار ہیں۔ (۳) وہ صادقین ہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم بھی مہاجر تھے اور جو جو دین کی حمایت میں انہوں نے کوششیں کی ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ فقراء بھی ہو گئے تھے۔ پھر وہ کون سی روایت اور کون مؤرخ ہے جو جھوٹے افسانے گھڑ کر ان کو بدنام کرے اور یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے وہ برے کام کئے جو پیغمبر علیہ السلام کا سخت دشمن بھی نہ کر سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے لات ماری اور اہل بیت پر ظلم کئے۔ معاذ اللہ صادقین سے یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اُولَئِكَ کا لفظ کہہ رہا ہے کہ یہی سچے تھے اور ان پر جو الزام لگائے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد فقراء انصار کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

مناقب انصار: فقال وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَمَنْ هُمْ وَأُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ عَالِمِينَ

ایمان کو گھر بنایا پہلے سے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینے میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ ہنوز مکہ میں تشریف رکھتے تھے کہ عرب میں آپ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ ایام حج میں چند اہل مدینہ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے اور جا کر مدینے میں لوگوں کو ترغیب دی وہ بھی ایمان لے آئے۔ جب کفار قریش نے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما مدینے تشریف لے گئے جو اہل مدینہ کی دلی تمنا تھی اور رفتہ رفتہ اور لوگ بھی جانے شروع ہوئے۔ ان اہل مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مہاجرین کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ ٹھان نہیں رکھا جیسا کہ بعد کی آیت میں ذکر آتا ہے۔ من قبلہم یعنی مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینے کو جگہ بنایا اور ایمان کو دل میں جگہ دی یا ان کے گھر بنانے سے پہلے گھر بنایا۔ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آیا اس کو دوست رکھتے ہیں۔ محبت کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مہاجر کا ہر ایک انصار سے بھائی چارہ کرادیا تھا یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہونے سے پہلے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا اور کومرنے کے بعد ورثہ نہیں ملتا تھا اور ہر ایک دوسرے کی جان و مال پر اپنا مال اور جان فدا کرتا تھا جس کی مفصل کیفیت کتب سیر میں موجود ہے۔ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا أَحْسَنَ بَصَرِيٍّ کہتے ہیں حاجۃ کے معنی یہاں حرارت و حسد و غیظ کے ہیں کہ مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انصار نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ نبی نصیر کے باغ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم کام میں شریک رہو تم کو پھل دیں گے۔ انصار نے کہا ہمراضی ہیں بسرچشم منظور۔ اس سے بڑھ کر ان میں یہ صفت ہے وَيُوَثِّرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کہ وہ باوجود حاجت فقر وفاقہ کے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اپنی حاجت کے کام میں نہیں لاتے، مہاجرین کو دیتے ہیں۔ یہ ایثار بڑی اولوالعزمی کی بات ہے ہر ایک کو نصیب نہیں۔ آپ بھوکا رہے اپنے بھائی کو کھلائے۔ خصاصة حاجت فقراء۔ اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا، دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو مہمان بنایا گھر میں کسی کو بھیجا کہ کسی کے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ بیویوں نے عرض کیا: بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو اس کو مہمان بنائے؟ ایک

انصاری نے (غالباً ابوظلمہ رضی اللہ عنہ) کہا میں یا رسول اللہ۔ پھر اس کو وہ اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر کرو۔ اس نے کہا لڑکوں کو کھانے کے سوا ہمارے ہاں اور کوئی چیز نہیں۔ اس نے کہا کھانا تیار کر، چراغ جلا لڑکوں کو سلا دے جب کہ وہ کھانا مانگیں۔ پھر اس نے کھانا تیار کیا چراغ جلا یا، لڑکوں کو سلا دیا۔ پھر بتی اکسانے کے بہانے سے انھی اور چراغ گل کر دیا تاکہ اندھیرے میں مہمان کو یہی معلوم ہو کہ میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں مگر آپ نے نہ کھایا، مہمان نے کھایا۔ آپ بھوکے سو رہے۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا۔ تب یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ اسی طرح اور مواقع پر انصاری نے ایسی ہمدردی اختیار کی ہے جس کا نظیر اور قوموں یا کسی اور نبی کے پیروؤں میں پایا نہیں جاتا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَمَنْ يُؤْتِ شَيْءًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یعنی انصار کو لالچ نہ تھا اس سے خدا نے ان کو بچا لیا تھا اور جن کو خدا لالچ سے دور رکھے وہ کامیاب ہے۔ شیخ البضم والکسر۔ شیخ اور بخل میں علماء نے فرق کیا ہے۔ بخل صرف منع کرنا نہ دینا اور شیخ وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ شیخ صفات ذمہ میں سے ہے جس کا ترجمہ لالچ ہے اس لیے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دنیا و دین کی صد ہا محرومیاں اسی شیخ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے۔ ہمدردی اور سعادت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ لالچی اور بخل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو تنہم کہتے ہیں جس کا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر اولوالعزم لوگ آئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی۔ تمام عمر خون جگر کھایا، دولت سے متمتع نہ ہوا، نہ نفس کو آرام دیا نہ کار خیر میں حصہ لیا، مر گیا چھوڑ گیا، حسرت لے گیا۔ یہی انسان کو چوری، خیانت، قتل، ظلم، جھوٹ بولنے، کم تولنے پر مجبور کرتا ہے، بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے اس کے نام لینے کو بھی لوگ معیوب سمجھتے ہیں۔ مرنے کے بعد برائی سے یاد کرتے ہیں۔ پھر جس کو خدا نے اس ناپاک خصلت سے بچا لیا اس کے کامیاب ہونے میں کیا شک ہے۔

انصار و مہاجرین جو اسلامیوں کی دواعلیٰ اور بزرگ ترین جماعت ہیں ان کے حامد بیان فرما کر تیسرے گروہ کی مدح کرتا ہے جس میں تابعین اور ان کے بعد کے آنے والے نیک اور بزرگ لوگ ہیں۔ فقال وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنَّا بَعْدَهُمْ يَبْغِيهِمْ يَبْغِيهِمْ۔ یعنی جو ان کے بعد ہجرت کر کے آئے یا اسلام میں ان کے بعد آئے، قیامت تک جو کوئی ہو ان کے اندر یہ خوبی ہے يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأُولَٰئِكَ الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ وہ اپنے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ الہی ہم کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایماندار گزرے ہیں۔ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں رنج اور عداوت نہ پیدا کر۔ رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔ اے ہمارے رب! تو نرمی کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے جس میں یہ خاصیت نہیں وہ اس تیسرے گروہ میں داخل نہیں۔ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں لوگوں کے تین درجے ہیں، مہاجرین، انصار اور وہ جو ان کے بعد آئے اور ان سے محبت رکھتے ہیں، ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، دعائے خیر میں شریک کرتے ہیں، ان کے رستے پر چلتے ہیں۔ پس تو کوشش کر کہ ان تینوں سے خارج نہ ہونے پائے۔ مہاجرین و انصار تو گزر گئے ان میں داخل ہونا تو ممکن نہیں خیر یہ تیسرے فریق میں تو شامل رہے کہ ان کو بھلا سمجھے، دل سے ان کی محبت رکھے، ان کی مساعی جیلہ کی قدر دانی کرے نہ یہ کہ ان پر جھوٹے سچے الزامات قائم کر کے تبرا کرنے کو ایمان و سعادت جانے۔ یہود سے اگر پوچھا جاتا ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو اچھا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو اچھا جانتے ہیں۔ مگر افسوس شیعہ حضرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین و انصار کو باستثنائے چند اشخاص سب کو برا کہتے ہیں بلکہ برا کہنے کو حسنت و برکات کا موجب سمجھتے ہیں۔ دنیا

میں اس خصلت کا یہ اثر ہے کہ کبھی ان کا جھنڈا کھڑا ہونے نہیں پاتا نہ مقابلے میں پاؤں جمتا ہے۔ اہل حق کے مقابلے میں مقہور ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

اور وہ بات کیا ہے؟ جس سے وہ ان بزرگوں سے پھر گئے۔ اس آیت کے ذیل میں اس کا بیان محققانہ طور پر مناسب ہے۔ بنی نضیر اور فدک اور خیبر کی کچھ زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معین ہوئی تھی جس میں سے آپ نے کسی کو مہمانوں اور سامانِ حرب کے لیے اور کسی کو خرچِ ازواجِ مطہرات کے لیے، کسی کو اقارب و یتامی و مساکین کے لیے معین کر رکھا تھا، چنانچہ فدک کی آمدنی سے آپ قربتِ داروں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب جانشین کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مہاجرین و انصار نے جن کی مدح آیات مذکور ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتخاب کیا۔ اس وجہ ترجیح کو وہی لوگ خوب جانتے تھے جو ایک مجموعی اوصاف نے ان کے دلوں میں جاگزین تھی جس لیے ان بزرگوں کے نزدیک یہی حضرت اس مسند پر بیٹھنے کے مستحق ٹھہرے۔ ہاں کوئی رعایت یا ابویکر کا ذاتی دباؤ تو قطعاً نہ تھا کس لیے کہ نہ ان کی قوم زیادہ تھی نہ ان کے پاس کوئی لشکر و خزانہ تھا اور ایسے مہاجرین و انصار ایسے بچاد باؤ کو ماننے والے بھی کب تھے فوراً مخالفت ظاہر کرتے اور سیوف کے قبضوں پر ہاتھ دھر لیتے۔ شیعہ کہتے ہیں یہی بات بری کی کس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جانشین کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا اور امامت لوگوں کے انتخاب پر موقوف تھی بلکہ آسمانی عہدہ ہے، نبوت کے عہدے کے برابر یا کسی قدر کم مگر مشابہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آسمانی سند موجود تھی۔ مگر انفسوس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آسمانی سند کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ مہاجرین و انصار کو معلوم ہوئی کس لیے کہ اگر معلوم ہوتی تو ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ وہ باوجود اس آسمانی سند کے اور باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد اور مہاجرین میں ذی مرتبہ شخص تھے ان سے عداوت اور بغض رکھتے جو رجم و پتھرم اور مہاجرین و انصار کی اسلامی سیرت کے برخلاف تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قائم کر دیتے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر جاتے حالانکہ کوئی ڈرانے کا سامان ان کو میسر نہ تھا۔ اس پر وہ سب مہاجرین و انصار کو جو اس جانشینی میں شریک تھے برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ پہلا خلاف تھا مگر تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی جانشینی تسلیم کی اور ان کے ساتھ بخوشی و خرمی کاروبار میں شریک رہے۔ شیعہ کہتے ہیں دل میں ناراض تھے، ظاہر داری کرتے تھے، اس کو تقیہ کہتے ہیں۔ مگر ایسے بزرگ کی نسبت یہ ظاہر داری ظاہر کچھ اور باطن کچھ منسوب کرنا ان کی شانِ حیدری کو گھٹاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے مقابلے میں تقیہ نہ کیا۔ تو یہ تو بے برگزیدہ ہاشم بھی کسی سے دبے والے تھے جو زبان سے جھوٹی باتیں بناتے اور دل میں کچھ اور رکھتے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہر رضی اللہ عنہ مدعیہ تھیں اور خلاف مدعی علیہ۔ دعویٰ یہ تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد میں سے جو جب فرائض مجھے حصہ ملنا چاہیے۔ دعویٰ بہت درست تھا مگر خلافت کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس جائیداد کو وقف کر چکے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ شان نہ تھی کہ وہ جائیداد یا روپیہ پیسہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت کریں۔ اس پر شہادت گزر گئی، دعویٰ نہ چلا مگر جس قدر جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کے مصارف میں لگا دی تھی خلافت نے اقارب کے خرچ و اخراجات بلحاظ قربت پیغمبر علیہ السلام بدستور جاری رکھے۔ یعنی منافع جاری رہے تسلیم عین نہ تھی بلکہ وہ سب خلافت کا مال تصور ہوا۔ اس پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اگر رنجیدگی ہوئی ہو تو انسانی جبلت اور برادرانہ رنجش خیال ہو سکتی ہے۔ یہ دوسرا خلاف ہے۔ اس پر شیعہ کے مؤرخین نے جس قدر مبالغہ آمیز روایات تیار کی ہیں تو تعجب نہیں کس لیے کہ منشاء موجود تھا اور ایسے مواقع پر مبالغہ کرنے والوں کو برا موقع ہاتھ آتا ہے۔ میں ان ناپاک روایات کا ذکر بھی اہل بیت کی اہانت سمجھتا ہوں مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کس باپ کی بیٹی ہیں اور کس رتبے کی ہیں وہ ایسے قلیل دنیاوی معاملات پر اس قدر رنج و بغض اپنے باپ کے جانشین سے رکھیں، حیطہ امکان سے باہر ہے۔ حاشا وکلاثم

حاشا وکلا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بھی اس جائیداد کو خلافت کا مال سمجھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثا میں تقسیم نہ کیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی انتخاب سے خلیفہ کیا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی شیعہ کے نزدیک رنجش کا باعث ہوا۔ یہ تیسرا خلافت تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مگر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے شام کے حاکم یا گورنر تھے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ اور ان کے احباب سلطنت کی باریکیاں خوب سمجھتے تھے اور دنیا داری کی تدابیر پر پورے قابو یافتہ تھے۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اول معاویہ سے بیعت لے لیجئے، پھر چاہے ان کو معزول کیجئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بھی اول دارو گیر کیجئے مگر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جانے کس مصلحت سے مہاجرین و انصار کے اس مشورے سے پر عمل نہ کیا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت اختیار کی اور کہہ دیا میں تم کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتا، تم سے اب تک قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی پتانہ چل سکا۔ اس بنا پر طرفین میں رنجش آمیز خط و کتابت بھی جاری رہی۔ ادھر لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور طلحہ و زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کو تحریک دلائی کہ قاتلان عثمان علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پناہ گزین ہیں اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اطراف کوفہ میں ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور صد ہا لوگ شریک ہوتے گئے۔ ایک لشکر مہیا ہو گیا۔ جب یہ لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قریب پہنچا اور باہم قاتلان عثمان کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ ایک رات چند بد معاشوں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے لشکر پر تیر مارنے شروع کر دیے۔ پھر تو ادھر سے بھی تیاری ہو کر دونوں لشکروں میں خاطر خواہ جنگ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگ آدراں اونٹ تک پہنچ گئے تھے کہ جس کے اوپر ہودے پر ام المومنین رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ اس لیے اس مصیبت ناک واقعہ کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا اور طرفین سے بڑے بڑے اسلام کے نام آدراں بہادر شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ صفین کا میدان مسلمانوں کے گراں بہا خونوں سے لالہ زار ہو گیا۔ ایسے مواقع پر برادرانہ رنجشیں ایک معمولی بات ہے اور طرفین کے غالیوں کے لیے افراط و تفریط اور بے شمار روایات بنانے کا عمدہ محل ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ابن ملحون نے (جو گھات میں تھا) مسجد کوفہ میں زخمی کیا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے۔ پھر باہمی جنگ شروع ہوئی۔ آخر کار ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے کنارہ کشی کی اور باہمی معاہدہ ہو کر جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کا نالائق فرزند یزید پلیدہ انتخاب سے بلکہ ان کے باپ کی شوکت کے زور سے خلیفہ کیا گیا تھا مسند پر بیٹھا۔ اس ناخلف نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلو کر شہید کیا اور پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے میدان میں شہید کیا اور مسلمانوں پر جور و ظلم کئے۔ اس کے بعد یہ مر گیا اور چند روز کے لیے اس کا بیٹا جانشین ہوا مگر اب انتخاب نہ رہا، حکومت و سلطنت کی تخت نشینی رہ گئی۔ اس کے بعد مروان خلیفہ ہوا اور مروانی خاندان میں کچھ کم سو برس حکومت رہی۔ پھر اس خاندان کا استیصال بنی العباس نے کیا۔ عباسیوں کی خلافت و حکومت کا پایہ تخت بغداد تھا۔ ان باہمی لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد پر ظلم و ستم بھی ہوتے رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی سے لے کر اخیر تک اہل سنت کے نزدیک بھی جو حضرت علی اور حسین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ہوئیں ان میں فریق مخالف سراسر خطا پر تھا اور حق اس طرف تھا۔

شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد فرضی طور پر اسی سند آسمانی سے اس مسند نشینی کو بہ لقب امامت بارہویں امام مہدی، حسن عسکری کے بیٹے تک مانتے ہیں اور کسی کو خلیفہ برحق نہیں جانتے۔ پھر ان میں بھی کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو کسی نے اور کسی کو

انام مانا۔ اسی طرح ایک فریق جو ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرفدار تھا وہ دونوں فریق سے برگشتہ ہو کر دونوں کو برا کہنے لگا۔ ان کو خوارج کہتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والے اگرچہ خطا کا رتھے مگر ان باہمی ملکی لڑائیوں سے جن کا بیشتر منشا برادری کی عصبيت و محبت ہے ہم ان کو کافر نہیں کہہ سکتے اور نہ کفر و اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص خاص کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے کفر و اسلام وہی ہے جس کو خدا و رسول ﷺ نے کفر و اسلام بتایا۔ ہاں باہمی فساد و معصیت ضرور ہے جس کی سخت الفاظ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اصلی بات تو یہ ہے اس پر لوگوں نے حاشیہ چڑھا چڑھا کر کاہ کا کوہ بنا دیا اور افراط و تفریط کو کام میں لا کر ایسے مباحث سے کتابیں بھر دیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑی نامبارک لڑائیاں تھیں اسلام کی تلوار جس نے تھوڑے عرصے میں قطعہ ارض پر بے نظیر قبضہ کیا تھا اسلامیوں ہی پر الٹ پڑی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ ہر فریق کے تیز طبع اور چالاک لوگوں نے ان واقعات سے کیا کیا باتیں اختراع کی ہیں بعض سنیوں نے تو بمقابلہ شیعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے آسمانی سند بنانے میں کوشش کی اور روایات و احادیث بنائیں اسی طرح شیعہ نے تو سینہ بسینہ علوم و اسرار شریعت جدی گھڑنے میں کوشش کی اور روایات کا تو ڈھیر لگا دیا۔ کسی نے زبرینات نکالے، کسی نے دعویٰ کیا کہ علی مرتضیٰ وزہر او حسنین رضی اللہ عنہ کی کتاب ہمارے پاس ہے جو خاص ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت کی تھی اس میں لکھا ہے کہ بارہ امام اس ترتیب سے ہوں گے اور یہ سب معصوم تھے نبی کی طرح ان کے پاس بھی وحی آتی تھی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے اتباع میں سے نبی گزرے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے نبی ہیں گو نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے مگر معنی اسی کے لیے جاتے ہیں۔ بارہ اماموں کو اہل سنت بھی مانتے ہیں یعنی ان کو بزرگ اور نیک سمجھتے ہیں جن کے عقائد و اعمال اہل سنت کے موافق تھے نہ یہ کہ وہ معصوم تھے ان پر وحی آتی تھی۔ بعض نے قرآن مجید کے آیات کی ایسی تفسیریں لکھیں کہ گویا تمام قرآن اسی باہمی جھگڑے اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور دیگر خلفاء کی مذمت میں نازل ہوا ہے اور کوئی اہم مقصد بجز اس کے نہ تھا اور لطف یہ کہ سارے قرآن میں صاف صاف کہیں بھی ان کے مقاصد کو خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرمادیا کہ جھگڑا ہی طے ہو جاتا اور نہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع عام میں اس بات کو طے کر دیا معاذ اللہ اور اس کے رسول کو صاف صاف بیان کرنا نہیں آتا تھا کیا وہ بھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے؟ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ رہیں مناقب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بعض سچی احادیث سوان میں کلام ہی کیا ہے مگر ان سے وہ بات پیدا کرنی توجیہ القول بمالایرضی بہ قائلہ کا مضمون ہے اور سب سے بڑھ کر غور طلب یہ بات ہے کہ وہ خلافت جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کی اس میں دنیا کا حظ ہی کیا تھا وہ تو ایک سخت مشقت تھی جس لیے ان بزرگوں نے اپنی اولاد کو نہ دی۔ شیعہ اس کو دنیاوی سلطنت و امارت سمجھے ہوئے ہیں جس لیے اپنے پیارے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پاک کے پاس بلا فصل نہ آنے سے ناخوش ہیں۔ ہاں یزید کے عہد میں امارت ہو گئی تھی تو اس وقت تو ہم بھی یہی کہتے ہیں یہ نعمت دنیا جگر گوشہ رسول ﷺ کو دی جائے بشرطیکہ وہ اس کو قبول بھی کرتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

۱۔ شیعہ کے بارہ امام یہ ہیں۔ اول علیؑ ان کے بعد حسنؑ، ان کے بھائی حسینؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے علی زین العابدینؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد باقرؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر صادقؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظمؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے علی رضاؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد تقیؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکریؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد مہدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو غار سرمن رائے میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ۱۲۔ امنہ

الْكِتَابَ لِيُنْ أَخْرِجْتُمْ لِنَخْرُجَنَ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۚ
وَأَنْ قُوتِلْتُمْ كُنْصَرَبَكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لِيُنْ أَخْرِجُوا
لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلِيُنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلِيُنْ تَصْرُوهُمْ لِيُولُوا
الْأَذْبَارَتِ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ لَا أَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ
مِّنَ اللَّهِ ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا
فِي قَرْعٍ مُحْصَنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدًا تَحْسَبُهُمْ
جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل کتاب کے کافر بھائیوں (یہود) سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں اگر (کافر اہل کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور جو ان کی مدد بھی کریں گے تو پیچھے دے کر بھاگیں گے پھر کہیں سے مدد نہ پائیں گے ان کے دلوں میں تو تمہارا خوف اللہ سے زیادہ ہے یہ اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں وہ تم سے سب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ بستیوں میں یاد یواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل تو پھٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر : ایمانداروں کے اقسام بیان فرما کر ان کے مقابلے میں بدکاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ بد بخت بجائے ان اصول سعادت کے جو پہلے مذکور ہوئے یہ باتیں کرتے ہیں فقال اَلَمْ تَدْرُا اَلَّذِيْنَ نَافَقُوْا بطور تعجب کے منافقین کی پوشیدہ نالائقی حرکات سے خبر دیتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ اپنے کافر تمبھائیوں سے یوں کہتے اور ایسے غلط وعدے دیتے ہیں جن کو ہرگز وہ پورا نہ کر سکیں گے۔ اللہ اور رسول کی مخالفت میں ان کے دشمنوں سے یہ ساز باز اور زبان سے ایمان کا دعویٰ۔ ایک وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں۔

جب یہودی بنی نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو رہی تھی اور ابھی ان کا محاصرہ بھی نہیں ہوا تھا اس وقت مدینہ کے منافق اور ان کے سردار عبداللہ بن ابی نے یہود سے مخفی یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کو نکالیں گے تو تمہارے ساتھ ہم بھی وطن چھوڑ کر نکل جائیں گے اور

۱۔ جردہ ران (ج) جدار باکسر مثلاً جردہ ران (ج) ۱۲ صراح

۲۔ حصص اشتات پر اگنن شفت الامر و اھتقت و اھتقت بمعنی تو م شتی و اشیائے شتی و جاء و اشتات ای متفرقین ۱۲ صراح

۳۔ کفر ایک ملت ہے اس لیے ان کے بھائی کہا یا ان میں اور یہود میں بھائی چارہ تھا مواخات و موالات قائم تھی ۱۲ صراح

۴۔ کتاب یسعیاہ کے باب میں اس واقعہ بنی نضیر و بنی قریظہ کی طرف ان الفاظ میں صاف بیان ہے جو پورا ہوا اس کتاب کی یہ عبارت ہے الظرف "خداوند ایک بہادری صورت میں نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اس کے گاوہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا" (یعنی علیہ السلام خدا کی طرف سے بہادرانہ لباس میں نمودار ہوئے۔ شریعت کو عزت ہوئی) "لیکن یہ ایک گروہ ہے جو لوٹے گئے اور غارت کئے گئے"۔ (بنی نضیر لوٹے گئے بنی قریظہ غارت ہوئے) "وہ شکار ہوئے اور کوئی نہیں بچا تا وہ لوٹے گئے اور کوئی نہیں کہتا پھر وہ" (منافق بچانہ سکے) "بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس لیے اس نے ان پر قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب ڈالا اس پر گردا گرد آگ لگی۔ بنی نضیر کی گروہی کا شعلہ جب مسلمانوں نے اس میں آگ دی خدا کے قہر کا شعلہ تھا جو دور سے لپٹیں مارتا تھا۔ ۱۲ صراح

اس میں کسی کی بات بھی نہ مائیں گے اور جو تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور مدد کریں گے۔ مضبوط رہو۔ یہ سردار منافق کا کلام تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطور پیشین گوئی کے نہایت تاکید سے فرماتا ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ہرگز ہرگز کوئی بات بھی ان دونوں میں سے نہ کریں گے لٰئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ اِغْرِهٖ تَوٰانُكَ لَے گئے تو ان کے ساتھ آپ نہ نکلیں گے۔ وَلٰئِنْ قُوْتِلُوْا لَاحِ اُكْرٰن سَے لڑائی ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور بالفرض مدد بھی کی تو شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر کبھی غلبہ نہ پائیں گے۔

پیشین گوئی: اس پیشین گوئی کی پوری تصدیق ہوئی۔ بنی نصیر سے نوبت جنگ آئی ان کی گڑھی کا محاصرہ ہوا اس کے بعد وہ عرب سے نکالے گئے مگر منافقوں پر وہ رعب غالب آیا کہ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکے نہ ان کے ساتھ آپ جلا وطن ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام کی خبر کو جھوٹا کرنے کے لیے ان کے لیے بڑا موقع تھا کہ کچھ مدد کرتے یا دس بیس کوس دو چار روز کے لیے نکل جاتے مگر خدائے قادر کب تکذیب کرنے دیتا یہ بھی منجملہ اخبار بالغیب کے ایک پیشین گوئی تھی جو صادق ہوئی۔ اعجاز قرآن و نبوت کی کھلی دلیل ہے۔

اس خلاف وعدگی کا سبب بیان فرماتا ہے لَا اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً اِلٰی سَے یہ منافق اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جس قدر اے مسلمانو! تم سے ڈرتے ہیں، بے سمجھ لوگ ہیں۔ بندہ کا کیا ڈر، اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کے قبضہ قدرت میں ہر بات ہے۔ جو قوم اللہ سے ڈرتی ہے اس سے سب ڈرنے لگتے ہیں ان پر پھر کسی کا خوف غالب نہیں آتا۔ یہی شجاعت کا اصل اصول ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔ اب رہے یہود وہ بھی بزدل ہیں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے مگر گڑھیوں میں بیٹھ کر اور شہر پناہوں کی آڑ میں۔ ہاں آپس میں خوب لڑتے ہیں۔ ظاہر میں موافق اور باطن میں باہم مخالف یہ بد عقل ہیں۔ افسوس یہی خصلت آج کل ہم مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُوا وِبَالٍ اَمْرِهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اَكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بِرِیْسٍ مِّنْكَ

اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا اَنْهُمَا فِی النَّارِ خَالِدٰیْنِ

فِیْهَا، وَذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۷

ان کا حال تو پہلوں جیسا ہی ہے کہ جنہوں نے اپنے کام کی سزا پائی ہے اور ان کو (آخرت میں بھی) سخت عذاب ہے (اور) مثال شیطان کی سی ہے وہ آدمی سے کہتا ہے کہ تو منکر ہو جا پھر جب وہ منکر ہو جاتا ہے (اور مدد مانگتا ہے) تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ جو تمام جہان کا رب ہے۔ پھر ان دونوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ستمگاریوں کی یہی سزا بھی ہے۔

ترکیب : کتھیہ منکم قریبا ای استقروا من قبلہم اذ ذاقوا وبال امرہم قریبا ای عن قریب فکان عاقبتہما مرقء بالصب علی الخمر وانہما فی النار وبقراءہ بالکس وخالدین حال حسن لما کر الظرف وبقراءہ خالدان علی انہ خبران، ابن الصائغ۔

تفسیر : یہودی بنی نصیر نے اپنی نالائقی کی ایسی سزا پائی جیسا کہ ابھی ان سے پہلے لوگ اپنے افعال بد کا وبال اور سزا پانچے ہیں۔ دنیا میں اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ ان بنی نصیر سے پہلے تھوڑے دنوں آگے کون لوگ آسمانی تازیانے سے پٹے تھے؟ مجاہد کہتے ہیں مشرکین مکہ تھے جو بدر میں قتل اور قید ہوئے بنی نصیر کے واقعے سے پہلے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے،

بعض کہتے ہیں یہود بنی قریظہ کی سزا کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کو ایسی سزا ہوئی جو تھوڑے دنوں آگے بنی نصیر کو ہوئی تھی بنی نصیر کے دو برس بعد یہود کے دوسرے قبیلے ہرجس کو بنی قریظہ کہتے تھے اور وہ بھی مدینے کے قریب رہتے تھے ان کی بد عہدی سے آفت ہوئی۔
 كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اَخَذَ مَدِينَةَ الْمَدِينَةِ فِي مَنَاقِبِ يَهُودِ بْنِ نَصِيرٍ كَوْحُضْرَتِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَ مَقَابِلِے مِیْ جُھوئی باتوں کے گھمنڈ پر ابھار رہے تھے اور وہ کجخت ان کی باتوں میں آ کر خراب ہوئے اس کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ یہود بنی نصیر کے بہکانے کی مثال ایسی ہے کہ جب شیطان آدمی کو کافر بنادیتا ہے اور جب بہکا چکتا ہے تو شیطان آپ الگ ہو جاتا ہے اور الٹی ملامت کرنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح منافق بہکا کر الگ ہو گئے اور جب ان پر آپڑی تو انہیں کو برا بھلا کہنے لگے۔ انجام کار شیطان اور اس کے بہکے ہوئے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور ظالموں کی سزا بھی یہی ہے۔

یہ ایک بڑی عبرت انگیز نصیحت دل پر اثر کرنے والے الفاظ میں انسان کے لیے ہے کہ وہ کسی بہکانے پھسلانے والے کی باتوں میں آ کر برباد نہ ہو، وہ بہکانے والا بوقت مصیبت ساتھ نہیں دیتا، الگ ہو جاتا ہے۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے وہ ہر روز انسان کو بہکا تا اور کفر و بدکاری میں مبتلا کرتا ہے۔ انسان کے اندر قوائے بھیمیہ و شہوانیہ و غصبیہ تین زور آور کلیں ہیں جن تک بذریعہ سرایت شیطان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ اگر مدغیبی کا محافظ نہ روکے تو یہ بد بخت ان میں ناجائز تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی ان تینوں قوتوں کی ناجائز تحریک اور فطری مزک سے دوسری طرف روانگی شیطانی تحریک و تسلیل ہے جس طرح ملائکہ کو ان چیزوں کی اصلاح کے لیے بذریعہ الہام و تلقی رسائی ہے اسی طرح شیطان کو فساد کے لیے اور خود انسانی خیالات فاسدہ جو خلاف فطرت پیدا ہوتے ہیں اور بنی آدم کے بدراہ کرنے والوں کی تائید و تحریک بھی تسلیل شیطانی ہے۔

بعض مفسرین نے كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ کے الفاظ سے چپاں کرنے کے لیے ایک قصہ طول و طویل نقل کیا ہے جس میں برصیصا راہب کے پاس شیطان کا بہ شکل راہب آنا اور ان کو اسماء سکھانا اور بیماروں کا بھیجنا اور ان میں بادشاہ کی لڑکی کا آنا اور برصیصا کا اس سے زنا کرنا اور اس کو قتل کر دینا اور بدنامی دور کرنے کے لیے بمشورہ شیطان اس کا قتل کر کے دہانا اور شیطان کا جاکر خبر دینا اور برصیصا کا دار پر چڑھنا اور اس وقت شیطان کا بامید خاص سجدہ کرنا اور پھر شیطان کا ملامت کر کے غائب ہو جانا اور برصیصا کا حالت کفر میں مرنا نقل کیا ہے جس کا صحیح احادیث سے ثبوت نہیں ہاں کہیں ایسا ہوا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ
أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۹﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ
الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۶۰﴾ لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ
لَرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۶۱﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اور تم ان

جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا) کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے پھٹ پڑا ہوتا۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

تفسیر: اہل سعادت اور اہل شقاوت کا ذکر کر کے اہل سعادت کو ان کے اصول سعادت کی طرف متوجہ کرتا ہے جو دارین میں اس کے لیے کافی ہیں۔ فقال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاصْبِرُوا لِحُكْمِهِ إِنَّهُ هُوَ بَاسِعٌ بِكُمْ وَأَخْرَجَ مِنْكُمْ الْفِتْنَةَ وَلَهُ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ السَّاعَةِ لَوَسَّاسٌ عَلَيْكُمْ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ السَّاعَةِ لَوَسَّاسٌ عَلَيْكُمْ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ السَّاعَةِ لَوَسَّاسٌ عَلَيْكُمْ

کی ظلمات سے نجات پانا۔ علم کی روشنی میں خدا تعالیٰ کی صفات و ذات اور دیگر امور ضروریہ کو واقعی طور پر یقین کر کے توہمات و تخیلات باطلہ کی دلدل سے گزر جانا۔ اس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ جن کو یہ صفت حاصل ہوگئی ہے ان کو ایمان والے کہتے ہیں۔ بس وہ ایمان والوں کو اس پر ثابت رہنے یا اس میدان میں ترقی کرنے کے لیے تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ تقویٰ اللہ سے ڈرنا اور ڈر کر عمدہ اور کارآمد مسائل سعادت حاصل کرنا مضمرات سے بچنا۔ دوسرا حصہ سعادت کا اصلاح عمل و تہذیب اخلاق ظاہری و باطنی ہے۔ اور یہ ایک مشقت کا کام ہے اور نفس پر بڑے جہاد کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس کو ان تاکید الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ فقال وَلَتَنْتَظِرُنَّ نَفْسٌ مَّقْدَمَتِ لِعَذَابِنَا اتَّقُوا اللَّهَ کہ ہر شخص (مکرہ میں تعین ہے) کسی قوم کسی رتبے کا ہو، یہ دیکھے کہ میں نے کل کے لیے یعنی اس جہان کے لیے (جو بہت قریب پیش آنے والا ہے) گویا دنیا اور اس کی تمام زندگی ایک روز ہے اگلا دن اس دوسرے جہان کا ہے گویا بہت ہی قریب ہے، غم کے لفظ میں اس مطلب کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا) کیا بھیجا ہے؟ یعنی کیا توشہ اور کون سا سرمایہ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے تیار کیا ہے؟ اور وہ توشہ تقویٰ ہے اس لیے تقویٰ کرنا چاہیے۔ انسان جب اپنی عمر رواں اور اس کے اندر ملک جاودانی کے لیے توشہ مہیا کرنے کا خیال کرے گا تو قطعاً اس کے تمام توائے باطنیہ میں ایک سخت تحریک پیدا ہوگی اور اس کے بعد جب یہ بھی خیال ہوگا کہ إِنَّ اللَّهَ يُخَبِّرُ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ خبردار ہے ہمارے ہر عمل سے دانف ہے تو اور بھی کوشش اور اخلاص میں سرگرمی کرے گا۔ تقویٰ تمام حسنات و اصول سعادت کا اصل الاصول ہے اس لیے ہر ایک بات یا ہر ایک حصہ کے لیے جداگانہ اتقوا اللہ کا اطلاق ہوا اور بظاہر اس لفظ کو مکرر لا کر نفس غافل کو متنبہ کر دیا۔ اس کے بعد اور بھی سرگرمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ أَن لَّخَ اور ان جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو اللہ کو بھول گئے اور شب و روز اس چند روزہ زندگی کے لیے شہوات و لذات میں ایسے محو ہوئے کہ اللہ کو بھی بھول گئے پھر دیر آخرت کی یاد اور وہاں جانے کا خیال کیا؟ اس لیے اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا یعنی سعادت و حیات جاودانی سے محروم کر دیا اور وہ بدکار لوگ ہیں۔ یہ اہل سعادت کے برابر نہیں ہوں گے۔ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ لَخَ کہ جہنم میں جلنے والے اور جنت میں آرام پانے والے ہرگز برابر نہیں۔ اہل جنت جو ہیں بامراد ہیں اور جہنمی کون؟ یہ بیان نہیں کیا اس کو عاقل سمجھ سکتا ہے یعنی نامراد۔ یہ اصول سعادت جو قوت نظریہ اور عملیہ کے متعلق ہیں سب انسان کو بذریعہ ایک الہام الہی کے پہنچے ہیں جس کا نام قرآن ہے اس لیے سعادت کا دار و مدار قرآن کی پابندی پر ہے۔ لہذا قرآن مجید کی عظمت شان بیان فرماتا ہے فقال لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ لَخَ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے جیسا کہ انسانوں پر نازل کیا ہے تو ہیبت الہی کے مارے پھٹ جاتا۔ یہ تمثیل ہے یعنی باوجودیکہ پتھر سخت اور غیر متاثر ہے اگر وہ عاقل اور قابل خطاب ہوتا اس پر قرآن نازل ہوتا تو وہ خوف کے مارے پھٹ جاتا مگر انسان کی ساخت دل ہے۔ اسی لیے روزِ ميثاق آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے باریکمانت نہ اٹھایا، انسان نے اٹھالیا۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٣٩﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، أَلَمْ يَكُنْ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ

الْمُؤْمِنُ الْمُحْسِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۖ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۷﴾

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۸﴾

بج

اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپے اور کھلے کا جاننے والا وہ بڑا مہربان بہت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا امن دینے والا تمہیں ان زبردست و بادوا اعزت دینے والا ہے۔ اللہ پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اللہ پیدا کرنے والا ایجاد کرنے والا صورت بنانے والا ہے اس کے (بہت سے) عمدہ نام ہیں آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ زور اور حکمت والا ہے۔

تفسیر: اصول سعادت میں سے اعلیٰ حصہ تکمیل قوت نظریہ تھا جس کا اعلیٰ حصہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو علی ما یفنی یقین کرنا تھا۔ اس نے اس کے بعد اپنی ذات و صفات کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ اس کی عظمت ذہن میں آئے اور پھر قرآن کی عزت بھی خیال میں آجائے کہ وہ کس کا کلام ہے؟ اس کا کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں، آسمان کا پتے ہیں، سمندروں کا زہرہ قلاب ہوتا ہے۔ فقال هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی یکتا ہے انتہا طاقتوں والا آسمانوں کا خالق اور ان کو تاننے والا زمین اور اس کے اوپر جو ہیں انہیں پھیلانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں تک ذات حق سبحانہ کا بیان تھا۔ اس کے بعد صفات کا بیان کرتا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پوشیدہ اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے جو بندوں کے نزدیک ظاہر اور جو پوشیدہ ہے سب کو جانتا ہے۔ الغیب بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کے حس بصر سے لے کر حواس خمسہ سے بھی جو غائب ہے اور انسان پر کیا موقوف بلکہ ملائکہ کے بصر بلکہ جمیع مدارک سے غائب ہے وہ بھی غیب ہے۔ عالم ملکوت انسان کا غیب اور لاہوت و جبروت ان سے اوپر والوں کا غیب بلکہ عالم ناسوت ہر ایک پس پردہ چیز کے لحاظ سے مابعد زمینی و مکانی کے سبب یا حس بصر اور اس کے بعد دوسرے حس کے لحاظ سے غیب ہے گود دوسرے کا کہ جس کے آگے حجاب نہیں شہود ہے۔ غیب کے بے شمار پردے بے انتہا اور عمیق گہرائیاں ہیں۔ فرشتوں کے ادراک سے بھی صد ہا چیزیں غائب خدا تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہیں اس کے غیب الغیب پر کسی کو آگاہی نہیں۔ عالم شہود میں آنے والی چیزیں جو مسافت طے کرتی ہوئی آرہی ہیں اور پھر عالم شہود میں رہ کر جو عالم غیب کی بے انتہا وسیع وادیوں کو طے کرتی جاتی ہیں ہزاروں منزل طے کر گئیں۔ یہ سب انسان سے غائب اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ ہر شخص اور ہر قوت ادراک کے لحاظ سے غیب اور شہادت میں اضافی اور اعتباری درجات نکلتے آئیں گے بلکہ غیب و شہادت اضافی ہوگا۔ جس طرح غیب کے مراتب ہیں اسی طرح شہود کے بھی۔ مگر اس کے نزدیک سب عیاں ہے سب کو برابر جانتا ہے۔ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ان دونوں لفظوں کی شرح بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی۔ کسی قدر خلاصہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں رحمت کا مادہ موجود ہے مگر قلت و کثرت تمام غیر تمام دنیا و آخرت کی رحمت مومن و کافر پر رحمت کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ رحمن میں کمال اور پوری رحمت ہے اس لیے بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق عموماً درست نہیں برخلاف لفظ رحیم کے۔ رحمت، مہربانی، عنایت۔ اگر معنی پر غور کیا جائے اور آدمی تھوڑی دیر بھی ان لفظوں کے معنی کا مراقبہ کرے تو معلوم ہو جائے کہ اس کی رحمت کے ہزاروں دریا موجیں مار رہے ہیں بلکہ آسمان و زمین اور جو کچھ اس کی ظاہری اور باطنی نظر میں آئے سب رحمت ہے وجود اشیاء خواہ بعض اشیاء بعض کو بہ لحاظ فوت ہونے کسی منفعت کے رحمت معلوم ہوتی ہو مگر رحمت ہی رحمت ہے۔

اس کے بعد پھر اسی کلمہ تو حید کا اعادہ کر کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ اس کا اعادہ مضمون تو حید کی

تاکید ہے۔ الملک بادشاہ تمام کائنات پر حقیقی سلطنت اسی کی ہے۔ نہ اس کے خزانوں کی کچھ انتہا ہے نہ لشکروں کی تعداد کی۔ دنیا میں بادشاہت اسی کی بادشاہت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے اور پھر سر بیع الزوال جس کو ہزاروں خطرے سیکڑوں وغدغے بغاوت کا ڈر کارکنان سلطنت کی خیانت کا خطر اس پر ارضی و سماوی مصائب کا کوئی مقابلہ نہیں۔ خزان صرف ہو جانے کا اندیشہ سب سے بڑھ کر یہ کہ رعیت کی احتیاج ان کے اموال کی دست گیری برخلاف اس شہنشاہ حقیقی کے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیاوی بادشاہ کو ملک الملوک کہلانا زیب نہیں وہی ملک الملوک ہے۔ وہی خداوند خدا نگاہ ہے۔ الْقُدُّوسُ پاک ہر عیب سے بری ہر بات سے جو اس کو شایاں نہیں کثیر البرکات (بالضم و بالفتح کتر)۔ السَّلَامُ یا تو اس کو سلامتی سے لیا جائے اور اسی سے دارالاسلام و سلام علیکم ہے تب اس کے معنی ہیں ہر نقصان و زوال سے سلامت مصدر ہے مبالغۃً اطلاق ہوا جیسا کہ کسی کو کہتے ہیں رجاؤ غیاث پھر اس میں اور قدوس میں یہ فرق ہے کہ سلام آئندہ نقصانوں سے بری ہونے والا اور زوال پذیر نہ ہونے والا۔ قدوس زبانِ ماضی و حاضر کے نقصانوں سے مبرا۔ یا سلام کے معنی باعثِ سلامتی تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ سلامتی عطا کرنے والا۔ الْمُؤْمِنُ یا امن سے لیا جائے کہ وہ امن دینے والا ایمانداروں کو اور اس کی پناہ میں آنے والوں کو عذاب و بلیات سے۔ یا ایمان سے لیا جائے کہ وہ اپنے انبیاء اور ملائکہ اور احوالِ آخرت کی تصدیق کرنے والا ہے۔ معجزات و آیاتِ قدرت سے۔ الْمُهِمِّنُ۔ خلیل اور ابو عبیدہ کہتے ہیں بیمن یھيمن فھو مھيمن اس کو کہتے ہیں جو محافظ اور نگہبان ہو اور علماء کہتے ہیں مھيمن اصل میں مویمن تھا۔ امن یؤمن سے ہمزہ کو ہاء سے بدل لیا جیسا کہ ارتق ہرتق میں اس کے معنی ہیں مومن کے۔ حسن کہتے ہیں اس کے معنی ہیں امین۔ خلیل کہتے ہیں محافظ۔ سعید بن المسیب وضحا کہتے ہیں قاضی۔ ابن کیسان کہتے ہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے معنی وہی جانتا ہے۔ العزیز عزت والا، غالب قاہر زبردست۔ الجبار فعال کے وزن پر ہے جبر نقصان سے یعنی وہ فقیر کو غنی کرنے والا، ٹوٹے کو جوڑنے والا، نقصان کی جگہ فائدہ دینے والا، بھر دینے والا یا جبر یعنی قہر سے لیا جائے۔ جبار بمعنی قہار مجبور کر دینے والا۔ اس کے کاموں سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ فراء کہتے ہیں فعال افعل سے بجز ان دو جگہ کے نہیں آیا۔ ایک اجر سے جبار دوسرا اور ک سے دراک۔ ابن عباس ^{رضی اللہ عنہ} کہتے ہیں جبار کے معنی ہیں عظیم اور اس کی جبروت اس کی عظمت ہے۔ المتکبر کبر، سکون الوسط کبر یا بزرگی و بزرگ شدن تکبر استکبار بزرگی نمودن (صراح) اس کے معنی ہیں بزرگی والا، اور علو و برتری ظاہر کرنے والا۔ تمام صفات کمال اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو زیبا ہے نہ مخلوق میں سے کسی کو۔ مراد ارشد کبر یا بزرگی۔ کہ ملکش قدیم است و آتش غنی۔ حدیث میں آیا ہے کہ کبر میری چادر ہے جس نے اس کو اختیار کیا گویا میری چادر پر ہاتھ ڈالا۔ سنت اللہ جاری ہے دنیا میں متکبر اور گردن کش اور نخوت شعار ایک روز ضرور سرنگوں کیا جاتا ہے۔ بندگانِ خدا کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ کہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور اللہ کے ساتھ اس وصف میں مشارکت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ اس تکبر سے جو خلق کو حاصل ہے پاک ہے کس لیے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں ناقص ہیں۔ پھر ادعاء کبر نقصان پر اور نقصان ہے۔ هُوَ اللَّهُ الْغَالِقُ کہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ الباری بنانے والا۔ خالق اور باری کے ایک ہی معنی ہیں مگر کسی قدر فرق ہے۔ باری کا استعمال جواہر و اجسام میں ہوتا ہے نہ اعراض میں برخلاف خالق کہ وہ عام ہے۔ دنیا میں اجسام و جواہر یا مواد کسی بندے کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہاں بعض مواقع میں بندہ ترکیب دے دیتا ہے جس کے بعد ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گارے میں کہہاں تصرف کرتا ہے، آبخورے پیالے بناتا ہے۔ المصہوم بلکہ حقیقی طور پر صورت بھی وہی بناتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو کوئی کسی ذی روح کی تصویر یا صورت بناتا ہے قیامت کو حکم ہوگا کہ ان میں جان ڈالے مگر نہ ڈال سکے گا، عذاب ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ اس کام میں خداوندی فعل کی نقالی ہے، بت پرستی کا بھی

سامان ہے اس لیے شرح محمدی میں حرام کر دیا گیا۔ یہ چند اسماء بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے: **لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ** اس کے اور بھی نیک نام ہیں **يُسَبِّحُ لَهُ مَلَائِكَةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** آسمانوں اور زمین میں اس کی تسبیح و تہلیل ہوتی ہے۔ **وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** اور وہ زبردست بھی ہے اس کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔

امحاث : (۱) ولہ الاسماء الحسنیٰ اس کی بابت ہم بحث کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بے شمار صفات حمیدہ ہیں ہر صفت کے لحاظ سے اس کا ایک نام ہے جس سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور حدیث میں جو ننانوے نام آئے ہیں ان میں حصر نہیں۔ امام ابو موسیٰ اشعری وغیرہ اہل سنت کے اکابر کہتے ہیں کہ اسمائے الہی توقیفیہ ہیں کہ جس قدر شارع کی طرف سے اسماء کا اطلاق اس پر وارد یا جائز ہوا ہے انہیں پر بس کرنا چاہیے گو اس کا ہم معنی لفظ آیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بت پرست قوموں نے اپنے ادہام باطلہ سے مخلوقات کے کبراء پر قیاس کر کے خدا تعالیٰ کے نام بنائے ہیں جن سے صفت نامرضیہ کا ثبوت ہوتا ہے یا وہ نام کسی خاص وجہ سے جیسا کہ اشتراک بالہ باطلہ عند اللہ مکروہ ہیں بہر طور اس باب میں شرع نے وسعت نہیں دی۔ مگر معتزلہ و قاضی ابوبکر قلاتانی کہتے ہیں اگر اس نام کے معنی میں کوئی قباحہ نہیں اور عقلاً اس صفت سے خدا کا اتصاف جائز ہے تو اس کا اطلاق ذاتِ باری پر عقلاً ممنوع نہیں۔

(۲) کیا اسماء میں کوئی جداگانہ خاصیت یا تاثیر رکھی گئی ہے؟ حکماء کہتے ہیں کہ صرف یہی تاثیر ہے کہ ان معانی کے تصور سے جو ان اسماء سے مستفاد ہوتے ہیں دل پر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے مگر محققین نے اس کے سوا اور بھی تاثیر ثابت کی ہے یہاں تک کہ حروف مفردہ میں جداگانہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اثر رکھا گیا ہے جیسا کہ ادویہ میں اور پھر ان سے مرکب نام میں خواہ وہ کسی کا نام ہو۔ ایک نیک بد شخص یا سعد اثر ہے اور پھر اس تاثیر یا ظہور کے لیے شروط ہیں جن کے بعد قطعاً اثر ظاہر ہوتا ہے پڑھنے سے بھی اور ان کو لکھ کر پاس رکھنے اور باندھنے سے بھی بلکہ ان کے اعداد بقاعدہ فنِ تفسیر لکھنے سے بھی جس کا صد بار بار تجربہ ہوا ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ راقم الحروف ورم طحال تاپ تلی کے لیے چند اسماء لکھ کر دیا کرتا ہے صد بار بار تجربہ ہوا ہے کہ مرض جاتا رہا اور جب شرط میں خلاف ہوا اثر نہ ہوا یا ان اسماء کی جگہ دوسرے بدل دیے گئے پھر بھی اثر نہ ہوا۔ میں تجربہ کر سکتا ہوں اور بعض لوگ موجود ہیں کہ جن پر تجربہ ہوا۔ یہ تاثیر کچھ ان اسماء کے مسمیات کے روحانی تصرفات پر موقوف نہیں بلکہ جن اسماء کے کچھ معنی بھی نہیں اور نہ ہم کو ان کا حکم ہے نہ ان کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے ان کے مسمیات سے استمداد و مستغنائت کا تو کیا ذکر ان میں بھی اثر ہے اور یہ اثر کچھ عربی یا فارسی الفاظ پر موقوف نہیں مگر جس صورت میں کہ وہ اسماء منزل من اللہ ہیں اور ان کے معانی قلب میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے مسمیٰ کا روحانی اور علوی اثر عظیم بھی ان کے ساتھ مربوط ہے ان کے اثر میں کوئی شبہ ہی نہیں دفع مرض رزق کی فراخی، نجات آخرت، فتح اعداء وغیرہ میں قرآن مجید کے الفاظ میں یہ اثر ضرور رکھا گیا ہے اسی لیے جو معنی پر واقف ہوئے بغیر بھی تلاوت کرتے ہیں تنویر قلب اور حل مشکلات میں بے حد اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے احادیث صحیحہ میں بعض بعض سوریا اسماء کے جداگانہ اوصاف آئے ہیں چنانچہ سورہ حشر کی ان اخیر آیات کی بابت **هُوَ اللَّهُ الَّذِي سَعَىٰ** سے آخر تک ترمذی و دارمی رحمہما اللہ نے یوں روایت کیا ہے کہ جو شخص اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم پڑھ کر یہ تین آیت صبح کو تین بار پڑھے گا تو اس کے لیے ستر ہزار (یعنی بہت سے) فرشتے مقرر ہوں گے کہ اس کے لیے دعائے خیر کریں اور جو اس روز مرے گا تو شہید مرے گا اور جو شام کو مرے گا وہی بات پیدا ہوگی۔ ترمذی رحمہما اللہ نے کہہ دیا کہ یہ حدیث غریب ہے جو خاص ایک سند سے ثابت ہے۔

اسماء کی تاثیرات کی بابت قدیم زمانے سے حکماء اشراقیین کا اور خصوصاً اہل ریاضت کا یہی اعتقاد تھا اور اس کا ایک خاص علم تھا حکماء مصر و ہند وغیرہ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ فن بہت مخفی کیا جاتا تھا۔ اشاروں اور رموز میں لکھا جاتا تھا اس لیے شدہ شدہ تلف ہو گیا اور لوگوں کے بخل نے اور بھی اس کو خاک میں پنہاں کر دیا۔ قدمائے یہود میں جو حجر بابل یا نقوش سلیمانی کے آثار عجیبہ مشہور تھے وہ اسی فن سے

متعلق تھے اسی طرح قدمائے ہندو ہوم اور گیگ کرنے میں منتر پڑھا کرتے تھے دفع بلاء و نکست اعداء کے لیے یہ ان کا قوی ہتھیار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ سہی مگر عالم کے کارخانے اور اسباب تمدن و تدبیر ترقی ان باتوں پر کچھ بھی وابستہ نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کچھ بھی توجہ نہ کی بلکہ عالم اسباب کی تدبیر کا اثر عملی و قوی طور پر ثابت کر دیا۔ ان باتوں کے پابند یا بھیک مانگا کرتے ہیں یا جہلاء خصوصاً عورات کو دام تزویر میں پھنسا کر پیٹ پالتے ہیں۔ ہندو فقیر اور مسلمانوں کے پیرزادے اور سیانے تو اسی درطہ ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں خیالات سے بادشاہوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں، افلاس آیا، تجارت و حرفت سے محروم رہے۔ بہت سے سادہ لوگوں کو دیکھا گیا کہ تدبیر عالم اسباب یا توکل کو تو چھوڑ دیا گیا اور صد ہا تعویذ لٹکا رہے ہیں بچوں کو سوانگ بنا رکھا ہے۔ صبح شام چھو چھو ہوری ہے مگر ہوتا خاک بھی نہیں۔ ہندو قوم اس بلا میں سب سے زیادہ گرفتار ہے۔ معاذ اللہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ
بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ
أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ ۖ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ
وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ① إِنْ يَتَّبِقُواكُمْ يَكُونُوا
لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا
لَوْ تَكْفُرُونَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ يَفْصِلُ
بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلتے ہو تو ان کو

مبجلہ اسباب تنزل کے ایک سبب یہ بھی ہوا کہ مزدوری نہیں کی جاتی۔ تجارت نہیں کرتے، صنعت و حرفت نہیں سیکھتے۔ کرتے کیا ہیں دست غیب کی تلاش میں سامنے باداموں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ ترک حیوانات سے رات دن مشقت اٹھائی جاتی ہے مگر حصول کچھ بھی نہیں اگر ہر ایک کے ساتھ یوں ہوا کرے تو نظام عالم بگڑ جائے اسی طرح کیا کیا تلاش میں گھر پھونک دیا تا جبروں کے گھروں میں چاندی سونے کا ڈھیر ہے۔ اس کجخت کے ہاں راہ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ نزارن تلاش کرتے کرتے دیوانہ ہو گیا۔ رمل و جفر و نجوم والوں سے دریافت کر کے غیب کے آئندہ مصائب دفع کرنے میں کوشش ہو رہی ہے حالانکہ رمال و نجومی آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ فقراء کا لباس پہن کر گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا اور لوگوں کو مرادیں دیتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بدقابلی کے

دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے رستے سے بہکا اگر وہ تم پر قابو پائیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی سے دراز کریں اور چاہتے ہیں کہ کہیں تم کافر ہو جاؤ تمہاری رشتہ داری اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ قیامت کے دن وہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور تم جو کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : تلقون الخ حال من ضمیر الفاعل فی تتخذ واوصفت لاولیاء واستیناف والباء زائدة وقد کفروا الخ حال من فاعل تلقون وقيل من فاعل لاتتخذوا یخرجون الخ حال من فاعل کفروا واستیناف مبین لکفرهم وصیغۃ المضارع لاتتخذوا الصورة۔ ان تو منوا مفعول لہ معمول یخرجون ان کنتم جواب محذوف دل علیہ لاتتخذوا۔ اجہاد مصدر فی موضع الحال او معمول فعل محذوف دل علیہ الکلام تسرون تو کید لیتلقون بکنریر معنوا وانا اعلمہ حال وقيل العلم مضارع والباء مزیدۃ ما موصولة او مصدر۔

تفسیر : سورہ حشر میں منافقوں کی بدسیرت کا بیان تھا جس سے حذر کرنا چاہیے۔ اب اس سورہ میں منافقانہ سیرت کی مذمت کرتا ہے۔ اور اس سورہ کی شان نزول میں بخاری رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ صحابی بدری نے ایک عورت کو جو مدینے سے مکہ واپس جا رہی تھی مشرکین مکہ کے نام ایک خط دیا جس میں اظہار محبت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار تھا کہ حضرت ﷺ تم پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں ہوشیار رہو۔ وہ عورت خط لے کر نکل گئی۔ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ وزیر و مقداد رضی اللہ عنہ کو دوڑایا کہ ایک عورت فلاں باغ کے پاس ملے گی اس کے پاس حاطب کا خط ہے وہ لے آؤ اور عورت کو جانے دو۔ یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے اسی باغ کے پاس عورت کو جا لیا۔ اس سے خط مانگا وہ مکر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار سے ڈرایا تو خط بالوں میں سے نکال کر دیا۔ یہ لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور خط دکھایا اس نے سچا عذر کر دیا کہ میں نے دین سے برگشتہ ہو کر یہ کام کیا نہ مشرکین کی محبت سے۔ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی کے میں قربت دار ہے جو اس کے عیال اطفال کی نگہبانی کرتا ہے میرا وہاں کوئی بھی نہیں اس لیے یہ خط لکھا کہ اس کے سبب مشرکین میرے عیال و اطفال کو نہ ستائیں اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حکم ہو تو اس منافق کی گردن مار دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے اور اہل بدر سچے خدا نے بدریوں کے حق میں کہہ دیا کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

یہ کام خدا کے نزدیک ناپسند تھا۔ ان آیات میں اس محبت اور مودت کو ناپسند کرتا ہے کہ ان سے دوستی اور یارانہ نہ کرو، اگر میری رضامندی مطلوب ہے کیونکہ وہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں۔ اگر قابو پائیں تو تم پر ہاتھ اور زبان سے نہ چوکیں اور تمہیں کافر بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور تمہاری رشتہ داری اور اولاد قیامت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے تم یہ ناپسند باتیں کر رہے ہو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا الْقَوْمِ مِنْهُمْ

إِنَّا بَرَّأؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّثَكُمْ إِلَّا

قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا اسْتَغْفِرُ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ وَاعْفَرْنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُواْ اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی عمدہ چال چلتی چاہیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے قائل نہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے دشمنی اور کاوش پیدا ہوگئی۔ جب تک اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کی اس بات میں پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ سے کہی تھی کہ میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں (اور یہ بھی کہا تھا) اے رب! ہم نے تجھ پر بھروسہ کر لیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کھڑا ہوا ہے۔ اے رب! ہم کو کافروں کے ہاتھ نہ ڈالو۔ اے ہمارے رب! ہم کو بخش دیجو تو جو ہے تو زبردست حکیم ہے۔ البتہ تم کو انہیں کے اچھے طریقے پر چلنا چاہیے اس پر وہی چلے گا جو اللہ اور قیامت کے دن کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہو اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا بخوبیوں والا ہے۔

ترکیب : فی ابراہیم الخ صفة ثانیة لاسوة اوخبر لكانت ولكم بیان احوال من استكن فی حنة اوصلته لھاذا قالوا الضمیر كان براء جمع برئ كظریف وظریف قرئ براء بالکسر مثل ظراف بالفتح اسم مصدر مثل سلام والتقدير انا ذو براء۔ الا قول استثناء منقطع من قوله تعالى اسوة حسنة فان استغفار ابراہیم علیہ السلام لابیہ وان كان جائزا قبل النھی عنه لکن یس ان یوشی بہ لمن كان بدل من لکم۔

تفسیر : کفار کی محبت و مودت سے دوسرے پیرائے میں منع کرتا ہے فقال قد كانت لکم اسوة حسنة فی ابراہیم والذین معہ کہ اے مسلمانو! تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ان کا عمدہ طریقہ اور بہتر رویہ تمہارے لیے قابل اقتداء ہے۔ پھر ان کے عمدہ طریقے کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کیا تھاذا قالوا لغوهم انا براءوا منکم الخ کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں نے اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں یعنی تمہارے معبودوں اور ان کی نسبت جو کچھ تمہارے اعتقاد ہیں کہ وہ نفع و ضرر کے مالک ہیں ہم اس کے منکر ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے وید ابیننا و بینکم العداوة الخ کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کو دشمنی اور بخشش پیدا ہوگئی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

کفار سے دوستی رکھنا حرام ہے:

نبیوی اور باطل کے بادشاہ اور ان کی قوم اور سردار بت پرست تھے صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیچھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی ایمان لاتی تھی اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ تھی۔ اس نیکی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ یہ جو انوردی محض اس قادر مطلق کے بھروسے پر تھی۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیم کی پیروی کرنی چاہیے۔ مشرکین تمہارا کیا کر سکتے ہیں کس لیے ان سے محبت رکھتے ہو، برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟ مسلمان کے سچے ایمان اور خدا تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضی ہے کہ اس کے دشمنوں، بددینوں، ملحدوں پر قولا و فعلا تسخر کرنے والوں سے قطع کر دے۔ ان سے محبت اور یگانگت اور دنی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ ہاں خوش خلقی اور حسن معاشرت کی ممانعت نہیں یہ اور بات ہے۔ الاقول ابراہیم علیہ السلام ہاں اس بات میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی کہ میں خدا سے ضرور بخشش مانگوں گا حالانکہ مجھے اس کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں (ابراہیم علیہ السلام ساغیر اپنے باپ کے حق میں یہ بے اختیاری ظاہر کرے پھر وہ بزرگ زادے جو اپنے بزرگوں کے

طریقے پر نہیں کس طرح بھروسے پر نجات کا بیڑا اٹھاتے ہیں) پھر آگے ابراہیم علیہ السلام کی مناجات ہے جو اس وقت اپنے رب سے کی تھی کہ رَبَّنَا عَلَيْنِكَ الْإِخْلَافُ! تجھ پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر جاتا ہے۔ ہم کو کافروں کے ہاتھ میں ڈال کر اور آزمائش نہ کر اور ہم کو بخش دے تو جو ہے تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے کفار کی تکلیف سے بچایا اور جو کوئی ایسا کرے اس کو بچاتا ہے۔ الغرض کافر باپ کے لیے بخشش مانگنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرو اور سب باتوں میں کرو اگر اللہ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید ہے اور جو اس بات کو نہ مانے اور کفار و فجار سے دوستی رکھے تو اللہ کو بھی اس کی پروا نہیں۔ یہ سخت تہدید کا کلمہ ہے۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوْدَّةً ۖ وَاللَّهُ قَدِيرٌ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ④ لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ
وَلَمْ يَخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ ⑤ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ
وَآخَرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوهُمْ ۚ
وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ⑥

شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تم کو دشمنی ہے دوستی قائم کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا کہ جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیکی کرو اور انصاف سے پیش آؤ کہ لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تم کو اللہ منع تو انہیں سے کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے۔ اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی کہ ان سے دوستی کرو اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں۔

تركيب : الله فاعل عسى أن يعجل الجملة خبر هامدة مفعول ليجعل ان تبرؤهم في موضع جر على البدل من الموصول بدل البعض ويتقسطوا معطوف على تبرؤ منصوب بان ان تولوهم بدل من الموصول (الذين) بدل الاشتمال اى تنهكهم ان تولوهم.

تفسیر : پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ملاپ سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بالکل ترک کر دیا اور اس حکم کی پابندی میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ حسن معاشرت کے قانون سے تجاوز ہو گیا۔ چنانچہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس مکے سے اس کی ماں آئی اس وقت کہ قریش میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاہدہ قائم ہو گیا تھا۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے اپنی مشرکہ ماں کو گھر میں بھی نہ آنے دیا نہ اس کے تحفے قبول کئے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں مشرکہ ہے کیا میں اس سے سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، اس سے سلوک کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر لیا تھا کہ ہم آپ پر چڑھائی نہ کریں گے نہ آپ کے برخلاف کسی کو مدد دیں گے۔ خیر کوئی واقعہ ہو مگر یہ آیات اس افراط کے روکنے کے لیے نازل ہوئیں جن کا خلاصہ ایک

درمیانی برتاؤ اور اعتدال کی کاروائی ہے۔ فقال عسی اللہ الخ کہ شاید خدا تم میں اور تمہارے دشمنوں کا فروں میں دوستی کر دے۔ اب اتنا نہ بڑھو کہ حسن معاشرت اور مکارم اخلاق سے بھی گزر جاؤ کہ پھر دوستی ہو جانے کے بعد شرمندہ ہونا پڑے۔ اسی جگہ سے عقلاء نے کہا ہے کہ دشمنی کے وقت اس بات کو بھی لحاظ رکھ کر دوستی ہو جانے کے بعد کسی نامناسب بات پر ندامت نہ اٹھانی پڑے اور دوستی میں بھی دشمنی کے زمانے کو خیال کرے کوئی ایسی بات اس کے ہاتھ میں نہ دے کہ دشمن ہو جائے تو تجھے مشکل پڑے۔

وَاللّٰهُ قَدِيرٌ اللہ اس بات پر قادر ہے اور تمہاری افراط و تفریط کے لیے غفور رحیم ہے۔ اور شاید ملاپ کی ممانعت سے مسلمانوں پر عزیز و اقارب کا کلیہ ترک کرنا شاق بھی گزرا ہو جیسا کہ انسانی طبیعت کا مقتضی ہے۔ مگر جب وہ لوگ اس حکم کے امتحان میں پورے نکلے تو خدا نے آئندہ دوستی قائم ہونے کا مژدہ بھی سنا دیا اور اس میلان قلبی کی معافی بھی کر دی بقولہ۔ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اس بشارت کا جلد ظہور بھی ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد جس سے لڑائی تھی شیر و شکر ہو گئے۔ پھر اس امر میں یہ امتیاز کر دیا۔ لَا يَنْفِكُ كُمْ کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں نہ انہوں نے تم کو گھروں سے باہر کیا ان سے احسان و انصاف کرنے کی اللہ تعالیٰ ممانعت نہیں کرتا۔ احسان و انصاف ان سے کرو، مگر دوستی و محبت اور چیز ہے وہ نہیں۔ اور جنہوں نے تم سے لڑائی کی، گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد کی جیسا کہ قریش مکہ اور ان کے حلیف قبائل ان سے دوستی کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ قولی۔ دوستی باکسے کردن (صراح) احسان اور عدل کرنے کی بابت ان لوگوں سے کچھ نہیں فرمایا۔ اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ ان دشمنوں سے اس کی بھی ممانعت ہے۔ آیت کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ یہ لوگ حربی کہلاتے ہیں۔ ان سے بجائے مقابلے کے اور کیا کیا جائے اور احسان و سلوک کفار میں سے صرف ذمیوں کے ساتھ درست ہے جو اسلام کے ذمے یا عہد میں داخل ہوں جیسا کہ عرب میں قبیلہ خزاعہ تھا۔

فوائد : (۱) عسی اللہ الخ ایک بشارت اور پیشین گوئی تھی جس میں ضمناً اسلام کی ترقی اور اس کے غلبہ کی طرف اشارہ تھا کس لیے ان صادق الہی اسلام کی ان کفار سے دوستی ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ یا وہ کفار مسلمان ہو جائیں یا مغلوب ہو کر اسلام کی ماتحتی اختیار کر لیں۔ اس آیت کے نزول کے تھوڑے زمانے بعد اس کا ظہور کامل طور پر ہوا۔ مکہ اس کے بعد فتح ہوا۔ وہاں کے کفار جو مسلمانوں کو محض اسلام کے لیے تکلیف دیتے تھے، مغلوب ہوئے اور اسلام لائے پھر کیا تھا بھائی بھائی تھے۔ اس سے پہلے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اقارب میں دینی عداوت تھی پھر وہی محبت ہو گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو قہر کی نظروں سے دیکھتے تھے پھر ایک ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس صبر و برداشت و فرمان برداری کا یہ نتیجہ خدا نے دکھایا۔ اس کے فرمان کے موافق اقارب سے یلکھت بریگائی ہو گئی تھی۔

(۲) دنیا میں اسلام کا آنا ایک تغیر عظیم تھا اس کے مقابلے میں اس کے تین دشمن کھڑے ہوئے۔ اول کفر و بت پرستی کیونکہ اس کی تو اسلام نے دنیا میں ظاہر ہوتے ہی ختم کنی کی۔ مکے کے قریش جو مسلمانوں کے قرابت دار اور بھائی بند تھے سب سے اول مقابل ہوئے اور بڑی بے رحمی اور بے مروتی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مار پیٹ، گالی گلوچ، قتل و ضرر رسائی کا کوئی دقیقہ ان غریب مسلمانوں سے اٹھا نہیں رکھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان وطن عزیز سے نکال دیے گئے جو سب مدینے میں آج جمع ہوئے۔ دوسرا قیہ عیسائیت تھی جو نہایت بد نما اور مہیب صورت میں ظاہر ہو رہی تھی اور ایک ایسے بیمار کی حالت میں تھی کہ جس میں صدمات امراض نے گھر کر لیا ہو یہ بھی مقابل ہوئی اور شام کی سرزمین پر اس میں اور اسلام میں آخر کشت و خون کی نوبت پہنچی اور پھر قرون تک دونوں دنیا کے اکھاڑے میں لڑتے رہے اور قیامت تک لڑتے رہیں گے۔ تیسرا دشمن اور بغلی گھونسا یہودیت و مجوسیت تھی۔ آخر کار اسلام کے دل کش نظاروں نے دنیا کو اپنے اوپر فریفتہ کر ہی لیا اور یہ کشش اسلام کو اب بھی جہاں نیا عمل دخل کرتا ہے پیش آتی ہے اس لیے اس کے مخالفوں کے برتاؤ کے لیے خدائے پاک نے ان آیات میں دستور العمل قائم کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۳) اسلام کے غیر لوگ دوطرح کے ہوتے ہیں۔ قسم اول جو اس سے مقابلہ نہیں کرتے اور نہ اس کی ایذا و ضرر رسانی میں سعی کرتے ہیں اب عام ہے کہ وہ اس کے ذمے یا عہد میں بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ صلہ رحمی حسن سلوک انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ اسلام کی فیاضی و ہمدردی ایسے کافروں پر بھی ہے اور ان میں سے اہل ذمہ کو تمدنی حالت میں کسی طرح بھی کم نہیں سمجھا گیا۔ دوسری قسم وہ ہیں جو اس سے مقابلہ کرتے ہیں، تکلیفیں دیتے ہیں، قتل و ضرب کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے جو ان کے امکان میں ہو جیسا کہ قریش مکہ تھے۔ اب ایسے لوگوں کے ساتھ وہ مذہب (جو دنیا میں سلطنت و شوکت کے لباس میں جلوہ گر ہوا ہو اور خدا تعالیٰ کے ان سخت وعدوں کا ایفا جو اس نے سرکشوں کے لیے کیا تھا اسی کی شمشیر آبدار کے قبضے سے بندھا ہوا ہو) کیا کرے گا؟ مقابلہ اور اپنی قوت کا اجتماع۔ اجتماع قوت اعوانیہ کا یہ پہلا اصول ہے کہ مخالفوں سے یکسوئی اختیار کریں تاکہ ان پر اثر پڑے اور انتخاب صادق ہو کر ایک لشکر قہار تیار ہو جائے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی، اللہ یادِ آخرت میں خسارہ ہوگا۔

حکم تو یہ تھا مگر اس کو کس عمدہ عبارت میں ادا فرمایا ہے اور لفظوں میں دوسرے مطالب کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا۔ اول تو کفار کے ساتھ جو قسم اول ہی کیوں نہ ہو سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہہ دیا لَا يَنْهٰكُمْ اللّٰهُ تَمَّ كُومُخَ نَہِیْسَ كَرْتَا، اجازت و رخصت دیتا ہے تاکہ کفر کی ذلت اس عارضی صلح و ذمہ سے مٹ نہ جائے۔ دوم اَنْ تَبْرُوْهُمْ وَتَقْسِطُوْا اَفْرَايَا كَنِیْکِیْ اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جس سے یہ نکلا کہ دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔ سوم قسم دوم کے کفار کے لیے یہ فرمایا کہ ان سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے۔ نیکی و انصاف کا ذکر چھوڑ دو تاکہ دونوں پہلو ملحوظ رہیں۔ کفر و عداوت پر غور کیا جائے تو ان سے بجز جنگ اور جواب ترکی بہ ترکی کے اور کچھ نہ کیا جائے تاکہ دنیا سے کفر کا جھنڈا اکھڑے اور جو ان میں سے کسی کی حالت زار فقر و فاقہ و مصیبت پر خیال کیا جائے تو نیکی اور حسن سلوک کر دو، بھوکے کو کھانا کھلا دو، ننگے کو کپڑے پہنا دو، تمہاری عدالت میں ان کا جھگڑا آئے تو انصاف کرو۔ چہارم قَتْلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ میں مسلمانوں کو جوش مذہبی دلایا۔ وَاخِرُ جَوْكُمُ الْخِیْسِ جُوشِ عَصِیْبَتِ وَحَمِیَّتِ وَغِیْرَہ كُودُو بِالَا كَرْدِیَا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَاْمْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ
أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ
حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ وَأَتُوهُنَّ مِمَّا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفَرِ
وَسَئِلُوا مِمَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۚ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ① وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مِمَّا أَنْفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

اے ایمان والو! جب کہ تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کرلو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم جان لو کہ وہ ایماندار ہیں تو ان کو کافروں کی طرف نہ بھیجو۔ نہ یہ عورتیں ان کو حلال ہیں نہ وہ کافران عورتوں کو حلال ہیں۔ اور ان کافروں کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور تم پر ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کے مہر دے چکواور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لیے صادر فرمایا۔ اور اللہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی چلی جائے کافروں کی طرف پھر تمہاری باری آجائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو کہ جن کی بیویاں چلی گئیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ترکیب : مهاجرات حال من المؤمنات فامتحنوهن جواب راذا۔ اللہ اعلم جملۃ معترضہ مؤمنات مفعول ثان لعلمتم من مفعول اول فلا ترجعوهن الجملۃ جواب الشرط لاهن الجملۃ فی موضع التحلیل لقوله فلا ترجعوا ولا تمسکوا من وقرء ابوہریرہ و یعقوب بالتشدید والاخرین بالتخفیف بعصم جمع عصمتہ وہی ما یختص بہ من العقد والنسب والعہد والراد بہنہا النکاح الکوافر جمع کافران فانکم ای سبقتکم وانفلت منکم شیء فاعل فانکم من اذواجکم بیان لشیء وایقاع شیء موقعہ للتخفیر والا شایع فی التعمیم اوشیء من مہور ازواجکم۔ فعاقبتمہ ای فجاءت عقیبتکم ای نوبتکم من اداء المہر۔ شبہ الحکم باداء ہولاء مہور اولئک تارۃ واداء اولئک مہور نساء ہولاء تارۃ بامریتھن فیہ کما یجاء فی الرکوب وغیرہ قال البردفاعتہم ای فعلتم ما فعل بکم یعنی ظفرتم وھون تو لک العقی لفلان ای العاقبۃ ومعنی العاقبۃ الکرة الاخیرۃ وقال ابن عباس وسروق ومقاتل معنی عاقبتہم غمزتم وغزوا بعد غزوہ وکانت العقی والغلا یطکم وقیل اصبتہم الکفار فی القتال یعقوبہ شیء غنمتہم۔ قرئ حمید الاعرن فعتبتہم بالتشدید قرء الزہری بالتخفیف بغير الف وقرء مجاہد فاعتبتہم ای صنعتہم ہم ماصنوا بکم۔ فہو معطوف علی فانکم فی جز الشرط فاتوا الخ جوابہ مثل مفعول ثان فاتوا۔

تفسیر : دشمن اسلام تین قسم کے تھے۔ اول وہ کہ ان کی دشمنی ہنوز باقی تھی۔ دوم کہ جن کی دشمنی دور ہو جانے کی امید تھی۔ سوم وہ کہ ان کی دشمنی جاتی رہی تھی اور وہ مطیع اسلام ہو گئے تھے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ان کے احوال بیان فرما کر ہر ایک فریق سے اس کے مناسب معاملہ کرنے کا حکم دیا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ الخ۔ میں اول قسم کے کفار کا حکم دیا کہ ان سے بالکل ترک کرنا چاہیے اور دوسری قسم کے لوگوں کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا۔ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوْدَّةً کہ ان سے ایک روز دوستی ہو جائے گی۔ حسن معاشرت سے پیش آؤ۔ تیسری قسم کے کفار کا حال اور حکم ان آیات یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ میں بیان فرماتا ہے کہ اب جو کفار میں اور تم میں بمقام حدیبیہ صلح ہو گیا ہے وہ دشمنی تمام ہو گئی ان سے عدالت و انصاف کی کارروائی کرو جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ بمقام حدیبیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا اور سہیل بن عمرو کفار کی طرف سے عہد نامہ لکھ رہا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ ہمارا جو کوئی اے محمد (ﷺ)! تیرے پاس بھاگ کر آئے تو آپ اس کو ہمارے حوالے کر دیں اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط شاق معلوم ہوئی اور انکار کیا مگر اس نے نہ مانا آخر لکھی گئی۔ اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ سہیل مذکور کے بیٹے کو جو مکہ سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس کے حوالے کیا (اس میں بھی مصلحت الہیہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ مکہ کو واپس نہ گئے نہ مدینے میں رہے بلکہ ایک مقام تجویز کر کے کفار مکہ کے آئندہ روند کو لوٹنا شروع کر دیا جس سے کفار نے ان کو مدینے میں رہنا غنیمت جان کر واپس لینے کی درخواست کو چھوڑ دیا) یہ معاملہ مردوں کے ساتھ تھا مگر

عورتوں کی بابت اس عہد نامے میں کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔ اس عرصے میں چند عورتیں بھی مکے سے محض دین اسلام اختیار کرنے کی غرض سے مسلمانوں میں آئیں منجملہ ان کے سبیحہ بنت حارثؓ قبیلہ اسلم کی بھی آئی اور عہد نامہ لکھ کر اس پر مہر ہو چکی تھی اس کے پیچھے اس کا خاندان بھی آیا جس کے نام میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں مسافر مخزومی۔ مقاتل کہتے ہیں اس کا نام صفی بن راہب تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری بیوی کو میرے ہمراہ کر دیجئے۔ آپ نے ہمراہ نہ کیا کس لیے کہ یہ آیت نازل ہو گئی تھی۔ اس آیت میں عورتوں کا دینا ممنوع ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا دریا جوش زن تھا لوگ مسلمان ہوتے تھے مگر اپنے وطنوں میں کفار برادری سے امن نہ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے تھے۔ مکے کے لوگوں سے صرف مردوں کی بابت معاہدہ ہو گیا تھا۔ اس آیت نے کھول دیا کہ عورتوں کی بابت معاہدہ نہیں وہ ہرگز واپس نہیں دی جائیں گی کس لیے کہ کفر و اسلام میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ نہ کافر مرد کو مسلمان عورت حلال ہے نہ مسلمان عورت کو کافر مرد مگر شرط یہ تھی کہ وہ عورت خاص اسلام کے لیے ہجرت کر کے آئی ہو کسی مرد یا دنیوی خواہش یا اپنے شوہر کی نفرت سے نہ آئی ہو۔ اس لیے سب سے اول اس آیت میں اسی مسئلہ کی تشریح ہوئی۔

فَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ کہ اے مسلمانو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ آیا دراصل دین کے لیے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے؟ امتحان آزمائش قرآن میں اس کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حلف دے کر پوچھتے تھے کہ تو اپنے خاندان سے ناراض ہو کر آیا کسی مرد کی رغبت سے یا کسی دنیاوی غرض سے تو نہیں آئی؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ حقیقت الامر اور ان کا ایمان تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں احکام شرع ظاہر پر جاری ہوتے ہیں جب وہ حلف سے ایمان ظاہر کر دیں تو تمہیں اعتبار کرنا چاہیے کسی بدگمانی کو دخل نہ دینا چاہیے۔ اور نیز ان کے ایمان کی تائید بھی ہے کس لیے کہ امارات تو ظاہر ہیں مگر وطن و اقارب کا چھوڑنا ان پاکباز بیویوں کا محض ایمان اور محبت الہی سے تھا۔ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ اِنْ كُنَّ مُؤْمِنَاتٍ اَوْ لَوْ كَانَ مِنْكُمْ مَنْ يَفْعَلُ فَاُولَٰئِكَ لَا يَصْلَحُوْنَ وَلَا هُمْ يَحْلُوْنَ لَهُنَّ اور نہ وہ کافر شوہران کو حلال اور جائز بنا سکتے ہیں۔

پہلا حکم: ان آیات میں یہ پہلا حکم ہے کہ کفار کی بیویاں اگر اسلام لا کر مسلمانوں کے گروہ میں آئیں تو ان کا نکاح سابق باقی نہیں رہتا۔ کبھی مسلمان عورت کافر کے لیے حلال نہیں۔ کوئی مسلمان عورت کسی ہندو یا نصرانی یا مجوسی یا یہودی یا کسی غیر مذہب والے سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا بلکہ حرام کاری ہوگی۔ بادشاہ اسلام کا فرض ہے کہ ان کو جدا کرے اور جو نہ مانیں تو سزا دے تاکہ ملک بدکاری سے پاک رہے۔ اس پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

فائدہ (۱): جب کوئی عورت مسلمان ہو جائے یا اسلام کے پہلے سے مسلمانوں کے گروہ کی طرف سفر کرے یہ اس نیت کہ پھر کفار میں نہ جائے گی اس کا نکاح کافر شوہر سے منع ہو گیا۔ اسی طرح مرد اسلام لائے یا یہ ارادہ اسلام دار الاسلام کی طرف آئے اس کی کافر بیوی سے اس کا نکاح منع ہو جاتا ہے۔ ان دونوں میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ یعنی شرح ہدایہ باب العدة۔

فائدہ (۲): اب اس مسلمان عورت کو مسلمان مرد سے نکاح درست ہے۔ پہلے خاوند کا جو کافر تھا کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد یوں فرماتا ہے۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْنَا اَنْ تَنكِحُوْهُنَّ اِذَا اُتِيْتُمُوْهُنَّ اَوْ جُورُهُنَّ کہ مسلمانوں پر ان مہاجرات عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے مہر ادا کر دیں۔ مہروں کا ادا کرنا اس حکم کے لیے دائمی قید نہیں بلکہ اس واقعے کے لحاظ سے یہ

قید لگا کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آ رہا تھا وہ یہ کہ کفار مکہ سے عہد نامہ ہو چکا تھا اور مکے والوں کی عورتیں ہجرت کر کے مدینے میں آتی تھیں۔ یہ واپس نہ بھیجی جاتی تھیں بلکہ ان کا نکاح مسلمانوں سے درست تھا مگر بموجب اس باہمی مصالحت کے یہ ضرور ہوتا تھا کہ ان کے کافر خاندانوں نے جو مہران بیویوں کو دیے تھے وہ واپس دیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے جملے میں اس کا ذکر تھا۔ **وَأُولَٰئِهِمْ مَّا أَنْفَقُوا** کہ ان کافروں نے جو کچھ اپنی بیویوں پر صرف کیا ہے وہ دے دو۔ **مَا أَنْفَقُوا** جو کچھ خرچ کیا کہ چہ لفظ عام ہے روٹی کپڑے دیگر عطیات کو بھی شامل مگر مراد مہر ہے کس لیے کہ اور چیزیں عرف میں کم واپس لی جاتی تھیں۔ جدائی کے وقت مہر ضرور واپس لیا جاتا تھا۔ اب یہ مہر کون دے؟ بیت المال دے اگر اس عورت سے کسی نے نکاح نہیں کیا اور نہ جس نے نکاح کیا وہ عورت کو مہر دے دے اور نہ یہ مہر اس مہر کے بدلے میں جو اس نے کافر خاندان سے وصول کیا تھا واپس دے دے۔ مہر جدید جو مسلمان مرد سے بندھا وہ اسی قدر ہونا چاہیے کہ جس قدر اس کافر نے دیا تھا۔ اس میں اور علماء کے اقوال بھی شاید کچھ ہوں۔

مگر اس بات کی تشریح آیت میں نہیں کہ مہاجرہ عورت سے مسلمان مرد آیا عدت کے بعد نکاح کرے یا غوراً۔ ہدایہ کتاب العدة میں لکھا ہے وکذا اذا خرجت الحریۃ الیما مسلمۃ فان تزوجت جازاً علیہ۔ وهذا کلمۃ عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ لا علیہا وعلی الذمیۃ العدة کہ اس عورت پر عدت نہیں صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک عدت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت لا جناح میں عدت کی کوئی قید نہیں۔ صاحبین کہتے ہیں گو نہ ہو مگر اس بات کے امتیاز کے لیے کہ پہلے کافر خاندن کا حمل ہے یا نہیں عدت ضرور ہے کس لیے کہ اگر اس کو حمل ہے تو نکاح درست نہیں اور جو درست بھی کہا جائے تو صحبت کرنا وضع حمل تک قطعاً ممنوع ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ اور نیز امام احمد اور ابو داؤد اور دارمی رحمہم اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوٹاس کی عورتوں کی بابت جن کو مسلمان اسیر کر کے لائے تھے یہ فرمادیا تھا کہ حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک نہ جنے اور بغیر حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک کہ ایک حیض نہ ہو لے۔ استبراء کرنے کا حکم کو سبایاء اوٹاس میں صادر ہوا مگر علت عامہ مہاجرات میں بھی بانی جاتی ہے۔

فائدہ (۳): میاں بیوی کا فرہیں اور ان میں کوئی اسلام لا کر دارالاسلام میں چلا آئے تو ان کا نکاح جا تا رہتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر پھر دوسرا بھی اسلام لائے تو نکاح جدید کرنا پڑے گا۔ واذا اخرج احد الزوجین الی ما من دار الحرب مسلماً وقعت الیہ یوہ یتھما (ہدایہ کتاب النکاح)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر اس عرصے میں بیوی نے مسلمان ہو کر اور مرد سے نکاح نہیں کیا اور اس کا خاوند بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح جدید کی حاجت نہیں۔ پہلا نکاح کفر کافی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سی عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آئیں اور بعد میں ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نکاح بسابق باقی رکھا۔ مسئلہ اگر دونوں یکلخت مسلمان ہو جائیں اور ان کا نکاح کفر میں اس طور سے ہوا تھا جو ان کے نزدیک بھی درست تھا تو وہی نکاح کافی ہو گا مگر جو کسی نے اپنے ناجائز قانون یا دستور کے موافق بیٹی یا بہن سے نکاح کیا تھا تو اسلام میں یہ باقی نہ رہے گا بلکہ جدا کر دیے جائیں گے۔ (ہدایہ کتاب النکاح)۔ مسئلہ اگر کافر میاں بیوی مسلمانوں کی قید میں آجائیں یعنی لڑائی میں پکڑے جائیں جیسا کہ مغلوبی کے بعد ہوتا ہے پھر ان کا باہم نکاح سابق رہا یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نکاح باقی نہیں رہا۔ یہ عورت لوٹنی میاں غلام ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں باقی رہتا ہے۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک قید میں آجائے تو باقی نہیں رہتا۔ اگر عورت ہاتھ اٹھی تو مسلمان کی لوٹنی ہے اگر اس کو حمل نہیں تو ایک حیض کے بعد اس سے صحبت درست ہے۔ مسئلہ: اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور دارالحرب میں رہے اس کا نکاح تین حیض کے بعد فسخ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر اس عورت سے اس کا خاوند صحبت کر چکا ہے تو بے شک عدۃ کے بعد فسخ ہو گا ورنہ اسلام لاتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ دارالحرب ہو یا دارالاسلام۔ ہدایہ

دوسرا حکم: وَلَا تُنْسِكُوا بَعْضَ الْكُوفَرِ اور نہ تمہارا کھوکھرا غمورتوں کی عصمت کو یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ سمجھو کہ ان کی حفاظت عصمت کی طرف تمہیں حاجت پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دو کسی مرد سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ تم کچھ علاقہ نہ رکھو۔ جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے اور مکے میں ان کی بیویاں اسی کفر کی حالت میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ زہری کہتے ہیں اس آیت کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکے میں رہ گئی تھیں چھوڑ دیا۔ ایک کا نام قرینہ تھا جو ابوامیہ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان سے مکے میں نکاح کیا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے۔ دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جروہ کی بیٹی تھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ماں۔ اس سے ابوجہم بن حدانہ ابن غانم نے نکاح کیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔

فائدہ: اسلام نے ایک عظیم الشان تفرقہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام اور شرک میں کوئی رشتہ نہ تھا جس کی صادق الایمان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی خوشی سے تعمیل کی۔ جو ان کی صداقت اور سچے جوش کا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر پر اعجاز کا کامل نمونہ تھا مگر اسلام کے سبب اس بیوی سے مفارقت ہے کہ جس سے اسلام میں بھی نکاح درست نہیں مثلاً اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہے اور خاندان کسی مذہب کا تھا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس صورت میں بیوی خاندان سے جدا نہ ہوگی زوجیت باقی رہے گی کس لیے کہ مسلمان مرد کا اہل کتاب عورت سے نکاح درست ہے۔ ہاں اگر عورت کسی ایک مذہب کی تھی اور مرد اہل کتاب تھا عورت مسلمان ہو گئی نکاح فاسد ہو جائے گا کس لیے کہ مسلمان عورت بجز مسلمان کے اور کو درست نہیں (ہدایہ وغیرہ کتابوں میں ایسا ہی ہے)۔

تیسرا حکم: وَاسْتَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَلُوا مَا أَنْفَقُوا۔ تمہاری جو عورتیں کافرہ ہیں اور کافروں سے انہوں نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے ان کو مہر دیا تھا وہ تم واپس لے لو اور جو کافروں کی عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئیں اور انہوں نے تم سے نکاح کر لیا ہے تو کافروں نے مہر دیا تھا واپس کر دو۔ ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ یہ اللہ کا حکم ہے تمہارے لیے۔ اس کے فوائد اور حکمتیں وہی خوب جانتا ہے کس لیے کہ اللہ علیم بڑا علم والا حکیم حکمت والا ہے۔ واضعان قوانین ملی و قومی و سیاسی کے قوانین و احکام جب ہی قابل پذیرائی ہوتے ہیں کہ جب ان کو علم بھی ہو۔ عواقب امور پر نظر ہو، طبائع بشریہ و خواص قومیہ و ملکیت سے واقف ہوں اور اس کے ساتھ رفیق و سہولت و تدابیر برجستہ بھی پہچانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ان باتوں میں کون زیادہ واقف ہے؟ بلکہ وہ سب زیادہ ہے۔ پھر خرابی ہے اس ملک و قوم کی جس کے واضعان قوانین ان باتوں سے واقف نہ ہوں اور ان میں رعایت مصالح کا مادہ ہو بلکہ وہ جاہل ہوں یا غیر لوگ اپنے طبائع اور خیالات پر دوسرے لوگوں کو حکومت اور شوکت کے دباؤ سے مجبور کرتے ہوں۔ اس لیے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ و سلام سے کوئی قانون اور دستور العمل بہتر نہیں بشرطیکہ اس بات کے سمجھنے کا دماغ بھی رکھتا ہو۔

فائدہ۔ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ یعنی اب اگر ایسا واقعہ ہو تو کیا مہر لینے اور دینے چاہئیں؟ اکثر کے نزدیک یہ حکم محدود اور موقت تھا کفار مکہ کے لیے بموجب عہد نامہ حدیبیہ کے۔ کفار عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا۔ وہ عورت کو پہلے دے دیا کرتے تھے۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ اس لیے عہد نامہ ہونے کے بعد یہ واپس قائم رکھی کیونکہ کفار کی بیویاں جو مہر لے چکی تھیں مسلمان ہو کر مسلمانوں سے آملتی تھیں اور مسلمانوں کی مہر دی ہوئی عورتیں جو اسلام نہیں لاتی تھیں کفار کے پاس رہ جاتی تھیں۔ فتح مکے کے بعد پھر اس حکم کی ضرورت نہ رہی۔ عرب کے اور قبائل کی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ نکاح مسلمانوں سے کئے یا ان قبائل کے لوگ بیویاں چھوڑ کر مسلمان ہوئے مہر نہ لیے گئے نہ دیے گئے۔ اس لیے دارالحرب کے کفار کی بابت تو یہ حکم ہرگز نہیں۔ اور ذمیوں کی بابت یہ حکم نہیں کوئی ذمی عورت مسلمان ہو کر

منجملہ ان کے ذنب رضی اللہ عنہما صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں وہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں اور ان کے شوہر ابوالعاص مشرک مکے میں رہے پھر جب وہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذنب رضی اللہ عنہما کو ان کے حوالے کر دیا۔ ۱۲ منہ

مسلمان سے نکاح کر لے تو مسلمان کو اس کے ذمی شوہر کا مہر یا خرچ شادی واپس دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو تو دینا چاہیے۔
 چوتھا حکم: **وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمُ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَأَقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا** کہ جو تمہاری بیویوں میں کوئی کفار کی طرف جائے اور تمہاری نوبت آئے تو تم وہ مہر جو تمہاری بیویوں کی بابت اس کے پہلے خاوند کا فرکود دینا تھا ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں مہر پا کر کفار کے پاس چلی گئیں۔

عام مفسرین اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر تمہاری بیویوں میں سے مرتد ہو کر کفار کے پاس چلی جائیں الخ مگر بغور دیکھئے تو تعلیم ہے جو ان کو بھی شامل ہے کہ جن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئیں اور کفار ہی کے پاس رہ گئیں اور مہر پا چکی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ چند عورتیں اس قسم کی تھیں جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تھی۔ **فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمُ إِلَى الْكُفَّارِ** ان لوگوں پر صادق آتا ہے اور ہے بھی یہی کہ جن کی بیویاں وہاں رہ گئیں تو ان مہاجرات کا مہر جو ان کے کفار خاوندوں کو دینا چاہیے تھا ان مسلمانوں کو دینا چاہیے کہ جن کی عورتیں مہر پا کر وہیں رہ گئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمانوں کو غنیمت میں سے مہر دیا تاکہ حساب برابر ہو جائے کس لیے کہ کفار سے ان عورتوں کا مہر لیتا تھا جو ان کے پاس رہ گئیں اور ان کی عورتیں جو یہاں آئیں ان کا مہر واپس کرنا تھا وہ اس میں وضع ہو گیا۔

عاقبتہ کے معنی میں بھی علماء کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ تمہاری باری آئے مہر لینے کی اس صورت میں کہ تمہاری بیویاں کفار کے پاس رہ جائیں۔ دوم یہ کہ تم کفار سے جہاد کر کے غنیمت حاصل کرو۔ ان سب باتوں کے بعد یہ بھی فرمادیا، **وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ** کہ تم اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ یہ جملہ تمام احکام کی پابندی پر ابھارنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ١٦ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَسْأَلُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبِيسُ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ١٧

التفسير

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے (یعنی رو برو دیدہ و دانستہ) کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ کسی ایک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کرو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ۔ اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ غضب ہوا۔ وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے کہ جیسے کافر قبر والوں سے ناامید ہو گئے۔

ترکیب: **اِذَا جَاءَ شَرْطُ بَايَعْنَكَ** حال من المؤمنات ولا یسرقن، وما بعدہ معطوف علی ان لا یشرکن یفترنہ لغت البہتان او حال من الضمیر فی یأتین فبایعنہن و ما عطف علیہ جواب الشرط غضب اللہ علیہم الجملة لغت لقوم قد ینسوا الخ۔ لغت اخری من اصحاب القبور

متعلق بیس ای بیسوا من بعث اصحاب القہر یکن ان یکن حالاً ای کائنات من اصحاب القہر روا کاف فی کما فی محل العصب۔

تفسیر: پہلی آیات میں مومنات کے امتحان کا ذکر تھا جب کہ وہ ہجرت کر کے آئیں اور اس کے بعد ہجرت سے جو تفرقہ کافر خاندان اور بیوی میں تھا اس کے احکام تھے کہ باہمی معاہدے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ اب یہاں ان عورتوں کے احکام بیان کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کو آتی تھیں کہ اگر وہ ان باتوں پر بیعت کریں یعنی عہدِ موثق کریں تو بیعت قبول کر لے۔

(۱) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عرب میں بت پرستی عام تھی۔ عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں۔ اب بھی تو ہمت باطلہ اور تخیلاتِ فاسدہ کی پرستش اسی گروہ میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے اس لیے سب سے اول اسی اہم بات کو پیش کیا۔

(۲) چوری نہ کریں گی۔ چوری اگرچہ مردوں کے لیے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری خانہ بربادی کا سبب ہے۔ اس کے بعد اس کو منع کیا۔

(۳) زنا نہ کریں گی۔ زنا مردوں کے لیے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لیے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور

خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا اور گونہ پر کر کے یہ عورت محاسبہ آخرت سے پاک ہو جائے مگر دنیا میں تو عمر بھر کلنگ کا ٹیکا ہے۔ لیکن شرفاء عورتیں ایسا کام نہیں کرتیں اور بہت کم ان سے یہ حرکت وقوع میں آتی ہے اس لیے چوری کے بعد اس کو ذکر کیا۔ خاوند کے مال میں سے کچھ چرالینا شرفاء عورتیں ایسا برا عیب نہیں سمجھتی تھیں۔ چوری عام لفظ ہے پیسہ سے لے کر بے انتہا تک خواہ نقد کی ہو خواہ گھر کے اسباب کی ہو۔ میاں کی بے اجازت اس کی کوئی چیز چھپانا یا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں یا اور کسی کو دے دینا سخت معصیت ہے اور خدا تعالیٰ کی باز پرس کا باعث اور دنیا میں اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس عورت سے خاوند کو نفرت ہو جاتی ہے اور پھر خاوند کے گھر کا پورا اختیار اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ امانت و

دیانت عجب چیز ہے۔ زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دوائی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب ہیں۔ غیر محرم کا گھر میں آنے دینا یا اس سے بے ضرورت باتیں اور اخلاق کا اظہار کرنا یا اس سے تکیہ کرنا اور اسی طرح خاوند کے گھر سے باہر جانا اور غیروں کے ساتھ سیر و تفریح میں باغوں، سیرگاہوں میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی کی کتابیں دیکھنا یا سننا جیسا کہ فسادہ عجائب، بدرمیر وغیرہ اخلاق کو برباد کرنے والی کتابیں ہیں یا نئے ناول نکلے ہیں۔ اسی طرح ناچ و رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا ان کی شہوت انگیز نقل و حکایات سننا یا آپ گا کر لوگوں کو سنانا یا اپنے زیور یا کپڑے کی جھلکی دکھانا، شراب و مسکرات کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زنا کاری کے دروازے ہیں جن میں یہ باتیں ہیں وہاں زنا کاری کی بھی کچھ انتہا نہیں۔ جس قدر رتہ ہوتا ہے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں وہیں زنا کاری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ برخلاف قرآن و قبل کے لوگوں کے کہ ان میں یہ کم ہے اور اس لیے عصیت اور جواں مردی بھی ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ زنا کار

قوم میں غیرت نہیں رہتی۔ انجام کار وہ قوم دنیا میں تنزل اور پستی کا منہ دیکھتی ہے۔ اس بات پر ایک روایت یاد آئی جس کو مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن جب عموماً وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے اور مردوں کی بیعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مسلمان عورتیں بھی بیعت کے لیے آمادہ ہوئیں۔ نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور عمر رضی اللہ عنہ نیچے تھے۔ عورتیں نے بیعت کرنی شروع کی انہیں امور پر ہند بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان بھی برقع اوڑھے، بے پہچانے پیش ہوئیں (یہ ہند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے بڑی دشمن تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیہ دانتوں سے اسی نے چبایا تھا اس کا ایک بیٹا حظلہ تھا بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا) عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت لے رہے تھے جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ سے شرک نہ کرنا، ہند نے سراٹھایا اور کہا کہ ہم نے اب تک بت پرستی کی تھی آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو مردوں سے نہیں لیا ان سے تو صرف اسلام و جہاد پر عہد لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ چوری نہ کرنا۔ اس پر ہند نے کہا ابوسفیان کبجوں آدمی ہے اس کے مال سے میں نے کچھ لے لیا اب نہیں معلوم کہ

حلال ہے یا حرام ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے مال سے جو کچھ تو نے پہلے لے لیا یا آئندہ لے سب تجھ کو معاف اور حلال ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ہند کو پہچان لیا اور فرمایا کیا تو ہندو کی بیٹی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! جو کچھ مجھ سے پہلے تصور سرزد ہوا معاف کیجئے۔ اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد آپ نے فرمایا زنا نہ کرنا۔ ہند نے کہا کیا بیویاں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ تو چھو کر یوں لوٹنے والے کا فعل ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہند نے یہ کہا کہ ان بیویوں میں سے کسی نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ (اللہ رے شرافت و عصیت کفر و بت پرستی میں بھی یہ کام نہایت برا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ تفہیم ان پر کہ بہن بیٹیوں سے یہ کام کراتے اور ان کی کمائی سے عہدہ کپڑے پہن کر اخیستے پھرتے ہیں)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ (۴) وَلَا يَغْتُلَنَّ وَلَا يَنْتَحِلَنَّ کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ عرب میں دستور تھا کہ دامادی کی عار و ننگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اس کی بھی ممانعت ہوئی۔ اس پر ہند نے کہا ہم تو ان کی لڑکپن میں پرورش کرتی ہیں جب وہ بڑے ہوتے ہیں تم ان کو مار ڈالتے ہو اب تم جانو وہ جانیں (جنگ بدر کے مقتولوں کی طرف اشارہ تھا جن میں اس کا بیٹا حظلہ بھی مارا گیا تھا) اس پر عمر رضی اللہ عنہما کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم کیا۔ (۵) وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهِنَّ يَفْتَرَيْنَهُنَّ بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَأَرْجُلَهُنَّ پھر فرمایا کہ کوئی بہتان نہ باندھے۔ یہ لفظ عام ہے ہر قسم کے بہتان کو شامل ہے خواہ کسی پر چوری کا لگایا جائے یا زنا کا۔ عورتوں میں یہ عادت بد بہت ہے کہ وہ جھٹ پٹ بدگمان ہو کر بہتان لگا دیتی ہیں اس سے بھی منع کیا۔ خاوند پر بہتان لگا دینا تو ایک ادنیٰ بات سمجھتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے خاوند کی اولاد نہ بناؤ۔ فراء کہتے ہیں عرب میں عورتیں کسی کا بچہ اٹھا لاتی تھیں اور خاوند سے کہہ دیتی تھیں کہ میرا بچہ ہے تجھ سے۔ وہ بہتان کو جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے بنایا گیا اور یہ اس لیے کہ لڑکا جب دودھ پیتا ہے تو اس کو سامنے ڈال لیتی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے سامنے ہوتا ہے مگر اس کے معنی دیدہ و دانستہ کے ہیں۔ بین ایدی و محاورہ ہے اس معنی میں کہ دیدہ و دانستہ کسی پر بہتان نہ باندھو۔ یہ بھی سخت جرم ہے۔ اس کے بعد ہند نے کہا واللہ بہتان بری بات ہے اور آپ عہدہ باتیں اور مکارم اخلاق سکھاتے ہیں۔ (۶) وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ پھر فرمایا اور کسی نیک بات میں رسول کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ بڑا وسیع لفظ ہے اس میں اور سب عہدہ باتیں آگئیں اگر ان چھ باتوں پر عہد کر لیں اور اس پر بیعت کریں تو اے نبی! ان کی بیعت قبول کر لے اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگ۔ اللہ غفور رحیم ہے اس بیعت پر قائم رہنے کا یہ صلہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اگلے جہان میں جہاں نئی زندگی ہے عیش و آرام ابدی ہے۔

فائدہ۔ آج کل نئے علوم اور نئی روشنی کا بہت کچھ زور و شور ہے اور نئی تہذیب یافتہ قومیں جو عیسائی مذہب کے برائے نام پابند ہیں اس امر میں بہت کچھ دعوے کرتے ہیں۔ عورتوں کی تعلیم پر ان کی بڑی ہمت مصروف ہے اور اپنے کالجوں اور سکولوں کی تعلیم یافتہ عورتوں کو فوقیت دیتے ہیں اور اسباب تمدن کے علاوہ ناچنا گانا بھی سکھاتے ہیں۔ جو کچھ ہوا اگر ان میں یہ باتیں نہیں تو کسی غیر تمدن آدمی کے نزدیک ان کا مرتبہ ایک بازاری عورت سے بھی زیادہ نہیں جو دلربائی اور عیش و نشاط کے طریقے اپنے خاگلی مکتبوں میں سیکھ کر بیٹھتے ہیں۔ ان چند باتوں کے سوا سنا پروانا و ہنرمندی کی باتیں بھی اگر عورت میں ہوں تو نور علی نور۔ اسلام اپنی تعلیم نسواں میں نہ بائبل پر بلکہ بڑے حکیموں پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ زمانہ حال کے غیر تمدن تعلیم یافتہ سے وہ صدمہ پہنچنا چاہیے جو اس کو اپنی دلربا بیوی کی خیانت اور سرکشی اور غیروں کے ساتھ اختلاط کرنے سے ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایک جماعت ہے جو فرنگیوں کی ہر بات میں تقلید کرنا ہی ترقی جانتی ہے۔ فرنگی تو اپنی آزادی نسواں سے تنگ آ گئے ہیں اور یہ اپنی نیک بیویوں کو اسی طرح آزاد ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں یہ کیا کہ بیوی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے بجز ہمارے اور کسی مرد کی شکل بھی نہیں دیکھتی۔ اس کی عقل میں فراخی نہیں آتی بلکہ ہمارے ساتھ بن ٹھن کر کسی تھیریا مجلس میں چلے اور ہمارے جوان جوان دوست اٹھ اٹھ کر اس سے مصافحہ کریں بغل میں لیں۔ پاک محبت سے بوسہ بھی لیں اور بغل میں ہاتھ دبا کر کسی کرسی پر جا بٹھائیں اور کوئی دنگ

جنتلمین برانڈی کی بوتل چڑھائے ہوئے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر اس کو کرسی پر سے اٹھائے اور دونوں ناپچتے ہوئے چلے جائیں اور ہارے تھکے بڑی دیر میں دورہ تمام کر کے آئیں۔ کسی روز ہماری غیبت میں ہمارا کوئی سچا دوست آئے اور سوار کرا کے اس کو سیر کرانے لے جائے اور جہاں چاہیں پھر آئیں اور جب چاہیں آئیں۔ اور کبھی یہ بھی ہو کہ بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہم کھینچنے کا کوئی دوست بیٹھا ہوا ملے جس کو ہم نہ پہچانتے ہوں اور ہم تہذیب کے قاعدے سے ان کے پاس نہ جاسکتے ہوں اور جب تک چاہیں وہ بیٹھے رہیں اور ہم جلا کریں اور کچھ کر نہ سکیں۔ ایسی باتوں سے ذہن میں فراخی ہو جاتی ہے پھر یہ پولیٹیکل امور میں بھی رائے دینے کے قابل ہو جائیں گی۔ عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں۔ تمام باتوں میں ان کو مردوں کا ہم پہلو اور پلہ پلہ رہنا چاہیے۔ پرانے خیالات نے ان کو اثاثا البیت سمجھ رکھا تھا۔ استغفر اللہ اس نئی روشنی کے خیال کو نبوت کے پہلے ارشاد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوائے بہیمہ کا کہاں تک غلبہ ہو گیا۔

الامان الامان!

بیعت: بیع خریدن و فروختن۔ اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ قوی ہے کہ کسی بزرگ یا سردار قوم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا جاتا ہے جس کی پابندی اشد ضروری خیال ہوتی ہے۔ گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الہی میں اس اقرار پورا کرنے کے لیے اس بزرگ کی معرفت اپنے تئیں بیع ڈالا۔ اس بیعت کی چند قسمیں ہیں۔ اول جو بیعت اسلام میں ہوئی وہ غزوہ حدیبیہ میں تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا تھا کہ آپ کا ساتھ دیں گے، پیٹھ نہ پھیریں گے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَكَ اللّٰهُ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمُ کہ اے نبی جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے کر رہے ہیں کس لیے کہ تیرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر اللہ کی طرف سے ہے گویا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس کا نام بیعت رضوان تھا۔ دوم اسلام و جہاد پر بھی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ سوم بیعت ترک معصیت والتزام حسنات پر اس آیت میں یہی بیعت مراد ہے۔ چہارم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر بھی بیعت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی پر شروع ہوئی۔ یعنی خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے تھے اس کو بیعت خلافت کہتے تھے۔ خلفائے اربعہ اور ان کے بعد کے خلفاء کے لیے یہی رسم تخت نشینی تھی۔ عباسی خلفاء بھی لوگوں سے بوقت خلافت بیعت لیتے تھے یہ بھی اسلام کی قدیم سنت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوئی۔ پانچویں قسم بیعت اثابت ہے جو پیرانہ طریقت سے کی جاتی ہے۔ دراصل یہ کوئی نئی قسم نہیں بلکہ وہی ہے یعنی تیسری قسم کی بیعت ہے جو ترک معصیت والتزام حسنات کے لیے ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ہوتی تھی مگر اس میں قدرے تغیر ہو گیا ہے وہ کیا؟ التزام اذکار طریقت معینہ اور ان کے روش کی پابندی اس قدرے تغیر سے اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہ بیعت بھی بیعت خلافت کی ہم عمر ہے۔ اسی عہد سے یہ بھی جاری ہے اور بڑی مقدس جماعت میں جاری رہی اور اس کے عہد متاع پیدا ہوئے۔ تہذیب قوائے باطنیہ و تزکیہ روح و اکتساب کمالات روحانیہ اسی کے ثمرات ہیں۔

مگر آج کل بعض نے تو اس کو بہت ہی بد نما کر دیا ہے۔ یہ حالت ہو گئی ہے کہ خود بیعت لینے والا جاہل طریقت تو درکار شریعت سے بھی محروم۔ صرف یہی تفاخران کو حاصل ہے کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں یا کسی خانقاہ کے موروثی سجادہ نشین ہیں پھر بیعت بھی ایک نئی بیعت کہیں۔ شربت کا پیالہ پلایا جاتا ہے کہیں صرف شجرہ لکھ کر دے دیا جاتا ہے۔ نہ کسی عمل کا تقید نہ اور ادا و کار کی تلقین نہ معاصی کی ترک کا اقرار لیا جاتا ہے۔ پھر بیعت کرنے والے کون؟ اکثر عوام جہلاء بدکار امراء شہوت پرست رذائیاں قوال، اور بیعت کس لیے؟ محض اس لیے کہ اس کے سبب سے ہم جمع آفات و بلیات دنیاوی۔ محفوظ رہیں گے۔ آخرت میں وہ بزرگ کہ جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہے خواہ ہم کچھ ہی کریں عذاب کے فرشتوں سے چھڑا کر جنت میں لے جائیں گے اور یہ سجادہ نشین بھی اسی خیالی بخشش کی ترغیب کو نہ رانہ حاصل

کرنے اور اپنی نافرمانروائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض پیرزادے تو رنڈیوں، ڈوموں، بھانڈوں کو مرید کر کے تاج مجراد دیکھتے ہیں اور اس شہوت پرستی کو فقیری اور معرفت و حقیقت کی سیزھی سمجھتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان بدکاروں اور فواحش کا ان کی قبروں پر جمگھٹا رہتا ہے۔ بہت نے تو یہ پیری مریدی معاش کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ اگر وہ امراء اور فساق کو معصیت و ترک شریعت پر ترویج کریں اور ان کے اعمال بد کے برے نتائج پیش آنے والوں سے ڈرائیں تو نذرانہ اور آمدنی جاتی رہے بلکہ اپنے بزرگوں کی بے انتہا قدرتیں بیان کر کے اور ان کے مبالغہ آمیز قصے سنا کر اور بھی جرأت دلاتے ہیں۔ ایسی پیری مریدی بدعت نیا بلکہ دام شیطانی ہے۔ نعوذ باللہ۔

عورتوں کے لیے بیعت امور مذکور پر بیان فرما کر مردوں کو حکم دیتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا الْحٰٓنَٔ كَمَا عَلِمْتُمْ اَنَّ اَصْحٰبَ الْقُبُوْرِ**۔ وہ قوم آخرت سے ایسی ناامید ہو گئی ہے جیسا کفار مردوں سے ناامید ہیں کہ وہ پھر جی کر انھیں گے یا یہ معنی کہ وہ قوم جس پر خدا غصہ ہوا ہے آخرت سے ایسے ناامید ہیں (خیر و ثواب آخرت کی ان کو کچھ امید نہیں یا تو اس لیے کہ وہ قوم یہود یا آخرت کے منکر تھے کس لیے کہ یہودیوں میں ایک فریق آخرت کا منکر تھا یا اپنے اعمال بد کی وجہ سے) ہو گئے ہیں جیسا کفار جو اصحاب القبور ہیں یعنی مردے آخرت کے ثواب سے منکر ہیں۔ چنانچہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کفار جب قبروں میں داخل ہوتے ہیں تو رحمت الہی سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ کس لیے کہ قبر میں اپنے کفر اور بد اعمال کا بد نتیجہ ان کو ناامیدی دلا دیتا ہے اور دار آخرت کی کیفیت ان کو معلوم ہو جاتی ہے وہاں اپنے لیے کوئی بھلائی نہیں پاتے۔

یہ کون قوم ہے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں۔ اور معاذ اللہ جب انسان کو دار آخرت کا خیال نہ رہے تو پھر اس سے کسی کی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ دعا فریب عیاری سب کچھ اس سے بعید نہیں اس لیے ان کی دوستی سے منع کیا گیا کہ سوائے مضرت کے اور کوئی بات نہیں۔

مسلمانوں میں کچھ لوگ فقیر و محتاج تھے۔ وہ یہود مدینہ سے جا کر ملا کرتے تھے ان سے یہود کچھ سلوک کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کیا کرتے تھے اور زمانہ تھا باہمی جدال و قتل کا پھر یہ غرباء اندرون مدینہ سے ان کو مطلع کر دیتے تھے اس لیے منع کر دیے گئے کہ ان سے دوستی نہ کرو۔ اور قطع نظر اس کے یہ ایک مقہور و مغضوب قوم تھی اور ایسی قوم سے دوستی رکھنے والا بھی ان کے ساتھ اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ ہونے والے ہیں اور نیز بدوں کی صحبت سے حذر لازم ہے جس طرح امراض متعدیہ کا دوسرے میں اثر پہنچتا ہے اسی طرح بد کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ اللّٰهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ①
 اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②
 کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③
 اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهِ صَفًا کَاَتَتْهُمْ بُنِیَانٌ

آسمان وزمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کر رہے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے مسلمانو! تم ایسی بات کیوں کہہ بیٹھے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے کہ جو کہو اور اس کو گرو نہیں۔ بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ترکیب : ان تقول الجملۃ بتاویل المصدر فاعل کبر مقتاً تیز منہ خدا اللہ متعلق بکبر صفاً حال من فاعل یقاتلون فی سبیلہ متعلق بہ۔ کانہم الجملۃ کذلک حال منہ و صفاً بمعنی صافین قال صاحب الکشاف لہ ہی لام الاضافۃ داخلۃ علی ما الاستغنیۃ کما دخل علیہا غیر حاسن حروف البحر کقولک بم وفیم وعم وم وحذف الالف لان ما والحرف کشی و واحد۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی کہ جب ملک عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا مسلمانوں پر ہر طرف سے نرغہ تھا اور مسلمانوں کی قلیل جماعت کو استقلال و جو انمردی سے اپنے دینی دشمنوں کا مقابلہ ضرور تھا اس لیے اس سورہ میں ان باتوں کی بھی ترغیب ہے۔ خدا تعالیٰ سب سے اول اس سورہ میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ ہماری مخلوق میں ہر ایک چیز ہماری قدرت و یکتائی کا نمونہ اور مظہر ہے۔ ہر شے کا حال اور بعض کا مقال اس بات کو بیان کر رہا ہے یہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ پھر اے انسان! اشرف المخلوقات! تو کس لیے جہل و غفلت و شہوات کے عمیق گڑھوں میں اوندھا چڑا ہے کس لیے اس کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتا اور اس کے اوامر کو بجا نہیں لاتا اور کس لیے لاف زنی کرتا ہے؟ اے مسلمانو! اے پاکباز جماعت! تمہارا صف باندھ کر ثابت قدمی سے اعدائے دین سے لڑنا بھی تسبیح و تقدیس ہے جیسا کہ آسمانوں پر فرشتے صف باندھ کر ہماری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اسی طرح زمین پر صف بستہ ہو کر تمہاری جاں نثاری کرنا ہے اس لیے ہم کو نہایت پسند ہے۔

مباحث : (۱) کفار و شرکین حق سبحانہ کی نسبت برے برے اعتقاد رکھتے تھے اور ان پر جتنے ہوئے تھے اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے یک دل ہو کر مقابلہ کرتے تھے اس لیے شروع سورہ میں فرمایا۔ سَبِّحْ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے ایماندار خدائے پاک کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور بری باتوں اور عیوب سے اس کی ذات کو مبرا ٹھہراتے ہیں اور اسی طرح ہر چیز اس کی مخلوق میں سے بزبان حال اس کی پاکی بیان کر رہی ہے پھر ان نادانوں کے عیوب لگانے سے کیا ہوتا ہے ان کے مقابلے میں ان کی کیا مقدار اور کیا اعتبار؟ اس کے بعد فرمادیا۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کہ کچھ آسمانوں اور زمین والوں کی تسبیح و تقدیس پر موقوف نہیں وہ خود بھی عزیز یعنی ہر شے پر غالب اور حکیم حکمت والا ہے۔ ان دو لفظوں میں بے شمار صفات حمیدہ کے ثبوت اور بری باتوں اور عیوب سے مبرا ہونے پر دلالت ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ غالب ہے کسی کا مقابلہ اس کی مرضی کو روک نہیں سکتا اور حکیم ہے۔ اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں رسولوں کو بھیجتا ہے۔ (۲) کفار و شرکین جو بری باتیں ذات پاک کی نسبت بتاتے تھے اس پر ان کی سبھ للہ الخ میں بڑی حکمت بالغہ سے تنبیہ و توبیخ کی گئی مگر اس کے ساتھ ان مسلمانوں پر بھی تنبیہ کرنا مناسب ہوا کہ جو بڑھ چڑھ کر باتیں بتاتے تھے اور کرتے کچھ نہ تھے کیونکہ یہ تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی شان سے بعید ہے یعنی ایسا کرنے والے اس جماعت میں داخل ہونے کے قابل نہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیْسَ لَکُمْ مَّا تَفْعَلُوْنَ اِخَ کہ اے مسلمانو! تم کس لیے وہ باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں یہ بری بات ہے۔ مسلمان جو کہے اس کو کرے بھی صرف زبانی لاف زنی سے کچھ فائدہ نہیں۔ علماء کہتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہار محبت و جلالت کرتے تھے کہ ہم آپ پر جان فدا کریں مگر اُحد کی لڑائی میں سست پڑ گئے اور پھر چم کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں ان منافقوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو زبان سے دعویٰ ایمان و جان نثاری کا کرتے تھے مگر وقت پر کچھ بھی نہ نکلے۔ قوی تر یہی بات ہے کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی لاف کرے اس کی نسبت ہے۔ اس آیت میں ایک سخت مؤکد حکم کی جو اس سے پہچلی آیت میں آنے والا ہے تمہید ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول یا رسول کے جانشینوں سے عہد کر داس کو پورا بھی کیا کرو۔ اس

آیت نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ثبات اور بات پر قائم رہنے کا مادہ پیدا کر دیا تھا اور حقیقت میں جس قوم میں یہ مادہ نہیں وہ کبھی کسی کام میں کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی مجلسیں اور کیشیاں سب بچوں کا کھیل ہیں اس لیے اس کے بعد یہ فرما دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُعَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهِ صَفًا كَمَا نَهَضُوْا بَنِيَّائِمْ مَّرْصُوْحًا کہ اللہ کو ان لوگوں سے محبت ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں یعنی جس طرح کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کے احکام روکنے میں اور انبیاء علیہم السلام کے مغلوب کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت برے ہیں اسی طرح ایمانداروں کو ان کے دفع کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑنا چاہیے۔ اس میں جہاد کی ترغیب ہے۔

صف باندھ کر لڑنے سے کیا مراد؟ لڑائی میں صف باندھ کر عرب لڑا کرتے تھے۔ حال کے زمانے میں باقاعدہ فوجیں صف بستہ ہو کر لڑتی ہیں اس سے مخالف پر عرب بھی پڑتا ہے اور دشمن کے مغلوب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کس لیے کہ صد ہا آدمی بمنزلہ شخص واحد کے ہو جاتے ہیں پھر ان کے زور کا کیا کہنا۔ اتفاق عجب چیز ہے۔ اسلام نے عبادت سے لے کر دشمنوں کے مقابلے کے وقت تک جماعت اور اتفاق کی تاکید کر کے افراد متفرقہ کو جمع کر دیا۔ پھر صف بھی کیسی؟ کَاْنَهُمْ بَنِيَّائِمْ مَّرْصُوْحًا گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے یعنی غیر مستقل اور جھگوڑے نہ ہوں بلکہ اپنی دیوار کی طرح جم جائیں۔ کسی کے مرجانے زخمی ہو جانے سے تر بھر ہو کر نہ بھاگ پڑا کریں (فراء کہتے ہیں مَرَّصُوْحٌ بالمرصاص اس وقت کہتے ہیں کہ جب دیوار کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کر دیا جائے۔ لیٹ کہتے ہیں رص کے معنی ملا دینا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر پر پھر دھر کر چھوٹے پتھروں سے در بندی کرتے تھے اس کے بعد اینٹ اوپر رکھتے تھے ایسی دیوار کو اہل مکہ مَرَّصُوْحٌ کہتے تھے) بعض علماء کہتے ہیں کہ خاص صف بستہ ہونا بھی مراد نہیں بلکہ یہ ثبات قدمی اور باہمی اتفاق اور یکدلی کے لیے ایک تمثیل ہے ایسی ایک دل ہو کر لڑنا چاہیے۔

اس آیت نے صحابہ کرامؓ کا ایک ایسا باقاعدہ اور مستحکم لشکر پیدا کر دیا تھا جس کے مقابلے میں اسلام و ہدایت کے روکنے والے ٹھہرنے سکے۔ قیصر و کسریٰ کے چمکدار ہتھیار اور زرق برق کے سپاہی کچھ بھی کام نہ آئے۔ ایسے لشکر کا غالب آنا تو معجزہ تھا ہی مگر سرے سے ایسا لشکر ایسے مفلس اور خود سر ملک میں پیدا کر دینا جس پر کسی خزانے سے کسی بادشاہ نے ایک کوڑی بھی صرف نہ کی ہو ایک عظیم الشان معجزہ اور کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں کی پوری تصدیق تھی۔ آیت کے شروع میں عزیز حکیم اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

صف بستہ ہو کر لڑنا انسان کا اپنے جمع قوائے روحانیہ کو ابھار کر شیطانی قوتوں اور شہوات کے لشکر کو زیر و زبر کرنے کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ اس جنگ میں بھی استقامت و استقلال شرط ہے۔ ذرا دنیاوی تحمل دیکھا اور پھسل گئے۔ خواہش نفسانی نے غلبہ کیا اور اپنے تسملات دکھائے، ڈر گئے۔ ایسے لوگوں کو اس ملک باقی اور شہر قدس کی سلطنت کب نصیب ہوتی ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَقُوْمُ لِمَ تُوْذَوْنَ بِنِىِّ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اَلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

وَ اِذْ قَالَ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ بِنِىِّ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا

لِمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ اَسْمٰٓءُ

اَحْمَد ؕ فَلَمَّا جَاہَهُم بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ پھر جب وہ نیزہ ہونگے تو اللہ نے ان کے دل نیزہ کر دیے اور اللہ (ازلی) بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا ہے! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت (غیرہ) ہے اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور جو میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد (مسند) ہے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ پھر جب ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

ترکیب : واذا منصوب علی المفعولیۃ باضمار اذکر۔ والجملۃ مستانفہ مقررۃ لما قبلہا من شناعۃ ترک التخال یا قوم۔ بیان لقولہ قال وقد تعلمون الجملۃ حال مؤکد لا ینکار الا باذاء والتقدیر ای توذوننی عا لین علما قطعیا انی رسول اللہ وقد تحقیق العلم وصیغۃ المضارع لئلا لالۃ علی استمرارہ۔ واللہ الخ اعتراض تدبیلی مقرر لمضمون ما قبلہ من الازافۃ واذ قال عیسیٰ اما معطوف علی اذا والاولی معمول لعاملہا واما معمول لمضمر معطوف علی عاملہا۔ مصدقا حال مؤکدۃ والعال فیہا رسول اذ بادل علیہ الکلام و مبشرا حال ایضا ای ارسلت الیکم حال کوئی مصدقا لما تقدمنی من التورۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی۔ اسمہ الجملۃ فی موضع خبر تختار رسول اونی موضع نصب حال امن الضمیر فی یاتی۔ تفسیر : پہلے بعض لاف زنون کی برائی بیان ہوئی تھی اور اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو کر مخالفان راہ راست کے مقابلے کا حکم تھا۔ وہ لاف زن جن کو سبب ظاہری ایمان کے مومن کے لفظ سے تعبیر کیا دراصل منافق تھے۔ وہ علاوہ لاف زنی کے پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں اور نیز مخلصین اہل ایمان کے حق میں بدگمانی اور تمسخر بھی کیا کرتے تھے اور ایذا میں بھی دیا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو بھی باوجود صدامعجزات دیکھنے کے اس کی قوم نے ایذا میں دیں اور اس پاکباز بندے نے کہیں۔ اس لیے فرمایا واذ قال موسیٰ لقومہ یا قومہ لکم توذوننی وقد تعلمون انی رسول اللہ الیکم کہ یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی پے در پے ایذاؤں کے بعد ان سے یہ کہا کہ اے قوم! مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں یوں بھی کسی بادی اور خیر خواہ قوم کو ستانا برا ہے مگر جبکہ اس بد نصیب قوم کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے ہیں تو اور بھی برا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی آپ کے صدامعجزات اس قوم نے مصر میں بھی دیکھے تھے۔ قلمز سے خشکی سے پار لے جانا اور فرعونینوں کا اسی رستے میں غرق ہونا اور نیز فرعون کی قید سے آزاد ہونا اور ید بیضا اور عصی اور پتھر میں سے پانی نکالنا، ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ نازل ہونا وغیرہ سینکڑوں معجزے دیکھے تھے جن سے ان کو آپ کے رسول ہونے کا یقین کامل تھا مگر جبلی شرارت اور ازلی بد بختی سے مجبور تھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔ کہیں پتھر پوجنے لگے، کہیں قارح وغیرہ ایک جماعت نے موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کی امامت کی بابت سخت جھگڑا کیا۔ ایک بار عمالیق کے مقابلے کے وقت پھر گئے کہ ہم سے نہیں لڑا جاتا۔ کہیں سفر کی صعوبتوں پر ناخوش ہو کر مصر کی ترکاریاں یاد کر کے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں سینکڑوں ناشائستہ باتیں کہنے لگے (از توریت) اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے کس لیے ستاتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کمال درجے کی مشابہت نبوت میں تھی جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب اور قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ اِنَّا ارسلنا الیکم رسولًا شاہداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولًا۔ اس لیے اس بارے میں خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا اور نہ اور بہت نبیوں کو ان کی قوم نے ایذا میں دی ہیں۔ کس نبی کے رستے میں قوم نے پھول بچھائے ہیں؟ بلکہ کانٹے ڈالے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا جس طرح ان کی قوم کو یقین کامل تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی کسی ہوشمند کی نظر غائر میں مخفی نہ تھی۔ قطع نظر آیات معجزات کے آپ کی سیرت و صورت پاک بھی ایک اعجاز تھی اس کے سوا سب سے اخیر نبی بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ظاہر ہونے کی خبر دے چکے تھے اس لیے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی بشارت اور نیز خاص ان کا معاملہ بھی ذکر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ صد باعجزات و آیات دیکھ کر کیا سلوک کیا؟ یہ دو نبی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجودہ دنیا کے مسلم الثبوت نبی تھے پھر ان کے ساتھ ایذا اور نافرمانی کا برتاؤ جو ان کی قوم نے کیا ان کی رسالت میں کوئی نقص نہیں پیدا کرتا تو آپ کی شان میں چند منافقوں کا ایذا دہ معاملہ کیا نقص پیدا کر سکتا ہے؟ پھر جب وہ میڑھے ہوئے تو قضاء و قدر نے ان کے دل بھی میڑھے کر دیے۔ بد کام کے کرتے کرتے بدی کا ملکہ اور دل میں کئی پیدا ہو جاتی ہے یہی اللہ کا میڑھا کرنا ہے اور پھر ہدایت بھی نہیں ہوتی اور یہی مراد ہے اس سے کہ اللہ بد قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا یوں کہوا زلی بدکاروں کو جو علم الہی میں ہمیشہ کے لیے بدکار قرار پانچکے ہیں ہدایت نہیں ورنہ عارضی سینکڑوں بدکاروں کو ہدایت ہوتی ہے اور انہیں کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی علیہم السلام آئے ہیں تاکہ وہ حکیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ فقال اذْهَبْ اَنْتَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْیَکْفُہُ اور یاد کرو جبکہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارا طرف سے تمہارے پاس رسول اور پیغام پہنچانے کو بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن میں اکثر جگہ ابن مریم کے لفظ سے یاد کیا ہے تاکہ زمانہ موجود کے عیسائیوں کا وہ خیال رد ہو جائے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ کے نہیں بلکہ مریم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باوجود یکہ شام میں اور قومیں بھی تھیں مگر خاص بنی اسرائیل یعنی یہود سے کہا کہ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام جہان کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ خاص بنی اسرائیل کے لیے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے مصلح اور کامل کرنے والے تھے۔ (انجیل متی باب دسواں ورس پانچواں)۔ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یا قوم نہ کہا بلکہ یا بنی اسرائیل کہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو بنی اسرائیل اپنا ہم قوم سمجھتے تھے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا دین میں کوئی باپ نہ تھا ہاں ان کی ماں مریم ضرور اسرائیل کے خاندان سے تھیں اور اولاد کا نسب باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے نہ ماں کی طرف۔ اس لیے بنی اسرائیل ان کو اپنی قوم سے شمار کرنے میں کلام کرتے تھے۔ انا جبل میں جو ابن داؤد کے لقب سے حضرت کو یاد کیا گیا ہے یہ ان کے معتقدین خاصہ کا کام ہے۔ (۴) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت یا اظہار میں علاوہ معجزات و آیات پینات کے دو باتیں کہیں۔ اول مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ کہ میں اپنے سے پہلی کتابوں کی یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہی مضمون انجیل متی کے پانچویں باب سترھویں جملے میں ہے۔ ”یہ خیال مت کرو کہ توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔“ انتہی۔

جن لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آئے تھے وہ توریت کو مانتے تھے پھر آپ کا اس کی تصدیق کر کے معجزات دکھانا، عمدہ تعلیم دینا ان لوگوں کے لیے صاف نبوت پر یقین دلانے والا امر تھا اور کوئی وجہ سرتابی اور سرکشی کی نہ تھی مگر ازلے بدبختی مانع آئی۔

فائدہ: حضرت مسیح علیہ السلام تو توریت کی بابت یہ فرمائیں اور نیک کاموں پر پابند ہونے کی تاکید کریں اور پولس اور اس کے بعد لو تھر وغیرہ جو عیسائیوں کے رسول اور مجتہد اور دینی بزرگ ہیں وہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یوں کہیں اور حلال و حرام کی قید سے آزادی دیں۔ جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سولعت کے تحت ہیں۔ ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی (یعنی مسیح) کا ٹھہر (صلیب پر) لٹکا یا گیا سولعتی ہے۔ ۱۴۔ پر شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں۔ یہ حضرت پولس کے اس خط کے فقرے ہیں جو آپ نے گلیوں کو لکھا تھا اس کے تیسرے باب میں مذکور ہیں۔ پھر اس خط میں جو عبرانیوں کو لکھا تھا اس کے ساتویں باب میں پولس صاحب توریت کی بابت یہ فرماتے ہیں قولہ ”اگلا حکم اس لیے کہ کمزور اور بے

فائدہ تھا اٹھ گیا، یعنی توریت جو کمزور اور بے فائدہ تھی اٹھ گئی۔ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلظ نامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحے ۳۷ میں مارٹین لوتھر کا قول اس کی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ اور یہ مارٹین لوتھر فرقہ پرائسٹنٹ کا جو آج کل ہندوستان میں حکومت کر رہا ہے پیشوا اور مصلح دین اور مجتہد ہے۔ مارٹین فرماتے ہیں اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد صفحہ ۴۰-۴۱ میں قولہ ”ہم نہ سنیں گے اور نہ دیکھیں گے موسیٰ کو اس لیے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے تھا اور اس کو ہم سے کسی چیز میں علاقہ نہیں۔“ پھر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”ہم موسیٰ کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کی توریت کو اس لیے کہ وہ دشمن عیسیٰ ہے۔“ پھر لکھتے ہیں ”موسیٰ تو جلا دوں کا استاد ہے۔“ پھر لکھتے ہیں ”توریت کے دس حکموں کو عیسائیوں سے کچھ علاقہ نہیں۔ ان کو دور کرنا چاہیے۔ تمام بدعات ان سے موقوف ہو جائیں گی۔“ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ باتیں بھی ہیں۔ بت پرستی نہ کرو، ماں باپ کی تعظیم کرو، ہمسایہ کو ایذا نہ دو، ناحق خون نہ کرو، زنا نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ۔ پھر لوتھر فرماتے ہیں حرام و حلال کی قید سے آزاد ہو جاؤ۔ حرام کاری کرو، خون کرو، جس قسم کی چاہو بد کاری کرو اور خوب دلیری سے کرو اور دن میں سو بار کرو مگر صرف مسیح پر ایمان رکھو۔ تمہاری نجات ویسی ہی یقینی ہے جیسا کہ مسیح کی۔“ سب عیسائیوں کا صہا برس سے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہی عقیدہ ہو گیا تھا اور اس لیے وہ بد کاریوں اور ہر قسم کے گناہوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔

دوسری بات : اس لیے حکمت الہیہ کا مقصد ہوا کہ ان سب کو سدھارنے کے لیے ایک زبردست رسول قائم کرے اور الہام سے یہ بات کہ عیسائی ایسے ہو جائیں گے اور ان کے پاس اصلی کتابیں بھی نہ رہیں گی اور وہ مجھ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے آپ کو معلوم کرائی گئی تھی جس لیے آپ نے یہ دوسری بات اپنی نبوت کے ثبوت میں بیان فرمائی۔ ”وَمُبَشِّرٌ أَبْرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ کہ میں ایک رسول کی خوشخبری بھی دیتا ہوں کہ جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے البتہ ایک ایسے نبی کی پیشین گوئی نبوت مسیح علیہ السلام کی پوری دلیل تھی اور ایسی پیشین گوئی جبکہ اس قوم سرکش نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول نہ کیا اور ایذا رسانی پر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے ضرور تھی تا کہ ان سرکشوں کو متنبہ کیا جائے کہ ایک ایسا نبی صاحب شوکت بھی آنے والا ہے جو تمہارے بل سیدھے کر دے گا۔

اب ہم کو اس پیشین گوئی کی بابت بحث کرنی ہے؟ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جس کی بابت خبر دی ہے اور اس کو فارقلیط سے تعبیر کیا ہے اس سے روح القدس کا نازل ہونا مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حواریوں پر جبکہ وہ ایک مکان میں مجتمع تھے نازل ہوا تھا۔ جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ روح القدس کسی خاص شکل میں دکھائی نہیں دیا تھا بلکہ ان پر اس کا ایک ایسا اثر ہو گیا تھا جیسا کہ کسی کے سر پر شمس دو یا کوئی جن چڑھ کر بولتا ہے اور یہ معاملہ تھوڑی دیر تک رہا تھا اس سے مراد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اہل اسلام سمجھتے ہیں۔

فارقلیط میں بحث : قبل اس کے کہ میں فارقلیط کی تحقیق کروں اور اس کے ساتھ جو اور بھی الفاظ ہیں جو کسی طرح روح القدس کے نازل ہونے پر دلالت نہیں کرتے اور روح القدس پر چساں نہیں ہو سکتے ان کو بیان کروں عیسائیوں کی دینی کتابوں پر بحث کرتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کا کیا حال تھا؟ آیا وہ اصلی کتابیں بغیر تحریف و تبدیل کے سب کلیساؤں میں موجود تھیں یا نہیں؟

اہل کتاب موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کو توریت کہتے ہیں اور پھر حضرت یوشع بن نون خلیفہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تصنیف کردہ کتابوں کو ملا کر عہد عتیق اور انجیل اربعہ اور حواریوں کی تاریخ اور ان کے ملفوظات و مکاشفات کو عہد جدید کہتے ہیں اور کبھی عہد عتیق کو کہ جس کو پرانا عہد نامہ یا اولڈ ٹیسٹمنٹ بھی کہا کرتے ہیں سب کو توریت کہہ دیتے ہیں اور عہد جدید کو جس کو نیا عہد نامہ یا نیو ٹیسٹمنٹ بھی کہتے ہیں سب کو انجیل کہہ دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کلام الہی الہام ہوا تھا اب خواہ ان کو کوہ طور پر ہوا ہو یا دیگر مقامات براصل توریت جس کا ذکر قرآن مجید میں

ہے وہی ہے اور ہونا بھی چاہیے اور اس کے برحق ہونے میں کچھ بھی کلام کسی ایماندار کو نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس توریت کو کاغذوں پر لکھوایا تھا یا لکڑی کے تختوں پر یا اور کسی چیز پر اس کا پورا پتہ دریافت کرنا مشکل بات ہے۔ خواہ کسی چیز پر لکھوایا ہو مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد تک وہ کتاب (جس کا غالباً ایک ہی نسخہ ہوگا کاغذ و کتابت کی قلت کی وجہ سے) بنی اسرائیل میں رہی کسی خاص دن میں لوگ اس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا وعظ بھی سنتے تھے اور وہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صندوق شہادت میں رکھوا دی تھی۔ جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اکتیسویں باب کے چوبیسویں جملے میں ہے۔ قولہ ”اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی باتوں کو لے کر خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے ایک بغل میں رکھو تا کہ وہ تمہارے برخلاف گواہ رہے۔“ اٹھی۔ شریعت کی کتاب توریت ہی تھی ورنہ اس کے سوا اور کوئی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ثابت نہیں ہوتی۔

پھر رجعام بادشاہ یہود کے عہد میں ایک بار مصر کا بادشاہ سیتق بنی اسرائیل پر چڑھ آیا۔ وہ بیت المقدس کا تمام سامان لوٹ کر لے گیا۔ جو اس کے باپ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تیار کیا تھا اور اسی حادثے میں وہ کتاب اور صندوق بھی غارت ہوا۔ مگر اول کتاب السلاطین کے آٹھویں باب نویں درس سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی حادثوں میں جاتی رہی تھی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ ”سلیمان نے جب وہ صندوق کھولا تو بجز دو لوحوں کے اس میں سے اور کوئی چیز نہیں نکلی۔“ اس عہد سے لے کر یوسیاہ بادشاہ کے عہد تک جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو چوبیس برس پہلے تھا توریت کا کہیں پتہ نہ تھا مگر اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلقیہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی ہے۔ (۲۔ کتاب السلاطین باب ۲۲) اس کے بعد یوسیاہ نے تمام قوم کو جمع کر کے یہ کتاب جس میں احکام شرعی تھے سنوائے اور اسی کا نام توریت تھا۔

فرض کر کہ اس عرصہ دراز تک کوئی توریت سے واقف بھی نہ تھا صرف خلقیہ کو کسی جگہ سے مل گئی اور اس میں کوئی کمی بھی نہ ہوئی نہ کوئی ورق کم ہو نہ عبارتیں مثیل مگر یہ بھی اس کے بعد بخت نصر کے حادثے میں دنیا سے معدوم ہو گئی جیسا کہ کتب توارخ شاہد ہیں۔ پھر ستر برس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے احکام شریعت و دستورات عبادت و بعض روایات کو اپنی یادداشت سے لکھا۔ عام اہل کتاب اسی کو توریت کہتے ہیں کہ از سر نو اس کو لکھوایا مگر یہ نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ یہی کہ دینی دستورات و روایات کو یادداشت کے موافق جمع کیا تھا مگر اس کے بعد انیوکس ابی فلنس سریا کے بادشاہ نے سن عیسوی سے ایک سو ستر برس آگے یروشلیم پر کئی بار چڑھائی کی۔ ایک بار اس نے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور تمام کتابوں کو تلاش کر کے جلا دیا اور بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ بت خانہ بنادیا اور کئی کروڑ کا قیمتی اسباب لے گیا۔ مقامیں کی پہلی کتاب کے اول باب میں ہے کہ ”انیوکس نے یروشلیم کو فتح کر کے عہد عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے اسے ملے پھاڑ کر جلا دیے اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہد عتیق کی نکلے گی یا وہ شریعت کی رسم بجالائے گا مارا جائے گا اور ہر مہینے میں یہ تحقیقات ہوتی تھیں۔“ اٹھی۔

اس حادثے میں حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی تصانیف یا ان کے بعد جو شمعون صادق نے تخمیناً دو سو بانوے برس مسیح علیہ السلام کے پہلے یادداشت کے طور پر یا توریت کی سنی سنائی باتیں لکھیں اور اسی کو یہود توریت سمجھتے تھے وہ بھی سب کچھ اس حادثے میں تلف ہو گیا اور یہود بالکل دینی کتابوں اور احکام شریعت سے بے بہرہ ہو گئے۔ یہ عہد عتیق پر تیسرا حادثہ تھا جو بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس کے بعد یہوداہ مقامیں نے سن عیسوی سے تخمیناً ایک سو پینسٹھ برس پہلے پھر بیت المقدس کی تعمیر شروع کی اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح

یادداشت پر عہد عتیق کی نقل جمع کی۔ پھر یہی نسخہ بنی اسرائیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توریت اور کتب انبیاء سمجھا جاتا تھا اور یہ صرف ایک ہی نسخہ تھا جو بیت المقدس میں دہرا رہا کرتا تھا مگر ۷۰ عیسوی میں روم کا شہزادہ یہودیوں کی سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے بڑے طیش میں آکر شہر یروشلم پر چڑھ آیا اور محاصرے کے بعد شہر کو غارت کیا اور بیت المقدس کو بالکل مسمار کر دیا اور گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور بہت کو غلام بنایا اور کتابوں اور بے شمار اسباب اور بیت المقدس میں آگ لگا دی جس کا شعلہ آسمان تک بھڑک اٹھا اور اس نسخے کو اپنے ساتھ روم میں لے گیا جیسا کہ بعض اہل کتاب کا خیال ہے (مفتاح الکتاب رومن صفحہ ۲۱۔ مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء) پھر جب توریت کا یہ حال ہوا تو اور کتب انبیاء علیہم السلام زبور وغیرہ کیونکر ان حوادث میں بچ رہے ہوں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا توریت کی تصدیق کرنا اور وہ عظم فرمانا اور اسی طرح حواریوں کا اس سے سند لینا اکثر تاریخ سے ثابت ہے پھر جب اصل توریت دنیا میں موجود نہ تھی تو یہ کیونکر ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی تاریخ اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری کرام نے یہ شہادت دی ہو کہ یہ وہی توریت اور صحیفہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان میں کسی جگہ تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی نہ کی زیادتی اور ہرگز ہرگز وہ حضرات نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس لیے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جنگ نامہ اور یا ہو غیب بین کی کتاب اور اسی طرح اور کتابیں جن کی تعداد پندرہ بیس کے درمیان ہے مفقود ہو گئیں اور کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ کتاب استثناء کا اخیر باب اور کتاب یثوع کا اخیر باب اور دیگر مقامات کو جن میں ان چیزوں کا ذکر ہے کہ جو حضرت موسیٰ و یثوع علیہما السلام کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئیں ہرگز ہرگز موسیٰ و یثوع علیہما السلام کا کلام نہیں بلکہ بعد میں کسی اور نے ملادیا اور اس ملانے والے نے حاشیہ و تفسیر کا بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا اور نہ اپنا نام ظاہر کیا۔ یوں خوش اعتقادی سے چاہو حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے لو یہ اور بات ہے اسی طرح زبورات و دیگر صحیفہ انبیاء کے مصنفین میں آج تک علمائے اہل کتاب کو اختلاف ہے پھر کیوں ان کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام نے فیصلہ نہیں کر دیا؟ اور سامریوں نے اپنی توریت میں عیسیاں پہاڑ کی جگہ جرزین بنالیا اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ توریت میں ہمارے موافق ہے۔ سامری کہتے تھے کہ جرزین پہاڑ پر حکم ہوا تھا اصلی یہ کل ہماری ہے اور یہود کہتے تھے نہیں بلکہ عیسیاں پہاڑ پر بنانے کا حکم ہوا تھا وہ اصلی یہ کل ہماری ہے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے (جبکہ ایک سامری عورت نے آپ سے اس کا فیصلہ پوچھا۔ یوحنا ۴۔ باب ۱۹ و ۲۵) تو اس کا بھی کوئی فیصلہ نہ کیا اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جھوٹا یا سچا نہ بتایا۔ اور ممکن ہے کہ توریت کی تحریف اور اصلی حال بھی کھول دیا ہو مگر لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو کیونکہ آپ کی بہت سی باتیں نہیں لکھی گئیں جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۲۰ باب۔ ۳۰ درس اور ۲۱ باب ۲۵ درس میں تصریح ہے۔

اور جبکہ حال کے روشن دماغ توریت کے طرز کلام کو دیکھ کر فوراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد تاریخ کے طور پر کسی نے جمع کی ہے۔ چنانچہ لنڈن میں ایک ہشپ (پادری) نے توریت کی بابت اپنی یہی رائے ظاہر کی جس پر وہ اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔ پھر اس کی اپیل اس نے کی۔ پھر کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا ہوگا خصوصاً جبکہ یہود کی دیانت داری اور سخن پروری اور حق پوشی کا ان کو صد ہا باتوں سے یقین کامل ہو گیا تھا اور عیسیاں اور جرزین کے مقدمے میں ایک گروہ دوسرے پر تحریف کا الزام لگا رہا تھا۔

طیطس کے بعد روم کے بت پرستوں کی طرف سے جو سخت سخت حادثے اہل کتاب پر پڑے وہ ایسے تھے کہ ان میں جان بچانا بھی مشکل تھا پھر ایسی کتاب کہ جس کے متعدد نسخے نہ ہوں اور سامان کتابت میسر نہ آنے کے سبب تختیوں یا مولے بدنما کاغذوں پر لکھی ہوئی ہو کہ

جو کئی اونٹوں پر لادی جائے کیونکر جرح کی جاسکتی تھی؟ اور جو بچی بھی تو یہ کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اس میں سے کوئی جزو یا درق یا حصہ کم نہیں ہوا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تھا تو یہ کتابیں جو اہل کتاب کے پاس بالفعل موجود ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی استشہاد کی طرف منسوب ہیں وہ کہاں سے آگئیں؟ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بھی اہل کتاب کے پاس تھیں جن کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے اور آنحضرت علیہ السلام نے بھی استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح علماء اہل کتاب پچھلے حادثوں میں (جہاں توریت کا دنیا سے مفقود ہو جانا یقیناً ثابت ہوتا ہے) یادداشت کے طور پر نام نہادان اصلی کتابوں کو جمع کرتے رہے۔ اسی طرح ان حادثات کے بعد کسی نے اصل توریت کے مطالب پر جو پچھلے نسخوں میں جمع تھا اور مسائل شریعت اور حکایات و روایات کو اپنی یادداشت سے اور کسی سے سن سنا کر یا کوئی شکستہ و برباد شدہ پہلے نسخوں کا حصہ بہم پہنچا کر جمع کیا اور اس کا نام توریت و زبور وغیرہ رکھا۔ یہ دستور اہل کتاب میں نیا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد خلیفہ سردار کاہن نے کیا جبکہ دنیا میں کوئی بھی توریت کا واقف کار نہ رہا تھا اس کے بعد باہل کی اسیری کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء نے مل کر کیا اس کے تلف ہو جانے کے بعد شمعون صادق نے کیا جب انٹوکس گردی میں یہ بھی جاتا رہا تو مقامیں کا جمع کردہ ذخیرہ طیطس گردی میں جاتا رہا تو پھر اور کسی نے جمع کر لیا ہوگا۔

توریت موجودہ میں اور اسی طرح زبور وغیرہ دیگر صحیفہ انبیاء علیہم السلام میں اصل توریت وغیرہ کے الہامی مطالب بھی ہیں اور دیگر رطب و یابس روایات و حکایات بھی ہیں اس لیے جہاں تک یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق ہیں ٹھیک ہیں ورنہ غلط یا منسوخ۔ چنانچہ نور الانوار وغیرہ کتب اصول فقہ میں علمائے اسلام نے اس کی تصریح کر دی ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی یہی کہہ رہی ہے۔ لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تکن بھم (الحدیث) کہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ یہ وہاں ہے جہاں کتاب و سنت ساکت ہو اور چونکہ اس مجموعے میں اصل توریت کا خصوصاً احکام شریعت میں ایک بڑا حصہ تھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کو احکام شرعیہ کی مخالفت پر الزام دینے کے لیے ان کے زعم کے موافق اس کو استشہاد میں لانا اس کا حوالہ دینا یا اس کی تعظیم کرنا اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی کہ ان بزرگواروں نے بلا کم و کاست اس کتاب کو اصلی اور غیر محرف مان لیا ہے یا کسی مؤرخ کا ان کے حوالے دینے سے بھی اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لا تصدقوا۔ کافقرہ جو خاتم المرسلین ﷺ کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود کے حق میں یہ فرمانا قولہ ”پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا“ اٹھنی۔ انجیل متی ۱۵ باب ۶ درس۔ اس بات کی طرف صاف صاف اشارہ کر رہا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول کہ ”میں توریت کو منانے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“ اس بات کی شہادت نہیں کہ وہ موجودہ کتاب کو اصلی اور غیر محرف کہہ رہے یہ اس کے احکام کی بابت ہے کہ جن کو یہود نے ترک کر دیا تھا خواہ وہ احکام کسی کتاب میں کسی نے درج کئے ہوں یا سینہ بسینہ چلے آتے ہوں۔

اس کے سوا عیسائیوں کے قدما محققین بوقت مباحثہ یہود پر یہ بھی الزام قائم کرتے تھے کہ تم نے بہت سی پیشین گوئیاں کتاب مقدس سے نکال ڈالیں۔ چنانچہ جسنٹن نے جو عیسائیوں کا بڑا عالم تھا طریفون سے جو ایک یہودی عالم تھا مباحثے کے وقت یہ کہا۔ اس بات کو یوسی بلیس مؤرخ اپنی کتاب چہارم کے ۱۸ باب میں لکھتا ہے اور علاوہ اس کے صد ہا مقامات میں اختلاف اور غلط ہونا جس کی تفصیل علماء اسلام نے کتب مناظرات میں کی ہے اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ وہ توریت نہیں اگر اس میں اصلی حصہ بھی ہے تو اس کے ساتھ لوگوں کا کلام بھی اس طرح مخلوط ہوا ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہے۔

پھر اس کے بعد بھی جو کچھ تبدیل و تغیر اہل کتاب کی غفلت یا بددیانتی سے اس میں واقع ہوئی وہ بھی کتاب مذکور کو قابل اعتبار نہیں ہونے دیتی اور اس بات کا ذکر ابھی کسی قدر آتا ہے اس لیے سینکڑوں محققین یورپ نے اور دیگر مؤرخین نے اقرار کر لیا ہے کہ اصلی توریت

جاتی رہی۔

انجیل شریف : اس کا حال تو تو ریت مقدس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ اس میں کوئی شبہ بھی اہل اسلام کو نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی تھی کما قال واتینہ الانجیل کہ ہم نے عیسیٰ کو (نہ کسی اور کو) انجیل عطا کی۔ انجیل کے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیے جانے سے ان کو صرف قوت الہام و بشارات دیا جانا مراد لینا ایک بیکار توجیہ اور ست تاویل ہے۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کتاب کتنی بڑی تھی اور کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی؟ مگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرایا تھا اور یہی وہ کتاب مقدس انجیل تھی جس پر اہل اسلام کو ایمان لانا ضرور ہے۔

نصاری اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں مسیح علیہ السلام پر کوئی خاص کتاب نازل نہیں ہوئی تھی نہ آپ نے اپنے اہتمام سے ان الہامات کو جمع کرایا تھا جس کے گم کردینے کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے بلکہ الہامات کو حواریوں نے ان کے بعد جمع کیا۔ حواریوں کی جمع کردہ کتابیں ہی انجیل ہیں۔

مگر پولس کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں حضرت کی کوئی کتاب تھی پولس اس خط میں جو گلیتوں کو لکھا ہے اس کے اول باب کے ۶ جملے سے ۱۰ تک کہتا ہے۔ قولہ ”میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں ملا دیا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے سو وہ دوسری انجیل تو نہیں مگر بعض ہیں جو تم کو گھبراتے ہیں اور مسیح کی انجیل الٹ دینا چاہتے ہیں لیکن اگر ہم یا کوئی آسمان کا فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سولعون ہو“۔ انجیلی۔

یہ لوگ کہ جن سے پولس خطاب کر رہا ہے دوسرے عیسائی و اعظموں کے تابع ہو کر بدعات کی طرف متوجہ ہوئے تھے جن کو پولس انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس عہد میں ان چاروں اناجیل کا جواب انجیل متی و انجیل مرقس و انجیل لوقا و انجیل یوحنا کے نام سے نامزد ہیں و جو بھی نہیں تھا کس لیے کہ یہ انجیلیں اس خط لکھنے کے بعد لکھی گئیں جیسا کہ تواریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر بتلاؤ کہ وہ کون سی انجیل اس وقت پولس کے پاس تھی جس کو وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کہتا اور اس کی پابندی پر مامور کرتا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہی انجیل کہ جس کا ہم نے ذکر کیا اور اسی طرح انجیل مرقس کے ۶ باب ۱۵ اور ۱۶ میں بھی اس انجیل کا ذکر ہے قولہ ”اور اس نے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو“۔

اور یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مصیبت کے سفر میں توریت لکھیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کو اس لڑائی کے وقت کتاب لکھنے کی فرصت ملے۔ اسی طرح اور اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ان کے رد و برو لکھے جائیں مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ فرصت ملے نہ وہ حکم الہی سے اس ضروری کام پر مامور ہوں؟ پھر اگر انجیل چند بشارات و تعلیم ہی کا نام تھا اور اس نام کی کوئی کتاب نہ تھی تو حواریوں کو اپنی کتاب کا نام انجیل پر رکھنا کس نے بتا دیا اور اس کی ان کو کیوں ضرورت ہوئی اور کس لیے اس بات کی طرف ان کا دل الجایا اور ان کے بعد پھر سینکڑوں انجیلیں پیدا ہو گئیں۔

ضرور ایک کتاب اس نام کی تھی جو خاص حواریوں کے پاس رہتی تھی جس پر انہوں نے بھی اپنی اپنی کتابوں کے نام تبرکاً اور اعتبار

۱۔ ہارن مفسر اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں کہتا ہے کہ ”قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات تھے اور انہوں نے اس سے نقل کیا۔ متی نے بہت لوقا اور مرقس نے تھوڑا“۔ انجیلی۔ فاضل نورتن نے اپنی کتاب علم الاسناد مطبوعہ شہر بوٹن ۱۸۳۷ء کے دیباچہ جلد اول میں اکھارن کا قول نقل کیا ہے کہ ”ابتداءً ملت مسیحی میں ایک کتاب تھی جائز ہے کہ یہ وہی اصل انجیل ہو“۔

فرقہ ایونی کے پاس عبرانی کی ایک انجیل تھی جس کو وہ بارہ حواریوں کی انجیل کہتے تھے۔ یہ ساری باتیں ہمارے خیال کی مؤید ہیں۔ ۱۲۰

جمانے کے لیے انجیل رکھے اور بعد تک یہ دستور جاری رہا۔ مگر پولس کے عہد کے بعد سے خصوصاً جبکہ یہ چاروں انجیلیں مشہور ہوئیں اس اصلی انجیل کا نام و نشان بھی سننے میں نہ آیا۔ اس کے مفقود ہونے کا زمانہ ان بے انتہا مصائب کا زمانہ ہے جو اول ہی صدی میں عیسائیوں پر پڑیں اور سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنانِ دین مسیحی نے حواریوں سے وہ نسخہ چھین کر تلف کر دیا۔ اس کے بعد حواریوں نے یادداشت کے طور اس کے مضامین اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تاریخی واقعات کو لے کر جمع کر کے اس کا نام انجیل رکھا اور کچھ عجب نہیں کہ ہر ایک نے اپنی انجیل مردوح کرنے کے لیے اس تسلی سے کہ اس کے مضامین بھی تو اس میں ہیں اصل نسخے کو طاق نسیاں میں ڈال دیا جو شدہ شدہ مفقود ہو گیا ہر چہ باشد مگر ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کی عبرانی زبان میں ایک کتاب انجیل تھی جو سینکڑوں برسوں سے مفقود ہے بلکہ دوسری صدی عیسوی سے اس کا پتا نہیں۔ حفظ کا رواج نہ تھا، قلمی نسخوں کی قلت تھی اس پر ہر ایک کو اپنے اپنے پیرومرشد انجیلی کے انجیل پر تکیہ تھا کہ پس یہی تو وہ ہے بلکہ مع شے زائد اس لیے اس کے مفقود ہو جانے کی پروا نہ کی۔ اہل اسلام کے سے ان کے نہ طابع تھے نہ حافظے کہ خدا کے کلام کو جدا محفوظ رکھتے اور پیغمبر کی احادیث و تاریخ کو جدا۔ نہ خدا کو یہ منظور تھا نہ اس کی حفاظت کے اسباب پیدا کئے۔ جس مصلحت سے اس نے اگلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کو مفقود ہونے دیا آنے والے خاتم المرسلین علیہ السلام کی کارگزاری کی وجہ سے اس کے بھی مفقود ہونے کو اور رکھا۔ تلک حکمتہ بالذات۔

اب جن کو عیسائی انجیل کہتے ہیں کسی قدر انہیں کا حال بیان کرتا ہوں دھوھذا۔ انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل مرقس، انجیل یوحنا۔

حواریوں کے اعمال یعنی تاریخ پولس کے خطوط یعقوب کا خط وغیرہ۔ ان انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اقوال و افعال مندرج ہیں۔ طرزِ تحریر کہہ رہا ہے آنکھوں دیکھے یا سنے سنائے حالات لکھتے ہیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ الہامی طور ہے نہ الہام کی حاجت ان کتابوں میں واقعات کی نسبت کی زیادتی بھی ہے اور مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔

ان کتابوں کو عیسائی منزل من اللہ جانتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ نہ ان کے مصنفوں کی نبوت ثابت ہے نہ کوئی معجزہ ان سے سرزد ہوتا ثابت ہوتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تعجب ہے کہ لوقا اور مرقس حواری نہیں اور متی اور یوحنا جو حواری ہیں تو حواریوں میں بڑے رتبے کے نہیں ان سے بڑے بڑے مقرب حواری شمعون بطرس وغیرہ تھے ان کی کوئی انجیل نہیں۔

ان کتابوں کے سوا تھیمیا ایک سوتیں اور کتا ہیں ہیں کہ جن میں عیسائیوں کے ہاں اختلاف ہے یا یوں کہو اختلاف تھا۔ قدما نے ان میں بعض کو الہامی بعض کو غیر الہامی مانا اور متاخرین نے اس میں خلاف کیا اور بعض کتابوں کو الہامی تو نہیں مگر جس طرح اہل اسلام حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ بھی ان کو اسی مرتبے میں سمجھتے ہیں۔ انہیں میں سے برہنہ حواری کی انجیل ہے۔

متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی۔ لارڈز نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۲۷ء بمقام لنڈن کے صفحہ ۷۲ جلد دوم میں ارجن کے تین قول نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی انجیل عبرانی تھی۔ اور اسی طرح یوسی بیس اور جروم وغیرہ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم اس کے قائل ہیں۔ اور ہارن مفسر نے اپنی تفسیر جلد چہارم میں ان کے اقوال نقل کئے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی تصنیف ۳۷ء یا ۳۸ء میں ملک یہودیہ میں ہوئی۔ اور ۶۱ء میں پھر اس کا عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ متی نے نہیں بلکہ کسی اور شخص نے ترجمہ کیا۔ پادری فاٹر اختتام دینی مباحثہ مطبوعہ سکندرہ اکبر آباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳ میں کہتا ہے کہ یا حواریوں کے کسی مرید نے اس کا ترجمہ یونانی میں کیا ہے۔ انھی۔

اصل عبرانی انجیل متی کا اب کیا صدیوں سے دنیا میں نشان نہیں۔ کسی کلیسا میں نہیں اور اس کے مفقود ہونے پر تمام عیسائی متفق ہیں۔ اب اس کے مفقود ہونے کی جو وجہ خیال میں آئے وہی اصل انجیل کی سمجھ لینی چاہیے۔ اب رہا ترجمہ یونانی اول تو مترجم کا حال یقینی طور پر

معلوم نہیں کہ وہ کس لیاقت اور کس دیانت کا آدمی تھا؟ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ دراصل یہ اس کتاب عبرانی کا ترجمہ ہے یا اورغنی کتاب ہے؟ اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور غلط ہے تو کس قدر؟ کیونکہ یہ باتیں اصل سے مطابق کئے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں اور اصل کا دنیا میں نشان بھی باقی نہیں اور اس انجیل یونانی کے اول اور دوسرے باب کو عیسائیوں کے محقق ڈاکٹر ولیمس وغیرہ اور نیز عیسائیوں کا ایک فریق جس کو یونی میرن کہتے ہیں الحاقی اور جعلی کہتے ہیں۔ اور خصوصاً باب اول میں جو نسب نامہ ہے مسیح علیہ السلام کا اس میں تو ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرین انجیل کو کوئی جواب بھی بن نہیں پڑتا مگر اور عیسائی اس کو بھی الہامی مانتے ہیں۔ پھر فارقلیط کی بشارت میں الحاق ہونا کون سی بڑی بات ہے۔

انجیل مرقس : مرقس کا اب تک صحیح حال بھی عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا اور کس برس میں عیسائی ہوا صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ وہ بطرس حواری کا شاگرد ہے اور اس نے بطرس وغیرہ لوگوں سے سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات لکھے اور اس کتاب کے سن تالیف بھی بخوبی معلوم نہیں۔

پادری اسکات دیباچہ تفسیر رومن صفحہ ۲۳۹-۲۴۰ میں کہتا ہے ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی اور بالاتفاق شہر روم میں اس نے یہ کتاب تصنیف کی اور رومیوں کے لیے لکھی تو لاطینی یعنی رومی زبان میں لکھی گئی کس لیے کہ رومی لوگوں کی زبان لاطینی ہے مگر اس اصل نسخے کا اب تک پتا نہیں ہاں اس کا ترجمہ یونانی موجود ہے۔ اب اول تو مرقس کی نبوت ثابت نہیں پھر الہام تو درکنار۔ دوم بطرس اور پولس اس کے راوی ہیں لیکن وہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا اور یہ بات پوری شبہ پیدا کھینے والی ہے۔ سوم اصل کتاب مفقود ہے ترجمے میں کلام ہے۔

انجیل لوقا : یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں بلکہ پولس کا شاگرد ہے نہ اس شخص کا پورا حال دریافت ہوا کہ کہاں کا باشندہ تھا اور کس کے ہاتھ پر دین میں داخل ہوا اور اس کی اصل زبان کیا تھی اور یہ انجیل اس نے کب لکھی اور کس زبان میں لکھی اور جبکہ متی اور مرقس کی انجیل تصنیف ہو چکی تھی تو پھر اس کو انہیں باتوں کے قلمبند کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی کیا وہ اس کے نزدیک پایہ نبوت کو نہیں پہنچی تھیں اس کا سن تالیف بھی قیاسی طور پر ۶۴ء بیان ہوا ہے۔

یہ کہیں نہیں کہتا کہ میں رسول ہوں اور جو کچھ لکھتا ہے الہام سے لکھتا ہے۔ اس کی روایت بھی مقطوع ہے کیونکہ یہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔

انجیل یوحنا : یہ یوحنا حواری کی طرف منسوب ہے اس کی تالیف کا زمانہ بھی تخمینہ ہے یعنی تخمیناً سوئس عیسوی میں یعنی عروج مسیح سے ستر برس بعد۔ مگر یہ بھی الہام اور رسول ہونے کا مدعی نہیں۔ اس کے طرز بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مبالغہ بھی اس کے کلام میں ہے چنانچہ اسی انجیل کے باب ۱۲ اور ۲۵ درس میں یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے حالات میں کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ ساتیں۔ ہرگز یہ صحیح نہیں کس لیے کہ اگر کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا روز تولد سے آخر تک روز نامہ بھی لکھتا اور فرض کر لو کہ ایک روز کے حالات ایک کتاب میں درج ہوتے تو بھی وہ سب کتابیں یروشلیم میں سما سکتی تھیں۔ دنیا تو بڑی وسیع ہے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسری صدی میں لوگوں نے انجیل یوحنا کی بابت کلام کیا کہ یہ ان کی تصنیف نہیں۔ اس وقت آریئوس موجود تھا اور یہ پولی کارب کا شاگرد تھا اور پولی کارب یوحنا حواری کا۔ مگر آریئوس نے اپنے دادا استاد کی کتاب پر شہادت نہ دی۔ معلوم ہوا کہ اس کو بھی شک تھا یا اس کے استاد نے ذکر بھی نہیں کیا تھا مگر نہ ایسے موقع پر سکوت کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اس کے سوا کا تک ہر لڈکی چوتھی جلد مطبوعہ ۱۸۳۳ء صفحہ ۲۰۵ میں یہ ہے۔ استاد لٹن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انجیل یوحنا

مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں اور اسی طرح محقق برٹیش میوزیم کہتا ہے کہ یوحنا کی تصنیف ہے نہ یہ انجیل ہے نہ اور رسائل بلکہ دوسری صدی عیسوی میں کسی اور شخص نے تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دیے کہ لوگوں میں اعتبار ہو۔ جب ان چاروں انجیلوں کی یہ کیفیت ہے تو اور کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ پولس کے خطوط اور بعض دیگر رسائل جواب عہد متیق میں شامل ہیں مدتوں عیسائیوں میں غیر معتبر مانے گئے۔

تحریف: جو بعد میں ان کتابوں میں ہوئی اور بھی اعتبار رکھو یا اور عیسائیوں کے مقدس لوگوں میں خاص پہلی ہی صدی سے اس بات نے کہ جھوٹ بول کر بھی دین میں کوشش کرنا امر محمود ہے جیسا کہ پولس کہتا ہے اور بھی کتب مقدسہ کی بے اعتباری کر دی اور جبکہ یہ طوفان بے تمیزی موجزن تھا کہ آپ تصنیف کرنا اور رواج دینے کے لیے کسی مشہور اور معتبر آدمی کے نام سے منسوب کر دینا جیسا کہ یونانیوں کا قدیم شیوہ تھا ان عیسائیوں کا بھی انہیں یونانی نسلوں کی جماعت میں داخل ہو جانے سے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا تھا اور جس وقت عیسائیوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا اور زمین میں ان کے لیے کوئی جگہ امن کی نہ تھی اور یہ بات روم کے بت پرست ظالم بادشاہوں اور ان کے عمال اور رعایا سب کی طرف سے صدیوں تک رہی ہے اور اس وقت جان بچانا ہی غنیمت تھا تلاش کر کے کتابیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے پاس کوئی ورق بھی لکھا تھا تو شکنجے میں کھینچ دیا جاتا تھا اس وقت اس کام کا ایسے چالاکوں کے لیے بڑا موقع تھا کہ آپ تصنیف کر کے جس حواری کے نام چاہا لگا دیا پوچھنے والا اور تحقیق کرنے والا ہی کون تھا اور جس کتاب میں جو چاہا کم زیادہ کر دیا۔ درحقیقت اس طوفان کے زمانے میں کتب سابقہ کو جیسا کچھ صدمہ پہنچایا ان سے باہر ہے۔ پرانے یونانی اور سریانی زبان کے ترجمے پتھر اجنت وغیرہ سب ہی پر تو آفت آئی اور جب امن کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی میں آیا اور عیسائیوں کے ہوش و حواس بجا ہوئے تو اب کتب مقدسہ کی تلاش کرنے لگے اور جو کوئی کتاب بہم پہنچاتا تھا تو بڑی قدر دانی سے لے جاتی تھی۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کتابوں کے بھی (جو اس طوفان کے پہلے تھیں خواہ وہ کیسی ہی ہوں جیسا کہ پہلے معلوم ہوا) کچھ نسخے ہاتھ لگے ہوں گے کیونکہ استیصال کلی خلاف تجربہ ہے اور ان میں سے بہت مفقود بھی ہو گئی ہوں گی۔ اسلامی مصنفوں کی بہت سی کتابیں مفقود ہیں اور جو کتاب حفظ کے ذریعے سے صد ہا آدمیوں کے سینے کے صندوقوں میں محفوظ نہ رکھی جائے جیسا کہ قرآن مجید اور صرف دو ایک قلمی نسخوں ہی پر اس کے وجود کی بنیاد ہو جیسا کہ کتب مقدسہ ان کا ایسے حوادث میں پورا رہ جانا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ پھر کسی کتاب کا جو بہم پہنچی ہوگی اول و آخر ندرت۔ کسی کا اول نہیں اخیر ہے کسی کا اخیر نہیں اول ہے۔ کوئی درمیان سے کم ہے، کسی کے چند اوراق کو کیزا چاٹ گیا۔ کسی کے کچھ اوراق پانی سے بھیگ کر باہم مل گئے اور اب جو چھڑائے گئے تو کچھ پڑھا نہیں جاتا اور کبھی کچھ پڑھا بھی جاتا ہے تو صاف نہیں۔ پھر اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے کسی کا اول بنایا گیا کسی کا اخیر کسی کے بیچ میں سے جملے بنا کر ملائے گئے اور کہیں جو یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس کی تصنیف ہے اس کے مطالب کی شان پر نظر کر کے ایسے ہی شخص کی طرف منسوب کر دی گئی اور یہی سبب ہے کہ کتب عہد کے مؤلفوں میں علماء اہل کتاب کا اختلاف ہے ایک کتاب ہے، کوئی کہتا ہے یہ فلاں شخص کی تصنیف ہے، کوئی کہتا ہے دوسرے شخص کی ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جن سے ان انجیلوں اور پرانی کتابوں کے باہم نسخوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ جس کا ٹکڑا نہیں۔ اور ان کتابوں کی توہین ترمیم کی اور جو نملیس اور نام یاد تھے ان کی جگہ نئی تصنیف انہیں کے ناموں سے کی گئیں، کسی نے تصنیف کر کے کسی کے، کسی نے اور دوسرے کے نام لگائیں اور پھر تو وہ بازار گرم ہوا کہ صد ہا مصنف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک سو کوئی ایک انجیلیں نکل پڑیں اور حواریوں کے خطوط و ملفوظات کا تو کچھ شمار ہی نہ رہا۔ کسی جو امر دے ایک خط گھڑ کے یہ بھی اڑا دی کہ یہ آسمان سے گرا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے لکھ کر بھیجا ہے۔ علماء کی مجال اس تحقیق کے لیے آمادہ ہوئی ہوں گی اور جہاں تک ہو سکا تحقیق کی مگر پھر بھی بہت جگہ پتانہ چلا۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے شہر نائس اور دیگر شہروں میں جو مجلسیں ہوئیں ان میں فہرست کتب مقدسہ جو پیش ہوتی رہی وہ غور کے

قابل ہے کہ کسی مجلس میں کوئی کتاب، کسی مجلس میں اور دوسری معتبر ٹھہری۔ پھر دوسری مجلس نے پہلی مجلسوں کے حکم کو رد کر کے اور چند کتابیں داخل کر دیں اور بعض کتاب اور بعض کے چند ابواب و فقرات پر خط کھینچ دیا۔

اور اسی لیے عیسائی مذہب کے بہت سے فرقے ہو گئے اور ان کا اصل کتب مقدسہ میں بھی اختلاف ہے۔ مانی کا فرقہ اور یونی میرن وغیرہ چند ان کتابوں کو نہیں مانتے جن کو اور عیسائی مانتے ہیں اسی طرح رومن کا تلمک اور پرائسٹن فرقے میں اختلاف ہے اور بہت سے محققین تو بول اٹھے کہ صرف فنی اور قیاسی طور پر یہ کتابیں حواریوں اور ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ورنہ ثبوت یقینی کچھ بھی نہیں۔

اس بیان کی شہادت نسخوں کے اختلاف سے بھی ہو سکتی ہے۔ وارڈ اپنی کتاب غلط نامہ میں لکھتا ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہد جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گرہسباخ نے جو اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا یعنی تین سو پچپن کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے اگر اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا تو اور بھی اختلافات نکلتے۔ یہ صرف انجیل کے اختلافات ہیں۔ اس بات کو پادری فنڈز نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ (اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد) ہم پادری مذکور کی عبارت نقل کر کے اپنے تمام بیان کی تصدیق کرائے دیتے ہیں۔ ”قولہ“ اگرچہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف و الفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کے مقدم و مؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو بے تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدل گیا۔ میکلیس صاحب ڈاکٹر بعلی صاحب کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ جلد اول صفحہ ۲۶۳ میں نقل کرتے ہیں کہ ”جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باوجود دو پوری صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ جینوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار ہیں اور اسی طرح رہیں گی۔“ انتہی۔

پادری صاحب کو اختیار ہے یا یوں اور کتابوں اور آیتوں کے تبدیل و تغیر و الحاق پر بھی اور مصنفوں کے نام معلوم نہ ہونے پر وہ اپنی کتاب کو بلا تحریف کہیں مگر لطف یہ ہے کہ پادری فنڈز صاحب یہ بھی صفحہ ۱۳۰ میں کہتے ہیں ”قولہ کہ“ یہ بات سچ ہے دیریوس ریڈنگ (غلطی کتابت) بہت ہیں اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے صفحہ ۱۳۱۔ پہلے یوحنا کے ۵ باب کے ۷-۸ آیتیں اور یوحنا کے ۵ باب کی پہلی سے ۱۱ آیت تک کو اکثر محسن مشتبہ جانتے ہیں ان کے سوا صرف دو آیات اور ہیں جن کی صحت پر شبہ ہے یعنی یوحنا کے ۵ باب کی ۴ آیت اور اعمال کے ۸ باب کی ۲۷ آیت۔“ انتہی۔ کیا اب بھی پادری صاحب کو انجیل کی تبدیل و تحریف میں کوئی شبہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ ان مشکوک اور الحاقی آیات کو اب تک انجیل میں لکھ رکھا ہے۔

خیر یہ تو جو کچھ تھا سو تھا اس کے بعد جب پوپوں کا دور دورہ ہوا اور بت پرستی اور جہالت کی گھٹا عیسائیوں پر چھائی اور ۴۰۰ عیسوی کے قریب شمال کی جانب سے بہت سے بت پرست اور وحشی اور ظالم و جاہل قوموں نے قیصروں پر حملہ کیا اور جہاں ان کا غلبہ ہوا انہوں نے مدرسوں اور کتب خانوں اور علم اور دین کی کتابوں کو جلا کر نیست و نابود کر دیا۔ اس پر آشوب حادثے سے شب تاریک سے زیادہ تاریکی عیسائیوں پر زمانہ دراز تک چھائی رہی اور اسی زمانہ میں آفتاب ہدایت کے سے جلوہ گر ہوا۔

اس حادثے کے بعد جب بدحواسی دور ہوئی تو پھر کتابوں اور علم کی درستی کی طرف التفات ہوا۔ اب خود غرضوں کو اور بھی تحریف و تبدیل کا موقع ہاتھ آیا، دیدہ و دانستہ کتاب میں کم زیادہ کرنا اہل کتاب کا قدیم دستور ہے بلکہ اپنے اغراض کے مخالف کتابوں کا جلا دینا بھی ان کا پیشہ قدیم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہد عتیق کے عبری تمام قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ستاون عیسوی کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر کے نسخے یہودیوں نے معدوم کر دیے اور ہشپ والٹن اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں جلسہ ساری کا بازار تو پہلی ہی صدی عیسوی سے گرم ہو گیا تھا۔ چنانچہ پولس کے عہد میں جھوٹی انجیل اور جھوٹے واعظ پیدا ہو گئے تھے اور خود پولس بھی دین کے رواج دینے کے لیے جھوٹ بولنا پسند کرتا ہے (دیکھو وہ خط جو رومیوں کو لکھا تھا اس کا ۳ باب) اور جب دوسری صدی میں مباحثے کے بعد ارجن کی رائے کو مان لیا گیا کہ غیر قوموں سے مباحثے کے وقت حکماء کا طور اختیار کر لینا چاہیے اس سے عیسائیوں کی راستبازی میں فرق آنے لگا اور اسی سبب سے جعلی تصانیف پیدا ہونے لگیں کیونکہ فیلسوف جب کسی کے طریقے کی پیروی کرتے تھے تو اس کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر کے مشہور کر دیتے تھے۔ یہ دستور کئی سو برس تک رہا اور رومی کلیسا میں جاری رہا جو بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید تھا۔ (تاریخ کلیسا)۔

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۲ء صفحہ ۳۳۱ میں لکھتے ہیں کہ بلا شک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کیں ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر آنے نہ دیں۔ انتہی۔

اب میں ان پرانے نسخوں کا کہ جن پر اہل کتاب کو ناز ہے اختلاف باہمی اور ایک کی دوسری سے کمی و زیادتی چھوڑ کر جو تفصیل طلب بیان ہے اہل کتاب کی ایک تھوڑی سی خیانت بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر آپ جب سے مطبوع ہونا شروع ہوا ہے مطبوعہ نسخے صرف انجیل کو ملا کر دیکھیں۔ پھر جرمن اور انگریزی اور فرنگ زبان کے مطبوعہ اور ان کے ساتھ اردو، فارسی، عربی کے بھی رکھ لیں۔ پھر دیکھئے کیا کچھ تفاوت نہ صرف الفاظ میں بلکہ مطالب و معانی میں آپ کو معلوم ہووے اور قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھ لو تو پریشان ہو جاؤ۔ صرف اردو کے نسخے اور پرانے چھپے ہوئے نسخوں کو ملا حفظ فرمائیے کہ پہلے لفظ فارقلیط لکھا جاتا تھا۔ جب دیکھا کہ اہل اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو یہ لفظ ہی نکال ڈالا اور اس کی جگہ روح کا لفظ لکھ دیا کسی نے وہیں یعنی کر کے تفسیر بھی کر دی اور اس کو متن میں شامل کر دیا تاکہ کسی کو کچھ پتا نہ لگے۔ اور یہ جو آج کل پادری انجیل چھپی ہوئی اور صاف اور عمدہ کاغذ پر لکھی ہوئی جابلوں کو دکھا کر کہا کرتے ہیں کہ ”تمام انجیل اس موافق ہیں۔ اس میں تحریف دکھاؤ کہاں ہے۔ اور اگر یہ محض ہے تو تم اصلی انجیل اور غیر محض دکھاؤ۔ یہ خداوند عیسیٰ مسیح کا انجیل ہے۔“ محض دھوکا اور جابلانہ گفتگو ہے۔ جب وہ اصلی انجیل اول اور دوسری صدی عیسوی میں مفقود بھی ہو گئی جس طرح کہ متی حواری کی عبرانی انجیل مفقود ہو گئی اور اب جو عبرانی انجیل متی ہے تو یہ یونانی ترجمہ کا ترجمہ ہے تو ہم کہاں سے دکھائیں۔ جو لوگ دنیا میں نہیں رہے اور عالم ہستی سے ان کا نام و نشان ہی مٹ گیا تو اب ان کو کوئی کہاں سے لا کر دکھائے۔ پھر کیا کوئی فرضی شخص ان کے نام سے وہی ہو سکتا ہے؟ اور خداوند کی یہ انجیل نہیں۔ یہ متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی ہے۔ خداوند کی تو وہ انجیل تھی جس کو پولس کہتا ہے کہ میرے پاس ہے اور قطعاً وہ ان چاروں انجیلوں کے سوا تھی کس لیے کہ ان کا تو دیکھنا بھی پولس کو ثابت نہیں اور قرآن مجید میں اس انجیل کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی قرآن مجید میں متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی انجیل کا ذکر تک نہیں۔ پھر یہ مسلمانوں پر کس طرح حجت ہو سکتی ہے؟ ان سے جو مضامین نقل کرتے ہیں تو محض تمہارے قائل کرنے کو کیونکہ تم ان کو ماننے ہو ورنہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں اور جو کوئی کوڑھ مغز مسلمان ان کو انجیل سمجھے یہ اس کی جہالت ہے جس کا وہی ذمہ دار ہے نہ اور مسلمان۔ اور ان متعدد انجیلوں کے منکر کو انجیل شریف کا منکر قرار دینا جہالت پر جہالت ہے۔

اب ہم مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهُ أَحْمَدُ کی تفسیر کرتے ہیں۔ ان اناجیل میں بھی کہیں اس کا نام و نشان ان دیندار عیسائیوں کے ہاتھ سے جو قصداً تحریف کیا کرتے تھے باقی رہ گیا ہے کہ نہیں؟ انجیل یوحنا میں جانے کیونکر اس بشارت کو ان دینداروں نے باقی رہنے دیا اس انجیل میں متعدد جگہ اس بشارت کا پتا ملتا ہے۔ میں انجیل یوحنا جو عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شہر لنڈن میں ۱۸۳۳ء و ۱۸۳۱ء میں چھپی ہے اس سے نقل کرتا ہوں۔ چودھویں باب کا سولہواں جملہ یہ ہے۔ قولہ ”اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ“

ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم میں ہو گئی)۔ (۲۶)۔ ”لیکن وہ فارقلیط (جو روح حق ہے) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں ہیں یاد دلائے گا“۔ ۲۹۔ ”اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ“۔ ۳۰۔ ”بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجبور ہیں اس کی کوئی بات نہیں“۔ ۵۔ باب ۲۶ ورس۔ پھر جب وہ فارقلیط جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی روح حق جو باپ سے نکلتی ہے) آئے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو“۔ ۱۶۔ باب ۷ ورس۔ ”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا“۔ ۸۔ ”اور وہ اگر دنیا کو گناہ پر اور راستی پر اور عدالت پر سزا دے گا گناہ پر اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے راستی پر اس لیے کہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا۔ میری اور بہت باتیں ہیں کہ جن کو تم سے کہوں لیکن تم ان کو اب برداشت نہ کر سکو گے پھر جب روح حق آئے گا تو ساری سچائی کی راہ تم کو بتا دے گا کس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں غیب کی خبریں دے گا اور میری بزرگی بیان کرے گا“۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام یوحنا حواری نقل کرتا ہے جو حضرت علیہ السلام نے اپنے ساتھ یہودی بدسلوکی اور تدبیر قتل سے خبر پا کر حواریوں سے کیا تھا۔ اس کلام میں آپ اپنا دنیا سے تشریف لے جانا ظاہر فرماتے ہیں اور حواریوں کے ٹنگن دلوں کو ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فارقلیط آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھے نہیں مانا اور مجھ پر موت کا حکم لگایا یعنی ان کو ظلم اور سزاوار ٹھہرائے گا اور وہ فارقلیط جہان کا سردار اور مجھ سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اس کی کوئی بات مجھ میں نہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ بشارت ہمارے نبی پاک کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی آپ بشارت دے رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ظاہر کر رہے ہیں کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان میں کلام کرتے تھے اور عبرانی میں صاف احمد (ﷺ) کا لفظ ذکر کیا تھا۔ اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ جب کسی کلام کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے ہیں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ پھر جب یوحنا کے کلام کا یونانی میں ترجمہ کیا تو احمد (ﷺ) کا ترجمہ بھی کر دیا اور یونانی زبان میں پیرکلوٹوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد (ﷺ) یعنی بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط کر دیا۔

عیسائی کہتے ہیں یونانی نسخوں میں پارا کلیطوس ہے جس کے معنی معین وکیل کے ہیں۔ اگر پیرکلوٹوس ہو تو بے شک احمد یا محمد (ﷺ) کے قریب قریب اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کچھ بڑا تفاوت نہیں کس لیے کہ بعض زبانوں میں رسم الخط دیکھا جاتا ہے کہ وہ اعراب کی جگہ حروف مفردہ ہی لاتے ہیں۔ اور بعض خطوط میں سرے سے اعراب ہی نہیں جیسا کہ ہندی خط اس میں ایسے اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ قدیم یونانی خط کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں گل کو گل، گیل ہر طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ پھر پیر کا تلفظ پارا اور کلو کا کلا یا کھلے کوئی بڑی بات اور زیادہ تفاوت نہیں۔ دوم یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تفاوت تلفظ اور خط میں اعراب نہ ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہے جیسا کہ کہتے ہیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کہ ہمارے حضرت ﷺ کا نام معین اور وکیل بھی ہے۔ تو بھی ایک نام سے نہیں دوسرے نام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا ثابت ہوتا ہے۔ سوم جن دیداروں نے بقول ہارن صاحب اعتراض سے بچنے کے لیے یا مخالف کا مدعا ثابت نہ ہونے دینے کی وجہ سے یا اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے انجیل و توریت میں بہت جگہ تحریف و تبدیلی کی ہے

اور عبارت کو گھٹایا یا بڑھایا ہے تو یہ ذرا سی تحریف و تبدل ان سے کیا بعید ہے؟ ایسی کمی و بیشی کرنے سے عیسائیوں نے فارقلیط کے آنے سے روح کا نازل ہونا مراد لے لیا اور پھر اس مطلب کو قوی کرنے کے لیے یہاں تک خیانت کی کہ متن میں یعنی کر کے روح کی تفسیر کو بھی ملا دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ یعنی تو حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام نہیں نہ یوحنا نے بڑھایا۔ یہ تو بعد میں کسی دیندار پادری صاحب نے کاریگری کی ہے مگر بڑے شرم کی بات ہے کہ عبارت میں تحریف آپ پکار رہی کہ مجھ میں تحریف ہے اور پادری صاحب ہیں کہ انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ غلامی کا داغ ماتھے پر موجود مگر غلامی کا انکار۔ اگر پادری صاحبوں کے اگلے بزرگوں کو اتنی گنجائش اس بشارت میں نہ ملی کہ وہ اس کو نزول روح پر چسپاں کرتے تھے تو بخدا لے لایزال اس کو کتاب ہی میں سے نکال ڈالتے مگر ان کو یہ کیا خبر تھی کہ اس بشارت میں جو اور بھی الفاظ ہیں وہ اس کو نزول روح پر چسپاں نہیں ہونے دیں گی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک حجت الزامی آ جائے گی۔

اور ایک تعجب کی بات ہے کہ ستر برس بعد یوحنا حواری کو تو یہ بشارت یاد رہی کہ اس نے اپنی کتاب میں لکھ دی مگر متی اور مرقس اور لوقا کو ان سے پہلے یاد نہ آئی ان میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا اور یہ کوئی ایسی چھوٹی بات نہیں تھی بلکہ اپنے سے زیادہ مرتبہ والے کے آنے کی خبر تھی جس پر ایمان لانے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا اہتمام کیا۔ ہمارا یقین ہے کہ ضرور ذکر کیا ہوگا مگر اس وقت یا اس کے بعد یاروں نے اس کا باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا کس لیے کہ ان کی بشارتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا پورا پورا ہوتا ہوگا تاویل کی گنجائش نہ ہوگی۔ اس کتاب میں تاویل کی گنجائش دیکھی اس کو رہنے دیا مگر کسی قدر ادھر ادھر سے تراش کر اپنے موافق کر لیا مگر تو بھی موافق نہ ہوئی۔ اور ان الحاقات اور کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے کا حال ہمارے بیان سابق سے جو کتب مقدسہ کی بابت تھا آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔

دوامر اور بھی غور طلب ہیں اول یہ کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے پہلے تک اس فارقلیط کو عیسائی کوئی آدمی اور بڑا اولوالعزم شخص خیال کرتے تھے کہ ضرور ایک ایسا شخص جو دین عیسوی کا معین اور مددگار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طرفدار ظاہر ہوگا اور اس لیے دوسری صدی عیسوی میں متنس عیسائی نے جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا یہ دعویٰ کیا تھا کہ جس کے آنے کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے اور ایشیائے کوچک میں ہزاروں عیسائی اس پر ایمان لے آئے۔ (دیکھو تاریخ کلیسا دالیم میور مطبوعہ ۱۸۴۸ء) اس کے سوا دو سٹیوس، شمعون مجوسی وغیرہ چوبیس اشخاص نے آدرین قیصر کے عہد سے لے کر سن ایک ہزار چھ سو بیاسی ۱۶۸۲ء کے قریب تک فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا۔ (تفسیر رومن اسکاٹ مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۱۸۶)۔

پھر کیا ان کو انجیل یوحنا بھی معلوم نہ تھی اور پادریوں کی بھی تاویل سے واقف نہ تھے کہ فارقلیط سے روح مراد ہے نہ کہ انسان۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ایک شے بقول پادریان سرے سے ہی نہیں تو اس کا ان لوگوں نے کیونکر دعویٰ کر لیا؟ یہ بات اور ہے کہ وہ دراصل اس فارقلیط کے مصداق نہ تھے مگر اس زمانے میں یہ بات ہر ایک عیسائی جانتا تھا کہ فارقلیط کوئی انسان آنے والا ہے جیسا کہ اسلامیوں میں مہدی آخر الزمان کے آنے کی ایک ایسی مشہور خبر ہے کہ جس کو سب جانتے ہیں اس بناء پر آج تک بہت سے بوالہوسوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اگر مسلمان اس کو جانتے ہی نہ ہوتے یا وہ مہدی سے مراد کسی فرشتہ کا نازل ہونا لیتے کہ وہ صحابہ جنہم کے عہد میں نازل ہو چکا تو پھر کسی کو بھی اس عہدے کی تمنا نہ ہوتی۔

لب التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاصر یہودی اور عیسائی ایک نبی کے منتظر تھے۔ اس بات نے محمد (ﷺ) کو فائدہ بخشا اور آپ نے کہہ دیا وہ میں ہوں۔“ اٹھٹی۔ وہ نبی حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ظاہر ہونے کے بعد تک بھی انتظار کیا جاتا تھا۔ دوم بہت سے عیسائیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے منجملہ ان کے حبشہ کا بادشاہ نجاشی جو انجیل و توریت کا بڑا عالم تھا منجملہ ان کے جارود بن علاء ہے جو عیسائی اور بڑا عالم تھا اپنی قوم کے ساتھ حاضر

خدمت ہو کر اسلام لایا اور اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ بشارت ان حبشی اور عربی عیسائیوں میں بدلی نہیں گئی تھی۔ اب ہم لفظ فارقلیط پر اور دیگر الفاظ پر بحث کرتے ہیں اور عیسائیوں کے شبہات کا جواب دیتے ہیں۔

بحث اول۔ فارقلیط : یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں زبان خالدیہ کا لفظ ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی اور اسی کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں مگر مجھے اس میں کلام ہے کس لیے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہودیہ کی زبان ہے۔ آپ کو کلدانی زبان کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر یہ ممکن ہے کہ کلدانیوں کے غلبہ سے اور بنی اسرائیل کے مدت درازان میں رہنے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہو گئے ہوں جیسا کہ اور زبانوں میں اختلاط ہوا اور ہوتا رہتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ خاص حضرت علیہ السلام کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ پیرکلوٹس کیا گیا یا تغیر کر کے لایا گیا جس کے معنی احمد (ﷺ) کے ہیں۔ بشپ مارش اسی کے قائل تھے جو عیسائیوں میں مسلم شخص تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے یعنی ملک سریا یا شام کی زبان کا۔ تیسرا یہ کہ یہ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکور ان دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں مگر زبان عرب میں اس کا پتا نہیں معلوم ہوتا۔ چوتھا قول وہ ہے کہ جس کو ہم نے پہلے فاضل محقق مولانا مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب اظہار الحق سے نقل کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد (ﷺ) لیا مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ پیرکلوٹس ذکر کیا جس کا معرب فارقلیط ہوا اور یونانی زبان میں پیرکلوٹس ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوٹس کی جگہ پاراکلوٹس لکھ دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوٹس تھا۔ دسی تحریروں کا غارت ہونا اس گمان کی اور بھی مدد کرتا ہے۔ اور لفظ پیرکلوٹس ہومر وغیرہ شعراء و فنسلاء کے استعمال میں آیا ہے جس کے معنی مستودہ ہیں جو محمد (ﷺ) یا احمد (ﷺ) کا ٹھیک ہم معنی ہے۔

اس کے علاوہ ایک بڑی تائید اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض عبرانی نسخوں میں اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک موجود ہے۔ دیکھو پادری پارکھرست صاحب کی یہ عبارت و باد احمدہ حل گو نیم (از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۱-۸۲ ترجمہ اپالوجی گاڈ فری ہیکنس صاحب مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۹ء)۔

واضح ہو کہ عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جو آج کل کے پرائسٹن فرے اور رومن کاتھک سے بھی علیحدہ تھا وہ نسطورا کا فرقہ کہلاتا تھا ان کے پاس ان چاروں انجیلوں کے علاوہ ایک اور بھی انجیل تھی جس کو اب کے عیسائی انجیل طفولیت کہتے ہیں جو ان کی کتب الہامیہ کی فہرست سے خارج شمار ہے۔ خیر یہ جو چاہیں کہیں اس کی تحقیق یورپین عیسائیوں کو ہوئی ہوگی مگر وہ تو اسی کو اصلی اور الہامی انجیل کہا کرتے تھے۔ اس کے سوا وہ کسی انجیل کے معتقد نہ تھے۔ یہ چاروں انجیلیں تو انہوں نے آنکھ سے بھی نہیں دیکھی تھیں پھر جب انہوں نے نہیں دیکھیں تو مسلمانوں کو خصوصاً ایسی حالت میں جو ان پر طاری تھی کہاں سے مل گئی ہوں گی؟ جو گمان کیا جائے کہ ان سے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنے لیے پیشین گوئی بنائی ہو۔ یہ گمان محض فاسد ہے اور بالکل بے اصل بدگمانی ہے۔

عرب کے عیسائیوں میں سے اس پیشین گوئی کے اظہار سے پہلے ایسے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کو آپ کے حق میں پورا پورا مطابق پایا تھا اور اس پیشین گوئی کے اظہار کے بعد ان عیسائیوں کو بھی یہ حوصلہ ہوا جو کہ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اسلام کی تکذیب میں نہایت سرگرم تھے کہ وہ کہتے یہ غلط بات ہے۔ ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ

السلام نے آپ کی پیشین گوئی نہیں کی۔ اگر ان کی انجیل میں آپ کے نام سے یہ پیشین گوئی نہ ہوتی یا ان کو ذرا بھی تامل کرنے کی گنجائش ملتی تو وہ بغیر غل شور مچائے کبھی چپ نہ رہتے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے سے پیشین گوئی کا اظہار فرماتے۔ یہ بات حیطہ ادراک سے باہر ہے۔ کوئی دانشمند بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

عیسائیوں میں برناس حواری کی بھی ایک انجیل ہے۔ گویہ عیسائی اس کو الہامی نہیں مانتے۔ یہ ان کو اختیار ہے کہ لوقا اور مرقس کی کتاب کو الہامی مانیں اور اس کو نہیں۔ اس کی کوئی کھلی ہوئی دلیل بجز گمان اور قیاس یا حسن ظن کے اور کوئی بات ہم کو تواب تک معلوم نہیں ہوئی لیکن بایں ہمہ وہ اس کو معتبر جانتے ہیں۔ اس انجیل میں صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تصریح ہے۔

اس کے جواب میں عیسائی یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کسی مسلمان کی تحریف ہے یا کسی ملحد نے بات بنائی۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمان کو دنیا بھر کے نئے کہاں سے مل گئے کہ اس نے سب میں تحریف کر دی۔ جس انجیل برناس کو دیکھئے اس میں بھی بشارت ہے اور ملحد کو پہلے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کہاں سے معلوم ہو گیا تھا جو اس نے انجیل میں داخل کر دیا؟ یہ سب جھوٹے حیلے ہیں جن کو عقل سلیم ہرگز قبول نہیں کرتی اس کے سوا اور بہت جگہ بائبل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ہیں جو بجز ذات بابرکات کے اور پر صادق نہیں آتیں پھر کیا وہ بھی کسی مسلمان نے لکھ دیں یا کسی ملحد نے داخل کر دیں؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پادریوں کی کتابوں میں ملحد آمیزش کر دیا کرتے ہیں۔

اب ہم انجیل یوحنا کی پیشین گوئی کے اور الفاظ پر بحث کرتے ہیں جو نزول روح القدس پر کسی طرح صادق نہیں آتے۔ (۱) ”میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔“ اس سے مراد روح القدس نہیں ہو سکتا کس لیے کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہا بلکہ ایک دن تھوڑی سی دیر تک۔ پھر عمر بھر وہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ (۲) روح حق تمہیں سب وہ باتیں جو میں نے کہیں بتا دیں گی۔“ روح القدس جب حواریوں پر اترا اس نے ان کو وہ سب باتیں جو مسیح علیہ السلام نے کہیں تھیں یا انہیں دلائیں اور نہ وہ بھولے ہوئے تھے کہ یاد دلانا پڑتا بلکہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ البتہ بھولی ہوئی باتیں تو حید و عبادات الہی، ترک شہوات، دار آخرت کی رغبت وغیرہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلائیں۔ (۳) ”میں نے واقع ہونے سے پہلے تم کو خبر کر دی تاکہ جب واقع ہو تو ایمان لاؤ۔“ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک ایسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ جس کا انکار ان سے قریب الوقوع تھا اس لیے تاکید اور بندوبست کر دیا کہ ایمان لائیں انکار نہ کریں۔ یہ روح القدس کے نازل ہونے پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ اول تو روح القدس کا نازل ہونا حواری پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ دوم وہ ایک حالت سی تھی جس پر طاری ہوا اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہاں خاتم المرسلین کا انکار بہت قریب القیاس تھا اور اب تک ہو رہا ہے، حیلے بہانے بنا رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو بھی ٹال دیا۔ (۴) ”اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔“ روح القدس اور باپ یعنی خدا اور بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام یہ تینوں تو عیسائیوں کے نزدیک ایسے ایک ہیں کہ مجموعہ مرکب بنا کر خدا کہا جاتا ہے پھر روح القدس عیسیٰ اور عیسیٰ روح القدس ہیں اگر وہ جہان کے سردار ہیں تو اب بھی جو کچھ ایک میں ہے وہ دوسرے میں ہے۔ پھر یہ جملہ اس پر کس طرح صادق آ سکتا ہے؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ وہ جہان کے نبی تھے اور نبی سردار ہوتا ہے۔ یہ اوصاف حضرت مسیح علیہ السلام میں کہاں تھے؟ (۵) ”فارقلیط آ کر میرے لیے گواہی دے گا۔“ روح القدس نے اول تو گواہی نہیں دی اور جودی بھی تو صرف حواریوں کے سامنے جس کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی۔ برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے تمام دنیا کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دی یہود کو ملزم کیا۔ (۶) ”میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے۔“ یہ بھی روح القدس پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو اتحاد مانا جاتا ہے۔ پھر

اگر نہ جاؤ تو نہ آئے گا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری صادق ہے کس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تقدم اور تاخر زمانی ہے آپ کا دور تمام نہ ہو لے تو دوسرا شروع نہ ہو۔ (۷) ”روح الحی آ کر دنیا کو گناہ اور راسی اور عدالت پر سزا دے گا۔“ یہ بھی حرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ روح نے کسی کو کچھ سزا تو کیا مڑم بھی نہیں کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین مسیح علیہ السلام کو خطا کا رہی ثابت نہیں کیا بلکہ انتقام بھی لیا اور اس فقرے کے لفظ ہی اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی ذی شوکت منتقم کے آنے کی خبر دے کر حواریوں کو یہود کی جفا کاری اور ستم پروری پر تسلی دے سبے ہیں۔ (۸) ”روح حق تم کو ساری سچائی کی باتیں بتا دے گا۔“ روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولے نصاریٰ کو ضرور رستہ بتایا۔ (۹) ”جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتائے گا۔“ روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزو خدا ہے پھر سننا چہ معنی؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کے جز۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ وما ینتطق عن الہوی آپ نے دار آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے سینکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس روز کچھ نہ بتائیں۔

بائیں ہمہ جب وہ فارقلیط صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے ساتھ معجزات و آیات بینات بھی لایا کیا قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا۔ تو ازیں گمراہوں نے بجائے اس کے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبول کرتے یہی کہہ دیا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔ کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔ اور صاف جادو ہے۔

یہ بات عرب کے مشرکین نے بھی کہی اور عیسائی فرقے بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ جہالت و وحشت میں یہ عیسائی ان مشرکین عرب سے کم نہ تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں فلما جاء کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پھرتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان یہود کے پاس معجزات لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے کھلا ہوا۔ مگر سابق کلام پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

آیات کی تفسیر کے بعد یہ بھی کہتا ہوں کہ انجیل یوحنا سے جو ہم نے فارقلیط کی بشارت نقل کی وہ اس مقام کے مطابق تھی ورنہ اس کے سوا اب بھی جس قدر پیشین گوئیاں بائبل یعنی توریت و تاناخیل و صحیف انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پائی جاتی ہیں اور کسی کے حق میں نہیں اس کے سوا صداہد لائل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر آفتاب سے زیادہ روشن موجود ہیں لیکن کور باطنی اور شقاوت ازیلی کا کوئی علاج نہیں۔ وہ سب کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈالتی ہے، کانوں میں ٹیٹیاں ٹھونس دیتی ہے، دلوں پر مہر کر دیتی ہے۔ پھر ان کو ان گہری اندھیریوں کی تہوں میں سے کون نور کی طرف لاسکتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی ظلمات جہنم بن کر ہمیشہ جلاویں گی۔

اگر ذرا بھی انصاف ہو اور کچھ بھی فہم سلیم ہو تو کسی عیسائی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار اور عداوت کی گنجائش نہیں کس لیے کہ آپ اصل عیسوی مذہب کے سر موخالف نہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر، نہ حواریوں کے خلاف۔ ہاں اگر خلاف ہیں تو ان ہی زیادتیوں میں جو مسیح علیہ السلام کے بعد لوگوں نے دین عیسوی کا جزو قرار دے لیں اور پھر اندھے مقلد بن کر ان کی تحقیقات اور سمجھنے میں کوشش کرنا ممنوع قرار دے لیا۔ روشن دماغ عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین عیسوی کا مصلح سمجھتا ہے۔

حکایت:- ایک بار ایک بوڑھے پادری سے سفر میں ملاقات کا اتفاق پڑا۔ مذہبی گفتگو بھی چمڑ گئی۔ کفارہ اور الوہیت مسیح اور تثلیث پر بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ پادری صاحب نرم دل اور خدا ترس تھے آخر کار ہر بحث میں اقرار کر دیا کہ یہ تینوں مسئلے حواریوں کے عہد تک نہ تھے اور نہ ان پر نجات موقوف ہے۔ اگر نبوتی تو خدا تعالیٰ ان احکام کو اگلے نبیوں اور ان کی نجات یافتہ جماعت پر ضرور ظاہر کرتا اور اسی طرح

ان کا شہرہ ہوتا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے۔

پھر میں نے کہا اب تمہارے نزدیک نجات کس اعتقاد پر موقوف ہے؟ کہا خدا تعالیٰ اور روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر۔ میں نے کہا ہر مسلمان ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے پھر فرمائیے ہماری نجات میں کیا کلام ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا آپ کے نزدیک ہماری نجات میں کلام ہے؟ میں نے کہا کہ اگر بغیر مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کسی یہودی نجات ممکن ہے تو بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی نجات ممکن ہے، اس نے سر نیچا کر لیا اور کہنے لگا ہم ضرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کا نبی ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس کو برا کہیں، نہ ہم کو اس کی کوئی انجیل ہدایت کرتی ہے بلکہ بغور دیکھو تو یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کے لیے ریفارمر ہیں اور ایک زمانہ آتا ہے کہ سب عیسائی اس ریفارمر کی طرف متوجہ ہونگے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑥ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ⑦ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ⑧

اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بھی بلایا جا رہا ہو اور اللہ (ازلی) ظالم کو تو ہدایت نہیں کرتا (اور) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (چھوٹ کر) بجھا دیں۔ اور اللہ تو اپنا نور پورا ہی کر کے رہے گا مگر پڑے برامانا کریں (اور) وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے مشرک اگر چہ پڑے برامانا کریں۔

ترکیب : و يعطف الجملة الاولى استئناف - من مبتداء اظلم مع المفضل عليه وصلة خبره وهو يدعى قراء الجمور يدعى من الدعاء مبداء للمفعول وقرئ من الادعاء مبداء للفاعل وانما عدى بالي التضمين معنى الانتهاء والانتساب والجملة حال من فاعل افترى واللہ الجملة مقررۃ لمضمون ما قبلها يريدون جملة مبدیۃ لغرضهم من الافتراء ليطفؤا منصوب بان مقدرة واللام مؤکدة مزیدۃ دخلت علی المفعول لان التقدير يريدون ان يطفؤا (قال ابن عطية) والاطفاء الاتحاد واصله في النار واستتير لما يجري مجراها من الظهور والمراد من النور القران والاسلام اول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنور اللہ استعارۃ تصریح والاطفاء ترش واللہ مبتداء متعده نوره الخ خبره قرأ الجمور متم نوره بالاضافة وقرئ بالتعوین واعرابها ظاهراً وبالبهedy حال من رسوله ليظهره ای يغلبه واللام متعلقه بارسل الدين المراد به الجنس ۲ ای الاديان ولذا صح تاكيدہ بکلمه ولو الجملة مقررۃ لما قبلها۔

تفسیر : پہلے ذکر تھا کہ جب وہ رسول کہ جس کے آنے کی خبر چلی آتی تھی ان لوگوں کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو اس کو جادو کہنے لگے۔

انبیاء علیہم السلام جو خیر خواہ خلق ہیں ان کے لیے لوگوں نے جو کچھ سلوک کئے وہ ظاہر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا مگر جو لوگ دنیا میں ان کے نام لیا وہیں کسی قدر حصہ ان کو بھی مل کر رہتا ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف بمشراب رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کی تفسیر لکھ رہا تھا کہ کسی نے زہر دیا اور اس کے کئی روز تک جو کچھ تکلیف اور سختی طاری رہی وہ اس وقت کے دیکھنے والوں سے دریافت کرنی چاہیے کس لیے کہ میں تو بیہوش تھا اور آج پانچواں روز ہے اب تک حالت اصلی نہیں عود کر آئی۔ اللہ الحمد کہ یہ بچکارہ بھی اس زمرے میں داخل کیا گیا۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۲ ہجری۔ ابھی چند روز کا عرصہ گزرا کہ مولانا مامولی محمد لطیف اللہ صاحب مدظلہ کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ ۱۲ منہ

اب فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ظالم اور جفا کار ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی آیات کو سحر کہے اور اس کے لیے بیٹا اور جو رو قرار دے حالانکہ اس کو کسی بری بات کی طرف نہیں بلایا جاتا بلکہ اسلام کی طرف۔ یہ جفا کا نہایت دھرم لوگ ہدایت کا منہ نہیں دیکھیں گے محروم رہیں گے اور رہتے ہیں۔

توضیح:- دنیا میں جس قدر مذاہب موجود ہیں یا تھے خواہ ان کی اصل من اللہ تھی اور بعد میں لوگوں کے خیالات نے اس پر قلعی کر کے ان کی اصلی صورت بدل دی یا وہ سرے سے جاہلانہ خیالات اور اوہامِ باطلہ کا ایک مجموعہ تھا جب ان سب کو حقانی مذہب سے جس کو اسلام کہتے ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں گے تو ان میں سینکڑوں جھوٹی اور خیالی آمیزشیں ملیں گی جن پر ان مذاہب کے مرد و عین نے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضی اور نجات و عذاب کو منحصر کیا ہے یہی وہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ عیسوی مذہب کو دیکھو۔ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح اور اسی طرح عشاء ربانی اور اصطباغ کا مسئلہ اور ان کے بعد پوپوں کے سینکڑوں ڈھکوسلے ایسے ہیں کہ جن پر وہ لوگ نجات کا مدار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہنود نے گائے کی پرستش اور برہمنوں کی پرستش کے سوا اور سینکڑوں غیر مرئی چیزوں کی الوہیت و نافع و ضار ہونے کی عقیدت اور خود کشی اور تغیر ہیئت جو ان کے جویوں اور گھشائیوں کا دستور ہے اور گوشت کا ترک اور بتوں کی پرستش اور سینکڑوں دور از قیاس افسانے جو ان کی کتابوں وید اور پرانوں کا سرمایہ ہے نجات اور مکتی اور سعادت دارین کا باعث اور نارائن کی خوشنودی کا سبب قرار دے رکھا ہے۔ اسی طرح عرب کے جاہلوں کے سینکڑوں غلط دستور اور بہت سے جھوٹے افسانے تھے جن کو مرضی الہی کا مدار بنا رکھا تھا۔ کہیں کہتے تھے کہ ہمارا افلاں بت قیامت کے روز ہم کو جہنم سے بچالے گا اور فلاں کو رزق و ارزانی کا مختار کر رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس اس انسان کی یہ محنت شاقہ اور یوں رایگاں گویا پانی کی باڑ آخرت میں نجات کے بدلے عذاب کا باعث ہے۔ اس لیے اس رحیم کریم نے دنیا میں وہ رسول بھیجا جو اس اہم مسئلہ کو حل کر دے اور توہمات و تخیلاتِ باطلہ کو دور کر کے مرضیاتِ الہی اور نجات و سعادتِ انسانی کا سیدھا راستہ دکھائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پورا کر دیا اور اس سیدھے رستے کا نام خدا تعالیٰ نے اسلام رکھا جس کے ظاہری معنی خدا کی فرمانبرداری اور اس کے آگے گردن جھکانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ پھر افسوس پر افسوس کہ جب اس گم گشتہ وادی توہمات کو اس سیدھے رستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس کو کئی بات جان کو چونکتا ہے اور اس پرانے دستور مالوف کا چھوڑنا شاق جانتا ہے اگر اس کو خدا نے چراغ توفیق عطا کیا ہے تو وہ ادھر سیدھا چلا آتا ہے ورنہ اسی داعی کے مقابلے میں ان جھوٹے افسانوں اور تخیلاتِ فاسدہ کو پیش کرتا ہے درحقیقت اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا اور اس کو ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ یہ ہیں معنی وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ کے اسی قدر پر بس نہیں بلکہ اپنے اس ناقص اور قابلِ ترک مذہب کے غالب کرنے کے لیے اس آسمانی طریقے کو جس کو پچھلا نبی دنیا میں لایا جو اس پر آشوب تاریکی اور خطر ظلمات کے لیے نور یعنی شمع ہے اس کو بجھانا بھی چاہتے ہیں یُرِيدُونَ لِيطْفَؤُا نَوْرَ اللَّهِ اور بجھانا بھی کا ہے سے بافواھمہم اپنے منہ سے پھونکیں مار مار کر بافواھمہم میں اشارہ ہے کہ وہ جو منہ سے من گھڑت افسانے بیان کرتے ہیں اسلام کے مقابل جس کو افتراء علی اللہ کہنا چاہیے ان منہ کی نکلی باتوں سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر کیا وہ ان سے مٹ سکتا ہے؟ کیونکہ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ اللہ تو اپنی روشنی پوری ہی کر کے رہے گا اس کے منکر شہرہ چشم گونہ چاہیں۔

یہ بات صادق آئی اور اس آسمانی شمع پر جس کا کتابِ سعبیہ کے ۴۱-۴۲-۶۱ بابوں میں اشارہ ہے۔ اس وقت کے مخالفوں کے پھونکے سے نہ بچھی بلکہ وہ خود جل جل کر مر گئے اور یہ شمع اس قدر روشن ہوتی گئی کہ تمام برعرب سے بھی اس کی روشنی نکل کر شام و ایران و خراسان و ممالیکِ یورپ و ایشیا و افریقہ تک پہنچی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں ان کی سچی کوششوں کی چمکی نے اس کو حفاظت میں رکھ کر اور بھی تیز کر دیا، اندھوں نے رستہ پایا، راہِ راست صاف دکھائی دینے لگی۔ ان کے بعد جو جو تہذیبوں اس پر چلیں وہ اہل تاریخ سے مخفی نہیں۔

باہمی قتال و جدال پھر حرب صلیب کا فتنہ کہ صدیوں تک تمام عیسائیوں نے مل کر زور مارا اور کوئی دقیقہ اس کے گل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر آخر وہی جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر چنگیز خانی مغلوں کا حملہ جس نے بغداد جیسے دارِ اسلام شہر کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے کتب خانوں کی سیاحتی سے دجلہ کا پانی سیاہ ہوا۔ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں، تب بھی کچھ نہ ہوا۔ نہ قرآن میں ایک حرف کی کمی زیادتی ہوئی، نہ اصولِ اسلامیہ میں فرق آیا، نہ اس کے علوم مندرس ہوئے اور اب بھی مخالف کوئی کمی نہیں کر رہے اور برائے نام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا ہے۔ کہیں انجیری بن کر اس پر حملہ کیا، کہیں تعزیہ پرستی، گور پرستی اور صد ہا رسم و رواج کو جزو اسلام بنا کر اس شمع کے گل کرنے کا کافی بندوبست کیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ اب اس شمع کی روشنی امریکہ اور یورپ کے دور دراز ملکوں تک بھی جا پہنچی۔ چین و جاپان میں بھی پرتو اڑا لیا۔

یہ شمع چونکہ آسانی شمع ہے اس کو کون بجھا سکتا ہے اس بات کو اس آیت میں یہ بیان فرماتا ہے۔ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ** کا۔ کہ اللہ نے دنیا میں اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے یعنی ان غلط آمیزش کے مذہبوں کو بے رونق کرے۔ ایسا ہی کر دیا کوئی مذہب جزا اسلام دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک تو ہمت جاہلانہ سے پاک نہیں اور یوں بھی جہاں اس مذہب کے پاک اصول بیان کئے جائیں اور اس کے مقابلے میں دوسرے کے بھی تو یہی غالب آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ ممالیک افریقہ میں اور دیگر بلاد میں بغیر کسی کوشش کے خود بخود اسلام پھیلتا جاتا ہے اور نصرا نیت شکست کھاتی جاتی ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ تمام دنیا کا مذہب اسلام ہو جائے گا اور اس کے سچے پیرو یوں بھی مخالفوں پر غالب رہے اور رہیں گے۔ ولو کرہ المشرکون مشرکین عیسائی علیہ السلام کے پوجنے والے پادری اور بتوں اور عناصر کے پوجنے والے ہندو آریہ وغیرہ گو برامائیں اور زبانی قیل و قال کریں اور اگر مکر کر کے باتیں بنائیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگائیں مگر کیا ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ⑩

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۖ

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑫ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۚ وَبَشِيرٌ

الْمُؤْمِنِينَ ⑬

ایمان والو! کہو تو میں تمہیں ایک ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے بچالے۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو (اللہ) بخشے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں رکھے گا جو جنتِ عدن میں ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور ایک چیز اور بھی دے گا کہ پسند کرتے ہو وہ خدا کی مدد اور جلد فتنائی اور مژدہ سنا دے ایمانداروں کو۔

ترکیب : هل ادلکم الخ الجملة نداء هل الاستفهام ايجاب واخبار معنی وقيل المعنى سادلكم تنجيكم الجملة صفة تجارة فراء الجمهور تنجيكم من الالباء اى بالتحقيق وقرئ بالتشديد من التجية تؤمنون تفسير لتجارة وقيل استئناف كأنهم قالوا كيف نعمل فقال تؤمنون بالله وهو خبر فى معنى الامر ويجوز ان تكون فى موضع جری على البدل اوفى موضع رفع على تقدير هي وان محذوفه ولما حذف بطل عملها وتجاهدون عطف على تؤمنون ان كنتم شرط جواب محذوف فافعلوه يغفر جز واما هو جواب شرط محذوف دل عليه الكلام تقديره ان تؤمنوا يغفر لكم واما ان تؤمنون بمعنى آمنوا الخمر بمعنى الامر هذا قول الزجاج ولما دام انه جواب لما دل عليه الاستفهام والمعنى هل تقبلون ان انتم واما انه جواب استفهام على اللفظ هذا قول الفراء معطوف بعضه وصوبه الفخر الرازى فى تفسيره ويبدخلكم معطوف على يغفر لكم ومساكن جمع مسكن منصوب لكونه معطوفاً على جنت واحدى منصوب على تقدير ويعطيكم اخرى اى نعمته اخرى۔ او على تقدير تجبون المدلول عليه تحبونها وقال الفراء والانفش هى معطوفة على تجارة فص فى محل جرای وصل اولكم على نصلة اخرى وقيل هى فى محل رفع اى اولكم نصلة اخرى۔ نصر۔ وفتح خبر مبتداً محذوف اى هى۔ وبشر معطوف على محذوف اى قل وبشر اه وعلی تؤمنون بمعنى آمنوا۔

تفسیر : اگلی آیت میں تھا کہ اللہ اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کرے گا اس میں اشارہ تھا کہ عالم بالا دنیا پر ایک آسمانی سلطنت قائم کرنے والا لشکر تیار کرنے والا ہے جس سے اس نور کو بجھانے والوں کو زیر کیا جائے۔ اس لیے ان آیات میں ایک بڑے اجرا و پیش بہا تنخواہ پر جو دنیا و آخرت کی سعادت کو شامل ہے اعلان دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اس ضروری کام سے پہلو تہی کرنے پر عذاب الیم کا خوف بھی دلاتا ہے تاکہ بڑی مستعدی کے ساتھ ایک لشکر جرار تیار ہو جائے جو دنیا کو تمام نجاستوں سے پاک کر دے۔ یا یوں کہو انسان اس دنیا میں ناحق نہیں آیا ہے بلکہ اس عمر گراں مایہ میں کچھ حاصل کر کے ایک ابدی جہان میں جانا ہے اس بات کو خدا تعالیٰ اس پیرائے میں بیان فرماتا ہے کہ انسان تاجر ہے مگر تجارت کرنا نہیں جانتا۔ ہم اس کو تجارت سکھاتے ہیں۔ فقال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدْرٰكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْاَلَمِ کہ اے ایماندارو! لو تم کو میں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ تجارت ایک شے کا دوسری شے سے معاوضہ۔ تجارت میں دو چیز ہوا کرتی ہیں ایک مال جس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ دوسری وہ چیز جس کو خریدتا ہے اور تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی اور عقلا کے نزدیک وہ تجارت کہ جس میں ضرر کا احتمال بھی نہ ہو اعلیٰ درجے کی ہے اور اس پر اور بھی خوبی ہو کہ جس سے وہ چیز خریدی جائے وہ اپنی طرف سے معاوضے کی چیز کے سوا کچھ اور بھی دے۔ اس جگہ سب سے پہلے دفع مضرت کا ذکر کر دیا۔ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْاَلَمِ کہ عذاب الیم جو انسان کو اس گرانمایہ زندگی کے عبث اور بیکار گناہوں کے کاموں میں صرف کرنے سے ہوتا ہے اس سے تم کو یہ تجارت نجات دے گی۔ بڑا خسارہ انسان کے لیے آخرت میں عذاب الیم کا ہے سو اس دغدغہ سے پہلے ہی اطمینان کر دیا کہ اس تجارت میں گھانا ہی نہیں۔ اس کے بعد تجارت کے لیے مال بیان فرماتا ہے۔ تؤمنون باللہ ورسولہ کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو برحق جانے گا اور ان کو مانے گا تو فرشتوں اور قیامت اور اس کے سب رسولوں اور کتابوں کو بھی برحق سمجھے گا اور ان کے تمام اقوال کی تصدیق کرے گا جو تکمیل قوت نظریہ کو حاوی ہے۔

شبهہ: یا اَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے معلوم ہوا کہ آیت میں ایمانداروں سے خطاب ہے۔ پھر جو ان کو تؤمنون باللہ ورسولہ فرمایا پھر کیا وہ اللہ اور رسول پر ایمان نہ لائے تھے تو ان کو مومن کیوں کہا؟ اور اگر لائے تھے تو پھر اس کی کیا ضرورت کہ بار دیگر ایمان لائیں؟

جواب: ایمانداروں سے خطاب تھا مگر بار دیگر جو فرمایا کہ ایمان لاؤ تو اس سے اس پر دوام وثبات مراد ہے یعنی اس ایمان پر ہر وقت قائم رہو۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ کسی کام کے کرنے والے کو جو کہا جاتا ہے کرتے رہو تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خوب عمدہ طرح سے اور مضبوطی سے ہمیشہ کرو غافل نہ ہو جاؤ۔ ایمان ایک بڑا بیش بہا جوہر ہے اس کے چور بھی بہت ہیں اس لیے بار بار تاکید ہوتی ہے کہ اپنی جیب

کو دیکھتے رہو۔ ہر گھڑی اس کی تصدیق قلبی پر نظر کر لیا کرو۔ بعض مفسرین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ آمنوا کے لفظ سے منافقوں کو خطاب ہے۔ وہ بظاہر مومن تھے اس لیے ان کو باطن میں بھی ایمان لانے کی تاکید کی۔ یہ اس تجارتی نقد کا ایک حصہ تھا۔

مراتب جہاد کے: اب دوسرے کو بیان فرماتا ہے۔ تَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ یہ جملہ تکمیل قوت عملیہ کے لیے بڑا وسیع المعنی جملہ ہے کس لیے کہ جہاد کے کئی مرتبے ہیں۔ اول مرتبہ۔ اول اپنے نفس سرکش کا مقابلہ مال سے اور جان سے۔ مال سے اس طور کہ طمع نفسانی نہیں چاہتی کہ نیک کاموں میں کچھ خرچ کرے۔ اقارب، یتامی مسافر آفت زدے اس کے ہاتھ کو نکتے ہیں۔ نفس ہے کہ دور اندیشوں کی مہیب صورتیں دکھا دکھا کر اس کے ہاتھ کو روک کے لیتا ہے۔ اب اس کو لازم ہے کہ اس نفس بدکا مقابلہ کرے یا وہ نیک اور مفید کام جو قوم یا بنی آدم کے لیے نافع اور اس کے یادگار ہوں گے ان میں دینے سے روکتا ہے یا برے کاموں میں ناچ، تماشے، رنڈی بازی، شراب خوری، جوا، تھیز کا تماشا، میلے ٹھیلے، ارباب نشاط کے جلے، نمودار و تجمل کے کارخانے دوسروں کی ایذا رسانی وغیرہ وغیرہ بیہودہ کاموں میں صرف کرنے کو نفس خبیث ابھارتا ہے۔ وہاں اس کو روکنا اور سخت مقابلہ کر کے شکست دینا چاہیے۔ مال سے زیادہ جان عزیز ہے اس لیے اموالکم کے بعد انفسکم کا لفظ آیا۔ جان کا جہاد اس مرتبہ میں یہ ہے کہ خواہشات نفسانیہ سے روکے اور عبادات ریاضیات اور عمدہ کاموں میں اس کو لگا دے۔ یہ نہیں کہ شتر بے مہار کی طرح جس طرف اس کا نفس خبیث لے جائے دوڑا چلا جائے۔ دوسرا مرتبہ: دوسرا مرتبہ حجاب ظلمانیہ کو اٹھا کر انوار قرب الہی میں مراقبہ و فکر، اشغال بالعبادات سے آگے قدم رکھنا اور اس رستے میں جس قدر دشمن سامنے آئیں شمشیر ہمت سے ان کو مار بھگانا اخیر مرتبہ جس کو اس جہاد کی شہادت کہتے ہیں یہ ہے کہ اپنی ہستی کو اس باقی کی ہستی میں فنا کر دے جس کے بعد اس کو حیات جاودانی اور بقائے سرمدی عطا ہوتی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگرست
تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ اس تکمیل نفس کے بعد تکمیل غیر کا ہے۔ اس میں جان اور مال سے کوشش کرنا، بدراہوں کو نرمی اور لہجے سے راہ پر لانا، ان کی ہدایت کے رستے کھولنا، آخر کار جو کجمر و اور بد نہاد اس راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں ان کا جو انمر دی سے مقابلہ کرنا، مال سے لشکر کے سامان تیار کرنا، جان سے لڑنا یہ جہاد شرعی ہے اس کے شہید کے بھی بڑے مرتبے ہیں وہ بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اس کے بعد اس تجارتی مال کو بیان فرماتا ہے جو ان دونوں مالوں سے خریدا گیا ہے۔ فقال یغفر لکم ذنوبکم تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ لکم کے لفظ نے یہ بھی فائدہ دیا کہ یہ تمہارے گناہ کسی کے واسطے یا وسیلے سے نہیں بلکہ تمہارے لیے بخش دیے جائیں گے۔ ربی شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کے حق میں گناہوں کے معاف کرانے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اور زیادہ انعام و اکرام عطا کرانے کے لیے۔ دوسری بات وید خلکم کہ تمہیں ایسی بہشتوں میں بسا دیں گے کہ جہاں نہریں جاری ہیں اور عمدہ مکانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے آگے دنیاوی بادشاہوں کے محل بے حقیقت ہیں۔ مال بھی دو قسم کے تھے اس کے بدلے میں چیزیں بھی دودیں۔ اب اپنی طرف سے ایک اور تیسری چیز عطا فرماتا ہے و اخروی الخ مدالہی اور فتح جس کو ہر ایک پسند کرتا ہے ہر مرتبے کے جہاد میں فتح اور مددِ نبوی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے دشمنوں پر کیسی کیسی جلد فوجیابی حاصل کی۔ یہی مضمون قرآن میں ایک اور آیت میں بھی آ چکا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ۔ اس مبارک سودے کا مزدہ اے نبی ایمانداروں کو دے دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَنْتَ
طَلِيفَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرْتَ طَلِيفَةً ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا
عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝

ج

ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے حواریوں سے کہا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ تب ہم نے ایمانداروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔

ترکیب : انصار اللہ۔ الانصار (جمع نصیر کشریف و اشرف) منصوب لکونہ خبر کونو اقری انصار اللہ بالتھوین وبالاضافۃ والرسم مختمل اقراتین کما و الکاف فی موضع نصب علی انصار القول ای قول لکم کما قال وقیل هو محمول علی المعنی اذ المعنی انصر واللہ کما نصر الحواریون عیسیٰ بن مریم الی اللہ ای من یکون معی فی نصرۃ اللہ لیطابق السؤال وحواری الرجال صفیہ وخلصاء من المحور وهو البیاض الخالص۔

تفسیر : اس تجارت کے بعد صاف صاف لشکر آسانی میں داخل ہونے کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں ایک پہلی قوم سے تشبیہ پیدا کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ فقال لِّأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ کہ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ۔ اللہ پاک و بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی کچھ بھی حاجت نہیں لیکن مراد یہ کہ دین الہی کے پھیلانے اور اس کی تعمیل میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ۔ اس کام کے لیے کمر باندھ کر تیار رہو۔ كَمَا قَالَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ۔ ایسے سرگرم ہو جاؤ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں تو قال الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ۔ حواری بول اٹھے کہ ہم ہیں اللہ کے کاموں میں آپ کے مددگار۔ حواری کا لفظ عربی زبان میں حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اس لیے دھوبی کو بھی حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑے سفید کرتا ہے اور مددگار اور خالص دوست کو بھی جس کے دل میں محبت و نصرت کی سفیدی یعنی روشنی ہے اور یہ جمع نہیں بلکہ بروزن حوالی ہے جو کثرا الخلیل کو کہتے ہیں جمع اس کی حواریوں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں کو جو اول اول ان پر ایمان لائے اور یار و مددگار ہوئے اس لیے حواری کہتے ہیں نہ اس لیے کہ وہ دھوبی تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ ان بارہ شخصوں کے نام یہ ہیں۔ شمعون جو پطرس کہلاتا تھا اور اس کا بھائی اندریاس زیدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا فلپیوس اور برتھولا۔ تھوما اور محصلو لینے والا متی۔ ہلقا کا بیٹا یعقوب۔ اور لسی جو تہدی بھی کہلاتا۔ شمعون کنعانی اور یہودا مسکر پوتی جس نے اسے پکڑا بھی دیا۔ (انجیل متی باب دسواں)۔

یہ بنی اسرائیل تھے ان میں سے کچھ ماہی گیر تھے یا یہ کہ ماہی گیری کرتے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بلایا جیسا کہ انجیل متی کے چوتھے باب میں پہلے چاروں حواریوں کی بابت مذکور ہے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے اول قبول کیا اور حضرت کی ہمدردی و محبت میں نہایت سرگرم اور مستعد اور فخلصین تھے۔ چنانچہ متی کے دسویں باب میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی باتیں کیں کہ پہلے اسرائیل کی بستیوں میں جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی، سامان سفر کچھ ساتھ نہ لو اور میں تمہیں بھیجوں میں تمہیں لوگ تمہیں کوڑے ماریں گے، عدالتوں کے حوالے کریں گے۔ میرے نام کے سبب تم سے سب دشمنی کریں گے۔ پر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔ یہ خیال مت کرو کہ میں صلح کرانے آیا ہوں نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں۔

اس تلوار چلانے کے لیے لشکر درکار تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میر نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا جیسا کہ کتاب سماعہ کے ۴۱ باب میں وعدہ کیا تھا۔ ۱۲ منہ

کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹے کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے جو کوئی ماں باپ بیٹے بیٹی کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی صلیب لے اٹھا کر میرے پیچھے نہیں آتا وہ میرے لائق نہیں جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے وہ اسے کھوئے گا اور جو میرے واسطے اسے کھوئے گا وہ پائے گا۔ جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے۔ انہی۔

اسی کے مطابق ان حضرات حواریین نے کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ملک یہودیہ میں بھی منادی کرتے پھرے۔ پھر سریا کے علاقوں میں سے گزر کر یونان اور روم کے شہروں میں پہنچے اور سفر کی اور لوگوں کی بڑی بڑی نصیحتیں اٹھائیں اور طرز معاشرت بھی درویشانہ ہی تھا۔ کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے ان میں اس خلوص کی بدولت خدا تعالیٰ نے کرامت عیسیٰ کی بھی۔ ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتے تھے اور ہر طرح کے کرامات و برکات لوگ دیکھتے تھے۔ آخر لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر دین عیسوی کو خوب پھیلا دیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ **فَأَمْنَتْ خَلِيفَةُ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ وَ كَفَرَتْ خَلِيفَةُ** کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان لے آئے اور بہت سے منکر رہے مگر حواریوں کی کوشش اور جان کا ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بحری اور بری بہت سے ممالک نے مذہب عیسوی قبول کر لیا اور اس عرصے میں گھر گھر لڑائی اور جنگ کی آتش بھی شعلہ زن ہوئی مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا۔ **فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ**۔ یہ بات اور ہے کہ پھر ان عیسوی لوگوں میں اصلی دین محرف ہو گیا۔ ان آیات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتا ہے کہ تم بھی اشاعت اسلام کے لیے ویسی ہی کوشش کرو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو پچھلے نبی تھے جو حضرت عیسیٰ و موسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کے رستے کے پتھر اور کانٹے صاف کرنے آئے تھے اور تو میں جو اگلے انبیاء کی مخالف تھیں ہیں اب تو یہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے نام لیوا یہود و نصاریٰ ہی سب سے بڑھ کر دشمن ہو گئے کس لیے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بعد جو کچھ دین حق میں ان کے درویشوں اور مولویوں نے ملو نیاں ملا کر معجون مرکب بنایا جو حق کے سر اسر خلاف تھا اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک جان دینے سے بھی مشکل تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں تلوار چلانے اور باپ بیٹے ساس بہو میں جنگ کرانے آئے۔ چنانچہ مکہ میں ظہور اسلام سے لے کر فتح مکہ تک یہی حال رہا۔ بدر کی لڑائی میں ایک بھائی ایک طرف تو دوسرا دوسری طرف تھا۔ بیٹا ادھر تو باپ ادھر تھا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا اس کے ساتھ اس کے رقیبوں اور پرانے دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کی ایک عمدہ جماعت اس کام کے لیے منتخب کی اور پھر ایک عمدہ انتظام سے ان کو مختلف خدمات پر مامور کیا۔ کچھ قراء تھے تو کچھ قوموں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے اور بوقت جنگ سپاہی تو سب ہی تھے۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جو کچھ انہوں نے اسلام کے لیے جان نثاری کی اور آنحضرت ﷺ کو حکم حدیث لایزمن احد کہ حتیٰ اکون احب الیہ من ولده و والدہ والناس اجمعین (متفق علیہ) ایسا ہی محبوب سمجھ کر فرمان و لیلہ الشاہد الغائب پر عمل کیا اور قزوفاۃ بھی اٹھایا اور ان کے بے شمار کرامات دنیا نے دیکھیں اور پھر تابعین و تبع تابعین کی کوششوں نے ادھر چین اور یورپ و افریقہ کے ممالک تک ادھر ہندو چین ایران و ترکستان تک اس سرعت کے ساتھ اسلامی جھنڈا بلند کیا جو عیسائیوں اور حواریوں سے صدیوں تک نہ ہوسکا۔ اس فرق بلکہ تفوق کو عیسائی مورخ بھی تسلیم

۱۔ صلیب سولی یہ ایک محاورہ ہے کہ مرنے سے نہ ڈرے بلکہ سمجھ لے کہ سولی دیا جاؤں گا اور سولی بھی آپ ہی اٹھائے۔ پھر ایسا مرنے کو تیار ہو جیسا کہ کہتے ہیں کفن سرے باندھ کر میرے ساتھ آئے۔ ۱۲۰

۲۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے خاص اسلام کے لیے عرب کے ریگستان سے نکل کر سفر کیا۔ چین تک ادھر اندلس تک پہنچے۔ ترک دنیا تو کل اور ان کی

کرتے ہیں۔ سر ولیم میور صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو اگر محمد (ﷺ) کے پیرووں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو عیسیٰ (ﷺ) کے پیروکاروں کو ان سے کچھ بھی رتبہ نہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں نے حواریوں کا شل ہونے سے بڑھ کر کام کیا کہ ان سے بھی زیادہ بڑھ گئے مگر آج کے علماء و مشائخین و امراء کیا کر رہے ہیں؟ ہندوستان کے علماء سے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے دیہات و قریات میں پھر کر شرائع اسلام کی تعلیم کرتے، رسومِ قبیحہ سے روکتے اور مشائخین و امراء مدد دیتے پھر غیر مذہب والوں کا ہدایت کرنا تو دوسری بات ہے۔ افسوس باہمی جزئیات مسائل پر کیسے جھگڑے اور اصول سے کیا بے خبری۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ② وَالْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا

يَلْحَقُوا بِهِمْ ③ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ⑤

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ⑥

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے (ہر وقت) اللہ کی تقدیس کرتے ہیں جو بادشاہِ قدوس (اور) زبردست حکیم ہے۔ وہ ہے کہ جس نے ان پڑھوں کو تعلیم نہیں دی تھی ایک رسول بھیجا پڑھ کر سنا تا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور اس سے پہلے تو وہ صریح مگر ای میں پڑے ہوئے تھے اور دوسروں کے لیے بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب : الملك القدوس العزيز الحكيم مجرور علیٰ انہ صفة للقدوس و بالرفع علی الاستئناف والجمہور علی ضم القاف من القدوس و قری بفتحها و صامعغان۔ منهم صفة رسول او حال و کذا ما بعده یتلو او یدرس و یعلّم و یزکّی و ان تخففة من الثقیلة و اسما محذوف ای و انھم و اللام لقی ذیل علیہا و آخرین مجرور عطفًا علی الامیین ای بعث فی الامیین الذین فی عہدہ و بعث فی آخرین منهم لم یلقوا انھم الی الان او منصوب علی انہ عطف علی الضمیر المنصوب فی یعلّم ای و یعلّم آخرین او انہ عطف علی مفعول یزکّیہم ای و یزکّی آخرین و لم یلقوا صفة لآخرین۔

تفسیر : قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں سب متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس سورہ کی بابت یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں۔ مسلم و سنن اربع کے مصنفوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہ سورہ اور سورہ منافقین پڑھتے سنا ہے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کرامات کو اگر کچھ بھی لکھوں تو ایک دفتر کافی نہ ہو۔ دلائل النبوۃ اور شواہد النبوۃ وغیرہ کتابیں دیکھو اور اولیاء کرام کے تذکرے سنو تو حیرت ہو تو پھر حضرت

عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں کا موازنہ نہ کر سکو گے۔ ۱۲۱

ان پڑھ قوم سے مراد عرب ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے سوا اور آئندہ آنے والی قوموں کے لیے بھی خواہ عرب کی نسلوں

میں سے یا اور قوموں میں سے ہوں۔ ۱۲۲

وَسَلَّمَ قُلُوبَهُمْ لِيَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلُوبُهُمْ پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھتے تھے۔ مسلم اور اہل سنن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ دین و اطاعت الہی میں ہمیشہ سرگرم اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی مدد و اعانت اور دینی استقامت کی حاجت ہے یا کوئی اس کا اس سے فائدہ ہے یا دفعِ مضرت ہے اس لیے ان خیالات کا ابطال اول سورہ میں کرتا ہے۔ فَقَالَ يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَنَافِي السَّمَوَاتِ وَمَنَافِي الْأَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی ہر وقت پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کو کسی کی بندگی و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں اب جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف تمہاری بھلائی کے لیے۔ پہلی سورت میں سبعہ بلفظ ماضی ذکر کیا تھا یہاں یسبعہ بلفظ مضارع تاکہ تجد دو دوام پر دلالت کرے۔ مضارع کے معنی جیسا کہ تجد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ہمیشہ کرنے پر بھی بقرآن یہ بھی ایک وجہٴ مناسبت اگلی سورہ سے ہے۔ تسبیح کے معنی اور یہ کہ آسمان اور زمین کے رہنے والے کیونکر اس کی تسبیح کرتے ہیں (بزبان حال و بزبان مقال) اس کو ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں۔ اس جملے میں پہلے خیال کا ابطال ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ تمام عالم اس کے آگے سخر ہے۔ ہر چیز کی قدرتی بنادت اور اس کے حالات کا تغیر اپنے خالق کی یکتائی و بزرگی بیان کر رہا ہے جس کے کان ہوں سن لے آنکھ ہو دیکھ لے، دل ہو سمجھ لے۔ اسی بات کو ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَاَن مِّن شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِغُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ۔ اس کے بعد فرماتا ہے الملك وہ بادشاہ بھی ہے یعنی غنی اور بے پروا ہے اس کے معنی واجب الوجود کے قریب قریب اس موقع پر مراد ہیں۔ کس لیے کہ بادشاہت بغیر جمع ہونے تمام کمالات و اسباب سلطنت کے حاصل نہیں ہوتے اس سے اشارہ ہے نبوت صفات عالیہ کی طرف جس میں دوسرے خیال کا رد ہے القدوس یعنی پاک ہے اس میں تیسرے خیال کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی مضرت و نقصان اس کی ذات پاک کی طرف عائد نہیں ہو سکتا۔

خیالات کے ابطال کے سوا الفاظ قرآنیہ میں ایک اور مسئلہ بترتیب بیان فرمایا جاتا ہے۔ يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَنَافِي السَّمَوَاتِ وَمَنَافِي الْأَرْضِ سے الحکیمہ تک توحید کے مسئلہ کا عجیب لطف کے ساتھ ثبوت ہے کہ تمام کائنات علوی و سفلی اسی کی تسبیح کر رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کے سخر ہیں۔ زمینوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی ہے جو ہم کو مجبور نہ ایک حرکت پر مجبور کر رہا ہے۔ جو لوگ کزات ہی کو باعتبار فوق ہونے کے مساوات کہتے ہیں اب وہ بھی غور کریں کہ آفتاب و دیگر سیارات جو زمین سے ہزاروں حصے بڑے اور کروڑوں کوس دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دور کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر یہ بیشمار ہیں آپس میں ٹکرائے نہیں پاتے۔ پھر ان کی یہ حالت اپنے خالق و مالک و مدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ہزاروں روحانی و ملائکہ اس کی تسبیح و تہلیل نہ کرتے ہوں۔ وہ ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق ہے جس کے ادراک سے فلسفہٴ حال عاجز ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر یہ انسان کیوں بیکار اور غیر معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے، اس کو بھی اسی کی تسبیح چاہیے۔ الملك میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی حاکم مطلق ہے وہی قابلِ پرستش و اطاعت ہے اسی کی نافرمانی سزا کی مستوجب کرتی ہے۔ القدوس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو ادہام باطلہ نے خدا کے لیے تثلیث اور بیڑی بیوی اور کارکن بھجھ رکھے ہیں وہ ان سب سے پاک ہے اس میں جمیع مذاہب باطلہ کا اجمالی رد ہے۔ العزیز وہ زبردست بھی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزت و غلبہ اسی کو ہے اسی کے احکام قابلِ پذیرائی ہیں۔ الحکیمہ وہ حکمت والا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظام دنیاوی جس طرح

۱۔ ریل گاڑیاں باوجود اس قدر محافظت اور ایسے ہنرمندوں کی کوششوں کے ہر سال ٹکرائی جاتی ہیں اور مگر اس مدبر حکیم کے کرات نہیں ٹکرانے پاتے پھر اس سے

زیادہ کون ثبوت اس کی توحید کے لیے ہو سکتا ہے۔ ۱۲

اس کی حکمت بالغہ کا مقتضی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا، کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی معاد و معاش درست کرنے کے لیے اسی حکیم کی حکمت کا ملکہ کا مقتضی ہے لہذا اس کے بعد مسئلہ نبوت کا اثبات کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ کہ اسی حکیم نے امیوں یعنی ان پڑھوں میں جس سے مراد ملک عرب لیا گیا ہے انہیں میں سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث و برپا کیا مگر امیوں سے مراد تمام ممالک ہیں کس لیے کہ جن باتوں کی تعلیم کے لیے رسول آیا ان سب کی نسبت وہ اُمی ان پڑھ اور جاہل ہی تھے اور جو کسی کو کچھ خبر بھی تھی تو اس پر سینکڑوں جہالت کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں پھر یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب کے لیے نبی تھے غلط بات ہے اور بالفرض امیوں سے مراد عرب ہی ہوں تو ان میں برپا کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اور قوموں کے لیے نبی نہ تھے بلکہ یہ ایک وقتی بات کا بیان ہے جو دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہوئے تھے۔ کیوں رسول بھیجا تلو اعلیہم ایاتہ کہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنادے۔ ویز کیہم اور ان کو اخلاقِ بد کی نجاستوں سے پاک کرے اپنی روحانی روشنی سے ان کے نفوس کو منور کرے۔ کوئی کیسا ہی پر زور و دواعظ ہو ہزاروں کو وعظ و پند کرے جب تک اس میں روحانی کشش اور باطنی جاذبہ نہیں کچھ بھی اثر پیدا نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو جلد زائل ہو جاتا ہے۔ وہ کیا نقش تھا جو عرب کے سخت دل، شہوت پرست، مغرور جاہلوں کے دلوں پر قائم کر دیا تھا کہ جو صدیوں تک نہ مٹا اور ان کی دنیاوی اور دینی ترقی کا رہنما بنا رہا۔ ہم نے زباں زور سینکڑوں واعظ دیکھے کہ جو بک بک کر تھک گئے پر کچھ اثر نہ ہوا مگر حضرت ﷺ نے تو پہاڑوں کو موم کر دیا اس کو رسالت کبریٰ کہتے ہیں۔ اور صرف پڑھ کر سنا دے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ان کو وعلیہم الکتاب۔ کتاب یعنی قرآن سکھادے۔ والحقمہ اور حکمت بھی۔ کتاب سیکھنا اور چیز ہے اور اس کے برکات سے فائز اور دل میں جگہ دینا اور چیز ہے اسی لیے الکتاب کے بعد الحکمۃ کا لفظ ارشاد فرمایا۔ حکمت سے بعض نے سنت کو مراد رکھا ہے۔^۱ فائدہ: تکمیل کا اول مرتبہ یہ ہے کہ کلام سنایا جائے جس کے بعد اس کے دل پر سے کثافت و جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے ان دونوں کو یَتْلُوا عَلَیْہِمُ 'ایاتہ ویز کیہم' میں بیان فرمایا۔ تیسرا مرتبہ اس اثر پذیر ہونے کے بعد یہ ہے کہ کتاب الہی اس کو سکھا دی جائے۔ سکھانے اور پڑھ کر سنانے میں بڑا فرق ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ کہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور اس کے احکام کے علاوہ علل و اسباب اور مصلحتیں بھی وہ سمجھ لے ان دونوں کو یَعْلَمُہُمُ الْکِتَابُ وَالْحِکْمَةُ میں بیان فرمایا۔ حکمت کے معنی: حکمت کا لفظ فلاسفہ کے نزدیک حقائق الاشیاء کو ٹھیک ٹھیک طور پر جاننے میں بولا جاتا ہے اس لیے موجودات خارجہ آسمان و زمین انسان و دیگر حیوانات وغیرہ کے حالات جاننے کا نام حکمت رکھا ہے۔ پھر موضوع متعین کر کے حکمت کو تقسیم کر دیا کسی کا نام حکمتِ عملیہ کسی کا نظریہ رکھا اور پھر حکمتِ عملیہ اور نظریہ کے بھی بہت سے اقسام جدا گانہ ناموں سے نامزد ہوئے۔ نظریہ میں سے فلکیات و غرضیات والہیات اور عملیہ میں سے تدبیر المنزل سیاست تمدن تہذیب الاخلاق نام قرار دیے گئے اور پھر ہر ایک کی اور بھی شاخیں ہیں۔ ریاضی اور طب پھر ریاضی کے اقسام ہیئت، نجوم، زچ، اکرمایا، حساب، ہندسہ وغیرہ۔

حکمت شرعیہ کا بیان: شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں کسی قدر تفسیر کیا گیا اور اگر

۱ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جو چوتھے خلیفہ تھے یہ بات ان کے بیجا طرفداروں کو بری معلوم ہوتی تھے حضرت شیخین چھ پر اہتمام لگائے اور اس کے لیے انہیں تمام صحابہ کو برا بھلا بھی کہنا پڑا جس لیے وہ اس کہنے پر مجبور ہوئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکمت نہیں سکھائی نہ تزیہ کیا نہ کتاب سکھائی اور آپ کا اثر ان سے شہنم کی طرح جلد زائل ہو گیا جس کے مخالف اسلام بھی قائل نہیں اور خلاف واقعہ بات بھی ہے پھر ان مطالب کے اثبات کے لیے ان کو سینکڑوں جھوٹی احادیث و روایات بنائی پڑیں جن کو واقعہ اور تاریخ زمانہ رد کرتی ہے اور انہیں کے ہمدرد و قرآن مجید میں تاویل کرتے اور جمہور اہل اسلام سے جھگڑتے ہیں۔ افسوس! ۱۲۱ منہ

حق اور مبدا و معاد رسالت اور اسرار حکمت نوامیہ اور احکام الہیہ اور ان کے اسرار و مصالح اور تزکیہ نفس اور اس کے متعلق امور اور اسی طرح قوانین عدل و انصاف سیاست و اخلاق طہارت باطنی و ظاہری کا جاننا نہ صرف دلائل عقلیہ سے بلکہ الہام الہی سے ہی مرسل اور اس کے سچے پیروؤں کے وسیلوں سے جاننا حکمت ہے۔ ان میں علم بالنسۃ المطہرہ بھی داخل ہے۔ دونوں حکمتوں میں فرق ہے اول کی بنیاد دلائل عقلیہ یا حکما کے اشراق پر ہے جس میں بیشتر توہمات اور تخیلات کو دخل ہے اور اسی لیے یہ حکمت ہر زمانے میں نیا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ آج کل کا فلسفہ اور ہیئت کچھ اور ہے اور قدیم فلسفہ اور دیگر علوم پر بڑے زور شور کے حملے ہو رہے ہیں اور شاید اس کے بعد جو زمانہ ترقی کر جائے تو اس پر بھی حملے ہونے لگیں اور یہ خیالات باطل ثابت ہو جائیں۔ بخلاف دوسری حکمت کے کہ اس میں ان امور کو دخل ہی نہیں وہ ان کدورتوں سے پاک و صاف ہے۔ زمانہ کیسا ہی بدلے پر وہ حکمت نہ بدلے گی۔ اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حکیم دو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الایمان یمان والحدیۃ یمانیۃ (متفق علیہ) کہ ایمان تو یمانی ہے اور حکمت تو یمانی ہے۔ یعنی میری امت میں سے جو اہل یمان ہیں میری حکمت وہ خوب جانتے ہیں یا یوں کہو کہ حکمت الہیہ کا مدرسہ یمان ہے نہ یونان اور دراصل لفظ یمان میں یمان و برکت کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے حکمت آسمانی مراد ہو سکتی ہے۔

فوائد حکمت : اس حکمت کے فضائل شرع محمدیہ میں بہت آئے ہیں۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت خیر دی گئی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی حکمت میں دل پر نور روح کو سرور ابدی ملتا ہے۔ حکمت یونانیہ میں انجام کار تردد و خبط اور شک و ظلمات روحانیہ کے سوا کچھ نہیں اس لیے مولانا مرام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چند چند از حکمت یونانیاں

حکمت ایمانیاں . راہم بخواں

یہ ذات بابرکات عرب جیسے اُمّی اور جاہل ملک میں ظاہر ہوئی یعنی اس معلم کو ایسے سخت اور جاہل لوگ دیے گئے پھر دیکھئے کہ آپ نے ان کو حکمت کی تعلیم کہاں تک کی۔ مورخین بالانصاف عرب کی اس حالت کا کہ جب آپ نے اظہار نبوت نہ کیا تھا اور اس کے بعد کی حالت سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد تک جو مقابلہ کرتے ہیں تو ان کو ایک سخت حیرت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والوں کے علوم و برکات اور ان کی بے حد ترقیاں اور لیاقتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ آپ نے حکمت سکھائی ہی نہیں بلکہ حکمت کا دریا بہا دیا۔ اب اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کو بھی دیکھئے باوجودیکہ وہ لوگ عرب جیسے اُجڑے تھے، پڑھے لکھے شائستہ بھی تھے مگر پھر ان کو حکمت الہیہ سے کہاں تک حصہ ملا۔ کیا اسرائیلیوں کی گوسالہ پرستی اور بات بات پر سرکشی اور جلد جلد بت پرستی و بدکاری کی طرف رجوع کرنا جیسا کہ توریت سے ثابت ہے یہ نہیں کہے گا کہ عرب کے ان مقدس اور پاک باز اور مستقل اور مردانہ و فرزاندہ جماعتوں سے ان کو کوئی بھی مناسبت نہیں۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ ان کے معلم تو حکیم کامل یعنی نبی مرسل قرار پائیں اور ان کے معلم حکیم کامل یعنی نبی مرسل قرار نہ پائیں۔

عرب کی حالت گمراہی اور دنیا کے اقوام کی ضلالت : **وَإِنْ كُنَّا مُؤْمِنِينَ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** کہ اس سے پہلے وہ اُمّی عرب بے شک مرتع گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اس میں اسی مقابلہ حالیہ سابقہ کی طرف اشارہ ہے۔ عرب کی پہلی ضلالت معین کی جو کچھ مورخین نے شرح کی اس کے ذکر کی تو یہاں گنجائش نہیں مگر اس قدر جاننا کافی ہے کہ علم و ہنر سے خالی تھے، لکھنا پڑھنا بھی سینکڑوں ہزاروں میں سے کوئی جانتا تھا۔ افلاس کی کوئی انتہا نہ تھی، قزاقی اور چوری اور قتل و زنا شراب خواری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شہوت پرستی یہاں تک تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو بھی تصرف میں لاتا تھا۔ سنگدلی یہاں تک کہ معصوم بچوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام بات تھی۔ پھر سینکڑوں معبود اور سینکڑوں تھان جھنڈے پوجتے تھے۔ رمالوں کا ہنوں عیاروں کے کرشموں پر ایمان تھا۔ فال و شگون پر سفر و اقامت منحصر

تھی، گندے میلے وحشی بنے ہوئے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت تک تھا۔ گو پہلے عرب میں شاہانِ یمن کے ذریعے سے شائستگی ہوئی ہوگی اور علم و ہنر کی چمک ان پر پڑی ہوگی مگر اب تو چاروں طرف سے جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ملتِ ابراہیمیہ بالکل مٹ گئی تھی اور اسی طرح تمام مذاہب اور جمیع اقوام کی حالت تھی۔ مجوس کا مذہب اصل میں جو کچھ ہو مگر اب تو شہوت پرستی اور عناصر پرستی کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ اسی طرح اہل کتاب کی حالت خراب تھی۔ یہود تو ریت اور انبیاء علیہم السلام کے اصل نسخے کھو بیٹھے تھے جو بخت نصر وغیرہ بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ صرف کچھ مضامین اصل کتابوں کے باقی قصص و حکایات یا مذہبی دستورات تھے جن کو توریت و صحیفہ انبیاء کہتے تھے۔ اس کے سوا ان کے اجداد کی بے ایمانیاں اور قوم کی بے ہودگی تو اس درجہ تھی کہ جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی شاکہ تھے اور وہ دنیا سے شاکہ گئے اور ملتِ مسیحیہ کا تو پوپوں کی بددیانتی سے اور خراب حال تھا۔ سینکڑوں فرقے تھے اور سینکڑوں جدا جدا خیالات۔ انجیل ان کے پاس بھی نہ رہی تھی۔ عجائب پرستی اور پیروں کی پرستش اور اوہامِ باطلہ کی پابندی اور معمولی دستورات کی بجا آوری ہی مذہب رہ گیا تھا۔ تواریخ کلیسا کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے۔ رہے یہود و اہل چین و تار و اب تک بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اور صرف اس عہد کے لیے یہ آفتابِ ہدایت جلوہ گر نہیں ہوا تھا یا عرب کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ و آخرین منہم اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے بھی۔ یہ مجرد ہے اس کا عطف امتین پر ہے یہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے عہد کے امی لوگوں کے لیے بھیجا اور ان کے سوا اوروں کے لیے بھی جو ہنوز نہیں پیدا ہوئے یا پیدا ہیں مگر ان میں نہیں ملے اور منصوب بھی ہو سکتا ہے تب اس کا عطف ضمیر منصوب پر ہوگا جو علیہم السلام میں ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو بھیجا کہ ان امیوں کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کے سوا اوروں کو بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے علیہم السلام۔

امام ابو حنیفہ کی بشارت : بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر رحمہم اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے یہ جملہ علیہم السلام پڑھا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر سوال کیا۔ تیسرے بار سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جو ہم میں موجود تھے ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ایمان اگر ثریا تک چلا جائے تو ان میں کے لوگ اس کو پالیں گے۔ یعنی اگر دنیا سے ایمان و خیر اٹھ کر آسمان تک بھی جا پہنچے۔ مطلب یہ کہ اس کا لینا مشکل ہو جائے تو ابنائے فارس کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔ مقصد یہ کہ آنے والے لوگوں سے غیر عرب جمیع امم مراد ہیں خواہ اہل فارس ہوں یا اہل روم اور اسی لیے آپ نے قیصر و کسری وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے لیے نامے لکھے (مجاہد وغیرہ سب کا یہی قول ہے) اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بالخصوص اہل فارس میں سے بڑے بڑے نامور اسلام میں پیدا ہوئے جن کی مساعی جمیلہ کی اب تک امت محمدیہ مشکور ہے اور یہ بشارت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ پر صادق آئی جیسا کہ جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے بھی اقرار کیا۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔ یہ اس کی عنایت ہے جس کو چاہے نصیب کرے۔ یہود و نصاریٰ یا کسی اور کا کیا خدا تعالیٰ کو دینا آتا ہے کہ اخیر نبی اور اس کے ایسے نامور پیروان میں سے پیدا کرتا اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے کہ کس قوم میں اس خدمت کی بجا آوری کا مادہ ہے۔ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑤

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنْكُمۡ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَسْتَوُوا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَتُّوْنَۙ اَبَدًاۙ بِمَا قَدَّمْتۡ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيۡ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلْقِيْكُمْ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلَیْ عَلِيْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ع

ان لوگوں کی مثال کہ جن پر توریت لادی گئی پھر اس کو انہوں نے اٹھایا نہیں اس گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔ کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی کہ جس نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کیا کرتا۔ (اے محمد ﷺ) ان سے جو یہودی ہو گئے ہیں کہہ دو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ سب لوگوں کے سوا ہمیں اللہ کے پیارے ہیں تو موت کی خواہش کرو اگر تم سچے ہو اور اس کی تودہ کبھی بھی خواہش نہ کریں گے اپنے ہاتھوں کے ان کاموں کے سبب جن کو کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ موت کہ جس سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ ضرور تم کو آ لے گی۔ پھر تم چھپی اور کھلی چیزوں کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کیا کرتے تھے وہ تم کو بتا دے گا۔

ترکیب : مثل الذین مبتدأ کمثل الحمار خبره یحمل الجملة اما حال والفاعل فیها معنی المثل اوصفة للحمار وایس المراد به معنی فہو فی حکم النکرة کما فی هذا القول ولقد امر علی التثیم یعنی مثل القوم فاعل بنس الذین فی موضع خبر لکنما للقوم والخصوص بالذم محذوف ای ہذا المثل ویکن ان یکون فی موضع رفع تقدیرہ بنس مثل القوم مثل الذین فمثل المحذوف هو الخصوص بالذم وقد حذف او قیم المضاف الیہ مقامہ۔ (ابن الصاخر) وقد ر العلامۃ ابوالمسعود و هذا ای بنس مثلاً مثل القوم الذین کذبوا علی ان التمزیز محذوف والفاعل المفسر بہ مستتر ومثل القوم هو الخصوص بالذم وللموصول صفۃ لقوم۔ فانه ملائیکہم الجملۃ خبر ان ودخلت الفاء لما فی الذی شبه الشرط وقیل الفاء زائدة وفیہ مافیہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اس حکیم کی حکمت کاملہ کا مقتضی ہے کہ اس نے رسول بھیجا تا کہ لوگوں کو پاک کرے اور علم و حکمت سکھائے اور یہ رسول عرب میں ظاہر کیا جو ان پڑھ لوگ تھے۔ یہودی کی قوم کو اپنے علم و خاندان کا بڑا گھمنڈ تھا (اور خاندانی آدمیوں کا جب اصلی کمال جاتا رہتا ہے تو ان میں یہی باقی رہ جایا کرتا ہے) ان کو اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اس کے نور سے مستفید ہونے سے عار ہوا اور کہنے لگے کہ علم و حکمت کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ جاہلوں کے سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ ہمارے لیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس قوم بد نصیب کی اصلی حالت بیان فرماتا ہے اور ان کے علم بے عمل کی پوری تشبیہ دیتا ہے۔ فقال مَعْلُ الذِّیْنِ الخ کہ ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی یعنی اس کی پابندی کی تاکید کی گئی گویا توریت کو ان پر سوار کیا گیا یا یہ معنی کہ توریت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے کیونکہ یہ حمل بمعنی اٹھانے کے نہیں بلکہ حملہ بمعنی کفالہ و ضمان سے ہے (یہ زحشری کا قول ہے) اور پھر انہوں نے پوری ذمہ داری نہ کی ایک گدھے کی مثال ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں پھر اس گدھے کو ان کتابوں سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ ان کے بوجھ کی مشقت اٹھا رہا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانشمند چار پایہ برد کتابے چند

یہی حال ان یہود کا ہے۔ گدھا حیوانات میں سے بالخصوص بارکش اور بد عقل جانور ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی نہ گھوڑے نچر گاڑی چمڑے سے۔ اور تہذیباً یہود کا نام نہ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی ایک گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے

پھرتا ہے۔ اسفار سفر کی جمع ہے اور سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی روشنی کے ہیں۔ کہتے ہیں اسفار صبح چونکہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے سننے والے کو علم کا نور اور روشنی بخشی ہے اس لیے اس کو سفر کہنے لگے اور اس کی نظیر اشبار ہے جو شہر کی جمع ہے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے علماء امت محمدیہ کو بھی سن کر ڈرانا چاہیے اور علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی گدھے شمار ہوں گے جن پر کتابیں لدی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بَنَسْ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِالْآيَاتِ اللّٰهِ کہ اس قوم کی جس نے آیات اللہ کو جھٹلایا یعنی یہود بری مثل ہے۔ مثل کے برے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ مثل بچا اور نامناسب ہے بلکہ یہ تمثیل ٹھیک ہے اور ان پر چسپاں ہے مگر وہ بہت بری قوم ہے کہ جس کی یہ مثل ہے۔ آیات اللہ سے مراد آیات قرآنیہ ہی نہیں بلکہ وہ دلائل بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے برحق ہونے پر دال ہیں خواہ وہ عقلیہ ہوں خواہ نقلیہ یعنی وہ بشارتیں جو ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مذکور ہیں جب ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف کیا تو ان کو جھٹلایا۔ یا یوں کہو کہ جب یہود نے توریت و صحف انبیاء کی ان ہدایات و تاکید احکام کو پس پشت ڈال دیا اور ان پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو جھٹلایا۔ یہ بھی ایک قسم کی تکذیب ہے لسانی نہ ہو حالی سہی۔ واللہ لایہدی القوم الظالمین ایسے متعصب لوگوں کو ہدایت الہی سے حصہ نہیں ملتا ہمیشہ بد نصیبی و خسران و ضلال ہی کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔

یہود کہتے تھے کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے خاص اور پیارے بندے ہیں خواہ کچھ ہی کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل یا ایہا الذین ہادوا ان زعمتم الخ کہ اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دے اگر تم کو گمان ہے کہ ہم اللہ کے خاص دوست ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب موروثی بزرگی و غلت اور دیر آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔ تَوَفَّعْتُمُو الْوُتَّ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہوتا کہ تم مرنے کے بعد عیش و آرام اپنے ادعاء کے موافق پاؤ مگر دل بڑا منصف ہے اپنے اعمال بد کی شامت اسے معلوم ہو جاتی ہے اس لیے وَلَا يَتَمَنَّوْنَ اَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيْہُمْ۔ وہ اس کی ہرگز تمنا نہ کریں گے اپنے اعمال بد کے خوف سے۔ ملزم عدالت میں جانے سے ڈرتا ہے پاک کو کوئی خوف نہیں ہوتا نیک اور با خدا لوگ جن کو دیر آخرت کے نعام پانے کا ان کے رب کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے مرنے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے عیش و آرام کو قید خانہ کے آب و دانہ سے کم نہیں سمجھتے مگر خدا تعالیٰ کے ملزم زبان سے لاکھ لاف ماریں مرنے سے ڈرتے ہیں یہیں کی زندگی پر مرتے ہیں۔ یہیں کے سامان و اسباب پیدا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔ واللہ علیہم بالظالمین۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ بدکاروں کو ابرار کے درجے نہیں دیتا البتہ نیک نسل اپنے بزرگوں کے انعام کا حصہ پاتی ہے۔ یہود اس امتحان سے بھاگ نکلے اور موت سے ڈرتے تھے اس لیے فرماتا ہے قُلْ اِنَّ الْوُتَّ الَّذِیْ تَفْرُوْنَ مِنْهُ فَانَّهُ مُلْبِغِیْکُمْ کہ کہہ دے جس موت سے تم بھاگ رہے ہو آخر وہ ایک روز تمہیں آ پکڑے گی اس سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ ثُمَّ تَرْجُوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغُیْبِ وَالشَّہَادَةُ فَيُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مرنے کے بعد تم اس کے پاس پہنچائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے۔

ان آیات میں مسئلہ معاہدہ کسی خوبی کے ساتھ بیان کر دیا اور ہدایات انبیاء علیہم السلام سے بے خبر ہونے کا نتیجہ اور ان سے مغایر آہائی کے غرور میں مرتابی کا انجام بڑے پراثر الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا۔ فَاَنذَرُہُ: اسلام میں انبیاء اور اولیاء زادہ ہونا بغیر ایمان و عمل صالح کے کچھ کام نہیں آتا۔

۱۔ ہنود میں برہمن ایک قوم ہے وہ بھی مدعی ہے کہ ہم برہما جی کے پوتے یعنی بیٹے ہیں۔ ہماری کئی یعنی نجات ہر حال میں ہے۔ خیرات دوتو برہمن کو دوتیکی کرو تو برہمن سے کرو، برہمن کسی کو مارے تو اس سے بدلہ لینا روا نہیں اور قومیں کئی بار جنم لے کر یعنی تاج کے میدانوں میں ٹھوکیں کھا کر نجات کے لیے برہمن کے گھر جنم لیتے ہیں۔ برہمن سے نطفہ حاصل کرنا بھی فخر سمجھا جاتا تھا۔ برہمنوں میں ایک گروہ کو پودہت کہتے ہیں۔ وہ تو اب تک ہنود کے نکاح یا یاہ و موت و سفر کے مالک ہیں اور مرنے کے بعد سرگ نرک (دوزخ بہشت) کی کنجی نہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ مردے کے وارثوں سے کہتے ہیں اس قدر دوتو ۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت البیہ کے زور پر عیسائیوں سے بھی مباہلہ کیا اور یہود سے بھی مکروہ ڈر گئے۔ بخاری اور ترمذی اور نسائی اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں ابو جہل کعبہ کے پاس مجھ پر حملہ کرتا (جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ کعبہ میں پاؤں تو گردن مروڑ دوں) تو سب کے رو برو اس کو فرشتے اچک لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا گھر دوزخ میں دیکھ لیتے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو نکلتے تو گھر آ کر مال و اہل کچھ نہ دیکھتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ① فَاذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ② وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهِوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ③

ع

مسلمانو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کے لیے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر چلو پھر اور اللہ کا فضل (روزی) ڈھونڈو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اور جبکہ وہ لوگ تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) چھوڑ دیتے ہیں کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشا اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

ترکیب : اذا شرط من يوم من بمعنى في اي في يوم الجمعة فاسعوا جوابه وذر عطف على فاسعوا الجملة بضمين وباسكان الميم مصدر بمعنى الاجتماع فاذا قضيت شرط فانتشروا جوابه كثيرا اي ذكر كثير واذا راوا شرط انفضوا جوابه وتر كو معطوف عليه قائما حال من المفعول في تبركوك ماموصولة عند الله صلة خير خبر للموصول والصلة۔

تفسیر : یہود پر تین زجرو تو بخ ہوئیں۔ اول جب انہوں نے اپنے علم و فضل کا فخر کیا اور عرب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل قرار دیا تو ان کو گدھے سے تشبیہ دی اور جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے سبب خدا تعالیٰ کے نزدیک سب

سرگ میں ورنہ نرگ میں پہنچتا ہے بیچاروں کو دینا ہی پڑتا ہے۔ پھر جو چیزیں اس عالم میں مردے کو درکار ہوتی ہیں لحاف رضائی، پچھونا اور ڈھنا، پانی پینے کا لٹوا کنوڑا وغیرہ سب پر وہت جی لے کر مردے کے پاس پہنچانے کا ذمہ کرتے ہیں اگر پر وہت جی کے گھر دودھ پینے کو گائے نہیں تو فرماتے ہیں گاؤں تاپن کرو کہ اس کی دم پکڑ کر یہ مرنے والا نرگ کی جھیل سے پار جائے۔ ہر موسم کی ترکاریاں اور میوے بھی پہنچانے کے لیے لیتے ہیں۔ ہندوستان میں جب باہر سے مسلمان آئے اور ان سے ہندو کا میل جول ہوا تو لاپٹی مسلمانوں کے من میں یہ شکار دیکھ کر پانی بھرا آیا اور جو ہندو مسلمان ہوئے ان کے دل میں بھی پرانا چکا باقی تھا۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہندو تو ہمارے دام میں کیوں آنے لگے۔ وہ برہمن کا شکار ہیں۔ جاہل مسلمانوں کو گھیر و پھر تو انہوں نے بھی اپنی دینیات کو انہیں رسوم کے قوالب میں ڈھالنا شروع کر دیا کہ دسمہ کے جواب میں محرم کا ساگ بنایا۔ دیوالی کے جواب میں شبرات کی روشنی اور آسمانی نکالی، مردے کی روح نکالنے اور اشیائے مرغوب کو میت تک پہنچانے کا ملاں جی نے بیہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح شادی غمی کے رسوم انہیں سے ملنے لگے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع ہو گیا۔ میت کی نعش پر سرخ دوشالہ ڈالنا بھی سیکھا پر وہت کی جگہ جاہل بھرتی قائم ہوا۔ بوہر قوم میں ان کا ملاں بھائی جبریل کو چٹھی لکھا کرتا ہے کہ اس میت کو اتار اتار تھے کجور کے درخت دینا۔ ۱۲ امنہ

سے بہتر اور خاص دوست ہیں دارِ آخرت کی نعماء ہمارے لیے تیار ہیں تو ان کی تکذیب کی اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ چیزیں تمہیں تیار ملیں۔ تیسرا ان کا ایک اور خیر تھا کہ خدا نے ہمارے دین میں سبت (ہفتے کا دن) رکھا ہے جس کی تعظیم و حرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑے برکات ہمارے لیے ہیں مسلمانوں کے لیے یہ نعمت نہیں۔ اس تفاخر کے مقابلے میں یا اس کی جگہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن مقرر کرتا ہے جو ہفتہ اور اتوار سے بھی مقدم ہے اس لیے اس دن کی خاص عبادت کے لیے حکم دیتا ہے۔ فقال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِلٰی قَوْلِهِ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ کہ اے ایماندارو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کی طرف چلو اور جا کر یا دالہی کرو اور سوداگری یا اور کوئی دنیاوی کام ہو اس کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ کس لیے کہ دنیا اور اس کے نعماء جن کے حاصل کرنے میں تم سرگرمی اور کوشش کرتے ہو فانی ہیں تم کیا یہاں سدا رہو گے اور کیا تمہارے کام یہ چیزیں ہمیشہ آئیں گی؟ جہاں تمہیں جانا اور وہاں جا کر سدا رہنا ہے اس کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے اور مجملہ ان کے جمعہ کے لیے چلنا اور تیار ہونا اور کار دنیاویہ کو چھوڑ دینا ہے۔

مباحث۔ (۱) فضائل جمعہ: فضائل جمعہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پچھلے ہیں مگر قیامت میں سب سے آگے رہیں گے۔ یہی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہم کو بعد میں، پھر یہ دن جمعہ کا ان پر فرض ہوا وہ اس میں جھگڑے اللہ نے ہم کو بتا دیا۔ سب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہود اس کے ایک روز بعد نصاریٰ ان کے ایک دن بعد (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب دنوں سے جمعہ افضل ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں گئے، اسی دن وہاں سے نکلے، اسی دن قیامت ہوگی (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو کچھ بندہ اس ساعت میں مانگتا ہے پاتا ہے (متفق علیہ)۔ مسلم کی روایت میں جوابی بردہ رضی اللہ عنہ سے ہے وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز تمام کرنے تک کے زمانے میں ہے۔ اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد رضی اللہ عنہ کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب قول عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ ساعت آخر ساعت ہے یعنی غروب کے قریب تک عصر سے لے کر۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ دن تمہارے سب دنوں سے افضل ہے اس دن مجھ پر درود بھیجو کہ وہ میرے سامنے لایا جاتا ہے۔

(۲) احکام جمعہ: (۱) یہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ غیر معدوم پر واجب ہے۔ مگر علماء نے احادیث آثار میں غور کر کے اس نماز کے وجوب کے لیے بارہ شرطیں قائم کی ہیں چھ خاص پڑھنے والے کے لیے، وہ یہ ہیں: حریت یعنی آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو کس لیے کہ وہ بیگانہ تابعدار معذور ہے۔ ذکورۃ یعنی مرد ہو عورت پر واجب نہیں۔ اقلۃ یعنی معیم ہو مسافر نہ ہو کس لیے کہ مسافر پر واجب نہیں۔ صحت تندرستی کس لیے کہ بیمار پر واجب نہیں۔ سلامۃ الرجلین یعنی پاؤں ہوں لنگڑا پاؤں نہ ہو کس لیے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔ سلامۃ البصر یعنی بینا ہو کس لیے کہ اندھے پر واجب نہیں۔ بعض کہتے ہیں جب اندھے کو لے جانے والا ہو اس پر بھی واجب ہے۔ اور چھ دوسرے شروط ہیں۔ مصر جامع کہ شہر ہو جس میں بازار وغیرہ ہوں کس لیے کہ دیہات میں جمعہ واجب نہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ شرط ثابت نہیں بلکہ جس بستی میں چالیس آدمی جمعہ میں آسکتے ہوں وہاں جمعہ واجب ہے۔ اور یہی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چالیس سے بھی کم ہوں تو بھی واجب ہے۔ سلطان یا اس کا نائب منتظم بھی ہو۔ اس شرط میں بھی دیگر آئمہ کو کلام ہے۔ جماعت، اگر جماعت میسر نہ آئے تو جمعہ واجب نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین آدمی اور ہوں تو جماعت ہو جائے گی۔ صاحبین کہتے ہیں امام کے سوا دو اور ہوں تو کافی ہے۔ وقت، ظہر کے وقت پر ہونا چاہیے ظہر کے وقت سے پہلے یا اس کے بعد جمعہ نہ ہوگا۔ مگر حنبلیوں کے نزدیک

یہود ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے ہیں اس دن کاروبار دنیاوی ان کے ہاں حرام ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار کے دن کی تعظیم ہے۔ وہ کہتے ہیں اس دن حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے اٹھ کر آسمان پر گئے اور لوگوں کو دکھائی دیے۔ ہندو بھی تولد کو مانتے ہیں۔ ۱۲۔

زوال سے پہلے بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول وقت جمعہ پڑھا۔ اس کو دیواروں کے سایہ دیکھ کر بعض نے زوال کا وقت سمجھ لیا ہوگا۔ اظہار یعنی مخفی اور پوشیدگی کی حالت میں جمعہ نہیں، شہرت اور اذان عام ہونا چاہیے۔ خطبہ بھی ہونا نماز سے پہلے شرط ہے۔ اگر خطبہ نہ ہوگا جمعہ صحیح نہ ہوگا (مخلص از بدایہ و مشرودہ من دار الحکام) باقی طہارت مصلی وغیرہ اور نماز کی سب شرطیں ہیں۔ جب یہ شروط پائی جائیں تو جمعہ واجب و فرض ہے اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے ہوئے فرماتے تھے کہ لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا کہ وہ غافل ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سستی سے تین جمعے ترک کر دے گا اللہ اس کے دل پر مہر کر دے گا (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الداری و مالک و احمد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قصد کیا تھا کہ کسی کو جمعہ پڑھانے کے لیے کہوں پھر دیکھوں جو شریک نہیں ہوتے ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ حق اور واجب ہے ہر مسلمان پر واجب کے ساتھ مگر چار شخص غلام، عورت، بڑے، بیمار پر نہیں۔ (رواہ ابو داؤد)

(۲) مسنون یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرے اچھے اور صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور جب اول اذان ہو تو خرید و فروخت سب کا رو بار بند کر دے اور مسجد میں جا کر جہاں جگہ ملے چار رکعت سنت پڑھے، پھر جب امام منبر پر چڑھے اور اذان ثانی شروع ہو تو بات چیت بند کر دے اور نوافل و سنن بھی نہ پڑھے متوجہ ہو کر خطبہ سنے۔ امام خطبہ منبر پر کھڑا ہو کر پڑھے اور بیچ میں تھوڑی دیر بیٹھ جائے پھر شروع کرے، خطبہ میں خدا کی حمد و ثناء اور پیغمبر علیہ السلام پر درود کے بعد وعظ و پند اور احکام الہی کی تعلیم و ترغیب ہو۔ راگنی میں نہ ہو صاف اور سادی وضع پر ہو اور خطیب لباس مسنون پہنے ہاتھ میں عصا لیے اس پر سہارا کیے ہو۔ خطبہ عربی زبان میں ہو اور جو قوم بالکل نہ سمجھے ان کو ترجمہ کر کے سمجھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خطبہ کے بعد امام منبر سے اتر آئے اور اقامت کے بعد دو رکعت نماز پڑھائے۔ پکار کر نماز میں الحمد اور اس کے ساتھ اور سورہ یا آیات قرآنیہ پڑھے۔ سلام کے بعد چار رکعت ۱ اور پھر دو رکعت یا صرف چار علیٰ حسب اختلاف الروایات اور بھی ہر ایک جدا گانہ پڑھے، یہ مسنون ہے واجب نہیں ۲۔ جمعہ کی نماز سے ظہر کے چار فرض ساقط ہو جاتے ہیں اور مسافر وغیرہ جو جمعہ میں شریک ہو جائیں تو ان سے بھی ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور جو کوئی بلا عذر شریک نہ ہو گو شریک نہ ہونے سے گناہگار ہوگا مگر وہ ظہر پڑھے لیکن جماعت نہ کرے۔ جمعہ سے پہلے اور نماز کے بعد کاروبار دنیاویہ کی ممانعت نہیں۔ ہاں جو اس تمام روز تہربک میں خیرات اور عبادت کے لیے تعطیل کرے تو بڑی برکت ہوگی۔

(۳) جمعہ کو اس لیے جمعہ کہتے ہیں کہ اس دن لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جس سے سب سے اول اس دن کا نام جمعہ سکرکھا ہے بعض کے نزدیک کعب بن لوی ہے اور عرب پہلے اس دن کو عربہ کہا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انصار نے ہجرت سے پہلے جمع ہونے کا اور مل کر عبادت کرنے کا یہ دن مقرر کیا تھا اس لیے کہ ہفتہ یہود کے لیے، اتوار نصاریٰ کے لیے تھا۔ جب وہ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اس نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں

۱۔ وقل للجمعة اربع بلا خلاف وبعد ہاربع سلمیۃ و عند ابی یوسف ۳ بعد الجمعہ ۴ صلی اربعاً و بعدہ رکعتین ۵ مسلمین و بہ اخذ الطحاوی و اکثر المشائخ منا و بہ یصل الیوم ۱۲ (مجمع الانہر) یعنی چار رکعت جمعہ کے پہلے بلا خلاف اور چار اس کے بعد ایک سلام سے ابو یوسف ۶ کے نزدیک بعد جمعہ کے چھ رکعت ہیں۔ چار رکعت پڑھ کر دو اور پڑھے۔ ۲۔ امنہ

۲۔ امام احمد بن حنبل ۷ کے نزدیک اول جمعہ کی کوئی تعداد نوافل کی مخصوص نہیں اور بعد میں اول دو رکعت ہیں لہذا علیہ السلام کان۔ صلی بعد الجمعہ رکعتین متفق علیہ اور زیادہ چھ کما رواہ ابو داؤد۔ ۲۔ امنہ

۳۔ کعب کے عہد میں اسلام نہ تھا اس نے اس دن کا نام جمعہ شاید یوں رکھا ہوگا کہ اس دن بازار لگتا ہوگا جس میں خرید و فروخت کے لیے جمع ہوتے ہوں گے۔ ۴۔ امنہ

وعظ ونصائح تھے تب سے اس دن کا نام جمعہ قرار پا گیا۔ یہ پہلا جمعہ اسلام میں ہوا جب ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے اور قبائلی بنی عمرو بن عوف کے ہاں اترے اور پیر اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز نکلے مدینے میں آئے مکے لیے تو آپ نے جمعہ بنی سالم ابن عوف میں پڑھا خطبہ پڑھ کر نماز پڑھائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اذانودی الصلوٰۃ من یوم الجمعة کہ جب جمعہ کے روز نماز کے لیے آواز دی جائے اس سے مراد وہ اذان ہے جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھا ہے اس وقت دی جاتی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک صرف یہی ایک اذان تھی مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب آبادی بڑھ گئی اور لوگ زیادہ ہو گئے اور یہ اذان کافی نہ سمجھی گئی تو حکم دیا کہ اس سے پہلے ایک اور اذان دیا کرو جو ان کے مکان پر دی جاتی تھی جس کو زوراء کہتے تھے اس کو سن کر لوگ نماز کے لیے آنے لگتے تھے۔ پھر جب سب جمع ہو جاتے تھے تو امام جب منبر پر بیٹھا تھا تو دوسری اذان بدستور ہوتی تھی۔ گو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فعل تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی کہ میرے طریقے کو اور میرے سچے جانشینوں کے طریقے کو لازم پکڑو اس لیے یہ بھی مسنون ہو گئی اور اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس میں کلام نہ کیا تو آج تک یہ دستور چلا آیا۔ اس پہلی اذان سننے سے بھی نماز جمعہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے علماء احناف فرماتے ہیں کہ اس اذان سننے کے بعد بیع و شراء کا رو بار دنیاوی ممنوع ہیں۔ فاسعوا الی ذکر اللہ تو ذکر اللہ یعنی خطبہ اور نماز کے لیے چلو۔ ذکر اللہ سے دونوں چیزیں مراد ہیں خطبہ اور نماز۔ بعض کہتے ہیں نماز، بعض کہتے ہیں خطبہ۔ اور سنی سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں کہ دوڑ بھاگ کر آؤ بلکہ چلنا اور قصد کرنا اور کوشش کرنا۔ کافی قولہ وان لیس للانسان الاماسعی ولما بلغ معه السعی۔ غسل کرنا۔ کپڑے پہننا بھی اس سنی میں داخل ہے۔ وذروا البیوع اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ مراد کاروبار دنیاوی ہیں چونکہ اس دن لوگ اس کار میں زیادہ مصروف رہتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا۔ اذان سننے کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ کشاف میں ہے کہ عامۃ علماء کے نزدیک باوجود ممنوع ہونے کے جو کوئی بیع کرے گا تو یہ فاسد نہ ہوگی کس لیے کہ حرمت لعینہ نہیں بلکہ نماز سے روکنے کے لیے ہے چنانچہ اذان سن کر چلتے ہوئے جو کوئی رستہ میں بیع و شراء کرے اس میں کچھ بھی قباحت نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں بیع فاسد ہوگی۔ وَذَلِکُمْ حَیْزٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس وقت خرید و فروخت چھوڑنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے کس لیے کہ دنیا فانی کی تجارت سے آخرت باقی کی تجارت بہر حال بہتر ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اور جب نماز سے فارغ ہو چکو تو زمین پر چلو پھر اور اللہ کے فضل و رزق روزی کی تلاش کرو۔ فضل اللہ سے مراد روزی ہے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ پہلے جو ممانعت کی تھی اس کی اجازت ہے وَادْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اور صرف روزی ہی کی تلاش میں بے ہوش نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ کو یاد کرو تا کہ فلاح پاؤ۔ تسبیح و تحمید استغفار و ذکر قلبی و لسانی سے ہر حال میں اللہ کو نہ بھولو۔ دست بکا دل بیار رہے۔ نماز کے باہر بھی ذکر الہی جاری رہے۔ بخاری و مسلم وغیرہما

۱۔ اسلام نے عبادات میں بھی قوت اجتماع پر غور فرمایا ہے نماز یا جماعت جس میں مسلمانوں کو پانچ وقت میل جول محبت ہمدردی کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ میں شہر بھر کے مسلمانوں کا مجمع ہے خلیفہ کو قومی مصالح کی تعلیم اور وعظ و پند کا موقع ہے اسی طرح عیدین میں اور حج میں تمام ملکوں کے مسلمان باہم مل جل سکتے ہیں سب ایک مشورت و تدبیر سے مطلع ہو سکتے ہیں مگر افسوس ہم نے ان باتوں سے برکات حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ جمعی عبادت میں انکار کا انکاس اور جماعت خدا پرستوں کا غلبہ و شوکت بھی غیر جماعتوں پر اثر ڈالنے والی چیز ہے اب جمعہ کو سبت اور اتوار سے مقابلہ کیجئے کہ بجز اس کے کہ تمام دن بازار کار بند کر کے آرام کرو اور کیا ہے تو ریت میں سبت کے دن کوئی نماز نہیں ہاں بعد میں بنائی ہو تو خیر جمعہ میں پوری سبت کی اصلاح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سبت کے دن بعض کام کر کے معطل رہنے کی رسم کو اٹھانا چاہا تھا مگر یہود نے بڑا مزہ لیا کہ آنے والے مصلح پر تقدیر نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ۱۲۔ امنہ

نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ پڑھا ہی تھا کہ مدینے کا کاررواں آیا (شام سے غلہ لے کر آیا اور دن قسط سالی کے تھے اور اس کی ڈگڈگی بجی) تو لوگ اس کے دیکھنے کو چلنے لگے یہاں تک کہ بارہ آدمی رہ گئے کہ جن میں میں اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں واذا راوا تجارتا اولھوا انفضوا الیھما کہ جب تجارت یا بول یعنی ڈھونڈی ہوتی دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ وتر کوک قائما اور تجھے اے نبی! کھڑا چھوڑ جاتے ہیں شاید اس وقت خطبہ عیدین کی طرح بعد میں تمہاری سبھی کہ نماز تو ہو چکی قل ما عند اللہ حیض من اللہ ومن التجارۃ کہہ دے جو کچھ اللہ کے پاس ہے ثواب اور آخرت کی نعمتیں جو خطبہ اور نماز سے حاصل ہیں وہ لھو ڈگڈگی کی آواز اور تجارت سے بہتر ہیں کس لیے کہ وہ نعماء باقیہ ہیں پھر عمدہ چیز چھوڑ کر بری کی طرف دوڑنا کوئی عقل مندی ہے۔ واللہ خیر الرازقین۔ اللہ بہتر ہے روزی دینے والوں سے۔ دراصل وہی روزی دیتا ہے تجارت زراعت زکوٰۃ کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا اَشْهَدُ اِنَّكَ لِرَسُوْلٍ اللّٰهِ مَوَّالٌۢ لِّیَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ ؕ
وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اِتَّخَذُوْا اٰیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا فَطَمِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَمَنْ لَا یَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاٰیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ
وَلٰنْ یَقُوْلُوْا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشْبٌ مُّسْتَدَدٌ ؕ یَحْسِبُوْنَ كُلَّ صَبِیْحَةٍ
عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوْ ۙ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ ۙ اِلٰی یُؤْفَكُوْنَ ۝۴

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ ضرور اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے پھر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یہ) بہت ہی برا کر رہے ہیں یہ اس لیے کہ یہ (ظاہر میں) ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی جس لیے وہ سمجھتے ہی نہیں اور (اے مخاطب!) تو ان کو دیکھتے تو تجھے (ان کے ذیل ذول) بھلے معلوم ہوں۔ اور اگر وہ کچھ کہیں تو ان کی بات سننے کو یا کہ وہ دیوار کے سہارے لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں ہر ایک آواز سننے کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں وہی دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو انہیں اللہ کی مار کہہ چکے چلے جاتے ہیں۔

- ۱۔ ایک بار کے معاملہ پر تو بیجا بولا گیا قاعدہ کہتے ہیں تین بار ایسا کیا گیا تین بار قافلہ آیا اور لوگوں نے ایسا کیا۔ کشاف ۱۲ منہ
- ۲۔ واذا الخ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ ایک نکاح میں جب لونڈیاں گانے بجانے لگیں لوگ خطبہ میں سے اٹھ کر چلنے لگے اور ایک بار قافلہ کے لیے چل دیے تو دونوں معاملوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ لہو سے مراد لونڈیوں کا گانا بجانا تجارت سے قافلہ۔ ۱۲ منہ
- ۳۔ کھوکھلے
- ۴۔ جب کوئی چیخ تو جانتے ہیں ہم پر بلا آئی۔

ترکیب : اذا شرط قالوا جوابه وقيل محذوف وقالوا حال ای جاؤک قائلین کیت وکیت فلا تقبل منهم وقيل جوابه اتخذوا فيه ما فيه - والله يعلم الخ جمله مقترضة مقررة لمضمون ما قبلها وهو الشهادة باللسان مع الانكار في القلب اتخذوا الخ الجملة مستأنفة لبيان كذبهم وحلقهم عليه - ايما نهم عندا كجھو رفتح الهمزة جمع اليمين وقرئ بكسر باواختة الترس سپر - ساء ههنا بمعنى بس في افادة الذم قطع قرءا كجھو رمهيا للمفعول وقرئ مبيا للفاعل واذار ايهم شرط تعجبك جوابه وان يقولوا شرط تسمع جوابه وقرئ يسمع على البناء للمفعول -

کاتھم خشب مسندۃ فی خبر الرفع علی انہ خبر مبتداء محذوف..... متانف لائل لہ۔ وقرئ شطب علی انہ جمع خشبة کبدن جمع بدینہ وقیل جمع خشبا وہی الخشبۃ الخوفہ وقرئ بالثقیل۔ مسندۃ من الاسناد بمعنی الاملاء والتشدید للمبالغۃ وقرئ خشب بضمین وقرئ باسکان الشین وقرئ نفقین۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکثر اسی کے قائل ہیں۔ جمعہ کی نماز میں اول رکعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ جمعہ پڑھتے تھے۔ ایمانداروں کو بیدار و ہوشیار کرنے کے لیے اور دوسری رکعت میں اس سورہ کو پڑھتے تھے۔ منافقوں کی سرزنش کے لیے (اس مضمون کو سعید بن منصور نے اور اوسط میں طبرانی نے نقل کیا ہے)۔

بخاری اور مسلم وغیرہما رحمہم اللہ نے زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تو وہاں لوگوں کو تکلیف پہنچی (بھوک پیاس کی) اور بخاری وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کسی بات میں خفا ہو کر تھپڑ مار دیا تھا۔ انصار نے مدد کے لیے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اور اس وقت مہاجر تھوڑے اور انصار بہت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ کیا گندی بات ہے۔ بات گئی گزری ہوئی (مگر عبد اللہ بن ابی انصار میں برا شخص تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے سے پہلے اسی کی سرداری کی پگڑی بندھنے والی تھی جو آپ کے آنے سے خاک میں مل گئی اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی عداوت تھی اور منافقوں کا سردار تھا) اس نے کہا کیا مہاجر نے ایسا کیا ہے تب تو اس کو دلی بغض نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوش میں آ کر کہنے لگا کہ ہمارے نکلے کھا کر ان لوگوں کو یہ دن لگے ہیں بخدا میں نہ پہنچ کر ہم شہر کے رئیس ان ذلیل پر دیسیوں کو نکال دیں گے اور لوگوں سے کہا کہ جو اس نبی کے پاس ہیں یعنی مہاجرین ان کو آئندہ سے کچھ دیا لینہ کرو، پریشان ہو کر بھوک کے مارے آپ بھاگ جائیں گے۔ بات زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سن لی اور میں نے اپنے چچا (طبرانی کے نزدیک چچا سے مراد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہے جو قوم خزرج کا سردار تھا) یا عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کر دیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کہا۔ آپ نے مجھے بلا کر پوچھا میں نے صاف صاف کہہ دیا پھر عبد اللہ بن ابی سردار منافقین کو بلا کر پوچھا اس نے انکار کر دیا اور قسمیں کھانے لگا اور بڑی باتیں اخلاص مندی کی کرنے لگا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں نے مجھے جھوٹا سمجھ کر بڑی ملامت کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ میں شرمندگی کے مارے گھر میں بیٹھ رہا مگر خدا تعالیٰ سے امید تھی کہ قرآن میں میری بابت کوئی بات ضرور نازل فرمائے گا۔ پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا۔ زید خدا نے تجھے سچا کر دیا (خلاصۃ الروایات) یہ ہے ان آیات کا شان نزول۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے اس قول کو بھی نقل کرتا ہے اور پھر ان کے قسمیں کھانے اور اخلاص ظاہر کر کے جان بچانے کا بھی حال بیان فرماتا ہے مگر شان الہامی اور رحمتِ خدائی یہ ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔ فرماتا ہے إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ جَبَكِ آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کا رسول ہے۔ منافق شرع میں اس کو کہتے ہیں جو بظاہر مسلمان اور درپردہ کافر ہو۔ وہ عند اللہ بھی کافر ہے گو شرع ظاہر ہے اسلام کے ظاہری احکام میں شریک ہے۔ اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ میراث کا حصہ بھی پائے گا لیکن مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور جس کا ظاہر کچھ ہو باطن کچھ ہو اس کو بھی منافق کہتے ہیں مگر

حقیقی منافق نہیں۔ اسی طرح جس میں منافقوں کے عادات ہوں، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، گالی بکنا، نماز میں سستی کرنا وہ حقیقی منافق نہیں بشرطیکہ دل میں کلمہ کی تصدیق ہے مگر ان بری عادتوں کے سبب گنہگار اور نفاق کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ مدینے میں ابتداء اسلام کے وقت چند لوگ ایسے تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ اور اس کا گروہ آپ کے سامنے آ کر ایسی گواہی دیتے تھے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَنْتَکَ لِرُسُوْلِهِ فَرَمَاتَا ہے ان کی گواہی پر قوف نہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا اے محمد (ﷺ) رسول ہے۔ یعلم اللہ کا لفظ عرب کے محاورہ میں قسم میں بھی مستعمل ہوتا ہے تب اس جملہ میں قسم سے تاکید اور زیادہ ہو جائے گی۔ مگر ان کی گواہی دل سے نہیں اور گواہی میں دل اور زبان کا موافق ہونا ضرور ہے اگر دونوں موافق نہیں تو وہ شہادت جھوٹی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اَنَّ الْمُنَافِقِیْنَ کَذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنی شہادت میں ضرور جھوٹے ہیں۔ نہ اس کہنے میں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ خبر تو صادق ہے واقع کے مطابق ہے۔ اور خبر کے صدق و کذب کا اسی پر مدار ہے اگر واقع کے مطابق ہے تو صادق ورنہ کاذب۔ مخبر کے اعتقاد کا اعتبار جمہور کے نزدیک نہیں مگر جاحظ کہتا ہے کہ جس طرح شہادت کے سچے ہونے میں واقع سے مطابق ہونے کے ساتھ اعتقاد سے مطابق ہونا بھی شرط ہے اسی طرح خبر میں بھی کس لیے کہ شہادت بھی خبر ہے۔ ہاں موکد ہے چونکہ ان کی خبر اعتقاد کے مطابق نہ تھی گو واقع کے مطابق تھی اس لیے ان کو خدائے پاک نے جھوٹا کہا۔ بعض کہتے ہیں خدا نے جو انہیں اس سچی بات کے کہنے میں جھوٹا کہا تو اس کے یہ معنی کہ وہ اپنے نزدیک جھوٹے ہیں کس لیے کہ وہ انک لرسول اللہ کو جھوٹ جانتے تھے نہ یہ کہ وہ دراصل جھوٹے تھے کس لیے کہ بات تو سچی تھی اشدھاد و نشہد یا اس کا ترجمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یمین اور حلف ہے۔ کچھ قسم کھا کر کہنے پر موقوف نہیں۔^۱ پھر فرماتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں اس لیے کھاتے ہیں، اِتَّخَذُوْا اٰیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے الزام سے بچنے کے لیے پھر وہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں یا خود رک گئے۔ ایمان یمین کی جمع، یمین کے لغت میں معنی قوت کے ہیں اور شرع میں اس کلام کو کہتے ہیں جس کو حلف اور قسم سے قوی کیا جائے خواہ لفظ اللہ یا اس کے کسی اور نام یا صفات سے صادر ہو جیسا کہ عربی میں باللہ تاللہ بالرحمن بالرحیم بقرۃ اللہ و جلالتہ کہہ کر کوئی بات کہے۔ اردو میں خدا یا اللہ کی قسم یا اس کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔ ان الفاظ سے جو کہے۔ پھر یمین کی تین قسمیں ہیں۔ اول یمین غموس جو کسی گزشتہ بات پر ایسی قسم کھا کر کہے اور مقصود جھوٹ کہنا ہو کہ واللہ یہ بات یوں تھی۔ اور جانتا ہے کہ یوں نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جھوٹی قسم کھائے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اس کا بجز توبہ و استغفار کے اور کوئی کفارہ نہیں۔ منافق بھی یمین غموس میں مبتلا تھے۔ اس سورہ میں آگے ان کے لیے استغفار ہی کی تاکید ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفارہ دے۔ دوم یمین منعقدہ کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے کہ واللہ یوں کروں گا یا بخدا ایسا نہ کروں گا اس کے خلاف کرنے میں کفارہ ہے۔ سوم یمین لغو کہ کسی گزشتہ بات کی قسم کھا کر خلاف خبر دی مگر یہ اس کو خلاف نہیں جانتا (یا یوں ہی بلا قصد واللہ باللہ کہہ دے جیسا کہ بات بات پر عوام واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔ اس میں کفارہ نہیں مگر ایسی قسم بھی نہ کھانا چاہیے۔) الشافعی رحمہ اللہ۔

۱۔ جمہور کے نزدیک خبر کا سچا اور جھوٹا ہونا واقع سے مطابق ہونے نہ ہونے پر منحصر ہے آیت میں خبر میں کاذب نہیں فرمایا بلکہ شہادت میں جن کو وہ اشدھاد اور ان اور اسے موکد کر کے ادا کرتے تھے یا کاذب اپنے اعتقاد میں یا اس قول میں نہیں بلکہ وہ جو کہتے تھے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ مہاجرین کو نہ دو اور مدینے سے نکال دو اس میں جھوٹے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات ضرور کہی ہے۔ نظام معترلی کہتا ہے خبر کے صدق و کذب کا دراصل اعتقاد پر ہے اگر اعتقاد کے موافق خبر دی جائے تو سچ گو واقع کے مطابق نہ ہو اسی طرح اگر اعتقاد کے موافق نہیں گو واقع کے مطابق ہے وہ خبر جھوٹی ہے جیسا کہ اس آیت میں خدا نے منافقوں کی خبر انک رسول اللہ کو جھوٹا کہہ دیا اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کے سبب گو واقع سے مطابق بھی جاحظ دونوں کی مطابقت صدق میں اور دونوں کی عدم مطابقت کذب میں معتبر جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بھی آیت میں جو منافقوں کو انک لرسول اللہ کہتے ہیں کاذب کہا اس لیے اعتقاد کے مطابق خبر نہ تھی ۱۱۲ ابو محمد عبدالحق

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوُوا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ
يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ۚ كُنْ يُغْفِرُ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ هُمْ
الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تَنْفِقُوا عَلَيَّ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا ۚ وَاللَّهُ
خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝ يَقُولُونَ لَئِنْ
رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ
وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

ج

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لو! اور رسول اللہ تم کو معاف کرائیں تو اپنے سر ہلانے لگتے ہیں اور آپ ان کو روکے ہوئے اور مستکبر بنے ہوئے دیکھو گے۔ برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو ہرگز بخشے گا ہی نہیں بے شک اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (یہ) وہی تو ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ رسول کے پاس رہتے ہیں ان کو مت دیا کرو یہاں تک کہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں سب اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے تھے کہ اگر لوٹ کر مدینہ گئے تو عزت دار وہاں سے ذلیلوں کو نکال کر رہیں گے۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو ہی ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

ترکیب : واذا قيل مجزوم لوقوعه في جواب الامر اي تعالوا لئلا يروا جواب الشرط - وهم مستكبرون الجملة حال من فاعل يصدون ورايت لوكان من الروية البصر فليصدون حال والا فهو مفعول ثان حتى ينفضوا قراء الجمهو من الانقضاء وهو التفرق وقرئ ينفضوا من انفض القوم از الففيت از وادهم

تفسیر : فرمایا تھا کہ اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس لوگوں کو اللہ کے رستہ جہاد ایمان اعمال صالحہ سے روکتے ہیں دلوں میں شبہ ڈالوا کر اور اسلام میں جھوٹے عیب و اتہام لگا کر اور جوان کا یہ جرم کسی نے ظاہر کر دیا تو قسمیں کھا کر سزا سے بچ گئے۔ یہ دستور کر رکھا ہے۔ لیکن ساء ما كانوا يعملون یہ بہت بڑی بات ہے۔ اب ان کے اس جرم کے ارتکاب کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا۔ کہ وہ زبان سے ایمان لائے پر دل سے منکر ہو گئے یا یوں کہو کہ اول ایمان لائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں کافرو مرتد دل میں ہو گئے فُطِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ پھر تو ان کے دلوں پر مہر ہو گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ پھر کچھ نہیں سمجھتے حق و باطل میں امتیاز نہ رہا۔ اب اس کے بعد ان کے ظاہر حالات بیان فرماتا ہے۔ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ کہ بڑے چڑے چکنے ڈول ذیل کے خوبصورت بھلے بھانس معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے سے بھلے معلوم ہوں یا تعجب ہو۔ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ اور خوش بیان چرب زبان بھی ہیں کہ مجلس میں بات کریں تو ان کی بات کان لگا کر دھیان سے سنی جائے۔ مگر یہ ظاہر ڈھول ہے اندر سے خالی ہیں۔ كَانَهُمْ خُشْبٌ مِّنْ دُيُورٍ سے لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ خشک لکڑی جب جلنے کے سوا اور کسی کام میں نہیں لائی جاتی نہ عمارت میں نہ کسی چیز کے بننے میں تو اس کو دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں انہیں خود کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں۔ یہی حال ان منافقوں کا ہے۔ نکلے ہیں! دل خالی ہیں۔ خیر و ایمان سے سہارے صرف جہنم میں جلانے ہی کے قابل ہیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں کہ دلوں پر مہر ہے کوئی بات

خود حق و باطل کی سمجھ نہیں سکتے۔ (۲) یہ بھی ہے کہ وہ خشک لکڑیاں اصل میں تر و تازہ تھیں کٹ کر خشک ہو گئیں اسی طرح اصل فطرت انسانیت کے لحاظ سے یہ بھی اچھے اور ایماندار تھے مگر جب اس سے کٹ گئے خشک ہو گئے۔ (۳) اب جس طرح جلانے کے سوا ان کو لکڑیوں سے اور کوئی مقصود نہیں اسی طرح ان کفار و منافقین کو جہنم کا ایندھن سمجھنا چاہیے۔ (۴) لکڑی کٹی ہوئی کے دوسرے ہوتے ہیں ایک اور دیوار سے ملا ہوا دوسرا زمین سے لگا ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے بھی دورخ ہیں ایک اوپر ظاہری ایمان چرب زبانی کا دوسرا کفر و بد باطنی کا سرنگوں اور ذلت اندوز ہے۔ (۵) دیوار سے لگے ہوئے خشک شے سے ان کے قد و قامت میں بھی تشبیہ ہے۔ نامرد ایسے ہیں۔ یَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ کہ جو کوئی آواز دھکوزا اچھوٹ جائے یا کوئی کھڑکا ہو یا کوئی کسی کو پکارے تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر بلا آئی اور فوٹا اچھل پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے ان کی چڑی پچنی باتوں پر نہ جاؤ۔ هُمْ الْعُدُوَّ اَصْلُ دُثْنِ اسلام یہی ہیں ان سے بچو آپ ہی بد دعا کرتا ہے محاورہ عرب کے موافق قَاتِلُهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ ان کی گردن مارے۔ اَنْتِ يُوَفِّكُوْنَ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ہدایت کے چشمے سے پیاسے جاتے ہیں اور جب ان کی جھوٹی قسمیں کھانے اور ان کے کذب ثابت ہو جانے یا منہ سے وہ نالائق باتیں کہنے پر جن کا ذکر ابھی آیا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ چلو رسول اللہ پاس کہ تمہارے لیے خدا سے بخشش اور معافی مانگیں تو اکڑتے اور سر ہلاتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! خواہ ان کے لیے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو نہ بخشے گا۔ هُمُ الَّذِيْنَ سے لے کر آخر تک وہ کلمات ہیں جو عبد اللہ بن ابی نے کہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے لوگوں کو کچھ نہ دو کہ چلے جائیں اس کے جواب میں فرماتا ہے وہ کیا دیں گے زمین و آسمان کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور یہ بھی کہتا تھا کہ مدینے چل کر عزت دار یعنی میں ذلیلوں یعنی مہاجرین کو نکال دوں گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے یعنی مہاجرین ذلیل نہیں آئے تم ذلیل ہو مگر تم جانتے نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ④ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ
مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ اؤْتِنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ
فَاصَّدَقْ ۚ وَ أَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ⑤ وَلَنْ يُؤَخَّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا
وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑥

ع

اے ایمان والو! تم کو تمہارا مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے اور جس نے ایسا کیا تو وہی خسارے میں پڑ گیا۔ اور ہمارے دیے ہوئے میں سے اس دن سے پہلے دے لو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو پھر کہنے لگے کہ اے رب! مجھے ذاتو تو مہلت دی ہوتی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک ہو جاتا اور اللہ تو کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کا وقت آ جاتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی نے یہ کلمات کہے تو زید نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی اور عبد اللہ بن ابی سے جو پوچھا گیا تو قسمیں کھا کر انکار کر گیا مگر اس کے بیٹے عبد اللہ نے جو خالص ایماندار تھا باپ کو پکڑ لیا کہ بخدا شہر مدینے نہ جانے دوں گا جب تک تو یہ اقرار کرے کہ میں ذلیل اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں آخر اس نے کہا۔ اور یہ جہاد جس میں عبد اللہ بن ابی نے یہ باتیں کہی تھیں چوتھے سال ہجری میں تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ چھٹے میں۔ درحقیقت عزت اللہ اور اس کے ماننے والوں کو ہے صحابہ رحمہم اللہ کی عزت کو غور کر لو خزانے بھی اللہ کے پاس ہیں دیکھ لو صحابہ کو کیسے خزانے عطا کیے اور یوں بھی بارش ہوا گرمی سردی جس قدر رزق کے اسباب ہیں اسی کے ہاتھ میں ہیں ۱۲۔ امنہ

ترکیب : فیقول بالنصب بالفاء الواقعة فی جواب الامر وهو انفقوا لولا حرف التخصیص معنا حاضر علی الفعل لمضارع ولوم ان دخلت علی الماضي فاصدق بالنصب لوقوعه فی جواب لولاء واصله الصدق والجمبور علی ادغام التاء فی الصاد واکن اصله اکون سقطت الواو بالجرم وقرء الجمبور بالجرم عطفًا علی محل فاصدق کا نہ قیل ان اخرتنی واکن وقرئ اکون بالنصب عطفًا علی لفظة فاصدق لن یؤخر الخ الجملة تدل علی جواب اذا جاء۔

تفسیر : منافقوں کی انفسناک حالت بیان فرما کر مسلمانوں کو یاد الہی کی طرف ابھارتا ہے اور ایک ناگہانی آجانے والے سے ڈراتا ہے۔ فقال یا ایہا الذین آمنوا الخ کہ اے ایماندارو! مال اور اولاد کے مشغلہ میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا اور جو غافل ہو گیا۔ فَاُولَئِکَ هُمُ الْخٰسِرُونَ تو وہ بڑے نقصان میں ہے۔ یہ مانا کہ حق سے غافل ہو کر آپ نے بہت مال جمع کیا بڑی جائیدادیں حاصل کیں نقد و زیور و جواہرات ہاتھی گھوڑے، شال ووشالوں، نفرتی طلائی برتنوں کی کوئی کمی نہیں رہی۔ مکان بھی اور ان میں باغ بھی بہت آراستہ کیے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں حوض جھلک رہے ہیں، عیش و نشاط کے ہزاروں سامان موجود ہیں، خوبصورت ماہر و عورتیں بھی بناؤ سنگار کیے ان باغوں میں آپ کے ساتھ گا بجا کر دل بھار رہے ہیں اولاد بھی ہے مگر عمر گراں مایہ کہاں۔ وہ جوانی اور طبیعت کے جوش نہ رہے تو سب ہیچ دنیا ہی میں معلوم ہونے لگا۔ پھر ایک دن چل دیے سب یہیں پڑا رہا ایک گڑھے میں پڑے ہیں چند روز بعد ہڈیوں کے ریزے ریزے ہو گئے یہ سب عیش خواب پریشان معلوم ہونے لگا۔ گناہوں کا بوجھ سر پر اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کا کوئی سامان نہیں۔ پھر ہمیشہ طرح طرح کی ذلت اور آفت اور حسرت و ندامت اگر خسارہ اور نقصان نہیں تو اور کیا ہے۔ اس تھوڑی دیر کے عیش و سرگرمی کے بعد ہمیشہ کی یہ مصیبت ہو۔

بس دایر آخرت کا توشہ لو۔ وہ کیا ہے؟ یاد الہی اس سے ایک گھڑی نہ بھول۔ روح جو ہر لطیف ہے۔ آلودگی جسمانی سے یہ اس نور حقیقی کی طرف متوجہ ہونے میں پس و پیش کرتی ہے اور لذائذ دنیا پر گرے پڑتے ہیں۔ حکم دیتا ہے انفقوا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ کہ ہمارے دیے میں سے جو جس طرح ذکر الہی میں نماز، فرائض یا نوافل حج وغیرہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ عام مراد تھی نماز روزہ حج بھی اور ایسی ذکر و فکر مراقبہ بھی ہو۔ اسی طرح یہاں خرچ کرنے سے خاص زکوٰۃ و صدقات واجبہ مراد نہیں بلکہ عام ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ کام بہت جلد کرو۔ برسوں کے آنے والے سامانوں پر منحصر نہ رکھو۔ کہ یوں ہوگا اور اس قدر ہو جاوے گا تب دیں گے اور فرصت سے اللہ کو یاد بھی کیا کریں گے۔ کس لیے کہ موت

۱۔ بعد القاء الواقعة فی جواب الامر والہی والاستفہام والہی والتعنی والغرض بقدر ان ناصیۃ۔ ۱۲ منہ

۲۔ گئے دن کنگلی کے باندھنے کے اب آنکھیں رہتی ہیں دودو پہر بند۔ ۱۲

۳۔ کسی شاہی اجرائی ہوئی دارالامارہ کو دیکھ لو کہ کبھی یہاں کس قدر مدح و جہن عورتیں جواہرات میں مغرور پھرتی ہوں گی مکان اور باغوں کی روشیں کیسی آراستہ ہوں گی باہر سینکڑوں سیاہ کمر بستہ کپڑے ہوں گے اور کیا کیا ہوگا ہائے آج کچھ بھی نہیں ان عورتوں اور ماہروں سے کوئی بھی باقی نہیں کہ اس محل کا حال اس سے پوچھتے نہ کوئی اس عہد کا کپڑا ہے کہ وہاں کے لباس کی طرز معلوم ہوتی ہے یہ بے شمار سیاہ کہاں غائب ہو گئی یہ ہزاروں ہاتھی گھوڑے جو سنہری جھولیں اور زریں پوشوں سے آراستہ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ ہانکے جوان جو عجیب حج و حج سے ان کے رکاب میں تھے کس رستے سے گئے ہیں کہ جا پکڑوں ہائے ان کی تو آواز بھی نہیں آتی ان تیز رو گھوڑے ہاتھیوں کی گرد بھی دکھائی نہیں دیتی اے کوٹک اور اے بام شکستہ اور اے اس صحن بے رونق پر آگندہ ذرا یہ تو بتا دے کہ یہاں کون رہتے تھے اور کیا کیا عیش و نشاط کے سامان تھے کون ماہر و یہاں ناز سے خراماں پھرا کرتے تھے اور ان کا حلیہ یا کوئی ان کی پیدائش اور رہنے کا مکان یا محلہ یا ان کی برادری کتبہ بھی تم بتا سکتے ہو کیا ان دنوں میں ایسے ہی رات دن تھے ایسے ہی گرمی جاڑا برسات ہوتا تھا پھر ہر موسم میں کیا کیا بہاریں تھیں خدا کے لیے اتنے لوگوں میں سے کوئی بولے اے محل تیرے بڑے چھوٹے کنگورے کن ہاتھوں نے بنائے تھے وہ اب کہاں سوتے ہیں جس عیش کو یہ تھا تو اس پر تنف ہے اور اس پر مرنے والے پر بھی تنف ہے۔ ۱۲ منہ

کا وقت معین نہیں ہر وقت کھٹکا کا ہو ۵

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے بہوش باش کہ عالم رواروی پہ ہے
پھر عمر بھر تو یاد الہی نہ کی حتیٰ کہ نماز و حج گناہ سے بھی غافل پڑے رہے اللہ کی راہ میں کوڑی تک ندی زکوٰۃ صدقات واجبہ بھی نہ دیے اور
خیالات میں بے فکر تھے کہ موت کے سامان پیدا ہو گئے اور یقین ہو گیا کہ اب ان سب رفیقوں کو چھوڑتے ہیں ایسا کہ پھر کر کبھی یہاں آنا نہ
ہوگا تو اب لگے حسرت و افسوس سے یہ کہنے لگے خدا! مجھے ذرا تو مہلت دے کہ میں خیرات دے لوں نیک ہو جاؤں۔ مگر اس وقت کسی کو
ایک ذرا بھی مہلت نہیں اللہ دیتا۔ اب تم کو مہلت بہت ہے جو کرنا ہو کر لو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ② خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ
فَآحْسَنَ صُورَكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَيَعْلَمُ مَا تُسْرَوْنَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ④ أَلَمْ
يَأْتِكُمْ نَبَاُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ⑤ ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ
يَهْدُونَنَا ۚ فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑥

آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے پھر
کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا ہے اور صورت بنائی
تمہاری پھر اچھی صورت بنائی تمہاری اور اس کے پاس پھر کر جانا چاہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو تم مخفی کرتے ہو اس کو بھی جانتا
ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی اور اللہ دلوں کی بات بھی جانتا ہے۔ کیا تم کو ان کافروں کا حال معلوم نہیں ہوا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ انہوں نے اپنے کام
کی سزا چھٹی تھی اور ان کو (آخرت میں) سخت عذاب ہوگا۔ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے تھے تو وہ یہی کہتے رہے کہ کیا آدمی ہم کو
ہدایت کریں گے؟ سو انہوں نے انکار کیا اور منہ موز لیا اور (پھر تو) اللہ نے بھی پروانہ کی اور اللہ ہی بے پردا، سب خوبیوں سے موصوف ہے۔

ترکیب : وهو الجملة معطوفة على ما قبلها۔ ويمكن ان يكون حالا من الضمير في له فمنكم خبر مقدم كافر مبتداء او الجملة تشریح وتفصيل للخلق
ومنكم مؤمن الجملة معطوفة على الجملة السابقة واللہ مبتداء بصیر خبرہ بما تعملون متعلق بہ بالحق حال من فاعل خلق ای خلق خلقا
بالحق بشر مبتداء یهدوننا خبرہ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی اکثر کے نزدیک مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ضحاک یہی کہتے ہیں۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں مگر کبھی کہتے ہیں کہ سورہ کچھ مکے میں کچھ مدینے میں نازل ہوئی یعنی اخیر کی چند آیات یٰٰنَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ مدینے میں نازل ہوئیں جبکہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور بیوی کی بدسلوکی اور زیادتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی تھی۔ عطاء بن یسار بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ میں اور ابن حبان نے ضعفاء میں اور طبرانی وابن مردویہ وابن عساکر نے روایت کی ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی پیشانی پر اس سورہ کی پانچ آیتیں لے اول کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں۔

مناسبت اس سورہ کو اول سورہ منافقون سے یہ ہے کہ اس میں منافقوں کی مذمت تھی اس میں صادقوں کی مدح و خوبی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورہ کی اخیر میں یہ تھا کہ تمہارے مال و اولاد تمہیں یاد الہی سے غافل نہ کریں جو سر اسر خسران ہے اور موت کا ہر وقت کھڑا ہے پھر اس وقت مہلت نیک کرنے کی نہیں ملے گی۔ اس مضمون پر ہدایت کی اس سورہ میں تاکید فرماتا ہے کہ ان کی یاد کچھ تم پر موقوف نہیں بلکہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَآفِی السَّمٰوٰتِ وَمَآفِی الْاَرْضِ کہ آسمان و زمین کے رہنے والے اس کی ہر وقت تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں اور وہ اسی کے لائق بھی ہے (۱) اس لیے کہ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ۔ بادشاہت اور ستائش اسی کو ہے بادشاہت حقیقی کے تو کیا کہنے ہیں۔ مجازی بادشاہت جس کو حاصل ہوتی ہے سب اسی کی طرف جھکتے ہیں اسی کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ ہر ایک رعیت اسی کی طرف دوڑتی ہے۔ پھر جبکہ بادشاہ میں صفات حمیدہ بھی ہوں (جن کی طرف لَہُ الْحَمْدُ میں اشارہ ہے کس لیے کہ حمد کسی نہ کسی ذاتی یا صفاتی خوبی پر ہوا کرتی ہے اور اسی لیے اس جملہ کو بعد میں ذکر کیا) تو اور بھی مرغوب و محمود ہوتا ہے چہ جائیکہ بادشاہ حقیقی اور اس میں تمام خوبیاں بھی ہوں۔ غصہ کا دھیمہ جواد کریم آنکھوں میں بے انتہا مروت جب کوئی سامنے جا کر عذر اور ہمو معاف کر دے اور پھر (۲) وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر قادر بھی ہو بھلا کرنے پر بھی مضرت پہنچانے پر بھی جیسا کہ وہ صاحب نعمت و جود ہے و یا ہی صاحب ہیت و جبروت بھی ہے۔ ہر بادشاہ ہر بات پر قادر نہیں ہوتا لیکن وہ ہر بات پر قادر ہے اس لیے اور بھی ہر ایک مخلوق اسی کی تسبیح و تہلیل کر رہی ہے غیر ذوی العقول کی صرف حالت امکانیہ و صورت احتیاجیہ ہی زبان حال سے پکار پکار کہہ رہی ہے سُبُوْحٌ قُدُّوْسٌ لَّکَ الْمُلْکُ وَلَکَ الْحَمْدُ۔ اور ذوی العقول میں سے ایماندار تو زبان سے بھی شاخاں ہیں خصوصاً ملائکہ جو بڑی جاں نثار رعیت ہے ہمہ وقت اسی میں رہتے ہیں۔ پھر اے انسان! تو کیوں غافل اور مہلست چند روزہ میں دنیاوی لذات و شہوات میں شافل ہے۔

اس کے بعد پھر حضرت انسان کی طرف خطاب کر کے اپنے انعام و انضالی سابقہ و لاحقہ یاد دلا کر تسبیح و تقدیس پر آمادہ کرتا ہے (اور نبوت کا یہ فرض منہی ہے) فَقَالَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ کہ اللہ جس کی ہمہ وقت تسبیح و تقدیس آسمانوں اور زمین میں ہو رہی ہے وہ ہے کہ جس نے تم کو بھی پیدا کیا اس لیے وہ لائق ہے کہ تم بھی اسی کی تسبیح کرو مگر تمہاری یہ حالت ہے فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ کہ تم میں سے کافر و ناشکر ہیں نہ اللہ کو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں تسبیح و تقدیس کیسی بجائے اس کے غیر معبودوں کی طرف رجوع ہیں اور بعض مومن ہیں اسی کی پرستش کرتے ہیں، اسی کو مانتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ضرور سزا و جزا دے گا۔ وَاللّٰہُ یَبْتَکُمْلُوْنَ بِصِیْرٍ۔

بندہ کا سب سے نہ کہ خالق : اہل سنت کے نزدیک بندہ اور اس کے جملہ افعال و کفر و ایمان، نیکی بدی اللہ کے مخلوق ہیں۔ بدلیل قولہ

۱۔ پیشانی پر ان آجوں کے لکھے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ سیاہی اور قلم سے نسخ خط میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ یہ مراد کہ ہر بچہ ہر روز زنگ جہالت و دبت پرستی سے عاری ہوتا ہے۔ اب تک اس کی وہی اصل فطرت ہوتی ہے اس کا چہرہ بڑپان حال کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ارج الغرض یہ ایک استعارہ ہے اس کی حالت اصلیہ سے جس کو بلفظ کتابت تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا راز حقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

تعالیٰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ چونکہ بندہ کاسب ہے اس لیے اس کے اعمال کی جزاء و سزا اس کو ملتی ہے اور کاسب و خالق میں فرق ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں خدائے پاک کفر و غیر قباح کا خالق نہیں کیونکہ یہ اس کی تقدیس میں فرق ڈالتا ہے اس لیے اس آیت کو معتزلہ نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، بعد میں از خود کچھ کافر کچھ مومن ہو گئے۔ سنی منسروں نے کہا نہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر کیونکر پیدا کیا کہ کچھ کافر پیدا کئے کچھ مومن۔ اس آیت کے معنی عطاء و حسین بن فضیل وغیرہ کے نزدیک یہی ہیں کہ تم میں سے کچھ کافر کچھ مومن بن گئے۔ اور یہی سیاق کلام کے مناسب ہے۔ اہل سنت کا استدلال کچھ اس پر موقوف نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کچھ تمہیں کو پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ حرکات فلکیہ اور اکواب کی تاثیرات سے حوادث ظہور کرتے ہیں اور اچھی بری صورتیں بھی تاثیرات فلکیہ سے ہوتی ہیں حتیٰ کہ سعادت و نحوست بھی انہیں سے ہے جیسا کہ بہت حکماء اور عرب و یونان و ہند وغیرہ لوگوں کا خیال تھا ان کا رد کرتا ہے۔ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ کہ تمہاری صورتیں بھی اسی کے بد قدرت نے بنائیں۔ پھر دیکھو کیا عمدہ نقشہ کھینچا، ناک کی جگہ کان اور منہ کی جگہ شانے ہوتے تو کیا ہی بد نما معلوم ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ انسانوں میں بھی تفاوت ہے، کوئی خوبصورت، کوئی اس کے لحاظ سے بد صورت۔ مگر بد صورت بھی مناسبت و اعتدال فطری کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔ اس کی شکل کو طبعی مناسبت و اعتدال کے خلاف تصور کر کے دیکھو تو کیسا برا معلوم ہوگا۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کر کے آزاد نہیں کر دیا کہ آئندہ اس سے کوئی سروکار نہیں رہا بلکہ وَالْيَدِ الْمَصْنُوعِ اسی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ دنیا میں بھی جب اسباب منقطع ہو جاتے ہیں بندہ اسی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ پھر وہی سوچتا ہے اس کے بعد اپنے وصف علم کا ثبوت کرتا ہے۔ فَقَالَ يٰلَعَلَّمَا فِی السَّمَوَاتِ اَنْ لِّكَ آسَمَانُوں اور زمین کی اور تمہارے دل کی مخفی باتیں جانتا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے منافقوں پر کہ دل میں کفر و نفاق رکھ کر خدا سے کہاں چھپاؤ گے؟ یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ وہی تسبیح و تقدیس کے لائق ہے اور جو کوئی احسان فراموشی کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی گردن مروڑ دیتا ہے اس لیے پہلے برباد شدہ قوموں کے حالات کی طرف اجمالاً اشارہ فرماتا ہے۔ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَرْخٌ کہ تمہیں پہلے لوگوں کی خبر نہیں معلوم ہوئی کہ دنیا میں بھی انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھا اور آخرت میں عذاب الیم کے حوالے ہوئے اور یہ کیوں ہوا کہ اس لیے ان کے پاس رسول نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تو وہ منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی آدمی ہم بھی ان میں کیا فوقیت ہے جو یہ ہم کو ہدایت کرنے آئے ہیں (یعنی رسول بشر نہیں ہوتا چاہیے مگر خدا چھر ہو جائے تو مضائقہ نہیں) منہ موڑ لیا اور نخوت و تکبر سے بے پروائی کی پھر تو اللہ نے ان سے بے پروائی کی۔ چاہتا تو ان کو راہ راست پر لاتا ان کے دلوں کو روشن کرتا مگر متکبر سے وہ بھی متکبرانہ پیش آیا کرتا ہے اور اس کو خاک میں جلد ملایا کرتا ہے اسے کسی کی کچھ پروا بھی نہیں۔ ۷

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنْ لَّنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلْ وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤَنَّ

بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝۴ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالتَّوْرَ الَّذِیْ

آیات میں الفاظ کی ترتیب و تقدیم و تاخیر میں جو کچھ اسرار ہیں ان کے بیان کے لیے دفتر چاہیے اور کس خوبی کے ساتھ مسئلہ توحید اور اثبات ذات و صفات علیہ بذات الصدود تک بیان فرمایا ہے اور اللہ ہاتھ اٹھ سے مسئلہ نبوت شروع کیا منکرین نبوت کا شبہ اور ان کی سرتابی اور اس کا انجام بد بھی نہایت پر اثر الفاظ میں کس اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اور بندہ کو عبادت و غلوس اور نیک رائی پر الیہ المعصیر و علیہ بذات الصدود وسیع للہ ما فی السموات اٹھ جملوں میں کیا آمادہ کیا۔ زمانہ نزول کی عبرت اک اجمالی تاریخ بھی بیان فرمادی۔ یہ بھی اعجاز قرآنی ۱۲

کس لیے کہ خوبصورتی بد صورتی اضافی بات ہے ایک خوبصورت ہے مگر اس کی نسبت جو اس سے بھی بڑھ کر ہے بد صورت کہلاتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں حسن کی انتہا نہیں اور یہی حال بد صورتی کا ہے ایک صورت اپنے سے زیادہ بد صورت کی نسبت خوبصورت خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۳

اَنْزَلْنَاهُ وَاَلَلَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَٰلِكَ يَوْمُ
 النَّعَابِۖنِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ
 وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
 ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
 أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

تفسیر

کافروں نے سمجھ لیا کہ قبروں سے اٹھائے نہ جائیں گے۔ کہو کیوں نہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے رب کی ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم کو تھلایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا۔ اور یہ (بات) اللہ پر آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جس دن تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو ایمان لایا اللہ پر اور اس نے اچھا کام کیا اس کی برائیاں دور کرے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں سدا رہا کریں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخی اس میں رہا کریں گے ہمیشہ اور وہ بری جگہ ہے۔

ترکیب : زعم یجعدی الی المفعولین کا علم ان مخففۃ واسمھا ضمیر الشان محذوف ای انھم لن یبعثوا فان الخفیفۃ مع اسمھا وخبرھا قاتمت مقام المفعولین۔ قل بلی الخ لا یجاب الخی وربی قسم لتبعثن جواب القسم ثم لتنبیون الخ جملہ مستقلہ داخلہ تحت الامر واداءۃ التکید ما افادہ کلمۃ بلی من اثبات البعث فانموا الفاء فصیحۃ تدل علی شرط حذف لظہورہ ای اذا کان الامر کذا فانموا واللہ الخ والجملة تذبذبی مقرر لما قبلہ من الامر یوم قال النحاس الناصب فیہ لتنبی فیوم ظرفہ وقیل خبر وقیل محذوف ہوا ذکر وقیل اول علیہ الکلام ای متفادون یوم یجمعکم خلدین فیہا ابداء حال مقدرة وفیراماعاۃ معنی من والذین الموصول وصلۃ مبتدأ اولئک الخ الجملة خبرہ وبنس الخ بیان لکیفۃ النعابین۔ تفسیر..... ذکر معاد: مسئلہ توحید ونبوت کے بعد مسئلہ معاد کو بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جائے۔ فقال زعم الذین کفروا الخ کہ کافروں کو گمان ہے مگر اٹھائے نہ جائیں گے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ بس مگر خاک ہو گئے گویا روح بھی مر گئی۔ بار دیگر زندہ ہونا اور حساب و کتاب کیسا؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قل اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے بلی کیوں نہیں۔ قیامت ہوگی، اٹھائے جاؤ گے، پھر تم کھا کر بلی کی تاکید کرتا ہے۔ وربی لتبعثن اے محمد (ﷺ) کہہ دے مجھے اپنے رب کی قسم ضرور زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ ثم لتنبیون بماعملتم۔ پھر تم کو بتایا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی نیک و بد کاروں کی جزاء و سزا ہوگی۔ مکہ بلکہ عرب اور دیگر ممالک کے باشندے یہ سمجھتے ہوئے تھے کہ مگر پھر جینا نہیں۔ ہاں اعمال کی جزاء و سزا اگر ہے تو اسی زندگی میں ہے برے کام کئے، کسی کو ستایا، بیمار ہو گیا یا اولاد مرغی یا مال کا نقصان ہو گیا اور اچھے کام کئے تو تندرستی مال و اولاد کی ترقی و عزت و آبرو حاصل ہوگی یا دوسرے جہنم میں برائی بھلائی ظاہر ہوگی۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ سزا و جزا بھی کسی کے ہاتھ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے تو وہ قائل نہ تھے۔ دہریے کہتے تھے کہ طبعیت اجسام ہی مدبر ہے جس کو آج کل نیچر کہتے ہیں۔ پس اگر خدا بھی کچھ ان کے اعتقاد میں تھا تو وہی نیچر جیسا بے اختیار کہ عالم میں خلاف قانون نیچر کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا کسی کل کا محرک کہ اب ہلانے کے بعد اس کو کچھ اختیار نہیں۔ آریہ دھرم کا لٹری یعنی خدا بھی اسی کے قریب ہے اس لیے وہ لوگ شہوت پرستی، جفا کاری، عیاری وغیرہ افعال قبیحہ کی مضرت کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں کرتے تھے اور افعال کا حسن و

فتح بھی انہیں کے خیالات و رسم و عادات پر منحصر تھا۔ مخلوق خدا پر جم کرنا، نفع پہنچانا، بڑوں کی تعظیم، محسن کی شکرگزاری کو وہ بھی نیکی سمجھتے تھے اور اس کے برخلاف کو بدی اور اس قدر سمجھتے میں ان کا خیال غلط نہ تھا مگر اور بہت سے بد اور بیہودہ کام تھے جن کو وہ یا تو بد اور بیہودہ ہی نہیں سمجھتے تھے یا اس کے برعکس عبادت جانتے تھے۔ جیسا کہ بت پرستی، شراب خوری، عیاری، کھیل کود، گانا بجانا، ناچنا کودنا، شادی غمی کے بیہودہ مصارف اولاد کا قتل کرنا وغیرہ اسی طرح بہت سے نیک کاموں کو بد یا عبث سمجھتے تھے۔ ان سب باتوں کے فیصلے کے لیے بھی الہام و نبوت کی ضرورت تھی اور پھر دار آخرت اور وہاں ان اعمال کی جزاء و سزا دوسری زندگی میں پانا وغیرہ امور بیان کرنا بھی الہام ہی کا کام تھا۔ اس لیے مسئلہ نبوت کے بعد مسئلہ حشر شروع کیا اور ان جملہ امور کی طرف اُنْمُ لَتَنْبُوْنَ بِمَا عَمِلْتُمْ میں اشارہ کر دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا، وَذَلِكْ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ۔ کہ بارگزر زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔ پھر جب یہ ہے تَوْفَامِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا ایمان لاؤ تا کہ تم کو اس جہان کی خوبی حاصل ہو اور وہ کس دن حاصل ہو گی یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجُمُعِ کہ جس دن وہ تم سب کو جمع کرے گا۔ جمع کرنے کے دن یعنی قیامت میں ذَلِكْ یَوْمُ التَّغَابُنِ وہ دن خسارے کا ہے کس لیے کہ دنیا میں جن کاموں کو عمر بھر محنت اٹھا کر نیکی سمجھ کر کیا تھا آج عدالت آسانی میں وہی سزا اور تاراضگی کے سبب ہو گئے۔ محنت برباد گناہ لازم ہو گئے۔ اسی خسارے کو ایک اور آیت میں فرماتا ہے۔ هَلْ اَنْبِیْتُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا الَّذِیْنَ ضَلَّ سَبْعُ مِائَةٍ فِی الْحٰیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ صُنْعًا کہ کہو تو میں تم کو سب سے زیادہ نقصان پانے والوں کو بتاؤں؟ کہ جن کی دنیا کی کوشش بیکارگوئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔ اس دن سیکڑوں خیالات اور ہزاروں غلط مذاہب کا فساد معلوم ہو جائے گا۔ پھر اس سے بڑھ کر کیا خسارہ اور غم ہوگا۔ (والتغابن تقابل من الغبن فی المجازاة والتجارات کبیر) (اور اسی تغابن کے لفظ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام تغابن ہو گیا)۔

ایمان کے ساتھ نیک کام بھی ہونے چاہئیں: پھر اس دن کام آنے والی چیزیں بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا کہ جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا۔ اس کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق ویسا ہی جانا اور یقین کیا اور اس کے ساتھ نیک کام بھی کئے۔ نیک وہی کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہیں جن کی رسول ﷺ نے خبر دی اور عقل سلیم نے بعض کی تصدیق کی۔ خالی ایمان بغیر نیک کاموں کے درجہ بے برگ و بے ثمر ہے۔ یعقوب حواری اپنے خط میں یہی کہتا ہے اور اعمال کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ مگر پولوس اعمال صالحہ کو بیکار ہی نہیں بلکہ ملعون ہونے کا سبب کہتا ہے۔ پھر عیسائیوں نے پولوس ہی کی بات کو مزہ دار سمجھ کر مانا۔ معاذ اللہ! جس مذہب میں اعمال کو کوئی چیز نہ ہوں صرف ایمان کافی سمجھا جائے ان کی بدکاری، ظلم و عیاری جس قدر ہو کم ہے جس کی نظیر عیسائی ممالیک ہیں۔ جہاں شراب و زنا کی انتہا نہیں۔ پھر اس ایمان اور اعمال صالحہ کا کیا نتیجہ ہوگا۔ یُکْفِرْ عَنْهُ سِتِّیْنَ مَرَّةً شفاعت و کفارہ میں فرق ہے (۱) پہلی بات یہ ہوگی کہ اس کے گناہ اس سے منادے گا، بشریت سے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو ان کے لیے کفارہ اسی کے اعمال صالحہ اور ایمان ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے کس لیے کہ دل سے خلوص و محبت رکھ کر اطاعت کرنے والے غلام کے قصور معاف ہونے کا سبب اگر ہے تو اسی کا خلوص و اطاعت ہے نہ کوئی اور۔ ہاں اس خلوص و اطاعت پر نظر کر کے شاہی منشا دیکھ کر اور کوئی مقرب سفارش کر سکتا ہے۔ یہاں سے شفاعت و کفارہ کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔ گناہوں کو منادینا فرمایا بخشنا نہیں کہا۔ اس میں یہ سر ہے کہ گویا سرے سے گناہوں کا وجود ہی اس کے نامہ اعمال میں نہ رہے گا۔ وہ دفتر دھویا جائے گا اور بخشے میں یہ ہوتا ہے کہ گناہ تو ہیں مگر ان کی سزا سے درگزر نہ کیا گیا بلکہ ایسے مخلصین کے وہ قصور کہ جن کے بعد وہ گریہ و زاری کر کے معافی مانگتے ہیں، نیکیاں کرتے ہیں۔ کَمَا قَالَ اُولٰٓئِکَ یَدْبُلُ اللّٰهُ سِتِّیْنَ مَرَّةً حَسَنَاتٍ۔ اور کتاب یسعیاہ کے اول باب ۸ اورس میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) ویدخله جنت تجری من تحتها الانهار خالدین فیہا ابدًا۔ کہ اس کو صاف کرنے کے بعد ہم ایسے باغوں میں داخل کریں

گے کہ جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے نہ وہاں سے کبھی باہر کئے جائیں گے نہ موت و بیماری دیکھیں گے۔ وہ باغ اس جہان کے باغ نہیں بلکہ دوسرے جہان کے جہاں مرتے ہی آدمی جاتا ہے وہاں نغم ہے نہ کوئی اندیشہ ہے ہمیشہ سرور و فرحت ہے۔ وہ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور یہ بڑی مراد کا پانا ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سی مراد اور کامیابی ہوگی۔ اس کے بعد فریق مخالف کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہ مانا یہ ایمان کے مقابلہ میں کیا۔ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہ اعمال صالحہ کے بدلے میں کیا۔ آیات سے عام مراد نہ خواہ آیات الہامیہ یعنی کتاب اللہ کے مطالب اور جملے ہوں خواہ اس کی قدرت و یکتائی کے وہ دلائل جو شب و روز بندہ کے سامنے آتے اور یہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور یہی جھٹلاتا ہے۔ ان کی اس جہان میں کیا حالت ہوگی۔ اولئک اصحاب النار یہ آگ والے ہوں گے یعنی جہنم کی آگ میں جلا کریں گے۔ خالدین فیہا۔ ہمیشہ رہا کریں گے۔ وہیں المصیر۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے پھر اس دن سے زیادہ کون سا دن حسرت اور تغابن کا ہوگا کہ ایک فریق عزت و شادمانی کے ساتھ حیات ابدی پا کر شادمانی کے تحت پر بٹھایا جاتا ہے اور دوسرا فریق ابدی قید خانہ میں ڈالا جاتا ہے جہاں سوائے رونے پینے چیخنے چلانے کے کوئی آرام نہیں۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۱ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۲ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۳ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۴ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۱۵

اللہ کے حکم بغیر کوئی بھی مصیبت نہیں پڑتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے (مصیبت میں ثابت قدم رکھتا ہے) اور اللہ ہر بات جانتا ہے اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑ لیا تو ہمارے رسول پر بھی صرف کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ اللہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی موجود نہیں اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو کھڑکھڑانا چاہیے۔ اے مسلمانو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ سوان سے بچتے رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخش دینے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

ترکیب: من شرطیۃ یهدی قلبہ جواب۔ قلبہ بالنصب والرفع فالرفع علی الفاعلیۃ والنصب علی انہ مفعول لیهد مثل سفہ نفسہ فان تولیتہ شرط فانما والجملة جواب وعلی اللہ متعلق بیتوکل قدم تخصیص۔ عدوا بالنصب علی انہ اسم ان و خبر من ازواجکم واولادکم۔ تفسیر: ابھی فرمایا تھا کہ اللہ پر ایمان لانے والے نیک کام کرنے والے فائز المرام اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا ہے کہ بہت سے ایمانداروں، نیکوں کو ہم مصائب میں مبتلا دیکھتے ہیں، پھر وہ کامیابی کہاں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے: مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ

الْآبَادُونَ اللّٰہ۔ کہ کوئی مصیبت (بیماری، تشددستی، اقارب کی موت، دشمنوں کا غلبہ، مال و جاہ کا زوال یا اس میں کوئی فرق وغیرہ) بغیر حکم الہی انسان پر نہیں پڑتی۔ اذن اللہ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امر اللہ کے بیان فرمائے یعنی اس کی تقدیر و مشیت غرض یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے یا اس کے بعد کوئی سامان عمدہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے جس کو یہ نعمت موجودہ حاصل تھی یا مومن کا تعلق قلبی اس چیز سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے یا اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجر دینا مقصود ہوتا ہے۔ یا اس کی غفلت و مصیبت کا تازیانہ ہوتا ہے کہ جلد ہوشیار ہو جائے۔ اس سے فائز المرہم ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ دنیا کا فوز مراد نہیں بلکہ آخرت کا۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰہِ یُعِدْ کَلْبَہٗ اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے وہ اس مصیبت کے زمرے سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ مومن جان جاتا ہے کہ یہ مصیبت میری فلاں گناہ یا غفلت کی سزا دنیا ہی میں مجھے دے دی، عقیقی کے عذاب سے پاک کر دیا۔ اور یہ بھی جان جاتا ہے کہ میرا کیا تھا اس نے دیا تھا اسی نے لے لیا ہے اب جزع و فزع و گد و شکایت کیا؟ اس لیے مصیبت کے وقت مومن اللہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی طرف واللہ بکلّ شیءٍ عَلَیْہِہٖ السَّلَام میں اشارہ کرتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا کہ سب سے افضل کون سا کام ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی تقدیر کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے عرض کیا اس سے آسان بتائیے۔ آپ نے فرمایا تو اللہ کو کسی کام میں جو تیرے لیے فیصلہ کرے متہم نہ کر۔ ایمان باللہ اور نور معرفت کے دور سے ہیں نعمت کا شکر اور مصیبت پر صبر۔ انسان جس طرح حصول نعمت کے لیے بجا اور بے جا کوششیں کر کے اپنے وقار و فراق کو بر باد کرتا ہے اسی طرح دفع مصرت کے لیے بھی پہلے سے پہلے ہزاروں تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا بیٹا بیمار پڑا تو پھر علاج وغیرہ جائز تدابیر کے سوا کوئی ناجائز اور خلاف عقل طریقہ بھی نہیں چھوڑا۔ رمال، جھارا ٹنگ بڑنگ کرنے والے ملاں سیانے جادوگر بھتیجی والے برہمن کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے۔ پھر خلاف عقل جو کچھ وہ کہتے ہیں عمل میں لا رہا ہے۔ گدھوں کو کھٹکنیاں کھلاتا ہے، چوراہے پر چراغ جلاتا ہے، کھانا پکا کر رکھتا ہے، جیل کوؤں کو گوشت کھلا رہا ہے۔ مقابلہ حضرات اولیاء کرام سے التجائیں ہو رہی ہیں، عرضیاں لکھ لکھ کر لٹکا کر جاری ہیں اور کیا کیا خرافات کر رہا ہے۔ دیوانہ بنا ہوا ہے۔ نندن کو چین نہ رات کو خواب۔ کھانا پینا کیسا مگر ہوتا ہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے۔ پھر جس کو یہ یقین کامل ہو جائے کہ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ الْاَبَادِیْنَ اللّٰہ وہ کس اطمینان کے ساتھ اپنے خدائے ذوالجلال کی طرف متوجہ ہے اور مصیبت واقع ہو جانے کے بعد دل ٹھہرا ہوا ہے کہ یوں ہی مقدر الہی تھا۔ یہ ہائے وائے شور و فغاں چیخ۔ یہ باتیں تیرہ سو برس ہوئے عرب کے وحشیوں کو نبوت نے تعلیم کی تھیں جن پر ان کا پورا عمل تھا۔ آج ترقی یافتہ اور مہذب قومیں ان سے حصہ لینے کا قصد کر رہی ہیں۔ واہ اسلام آپ کی کیا کیا برکات ہیں جن سے ہم قدیمی مسلمان محروم رہے جاتے ہیں۔ ان جملہ امور کی پابندی مذہب اسلام کا ایک عمدہ رکن ہے اس لیے فرمایا ہے وَأَطِیْعُوا اللّٰہَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُولَ کہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور کسی دوسرے طریقے پر نہ چلو۔ فَإِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَأَنّٰی عَلٰی رُسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ اگر تم نہ مانو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ ہمارے رسول پر کوئی الزام نہیں کس لیے کہ اس کا کام تو صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اللّٰہ بھی وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر اس سے سرتابی اور عدول حکمی کر کے جاؤ گے کہاں اور کرو گے کیا؟ بعض احادیث قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میری بھیجی مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور میری دی ہوئی روزی پر قناعت نہ کرے تو وہ میرے آسمان کے تلے سے نکل

۱۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کچھ معاملہ میں عمرو ابوبکر رضی اللہ عنہما کے لحاظ یا خوف کے سبب علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صاف بیان نہ کیا تھا تو ان کو مان لینا چاہیے کہ خلافت علی کوئی آسانی نہ حکم تھا ورنہ ضرور بلاغ مبین کرتے بلکہ انتظامی بات تھی جس کو لوگوں کی رائے اور مصلحت وقت پر چھوڑنا مناسب جانا۔

جائے۔ میری زمین پر نہ رہے اور کوئی خدا تلاش کرے۔ کس قدر توکل کی تاکید ہے اس لیے فرمایا ہے۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ اور اللہ پر نہ کسی اور پر ایماندار بھروسہ رکھتے ہیں۔ ایمان کی یہی شان ہے کہ ہر کام میں اس کا اللہ پر بھروسہ ہو اور اسباب کو صرف اسباب ہی سمجھے اور جانے کہ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کام نہیں ہوتا اور اسباب ہی پورے ہونے نہیں دیتا، اسباب بناتے اور بگاڑتے اس کو دیر ہی کیا لگتی ہے؟ یہی اعتقاد عرب کے غریب اور بیکس مسلمانوں کا رہبر تھا جو وہ قیصر و کسریٰ جیسے قہار بادشاہوں پر غالب آئے۔ یہی وہ شراب ہے کہ جس کو پی کر تیس مسلمانوں نے جنگ یرموک میں تیس ہزار سپاہ مخالف سے بڑی جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہی اعتقاد آدمی کو قومی کاموں میں محنت اور صرف کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ توکل اور تعطل میں فرق ہے اسباب کو ترک کر کے بیٹھنا تعطل ہے نہ کہ توکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم تدابیر جستہ عمل میں لاتے تھے۔ ہمارے اہل حدیث اور ست لوگوں نے جو کابلی اور عیاشی کے سبب نکلے بنے پڑے رہتے ہیں اس بیہودہ صفت کا نام توکل رکھا ہے۔ یہ ہرگز توکل نہیں جس میں یہ صفت توکل نہیں مومن! کامل نہیں۔ ایمان کامل کا مزہ اسے نصیب نہیں۔ رسمی اسلام کچھ کام نہیں آتا، حقیقی ایمان واسلام حاصل ہونا چاہیے۔ توکل ترک کر کے بیقرارانہ کوششوں کی طرف اکثر انسان کی اولاد اور بیوی مجبور کیا کرتی ہے۔ ان کی خواہشیں اور خانگی مصارف توکل چھڑا دیتے ہیں، نیک کاموں سے روک دیتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ ان کے بیجا تعلق کے رشتہ کو قطع کرتا ہے۔ تَعَالَىٰ لَهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَنْدَ الْكَفَرِ کہ اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے تمہارے دشمن بھی ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آدمی کو معصیت اور قطع رحم پر ابھارتے ہیں۔ ہر چند نہیں کرنا چاہتا مگر پھر کرنا ہی پڑتا ہے۔ میاں نہیں چاہتا کہ شادی میں رنڈیاں نچوائے، بھانڈ کو بلائے، دولت اڑائے مگر بیوی صاحبہ کے حکم سے مجبور ہے اور صد ہا خرافات میں مبتلا کرتے ہیں بیٹا مصر ہے کہ میری شادی میں ناچ ہو، باوا کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے، فرمایا، کسے میں کچھ لوگ اسلام لائے تھے وہ ہجرت کرنا چاہتے تھے، ان کے بال بچے اور بیویوں نے نہ چھوڑا، رونے لگے، چٹ گئے۔ ایسا ہی ترمذی وابن جریر نے نقل کیا ہے۔ فرماتا ہے فاحذروہم کہ ان سے بچو نہ یہ کہ قتل کرو، مارو پیڑو اور دلی رنجش جو خلاف کرنے میں بیوی بچوں سے پیدا ہو جاتی ہے اس کی نسبت فرماتا ہے۔ وَاِنْ نَعَفُوا لَكَ اِذَا رَمَ مَعَاْفٍ كَرُوْا رَزْرَ كَرُوْا بَخْشْ دُوْ تُوْ بَهْتَرُ ہے اللہ غفور رحیم ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ مال اور اولاد آزمائش کی جگہ ہے۔ ان میں مسلمانوں کو اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے اور نہ ان کے سبب برے کام کرنے چاہئیں، نہ مکارم اخلاق اور حسنات باقیات سے رکنا چاہیے۔ یہ دنیا کے جھگڑے ہیں، ان میں بقدر ضرورت مصروف ہونا چاہیے۔ کس لیے کہ جانا دوسرے جہان میں ہے یہ توستہ میں شب باشی کے سامان ہیں۔ واللہ عندہ اجر عظیم۔ اجر عظیم جس کو حیات جاودانی کہنا چاہیے اللہ کے پاس ہی مرنے کے بعد ملے گی۔ ان من کے لفظ میں اشارہ ہے کہ سب اولاد اور بیویاں ایسی نہیں بلکہ بعض دین و دنیا میں معین و محبت انصار و مددگار بھی ہوتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاَسْمِعُوا وَاَطِيعُوا وَاَنْفِقُوا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
وَمَنْ يُؤَقِّ شَرَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ اِنْ تَقَرُّضُوا اللّٰهَ

- ۱۔ علی اللہ فلیتوکل المؤمنون کا مخالف مفہوم یہی ہے کہ مومن توکل کرتے ہیں نہ کہ کافر پھر جس میں توکل نہیں گواہدہ کافر ہے۔ ۱۲ منہ
- ۲۔ مصائب برداشت کا ذکر تھا بیوی اور اولاد کا دشمن اور بدخواہ ہو جانا بھی مرد کے لیے بڑی مصیبت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ رخصت و گزشت کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ فتنہ اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے۔ ۱۲ منہ

قَرْضًا حَسَنًا يُّضَعِفُهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٦﴾ عِلْمُ

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو اور مانو اور اپنے بھلے کے لیے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور جو شخص اپنے دل کے لالچ سے محفوظ رکھا گیا سو وہی فلاح بھی پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو اچھی طرح سے قرض دو گے تو وہ تم کو دو گنا کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دانِ مہمانی والا ہے وہ چھپے اور کھلے کا جاننے والا (اور) زور آور و حکمت والا ہے۔

ترکیب : خیرا منصوب مضمر دل علیہ اتقوا کا نہ قال استوائی الاتفاق خیر لا نفسکم وقد مواخبر الہا حد اقول سیبویہ۔ وعند الکسائی والفراء ہو نعت مصدر محذوف ای انفاقا خیر او قال ابو عبیدہ ہو خبر یکن مقدرة فی جواب الامر وقال الکوفیون منصوب علی الحال وقیل ہو مفعول بہ لا نفقوا ومن شرط فاولئک الجملہ جوابہ ان تقرضوا شرط یضاعفہ جوابہ ولذا صار مجزوماً ویغفر معطوف علیہ عالم الغیب الرفع علی انہ خبر بعد خبر۔ العزیز موصوف الحکیم صفتہ وکلاهما خبر مبتدأ واحدہما مبتدأ والاخر خبر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا تمہارے مال و اولاد فقہتے ہیں اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے اور انسان پھر انسان ہے اس فتنہ میں پڑ ہی جاتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے خیر اگر تم مال و اولاد کے سبب معاصی میں مبتلا بھی ہو جاؤ تو فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا۔ تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنو اور سن کر مانو۔ یہ کفارہ زن و فرزند کی محبت بے جا کا ہے اور مال کی محبت کا یہ کفارہ ہے کہ وانفقوا خیرا لانفسکم اس کو اپنی بھلائی کے لیے خرچ نہ کرو کس کے لیے کہ جو دے لو گے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا جو چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔

یایوں کہو کہ اجر عظیم جو اللہ کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔ (۱) اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے یہ قوت نظریہ کی تکمیل ہے (۲) سنو اور عمل کو۔ یہ قوت عملیہ کی تکمیل ہے مگر دونوں بدنی عبادت ہیں۔ (۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ مالی عبادت ہی خرچ کرنا عام ہے زکوٰۃ ہو یا صدقات نافلہ ہوں اقارب و یتامی وغیرہ و مسافرین وغیرہ اس کے مستحق پہلے کئی بار بتلا چکا ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔ قنادہ و ربیع بن انس و سدای و ابن زید وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم ناخ ہے اس آیت کی۔ اتقوا اللہ حق تقاتہ کو اللہ سے ڈر جیسا کہ ڈرنا چاہیے۔ ابن ابی حاتم نے اسی کی تائید میں ایک روایت کی ہے کہ جب فاتقوا اللہ حق تقاتہ نازل ہوئی تو لوگوں نے اعمال کی سخت مشقت اختیار کی یہاں تک کہ نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سوج سوج گئے تب اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف کرنے کے لیے یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل ہوئی کہ جہاں تک طاقت ہو وہاں تک ڈرو۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ علماء فرماتے ہیں یہ ناخ نہیں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ حق تقاتہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ ڈر کیونکہ خدا تعالیٰ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاں تک طاقت ہو اور یہی ڈرنے کا حق بھی

نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر منج رشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ الہی دیے والے کو غرض دے دوسرا کہتا ہے بخیل کو بر باد کر (متفق علیہ) نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے ابن آدم تجھے دیا جائے گا (متفق علیہ) نبی ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو کہ وہ قیامت کے دن ظلمات ہے اور لالچ سے بچو کیونکہ پہلے تم سے جو ہلاک ہوئے اس لالچ سے ہوئے اس نے ان خون کرنے اور حرام چیزوں کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا (رواہ مسلم) نبی ﷺ نے فرمایا صدقہ غضب الہی کو بجا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ بخیل بری موت مرتا ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ مرتے وقت مال و اسباب کی جدائی کا ایسا رنج ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی بھول جاتا ہے۔ ۱۲۰۔

ہے۔ ابن عطار فرماتے ہیں کہ ما حطمتہم اس کے لیے ہے جو اللہ سے ثواب پر راضی ہو اور جو راضی نہ ہو تو اس پر وہی حکم حق نجات ہے۔
 پھر فرماتا ہے کہ خرچ کرنا ان کا کام ہے جو لاپچی اور حریص نہیں اور حرص سے بچے ہوئے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب بھی ہیں (شح
 بکل اور لالچ یہ عام ہے مال کا ہو جاہ کا ہو عورت کا ہو) انسان کے اوصاف رذیلہ میں سے یہ بھی ایک ایسی بری خصلت ہے کہ عزت سے محروم کرتی
 ہے اور نیک کاموں سے روکتی ہے بری باتوں چوری قتل غضب جھوٹ بولنے بدعہدی کرنے پر ابھارتی ہے عصمت پارسائی کو کھول دیتی ہے۔
 پھر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو قرض دینا فرما کر اطمینان دلاتا ہے اور اس کے فوائد ظاہر کرتا ہے۔ (۱) یضاعفہ لکم اس کا دو چند
 ثواب دے گا یہاں تک کہ ایک کے ساتھ سو تک ملیں گے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مال کو بڑھادے گا۔ تجربہ ہے کہ سخی کے مال
 میں برکت ہوتی ہے۔ (۲) تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دان ہے حلیم بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا پھر بندے کے اجر کو ضائع
 کرنے میں کیونکر جلدی کرے گا مگر صدقہ میں نیت اور خلوص پر مدار ہے اس لیے قرض حسن فرمایا تھا اس کی طرف عالم الغیب والشہادۃ میں
 اشارہ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کہنے سے کہ اللہ کو قرض دے دینے نہ سمجھو کہ وہ عاجز ہے بلکہ العزیز زبردست اور قادر ہے یوں نہ دو
 گے تو وہ برباد بھی کر سکتا ہے الحکیم اس دینے میں تمہارے لیے صد ہا حکمتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ،
 وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ، لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا
 أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ، وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ، وَمَنْ يَتَعَدَّ
 حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ، لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ
 بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ①

اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ جب عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت سے سوچ کر طلاق دو۔ اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے نہ تم ہی ان کو
 ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ کی حدود باندھی ہوئی ہیں۔ اور جو اللہ کی حدود سے بڑھا تو اس نے
 اپنا برا کیا۔ آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد اور کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

ترکیب : اذا طلقتہم شرط والمراد اذا اردتم تطلقن علی تنزیل المقبل علی الامر المشارف لہ منزلة الشارع فیہ کقولہ علیہ السلام من قتل قتیلًا فله
 سلبہ ومنہ الماشی الی الصلوۃ والمستظر لہانی حکم المصلی (کشاف) فطلقوہن لعدتہن الجملۃ جواب الشرط والجاری فی لعدتہن متعلق بطلقوا ای
 مستقبلات لعدتہن کقولہ اتیۃ لیلة یقیت من الحرم ای مستقبل لہا والمراد ان یطلقن فی طہر لم یجا معن فیہ ثم یخلین حتی یتقصر عدتہن الا استثناء
 من قولہ لاتخرجنہن۔

تفسیر : (ربط) اس سے پہلی سورۃ کے اخیر میں فرمایا تھا کہ من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروہم کہ بعض اولاد اور بیویاں

تمہاری دشمن ہیں ان سے بچو۔ اور بعض مواقع پر پورا بچنا پڑتا ہے یعنی طلاق دینی پڑتی ہے اس لیے اس سورۃ میں طلاق کے احکام نازل فرمائے اور عرب میں جو طلاق کے بڑے دستورات تھے ان کو اٹھا کر عمدہ دستور قائم کیا۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ** **لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ** کہ اے نبی! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو۔^۱

ابحاث: اول یا ایہا النبی سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں خطاب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد امت ہے کہ اے مسلمانو! جب تم طلاق دینا چاہو اٹھ اور جب کسی قوم سے خطاب کرنا ہوتا ہے تو اس کے رئیس سے خطاب کر کے اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کی طرف خطاب ہے کس لیے کہ اس حکم میں جس طرح امت پر پابندی ہے ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ دوم اذا طلقتم النساء سے یہ مراد نہیں کہ بے ضرورت و بے قصور جب چاہو عورت کو طلاق دے دو جیسا کہ یہودی شریعت میں تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودی سخت دلی پر کمال نفرت ظاہر فرما کر طلاق دینے سے روکا اور فرمایا کہ ”جو اپنی جور و کوسوائے زنا کے اور سب سے چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے اور موسیٰؑ نے جو تمہیں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کے اسے چھوڑ دے تو تمہاری سخت دلی کے سبب سے تھا۔“ انجیل متی ۱۹ باب۔

عرب کا دستور بھی یہودی شریعت کے قریب قریب تھا۔ عورت گائے بھینس کی طرح بھیجی جاتی تھی۔ چاہا رکھا، چاہا اپنی خواہش کے موافق چھوڑ دیا۔ ہمارے بعض علماء نے بھی اذا لفظ کی تفسیر سے شاید ایسا خیال کیا ہو اور دستور عرب اور دلی خواہش نے اس کی تائید کی ہو۔ اسی خیال فاسد کو یورپ کے نادان فقیہوں نے اسلام کا حکم قرار دے کر اسلام کو تیردوں کا نشانہ بنایا اور لوگوں کو بالخصوص عورتوں کو اسلام سے نفرت دلانے کا کافی بندوبست کیا۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
وَأَشْهَدُوا ادْوَمَ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَلِكُمْ
يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ
يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ
قَدْرًا ۝

پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو یا ان کو دستور کے موافق (زوجیت میں) رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ اور اپنے میں سے دو معتبر مخصوص کو گواہ بھی کرو اور اللہ کے لیے گواہی پوری دو۔ یہ نصیحت کی باتیں اس کو سمجھائی جاتی ہیں کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اسی کے لیے مخلصی کی صورت

۱۔ طلاق دینے میں بھی جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور فائدہ سے آپ ظاہر ہو رہا ہے اور ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ حیض کی حالت میں طلاق نہ دو یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا شاید اس نفرت طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو۔ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں عدت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے اور عدت کو بڑھا دیتے تھے علاوہ ازیں عدت میں نفقہ مکان بھی نہیں دیتے تھے ان امور کو اسلام نے منع کر دیا۔

بھی نکال دے گا۔ اور اس کو وہاں سے روزی دے گا کہ جہاں کا اس کو تو گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کو بس بھی کرتا ہے۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ترکیب : فاذا شرط فامسکوا وفارقوا جواب الشرط واشهدوا واقیموا جملة مستأنفة ذلکم مبتداء یو عطف فعل مجہول من موصولة مع صلة مفعول مالم یسم فاعله والمجموع خبره ومن شرطیه یجعل ویدرقة جوابہ وکنذامن یتوکل حسبہ المصدر بمعنی الفاعل بالغ امرہ قرئی یتوین بالغ ونصب امرہ وقرئی بالا ضافہ وقرئی یتوین بالغ ورفع امرہ لانه فاعل بالغ اولى ان امرہ مبتداء مؤخر وبالغ خبر مقدم وقرئی بالغا بالنصب علی الحال ویکون خبر ان قوله قد جعل۔

تفسیر : اسلام نے نہ عیسوی مذہب کی طرح طلاق کا جواز صرف زبان پر منحصر کر کے دائرہ معیشت کو تنگ کیا اور نہ یہودی طرح ادنیٰ ادنیٰ بات پر طلاق روا رکھ کر ہمدردی انسانی پر دھبہ لگایا۔ اس عہد میں جو یہودیوں کا دستور طلاق کے بارے میں سخت نفرت خیز اور وحشیانہ تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے طلاق کا دروازہ بند کرنا مناسب جانا اور صرف ایک ہی سبب طلاق کے لیے جائز سمجھا مگر یہ حکم عام نہیں ہو سکتا کس لیے کہ زنا کے سوا اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آ جاتے ہیں کہ جہاں بغیر طلاق کے مرد اور عورت کے لیے جانبری اور رستگاری اور عافیت کے اور کوئی صورت نہیں ہوتی اور فریقین کو ایک دوسرے کی موت کا بندوبست نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اسلام نے بھی طلاق کو بہت بند کیا اور بجز قوی سبب کے اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عورتوں کے حق میں نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ وہ تو انسان کی پہلی سے پیدا ہوئی ہے اور ٹیڑھی پہلی اوپر ہی رہا کرتی ہے۔ اگر سیدھا کرنا چاہو گے ٹوٹ بھی جائے گی اور اگر توڑنا نہ چاہو تو ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں سے نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا ایما ندر مردایما ندر عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کسی بات سے ناخوش ہوگا تو دوسری بات سے خوش بھی ہو جائے گا (مسلم)۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مارے پیٹے کہ پھر شام کو گلے لگا کر سوئے۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا خدا کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ (دارقطنی) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر زنا کے شبہ کے۔ بے شک اللہ مکروہ لینے والے مرد اور عورتیں پسند نہیں (طبرانی و دارقطنی) یہ حدیث تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مقولہ کے قریب قریب ہے اور اس میں اس بات کی صاف تشریح بھی ہو گئی کہ جو کوئی بغرض شہوت طلاق دے کر اس کو چھوڑ کر دوسری کو لے یا عورت ایک مرد کو چھوڑ کر مرغوب دل مرد کو لینے کے لیے طلاق حاصل کرے یہ امر خدا نے عظیم کے نزدیک سخت ناپسند ہے اسی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے زنا کاری سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اسلام نے زنا کی قید پر انحصار نہیں رکھا صرف یہ فرق ہے اور اس کو زمانہ اور ملکوں اور قوموں کی مصلحتوں پر لحاظ رکھنے والے ضرور پسند کریں گے۔ باقی حسن معاشرت اور عورتوں سے نرمی و اخلاق سے پیش آنا اسلام کی بڑی ہدایت ہے مگر اس میں بھی اس قدر ترمیم ضروری ہے کہ میاں کو جو رو کا غلام نہیں بنادیا اور عورت کے اس قدر اختیارات وسیع نہیں کئے کہ جن کو کوئی بھی غیرت مند طبیعت پسند نہیں کر سکتی۔ باقی اور کوئی فرق نہیں اور وہ جھوٹے الزامات ہیں جن کے ذمہ دار وہی وحشی و جاہل مسلمان ہیں جو ایسا ظالمانہ برتاؤ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں کہ اسلام۔ اب طلاق دینے میں جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور قاعدے سے آپ ظاہر ہو رہا ہے۔

نقال فطلمون لعدتھن۔

وَالَّتِي يَسْنَنَ مِنَ الْمَجْبُضِ مَنْ تَسَايَكُمُ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتْنَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ

وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْهُ وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجْلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
 وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ ذَلِكُمْ أَهْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ
 إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝
 اسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تُضَارَّوهُنَّ
 لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حِمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ
 حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَانْزِلُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَاتِمُّوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ
 وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فاستَرْضِعْ لَهُ ۚ أُخْرَى ۝ لِيُفِيقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۚ وَمَنْ
 قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا
 أَتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝

۱۶۱

اور تمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض کی امید نہیں رہی ہے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور (یہی عدت) ان کی بھی کہ جن کو حیض نہیں آیا۔ اور حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے وہ اس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جس کو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کی برائیاں مٹا دیتا اور اس کو بڑا اجر بھی دیتا ہے (اور) طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے موافق اور ان کو ستاؤ نہیں کہ ان کو تنگ کرو اور اگر ان طلاق دی ہوئی عورتوں کو حمل ہو تو جب تک جنین ان کا خرچ اٹھاؤ۔ پھر اگر تمہارے بچہ کو دودھ پلانے میں تم کو ان کی اجرت دو اور آپس میں نیک بات کہو اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے۔ اور جو تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اس کو دے رکھا ہے اور بہت جلد تنگ دستی کے بعد فراخ دستی دیتی دیتا ہے۔

ترکیب : واللانی موصول یسنس صلہ من نسانکھ بیان واللانی ان ارتبتہ شرط تعدتہن جوابہ والمجوع خبر واللانی واللانی لم یحضن مبتداء والخمر محذوف ای تعدتھن کذا الک واولات الاحمال مبتداء اجلھن مبتداء ان یضعن خبرہ والجملة خبر اولات الاحمال من حیث قال الرخصی من للتبعیض ای بعض مکان سکناکم وقال الرازی والکسائی زائدة وقال ابوالبقاء والحوئی لا ابتداء الغایة من وجدکم الوجد یضم الواو الفتح والکسر ومعناه من سعتکم وطاعتکم وهو بدل من حیث واتمروا قال الکسائی معناه تشاورا وابدلیل قوله تعالیٰ ان الملاء یا تمرون بک وقال مقاتل المعنی لیتراض الاب والام علی اجر سنی۔

تفسیر : واحصول العدة کہ ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اس جملہ کی شرح اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دے دی تھی اس کی عمر چھ ماہ تھی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خفا ہوئے۔ پھر فرمایا اس سے رجوع کر کے رکھے یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر حیض

آئے اور پھر پاک ہو جائے۔ اس کے بعد اگر طلاق ہی دینا ضرور ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دے قبل اس کے کہ اس کو ہاتھ لگایا ہو۔ یہ ہے وہ عدت کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کو کہا ہے۔ (مشفق علیہ)

احکام : اول حکم۔ حیض میں طلاق نہ دے جو فطلقوہن لعدتہن کا خلاصہ مطلب ہے۔ اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے اور حدیث مذکور اس پر پوری دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور خفا ہوئے۔ یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا اور وہ میلی کچیلی بھی ہوتی ہے شاید اس نفرت طبعی نے کسی رجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو اس لیے طہر میں طلاق دینی چاہیے تاکہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

فائدہ : قرآن مجید میں عدت طلاق ثلاثہ قروء بیان ہوئی۔ صدر اول کے بعد جب علماء نے احکام میں زیادہ غور و تامل کرنا شروع کیا تو اس لفظ کے معنی میں بھی غور کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بہت سے علماء نے یہ فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تین حیض اور پھر اس قول کو لغت اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال سے مستند کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان سے آگے اور علماء نے کہا اس کے معنی ہیں تین طہر یعنی وہ زمانہ کہ جس میں عورت حیض کے بعد پاک ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل میں سے یہ آیت بھی ہے۔ فطلقوہن لعدتہن کس لیے کہ لام لعدتہن میں وقت کے معنی دیتا ہے یعنی عدت کے وقت میں طلاق دو۔ اور یہ مسلم ہے کہ طلاق کا وقت طہر ہے پس معلوم ہوا کہ عدت بھی طہر ہے نہ حیض۔ اس کے جواب میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے ایک آیت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ وَالْمُطَلَّعَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ کہ طلاق دی ہوئی عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو روکیں۔ معلوم ہوا کہ عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض کو کہتے ہیں گو طہر پر بھی استعمال ہوتا ہے مگر خلاصہ کا لفظ کہہ دیتا ہے کہ تین حیض مراد ہونے چاہئیں کس لیے کہ طلاق تو بالاتفاق طہر میں ہونی چاہیے۔ پھر اگر اس طہر کو بھی عدت میں شمار کیا گیا تو تین پورے نہ ہوئے کس لیے کہ کچھ زمانہ اس طہر کا طلاق دینے سے پہلے ضرور گزر گیا تھا اور اگر اس کے سوا اور تین طہر کئے گئے تو یہ تین سے زیادہ بڑھ گئے ہاں حیض مراد لینے میں یہ خرابی پیش نہیں آتی اور لام اضافت کے لیے بھی آتا ہے اور بیان علت و سبب کے لیے بھی جیسا کہ اس آیت میں انما نطعمکم لوجه اللہ اور عند کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ کہ نماز قائم کرو، نزدیک آفتاب ڈھلنے کے۔ اور استقبال کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں۔ اتیۃ للیلۃ بقیۃ من المحرم۔ آیت میں لام اسی معنی میں ہے کہ عدت کے موقع پر طلاق دو یعنی طہر میں دو اس کے بعد عدت حیض سے شروع ہوگی۔ اور اس کی مؤید بہت احادیث ہیں مجملہ ان کے یہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعدتہن کے موقع پر قلب عدتھن پڑھا (رواہ عبدالرزاق فی المصنف وابن المنذر والحاکم وابن مردویہ) ابن عمر و مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قرات منقول ہے۔ یہ تفسیر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہوگا۔ اور ایک حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عدت حیض ہے نہ کہ طہر اور وہ یہ ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ لوٹنی کے لیے دو طلاق ۱ ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی) لوٹنی کا نصف مرتبہ حرہ سے رکھا گیا مگر تین طلاق کا نصف ڈیڑھ طلاق اور تین حیض کا نصف ڈیڑھ حیض شروع میں کوئی تعداد صحیح نہ تھی اس لیے پورے دو کر دیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حرہ کی بھی عدت تین حیض ہیں نہ کہ طہر۔

دوسرا حکم : واحصوا العدة کہ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں غفلت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر طرح طرح سے ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے۔ اور عدت کو بڑھا دیتے تھے اور

عدت میں نفقہ اور مکان بھی نہیں دیتے تھے۔ ان باتوں کو اسلام نے منع کیا۔

(یہ بات) قابل بحث باقی رہ گئی کہ طلاق النساء میں نساء سے کون عورتیں مراد ہیں؟ گو لفظ میں کوئی تخصیص نہیں مگر بقرینہ کلام آئندہ وہ عورتیں مراد ہیں کہ جن کو حیض آتا ہو۔ (صغیرہ اور آئہ اور حاملہ نہ ہوں) اور ان سے کم از کم ایک بار صحبت بھی کی ہو۔ یہ اس لیے کہ جس سے صحبت نہ کی ہو اس کے لیے طلاق کے بعد عدت ہی نہیں جیسا کہ قرآن میں آچکا ہے۔ **مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُمْ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا**۔ حاملہ کی اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بعد میں مذکور ہے۔ بقولہ واللانی ینسن الخ۔

اقسام طلاق : طلاق تین قسم پر ہے: (۱) احسن یہ کہ جس طہر میں وطی نہیں کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے کس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طلاق سے زیادہ دینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں بغیر مرضی عورت کے عدت کے اندر مرد کو رجوع کر لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

(۲) حسن وہ یہ کہ وطی کی ہوئی عورت کو طہر میں تین طلاق ہفریق دے اس کو بھی خفی طلاق مسنون ؓ کہتے ہیں۔ مگر امام مالک ؒ اس کو بدعت کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک طلاق سے زائد دینا کسی حال میں سنت ؓ نہیں خواہ وہ ایک طہر میں ہو خواہ کئی میں۔ مگر امام ابوحنیفہ ؒ اور ان کے اصحاب ایک طہر میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بدعت جانتے ہیں نہ کئی طہر میں۔ اور امام شافعی ؒ کے نزدیک ایک بار تین طلاق دینے میں بشرطیکہ طہر میں ہوں کچھ حرج نہیں کس لیے کہ وہ کہتے ہیں طلاق کی تعداد میں بدعت و سنت کچھ نہیں ایک مباح بات ہے۔ پس امام مالک ؒ صرف ایک طلاق دینا مسنون جانتے ہیں طہر میں اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک تفریق اور وقت طہر کی رعایت ہے اور امام شافعی ؒ کے نزدیک صرف وقت طہر کی رعایت ہے۔ (کشاف)

(۳) طلاق بدعی یہ وہ ہے جو حالت حیض میں ہو یا ایک طہر میں ایک سے زائد ہو یا اس طہر میں ہو کہ جس میں وطی کی ہو گو ایک ہی طلاق ہو عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو اور جس کو صغیر یا کبر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کو ایک مہینے میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بھی بدعت ہے۔ اسی طرح حاملہ کو بھی ایک مہینے میں ایک سے زیادہ طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ طلاق بدعی بھی پڑ جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گناہگار ہوتا ہے **فصل از بدایہ**۔

الفاظ طلاق : دو قسم ہیں۔ ایک صریح لفظ طلاق استعمال کیا جائے اس سے طلاق رجعی پڑتی ہے کہ اس کے بعد رجوع کر سکتا ہے اس میں نیت کو نہ دیکھا جائے گا۔ دوسری قسم کنائی ہے کہ کنایہ سے طلاق دے صریح الفاظ کا استعمال نہ کرے البتہ اس میں اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ ان الفاظ سے جو مراد وہ کہے گا وہی عدالت شرح منظور کرے گی، جھوٹ سچ ان کی گردن پر پھر کنایات بھی دو طرح پر ہیں تین لفظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاق رجعی پڑتی ہے وہ یہ ہیں۔ عدت کر، حرم پاک کر، تو اکیلی ہے۔ اور باقی الفاظ سے طلاق بائن پڑتی ہے کہ بغیر نکاح جدید شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ تو حرام ہے، تیری رسی چھوڑ دی۔ وغیرہ ذلک۔

احکام : اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو اس کو ایک طلاق کافی ہے۔ اب یہ اس کی ہرگز بیوی نہیں رہی۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے خواہ اس سے کرے یا غیر سے۔ اسی طرح مدخولہ کو اگر طلاق بائن دی ہو یا تین طلاق دے چکا ہے تب بھی کوئی حق

۱۔ بغیر وطی کی ہوئی کو ایک ہی طلاق دینا احسن ہے جو حیض میں ہو اور اسی طرح جس کو حیض نہیں آتا اس کو ہر مہینہ کے بعد ایک طلاق دینا احسن ہے اگر چہ وطی کے بعد

ہو۔ تفسیر احمدی ۱۲۷

۲۔ اصل آیت سورہ احزاب میں یوں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَمَّ الْمَوْتَانِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا** ۱۲۷

۳۔ مسنون تو احسن بھی ہے مگر اس میں امام مالک ؒ کا اختلاف ہے کہ اس کو بدعی کہتے ہیں اس لیے خفی اس کا نام طلاق السنہ رکھتے ہیں ۱۲۷

شوہر اول کا نہیں رہتا۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے۔ ہاں اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں خواہ ایک طہر میں خواہ دو میں تب زوج کو اختیار ہے کہ عدت سے پہلے رجوع کرے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ اور رجوع یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا یا وہ افعال کرے جن سے زن و شو ثابت ہوں۔ بوسہ لینا، صحبت کرنا، شہوت سے ہاتھ لگانا وغیرہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بغیر زبان سے کہے رجوع کرنا معتبر نہ ہوگا اور رجوع کے لیے دو گواہ کر لینا بہتر ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں واجب ہے۔ اور عدت کے بعد بھی ہر طلاق کے بعد بار دیگر نکاح کر سکتا ہے مگر تین طلاق کے بعد نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ بیوی پہلے کسی اور سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرے پھر وہ طلاق دے۔ پھر صحبت کے بعد زوج اول نکاح کرے۔ یہ سزا اس لیے مقرر کی کہ تین طلاق دینے سے باز آئے۔ یہ سخت مکروہ ہے۔ ایک بار تعلق منقطع کرنا شرع نے پسند نہیں کیا اس لیے بتدریج طلاق دینا مسنون ہوا کہ پھر کہیں گھر بس جائے تو بہتر اور طلاق کے موقع سے پہلے باہمی پنجایت کے ذریعہ سے ملاپ کی تاکید کی گئی ہے۔

فائدہ: طلاق رجعی کی عدت میں بیوی کا شوہر کے سامنے آنا، بناؤ سنگار کرنا، رغبت دلانا ممنوع نہیں بلکہ محمود ہے کس لیے کہ ہنوز نکاح باقی ہے اور ملاپ مقصود ہے اور طلاقوں کی عدت میں یہ حکم نہیں بلکہ زینت سے مرد کے سامنے آنا اختلاط کرنا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا، اتقوا اللہ ربکم کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے۔ لفظ اللہ ذات پر دال ہے جس کی جبروت سے ہر عقلمند کو ڈرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا لازمی ہے مگر عقول سافلہ کو وہاں تک بغیر کسی صفت کے رسائی نہیں اس لیے اس کے بعد ربکم بھی بیان فرما دیا کہ اللہ کون ہے؟ تمہارا رب جو تم کو پرورش کرتا ہے، رزق کے سامان بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ ہر گھڑی تمہارے وجود کا وہی محافظ و مربی ہے البتہ مربی اور محسن کی مخالفت سے عام طبائع ڈر سکتی ہیں اس لیے کہ وہ کہیں اپنے یہ انعام بند نہ کر لے اسی لیے ایسی صورت کا ذکر کیا۔

وَكَايْنٍ مِّنْ قَرِيْبَةٍ عَنَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا

شَدِيْدًا وَعَدَّ بِنَهَا عَذَابًا نُكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ

عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۚ فَاتَّقُوا

اللَّهَ يَأُولِ الْأَلْبَابِ ۗ الَّذِينَ آمَنُوا ۙ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ

ذِكْرًا ۝ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّبُخْرَمِ الَّذِينَ آمَنُوا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ ۖ وَمَنْ يُؤْمِنْ

بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝ اللَّهُ الَّذِي

خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۖ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ
بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ
أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۶

۱۶

اور کئی ایک بستیاں اپنے رب اور اس کے رسول کے حکم سے سرکش ہو گئی ہیں پھر تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور ان کو بری سزا دی۔ پھر انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور ان کی انجام کار بربادی ہوئی آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پھر اے دانشمند! اللہ سے ڈرتے رہا کرو (عقل مند وہی ہیں) جو ایمان لائے بے شک اللہ تمہاری طرف سمجھانے والا رسول بھیجا ہے جو تم کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہیں ان کو اندھیر یوں سے نکال کر روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں سدا رہا کریں گے البتہ اللہ ان کو اچھی روزی دے گا۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی ان کی مانند بنائی ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور (نیز) اللہ نے علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔

تفسیر تیسرا حکم: یہ جملہ آئندہ حکم کے لیے تاکید ہے اس لیے اس کے بعد تیسرا حکم ذکر کرتا ہے۔ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ۔ کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ آپ نکلیں مگر جب صریح فحش کریں تو نکال دینا مضائقہ نہیں۔ مطلقہ کو مکان دینا واجب ہے۔ مطلقہ کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی گو وہ خاوند کا گھر تھا مگر عورت ہی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس لیے بیوتہن فرمایا۔ اضافت بیت کی ان کی طرف کی جیسا کہ سورہ احزاب میں ازواج مطہرات کو قدر فی بیوتکن سے مخاطب کیا ہے اور بیت کو ان کی طرف مضاف کیا تھا۔ اضافت تملیکیہ نہیں بلکہ سکونت کے سبب سے۔ فاحشہ مبینہ بالکسر فاعل کا صیغہ جس کے معنی بیان کرنے والی یعنی وہ فاحشہ بات اپنی برائی آپ بیان کر رہی ہے اور مبینہ بالفتح بھی پڑھا ہے کہ اس کی برائی براہین و دلائل سے بیان ہو گئی ہے۔ فاحشہ مبینہ کے معنی اکثر مفسرین نے زنا کے بیان کئے ہیں کہ جب عورت بدکاری کرے تو اس کا نکالنا ممنوع نہیں۔ بعض نے اس کی اور بھی تخصیص کی ہے کہ وہ حد مارنے کے لیے نکالی جائے اس کے بعد پھر وہیں رکھی جائے (وفیہ مافیہ) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاحشہ مبینہ سے مراد بدزبانی فحش گوئی ہے کیونکہ مطلقہ کو خاوند سے طلاق کے بعد رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے، پھر عورتوں سے ایسے وقت بدزبانی فحش گوئی کچھ بھی بعید نہیں پھر جب ایسی نوبت ہو تو آئندہ اور فسادات کے اندیشے میں اس صورت میں نکال دینا مصلحت ہے اس کے سوا اور ضرورتوں کے سبب بھی (جیسا کہ مکان گرنے کو ہو یا دشمن کا خوف ہو یا مکان کرایہ کا تھا مالک اٹھاتا ہو) باہر نکلنا ممنوع نہیں مگر ان صورتوں میں خاوند کو لازم ہے کہ اور مکان عدت گزارنے کو دے۔

سکنی اور نفقہ بھی دینا چاہیے: قرآن مجید کے الفاظ میں کوئی قید نہیں طلاق رجعی یا بائن یا مغلظ کوئی ہو اور مطلقہ حایض ہو یا حاملہ یا آنسہ یا صغیرن، سب کے لیے یعنی سکونت کا مکان دینا شوہر کا ذمہ ہے اور چند آیات کے بعد اور بھی تاکید فرماتا ہے۔ اَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے مگر حسن بصری و عطاء بن ابی رباح و شعبی و احمد و اسحاق رحمہم اللہ تخصیص کرتے ہیں کہ جس عورت سے شوہر طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا (طلاق بائن یا تین طلاقیں کے بعد) تو وہاں خاوند پر مکان دینا واجب ہے نہ روٹی نہ کپڑا۔ کس لیے کہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں رہا اور دلیل نفی ان کی حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے خاوند نے مجھے تین طلاق دی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے نہ مکان دلوا یا نہ روٹی کپڑا اور ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارنے کا حکم

دیا۔ اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں اصحاب سنن اربعہ اور مسلم بھی ہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا تھا کہ کیا ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے۔ کیا معلوم بھول گئی یا یاد سے کہتی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سبکی اور نفقہ دونوں دلاتے تھے۔ (اس بات کو مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و طحاوی و دارقطنی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے)۔

جمہور کا مکان دینے میں اتفاق ہے۔ اور مکان کے ساتھ نفقہ^۱ بھی خاوند پر واجب ہے کس لیے کہ رجعی طلاق میں تو خاوند کا تعلق ہی قائم ہے اس سے صحبت کر سکتا ہے اور بائن میں عورت نکاح ثانی سے خاص شوہر اول کی وجہ سے روکی گئی کہ اس کا حمل بخوبی معلوم ہو جائے اور جلد دوسرے کے پاس جانے میں مطلقہ تہمت تھا پس اس کو مکان اور نفقہ دونوں دینے چاہئیں۔ اور نیز چند آیات کے بعد مطلقہ حامل کے لیے نفقہ دینے کا صاف حکم ہے۔ **وَإِنْ كُنْ أُولَاتٍ حُمِلَ فَانْفِقُوا عَلَيْهِنَّ** الآية اور حامل غیر حامل کا اس بارے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ عمرو عبد اللہ بن عمر وغیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا اور سفیان ثوری و امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ اور علماء کوفہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں غیر طلاق رجعی میں بھی شوہر کو مکان دینا ضروری ہے اس آیت کے بموجب لیکن اس میں نفقہ کا ذکر نہیں صرف حامل کے لیے نفقہ کا ذکر ہے اس لیے نفقہ نہ دیا جائے گا یعنی خرچ۔ یہ امام مالک و لیث بن سعد و امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں فاحشة مبینہ سے مراد یہ دکھائی ہے فاطمہ بنت قیس بد زبان اور نفش گو عورت تھی اس لیے اس کے لیے مکان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا یا غیر کے گھر عدت گزاری اور نفقہ بھی نہ دلایا۔ ان سب احکام میں غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے طلاق کو کہاں تک محدود کیا ہے اور پھر ملاپ ہو جانا ملحوظ رکھا ہے۔

ان احکام کے استحکام کے لیے فرماتا ہے **وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ** کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں۔ **وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ** اور جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا اللہ کا کیا بگاڑ اپنا ہی نقصان کیا کس لیے کہ ان احکام میں صدامہادیہ مصطلحتیں خدا تعالیٰ نے ودیعت کر رکھی ہیں اس کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدا کہاں تک نتیجہ دکھاتا ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا کے یہی معنی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ صرف عدت اور مکان دینے کی طرف راجع ہے جس سے مراد یہ کہ شاید بعد میں اس ارتباط و حسن سلوک سے ملاپ ہو جائے۔

چوتھا حکم: **فَإِذَا بَلَغَ أَجْلُهُنَّ فَاسْكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْفَارِ قُوْهُنَّ بِمَعْرُوفٍ**۔ کہ جب ان مطلقات کی اجل یعنی عدت پوری ہونے کو ہو (بلفن کے یہی معنی ہیں) تو ان کو دستور کے موافق رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ آیت کا سیاق کہہ رہا ہے کہ یہ حکم طلاق رجعی کی عدت سے متعلق ہے کہ ہنوز خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہے پھر عدت تمام ہونے کو آئے تو عورت کو پھر بدستور سابق بغیر نکاح جدید اپنی بیوی کر لے مصرت کا قصد نہ کرے بلکہ بارگھر میں ڈال کر خوب دل کے غبار نکالے بلکہ حسن معاشرت سے پیش آئے اور جو اپنے مصالح کے مناسب نہ سمجھے تو ترک کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے اس کا مہر وغیرہ سب دیدے یہی مضمون سورہ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔ مگر طلاق بائن اور ثلاث میں بھی امساك بمعرف و تسریح باحسان ہو سکتا ہے کہ نکاح جدید کے بعد حسن معاشرت سے رکھے یا اس کو بالکل چھوڑ دے جس سے چاہے نکاح کرے^۲۔ اس کا مہر وغیرہ سب دیدے یہی مضمون سورہ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔

پانچواں حکم: **وَأَشْهَدُ وَأُذَوِّعُ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ** کہ اس مراجعت یا ترک پر اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں میں سے کم

۱۔ کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا یعنی نفقہ۔ ۱۲۔

۲۔ کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد بھی عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا۔ ۱۲۔

از کم دو شخص ثقہ اور نیک بختوں کو گواہ بھی کر لو کہ پھر کسی طرح کا باہمی جھگڑا نہ پیدا ہو مثلاً دونوں میں سے ایک مر جائے اور دوسرا راشت کا دعویٰ کرے اور وارث جھٹلانے لگیں کہ تم نے رجوع نہیں کیا تھا یا باہم نکاح باقی نہیں رہا۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ مرد نے رجوع کیا کسی کو خبر تو کی نہیں عدت گزر گئی اس نے دوسرے نکاح کی ٹھان دی، جھگڑا پڑا اور یہی مصلحتیں ہیں۔ اہل معاملہ کو گواہ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو اللہ کے لیے بلا کم و کاست گواہی ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ یہ حکم امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری التعمیل یعنی واجب ہے رجوع کرنے کے وقت ضرور گواہ بنائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں ہاں گواہ کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں اور یہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں واضح ہوا اذا تبايعتم حالانکہ بیع کے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔

فائدہ: صاحب ائقان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذَوٰی عَدْلٍ مِّنْكُمْ گواہوں کی تخصیص نے سورۃ مائدہ کی تعلیم ذَوٰی عَدْلٍ مِّنْكُمْ اور آخر ان من غیر کمہ کو منسوخ کر دیا یعنی سورۃ مائدہ میں تو یہ حکم تھا کہ دو ثقہ شخص تم میں سے ہوں یا اور لوگوں میں سے ہوں اور یہاں یہ کہہ دیا کہ تم میں سے ہوں، اس تعلیم کو منسوخ کر دیا لیکن یہ قول چنداں قوی نہیں کس لیے کہ سورۃ مائدہ میں گواہی وصیت کے باب میں تھی یہاں رجعت کے بارے میں ہے۔

پھر ان احکام کی پابندی پر تاکید فرماتا ہے۔ ذلکم یہ احکام یُعَظُّ بِہِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ وہ ہیں کہ جن سے نصیحت پہنچتا ہے یا فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ شخص جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اشارتا یہ کہہ دیا کہ جو ان احکام کی پابندی نہیں کرتا گویا وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں ایماء عرب کی جاہل قوموں کی طرف ہے کہ وہ طلاق دے کر عورت کو معطل کر دیتے تھے، بے چاریوں ہی بیچ میں جھوٹی رہتی تھی۔ نہ تو آپ اس کی خبر گیری کرتا تھا نہ اور سے نکاح ہونے دیتا تھا۔ یہ بڑا ظالمانہ برتاؤ تھا۔ اب بھی بعض مرفع الحال لوگ جو عزت و غرور کے نشہ میں چور ہیں ایسا ہی کرتے ہیں نکاح اور طلاق میں قانون محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا مطلقاً عمل نہیں وہ کہتے ہیں اشراف ایسا نہیں کرتے۔ معاذ اللہ یہ کلمہ حد کفر تک پہنچاتا ہے۔ قیامت کو جبکہ اللہ جبار و قہار تخت پر بیٹھ کر عدالت کرے گا شرافت معلوم ہو جائے گی۔

یہ ساری بے اعتدالیاں خوفِ خدا نہ ہونے کے سبب ہیں اور ان احکام میں غفلت و اعراض کا باعث طمع یا فکر ہوتی ہے کہ اس کو کہاں سے کھلائیں گے، مہر کیونکر دیں گے، روک رکھو کہ مہر نہ مانگے بلکہ جو کچھ لیا ہے واپس کر لو۔ اس لیے سب سے پہلے خوفِ خدا کی تاکید اور اس کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے آخرت میں تو اس کے ثمرات ملیں گے مگر دنیا میں بھی اس کو دو چیزیں عطا کرتا ہے۔

اول۔ یہ جعل لہ مخرج جاکہ اس کے لیے ہر مشکل میں خلاصی دیتا ہے، رنج و غم سے رستگاری عطا کرتا ہے یہ اس لیے کہ جب انسان اللہ سے ڈرا اور ہر مصیبت کو اسی کی طرف سے سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اول تو اس کے دل کو اطمینان و انشراح پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت اس کے نزدیک بہت ہلکی ہو جاتی ہے اور واقعی لوگوں کے قلوب کے موافق مصیبت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ ذرا سی بات سے دست آنے لگتے ہیں، بے قرار ہو جاتے ہیں اور بعض کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حادثہ کس پر گزر گیا؟ الغرض استقلال و جو اندری تقویٰ سے پیدا ہو جاتی ہے اور یوں بھی عالم بالا سے اس کی مشکل کشائی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا ترس لوگوں کو جو جو مدد و غیبی حوادث میں پہنچتی ہے ان سے کوئی ایماندار جو آپ سواویہ پر یقین رکھتا ہے انکار نہیں کر سکتا البتہ حال کا فلسفہ اس کو کچھ نہیں سمجھتا یہ ان کی جہالت ہے۔

بعض مفسرین نے مخرج کو خاص بھی کیا ہے چنانچہ کبھی کہتا ہے کہ جو اللہ سے ڈر کر مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کو آتشِ جہنم سے مخلص دیتا ہے۔ شععی اور ضحاک کہتے ہیں یہ خاص طلاق کی بابت ہے کہ جس نے حکمِ الہی کے موافق طلاق دی اس کے لیے رستہ رجوع

کرنے کا عدت میں خدا نکال دیتا ہے۔

دوم۔ وَیَرْزُقُهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کہ جہاں سے گمان بھی نہ ہوگا روزی دے گا۔ وہ قادر مطلق اپنے پاکباز بندوں کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ جن کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس میں خاوند کو تسلی ہے کہ رزق و روزی کے فکر سے طلاق نہ دو نہ طلاق کے بعد زبردستی روک رکھو، ہم بے گمان روزی دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس کو بھی خاص کیا ہے۔ حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے گا اور ادائے فرض کرے گا اس کو عذاب سے خلاصی دے گا اور اسی طرح ثواب دے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ گناہوں کے سبب رزق سے محروم کیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا اور کوئی چیز نہیں رد کرتی اور عمر کی زیادتی کا باعث کوئی ہی ہوتی ہے۔ (رواہ الامام احمد) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمانداروں کے لیے خدا تعالیٰ گناہوں سے تنگدستی دیتا ہے اور نیکی سے فراغ دستی اور نیکی و احسان کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور بندہ جب اللہ سے عجز و زاری سے مانگتا ہے تو عطا کرتا ہے، آئی مصیبت کو نال دیتا ہے۔ توریت میں جابجا بنی اسرائیل کی تنگدستی اور فراغ غیبی کو ان کی نیکوکاری و بدکاری پر محمول کیا ہے۔ ہاں کبھی ازلی بدبختوں اور کفار کو ان کی سرکشی اور بدکاری پر بھی افزائش مال و جاہ کرتا ہے۔ یہ اس کا امتحان و ابتلاء ہے۔ آخر کار دنیا میں بھی ایک روز بدکار قوم کو اقبال و عزت کو رخصت کرنا پڑتا ہے اور نکبت و بدبختی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فلسفہ حال اس بات کو بھی لچر و پوچر اور پرانا خیال سمجھتا ہے اس لیے پاکدامنی، خدا پرستی ان کے نزدیک ایک عبث کام ہے جس پر وہ ٹھنسنے لگتے ہیں، عنقریب ان پر ٹھنسنے لگیں گے۔

اس کے بعد توکل کے فوائد اور اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ توکل اللہ پر اعتماد اور اسباب کی فراہمی اور ان پر کامیابی سب کو اسی کے دست قدرت میں سمجھنا جس میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو بڑی جوانمردی سے معاملات میں لوگوں سے پیش آتا ہے، سیرچشمی کرتا ہے جو اس کی عزت و حرمت بڑھانے کا عمدہ ذریعہ ہے اور جو کوئی مصیبت بھی اس پر آ جاتی ہے تو اس کو من اللہ سمجھ کر دل میں بیقراری پیدا نہیں ہونے دیتا۔ عجب شادمانی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ ہے خدا تعالیٰ کا اس کے لیے کافی ہونا اور یوں بھی غیب سے ایسے لوگوں کے کام بن جایا کرتے ہیں۔ مسبب الاسباب اسباب پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توکل اور تقویٰ روح کو منور کرنے والی چیز ہے اس سے ظلمات ہیولانیہ جو اس کے اور خالق کے درمیان حجاب اکبر ہیں اٹھ جاتے ہیں۔ پھر روح کا بارگاہ قدس تک پہنچنا اور وہاں سے قوت پانا دنیا میں ایسے ایسے حیرت انگیز کاموں کا باعث ہو جاتا ہے جنہیں کمتر درجہ کے دماغ خلاف قانون قدرت سمجھ کر خواہ مخواہ انکار کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے حیرت افزا کام اور ان کے برکات اناجیل میں نہیں؟ پھر کوئی عیسائی انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت علیہم السلام اور بعد میں حضرات اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم کے کرامات اس قدر ہیں کہ جن کا انکار ہو نہیں سکتا۔

فائدہ: اس میں شوہر کو تسلی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بد معاملگی نہ کر دوہ تمہارے لیے کافی بندوبست کر دے گا۔ ہر معاملہ میں راستی اختیار کرنے کے لیے اس اعتقاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز متحرک نہیں۔ اس طرف کمتر درجے کے لوگوں کا خیال جا سکتا تھا کہ خدا ہے کیا اور عالم اسباب میں کر کیا سکتا ہے۔ کارخانہ دنیا اسباب پر مبنی ہے جیسا کہ آریہ اور آج کل کے روشن دماغ یورپین کہتے ہیں اس لیے ان کے اطمینان کے لیے فرماتا ہے۔ ان اللہ بالغ امرہ کہ اللہ اپنا کام پورا کرے ہی رہا کرتا ہے۔ اس کے ید قدرت کو کوئی روک نہیں سکتا کس لیے کہ قد جعل اللہ لکل شیء قدراً۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا ہے جو مصلح پر مبنی ہے۔ عدت حیض آنے والیوں کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ثلاثہ قروء تین حیض ہیں۔ مگر جنہیں حیض نہیں آتا عمر زیادہ ہونے یا کم ہونے کے سبب یا حمل کے سبب۔

سو یہ تین قسم کی عورتیں وہ ہیں کہ جن کی عدت طلاق دریافت طلب تھی اس لیے حق سبحانہ ان تینوں قسموں کی عدت بیان فرماتا ہے۔ قسم

اول۔ **وَالَّتِي يُبَيِّنُ مِنَ الْمَحِيضِ مَنْ نَسِيَ بَيْتَهُ إِنَّ أَرْبَتَهُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ** کہ جو ناامید ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے حیض آنے سے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں۔ جو عورتیں سن رسیدہ ہو جاتی ہیں پھر ان کو حیض نہیں آتا، جو جسمانی قوت کے دنوں میں آیا کرتا تھا صرف کچھ رطوبت سی آنے لگتی ہے اور بعض کو وہ بھی نہیں آتی بلکہ اور کسی خاص بیماری کی وجہ سے ایام معتاد یا غیر معتاد میں خون آتا ہے جس سے حیض کا دھوکا ہوتا ہے اور گاہے انقطاع حیض کے قریب زمانہ میں وہ رطوبت بھی شبہ میں ڈال دیتی ہے۔ الغرض ایسی عورت کو آئہ کہتے ہیں یعنی حیض آنے سے ناامید ہو گئی اور سن ایسا جسمانی اور ملکی کوئی کے تفاوت سے ضرور متفاوت ہوتے ہیں۔ گرم ملکوں میں عورتوں کو جلد حیض آتا ہے اور بڑھاپا بھی جلد آ جاتا ہے اور حیض بھی چند برسوں بعد بند ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں اچھی خاصی بڑھیا ہو جاتی ہے اور سرد ملکوں میں چالیس برس کی عمر میں خوب جوان سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح قوائے جسمانی کا تقاضا ہے اس لیے اس کا کوئی زمانہ معین نہیں ہو سکتا نہ قرآن مجید نے کیا۔ ہاں فقہاء کرام نے تخمینہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ساٹھ برس کی عمر میں عورت آئہ ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا پچیس برس کی عمر میں اگر تم کو شبہ ہو حیض آنے میں تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ ان اربتہ کرنی فرماتے ہیں، یہ صفت کاشفہ ہے کوئی قید نہیں کس لیے کہ جو عورتیں آئہ ہیں ان کی ہر حال میں یہی عدت ہے خواہ تم کو شک ہو یا نہ ہو۔ پھر اربتہ کے معنی میں کلام ہے کہ کاہے میں شک ہو اس میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ حیض منقطع ہو گیا اور اس کی ہم عمروں کو آتا ہے۔ اب تم کو شک ہے کہ رک گیا یا آتا ہی بند ہو گیا یا حیض منقطع ہونے کے بعد استیاضہ کا مرض ہو گیا۔ اب حیض نہیں معلوم ہو سکتا یا بعد انقطاع کے کوئی رطوبت آیا کرتی ہے جس سے حیض کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ سلف کا قول ہے جیسا کہ مجاہد و زہری و ابن زید۔ دوسرا قول جس کی طرف ابن جریر و ابن سعید و غیر ہم کار حجان ہے، یہ ہے کہ تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو کہ کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں ابن جریر ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ چند عورتوں کی عدت معلوم نہیں ہوئی۔ بڑی عمروالیوں کی اور چھوٹی عمروالیوں کی اور حمل والیوں کی اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم نے اس سے بھی تفصیل وار نقل کیا ہے۔

دوسری قسم۔ **وَالَّتِي لَمْ يَحِضْ** وہ عورتیں کہ جن کو حیض نہیں آتا ہے کم سن کی وجہ سے تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ (یہ پہلے والی پر معطوف ہے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ یہ عدت طلاق ہے اس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

تیسری قسم۔ اس کے بعد تیسری قسم کی عورتوں کی عدت فرماتا ہے۔ **وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** کہ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے یعنی جننا عدت ہے جب وہ جنین عدت پوری ہو گئی۔

فائدہ: اگر پورے دنوں میں بچہ نہیں ہوا اور حمل ساقط ہو گیا کیا اس سے بھی عدت طلاق پوری ہو جائے گی؟ ظاہر الفاظ کہہ رہے ہیں کہ عدت تمام ہو جائے گی۔ کسی نے آج طلاق دی اور اس کو مہینہ بھر کا حمل تھا تو آٹھ مہینے تک عدت میں رہے گی نویں مہینے جتنے ہی عدت تمام ہو جائے گی۔

ہدایہ میں ہے۔ ”وان كانت ممن لا تحيض من صغرها وكبر فعدتها ثلاثه اشهر لقوله تعالى والئي يئسن الح وكذا من بلغت بائسن ولم تحض (بالاخر لآیہ) وان كانت حاملًا فعدتها ان تضع حملها۔ کہ اگر صغری یا کبریٰ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی تین مہینے ہیں اس آیت سے والئی یئسن الح اور اسی طرح اگر بالغہ ہو جائے اور حیض نہ آتا ہو تو بھی عدت تین مہینے ہیں اور اگر حمل ہے تو عدت وضع حمل ہے۔ (ترجمہ)

بحث : بظاہر آیت واولات الاحمال الح عدت طلاق کے بارے میں ہے اور عدت وفات سورہ بقرہ میں اربعة اشهر

وعشرا۔ چار مہینے دس روز کی آجلی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ آئہ ہو ضمیرہ ہو حامل ہو لیکن جب عدت کی مصلحت کی طرف غور کیا گیا کہ وہ امتیاز نطفہ ہے کہ ایک نطفہ کے ساتھ دوسرا مخلوط نہ ہو تو حاملہ کے پیٹ میں اول شوہر کا نطفہ باقی ہے خواہ وہ وفات کی عدت ہو خواہ طلاق کی جب تک یہ الگ نہ ہو لے عدت قائم رہے گی اور رہتی بھی چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کر دی کہ طلاق پر موقوف نہیں وفات میں بھی یہی عدت ہے اور جمہور علماء کا سلف سے خلف تک یہی قول ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا تھا۔ الَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ اَرْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ کہ جن کے خاوند مر جائیں چار مہینے دس دن عدت کریں۔ اس میں یہ قید نہ تھی کہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ اس طرح اس آیت واولات الاحمال میں ہے کہ حمل وایوں کی عدت وضع حمل ہے کوئی قید نہیں کہ وہ حمل والیاں مطلقہ ہوں یا بیوائیں ہو۔ اب آن کر دونوں آیات میں حاملہ ۱۰ بیوہ کی عدت میں تعارض ہوا۔ سورہ بقرہ کی آیت تو کہتی ہے کہ چار مہینے دس دن عدت کرے خواہ حمل اس سے پہلے وضع ہو یا بعد میں اور یہ آیت کہتی ہے وضع حمل عدت ہے خواہ چار مہینے دس دن کے بعد ہو خواہ دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے عدت تمام ہو جائے گی۔ مگر یہ آیت واولات الاحمال بعد میں نازل ہوئی ہے لہذا اس بارہ میں سورہ بقرہ کی آیت منسوخ قرار دی جائے گی۔ بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد وغیرہ محدثین نے مختصر او مطولاً ایک حدیث نقل کی ہے کہ سیدہ اسمیہ رضی اللہ عنہا سعد بن خولہ بدری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، سعد حجۃ الوداع میں مر گیا اور سیدہ حامل تھی، بعد چالیس روز کے اس نے بچہ جنا پھر جب نفاس سے پاک ہوئی تو اپنے آپ کو نکاح کے لیے آراستہ کیا۔ اس کے پاس ابوالسانبل بن بعلک بھی گیا۔ اس نے کہا تو نکاح کرنا چاہتی ہے؟ یہ نہ ہوگا کس لیے کہ تیرے شوہر کو مرے چار مہینے دس دن نہیں ہوئے تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ گئی۔ آپ نے فرمایا جب تیرا حمل وضع ہوا تیری عدت تمام ہوگئی اس کے بعد اس نے نکاح کر لیا۔

اس حدیث مشہور کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ مختلف طریق سے متعدد درایوں نے روایت کی ہے اور اسی پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و آئمہ رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے مگر ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دونوں عدتوں میں سے جو زیادہ ہو وہ کرے یعنی اگر دس روز بعد وضع حمل ہوا تو چار مہینے دس روز عدت کرے مگر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قول کو ہرگز نہ مانا اور کہا جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے کہ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورہ طلاق کہ جس میں اولات الاحمال آئے ہیں، سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی یہ اس کی ناسخ ہے اس بارے میں۔ ہدایہ میں ہے۔ وعدة الوفاة في الحرة اربعة اشهر وعشرا وعدة الامه شهران وخمسة ايام وان كانت حاملا فعدت بها ان تضع حملها۔ علماء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

عدت کے احکام: اس حکم کے بعد اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ اَمْرِهِ يُسْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کر دے گا یعنی ان احکام پر عمل کرو اللہ سے ڈر کر تا کہ تمہیں نکاح و طلاق کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور خدا تمہارے سارے کام آسان کرے۔ ذَلِكَ اَمْرُ اللَّهِ اَنْزَلَهُ اِلَيْكُمْ۔ یہ حکم اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا۔ اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو کس لیے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ اَمْرِهِ يُسْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے خدا اس کے گناہ اس سے مٹا دیتا ہے اور اس کے لیے بڑا اجر تیار کرتا ہے۔

طلاق کے بعد ایام عدت میں خاوند کو مطلقہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ اس کا بیان فرماتا ہے۔

اول حکم: اَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكُنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ کہ جہاں تم رہو اپنے مقدور کے موافق ان کو بھی وہیں رکھو کس لیے کہ طلاق کے بعد طرفین میں رنجش معمولی بات ہے فوراً نکال دینا قریب الوقوع بات ہے۔ اس میں عورت کی کمال بے حرمتی اور معاملہ سابقہ کے لحاظ سے کمال بے مروتی ہے اس لیے مکان دینے کا حکم دیا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے مگر خرچ و خوراک میں کلام ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوا۔ امام ابوحنیفہ

۱۔ کے لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں

بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲۷

ہونے کے نزدیک خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی مکان کے ساتھ خرچ و خوراک بھی ضروری ہے کس لیے کہ اگر صرف مکان مراد ہوتا تو پہلے بھی بیان ہو چکا۔ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ میں دوم من وجد کم کا لفظ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں طلاق بائن میں خرچ و خوراک دینا واجب نہیں۔

دوسرا حکم: وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لَتَضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ۔ خدائے پاک مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع کرتا ہے کہ مکان اور کھانے پینے میں تنگی نہ کرو کہ تک ہو کر نکل جائے اور ہر قسم کی ایذا سے ممانعت ہے۔ سخت کلامی، لڑائی، جھگڑا، ترش روئی۔ اور یہ بھی ہے کہ جب عدت تمام ہونے کو آئے مثلاً دور و زبانی رہ جائیں پھر رجوع کر لے اور پھر طلاق دے تاکہ اور عدت بڑھ جائے۔ اس سے بھی منع کیا۔ عرب ایسے ایسے ظالمانہ معاملات عورتوں سے کرتے تھے جن سے اسلام نے روک دیا اور تہذیب و شائستگی سکھادی۔ معاملات میں مہذب رہنا بڑی بات ہے۔

تیسرا حکم: وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٌ فَلْيَضْحَكُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اگر وہ مطلقہ حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان کو خرچ و خوراک بھی دو۔ اس قید سے امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مطلقہ کو حمل نہیں ہے تو صرف مکان دینا واجب ہے نہ نفقہ۔ اس کا جواب پہلے گزر گیا۔ مگر آیت میں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آیت مطلقہ کے بارہ میں ہے۔ اگر خاوند مر جائے تو اس کے لیے مکان اور نان و نفقہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما و شریح و مخفی و عسی و حماد و ابن ابی لیلیٰ و سفیان و اوران کے شاگرد رحمہم کہتے ہیں کہ اس کو مکان و خوراک میت کے کل مال میں سے ملے گا۔ اور ابن عباس و ابن زبیر و جابر بن عبد اللہ رحمہم و مالک و شافعی و ابو حنیفہ رحمہم کہتے ہیں کہ اس کے حصے میں سے خرچ ہوگا۔

سوال: جب ہر قسم کی طلاق میں خواہ بائن ہو خواہ رجعی خواہ وہ عورت حامل ہو یا غیر حامل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے موافق مکان کے سوا نفقہ بھی واجب ہے تو وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٌ کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس لیے کہ حمل کی مدت معمولی عدت سے زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی یوں نہ سمجھ لے کہ تین مہینے تک نفقہ دینا چاہیے پھر نہیں اس لیے یہ ذکر کرنا پڑا۔

چوتھا حکم: فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُّوهُنَّ أَجُورَهُنَّ۔ اگر مطلقہ وضع حمل کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اس کی اجرت دو۔ یہ خیال نہ کرو کہ دودھ تو ہمارے ہی حمل سے تھا مجبور کر کے بغیر اجرت دودھ پلایا جائے۔

اس حکم کی کئی صورتیں ہیں۔ اول یہی جو بیان ہوئی۔ دوسری یہ کہ عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ خاوند نے طلاق دے دی۔ اب عدت کے ایام میں نفقہ جدا دینا ہوگا اور دودھ کی اجرت جدا دینی ہوگی۔ (طلاق دینے سے کس خوبصورتی سے روکا گیا ہے)۔ تیسری یہ کہ تمہاری دوسری بیوی کے بچے کو وہ دودھ پلا دے یعنی اس کے شکم کا نہ ہو تو بھی اجرت کی مستحق ہے۔ (سب صورتوں میں جب ہی اجرت دینا واجب ہے اگر وہ طلب کرے)۔ وَاتَّبِعُوا مِيتَتَهُمْ بِمَعْرُوفٍ۔ اور باہم مشورہ سے کام کرو یعنی رضامندی ایک دوسرے کی ملحوظ رکھے کہ خاوند بہت کم اجرت دے نہ یہ زیادہ طلب کرے۔ دستور و معمول کے موافق دے اور لے۔ هَا نَ تَعَاَسَرْتُمْ فَتَسَرُّعُ لَكُمْ أُخْرَى۔ اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔

فائدہ: اور اگر عورت نہ ملے یا بچہ دودھ اور کانا نہ پئے تو عورت کو مجبوراً دودھ پلانا ہوگا اور دستور کے موافق اجرت دی جائے گی۔
فائدہ: غیر مطلقہ جو اپنے بچے کو دودھ پلا دے اس کی اجرت جدا گانہ خاوند پر واجب ہے کہ نہیں؟ اس کا کوئی حکم قرآن مجید میں بصراحت نہیں۔ جو کچھ ہو قیاسی حکم ہوگا۔

پانچواں حکم: مگر اس اجرت اور نان و نفقہ کی تعداد معین کرنا نظام عالم میں خلل انداز تھا۔ کس لیے کہ ملک اور قوم اور ولایت کے موافق ہر جگہ یکساں حکم جاری کرنے میں بڑی دقت تھی اس لیے اس کا فیصلہ بھی کر دیا۔ لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ۔ کہ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے یعنی مرد کی حیثیت خیال کی جائے اور اوسط درجہ لیا جائے۔ وَمَنْ قَدَّرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ۔ اور جو ایسا ہے کہ اس کا رزق اس کے اندازہ کے موافق ہے یعنی تنگدست ہے۔ تنگدست کو قدر علیہ رزق سے تعبیر کرنے میں تسلی کے سوا ایک لطیفہ بھی ہے تو وہ اس میں سے دے جو اس کو اللہ نے دیا یعنی وہ اسی کے موافق دے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَتَاعًا تَنَافُلاً۔ اللہ کسی کو زیادہ حکم نہیں دیتا مگر اسی قدر کہ جو اس کو دیا۔ یعنی قوت و مقدور سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ انسان پر کوئی حکم اس کی طاقت سے باہر چیز میں صادر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کم مقدور لوگوں کو تسلی بھی دیتا ہے۔ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا۔ کہ تنگی کے بعد خدا فرما دے تسلی بھی عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرضعہ کو سمجھایا جاتا ہے کہ کیا خبر یہ لڑکا تو نگر ہو جائے یا اس شخص کو خدا کشائش عطا کرے تو تیری وقت افلاس کی رفاقت کو ملحوظ رکھے اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ کوئی ہر ایک کے لیے عام حکم نہیں کہ ہر تنگدست کو فرما دے تسلی ملے گی۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایمانداروں کو دنیا کی تنگدستی اور تکلیف کے بعد فراخی اور راحت ضرور ملے گی اور جلد ملے گی۔ دنیا کی زندگی سربلج الزوال ہے لیکن آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب ہے اور وہ اس وقت بہت تنگدست تھے اپنے وعدہ کے موافق خدا نے بہت جلد ان پر فراغت کی کے دروازے کھول دیے۔ قیصر و کسری کے خزانوں اور عمدہ اشیاء اور ان کے سامان ان کے پاؤں تلے ڈالے گئے۔ یہ بشارت پوری ہوئی۔

ان احکام کو بیان فرما کر: ان کی پابندی کی تاکید کرتا ہے کہ وَكَانَ مِنْ قَرْنِهِ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرَسُولِهِ فَحَاسِبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَبْنَاهَا عَذَابًا تَنْكُرًا۔ کہ بہت سی بستیوں یعنی شہروالوں نے اپنے رب سے سرکشی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی جیسا کہ لوط کی بستیاں وغیرہ تو خدا نے ان سے سخت حساب لیا۔ ان کے اعمال بد کا گن گن کر پورا بدلہ ان کی گودوں میں ڈالا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا۔ پس ان لوگوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور انجام خسران ہوا۔ آخرت میں عذاب شدید ان کے لیے مہیا کیا گیا۔ اجڑے ہوئے شہروں اور برباد شدہ قوموں اور خاندانوں کو دیکھ کر فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ اے ہوشمند و عقل والو! اللہ سے ڈرو، اس کی نافرمانی سے بچو، عبرت کرو۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ عقلمند کون ہیں۔ الذین آمنوا وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ دراصل یہی لوگ عقلمند ہیں جن کی انجام پر نظر ہے اور یہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کافر بے عقل کیا ڈرے گا۔ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ کہ تحقیق اللہ نے تمہارے پاس ذکر یعنی مذکر (یا دولا) نے دالا سمجھانے والا) بھیجا ہے وہ کون رسول۔ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ جُتُمَ كَوَالِدِ الْآيَاتِ سَنَاتَا هِيَ جَوْصَرِخْ اور ظاہر ہیں جن میں کوئی پیچیدگی اور خلاف عقل بات نہیں۔ یا یہ معنی کہ آیات تمہارے لیے مسائل حلت و حرمت مبدعہ و معاد اخلاق و قصص سابقہ کو بیان کرتی ہیں۔ لیکن جکم من الظلمات الی النور۔ تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ مذہب باطل کی اندھیری اخلاق بد کی اندھیری رسم و رواج کی پابندی کی اندھیری خدا اور آخرت سے جہالت کی اندھیریاں عرب پر گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکال کر نور میں لائے۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا۔ پس جو اس نور میں آگیا یعنی اللہ پر ایمان لایا، اعتقاد درست کر لیا اور پھر اچھے کام کئے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا۔ دراصل یہی نور ہے جو قیامت میں آگے اور دائیں بائیں دوڑتا ہوا چلے گا اور مرنے کے بعد عالم قدس میں پہنچا دے گا۔ تکمیل قوت نظریہ و عملیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے تَوَيْدُ خَلَّةِ جَنَاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ اس کو مرنے کے بعد ایسے

کس لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں

بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۷۲

باغوں میں بسا دے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی یعنی عالمِ قدس میں باغ اور نہریں اس کی قوتِ نظریہ و عملیہ کا مظہر ہوں گی۔ خَالِدِينَ فِيهَا اَبَدًا وہاں ہمیشہ رہا کرے گا۔ ایمان و اعمال بھی اس کے ساتھ ہمیشہ تھے۔ ان کی نہریں جاری رہا کرتی تھیں۔ قَدْ احْسَنَ اللَّهُ لَكَ رِزْقًا۔ اللہ نے اس کے لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی۔ وہاں کے نعماء اور دیدارِ الہی یہ قابلِ اعتبار بات ہے کس لیے کہ اس اللہ نے خبر دی جس نے خلقِ سبعہ سموات۔ سات آسمان و من الارض مثلہن اور ان کے مانند زمین بنائی۔ يَنْزِلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ ان میں اس کا حکم نازل ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں بغیر حکمِ قضاء و قدر کے ذرہ نہیں ہلتا۔ یہ اس لیے لتعلموا اَنَّ اللہَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَاَنَّ اللہَ قَدَّ احْطٰ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم میں ہر چیز ہے پس وہ قادر بھی ہے کہ دارِ آخرت میں اپنے وعدے کو پورا کرے۔ دنیا میں مخالف کو تباہی آخرت میں رو سیاہی دے اور اس کا فرمانا خبر دینا اس کے علم کی وجہ سے صداقت پڑتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ
أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ
وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ② وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى
بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ
بَعْضُهُ ۚ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا ۚ
قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ③ إِنَّ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ
قُلُوبُكُمَا ۚ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ
الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ④

اے نبی! جن چیزوں کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے آپ ان کو کیوں حرام کرتے ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضا مندی ڈھونڈتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کا کھول دینا بھی فرض کر دیا ہے اور اللہ تمہارا مولا ہے اور وہ دانا (اور) حکیم ہے۔ اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہہ دی۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا اور اللہ نے اس کو نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کیا۔ پھر جب نبی نے اس عورت کو خبر دی تو کہنے لگی تجھے یہ کس نے بتائی۔ نبی نے کہا مجھے بڑے دانا خبر دار نے بتائی ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو (بہتر) ورنہ تمہارے دل تو مائل ہی ہو گئے اور اگر تم دونوں نبی پر چڑھائی کرو گی تو اس کا رفیق بھی اللہ اور جبرئیل اور میکائیل ہیں اور فرشتے اس کے بعد (جدا) مددگار ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر سات زمینوں سے سات اقلیم مراد لیے جائیں جہاں تاثير سیارات مختلف طور پر نمایاں ہے تو ممکن ہے مگر وہ روایات کہ جن میں سات زمینوں کا یکے بعد دیگرے ہونا اور ہر ایک میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہونا اور اخیر زمین کا مچھلی پر ہونا مذکور ہے اور اسی طرح آسمانوں کی بابت ایک یا قوت کا دو ملزمرہ کا وغیرہ ذلک یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ۱۲۱ منہ

ترکیب: تبتغی استیناف اوتفسیر لقولہ تحریم احوال من الضمیر فی تحریم والمرضاۃ اسم مصدر واصلہ مرضوۃ۔ وهو مضاف الی المفعول الی ان ترضی ازواجک والی الفاعل ای ان یرضین هن۔ ومعناہ الرضاء۔ ویکن ان ینکون الجملۃ للاستفہام الانکاری تحلۃ اصلہ تحللۃ فسکن وانعم۔ واذ فی موضع نصب باذکر فلما شرط عرف جوابہ فلما شرط قائل جوابہ ان تتوبا شرط والجواب محذوف ای فذاک واجب دل علیہ فقد صفت لان اصفاء القلب الی ذلک قریب۔ قلوبکم انما جمیع وھا اثنا لان کل انسان قلبا واما لیس فی الانسان الا واحد جاز ان یجعل الاثنان فیہ بلفظ الجمع وجاز ان یجعل بلفظ التثنی وقیل وجہ ان التثنی جمع ہو مبتداء وغیرہ ان ویجوز ان یکون هو فصلا فاما جبرئیل وصالہ المؤمنین ففیہ وجہان احدهما ہو مبتداء والخبر محذوف والثانی ان یکون مبتداء والملائکۃ معطوفا علیہ وظہیر خبر الجمع وهو واحد فی معنی الجمع ای ظہراء۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ ربط اس کا اول سورہ سے یہ ہے کہ اول سورہ میں طلاق کے احکام بیان ہوئے تھے جو عورتوں کے متعلق تھے اور نیز طلاق کے بعد جو عورت حلال تھی حرام ہو جاتی ہے اس لیے اس سورہ میں بھی عورت کی ضد و خواہش اور ہٹ اور اصرار سے مباح چیز کو اپنے اوپر ممنوع کر کے معاشرت کے دائرہ کو تنگ کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اس لیے فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ۔ اے نبی! کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہے۔ تَبْتَغِي مَرْصَاةَ أَزْوَاجِكَ اس حرام کرنے میں اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو۔ یعنی ایسا نہ کرو۔ یہ ایک قسم کی ناپسند بات ہے اللہ غفورٌ رَحِيمٌ خدا معاف کرنے والا ہے۔ اور تم جو بیویوں کے کہنے سے قسم کھا بیٹھے ہو تو قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ تو اللہ نے تمہارے لیے ایسی قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا۔ ضرور توڑ دو کس لیے کہ اللَّهُ مَوْلُكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔ اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس میں تمہیں وقت اور تنگی پیش آئے گی اور ہمیشہ کے لیے ایک مباح چیز امت میں حرام سمجھی جائے گی اور یہ اصول شریعت محمدیہ کے برخلاف ہے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ کسی چیز کو حرام و ممنوع قرار دینا اس کے عواقب امور پر نظر کر کے اسی کا کام ہے۔ پھر جس کو وہ حرام نہ بنادے تم نہ بناؤ۔ رہبانیت جس کو اسلام نے رد کر دیا اس میں کبھی یہی بات تھی کہ نفس کو تکلیف دینے کے لیے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا اسی طرح ہنود وغیرہ قوموں کے درویش کیا کرتے تھے۔ کوئی دودھ نہیں پیتا، کوئی بیٹھا نہیں کھاتا، کوئی نکاح نہیں کرتا۔ کوئی ایک قسم کی چیز جو بے مزہ ہو اور ایک قسم کا کپڑا جو بے قدر ہو پہننا شروع کر دیتا ہے اور اس کو تقرب الی اللہ اور سعادتِ آخرت کا عمدہ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ شریعت مصطفویہ نے ان باتوں کو بے اصل قرار دے کر سچے اصولی سعادت بیان کر دیے۔ وہ اخلاق و عقائد کی درستی کے بعد اللہ کی عبادت و مراقبہ و فکر و ذکر اور مخلوق کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا۔ فقراء اہل اسلام میں جو ریاضت ہے وہ اور معنوں پر مبنی ہے۔ وہ ان چیزوں کو حرام اور ممنوع نہیں قرار دیتا بلکہ مباح امور میں نفس بد کی خواہش روکنے کی مشاقی کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے یا ان کے خوشنود کرنے کو کون سی چیز اپنے اوپر ممنوع کر دی تھی اور اس کے لیے قسم کھا بیٹھے تھے اور پھر قسم توڑی کیا تھی؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرم محترم کی بابت اشارہ ہے۔ پھر کسی نے کہا وہ ماریہ قطیبہ رضی اللہ عنہا ابراہیم کی والدہ ہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان سے (جبکہ وہ اپنے والد ماجد کے ہاں گئی ہوئی تھیں) اختلاط کیا اور دونوں کو آکر حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرہ میں دیکھا اور دیکھ کر رنج کے آثار ان کے چہرے سے بیدار ہوئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوشی کے لیے یہ فرما دیا کہ میں اب سے ماریہ کے پاس ہی نہیں جاؤں گا۔ اس بات کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کے خلاف تھا۔ الہام سے آنحضرت کو یہ خبر دی گئی کہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا اور آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بات حصہ رضی اللہ عنہا کی بتلائی ہوئی کہہ دی اور کچھ اور جو اس نے اپنی طرف سے کہی تھی اس سے سکوت کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا (کس لیے کہ اس مخفی بات کو یا عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں یا حصہ رضی اللہ عنہا) آپ نے فرمایا اللہ نے جو عظیم و خیر ہے۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ ہے کہ ماریہ آپ کی حرم ہیں کس لیے ان کی خوشی سے آپ اس کو اپنے اوپر ممنوع کرتے ہیں قسم توڑ دیجئے۔ آپ نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کر دیا۔ اس بات کو نسائی و حاکم و ابن مردودہ و بزار و طبرانی و ابن سعد و ابن المنذر و بیہم بن کلب نے اپنی مسند میں وضیاء مقدسی نے مختار میں نقل کیا ہے مگر کسی نے کوئی جملہ زیادہ کیا ہے کسی نے کم اور پھر کسی کی سند ضعیف ہے کسی کی صحیح۔ لیکن امور خارجیہ پر جو نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کس لیے کہ ماریہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں جن کے پیٹ سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ صرف حصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا ان سے اختلاط کرنا نہ حصہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کوئی بری بات تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بے تصور کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص تھے۔

دوسری روایت جس کو بخاری و مسلم و غیرہ جلیل القدر محدثوں نے نقل کیا ہے اس آیت کی شان نزول میں یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہداء آئے ہوئے تھے۔ آپ کو شہد سے رغبت تھی یا آپ سحت جسمانی کے لیے مفید سمجھے ہوئے تھے۔ ہر صبح آپ زینب کے گھر جاتے اور شہد نوش فرماتے تھے اور یہ طبعی بات ہے کہ آئندہ بھی بیوی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے بھی ہوں گے، یہ بات حضرت حصہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو باہم محبت رکھتی تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا کے مقابلے پر تلی ہوئی تھیں بری معلوم ہوئی اور یہ طبعی بات ہے۔ دونوں نے شہد چھڑانے کے لیے باہم کوئی تدبیر نکالی۔ کہیں ایک نے کہہ دیا کہ آپ کے منہ سے بو آتی ہے۔ آپ کو بو سے نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کوئی بدبودار چیز نہیں کھائی صرف زینب کے ہاں شہد ضرور کھایا۔ آئندہ نہیں کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات قرین قیاس ہے کس لیے کہ عورتوں کی باہم رقابت معمولی بات ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ خصوصیت ہر روز شاق گزری۔ شہد میں کیکر وغیرہ پتوں کی اکثر خوشبو یاد ہو بھی ہوا کرتی تھی اس میں بھی ہوگی۔ پھر ایک نے نفرت دلانے کے لیے اس بات کو بڑھا کر اور زور دے کر کہا اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہوگا اور رنجیدگی بھی ظاہر کی، رنگی اور آپ نے اس کی تسلی بھی کی ہوگی۔ بیویوں کی دلجوئی معمولی بات ہے۔ آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر شہد کھانے کو اپنے اوپر ممنوع کیا اور قسم بھی کھائی ہوگی۔ پھر ایک نے دوسری سے خوب اظہار مسرت کیا ہوگا کہ لوداؤ چل گیا۔ یہ بات خدائے پاک کے نزدیک اچھی نہ معلوم ہوئی اور شان اولوالعزی کے مخالف بھی ہے اس لیے آپ کو تنبیہ ہوئی اور قسم کے توڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اب مطلب آیات کا صاف ظاہر ہو گیا اور کوئی قبح بھی پیدا نہیں ہوا۔

پھر آگے اس معاملہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ وَ اِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ اِلَىٰ بَعْضِ اَزْوَاجِهِ حَدِيثًا۔ اور جب نبی نے اپنی کسی ایک بیوی سے مخفی بات کہی۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں وہ حصہ رضی اللہ عنہا ہے اور مخفی بات شہد یا ماریہ رضی اللہ عنہا کے حرام کرنے کی تھی اور اپنے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بشارت بھی دی تھی۔ مگر یہ تحقیق کرنا کہ وہ مخفی بات کیا تھی مشکل امر ہے۔ کس لیے کہ نہ اس کو اللہ نے ظاہر کیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ تو پھر کس طرح یقین ہوا کہ یہی بات تھی لیکن قرینہ کہتا ہے کہ اسی قسم کی بات ہوگی کہ جوشو ہر اپنی بیوی سے اس کی محبت اور دوسری پر فوقیت کے بارے میں کہا کرتا ہے۔ فلما نبات بہ۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا۔ کس سے کہا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا سے وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ اور خدائے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیا۔ عَرَفَ بَعْضُهُ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار کیا کہ تجھ سے حصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے اور کسی قدر سے اعراض و سکوت کیا۔ وہ کہنی مناسب نہ جانی ہوگی۔ بہت سی باتیں خاوند ایک بیوی سے کہہ دیتا ہے جو دوسری سے کہنی مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض کہتے ہیں وہ خلافت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما

کی بات تھی جس سے مصلحت جان کر سکوت کیا۔ فَلَمَّا نَبَاَهَا بِہِ۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتادی کہ تجھ سے حصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو تعجب سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا مَنَ اَنْبَاكَ هَذَا آپ سے کس نے کہا کہ حصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے یہ کہا۔ قَالَ نَبَاَنِی الْعِلْمُ الْخَبِيرُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے علیم خبیر نے بتادیا۔ قصہ تمام ہوا۔ اب حصہ رضی اللہ عنہا کو عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں کو اس کمینی کرنے پر متنبہ کرتا ہے۔ اِنْ تَتَوْبَا اِلَى اللّٰہِ۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو بہتر کس لیے کہ فَقَدْ صَفَتْ قُلُوبُکُمَا تمہارے دل تو ضرور مائل تھے کہ آپ زینب رضی اللہ عنہا سے یہ خصوصیت ترک کر دیں، شہد نہ کھائیں یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو ترک کر دیں۔ خبردار ایسے رشک و رقابت سے باز آؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی نہ کرو۔ وَاِنْ تَطَّاهَرَا اور اگر چڑھائی کرو گی فَانَ اللّٰہُ هُوَ مُوَلُّهُ تو اللہ اس کا رفیق و چارہ گر ہے۔ وجہ ریل اور عالم ملکوت میں جبرئیل بھی چارہ گر ہے الہامات میں مؤید ہے اور ناسوت میں صَلَاحُ الْمُؤْمِنِیْنَ نیک بندے ایماندار مددگار ہیں۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور اس کے سوا ہر وقت ہر جگہ فرشتوں کا باڈی گاڈ یا حفاظتی لشکر آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ وَالْمَلَائِکَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظٰہِرُوْا کے یہی معنی ہیں۔

فائدہ: حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کر لینا جیسا کہ آیت میں لہ تحریم ما احل اللہ لك ہے امام ابوحنیفہ وغیر فقہا کبار رضی اللہ عنہم کے نزدیک یمن ہے کس لیے کہ بعد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم۔ کہ اللہ نے یمن کا کھولنا فرض کیا ہے اور یمن کا کھولنا کفارہ دینا ہے۔ اگر گناہ کی بات پر قسم کھالے یا خواہ مخواہ کسی مباح اور حلال چیز پر قسم کھا بیٹھے کہ ایسا نہ کروں گا تو کفارہ دے کر اس قسم سے الگ ہو جانا چاہیے۔ فرض اللہ لفظ بتا رہا ہے کہ ضرور اس قسم سے دور ہونا چاہیے۔ کفارہ یمن غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو اس قدر کپڑا دینا کہ نماز پڑھ سکیں اور زیادہ دے تو توفیق ہے یا دس مسکینوں کو کھانا پیٹ بھر کر کھلانا۔ اور مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔ یہ محل یمن ہے۔ بعض کہتے ہیں یمن میں انشاء اللہ کہہ دینا بھی محل ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مباح کا حرام کر لینا یمن نہیں لیکن کفارہ دینا خاص اس صورت میں ہوگا کہ جب اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے گا۔ آیت میں یہی بات تھی۔ اور اگر شہد کا معاملہ تھا تو آپ نے بعد میں اس پر حلف بھی کیا تھا اس لیے اس کو یمن قرار دیا گیا نہ محض اس لیے کہ مباح کو حرام کر لیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن کثیر) حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا کس لیے کہ آپ مغفور تھے۔ کفارہ اور یمن میں جو آئمہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عَلَيْهِ رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقْتُ اَنْ یُّبَدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُمْ مُّسْلِمٰتٍ
مُّؤْمِنٰتٍ قَنِتٍ سَبَّحَتْ عِبْدَتٍ سَبَّحَتْ ثَبَّتَتْ وَاَبْكَارًا ۝

بعض شیعہ یہاں سے حصہ وعائشہ رضی اللہ عنہما پر الزام لگاتے ہیں مگر یہ غلط خیال ہے کہ کس لیے کہ میاں بیوی میں ایسی باتیں طبعی ہیں۔ کیا حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کبھی رنجش نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات نے علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو ملا دیا بلکہ انبیاء علیہم السلام پر بھی فوقیت دے دی۔ دیکھو اس سورہ میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعزیم ما احل اللہ پر کیسی تنبیہ کر رہا ہے پھر کیا اس سے ان کی شان میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ ۱۲ منہ

فقد صفت قلوبکما کے معنی مفسرین نے یہ لکھے ہیں صحیح بخاری میں ہے صفوت واصغیت ملت لخصی التلیل صراح میں ہے صفویل کردن اس کے معنی مائل ہونے کے ہیں یعنی تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ حق سے مائل ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں باہمی سازش کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور یہی ٹھیک ہے مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے ایمان یا دین میں خلل ہو۔ ۱۲ منہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا
أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ⑥

اگر نبی تم کو طلاق دے دیں تو بہت جلد ان کا رب انہیں اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔ فرمانبرداریں ایمانداریں دعا کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ داریں گھر برتی ہوئیں اور کنواریاں۔ اے ایمان والو! اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچائے رکھو کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت تندہی فرشتے معین ہیں۔ جس کام کا اللہ ان کو حکم دیتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

ترکیب: عسیٰ من افعال القاریہ بدیعہ فاعلھا ان یدلہ الخ الجملة خبرھا ان طلقکن شرط وقع بین فاعل عسیٰ وخبرھا و عسیٰ مع اسمھا وخبرھا جواب الشرط۔ یدل بالتحقیف التشدید از واجاً منصوب لکونه مفعول یدل خیر او کذا مسلمات و مابعدھا صفات لازماً و اجا و اھلیکم عطف علی انفسکم و کلاھا مفعول اول لقولنا و مفعول ثان و قودھا الناس الجملة صفة لئلا و کذا علیھا ملائکة۔ لا یعصون اللہ الجملة صفة الملائکة تاما امرهم ماموصولة والعائد محذوف ای لا یعصون اللہ الذی امرهم بہ او مصدریة ای لا یعصون اللہ امرہ علی ان یکون ما امرهم بدل اشتغال من اللہ و یفعلون مایؤمرون بہ الجملة صفة ثانية للملائکة۔

تفسیر: اس کے بعد ازواج مطہرات کو ذرا تا جاتا ہے فقال عسیٰ وہ الخ کہ تم کسی اور خیال میں نہ رہنا۔ اگر نبی علیہ السلام نے تم کو طلاق دے دی تو اللہ تم سے بہتر اور عورتیں اس کو دے دے گا جو مسلمات حضرت کی دل سے مطیع ہوں گی یا ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا۔ مؤمنات دل میں بھی ایمان ہوگا یعنی ظاہر و باطن ایمان دار و یندار ہوں گی۔ قانتات عبادت کرنے والیاں قنوت کے معنی طاعت ہیں۔ اس سے مراد تہجد گزاریں، پنجگانہ نماز پڑھنے والیاں، دعائیں مانگنے والیاں، یعنی صرف ایمان و اسلام پر ہی بس نہیں بلکہ اس کے بعد عملی حصہ میں بھی بڑا حصہ پانے والیاں ہوں گی۔ ایمان و اسلام کے بعد اگر طاعت و عبادت نہیں تو ایمان میں رونق نہیں اور اپنی طاعت پر فخر کرنے والیاں اور بشریت سے جو قصد ہوا اس پر ہٹ اور ضد کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ ثابت توبہ کرنے والیاں ہوں گی۔ توبہ کے معنی رجوع کے ہیں گنہگار گناہ سے توبہ یعنی رجوع کرتے ہیں اور برابر ذرا دیر کی حق سبحانہ سے غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں سے اعلیٰ ترین مقامات قرب کو طے کر کے ان سے توبہ کر کے اس سے بلند زینہ پر پاؤں دھرتے ہیں۔ ہر انسان بالخصوص عورت میں یہ نہایت عمدہ وصف ہے کہ وہ اپنے قصور پر نادم ہوہٹ دھرم اور اڑیل سے امید نہیں کہ وہ اس بد بات سے باز آئے۔ عابدات یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے کہ نماز و دعا کی عبادت پر بس نہیں بلکہ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں ہوں گی۔ صدقہ و خیرات، حج و زکوٰۃ، خدمت شہر و پرورش اولاد و عزت و مال کی حفاظت، صلہ رحمی، خاندان سے ادب و خوش خلقی اور اس کی فرمانبرداری اور اس کے ساتھ ہمدردی سب عورت کی عبادت ہے۔ عبادت کے معنی ہیں تذلل یعنی پستی اور جھکنا خداوند تعالیٰ کے آگے اور اس کے بعد اپنے دنیاوی آقا کے آگے جھکنا عبادت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نرم اور خوش خلق بھی ہوں گی۔ بعض عورتیں نیک، بخت، نمازی، پرہیز گاریں تو ہوتی ہیں مگر سخت بد مزاج سرکش شوخ بھی ہوتی ہیں۔ یہ وصف خاندان کے حق میں زہر اور معاشرت کے لیے قہر ہے اور وہ اس سے بھی مبرا ہوں گی۔ سائنحات یہ سیاحت سے مشتق ہے جس کے معنی بنظر سیاحت مفسروں نے مختلف طور پر بیان کئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں روزہ رکھنے والیاں۔ روزہ میں صبح سے شام تک بھوک پیاس کے میدان کو طے کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کو بھی سائج اور عورت کو سائج کہتے ہیں۔ زید بن اسلم اور حسن بصری رضی اللہ عنہما فرماتے

ہیں اس کے معنی میں ہجرت کرنے والیاں کس لیے کہ ہجرت یعنی وطن چھوڑ کر خاص اللہ کے لیے مدینے میں عورتیں آئی تھیں یہ ان کی سیر تھی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مدینے میں ہم سے زیادہ بہتر اور بہ کون جو ہماری جگہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ زوجیت میں داخل ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ باہر سے ہجرت کر کے آجائیں۔ خدا کے ملک میں کیا کمی ہے۔ ہم کہتے ہیں معنی کو عام رکھنا بہتر ہے تخصیص کی حاجت کیا ہے۔ اب اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف زمین اور پہاڑوں کے میدان کی ہی سیر کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ دنیا اور اس کے تجملات فانیہ کے میدانوں کی بھی سیر کرنے والیاں ہوں گی۔ ان کی نگاہوں میں یہ دنیا اور اس کی آسائش بچ ہوگی۔ ہر حادثہ دہر اور انقلاب جسمانی سے وہ سبق اور عبرت لینے والیاں ہوں گی اور اس کے بعد صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو سیر آفاق و انفس بھی نصیب ہوگی۔ وہ امکان و وجود کے منازل طے کر کے بارگاہ قدس میں پہنچنے والیاں ہوں گی۔ ثبیات و ابتکار۔ ان میں سے کچھ خاوند برتے ہوئیں اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ثیب وہ مرد جو رنڈ و اہو اور وہ عورت جو خاوند کرچکی ہو عام ہے کہ پھر خاوند نے طلاق دے دی ہو یا وہ مر گیا ہو۔ ابکار بکر کی جمع جس سے مراد کنواری۔ یہ بیان امر واقعہ کے لحاظ سے ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بیوہ اور کنواری بھی تھیں ان کے جواب میں یہ کلام صادر ہوا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح حظ نفسانی سے نہیں کرتے تھے بلکہ شاعت دین کے لیے یہ جماعت زمرہ از واج مطہرات میں داخل کی گئی اور شرف زوجیت عطا کیا گیا۔ ان صفات میں عجب لحاظ رکھ کر تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ اول اجمالی طور پر خیر امنکن فرمایا گیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ از واج مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر تھیں۔ پھر ان سے بہتر اور کون عورتیں ہوں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول میں ان طلقن فرمایا ہے۔ طلاق کے بعد جب شرف زوجیت جاتا رہا تو پھر ان سے وہی عورتیں بہتر ہو سکتی ہیں جو آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

فائدہ: ان طلقن شرطیہ کلام ہے اس کے لیے تحقق شرط نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ اجمال کے بعد از واج کے اوصاف حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ اوصاف تین قسم پر ہیں۔ اول۔ ایمان و اسلام جو تمام حسنت کی اصل ہے ایمان کے ساتھ اسلام کا لفظ ظاہری و باطنی دینداری کے لیے آیا۔ قسم دوم۔ اعمال حسنة ان کو چار صفتوں میں محصور کیا۔ قانتات تائبات عبادات سماحت۔ ان میں خدا تعالیٰ کی بندگی بھی آگئی اور خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قسم سوم۔ ان کی جسمانی خوبی اور حسن ظاہری اس کے لیے یہ دو لفظ کافی تھے۔ ثبیات و ابتکار کنواری کی خوبی اور اس پر رغبت تو عام طبائع کا بھی فعل ہے مگر بہت سی بیوائیں مطلقہ اپنے ذاتی کمالات اور حسن و خوبی کی وجہ سے کنواریوں سے بدرجہا فائق ہوتی ہیں ان کا امور خانہ داری میں تجربہ اپنے ناز و ادا سے درگزر کر کے مرد کی ناز برداری و اطاعت اور پھر ہم عمری عجیب لطف دیتی ہے۔

از واج مطہرات پر تنبیہ تھی اس کے ضمن میں مردوں کو بھی نصیحت دینا لازمی تھا کس لیے کہ عورتوں کی محبت و رغبت میں اور شہوت کی آگ میں مرد دیوانہ ہو کر اصولی حسنت سے غافل ہو جاتا ہے اور جو نہ کرنا ہو وہ کرتا ہے۔ فقال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ کہ اے ایماندارو! (صرف ایمان پر نکیہ کر کے نہ بیٹھو) بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے گھریلوی بیوی اور مرغوب اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ایسے کام نہ خود کرو نہ ان کو کرنے دو جس سے جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور فرائض و واجبات کی تاکید کرو۔ صرف آپ دیندار پر ہیز گار ہونا کافی نہیں زن و فرزند کی تعلیم و تدبیر کرنی چاہیے۔ حق محبت بھی یہی ہے کیونکہ آپ جنت میں گیا یہ دوزخ میں گئے تو جدائی میں کیا لطف؟ احادیث صحیحہ میں بڑی تاکید ہے کہ اپنے گھر والوں کو بڑی باتوں سے روکو، فرائض و واجبات پر مامور کرو۔ پھر وہ آگ بھی کیسی آگ ہے؟ (۱) وَقُوهُمْ النَّاسَ وَالْحِجَارَةَ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں یعنی معمولی آگ نہیں بلکہ سخت اور تیز جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں یا یوں کہو بت پرست اور گنہگار اور ان کے جھوٹے معبود جو پتھر تھے سب جہنم میں جائیں گے کسی کے کسی کے کام نہ آئیں گے۔ (۲) عَلَیْهَا

مَلَائِكَةُ غِلَظٍ شِدَادٍ اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں سخت بدمزاج سخت دل یا بڑے قدا اور طاقت والے جن پر کوئی مجرم زور سے غالب نہیں آ سکتا نہ وہ کسی پر رحم و مہر کرتے ہیں۔ (۳) لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ۔ خدا کے حکم میں وہ ذرا بھی قصور کرنے والے نہیں نہ رشوت لیں نہ سفارش مانیں نہ کسی کی سنیں۔ (۴) وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ عیساں عیب تھا اس لیے اس کی اول نفی کی پھر طاعت کی خوبی ثابت کی۔ اس میں مشرکین عرب کے خیالات باطلہ کا ابطال ہے۔ وہ کہتے تھے فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ہم ان کو پوجتے ہیں ہم پر ضرور رحم کریں گے اور ہمارے بت ہم کو آگ سے بچالیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۚ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۚ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتَيْنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اے کافرو! (جہنم میں کہا جائے گا) تم آج باتیں نہ بناؤ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ مسلمانو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے آگے آگے ان کا نور (ایمان) اور دائیں طرف دوڑتا چلے گا کہتے جائیں گے کہ اے رب! ہمارے لیے ہماری روشنی پوری کچھ اور ہم کو بخش دے توبہ شک ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: الْيَوْمَ منصوب بہ لاتعتذرو والنصوصا فتح النون وبقراءه بضمها على الاول مصدر يقال نصحت نصيحة ونصوحا وقيل هو اسم فاعل اي ناصحه والاسناد مجازي وعلى الثاني هو مصدر لا غير مثل القعود ثم اعرايه على الوجهين النصب على الوصف للتوبه اى توبه بالغه فى النصح ويدخلكم منصوب على انه معطوف على يكفر منصوب بناصره وقرئ بالجزم عطفا على محل عسى كانه قال توبوا بوجوب تكفير سيئاتكم ويدخلكم يومه منصوب بجد خلکم اوباذکر والذین آمنوا معه معطوف على النبی وقيل مبتداء وخبره قوله نورهم على الاول الجملة (نورهم الخ) حالیه اومتانفة لبیان حاکم۔
يقولون خبر ثان او حال۔

تفسیر: یہ تمبر ہے کلام سابق کا کہ ملائکہ اس روز عذاب کریں گے اور سخت و تند ہوں گے ان کے عذاب پر کفار معذرت کریں گے۔ ان کے جواب میں کہا جائے گا (ملائکہ کہیں گے) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا الخ کہ اے منکرو! آج عذر نہ کرو، باتیں نہ بناؤ کس لیے کہ آج معذرت کا دن نہیں (معذرت توبہ ہے) اس کا موقع دنیا میں تھا سو سز رگیا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ تم کو ناحق نذاب دیا جاتا ہے کس لیے کہ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی تمہارے اعمال بد کی سزا ہے جو بویا تھا اس کو کاٹ رہے ہو۔ دنیا میں اعمال بد کی برائی چنداں ظاہر نہ تھی اب حجاب کھل گیا۔ وہ برائی آنکھوں کے سامنے آگئی۔

توبہ نصوح: اس لیے ایمانداروں سے شفقت کی راہ سے فرماتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا**۔ کہ اے ایمان والو! دنیا میں توبہ کا وقت ہے بشریت سے جو کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرو توبہ بھی کیسی توبہ نصوح یعنی خالص سچے دل سے۔ حسن **بُورَئِيَةٍ** کہتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ اس گناہ کو برا اور مکروہ جاننے لگے جس کو مغرب جان کر کیا تھا اور جب یاد کرے تو استغفار کرے۔ کبھی کہتے ہیں توبہ نصوح دل میں ندامت زبان سے استغفار اور اس کام سے باز رہنا۔ سعید بن جبیر **رَضِيَ** کہتے ہیں توبہ مقبولہ کا نام توبہ نصوح ہے۔ حضرت عمر **رَضِيَ** سے کسی نے پوچھا کہ توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا برے کام سے باز آنا اور پھر اس کو نہ کرنا۔ امام احمد و ابن مردویہ **رَضِيَ** نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توبہ گناہ سے یہ ہے کہ پھر نہ کرے۔

اس کے بعد توبہ کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ **عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنْ يَسْفِطَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ** کہ امید ہے اللہ تمہارے گناہ تم سے مٹا ڈالے ان کو محو کر دے، توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ اور پہلی کتابیں بھی اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ابطال کفارہ مسیح کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ جملے میں صاف تصریح ہے کہ ”اگرچہ تمہارے گناہ قمری ہوں پر برف کی مانند سفید ہو جائیں گے“۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو توبہ کا حکم دیا اور تاکید فرمائی۔ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ انجیل متی باب چہارم جملہ ۱ ”اگر توبہ سے گناہوں کے معاف ہونے کی امید نہ تھی تو پھر اس کا فائدہ کیا تھا؟“ مگر بعد میں پولس اور اس کی امت نے ایک عجب مسئلہ گھڑا کہ توبہ سے گناہ نہیں معاف ہوتے معافی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سب کے گناہ اپنے اوپر اٹھائے اور پھانسی پائی اور ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے۔ اب سب کے گناہ جو مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے معاف ہیں اس کو کسی عمل خیر کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اعمالِ حسنہ لعنت کا باعث ہیں۔ اس کو یہ کفارہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ کیا برا اعتقاد ہے؟ کیا ایسا شخص سفاکی بذاتی حرام کاری میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا۔ پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے آنے کا فائدہ کیا ہوا؟

توبہ کے بعد حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ توبہ فرض ہے دیر نہ کرے موت کا پتا نہیں کہ کب آجائے۔ پھر دوسرا نتیجہ توبہ کا ظاہر کرتا ہے **وَيُذْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** اور تم کو ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بہشت عالمِ قدس ہے اس میں جانے سے انسان کی کثافت ہی مانع ہے جو توبہ کے بعد دور ہو جاتی ہے۔ یہ کس روزِ یومہ لَا يَخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ۔ جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہ کرے گا۔ اس میں تعریض ہے کہ نبی اور اس پر ایمان والوں کے سوا اور لوگ رسوا ہوں گے۔ یہ جو آج تمہارے خیالی معبود اور گمراہ کنندہ بڑے بڑے دعوے کر رہے ہیں کہ قیامت میں ہمارا جھنڈا ہوگا اور خیمہ ہوگا ہم اپنے ماننے والوں کو اس کے تلے لے کر عذاب سے بچالیں گے۔ یہ غلط بات ہے وہ خود رسوا ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے مرید بھی۔ قیامت کو ظلمت ہوگی اور کسی کے پاس کوئی روشنی نہ ہوگی مگر نبی اور اس کے تبعین کے پاس۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ **نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَنْفُسِهِمْ**۔ ان کی روشنی (جو ایمان اور توبہ اور عمل خیر کی روشنی ہوگی) ان کے آگے آگے اور دائیں طرف سے دوڑتی ہوئی چلے گی اور اس ظلمانی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ آگے اور دائیں کی قید سے یہ مرا نہیں کہ اور طرف روشنی نہ ہوگی بلکہ ہر طرف مگر یہ دو جہت عمدہ ہیں اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اس کی کیفیت سورہ حدید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ریاکاروں، منافقوں کی روشنی اس روز چمک کر گل ہوگی تو دعا کریں گے۔ **رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**۔ کہ اے ہمارے رب! ہماری روشنی پوری کیجئے۔ رستہ میں گل نہ ہونے پائے اور ہم کو بخش دے تو ہر بات پر قادر ہے۔

یہ ہیں توبہ کے نتائج جس کی طرف ایمانداروں کو منکروں کی اندوہناک حالت بیان فرما کر ترغیب دلائی گئی ہے۔ قیامت کو اندھیرا ہونا اور ایمان کی روشنی میں اس سے رستہ طے کرنا اور جنت میں جانا اور وہاں حیات ابدی اور ہمیشہ کی شادمانی حاصل کرنا ایک مسلمہ مسئلہ ہے جس کو تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرو اور برگزیدہ بیان کرتے آئے ہیں جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ انسان کو عدم سے ہستی میں لایا ہے اور عدم ایک ظلمانی عالم ہے۔ اس کے صفات کاملہ جو اس کو پروردگار کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں وہ اس کا جمیع معاملات میں نور ہیں جو اس کو تمام ظلمانی اور پر تاریک وادیوں میں سے نکال کر راہ مقصود پر چلانے اور منزل مقصود تک پہنچانے کا عمدہ ذریعہ ہیں۔ دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد عالم قبر میں بھی اور حشر میں بھی اور ایماندار کو لازم ہے کہ ہر دم یہی دعا کرے۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ خدا نہ کرے کہ یہ نور کسی کا بجھ جائے اور وہ اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا پھرے اور فتن و فجور کے خطرناک گڑھوں میں جا گرے اور شہید مقصود رب العزت تک نہ پہنچے۔ الہی میں بھی یہی دعا کرتا ہوں قبول کر آمین۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا أُوْلَهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ④ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ
وَأَمْرَأَتَ لُوطٍ ۚ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَهُمَا
فَلَمْ يُغْنِيا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدَّٰخِلِينَ ⑤ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ ۖ
إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ
وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ⑥ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي
أَخْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ
رَبِّهَا وَكُتِبَ عَلَيْهَا إِتْقَانُ ⑦

وقف لازم

نوح

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اللہ کافروں کے لیے ایک مثال بیان فرماتا ہے نوح اور لوط کی بیوی کی۔ وہ ہمارے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں پھر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ سو وہ اللہ کی مار سے بچانے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دونوں کو اور جنہیوں کے ساتھ دوزخ میں ڈال دو اور اللہ ایمانداروں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دو مجھے فرعون اور اس کے کام سے بچاؤ اور مجھے ظالموں سے رہائی دیجو۔ اور مریم عمران کی بیٹی (کی بھی مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور عبادت کرنے والوں میں سے تھی۔

ترکیب: امرات نوح معطوف علیہ وامرات لوط معطوف وکلاهما مفعول اول لضمیہ مثلاً مفعول ثان واما اخر المفعول الاول لتصل

بہ ماہو تفسیر لہ والیضاح لمعناہ۔ ویسکن ان یكون امرات نوح وما بعد ہا بلعن مثلاً اویمان لہ کانتا ہذہ جملۃ مستافہ مفسرۃ لضرب المثل امرات فرعون مراغرا ہذا اذ ظرف لثلاً او نضرب عندک حال من ضمیر المستکتم اومن بیتا لتقدم علیہ فی الجنة بدل او عطف بیان لقولہ عندک او متعلق بقولہ ابن۔ و مریمہ ای اذ کر مریم او مثل مریم من القانتین من للتبغیض و یجوز ان یكون لا بداء الغایۃ۔

تفسیر: پہلے ذکر ہوا تھا کہ اے ایماندار تو بہ خالص کرو تا کہ تمہارا عاقبت میں بھلا ہو اور منافقوں کی بھی اصلاح مقصود تھی جس کا ذریعہ کفر و بدکاریوں سے توبہ و استغفار ہے مگر یہ بھی انسانی خاصہ ہے کہ وہ بدی سے کبھی محض وعظ و نصیحت سے باز نہیں آتا۔ وہاں مشفق اور دردمندنا صبح کو بشرط قدرت یہ بھی کرنا ضرور ہے کہ اس کو دھمکا کر ڈرا کر اس بدی سے روکے۔ جب نادان شخص ہمارے سامنے سکھیا ہاتھ میں لے کر کھانے کو تیار ہے اور ہماری نصیحت سے باز نہیں آتا پھر ہماری دردمندی کا یہ متقاضی نہیں کہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں اور اسے مرتے دیکھیں بلکہ دھمکا کر مار کر ہاتھ سے چھین لیں اس لیے خدا تعالیٰ اپنے نبی رحیم و کریم کو ان نادانوں کی بابت حکم دیتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** کہ اے نبی ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ (۲) اور ان پر سختی کر۔ جہاد علم لفظ ہے اس میں زبانی نصیحت اور دلیل و حجت سے الزام قائم کرنا بھی شامل ہے اور جو مخالف شمشیر بکف ہو کر مقابلہ میں کھڑا ہو تو وہاں اس کے لیے تلوار سے بھی کام لینے کو شامل ہے۔ اور سختی کرنے سے گالیاں دینا سخت کلامی یا بد مزاجی کرنا مراد نہیں کیونکہ یہ باتیں شانِ مصطفویہ و اخلاقِ محمدیہ سے بہت دور ہیں اور اس سے کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلتا بلکہ الطاف و عنایت کے حصے سے محروم کرنا اور بے توجہی اور عدم التفاتی کے چابک لگانا اس کا بڑا اثر پہنچتا ہے۔ جہاد کفار کے لیے۔ و اغلظ منافقوں کے لیے۔ منافقوں سے جہاد نہیں کیا گیا کس لیے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے اور جو اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو **مَا ذُهِبَ جَهَنَّمَ وِبَنَسِ الْمَصِيرِ** ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

کفار و منافقین میں سے ایسے بھی لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبول صحابہ رضی اللہ عنہم کی قربت پر نازاں تھے اور اس قربت اور ظاہری اختلاط و کونجالت کے لیے کافی جانتے ہوئے یا یوں کہو ایمانداروں کو توبہ خالص کا حکم دیتا تھا مگر ممکن تھا کہ بعض ایماندار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت ہی کو بس سمجھ کر عمل صالح سے ست و ارتکابِ منہیات میں دلیر ہو بیٹھیں اس لیے ان کے لیے خدا تعالیٰ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان کرتا ہے۔ **فَقَالَ صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتُ نُوحَ وَ امْرَأَتُ لُوطَ۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ۔** کہ وہ باوجودیکہ ہمارے دو نیک بندوں کے نیچے تھیں۔ یعنی حکم اور زوجیت میں تھیں اور یہ ایک بڑی قربت ہے جس میں اندرونی و بیرونی کوئی پردہ بھی نہیں رہ جاتا۔ خاوند بیوی میں جو کچھ اتحاد ہوتا ہے اور جہاں تک اس کی رسائی ہوتی ہے کسی کی بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطری بات ہے مگر جبکہ **فَخَانَتَا هُمَا** ان کی خیانت کی۔ یہ مراد نہیں کہ زنا کاری کی (کس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کسی نبی کی بیوی نے کبھی ایسا کام نہیں کیا) بلکہ اطاعت و انقیاد و ایمانی و دینی کا حق ادا نہیں کیا جس کو خیانت سے تعبیر کرنا ایک عہدہ استعارہ ہے۔ **فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔** پھر وہ نیک بندے نوح اور لوط علیہما السلام اپنی بیویوں کے کچھ کام خدا کے مقابلے میں نہ آئے۔ عذاب الہی سے نہ بچا سکے۔ دنیا میں نوح علیہ السلام کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی، لوط علیہ السلام کی بیوی نمک کا کھمبا ہو گئی یعنی اس پر بھی وہی آفت آئی جو اس قوم پر آئی سب ہلاک ہوئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا، آخرت میں حکم ہوا۔ **ادْخُلُوا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ** کہ اور جہنمیوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں جاؤ۔ آگ میں ڈال دی گئیں۔

فائدہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی مرنے کے بعد جہنم اور جنت ہے اور یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

فائدہ: اس میں ایک لطیف سا اشارہ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کی طرف بھی ہے کہ تم دونوں نے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مشورہ کیا تھا درو اور نوح اور لوط کی بیویوں کا حال سن کر عبرت کرو۔ اس کے بعد ان دونوں نیک بیویوں نے کبھی رشک و رقابت میں آکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دمِ آخر تک حضرت ﷺ ان سے خوش رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر تھا کہ روح اطہر نے پرواز کیا۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ ابدًا۔

فائدہ: اولادِ اولیاءِ کرام و بزرگانِ دین و حضراتِ ساداتِ عظام کو بھی تنبیہ ہے کہ قربت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قربت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے اے فاطمہ اس بات پر تکیہ نہ کرنا کہ میں محمد (ﷺ) کی بیٹی ہوں خدا کے معاملہ میں میں کام نہ آؤں گانیک کام کر۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں ایمانداروں کے لیے دُنیک بیویوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو دنیا داروں کے بچہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمانداری اور نیکی سے باز نہ آئیں بعض مسلمان مرد یا عورتیں کفار کے بچہ میں تھے اور اس کو ایک عذر سمجھتے ہوں گے ان کے لیے یہ مثال از حد نافع ہے اس لیے تخصیص فرماتا ہے وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔ کہ ایمانداروں کے لیے مثل بیان کرتا ہے کس کی مثال؟ امراتِ فرعون۔ فرعون کی بیوی کی۔

توریت موجودہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے نکال کر پرورش کرنا فرعون کی بیٹی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ فرعون موجود کی بیوی اگلے فرعون کی بیٹی ہو۔ دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ بیگمات جو خاندانی اور بادشاہی نسل کی ہوتی ہیں ان کو شہزادی کہا کرتے ہیں اگرچہ وہ ایک شاہ کی بیوی بھی ہوتی ہیں۔ توریت میں فرعون کی بیوی کا ایمان لانا اور یہ دعا کرنا مذکور نہیں۔ مگر مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقعہ گزرا نہیں۔ توریت مذکور میں سینکڑوں واقعات نہیں اور سینکڑوں واقعات میں مبالغہ اور غلطی بھی ہے جس کو اہل کتاب کی دیانت یا غفلت سمجھنا چاہیے۔

مورخین اسلام نے نقل کیا ہے کہ اس وقت کے یہود نے تسلیم کر لیا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھی پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کھلم کھلا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر کمال غصہ آیا کہ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔ وہ کجخت اس نیک بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا مگر وہ سب تکلیفوں کو برداشت کر کے اپنے ایمان اور خدا پرستی پر قائم تھی مگر جب از حد مجبور ہو گئی تو یہ دعا کی۔ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ يَتِيْمًا فِي الْبَيْتَةِ۔ کہ اے رب! مجھے دنیا سے اٹھالے اور اپنے پاس بلا لے اور میرے لیے اس شاہی گھر کے بدلے اپنے پاس جنت میں گھر بنا کہ میں سدا وہاں رہا کروں۔ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ۔ اور جنت فرعون سے اور اس کے کام سے نجات اور خلاصی دے یعنی موت دے۔ فرعون کا کام کفر اور تکلیف دہنا تھا۔ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ۔ اور فرعون کیا تمام خاندان ہی ناپاک اور موزی ہے وہ بھی طرح طرح سے ایذائیں دیتے ہیں ان سے بھی مجھے نجات دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ مگر روایات سے معلوم ہوا کہ قبول ہوئی اور خدا پاک نے اس کو خواب یا بیداری میں جنت کا گھر دکھا دیا اور اس کی روح پرواز کر کے وہاں چلی گئی۔

وَمَرْيَمُ ابْنَتْ عِمْرَانَ۔ اور مریم عمران کی بیٹی کا بھی حال بیان کرتا ہے اور اس کی بھی تمثیل دیتا ہے۔ مریم کون تھی؟ اَلَّتِيْ اٰحْسَنَتْ فَرْجَهَا۔ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یہود ان پر زنا کی تہمت لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نو: ۱۰۶) حرامی کہتے تھے۔ اس کی پاکدامنی کے سبب فَفَتَحْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونک دی جس سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ فیہ کی ضمیر فرج کی طرف راجع ہے اور فرج کا اطلاق اس جگہ عضو مخصوص پر نہیں کس لیے کہ محاورہ عرب میں کرتے اور اس کے دامن یا گریبان کو بھی فرج سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں فیہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض قرأت میں فیہا مونث کی ضمیر ہے۔ اس کا مرجع نفیس عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

کس لیے کہ نفس مَوت ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھی رجوع ہو سکتی ہے کس لیے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے اندر روح پھونکی گئی تھی جس سے حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

مراد یہ کہ روح ڈال دی گئی چونکہ روح حیات کا باعث ہے وہ تمام جسم میں منتشر ہو جاتی ہے جس طرح کہ ہوا پھونکنے سے تمام ظرف میں منتشر ہو جاتی ہے اس لیے اس کو دفع سے تعبیر کیا جو ایک عمدہ تشبیہ ہے۔ من روحنا کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ کی روح کا کوئی جز مریم علیہا السلام کے پیٹ میں ڈال دیا گیا جس سبب سے عیسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں بلکہ روح کی نا ضمیمہ تشکم کی طرف اضافت تشریف و تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ خدا کا گھر ناقۃ اللہ اللہ کی اونٹنی۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کسی گھر میں رہتا اور کسی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے عزت دینے کے لیے کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا عام محاورہ ہے۔ بادشاہ عمدہ غلام یا عمدہ گھوڑے کو کہہ دیا کرتا ہے ہمارا غلام ہمارا گھوڑا۔

حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر باپ کے بیٹا جننے کی فرشتہ نے خبر بھی دی تھی اس نیک عورت نے اس کی تصدیق کی وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا اپنے رب کی باتوں کو سچا جانا اور کتبہ اس کی فرستادہ کتابوں پر بھی ایمان لائی پہلی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور تھا۔ یہ اس کے ایمان کی کمال قوت ہے۔ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ اور وہ عبادت کرنے والیوں میں سے تھی۔ بیت المقدس میں جو جماعت مردوں کی شب و روز عبادت میں رہتی تھی۔ مریم علیہا السلام بھی ان میں سے تھی یا یہ کہ وہ عورت تھی مگر مردانہ تھی اس لیے قانتین فرمایا نہ قانتات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں میں افضل مریم آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی و خدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخر جہ احمد و الطبرانی والحاکم) صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سے آسیہ فرعون کی بیوی و مریم عمران کی بیٹی و خدیجہ بنت خویلد اور عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ شریکؓ کی سب کھانوں پر۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْرُ ② الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۚ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۚ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيْرٌ ④

ان چار عورتوں کی مثال میں بہت فوائد ہیں۔ از انجملہ یہ کہ کسی کی نیکی بد کو فائدہ نہیں دیتی اور بد کی بدی نیک کو مضرت نہیں پہنچاتی۔ از انجملہ یہ کہ نیکیوں کی صحبت کبھی بدوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتی۔ از انجملہ یہ کہ عورت کی عصمت و عفت نیک نتائج پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے ہوا از انجملہ یہ کہ حق سبحانہ کی طرف تضرع اور رجوع کرنا سنگین و مصائب سے نجات دیتا ہے اور ہر حال میں حضرت ازیلہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (از کبیر) ۱۲ منہ شریک روئیاں تو زکریاؑ کو شورشے میں بھگو کر عرب کھاتے ہیں اس کھانے کو شریک کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کھانوں سے مرغوب تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تشبیہ دی۔ ۱۲ منہ

بارک ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں (دارین کی) سلطنت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کس کے اچھے کام ہیں؟ اور وہ (بڑا) زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔ جس نے کہ سات آسمان اور تہ بنادیے (اے نظر کرنے والو!) رحمان کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی فرق نہ دیکھا تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے کوئی شکاف دکھائی دیتا ہے۔ پھر دوبارہ دیکھ (راصل یہ) ہوگا کہ تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔

ترکیب: تبارک تفاعل من البرکۃ وہی السماء والاریا و حسیۃ کانت اوعقلیۃ و کثرۃ الخیر و دوامہ ایضا وصیغۃ التفاعل للمبالغۃ فی ذلک الملک مبتداء بیدہ خبر والجملة صلة الذی وهو فاعل تبارک وهو علی کل شیء قدير الجملة معطوفة علی الصلة مقررۃ لمضمونہا لیلو کہ واللام متعلقۃ بخلق ایکم مبتداء احسن عملا خبرہ والجملة واقعة موقع المفعول ثانیا لفعل الیلو المتضمن معنی العلم الذی خلق سبع سموات قبل هولت للعریز الغفور اویان اوبدل والاوجه انه نصب اور فع علی المدح متعلق بالموصوفین السابقین وان کان منقطعاً عنہما اعراباً۔ طباقاً صفة سبع سموات ای مطابقة علی ان مصدر وصف یہ المفعول او مصدر موكلم كخوف هو صفتها ای طوبقت طباقاً۔ اوقات طباق جمع طبق کجل و جبال او طبقۃ کرجیہ و رحاب مائری صفة اخرى السبع سموات و قری تقوت و مضاهما واحد کرتین مصدر ای رجعتین والمراد بالتثنية التکریر والتکثیر کما فی لیک وسعدیک ینقلب مجزوم لکنہ جواب الامر خاساء بعید عن اصابة الطلوب کانه طرد عنه طردا بالصفا حال من البصر وهو حسیر چال فیل بمعنی فاعل من الحسر وهو الاعیاء بقال حصر بصرہ بتکسر حوزای کل وانقطع وبلغ الغایۃ فی الاعیاء۔

تفسیر: اس سورۃ کا نام سورۃ تبارک اور واقعہ اور منجیہ ہے۔ تبارک اس لیے کہ یہ لفظ اس کے اول میں ہے اور اس کے پڑھنے اور عمل کرنے والے کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ واقعہ اور منجیہ اس لیے اپنے پڑھنے والے کو ضلالت سے دنیا میں عذاب سے آخرت میں بچاتی اور نجات دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں تیس آیت ہیں جنہوں نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ بخشا گیا۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے (رواہ احمد والترمذی والبودادہ والنسائی وابن ماجہ)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ قائم کیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے وہاں ایک آدمی کو سنا کہ تبارک الذی پڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کو تمام کیا۔ تب اس صحابی رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا یہ سورہ مانعہ ہے یہ منجیہ اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک کہ الم تنزل وتبارک الذی بیدہ الملک تمام نہ کر لیتے تھے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)۔

رحمانیات ربانیات: یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد سورۃ حاقہ و سورۃ معارج نازل ہوئی۔ مگر حسن بصری رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی لیکن کلام کا طرز کہہ دیتا ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ سورہ رحمانیات سے ہے کہ بجائے اسم ذات کے اسم الرحمن اس میں مستعمل ہے اور دیگر سورتیں کہ ان میں اسم رب کا استعمال ہے ان کو ربانیات کہتے ہیں۔

رابط: اس سورۃ کا اس سے پہلے سورۃ تحریم سے متعدد وجوہ سے ہے جو تامل کرنے سے واضح ہو سکتی ہیں۔ از انجملہ یہ کہ پہلی سورۃ میں آداب و شرائط مرد و عورت کے مذکور تھے کہ عورت کو مرد کی مخالفت نہ چاہیے اور مرد کو لازم ہے کہ اہل و عیال کو معاصی سے روکے اور ان سے لڑ کر یا ان کی رضامندی کے لیے حکم الہی میں کوتاہی نہ کرے۔ لہذا تَحْوَماً مَا أَحَلَّ اللَّهُ۔ اس سورۃ میں لوازم و آداب خدائی مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی ریاست مذکور تھی یہاں تمام عالم کی جہانداری مسطور ہے۔ از انجملہ یہ کہ اس سورۃ میں مرد و عورت کی خانہ داری مذکور تھی اور یہ بھی کہ باوجودیکہ مرد گھر بنا تا عورت کے لیے رزق و آسائش کا سامان کرتا ہے مگر پھر بھی وہ ذرا سی خلاف طبع بات پر بگڑ بھٹکتی ہے اور مرد کو اس کے فرائض منصبی ترک کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس سوزہ میں یہ بتلایا گیا کہ خدا تعالیٰ بادشاہ حقیقی ہے، موت و حیات کا مالک ہے، دنیا کا گھڑ

آسمان وزمین اسی نے بنائے۔ اس گھر کو قدیلوں سے آراستہ کیا، رزق و روزی کے سامان پیدا کئے، دار آخرت کا رستہ بتانے والے ہادی بھیجے اور پھر ہر طرح سے اس کا قبضہ و قدرت ہے مگر اس کے بندے اس کی کیا کیا نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کی خدائی میں ادوروں کو حصہ دار ٹھہراتے ہیں مگر وہ دنیا میں اس پر بھی کسی کے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا، درگزر کرتا ہے۔ اس میں بالادستوں کو تعظیم ہے کہ زیر دستوں پر رحم کیا کریں اور اپنے بالادست کی نافرمانی سے باز آئیں ورنہ ایک دوسرے جہان میں جہنم کے قید خانہ میں سزا بھگتتی پڑے گی اور اس مخالفت و نافرمانی سے اس کی بادشاہت میں کوئی بھی قصور نہیں آتا۔ از انجملہ یہ کہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کی زیادہ توجہ ان چند مسائل کی طرف ہے۔

اول خدا تعالیٰ کی توحید و صفات کا مسئلہ۔

دوم دار آخرت کا مسئلہ کہ وہ ایک جہان ہے جہاں جا کر برے بھلے کاموں کی جزاء و سزا پانی ضرور ہے۔

سوم نبوت کا مسئلہ کہ اس نے دنیا میں بندوں کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں۔

چہارم اصلاح معاش کا مسئلہ کہ دنیا میں ایسا کرنا چاہیے منجملہ ان کے حقوق زوجیت و خانہ داری کے طریقے بھی ہیں۔ اور قرآن مجید میں کمال یہ ہے کہ ان مسائل کو مختلف عنوان اور نئے نئے اسلوب سے موٹی موٹی نظیروں اور عام محاوروں اور مشہور قصوں اور لوگوں کے مسلمہ واقعات اور ذہن میں بیٹھے ہوئے علوم و خیالات میں بیان کر جاتا ہے جس سے عالم و جاہل اپنے اپنے مذاق کے موافق لطف حاصل کرتے ہیں۔ سورہ تحریم میں ابتداء مسئلہ معاش کی تھی اور بعد میں اور مسائل بھی ضمناً بیان ہوئے تھے۔ اس سورہ میں ابتداء مسئلہ مبدء حق سبحانہ کی ذات و صفات سے کی گئی اور اس کے بعد اور مسائل بھی بیان کئے گئے اور معاد کے مسئلہ کا بھی ثبوت کیا گیا تاکہ اس بادشاہ حقیقی سے ڈر کر ہر کوئی مسئلہ معاش کے قوانین و دستورات کی پابندی کرے اور بھی وجہ ہیں۔ فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ بڑا بابرکت ہے وہ جس کے قبضہ میں ملک ہے برکت خیر کثیر و افزائش و دوام مبارک جس میں یہ برکت ہو۔ دنیا میں جس کے پاس مال و اولاد زیادہ ہو اس کو کہتے ہیں اس کے مال و اولاد میں برکت ہے اور جو یہ چیزیں جلد جاتی رہیں کہتے ہیں اس کے مال و اولاد میں برکت نہ ہوئی۔ اور ہر چیز اپنے موقع پر کام آئے اس میں بھی برکت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ فضول خرچی سے جو مال اڑ جائے کہتے ہیں برکت نہ ہوئی یا بے موقع صرف ہو تب بھی کہتے ہیں برکت نہ ہوئی۔ انہیں لحاظ سے علم کی برکت عمر کی برکت ہے خیر کثیر اور موقع پر استعمال اور شمر بتاج ہونا اور دوام یہ چار باتیں برکت کے معنی میں ملحوظ ہیں جو شخص اس جہان زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہو اور جس نے دنیا میں طرح طرح کی مخلوق پیدا کی ہو اور پھر ہر ایک کی روزی و رزق اور ان کے سامان عطا کرتا ہو اس سے زیادہ بابرکت کون ہے کہ اس قدر صرف پھر بھی اس کے ہاں کمی نہیں۔ اس لیے لفظ تبارک فرمایا گیا جس کے معنی زیادہ برکت والا۔ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ گویا تبارک کے دعویٰ پر ایک واضح دلیل ہے۔ ملک۔ عالم محسوسات آسمان وزمین حجر و شجر انسان و اشجار و اجار یعنی عالم اجسام۔ ملک جب اس کے ہاتھ یعنی قبضہ میں ہے تو اس کے بابرکت ہونے میں کلام ہے اور اس لیے تَبَارَكَ الَّذِي يَتَبَارَكَ الرَّحْمَنُ نہ فرمایا ورنہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا عالم ملک کو جب تصور کیا جائے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ اس کے فیضان و انعامات کے دریا رواں ہیں اور پھر ہر روز ترکیات نادرہ و اوضاع عجیبہ امکان سے فعلیت کے مرتبہ میں ظاہر ہو رہے ہیں ان کو بھی خیال کیا جائے تو بے اختیار دل کو اس کی طرف کشش پیدا ہو اور روح پکار اٹھے کہ تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی؟ عالم ملک کے لیے بلحاظ فیض رسانی لفظ تبارک مناسب ہے جیسا کہ عالم ملکوت کے لیے (جو نفس ناطقہ سے لے کر قلم اعلیٰ تک ہے یعنی عالم ارواح) باعتبار تنزیہ و تقدیس کے جو روحانی عالم کے لیے مناسب ہے لفظ تسبیح زیبا ہے۔ چنانچہ سورہ یس کے اخیر میں فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ فرمایا۔ وَهَلْ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ نہ کہا بییدہ الملک میں اس طرف وہم جاسکتا تھا کہ موجودہ عالم اجسام پر اس کی بادشاہی ہے اس سے بڑھ کر اور قدرت اس میں نہیں اس لیے ترقی دی گئی۔ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہ وہ ہر شے پر قادر

ہے۔ ایسے ایسے اور سینکڑوں عالم پیدا کر سکتا ہے، اس عالم کو فنا کر سکتا ہے، اس میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے، جہاں تک تمہارے فہم کو بھی رسائی نہیں وہاں تک بلکہ اس سے بھی پرے تک اس کی قدرت کا جھنڈا قائم ہے۔

شے: شے کے لفظ میں علماء نے بہت کلام کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں لفظ کے لحاظ سے شے ممکن کو کہتے ہیں جس سے واجب اور متمنع خارج ہیں اس لیے اس کو اپنی ذات پر قادر مان کر یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی صفات کو نیست کر سکتا ہے غلط خیال ہے۔ کس لیے کہ وہ اور اس کے صفات واجب ہیں ممکن نہیں اور ممکن نہیں تو شے کا اطلاق بھی ان پر جائز نہیں۔ اسی طرح محالات عقلیہ بھی کہ اپنے جیسا دوسرا بھی پیدا کر سکتا ہے وغیرہ قدرت کے تحت میں نہیں اس لیے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت ہی نہیں اس کی قدرت میں کوئی قصور نہیں۔ بعض کہتے ہیں شے موجودہ کو کہتے ہیں جس میں ممکن اور واجب دونوں شریک ہیں نہ متمنع۔ پھر ان اصول پر علماء کلام نے بہت سی تفریعات قائم کی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کسی کی کیا قدرت ہوگی کہ عالم وجود (جس میں فلک و ملکوت ہیں) اور عالم عدم دونوں اسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے۔ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ۔ کہ اس نے موت یعنی عالم عدم اور حیات یعنی عالم وجود بنایا۔ یا یوں کہو اس نے اپنی برکت کا اظہار دو جملوں میں کیا۔ اَوَّلَ الَّذِي يَبْدِئُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ جس سے تمام نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا جملہ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ہے۔ اس میں عالم آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کے دن کی حیات گویا ایک جملہ میں اس جہان کی بادشاہت کا ثبوت تھا تو دوسرے میں اُس جہان باقی کی بادشاہت کی طرف ایماء ہے۔ پھر جو دونوں جہان کا بادشاہ ہو اس سے زیادہ کون مبارک ہے؟ اس لیے ہر حال میں اس کی طرف تہنیتی ہونا چاہیے۔ اس تقدیر پر موت کا مقدم کرنا اور حیات کا مؤخر کرنا بھی ہر ایک کی تقدیم و تاخیر ذاتی پر مبنی ہے کس لیے کہ دنیا کی موت اول ہوتی ہے۔ پھر آخرت کی زندگی ہوگی۔ یا یوں کہو کہ جملہ ظہور و برکات الہیہ کے ایک برکت انسان کو اپنا مظہر بنا کر علم و ادراک سے مزین کرنا اور خلافت کی کرسی پر بٹھانا ہے مگر پوری برکت یہ ہے کہ عالم باقی کے لیے نیک کاموں پر بھی اس کو آمادہ کر دینا چاہیے اس لیے برے کاموں سے روکنے والی اور نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی چیز کو ذکر کیا کہ اس نے موت اور زندگی بنائی۔ دنیا کی زندگی مراد لی جائے تو موت کو اس لیے مقدم کیا کہ موت کو خیال کرتا ہے اور اس چند روزہ زندگی کو بچ سچھے۔ دوم یہ کہ اس جہان میں ذاتی اور حیات عارضی ہے اور ذاتی عارضی پر مقدم ہوتا ہے اور اگر موت سے مراد وہ حالت لی جائے جو نطفہ میں تھی یعنی انسان جس وقت نطفہ تھا تو بھی موت مقدم ہے۔ حیات تو نعمت ہی ہے مگر دنیا میں موت بھی اس کے برکات کا مظہر ہے۔ کس لیے کہ اگر موت نہ ہو۔ اول تو یہ قوائے جسمانیہ سو دوسو برس کے بعد بلکہ اس سے پہلے بیکار ہو جائیں اور زندگی وبال ہو جائے۔ دوم دنیا میں بہت لوگوں کی موت دوسروں کے لیے راحت ہوتی ہے۔ سوم دارِ آخرت کی زندگی اس کو زوے پھل کھانے پر موقوف ہے ہر ایک کو اس پل سے گزرنا ہے اور عالم جاودانی میں جانا اور نیک و بد اعمال کی سزا و جزا پانا ہے اس لیے فرماتا ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَنۡتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ کس کے اچھے عمل ہیں؟ یہ دنیا ایک کھیت ہے جس نے نیک کاموں کا تخم بویا ہے وہ اس جہان میں اس کے عمدہ پھل پائے گا، برکت حاصل کرے گا۔ حسن عمل کی تفسیر بعض روایات میں یوں آئی ہے کہ احسن عقلاً و ادباً عن محارم اللہ و اسرع فی طاعة اللہ۔ کہ عقل عمدہ پیدا کرے کس لیے کہ تمام دینیات کا اعتبار و مدار عقل پر ہے۔ عاقل بہت جلد عبرت حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد خدا کی ممنوع چیزوں سے اور ممنوع کاموں سے بچے اور اس کی اطاعت میں جلدی کرے، غفلت اور آج کل میں اس عمر گرا نمایا کو نہ گزارے۔

ایک بات قابل بحث یہ بھی ہے کہ موت زوالِ حیات کا نام ہے پھر اس کے پیدا کرنے کے کیا معنی؟

جواب۔ (۱) موت و حیات میں مقابلہ ہے تقابلی عدم و ملکہ کس لیے کہ موت اس کے حس و حرکات کا زوال ہے کہ جس میں اس حس و

ادراک کی صلاحیت، ہواس لیے لکڑی پتھر کو مردہ یا زندہ نہیں کہتے اور عدم ملکہ عدم محض نہیں بلکہ اس میں وجود کا شائبہ ہے اس لیے اس کا مخلوق ہونا بعید از قیاس نہیں۔ (۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ عالم مثالی میں موت و حیات وجودی چیزیں ہیں، موت کو اس عالم میں اہل حق مینڈے سے مشابہت ہے اور حیات کو اہل باطل گھوڑے سے اس لیے ان پر خلق کا لفظ استعمال کرنا درست ہے لیکن بعض علماء نے خلق کو بمعنی جعل قرار دیا کہ موت اور زندگی بنائی۔

علم اجمالی و تفصیلی: سوال:- ایملو حق سبحانہ کی نسبت کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کس لیے کہ اس کو ہر چیز کا علم ازلی ہے اس کو آزمائش کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: علم کی دو قسم ہیں۔ ایک اجمالی یعنی اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے، دوم تفصیلی اشیاء کے پیدا ہونے کے بعد۔ علم تفصیلی میں حق سبحانہ کو علم اجمالی سے کوئی زیادہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ دونوں کا یکساں انکشاف ہوتا ہے اس جگہ مراد علم تفصیلی ہے اور وہی بندوں پر الزام و اکرام کے لیے حجت و سند ہے۔

بندوں کے اعمال دو قسم کے ہیں، بد یا نیک۔ ان کے وقوع ہونے کے بعد خدا کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا پوری سزا و جزا نیک اعمال کا عمدہ بدلہ۔ برے اعمال کی سزا جہنم یا درگزر اور بخشش۔ اس لیے کہ اس کے بعد یہ بھی فرمایا وہو العزیز کہ وہ زبردست ہے۔ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے، نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے، برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس میں پہلی بات کی طرف اشارہ ہے۔ الغفور وہ معاف کرنے والا بھی ہے اس میں دوسری بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز شایان شاہی بھی یہ دونوں وصف ہیں بادشاہ میں اگر قدرت و شوکت نہیں تو یہی اس کی بادشاہت میں نقص ہے اور اگر بخشش و عطا نہیں تو یہی اس کی سلطنت اور اس کی برکت میں کمی ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تک مسئلہ توحید و اثبات صفات باری کا ثبوت ہے اور الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ پہلے مسئلہ کا تہ اور دوسرے مسئلہ معاد کی تمہید ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنَ عَمَلًا۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُوْر میں مسئلہ معاد کا بیان ہے۔ اور دونوں مسئلوں میں تقدیم و تاخیر ایک عجب لطف دے رہی ہے۔ کس لیے کہ انسان جب تک خدائے قادر اور اس کے صفات شہنشاہی وغیرہ کا قائل نہ ہوگا مرنے کے بعد یا دنیا میں نیک و بد کاموں کی سزا و جزا کا بھی قائل نہیں ہو سکتا اور یہی اعتقاد انسان کو راستی، نیکو کاری، برد و احسان کی طرف محرک اور بری باتوں سے مانع ہے۔ چونکہ مسئلہ توحید ایک ایسے بیان سے ثابت کیا کہ جس کو عقول عالیہ بخوبی سمجھ سکتی ہیں مگر عقول سائلہ و متوسلہ بغیر کسی نظیر و شاہد کے جو اس کی شہنشاہی اور قدرت کاملہ کی واضح دلیل ہو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتی تھیں اور سمجھنا ہر فریق کا مقصود تھا اس لیے اس کے بعد شواہد و دلائل پیش کرتا ہے۔

پہلا شاہد: فَقَالَ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طَبَقًا وہ کہ جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ عالم ملک میں آسمانوں اور ان کے ستاروں سے بڑھ کر کوئی بڑی چیز نہیں۔ آفتاب، ماہتاب، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اس قدر بڑے اجسام ہیں کہ زمین سے لاکھوں اور ہزاروں حصے زیادہ ہیں۔ پھر ان میں نور اور عجائبات رکھے ہوئے ہیں جن کے آگے زمین کے عجائب و مخلوقات کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ان ساتوں کے سوا جو ایک کے اوپر دوسرا ہے اور سینکڑوں ثوابت اور بعض ستارے ہیں جو زمین سے کروڑوں حصے بڑھ کر ہیں یہ کس نے بنائے؟ یہ از خود نہیں بن گئے کس لیے کہ اجرام علویہ کا مادہ یکساں ہے اور ہر ایک کا مقتضائے طبیعی برابر ہے پھر ان کو اوپر تلے اور بڑا چھوٹا کس نے کر دیا از خود ہوتے تو یکساں ہوتے۔ طباقا کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ جب ان ستاروں کی یہ کیفیت ہے تو ان آسمانوں کی وسعت کا کیا اندازہ ہے جن میں یہ ہیں اور حرکت کرتے پھرتے ہیں۔

حال کا فلسفہ سات آسمانوں کا قائل نہیں۔ وہ ان بلند سات ستاروں کو سبع سموات کا مصداق سمجھتے ہیں مگر توریت سفر الخلقہ کے اول باب اور دیگر مقامات پر بھی آسمانوں کا بتانا مذکور ہے۔ پاک کتابیں اور اگلے حکیم سب اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

ان ستاروں کی ایسی تیز حرکت کہ منٹوں میں سینکڑوں کوسوں کا فاصلہ طے کر جاتے ہیں پھر باہم ٹکرانے نہیں پاتے۔ ہر ایک اپنے مدار پر دورہ کر رہا ہے۔ یہ اسی بادشاہ ذوالجلال قادر کا کام ہے۔ نہ طبائع اجرام علویہ کا نہ کسی اور کا۔ پھر ان کی شعاعوں سے جو کچھ تاثیرات زمین پر ہوتے ہیں وہ بھی قابل غور ہیں۔

دوسرا شاہد: اس کے بعد دوسرا شاہد اس محکم عمارت کی استواری ہے فقال مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ۔ اے نظر کرنے والے! تو رحمن کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں (جو بڑا بابرکت اور بادشاہ اور قادر ہے) کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔ قدرت نے اپنی کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا۔ ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر اجرام علویہ سبع سموات اور نیرات تک یکساں کاریگری کی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے بنایا اور بعض کو یوں ہی کیف مانتق بے سوچے سمجھے یا بیکار فضول بنا دیا ہے۔ صرف انسان کے اعضاء کا تناسب اور حسن ترتیب عقل کو حیرت میں ڈالنے والی چیز ہے۔ کسی درخت کے پتے یا پھول کو ہاتھ میں لے کر دیکھیے گا تو آپ بول اٹھے گا کہ سبحان اللہ! تیری صنعت یہ ہیں مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ کے معنی۔ یہ مراد نہیں کہ مخلوقات میں باعتبار ان کی جسامت اور رنگت اور تاثیر کے کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو شبہ ہو جائے کہ یہ طبعیات اجسام کا یکساں فعل ہے اور نیز کارخانہ دنیا میں انتظام نہ رہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ۔ اگر ایک بار دیکھنے میں شبہ باقی رہ جائے تو پھر دیکھ تجھ کو اس کی صنعت میں فطور بھی دکھائی دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فطور فطر کی جمع ہے اور فطر کے معنی درز یا دراڑ کے ہیں۔ فقادہ کہتے ہیں اس کے معنی خلل کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی کچھ منقول ہے۔ سدی کہتے ہیں فطور کے معنی خروق ہیں شکاف کے لحاظ سے یہ دیکھنا آسمانوں اور ستاروں کے لیے زیادہ چسپاں ہیں۔

سوال:- احادیث صحیحہ و آیات قرآنیہ سے آسمانوں میں دروازے ثابت ہیں۔ ابواب السماء کا لفظ آیا ہے پھر فطور تو پایا گیا۔

جواب:- کسی چھت یا مکان مرتفع میں کھڑکی یا دروازہ جو ہوتا ہے تو کاریگر کے ارادہ اور صنعت سے ہوتا ہے اس کو فطور نہیں کہتے۔ فطور دراز یا درز جو کاریگر کی صنعت میں قصور ہونے سے اس کے ارادے بغیر ہو جائے یہی اس عمارت کا نقص ہے۔ اس کے بعد بھی اگر شبہ رہ جائے تو ثمرہ ارجع البصر کرتین پھر دوبارہ نگاہ کر۔

سوال:- یہ نگاہ دوبارہ نہ ہوگی بلکہ تیسری بار کس لیے کہ دوبار اس سے پہلے نظر کر چکا۔ پھر کرتین کا لفظ کیونکر صحیح ہوگا جو کہ بمعنی بار بار کا تثنیہ ہے۔

جواب:- تثنیہ سے مراد کثرت ہے جس کے معنی ہوں گے بار بار دیکھ یعنی کئی بار نظر کر کہ شبہ نہ رہے اور عرب کی زبان میں تثنیہ کثرت کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ لبیک و سعد یک حینیک و هذا یک یُنْقَلِبُ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔ کوئی عیب و خلل دکھائی نہ دے گا بلکہ نگاہ دیکھتے دیکھتے تھک جائے گی۔ پھر کر آئے گی تیری طرف تیری نگاہ خیرہ اور ماندہ ہو کر۔ خاسا بعد امن و لوک حسات القلب اذا باعدة۔ مبرد کہتے ہیں خاسی کے معنی ہیں ڈوکارا ہوا ذلیل۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں خاسی وہ ہے جو اپنے مقصود کو نہ دیکھے (حسیر) یہ حسیر العین بعد المرئ سے مفعول بھی ہو سکتا ہے اور حسور مکان کے معنی سے فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ بہت دیر تک جب کسی چیز کو دیکھا جاتا ہے تو آنکھیں پتھر جاتی ہیں اور اندھیرا سا ہو جاتا ہے۔ نگاہ جو اس شے پر بھی ایسی حالت میں وہاں سے لوٹ آتی اور چندھیا جاتی ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا مَعْصَرِينَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ وَاعْتَدْنَا

بعض مفسرین نے وجعلناها رجوما للشیاطین کے یہ بھی معنی بیان کئے ہیں کہ ان ستاروں سے شیاطین یعنی نجمن مارے جاتے ہیں کہ ان کی تاثیرات سے احکام لگاتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور ان کو بھی گمراہی میں ڈالتے ہیں ان کے لیے ہم نے عذاب آتش تیار کر رکھا ہے۔ ۱۲۰

لَهُمْ عَذَابُ السَّعِيرِ ۝

اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کی) قدیلوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا رکھا ہے اور ان کے لیے آتش عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : الدنیا من الدنوا یعنی القرب فی صفة للسماء ای القربی الی الارض من بقية السماوات وہی الہی یراہا الناس مصابیح جمع مصباح اراد بها الکواکب لانھا تنفع کاضاء السرج فی الکلام استعارة تصریحیہ لان حقيقة المصابیح السرج۔ والباء یعلق بزینا وجعلنا عطف علی زینا وجوما مفعول ثان جعلنا والرجوم جمع رجم بالفتح وهو مصدر یراد به الرجوم والضمیر المصوب فی جعلنا ہا الی المصابیح واللام فی للشیاطین تعلق بجعلنا وقیل برجوما واعتدنا عطف علی زینا السعیر قال ہر مدرست النافھی مسورة وسعیر کقولک مقبولة وقیل۔

تفسیر..... تیسرا شاہد: تیسرا شاہد وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ کہ ہم نے نیچے کے آسمان کو (یعنی ساتویں آسمانوں میں جو سب سے نیچے ہے اور جو تم کو دکھائی دیتا ہے) ستاروں کے چراغوں سے رونق دی۔ جب رات کو دیکھتے ہیں تو ہزاروں قدیلیں نظر آتی ہیں، آسمان پر جگمگاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ اہل ہیئت نے ثابت کیا ہے کہ وہ تارے جواز حرکت نہیں کرتے ان کو ثابت کہتے ہیں، آٹھویں آسمان پر ہیں اور سات ستارے چاند، سورج، عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل جو حرکت خود بھی کرتے ہیں ان میں سے صرف چاند تو اول آسمان پر ہی ہے جس کو سب سے نیچے کا آسمان اور السماء الدنیا کہتے ہیں، باقی اوپر کے آسمانوں میں ہیں۔ مگر آسمان صاف اور شفاف ہیں اس لیے اوپر کے آسمانوں کے ستارے اور ثابت بھی اسی آسمان پر دکھائی دیتے ہیں جس طرح پانچ چھ آئینے اوپر تلے دھرے ہوں اور اوپر کے آئینوں میں نقش و نگار ہوں وہ سب نیچے کے آئینے میں معلوم ہوتے ہیں۔

اب غور کریں کہ ان ثوابت و سیارات کا ایسا طلوع و غروب اور ایسے مواقع پر ہونا یہ بھی اس حکیم و قادر کا فعل ہے جس نے ان میں روشنی عطا کی۔ نئی ہیئت والوں کے نزدیک یہ ثوابت و سیارات ابعاد مختلفہ پر دورہ کرتے ہیں اور جو بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں وہ بہت دور ہیں گو فی نفسہ وہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور بعض ایسے دور ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے اور یہ فضا جس میں دورہ کر رہے ہیں آسمان ہے اور ہر ستارے کے لحاظ سے فضا کی وسعت ہے۔ ستارے مشہور ہمیشہ سے سات ہیں اس لیے ان ساتوں فضا کو سبع سماوات کہتے ہیں گو حال میں اور بھی ستارے ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس فضا کا شب میں مختلف قدیلوں سے مزین نظر آنا بہت قوی دلیل آثار قدرت و حکمت پر ہے۔

چوتھا شاہد: وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلْشَّيَاطِينِ۔ کہ ہم نے تاروں کو شیاطین کے پھینک مارنے کے لیے بھی تیار کر رکھا ہے۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ شیاطین اسرار آسانی سننے کے لیے اوپر چڑھا کرتے ہیں، فرشتے ان کو ان گاروں سے مارتے ہیں۔ رات کو جو تارہ ٹوٹا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ یہی رجوم ہیں۔ سورہ صافات میں بھی آیا ہے۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكُوكَبِ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى يَقَذُّونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُخْرًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ اَلَا مَنِ الْاَمْنِ خَطَفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ فَاقْتَبَ۔ جعلناها کی ضمیر جنس مصابیح کی طرف راجع ہے نہ میں مصابیح کی طرف کس لیے کہ شیاطین پر وہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں۔ (ابن کثیر) لفظ مصابیح یا کواکب یا نجوم ان ستاروں پر بھی مستعمل ہوتا ہے جو آسمانوں پر ہیں اور ان اوخنہ پر بھی جو رات کو ٹوٹتے ہیں۔ یہ جنس ہے اس کے بعض افراد زینت کا کام دیتے ہیں اور بعض سے شیاطین ہارے جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ خاص ستارے جو آسمانوں پر ہیں، شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ زمین سے جو اوخنہ اٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور کرہ نار کے قریب پہنچتے ہیں تو ان میں آگ لگ

جاتی ہے اور وہ جلتے ہوئے انار سے چھونٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں گو علت یہ ہو مگر اس سے کام یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ حال کی تحقیقات سے دم دار ستارے اور دیگر چھونٹنے والے ستارے اوخشہ ثابت نہیں ہوئے بلکہ وہ بھی ایک خاص ستارے اور خاص مادے ہیں اور لوگوں نے بھی بار بار مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی یہ تارے ٹوٹتے ہیں تو سیدھے زمین کی طرف نہیں آتے جو ان کا حیرطبی تھا بلکہ ادھر ادھر ایسے جاتے ہیں جیسا کہ کسی نے پھینک کر مارا ہو۔ شیاطین کا وجود اور اسرار مساوات کے لیے اوپر جانا کئی بار ہم ثابت کر چکے ہیں۔ مقدمہ دیکھو۔ یہ شیاطین کی دنیا میں سزا ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے یہ شاہد بھی اس کی شہنشاہی پر دال ہے کہ مفسدوں کے لیے کیسے توپ گولے تیار کر رکھے ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَيَبْسُ الْمَصِيرُ ۝ اِذَا اُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۚ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ۖ فَسُحِقًا لِاصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے جب اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے شور کی آوازیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی (اور) جوش کے مارے پھٹی پڑتی ہوگی جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں بے شک ہمارے پاس نذیر تو آیا تھا پر ہم نے حملہ دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور (فرشتوں سے) کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو کاہے کو دوزخیوں میں سے ہوتے پھر وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو پھٹکار ہے دوزخیوں پر۔

ترکیب: عذاب جہنم مبتداء اول للذین کفروا خبر مقدم وقری عذاب بالنصب انہ عطف علی عذاب السعیر والذین علی اللہم شہیقاً منصوب علی انہ مفعول سمعوا لہا فی محل النصب علی الحال ای کا تالھا وہی تفور الجملة حال من الضمیر فی فیھا۔ تکاد الخ الجملة ما حال من فاعل تفور او خبر آخر کھا استیفاف مسوق لبیان حال اھلھا بعد بیان حال نفسھا وقیل حال من ضمیرھا ہلی کان یکلّی فی الجواب وکن حباؤا بالجملة الجاب بھا مبالغة فی الاعتراف قد جاءنا الخ فسحقا قری الجمہور باسکان الحاء وقری بضمھا وھا نعتان مثل الرعب منصوب قال الزجاج وابو علی الفارسی منصوب علی المصدر ای فھم اللہ تحفا وکان القیاس اسما قافیاء المصدر علی الحذف والحق العبد۔

تفسیر: اُن شواہد کے بعد پھر مسئلہ معاد کو شروع کرتا ہے اور اس کے لیے مناسبت یہ تھی کہ شیاطین کے لیے عذاب السعیر تیار کرنا فرمایا تھا اس مناسبت سے شیاطین کے سوا اور جس قدر کفار و مشرکین ہیں ان کا بھی انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلِلَّذِیْنَ کَفَرُوا وَابْرَئِہُمْ عَذَابُ جَہَنَّمَ، کہ ان کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے جو بری جگہ ہے۔ رب کا لفظ مربی اور محسن کے ہم معنی ہے پھر دیکھئے جو اپنے مربی و محسن کا انکار کرے اس کے لیے عذاب جہنم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اس لفظ نے عجب لطف پیدا کر دیا۔ انکار کرنا ایک تو یہی

معمولی انکار ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانا یا اس کے احکام کو نہ مانا، صفات توحید و تنزیہ کے خلاف اعتقاد کیا۔ انہیں باتوں کے مرتکب کو کافر کہا جاتا تھا شرک بھی اسی میں آگیا۔ دوسرا سرے سے اس کی ذات کا انکار کرنا کہ خدا تعالیٰ ہی نہیں جیسا کہ دہریہ کہتے ہیں یہ سب لوگ کافر سمجھے جاتے ہیں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری اور مکرہ گزاری بھی ایک قسم کا کفر یا کفران ہے ایسے لوگوں کے لیے یہی عذاب جہنم ہے گو ابدی نہ ہو۔ اس کے بعد اذالوا سے لے کر فَسْحًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ تک جہنم اور جہنمیوں کے کچھ حالات خوفناک بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب یہ کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو بجائے خیر مقدم و مرحبا و اہلا و سہلا کے جہنم کی آوازیں سنیں گے جو اس کے جوش سے نکلتی ہوں گی۔ جب آگ زیادہ گرم اور تیز ہوتی ہے تو اس کے شعلوں میں سے ایک مہیب صدا آیا کرتی ہے اسی طرح جہنم کی آواز ہوگی۔ وہ تنور جب زیادہ گرم ہوگا جس کو جوش اور غصہ کرنے اور غصے سے پھٹے پڑنے کو استعارۃً تعبیر کیا ہے تو اس کی دور دراز سے ہیبت ناک آوازیں آئیں گی العیاذ باللہ۔ (۲) کلماً..... جب جہنم میں ایک گروہ داخل ہوگا تو ان سے جہنم کے داروغہ یعنی فرشتے پوچھیں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا اور تم کو اس گمراہی سے نہیں روکا جس کے سبب آج اس بلا میں گرفتار ہوئے؟ (نذیر خدا کا رسول اور اس کی کتاب یا اس کے نائب علماء و عظیمین۔ اور جہاں کہیں یہ نہ آئیں تو وہاں احکام شریعہ پر مواخذہ نہیں وہاں نذیر عقل و فکر اور آیات قدرت میں غور و فکر ہی نذیر ہے جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا حکم دیتا ہے وہاں صرف توحید ہی کافی ہے۔ اور عمر کا تبدل حوادث ہر موت اقران و امثال بھی خدا کا نذیر ہے جو بندہ کو خواب غفلت سے بیدار کر کے عالم جاودانی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مگر یہ غفلت شہوات کے ایسے گراں تو دوں میں دبا ہوا ہے کہ سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔) کفار فرشتوں کے جواب میں کہیں گے ہلی کیوں نہیں قد جاءنا نذیر۔ بے شک ہمارے پاس نذیر آیا۔ فکذبنا لیکن ہم نے جھٹلادیا۔

فائدہ: ہر نذیر کی تکذیب اسی کے موافق ہے۔ رسول اور کتابوں کی تکذیب ان کو نہ ماننا یا ان کے احکام و ہدایات کو قبول نہ کرنا جیسا کہ کفار کرتے تھے۔ ہائے دنیا میں جو ہادی اصلاح کرنے آیا لوگوں نے پھولوں کی جگہ ان کی راہ میں کانٹے بھی ڈالے یا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَآ تِیْہُمْ مِنْ رُّسُولٍ اَلَا کَانُوْا مِنْهُمْ یَسْتَعْجِلُوْنَ۔ یا ان کے نائبوں حضرات علماء کرام کی تکذیب ان کو نہ ماننا، ان سے تسخر کرنا، ان کی عیب جوئی کرنا، ان پر بہتان لگا کر ان کے اعتبار میں فرق ڈالنا وغیرہ۔ نذیر عقل کی تکذیب آیات الہیہ و حوادث ہر میں غور و تدبر نہ کرنا اور توحید و خدا پرستی پر نہ چلنا، رسوم و شہوات میں پڑا رہنا، بت پرستی و بدکاری سے باز نہ آنا۔ عمر کے تبدل، موت، اقران و انقلا بات و دہر کے نذیر کی تکذیب عبرت نہ کرنا، عالم جاودانی سے غافل رہنا اس حسی اور فانی جہان کی چیزوں پر مفتون ہونا ہے۔ ہائے افسوس اس نذیر کو ہم کس طرح جھٹلا رہے ہیں۔ بیماری یا مصیبت خدا تعالیٰ کا ایک نذیر آیا تھا اس کے بعد پھر ہم انہیں ظلمات میں جھٹلا ہو گئے۔ اقارب و احباب سامنے مرتے ہیں، یہ بھی ایک نذیر ہے جو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

تمہیں ہے چلنی عدم کی منزل کہ جس میں کھٹکا قدم قدم ہے

نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہی مر گئے اور دنیا میں ان کا نام و نشان مٹ گیا، بھلا ہم کب مرنے والے ہیں۔

وقلنا..... کفار کہیں گے ہم نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا۔ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ کہ خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی نہ

۱۔ کلمہ اہل نبیہا فوج اس سے معلوم ہوا کہ تمام دوزخی ایک بار دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ہر ایک گروہ اور فرقہ ایک ملک کے یا ایک خاندان کے یا

ایک مذہب کے یکے بعد دیگرے داخل ہوں گے اور ہر ایک گروہ علی حسب مراتب ہر طبقہ میں بند ہوگا اور ان کے شرمندہ کرنے کے لیے ملائکہ یہ سوال کریں

گے اور وہ یہ جواب دیں گے۔ ۱۲۷

کتاب بھیجی نہ احکام نہ حوادث و مصائب یہ تو فلاں سبب سے ہوا اور موت یوں آئی، افلاس یوں آگیا تھا۔ اقبال اس لیے جانتا رہا تھا، بیماری اس وجہ سے گئی تھی۔ یہ امور اسباب پر مبنی تھے، خدا نے کیا کیا؟ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِی ضَلَالٍ کَبِیْرٍ۔ اے جو تم نذیر کہلاتے ہو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ خدا نے کتاب بھیجی، رسول بھیجا، احکام بھیجے، اس کو کیا بڑی تھی جو وہ ایسا کرتا؟ گناہوں سے مصیبت آئی و باز نا سے بھیجی قسط بھیجا، بیماری بھیجی، اس نے کچھ نہیں بھیجا، یہ پرانے خیالات اور جہالت کی باتیں ہیں۔ اول تو خدا ہی کہاں ہے اور ہے بھی تو وہ اس عالم میں کیا کر سکتا ہے؟ یہاں تک کفار کی گفتگو تھی۔ جو دوزخ میں فرشتوں سے بطور اقرار جرم کریں گے۔

فائدہ: اگر چند یرواحد ہے مگر ایک نذیر کا بھی وہی مقصد ہے جو دوسرے کا تھا اس لیے انتم جمع کے لفظ سے سب کا انکار تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِی ضَلَالٍ کَبِیْرٍ۔ دوزخ کے فرشتوں کا ہوگا، کفار کی تقریر سن کر کہ اے بد نصیبو! تم بڑے گمراہی میں تھے۔ یا اب بڑی مصیبت میں پڑے ہو۔ مصیبت و عذاب جو ضلالت کے سبب آتا ہے اس پر بھی ضلال کا لفظ مجازاً محاورہ عرب میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اول قول قوی ہے۔

اس کے بعد فرشتے کہیں گے، کیا تم نے کسی ناصح کی بات نہ سنی، یا تم کو از خود عقل نہ تھی جو خدا کے نذیریوں کو جھٹلایا جس کے سبب اس بلا میں پڑے تب کفار کہیں گے۔ وَقُلُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ۔ کہ اگر ہم کسی ناصح کی بات سنتے یا خود عقل کرتے تو آج کا ہے کو دوزخیوں میں ہوتے۔

تقلید و اجتہاد: انسان کی صلاح کے دو ہی طریق ہیں۔ اول اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے۔ یہ تقلید کا مرتبہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقل سلیم سے غور و تدبیر کرے۔ یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برہاد ہونے میں کیا شک ہے۔

فائدہ: کفار دنیا میں سنتے تھے، عقل بھی رکھتے تھے، ہزاروں ایجاد و اختراع کرتے تھے مگر آخرت کے بارے میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں گویا بہرے اور بے عقل تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ فَسَقَطَ اِلَیْهِمُ السَّعِیْرُ۔ کہ قیامت میں یا جہنم میں اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سو پہلکار اور لعنت ہے دوزخیوں پر۔ دوزخ میں جا کر اقرار کیا۔ پھر اس کا کیا فائدہ؟ دنیا میں کرتے تو لعنت کے بدلے رحمت ہوتی۔

فوائد: اول: ان آیات میں مسئلہ معاد کی نہایت پر اثر واقعات کے بیان میں تصویر کھینچی بالخصوص معاد کے متعلق ایک گروہ اشقیاء کا حال اور اس کے ٹھکانے کی ہیبت خیز کیفیت بیان فرمائی اور بَشَرِ الْمَصِیْبِ کی پوری توضیح کردی کہ وہ جگہ ایسی ہے کہ آگ کے شعلوں میں سے ہیبت ناک آوازیں سنائی دیں گی اور جہنم غصہ کی ماری پھٹی پڑتی ہوگی اور وہاں دوزخ کے فرشتے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا جو تم کو اس مصیبت سے بچنے کی راہ بتاتا۔ اس ضمن میں مسئلہ نبوت کی بھی تصریح کردی کہ دنیا میں اس کام کے لیے آتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے اس کو یہ عذاب الیم ہمیشہ کے لیے بھگتنا پڑتا ہے اور یوں حسرت و افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے اور دانت پیسنے پڑتے ہیں۔ نبی کی تصدیق و اطاعت کے لیے اس سے بڑھ کر مخاطبین کے واسطے اور کوئی بیان پُر اثر ہو نہیں سکتا۔ کلام میں ان مقاصد کو ملحوظ رکھنا اور دلکش عبارت میں بیان کرنا اعجاز ہے۔

دوم: شروع سورۃ میں بیان کیا گیا تھا کہ اس کے قبضے میں ملک ہے یعنی وہی بادشاہ حقیقی ہے۔ پھر جس طرح لوازم سلطنت میں سے قدرت کاملہ اور حیات و ممات پر قبضہ سات آسمانوں کا گھربانا اور کس خوبی سے بنانا اور پھر اس کو تاروں کی قدیلوں سے روشن کرنا اور اس

آج کل نئی روشنی والوں اور ان کے مرید فرقہ آریہ لوگوں کی یہی گفتگو ہے جس کی غلطی کا اقرار ہمارے سامنے کب کر سکتے ہیں، وہیں دوزخ کے فرشتوں کے سامنے کریں گے۔ ۱۲۷

کاخ کے چوروں کو تاروں سے مار کر ہانکنا بیان فرمایا تھا جس میں سراسر رحمت اور برکت کا اظہار تھا۔ اسی طرح شیاطین اور ان کے بعد بنی آدم کے کفار و منکرین کا جہنم کے قید خانے میں ڈالنا بیان فرما کر جو سراسر جبروت و اقتدار شاہانہ کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرمانبرداروں کے اعزاز و اکرام بیان فرما دے گا۔ بقولہ وَلِلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ اٰلِ۔ اس تمامی بیان سے بہت سے مذاہب اور عقائد فاسدہ کی اصلاح ورد ہے۔ کس لیے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے سوا کسی اور کو پوجتے ہیں یا اس کی خدائی میں حصے دار ٹھہراتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا اور خدائی کمیٹی کا تیسرا رکن قرار دیتے ہیں اور جس طرح کہ ہنود اپنے اوتاروں کو خدا اور قادر مطلق سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ملائکہ و دیگر ارواح طیبات کو اس درجے پر مانتے ہیں ان کا ملک میں کون سا حصہ ہے؟ کس نے آسمان و زمین بنانے میں مدد کی ہے اور کس کا موت و حیات پر قبضہ ہے اور کون قادر مطلق ہے؟ ان کے یہ الہ دنیا میں بہت باتوں میں عاجز ملے تھے اور اسی طرح آخرت میں کسی کا کیا حصہ ہے۔ کون اس کے قید خانے سے زبردستی چھڑا سکتا ہے، کون وہاں انعام و اکرام دے سکتا ہے؟ یہ سب دلائل و براہین توحید خالص کے لیے ایسے ہیں کہ جن میں کسی کو بھی مجال دم زدن نہیں اور اسی طرح جو لوگ کواکب و نیرات کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی تاثیر سے سعادت و خوش قسمت و موت و حیات سمجھتے ہیں جیسا کہ مجوس اور فرقہ صابیان کی بھی کمال تسلی ہے کہ تمہارے معبود ہمارے بنائے ہوئے مسخر ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟ الغرض مسئلہ معاد نبوت میں بھی الٹ پھیر کر پھر مسئلہ توحید کو ثابت کر دیا۔ اور نیز دنیا کے مغروروں و متکبروں کو بھی سمجھا دیا کہ تم اپنی شاہی اور حکومت پر ناز کر کے ہم سے سرکشی نہ کرو، تمہاری بادشاہی ہمارے مقابلہ میں کیا چیز ہے، تم کو قدرت کیا ہے۔ تم موت و حیات کے کیا مالک ہو، تم نے آسمان و ستارے کہاں بنائے ہیں، علویات پر تمہاری کیا حکومت ہے؟ لہذا ہماری طرف رجوع کرو، سر نیاز جھکاؤ ورنہ جہنم کا قید خانہ تیار ہے۔

سوم: مسلمانوں کا فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ وللذین کفروا کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں کفار ہی جائیں گے، مومن نہ جائیں گے، خواہ وہ کیسے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔ ایمان کے بعد کوئی عمل بد جہنم میں نہیں لے جا سکتا۔ یہ عیسائیوں کے عقیدے کے قریب قریب ہے لیکن یہ خیال غلط ہے کس لیے کہ کفر و اکالفظ بڑا وسیع ہے، کفار شرعی کو بھی شامل ہے اور جو ایماندار ہو کر اس کی ناشکری کرتے ہیں ان کو بھی گوان کو ابدی جہنم نہ ہوگا ایمان کی بدولت۔ اور نیز دیگر آیات و احادیث میں تصریح ہے کہ ایماندار گنہگاروں کو بھی بقدر گناہ عذاب ہے لیکن عذاب دائمی نہیں اور یہ مسئلہ علم کلام میں نہایت صراحت سے مذکور ہے جو چاہے وہاں دیکھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَاَسْرِفَا
تَوْلَكُمْ اَوَاجَهًا رَّيْبًا ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۸ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ
وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝۹

وہ جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں ان کے لیے بڑی بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو بے شک وہ تو دلوں کی بات کو بھی (خوب) جانتا ہے۔
کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین (اور بڑا) خبردار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے، سولی پر لٹکانے گئے، وہاں بہت روئے پیئے کہ اسے خدا مجھے چھڑا مگر نہ چھٹ سکے پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، کھانا کھاتے، سوتے جاگتے تھے۔ الغرض تمام خصائص بشریہ میں جکڑے ہوئے تھے جو معجز و حدوث کے آثار ہیں اسی طرح ہنود کے اوتار اور جمع مذاہب کے معبودوں کا حال ہے خواہ علویات میں سے ہوں خواہ سطویات میں سے پھر عیسیٰ تا بنے، سونے چاندی کے بت ہوں یا ارواح طیبات و ملائکہ ہوں سب مخلوق ہیں، صفت الوہیت میں کسی کو بھی حصہ نہیں۔ ۱۲۸

ترکیب : الذین موصول یخشون الجملۃ صلۃ بالغیب متعلق یخشون و یسکن ان یكون حال امن ضمیر یخشون ای غائبین مغفورۃ مبتداء واجر کبیر معطوف علیہ لہم خبر مقدم والجملة خبر ان والموصول والصلۃ اسما۔ واسر و ان الجملة متنافۃ مسوقۃ لبيان تساوی الاسرار والجر بالنسبة الی علم اللہ تعالیٰ انہ الجملة تعلیل وتقریر لما قبلہا۔ من خلق من فی موضع رفع فاعل یعلم والمفعول محذوف ای الا یعلم الخالق خلقہ وقیل الفاعل مضرو من مفعول ای الا یعلم اللہ الخلق الذی خلقہ وهو اللطیف الخبیر حال من فاعل یعلم۔

تفسیر : مسئلہ معاد کی بابت گروہ اشقیاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان الذین یخشون ربہم بالغیب۔ کہ وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں یعنی دنیا میں یہاں آخرت کا عذاب و ثواب ان کی آنکھوں سے غائب ہے۔ محض خبر صادق علیہ السلام کے کہنے پر ایمان لا کر آئندہ آنے والی مصیبتوں سے ڈرتے اور خدا کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ لوگوں کے سامنے تو ہر ایک پر ہیز گاری جتلیا کرتا ہے مگر ان کے عیب میں یعنی خلوت میں اللہ سے ڈرنے والے ہی دراصل پرہیز گار ہیں۔

واعظان کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں مخلوت می روند آن کار دیگر میکند

خدا سے ڈرنا دراصل پوشیدگی ہی میں ڈرنا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ پوشیدگی میں تو خدا سے ڈرے اور ظاہر میں نہ ڈرے، رند و فاسق بنار ہے۔ لہم مغفورۃ و اجر کبیر ان کے لیے معافی اور بڑا اجر ہے۔ اگر بشریت سے ان سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا جس پر بعد میں اظہارِ ندامت کیا گیا تو ان کے لیے مغفرت ہے۔ اور اجر ہے یعنی بدلہ جو روحانی اور جسمانی اور وہاں کے نعم کو شامل ہے اور وہ بھی کیا؟ اجر کبیر یعنی بڑا بے تعداد ہمیشہ کے لیے۔

فائدہ: مقابلہ پہلے گروہ کا یہ چاہتا تھا کہ ان الذین یشکرون ربہم کہتے ہیں جیسا کہ اشقیاء کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ان الذین یشکرون ربہم کیونکہ کفر کا مقابلہ شکر ہے نہ ڈرنا۔ اس کی کیا وجہ کہ یخشون کہا یشکرون نہ کہا؟ جواب شکر منعم کی نعمت کا اظہار و تعریف یا اس کا بدلہ دینا زبان سے خواہ ہاتھ پاؤں سے خواہ دل سے۔ اور سورہ کا سیاق اظہارِ شانِ شہنشاہی ہے کہ وہ ایسا اور ایسا شہنشاہِ حقیقی ہے اس کے لیے ڈرنا اور عجز و نیاز سے پیش آنا ہی مناسب ہے اور جو خدا سے ڈرے گا وہ شکر گزاری تو بدرجہ اولیٰ کرے گا۔ شکر گزاری عبودیت و ملکویت نہیں ثابت کرتی جیسا کہ ڈرنا اور کاہنہ ثابت کرتا ہے شکر گزاری برابر والا بھی اپنے مساوی درجہ کے محسن کی کر سکتا ہے اور اس جہ عجز و نیاز زیادہ مرغوب ہے جو خشیت میں رکھا ہوا ہے۔ شکر گزاری بھی عمدہ چیز ہے مگر ہر ایک بات کا ایک محل ہے یہاں ڈرنا ہی مناسب مقام ہے۔

فرمایا تھا کہ غائبانہ اس سے ڈرنا چاہیے کس لیے کہ ظاہر ڈر اور اطاعت ایسے شخص کی جو امور اور دلی اسرار پر واقف ہو کچھ مفید نہیں اور خدا تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔ واسر و اقولکم او اجہروا بہ۔ خواہ تم اس بات کو ظاہر کرو یا پوشیدہ کس لیے کہ انہ علیکم ہذات الصدور کہ وہ سینوں کی باتیں جانتا ہے اور کیوں نہ جانے۔ الا یعلم من خلق وہ خالق ہے اور خالق کو اپنی مخلوق کا علم ضرور ہے اگر علم نہ ہو تو ارادہ و اختیار سے پیدا نہ کر سکے اور قطع نظر خالق ہونے کے وہو اللطیف الخبیر وہ لطیف ہے مجردات و روحانیا کا علم اسی لیے وسیع ہے کہ جسمانیات کے حجاب عاجز نہیں لیکن وہ ان سے بھی زیادہ لطیف ہے تو اس کے علم کی کیا حد ہے۔ مجردات و روحانیت کی صرف توجہ و التفات معلوم کرنے کے لیے شرط ہے اور وہ توجہ اس قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے۔ برخلاف اس کے کہ وہ الخبیر ہے ہر ذرہ کی طرف التفات و توجہ رکھتا ہے کس لیے کہ جو مخلوق کے ساتھ اس کے خالق کا رابطہ ہے وہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اشقیاء کی سزا و اتقیا کی جزا کی بابت کچھ عجیب نہیں کہ ان لوگوں کا یہ خیال ہو کہ سزا و جزا ہر ایک کے اعمال اور احوال جاننے اور یاد رکھنے

پر موقوف ہے حالانکہ صدمہ کام لوگ مخفی کرتے ہیں، ان کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی پھر وہ کیونکر سزاوارا جزا دے سکتا ہے؟ اس خیال کے ابطال میں یہ آیات و اسرؤاقولکم اواجہروا بہ اِنَّ عَلَیْہِمْ ہَذَاتِ الصُّدُورُ الْاَیْلَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَہُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ نہایت اثر رکھتی ہے۔ اور مکے کے کفار اکثر ایسا خیال رکھتے تھے، ان کے تاثریت یافتہ دماغوں میں خدا تعالیٰ اور اس کے اوصاف علم و قدرت محدود تھے۔

فائدہ (۱): من خلق سے بعض علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے یہاں تک کہ بندہ اور اس کے اعمال سب کا وہی خالق ہے اگر بندہ خالق ہوتا تو اس کو علم بھی ہوتا حالانکہ جس کام کو کرتا ہے اس میں اپنے عضلات کی حرکت و سکون کا بھی اس کو علم نہیں چہ جائے کہ اس کی تمام ہارکیوں کی خبر ہو۔ جب خبر نہیں تو بالارادہ خالق بھی نہیں رہا۔ نیک و بد کام کا بدلہ تو محض اختیار و ارادے کو نیک و بد کام میں متوجہ کرنے پر ہے اور ارادہ متوجہ کرنے کے بعد وہ کام خدا پیدا کر دیتا ہے۔

فائدہ (۲): غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں پھر یہ جو غیب پر ایمان لانا غیب میں ڈرنا کی نسبت ہے؟ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب ہی نہیں۔ ہاں بندہ کے لحاظ سے بہت چیزیں غائب ہیں۔ پھر بندوں میں بھی بعض چیزیں بعض کے نزدیک غیب ہیں تو بعض کے نزدیک حاضر اس لیے ہر ایک کا غیب جدا گانہ ہے اور غیب الغیب کا خزانہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وَعِنْدَکَ مَغَازِیُ الْغَیْبِ۔ لطیفہ: بعض کہتے ہیں۔ غیب انسان کا قلب ہے جس کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا تب غیب سے ڈرنے کے یہ معنی کہ دل سے یا دل میں خدا سے ڈرے تاکہ دل میں نور پیدا ہو۔

فائدہ (۳): حکماء نے بدلائل ثابت کیا ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ جسمانیات کے حجاب علم و ادراک سے مانع ہیں اس لیے ملائکہ جسمانی کثافت سے بری ہونے کے سبب اور ان کے بعد روحانیات ان کے بعد جن اور دیگر لطیف اجسام سے مرکب چیزیں ان چیزوں کو خوب جان لیتے ہیں جو ہماری آنکھوں یا حواس سے باہر ہوتی ہیں۔ خواب میں جب روح کا تعلق جسم سے کسی قدر کم ہو کر دوسری طرف توجہ ہوتی ہے تو ہزاروں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح مکاشفہ و مشاہدہ میں جب ریاضات و افکار سے روح منور ہو جاتی اور جسمانی حجاب کمزور ہو جاتے ہیں تو سینکڑوں چیزیں دور دراز کی دکھائی دے جاتی ہیں۔ اسی طرح بعد مردن تو پردہ ہی کھل جاتا ہے مگر وہ حق سبحانہ لطیف ہے اس کے علم کی تو کچھ انتہا ہی نہیں اس لیے علوم کے خزانے اس کے پاس ہیں وہ جس قدر جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَاَمْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِہَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ ؕ

وَ اِلَیْہِ النَّشُوْرُ ۝ اَمِ اَمِنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْیِفَ بِکُمْ الْاَرْضَ فَاِذَا

ہِیَ تَمُوْرُ ۝ اَمِ اَمِنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ؕ فَتَسْأَلُوْنَ

کَیْفَ نَذِیْرٍ ۝ وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ فَکَیْفَ کَانَ نَذِیْرٍ ۝

وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا تو اس پر چلا پھرا کرو اور اس کی روزی کھاؤ (پو) اور اس کے پاس پھر کر جانا۔ ہے۔ کیا تم کو جو آسمان میں ہے خوف نہیں رہا کہ وہ تم کو زمین میں دھندلا دے پھر وہ پڑی لرزا کرے کیا تم کو اس کا جو آسمان میں ہے ڈر نہیں رہا کہ تم پر بھر برسا دے۔ پھر تم کو معلوم

واسرؤاقولکم اواجہروا بہ دلیل ہے بالغیب ڈرنے کے لیے۔ بالغیب کیوں ڈرو کس لیے کہ وہ مخفی اور ظاہر باتیں جانتا ہے پھر اور ترقی کرتا ہے۔ انہ علیہم ہذات الصدور کہ جواہر اور موجودی الخارج چیزوں کے جاننے پر انھما نہیں۔ وہ دلی خیالات سے بھی واقف ہے پھر اس پر دلیل لاتا ہے۔ الایعلم من خلق کہ وہ خالق ہے اور خالق کو مخلوق کا علم ہے معلوم ہوا کہ دلی خیالات بھی اس کے مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اور ترقی کرتا ہے۔ وہ لطیف ہے مجردات کو غیب کی سنکڑوں باتیں معلوم ہوتی ہیں چہ جائے کہ لطیف ہوتا مگر حرات اس کے آگے کثیف ہیں اور اس پر خیر بھی ہو۔ ۱۲۰

ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور تم سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ پھر (دیکھا) ہماری ناراضی کا کیا نتیجہ ہوا؟

ترکیب : الارض مفعول اول لجعل ذلولاً مفعول ثانٍ لہ کہم متعلق لجعل فامشوا الفاء لترتيب الامر بالمشي على الجبل المذکور والیہ النشور جملہ مستأنفہ من فی محل النصب علی انہ مفعول انتہم والاستفہام انکاری ان یخسف الجملۃ بتاویل المصدر بدل اشتغال من الموصول ای من وکذا ان یدسل بدل من۔ الذلول من الذل وهو الافتیاء واللمین ومنہ یتقال۔ دلیم ذلول المناکب جمع منکب وهو الجانب ومنہ منکب الرجل ومنہ الريح المتكباء الانعاماتی من جانب دون جانب تمور من المور وهو التردونی انجی والذحاب ای التحرك والاضطراب۔ والعاصب ریح فیما حجارة وصباء کاٹھا نکلع الحصباء لحدتها وقوتها وقيل صوحاب فیما حجارة۔ الذکیر العقاب المنکر وانما اسقط الیاء من نذیری ومن تکیری لکنون مشابہہ لرؤس الائی المتعمدۃ والمتاخرة الکسرة دلیل علی حذف الیاء۔ وفي کلام العرب کثیراً ما یحذف الیاء والواو والالف من آخر الکلمۃ فی جملۃ الوقت۔

تفسیر : اب تک اس بادشاہ با برکت کے وہ انعام وافضال بیان ہوئے تھے جو عالم بالا سے متعلق تھے جیسا کہ آسمانوں اور ستاروں کا پیدا کرنا جو اس کی قدرتِ تامہ کے لیے شواہد تھے اور ان کے ضمن میں مسئلہ توحید و نبوت کا بھی سلسلہ وار ثبوت تھا۔ اب یہاں سے زمین کے متعلق اپنی بادشاہی اور عالمِ سفلی کے انعام بیان کرتا ہے اور یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم وہ ہیں جو تمہاری مخفی اور ظاہر باتیں جانتے ہیں اس پر بھی تمہارے لیے ہم نے زمین میں آسائش کے سامان پیدا کر رکھے ہیں اور تمہارے لیے امن کا گھر بنا رکھا ہے۔ پس ہماری مخالفت سے ڈرنا اور نشتوں کا شکر یہ ادا کرو ورنہ ہم چاہیں تو اسی زمین کو تمہاری ہلاکت کا باعث کر دیں۔ تم کو اس میں غرق کر دیں یا چاہیں تو اس گھر کی چھت یعنی آسمان سے تم پر پتھراؤ کر دیں جیسا کہ پہلوں کے ساتھ ہوا۔

فقال هو الذي جعل لكم الأرض ذلولاً۔ کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنا دیا۔ (۱) یعنی اس کو ایسا سخت اور حشن کیا کہ اس پر چل پھر سکتے ہیں۔ (۲) یا یہ کہ اس کو نرم بنایا کہ جس کو کھود سکتے ہیں، مکانات بنا سکتے ہیں، اگر سخت سبک خارا ہوتی تو مشکل پڑ جاتی۔ (۳) یا یہ کہ لوہے، پتھر، تانبے، چاندی جیسی ہوتی تو گرمی میں نہایت گرم اور سردی میں نہایت سرد ہو جاتی۔ نہ بھتی ہو سکتی، نہ باغ لگتے، رزق و روزی کا سامان مہیا نہ ہوتا۔ (۴) یا یہ کہ اس نے ہمارے لیے مسخر کیا اگر ہلے جلے جاتی تو مسخر نہ ہوتی اس پر چلنا پھرنا محال ہوتا۔ (۵) یا یہ کہ پانی اور ہوا کی طرح خفیف ہوتی تو کوئی اس پر بس نہیں سکتا جب زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تو فامشوا فی مناكبہا تو اس کے رستوں میں چلو۔ مناكب میں چلنے کے کئی معنی ہیں۔ (۱) صاحب کشاف کہتے ہیں یہ نہایت مسخر ہونے کے معنی میں ایک تمثیل اور محاورہ ہے۔ (۲) قتادہ و ضحاک و ابن عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں، زمین کے مناكب پہاڑ اور ٹیلے ہیں اس لیے کہ انسان کے مناكب (موٹھے) اونچے ہوتے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے بھی بلند ہیں اس لیے ان کو مناكب الارض کہتے ہیں۔ یہ معنی کہ جب میں نے اس کے پہاڑ اور ٹیلے تمہارے چلنے کے لیے مسخر کر دیے تو اس کے اور اجزا میں تو اور بھی اچھی طرح سے چل سکتے ہو۔

(۳) مناكب الارض سے مراد زمین کے رستے اور گھاٹیاں اور کنارے اور اطراف ہیں کس لیے کہ انسان کے مناكب بھی اس کے بدن کے کنارے اور جوانب ہیں۔ اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور رستوں کو بھی مناكب کہنے لگے۔ یہ حسن و مجاہد و مقاتل و کلی و بردایت عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اور فرعاء اور ابن قتیبہ کا قول ہے۔ وکلوا من رزقہ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی کھاؤ جو اس نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔ رزق کا اپنی طرف مضاف کر کے یہ بتلادیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تمہارا نہیں۔ اور من کے لفظ سے یہ بھی بتادیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا اکل رزق تمہارے کھانے کے لیے نہیں جیسا کہ بعض بلا نوشوں کا خیال ہے کہ سور، کتا، شراب، گوہ، گوبر سب چٹ کر جائے۔ فامشوا اور کلوا دونوں امر ہیں مگر یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لئے۔ ان دونوں باتوں کے بعد یہ بھی بتادیا۔ والیہ النشور کہ دنیا۔

میں چلنا پھرنا، کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چند روزہ منزل ہے اور جمع ہونا اسی کے پاس ہے۔ پس دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہیے کہ منزل مقصود ہی کو بھول جاؤ، کفر و بدکاری اور شہوت پرستی میں بہوش پڑے رہو۔

اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور کفر و بدکاریوں کے مستوں کو جو خدا کی زمین میں رہ کر باغی ہو گئے ہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔ فقال ء اٰمَنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یَّخْصِفَ بِكُمْ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُورٌ۔ کہ اے بے خبرو! زمین پر تسلط پا کر کیا تم آسمان والوں سے نڈر ہو گئے اور اس بات سے امن میں ہو گئے کہ تم کو وہ زمین میں دھنسا دے اور یکا یک زمین تمہارے دھنسانے کے لیے ہلنے اور لرزنے لگے جیسا کہ زلزلے کے وقت ہوتا ہے، زمین ہل کر پھٹ جاتی ہے اور آدمی اور بڑے بڑے مکانات اندر سما جاتے ہیں۔ من فی السماء سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان پر رہا کرتا ہے۔ یہ خیال فاسد ہے کس لیے کہ آسمان حادث ہیں اور وہ قدیم ہے۔ جب آسمان نہ تھے تو بھی تھا۔ دوم وہ مکان میں ہونے سے پاک ہے۔ ہاں احادیث صحیحہ میں جو خدا تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد جب علو ہے اور آسمان مظہر تجلیات بارگاہ قدس ہیں اس لیے ناواقفوں کو اس کا بتانا نامکانیت ثابت نہیں کرتا اور آیت میں من فی السماء سے بالخصوص خدا پاک نہیں بلکہ اس کے کارکن ملائکہ کس لیے کہ ہر بلا اور نعمت عالم بالا سے آتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب کے جاہل اس بات کے قائل تھے کہ خدا پاک آسمان پر ہے۔ ان کے خیال کے موافق ان کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آسمان والے سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس کی آسمان پر حکومت ہے اس سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتب الہامیہ کے محاورہ میں خدا پاک کو آسمانوں سے جہت فوقانی اور مظہر تجلیات کے لحاظ سے منسوب کرتے آئے ہیں۔

دوسری تنبیہ: اور بیان فرماتا ہے ء اٰمَنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یَّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا۔ کہ کیا تم آسمان والے سے نڈر ہو گئے کہ تم پر پتھر اونڈ کر سکے گا؟ یعنی زمین میں بھی وہ بالادست دھنسا سکتا ہے اور اوپر سے پتھر بھی برس سکتا ہے، ہر طرح سے ہلاک کر سکتا ہے۔ اب بھی یہ دونوں بلائیں وقتاً فوقتاً قوموں پر نازل ہوتی ہیں۔ زلزلہ آیا، شہر کے شہر زمین میں سما گئے اور اوپر سے سیر سیر بھر کے او لے اور کہیں ویسے پتھر برسے ہیں۔ فَسْتَعلمُونَ کَیْفَ نَذِیْرٍ اس کے بعد تمہیں اے اہل مکہ! جلد معلوم ہو جائے گا کہ نذیر یعنی رسول کیسا تھا، سچا تھا یا جھوٹا؟ اس کے بعد اسی قسم کے گزشتہ واقعات سے عبرت دلاتا ہے۔ وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کَیْفَ کَانَ نَذِیْرٍ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ قوم عاد و ثمود وغیرہ نے پھر نہ لیا کہ کیا بڑا عذاب نازل ہوا۔

ان آیات میں مسئلہ توحید و نبوت و معادتیوں کا بیان اور ہی اسلوب سے ہوا جیسا کہ عالم بالا کے بیان میں ان تینوں مسئلوں کا ثبوت

اور پیرایہ میں تھا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ طَافَتْ وَاَیْقِضَنَّ مَّا یُؤْسِكُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۝
اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۝ اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَہٗ ۝ بَلْ لَّجُوْا فِیْ عُتُوٍّ وَنُفُوْرٍ ۝

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندائیں نہیں دیکھے (جواز نے میں) پرکھو لے اور بیٹھے ہیں جن کو زمین کے سوا کوئی نہیں تھام رہا۔ بے شک وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ بھلا

وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ کچھ نہیں کا فرتو (محض) دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی بند کر دے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکش اور بدکنے پرازے ہوئے ہیں۔

ترکیب : او الحمزۃ للام استفہام والواو للعطف علی مقدرای اغفلوا ولم یمنظروا الی الطیر جمع طائر و یقع علی الواحد والجمع قال ابن الابناری الطیر جمع طائر و تانیثھا اکثر من تذکیرھا و لا یتقال للواحد طیر بل طائر قلم یتقال للاثنی طائرۃ۔ فوقہم ظرف لصفات اوعال و صفات حال من الطیر اومن الضمیر فی فوقہم۔ و یقبضن معطوف علی صفات حمل علی المعنی ای و یقبضن اوصاف و قابضات۔ مایمسکھن یجوز ان یکون مستانفا ان یکون حالا من الضمیر فی یقبضن اومن قرئی الجموع یقبضن ید الیم علی ادغام یم ام فی یم من و ام معنی بل من الاستفہام ید مبتداء هذا خبره الذی موصول یدر زکم صلتھا لجموع صفة هذا ینصرکم مفت لجنید و من دون الرحمن فی محل النصب علی الحال من فاعل ینصرکم ان امسک رزقہ جواب الشرط محذوف لدلالة ما قبلہ علیہ ای ان امسک رزقہ فمن یدر زکم غیرہ لجو من اللجاج هو تخم الامر مع کثرة الصوارن عنہ و العتو العناد و الطغیان الشر و دو قال ابن عباس فی عتو و نفور ای فی ضلال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ کیا تم اس کے مرضی و سہادی عذاب سے نڈر ہو گئے؟ اس کے بعد وَلَعَدَّ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے اس امر پر ایک شہادت کی تھی۔ اب اس پر ایک برہان پیش کرتا تھا اور اپنی قدرت کا ملکہ کا تصرف آسمان و زمین کے سوا فضا یعنی ہوا میں بھی دکھاتا ہے۔ فقال اُولَئِکَ یُرَوُّوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ۔ کہ کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کی ٹکڑیاں اڑتے نہیں دیکھتے۔ صفات پر کھولے ہوئے و یقبضن اور سینے ہوئے اڑنے میں پرند پرند کو کھول دیتا ہے اور جب اس کو اڑنے میں زور دینا ہوتا ہے تو پروں کو سمیٹ بھی لیتا ہے یعنی دونوں حالتوں میں اڑتا اور ہوا میں معلق رہتا ہے، نیچے نہیں گرتا۔ مَا یَسْکُنُوْنَ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ان کو رحمن کے سوا اور کوئی تھا ہے ہوئے نہیں۔ اسی پر ان کے ادھر بھی تھا ہے یعنی ان کے اجسام میں (ہر چند چھوٹے اور بڑے ہو۔ تہیں) اسی نے ایک ایسا ہلکا پن رکھا ہے جو باوجود پر سینے کے بھی ہوا میں اڑے چلے جاتے ہیں اور دوسرے اجسام کو ان سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس طرح ادھر میں نہیں ٹھہر سکتے۔ دیکھو اس کی ہوا اور فضا پر بھی بادشاہت ہے۔

فائدہ (۱): نحاس کہتے ہیں کہ جب پرند اپنے بازو کھول کر اڑتے ہیں تو ان کو صاف کہتے ہیں اور جب سمیٹ لیتے ہیں تو قابض کہتے ہیں۔ فائدہ (۲): صفات کا مقابلہ قابضات اسم فاعل کا صیغہ نہیں لایا گیا بلکہ یقبضن مضارع کا استعمال ہوا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پرندوں میں اڑتے وقت پر پھیلائے رہنا اکثر یہ بات ہے اور پر سمیٹ لینا اور پر مارتے اڑنا گاہے گاہے جو مضارع کے تجدد و حدوث سے مفہوم ہوتا ہے برخلاف اس کے اسم فاعل دوام و ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ (۳): پھر جو ایسی بوجھل چیزوں کو ہوا میں معلق دوڑانے پر قادر ہے کیا وہ اوپر سے پتھر اؤ نہیں کر سکتا؟ یا زمین کے رہنے والوں کو زمین میں نہیں دھنسا سکتا؟ لیکن انہ بکل شیء بصیر وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے اور اس کی نگہبانی کر رہا ہے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا بھی وہی نگہبان ہے اور زمین اور اس کے رہنے والوں کا بھی وہی نگہبان ہے۔ اگر ذرا بھی اپنی نگہبانی چھوڑ دے تو ہر چیز ہلاک ہو جائے۔ بڑے بڑے کرات کس تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں ان کا بھی نگہبان یا گاڑ ہے۔ آپس میں لڑنے نہیں دیتا۔ دریا میں بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں دوڑتی پھرتی ہیں ان کا بھی وہی نگہبان ہے، انسان کا وجود اور اس کی حیات میں خلل انداز چیزوں کی روک تھام اسی کا کام ہے۔ ایک کو باطن ان سب باتوں کو اسباب سے جانتا ہے، روشن ضمیر مسبب الاسباب سے سمجھتا ہے، توحید و شرک، کفر و اسلام میں یہی فرق ہے۔ کا فرائض اسباب پر مغرور رہتا ہے وہ انہیں کو اپنے فتح و نصرت کا لشکر سمجھتا ہے اس لیے ان کے مقابلہ میں فرماتا ہے، اَمِنْ هَذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدُکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو تم کو دشمن کے مقابلہ میں مدد دے سکے گا؟ وہ

جب چاہتا ہے ان اسباب میں کھنڈک ڈال دیتا ہے۔ ریل گاڑی کو الٹا دیتا ہے، تار کو روک دیتا ہے، دریا میں آگ بوتوں کو ڈبو دیتا ہے باوجود صفائی کے وپاک لشکر بھیج کرستیانس کر دیتا ہے، لشکروں کے دلوں میں ضعف و خوف ڈال دیتا ہے، عقلیں مار دیتا ہے پھر جو جھوٹی ہے الٹی ہی سو جھوٹی ہے۔ پھر وہاں کوئی تدبیر نہیں چلتی، کوئی سبب کام نہیں آتا۔ اس کے بادلوں کے لشکر اور ہوا کے تو پچانے اور آسانی پتھروں کے گولے اور زلزلے کا ڈائنامیٹ تھوڑی سی دیر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ الغرض سب تدبیریں بگاڑ دیتا ہے پھر وہاں کوئی کام نہیں آسکتا۔

اسباب ظاہریہ کے سوا عرب کے جاہل بلکہ عموماً اور ملکوں کے جاہل بھی اپنے خیالی معبودوں اور ان کی عجائب تاثیروں کو ہر مصیبت کے وقت اپنا یا رومدگار سمجھتے تھے بلکہ اب تک سمجھتے ہیں۔ اپنی جان اور اولاد اور مال کی حفاظت اور ترقی کہیں ستاروں پر محول کرتے ہیں، کہیں غیر مرئی ارواح کے سپرد کرتے ہیں، کہیں ٹونگوں اور منتروں کے تاثیرات سے مرض و بلا کا دفعیہ سمجھتے ہیں اور خدائے قادر کو چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے إِنَّ الْكَافِرُونَ الْإِنْفِ غُرُورٌ کہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام انسان کو ان بکھیروں سے نجات بخش دیتا ہے۔

کسی کی التجا کرنی اور اس کو پونے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں، اول دفعِ مصرت کہ ہماری مصیبت کو روک دے گا، سو کفار و مشرکین کا اپنے خیالی معبودوں کی نسبت یہ بھی خیال تھا جس کو اَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدُكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ میں رو کر دیا اور پورا رد کر دیا۔ دوسرا سبب نفع کی امید کہ اس سے یہ فائدہ پہنچے گا، یہ دے گا، وہ دے گا۔ سو کفار و مشرکین کو اپنے اللہ باطلہ کی نسبت یہ بھی خیال تھا کہ کسی سے رزق روزی مانگتے تھے، کسی سے اولاد، تندرستی طلب کرتے تھے۔ اس خیال کا ابطال اس جملہ میں کرتا ہے۔ اَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَزِدُّكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهُ کہ بتاؤ وہ کون ہے جو تم کو رزق روزی یا کچھ بھی دے سکے اگر وہ اپنا رزق یا بخشش روک لے؟ کوئی نہیں کس لیے کہ سب اس کے سوا ممکن ہیں جو اپنی ذات و صفات ہی میں اس کے محتاج ہیں۔ صرف بارش بند کر لے تو معلوم ہو جائے۔ سب کچھ جانتے ہیں۔ بَلَى لَّجَوَانِیْ عَتَقُوْا نَفْسَهُمْ۔ بلکہ اپنی سرکشی اور گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لجاج اڑانا، انسان میں دو قوت عمدہ ہیں۔ پہلی عملیہ، دوسری علمیہ۔ پس عتو حرص دنیا کے سبب سے ہے جو قوت عملیہ کے بطلان پر دلالت کرتا ہے اور نفور حق کے جہل کے سبب جو بطلان قوت علمیہ پر دلیل ہے یعنی ان بد نصیبوں نے اپنی دونوں قوتوں کو خراب کر دیا اس لیے ہٹ کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُّكِبًّا عَلٰٓی وُجْهِهِۦ اَهْدٰی اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰٓی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۱﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيۥۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيۥۤ ذَرَاكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَيَقُولُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ اِنَّا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا رَاوْهُ زُلْفَةً

۱۔ رزق روزی دیتا ہے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مطلق دینے کے معنی میں بھی خواہ رزق دینا یا اولاد و تندرستی دینا کہتے ہیں۔ رزقی اللہ اولاد اور

اموالا رزقہ اللہ صلاہا۔ یہاں پر رقم عام معنی میں مراد لیا جائے تو نہایت مناسب ہے۔ ۱۲۔ امنہ

سَيَكُنْ وَجْهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ﴿۷۵﴾

بملا وہ جو اپنا منہ اوندھا کر کے چلتا ہے وہ زیادہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھے راستے پر چلا جاتا ہے۔ کہہ دو اسی نے تو تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل بھی بنائے ہیں۔ (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ کہہ دو اسی نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا (بتاؤ) اگر تم سچے ہو کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جب اس کو دیکھیں گے پاس آگاہے تو کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی تو ہے کہ جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

ترکیب : مکہا حال من ضمیر یشی علی وجہہ تو کیدا ہڈی خیر امن والہمزم للہ استفہام الفاء لترتیب ذلک علی ما ظہر من سوء حالہم والکب اسم فاعل من اکب الملازم المطاوع لکہ یقال کہ اللہ فاکب ای سقط وھذا خلاف القیاس لان الہمزم اذا دخلت علی الملازم تصیرہ متعدیا وھنا قد دخلت علی المحدث فیفسرہ لازماً۔ ہذا قول الواحدی وقال صاحب الکشاف لیس الامر کذلک واما جاء شیء من بناء الفعل مطاوعا علی قولک اکب معناه دخل فی الکب وصار ذاکب قس علیہ نظائرہ اقشع وانقض واما مطاوع کب وقع فهو اکب وانقشع۔ امن یمشی خبر من محذوف لدلالة خبر من الاولی وهو اھدی وقیل لا حاجة الی ذلک لان من الثانیۃ معطوفہ علی من الاولی عطف المفرد علی المفرد کقولک ازید قائم ام عمرو والضمیر واحد لان ام لاحد الغضیین۔ قلیلاً ما لفت لحدوف واما مزیدۃ تاکید التقلیل ای شکرأ قلیلاً اوزماناً قلیلاً۔ ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف اخرونی فلما الفاء ففیہ معریۃ عن تقدیر جملة من ترتیب الشرطیۃ علیہما کانه قیل وقد اتاھم الموعود بہ فزودہ فلما رؤہ الخ زلفۃ مصدر بمعنی الفاعل ای قریبا او حال من المفعول سینت الخ جواب لما یقال ساء اشیء یسور فهو سی اذا فتح واسود قیل عطف علی سیحہ عطف المحمول علی المحمول۔ تدعون قرا المحمور بالتشدید فهو اما من الدعاء او من الدعوی کما قال الزجاج والمعنی تطلیون وتستعجلون وتمنون وتسالون وقرئ تخففا معناه ظاہر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ عتو اور نفور میں اڑے ہوئے ہیں۔ اب ان دونوں وصفوں کی قباحت بیان فرماتا ہے۔ فقال آمن یمشی مکیہا علی وجہہ اھدی آمن یمشی سویاً علی صراط مستقیم۔ کہ کیا وہ شخص جو اونچے اونچے رستے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے اس سے زیادہ راستے پر ہے جو صاف اور برابر راستے میں سیدھا چلا جاتا ہے گرتا پڑتا نہیں؟ حالانکہ دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا چہ جائیکہ اس ٹھوکریں کھانے والے اندھے کو جو برے رستے پر چلتا ہے اس سے زیادہ رستے پر اور مقصود کو پہنچنے والا کہے۔ پس وہ جو آسانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے رستے پر صاف چلا جاتا ہے وہ مومن نیک ہے، ضرور منزل مقصود پر پہنچے گا اور یہ ٹھوکریں کھانے والا جاہل سرکش نفس اور شہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے رستے پر چلتا ہے جو بڑا خاردار اور خطرناک رستہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عمیق گڑھے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا پڑتا جاتا ہے۔ یہی منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا، گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوگا۔ یہ کافر سرکش اسلام سے نفرت کرنے والے کی مثال ہے۔

کئی وراستی کا بیان: پھر بعض مفسرین کہتے ہیں اس میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شخص خاص کی طرف۔ دونوں مثالوں میں اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں حضرت نبی علیہ السلام اور ابو جہل مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما اور ابو جہل مراد ہے۔ کئی اور راسی کا بیان۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں کافر و مومن کی روش کئی اور راسی کا بیان ہے۔ بعض کہتے ہیں آخرت کے حال کا ذکر ہے کہ کفار آخرت میں اوندھے گرتے ہوئے چلیں گے۔ کما قال ونحمرہم یوم القیامۃ علی وجہہم اور مومن جنت کی طرف سیدھے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور کفر کی تمثیل ہے کہ آخرت میں بھی وہ یوں متمثل ہو کر

سامنے آئے گی۔ یہ بھی مسئلہ نبوت کے متعلق ایک پراثر بیان ہے۔ اس کے بعد اثباتِ قدرت کا ملکہ پھر ایسے دلائل شروع کرتا ہے جن سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مرنے کے بعد بارگزر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے کس لیے کہ کفار عرب حشر کے منکر تھے اور یہ انکارِ حصولِ حیات سے روکنے والا اور شہوت پرستی پر جرأت دلانے والا تھا۔

دوسرا شاہد: اول شاہد تو پہلے گزر چکا تھا۔ اب دوسرا شاہد ذکر کرتا ہے۔ **وَقَالَ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ** کہ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، نیست سے ہست میں لایا اور اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل بنائے، پر تم کم شکر کرتے ہو۔ پہلی دلیل میں پرندوں کا ہوا میں تھا مناد کو رہا جو اس کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ یہاں انسان کی پیدائش اور اس کی صفات پیدا کرنا بیان فرماتا ہے جو ایک عجیب حیرت بخش مسئلہ ہے جس میں جس قدر غور کرتے جاؤ ہزاروں اسرارِ قدرت سمجھ میں آتے جائیں گے۔ آخر عقل و ادراک خیرہ ہو کر یہی کہہ دیتا ہے۔ **فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ**۔ اس برہان میں کئی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) یہ کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو عقل و ادراک، ہوش و حواس عطا کیا اس کو چھوڑ کر اور کی طرف جھکتا کس قدر انصافی ہے۔ (۲) یہ کہ بن مانگے جس نے تم کو یہ جواہر عطا کئے جن میں سے ایک کی بھی قیمت کوئی نہیں دے سکتا نہ وہ کسی طرح مول لیے جاسکتے ہیں۔ پھر وہ تمہاری رفع حاجات و دفع بلیات میں تمہارے مانگنے پر کیوں کوتاہی کرنے لگا، پھر اور کی طرف جاتے ہو کیا یہی شکر گزاری ہے؟ (۳) تم نے دنیا میں آنے کا راز نہیں سمجھا حالانکہ ہم نے تم کو کان دیے تھے کہ بزرگوں سے سن کر سمجھتے اور آنکھیں بھی دی تھیں کہ اس کی مخلوقات میں نظر کر کے عبرت حاصل کرتے اور جانتے کہ یہ لوگ اس جہان میں آتے اور چند دن رہ کر چلے جاتے ہیں، کیا بات ہے؟ آنکھوں سے بھی تم نے کام نہ لیا، دل بھی دیے تھے کہ خود غور کرتے، مراقبہ کر کے سمجھتے مگر ان سے بھی کام نہ لیا۔ ان کو تو حب دنیا و حب شہوات سے بھر رکھا ہے ہمارے آنے کے لیے جگہ ہی باقی نہ رکھی، پھر ان چیزوں کی یہی شکر گزاری ہے سچ ہے **قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ**۔ (۴) جس نے تم کو اول بار بغیر نمونے کے بنا دیا تمہارے جسم کے اجزاء کن کن غذاؤں سے کیسے جمع کئے پھر کیا وہ بارگزر تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟

تیسرا شاہد: اس کے بعد تیسرا شاہد بیان فرماتا ہے جس میں یہاں آنے کے راز کو کسی قدر ظاہر کیا ہے کہ اسی کے پاس جارہے ہو پھر کچھ کر کے جاؤ۔ **وَقَالَ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ**۔ کہ اسی نے تم کو زمین پر پھیلا دیا۔ کوئی ملک نہیں کہ جہاں اولاد حضرت آدم علیہ السلام نہ ہو تو ہمارے دنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل دنیا بھر میں پھیل گئی۔ یہ برکت اسی نے عطا کی ہے پھر جس نے پھیلا یا وہی تم کو سمیٹ کر اپنے پاس ایک روز جمع کر لے گا۔

واضح ہو کہ یہ دلائل محبت و ثبوت حشر و نشر کے لیے تھے تاکہ وہ آزمائش صحیح سمجھی جائے جس کا اول سورہ میں ذکر تھا۔ **لِيُبْلُوَكُمْ أَنِ كُمُ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ**۔ پھر اس مقصود کے ثابت کرنے کے لیے اپنے کمالِ قدرت پر چند دلائل بیان فرمائے اور ان کو **الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ** تک تمام کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس کو ابتداء پیدا کرنے کی قدرت ہے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ **وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ**۔ گویا تمام دلائل کا نتیجہ ہے جس کے ثبوت میں کسی عقلمند کو ذرا بھی کلام نہ ہونا چاہیے۔ اس جملے کو سن کر منکرینِ حشر کو کوئی حجت باقی نہ رہی مگر صرف تمسخر کے طور پر یہ کہنے لگے۔ **وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ** کہ وہ وعدہ یعنی قیامت کب ہے، اگر تم سچے ہو تو اس کی تعیین کرو۔ یہ ایک مہمل سوال ہے کس لیے کہ خواہ وہ بھی ہو اس کے لیے عاقل کو تیار کرنا چاہیے۔ اس لیے اس کا جواب بھی دوسری طرح سے دیا گیا۔ **قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ** کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دے کہ اس کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں جو ہوں تو تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں، صاف صاف اس کے لیے تعیینِ وقت کا علم

کوئی ضروری نہیں ہاں اس کا علم ضروری ہے جو نذیر کے لیے کافی ہے سو وہ مجھے حاصل ہے اور اس کا مجھے کامل یقین ہے پھر جب وہ وقت آئے گا کہ جس کا کوئی تعین نہیں جانے کب آجائے تو کیا حال ہوگا۔

فَقَالَ فَلَمَّا رَأَوْا زُلْفَةً جَبَسَ لَهُمُ الْقُلُوبُ وَنُوْسُوا فِي رُءُوسِهِمْ لَبِثَ فِي السُّجُودِ ۝۱۰۰
 دہشت اور ہیبت کے مارے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ۔ اور اس وقت شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لیے کہا جائے گا (فرشتے کہیں گے یا ایک دوسرے سے کہے گا) لویہ ہے وہ وقت کہ جس کی بابت تمہیں دعویٰ تھا کہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا یہ ہے وہ کہ جس کو تم دنیا میں پکارتے اور مانتے تھے کہ وہ کب اور کیوں نہیں جلد آچکتا۔

معاذ اللہ مصیبت کا وقت بھی برا وقت ہوتا ہے خصوصاً جس کا کوئی تذکر نہ ہو سکے جب وہ سامنے آتا معلوم ہو جاتا ہے تو ہوش و حواس باقی نہیں رہتے اور رنج و تکلیف، ہیبت و دہشت کے آثار چہرے پر ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ جب ایسی مصیبت آنے والی ہو اور اس کے آنے میں کچھ بھی کلام نہ ہو تو اس سے بے خبر رہ کر حجت بازی کرنا کیسی حماقت اور کیسی بد نصیبی ہے۔

ان آیات میں مسئلہ حشر کی ہولناک کیفیت بیان کی گئی جو رسالت کا ایک مقصدِ اعظم ہے کس لیے کہ یہی انسان کے شہواتی خیالات کو پست کرنے والی چیز ہے۔

فائدہ: حشر حقیقی کا تو ایک وقت معین ہے کہ آسمان و زمین یعنی یہ عالم ناسوتی فنا ہو کر عالم ملکوتی ظہور کرے گا اور وہاں اس عالم کی ہر چیز اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوگی اور تمام بنی آدم خدا تعالیٰ کے پاس حاضر کئے جائیں گے، جزاء و سزا کے لیے اور یہی راز ہے اس جہان میں آنے کا جس کو پہلے لیبلو کہہ ایکھ احسن عملاً میں بیان فرمایا تھا مگر مرنے کے بعد بھی خدا کے پاس ارواح جزاء و سزا کے لیے حاضر کی جاتی ہیں اور اس کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں اور کیا سچا قول ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ کہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی۔ یہ قیامت کبریٰ کا دروازہ ہے اور یہ بھی بہم رکھی گئی ہے تاکہ انتظامِ عالم میں خلل نہ آئے اور زیرک ہر وقت ہوشیار رہے، پھر یہ کبھی فرلائی فرلائی ہوتی ہے اور کبھی کوئی آسمانی حادثہ یا یک آہٹا ہے کہ جس سے ہزاروں لاکھوں یکبارگی ملکِ عدم میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان باتوں کی طرف بھی والہیہ تحشرون میں اشارہ تھا کہ کفار و مشرکین کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں خراب ہو چکی تھیں وہ اس کی بابت بھی وقت کی تعین پوچھتے تھے کہ وہ حادثہ جس کو ہم محض خدا کی طرف سے اپنے کفر و تبت پرستی کی سزا میں سمجھیں کب آئے گا۔ یہ بڑا گستاخانہ سوال ہے۔ اس عالم میں سینکڑوں حوادث پہلے گزر چکے جن کے آثار تمہارے سامنے ہیں اور بہت سے گزر رہے ہیں۔ پھر ان کی بابت سوال کرنا کہ وہ کب ہوں گے، بڑی بیہودہ بات ہے جس کا جواب یہی ہے کہ جب اس کو سامنے آتے دیکھیں گے تو منہ بگڑ جائیں گے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا، فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ
مَنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا،
فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ
مَأْوَاكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ۝

کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کرے یا ہم پر مہربانی کرے پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ کہہ دو وہی

رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ بھی کر رکھا ہے۔ پھر تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون صحیح گمراہی میں پڑا ہے۔ کہہ دو بھلا دیکھو تو کسی اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا؟

ترکیب : اراء یتیم بمعنی خبرونی کما قال اکثر المفسرین والجملة الشرطیۃ ان اهلکنی اللہ الخ سدت مسد المفعولین فمن یجیر الکافرین الخ جواب الشرط امتناہ وعلیہ تو کلنا صفۃ الرحمن وقیل هو ضمیر الشان امتنا بہ خبر الرحمن من استفہامیہ فی محل العصب علی انہ مفعول تعلمون ان اصبح شرط غورا خبر اصح والغور مصدر فی معنی الغایہ وبقال غار الماء غورا ای نصب فمن یتاتیکم الجملة جواب الشرط معین ظاہر ترہ العیون وقیل هو من مکئن الماء اذا اکثر وقال قتادة والضحاک ای جابر۔

تفسیر : ان امور آخرت کو سن کر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کرتے تھے کہ کیا ہم پر قحط و باغیرہ کا عذاب آئے گا تو تم بچ جاؤ گے؟ یہ بھی ایک نامعقول گفتگو تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے قُلْ اَرَأَیْتُمْ اِنْ اَهْلَکْنِی اللّٰهُ وَمِنْ مَعِیْ اَوْ رَحِمْنَا فَمَنْ یُجِیْرُ الْکَافِرِیْنَ مِنْ عَذَابِ الْیَمِّ کہ اے نبی! ان سے کہہ دے کہ بتاؤ اگر مجھے اور میرے ساتھ والوں ایمانداروں کو اللہ ہلاک کر دے یا اپنی مہربانی سے بچالے جو کچھ ہو مگر تم عذاب الیم سے جو تمہارے کفر کا بدلہ ہے کس طرح بچ سکتے ہو، اپنی فکر کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے تھے اور کوستے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو نہیں مانتے، یہ جلد ہلاک و برباد ہوں گے۔ اس کے در جواب یہ کہا گیا کہ ہمارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلاک کرے، چاہے بچالے مگر تم تمہارے معبود عذاب الیم سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔ ہم کو ہلاک کرے یا مہربانی کرے شک کے طور سے نہیں کہا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اور اپنے گروہ کا مہربانی پر بھروسہ کا مل تھا اور آپ کو وعدہ دیا گیا تھا لیکن ایسے محل پر مخالف ہٹ دھرم سے اسی طرح کی گفتگو کی جایا کرتی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اَمْنَابِهٖ وَ عَلَیْہِ تَوَكَّلْنَا کہ ان سے کہہ دے وہ رحمان یعنی نہایت مہربان کرنے والا ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا ہر کام میں بھروسہ ہے۔ بے شک وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں، ایمان لانے والوں کو نوازتا ہے۔ تمہارے بت ہمارا کچھ بھی نہ کر سکیں گے، تم ایسے بیہودہ خیالات کی صریح گمراہی میں ہوا بھی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ۔ کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ابھی سے کیا مراد؟ موت کے بعد جو قریب ہے یا وہ بلائیں عنقریب تم پر آنے والیاں ہیں چنانچہ قحط آیا مقہور ہوئے۔ یا یہ مراد کہ خدا پاک نور ہدایت کو پھیلاتا جاتا ہے، ابھی تم کو بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ ہم صریح گمراہی میں تھے چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں لاکھوں اسلام کے نور سے منور ہوئے اور بعد میں مقرر ہو گئے کہ ہم گمراہی میں تھے، قیامت کے دن کو قیامت بظاہر دور ہے مگر آنے والی ہے اور آنے والی دور بھی نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان کے بتوں کی کمزوری اور خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَأَیْتُمْ اِنْ یَسْجُدَ مَا یُسَبِّحُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّتَذَکَّرُ بِمَا مَعِیْنٍ۔ کہ ان سے کہہ بھلا بتاؤ تو سبھی خدا اگر تمہارے پانی کو (یعنی کنوؤں کے یا نہروں کے پانی کو) سکھا دے تو پھر وہ کون ہے جو کثرت سے پانی تمہارے پاس لے آئے۔ اس بات کو وہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ بس میرا بادشاہ و بابرکت جس نے برکت کے یہ سامان کئے اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہے خشک کر دے، پھر وہ قادر باری و ضار ہے یا تمہارے معبود؟ میرے معبود کے ہاتھ تمہاری جان ہے تمہارے معبود کے ہاتھ میرا کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ! کس موقع پر کلام تمام کیا ہے کہ جس کو اول و اوسط سے کمال ارتباط ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جملے کے بعد مستحب ہے کہ اللہ رب العالمین کہے جس کا یہ مطلب کہ اللہ پانی لائے گا۔ بعض متکبرین نے یہ آیت سن کر کہا کہ ہم کھود کر نکال لائیں گے خدا نے اس کی آنکھوں کا پانی کھود دیا، اللہ سے ڈرتا رہے گستاخی نہ کرے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِمُعْجِزٍ لِّكَ لَا تَجْعَلُ الْغَيْبَ مُنَافًى ۝ وَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ فَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝

بِأَيِّكُمْ الْمَفْتُونُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۝ وَهُوَ أَعْلَمُ

بِالْمُهْتَدِينَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝

نون۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو اس سے لکھتے ہیں۔ آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانہ نہیں اور آپ کے لیے تو بیشمار اجر ہے اور آپ جو ہیں تو بڑے ہی خوش خلق ہیں۔ سواب آپ بھی دیکھ لیں اہل ہودہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ پس آپ جھٹلانے والوں کی نہ مانیں۔

ترکیب : ن۔ قرئی بادغام النون الثانیہ من ہجائہ فی الواو قرئی بالانظہار وبالفتح وبالكسر وبالضم اما الفتح فباضمار فعل والفتح علی اضمار القسم اول الالتقاء الساکنین والضم علی النباء۔ والقلم الواو القسم وما موصولة یسطرون صلة والعائد محذوف والجملة معطوفة علی القلم ما انت الجملة جواب القسم وان لك الجملة معطوفة علی الجملة السابقة وایک ایضا معطوفة علیہا والجملة الثالث جواب القسم۔ بایکم المفتون الباء زائدة ویسکن ان یكون المفتون مصدر مثل المعقول والیسو رای بایکم الجحون۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی ہے۔ حسن و مکر مد و عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سب سے اول اقرء نازل ہوئی۔ پھر سورۃ نون، پھر مزمل، پھر مدثر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ سورۃ مکے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ مکے اور کچھ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۃ قلم بھی کہتے ہیں اور سورۃ نون بھی۔ کس لیے کہ نون بھی اس کے اول میں ہے اور قلم بھی ہے۔

اس سورۃ میں بھی بلحاظ تقدم نزول کے مسئلہ نبوت پر دلچسپ بحث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باریکات میں جو مخالفین نبوت اپنے خیالات فاسدہ سے عیب ثابت کرتے تھے کہ آپ دیوانے ہیں اور ناحق دنیا سے لڑتے جھگڑتے ہیں، بدخلق ہیں، ان کی بدلائل تو یہ نئی کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات تھی نہ مستبعد کس لیے کہ ملک عرب اور اس کا مکہ شہر گمراہی اور ہلاکت کی اندھیریوں میں پڑا ہوا تھا ایسے وقت خدائے پاک کی توحید و عظمت بیان کرنا اور مکارم اخلاق کی تعلیم دینا اور ان بری باتوں کی ممانعت کرنا جو ان کی طبیعت میں خیر ہو گئی تھیں اور صدیوں سے باپ دادا کو انہیں پر چلتے دیکھتے آئے تھے ایک نہایت حیرت خیز بات تھی جس کے قائل کو دیوانہ کہنا کچھ بڑی بات تھی اور جا بجا بڑے الفاظ میں منادی کرنا اور دردمندی سے ان ڈوبتوں کو بچانے کی کوشش کرنا ان کی طبیعت کے برخلاف کام تھا جس کو بدخلقی اور تعصب کہتے تھے اور آپ کے مسامحیہ جلیلہ کا نتیجہ آپ کے حق میں مہلک خیال کرتے تھے اور آپ کو اس طریقہ سے پھیر کر اپنی طرف لانا آپ کے حق میں بہتر خیال کرتے تھے۔ ان سب باتوں کا رد ان آیات میں بڑی تسلی بخش الفاظ میں کیا گیا ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جموئی بات پر کم قسم کھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو کوئی جھوٹ پر قسم کھائے گا برباد ہو جائے گا اس لیے خدائے پاک اپنے کلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرتا ہے قسم سے شروع کرتا ہے۔ فقال ن وَالْقَلَمِ

وَمَا يَسْطُرُونَ کہ قسم ہے نون اور قلم سے لکھی ہوئی چیزوں کی ممانت الخ کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) افضل الہی سے دیوانہ نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

نون سے کیا مراد ہے؟ نون سے کیا مراد ہے؟ اس کی پوری بحث سورہ بقرہ کی تفسیر الم میں ہم کر آئے ہیں مگر یہاں اس قدر جا لینا کافی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نون کسی کلمہ کا حرف ابتدائی یا اخیر حرف ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ ابتدائی حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں یہ ناصر یا نصر یا نحن نصر کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کفار کے غلبہ و شوکت اور اپنے متبعین کے ضعف و قلت کا خیال نہ کر ہم اس دین کی مدد کریں گے اور غلبہ دیں گے۔ چنانچہ غلبہ دیا اور وعدہ سچا کر دکھایا۔ بعض کہتے ہیں نور کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دنیا ظلمات سے بھر گئی ہے، اللہ نے اپنا نور ظاہر کیا جو تجھے بھیجا اور جہان کو روشن کرنے کے لیے مکے کے پہاڑوں سے آفتاب ہدایت کو جلوہ گر کیا جس کی کرنیں تھوڑے سے دنوں میں زمین کے کناروں تک پھیل گئیں اور وہ کسی کے روکے سے نہ رکیں۔ واللہ متعہ نورہ۔ اور اخیر حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں الرحمن کی طرف اشارہ ہے کہ ہم رحمان ہیں، اپنی رحمت کاملہ سے دنیا میں نبی اور کتابیں بھیجی ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سورہ کی آیات میں اخیر حرف نون ہے جیسا کہ بلغاء فصحاء اول ہی کہہ دیتے ہیں کہ لام یعنی لام کی ردیف ہوگی۔ ان سب صورتوں میں نون حروف میں سے ایک حرف تجبی مراد ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ نون سے مراد مچھلی ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں وہ مچھلی کہ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مچھلی جس کی پشت پر زمین ہے جس کا نام لہوت یا بلبوت ہے۔ پھر اس کی تفصیل میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے آسمان اور زمین بنائے تو عرش سے فرشتہ بھیجا جس نے زمین کو اپنے منہ میں ڈال کر کھڑا ہوا اور نیل کے سینکڑوں زمین میں سے باہر نکل آئے ہیں اور اس کے جس کے چالیس ہزار سینکڑے تھے اور چالیس ہزار پاؤں تھے۔ نیل کے کوہان پر زمرہ کی چوکی رکھی اس پر فرشتہ نے پاؤں رکھے مگر پھر نیل کے پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے ایک بڑا پتھر پیدا کیا جس پر وہ نیل کھڑا ہوا اور نیل کے سینکڑوں زمین میں سے باہر نکل آئے ہیں اور اس کے تختے سمندر میں ہیں۔ جب وہ سانس لیتا ہے تو سمندر کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کف بھی پیدا ہوتے ہیں اور جب دم کھینچتا ہے تو پانی سمٹ جاتا ہے یعنی مد و جزر اس کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ پتھر جس پر نیل کھڑا ہے ایک مچھلی پر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور مچھلی پانی پر ہے اور پانی ہوا پر ہے جس سے اشارہ ہے کہ جہان کی بنیاد ہوا پر ہے۔ پھر اس مچھلی اور نیل کی بابت عجائب و غرائب روایات مذکور ہیں۔ یہ روایت ابن المنذر بن عبد بن حمید و ابن مردویہ نے کی ہیں اور مجاہد و سدی و مقاتل و مرہ ہمدانی و عطاء خراسانی کلبی وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ یہ روایات محققین محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں اس لیے انہوں نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھنا برا سمجھا۔ فن موضوعات میں آئمہ جرح و تعدیل نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے۔

- ۱۔ تب اس میں اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوگا جو معتزب یعیہا علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کر گئے تھے جس کا کتاب یعیہا کے ماثوین باب میں ذکر ہے۔ بقولہ ”انھد روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا“۔ ۱۲۰۲
- ۲۔ یہ ایک حدیث کا فن ہے جس میں محدثین نے تحقیق و تدقیق سے جھوٹی اور لوگوں کی بنائی ہوئی حدیثوں کو جدا گانہ لکھ دیا ہے جیسا کہ ابن حنن و عقل و ازوری کی تصنیف اور دائرۃ القطب کے افراد اور خطیب کی تاریخ اور حاکم کی اور کامل بن عدی کی اور میزان ذہبی کی۔ ان بزرگوں نے ضعاف و موضوعات کو چھانٹ لیا ہے اور بعض علماء نے خاص موضوعات کے لیے تصانیف کی ہیں جیسا کہ موضوعات ابن الجوزی و صفاتی و جوز قانی و قزوینی۔ پھر محمد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کا مختصر اور سخاوی کا مقاصد اور تمیز الطیب من الخبیث ربیع کی اور سیوطی نے ایک رسالہ بنام ذیل لکھا۔ ابن جوزی کے موضوعات پر اور دوسرا آئی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ۔ اور عراقی نے احیاء العلوم پر تخریج لکھی اور طاہر ہندی نے تذکرہ لکھا اور ملا علی قاری نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ پھر ان کے بعد شوکانی نے التوئمۃ المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ایک جامع کتاب لکھی۔ ۱۲۰۲

صوفیہ کرام کا مذہب: بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ نون سے مراد نفیس کلیہ اور قلم سے عقل کلی ہے۔ اول میں کنایہ ہے کلمہ کے اول حرف کے ساتھ اور دوم باب تشبیہ سے ہے کہ نفس میں صور موجودات تاثیر عقل سے منقش ہو جاتے ہیں جیسا کہ صور لوح پر قلم کی تاثیر سے منقش ہوتی ہیں۔ وَمَا يُسْطَرُّونَ سے مراد صور اشیاء اور ان کی مایات اور ان کے احوال جو صادر ہونے والے ہیں اور لکھنے والے عقول متوسط ارواح مقدسہ میں گر چہ کتاب ازلی حقیقت میں وہی ہے لیکن ان کی طرف مجاز اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ذریعہ ہیں۔ (از تفسیر علامہ محی الدین بن عربی)۔

بعض کہتے ہیں نون سے ذات باری اور قلم سے صفات مراد ہیں وَمَا يُسْطَرُّونَ سے وہ افعال و حالات جو الواح تقدیر پر لکھے جاتے ہیں۔ (عرأس) صاف مطلب یہ ہے کہ نون ایک حرف ہے جو شروع کلام میں کسی خاص رمز کے لیے آیا ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے جیسا کہ اور حروف سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں۔ وَالْقَلَمُ وَمَا يَسْطَرُّونَ سے قسم شروع ہوتی ہے کہ ہمیں قلم کی قسم اور اس کی جو لکھتے ہیں۔ قلم سے کیا مراد ہے؟ اب قلم سے خواہ وہ نورانی قلم مراد لو یعنی اندازۃ الہیہ کہ جس نے ازل میں ہر شے کو الواح علیہ پر ثابت کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جف القلم بمانت لاق رواہ البخاری۔ قلم کے خشک ہونے سے کنایہ ہے قلم الہی سے مقادیر لکھے جانے اور ان سے فارغ ہو جانے سے۔ ترمذی بخاری نے روایت کی ہے کہ اول خدا نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر لکھ پھر جو ہوا اور اب تک ہوگا سب کچھ لکھا گیا۔ قلم اور لوح وہی تقدیر علمی اور مرتبہ وثبوت فی علم اللہ ہے جو ازل میں تھا جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نوٹہ ازلی کا ثبوت انجیل متی کے ۲۶، باب ۵۴ جملے سے بھی ہے۔ قولہ ”کیا تو نہیں جانتا کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ ٹمن سے زیادہ میرے لیے حاضر کر دے گا“ ۵۴۔ پر نوشتوں کی بات کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے تب کیونکر پوری ہوگی۔ خواہ اس سے مراد وہ قلم اور وہ لکھنا ہو کہ جو ملائکہ انسان کے نیک و بد کام لکھتے ہیں جس میں منکرین نبوت کے لیے سرزنش ہے۔ خواہ دنیاوی لوگوں کے قلم اور ان کی تحریرات مراد ہوں۔ پھر عام ہے کہ ہر معاملہ و انتظام دنیا کی بابت ہوں کس لیے کہ یہ بھی انعام الہی ہے جس پر دنیا کے صد ہا انتظام مربوط ہیں۔ خواہ علماء ربانین کے قلم اور ان کی تحریر مقدس اور الہامی کتابوں کی بابت ہو جس کو قریش بھی عمدہ اور متبرک سمجھتے تھے یا عام علمی قلمیں اور ان کی تحریریں ہوں جس سے اشارہ ہے کہ اسی دنیا میں پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان کے منہ کی الہامی باتیں لوگوں نے تحریر کی ہیں اور پھر ان کو بھی اس عہد کے جاہلوں نے دیوانہ بنایا ہے جس پر وہ عتاب الہی میں گرفتار ہوئے ہیں اور ان باتوں کو اہل قلم مؤرخین نے لکھا ہے ان سے پوچھو۔ دیکھو بہر حال ایک عمدہ اور اعلیٰ چیز کی قسم ہے کفار کے ابطال کے لیے کہ وہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے اور آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔ اس بات کا رد کرنے میں نون اور قلم اور تحریر کی قسم سے ایک عمدہ مناسبت ہے۔ کس لیے کہ نبوت علوم کا سرچشمہ ہے جو ایک اعلیٰ ترین نور ہے جس کی فیوضات بعد میں یا اس کے روبرو مبارک ہاتھ لکھا کرتے ہیں اور مقدس صحائف میں درج ہیں اور وہ دنیا کی اصلاح و فلاح کا عمدہ ذریعہ ہوتے ہیں مگر جاہل دماغ جب ان باتوں کو قبول نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دیوانہ کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح ہر معنی سے قسم اور مقسم بہ میں مناسبت ہے۔

اور پھر ان چیزوں کی قسم پہلی سورۃ تبارک سے کمال مناسبت رکھتی ہے کس لیے کہ اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کا اظہار کیا تھا اور اس کے متعلق آسمانوں و زمین کا بلند اور وسیع مکان بنانا اور مطیع اور سرکشوں کے لیے دارالانعام اور جہنم کا قید خانہ وغیرہ امور ذکر فرمائے تھے مگر دفتر شاہانہ کا ذکر نہ آیا تھا اس لیے یہاں نون اور قلم اور تحریر سے وہ بات بھی ثابت کر دی۔ قلم کے فضائل یعنی علم کی خوبیاں اور قلم سے نبوت کی مناسبت کہ قلم جس طرح لکھنے والے کے ہاتھ میں مجبور ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تابع الہام ہیں، آپ سے کچھ نہیں فرماتے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ پر علماء نے بہت کچھ بیان کئے ہیں۔

کس لیے مجنون کہتے تھے؟ : تین چیزوں کی قسم کھائی، ن، قلم، تحریر کی اور قسم کھا کر تین باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ کہ تو اے نبی! اپنے رب کی نعمت یعنی عنایت سے دیوانہ نہیں اور جملہ کو اس لیے اور نا سے مؤکد کیا جو عین مقتضائے بلاغت تھا کس لیے کہ وہ آپ کو مجنون بھی بڑے زور سے کہتے تھے اور وجہ مجنون کہنے کی وہی تعلیم تو حید و مکارم اخلاق تھی مگر نیا ایک سبب اور بھی پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت کے بعد کہ جس سے تمام کے میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کی لونڈی اور زید رضی اللہ عنہما آپ کے متبھی ایمان لائے تو آپ نے ان کو وضو اور نماز کے طریقے سکھائے جس سے اور بھی اہل مکہ کوئی بات دیکھ کر حیرت ہوئی اور آپ کو دیوانہ کہنا شروع کر دیا اور لطف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد دانائی کے نبوت سے پہلے نہ صرف قریش مکہ بلکہ اور اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے اور آپ کی زیر کی ضرب المثل تھی۔

(۲) وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مُمْنُونٍ کہ آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ یہ گویا دلیل ہے پہلے جملے کی۔ کس لیے کہ دیوانے کی کوئی بات قابل مدح اور سبب اجر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا برخلاف اس کے آپ کو اجر ہے ان تمام مساعی، جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا؟ بے انتہا کس لیے کہ دنیا میں تو حید و خدا پرستی اور مکارم اخلاق کے (ان کے ہٹ جانے کے بعد) آپ ہی مروج اور معلوم ہیں جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا اور ہر ایک نیک کام کے بانی اور مروج کو بعد میں اجر ملا کرتا ہے۔ یہ اس کے باقیات الصالحات میں شمار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دنیا میں گویا ایسے آدمی زندہ رہ کر نیک کام میں حصہ لینے والے شمار ہوتے ہیں اور زندہ تصور کئے جاتے ہیں۔

فائدہ: مومنون مقطوع کہتے ہیں معنی الجمل اذ اقطعہ غیر مومنون غیر مقطوع کہ وہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور یہی معنی ہیں۔

(۳) وَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔ یہ بھی اسی جملے کی ایک دلیل قوی ہے۔ کس لیے کہ مجنون کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے کہ آپ کے اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ کے وہ بھی بالاتفاق قائل تھے پھر دیوانہ کہنا دیوانہ پن ہے۔ خلق کیا ہے: خلق ایک نفسانی ملکہ ہے جس کے سبب انسان عمدہ کام باسانی کر سکتا ہے، اچھے کام کرنا اور بات ہے اور ان کو آسانی سے کرنا اور بات ہے۔ پس وہ حالت جس کی وجہ سے سہولت نیک کاموں کو کر سکے اس کو خلق کہتے ہیں جس کی جمع اخلاق آتی ہے۔ خلق خلق بالضم و بالضمین خوئے (صراح) خلق بخل اور لالچ اور غضب اور معاملات میں تشدد سے بچنا اور لوگوں سے معاملات میں نرمی، درگزر، مروت، سیرجشی سے پیش آنا، انتقام سے درگزر کرنا، اقارب و احباب کے ساتھ سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا، کینہ اور حسد سے دور رہنا بھی خلق میں داخل ہے۔ حیاء و شرم کرنا، سخت کلامی اور فحش گوئی اور طعنہ بازی سے بچنا اس کا ایک جز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں یہ سب باتیں فطری طور پر خمیر کر دی گئی تھیں۔ ان باتوں کو بحکف عمل میں لانے کی حاجت نہ تھی بلکہ بے تکلف خود بخود آپ سے سرزد ہوتی تھیں۔ خلق محمدی دنیا میں مشہور ہے۔ حضرت ﷺ کی روح پاک میں معارف الہیہ حقہ کے قبول کرنے کی نہایت استعداد رکھی تھی اور بری باتوں غلط عقائد کے قبول کرنے کی مطلقاً استعداد نہ تھی اس لیے یہ ملکہ آپ میں تھا جس کو خلق سے تعبیر کیا۔

ابی الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا، فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا جس سے وہ راضی اس سے آپ راضی جس سے وہ ناخوش اس سے آپ ناخوش تھے۔ (اخرجہ البیہقی فی الدلائل و ابن مردویہ و ابن المنذر) اس قسم کی ایک روایت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مسلم و ابن المنذر و حاکم وغیرہم نے نقل کی ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ﷺ کا نفس مقدس بالطبع عالم قدس کی طرف مائل اور اس کے ساتھ جس قدر چیزیں متعلق ہیں ان کی طرف راغب تھا اور لذات بدنہ اور سعادت

دنویہ سے بالطبع آپ کو سخت نفرت تھی۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ عَاشَرُ عَلَمٌ کہتی ہیں آپ سے زیادہ کوئی خوش خلق نہ تھا، جب کسی نے بلایا تو آپ نے یہ فرمایا، البیک یعنی حاضر۔ نہ عمر بھر کسی کو مارا نہ گالی دی، نہ سخت کلامی سے پیش آئے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس برس تک میں حضرت ﷺ کی خدمت میں رہا، آپ نے کبھی مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا؟ کتب شمائل اور سیر میں اس سے زیادہ آپ کے مکارم اخلاق مذکور ہیں۔

آج کل مٹھکو بازی اور فحش گوئی اور بے جادل لگی اور ہنسی کا نام خلق رکھا ہے۔ افسوس!

فائدہ: علی کا لفظ استعلاء کے لیے عرب میں مستعمل ہوتا ہے۔ علی خلقی کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ان اخلاقی حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی معنی میں وسعت پیدا کر دی کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے انبیاء علیہم السلام کے اقتداء و اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ بقولہ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ اَقْتَدُوا۔ اور یہ ظاہر کہ معرفت البقی اور احکام شرائع میں یہ اقتداء نہیں تو لاحالہ ان کے اخلاق میں اقتداء کرنا ہے تو جو ہر ایک نبی علیہ السلام کے اخلاق تھے ان سب کا مجموعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہوا اس لیے آپ کا خلق عظیم تھا۔ کیا خوب کہا ہے خسر علیہ الرحمہ نے ع

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ تین باتیں تین چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمائیں جن میں سے ہر ایک کو دوسری سے مناسبت تامہ ہے اور پھر ہر ایک کو ہر ایک چیز سے کہ جس کی قسم کھائی ہے عجب مناسبت ہے۔ اور مجموعہ کو مجموعہ سے مناسبت ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں جدا جدا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں اور مجموع مرکب ہو کر بھی جس کی تقریر اذہان صافیہ پر چھوڑتا ہے۔

پیشین گوئی: اس برہان قاطع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا آئندہ آنے والی نشانی سے پورا اطمینان دلاتا ہے اور ایک پیشین گوئی کرتا ہے جس کو اہل مکہ نے بہت جلد آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فَقَالَ فَسَتُبْصِرُوْهُ يُبْصِرُوْنَ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ابھی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا دیکھ لیں گے؟ بعض علماء کہتے ہیں دنیا کی سزا جو بدر کے دن اور ایک قحط عظیم سے قریش کو ملی جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ بعض فرماتے ہیں، یہ عذاب آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ مگر میں کہتا ہوں ہاں کہہ المفتون۔ یہ مہرون کا مفعول ہے بذریعہ تب یہ معنی ہوئے کہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کون فتنے میں پڑا ہے، دیوانہ یا مقہور ہے چنانچہ چند برسوں کے بعد جب آفتاب ہدایت اور بلند ہوا تو تمام عرب نے جان لیا کہ ہم گمراہی میں تھے ناحق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ لوٹنیاں اور غلام، بوڑھے اور بچے، شریف و وضع سب کی آنکھوں میں ان کی وہ پہلی حالت جو بت پرستی اور قسم کی بدکاری تھی مبتذل ہو گئی۔ یہ کوئی تھوڑی بات نہیں، کوئی شخص جو دراصل خدائے تعالیٰ کا فرستادہ نہ ہو اور اس کو اپنے نور باطن و تاثیر بے حد کا پورا بھر و سانس ہو ایسی جاہل بت پرست مغرور بدکار قوم کی نسبت یہ دعویٰ کر سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کی ایسی جلد کا پلٹ دینے کا بیڑا اٹھایا اور نہ اٹھا سکتے تھے۔ اس اعجاز سے بڑھ کر دنیا میں کسی نبی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، اِنَّ رَّبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ کہ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستے سے بچلا ہوا اور کون راستے پر ہے؟ جو گمراہ ہے اور گمراہی کو ہدایت جانتا ہے اس سے بڑھ کر کون دیوانہ ہے اور ہدایت پانے والے سے جو سیدھی راہ چلا جا رہا ہے کون ٹھکند ہے؟ اس میں اشارہ ہے کہ وہی گمراہ ہیں اور وہی دیوانے ہیں۔ ان کے دیوانہ پن کی دلیل ان کی گمراہی ہے اور آپ اور آپ کے تبعین کے عاقل ہونے کی دلیل ہدایت پر ہونا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ جو اپنے آپ کو عاقل اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں جموئے ہیں۔ کس لیے کہ تو ہدایت پر اور وہ گمراہی پر ہیں۔ اور امتیاز جو ہدایت و گمراہی سے حاصل

ہو وہ اس امتیاز سے بہتر ہے جو عقل و جنون سے حاصل ہو۔ کس لیے کہ وہ سعادت و شقاوتِ ابدیہ کا ثمرہ ہے اور یہ سعادت و شقاوتِ دنیویہ کا نتیجہ ہے۔ پھر جب یہ دیوانے ہیں اور دیوانگی سے جھلاتے ہیں تو فَلَاطِطُ الْعُبْكَدِیْنِ۔ ان جھلانے والوں کا کہانہ مان کیونکہ وہ تجھے اسی حالتِ خراب کی طرف بلا رہے ہیں جس میں وہ خود جھلتا ہیں۔ دنیا میں جو مذہب و ملت کا جھگڑا اور لڑائی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہدایت پانے والا دوسرے گمراہ بھائی کو دیکھ رہا ہے کہ یہ ڈوبا جاتا ہے اس لیے اس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس کو ڈوبتا جان کر اس کے برخلاف کوشش کرتا ہے اور پھر ہر ایک فرقہ کو دوسرے سے رفتہ رفتہ رنج و عداوت بھی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ جنگ و جدال ہوتا ہے۔

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ٩ وَلَا تَطْعَمَ كُلَّ يَوْمٍ مِنْهُنَّ ١٠ هَمَّا ز

مَشَاءُ بِنَبِيِّهِ ۝ مَتَاءٌ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَتَيْتُمْ ۝ عَتَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْنِمْ ۝

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَيْنِي ۖ ﴿٣٧﴾ إِذَا تُنْتَلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

سَنَسِبُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ③

وہ چاہتے ہیں آپ نرم پڑ جائیں تو بھی نرم پڑ جائیں اور (اے رسول!) آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آجائو جو بری قسمیں کھاتا ہے۔ ذلیل طعنہ باز، چغل خور بھی ہے۔ بھلی باتوں سے روکنے والا ظالم بدکار سرکش اس پر دھاصل بھی ہے اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا بھی ہے جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں (آپ دیکھیں) عتق رب ہم اس کے ناکڑے پر داغ لگاتے ہیں۔

ترکیب : فیدھنون عطف علی تدھن داخل فی حیزادھو مبتداء محذوف ای فھم یدھنون وجواب لمحذوف وکذا مفعول ودوا ای ودوا اوھا تک لودھن فیدھنون ویمکن ان یکون فیدھنون مع المبتداء المحذوف جواب لوالا الشرط والجزاء الجملة مفعول ودوا و فی بعض المصاحف فیدھنوا محذوف النون علی اند جواب التمنی المفھوم من ودوا ان کان الخ بالفتح مصدریۃ متعلق بقولہ ولا تطعم ای لا تطعم من ھذہ مثالہ لان کان متمولاً مستظہراً بالبنین۔ ھذا قول الفراء والزجاج وقرئ ان بالکسر علی الشرط وجواب الشرط محذوف دل علیہ اذا تتلی ای ان کان ذوال مال یکفر اولاً تطعم لھا الخاطب کل حلاف شارطاً یارہ اذا شرط قال جوابہ۔

تفسیر : اول بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اطاعت سے منع کیا تھا۔ بقولہ فلا تطعم المکذبین اب اسی بات کو اور مؤکد کرتا ہے۔ فقال ودوا کہ وہ کفار چاہتے ہیں لو تدهن کہ اگر آپ مدھنت کر جائیں، حق سے چشم پوشی کر جائیں اور بت پرستی کی برائی نہ کریں تو فیدھنون وہ بھی آپ سے تشدد نہ کریں۔ گول گول باتیں کہنے میں کچھ مانعت نہ کریں۔ مفسرین نے ان آیات کے متعلق نقل کیا ہے کہ ابو جہل اسود بن عبد یغوث و انض بن شریق وغیرہ مکے کے رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند و نصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کی عیش و عشرت میسر آئے تو آپ فرمائیں، اگر عورتوں سے رغبت ہے تو عمدہ سے عمدہ کنواری لڑکیاں آپ کے لیے حاضر کریں اور آپ جس سے فرمائیں نکاح کر ادیں۔ اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال اور مواشی حاضر کریں۔ اگر سرداری مقصود ہے تو آپ ہماری قوم میں عالی نسب عقلمند ہیں، ہم آپ کو سردار بنادیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان باتوں میں سے کوئی مطلوب نہیں، صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا آج تو آپ عبادت کیا کریں مگر بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں۔ ہم بھی آپ پر طعن و تشنیع نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ودوا الوتدهن الخ۔

مگر ان سب کفار میں ولید بن المغیرہ بڑا بد ذات تھا اس کی بد ذاتی یہ تھی کہ جھوٹا، بات بات پر قسمیں کھانے والا، چغل خور، نیک کاموں سے روکنے والا، بد مزاج، سرکش حرامی تھا۔ مال و اولاد کا بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی امارت و ریاست کے نشہ میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں، عدول حکمی نہ کریں۔ اس توحید و خدا پرستی سے باز آ جائیں اس لیے بالخصوص اس کی اطاعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا۔ آپ خود بھی اس کی اطاعت کرنے والے نہیں تھے مگر تاکیدا حکم دیا اور اس کا نام نہیں لیا۔ اس کے اوصاف و ذیلہ بیان کر دیے تاکہ لوگوں کو ایسے اوصاف سے نفرت ہو اور ترک کریں اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایسے اوصاف کا شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی اطاعت کرے۔ فقال وَلَا تَطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ کہ آپ ہر ایک بہت قسمیں کھانے والے کی نہ مانیں، بات بات پر قسمیں کھانا رذالت و کاذب ہونے کی دلیل ہے۔ مہین ذلیل حقیر دنیاوی باتوں پر جھوٹ بولنا۔ قسمیں کھانا ذلیل کر دیتا ہے جس سے اس کی پست بہمتی اور ہلکا پن ثابت ہوتا ہے۔ اس کے سوا وہ موذی بھی ہو۔ ہماز طعن کرنے والا، لوگوں کو برا کہنے والا، لوگوں کے حسب و نسب، اخلاق، صورت، سیرت میں طعن کر کے لوگوں کو ایذا دینے والا۔ مشاء بنمیمہ چغل خور ایک کو دوسرے سے لڑا دینے والا۔ مناع للخیبر نیکی سے منع کرنے والا، اگر اس کی اولاد یا نوکروں میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو وہ دھمکاتا کہ کھانا بند کر دوں گا۔ معتد، ظالم، لوگوں کے حقوق تلف کرنے والا۔ مزدور سے کام لیا، مار پیٹ کر نکال دیا۔ اثمہ بدکار شراب پینے والا، زنا لواطت کرنے والا، عتلی سرکش اڑیل بد مزاج، کسی کی بات خود پسندی سے نہ ماننے والا۔ بعد ذلك ان سب عیبوں کے بعد زنیہ ولد الزنا۔ حرام کا نطفہ بیشتر اخلاقی رذیلہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر و برکت شجاعت و حمیت کم ہوتی ہے۔ جن والیان ملک نے بیشمار عورتیں گھر میں ڈال کر حرامی اولاد جنوائی نہ ان میں شجاعت و عفت دکھائی دیتی ہے نہ ریاست و سیاست کی غیرت باقی ہے۔ مرد چھپھور بے بدکار، کمینہ پرست، عورتیں فاحشہ خاندان برباد ہوا۔ نطفے میں ضرور ایک نیک و بد اثر ہوتا ہے۔ علاوہ صحت و مرض جسمانی کے حلالی حرامی ہونے کا بھی ایک اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زنیہ کے معنی فصیح نے شریر کے بھی بیان کئے ہیں۔ عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے زنیہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی گردن میں رسولی تھی جس سے وہ پہچانا جاتا تھا اور لغت میں زنیہ کے معنی زیادہ کے ہیں اور بکری کے کان چیر ڈالتے ہیں اور وہ سوکھ کر لٹک جاتے ہیں تو ان کو زنیۃ الشاة کہتے ہیں۔ معاذ اللہ جس میں ان باتوں میں سے ایک بھی ہو وہ بھی قابل نفرت ہے اس کی اطاعت کیسی! چہ جائیکہ اس میں اس قدر عیب ہوں۔ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ۔ اس لیے کہ وہ مال اور لڑکوں والا ہے مغرور اور نافرمان ہوا ہے اور اس نالائق پر یہ نعت پا کر شکر گزاری نہیں کرتا۔ بلکہ اذَّاتَّلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلٰیْنَ۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں کہ سن کر اپنے اخلاق درست کرے، ہماری طرف رجوع ہو وہ سن کر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، کلام الہی نہیں۔ اس لیے اس ناشکر کے لیے دنیا میں ہی ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر و غرور کو مٹا دے۔ وہ کیا سُنُسْمَ عَلَی الْغُرُطُوْمِ کہ ہم ابھی اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر چرکا لگا۔ مکے میں آ کر اس پر پھایا لگایا اچھا ہی نہ ہوا ایک داغ ہو گیا اور آخر اسی مرض میں سخت تلخی اٹھا کر سیدھا جہنم میں گیا۔

فوائد: (۱)۔ اس بد بخت نے نبی علیہ السلام کو یوانہ کہا تھا جس سے مقصود نبوت کا ابطال تھا۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بڑے واضح دلائل سے ثابت کی اور دلائل میں آپ کے اخلاقی حمیدہ اور اجر آخرت ثابت کر کے نہ صرف جنوں کی نفی کی بلکہ نبوت کی اور آپ کے خلق عظیم کے مقابلہ میں اس بد بخت کے دس عیب بیان فرمائے جس سے بالمقابل اخلاقی حمیدہ کی شرح بھی

ہو گئی اور آسمانی حکم کے مقابلہ کرنے والے کی دنیا و آخرت کی بربادی و خرابی کی توہین بھی کی گئی تاکہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عیب لگانے والے کے دس عیب واقعی بیان کئے گئے تو حضرت ﷺ کے ساتھ سلوک اور حسن خدمت سے پیش آنے والے کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک بھلائی کرنے والے کو دس بھلائیاں دنیا اور آخرت میں ملتی ہیں اور کم از کم دس پشتوں تک اس کا صلہ ملتا ہے جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانفشانیاں ہیں کہ ان کو بہت جلد سرسبز ملکوں کا مالک کر دیا اور ابد تک وہ اور ان کی نسلیں برگزیدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس برکت بھیجے گا۔ اللہم صلی علی سیدنا محمد وآلہ وبارک وسلم۔

(۳) اس متکبر کو اور بھی سزا دے سکتا تھا، ناک پر داغ لگانے کی سزا کیوں تجویز فرمائی گئی؟ ناک ہی غرور و خود بینی کا نشان ہے اور عرف میں ناک عزت و آبرو کو بھی کہتے ہیں اس لیے اس غرور و خود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا خداوند جہان کے ساتھ سرتابی، سرکشی کی مناسب سزا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں کنایہ ہے اس کی عزت دنیاویہ بگاڑ دینے سے۔

(۴) کیا ولید کی ناک بڑی اور سوئٹ جیسی تھی؟ مگر متکبر اور مغرور اپنی ناک بڑھایا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ناک بڑھانا بلندی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ پستی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کو سوئٹ سے تعبیر کیا۔ اور ممکن ہے کہ دراصل اس بد بخت کی ناک ظاہری لمبی اور جھکی ہوئی ہو اور بار و ہلاکت کا نشان ہے اور ایسے کریمہ النظر مغرور کی ناک کو خرطوم کہنا جو ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں اس کی پوری اہانت بھی ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس نے اصحاب الفیل کا واقعہ دیکھا تھا ان کی لمبی ناک کا جو آل کار ہوا اسے خیال کر کے باز آئے۔ (۵) حضرات انبیاء علیہم السلام کا باوجود علم اور خلق کے کبھی ضرورت مجبور کرتی ہے کہ وہ مخالف سرکش کو سخت الفاظ سے یاد کریں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو سایوں کا بچہ کہہ دیا تھا اور قرآن مجید نے تو کسی کا نام نہیں لیا۔ ایک اوصافِ رذیلہ کی تصویر کھینچی ہے۔ اب اتفاق سے وہ اوصافِ رذیلہ ولید میں ہوں یا کسی اور میں۔

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَتْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۝ أَنِ اغْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ۝ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ أَن لَّا يَدْخُلْنَهَا يَُوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۝ وَغَدُوا عَلٰى حَرْثٍ قٰدِرِينَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضٰلُّونَ ۝ بَل لَّ نَحْنُ مُعْرِضُونَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ۝ قَالُوا يٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ۝ عَسَىٰ رَبِّنَا أَن يَبْدِلَ لَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا

إِلَّا رَبِّنَا رَغْبُونَ ﴿٥﴾ كَذَلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ مَلَوْا

كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

ہم نے اللہ کی باغ والوں کی طرح آزمائش کی ہے جبکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم صبح کو اس کامیوہ توڑی لیں گے اور انشاء اللہ نہیں کہتے تھے پھر تو اس پر رات ہی میں آپ کے رب کی طرف سے ایک جھونکا چل گیا حالانکہ وہ سوتے ہی بڑے تھے۔ پھر صبح کو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسا کہ کٹا ہوا ہوتا ہے پھر وہ صبح کو پکڑنے لگے کہ اگر تم کو پھل توڑنے (کاننے) ہیں تو سویرے اپنے باغ میں جا پہنچو۔ پھر وہ باہم چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے چلے کہ تمہارے باغ میں کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ اور وہ سویرے ہی اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے پھر جب (جلا ہوا) اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ پھر ان میں کے اچھے شخص نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کس لیے اس کی تسبیح نہیں کرتے۔ تب وہ بھی کہنے لگے ہمارے رب کی پاک ذات ہے (دراصل) ہم ہی خطا دار تھے۔ پھر تو ایک دوسرے کو ملا مت کرنے لگے۔ کہنے لگے ہائے رے بے شک ہم ہی سرکش تھے! شاید ہمارا رب ہم کو اس سے بہتر (باغ) دے کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے یوں (آئی) ہے مصیبت اور آخرت کی مصیبت تو بڑھ کر ہے کاش وہ جانیں بھی تو۔

ترکیب: اذ تعلیلیۃ او ظرفیۃ بنوع تسبیح لان الانقسام کان قبل ابتلائہم لیصدر منها جواب القسم مصباحین حال من الفاعل فی مصر منہا ولا یستثنون جملۃ مستافہ لبیان ماقع متھم وقیل حال فتنادوا معطوف علی اقساموا بینہما اعتراض لبیان مازل بتلک الجنتۃ ان اعدوا ان مفسرۃ لان فی التنادی معنی القول او مصدریۃ ای اخر جوادعدوۃ ان کنتہم الخ جواب الشرط محذوف فاعدا وھم یتخافتون الجملۃ حال من فاعل فانطلقوا ان لا یدخلنہا ان مفسرۃ للتخافت المذکور لما فیہ من معنی القول علی حرد یتعلق بقادریں وقادریں حال وقیل خبر غدوا لانہا حملت علی اصحابہا۔

تفسیر: اہل مکہ خصوص ولید وغیرہ ثروت وحشمت پر نازاں ہو کر کہتے تھے کہ ہم پر خدا کی نظر عنایت ہے جو دنیا میں ایسا دیا۔ وہ آخرت میں بھی اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ایسے خیالات اکثر بے دین متمولوں کے دل میں گزرا کرتے ہیں اور دیندار مساکین کی دل شکنی اور شبہ کا باعث ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس متحول وشوکت کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّا بَلَوْنَهُمْ کہ ہم نے جو ان کو یہ فراخ دستی اور عیش و آرام دے رکھے ہیں یہ ان کی آزمائش ہے۔ بدکار، منافق، فاجر کافر، بت پرستوں کو دنیا میں نعمتیں دی جاتی ہیں، آزمائش کے لیے، ان پر پھولنا نہیں چاہیے۔ یہ اور بھی ان کی غفلت و گمراہی و سرکشی کا سبب ہو جاتا ہے۔ آخرت میں سوال ہوگا کہ کیا شکرگزاری کی تھی؟ اور نیز یہ نعمتیں فانیہ ہیں۔ یہ اور بھی ان کے دلوں کو فنا کے بعد صدمہ کا باعث ہوتی ہیں۔ کَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔ قصہ اصحاب الجنتۃ: باغ والے کون تھے اور کب تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اور کسے کے کفار کے روبرو ان کا ذکر کیوں کیا گیا، کیا وہ اس بات سے واقف تھے؟

(۱) باغ کی نسبت مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ ملک یمن میں شہر صنعاء سے دو کوس کے قریب ایک شخص کا باغ تھا جس کا مالک بڑا باخدا شخص تھا۔ آمدنی میں سے فقراء و مساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے۔ باغ کے میوؤں میں بھی حصے مقرر تھے اور اس کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی حصے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ذکر ہے۔ پھر جب وہ مرد باخدا مر گیا تو اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے۔ ان کی نیت میں فرق آگیا۔ کہنے لگے ہم عیال دار ہیں، اگر باپ کی طرح لٹائیں گے تو کیا ٹھیک لگے گا۔ یہ شیطانی وسوسہ ان کے دلوں میں کھس آئے اور تجویز پھری کہ بڑے بڑے ٹکڑے ٹکڑے کر پھل توڑ کر گھر میں لے آؤ۔ فقراء کے آنے سے پہلے گران میں ایک بھائی خدا ترس بھی تھا، اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقراء و مساکین کو اللہ دینے سے برکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو، اپنی تدبیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدبیر کو درست کرتا ہے، وہی بگاڑ دیتا ہے۔ آخر اس کی بات نہ مانی اور بڑے سویرے اٹھ کر چلے۔ ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر مصیبت آگئی۔ کوئی لوکا ایسا جھوٹا چلا کہ جس نے جلا کر بر باد کر دیا۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس بر باد باغ میں آ نکلے۔ ہمارا باغ تو شاداب و تر و تازہ ہے یعنی اس کی ایسی حیثیت بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے۔ اس پر آسانی مصیبت آ پڑی۔ پھر تو باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگا تو نے یہ صلاح دی تھی۔ وہ کہنے لگا تو نے ہی تو کہا تھا۔ اس مرد با خدا نے کہا کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو اور اس کی تسبیح و تقدیس کو نہ بھولو۔ پھر کہنے لگے بے شک ہم خطاوار تھے اور ہمارے رب کی پاک ذات ہے۔ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا خدا اس سے بہتر دے۔ چنانچہ اس کے بعد خدا نے اس باغ میں بڑی برکت دی۔ ابو خالد یرمائی کہتے ہیں کہ میں نے وہ باغ دیکھا ہے جس میں ایک خوشگوار گورا ایسا تھا کہ جیسا سیاہ آدمی کھڑا ہو۔ (۲) اور آزمائش ان کی یہ تھی کہ انہوں نے اس نعمت کا شکر نہ کیا۔ نیت میں فتور آیا اس لیے اس پر بلا آگئی اور جب توبہ کی، نادم ہوئے تو خدا نے پھر اس سے بہتر دیا اور کذلک العذاب کا فقرہ کہہ رہا ہے کہ جو کوئی خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کرے گا اور اس کو اس کے موقع پر صرف نہ کرے گا اس پر بلائے آسانی کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ پڑے گی۔ عمر اور جوانی اور تندرستی بھی ایک نعمت ہے۔ اس کو بیکار اور ناشائستہ افعال میں صرف کرنے والے آخر ایک روز مصیبت کا منہ دیکھتے ہیں۔ بیماری اور بے وقت پیری اور پست ہمتی وغیرہ کس قدر مصائب ان پر آ پڑتی ہیں۔ کہیں آفتک میں سڑے پڑے ہیں، کہیں کثرت سے نوشی سے بدن میں ریشہ پڑ گیا، دانت گر گئے۔ تیس برس کے اندر ہی اندر نکلے ہو گئے۔ گردن ہلنے لگی، بال پک گئے، چہرے کی تازگی جاتی رہی، ضعفِ معدہ در و گردہ، سلسل البول، دمہ، ضعف بصارت، کیا کیا آفات ہم اس وقت کے عیاش لوگوں میں دیکھتے ہیں۔ ابھی آخرت کا عذاب باقی ہے۔ مال اور ملک بھی ایک نعمتِ الہی ہے۔ اس میں عدل و انصاف ملحوظ نہ رکھنا، غرباء و فقراء کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا، بلکہ عیاشی اور فضول خرچی میں اڑانا، حق داروں کو محروم کر کے رنڈیوں، بھانڈوں، مسخروں کو دینا بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں خزانہ خالی، ملک میں ابتری، لشکر میں بے دلی اور ہر طرح کی بے امنی پیدا ہو جاتی ہے۔ موقع پا کر دشمن کھڑے ہو جاتے ہیں آخر ایک روز سب دولت و ملک چھوڑنا پڑتا ہے اور چہرہ پر برائیوں کا سیاہ داغ ابد تک باقی رہ جاتا ہے۔ دیکھو پچھلے عیاش بادشاہوں کو۔

(۳) کئے کے کفار اس قصے کو بخوبی جانتے تھے کس لیے کہ گرمی و سردی میں شام اور یمن جایا کرتے تھے اس کے سوا اس مضمون کو ان کے دل تسلیم کرتے تھے کہ خدا کی راہ میں دینا نیک پھل لاتا ہے اور سرکشی اور بخل برے نتائج دکھاتا ہے کیونکہ وہ دہریے نہ تھے جو خدا کو اور اس کی قدرتوں کو نہ مانتے ہوں وہ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرتوں کو مانتے تھے مگر اپنے خیال فاسد میں اور لوگوں کو بھی ان امور میں شریک سمجھتے تھے کہ اس نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ ولید اور مکے کے اور سردار اپنی دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ السلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقراء سے بے رحمی کرتے تھے۔ اس کے بدلے سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے۔ کتوں کو بھون بھون کر کھانے کی نوبت آئی اور پھر جب اسلام لائے اور توبہ کی تو خدا نے ان کو ملکوں کا مالک کر دیا۔ یہ مَنَاعٌ لِلْخَيْرِ کی شرح ہوئی۔

اب ہم الفاظِ قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہیں۔ لیصدر منها یہ صرم، بصرم کا مضارع ہے جمع مذکر غائب بانون ثقیلہ۔ اور ہاضیر جنت کی طرف راجع ہے۔ صرم پھلوں اور کھیتی کا کاٹنا۔ انصرام انقطاع اصرام پھلوں کے کٹنے کا وقت آنا، اور مفلس ہو جانا اور تلوار کو صرام اسی لیے کہتے

ہیں کہ وہ زیادہ کاٹنے والی ہے۔ صریم شب تاریک، صبح، فَاَصْبَحْتُ كَالصَّرِيمِ، یعنی جل کر سیاہ ہو گیا۔ وَلَا يَسْتَنْوُونَ۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ انشاء اللہ نہ کہتے تھے اور کسی آئندہ کام کرنے کا اظہار کرنا اور انشاء اللہ نہ کہنا بے برکتی کا باعث ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی کہ مساکین و فقراء کو مستثنیٰ نہ کرتے تھے محرومی سے۔ طائف اسم فاعل ہے طیف سے یا طوف سے۔ علی الاطلاق طائف کے معنی رات میں آنے والی چیز۔ یہاں مراد ہے، لوکا جھونکا جس نے جلا کر باغ کو سیاہ کر دیا۔ حرثکم حرث کھیتی۔ اس سے مراد پھل اور کھیتی اور انکو ر سب ہیں کس لیے کہ باغ میں صرف ایک ہی چیز نہ تھی مگر پھلوں کا توڑنا زیادہ مقصود تھا اس لیے صَارِمِينَ فرمایا۔ حرد آہنگ کردن و ع ف اک ۲ (صراح) یعنی صبح کو اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے اور اس کے معنی منع کرنے کے بھی ہیں کہ صبح کو مساکین کے منع کرنے کے لیے قادر ہو کر چلے۔ بعض کہتے ہیں حرد اس باغ کا نام تھا کہ اس باغ پر چلے، قادر ہو کر۔ اِنَّا الصَّالُونَ یہ اول بار دیکھ کر کہا جبکہ باغ پہچانا نہ گیا۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ جب کہا کہ جب پہچان گئے کہ تقدیر پھوٹ گئی۔ باغ تو وہی ہے۔ اوسطہم سے مراد مٹھا نہیں بلکہ ان میں سے پہلا (ای اعدہم و افضلہم وینا وجہ تفسیر قولہ امۃ وسطاً) کبیر۔ لولا تسبیحون۔ کیوں نہیں تسبیح کرتے یعنی اپنے رب کی پاکی نہیں بیان کرتے تھے ان ناپاک خیالات سے کہ ”اگر ہم دیں گے تو محتاج ہو جائیں گے پھر کون دیتا ہے خدا بدلہ اور برکت کیوں دینے لگا اور جو نہ دے تو ہم کیا کریں۔“ ان خیالات سے روکنے کو تسبیح کرنے سے تعبیر کیا۔ نہ یہ مراد کہ زبانی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے کس لیے کہ اس سے مساکین کو کیا فائدہ تھا؟

جب مصیبت دیکھ چکے تو قالوا سبحان ربنا کہنے لگے کہ پاک ذات ہے ہمارے رب کی اس کے وعدے سچے ہیں۔ انا کما ظالمین۔ ہماری بدگمانی بری تھی ہم نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیر امنہا انا الیٰ ربنا راغبون چونکہ خدا پرست کے بیٹے تھے اور خود بھی اچھے تھے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ آگیا تھا جس کے سبب مصیبت آپڑی مگر پھر سمجھ گئے اور تائب ہوئے اور امید خیر کی اللہ سے رکھی اور ہر مصیبت کے بعد اگر اللہ کی طرف رجوع و رغبت کی جاتی ہے تو وہ راحت اور اس تلف شدہ چیز کا بدلہ دیتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو ان اللہ و انالیہ راغبون کہنا چاہیے تاکہ دنیا یا آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔ اس تمام قصے کے بعد فرماتا ہے و كذلك العذاب کہ یوں آپڑا کرتی ہے مصیبت اس سے کبھی نڈر نہ رہیے۔ لیکن عذاب آخرت اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر یہ لوگ جانتے نہیں۔ اگر وہاں آنے والی مصیبت کا یقین ہو جائے تو یقیناً اس کی فکر کریں جب کچھ بھی فکر نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی یقین نہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝ اَفَتَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ
كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ مِّنْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيْهِ
تَذْرُسُونَ ۝ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَّا تَخْيِرُونَ ۝ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْغَةِ اِلَّا
يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ اِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ ۝ سَلِّمُوا اَيْتُهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝
اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَائِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

مع

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ پھر کیا ہم فرما رہے ہیں کہ ان کو نافرمانوں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا کہ فیصلہ کر رہے ہو؟ کیا

تمہارے لیے کوئی نوشہ ہے جس میں تم پڑھا کرتے ہو کہ تمہارے لیے وہی ہے جس کو تم پسند کرو کیا تمہارے لیے ہم نے قسم کھائی ہیں جو قیامت تک چلی جائیں گی کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کس کو یقین ہے کیا ان کے معبود ہیں پھر اپنے معبودوں کو تو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

ترکیب: جنات النعیم اسم ان للمتقین خبر ہا عند ربہم یجوز ان یکون ظرفا لاسقرار وان یکون حالا من جنات افن جعل الھمزۃ للکافکار والفاء للتعطف علی مقدر تفضیہ القام ای الخیف فی الحکم فنجعل المسلمین کاکافرین امر منقطۃ کتاب موصوف فیہ تدرسون الجملة صفة لکتاب ان قراء الجہور بالکسر علی انها معمولۃ لتدرسون ای تدرسون فی الکتاب ان لکم فیہ لمتاخیرون۔ وقیل تم الکلام عند قوله تدرسون ثم ابتداء فقال ان لکم الخ بالغة بالرفع نعت لایمان وبالنصب علی الحال والعامل فیھا الظرف الی یوم القیامة بالمقدور فی لکم ای ثابتۃ لکم الی یوم القیامة او بالغة ای ایمان تبلغ ذلک الیوم۔

تفسیر: گروہ اشقیاء کا حال پہلے مجمل بیان فرمایا تھا کہ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ الْكَبِيرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ اب سعداء کے گروہ کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان للمتقين عند ربهم جنات النعیم کہ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یعنی دار آخرت میں نعمت و عیش کے باغ ہیں جن میں کچھ بھی کم درت و کلفت نہیں برخلاف دنیا کے باغوں کے۔ مقاتل کہتے ہیں اس آیت کو سن کر کفار مکہ کہتے تھے جب دنیا میں خدا نے ہم کو مسلمانوں سے مال اور دولت میں بہتر کیا تو آخرت میں کیا بڑھ کر نہیں کرے گا اور بڑھ کر نہیں برابر تو ضرور ہی کرے گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے یا یوں کہ اس آیت پر کفار کو یہ خیال گزرنے والا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا کہا۔ اس کے رد میں بھی یہ آیت آئی۔ افن جعل المسلمین کالمجرمین کہ کیا ہم فرمانبرداروں، پرہیزگاروں کو نافرمانوں، کفار و بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ یعنی نہیں کریں گے، دونوں برابر نہ ہوں گے اور ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اشرار کے لیے جہنم ہے۔ پس مسلمانوں کے لیے ہرگز نہیں۔ اب ان کے لیے ضرور جنات النعیم ہیں جن میں کفار کو حصہ بھی نہیں، پھر بڑھ کر اور برابر ہونا کیسا؟ مالک کہہ کیف تحکمون تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کہیں نیک اور بد بھی برابر ہوتے ہیں؟ پھر اس بات کو مود کرتا ہے۔ اَم لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ اِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَتَّخِرُونَ کہ اس خیال کو عقل سے تو کچھ بھی مدد اور ثبوت نہیں ملتا پھر کیا کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہے یعنی کوئی کتاب آسمانی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہے کہ جو تم پسند کرو گے اور چاہو گے قیامت میں تمہیں وہی ملے گا؟ ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں یہ ہو پھر کس لیے کہتے ہو۔ اب ایک اور بات ہے کہ خدا نے تمہارے لیے عہد اور ذمہ داری کر لی ہو اور قسم ہو کہ کھائی ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ وہی کرے گا سو یہ بھی نہیں۔ اَم لَكُمْ اِيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْفَاةِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَتَّحْكُمُونَ کہ کیا تمہارے لیے ہم پر عہد اور قسم ہیں قیامت تک یعنی مستحکم جو کبھی نہ ٹوٹے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جو تم کہتے ہو۔ ایسے غلط خیال اکثر مذہب باطلہ میں لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ یہود کو بھی تھا اور ہند میں برہمنوں کو بھی ہے اور جاہل مسلمانوں بزرگوں کی اولاد میں بھی سنا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں ہم پر آگ حرام ہے اس لیے فرماتا ہے: سَلِّمُوا اَيْهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ۔ کہ ان سے پوچھ کہ کون اس کا عویدار ہے۔ جب خدا کی طرف سے یہ نہیں تو کیا اپنے معبودوں کے گھنڈ پر ایسا کہتے ہو کہ وہ ایسا کر دیں گے ہم ان کو پوجتے، نذر بھیجتے چڑھاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ اِنْ كَانُوا صَادِقِينَ۔ کہ کیا ان کے معبود ہیں جن کو وہ ہمارا شریک اور کار مختار جان کر پوجتے ہیں اور مردمان لگتے ہیں وہ ایسا کر دیں گے اچھا ان کو لاؤ اور کہلاؤ دو اگر سچے ہیں۔ یعنی یہ بھی غلط خیال ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۳۷﴾
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُودِ

وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿۳۱﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكْذِبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ وَ أُمِلُّ لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۳۳﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ

أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۳۵﴾

جس دن پردہ کھل جائے اور وہ سجدہ کے لیے بلائے جائیں تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی ہوگی اور وہ پہلے (دنیا میں) سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ بھلے چنگے تھے۔ مجھے اور اس کو جھٹلانے والوں کو چھوڑ دو ابھی رفتہ رفتہ انہیں پکڑے لیتے ہیں ایسا کہ انہیں خبر بھی نہ ہو اور (اے نبی!) ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں بے شک ہمارا ارادہ پکا ہے کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں کہ جس کے تاوان کا ان پر بوجھ پڑ رہا ہے۔ کیا ان کے پاس غیب (کافتر) ہے کہ وہ لکھا کرتے ہیں۔

ترکیب: یوم منصوب اما بقولہ فلیاتوا واما باذکر ویدعون معطوف علی یکشف۔ فلا یستطیعون جواب یوم یکشف خاشعۃ بالنصب علی انھا حال من ضمیر یدعون ابصارہم مرفوع علی انہ فاعل خاشعۃ ونسبہ الخشوع الی الابصار نظرہم راثرہ فیما وہم سالمون الجملة حال من فی یدعون ومن منصوب محلا عطفا علی الضمیر المنصوب فی ذرنی۔

تفسیر: اس کے بعد قیامت کا ہولناک واقعہ بیان فرماتا ہے کہ اس روز ان کے افتراء اور خیالی دھکوسلوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ فقال یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون کہ جس دن پردہ کھل جائے گا اور وہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ساق کیا ہے: ساق کے لغوی معنی پنڈلی کے ہیں پھر کیا یہ حقیقت پر محمول ہے یا کنایہ ہے؟ اول احتمال کی طرف فرقہ مشبہ گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس روز دراصل خدا تعالیٰ بندوں پر تجلی کرے گا اور پوری تجلی دیکھنے کی کسی کو قدرت نہ ہوگی اس لیے صرف پنڈلی کھل جائے گی جو ادنیٰ تجلی ہوگی۔ گو وہ پنڈلی ہماری جیسی پنڈلی نہ ہو لیکن اس کی ذات کے مناسب تب سجدے کے لیے حکم ہوگا پس جو لوگ دنیا میں اس کو سجدہ نہیں کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی پشت تختہ کی طرف ہو جائے گی۔ یہ مضمون اکثر احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور اہل ظاہر کا اسی طرف رجحان ہے مگر اہل حق کہتے ہیں استعارہ مراد ہے کس لیے کہ لفظ حقیقی معنی پر محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ پھر اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ مراد شدت و کرب ہے جو قیامت کے روز ہوگا۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس کے معنی دریافت کئے، آپ نے یہی بیان فرمائے اور فرمایا جب تم کو کسی لفظ قرآنی کے معنی معلوم نہ ہوا کریں تو شعراے عرب کے اشعار کو دیکھا کرو۔ پھر آپ نے اس معنی کی سند میں یہ شعر پڑھا:

سن لنا قومک ضرب الاعناق
وقامت الحرب بنا علی ساق

اور اسی طرح مجاہد نے بھی اس معنی کے ثبوت میں ابو عبیدہ اور جریر وغیرہ کے چند اشعار پڑھے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی کام پر زور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پاپائے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھل جاتی ہے اس لیے شدت کے موقع پر کہا کرتے ہیں کشف عن ساقہ۔ دوم ابی سعید رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ یہ کہ کشف ساق سے مراد پردہ اور اصل کھل جانا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ اور ساق ہر شے میں اس کی اصل اور جڑ ہے کہ جس پر وہ کھڑی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ساق الشجر و ساق الانسان۔ تب یہ معنی ہوئے کہ جس روز حقائق

الاشیاء اور ان کے اصول ظاہر ہو جائیں گے یعنی قیامت کے دن کہ یہ پردہ کھل جائے گا جیسا کہ سورہ ق میں فرمایا تھا، لَقَدْ كُنْتُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَانْصَرَفَكَ الْيَوْمَ حَذِيْدًا۔ کہ ”تو اے انسان! اس سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیرا پردہ کھول دیا پس تیری آنکھیں آج تیز ہیں۔“ اس عالم میں پردہ حسی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اس پر شہوات و لذات، تُحِبُّ دُنْيَا کے اور بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حقیقت الامر منکشف نہیں ہونے دیتے اس لیے ادیان و مذاہب میں اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کوئی کچھ بے تک کہہ رہا ہے جس طرح کہ مکے کے کفار و اہل بتا ہی منصوبے بیان کرتے تھے۔

سر: یہی قول بہت درست ہے اور سر اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک تو ذات ہے کہ جس کا اور اک محال ہے اور وہ مستقل محض ہے۔ دوسرے صفات کمال ہیں کہ جو جدا جدا عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتے۔ علم بغیر قدرت کے اور قدرت بغیر علم کے اور دونوں بغیر حیات کے پائے نہیں جاتے اور صفات تابع محض ہیں ذات کے ان میں بغیر ذات کے کچھ بھی استقلال نہیں۔ سوم جہات کمال کو جن کو حقائق الہیہ بھی کہتے ہیں اور وہ بین بین ہیں۔ نہ صفات کی طرح محض غیر مستقل نہ ذات کی طرح مستقل نہ ذات کی طرح محض مستقل اور ان جہات کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ پوری مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں پنڈلی منہ وغیرہ نہ اس کے صفات کی طرح محض غیر مستقل اور نہ ذات انسان کی طرح مستقل ہیں اور انسان کے کمالات کا مظاہر بھی ہیں۔ شرع شریف میں ان حقائق کی چند چیزوں کے ساتھ تفصیل واقع ہوئی ہے اور یہ چیزیں ان حقائق کی تمثیل و تشبیہ ہیں نہ عین اور وہ یہ ہیں۔ وجہ عین ید عین اصابع حقو یعنی کمر ساق قدم (منہ آنکھ ہاتھ داہنا ہاتھ انگلیاں کمر پنڈلی قدم) اب جس طرح ساق اور قدم اور وجہ وغیرہ کو جو حقائق الہیہ ہیں اور ان الفاظ میں ایک استعارہ کے طور پر بیان ہوئی ہیں خود بھی پنڈلی اور پاؤں اور منہ سمجھ لینا غلطی اور تشبیہ ہے جیسا کہ مشبہ و اہل ظواہر کا مذہب ہے۔ اسی طرح ان کی تاویل و انکار کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں محض غلطی ہے۔ اہل سنت اس افراط و تفریط دونوں سے بری ہیں اور اہل سنت کے اس عقیدے کو بخاری و مسلم وغیرہ ما کی وہ حدیث بھی مخالف نہیں کہ جوابی سعید بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ساق کھولے گا تو تمام ایماندار مرد اور عورت سجدہ کریں گے اور جو دنیا میں ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختے کی طرح اکڑ جائے گی سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اور صحیح مسلم میں ان سے بھی زیادہ شرح روایت ہے کس لیے کہ ان روایات میں بھی کھٹ ساق سے اسی جہت کمالیہ کا ظاہر ہونا مراد ہے جس کو استعارہ کے طور پر ساق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الحاصل محشر میں رب العزت کی ایک تجلی خاص ہوگی جس کو کھٹ ساق سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے آگے کفار و مشرکین سجدہ نہ کر سکیں گے اور اس کے سوا اس نورانی تجلی کی طرف نظر بھی نہ کر سکیں گے۔ خاشعۃ ابصار ہم۔ بلکہ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی و تروہقہم ذلۃ۔ اور ان پر ذلت و رسوائی چڑھے گی کیونکہ انہوں نے غیر اللہ کی پرستش کر کے اس کے نام پاک کی توہین و تذلیل کی تھی۔ مظاہر کو پوچھا تھا اور یہ سجدہ اور جمال با کمال پر نظر کیوں نہ کر سکیں گے؟ اس لیے کہ وَقَدْ كَانُوا يهْدَعُونَ اِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَائِمُونَ۔ دنیا میں انہوں نے اس مادہ غیبیہ کو جو انسان میں خداوند عالم نے ودیعت رکھا ہے اور وہی اس کو اس کا مشاقتی دیدار اور مطیع بناتا ہے نافرمانی اور سرکشی کر کے ضائع کر دیا تھا۔ اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں ان کو سجدے کے لیے اس وقت میں بلایا جاتا تھا کہ وہ سالم تھے ان کی فطرت اور اصلی مادہ میں کوئی نقصان نہیں آیا تھا پھر انہوں نے انکار و سرکشی کی اور رفتہ رفتہ اس کو برباد کر دیا۔ آج اس تجلی کے میدان میں سب کو کھڑا کر کے تجلی نورانی کا دکھایا جائے گا تا کہ شقی و سعید کا پورا امتیاز ہو جائے۔ پھر وہ جو دنیا میں اس کے آگے جھکتے تھے۔ سر کے بل اسی کے آگے عاجزی کرتے ہوئے گرتے تھے دل بھی اسی کے آگے جھکے ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں وہ اشتیاق و محبت کا شعلہ تھا جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ فوراً اس کے آگے سجدہ میں گر پڑیں گے انہیں کہاں تاب رہے گی اور اس کے دیدار فیض آثار سے سرفرازی حاصل کریں گے۔

اس وقت مشتاقانِ جمالِ کبریائی کی عجیب حالت ہوگی اور بدلوگ نہ کر سکیں گے۔ وہ جنت میں یہ جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔
ابراہیم تمہی کہتے ہیں یہ معنی کہ وہ اذان و تکبیر کی آوازوں سے بلائے جاتے تھے پر نہ آتے تھے۔ سعید بھی جبریل علیہ السلام کہتے ہیں جی علی الفلاح سنتے تھے اور نہ آتے تھے۔ کعب اخبار کہتے ہیں یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی مگر ان لوگوں کے لیے جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں۔ ابن عباس علیہ السلام کہتے ہیں وہ کفار دنیا میں بلائے جاتے تھے اور وہ اس کی حالت میں تھے پھر آج بلائے جائیں گے اور وہ خائف ہوں گے۔
ابی مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت میں قیامت کا معاملہ مراد نہیں کیونکہ اس روز عبادت و سجدہ نہیں وہاں تو یہیں کے اعمال کا بدلہ ملے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان کے وقتِ اخیر کا معاملہ ہے۔ اس وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اور پہلے تو لوگ اس کو نماز و عبادت کے لیے بلاتے تھے نہیں آتا تھا اب بجز حسرت کے اور کچھ نہیں یا بڑھاپے یا مرض کا واقعہ ہے کہ جوانی اور تندرستی میں جو سلامتی کا وقت تھا خدا تعالیٰ کے آگے نہیں جھکتے تھے، لوگ بلاتے تھے نہیں آتے تھے اور نشے میں چور تھے۔ اب بڑھاپا اور بیماری آئی، خود اس کی طرف جھکتے اور عبادت و نماز ادا کرنے کی قدرت نہیں رہی۔ یہ مراد بھی ممکن ہے مگر یہ کہنا کہ آخرت میں سجدہ نہیں ٹھیک نہیں کس لیے کہ وہاں سجدہ بطور تکلیف کے نہیں مگر بطور امتحان و سرزنش کے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیان میں وہ سخت تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے اور دھمکتے بھی تھے اس سے آپ کو کمالِ رنج ان کی بد نصیبی اور سرکشی پر ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے۔ فقال فذنی ومن یکذب بهذا الحدیث کو چھوڑ مجھے اور اسے جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے یعنی آپ کچھ رنج و فکر نہ کریں میں آپ سمجھ لوں گا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُونَ۔ میں رفتہ رفتہ انہیں ابھی پکڑے لیتا ہوں اس طرح سے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ استدراج، جلدی نہ کرنا، اور اس کے اصلی معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا کہتے ہیں۔ استدراج فلان فلانا ای استخراج ما عندہ قليلا قليلا اور اسی سے تدريج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استدراج بندہ کے لیے یہ ہے کہ نعمت پر نعمت، مراد پر مراد ملے جائے اور یہ بدکاری اور ناشکری اور کفر میں پڑا ہوا ہو یہاں تک کہ کشتی بھر جائے، جلد ڈوب جائے، عذاب الہی نازل ہو جائے، یکا یک موت آجائے یا کوئی ایسی مصیبت آئے کہ سر بھی نہ اٹھا سکے، تو بے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی مہلت بھی نہ ملے۔ یہ ہے کہ عیش و نشاط میں پڑا ہوا مگن ہے اور اپنی بدکاری کے عمدہ پھل سمجھ رہا ہے۔ ادھر مصیبت ہے کہ چپکے چپکے اس کے پاس آن لگی ہے اور اس سخت کو خبر بھی نہیں۔ آج کن شادمانیوں کے ساتھ فاحشہ عورتوں کو لیے مے نوشی کر رہا ہے، شام کو مر گئے کل اسی وقت گور کے تنگ اور اندھیرے گڑھے میں پڑے اعمال کو بھگت رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ کا استدراج جس سے بندہ واقف نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی استدراج ہے کہ انسان کی عمر گر انما یہ آٹا فانا کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہر صبح آفتاب کی جھلکا ہٹ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ ہر رات اس کی بہار لیتا ہے مگر یہ خبر نہیں کہ یہ میرے سفر کے منازل ہیں جو بے اختیار ملے ہو رہے ہیں۔ پھر یکبارگی منزل پر پہنچ گیا۔ اب آنکھ کھل گئی، رونے پینے لگا مگر اب کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے وَأَمْلِیْ لَهُمْ إِنَّ کَیْدَیْ مَبِیْنٍ۔ کہ میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں، میرا داؤد بڑا مضبوط ہے کہ جس سے رستگاری ممکن نہیں اور کیونکر رستگاری ہو سکے جبکہ اس کا داؤ انسان کے جمع قوائے ادراکیہ کو احاطہ کئے ہو اور بری بات کو بھی سمجھا ہو۔ جیسا کہ کفار مکہ کہ تو ان کو علوم نافع بتا رہا ہے اور آپ حیاتِ پکارا رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے مقابلے میں سرکشی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ آپ کی اس سے کوئی غرض دنیاوی نہیں۔ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ کہ کیا آپ ان سے کوئی اجر یا مزدوری مانگتے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں جس لیے آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ لَا یَسْمَعُونَ اور جب آپ سے استفادہ نہیں کرتے تو پھر ان کے پاس غیب ہے یعنی انہیں امور غیبیہ احکام الہیہ و منافع و

مضرات آخرت کا بطور کشف والہام علم ہے کہ جس کو وہ لکھتے ہیں یا اپنے دلوں کے ورقوں پر لکھے بیٹھے ہیں۔ پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو قطعاً جان لینا چاہیے کہ وہ کید الہی میں گرفتار ہیں کہ ان کو کسی طرح فکر و تامل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور کسی طرح ان کے دلوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝

لَوْلَا أَن تَذَرَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝ فَاجْتَبِهْ

رَبَّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ

بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا

ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝

پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا اور وہ بہت ہی غمگین تھا۔ اگر اس کے رب کی رحمت اسے نہ سنہال لیتی تو وہ برے حال سے چٹنل میدان میں پھینکا جاتا پھر اس کو رب نے برگزیدہ کیا سو اس کو نیک بندوں میں شامل کر لیا اور کافرو آپ کو گھور گھور کر ڈنگا دینے ہی لگے تھے جبکہ انہوں نے قرآن سنا تھا اور وہ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے اور حالانکہ یہ قرآن تمام دنیا کے لیے صرف نصیحت ہے۔

ترکیب : اذ العامل فیہا معنی قولہ کصاحب الحوت یرید لایکن کصاحب الحوت حال نہ اندہ وذلک لانہ فی ذلک الوقت کان مکتوباً ماکانہ قبل لایکن مکتوباً۔ وھو مکتوبہ الجملۃ حال من ضمیر نادى علیہا یدور النھی لاعلی النداء لانہ امر مستحسن۔ تدارک فعل ماض مذکر حمل علی معنی النعمۃ لان تانیث النعمۃ غیر حقیقی موصوف من ربہ صفۃ و المجموع فاعل تدارک والضمیر فی تدارک مفعولہ۔ ہذا قراءۃ الجمہور وقرئ بتثنیۃ الدال تدارکہ وھو مضارع اذ غمت التاء فی الدال والاصل تدارک بتائین وقرئ تدارکۃ بتاء التانیث لنہذ جواب لولا تقدیر الآیۃ لولا ہذہ النعمۃ لنہذ بالعراء مع وصف المذمومۃ فلما حصلت ہذہ النعمۃ لم یوجد لہذہ بالعراء مع ہذا الوصف لانہ لما فقد ہذا الوصف فقد المجموع وان صی الحفۃ من المثلثۃ واللام فی لیزلقونک دلیل علیہا۔ قراءۃ الجمہور بضم الیاء وقراءۃ نافع واہل المدینۃ بفتحھا والاول من ازلق والثانی من زلق ومعناھا واحد وھو التثنی من موضع (غرض) بابصارھم والباء المتعدیۃ والالمسیبۃ لئلا سمعوا الذکر ولما ظرفیۃ منصوبۃ بیزلقونک وقیل صی حرف وجوبا محذوف ای لما سمعوا الذکر کا دوایز لقونک وما هو الخ الجملۃ متانفۃ او فی محل نصب علی الحال من فاعل یقولون ای والحال انہ تذکیر۔

تفسیر : کفار کے طریق کی مذمت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقلال کی تاکید کرتا ہے اور ضمناً ایک نبی کی جلد بازی پر عتاب ہونے کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ فقال فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر کہ انجام ان کفار کا کیا ہوتا ہے۔ ان پر عذاب آنے کے لیے جلدی نہ کر جیسا کہ مچھلی والے نے کی تھی یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے ان کا نام نہ لیا مچھلی والا کہہ کر یہ بتا دیا کہ اس جلد بازی کا نتیجہ مچھلی کے پیٹ میں جانا ہوا۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کا مختصر تذکرہ کرتا ہے۔ اذ نادى وهو مکتوبٌ کہ اس نے اپنے رب کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا، نہایت غم و الم کی حالت میں اور لا الہ الا انت سبحنک انتی کنت من

الظَّالِمِينَ کہا (مکظوم مشتق ہے کظم سے جس کے معنی ہیں برتن کے بھر دینے کے کہتے ہیں کظم السقاء اذا ملأ۔ جب رنج و غم سے بھر جاتا ہے تو اس کو بھی کاظم کہتے ہیں اور مکظوم بھی اور اسی طرح غصے سے بھرے ہوئے کو بھی)۔

فائدہ: ان کا قصہ کئی جگہ بیان ہوا چکا ہے کہ شہر نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم پر عذاب آئے گا۔ لوگوں نے یقین کر کے رونا اور توبہ کرنا شروع کیا جس لیے وہ آتا ہوا عذاب ان سے ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو غصہ ہوا کہ میں جھوٹا ہوا اس لیے میٹھی شہر چھوڑ کر کہیں کو چل دیے۔ ایک کشتی پر سوار ہوئے، دریا میں ڈالے گئے، مچھلی نے لقمہ کر لیا اس لیے پیٹ میں آپ نے پھر اپنے رب کو پکارا تو مچھلی نے ایک کنارے پر جا کر اگل دیا۔ اللہ نے وہاں کدو کے پتوں سے ان پر سایہ کیا اور پھر ان کو سمجھایا کہ ہم کو اپنی مخلوق پر رحم ہے ہم ایسا جلد انہیں کیونکر ہلاک کر دیتے؟ پھر خدائے پاک میں اور ان میں مصالحت و صفائی لہوئی اور شہر نینوی کی طرف بھیجے گئے۔ اس بات کو جملہ بیان فرماتا ہے۔ لولا ان تدارک۔ کہ اگر رحمت الہی اس کے لیے دستگیر نہ ہوتی تو میدان میں مچھلی کے پیٹ سے برے حال میں ڈالے جاتے یا وہیں مر جاتے۔ پھر قیامت کے دن میدان میں برے حال میں لائے جاتے مگر اس کو اللہ نے برگزیدہ کر لیا یعنی نواز دیا۔ اس سے درگزر کی اور پھر نینوی کی طرف بھیجا پھر وہ بہت صلاحیت پر آگیا، وہ تیزی جاتی رہی (ورنہ نیک تو پہلے سے تھے کس لیے) نبی تھے اور اجتباء کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کو نوازا۔ ان کی جلد بازی سے درگزر گیا پھر اسی نبوت کے کام پر بھیجے گئے کس لیے کہ وہ اول سے نبی تھے یہ نہیں کہ بعد میں ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا حال بیان فرما کر پھر آپ کی وہ حالت بیان فرماتے ہیں کہ جو قوم کے ہاتھوں پیش آرہی تھی اور جس سے آپ کا جلدی کرنا اور یونس علیہ السلام کی طرح دل میں بیچ و تاب لانا ممکن تھا۔ فقال وَإِنْ يَكْفُرُوا الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُنْزِلَنَّ إِلَيْنَا لَعْنَةُ الْمَلَأِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ کہ تحقیق نزدیک تر تھا کہ کافر تجھ کو اپنی آنکھوں سے ڈگمگادیں، صبر و استقامت کے مقام سے کہ ان کی تیز تیز نگاہیں دیکھ کر آپ کو بھی غصہ آجائے اور مضطرب ہو کر یونس علیہ السلام کی طرح قبل از وقت ان کے لیے دعائے بد کریں اور نزول عذاب کے منتظر ہو جائیں اور یہ کب کرتے ہیں۔ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ جبکہ قرآن مجید سنتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ عین نصیحت کے وقت جو سراسر خیر خواہی کا وقت ہوتا ہے، ایسی سخت مخالفت نا صحیح کوشش میں لے آتی ہے اور یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کلام الہی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت محبوب تھا اور اپنی برائی سننے سے اس قدر غصہ نہیں آتا جس قدر کہ محبوب کی تحقیر سن کر آتا ہے۔ یہ ان کی ایک بات ہے جو آنکھوں سے متعلق ہے اس پر بس نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی برا بھلا کہتے ہیں۔ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ۔ اور کہتے ہیں تحقیق یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ ہے۔ حالانکہ کوئی جنون اور دیوانگی کی بات آپ میں یا آپ کے کلام میں نہیں پاتے۔ کس لیے کہ جو کلام کہ آپ لوگوں کو سناتے ہیں وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ۔ وہ نہ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کے لیے نافع اور سودمند ہے بلکہ تمام جہان کے لیے۔ کس لیے کہ اس عہد میں تمام جہان بت پرستی و بدکاری کی نجاست میں آلودہ تھا اور قرآن مجید میں تمام نجاستوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اس کے علاوہ مکرم اخلاق و اصول حسنات و ارکان سعادت و ارین کے زیور اور لباس سے مزین کرنے والی بھی ہے۔ پھر جب ایک قوم یا ایک شخص کو نصیحت و سعادت سکھانے والے کو مجنون نہیں کہا جاتا تھا تو تمام جہان کے نا صحیح اور مسلم سعادت کو کیونکر دیوانہ کہہ دیا اور وہ کیونکر دیوانہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام خدائے پاک پر کیا غصہ ہوتے اور کون اس سے لڑ جھگڑ سکتا ہے مگر اس کے خاصوں میں اور اس میں محبت کے گلے اور شکایات اور رنج و غصہ بھی ہوا کرتے ہیں اس حالت کا مبدل ہونا باہمی صلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات سے کوئی حضرت یونس علیہ السلام پر طعن نہ کرے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے یونس علیہ السلام پر تفصیل نہ دو اس سے یہی غرض ہے ورنہ آپ کو حج انبیاء علیہم السلام پر خدا نے فضیلت دی ہے یہ آپ کی کسر نفسی اور دوسرے نبی کی توقیر ہے یہ نہیں کہ اپنے سے تمام اگلے انبیاء علیہم السلام کو چور اور راہزن کہہ دیا جیسا کہ انجیل میں ہے۔ ۲۔

اکثر مفسرین لِيُزِلْ لِقَوْلِكَ بِأَبْصَارِهِمْ کے یہ بھی معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ تیز اور غصہ بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتے تھے اور اس سے آپ کو مقام صبر و استقلال سے پھسلنا چاہتے تھے اور کلام عرب میں اس قسم کی تیز اور غصہ بھری نگاہ کو گرا دینے والی، کھالینے والی کہتے ہیں۔
 مِنْ تَوَلَّيْهِمْ نَظَرًا كَلِيًّا نَظَرًا يَكَادِي صِرْعَنِي وَيَكَادِيَا كَلْنِي کہتے ہیں۔ ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ مجھے کھا جائے گا یا گرا دے گا۔ ایک شعر میں یہ مضمون آیا ہے۔

يَتَقَارِضُونَ إِذَا التَّقْوَا فِي مَوَاطِنَ

نَظَرَ اِيْزَلَ مَوَاطِنَ اِلْقَادَامِ

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے محل پر ایک شعر پڑھا ہے۔

نَظَرُوا اِلَى بَاعِئِنَ مُحَمَّرَةٍ

نَظَرَ التِّيَوسَ اِلَى شِفَارِ الْجَادِرِ

(کبیر)

مگر اہل روایت کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ آپ کی نبوت کے ابطال میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بنی اسد کے قبیلے میں سے جو نظیر بد کے حق میں مشہور تھا ایک شخص کو لائے جو اس قبیلے میں بھی ممتاز تھا اور وہ جب تین روز بھوکا رہ کر کسی چیز کو دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ واہ کیا خوب ہے! تو اس میں فوراً اثر ہو جاتا تھا۔ اس کو بہت کچھ طمع دی اور اس نے تین روز کا فاقہ کیا اور جہاں آپ قرآن مجید سنا رہے تھے وہاں گیا اور آپ کو دیکھ کر اسی نیت سے کہا، واہ کیا خوب شکل اور کیا خوب آواز ہے مگر آپ پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اپنا سامنہ لے کر چلا آیا۔ ان آیات میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے۔

اب قابل بحث یہ بات ہے کہ آیا دراصل نظر میں کوئی ایسا اثر ہے کہ جس کو دیکھا جائے اس پر کوئی برا اثر پہنچے جس کو اصابت العین کہتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں نہیں کس لیے کہ ایک جسم کا اثر دوسرے تک بغیر مماسہ کے پہنچ نہیں سکتا اور نظر میں یہ بات ہوتی نہیں۔ پھر محض توہم باطل ہے جس کا اثر متوہم کو محسوس ہوتا ہے اور توہمات کا اثر انسان پر محسوس ہونا بدیہی بات ہے۔ محققین قائل ہیں کہ اثر ہوتا ہے کہ علاوہ مماسہ اجسام کے نفوس میں بھی ایک خاص اثر ہے جس کو دوسرے نفوس قبول کر لیتے ہیں جس کی نظیر عمل مسریم ہے۔ روحانی اثر جسمانی اثر سے بڑے قوی ہوتے ہیں۔ روح طہبات کے آثار معجزات و کرامات ہیں۔ ارواح ضعیفہ کا اثر دیباہی ضعیف ہوتا ہے۔ پھر اس اثر کی علت گفتگو ہے کوئی کہتا ہے نظر کرنے والے کی آنکھ میں اجزائے لحمیہ ہوتے ہیں جو شعاع بصری کے ساتھ نکل کر مرئی پر برا اثر کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں۔ اب تک کوئی علت معین نہیں ہوئی ہے۔ احادیث سے بھی نظر بد کا اثر ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امام بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں آیات وان یکاد الخ کا پڑھ کر دم کرنا بہت سریع الاثر علاج ہے۔ اور جس کی نظر بد کا اثر پہنچا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء دھلا کر پانی سے مریض نظر کو غسل دینا بھی عمدہ علاج ہے۔ کہیں نظر والے کے پاؤں کی مٹی بھی لے کر آگ میں ڈالتے ہیں، کہیں سرخ مرچیں آگ میں جلاتے ہیں۔ ہندوستانی خیالات نے اس کو از حد ترقی دی ہے۔ پھر کہیں نظر کے لیے گند اڈالتے ہیں، کہیں فال کھولتے ہیں، کہیں سیاہ نیلے لگاتے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔ جاہل قوموں میں بقدر جہل اس کا زیادہ چرچا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَاقَّةُ ۝ مَا اَلْحَاقَّةُ ۝ وَمَا اَدْرٰکَ مَا اَلْحَاقَّةُ ۝ کَذَبْتَ تَسُوْدُ وَعَادُ

بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا شَمُودُ فَاَهْلِكُوا بِالطَّاعِغِيَةِ ۝ وَاَمَّا عَادُ فَاَهْلِكُوا بِرِيحٍ
صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَةً اَيَّامٍ ۚ خُسُوفًا فَتَرَى
الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى ۚ كَانَتْهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَى لَهُمُ
مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝

ہونے والی، کیا ہی ہے ہونے والی اور آپ کیا جانے کیا ہے ہونے والی (یعنی قیامت)۔ خود اور عادنے کھڑکڑا دینے والے واقعہ کو جھٹلایا تھا پھر شمود کو
کڑک سے ہلاک کئے گئے اور عاد تو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو زمانے کا طوفان تھا۔ وہ ان پر سات رات اور آٹھ دن لگا تا چلائی۔ (اے مخاطب!) تو
اس قوم کو اس حادثہ میں اس طرح بچھڑے ہوئے دیکھ رہا ہے گویا کھجور کے کھوکھلے ٹنڈ پڑے ہیں بھرتوان میں سے کسی کو بھی بچا ہوا دیکھتا ہے۔

ترکیب: الحاقہ اُمی السعۃ والحالۃ الی جن فیہا الامور مبتداء ما الحاقہ خبر ہا واصلہ ما ہی فوضع الظاہر موضع المضمر للتھویل وما مبتداء احوالک
خبرہ ما الحاقہ الجملۃ فی محل النصب لکونھا مفعولا ثانیاً لا احوالک واما شمود مبتداء فاهلکوا الخ خبرہ طاعیۃ مصدر کالطاعیۃ قبل الصیغۃ الی
جاوزت الحدوی صیغہ جبرئیل وقیل الریثۃ ای لزلزلۃ صرصر الشدید الصوت لھا صرصر عاتیۃ من التثقیل عتت الریح علی الخزان فلم یکن
لھم علیہا سبیل وقیل عتت علی عادنہا قدر واداعلیٰ ردھا بحیلۃ من استنادہا واد استنادا دالی جبل وقیل یس من التثویب معنی العصیاں بل معنی بلوغ
الشیء وانتہا بہ کما فی قولہ تعالیٰ (وقد بلغت من الکبر حقاً) عاتیۃ ای بالغتہا من القوۃ والشدۃ سخرھا جملہ مستافقہ لبیان کیفۃ اہلاکھم
وبجوز ان یتکون صفۃ لریح۔ وان یتکون حالانھا وثمانیۃ ایام معطوف علی سبع لیلال وھما منصوبان علی انھما ظرف لخر حسووما الحسوم جمع حاسم
کشھو ووقودوا کسمن فی اللغۃ القطع بالاستیصال ومنہ الحسام السیف ومعناہ فی الآیۃ التتابع لان تلك الریاح لما کانت متتابعۃ ما سکت ساعۃ کا تھا
قطعت القوم واساسلھم فعلیٰ ہذا القول انتصاب علی لغت لسبع لیلال الخ ای متابعات وحد قول الاکثرین۔ وقیل الحسوم مصدر کالشکور والکفور
فعلیٰ ہذا الانتصاب اہل فعل مضمر والقد یرکس حسووما لکونہ مفعولاً لای سخرھا علیھم الاستیصال وقیل حال من الریح ای متصلۃ وصرعی جمع
صرع یعنی موتی حوالا کانھم الخ حال من القوم او جملۃ مستافقہ۔ والنخل ید کرۃ نث۔ ہذا اخبار عن عظم اجسامھم۔

تفسیر: قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن زبیر رحمہما اللہ بھی یہی
فرماتے ہیں۔ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورہ حاقہ اور اس کی مثل اور سورہ پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورہ کی سورہ نون سے یہ ہے کہ انسان کی بدکرداری و کفر پر جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے جو دراصل اسی
کے افعال بد کا نتیجہ یا ایک اثر غیر منفک ہوتا ہے اس کی دو قسم ہیں۔ قسم اول: قسم اول کو ابتلاء کہتے ہیں جو محض اس کی سرزنش اور تنبیہ کے
لیے ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے کردار بد سے باز آجائے اور اسی کو امتحان و آزمائش بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قحط، وبا، بدامنی، باہمی نفاق و۔
قتال و جدال، جبار بادشاہوں کا تسلط، زلزلہ، ژالہ باری، کثرت امراض، طوفان ہوا، طوفان آب وغیرہ یہ مصیبت ایک حیثیت سے قبہ و دوسری
حیثیت سے (کہ یہ زاجر ہے اس کے سبب سے باز آئیں گے) مہربھی ہے اس لیے اس میں بدوں کے ساتھ نیک بھی پس جاتے ہیں تاکہ
نیکیوں کو تنبیہ ہو جو امر معروف میں ان سے کوتاہی صادر ہوئی تھی کچھ اس سستی کا خمیازہ یہ بھی تو اٹھائیں یا ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یا
رفع درجاءت و اخرویہ کا سلسلہ ہو جائے اور ان کا امتحان بھی ہے کہ ایسی حالت میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔

اب اس کلیہ کو آپ اس کے سینکڑوں امثال پر مطابق کر لیجئے۔ طوفانِ نوح، سدوم وغیرہ بستیوں کی بربادی، بنی اسرائیل پر وبا اور غیر بادشاہوں کا تسلط جس میں سینکڑوں یہ تیغ ہو گئے۔ حضرت دانیال علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی قیدیوں میں باہل پہنچے۔ انہیں نظار کو قرآن مجید نے بار بار بندوں کو یاد دلایا ہے کہ ان پر پڑی تھی تم سن کر باز آ جاؤ اور پہلی کتابوں میں بھی ان ہولناک وقائع کو یاد دلایا ہے۔

قسم دوم: قسم دوم انتقام جو ابتلاء کے بعد بھی نہ سمجھے۔ اور اس سزا کو حاقہ کہتے ہیں جو کسی کے ٹالے نہیں ملتی اور یہ انتقام الہی اخیر پر ہوتا ہے جہاں نہ توبہ کی مہلت نہ استغفار کی فرصت ملتی ہے اور اس کے بعد دنیا سے رحلت ہو کر عالمِ برزخ کا قید خانہ ہوتا ہے یا قیامت کا تازیانہ۔ اس میں نیک لوگ شامل نہیں ہوتے ان کو خدائے پاک بہر طور محفوظ ہی رکھتا ہے جو اس کی عدالت کا عین مقتضی ہے۔

سورہ نون میں کفار مکہ کو ابتلاء سے ڈرایا گیا تھا اور باغ والوں کا قصہ بھی یاد دلایا تھا اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ۔ جو ان کی گستاخی کی سزا تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے جیسا کہ اصحابِ الجنہ کی بدینتی کی سزا ان کو ملی تھی مگر کئے کے کفار جن کے دلوں پر خدائے مہر کر دی تھی اس ابتلاء کو جو سات برس کا قحط تھا اور اور بھی مصائب تھے کب خاطر میں لانے والے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ ایسے ہی سخت دل رہے اور ڈھٹائی سے سخت عذاب آنے کے خواستگار ہوئے۔ اس لیے اس سورہ مبارکہ میں حاقہ عذاب بیان فرماتا ہے جو بیشتر قیامت میں ہوگا اور کبھی غیرت الہی دنیا میں بھی نازل کر دیتی ہے اور پہلی امتوں پر جو دنیا میں حاقہ نازل ہوا اس کی ان کے مسلمہ واقعات سے نظیر دیتا ہے۔

فَقَالَ الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ کیا ہی حاقہ ہے۔ یہ اور اس کے بعد کا جملہ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ کہ تو کیا جانے کیا ہے حاقہ؟ حاقہ کی عظمت شان کے لیے آیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں زید مازید کہ زید کیا زید ہے۔ مفسرین کہتے ہیں الحاقہ سے مراد یہاں قیامت ہے۔ پھر اس کے لفظی معنی میں چند اقوال ہیں۔ اول حاقہ حق بمعنی ثابت سے ہے پھر حاقہ کے معنی ہیں الساعۃ الواجبة الثابتہ۔ دوم یہ وہ ساعت ہے کہ جس میں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی اور بھی اقوال ہیں۔ وما ادراک میں مخاطب بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر مخاطب۔ وہ حاقہ کی حقیقت سے بے شک واقف نہ تھے اس لیے ما ادراک کہنا بے جا نہیں اور اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب ہوں تو وہ بھی حاقہ کی کنہ نہیں جانتے تھے علم بالکنہ کی نفی ہے نہ علم بالوجہ و وجہ کی اس لیے آپ کی نسبت بھی ما ادراک کہنا ناروا نہیں۔

فائدہ: یحییٰ بن سلام کہتے ہیں قرآن مجید میں جہاں کہیں ما ادراک ماضی کے صیغہ میں آیا ہے آخر اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا ہے اور جہاں کہیں ما یدرک کے صیغہ سے آیا ہے وہاں وہ بات آپ سے بھی مخفی رکھی گئی ہے۔ و فیہ مافیہ۔

اب اس کے بعد چند نظائر حاقہ کے بیان فرماتا ہے جو اگلی قوموں پر دنیا میں نازل ہوئیں۔ (۱) عاد و ثمود کی ہلاکت جو عرب کے ملک میں ہوئی اور وہ ایک متواتر روایت تھی جس کا کوئی عرب انکار نہیں کر سکتا تھا۔ قارعہ کا بیان: فَقَالَ كَذَّبَ ثَمُودٌ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ کہ قومِ ثمود نے جو عرب کے شمال و غرب کے حصے میں آباد تھی جن کے پہاڑوں میں ترانے ہوئے گھر اب تک یادگار ہیں اور اسی طرح ان سے پہلے قومِ عاد نے جو یمن میں رہتے تھے قارعہ یعنی قیامت کو جھٹلایا اگرچہ جھٹلایا تو رسولوں اور ان کی تمام باتوں کو بھی تھا مگر قیامت کی تکذیب ایک ایسا فعل بد ہے جو انسان کو دلیر بنا کر تمام اصولِ سعادت سے روک دیتا ہے۔ اس لیے بالخصوص اس کا نام لیا گیا۔ اور قیامت کو قارعہ اس لیے کہا کہ قارع ٹھوکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور قیامت بھی ایک ایسا ہولناک واقعہ ہے کہ دلوں کو اپنی ہول و دہشت سے ہلا دے گا اس لیے اس کی ہولناک حالت یاد دلانے کے لیے القارعة کے لفظ سے تعبیر کیا اور حاقہ اور قارعہ رؤس آیات میں ایک وزن خاص بھی رکھتے ہیں جو عظیم قرآنیہ کو اور بھی لطف دے رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القارعہ سے مراد خاص قیامت نہیں بلکہ عموماً زواجر اور گناہوں سے روکنے والی اور دل کو ہلا دینے والی باتیں ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام حضرت صالح و حضرت ہود علیہ السلام نے بیان

فرمائیں تھیں۔

قوم ثمود کی ہلاکت: دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں۔ ہرچند ان کے انبیاء نے سمجھایا جب نہ مانا تو انتقام الہی کا وقت آ گیا۔ پھر آگے ہر فرقے کی ہلاکت بیان فرماتا ہے۔ فَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَاهُ اللَّهُ بِطَاغِيَةٍ كَثُورٍ ثَمُودٌ طَاغِيَةٌ سَہْلًا هَلَاكٌ هُوَ۔ طَاغِيَةُ كَابِيَانٍ: یہ زلزلہ کی سخت اور حد سے تجاوز آواز تھی جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ اِنَّا ارسلنا عليهم صيحة واحدة فكنوا كهيثم المحتظر۔ بعض کہتے ہیں بجلی کی کڑک تھی۔ بعض کہتے ہیں طاعیہ مصدر ہے جیسا کہ کاذبہ و عاقبتب اس کے یہ معنی کہ وہ سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں طاعیہ سے مراد وہ بدنہاد شخص ہے جس نے اونٹنی کی کوچیں کافی تھیں اور تذکر کے لیے بھی آ جاتی ہے جیسا کہ ناسیہ و رادیۃ میں ہے۔ اگر طاعیہ سے مراد وہ فاحشہ عورت لی جائے جس کے کہنے سے اس بد بخت نے اونٹنی کی کوچیں کافی گئیں تو اور بھی انب لیکن قول اول قوی ہے۔ فائدہ: ثمود کا واقعہ بہ نسبت عاد کے واقعہ کے زمانے میں قریب تھا اس لیے اول اس کو ذکر کیا کیونکہ قریب زمانے کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت: اس کے بعد عاد کے واقعہ کو جو اس سے پہلے گزرا تھا۔ فقال واماعاد فاهلكوا ہریمہ صرصر عاتية۔ لیکن عاد سو دھوا سے ہلاک ہوئے جو صرصر یعنی زنائے کی تھی اور عاتیۃ بہت تیز و تند تھی کسی کے بس کی نہ تھی۔ سخرھا علیہم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما۔ اس کو ان پر سات رات آٹھ دن پے درپے مسلط کیا تھا۔ برابر چلتی رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا، نہ مکان۔ قوم عاد ہلاک ہو گئی۔ ہوا بدھ کے روز صبح سے شروع ہوئی تھی پھر اگلے بدھ کی شام کو تھی۔ ان ایام کو عرب عجوز کہتے ہیں۔ سردی بھی سخت تھی۔ اور سردی کا اخیر موسم تھا، عرب میں اس موسم کے یہ نام ہیں، من مصفر ویر، آخر موتمر، محلل، مطلق، ملقی، الملقن۔ سخرھا کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے سخر و مسلط کیا تھا اس کو کوئی موسم و کواکب کی تاثیر سے نہ سمجھے کس لیے کہ گمراہ ہر ایک آسمانی چیز کو سبب ظاہری پر منحصر کرتے ہیں۔ ان کی کوتاہ نگاہی سبب الاسباب تک نہیں پہنچتیں۔ عاد قوم کے لوگ بڑے قد رآور تھے، ہوا کے بعد فتری القوم فیہا صراعی ہر ایک لاش میدان میں زخمی ہوئی ایسی بڑی دکھائی دیتی تھی جیسا کہ کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں۔ کٹھنہم اعجاز نخل کھوکھلے ٹھونڈوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کے اندر نور و معرفت کچھ نہ تھا یا یوں بھی انسان اندر سے مجوف ہوتا ہے اور لیے بھی تھے اس لیے کھجور کے درختوں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں پوری تشبیہ ہے۔

فهل تری لهم من باقیہ۔ پھر آپ کو اسے دیکھنے والے! ان میں سے کوئی بھی باقی دکھائی دیا؟ کوئی نہیں سب مر کر رہ گئے۔ لیکن حضرت ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ سب بچ گئے اور حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو پہلے سے خبر دی تھی مگر انہوں نے ٹھٹھوں میں اڑا دیا۔ بڑے مالدار بڑے زور آور تھے۔

عاد و ثمود کے قصے کی پوری شرح مؤرخانہ طور پر ہم سورہ اعراف کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، وہاں دیکھو۔

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ
فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَنَّا طَغَا الْمَاءُ فَمَحَّلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝
لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور انہی ہوئی بتیوں والے گناہ کے مرتکب ہوئے سو ہر ایک نے اپنے رسول خدا کی نافرمانی کی تھی ان کو خوب ہی پکڑا۔ بے شک ہم نے جب پانی حد سے گزر گیا تھا تو تم کو کشمی میں سوار کر لیا تھا تا کہ ہم اس کو تہارے لیے یادگار بنائیں اور (یہ بات) یاد رکھنے والے کانوں میں پڑی رہے۔

ترکیب: من موصلة قبله قراء الجمور فتح القاف وسكون الباء ای ومن حقد ومن الامم وقراء ابو عمرو وعاصم والکسانی بکسر القاف وفتح الباء معناه من جهة و طرف و علی الوجهین موصلة و الجموع معطوف علی فرعون وهو فاعل جاء و۔ المؤتفکات معطوف علیہ بالخاطئة مفعول جاء و الباء للتعدي و الخاطئة اما مصدر کا لفظ و اما الفعل ای بالفعل الی الخاطئة رسول ربهم مفعول عصوا ای عصی کواحد رسول ربہ الخاطئة مفعول مطلق رابية صفة من ربا الشيء اذا زلوا وانا مبتداء حملنا کھ خبرہ فی الجارية حال من مفعول اذ فی متعلقہ بمحذوف لیست بصلة مکمل لماططغا الماء ظرف لحملنا دخلت بین المبتداء و خبرہ لنجعلها و اللام متعلقہ بمحذوف ای فعلنا و الضمیر المصوب فی نجعلها للفعلة انجاء المومنین و اهلاك الکافرين وھی معلومة و ان كانت غیر مذکورة قال القراء الضمیر للسفينة۔ و تعيها معطوف علی نجعل ای و تعيها وھی بکسر العين عند القراء السبعة و قرئ اسکان العين کما فی فخذ و کبد و انما فعل ذلك لان حرف المضارعة لا یفصل من الفعل فاشبه ما هو من نفس الکلمة و صار کقول من قال هو وھی و مثل ذلك قوله ویتع فی قرأة من سکن القاف (الکبیر) و الوری ان تحفظ الشيء فی نفسك و الایعاء ان تحفظ فی غیرک (الیهادی)۔

تفسیر..... فرعون اور اس سے پہلے والوں کی ہلاکت: (۲) فرعون کا قصہ۔ (۳) وہ جو اس سے پہلے گزرے ہیں ان کا واقعہ۔ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے فرعون کے عہد تک جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد تھا۔ اس عرصہ میں بھی بہت انبیاء آئے اور ان کی امتوں پر نافرمانی سے بلائیں نازل ہوئیں اور وہ غارت کر دیے گئے۔ ان کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ یا من قبلہ سے فرعون کو گ مراد ہیں یعنی فرعون اور اس کے لوگوں کا قصہ کہ وہ اپنی بدکاری کی وجہ سے قلم میں غرق ہوئے۔ الٹی ہوئی بستیوں کی ہلاکت: (۴) موتفکة الٹی ہوئی بستیاں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں پانچ بستیاں جو جھیل مردار کے کنارے پر آباد تھیں۔ سدوم عامور وغیرہ ان کی بدکاری اور نافرمانی و سرکشی کی وجہ سے الٹی گئی تھیں۔ فرماتا ہے ان سب لوگوں نے جو خطائی گناہوں میں پڑ گئے، پھر سب کے قصے کو مختصر کرتا ہے۔ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ۔ نہ صرف گناہ ہی کئے تھے بلکہ گناہوں کے سبب دل سیاہ ہو گئے تھے۔ جس لیے خداوند تعالیٰ کے رسولوں کی نافرمانی کی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ علی ہذا القیاس اس سے پہلے لوگوں نے یا اس کے بعد لوگوں نے اور سدوم وغیرہ بستیوں کے رہنے والوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی کمی نہ کی۔ فاخذهم اخذہ رابية پھر تو ان سب کو اللہ قادر نے انتقام میں زور سے پکڑا۔ ہر ایک مختلف عذابوں میں مبتلا کر کے غارت کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم بد کو قلمزم میں ڈبو یا۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسائے ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔ قوم نوح کی ہلاکت: (۵) اِنَّكَاطُغَا الْمَاءِ یہ پانچویں نظیر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہے۔ گرچہ من قبلہ میں اجمالی طور پر داخل تھی مگر ایک بڑا عبرتناک واقعہ تھا۔ اس واقعہ میں سے صرف ان باقی رہ جانے والوں پر کشتی میں سوار کر لینے کا احسان یا دلاتا ہے کہ جن کی اولاد نے پھر بدکاری پر بدکاری اور بت پرستی پر بت پرستی کی۔ یہ فرعون اور قوم لوط اور کے کفار کون ہیں انہیں کی اولاد کہ اے سرکشو! جب پانی کی طغیانی ہوئی تو تم کو (تمہارے باپ دادا کو جن کی پشتوں میں تم تالاق نمک حرام تھے) ہم نے کشتی پر اٹھالیا تاکہ یہ ہمارا فعل آئندہ نسلوں میں یادگار رہے مگر تم بھول گئے اور تاکہ اس کو یاد رکھنے والے کان سنیں۔ تم سننے ہو مگر تمہارے کان اس کو پھینک دیتے ہیں محفوظ نہیں رکھتے۔ یہاں اجمالی بیان ہر ایک قوم کا کافی تھا اس لیے اسی پر بس کی گئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۖ وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا

دَكَّةً وَاحِدَةً ۖ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۖ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ

وَاهِيَةٌ ۖ وَالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ

مشدود اعطف علی نفعہ فدکتا ای جملۃ الارض و جملۃ الجبال من الذک (کوفتن وریزہ کردن و ہموار کردن صراح) والذک المبلغ من الدق۔
 نافعہ وکاء لاسنام لها ومنہ الذکۃ بالفتح (چوڑہ) والذک ان بالضم ذکۃ واحده قال الفراء لا يجوز هنا الا نصب لارتفاع الضمیر فی دکتا ولم یقل
 فدکتا لانہ جعل الجبال کالواحدۃ والارض کالواحدۃ کما قال ان السموات والارض کانتا رقعا لم یقل کن۔ فیومین ظرف لوقعت وانشقت
 معطوف علی وقعت یومین ظرف لوابیۃ فیومین وما بعدہا جواب اذا انفعج قال الزجاج یتقال لکل ما ضعف جدا وھی فہو واد اجزاء ہا ای اطرافہا و
 جوابہا جمع رجبی مقصود یتقال رجاء ورجوان والجمع الار جاء ثمانیۃ بالرفع علی انہ فاعل یحمل فوقہم ای فوق الملائکہ الذین علی الار جاء وقیل ان
 الحملۃ یحملون العرش فوق رؤسہم والضمیر قبل الذکر جائز کقولہ۔ فی بیتہ یؤتی الحکم۔ فوہم ویومین منصوبان بیدحمل علی انہما ظرفان لہ ہاء
 من اسماء الفعل۔ حابستہی غدی یتقال ہاء یافعی ومعناہ تناول ویشقون الصخرۃ للذکر کاکاف فی ہاک ویتقال لثمنین ہاء ما الجمع ہاء واد ہاء م
 والیم فی حدہ الموضع کالیم فی اتہا واتم والضم فی ہاء م انما صیغۃ میم الجمع ویتقال لثمنین ہاء یا امرؤ ہاء یا امرؤتان وھاؤن یا نسوۃ
 مفعول ہاء م محذوف وکتابیہ مفعول اقراء والانہ اقرب العالمین ولانہ لو کان مفعول ہاء م لقلیل اقراء وہ اذا الاولی اضماء حیث اکن والہاء فی
 کتابیہ وحسابیہ وما لہی ہاء السکت وحق حدہ الہا آت ان تجبت فی الوقت وتسقط فی الوصل ولما کان متبعا فی الام ای مصحف عثمان
 اتجہا الوقت علیہا وقرأ ابن حصین باسکان الیاء بغير ہاء وقرأ جماعۃ بابثبات الہاء فی الوصل والوقف جمیعاً الاتباع المصحف۔

تفسیر: دنیاوی حاقہ کے نظائر بیان فرما کر ایک سخت حاقہ کا ذکر کرتا ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا۔ پھر اس کی تمام کیفیت ہولناک
 بیان فرماتا ہے کہ صور پھونکا جائے گا۔ ایک ہی بار کے پھونکنے میں اول زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر اس کے بعد علویات فنا
 ہوں گے، آسمان پھٹ جائیں گے اور فرشتے جو آسمانوں میں سے تھے نکل کر اس کے کناروں پر آجائیں گے۔ اس طرح کہ جب کوئی مکان
 گرتا ہو تو اس کے رہنے والے چھوڑ کر اس کے گرد ہو جاتے ہیں اس کے بعد جبکہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی الا ماشاء اللہ تو بار دیگر صور پھنکے گا
 جس کی کیفیت سورہ زمر میں بیان ہوئی تو تمام چیزیں بار دیگر پیدا ہوں گی، مردے زندہ ہوں گے، عدالت کے لیے تخت رب العالمین لا کر
 رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے (اور ہر ایک کے ساتھ ہزاروں کی جماعت ہوگی) پھر بنی آدم خدا تعالیٰ کے حضور میں لائے
 جائیں گے، کوئی شخص غفی نہ رہ سکے گا نہ کوئی بات اس سے مخفی رہے گی۔ پھر جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا جو نیک ہونے کی علامت
 ہے تو وہ خوشی میں آکر لوگوں سے یا خدا کی طرف سے نامہ اعمال دیکھنے والوں کو کہے گا۔ لو میرا نامہ اعمال دیکھو اور میں پہلے سے سمجھا ہوا تھا
 کہ حساب لیا جائے گا اس لیے دنیا میں نیک کام کرتا اور بدیوں سے بچتا رہا۔ پھر وہ عمدہ عیش میں ہوگا۔ یعنی حیات جاودانی عطا ہوگی اور
 سعادت باقیہ ملے گی، بلند یا بیش قیمت باغوں میں رہے گا جس کے میوے جھکے ہوں گے یعنی پختہ کس لیے کہ پختگی پر میوے جھکے جاتے ہیں یا
 اس کے لیے قریب ہوں گے توڑنے میں دقت نہ ہوگی۔ ہاتھ بڑھایا اور توڑ لیا، ان کو سنا دیا جائے گا، کھاؤ پیو، مزے کرو۔ یہ تمہارے نیک
 اعمال کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم نے کئے تھے اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ افسوس و حسرت سے کہے گا کیا ہوتا جو میرا
 اعمال نامہ مجھے نہ ملتا اور میرا حساب مجھے نہ بتلایا جاتا پھر وہاں کی سختی اور عذاب اور طرح طرح کی رسوائی دیکھ کر موت کی آرزو کرے گا کہ کاش
 میں مر جاؤں تو اس بلا سے چھوٹ جاؤں مگر وہاں پھر موت کہاں؟ وہاں دنیا کی نعمتیں یاد کر کے روئے گا کہ آج میرا مال کچھ کام نہیں آیا نہ کوئی
 رشوت لیتا ہے نہ مالدار کچھ کر لٹاؤ و عزت کرتا ہے یا یہ کہ دنیا میں نیک کاموں میں صرف کرتا تو یہاں کام آتا جیسا کہ اوروں کے کام آ رہا ہے
 اس کے بدلے میں اس کی سزائیں کم ہو رہی ہیں، اجر مل رہے ہیں اور نہ آج میری عزت و شمت و شوکت کچھ کام آئی۔ یہاں بادشاہ و فقیر
 دونوں برابر ہیں نہ کوئی خاندان کو پوچھتا ہے نہ حسب و نسب دریافت کرتا ہے یا یہ کہ میری حجت و دلیل باطل ہو گئی جو دنیا میں باطل مذہب اور
 بیہودہ باتوں کے برحق ثابت کرنے میں کیا کرتا تھا اور بڑی زبان چلایا کرتا تھا۔ پھر اس کے لیے حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں

طوق پہناؤ (وہ اس کے اعمال بد ہوں گے) اور اس کو دیکتی آگ میں ڈالو اور ستر گزی زنجیر میں جکڑ دے یہ اس لیے کہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا نہ اس کے اعمال اچھے تھے، مالی عبادت سے بھی دور تھا کس لیے کہ فقراء کو آپ کھانا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا تھا۔ یہ آیات کا خلاصہ مطلب تھا۔ اب ان کے متعلق کچھ فوائد ہیں جو خالی از لطف نہ ہوں گے۔ وہی ہندہ۔

فائدہ (۱): پہلے نوحے پر تمام عالم خراب و برباد ہو جائے گا اس کے بعد جب بارگزر نوحے صورت ہوگا اور ہر چیز بارگزر مذہب کی تب عدالت کے لیے لوگ خدائے پاک کے رو برو لائے جائیں گے حالانکہ آیت میں وانشقت السماء کے بعد عرش اٹھانے کا ذکر کر کے کہہ دیا آج کے روز پہا کئے جاؤ گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یومئذ تعرضون سے مراد وہی دن نہیں کہ جس روز خراب عالم کے لیے نوحے صورت ہوگا بلکہ اور دن، یا یوں کہو یوم سے مراد زمانہ ہے جس میں نوحے اولیٰ و ثانیہ و صغیر و کبیر و حساب و وقوف سب کچھ ہوگا۔ یوم زمانہ اور وقت کے لیے کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔

فائدہ (۲): وَالْمَلٰٓئِکَةُ عَلٰی اَرْجَائِهَا ملک سے ایک فرشتہ مراد نہیں بلکہ جنس۔ یہ عالم کے برباد ہونے کی کسی گھر کے برباد ہونے سے تمثیل ہے کہ جب وہ گھر گرنے کو ہوتا ہے تو وہاں کے لوگ نکل کر باہر کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں گو بعد میں وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور جو ہلاک نہ مانے جائیں تو بھی ممکن ہے کس لیے کہ ایک جگہ آیا ہے الا من شاء اللہ پس ممکن ہے کہ ملائکہ مستثنیٰ ہوں۔

فائدہ (۳): وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَہُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَنٌۭۤ اَیسا ہی مضمون سورہ زمر کی اس آیت میں ہے۔ وترى الملائکۃ حافین من حول العرش۔ اب کلام یہ ہے کہ تحت رب العالمین کے سر پر اٹھانے سے کیا مطلب؟ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک تمثیل ہے لوگوں کے سمجھانے کے لیے۔ دنیا میں بادشاہوں کے دربار اور ان کے تحت عدالت سے کہ جس کو خدام کی جماعت عزت و احترام سے دربار میں لا کر رکھتے ہیں تاکہ وہ اس پر بیٹھ کر عدالت کرے۔

بعض علماء اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک کوئی تاویل اور توجیہ آیات و احادیث میں جائز نہیں ہر ایک کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا دراصل قرآن و احادیث کا ماننا کہتے ہیں۔ اگرچہ خوش اعتقادی کا یہی مقتضا ہے مگر جب اسلوب کلام میں غور کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن مجید اعلیٰ درجہ کی بلاغت و فصاحت کے قوالب میں ڈھلا ہوا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ بلاغ کے کلام میں مجاز استعارہ، تمثیل و تشبیہ بہت کچھ ہوتا ہے۔ محاورات زبان اور عرف کا بہت خیال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ سب باتیں موجود ہیں پھر جس طرح معتزلہ کا یہ قول تفریط ہے کہ مہما ممکن حقیقی معنی ہونے پر بھی وہ تاویل کرتے ہیں اور اس طرح کی تاویلات کا دروازہ کھولنا حکم کی مراد کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ انہیں کی تقلید سے آج کل کے تعلیم یافتہ قرآن کو خیالات مغربہ پر تاویلات کے ذریعہ سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اسی کو مغرض تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کی لیاقت سخن فہمی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بالکل تاویل و توجیہ استعارہ، کنایہ، مجاز، تمثیل کا دروازہ بند کر کے ظاہری معنی پر محمول کرنا سخت افراط ہے جو کلام کو ہٹل اور بے نمک بلکہ غلط بنا دینے کا پورا ذریعہ ہے۔ اب اپنے قاعدے کے موافق ہر فریق قرآن مجید کے ایسے مواقع میں تفسیر کرتا ہے مگر حق وہی بات ہے کہ جس کو اہل سنت والجماعہ کے علماء ربانین اختیار کئے ہوئے ہیں وہ یہ کہ جہاں تک ظاہری معنی مراد لیے جاسکتے ہوں تو کلام کو ضرور حقیقی معنی پر محمول کرنا چاہیے اور جہاں تعذر ہو خواہ عقل سلیم کے فتویٰ سے خواہ اصول اسلامیہ و دیگر آیات و احادیث صریح کی وجہ سے تو وہاں ضرور مجاز پر محمول کرنا پڑے گا مگر مجازی معنی کی زمام بھی ہر ایک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ علماء راہین کے۔

آیات مذکورہ میں معتزلہ تاویل کرتے ہیں کہ عرش و کرسی کے معنی مجازی مراد ہیں۔ تسلط و حکومت وغیرہ اور فرشتوں کے سر پر اٹھانے سے مراد ان کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہے۔ اہل سنت میں سے بیضاوی وغیرہ علماء کلام فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے کس لیے کہ خدائے

پاک مجسم نہیں جو کسی تخت پر بیٹھے یا اس کے لیے کوئی جگہ معین کی جائے۔ یہ چیزیں اس کے لیے حدوث اور نقصان کا باعث ہیں۔ اسی طرح صوفیہ کرام بھی ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ پھر ان میں سے کسی نے کہا کہ عرش مجید صورت جہانداری حق سبحانہ تعالیٰ کی ہے یعنی اس کی جہانداری اور بادشاہت کو عرش سے تعبیر کیا ہے اور قیامت میں وہ بصورت عرش یعنی تخت شاہی ظہور کرے گی اور اس کی جہانداری دنیا میں چار صفت سے ہے کہ موجودات میں کوئی ذرہ بھی ان سے خالی نہیں وہ سب کو محیط ہیں۔ اول علم، دوم قدرت، سوم ارادہ، چہارم حکمت، آخرت میں ان چاروں صفتوں کے ساتھ چار صفات اور زیادہ ہوں گی تاکہ دونوں جہانداریوں میں امتیاز رکھی ہو جائے اور وہ چار یہ ہیں۔

اول ظہور انکشاف تام کہ اس عالم میں ہر چیز کی اصل حقیقت ہر ایک پر واضح ہو جائے گی۔ دھوکا اور شبہ اور غلطی نہ رہے گی وہاں جاہل و عالم کافر و مومن سب پر حقائق خفیہ برابر ظہور ہوں گے۔ اس بات پر قرآن مجید میں بھی کئی ایک جگہ اشارہ ہے۔ از الجملہ یومہ تبدلی السرائر و اسمع بہم و ابصر یوم یاتوننا فکشفنا عنک غطاء فبصرک الیومہ حدید۔ دوم کمال بلوغ کہ ہر چیز مرتبہ نقصان سے اپنے موافق مرتبہ کمال پر پہنچ جائے گی۔ استعداد و قابلیت کا مرتبہ فعلیت پر آجائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں لنگڑے لو لے، اندھے، زخمی بیمار مرے تھے صحیح و سالم انھیں گے اور اسی طرح قوائے باطنیہ کا حال ہوگا۔ خلود و بقائے غیر متناہی بھی اسی صفت کی وجہ سے ہوگی جس کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ ان الدار الآخرة لہی الحيوان لو كانوا یعلمون۔ سوم تقدس کہ کدورات والوالت سے ہر شے دور ہو جائے گی کس لیے کہ عالم حدثی کا چھلکا دور ہو کر عالم باقی و صافی کا جو ہر نکل آئے گا۔ چہارم صفت عدل و ابقائے حق کہ جس کے سبب پورا پورا انصاف ہوگا۔ ہر ایک کو اسی کے پیمانے سے تول کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس عالم میں جہانداری کے ساتھ جس کو عرش کہا گیا یہ چار صفات اور مل گئیں تو گرانی اور وزن بڑھ گیا اور اس عرش معنوی کو عرش صوری کے ساتھ ایک خاص مشابہت ہے۔ دنیا میں یہ عرش جہانداری چار فرشتوں پر تھا جو ان چار صفتوں کے مظاہر تھے آخرت میں اس گرانباری کی وجہ سے چار اور بڑھائے جائیں گے جو ان چار صفتوں کے مظاہر ہوں گے۔ یہ معنی ہیں قیامت میں آٹھ فرشتوں کے تحت رب العالمین اٹھانے کے۔

بعض فرماتے ہیں عرش رب العالمین سے مراد انسان کا قلب ہے آج اس کو چار صفات اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت میں آٹھ اٹھائیں گی اور اٹھانا عبارت ہے ان صفات کے استیلاء سے۔ پھر ان صفات میں کلام طویل ہے۔

فائدہ (۴): عرش ربک سے وہ عرش مراد ہے جس کو سب آسمانوں کے اوپر کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہی عرش قیامت میں دربار عدالت کے لیے لا کر رکھا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں وہ اور ہوگا۔

قریب الفہم وہی قول ہے جو بیضاوی نے فرمایا ہے کس لیے کہ انسان اس عالم ناسوت میں کسی معنی کو صورت و اشکال سے مجرد کر کے بمشکل سمجھتا ہے اور ہر ایک معنی کی اپنے مشاہدہ صور میں تصویر کھینچتا ہے۔ اب صرف فرمانا تو یہ مقصود تھا کہ قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے عدالت کرے گا اور خیال انسانی اس عدالت کی تصویر تمام شاہانہ تجملات میں کھینچتا ہے کہ تخت ہوگا اور اس کے گرد ایسے خدام و سپاہ ہوں گے جیسا کہ اوالو العزم شاہوں کے دربار میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسانی اور اک سے بھی بہت دور تر ہے۔ اس کے دربار اور اس کی عدالت کی اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے نہ الفاظ ہیں اور نہ اذہان انسانی تیار ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اس کے مشابہ تصویر میں بیان فرمانا پورا اظہار ہے اس لیے تخت لایا جانا اور تخت پر جلوس فرمانا اور تخت کے ارد گرد ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور مجرموں اور نیکوں کا پیش ہونا اور اپنے ایمان اور نیک اعمال کی جزا اور کفر و بدکاری کی سزا حیات جاودانی یا رنج و عذاب دائمی پانا اور ان کا مسرت کرنا اور ان کا حسرت و افسوس کرنا ایک سچے واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے۔ نہ محض ترغیب و ترہیب ہے جیسا کہ کوڑھ مغز اور تنگ دماغ خیال کرتے ہیں۔

فائدہ (۵): یومئذ تعرضون سے لے کر اخیر تک اس عدالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب حاضر ہوں گے کوئی بات مخفی نہ رہے

گی۔ پھر آگے جزاء و سزا کی تشریح کرتا ہے کہ جس کی کتاب (یعنی نامہ اعمال جو دنیا میں کرنا کاتین نے اس کے نامہ اعمال کا روزنامہ لکھا تھا اور وہ ایک عالم غیب کا فوٹو ہے ہماری قلموں اور ہمارے کاغذوں کا لکھا ہوا دفتر نہیں) اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ خوش ہوگا اور جس کے بائیں ہاتھ میں دی گئی وہ روئے پیٹے گا، داہنا ہاتھ اشارہ ہے جانب اتویٰ سے جو عقل و نور و غلبہ ایمان کی جانب ہے اور بائیں ہاتھ اشارہ ہے جانب اضعاف نفسانی حیوانی کی طرف۔

فائدہ (۶) ھینبا ھنا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو بے مشقت ملے (قاموس) ھن، گوارا شدن طعام و شراب یعنی گوارا نہ ھینبا منصوب ہے یا اس لیے کہ مفعول مطلق کی صفت ہے ای اکل و شراب ھینبا صفت ہے مصدر کے قائم مقام کی گئی ہے اے ھنتم ھینبا یعنی بروزن فعلیل والمصدر ھن۔ اس کے بعد جہنمیوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کے لیے فرشتوں کو حکم ہوگا خذوہ کہ اس کو پکڑو قہر و عذاب میں فغلوہ پھر اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باء و غل بالضم گردن بند جمعہ اغلال۔ صراح۔ یہ اس لیے کہ اس نے دنیا میں فراخ دستی کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کیا تھا اور کار خیر میں ہاتھ نہ کھولے تھے۔ ثم پھر حکم ہوگا الجحیم صلوہ پھر اس کو دکھتی آگ میں ڈال دو یعنی باندھ کر ڈالو کہ ہاتھ پاؤں نہ مار سکے۔ ثم پھر حکم ہوگا فاسلکوا کہ ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو کہ پڑا پڑا جگہ سے ہلنے بھی نہ پائے بعض علماء کہتے ہیں ستر گز سے تعداد مقصود نہیں بلکہ طول مراد ہے جیسا فی سلسلۃ ذر عہا سبعون ذراعا جیسا کہ اس آیت میں ان تستغفر لھم سبعین مرۃ مراد مراتب کثیرہ ہیں۔ لمبی زنجیر اشارہ ہے اس کے حرص و ہوا و طول اہل دنیا کی طرف کہ بڑی بڑی لمبی زنجیروں میں دنیا کی بندھا ہوا تھا جن کا اس کے خیال میں کہیں سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ یوں ہوگا اور یوں ہوگا۔ اس میں خدا تعالیٰ سے غافل رہا کہ موت آگئی۔ جس کو وہاں کی زنجیر سے بچنا ہو یہاں کی زنجیر سے نکلے۔ شہوات و لذات کی لمبی زنجیریں اس کو جکڑے ہوئے ہیں اور طوق بھی گلے میں بدکاری اور اخلاقی ردیلہ کے پڑے ہوئے ہیں اور شہوت و حرص کی دہکتی آگ میں ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ مردان خدا ہی ان بیڑیوں اور اس آگ سے نکل بھاگے ہیں دنیا کے کاروبار کرتے ہیں، بیاہ شادی کرتے ہیں مگر دل نہیں لگاتے۔ لیکن بقدر ضرورت۔ پھر آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان فرماتا ہے کہ جس کے سبب وہ آج اس جرم میں گرفتار ہوئے فقال انہ کان کہ تسلسل حوادث کا قائل تھا اور اسباب کی زنجیروں میں بند تھا۔ ہر حادثہ کو اس کے سبب کی طرف منسوب کرتا تھا۔ مسبب الاسباب تک نظر نہیں پہنچتی تھی اس لیے لایؤمن باللہ العظیم وہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ یہ اشارہ ہے کہ اس کی قوتِ نظریہ باطل ہو چکی تھی۔ وہ احمق ان چیلوں کو آپ سے حرکت کرنے والا سمجھا ہوا تھا۔ یہ نہیں جانتا کہ پس پردہ کوئی اور حرکت دے رہا ہے۔ ایک خدائے بزرگ برتر کو چھوڑ کر سینکڑوں اسباب کی طرف دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور اپنی طمع اور خام خیالی سے بہت چیزوں کو قضاء و قدر کا مالک و مختار جان کر ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔ الغرض یہ کافر و مشرک تھا تو حید و ایمان کی روشنی نصیب نہ تھی اس کے سوا قوتِ عملیہ بھی باطل ہو گئی تھی۔ ولایحض علی طعام المسکین کس لیے کہ عملی کاموں میں عبادت کے بعد نفعِ خلاق اعلیٰ درجہ کی نیکو کاری ہے۔ پھر یہ بد بخت خدائے بزرگ پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا تھا کہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کھانا کھلانے کا بدلہ دینا اور آخرت میں خدا پاک دے گا اس کی رضا مندی ہمارے لیے کام آئے گی۔ پھر آپ مسکین غریب کو روپیہ پیسہ دینا کپڑا پہنانا، راحت پہنچانا تو درکنار معمولی کھانا بھی نہیں دیتا تھا اور دینا تو درکنار اوروں کو بھی اس طرف رغبت نہیں دلاتا تھا بلکہ اس کام کو عیب اور فضول جانتا تھا۔ کبھی یہ حیلہ کرتا تھا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، کبھی یہ کہ ان کا ہمارے اوپر کیا حق ہے۔ اور ان لوگوں کو دینا بے ہمتی، بے غیرتی، گداگری سکھانا ہے۔ یہ گفتگو اور داندلوں کے حق میں کہ جو دراصل قابلِ رحم ہیں محض بخل اور اندرونی خباثت پڑتی ہے۔

ایسی تنگی اور مصیبت کے ٹالنے یا کم کرنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ تسلی دلا سادیئے والا اور چارہ گری کرنے والا ہو۔ دوم یہ کہ ایسی در ماندگی کے وقت کھانا کھلایا جائے اور اسی لیے اہل مصیبت کے ساتھ تعزیت میں یہ دونوں باتیں برتی جاتی ہیں۔ تسلی دلا سادیئے

دلایا جاتا ہے، کھانا بھی کھلایا جاتا ہے سو اس کے لیے یہ دونوں نہ ہوں گے۔ فلیس لہ الیوم ہننا حمیم کہ آج اس کا یہاں کوئی دوست حمایتی نہ ہوگا جو اس کو چھڑا دے۔ یہ اس لیے کہ بڑا حمایت کرنے والا اللہ ہے اور اس کی حمایت کا پرتو دوسرے حامیوں کے دلوں پر پڑتا ہے جو حمایت پر کمر باندھتے ہیں سو اللہ پر تو اس کا ایمان ہی نہ تھا اس سے بگاڑ رکھی تھی۔ ولا طعام اور نہ کھانا ہے کس لیے کہ دنیا میں یہ کسی کو نہیں کھلاتا تھا۔ الامن غسلیں ہاں وہ جو لوگوں کے دل دکھاتا تھا اب ان رزمیوں کا دھوون ضرور پینے کو ملے گا جو خطا کاروں کا کھانا ہے۔

فَلَا أَقْسَمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ
كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تَأْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ ۝ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ وَإِنَّهُ
لَتَذَكَّرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ۝ وَإِنَّهُ
لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

پھر جس کو تم دیکھتے ہو اور جس کو تم نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کے قول کا کلام ہے اور نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم یقین کرتے ہو اور نہ کسی کا ہن کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اگر محمد (ﷺ) ہم پر کوئی بات بھی بنا کر کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو روکنے والا بھی نہ تھا اور بے شک یہ قرآن پر ہمیز گاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض تم میں سے جھٹلانے والے ہیں اور بے شک قرآن کا فرد کے لیے حسرت اور یہ یقین کرنے کے قابل ہے۔ پس اپنے رب کے نام کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو جو بلند شان ہے۔

ترکیب: فلا أقسم قيل لامر میده افلا رولا نکا رهم البعث ثم أقسم وقيل ثانیة القسم کا نہ قال لا أقسم علی ان القرآن قول رسول کریم لظہور الامر واستغناء عن التیقین بالقسم انہ لقول الحق جواب القسم مؤکد بان واللام والاسمیہ۔ وما هو الخ الجملة تاکید لقوله انہ لقول رسول کریم قلیلا ما زاندة للتاکید ولا بغفل کا هن عطف علی قوله بقول شاعر۔ تنزیل خبر متبذہ هو تنزیل تقول قراء الجہو رمینا لالفاعل والتقول تکلف القول والافتراء والا قادیل جمع اقوال جمع قول کا بابیت جمع ابیات جمع بیت والاقوال المفتراة اقادیل تحقیر الہا لاخذنا جواب لوساجزین وصف لاحد فانه عام لكونه نكرة واقعة فی سیاق الہی۔ حق الیقین من اضافۃ الصفۃ للموصوف ای للیقین الحق وقیل هو قولک محض الیقین۔

تفسیر: یہاں تک امور حاقہ کا بیان شواہد اور اخیر حاقہ قیامت کا مفصل بیان تھا کہ اس طرح سے ہوگی اور اس کے بعد نیکیوں کی یہ حالت اور بدوں کی یہ صورت ہوگی۔ اس بیان میں دو مسئلہ ثابت کئے گئے، توحید باری تعالیٰ کہ اس کی نافرمانی کی سزا کوئی دوسرا روک نہیں سکتا۔ عاود و نمود و نوح علیہ السلام کی قوموں پر جو کچھ حوادث آئے، دنیا نے آنکھ سے دیکھے، محفوظ کانون سے سن کر یاد رکھے۔ یہ اس کی توحید کی پوری دلیل ہے۔ کس لیے کہ اگر کوئی دوسرا بھی اس کا شریک ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور اسی لیے وہ اس کی پرستش کرتے تھے تو ایسے مواقع پر ان

کی مدد کرتا، عذاب الہی کو ٹال دیتا۔ دوسرا مسئلہ معاد کا قیامت برپا ہوگی اور وہاں یہ ہوگا۔ اس کے بعد اب تیسرے مسئلہ نبوت کو ثابت کرتا ہے جس پر دونوں مسئلوں کی بنیاد ہے۔ کس لیے کہ پچھلے واقعات کو محسوس تھے مگر ان کو جاہل اسباب پر مبنی کرتے تھے۔ اس کے بعد قیامت کا واقعہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہے اب زیادہ دار و مدار نقل پر رہا ہے اس لیے نقل کا استحکام ضرور ہوا۔ **قَالَ فَلَا أَقْبِرُ بِمَا كُنْتُ صَرُورًا وَمَا لَمْ أَتُبْصِرُونَ** کہ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی کہ جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ مفسرین نے اسباب میں متعدد اقوال بیان فرمائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں بماتبصرون سے مراد عالم شہادۃ محسوسات، آسمان و زمین وغیرہ اور مالاتبصرون سے عالم روحانیت و عالم جن و ملائکہ۔ اب دونوں کو ملا کر سب چیزیں آگئیں، خالق و مخلوق دنیا و آخرت اجسام و ارواح انس و جن نعمانہ ظاہریہ و باطنیہ۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد واقعات گزشتہ کہ جن کے آثار اب تک تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ و مالاتبصرون سے مراد قیامت کا واقعہ جو نظروں سے غائب ہے۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کفار کے سامنے تھے اور مالاتبصرون سے مراد جبرئیل علیہ السلام جو ان کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ قرآن شریف کے آنے میں یہی دو واسطے ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھا کر جو اللہ کے نزدیک محترم تھے۔ یہ بیان فرماتا ہے انہ لقول رسول کریم۔ بعض مفسرین کہتے ہیں فلا قسم میں لافنی کے لیے ہے حق سبحانہ فرماتا ہے کہ مجھے ان چیزوں کی قسم کھانے کی حاجت نہیں کس لیے کہ بات ظاہر ہے وہ کیا کہ انہ لقول الخ کہ یہ قرآن کریم کا قول ہے۔ رسول کریم سے یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو کافر شاعر و کاہن کہتے تھے نہ جبرئیل۔ کس لیے کہ ان کی نسبت وہ یہ نہیں کہتے تھے البتہ سورہ اذا انقسم کورت میں انہ لقول رسول کریم سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ کس لیے کہ اس کے بعد ہے وما هو بقول شیطان رجیم کا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ملک کریم کا کلام ہے نہ شیطان زہیم کا۔ اسی طرح اس جگہ فرماتا ہے وما هو بقول شاعر کہ یہ شاعر کا کلام نہیں جیسا کہ ابو جہل کہتا ہے۔ کس لیے کہ اول تو شعراء کو وزن و بحر لازم ہے اور قرآن مجید میں یہ بات نہیں۔ دوم شعراء تخیلات بے اصل مبالغہ کو دخل دیتے ہیں قرآن مجید میں یہ بالکل نہیں بلکہ قرآن میں حقائق و معارف بدلائل ثابت کئے گئے ہیں۔ دونوں کلاموں میں بدیہی فرق ہے لیکن قلیلا ما توؤمنون تم بہت کم مانتے ہو محض ہٹ دھرمی کر رہے ہو۔ ولا بقول کاہن اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا کہ عقبہ کہتا ہے۔

کاہن عرب میں اس کو کہتے تھے جو جن اور چڑھیوں کی نذر و نیاز کیا کرتے تھے اور کبھی ارواح خبیثہ ان پر مسلط ہو کر عالم محسوس کے واقعات مقفی اور مسجع عبارت میں بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں مسافر فلاں منزل پر ہے، اس وقت یہ کر رہا ہے یا فلاں شخص کا مال چور چرا کر فلاں جگہ لے گیا ہے۔ وغیرہ لک جیسا کہ ہندوستان میں بعض لوگ جھٹنیوں وغیرہ کے زور سے ایسی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ کوئی شیخ سدوسے پوچھا کرتا ہے کسی کے سر پر میراں آتے ہیں، کسی کے زین خان، کسی کے بھیروں، کسی کے ہنومان۔

قرآن مجید میں اور ایسے کلام میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول تو ایسے لوگ مکارم اخلاق و اصلاح معاش و معاد کے قوانین کی تعلیم کیا جانیں نہ ان کو عالم آخرتہ کے احوال سے خبر نہ واقعات گزشتہ کی صحیح صحیح خبر نہ روح کو منور کرنے والے علوم، نہ مکارم اخلاق کی تعلیم۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں یہ سب باتیں ہیں۔ دوم وہ بھوت و جن اپنی نذر و نیاز کی تاکید کرتے ہیں اور جو نہیں مانتا اس پر خفا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں ان باتوں کی برائی اور بت پرستی اور ان خباثت کی مذمت ہے۔ پھر کیا یہ خباثت اپنی برائی آپ کرتے ہیں! ذرا غور کرو لیکن قلیلا ماتخذ کروں۔ تم کم غور کرتے ہو، بہت کم سمجھتے ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کم ایمان لاتے ہو، کم سمجھتے ہو کے معنی ہیں کہ بالکل نہیں لاتے، بالکل نہیں سمجھتے کس لیے کہ محاورہ ہے جب کوئی نہیں آتا تو اس کو کہتے ہیں تم کم آتے ہو۔ اسی طرح عرب کا یہ محاورہ ہے۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآن مجید تو اللہ کا کلام ہے جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے: **تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ** کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ کلام اپنے متکلم کی شان خود بیان کر دیتا ہے۔ شہوت پرستوں، عیاشوں کا کلام ویسا ہی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے کلام میں شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے۔ حکیموں کے کلام میں حکمت کے انوار چمکاتے ہیں۔ اب قرآن کا شان و انداز کہے دیتا ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کو اسی شان ربوبیت سے ماسور کرتا ہے۔ بلا لحاظ شرافت خاندانی و دولت مندی ہر ایک کو انہیں بزرگی بھرے لفظوں سے مغفرت کا وعدہ اور سزا کی خبر دیتا ہے۔ پھر جب یہ اللہ کا کلام ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و جبریل علیہ السلام کا کلام کیونکر کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملا بستہ اور تھوڑا سا علاقہ بھی کافی ہوتا ہے۔ خود بادشاہ نوکر سے کہہ دیا کرتا ہے، تم اپنے ملک میں ایسا کرو، اپنے گھوڑوں کو یوں رکھو حالانکہ ملک اور گھوڑے بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید دراصل کلام الہی ہے مگر عالم ملکوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک لانے میں جبریل علیہ السلام واسطہ ہیں اس لیے ان کا کلام کہہ دینا ٹھیک ہے۔ وہی اپنی زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے امت کو سناتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کہہ دینا بھی بے جا نہیں۔

ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے رسول اپنی طرف سے بھی کچھ اس کلام میں جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا ہے ملا دیتے ہوں، اس کو دفع کرتا ہے **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ** الخ کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بھی بناتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب مجرم کو قتل کرتے تھے تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے تھے کہ کچھ نہ کر سکے۔ پھر اس کی گردن مار دیتے تھے۔ اس طریقے کے موافق رسول کی نسبت کلام کیا گیا۔ (ابن جریر) قراء ابن قتیبہ و مبرور جاج کہتے ہیں یحییٰ کے معنی ہیں قوۃ کے یعنی ہم اس کو مضبوطی سے پکڑتے کہ سر نہ پاتا اور **ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ** کے معنی بھی ابن قتیبہ کے نزدیک یہ ہیں کہ ہلاک کر دیتے، خاص گردن مار دینا مراد نہیں۔ و تین ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ دل کی رگ ہے۔ بعض کہتے ہیں شاہ رگ مراد ہے جو گردن میں نمایاں ہے۔ حلقوم کے قریب اس کے کٹ جانے سے آدمی بچ نہیں سکتا۔ **فَمَا مِنْكُمْ مَّنْ أَحْدَعْنَاهُ حَاجِزِينَ** پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانہ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ کہتے اور ہماری طرف منسوب کرتے جیسا کہ منکرین نبوت کا شبہ ہے تو ہم اپنے قدیم قانون کے موافق جس کا کہ ہم نے توریت میں بھی ذکر کیا ہے ضرور ہلاک کر دیتے، سر سبز نہ ہونے دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دوسری دلیل: یہ ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے ہے جس کی طرف توریت میں ایما ہے۔ توریت سفر استثا کے اٹھارہویں باب میں ۲۰ فقرہ یہ ہے ”لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔“ دنیاوی بادشاہ فرامین اور احکام شاهی میں جعل کرنے والے یا جھوٹے مدعی کو بنظر انتظام مملکت نہیں چھوڑتے تو پھر خداوند عالم نبوت کے باب میں جھوٹے مدعی کو کب سلامت چھوڑتے اور اس کو سر سبز بھی ہونے دیتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہار نبوت کے بعد سر سبز ہوتے گئے، روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ ان کے خلفاء کے عہد میں عرب کے ریگستان سے نکل کر مشرق و مغرب میں کس شان و شوکت اور آسمانی برکت کے ساتھ اسلام پھیلا اور جاہل و خشی قوموں پر سایہ افکن ہوا۔ اور جس نے اس کو نہیں مانا بہت جلد خوار و ذلیل یا دل میں پشیمان ہوا۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے **وَإِنَّ لَظَنَّةَ كَذِبٍ لِلْمُتَكِبِينَ** کہ یہ قرآن پر ہیزگاروں، خدا ترس لوگوں کے لیے نصیحت و پند ہے۔ اس میں کہانت اور شاعری اور شہوانی کون سی بات ہے۔

جو قومیں سخت وحشی اور درندہ تھیں پھر جو وہ جھٹ پٹ کا یا پلٹ ہو گئیں۔ مہذب، خدا پرست، باخدا، راست باز، رحمدل، محنتی، اولوالعزم، ذوقہم، سلیم بن گئیں ان کے لیے اس پند نامہ کے سوا اور کون سی کتاب تھی؟ تھوڑی دیر کے لیے عرب کے ایام جاہلیت کی سپر کیجئے۔ اس کے

بعد اسلامی دنیا دیکھتے پھر یہ رات دن کا فرق آپ کو حیرت میں نہ ڈال دے گا جبکہ آپ قرآن مجید کو تذکرۃ تسلیم کر لیں گے۔ وَأَنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اے کفار قریش! تم میں سے بعض تو ذاتی مذبذبن یعنی جھٹلانے والے ہیں جو کبھی بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور ان کا کفر ہی پر خاتمہ ہوگا۔ ان کو بے شک اس قرآن سے کچھ نفع نہیں بلکہ وَأَنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ بلکہ وہ ان کے لیے حسرت و افسوس کا باعث ہے۔ دنیا میں غلبہ و شوکت اسلام کے وقت آخرۃ میں عذاب کے وقت کہ ہائے ہم نے اس کو کیوں نہ مانا اور یہ شک و شبہ جو لوگ پیدا کرتے ہیں انہیں کی ناپاکی اور کجی باطن کے سبب سے ہے ورنہ قرآن تو لحنیق الیقین سراپا یقین کرنے کے قابل ہے۔ کوئی بات شبہ و انکار کی نہیں۔ ان تینوں مباحث کو پورا کر کے کلام کو اپنی تقدیس و تسبیح کرنے پر تمام کرتا ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ کہ اپنے رب کی پاکی بیان کر جس نے قرآن بندوں کی بہتری کے لیے نازل کیا۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات پر عمل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم۔ سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے اور پھر ہر نماز میں یہی طریقہ مسنون ہو گیا کہ رکوع و سجود میں بجز تسبیح کے اور کوئی چیز نہیں اور یہی مذہب ہے فقہاء و محدثین کا۔ ولہ الحمد علی الاتمام حمد اکثر اسما تک اللهم وبحمدک۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللَّهِ

ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ

خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝

وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝

کسی سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو کافروں کو ہونے والا ہے جس کو اللہ ذی مراتب کی طرف سے کوئی دفع نہیں کر سکتا فرشتے اور روح اس کی طرف اس دن چڑھے ہوں گے کہ جس کی درازی پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ (اے نبی!) آپ اچھی طرح سے صبر کئے رہو وہ تو اس کو بہت دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔

ترکیب: سأل قرء الجمور بالهمزة من السؤال وهو متضمن بمعنى الدعاء ولذا اعدى بالباء وقرئ بغیر همزة وهو ما من باب التحقیر والمعنى واحد او من السلطان والمعنى سال واو فى جنهم يقال له سأل كما قال زيد بن ثابت ویدیه قرأ ابن عباس سال سئل ای اندفع وادعذاب واقع بعد اب والباء بمعنى عن كقولہ فاسئل به خبر او هو مفعول ثان لسائل والمفعول الاول محذوف ای اللہ او النبی سال یجعدی الی مفعولین وبجوز الاقتضاء علی احدہما قالہ ابوی الفارسی للکافرین الجاء متعلق بواقع ویسکن ان یحلق بثالث ویكون صفة اخرى بعد اب والاولی واقع لیس له الخ صفة اخرى لعذاب لحوال منه او متأنفة من الله متعلق بواقع ای بواقع ویسکن ان یحلق بثالث ویكون صفة اخرى بعد اب والاولی واقع لیس له الخ صفة اخرى بعد اب او حال منه او متأنفة من الله متعلق بواقع ای واقع من جہت سبحانہ او متعلق بدافع ای لیس له دافع من جہت تعالیٰ ذی المعارج صفت اللہ تعالیٰ جمع معرج مفتوح الیم وهو موضع الصعود و تعرج الملائكة استیناف لیبان ارتفاع تلك المعارج علی التثلیل والتخفیل فی یومہ متعلق معرج وقیل بواقع وقیل بسال اذا جعل من السلطان والتضمیر فی یرونہ ونראה للعذاب اولیوم القیامۃ۔

اشارہ ہے۔ دنیا میں قحط آیا بدر میں مارے گئے مسلمانوں کے ہاتھ میں مخر ہوئے۔ آخرت کا عذاب تعزیر الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقداره خمسین الف سنۃ میں بتایا گیا اور پھر آپ کو تنبیہ اور جلد عذاب نہ آنے پر دلا سا بھی دیتا ہے فاصبر صبرا جمیلا کہ خوب اور عمدہ طور پر صبر کر یہ جو کچھ بھی کہیں کہنے دے۔ اور اگر سائل نصر بن حارث قرار دیا جائے تو عذاب واقع اس میں عذاب آنے کا قطعی اشارہ کر کے فاصبر صبرا جمیلا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ تفسیر سال سوال کے معنی میں لیے جانے پر تھی جیسا کہ جمہور کا قول ہے خواہ سال کو ہمزہ کے اظہار سے پرہیز یا تخفیف کر کے مگر بعض نے سال کو سیلان کے معنی میں لیا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے لیے عذاب واقع ہونے والا ہے پڑا دیا کی طرح ادا آ رہا ہے۔ پھر آگے اس کی تشریح ہے واقعہ للکافرین کہ وہ عذاب کافروں کے لیے ہونے والا ہے۔ کفر باعث اس عذاب کا ہے کوئی کافر کیوں نہ ہو سب کو وہ عذاب پیش آنے والا ہے لیس لدافع اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں من اللہ ذی المعارج اور وہ عذاب کس کی طرف سے ہوگا جو کسی کے ٹالنے نہ لے گا؟ اللہ کی طرف سے جو ربوں والا ہے معارج معرج کی جمع چڑھنے کی جگہ۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ومعارج علیہا یظہرون مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سموات اور ان کو معارج اس لیے کہا کہ ان میں فرشتے چڑھتے ہیں۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں فضائل و نعماء کو کہ یہ لوگوں کی طرف مختلف طور پر پہنچتے ہیں۔

(۳) معارج سے درجات مراد ہیں جو دنیا و آخرت میں لوگوں کو مختلف طور پر عطا ہوئے اور ہوں گے۔

(۴) بعض کہتے ہیں بندوں کے اعمال و ادراکات ہیں کہ ان کے سبب اس کے بندے مراتب میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے

ہیں اور وہ متفاوت ہیں اور مراتب قرب حق بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو عارفانِ راہ حق طے کر جاتے ہیں۔ انسانی بقا و فنا بھی معارج ہیں جن کو

طے کرتے کرتے مقصود تک پہنچتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی رتبہ اور فضائل عطا کرنے والا ہے آخرت میں اور دنیا

میں بھی ایمانداروں کو اور یہ کہ عالم میں اس کا فیضان و سائل سے پہنچتا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے فالقسمات امرأۃ المجدبرات امرأۃ۔

پس ذی المعارج میں ان ارواح مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو ارتقا مراتب حاجات کے لیے اس عالم میں بمنزلہ سیرھیوں کے ہیں اور نزول

آثار رحمت کے لیے بمنزلہ منازل کے ہیں اور اللہ کو ذی المعارج اس لیے کہا کہ یہ درجات اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے عطا کرے اور

یہ بھی کہ وہ خود بلند مرتبوں والا ہے بہت بلند شان ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ایمان و اعمال و خلوص کی سیرھیاں درکار ہیں۔ اس لیے اس

کے بعد فرماتا ہے تعزیر الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقداره خمسین الف سنۃ کہ فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھیں گے

اس دن کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔ روح سے مراد بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں ان کی عظمت کے لیے ان کو ملائکہ

سے جدا گانہ بلفظ روح بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں تنزل الملائکۃ والروح وقول تعالیٰ یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا اور

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح درجہ نزول میں اول اور صعود میں آخر ہے اور اسی جگہ بعض اہل کشف نے کہا ہے کہ روح نور عظیم ہے

اور وہ جمیع انوار سے جلال الہی کے قریب تر ہے اور اسی سے تمام ارواح ملائکہ اور ارواح بشریہ جو تمام ارواح سے اخیر درجہ میں ہیں پھیلتی ہیں

اور دونوں طرفوں کے درمیان معارج مراتب ارواح ملکۃ و مدارج منازل انوار قدسیہ کے ہیں اور ان کی مقدار حق سبحانہ کے سوا کوئی نہیں

جانتا۔ بعض کہتے ہیں روح سے مراد ایک اور چیز ہے یعنی نور عظیم جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعض کہتے ارواح بشریہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں

جمیع ارواح حیوانیہ و نباتیہ و فلکیہ وغیرہ۔ تعرج سے مراد اوپر چڑھنا جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ بعض کہتے ہیں عروج حسی مراد نہیں بلکہ عروج

رتبہ۔ یعنی اسرار ملائکہ اور روح کو خداوند کے نزدیک عروج یعنی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔ فی یوم سے مراد جمہور کے نزدیک قیامت کا دن

ہے۔ بعض کہتے ہیں دنیا کا دن ہے مقدارہ خمسین الف سنہ پچاس ہزار برس کی درازی جمہور کے نزدیک دراصل ہوگی لیکن ایمانداروں کے حق میں نہ ہوگی۔ دلیل اس پر آیت اصحاب الجنة یومئذ خیر مستقرا و احسن مقيلا ہے اور یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت پچاس ہزار برس کی درازی اس دن کی بڑی درازی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ مومن پر بہت کم ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ دن نماز پڑھنے کے وقت کے برابر ہوگا۔ (اخرجہ احمد و ابو یعلیٰ و ابن جریر و ابن ابی حاتم و التیمیعی فی البعث) لیکن اس کی سند میں وراج اور ابی ایثم دوراوی ضعیف ہیں۔ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اس دن کی درازی مومن پر اس قدر ہوگی کہ جس قدر عصر اور ظہر کا وقت ہے (اخرجہ ابن ابی حاتم و الحاکم و التیمیعی) بعض کہتے ہیں عدد حقیقہ مراد نہیں بلکہ درازی اس تقدیر پر اس آیت اور اس آیت سورہ سجدہ میں یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یرج الیہ فی یوم کان مقدورہ الف سنۃ مما تعدون کچھ بھی منافات نہیں کس لیے کہ اسی درازی کو کبھی ہزار برس سے کبھی زیادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اول تقدیر پر مطابقت یوں ہوگی کہ دنیا سے لے کر اول آسمان تک مقدار رفعت ہزار برس ہے اور اسفل عالم سے لے کر انتہا عرش تک پچاس ہزار۔ پس سورہ سجدہ میں اول رفعت بیان ہوئی اور اس سورہ میں دوسری کچھ بھی منافات نہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کثرت اندوہ و رنج مراد ہے اور رنج و اندوہ کے دن کی درازی محاورہ میں بہت بڑی بیان کی جاتی ہے۔ شب فراق اور روز جدائی و ایام مصیبت کی درازی ہزاروں برسوں کی بیان کرنا کمال بلاغت اور قوم کی بول چال کی رعایت ہے نہ جھوٹ نہ مبالغہ۔ (۱) ان اقوال پر لحاظ کر کے آیت کے معنی میں چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ملائکہ اور ارواح (جو اس عالم کی تدبیر و تصرف میں مصروف و معین تھے جن کی طرف ذی المعارج میں اشارہ تھا کس لیے کہ ہر چیز عالم کے ساتھ ایک فرشتہ اور روح مدبر حق سبحانہ کی طرف سے معین ہے۔ وہی اس مادہ کو اس قواب میں ڈھال رہے ہیں اور وہ حکم الہی ان کے نمودار بقا اور استکمال و تولید و تناسل و تولد کے محافظ ہیں)۔ سب اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو جائیں گے اور چونکہ وہ نور ہیں۔ اپنے حیز اصلی نور الانوار حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس تک چڑھیں گے اور وہ بارگاہ عالم ناسوتی سے بہت بلند ہے یہاں تک کہ اگر کوئی تیز رفتار چڑھ کر جائے تو پچاس ہزار برس میں بھی وہاں تک نہ پہنچے۔ اور یہ کس دن ہوگا قیامت کے دن جو بڑا مصیبت کا دن ہوگا۔ اس تقدیر پر فی یوم تعرج کے متعلق ہوگا۔

(۲) یہ کہ اس روز جو بڑے سے بڑا عاقل اور ذکی فیصلہ کرنے بیٹھے تو پچاس ہزار برس میں بھی فیصلہ نہ کر سکے اور وہ ایام دنیا کے آدھے دن میں کر دے گا۔ اور اس دن ملائکہ اور روح اپنے اپنے مواضع و مواقع رفعت میں بہت جلد عروج کر جائیں گے۔ اگر اور کوئی وہاں تک چڑھے تو پچاس ہزار برس میں چڑھ سکے۔ یہ وہب اور مفسرین کی ایک سماعت کا قول ہے۔

(۳) ابی سلمہ کہتے ہیں یہ دنیا کا تمام دن ہے جس کی ابتداء اول آفرینش اور انتہا آخر فنا ہے۔ پھر حق سبحانہ نے بیان فرما دیا کہ دنیا کے دن میں ملائکہ کا عروج و نزول ضرور ہے اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم کو قیامت کا دن وقت معلوم ہو جائے کس لیے کہ نہیں معلوم کہ اس دن میں سے کس قدر گزر گیا اور کس قدر باقی رہا۔ تفسیر کبیر

(۴) صاحب عراق فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور روح کے عالم ملکوت میں مقامات معینہ ہیں پھر جب کوئی فرشتہ موقع نزول سے مرتبہ معلومہ کی طرف چڑھتا ہے تو ایک ایسے دن بھر میں چڑھتا ہے کہ جس کی مقدار ہمارے نزدیک پچاس ہزار برس کے مساوی ہے اور وہ تو ایک ساعت سے بھی کم میں چڑھ جاتے ہیں اور حق کے لیے کوئی مکان اور منتہی نہیں کہ جہاں مخلوق چڑھ کر جاتی ہو بلکہ اس کی عزت و جلال کا ظہور

ہر ذرہ سے عیاں ہے پھر جب قرب و بعد مسافت نہیں اور افہام اور ادہام اتحادے تو روح کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ وصال میں کچھ دیر نہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے فاصبر صبرا جمیلا کہ اے نبی! عمدہ صبر کرتیرے جھلانے والوں کو عذاب مقرر ہے۔ کھل فرماتے ہیں، صبر جمیل رضا ہے بغیر شکوے کے انہم یرو نہ بعید اس لیے کہ وہ اس کے معتقد نہیں و نہ اہل قریبہا کس لیے کہ وہ دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

یَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حِمِيمٌ
حَمِيماً ۝ يُبْصِرُونَهُمْ ۝ يَوْمَ الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ
بَبْنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتُهُ وَآخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتُهُ الَّتِي تُؤَيِّهِ ۝ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ جَمِيعاً ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ كَلَّا ۚ إِنَّهَا لَظُ ۝ نَزَاعَةٌ لِلشَّوْءِ ۝
تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعَى ۝

جس دن کراہان (پکھل کر) تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑوں کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو کچھ کر بھی نہ پوچھے گا۔ گنہگار چاہے گا کہ اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور اپنے اس کنبہ کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور جو کچھ کد زمین پر ہے سب کچھ دے دے پھر چھوٹ جائے۔ ہرگز نہ ہوگا اور بہت تیز آگ ہے دماغ تک کو کھینچ لے گی جس نے (دین سے) پیٹھ پھیری اور نہ موڑ اور مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا (راہ خدا میں دنیا) اس کو پکارے گی۔

ترکیب: یومہ نامہ قریبہا والتقدیر و نہا قریباً یوم یکن کذا و یکن ان یکن بدل اعلن فی یوم ان علق بہ ولا یسئل قراء الجمہور رمینا للفاعل فالمفعول الثانی محذوف ای لایسل حمیم جیما نصرہ ولا شفاعة وقرئ مبیا للمفعول علی اسقاط حرف الجر ای لایسل حمیم عن حمیم ابن حمیم وکیف حالہ الحمیم القریب یمصر ونہم یتقال بصرت بہ البصر ویتقال بصرت ازید بکذا اذا حذف الجار قلت بصرتی زید کذا۔ استئناف احوال وجمع الضمیر ین لعموم الحمیم لکونہ واقعانی سیاق الھی لویفتدی (بمعنی ان والجملة مفعول یود المجرم فاعلہ ومن معطوف علی بنیہ والجملة حال من احد الضمیر ین فی یمصر ونہم و استئناف ثم ینجیہ عطف علی یفتدی ای یود لویفتدی ثم ینجیہ الافتداء والعطف ثم الاستبعاد کلا روح للجرم انہا الضمیر للنار او ضمیر یفرہ نطی وهو خبر او بدل او القصة نزاعة قراء الجمہور بالرفع علی انہا خبر ثان لان او خبر مبتداء محذوف او تکون نطی بدلا من الضمیر المنصوب ونزاعة خبر ان وقرئ بالنصب علی الحال والشوئی الاطراف او جمع شواة کنوی و نواة وہی جلدۃ الراس۔

تفسیر: اس دن کی درازی بیان فرما کر اس کی اور تشریح ہولناک حالات سے کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا جاتا ہے کہ آج جو اس دن کے منکر ہیں اور دنیا ہی پر دلدادہ اور فریفتہ ہیں اس روز ان کی یہ حالت ہوگی گویا یہ بیان سابق کا تہہ ہے۔ فقال: (۱) یَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ کہ جس دن آسمان پچھلے تانبے جیسے ہو جائیں گے۔ عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں مہل تیل کی تھکھٹ کو کہتے ہیں اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سموات پر جب فساد طاری ہوگا تو ان کا مادہ ایسی رنکوں میں آجائے گا۔ پہلے اس گھر کی چھت آسمان توڑے جائیں گے پھر نیچے کی نوبت آئے گی۔ (۲) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ اور پہاڑ رنگی ہوئی پشم کی طرح ہو کر اڑتے پھریں گے۔ پہاڑ بعض سیاہ بعض سرخ، بعض سفید ہیں جب ان کے ریزے ریزے ہو کر باہم مل جائیں گے تو رنگین نظر آئیں گے اس لیے عہن سے پوری تشبیہ ہے۔ اپنی اپنی پڑی ہوگی (۳) یمصر ونہم باہم دیکھ کر کوئی التفات نہ کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ ملائکہ کی طرف رجوع ہے کہ ملائکہ ہر ایک نیک

و بد کو دیکھیں گے کوئی جھپ نہ سکے گا، دوست کا دوست کو پوچھنا تو درکنار بلکہ (۳) **يَوْمَ الْمُجْرِمِ** الخ گنہگار آرزو کرے گا کہ کاش مجھے چھوڑ دیا جائے اور میرے بدلہ میں میری اولاد اور بیوی اور بھائیوں اور کنبے کو جو اس کے مددگار دنیا میں تھے اور جو کچھ مال و حشمت دنیا پر ہے سب لے لے۔ انہیں لوگوں کے لیے تو دنیا جمع کرنا اور خدا سے غافل تھا مگر نہ چھوٹے گا کس لیے کہ انہا جہنم کی آگ شعلہ مارتی ہوگی، جھلکتی ہوگی، زبانِ حال سے وہ خود یا اس کے داروغہ پکاریں گے ان دو گروہوں کو (۱) **امن ادبرو تولی** جس نے خدا سے منہ پھیرا اور نبی علیہ السلام سے پھر گیا۔ (۲) **وَجَمْعٌ فَاَوْعَى** مال جمع کیا کہ کسی حقدار کا حق نہ دیا بلکہ سمیٹ کر رکھ لیا اور جمع کرنے میں حلال و حرام کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ معاذ اللہ ایک کفر و گردانی اس پر یہ طعن و مردم آزاری یہ ہے مجرم۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ خَلِيقٌ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
مُنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُسْلِمِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي
أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بَيَّوْمَ
الَّذِينَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ
رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى
أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَى
وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى
صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۝

آدمی کھٹک بنایا گیا ہے جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو چلا اٹھتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو کنجوس ہو جاتا ہے مگر نمازی وہ جو اپنی نمازوں میں ہمیشہ لگے ہوئے ہیں وہ جوان کے بالوں میں حصہ معین ہے سائل اور غیر سائل کے لیے اور وہ جو قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈر کر کرتے ہیں کس لیے کہ ان کے رب کے عذاب کا خطرہ لگا ہوا ہے اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کس لیے کہ اس میں ان پر کچھ بھی الزام نہیں پھر جس نے اس کے سوا اور کچھ چاہا تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں وہی لوگ باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔

ترکیب: ہلو عا حال مقدرة من الانسان الصلح اشد الحرص يقال صلح الرجل صلح صلحا وعلما فصول وعلو وکذا جزو عا ومنوعا حالان و
 اذا لا ولى طرف لجن دعا والاخرى لمنوعا الا فصيلين استثناء من الجنس والمستثنى منه الانسان وهو جنس في جنات طرف لمکرومون۔
 تفسیر: اور یہ مال جمع کرنا اور تنہوی کرنا اس لیے ہے کہ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا انسان (بعض کہتے ہیں اس سے مراد کفار ہیں) فطرتی

طور پر لالچی اور بے صبر پیدا ہوا ہے۔ اس کمبخت کی دوراندیشی اور اس کی زیرکی (جو خداوند عالم کی طرف سے بہ نسبت اور حیوانات کے زیادہ ملی تھی) اس کو بخل اور لالچ پر آمادہ کرتی ہے اور بڑے بڑے خیالات اور امیدیں بندھاتی ہے کہ سینکڑوں برسوں کا انتظام کرتا ہے اور اپنی عمر رواں کی بے ثباتی سے بے خبر ہو کر دنیا ہی میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ حالت آخرت اور حق سبحانہ سے غافل کرنے والی ہے۔ اس سے باز رہنے کو یہ اس کی جلت بیان فرمائی جاتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے بلوغ کے معنی دریافت کئے فرمایا آپ ہی حق سبحانہ اس کی تفسیر کرتا ہے کہ اذا مسه الشر جزوعا الخ جب اس کو برائی پہنچتی ہے، بیماری، تنگدستی، زن و فرزند و اقارب کی موت یا کسی مقصود میں ناکامی، جنگ اور خصوصیت عدالتی میں شکست، مال و جاہ کا زوال وغیرہ کوئی بات پیش آ جاتی ہے تو فریاد کرنے لگتا ہے، صبر و شکیبائی کو کھو بیٹھتا ہے، کفر کے کلمات اور خدا کا گلد و شکوہ کا آغاز کرتا ہے۔ الغرض خدا پاک سے امید کی رسی کو کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ بھی بری حالت ہے جو اس کے ضعف ایمان اور خدائے ذوالجلال پر توکل نہ کرنے کی دلیل ہے۔ واذا مسه الخیر منوعا اور جب خیر تندرستی اولاد، مال و جاہ و عزت میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے کہ بس اب ہی نعمت حاصل ہو گئی، اتفاقی بات تھی روز روز کہاں حاصل ہوتی ہے۔ اس کو روک کر رکھو۔ اس میں سے حقداروں کا حق ادا نہ کرو۔ گویا یہ اس نعمت کو خدائے پاک کا عطیہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنی محنت و کوشش اور بخت و اتفاق کی یاوری خیال کرتا ہے۔ یہ بھی نامحمود حالت ہے جس کو ایمان کی روشنی سے کچھ بھی بہرہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس مکروہ حالت سے آٹھ گروہ مستثنیٰ ہیں اور ان کو جہنم نہ بلائے گی۔ فقال: (۱) إِلَّا الْمُصَلِّينَ مگر نمازی۔ صرف ایک باریا دو بار نماز پڑھنا کافی نہیں بلکہ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَأْمُونَ وہ جو اپنی نمازیں ہمیشہ ادا کئے چلے جاتے ہیں، کبھی ترک نہیں کرتے۔ یہ فرقہ سب فرقوں سے اول ذکر ہوا اور یہ ہے بھی اول اور یہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ نماز بندہ اور خداوند تعالیٰ میں ایک اعلیٰ رابطہ ہے جو اس کو بچکانہ اس کی بارگاہ تک باریابی کا موقع دیتی ہے۔ بھلا جو پانچ وقت دن رات میں حضور قلب اور دلی نیاز سے اس کے سامنے جائے گا اس کی روح پر اس کے انوار کا پرتو اکیونکر نہ پڑے گا اور اس کی یہ غفلت کیونکر دور نہ ہوگی اور اس کا سختی و نرمی میں سے اپنے قادر مطلق پر کیونکر توکل نہ ہوگا؟ اور جو بچکانہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے آگے سر نیاز خم کرتا ہے اس پر اس کی کیونکر رحمت نہ ہوگی۔ وہ ضرور آخرت کی بلاؤں سے اس کی برکت سے نجات پائے گا۔ (۲) وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلْساَلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ جن کے مال میں مسائل اور محروم یعنی بے سوال کا جو نہ مانگنے کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ حق ہے اور حق بھی کیسا معلوم کہ اس نے کھول دیا ہے کہ اس قدر دیا کروں گا یہ نہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا بلکہ ایک حصہ معین کر دیا۔ قتادہ و محمد بن سیرین وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم و معین کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زکوٰۃ کے بعد اگر اور نہ دے تو اس پر کچھ الزام نہیں۔ مجاہد اور عطاء و نغی وغیرہ فرماتے ہیں صدقات واجبہ کے علاوہ خیر و خیرات مراد ہے کس لیے کہ صدقات واجبہ زکوٰۃ و صدقات کے مصارف بیان فرما دیے گئے ہیں اور اس کا مصرف مسائل و محروم بیان فرمایا۔ فی اموالہم جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ سب مالوں میں خیرات جاری رہے۔ زراعت میں سے، مویشی میں سے، تجارت میں سے، نقد میں سے جس طرح ممکن ہو نفع پہنچاتے ہیں۔ مکان ہیں تو مفت ان میں مساکین و غرباء کو رہنے دیتے ہیں، مہمان اتارتے ہیں۔ ان کی گاڑی اور گھوڑوں کو حاجت والے مانگ کر لے جاتے ہیں۔ ان کے کپڑوں اور ہتھیاروں اور کتابوں اور دیگر اشیاء سے نفع اٹھاتے ہیں۔ یہ کریم النفس دروغ نہیں کرتے۔ حق کا لفظ کہہ رہا ہے کہ ایسے در ماندوں کا ان کے مال میں بڑا زور ہے اور حصہ معین ہے جیسا شریکوں کا ہوتا ہے ان کے دامن ہمیشہ مسکینوں کے ہاتھ میں رہا کرتے ہیں۔

مسائل تو معلوم ہوتا ہے مگر محروم کے معنی میں علماء کے متعدد قول ہے۔ (۱) تو وہی جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے زبان منہ بند۔

(۲) بعض کہتے ہیں محروم بے زبان جانور ہیں، کچھ نہیں کہتے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان پر رحم کرنا اور ان کو اپنی کھتی، پانی یا نقد مال سے نفع پہنچانا چاہیے (اس سے یہ مراد نہیں کہ گائے بیل کی پرستش کی جائے)۔ (۳) بعض کہتے ہیں محروم وہ مصیبت زدہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کو دینا زیادہ ثواب ہے کس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لقمہ یا دو لقمہ یا ایک چھوڑا یا دو چھوڑا مانگ کر لے جائے بلکہ وہ جو حاجت مند ہے اور کسی سے سوال نہیں کرتا۔ باوجود اس کے سائل کو مقدم اس لیے کیا کہ یہ نفس الامری میں ہر جگہ پہلے پہنچا کرتا ہے۔ افسوس ہے ان سانکوں پر کہ جنہوں نے اس کو دائمی پیشہ بنالیا ہے اور اس کے ساتھ اظہارِ کرامت و ولایت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ فائدہ: نماز بدنی و روحانی عبادت تھی اس کے بعد مالی عبادت بھی ضرور ہے اس لیے اس دوسرے جملہ کو اس کے بعد بیان فرما کر جتلا دیا کہ نری نماز کافی نہیں، مال میں سے خیرات و صدقات بھی دیا کرو۔

بخیل اربود زلہد بحر و بر بہشتی ناشد حکم خبر

(۳) وَالَّذِينَ يُعَصِّقُونَ يَبْغُوا الدِّينَ وہ جو جزاکے دن کو سچا جانتے ہیں اس میں سب نیکیوں کی طرف اشارہ ہے اور ہر قسم کی بدی سے بچنے کی طرف ایماء ہے۔ کس لیے کہ جو شخص کہ جزاکے دن کا معتقد ہوگا وہ جو نیکی کرے گا، دل کھول کر کرے گا۔ غراب کو بنا، اقارب و ضعیفاء پر رحم کرنا یہ جملہ اور اس کے بعد کا جملہ پہلے اور آئندہ احکام کے لیے تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔ (۴) وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ عَذَابٍ يُدَبُّونَ مُشْفِقُونَ وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے ان عذاب ربہم غیر مامون ان کے رب کے عذاب کا کچھ ٹھیک نہیں کہ کب اور کس وقت نازل ہو جائے، اس سے نڈر رہنا نہ چاہیے۔ پہلا جملہ عذاب اور ثواب آخرت کے خوف و امید کی وجہ سے نیکی پر ابھارنے والا بدی سے روکنے والا تھا۔ مگر انسانی حرص و شہوت کبھی اس قدر دور دراز کی سزایا جزا سے غافل کر کے بدی میں ڈال دیتے ہیں مگر جب اس کو برے کام پر دنیا ہی میں تازیانے پڑنے کا خوف دلایا جاتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا ہی میں ایسے بد کاموں کی سزا مل جاتی ہے (بیماری، تنگدستی، بے عزتی، کوئی ناگہانی مصیبت، مرضی و سہاوی، عامہ یا خاصہ قحط و بلاء تسلط حکام ظالم و غلبہ اعداء یا موت لخت جگر و خانہ خرابی وغیرہ) تو بہت جلد متنبہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد ان عذاب ربہم غیر مامون بھی سنا دیا اور دنیا میں اعمالِ بد پر سزا آنا یقینی بات ہے۔ بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کور باطن اس سزا کو من اللہ نہ سمجھے اور اسباب کی طرف منسوب کرے مگر عاقل جب غور کر کے دیکھے گا تو اسباب کا سلسلہ بھی اسی مسبب الاسباب کے ہاتھ میں دیکھے گا۔ یہاں تک یہ چار اوصاف ذکر ہوئے ان میں دو پہلے قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے تھے اور چونکہ مقصود تر تھے اس لیے ان کو مقدم کیا اور یہ دونوں اخیر قوتِ نظریہ کی تکمیل کے لیے ہیں اور یہ دونوں ان دونوں کے لیے محرک ہیں۔

اس کے بعد چار فریق اور بیان فرماتا ہے۔ جن میں چار صفات حقوق العباد کے ملحوظ رکھنے اور تمدن اور نظامِ عالم کے قائم رکھنے کے لیے بیان فرمائے اور ان چاروں میں اخیر جملہ تہذیب روحانی کے لیے بھی ایک رکنِ اعظم ہے اور اسی پر صفات کا اتمام ہے فقال (۱) اَلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ اَلَا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِيْنَ کہ وہ جو اپنے ستر خاص کو ملحوظ رکھتے ہیں کسی پر نہیں کھولتے یعنی جماع نہیں کرتے مگر اسی قدر پس کرنا انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ دھرتا تھا۔ کس لیے کہ انسان میں یہ ایک ایسی قوت رکھی ہے کہ اس کو مجبور و مقہور کر دیتی ہے اور اس کے حواس و عقل میں اپنے غلبہ کے وقت فتور ڈال دیتی ہے اور اسی لیے یہ تہجد اسلام میں کوئی عمدہ بات نہیں۔ گو عیسائیوں کے راہبوں اور ہنود کے کشائیوں جو گیوں میں عمدہ عبادت اور نفس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا مقابلہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس حکیم مطلق نے دو جگہ کے لیے اجازت دیدی۔ (۱) اَلَا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اول بیوی کے لیے۔ مرد کو اپنی بیوی سے جماع درست ہے کس لیے کہ بیوی کو زوج اس کا جوڑا کہتے ہیں جو دونوں کے ملنے سے امورِ خانہ داری سرانجام سر پاتے ہیں اس کے اندر بھی

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۖ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِينَ ۝ أَيُطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ۖ كَلَّا إِتَّ
خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ۝ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَدِرُونَ ۖ
عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ فَذَرَهُمْ يَخُوضُوا
وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ۖ يَوْمَ يُخْرِجُونَ مِنَ
الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَتْهُمْ إِلَيْهِ نُصُبٌ يُوفِضُونَ ۖ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝

پھر ان کافروں کو کیا ہوا جو آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں دائیں اور بائیں (جانب) سے پر اباندھے ہوئے کیا ان میں سے ہر ایک طمع رکھتا ہے کہ وہ
نعت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے کہ جس کو وہ بھی جانتے ہیں پھر ہم مشرقوں اور مغربوں کے
رب کی قسم کھاتے ہیں (یعنی اپنی ذات کی) کہ ہم ان سے بہتر لوگ بدل کر لے سکتے ہیں اور ہم عاجز بھی نہیں ہیں پھر انہیں چھوڑ دیتے ہیں ان کے جانے اور کھیلنے دو
یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جس دن کہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے وہ کسی نشان کی طرف دوڑتے چلے
جاتے ہیں آنکھیں نیچی کئے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ترکیب: مهطعين المسرع وقيل المادعنه هو حال من الذين كفروا قبل ذلك حوكم معمول مهطعين عزين جمع عزة وهي العصبة
من الناس وقيل اصلها عزة من العز وكان كل فرقة تعزى اى تنسب الى غير من تعزى اليه الاخرى في الصحاح العزة الفرقة من الناس
والهاء عوض عن الياء والجمع عزى وعزون عن تتعلق بعزین ويجوز ان تكون حالان يدخل الجملة مفعول يطمع انا لقادر دن جواب القسم وما
نحن اما جواب آخر للقسم او حال عن القادرون يخوضوا ويلعبوا مجز ومان على انهما جواب الامر يوم بدل من يومهم سرعاً جمع سرع
والاجداث جمع جدث وهو القبر هو حال من فاعل ينخرجون وكذا كانهم نصب عند الجهمو رفتح النون وسكون الصاد بمعنى العلم وقرئ بضم
النون والصاد جمع نصب كاسد واسد الا يقاض الاسراع فى القاموس وفى يفض وفظاً بالسكون وبالتحريك عدا واسرع خاشعة منصوب على
الحال من ضمير يوفضون ابصارهم مرفوع على انها فاعل خاشعة ترهقهم من الرهق يقال رهق بالسريرهقه رهقه رهقا غشية ومنه المراهق
اذ اغشيه الاحتلام والجملة مستأنفة او حال من فاعل يوفضون او يخرجون ذلك مبتدأ اليوم الخ خبره او المجموع مبتداء والخبر محذوف۔

تفسیر: اہل جنت کا عازر و اکرام سن کر مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر آتے اور ارد گرد بیٹھ کر تمغہ کی راہ سے کہتے تھے کہ
اگر آپ کافر مانا حق ہے کہ دابر آخرت میں یوں نعمتیں ملیں گی تو ان ذلیل و خوار لوگوں سے جو آپ کے تابع ہو گئے ہیں ہم اشراف ان نعمتوں
کے زیادہ مستحق ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے ہم زیادہ عزت و شوکت و حشمت والے ہیں۔ پھر وہاں ان بیچاروں کو تو ہم دھکے دے کر نکال دیں
گے اور آپ جا بیٹھیں گے۔ ان کے خیالات کا رد ان آیات میں کیا گیا (کبیر) کہ ان منکروں کو کیا ہوا جو تیرے آس پاس پر اباندھے
دوڑے چلے آتے ہیں۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ جنت النعیم میں داخل کیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہم نے ان کو

جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ بھی جانتے ہیں یعنی منی سے جو نہایت حقیر ہے۔ پھر اس عالم قدس میں بغیر اس کے کہ اس ناپاکی کے آثار بہیمیہ قوائے روحانیہ و ملکوتیہ کو ایمان و اعمال صالحہ سے جلادے کر منادے، کس طرح سے جاسکتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں ان آیات کے اس طور سے معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو جماعتیں کی جماعتیں تیرے پاس سے معجزات دیکھ کر بھاگے چلے جاتے ہیں، ذرا نہیں ٹھہرتے اور کان لگا کر نہیں سنتے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے: **فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ كَانَهُمْ حِمْرٌ مُسْتَنْفَرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ** اور پھر اس کی تائید میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ سچ ہے انسان گندہ جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کر لے نقص مال دنیاوی حشمت و شوکت کی وجہ سے اس عالم قدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔ امام احمد و ابن ماجہ و بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت **فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ** تک پڑھی پھر اپنے ہاتھ پر تھوک کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم، کیا تو مجھے عاجز کر دے گا حالانکہ میں نے تجھے ایسی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ تیرے ہاتھ پاؤں بنائے تو کپڑے پہن کر پھر نہ لگا۔ زمین کا ایک روز تجھے پیوند ہونا ہے، جمع کرتا جاتا رکھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ گلے میں دم آگیا تو کہنے لگا مجھے صدقہ دینے کی مہلت دی جائے۔ انسان نسب و مال عارضی چیز کا کیا فخر کرتا ہے سب کی ایک ماں ایک باپ ہے۔ ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب ایک راہ سے آئے ہیں، سب خاک ہو جائیں گے۔ اس میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ اللہ کی یاد اور اس کی تجلی سے جو صفائی حاصل ہوئی ہے البتہ وہ ایک امتیاز کی چیز ہے۔

مکہ کے کفار حشر کے منکر تھے اور سخت سرکشی کیا کرتے تھے اس لیے ان کو سنایا جاتا ہے۔ **فَلَا أَفْسِسُ لِبُزْبِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ** اِنَّا لَقَدْ رَوْنَا اَنْح کہ مشارق و مغارب کے رب کی یعنی اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے بہتر لوگ پیدا کر دینے پر قادر ہیں۔ ہم بدل سکتے ہیں اور اس سے عاجز نہیں تم کو عارت کر کے اور آئندہ نسلیں عمدہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اور جگہ بھی یہی مضمون آیا ہے۔ فسیاتی اللہ بقوم اِنْ بعض مفسرین کہتے ہیں، خدا نے تھوڑے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (ان بدکاروں کے ہلاک و برباد ہو جانے کے بعد) ایسی مطیع اور نیک قوم عطا کی جو دنیا بھر میں راستی پھیلانے کے لیے آمادہ ہو گئی اور خدا تعالیٰ کے دین مرضی کے وہی حامل و معین ہوئے۔ ان کو جس طرح اخلاقی و روحانی سلطنتیں ملی تھیں اسی طرح ظاہری سلطنتیں بھی عطا کی گئیں جیسا کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ان ناہنجاروں سے روگردانی کا حکم دیتا ہے۔ **فَقَالَ فَذَرَهُمْ يَخْوَضُوا** کہ ان کو چھوڑ باتیں بنانے دے یا ہر قسم کی بدکاری میں گھسنے دے۔ **وَيَلْعَبُوا** اور کھیلنے دے۔ اولاد و مال و وزن و فرزند سب ایک کھیل و تماشا ہے جو انسان کو اس کے منزل مقصود سے روکتا ہے یہاں تک کہ اپنے موعودوں کو پالیں یعنی قیامت کو اور اس سے پہلے موت کو پھر قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر تخت رب العالمین کی طرف اسی طرح دوڑے چلے آئیں گے جیسا کہ کوئی شرط میں نشان گڑے ہوئے تک جلد جلد دوڑتا ہے۔ یا یہ کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حکم قدر تخت رب العالمین کی طرف دوڑیں گے، آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچی

۱۔ مشارق مشرق کی جمع آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ مشرق اور مغرب کی گرمی اور سردی کے موسموں کے لحاظ سے جو آفتاب برآمد و غائب ہوتا ہے دو مشرق اور دو مغرب کہہ سکتے ہیں۔ جاڑے میں جنوب کی طرف سے گرمی میں شمال کے رخ مائل ہو کر آفتاب ٹھکتا ہے اسی طرح غروب ہوتا ہے۔ رب المشرقین و رب المغربین آیا ہے لیکن ہر روز آفتاب کا طلوع و غروب بدلتا رہتا ہے اس لیے مشارق و مغارب کہے جاتے ہیں۔ ان کا مالک جس کے حکم سے یہ ہو رہا ہے رب المشارق و المغرب ہے جو کمال قدرت رکھتا ہے اس لیے رب المشارق و المغرب کی صفت یاد دلا کر قسم کھانا اپنی کمال قدرت دکھانا اور جلتا نا ہے۔ ابو محمد عبدالحق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲ اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنَ ۝۳ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۝۴ اِنْ اَجَلَ اللّٰهُ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ مَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۵ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَنَهَارًا ۝۶ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآئِیْ اِلَّا فِرَارًا ۝۷ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِیْ اُذُنِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاصْرَوْا وَاسْتَكْبَرُوْا اِسْتِكْبَارًا ۝۸

وقف لازم

ہوں گی، مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہوگی۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو اس دن سے پہلے کہ ان پر سخت عذاب آئے متنبہ کر دو۔ نوح نے کہا اے قوم! میں تم کو صاف صاف ڈرسانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس سے ڈرا کرو اور میرے کہنے پر چلو تا کہ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تم کو ایک مہین وقت تک مہلت دے۔ کس لیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو وہ ڈھیل نہیں دیتا اگر تم جانتے ہو (تو مانو)۔ نوح نے کہا اے رب! میں اپنی قوم کو رات دن بلایا کیا پھر وہ میرے بلانے سے اور بھی زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے ان کو بتایا کہ تو انہیں بخش دے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگے اور کپڑے ڈھانکنے لگے اور ضد کرنے لگے اور بڑا غرور کرنے لگے۔

ترکیب: ان انذر ان معنی ای و بجز ان کیوں مصدریہ من قبل متعلق بانذر قال یا قوم قوم بکسر المیم اصلہ قومی حذف الیاء والکسرة دلیل علیہا والجملة مستانفة ان اعبدوا واللہ ان تفسیریۃ لنذیر اوجی مصدریۃ یغفر مجزوم علی اند جواب الاوامر الثلاث ومن للتبعیض وقال الاغفش زائدة ویؤخر معطوف علی یغفر لیلًا ونہارًا ظرفان لدعوتی لا لا واللہ الاستثناء مفرغ۔ لتغفر واللام للسیۃ جعلوا جواب کلمہا۔

تفسیر: یہ سورہ مبارکہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ قریش کی سرکشی اور اخیر نبی علیہ السلام کی ہدایتوں پر تشخرو اور وعدوں کی تکذیب اور تکبر حد کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی مثل سرکش اور نافرمان قوم کا عبرتاک واقعہ سنایا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام پیغمبر کی نبوت میں گزرا جس سے قریش کے کان بھی آشنا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لمک کے بیٹے اور وہ متوح کا بیٹا اور وہ حنوک کا اور وہ یارو کا اور وہ محلل ایل کا اور وہ قینان کا اور وہ آنوس کا اور وہ شیت کا اور وہ آدم علیہ السلام کا۔ آدم علیہ السلام سے تخمیناً سولہ سو برس گزرے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد دنیا میں بہت پھیل گئی تھی اور زمین بدکاری اور ظلم بے بھر گئی تھی۔

توریت یا اور کسی صحیفہ سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس ملک میں اور کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟ مگر اکثر

مؤمن کہتے ہیں کہ حضرت نوح آرمینا و کردستان وغیرہ ایشیاء کو چک میں پیدا ہوئے تھے اور اس شہر اور گاؤں کا نام معلوم نہیں کہ کیا تھا جہاں حضرت رہا کرتے تھے اور طوفان کے بعد جو باوگرد دنیا آباد ہوئی تو سب سے پہلا یہی ملک بنی آدم کا وطن معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اطراف میں وہ برج بنایا گیا تھا جو طوفان کے بعد آئندہ طوفان سے بچنے کے لیے لوگوں نے بنایا تھا۔ اس کے نشان اب تک بغداد کے نواح میں سیاحوں کو دکھائی دیتے ہیں اور شہر بابل اور نینوا بھی یہیں ہے تھے جو اب خاک کے تودے اور ڈھئی ہوئی عمارات کے نشان کچھ کچھ معلوم ہوتے ہیں اور کھودنے سے بڑی بڑی اینٹیں اور حیرت انگیز بنیادیں نکلتی ہیں اور بابل کی اینٹوں سے۔

ثُمَّ اِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّي اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اَسْرَارًا ۝
فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝
وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝

پھر میں نے ان کو کھلم کھلا بھی بلایا پھر میں نے ان کو خبردار بھی کر دیا اور چپکے چپکے بھی کہا۔ سو میں نے کہہ دیا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے تاکہ تم پر بر سے ہوئے بادل بھیجے اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے۔

ترکیب: جہاراً منصوب علی المصدریۃ لان الدعاء کیونکہ جہاراً وغیر جہاراً لفتح جہاراً حد نوحیہ و یجوز ان یکون مصدرانی موضع الحال ای مجاہراً اوذا جہاراً وصفۃ مصدر محذوف بمعنی دعاء جہاراً ای مجاہراً یہ اسراراً مفعول مطلق من اسررت یرسل و کذا ما بعدہ یمدد یمدد یجعل مجزوم علی انہ جواب الامرای استغفروا والمدار الدردوہو التحلب بالمطر وانتخابہ اعلیٰ الحال من السماء ولم یؤنث لان مفعلاً لا ید کروینث او انہ نعت لمصدر محذوف ای ارسالاً لمداراً۔

تفسیر.....: کسریٰ نے مدائن میں طاق بنایا اور خلفاء بنی العباس کے عہد میں بغداد شہر کی عمارات جتنی گئیں اور کوفہ اور بصرہ بھی آباد ہوا تھا۔ الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی اور مکاری سے منع کرنا شروع کیا اور توحید اور مکارم اخلاق اور خدا پرستی کی تعلیم کی۔ لوگوں کی زندگی کے ایام پورے ہو چکے کو تھے۔ نہ مانا اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا بھیجنا اور قوم کو ڈرسانا اور قوم کا نہ ماننا اور پھر نوح علیہ السلام کا حق سبحانہ سے بطور شکایت قوم یہ عرض کرنا کہ میں نے ان کو یوں سمجھایا یا میرا کہا انہوں نے نہ مانا بیان فرماتا ہے، فَقَالَ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهِ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کس لیے کہ اَنْ اُنْذِرَ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کہ اپنی قوم کو عذاب الیم (دنیا کا غرق آخرت کا جہنم) کے آنے سے پہلے ڈرا اور خبردار کرتا کہ وہ اپنی بدکرداری سے باز آئیں قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ نوح نے حسب الامر قوم سے کہا اے قوم میں تمہارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کوئی مخفی اور مبہم اور معما کی بات نہیں۔ ایسی قوم جو دریائے نعت میں ڈوب رہی ہو اس کے ناصح کو مناسب یہی ہے صاف صاف کہے۔ ابہام اور معما میں گول باتیں نہ کہے کہ وہ سودمند نہیں ہوتیں۔ اِنْ اَعْبَدُوا اللّٰهَ اول یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، بت پرستی اور توہمات باطلہ کی پابندی چھوڑ دو اسی کے ہاتھ میں موت و حیات، نفع و نقصان ہے۔ معلوم ہوا کہ قوم بت پرست تھی۔ اس لیے پہلے توحید کا حکم دیا کیونکہ تمام مکارم اخلاق کی بنیاد توحید پرستی ہے۔ (۲) و اتقوه اور اللہ سے ڈرا بھی کرو، بدکرداری اور جس قدر مکر وہ کام ہیں چھوڑو۔ کس لیے کہ ایسے کاموں پر وہ سزا دیتا ہے۔ یہ ہیں اللہ سے ڈرنے کے معنی۔ معلوم ہوا کہ قوم بڑی بدکاری تھی، زمین کو ان کی بدکاری اور گندے کاموں نے گندہ کر رکھا تھا۔ (۳) و اطیعون اور معاملات اور اصلاح رسم و

رواج اور درستی اخلاق و امور تمدن و معاشرت و طریقی عبادت میں میرا کہنا مانو، جس راہ میں تم کو لے چلوں چلو۔ کس لیے کہ سعادت کے پرخطر رست کا ہادی نبی ہوتا ہے جو قوم اس کے قدم بقدم چلے گی سعادت دارین تک پہنچے گی اور جس نے اپنے رسول کو چھوڑ دیا وہ پر خارا اور عمیق گھائیوں میں ٹکرا کر مر جائے گی۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے دین و دنیا کے بادشاہ ہو گئے۔ آج کل اکثر مسلمانوں نے اپنے ہادی برحق کا رستہ چھوڑ رکھا ہے اس لیے دین و دنیا کی رسوائیاں اور ذلتیں ان پر سوار ہیں۔

اس حکم برداری کا یہ ثمرہ ہوگا (۱) **يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ** تمہارے گناہ بخش دے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں من تجبض کے لیے ہے۔

تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ گناہ بخش دے گا یعنی حقوق العباد معاف نہ ہوں گے، وہ ادا کرنے سے یا ان کے معاف کرنے سے

معاف ہوتے ہیں۔ (۲) **يُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى** اور تم کو ایک معین مدت تک دنیا میں رہنے آرام کرنے دے گا، غارت و برباد

نہ کرے گا جیسا معتبوب لوگ کئے جاتے ہیں اور آخر کار یہ بھی کئے گئے مدت معین تک۔ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہیں ٹھہرتا اور نہ

یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا مقام ہے۔ کس لیے کہ **إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ** اللہ کا وعدہ جب آتا ہے تو ملتا نہیں۔ یعنی موت کا وقت معبود نہیں

ملتا، باقی عقاب و عذاب میں گرفتار ہو کر فنا ہونا جو گناہوں پر ہوتا ہے نیوکاری سے ٹل جاتا ہے۔ **لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ** اگر تم کو خبر ہے تو میری

اطاعت کرو ایمان لاؤ، یا یہ کہ کاش وہ جانتے مگر وہ بد نصیب قوم برسوں بلکہ سینکڑوں برسوں کے سمجھانے پر بھی نہ مانی اور اس قدر عرصے

میں عذاب نہ آنے سے اور بھی دلیر ہو گئی۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے بطور مناجات عرض کرنا شروع کیا۔ **قَالَ رَبِّ**

إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا کہ اے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہدایت کی طرف بلایا، وعظ و

پند کیا، اس کام میں کوئی کوئی نہیں کی مگر وہ اس سے اور بھی بھاگنے لگے۔ **وَأِنِّي كُنْتُ مَدْعُوهُمْ لِيُغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَحْسَبَهُمْ فِي أَذَانِهِمْ**

وَأَسْتَفْشُوا إِنِّي أَنَا بَعْضُ مَا يَصْرِفُونَ اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا کہ تو انہیں معاف کر دے یعنی تیری طرف معافی

کے لیے بلانا چاہتا تو انہوں نے (۱) اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ کہیں میری بات سننے میں نہ آئے اور اسی پر بس نہیں کیا

(۲) بلکہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لیا، منہ چھپا لیے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں یا یہ عداوت کرنے سے کنایہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں نے دشمن کا

جامہ پہن لیا۔ ابن عباس رحمہما اللہ کہتے ہیں اس لیے کپڑا ڈالتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان کو پیغمبر نہ بلائے۔ (۳) اور اپنے

کفر و بدکاری پر اڑ گئے ہرگز توبہ و ندامت نہیں کرتے۔ (۴) اور بڑا غرور کرنے لگے اس پر بھی میں نے بس نہیں کی بلکہ **ثُمَّ أَنَا**

دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا اس کے بعد بھی میں نے باوازی بلند ان کو بلایا۔ **ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ** پھر میں نے ان کو خبردار بھی کیا اور بتا دیا کہ میں

خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پیغام لایا ہوں۔ **وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا** اور مخفی طور پر بھی سمجھا دیا یعنی ہر طور سے بلایا اور نصیحت کی۔

اسْتَغْفِرُكُمْ فَتَلَّكَ **اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ** کہ تم اور کسی سے نہیں بلکہ اپنے پرورش کرنے والے محسن اور مربی سے معافی مانگو۔ **إِنَّهُ**

كَانَ غَفَّارًا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ **يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا** وہ (۱) تم پر بارش برسا دے گا، قحط و گرائی کے

عذاب سے نجات دے گا۔ لفظی معنی یہ ہوئے کہ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا سماء سے مراد بادل ہے۔ (۲) **وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ**

بَيْنِينَ اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اولاد نہ کہا جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کس لیے کہ لڑکیوں کی پیدائش سے وہ

ناخوش ہوتے تھے اس لیے بنین کہا یعنی لڑکے دے گا۔ (۳) **وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ** اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے گا خوب میوے

کھاؤ گے۔ (۴) **وَيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَارًا** اور تمہارے لیے نہریں تیار کر دے گا۔ ان دنیا کی چیزوں کی طرف طبائع عامہ کی رغبت

ہوتی ہے اور وہ قوم بھی انہیں پر فریفتہ تھی اس لیے معافی مانگنے پر ان چیزوں کا وعدہ دیا اور یہ وعدہ سچا تھا، طمع خام نہ تھی۔ اب بھی استغفار کی

یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور مجز و نیاز سے اپنے رب العالمین سے معافی مانگتا رہے گا اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی، قحط

سالی رفع ہوگی، زمین کی پیداوار زیادہ ہوگی مجرب بات ہے۔

روایت : روایت ہے کسی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے قسط سالی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کر۔ ایک نے تنگدستی کا گلہ کیا، کسی اور نے نسل کی قلت کا شکوہ کیا۔ ایک اور نے کہا زمین کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ سب کو آپ نے اللہ سے مغفرت مانگنے کا حکم دیا۔ ربیع بن صبیح نے کہا آپ سے لوگوں نے مختلف اغراض بیان کئے اور جدا جدا چیزیں چاہیں آپ نے سب کو استغفار کا ہی حکم دیا۔ حسن نے یہ آیت پڑھی۔

علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفار اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آئے اور دل سے اور زبان کو پاک رکھے اور عجز و نیاز اور خلوص دل سے استغفار کرے۔ دنیا میں اس کی یہ برکتیں ہیں آخرت میں جنت ہے۔ کس لیے کہ اہل جنت کی شان میں آیا ہے۔ وبالاسحار ہم يستغفرون کہ صبح کے وقت خدا سے معافی مانگا کرتے تھے اور احادیث صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ راقم الحروف بھی ہر صبح استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الہی القیوم و اتوب الیہ پڑھا کرتا ہے۔ مگر واہ رے بد نصیب قوم! اس پر بھی نوح علیہ السلام کا کہنا نہ مانا جس پر ناپاچار ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۖ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۚ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۖ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۖ وَاللَّهُ أَنْتَبِتُكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۖ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۖ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۖ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۚ

تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی عظمت نہیں سمجھتے حالانکہ اس نے تم کو رنگ برنگ کا پیدا کیا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سات آسمان اوپر تلے (کیسے) بنائے ہیں اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا بنایا اور آفتاب کو چراغ بنایا اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے اگایا لہذا تا ہوا اگایا پھر وہ اسی میں تم کو لوٹا کر لے جائے گا اور اسی میں سے (پھر) باہر نکال لے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے چھوٹا کر دیا تا کہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلا کرو۔

ترکیب : الوقار بمعنی التوقیر ترجون بمعنی تعتقدون وانما عبر عن الاعتقاد بالرجاء التابع لاوای الظن مبالغة ولله اللام للتین بیان للموقر ویسکن ان یکون صلیۃ للوقار وقد خلقکم الجملۃ حال من الضمیر فی لکم اطوارا مختلفین حال من ضمیر فی خلقکم وقیل مفعول ثان لخلق بمعنی جعل قال الیث الطور التارة یعنی حال بعد حال وقال ابن الانباری الطور الحال والھدیۃ وجمعة اطوار طباقا انتصابہ علی المصدرۃ یقال طابقہ طباقا ومطابقۃ اوحال بمعنی ذات طباقی فذف ذات واقیم طباقا مقامہ نباتا منصوب علی انہ مفعول مطلق ولم یقل انباتا کما یقتضیۃ لظاہر للذقیۃ اللطیفۃ وحی انہ لو قال انباتا کان صفۃ للہ تعالیٰ وہم لا یعتقدونہ بل اکثر المادین بل کلہم یقولون اللہ لا یتبہا ولما قال نباتا صار صفۃ للنبات والنبات العجیب مشاہد محسوس یرسدل بہ علی وجود الباری تعالیٰ شانہ فنباتا ما مصدر علی حذف الزوائد ومعنی اسم المصدر و یجوز ان یکون مصدر لنبتم مقدر تقدیرہ انہم فنبتم نباتا حسنا فیکون منصوبا بالمطوارع المقدر وعند التلیل والارجاج هو مصدر محمول علی المعنی لان معنی انہم جعلکم تتبہون نباتا وقیل المعنی اللہ انبت لکم من الارض النبات فعلی هذا هو مفعول بہ وعلی لا اول معنی انہم انشاء کم فاستغیر الانبات للانشاء لانہ اول علی

الحدوث والكون من الارض۔ فجاءا جمع فج وهو الطريق الواسع، سبلا جمع سبل وهو مفعول فيه۔

تفسیر: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰہِ وَقَارًا کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ سے عزت و حرمت کی امید نہیں رکھتے، اپنے بتوں سے رکھتے ہو کہ فلاں عزت دے گا، فلاں مال دے گا۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی توقیر و عزت نہیں خیال کرتے اور دل میں نہیں لاتے اوروں کی عزت و حرمت دل میں ہے مگر ہائے اللہ کی نہیں۔ جس لیے ان سے ڈرتے اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہو۔ دلیل تو حید: نوح علیہ السلام نے اول تو حید کا حکم دیا اس کے بعد اس کے ثبوت میں چند دلائل بیان فرمائے۔ پہلی دلیل: (۱) وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا کہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا، تم اول نطفہ تھے پھر علقہ ہوئے پھر مضغ ہوئے پھر انسان بنے یا یہ کہ کسی کو امیر، کسی کو غریب، کسی کو خوبصورت، کسی کو بد صورت بنایا۔ پھر سب کا ڈھانچ ایک ہے مگر صورتیں جدا جدا۔ یہ نہ مادہ بے شعور کا کام ہے نہ طبیعت کی کارگیری ہے۔ آخر کوئی علیم و خیر ہے کہ جس نے یہ بڑا کام کیا ہے۔ یہ بڑی مستحکم دلیل ہے جو انسان ہی کے حالات سے متعلق ہے اپنے آپ ہی میں غور کرے گا تو سینکڑوں نشانِ قدرت پائے گا۔ دلائل افس کے بعد اب دلائل آفاق شروع کرتا ہے۔ دوسری دلیل: (۱) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طَبَقًا كَمَا تَمَّ يَكْتُمُ کہ اس نے کیسے سات آسمان اوپر تلے بنائے؟ آسمانوں کے وجود پر کئی بار بحث ہو چکی ہے۔ سادات اس کی قدرتِ کاملہ کا بڑا نمونہ ہیں۔ (۲) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْہِٗنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا کہ اس نے آسمانوں میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنایا۔ آفتاب و ماہتاب کا فرق دہریوں اور مادیوں کو حیرت میں ڈال دینے والا ہے اور ناچار ایک حکیم علیم و قدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

سوال ۱: چاند پہلے آسمان پر ہے، ساتوں میں نور ہونا کیونکر فرمادیا؟

جواب: کبھی ایک چیز کو جو ایک جز خاص میں ہوتی ہے اس کا مجموعہ میں ہونا عرفا بیان کر دیا جاتا ہے کہتے ہیں بادشاہ ہندوستان میں ہے حالانکہ وہ اس کے ایک خاص جز میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بیان فرمایا گیا۔

سوال ۲: چاند نہ روشنی میں بڑھ کر ہے نہ جسم میں پھر اس کو تو نور فرمایا جو بڑھ کر بات ہے اور آفتاب کو چراغ اس میں کیا مر ہے؟

جواب: (۱) آفتاب کی روشنی میں گرمی ہے جس طرح چراغ کی۔ اس لیے اس کو چراغ کہا۔ اور چاند میں یہ بات نہیں اس کو محض نور کہہ دیا۔ (۲) ضوء جس کو چمک کہتے ہیں نور یعنی روشنی سے بڑھ کر ہے اس لیے آفتاب جو چمکتا ہوا ہے اس کو ضیا اور سراج کہا کیونکہ چراغ میں چمک ہے اور اس چمک سے روشنی پیدا ہوتی ہے اس لیے ماہتاب کو روشنی فرمایا جو آفتاب کی چمک سے ہے۔ تیسری دلیل: پھر اول دلیل کی تشریح کرتے ہیں جو ایک طور سے نئی دلیل ہے۔ فقال واللہ اَنْتُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْہَا وَيُخْرِجُكُمْ اَخْرَاجًا کہ اللہ نے تم کو زمین سے اگایا۔ حضرت آدم علیہ السلام جو سب بنی آدم کی اصل ہیں ان کا زمین سے بنانا اور اگانا ان کی اولاد کا اگانا یا یوں کہو کہ انسان مٹی سے بنتا ہے اور مٹی زمین کی غذاؤں سے اور وہ غذاؤں زمین سے اگتی ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کو خاک سے اگایا مگر نبات کے لفظ میں اس اگنے کی دلکش کیفیت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے۔ اول کیسے پودے لہلہاتے ہوئے اگتے ہیں۔ لڑکپن کا نشوونما جوانی کی بہاریں کیا دلکش نظارہ ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ کس طرح سوکھتے جاتے ہیں اور پھر خاک میں جا ملتے ہیں۔ ان باتوں کو وہ خود بھی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جب اس قدر کی یہ قدرتِ کاملہ ثابت ہو گئی تو گویا حشر کے دن قبروں سے نکالنے پر قادر ہونا بھی ثابت کر دیا۔ ان کے مقابلہ میں یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ حشر کے دن وہ پھر تم کو اس خاک میں سے نکالے گا اور لفظ اخر اجا میں اس کی کیفیتِ خاص کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اس دلیل میں انسان کی ابتداء اور انتہاء اور اس کی بے ثباتی سب کچھ بیان کر دی اور

مسئلہ مبدء و معاد پورا ثبوت کر دیا جو نبوت کا اہم کام تھا۔ چوتھی دلیل: (۴) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ بِسَاطًا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا۔ نہ زیادہ سخت کیا نہ زیادہ نرم بلکہ رہنے ٹھہرنے، چلنے پھرنے کے قابل۔ نہ یہ مادہ کا کام ہے نہ طبعیت اجسام کا نہ کسی اور کا بلکہ اس عظیم و حکیم کا تَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا تا کہ تم کشادہ رستوں میں چلا کرو۔ اول دنیا کے گھر کے باشندے بیان فرمائے یعنی انسان اور ان کا بنانا بھی بتایا کہ کس طرح اور کس چیز سے پیدا ہوئے اور کب تک یہاں رہیں گے، آخر کیا ہو جائیں گے۔ پھر اس گھر کی چھت سیمہ سمادات بیان فرمائی کہ کس صناعت نے کس حکمت کا ملہ سے اس کو بنایا اور اس کو چاند و سورج سے منور کیا۔ رات میں ماہتاب اور دن میں آفتاب روشنی دیتے ہیں۔ کسی عمدہ قد بلبل اس حکیم نے روشن کی ہیں اور ان میں نور کا کیا مادہ ڈالا ہے جو ہزاروں برسوں سے اسی طرح چلا آتا ہے اس کے بعد زمین کی کیفیت بیان فرمائی جو اس گھر کا فرش ہے جس سے یہ مقصود کہ دنیا کا گھر فرش اور چھت اور اس کے رہنے والے اسی نے بنائے ہیں پھر اور کسی کا کیا حق اور کون سا حصہ ہے جو اس کو بھی اس کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ سبلا فجاجا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفر و بدکاری کے رستے تنگ اور پر خار اور پر خطر ہیں ان پر نہ چلو، تو حید و خدا پرستی کا وسیع رستہ ہے اس پر چلو تا کہ منزل سعادت کو پہنچو۔

قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدًا اِلَّا خَسَارًا ۝ وَّمَكْرُوْا مَكْرًا كُبٰرًا ۝ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَا اِلٰهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وُدًّا وَلَا سُوَاعًا ۚ وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝

نوح نے کہا اے میرے رب انہوں نے میرا کہنا مانا اور اس کو مانا کہ جس کو اس کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑا فریب کیا اور قوم نے (آپس میں) کہا اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ دو کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق و نسر کو گمراہ کر چکے ہیں (وہ بت) (ستمگروں کو تباہی کے سوا) اور کچھ فائدہ نہیں دیا کرتے۔

ترکیب: انھم الجملۃ مفعول قال من مفعول اتبعوا والضمیر فاعلہ قرئی ولده فتح الواو واللام وضم الواو وسكون اللام وها سبعی یتان وقرئی بفتح الاول وسكون الثانی وہی نفعہ وقیل جمع الولد۔ کبار اقراء الجمہور بالتشدید ای کبیر اعظیما کقراء وجمال قال البسر والفعال للمبالغۃ وقرئی بکسر الکاف وتخفیف الباء جمع کبیر وقرء الجمہور بفتح الواو وقرئی بضمھما قال الیث بضم الواو وضم لقریش وفتحھا ضم کان لقوم نوح و فی الصحاح الود بالفتح الود فی لغۃ اہل نجد کا نھم سکنا التاء وادغموا حانی الدال سواعاً بھما منصرفان یغوث ویعوق عند الجمہور غیر منصرفین فان کان عربیین فللعلمیۃ ووزن الفعل وان کان عجمیین فللجمعۃ والعلمیۃ وقرئی منصرفین للتناسب بما قبلھا۔ ولا تزد الظالمین معطوف علی رب انھم عصونی وقال الیوحیان انه معطوف علی قد اضلوا ومعنی الضلال الخسران والعداب۔

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے دلائل بھی قائم کئے پھر بھی اس کم بخت قوم نے خدا پاک کی طرف رجوع نہ کیا اور کوئی امید ان کی ہدایت کی باقی نہ رہی تب تا امید ہو کر بارگاہ الہی میں یوں عرض کرنے لگے قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ کہ یا رب ان لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدًا اِلَّا خَسَارًا اور ان ناپاک اور گمراہوں کے تابع ہو گئے کہ جن کے مال اور اولاد نے بجائے فائدہ آخرت کے ان کو اور نقصان دیا آل اور اولاد کی افزائش سے اور بھی سرکشی و گمراہی میں پڑ گئے اور اترا گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم جس طریقے پر ہیں وہی برحق ہے کس لیے کہ اگر برحق نہ ہوتا تو پھلتے پھولتے نہیں یہ شخص ناحق کی بک بک کیا کرتا ہے۔

کے دو فریق تھے۔ ایک اصحاب ہیماکل یعنی ستاروں کی شکل و صورت کو ان کی روحانیت کا مظہر جان کر پرستش کرتے تھے۔ دوسرے اصحاب اشخاص جو ان چیزوں کی صورتیں پوجا کرتے تھے۔ یہ پانچ بت بھی اسی قسم سے تھے۔

فائدہ ۳: دنیا میں بت پرستی کا ایک تو یہی سبب ہے جو بیان ہوا اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں۔ از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو ایک مجسم چیز تصور کر لیا اور یہ خیال کیا کہ ملائکہ اس کے تخت کے ارد گرد کھڑے ہیں اسی خیالِ باطل کے مطابق انہوں نے حق سبحانہ کی بلند صورت بنائی اور چھوٹی چھوٹی ملائکہ کی اور اس کا دھیان دھرنے کے حیلہ سے انہیں صورتوں کو پوجنے لگے۔ از انجملہ یہ کہ جو دنیا میں نیک اور نامور یا صاحب کرامات لوگ گزرے ہیں ان کی یادگار میں پہلے لوگوں نے تانبے پیتل لوہے پتھر کے بت ان کی شبیہ پر تراشے۔ بعد میں جہل بڑھتا گیا، انہیں کو پوجنے لگے اور ان کے نام کی من گھڑت صورتیں بنائی شروع کر دیں۔ شبیہ کا بھی قاعدہ ملحوظ نہ رہا۔ از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو محبوس اشکال میں ایک مناسبت خاصہ سے ڈھالا اس لیے ہر ایک صفت کی جدا صورت بنائی اور بابرکت اور اہل قدرت اشخاص کی نسبت کہ جن کو اپنی فہم میں معمولی درجے کی قدرت و طاقت سے زیادہ سمجھتے تھے یہ خیال کیا کہ ان میں خدا تعالیٰ گھس گیا اور ان بے چون و بے چلوں نے اس عیبر انسانی یا نباتی یا حیوانی یا علوی میں ظہور کیا تو اسی کو معبود حقیقی سمجھ کر پرستش کرنے لگے۔ ہنود کا اوتاروں اور عیسائیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی اعتقاد ہے اور اس لیے انہوں نے ان اوتاروں کی صورتیں بنائیں اور پوجنے لگے اور کہنے لگے ان صورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور افعال میں یوں کہ ایجاد و اختراع میں اور تبدلِ حالات میں اور مخلوقات کو کمال تک پہنچانے میں یہی واسطہ ہیں۔ حق سبحانہ کی طرف سے قوت حاصل کر کے موجوداتِ سفلیہ تک پہنچاتے ہیں پھر کچھ ان روحانیت میں سے سات ستاروں کے مدبر ہیں اور یہ ستارے ان کے لیے ہیکل ہیں جیسا کہ ارواحِ انسانیہ کے لیے ان کے ابدان اور ہر ایک روحانی کے لیے ایک ہیکل ہے اور ہر ہیکل ایک آسمان میں ہے اور کچھ روحانیت کے آثارِ علویہ کے مدبر ہیں جو زمین اور آسمان کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ان قوتوں پر موقوف ہیں جو تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہیں اور کچھ ہدایت کے لیے اور کچھ ہلاکت کے لیے۔ غرض ہر کام کے لیے وہی وساطت ہیں اور حالت ان کی یہ ہے کہ وہ قرب الہی میں خوش و خرم ہیں۔ ان کا کھانا پینا تسبیح و تقدیس ہے۔ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں ہے۔ وہ جو حق سبحانہ فرماتا ہے وہی کرتے ہیں۔ طریق عبادت ان کا یہ ہے ستاروں اور بتوں کی پرستش کرنا، نذر و نیاز چڑھانا، بخور جلا کر وہ متر و عزا پڑھنا جن میں ان ستاروں و آفتاب، ماہتاب، زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، مریخ اور بتوں کی بے حد مدح اور اپنی عاجزی ہوتی ہے اور پھر ہر ایک ستارہ کی پرستش کے بڑے بڑے دستورات ہیں۔ پھر صابیہ کے دو فریق ہو گئے اصحاب الہیماکل یعنی ستاروں کے پوجنے والے، ہر ستارہ کا مندر اس کے اوقاتِ مخصوصہ میں مع رعایتِ اقلیم و دیگر شروط بنا رکھے تھے رومیوں نے جو پتھر کا مندر یعنی مشتری کا اور اسی طرح ڈنٹس یعنی زہرہ کا بنایا تھا۔ دوسرے اصحاب الاشخاص کہ انہوں نے ستاروں کے خواص و آثار کے لحاظ سے صورتیں بنائیں، کسی کی بہادری کے لحاظ سے شیری کی خوبصورتی کے لحاظ سے حسین عورت کی اور وہ پھر ان صورتوں کو پوجنے لگے اور نیز ان صورتوں کے جواہر میں بھی ستاروں کی رعایت ہوتی تھی، کسی کو لوہے کا کسی کو تانبے کا کسی کو پیتل کا ڈھالتے تھے۔ یہ بت جو قوم نوح علیہ السلام میں تھے غالباً انہیں سیارات کے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں پھر اس فرقہ کا زور ہو گیا تھا پھر پارسیوں اور اہل ہندو پوتان و روم میں بھی صابیت نے زور کیا اور ہر ملک میں اس پر بنی قلعی چڑھی۔ اگر گوید کے حصہ اول کو ملاحظہ کریں گے تو اس میں انہیں ارواح اور عناصر اور جنوں کی مدح کے متر پائیں گے اور پھر ان کی پرستش اور پات کے طریقے ہیں اور کچھ ان کے پوجنے والوں کے لیے جو جو مددیں پہنچیں ان کے جھوٹے سچے مبالغہ آمیز قصے ہیں۔ اسی طرح دساتیر میں ستاروں کی پرستش اور ان کی دعائیں مذکور ہیں۔ ستاروں کی پابندی اور ان سے سعادت و خوش قسمت کا تعلق اور نیرنجات و شیعہ اور فال گنڈے اور دیگر جہاتِ باطلہ اسی فرقہ کے آثار ہیں۔ عرب میں بھی صابیت آئی تھی گو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کے سبب صابیت کو برا جانتے تھے۔ حنفاء کا طریق جو سلسلہ انبیاء علیہم السلام ہے ہمیشہ صابیت کا رد کرتا آیا ہے اور یہ بتلاتا رہا ہے کہ گولملائے عالم کے تدبیر و تصرف میں اس کے حکم سے مضر و مفید یا کوئی سیارہ وغیرہ جزو حق سبحانہ کے نقش و ضرر نہیں دے سکتا ہر حال میں اسی کی پرستش اسی کی نذر و نیاز اسی سے مدد مانگنا اسی کو پکارنا لازم ہے اور دوسرے کو اس کے اقتدار الوہیت میں ملانا ناش۔

ہے۔ جو اکبر الکبر ہے۔ محمدیت کا اصل منشاء تو حید ہے۔ مگر انفس و تابع انبیاء میں بھی انجینیوں کی صحبت سے صابیت نے اثر کر لیا۔ ۱۲۷

در اصل ان کی پرستش ہے کہ جن کی یہ صورتیں ہیں اور ان کی پرستش عین حق تعالیٰ کی پرستش اور باعثِ نجات ہے۔ یہ قوتِ متوہمہ کا ضلالِ مبین ہے۔ برہائش، مہادیو کو اس کی صفت کا مظہر جان کر پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح عناصر و سیارات و نباتات و حیوانات میں سے اہل ہند نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ اس کو پوجتے نہ ہوں۔

فائدہ ۴: ودیہ محبت و خواہش کا بت تھا اس معنی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو مرد کی صورت میں ڈھالا تھا اور اسی کو تمام کائنات کا باعثِ ایجاد جانتے تھے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت و خواہش ہوئی کہ میں ظاہر ہوں اس لیے اس نے دنیا پیدا کی اور مرد کی صورت اس لیے بنائی کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت و رغبت ہوتی ہے اور ہندو اس مظہر کو برہما کہتے ہیں۔ سوامی کے معنی قائم کرنے اور ظہر کرنے کے ہیں شرع میں اس کو صفتِ قیومیت کہتے ہیں۔ یہی صفت بقائے عالم کا باعث ہے اس معنی کو عورت کی شکل میں منسلک کیا۔ اس لیے کہ خانہ داری و انتظام خانگی سب عورت کی ذات سے ہے۔ ہندو اس صفت کو بھشن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہوں نے بھی اس کو ایک صورت و مورت بنا رکھی ہے۔ یغوث (غوث بمعنی مدد کے) حاجت روائی و مشکل کشائی کی صفت کا بت گھوڑے کی تصویر میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے کہ گھوڑا جلد دوڑ کر آتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ بت اپنے پوجنے والوں کی مدد کو جلد آتا ہے۔ اہل ہند اس کا مظہر اندر دیوتا کو بتاتے ہیں۔ یعوق عوق روکنے اور مصائب و اعدا کے دفع کرنے کی صفت اس کا بت بشکل شیر بنا رکھا تھا کہ یہ بہادر جانور دشمنوں پر بڑا حملہ کرتا ہے۔ اہل ہند اس کا مظہر شیو بتاتے ہیں۔ نسر گدھ یہ صفت سرمدیت کا بت بشکل گدھ اس لحاظ سے بنایا تھا کہ گدھ کی بھی بڑی عمر ہے۔ اور بھی ہر ایک خیال سے بت اور آلہء باطلہ تھے مگر ان پانچوں پر تو بٹے ہوئے تھے اس لیے بالخصوص ان کی بابت تاکید کی کہ ان کو نہ چھوڑنا۔ اور بت پرستی کی یہ توجیہات جیسا کہ ہنود کرتے ہیں مگر عظیم تھا جس کے سبب قَدْ أَضَلُّوا کَثِيرًا ہزاروں بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈال دیا تھا۔ خدا پاک کو چھوڑ کر انہیں مظاہر کی پرستش میں انک کر رہ گئے اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

فائدہ ۵: طوفان کے بعد یہی پانچوں بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بچتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے تک قبائلِ عرب میں بھی بچتے تھے۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قومِ نوح کے بت عرب میں بھی پوجے جایا کرتے تھے۔ و دوامۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا بت تھا اور سوامی ہڈیل کا یغوث مراد کا پھر بنی عطیف کا اور یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر آل ذی الکراع کا بت تھا۔ یہ اس قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ مر گئے تو شیطان کے کہنے سے ان کے نام کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ ان کے علاوہ عرب کے اور بھی بت تھے۔ لات بنی ثقیف کا اور عزرائیلی بنی سلیم و بنی عطفان و بنی نظر و بنی سعد و بنی بکر کا بت تھا اور منات اہل قدید و مشلل کا بت تھا اور اہل مدینہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اساف و نائلہ و ہبل اہل مکہ کے بت تھے۔ اساف کو حجرِ اسود کے سامنے کوہ صفا پر کھڑا کر رکھا تھا اور نائلہ کو رکینِ یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبہ کے اندر۔ یہ بڑا قد آور آٹھ گز کا اونچا بت تھا۔ جنگ کے وقت اسی کا نام پکارتے تھے۔ ابوسفیان نے احد کی لڑائی میں پکارا تھا۔ اعلیٰ ہبل جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اعز و اہل۔

جب حضرت نوح علیہ السلام بالکل ناامید ہو گئے تو اس ناپاک قوم کی نسبت یہ بد دعا کی۔ وَلَا تَدْرُ الْظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا کہ یہ ظالم اور بھی گمراہی میں بڑھیں کہ جلد عذاب آکر تمام ہو جائیں یا یہ معنی کہ ان پر عذاب نازل ہو کس لیے کہ ضلال کے معنی ہلاکت و تباہی کے بھی ہیں۔

مِمَّا خَطِيئَتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأَذْخَلُوا نَارًا ۖ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ أَنْصَارًا ۝ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ
دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا

كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝

تفسیر

اپنے بعض گناہوں کے سبب غرق کر دیے گئے پھر جہنم میں داخل کئے گئے پھر انہوں نے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہ پایا اور نوح نے کہا اے رب! زمین پر کسی کا فرکو بستا ہوا نہ چھوڑنا۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نسل بھی جو ہوگی تو فاجر و کافر ہوگی۔ اے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور اس کو بھی جو میرے گھر (کشتی) میں مومن ہو کر آگیا ہے اور ایماندار مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور ظالموں کو تو پر بادی کے سوا اور کچھ زیادہ نہ کرنا۔

ترکیب: مما یمایزیدۃ التکید والمعنی من۔ خطیتہم قرء الجہو علی جمع السلامة وقری خطایا ہم علی جمع التفسیر دبیارا من۔ یسکن الدیار ویدورنی الارض ولا تستعمل الانی الیٰھی العام اصلہ دیوار علی وزن فیعال من الدار والدار والدور نقلت الواویاء وادغمت احدہا فی الاخری قالہ الزجارج والقرء قال ابن قتیبہ ما یجاد یا راکی نازل دار لافعال والا کان دوارا۔ البیضاوی۔ مؤمننا حال لمن دخل۔ تبارا۔ ہلاکا۔

تفسیر: اس کھٹکاش میں حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس گزر گئے اور سوائے چند شخصوں کے کوئی بھی ہدایت پر نہ آیا تب ان حضرت کی بددعا کے سبب عذاب آیا کہ آسمان سے بے انتہا پانی برسا اور زمین نے بھی اپنی سوتیں کھول دیں، تمام قوم غرق ہوئی مگر مِمَّا خَطِیئَتِہُمْ ان کے گناہوں کے سبب۔ اور غرق ہو کر بھی چھٹکارا نہ ہوا بلکہ اُدْخِلُوا نَارًا اُمرنے کے بعد آگ یعنی جہنم میں داخل کئے گئے۔ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلائے عذاب ہوئے۔ فَلَمْ یَجِدُوا لَہُمْ مِنْ دُونِ اللّٰہِ اُنْصَادًا اور ان کے ان معبودوں میں سے ان کے کوئی بھی کام نہ آیا، کسی نے مدد نہ کی کوئی بچا نہ سکا۔ یہ برہان قاطع مذہب صابیہ اور بت پرستی کے ابطال کے لیے ہے اور طلسم و نجوم فال گنڈے بھی اس سے باطل ٹھہرتے ہیں۔ کس لیے کہ اس وقت کچھ بھی کوئی ٹوٹکا شعبدہ و ستارہ دیوتا کام نہ آیا اور نہ آسکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ معبود حق وہی ایک ہے اسی کی عبادت اسی کی اطاعت فرض ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ حضرات انبیاء محض اس رستہ کے رہنما ہیں۔

ثبوت عذاب قبر: فادخلوا کی فائی اور صیغہ ماضی سے اہل سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان سے ملتا ہے اور عالم قبر اور عالم برزخ اسی کو کہتے ہیں۔ کس لیے کہ مرنے سے روح نہیں مرجاتی وہ ایک دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد بدلہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ڈبوئے گئے اور فوراً آگ میں داخل کئے گئے۔ معلوم ہوا کہ حشر سے پہلے بھی آگ میں داخل ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے۔ النار یرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشدا العذاب کہ فرعون صبح و شام آتش جہنم کے سامنے لائے جاتے ہیں اور قیامت کو سخت عذاب میں داخل کرنے کا حکم ہوگا اور احادیث صحیحہ صریحہ میں بھی اس کا ثبوت بہت کچھ ہے۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حشر سے پہلے عذاب و ثواب کا کچھ ثبوت نہیں۔

وقال نوح اور جب قوم غرق ہونے لگی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر خار کھیتی کو کھتے ہوئے دیکھ کر اسی قبر الہی کی تجلی میں حق سبحانہ سے یہ عرض کیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِی اَلْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا کہ اے رب زمین پر کسی کا فر کو بسنے کے لیے نہ چھوڑ۔ اِنَّکَ اِنْ تَذَرُہُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلْبُدُوْا الْاَفَاجِرَ کَفَّارًا کس لیے کہ اگر آپ نے کسی کو چھوڑا تو یہ جلی گمراہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ان کا غیث مرض اوروں تک نہ پہنچ جائے، ان سے دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے اور ان کی گمراہی اور کجی جس کا میں نے سینکڑوں برس تجربہ کیا ہے ان کے خمیر میں داخل ہوگئی۔ اصلی فطرت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا اس لیے اگر ان کی نسل سے اولاد بھی ہوگئی تو گندی بوٹی کا گندہ شور بابد کار اور کافر ہی پیدا ہوں گے نہ ان میں ہدایت پانے کا مادہ باقی رہا نہ ان کی نسلوں میں پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو ایسے

خاردارنا پاک پیڑ سے باغ دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے۔

سوال:- کبھی کافروں بدوں کے گھرنیک اور نیکوں کے گھر شیطان بھی پیدا ہو جایا کرتے ہیں وہاں نطفہ کا اثر کیوں بدل جایا کرتا ہے۔
جواب:- اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کافروں کا جرایے ہوتے ہیں کہ ہنوز ان کی اصلی فطرت سالم ہوتی ہے اس لیے کبھی وہ خود بھی ہدایت پا جاتے ہیں اور بوقتِ مقاربت کبھی فطرت کا نور ان پر غالب ہو جاتا ہے۔ حالتِ کفر و فجور کی ظلمت کم ہو جاتی ہے اس لیے اس نطفہ سے نیک اور باخدا لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی ان کے تخم میں وہ زہر اثر نہیں کر گیا ہے۔ برعکس اس کے کبھی نیک اور باخدا لوگوں پر بعض گناہوں یا ترک اولیٰ وغیرہ امور یا حالتِ قبض سے ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ فضلات کے ذریعہ سے جسم میں سے جلد خروج کرنا چاہتی ہے اس وقت کے نطفے سے بدکردار ناخجار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایک وجہ ہے ورنہ وہ فاعلِ حقیقی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ رات میں سے دن اور دن میں سے رات نور میں سے ظلمت اور ظلمت میں سے نور زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے۔ وہ اسباب کی رسیوں میں جکڑا ہوا نہیں فافہم فافہم من سوانخ الوقت العزیز۔

اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام نے جب قبر الہی کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شانِ کبریائی اور بے پردائی سے ڈرے اور ڈرنا چاہیے بھی اور یہی کمالِ ایمان بھی ہے تو اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے یہ دعا کرنے لگے۔ رب اغفر لی کہ الہی مجھے بخش دے جو کوئی بشریت سے چوک ہو گئی ہے اس کا انتقام نہ لے، ولو الدی اور میرے ماں باپ کو بھی، اولاد پر حق ہے کہ ماں باپ کے لیے دعائے خیر کرے۔ پہلے آپ مغفور ہو لے کہ دعا مستجاب ہو اور آپ کے والدین مواحد اور باخدا تھے۔ ولمن دخل بیتنی مؤمنا اور جو کوئی ایمان لا کر میرے گھر میں آجائے یعنی کشتی میں۔ کس لیے کہ یہ تیری پناہ کی جگہ ہے اور ان کے سوال المؤمنین والمؤمنات اور جس قدر ایمان دار مرد اور عورت ہوں کہیں ہوں اور کسی زمانے میں ہوں سب کو معاف کر۔ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا مگر ظالموں کو تو ہلاک ہی کر ڈال یہ بد بخت نہ بنیں۔

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام نے تمام مومنوں کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر جس طرح ان کی بد دعا کفار پر پڑی کوئی نہ بچا اور مقبول ہو گئی تو دعائے خیر کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے لیکن مومن ہونا چاہیے۔ اول ان پانچ ظاہری بتوں سے بچے مگر خانہ دل میں بھی یہ پانچوں بت موجود ہیں ان سے بھی دور رہے۔ دوتن پروری لذاتِ خسیہ کی محبت ہے۔ سوانخ نفس کی معشوقہ ہے جس کے لیے لذات و عیش و آرام میں غرق ہے اس لیے تکلیف و رنج سے بھاگتا اور تقویٰ و اطاعت میں قصور کرتا ہے۔ یغوث اس کے اقارب مادر و پدر و فرزند برادر ہیں جن کی مدد پر بھولا ہوا ہے جن کی دلجوئی میں حکمِ خدا اور رسول کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ برادری کی رسم پر مٹا ہوا ہے۔ یعوق اس کا مال و اسباب ہے کہ اس کو زکوٰۃ و صدقات سے روک رہا ہے اور بوقتِ ضرورت مال کی مدد پر بڑا بھروسہ ہے اور خدا سے غافل ہو رہا ہے۔ نر اس کا شیطان ہے جو حرص و غصہ کے دونوں بازوؤں سے دفعۃً اڑ کر آتا ہے اور نیک و بد کی امتیاز کو کھودیتا ہے اور دوسواس اور خیالاتِ فاسدہ اس کے دل میں ڈال کر ہزاروں برسوں کے اہتمام و انتظام میں لگا کر خدا سے دور پھینکتا ہے۔ ان پانچوں بتوں سے بھی بچنا چاہیے تاکہ ایمان کامل ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے حصہ ملے۔

طوفان تمام دنیا پر آیا تھا نہ کہ بعض جگہ: فائدہ: اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ طوفان تمام دنیا پر آیا تھا کس لیے کہ اس وقت دنیا میں یہی بدکاری پھیلی ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا دنیا میں اور کوئی نسل باقی نہیں رہی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ اور نیز قرآن مجید کی انہی آیات میں وَلَا تَزِدْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دِیَارًا آیا ہے کہ زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔ اور نیز کشتی میں ہر ایک چیز کا جوڑا لینا بھی اسی کی دلیل ہے کہ طوفان اگر تمام دنیا پر نہ تھا تو ان چیزوں کی نسل منقطع ہو جانے کا کوئی سبب نہ تھا پھر کشتی میں لینے سے کیا

فائدہ تھا؟

رہا یہ شبہ کہ اور ملکوں کے لوگوں کے پاس حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی کس لیے کہ وہ خاص ایک ملک میں رہے جہاں میں پھر کر منادی کرنا ثابت نہیں پھر جب دعوت نہیں پہنچی تو حکم آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ان کا ہلاک کرنا منافی انصاف و عدالت ہے اور اگر اور قوموں میں بھی نبی آئے تھے تو ان کا کشتی میں سوار ہونا ثابت نہیں پھر وہ کیوں ہلاک ہوئے اور کشتی کے سوا اور کوئی چیز پناہ کے لیے نہ تھی۔ بقولہ ساوی الی جبل یعصمنی من الماء الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اور ملکوں میں رسول عقل تو حید و مکارم اخلاق کا معلم ضرور آیا تھا اور نیز اس زمانے میں ایسی دور دراز جگہوں میں بنی آدم پھیلے ہوئے بھی نہیں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی سینکڑوں برس کی منادی ان تک پہنچنا خیال میں آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ان ایمانداروں میں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے آپ کی طرف سے ان ممالیک میں گئے ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں صرف آرمینا وغیرہ بلاد ایشیاء کو چمک میں طوفان آیا تھا یا اس کے آس پاس کے ملکوں میں۔

مگر عام اہل اسلام اور یہود و عیسائی سب طوفان کے قائل ہیں لیکن بعض بت پرست قومیں انکار کرتی ہیں۔ ان کا انکار محض قیاسی بات ہے کسی دلیل و حجت پر مبنی نہیں۔ اور اہل ہند کی بعض کتابوں سے بھی طوفان کا پتا چلتا ہے۔ جس کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ خدا تعالیٰ مجھے اور میرے والدین اور جمع ایمانداروں کو اپنے غضب و قہر کے طوفان سے دنیا و آخرت میں بچائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی میں پناہ دیتا رہے۔ آمین آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اُوحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝
يَهْدِيْٓ اِلَآلَ الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَمْ نُشْرِكْ بِرَبِّنَا اَحَدًا ۝
وَاَنَّهُ تَعَلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝
وَاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيهُنَا عَلٰى اللّٰهِ شَطَطًا ۝
وَاِنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا ۝

(اے رسول!) کہہ دو کہ مجھے اس بات کی وحی آئی ہے کہ کچھ جن (مجھ سے قرآن پڑھتے) سن گئے ہیں پھر انہوں نے جا کر کہہ دیا (اپنی قوم سے) کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ بتلا رہا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور ہمارے رب کی شان بلند ہے نہ وہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد اور ہم میں سے بعض بیوقوف (ایسے بھی گزرے) ہیں جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم سمجھے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹی بات نہیں بنایا کرتے (اس لیے ہم ان کی باتوں کو مانتے تھے)۔

ترکیب : اوحی من الایحاء هو القاء المعنی الی النفس فی خفاء کالالهام و انزال الملک و یكون ذلک فی سرعۃ افتتاحت الجملۃ فاعل اوحی والضمیر فی اللہ للشان ای خبرت بالوحی من اللہ علیہا مصدر و وصف بہ للمبالغۃ۔ یہدی الخ الجملۃ صفۃ قرآن احوال منہ واذہ تعالیٰ قرء ابن کثیر وغیرہ من اهل البصرۃ بالکسر فی احد عشر موضعا الی قولہ و انه لما قام عبد اللہ الاقولہ و ان لو استقاموا وان المساجد و انه لما قام عبد اللہ فانہا من جملۃ الموحی بہ و اقہم نافع و ابوبکر الانانی قولہ و انه لما قام علی اندہ استیناف او مقول وجہ الکسرۃ انہا من جملۃ الکی بعد القول و قرء الباقون بالفتح فی حدہ الموضع عطفًا علی محل الجار و الجرح و رنی آمنابہ کانه قبل صدقہ و صدقہ انہ تعالیٰ جد ربنا ای عظمتہ من جد فلاں فی عینی

اذا عظم اوسلطانه او غنائما اتخذ الجملة بيان التعالى جد ربنا وليس المراد بالجذاب الاب وان كان اسمها سفيهنا ويقول خبره ويجوز ان يكون سفيهنا فاعل يقول والجملة خبر كان واسمها ضمير يرجع الى الحديث او الامر ويجوز ان تكون كان زائدة واشطط الغلو فى الكفر وقيل الجور وقيل الكذب واصله البعد عن القصد كذباً انتصابه على المصدرية لانه فرع من القول او على انه وصف لمحدوف اى قولاً كمنذ وبافيه ومن قرء تقول بالتشديد كيعقوب جعله مصدرراً لان القول كذب -

تفسیر: قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن عباس وعائشہ وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

سورہ نوح میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس وعظ وپند کیا مگر چند اشخاص کے سوا اس شقی قوم نے نہ مانا آخر ہلاک ہوئی۔ اب اے قریش! تم جو نہیں مانتے اور عذاب کے خواستگار دلیری سے ہوتے ہو جیسا کہ سورہ نوح سے پہلے سورہ سال ساک میں بیان ہوا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہمارے پیغمبر کی تعلیم میں قصور ہے بلکہ تمہاری استعداد کا فتور ہے ورنہ چند جنوں نے حضرت ﷺ سے قرآن مجید سنا باوجودیکہ ایک بار صبح کے وقت نماز میں آپ پڑھ رہے تھے اور جنوں کا گزر ہوا انہوں نے سن لیا، سنتے ہی ایمان لے آئے اور قرآن کی خوبی کے قائل ہو گئے، اپنے عیوب کا اقرار کر لیا اور اپنی قوم میں جا کر اسلام لانے کی ترغیب دی حالانکہ نہ ان کو ہمارے نبی سے صحبت تھی نہ ہم جنس تھے، عادات بھی جنوں کی سخت اور ہٹ کی ہوتی ہیں۔ تم ہم قوم، ہم زبان، ہم صحبت اور انسان ہو کر نہیں مانتے۔ اور لطف یہ کہ تم جنوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے ہو۔

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْحِجْنِ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝٦

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۖ وَإِنَّا لَمُسِنَا السَّمَاءَ

فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهْبًا ۝۸ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

مَقَاعِدَ السَّمْعِ ، فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شَهَابًا رَّصَدًا ۝ وَآتَا

لَا نَدْرِي أَشَرُّ أَرِيدًا يَمُنُّ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں سے پناہ لیا کرتے تھے اس نے تو ان کا اور بھی مغز چلا دیا اور وہ بھی سمجھے ہوئے تھے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے اللہ ہرگز کسی کو (رسول بنا کر) نہ بھیجے گا اور ہم نے آسمانوں کو ٹھول دیکھا تو مضبوط نگہبانوں اور شہابیوں (کہ انگاروں) سے بھرا ہوا پایا اور ہم (پہلے) تو آسمانوں کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سننے کا قصد کرتا ہے تو اپنے لیے تار انگار اتار لگا پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اسے زمین والوں کے لیے برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان سے کوئی بہتری کرنا چاہا ہے۔

تركيب : رهقا وعوا مفعول ثانٍ لزدوا والرهق في الأصل غشيان الشيء، وأنهم من كلام الجبن بعضهم لبعض أو استيناف من الله سبحانه، ومن فتح ان فيهما جعلها من الموحى به ان لن الجملة ساء مفعول ظنوا للسمع صلة لتقعد أو صفة لمقاعد.

تفسیر : انہوں نے مان لیا جو تمہارے استاد تھے تم نہیں مانتے، افسوس ہے۔ شانِ نزول: اس سورہ کی شانِ نزول میں امام احمد اور ترمذی اور بخاری و مسلم وغیرہ کبار محدثین نے مختلف طرق سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصہ مطلب مع اس تشریح کے جو کتب سیر میں ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں قریش کو مکہ میں سمجھا یا اور ان کی غیبتوں کی بڑی استتعال سے برداشت کی اور بجز

ہیں بلکہ جواہر میں جو بذات خود موجود ہیں پھر ان کے مختلف انواع و اقسام ہیں۔ بعض بزرگ نیکی پسند ہیں اور بعض رذیل خسیس، شروافات کو پسند کرنے والے ہیں۔ ان کے بہت اقسام ہیں جن کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا۔ وہ افعال تو یہ کر سکتے ہیں، علم رکھتے ہیں، دیکھتے سنتے ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ جن بھی اجسام ہیں مگر اجسام لطیفہ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے مگر وہ خود جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ پھر بعض گندہ اور سرکش اور ناپاک ہوتے ہیں جن پر شیطان کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت ہے اور وہ بعض اوقات بنی انسان سے جماعت و مجالست بھی کرتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں بنی آدم کی ارواح مرنے کے بعد جو کثافت کی وجہ سے عالم قدس تک نہیں پہنچتیں وہ جنوں میں مل جاتی ہیں۔ ایسی ہی ناپاک روہیں لوگوں کے سروں پر آتی ہیں اور ادھر ادھر کی خبریں بھی اپنے نذرو نیاز کرنے والوں کو دیا کرتی ہیں۔

فائدہ (۲): جن کا وجود حیوان اور ملائکہ میں ایک برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ شکل باشکال مختلفہ و تدبیرات کلیہ فہم و شعور، حسن و قبح امور و دقیقہ کا ملائکہ کا وصف ان میں ہے اور اسی لیے وہ بھی مکلف ہیں اور کھانا پینا و جماع و غصہ حیوانات کے اوصاف ان میں ہیں اور اسی لیے ان کی عمر طبعی بھی ہوتی ہے، مرتے بھی ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں۔ تولد و تناسل بھی ہوتا ہے۔ جن کو یا عالم ملائکہ کا سفلی سطح ہے۔ اکثر بنی آدم اس سطح سفلی میں انک گئے اور اس پردہ کو پھاڑ کر اوپر تک ان کی عقل کو پرواز نہ ہوئی۔ اسی لیے بنی آدم نے ان میں سے عمدہ جنوں کو اپنا معبود بنالیا اور ان سے حاجات میں مدد طلب کرنے لگے اور بعض حوادث آئندہ کی ان سے خبریں دریافت کرنے لگے۔ اکثر عرب کے جاہل اس اندھیر میں پڑے ہوئے تھے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہنود و غیرہ مشرک تو میں اس وادی ضلالت میں ٹکریں مارتے رہے ہیں بلکہ بعض جہال مسلمان بھی اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بعض جنوں کا نام سید اور بعض کا پیر اور بعض کا پریاں اور کسی کا شیخ سدو کسی کا زین خان کسی کا ہومان کسی کا بھیرون رکھ چھوڑا ہے۔ ان کی نذرو نیاز اور پرستش کے طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں، ان کو نافع و ضار سمجھتے ہیں۔ ان سے حاجات طلب کرتے، غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے ہیں اور عرب میں تو رات دن انہیں کے کرشمے پائے جاتے تھے اور وہ جن بھی طرح طرح کی تدابیر اپنی حکومت ثابت کرنے کے لیے کرتے تھے۔ کبھی بتوں کے اندر سے آوازیں دیتے تھے اور باتیں کرتے تھے، کبھی کسی درخت میں سے بول اٹھتے تھے اور کہیں کسی کے سر پر آکر در دراز کی باتیں بتاتے تھے اور کبھی کسی مشکل کام کے لیے وہ لوگ اپنی چوکی چڑھاتے اور بکرا ذبح کرتے تھے۔ خصوصاً دشمنوں کے مقابلے کے وقت اور بیماری یا وبا کے دفع کرنے کے وقت اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ آکر ہماری اس کام میں مدد کریں گے اور ان کے خیال کے موافق کبھی کچھ ظہور بھی ہوتا تھا اور کبھی ان کے مخالف کو کچھ مضرت بھی پہنچ جایا کرتی تھی۔ وید کے اشلوکوں میں دیوتاؤں کی مدح اور منتر اور ان کے یک کرنے کے طریقے جو مذکور ہیں خصوصاً فتح و نصرت، ارزانی و بارش و دفع مرض و کثرت اولاد و مال کے لیے وہ یہی باتیں ہیں۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ان کے جنوں کے نام ان کی زبان میں اور تھے اور غیر مرئی ارواح کو جو ہر جزو عالم پر مومکل سمجھتے تھے جن کو شرع میں ملائکہ کہتے ہیں، پوجتے تھے اور نیز ستاروں اور آفتاب کو بھی۔ اور کبھی وہ جن کا ہنوں کے سر پر آکر کلام مسجع میں غیب کی خبریں بھی دیا کرتے تھے اور شعراء کے دل پر مضامین کے القاء کرنے میں مدد کرتے تھے۔ الغرض اس طوفان بے تمیزی میں دنیا ڈوبی ہوئی تھی اور ارواح بشریہ کی ترقی روحانی میں یہ پتھر حائل تھا۔ اب خدائے پاک کی رحمت نے جلوہ کیا اور دنیا کو اس ورطہ ضلالت سے بچانا چاہا تو بر عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کی بعثت سے کسی قدر اول ہی ان جنوں کی بادشاہی چھین لی اور ان کے کرشموں کو روک دیا اور جب آفتاب جلوہ گر ہونے کو ہوتا ہے تو رات کے چور صبح صادق سے پہلے چھپنے لگتے ہیں اس لیے جنوں پر عالم بالا کے اسرار بند کئے گئے۔ اب جو اوپر جاتے ہیں شہاب ثاقب سے مار کر نکالے جاتے ہیں۔ اپنے کانہوں کو کوئی خبر نہیں لا کر دیتے بلکہ شرمندگی کے مارے ان کے پاس آنا بھی کم کر دیا۔ ادھر جہاں جہاں ان شیاطین کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے

وہاں سے بھی الوداع الوداع کہہ کر چلنے لگے۔ چنانچہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایام جاہلیت میں اپنے بتوں کے پاس میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آکر بت پر گائے ذبح کی جو اس کی نذر کے لیے لایا تھا۔ اس بت کے پیٹ میں سے یہ آواز اس درجہ بلند ہوئی کہ سب نے سنی۔ وہ کہتا تھا یا علیؑ امر کج رجل تصیح یقول لا الہ الا اللہ۔ اے مرد قوی ایک بات پیش آئی کہ جس میں کامیابی ہے کہ ایک شخص باواز بلند کہہ رہا ہے لا الہ الا اللہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے، میں وہیں بیٹھا رہا کہ اس آواز کی حقیقت دریافت کروں۔ دوبارہ پھر وہی بلند آواز پیدا ہوئی۔ تیسری بار پھر وہی آواز بلند ہوئی یہاں تک کہ میں حیرت میں تھا کہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ اس جگہ ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ تعلیم فرماتا ہے۔ اسی طرح مجاہد رضی اللہ عنہ نے دوسرے شخص کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے سواد بن قارب کا قصہ نقل کیا ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا بھائی تھا۔ اخبار آئندہ مجھے بتلایا کرتا تھا۔ میں لوگوں سے کہتا اور خوب چڑھاؤ آتا تھا۔ ایک رات میرے خواب میں آکر کہا اٹھ اور ہوشیار ہوا کہ کچھ شعور ہے ایک پیغمبر لوی بن غالب کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ پھر اس نے یہ چند اشعار پڑھے۔

عجب الجن وارہاسھا وشدھن العیس باحلاسھا مجھے جنوں کے حال سے اور ان کے اضطراب سے تعجب آتا ہے۔
تحوٰ الی مکہ تنغی الہدی مامونوہا شمل ار جاسھا اور ان کے اونٹوں پر سفر کے لیے کاٹھی باندھنے سے بھی تعجب ہے
فانھض الی صفوة من ہاشم واسم بعیک الی راسھا مکہ کی طرف جاتے ہیں ہدایت کے لیے۔ ان کے ایمانداران کے
تواٹھ برگزیدہ نبی ہاشم کی طرف۔ اور اپنی دونوں آنکھیں اس قبیلہ
کے سردار کی طرف اٹھا۔

سواد کہتے ہیں برابر تین راتوں مجھے یہی معاملہ پیش آیا۔ آخر میں مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں آکر مشرف باسلام ہوا اسی طرح اور بھی روایات ہیں۔

فائدہ: جب جنوں پر عالم غیب کا رستہ بند ہوا اور وہ اس کی تحقیق میں نکلے اور آپ کا قرآن پڑھنا سن کر ایمان لائے اور اس کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا ان باتوں کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا کر کفار مکہ اور عرب کے جاہلوں عجائب پرستوں کو آپ کی نبوت کا اطمینان اور ان کے خیالات کا بطلان کرتا ہے بچند وجوہ (۱) یہ کہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال اور بدگمانی کرتے تھے کہ ایسا عمدہ کلام جو اس سے صادر ہوتا ہے جس کی مثل کوئی بنا نہیں سکتا اس کو کوئی بڑا فصیح و بلیغ جن تعلیم کرتا ہے کس لیے کہ کاہنوں کو ایسی تعلیم جن کرتے تھے اور مقفی و مسجع کلام میں خبریں دیا کرتے تھے اس لیے آپ کو کاہن کہتے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا گیا کہ جن کیا تعلیم کریں گے وہ تو خود اس کی خوبی پر ایمان لا کر یہ کہتے ہیں۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا یُہْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہِ اور نیز آگے چل کر جنوں کی ہجو اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کی مذمت اور ان کا مخلوق الہی ہونا اور اس کے بس میں ہونا وغیرہ وہ باتیں بیان ہیں جو جنوں کے خلاف ہیں پھر اگر آپ کو جن تعلیم کرتا تو کیا جن اپنی برائی اور مذمت آپ کرتا۔ اس لیے یہ شبہ بھی بے اصل ہو گیا کہ ہم کو کیونکر معلوم ہو کہ جن ایمان لائے اور انہوں نے یہ کلام کیا۔ کس لیے کہ اگر یہ کلام بھی جن کا ہے یعنی سورہ جن تو جن ایسی باتیں اپنی نسبت کہہ نہیں سکتے اور اگر جن کا نہیں تو آپ کاہن نہیں پھر کیا وجہ کہ اس کی مثل بھی تم اور تمہارے مددگار جن نہیں لا سکتے پس ثابت ہوا کہ یہ کلام منزل من اللہ حضرت جبریل امین علیہ السلام القا کرتے ہیں۔

(۲) کہ جنوں کی پرستش اور ان کی نذر و نیاز سب لغو ہے ان کا کچھ بھی خدائی کارخانہ میں حصہ نہیں خود جن اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔
 (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ صرف آدمیوں کے لیے ہے بلکہ جن بھی کہ جن کی پرستش اور مدد پر مشرکین نازاں ہیں آپ کی زنجیر اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں۔

فائدہ: اس کے بعد اور جنوں کے کلمات نقل کر کے جن پرستوں کو متنبہ کرتا ہے فقال ولن نشرك بربنا احداً، کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ جن بھی مشرک تھے بعض کاٹوں کو جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا بعض جن بعض جنوں کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار اور خدائی میں ذخیل سمجھتے تھے اسی لیے اس کے بعد اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا نہ اس نے کسی کو جو رو بنایا ہے نہ اولاد۔ کس لیے کہ یہ باتیں معجز و حدوث پر دال ہیں اور اس کی شان بلند کے منافی ہیں۔ اس کے بعد اپنے اعتقادات سابقہ کی (جو لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے) لغویت بیان کرتے ہیں۔ وَأَنَّهُ كَانَ يَاقُولُ سُبْحَانَ عَلٰی اللّٰهِ شَطَطًا کہ جن کو ہم پہلے عقلمند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہ کی نسبت زن و فرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اس کو برحق جانتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ احق اور نادان خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل و برہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلید باطل سے بایں طور کہ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا ہم سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی اور کوئی جن خدا پر جھوٹ نہیں کہتا۔ اس اعتقاد اور اس سادہ لوحی نے ہم کو گمراہ کر رکھا تھا اب معلوم ہوا کہ سیکڑوں آدمی اور جن اللہ پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبی بھی تباہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اس سادہ لوحی اور خوش اعتقادی نے دنیا کو شرک و غلطی اور تخیلات پرستی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اگر اب کسی بت پرست و فال و شگون اور ارواح غیر مرئیہ کے پوجنے والے سے پوچھیں گے کہ کون سی دلیل اور برہان تمہارے حق پر ہونے کے لیے ہے تو ہر پھر کر آخر کار یہی کہیں گے کہ ہمارے اگلے یوں کرتے اور کہتے آئے ہیں اگر یہ باتیں غلط ہیں تو وہ کیا اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور ایسا ہم ان کو نہیں سمجھتے۔ آفریں ہے ان صاحبوں پر کہ جن کے دماغ نے ایک صحبت ہادی برحق سے ایسی ترقی کی اور افسوس ہے ان عقلمند آدمیوں پر کہ وہ اس اندھیرے گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتے اور اس طوفان بے تمیزی میں آدمیوں کی پرستش سے جنوں کے مغر چل گئے، خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا کہ بہت سے انسانوں کے مرد (لفظ مرد میں ایک لطیف سی تعریض ہے کہ جب اپنے مثل کو پوجا مردانگی کو کھو دیا مردوں کی یہ باتیں نہیں کہ اپنے مثلوں کے غلام اور بندے ہو جائیں۔ یہ نامردی اور زنانہ پن ہے) جنوں کے مردوں سے پناہ مانگا کرتے تھے اس نے ان کی اور بھی سرکشی اور غرور و نخوت بڑھادی۔ اس پناہ مانگنے اور مدد طلب کرنے کے کئی طریقے عرب میں مروج تھے۔ اول یہ کہ جب کسی کو کوئی مرض لاحق ہوتا اس کو جن و پری کی نظر بڑا کٹر سمجھ کر اس کے لیے کھانا عمدہ پکاتے اور خوشبو شامل کرتے اور بخور جلاتے اور وہاں جا کر نہکتے کہ جہاں جہاں ان کو جنوں کے گزرنے کا گمان ہوتا تھا تا کہ اس رشوت و نذرانہ میں وہ تکلیف نہ پہنچائے۔ اب بھی ہند کے جاہل کھانا پکا کر کہیں چوراہوں میں، کہیں دریا پر، کہیں کسی قبر پر، کہیں کسی درخت تلے رکھواتے ہیں جس کو اتارا کہتے ہیں اور ایسے صدقات کے لیے برہمنوں، نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں، ملاؤں، تعویذ گنڈے کرنے والوں کا ارشاد ہوا کرتا ہے۔ دوم یہ کہ مشکل کے وقت ان کے نام کو جپتے اور وظیفہ بنا کر پڑھتے اور نذر و نیاز اور بخور وغیرہ شرائط کو عمل میں لاتے۔ ایسا کرتے سے وہ سمجھتے تھے کہ یہ مشکل وہ دیوتا آسان کر دے گا۔ پیر اور مولکات کے حاضر کرنے کے لیے اب بھی بڑے بڑے ذلیل لوگ بجائے مراقبہ و اذکار الہی کے یاد و انیل و یا رتمائیل دریا یا جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں بار پڑھتے ہیں اور جو کوئی شیطان حاضر ہو جاتا ہے تو اس کو فوز المرام

جانتے ہیں۔ سوم جب کسی آئندہ آنے والی بات پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی تو کاہنوں کے پاس جا کر ان کے حامد کے منتر پڑھواتے، نذر و نیاز مینڈھا بکرا چڑھاتے تب وہ ان کاہنوں کے سر پر آکر وہ باتیں بتلاتا تھا۔ (چہارم) جب کسی سفر میں ہوتے اور کسی جنگل و بیابان میں اترتے تھے تو اس وادی کے جنوں سے پناہ چاہتے اور یوں باوازا بلند کہتے (اعوذ سید هذا الوادی من شر سفهاء قومہ) تاکہ ان کے چھوٹے لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں اور بھی بہت طریقے تھے۔ ان سب باتوں کو اسلام نے ممنوع کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اللہ ہی کی پناہ مانگا کرو، وہی نذر و نیاز کے قابل ہے۔ مالی اور جسمانی عبادتیں اسی کو ہیں اس کے حکم بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔ پھر تھوڑے دنوں میں بدر عرب ان سب ادہام پرستی کی نجاستوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ جنوں کا مادہ ناری یا ہوائی ہے اس لیے علو و تکبر ان کی طینت میں داخل ہے۔ ایسے اعمال و نذر و نیاز اور منتروں سے وہ اترا کر ان کے کام کرنے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ ہماری عظمت و وقعت بنی آدم کے دلوں سے نہ نکلے اور اسی لیے لوگوں کے ذہنوں میں سینکڑوں مکرو جیلوں سے اپنی عظمت بٹھاتے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو اولیاء و انبیاء کی ارواح طہبات میں محسوب کرتے ہیں اور ان کے نام بتاتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ ہوں یا فلاں شخص ہوں تاکہ لوگوں کو اعتقاد پیدا ہوا اور پھر رفتہ رفتہ اپنی خباثت ظاہر کرتے ہیں اور کبھی کسی مردہ شخص کا نام اپنا نام رکھ کر اس کے گھر کی خبریں بتلاتے ہیں تاکہ ثواب و عقاب اخروی کا اعتقاد دلوں سے زائل ہو جائے اور جان لیں کہ مر کر یوں ہی اسی دنیا میں سریریں کرتے پھرا کرتے ہیں جس کے سر پر چاہتے ہیں آتے ہیں اسی بات کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے۔ **وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا** اور ان جنوں نے سمجھ رکھا تھا جیسا کہ اے مخاطب تم نے سمجھ رکھا ہے کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا یعنی حشر و نشر کچھ نہیں۔ یہیں مر کر رو جس پھرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ بھی انہیں جنوں کا مقولہ ہے اپنی قوم سے خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ جیسا تمہارا عقیدہ حشر کی بابت ہے کہ کچھ نہیں ایسا ہی ان جنوں کا بھی تھا جن کو بنی آدم پوجتے اور ان سے پناہ مانگتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، **أَنَّ لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا** کے یہ معنی کہ خدا کسی پیغمبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث نہ کرے گا کہ وہ آکر ان جاہلانہ خیالات سے پاک کرے ہماری خدائی ہمیشہ یوں ہی بنی رہے گی یہی جہالت کی گھٹائیں بنی آدم پر چھائی رہیں گی۔

یہاں تک تو ان ایماندار جنوں کا کلام اپنی قوم کے سامنے توحید و حشر کے مسئلہ میں تھا اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کے لیے ایک تمہید بیان کرتے ہیں تاکہ قوم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ **فَقَالُوا وَآنَا لَمُسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُمَلَّنَةً حُوسًا شَدِيدًا** کہ ہم نے آسمان جا چھوا یعنی اسرار آسمانی کی بہت تلاش کی اور بہت بلند اڑ کر گئے گویا کہ آسمان کو چھو لیا اور وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں بے شمار پہرے چوکی والے پاسبان پائے جو اسرار آسمان سننے سے منع کرتے ہیں۔ **وَآنَا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ** اور اس سے پہلے تو ہم اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا بیٹھتے اور آسمانوں کے ملائکہ کی باتیں سنتے اور کاہنوں کو لا کر دیتے اور اپنی غیب دانی اور خدائی کا سکہ جمایا کرتے تھے۔ **فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شَهَادًا رَّصْدًا** ابھر اب جو کوئی سننے کے لیے آتا ہے جاتا ہے تو اپنے لیے ایک انکار اتیار اور تمہبان پاتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے حاصل یہ کہ پہلے تو یہ حال تھا کہ علم بالائے اسرار ہم حاصل کر لاتے تھے اور اب یہ دروازہ بند ہو گیا۔ یہ ایک بڑا حادثہ ہے۔ **وَآنَا لَا نَدْرِي أَشْرَارُكُمْ أَمْ لَمْ يَرْسُدْكُمْ** اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خدا نے اپنے بندوں کی بھلائی چاہی ہے یا برائی۔ اس بات کو ہم مخالفین پر چھوڑ دیتے ہیں کہ خدا نے بندوں کی بہتری چاہی ہے کہ جنوں کے بے جا تسلط اور باطل خدائی کو پست کر کے ایک ایسے شخص کو برپا کیا ہے جو نور ہدایت کی جہاں افروزش ہاتھ میں لے کر اٹھا ہے۔ جنوں

کے لیے اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اور کوئی دلیل ہو نہیں سکتی کہ انہوں نے آسمانی اسرار کا بند ہونا وغیرہ امور ظہور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دیکھ لیا۔ اور اس کلام میں طریقہ ادب کہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ شرکی نسبت خدا پاک کی طرف نہیں کی بلکہ صیغہ مجہول بولا گیا اور رشد کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ معلوم ہو کہ وہ بندوں کی رہنمائی اور بہتری چاہا کرتا ہے اور شر کے مقابلے میں خیر ہونا چاہیے تھا مگر خیر عام تھی اس کا جو فرد کامل یہاں مقصود تھا اسی کا ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ اصل خیر رشد ہے۔

وَأَنَا مِنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قَدَدًا ۖ وَأَنَا ظَنَّنَا
أَنْ لَّنْ نُنْجِزَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجِزَهُ هَرَبًا ۖ وَأَنَا لَمَّا سَمِعْنَا
الْهُدَىٰ أَمَنَّا بِهِ ۖ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۖ وَأَنَا
مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۖ
وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝

اور یہ کہ کچھ تو ہم میں سے نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے۔ ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور (اب) ہم سمجھ گئے کہ ہم اللہ کو زمین پر نہ تھکا سکیں گے اور نہ ہم اللہ سے بھاگ کر جا سکیں گے اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پھر جو اپنے رب پر ایمان لے آیا تو نہ اس کو نقصان کا ڈر رہے گا اور نہ ظلم کا اور کچھ تو ہم میں سے فرمانبردار ہیں اور کچھ نافرمان پھر جس نے مان لیا تو انہوں نے اچھا رستہ تلاش کر لیا اور جو نافرمان ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ترکیب : القدد القطعة من اشيء وصار القوم قددا اذا تفرقت احوالهم والمعنى كذا ذوى۔ طرائق قددا او کانت طرائقنا قددا فی الارض ای کائنات فی الارض حال من الفاعل هر بالمصدر فی موضع الحال ای ولن نعجزه هارین فلا یخاف البخله جواب الشرط وهونن فاجملته جواب ولولا ذاک لقل لا یخف۔

تفسیر..... جنوں کی دوسری دلیل آنحضرت ﷺ کی نبوت پر : اب مسئلہ نبوت کی بابت ایک عمدہ پیرایہ سے تقریر کرتے ہیں۔ وَأَنَا مِنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قَدَدًا کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ مختلف طریقوں کے لوگ ہیں پھر اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر بجز نبوت اور الہام الہی کے کون کر سکتا ہے؟ (۲) وَأَنَا ظَنَّنَا أَنْ لَّنْ نُنْجِزَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجِزَهُ هَرَبًا کہ ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جن کو قوی اور زبردست اور جاہل و دماغ انسانوں پر حکمران ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے، صرف آسمانی راز ہی کے بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کا رگ نہ ہوا اور چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں پھر جو تم نے اس کے طریقہ کا خلاف کیا اور ہم پر اس کا قہر نازل ہوا تو ہم اس کے بس سے نہیں نکل سکیں گے۔ اور نہ بھاگ کر کہیں پناہ گزین ہو سکیں گے اسی لیے نبی آخر الزماں ﷺ کا ماننا ضرور ہوا اب اے قوم! تم مانو یا نہ مانو لیکن وَأَنَا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ أَمَنَّا بِهِ ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا پھر جو تم سے بھی کوئی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو دنیا و آخرت میں کسی نقصان کا خوف نہ رہے گا نہ اس کو خداوندی انتقام و سزا کا ڈر باقی رہے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قوم کی حالت یکساں ہے تا کہ عذاب و ثواب میں یکساں سمجھی جائیں سو یہ تو ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ کہ ہم میں سے اس کے فرمانبردار بھی ہیں اور جفا کار بھی ہیں پھر دونوں مساوی کیونکر ہو سکتے ہیں؟ بہر طور قوم میں سے

ایک گروہ پر مصائب دنیا و آخرت کا نازل ہونا یقینی ہے پھر اس کے بچاؤ کا اور اس کی عدالت سے رست گاری کا یہی قانون ہے کہ فَعْنُ اسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا کہ جو ایمان لے آیا اور اس کا حکم بردار ہو گیا تو اس نے دنیا و آخرت کے لیے عمدہ رست تلاش کر لیا اور ہر ایک مصیبت سے بچنے کے لیے اس الہی کا مستحکم قلعہ ڈھونڈ لیا۔ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور جو جفا کار بدکار ہے ایمان نہ لائے آخر وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

فائدہ (۱): پہلے جو مَنَّا الصَّالِحُونَ وَمَنَّا دُونَ ذَلِكَ کہا وہ اسلام سے پہلے کی حالت بیان کی تھی کہ اس لیے کہ اسلام سے پہلے بھی نیک و بد ہو سکتے ہیں کیونکہ ظلم و بدکاری کی برائی عاقل عقل سے بھی دریافت کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ صالحون کے مقابلہ میں دونوں لک اشارہ مہذبانہ الفاظ میں کر دیا تاکہ ان بدکاروں کی صراحتہ سے رنج نہ معلوم ہو۔ اب مَنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمَنَّا الْقَاسِطُونَ میں عہد نبوت کا ذکر ہے اور بدکاروں کی بدی جہنم سے بچنے کے لیے صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔

فائدہ (۲): قسط عدل مگر جب اس کا استعمال ثلاثی مجرد سے ہو گا تو اس کے معنی ظلم کے ہوں گے اور جب باب افعال میں لائیں گے تو انصاف و عدل کے معنی پیدا ہوں گے اس لیے قاسط ظالم مقسط عادل نیک۔

فائدہ (۳): یہاں تک ان جنوں کی گفتگو تمام ہو گئی اب بعد کا قصہ بیان نہیں فرمایا کہ قوم ایمان لائے یا نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ لائے اور ان جملوں میں کفار کہہ کر تفریض ہے۔

وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِينَهُمْ مَّاءً غَدَقًا ۖ لِنَفْتَنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۖ وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۖ وَآتَتْهُ لَنَّا قَامَرَعَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۭ

اور یہ بھی (میری طرف وحی کیا گیا) کہ اگر وہ (اہل مکہ) سیدھے رست پر چلتے تو ہم ان کو پانی کی ریل جیل سے سیراب کر دیتے تاکہ اس (ارزانی) میں ان کا امتحان کریں اور جس نے اپنے رب کی یاد سے منہ موڑا تو وہ اس کو سخت عذاب میں پھنسا دے گا اور یہ بھی وحی کیا گیا کہ سجدہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ اور یہ بھی کہ جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کو پکارنے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر ہنکھا کرنے لگتے ہیں۔

ترکیب: وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا قراء الجہور بکسر الواو من اول الاستقامۃ الساکنین وقرئی تشبیہا بواو الضمیر۔ وهذا معطوف علی جملۃ انہ استمع فیکون من جملۃ الموحی الیہ ولیس من قول الجن والتقدیر وادی الی انہ استمع وان لو استقاموا فیکون هذا هو النوع الثانی مما وادی الیہ وان مخففة من الثقیلة واسمہ ضمیر الشان محذوف ای انہ والشرط والجزاء الجملة خبر ان یسلکہ مجزوم علی انہ جواب الشرط ای من یمضی ینسلکہ ای یدخلہ یقال سلکہ واسلکہ وقیل الجار محذوف ای فی عذاب۔ والصعد مصدر یقال صعدا وصعودا وصف بہ العذاب لانه یصعد طاقۃ المعذب ای یعلوہ ویغلبہ وان المساجد معطوف علی ان لو استقاموا اسم جملۃ الموحی الیہ وهو النوع الثالث والمساجد علی قول الاکثرین الموضع الی بیت الصلوۃ وذكر

اس لیے کہ جن جنوں کو تم پوجتے مانتے ہو جب ان کا یہ حال اور یہ مقال ہے تو تم ان کے گھمنڈ اور بے جازدوں پر کیوں تکیہ کر کے گمراہی میں پڑے ہو اور ان کو پکارتے ہو اور بغیر ہر ایمان نہیں لاتے، تو حید کا لباس نہیں پہنتے ۱۲۷

اللہ ویدخل فیہا الکائنات والنج والبعج ومساجد المسلمین وقال الحسن الباق کلھا وقیل الجوارح والأعضاء التي یسجد علیہا العبد وہی القدمان والرجلان والیدان والجمجمة والانف فعل هذا جمع مسجد بکسر الجیم وهو موضع السجود وقال الحسن ایضا المساجدھی الصلوات فعلی هذا جمع مسجد بفتح الجیم مصدر بمعنی السجود وانه لما قام معطوف علی وان المساجد هموا النوع الرابع من الموحی الیہ یدعوہ الجملة حال من فاعل قام ای قام موحداً للہ کادوا الجملة جواب لما لیداً جمع لبدۃ وهو متلبد بعضہ علی بعض وازوجہ بعضہ علی بعض ومنہ السجود والاتی تقرش ویقال لبدۃ الاسد لایتلبد من الشربین کفیه وقری لبداً بضم اللام وقری لبداً بفتح اللام والباء جمع لبد کصبر فی صبور۔ (کبیر)

تفسیر : جنوں کا کلام نقل کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تھا تین اور باتیں ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں سے کہہ دے کہ جس طرح مجھے جنوں کا کلام وحی کے طور پر بتلایا گیا یہ باتیں اور بھی وحی کی گئیں از انجملہ یہ کہ (۱) وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ مَاءً غَدَقًا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا کہ اگر لوگ سیدھے رستہ پر قائم رہیں تو ہم ان کو بہت پانی پلائیں یعنی مال واولاد، کھیتی باڑی، تندرستی، عافیت عطا کریں۔ (اس کو ماء غدا سے تعبیر کرنا عرب کا محاورہ ہے) اور جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا ہم سے توڑ کر شیاطین سے جوڑے گا تو ہم اس کو سخت عذاب میں داخل کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ جن و انس اطاعت الہی اور نیک چلنی پر مامور ہیں، نیکی کی جزا بدی کی سزا پاتے ہیں۔ پھر ان میں شانِ معبودیت کیا ہے اور ان کی پرستش محض بے جا ہے۔ استقاموا کے جملہ میں بعض مفسرین کہتے ہیں جنوں کی طرف ضمیر پھرتی ہے اس لیے کہ انہیں کا ذکر چلا آتا ہے اور انہیں کی حقیقت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ اے مشرکین! تمہارے معبود خود مامور و محکوم ہیں۔ بعض کہتے ہیں آدمیوں کی طرف کس لیے کہ اہل کداس وقت سات برس کے قحط میں مبتلا تھے پانی اور زرعی کی تنگی سے جان لیوں پر آرہی تھی۔ ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ تمہاری بت پرستی اور جنوں سے مدد مانگنے اور بدکاری کا نتیجہ بد ہے اگر تم راستی اختیار کرتے اور ہمارے آگے جھکتے تو ہم تم کو بہت پانی پلاتے اور ارزانی کرتے لیکن یہ بھی تمہاری آزمائش کے لیے کہ شکر یہ کرو نہ کہ اتراؤ، سرکشی کرو۔

رتج بن انس اور زید بن اسلم اور ابن کيسان وغیرہ کہتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار اگر اپنے اس طریقہ کفر پر رہتے جس پر کہ ہیں اور سب کفار ہوتے تو ان کی آزمائش کے لیے دنیا میں ان کو فراغت دیتا اور پھر آخرت میں عذاب دیتا اور دلیل ان کی یہ آیت ہے۔ فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شيء وقوله لولا ان يكون الناس امة واحدة لعجلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفا من فضة الآية اور لنفتنهم فيه قرینہ ہے۔ تیسری بات جو وحی کی گئی ہے وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا کہ سب عبادت گاہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان کے سوا ان میں اور کوئی پکارے جانے، عبادت کیے جانے کا مستحق نہیں، اسی کو پکارو۔ مساجد کے کئی معنی ہیں ایک تو مسجدیں عبادت گاہیں، گر جا کنیہ مسجد اہل اسلام سب کو شامل ہے یعنی دنیا میں کوئی عبادت خانہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ (۲) سعید بن جبیر کہتے ہیں جنوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ کس طرح سے مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوا کریں حالانکہ ہم دور دراز رہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر جگہ اس کے لیے عبادت ہو سکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تمام زمین میرے لیے عبادت گاہ بنائی گئی کسی خاص جگہ پر منحصر نہیں۔ (۳) سعید بن المسیب کہتے ہیں مساجد سے مراد وہ اعضا جو سجدے میں کام آتے ہیں، ہاتھ پاؤں، پیشانی، گھٹنے، ناک۔ کہ یہ نعمت الہی ہیں اور کے لیے نہ جھکنے چاہئیں۔ (۴) بعضے کہتے ہیں مساجد سے مراد سجدے ہیں کہ سجدہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لیے ہیں اور کام وہاں نہ ہونے چاہئیں جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گم شدہ چیز کو ڈھونڈنے آئے تو کہہ دو کہ خدا کرے کہ نہ ملے کس لیے کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ہر ایک معنی آیت میں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

چوتھی بات وَاِنَّهُ لَمَقَامٌ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَاَوْ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا کہ جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس پر اژدھام کر لیتے ہیں۔ کون اژدھام کر لیتے ہیں اور کس لیے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کفار مکہ جب آپ کو اللہ کی عبادت کرتے اور اسی کو پکارتے دیکھتے تو گرد گرد جمع ہو کر تسخیر کرتے تھے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی سے کفار کو سنواتا ہے کہ یہ کیسی بات ہے اوروں کی عبادت کرنے والے پر تو یہ اژدھام اور تسخیر نہ ہو اور ہماری عبادت کرنے والے کے لیے یہ ہو یہ بہت نازیبا اور ناحق شناسی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ جب ہمارا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پکارنے قرآن سنانے جنوں کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کے لیے ہر طرف سے آکر اژدھام کر لیتے ہیں جیسا اس رات کو ہوا کہ جس رات آپ مکہ سے باہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر جنوں کو قرآن سکھانے گئے تھے مگر اے قریش مکہ! تم پر افسوس ہے کہ تم قرآن سننے سے بھاگتے ہو۔ لہذا کہ جبہور بکسر اللام وفتح الباء پڑھتے ہیں۔ لہذا اور بعض نے لام کے ضمہ اور بائے کے فتح سے پڑھا ہے۔ لہذا اور بضم ب ولام وتشدید بائے مفتوحہ بھی پڑھا ہے۔ پہلی قرآن پروہی معنی ہیں اور دوسری پر لہد کے معنی بہت کے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اہلکت مالا لہدا کہ بہت ہو جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جماعتوں کے کہ جماعت پر جماعت آکر گھیرتی ہیں۔

قُلْ اِسْمًا اَدْعُو رَبِّي وَلَا اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّي لَا اَمْلِكُ لَكُمْ
صَرَآۤا وَلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّي لَنْ يُجَيِّرَنِي مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَلَنْ اَجِدَ
مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلَتِهٖ ۚ وَمَنْ يَّعِصِ
اللّٰهَ وَرِسُوْلَهٗ فَاِنَّ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۝

کہدو میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا کہدو نہ میرے ہاتھ تمہاری برائی ہے اور نہ راہ پر لانا۔ کہدو مجھ کو میرے اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا پناہ ملے گی۔ مگر اللہ کا پیغام اور اس کا حکم پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ سدا رہا کریں گے۔

ترکیب : قُلْ قراء العامة علی الغیبة ای قال حملوا ذلک علی ان القوم لما قالوا ذلک اجابهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقوله انما ادعوا ربی فحی اللہ ذلک عنہ بقوله قال او یکون ذاک من مقولات الجن وقرء عام وحرز قل بصیغۃ الامر لیکون موافقا لما بعدہ وبقوله قل انی لا املک وهو الاظهر والاقوی ملتحد ا ملجا وحرز بمثل السرب الذائب فی الارض فی القاموس الحد الیہ مال و فی المصباح الملتحد بالفتح اسم الموضع وهو المسجاء۔ الا بلاغاً قال الفراء استثناء من قوله لا املک فان التبلیغ ارشاد وافتاح وقوله قل انی لن یجیرنی الخ جملة معترضة وقعت فی البین لتاکید فی الاستطاعة عنہ و بیان عجز و قیل الا هنا لیست کلمة الاستثناء بل معناہ ان لا ومعناہ ان لا ابلغ بلا عالم اجد من دونه ملتحد انفا قبلہ دلیل الجواب ای کلام بدل بلی جواب الشرط علی هذا من اللہ لیس صلیۃ للتبلیغ لان صلیۃ یکون بعن کقولہ علیہ السلام بلغوا عنی ولو آتی۔ انما صی بمنزلة من فی قوله براءة من اللہ ومعناہ بلاغا کا تا من اللہ ورسالة عطف علی بلاغا کا نہ قال لا املک لکم الا التبلیغ والرسالات خالعیین حال من ضمیر من و الجمع لرعاية معنی من والمعنی یدخلونها مقدارا خلودهم۔

تفسیر : کفار مکہ جب آپ کے ارد گرد (قرآن پڑھنے اور خالص اللہ کو پکارنے میں) جگہ جگہ کرتے تھے تو یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد

(ﷺ) ! تو اس بات سے باز آ اور ہمارے الہ کی ہجو نہ کر نہ ان کی پرستش سے منہ موڑ۔ وہ نفع و ضرر کے مالک ہیں پھر آپ میں بھی یہ بات ہے؟ اور ہمارے معبود آپ کو مصائب سے پناہ دیں گے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قل ان کافروں سے کہہ دے انما ادعوا ربی میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور آئندہ بھی اسی کو پکاروں گا۔ ولا اشرک بہ احد ا اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کروں گا۔ تمہارے معبود خواہ روحانیات ملائکہ ہوں یا جن ہوں خواہ اس کے برگزیدہ لوگ ہوں خواہ ستارے ہوں خواہ خیالی چیزیں ہوں خواہ پتھروں کے تراشیدہ بت ہوں خواہ عناصر و نباتات و حیوانات ہوں کسی کو بھی اس کی خدائی میں کچھ بھی دخل نہیں۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ اس کے حکم بغیر نفع و ضرر دے سکتا ہے۔ میں باوجودیکہ نبی مرسل ہوں اور مرا تپ قریب میں اس نے میرے لیے اعلیٰ مرتبہ تجویز کیا ہے مگر میں بھی تمہارے ضرر یعنی گمراہی اور رہنمائی کا مالک نہیں کہ جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور باتوں کا تو کیا ذکر ہے۔ ہاں میرے سبب سے وہ خود جس کو چاہتا ہے گمراہی اور ہدایت دیتا ہے اور اسی لیے دنیا میں مجھے بھیجا ہے اور یہ بھی کہہ دے قُلْ اِنِّیْ کُنْ بِیْحِیْرٍ نِّیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو خود مجھے اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر تمہارے معبود تو کیا پناہ دیں گے جن کے بھر دوسا پر تم گمراہی میں پڑے ہو۔ الغرض میں بھی بشر ہوں اور جمیع مخلوقات خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اس کی ذات و صفات اور قدرت والوہیت میں شریک نہیں میں اور جس قدر دنیا میں ہدایت کے لیے اس نے رسول بھیجے ہیں کسی چیز کے مالک نہیں کئے گئے الا بلا غامض اللہ و رسالاتہ مگر اللہ کے پیغام و احکام پہنچانے کے لیے۔ ہاں یہ اختیار ان کو دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبوت تبلیغ من اللہ ہے الوہیت میں نبی کو کوئی شرکت نہیں اس کی ذات پاک سب سے ممتاز ہے۔ بعض مفسرین نے اَلْبَلَاغَاوُ مُلْتَحَدًا کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اگر میں حکم پہنچانے میں کوئی کمی کروں تو مجھے اس کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ نہ ملے گی۔ پھر احکام پہنچانے کے بعد جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کفر و بت پرستی سے باز نہ آئے گا ابدًا جہنم میں جلے گا۔

حَتّٰی اِذَا رَاوَمَا یُوعَدُوْنَ فَیَسْئَلُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَاقِلٌ
عَدَدًا ۝۳۷ قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقْرَبُ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْ
اَمَدًا ۝۳۸ عَلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا ۝۳۹ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی
مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا ۝۴۰
لَّیَعْلَمَنَّ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَتِ رَبِّہُمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْہُمْ وَاَحْصٰی
کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۝۴۱

یہاں تک کہ جب تک وہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تب بہت جلد معلوم کر لیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے اور کتنی میں کم ہے؟ تو کہہ دو کہ مجھے خبر نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرا رب کوئی مدت ٹھہراتا ہے۔ وہ غیب جاننے والا ہے اپنے غیب کی باتوں پر کسی کو واقف نہیں کیا کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو پھر اس کے آگے اور پیچھے پاسان مقرر کر دیتا ہے (کہ شیطان آمیزش نہ کرنے پائے) تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ نے تمام کاموں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور ہر چیز کی کتنی رکھی ہے۔

فائدہ: خدا تعالیٰ کو ہر بات معلوم ہے مگر شے کے ظہور کے بعد جو علم کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے علم تفصیلی مراد ہوتا ہے جو بعد وجود اشیاء ہوتا ہے یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے اللہ کے پیغام بحفاظت پہنچائے ہیں (سعید بن جبیر)۔ یا یہ معنی کہ رسولوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے احکام و پیغام پہنچا دیے۔ اس تقدیر پر یہ علم کا فاعل اللہ، یا محمد یا رسل ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل کل واحد و ایلئس وجن بھی ہو سکتا ہے تاکہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے یا ایلئس کو معلوم ہو جائے یا جنوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے وہ غیب بحفاظت پہنچا دیا۔ اور ابلفوا کا فاعل ان چھ صورتوں میں فرشتے ہیں۔ اب ان چھ صورتوں میں ابلفوا کا فاعل رسولوں کو قرار دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ کا پیغام جو ان کے پاس خزانہ غیب سے آئے تھے اور ان میں کچھ چوری نہیں ہوئی تھی بحفاظت لوگوں کو پہنچایا ہے یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ اگلے رسولوں نے جو اللہ کے احکام و پیغام پہنچائے وہ ٹھیک ٹھیک پہنچائے یا لوگوں کو معلوم ہو قس علی ہذا۔ یہ بارہ احتمال ہیں ہر ایک کی طرف ایک نہ ایک مفسر گیا ہے لیکن اول اقویٰ ہے۔

علم غیب کی تحقیق اور اس کے اقسام: اس کے بعد فرماتا ہے کہ فرشتوں کی چوکی معین کرنا اور بحفاظت اس غیب کا رسولوں تک پہنچانا ایک عادت اللہ کے موافق ہے ورنہ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اس کے احاطہ علمی میں ہے جو کچھ بندوں کے پاس ہے کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی کیسا علم وَاَحْصٰی کُلَّ شَيْءٍ عِنْدَہُ اس نے ہر ایک چیز کو گن رکھا ہے۔ دریا کے قطرے، ریگستان کے ذرے، درختوں کے پتے، ہر ایک کی گنتی اور تعداد اس کو معلوم ہے۔ یہ کمال احاطہ علمی کی علامت ہے۔

فائدہ: غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں۔ اب یہ پوشیدگی کئی قسم کی ہے۔

قسم اول: اضافی کہ ایک چیز ہمارے سامنے ہے اور جو کوس دو کوس دور ہے اس سے غائب اور غیب ہے یہاں تک کہ عالم ناسوت کی جمیع چیزیں اگر ایک سے غیب میں ہیں تو دوسرے کے نزدیک موجود ہیں۔ کیا اس قسم کا غیب بھی خاصہ خدا ہے؟ عقل صافی فوراً کہہ دے گی کہ ہرگز نہیں کس لیے کہ یہ غیب مطلق مگر من وجہ مشہود ہے اس کو ایک جانتا ہے تو دوسرا نہیں جانتا۔ جن اکثر اسی قسم کے غیب کو کاکاہنوں سے بیان کر دیتے تھے اور اب بھی بیان کر دیں تو کچھ بات نہیں۔

قسم دوم: عالم ناسوتی سے غیب یعنی عالم مثالی کی چیزیں عام ہے کہ ابھی اس عالم میں نہیں آئی ہیں بلکہ آنے والی ہیں یا اگر چلی گئی ہیں نہ اب وہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں نہ ان کانوں سے سنی جاسکتی ہیں نہ ان ہاتھوں سے ٹوٹی جاسکتی ہیں نہ ناک سے سونگھی جاسکتی ہیں نہ زبان سے چکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کا غیب اول غیب سے بلند ہے مگر یہ بھی غیب مطلق نہیں جس کو غیب الغیب کہتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں عالم ملکوت کے لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی روح خواب میں جبکہ اس کو کشف جسمانی سے نورانیت حاصل ہوتی ہے تو ان چیزوں میں سے بعض بالکل کو دریافت کر لیتی ہے اور اسی طرح اہل کشف صادق بحالت بیداری اپنی روحانی تجلی میں دریافت کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حدیث کوف ہے جس میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اس عالم غیب کی چیزیں دکھائی گئیں اور اس لیے اشرافی اور اہل ریاضت بھی کبھی کبھی بعض چیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور کاکاہن اور رمال و جہار اور نجومی بھی کبھی کبھی اپنے قواعد سے کچھ اڑتی ہوئی بات معلوم کر کے اپنی قوت متوہمہ سے ایک قالب میں ڈھالتے ہیں مگر خود ان قواعد کی غلطی یا ان سے استنباط کی لغزش اور اسی طرح خواب مکاشفہ میں قوت و ہمیہ کی آمیزش اس علمی مرتبہ کو ظن کے مرتبے میں کر دیتی

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیب کی باتوں کو جو بذریعہ الہام و وحی آپ کو خدا پاک نے بتائی تھیں اپنی امت کو بتایا اس لیے بہت سے صحابہ کو آئندہ آنے والے واقعات بتائے جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ پھر ان مغیبات کا انھار رسول پر نہ ہوا بلکہ افراد امت میں بھی اس سے مطلع ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو علم تصدیق نبوت سے حاصل ہوا۔ یہ علم استدلالی ہے نہ کہ غیب پر مطلع ہونے سے اس لیے انھار صحیح ہوا کہ اذقیل ۱۲۷

ہے یعنی بجز کھف انبیاء علیہم السلام کے اور جس قدر طریقے ہیں علی قدر اور مراتب ان میں غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اس لیے ان کے جاننے کو علم بمعنی یقینی نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کا غیب بھی اس کی طرف سے خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے جس کی یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ آگے اور پیچھے ملائکہ کا پہرہ رہتا ہے تاکہ شیاطین اور قوت فکریہ و قوت وہمیہ و خیالیہ آگے سے اور عادات و طبائع سامنے سے اس میں کچھ بھی دست اندازی نہ کر سکیں اور بعد کی چوکی سے علوم مخزونہ عادات و اخلاق متروکہ اس میں آمیزش کرنے نہیں پاتے۔ رمالوں جھاروں، نجومیوں، کاہنوں وغیرہ کے غیب میں تو ہزاروں من کوڑا کرکٹ ہوتا ہے اور حضرات اولیاء کرام کے مکاشفات میں بھی یہ محافظت نہیں ہوتی۔ تو اے متوہمہ و متخیلہ کی آمیزش سے امن نہیں اس لیے ان کو بھی آخر الامر کتاب و سنت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جو اقسام وحی کے ہیں اور اسی لیے اور مکلفین کو بھی ان کے الہامات کا پابند نہیں کیا گیا اور نہ وہ الہامات حجت قاطعہ ٹھہرائے گئے۔ یہ بات خاص الہام انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے کہ جن کے حاصل ہونے سے پہلے بھی حفاظت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت ان کے قوی کو معطل کر دیا جاتا ہے اور بعد میں بھی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب ہی کے پیغام و احکام پہنچائے اس میں کچھ آمیزش اور کی زیادتی تبدیل و تغیر نہیں ہوئی۔

قسم سوم : تیسری قسم غیب الغیب اور غیب مطلق جس کو حق سبحانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جن کے جاننے کی کسی ممکن میں قدرت ہی نہیں اور یہ ایک بے انتہا غیب ہے۔ لایعلمہ الاہو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کو ملائکہ مقربین و حاملان عرش جان تو سکتے ہیں مگر نہیں بتلائی جاتیں اور بعض ایسی ہیں کہ کبھی کبھی بتلائی بھی جاتی ہیں اور جب بتلائی جاتی ہیں تو عالم ملکوت میں ایک ہیبت اور دہشت ہوتی ہے جس سے مقربین ماتحت کے ملائکہ سے پوچھتے ہیں۔ اور علی غیبہ میں اضافت اسی غیب کی طرف اشارہ ہے نہ غیب من وجہ کی طرف۔

فائدہ: مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ سے کیا سب رسول مراد ہیں؟ جمہور اسی کے قائل ہیں کس لیے کہ من رسول میں من بیان یہ ہے نہ جعفیہ پھر کیا اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص مراد ہیں یا ملائکہ بھی؟ جمہور کے نزدیک ملائکہ بھی رسول ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں اور ان کو اور ملائکہ پر فوقیت ہے۔ معززہ اس سے ابطال کرامات اولیاء اللہ پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ کسی آئندہ آنے والے واقعہ کی خبر بطور پیشین گوئی نہیں دے سکتے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے کس لیے کہ غیب یعنی اپنے غیب پر بجز رسول کے اور کسی کو مطلع نہیں کرتا اس طرح سے کہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ واقع نہ ہو اور اسی کو اظہار غیب کہتے ہیں۔ اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ قسم اول و دوم کے بعض غیب کا بطریق ظن کسی پر اظہار کیا جائے جس کو اظہار غیب کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ غیب سے مراد صرف قیامت کی خبر لیتے ہیں اس اعتراض سے اور ان شبہات سے بچنے کے لیے کہ بعض غیب کا من اور اہل خواب بھی جانتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
يَا أَيُّهَا الْمَرْمَلُ ۝ قِمِ الْبَيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ تَصِفُهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝
أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ
نَاشِئَةَ الْبَيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا ۝

وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ

إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝

اے چادر اوڑھنے والے! رات کو اٹھا کر دو (تمام رات) بلکہ کم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیا کرو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیا کرو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم مغربی آپ پر ایک بھاری بات کا بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے۔ اور بات کرنے (یعنی دعا) میں یہی مناسب تر ہے بے شک دن میں آپ کے لیے بڑے مشغلے رہتے ہیں اور اپنے رب کا نام لیا کرو اور رب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آ رہو (کیونکہ) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں پھر اسی کو کارساز بنا رکھو۔

ترکیب : المزمّل اصل المزمّل اذغمت التاء فی الزاء والتزلز التلّف فی الثوب الا قليلا هو استثناء من الليل ای صل الليل كله الا لیسیرا منه وما دون النصف القلیل والمراد به هنا الثلث نصفه فی انتصابه وجہان (الاول) هو بدل من الليل بدل البعض الا قليلا استثناء من النصف (والثانی) هو بدل من قليلا وقلته بالنظر الی الکمل وهذا القوی والضمیر فی منه وعلیه يرجع ای النصف ہی اشد الخ خبر ان وطأ وتمیز من اشد۔ بکسر الواو بمعنی مواطاة یفتحها هو اسم المصدر واقوم معطوف علی اشد قليلا بمعنی قولاً تمیز منه سبباً شغلاً وتصرفاً اسم ان لك فی النهار خبر هارب المشرق بالجری علی البدل وبالنصب باضمارا معنی اذ یفعل یفسر فاتخذہ وبالرفع علی انه خبر مبتدء محذوف ای هو او مبتدء خبره لا اله الا هو۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی اور ابن مردویہ وغیر محدثین نے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔

شان نزول : اس کی شان نزول میں بزار و طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے دلائل میں یوں نقل کیا ہے کہ دار الندوہ میں قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے اس کا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام تجویز کرو کہ لوگوں کو روکا جائے۔ بعض نے کہا کا بن، بعض نے کہا کا بن نہیں مجنوں کہو، بعض نے کہا یہ مجنوں نہیں اس کو ساحر کہو، بعض نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں۔ اس کے بعد قریش اٹھ گئے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ غمگین ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس میں جبریل علیہ السلام آئے اور کہا۔ یٰذَا الْمَوْمِلُ یٰذَا الْمُدْمِرُ کہ اے جھرمٹی مارے ہوئے کھڑا ہو رات کو نماز پڑھا کر ان کی باتوں سے رنج نہ کر ہم سمجھ لیں گے، ذرا مہلت دے ہمارے پاس ان کے لیے عذاب الیم تیار ہے۔ ان سے منہ موڑ اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو اور اسی کو اپنا کارساز بنا۔

رابط : ربط اس سورہ کا سورہ جن سے یہ ہے کہ سورہ جن میں بتلایا گیا تھا کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، وہی جس قدر چاہتا ہے اپنے رسول کو عطا کرتا ہے اب اس سورہ مزمل میں اپنے رسول کو علم غیب حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کرنا سکھایا۔ وہ کیا رات میں حق سبحانہ کی عبادت کرنا جس میں انسانوں سے غائب ہو کر باطمینان قلبی بلا شور و شغب پورا پورا متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے کس لیے کہ جس نے جو کچھ پایا شب بیداری میں پایا، زبانی لاف زنی اس راہ میں کارآمد نہیں۔ (۲) اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جن آدمیوں سے غائب ہیں پھر قرآن سن کر ہدایت پر آگئے، عبادت کرنے لگے۔ آپ ان کے رسول اور ہادی ہیں، آپ کو بھی رات میں عبادت کرنا چاہیے کہ اس وقت آدمی حاضر نہیں ہوتے اور ان سے غیبت حاصل ہوتی ہے تاکہ عالم غیب آپ پر منکشف ہو اور (۳) قرآن شب میں پڑھنے کا حکم دیا تاکہ دن میں لوگ فیضیاب ہوتے ہیں تو شب میں جن وغیرہ عالم غیب کے لوگ بہرہ ور ہوں کس لیے کہ آپ نبی الثقلین ہیں ظہور کا

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بواشوق تھا مگر خدا پاک جسم کی محافظت رکھنے کے لیے آپ کو تمام رات کے جاگنے سے روکتا ہے۔ ۱۲۔ منہ

۲۔ قریش کے مشورہ کرنے کا مکان یا چوپال۔ ۱۲۔ منہ

وقت جودن ہے عالم ظہور کے لوگوں کے لیے یعنی آدمی کے لیے اور مخفی لوگوں کے لیے مخفی شب کا وقت دیا گیا۔ (۴) اور یہ بھی ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار دن میں آپ پر پورش کرتے تھے جیسا کہ فرمایا تھا۔ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِيَدًّا۔ اس لیے مشغولی بحق کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا جس میں عبادت و تلاوت کی حلاوت بخوبی حاصل ہو سکے اور لوگوں کے شور و شغب سے انتشار و خاطر خاطر نہ ہو۔ اس کے سوا مضامین والفاظ میں بہت کچھ مناسبت ہے اور چونکہ سر سورہ پر مزمل کا لفظ تھا اس لیے اس کا نام سورہ مزمل ہوا۔

مزمل عرب میں اسے کہتے ہیں جو چادرے میں لپٹا ہوا یا چادرہ اوڑھے ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ ہاتھ کا لباس ایک کبل تھا۔ تہجد کی نماز اور تلاوت کے لیے جب اٹھتے تو اسی کو اوڑھ لیتے تھے تاکہ نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں حرج نہ ہو، وضو آسان ہو، ہوا سرد سے محافظت ہو۔ اور نیز اس قسم کی چادر اوڑھنا یا پلیٹ لینا کفن لینے کی طرف اشارہ ہے تاکہ نفس ہر وقت موت سے آگاہ رہے اور رات کی اندھیری قبر کی اندھیری اور دنیا کے عدم کی ظلمت سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کا کپڑا اوڑھتے تھے خصوصاً حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور ہمیشہ سے صلحا کا یہ لباس رہا ہے اور اسی لیے فقراء میں خرقہ پوشی ایک سنت چلی آتی ہے اور یہ لباس اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اوڑھنے والے نے ترک دنیا و عبادت مولیٰ کا التزام کر لیا ہے جیسا کہ وردی سپاہیوں کی علامت ہے۔ اس خرقہ کے لیے سات شرطیں ہیں۔ (۱) شب بیداری و نماز تہجد و تلاوت قرآن، (۲) دن میں اوقات کو یاد دہانی میں مصروف رکھنا۔ (۳) ہمیشہ ذکر کر رہنا۔ (۴) ترک و تجرید، (۵) توکل و اعتماد بر کار سازی خالق، (۶) خلق کی جفا و ظلم پر صبر کرنا، (۷) اہل دنیا کی محبت ترک کرنا اور اس کے ساتھ ان کی خیر خواہی سے بھی غافل نہ رہنا۔ جس میں یہ سات باتیں ہوں اس پر یہ خرقہ زیبا ہے اور اسی لیے اس خرقہ کی شروط بجالانے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کا خطاب عطا ہوا جو بڑا پیارا خطاب ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ادا حضرت حق کو پسند آگئی تھی اس لیے فرماتا ہے يٰ أَيُّهَا الْمَزْمِلُ کہ اسے چادر اوڑھ ہوئے اس چادر پر ریاضت کا حق بجالا۔ تم اہل رات بھر نماز و تلاوت کے لیے قائم اور مستعد و سرگرم رہ۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مزمل کے معنی ظاہری چادر اوڑھنے والے ہی کے نہیں بلکہ مراد ملتزم و ذمہ داری کرنے والے کے ہیں کہ اے نبوت و رسالت کے ذمہ دار اور کمالات ملکوتی کے حامل اور اسی لیے وہ اس لفظ کو تخفیف زائے و دال اور فتح میم مشدہ سے پڑھتے تھے۔ وہ اس کو زمل سے لیتے ہیں جس کے معنی اٹھانے کے ہیں۔ کہتے ہیں زمل ہذا الامرای حملہ۔ قہم اللیل کے معنی پر مفسرین نے متعدد رائیں ظاہر کی ہیں: قول اول: (۱) جمہور کا قول ہے کہ آپ پر اور آپ کی امت پر ابتداء اسلام میں ہجرت نامہ نماز فرض ہونے سے پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی و بیہقی و حاکم وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے اول میں قیام لیل فرض کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب برس دن تک ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے۔ پھر برس دن کے بعد اس سورہ کا اخیر جملہ نازل ہوا۔ (فاقر و اما تیسرا من القرآن) اس سے تخفیف کی گئی اور یہ حکم فرض نہ رہا، نفل رہ گیا۔ یہی مضمون ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی اور طبرانی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ بعض علماء یوں تشریح کرتے ہیں کہ اول اس حکم میں اس طور سے تخفیف کی گئی کہ قہم اللیل کے بعد اِلَّا قَلِيلًا فرمایا جس سے آپ رات بھر میں کچھ کچھ ٹھہر جاتے اور آرام لیتے تھے مگر یہ حکم ایک برس تک رہا۔ پھر نصفہ فرمایا تمام رات کی جگہ پچھلی آدمی رات کی عبادت فرض رہ گئی مگر گھڑی گھنٹے نہ تھے ٹھیک آدمی رات کا اندازہ مشکل تھا اور اس کے علاوہ ایک طرح کی مقید پابندی بھی تھی اس لیے اَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ فرمایا گیا کہ نصف شب پر کچھ موقوف نہیں اس سے کم زیادہ کرنے کا تمہاری حالت صحت و مرض خواب و بیداری فرط شوق وغیرہ پر منحول ہے مگر آدمی آدمی سے بالکل ہی کم نہ ہو بلکہ کسی قدر بہر حال تہائی رات جاگنا عبادت کرنا ضرور ہے اس میں سردی گرمی کی راتوں کے لحاظ سے بھی ایک

تخفیف ہے۔ پھر اس رات میں کیا کرو؟ آپ ہی بتلاتا ہے وَدَقِلَ الْقُرْآنُ تَرْتِيلًا کہ نماز میں قرآن پڑھو عمدہ طور سے۔ ترتیل کے معنی ہیں اچھی طرح سے پڑھنا۔ اس طرح سے پڑھنے سے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور جلد جلد پڑھنا گھاس کاٹنا ہے۔ (ان جملوں کی اور اس کے بعد کے جملوں کی ہم بعد میں شرح کریں گے)۔ اس کے بعد فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُومُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثِی الْلَّیْلِ الخ کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور نصف شب کے قریب اور تہائی کے قریب اٹھتا ہے اور تیرے ساتھ تیرے اصحاب کا ایک گروہ بھی اٹھتا ہے۔ رات کا اندازہ تم ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتے اور رات دن کا اندازہ اللہ ہی کرتا ہے ابر بادل وغیرہ اسباب سے دو ٹکٹ اور نصف کا اندازہ مشکل تھا اس لیے اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری حالت مرض و سفر پر بھی نظر کر کے یہ حکم دے دیا کہ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ جس قدر تم سے ہو سکے نماز میں قرآن پڑھ لیا کرو۔ یہ اخیر رکوع کا خلاصہ ہے اس سے دو ٹکٹ اور نصف اور ٹکٹ رات کی قید بھی اٹھ گئی جس قدر نشاط و خاطر سے ہو سکے پھر اس کے بعد بخکا نہ نمازیں فرض ہوئیں جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے وَاقْبُوا الصَّلٰوةَ الخ امت پر تہجد کی نماز جس کی بارہ رکعت سے لے کر چھ تک (موقع اور فرصت و حالت صحت و مرض کے لحاظ سے) ہیں سنت رہ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدستور فرض رہی مگر یہ تخفیف ہو گئی کہ تمام رات یا دو ٹکٹ یا ٹکٹ کی قید باقی نہ رہی اور اخیر عمر تک آپ تہجد کی نماز پڑھتے رہے اور صحابہ کرام بھی کرتے رہے اور صالحین امت کا یہی دستور اور طریق ہو گیا۔ قول دوم: بعض علماء کہتے ہیں شب بیداری نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب و فرض تھی نہ امت پر بلکہ امر ندب کے لیے ہے کہ بہتر ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے فَتَهَجَّدْ بِہِ نَافِلَةً لَّكَ کہ نماز تہجد پڑھ جو تیرے لیے نفل ہے خلاصہ مطلب یہ کہ آپ کو آدھی رات اور اس سے کم ٹکٹ رات اور زائد از نصف کا اختیار دیا تھا کہ اس میں سے جس قدر چاہو شب بیداری کرو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول عرصہ تک شب بیداری نصف رات سے زائد کی جو قَوْمُ الْاَیْلِ اِلَّا قَلِیْلًا کا مصداق ہے پھر نصف شب تک پھر کبھی دو ٹکٹ کبھی ایک ٹکٹ رات تک جیسا کہ نِصْفُہُ اَوْ اَنْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ سے سمجھا جاتا ہے اور دلیل اس پر اخیر رکوع ہے جس میں فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ الخ کہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ والے دو ٹکٹ اور نصف اور ایک ٹکٹ رات میں اٹھتے اور شب بیداری کرتے ہیں۔ اگر اَوْ اَنْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ کے یہی معنی نہ تھے تو آپ دو ٹکٹ اور نصف اور ٹکٹ رات میں کیوں اٹھتے اور کہاں سے یہ بات پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس دو ٹکٹ و نصف و ٹکٹ کی قید بھی جو آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام نے اپنے لیے نفل کے طور پر رکھی تھی اٹھ گئی اور تہجد گزاروں کے شوق اور فرصت پر چھوڑ دیا۔

ترتیل کے معنی : وَدَقِلَ الْقُرْآنُ تَرْتِيلًا مبرد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں ثغر رتل جبکہ دانت گنجان نہ ہوں بلکہ جدے جدے ہوں اور کلام مرتل اس کلام کو کہتے ہیں جو با ترتیب ہو اور جس کے جملے الگ الگ ہوں۔ قرآن کی ترتیل اس کے حروف و کلمات کا بخارج سے ادا کرنا اور جلدی نہ کرنا اور حرکات و وقوف کو ایسی طرح سے ادا کرنا کہ سننے والا اگر گننا چاہے تو گن سکے۔ یہ تدبر و تفکر کے لیے ہے کہ مطالب و معانی پر خوب نظر رہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یعلیٰ بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا حال دریافت کیا۔ فرمایا تم آپ کی نماز کیا پوچھتے ہو یہ آپ کی قرأت بتلائی ایک ایک حرف جدا کر کے (اخرجہ النسائی)۔ اسی طرح بخاری و ترمذی وغیرہ محدثین نے روایات نقل کی ہیں۔ شعر کے طور سے پڑھتے تھے اور جلد جلد پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جس سے دلوں کو حرکت ہو اس طرح سے پڑھو۔

فوائد تلاوت قرآن : یہ پڑھنا بظاہر ہر نماز تہجد میں ہے اگر نماز سے فارغ ہو کر یوں بھی کوئی قرآن مجید پچھلی رات پڑھتا ہے تو عجب نور و سرور روحانی پیدا ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الفاظ قرآنی اس کے معانی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی مدتوں کلام نفسی کا مرتبہ علم الہی میں حاصل کر چکے ہیں پھر جب وہ معانی ان الفاظ سے کہ جن میں الوہیت و تقدس کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور اس عطر حقیقی سے معطر ہو

چکے ہیں کان کے رستہ سے دل تک پہنچتے ہیں تو پڑھنے والے کی روح پر وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور کچھ کلام الہی پر منحصر نہیں جس کلام کو بار بار پڑھا جائے اور اس کے معانی کا ذہن علی الدوام ملاحظہ کرے گا مشکلم کی صفت اور اس کا رنگ اس کے اندر نمودار ہوگا۔ مثنوی شریف اور بزرگوں کے ملفوظات کو دیکھئے اور اسی طرح برے کلاموں کو قیاس کر لیجئے۔ عشق و حسن اور فواحش کے افسانے اور عیاروں بد معاشوں کی داستانیں ان کے پڑھنے والوں بلکہ سننے والوں پر ایسا ہی رنگ پیدا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے انوار روحانیہ اور قرب حق میسر آتا ہے اور بندہ کے تمام مدارکات و مشاعر کو انوار قرب الہی مد کر لیتے ہیں اور صفات الہی بندہ کی صفات پر اور اس کے افعال اس کے افعال پر غالب آ جاتے ہیں اور یہی دونو مدنی ہے خصوصاً جبکہ اس استحضار و التفات کا دوام ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ قرأت قرآن اور اس میں غور و تدبر کے تین مرتبے ہیں۔ اول یہ کہ ہر خطاب و قصہ میں اپنے آپ کو مخاطب سمجھے۔ دوم یہ کہ بغیر واسطہ اس کلام کو حق سبحانہ سے سنے۔ تیسرا مرتبہ جو اعلیٰ ہے یہ ہے کہ مشکلم کی صفات و افعال کا اس میں مشاہدہ کرے۔

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے کا حکم دینا ان کو علم غیب حاصل کرنے کے لیے تیار کرنا ہے اور وحی کے لیے مشتاق کرنا ہے کس لیے کہ بار بار زبان سے کان تک کلام الہی کا پہنچنا اور کان سے دل تک جانا صدمہ وحی میں تخفیف پیدا کرنے کا باعث ہے۔ یعنی پہلے سے سدھانا ہے کیونکہ نزول وحی کے وقت ارواح ملکئہ مقام متعددہ سے ایک جا مجتمع ہو جاتے تھے اور دفعتاً اس کیفیت روحانیہ کا قلب و جوارح تک پہنچنا حواس و قوائے بشریہ کو ایک سخت صدمہ پہنچاتا تھا یہاں تک کہ آپ پر ایک بیہوشی طاری ہو جاتی تھی اور سرد موسم میں پسینہ آ جاتا تھا اور جذب روح کی حالت ہو جاتی تھی اس لیے بار بار پہلے سے اس کا مشتاق ہو جانا سہولت کا باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے کے حکم کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا کہ ہم ابھی تجھ پر بھاری بات ڈالیں گے جس سے مراد پے در پے قرآن مجید کا نازل ہونا ہے جو آپ پر نہایت گراں ہوتا تھا۔ یہ ابتداء وحی میں تھا پھر آخر میں یہ ثقل جاتا رہا تھا۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ رات کے اٹھنے اور قرآن کے پڑھنے کا آپ کو اس لیے حکم دیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے یعنی قرآن مجید پہلے سے مراد پے در پے قرآن مجید کے اعتبار نزول کے آپ پر بھی بھاری اور عمل کرنے اور عادت و رسوم کفر چھوڑنے کے لحاظ سے کفار و مشرکین پر بھاری ہے اور خود قرآن بھی ایک وزنی اور گراں بہا ہے۔ اپنی بلاغت اور جمیع وجوہ اعجاز اور تعلیم مکارم اخلاق کے لحاظ سے اور اس سبب سے کیا اس کے لیے ظہر و بطن ہے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔ نفس امارہ کی شرارتیں توڑنے میں بے نظیر ہے وغیرہ وغیرہ بہت سی خوبیاں اس میں جمع ہیں جس کا مثل بنانا بشر سے ممکن نہیں۔ پس آپ پہلے سے مستعد رہیں اور عبادت و ذکر سے نفس کو اشراق جلال الہی کے لیے تیار رکھیں۔ قول ثقیل کے معنی: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قول ثقیل سے مراد کلمہ توحید ہے جس نے دنیا میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور جس پر ہر طرف سے مار دھاڑ ہوئی اور خویش و اقارب تک لڑنے کو تیار ہو گئے اور پھر تکلیف کا کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا۔ بعض کہتے ہیں قول ثقیل و اندر عشیرتک الاقربین ہے یعنی اقارب تمام بنی آدم کے لیے دین حق کی منادی کرنا۔ جس سے بھاری اور کوئی بات کیا ہوگی؟ تمام عالم کے سدھارنے کا بیڑا اٹھانا اس حالت میں کہ دنیا ہلاکت کے عین گڑھے میں گر پڑی ہو اور جہالت کی کالی گھاٹوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہو بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام صرف بنی اسرائیل کے سدھارنے کے لیے آئے تھے اور انہیں کے ہم قوم اور ہم زبان بھی تھے۔ پھر ان پر مصائب کے جس قدر پہاڑ توڑے گئے اہل توران پر بھی نہیں چہ جائیکہ ایک شخص تمام جہان کے لیے بھیجا جائے۔

آفریں بر جان پاکت آفریں مر حبا بر روح پاکت مر حبا

اس لیے آپ کو تقریب الہی کی قوت اور انوار سے جو تہجد گزاری و ذکر و تلاوت کے سبب حاصل ہوتے ہیں پہلے سے قوی و مستعد ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کے ساتھ اس کام کے رفقاء کو بھی شریک کیا گیا کہ پہلے سے تیار رہو تم سے بڑا کام لینا ہے۔

دعاء نیم شبیت دفع صدم بلا بکند
دلا بسوز کہ سوز تو کار با بکند

یہ تھوڑے سے دنوں میں تمام جہان میں توحید و حق پرستی و پرہیزگاری کی روشنی پھیل گئی۔ اس اندھیری راتوں کے سوز و فغاں کا اثر ہے۔ اے خدا کے پیارے اس قدر بھاری بوجھ اٹھانے والے! تجھ پر اور تیری پاکباز جماعت پر جنہوں نے خوشی سے اس گرانبار بوجھ کے تلے کندھا دیا اور ذوقی کشمی بنی آدم کھنور سے کھینچ کر کنارہ پر لائے لاکھ لاکھ درد اور کروڑ کروڑ سلام اور جان فدا ہو۔ اے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند ارجمند آپ نے اپنے جد بزرگوار کے کام کو پورا کر دیا۔ آپ کا احسان قیامت تک بنی آدم ادائیں کر سکیں گے۔ علیک صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

فوائد شب خیزی: اس کے بعد رات کے اٹھنے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا کہ رات کا اٹھنا نفس پر سخت ہے اور بات کہنے میں بہت عمدہ وقت ہے (ناشی پیدا ہونے والا کہتے ہیں نشت تنشاء نشاء فی ناشیہ والانشاء الاحداث) ناشیہ اللیل کے دو معنی ہیں۔ (۱) ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ناشیہ اللیل رات کی ساعتوں اور گھڑیوں کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ (۲) جو رات میں پیدا ہوا انسان کا نفس بھی ناشیہ اللیل ہے جو خواب کے بعد گویا دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور قیام لیل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں جب اول رات سو کر اٹھے تو اس کو نشاء کہتے ہیں اور اس سے ناشیہ اللیل ہے اور شب میں جو بیدار ہونے کے بعد روح پر انوار غیبی پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ناشیہ اللیل ہیں۔ الحاصل رات کا اٹھنا بھی ناشیہ اللیل ہے۔ وطلمو جمہور نے بفتح واو سکون ط پڑھا ہے اس کے معنی ثقیل اور سخت کے ہیں بولتے ہیں اشدت علی القوم و طاء السلطان اور اسی معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اللهم اشد وطاک علی مضریہ مطلب کہ رات کا اٹھنا نفس پر گراں ہے اور یہ واقعی بات ہے پچھلی رات کی میٹھی نیند خصوصاً سردی میں جبکہ لحاف میں لپٹا ہوا اور زنان محبوب اور فرزند ان مرغوب بغل میں ہوں اور اسی طرح گرمی کی راتوں میں جبکہ اول رات گرمی کی شدت اور پسوؤں اور چھروؤں کی حدت کے بعد پچھلے کو آنکھ لگی ہوا اٹھنا اور یاد الہی میں مصروف ہونا بڑی جوانمردی کا کام ہے۔

تہجد کے فضائل: اس لیے ان اٹھنے والوں کی مدح خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ تتجافی جنبہہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفاً وطمعاً الخ کہ بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو طمع و خوف میں پکارتے ہیں اور فرماتا ہے۔ یبیتون لربہم سجداً وقیاماً کہ اللہ کے نیک بندے اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔ بعض نے بکسر الواو وفتح الطاء بھی پڑھا ہے اس تقدیر پر اس کے معنی مجاہد و ابن ابی ملیکہ وغیرہ نے موافقت و مطابقت کے لیے ہیں کہ رات کے اٹھنے میں زبان اور دل اور آنکھ اور کان میں بہت موافقت ہوتی ہے کس لیے کہ انتشار اور شور و شغب کا وقت نہیں ہوتا بلکہ سکون اور تسکین کا وقت ہوتا ہے جو کچھ منہ سے نکلتا ہے، دل سے نکلتا ہے اور کان اس کو دل تک پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ واقومہ قیلاً اور اس وقت بہت درست اور ٹھیک بات منہ سے نکلتی ہے۔ قادمہ و مجاہد کہتے ہیں قرأت قرآن اس وقت بہت ٹھیک ہوتی ہے کس لیے کہ دنیا میں چپ چاپ ہوتی ہے اور عالم غیب کے انوار کا بھی روح پر ایک خاص انکشاف ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس کو ارواح بنی آدم کی طرف انجذاب تام ہوتا ہے اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یمقی ثلث اللیل الآخر (متفق علیہ) کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہر رات حق سبحانہ آسمان زیریں کی طرف اتر آتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں قبول کروں؟ جو کوئی مانگے دوں

جو کوئی مغفرت مانگے بخش دوں۔ خدا پاک نزول و صعود جسمانی سے پاک ہے اس سے مراد وہی تدنی و دنوں ہے جس کو عرفاً تقرب کہتے ہیں۔ نماز تہجد کے فضائل اور اس کی تاکید اور اس کے برکات احادیث صحیحہ میں بکثرت بیان ہوئے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کے برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تہجد گزار کے منہ پر ایک عجیب نور نمودار ہوتا ہے اور اس کی قبر میں کبھی اندھیری نہیں ہوتی اور اس کی مشکلات کو خدا آسان کرتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی ظلمت سے نجات دیتا ہے۔

فرماتا ہے رات کے اٹھنے کا کیوں حکم دیا گیا۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا اس لیے کہ دن میں تیرے لیے بڑا کام رہتا ہے (الصبح الجری والدوران ومنه السباحة فی الماء قبله بیدہ ورجلیہ و فرس سانح ای شدید الجری۔ قال ابن عباس علی السبح الفراغ للمحاجة والنوم) یعنی دن میں ہدایت و ارشاد و فیصلہ خصوصیات و تدابیر دفع اعداء عیادت مرضی تدبیر خانہ داری وغیرہ کار بار رہتے ہیں۔ تخیلہ مشکل ہے اس لیے رات کا وقت مناجات و تلاوت و نماز کے لیے عمدہ وقت ہے۔ زجاج کہتے ہیں یہ معنی ہیں رات کے جاگنے میں نیند اور آرام حاصل نہ ہو تو دن آپ کے لیے بڑا وسیع ہے اس میں آرام کر لو سولو۔

رات کی عبادت ہی پر موقوف نہیں کہ دن میں خدا سے غافل ہو جائے دنیا ہی کے دھندے میں پھنسا رہے بلکہ ہر وقت یاد رکھے اس لیے ارشاد فرماتا ہے وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ کہ اپنے رب کو یاد رکھ ہر حال میں اسے نہ بھول کیونکہ جس دم بندہ اس سے غافل ہو جاتا ہے تو سلسلہ انوار کا روح سے منقطع ہو جاتا ہے اور تاریکی بھر جاتی ہے، روح پڑ مرده ہو جاتی ہے۔

ذکر کے اقسام : ذکر عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ قلب سے ہو خواہ روح سے خواہ سر سے خواہ خفی ہو خواہ جلی خواہ نفس اور عام ہے کہ اسم ذات کا ورد ہو یا کسی اسم صفائی کا کہ جس سے اس کو مناسبت ہو اور اس کے حال کے موافق ہو۔ حضرات صوفیہ کرام نے اجتہاد و استنباط اور تعلیم الہامی سے اذکار کے مختلف طریقے مبتدی و منتہی کے مناسب مقرر کئے ہیں اور تجربہ ثقات نے بتلادیا ہے کہ ان کا اثر جلد محسوس ہوتا ہے اور تصویر قلب و روح میں ان کو ایک عجیب خاصیت ہے اس کا انکار بدیہات کا انکار ہے۔ منتہی ہر حال میں ذکر کرتا رہتا ہے کوئی شغل اور کوئی حال اس کو یاد الہی سے غافل نہیں کر سکتا مگر مبتدی کے لیے ذکر تجل کے ساتھ ہو تو جلد اثر بخشا ہے اس لیے فرماتا ہے وَتَقَبَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کہ ماسوی اللہ جس قدر شواغل و علائق ہیں ان کو منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ ہو جا اس کے بعد جو تخیل و خلوة میں ذکر ہوگا تو اس میں کوئی خطرہ اور دوسو سہ سہ راہ نہ ہوگا ورنہ ہزاروں خطرات کی نجاست کے ساتھ ذکر کچھ مفید نہیں۔

برزباں تسبیح و دردل گاؤں و ایں چنین تسبیح کے دارداثر

ذکر مع التجمل : ذکر مع التجمل کی عرفانے ایک صورت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ علاقہ اہل دنیا کو منقطع کرے اگر کر سکے ورنہ کم تو ضرور کرے نہ کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی نہ جھگڑانہ مطالبہ نہ کینہ نہ حسد باقی رکھے۔ بقدر ضرورت مال سے لباس و مکان پر اکتفا کر کے شب کو کسی گوشہ میں سر ڈھا تک کہ قبلہ رو با طہارت بیٹھے، استغفار و درود کے بعد ذکر شروع کرے۔ فرائض سنن و نوافل کے بعد کوئی ذکر ہو اگر ذکر قلبی ہو تو بہتر اور توجہ تام حق سبحانہ کی طرف ہو اس کے بعد اس پر ایک حالت طاری ہوگی کہ جس میں تعداد ذکر بھی جاتی رہے گی۔ اس کے بعد ایک جاذبہ محبت اس پر طاری ہوگا اور اس کو ایک بے خودی ہوگی جس میں اپنے صفات و ذات کے حالات سے بھی فراموشی ہو جائے گی اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں اس کے بعد ذکر بھی ساقط ہو جائے گا اور مذکور ہی مذکور کا شہود باقی رہ جائے گا اس کے بعد ایک اتصال بے تکلیف و بے قیاس حاصل ہوگا اور اس مرتبہ کا نام بقا ہے۔ اس طرح سے مداومت کرے، کم از کم چار پلے تو اس کو عمل کرے پھر دیکھے کہ عالم کے کس قدر اسرار منکشف ہوتے ہیں مگر صلاحیت و قابلیت شرط ہے۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ذکر مع التجمل کیا کرتے تھے مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر حراء ایک پہاڑ ہے اس کے غار

میں اپنا خلوت خانہ بنا رکھا تھا۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کچھ کھانا پانی آپ کو وہاں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ تک آپ وہاں رہے مگر جب عالم غیب کے مشاہدہ کا وقت آگیا تو ملائکہ سے باتیں ہوتی تھیں آخر جبرئیل امین آئے اور سورہ اقرہ ساتھ لائے اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی اور آپ پر اس قبض سے ایک سخت صدمہ تھا اور اس قبض کا نام ضلال تھا جس کے دفع کی طرف سورہ الم نشرح میں اشارہ ہے۔ وودھک ضالاً فھذی چھ مہینے کے بعد پھر سورہ مزمل نازل ہوئی اور پھر پے در پے قرآن نازل ہونے لگا۔ علاء کلمہ حق سے مکہ میں ایک شور برپا ہو گیا، ایذاؤں کے دروازے کھل گئے۔ اس سورہ میں بیشتر نہیں حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ لفظ مزمل اور نماز تہجد ذکر و تجل کا اشارہ ہے جو اس وقت کی حالت سے مناسب تھا بعد میں جلوت کا زمانہ آگیا تھا جو ارشاد و ہدایت کے لیے ضروری تھا۔^۱

تجل پر خیال بشری یہ اشکال پیدا کر سکتا تھا کہ پھر دنیاوی کام کیونکر چلیں گے۔ کھانا پینا، مرنا جینا، شادی غمی، تندرستی بیماری جو امور تمدنی ہیں ضرور بنی نوع کی طرف حاجت پڑتی ہے پھر سب سے الگ ہو جانا مشکل بات ہے۔ اس لیے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا کہ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی اہل مشرق و مغرب کی پرورش کرتا ہے پھر میں کیڑے کو گھونسلوں میں پرندوں کو بیابانوں میں چرندوں کو روزی دیتا ہے۔ مشرق سے دن نکالتا ہے، جہاں کو روشن کرتا ہے تمام کاموں کے سلسلے جاری کر دیتا ہے، مغرب کا رب ہے، اندھیری چھا دیتا ہے، رات میں بستر خواب پر جس کو لٹا کر موت کا نمونہ دکھا دیتا ہے پس اسی کو اپنا کارساز بنا رکھ دے آپ کے یہ کام سرانجام کر دے گا۔

فائدہ: عارف و کامل کے لیے دو باتیں ضرور پیش آتی ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور خالق سے ہے۔ دوم یہ کہ جن کا تعلق اوروں سے بھی ہے اس لیے یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور متبعین کے لیے جمعا قسم اول کی تعلیم تھی کہ ان کو عمل میں لاؤ اور وہ چار باتیں ہیں۔ (۱) قیام شب و نماز تہجد و قرأت قرآن عام ہے کہ آدھی رات سے یا دو ٹکٹ یا ایک ٹکٹ رات سے ہو۔ اس کے ضمن میں قیام شب کے فوائد بھی ارشاد کر دیے تھے کہ ہم تجھ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ عبادت و ریاضت سے اس کے لیے تیار رہ اور نیز رات کا اٹھنا نفس کشی کا بڑا عمدہ آلہ اور قرأت اور مناجات کا خوب وقت ہے۔ (۲) اس کے سوا ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھ۔ تجل کے معنی: (۳) سب علاق کو توڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ علاق توڑنے کے یہی معنی نہیں کہ زن و فرزند، بیع و شراء، کاروبار و معاش کو معطل کر دو بلکہ تعلق خاطر اٹھا لو دل میں جگہ نہ دو اور ان پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دفع الوقتی اور ایام گزاری ملحوظ رکھو اور اسلام میں یہی تجل معتبر ہے نہ رہبانیت کہ لنگوٹا باندھ کر جنگل میں پہاڑوں میں جا بیٹھو اس لیے کہ ایسا حکم انتظام عالم کو برہم کرتا ہے ہاں اگر خاص لوگ اپنے مناسب حال سمجھیں اور جذبہ محبت ان کو دنیا سے بالکل الگ کر دے تو ان پر کچھ عتاب بھی نہیں۔ (۴) اس پر توکل کرو تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔ توکل صرف منہ سے کہنے کا نام نہیں بلکہ تدابیر و اسباب ظاہرہ کے بعد بھی یقین کامل رہے کہ وہی ہمارے کاروبار کا متکفل ہے وہی مصائب دفع کرتا ہے۔ اور ان حکموں میں عجب ترتیب طبعی ملحوظ ہے کس لیے کہ شب بیدار تہجد گزار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے وہ دن میں بھی اس محبوب حقیقی کو نہیں بھولتا بلکہ اس مزہ میں رات کا منتظر رہتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطع

۱۔ اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابتداء میں سخت ریاضتیں کی ہیں۔ چالیس روز کے روزے اور صراشتیں اور رات کو جاگنا اور دعا نماز میں مصروف رہنا اور حواریوں کو تاکید کرنا اور دنیا سے بالکل الگ ہونا اور یہ فرمانا کہ خداوند پرندوں کو کھانا کھلاتا ہے اور سون کو جنگل میں بزلنا پہناتا ہے وغیرہ بہت سی باتیں مذکور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حالات ہیں اور اقوال نصائح میں بھی بالکل ایک ہی پھول کی خوشبو آتی ہے۔ ۱۲۷

تعلقات بھی ہو جاتے ہیں کس لیے کہ یہ تعلقات اس محبوب حقیقی کے وصال میں موانع اور رقیب ہیں۔ ایک دل میں دو مخالف خواہشیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اس پر تجلی اور شہو محبوب ہوتا ہے پھر اس کی آنکھ میں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کار ساز سمجھے اس کے سوا کسی چیز کو ہستی میں نہیں سمجھتا۔

جہاں سرنجیب عدم در کشد

جو سلطان عزت علم بر کشد

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ
أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهْلَهُمْ قَلِيلًا ۝ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا
ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتْ
الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝

اور کافروں کی باتوں پر صبر کرو اور عہدگی سے چھوڑ دو اور ہم کو اور جھٹلانے والے دولت مندوں کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو اور ان کو قدرے مہلت دو۔ کس لیے کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم اور گلا گھونٹنے والا کھانا اور سخت عذاب (موجود) ہے جس دن کدہ بین اور پہاڑ لرزیں اور پہاڑ بھر بھرے ریت کا ٹیلا ہو جائیں (آپس میں ٹکرائیں)۔

ترکیب : والمکذبین عطف علی المفعول اور مفعول معہ اولی النعمۃ صفۃ للمکذبین اور بیان او بدل قلیلا زمانا قلیلا یومہ ظرف لما فی لدینا من معنی الفعل وقیل لعداب۔ واصل مھیل مھول فحذف الواو عند سیویہ وسکت الیاء وقیل قلبت الواو یاء۔

تفسیر: اس کے بعد قسم دوم کی باتیں ذکر فرماتا ہے جن کی اپنی آراستگی و درستی کے بعد مخلوق کے لیے ضرورت ہے اور وہ بھی چار ہیں۔ (۱) وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ کہ ان کی باتوں پر صبر کر۔ کفار کی باتیں کئی قسم کی تھیں۔ اول یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو برا کہتے اور گالیاں دیا کرتے تھے۔ دیوانہ، احمق اور سخت باتیں کہتے تھے جس سے جوش آتا اور درپے انتقام و مقابلہ ہونا ایک فطری بات ہے مگر اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا کس لیے کہ اس سے عداوت قائم ہوتی ہے جس سے ہدایت کا دروازہ بند ہوتا ہے جو کچھ کہیں کہنے دو، برانہ مانو، اپنا کام عبادت و ہدایت کا کئے جاؤ۔ (دوم) وہ اپنے جنوں کی مدح اور ان کی کرامات کے کرشمے اور دیر آخرت کا انکار کر کے لوگوں کو توحید اور آخرت کے مفید اعمال حسد سے روکتے تھے ایسی باتوں پر بھی خدا پرست طہانح کو غصہ آنا معمولی بات ہے مگر ابتداء میں ان کے جواب و مقابلہ سے روکا گیا۔ (۲) وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا اور ان بیوقوفوں کو اچھی طرح سے چھوڑ دے۔ جبر جمیل یہ ہے کہ کینہ نہ رکھے، ان کو برائی اور ایذا پہنچانے کا قصد نہ کرے، نہ گلہ و شکوہ کرے، وجود تو ہین تو کجا جہاں تک ہو سکے بھلائی اور نصیحت سے بھی درگزر نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جب یہ اخلاقی جمیدہ کفار سے برتے تو پھر ان کے دلوں پر ایک ایسا اثر ہوا کہ روز بروز سیکڑوں اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ واعظ اسلام میں یہ باتیں شرط ہیں اگر ایسی طبیعت نہ ہو تو اس کو وعظ و ہدایت کی مسند پر بیٹھنا روا نہیں۔ کس لیے کہ بجائے ہدایت کے اس کے اخلاق درشت اور شتم طبیعت اور لڑنے والی زبان سے اور بھی عداوت ہو کر لوگوں کو اپنی بری باتوں پر اصرار ہو جائے گا۔ (۳) وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ اُولِيَ النَّعْمَةِ کہ مالدار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دے آپ ان کے لیے بد دعا بھی نہ کریں۔ (۴) ومھلھم قلیلا اور ان کو تھوڑی مہلت دیجئے۔ اول تو ایسے گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کو جو اپنے خدا داد مال و جاہ

کاشمگر یہ نہیں کرتے بلکہ اس کو خدا کے مقابلہ میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزا مل جایا کرتی ہے ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی ملے گی اور یہ چند روزہ مہلت ہے۔ اور وہ سزا کیا ہے؟ اِنَّ لَّدَيْنَا اَنْكَالًا وَجَحِيْمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا اَلِيْمًا کہ ان کے لیے ہمارے ہاں بیڑیاں تیار ہیں اس لیے کہ ان پاؤں سے خدا کی راہ میں چل کر نہیں آتے تھے اور ان پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ فساد اور نفسانی خواہشوں اور ان کے لیے آگ جلانے والی بھی تیار ہے یہ ان کے عشق و محبت دنیا کی آگ ہے اور نیز دین حق کے مقابلہ کی آگ ہے اور شہوات و لذات کی بھی آگ ہے جو ان کے دلوں میں جلا کرتی تھی اب یہ اس میں جلا کریں اور کھانے میں گلا گھونٹنے والے۔ گلے سے نیچے اترتے ہیں یہ ان کے دنیا میں عمدہ عمدہ کھانوں کا بدلہ ہے جو کھا کر شہوت پرستی اور بدکاری پر بدکاری کرتے تھے اور نیز یہ وہ بزرگان دین کی نصیحت بھی ہیں جو ان کے گلے سے نیچے دل میں نہیں اترتی تھیں اوپر ہی اوپر اڑا دیتے تھے اور یہ وہ شادمانیاں اور ناچ و رنگ اور کھیل تماشے بھی ہیں کہ جن میں سرور اور خدا سے دور تھے۔ آج وہ گلوگیر ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے دردناک عذاب بھی ہیں۔ یہ سامان ان کے لیے تیار ہیں۔ مرنے کی دیر ہے اس چند روزہ زندگی میں جو کچھ کرنا ہے کر لیں اور یہ چیزیں پوری پوری ان کو کس دن ملیں گی یَوْمَ تَزْجُفُ الْاَرْضُ کہ جس دن زمین لرزے وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِلًا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ٹیلے ریت کے بن جائیں یعنی قیامت کے روز، اور قیامت سے پہلے بھی مگر تم۔ انجیل لوقا کے ۱۶ باب میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دولت مند کا فرور ایک غریب و بیدار کا ذکر کیا ہے جو ناسور اور زخموں سے چور تھا اور کہتے اس کے زخم چاٹتے تھے اور دولت کے پس خوردہ ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا تھا۔ قہار دونوں مر گئے العزیز کہ جو غریب تھا فرشتوں نے لے جا کر ابراہیم علیہ السلام کی گود میں رکھا اور دولت مند کو دوزخ میں۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور اس کی گود میں العزیز کو بھی اور اس نے پکارا کہ اے باپ ابراہیم علیہ السلام! مجھ پر رحم کر اور العزیز کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سراپانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں لو میں ترپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور العزیز بری چیزیں۔ سو اب یہ آرام پاتا ہے تو ترپتا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک عیسٰی گڑھا ہے۔ ادھر کے ادھر اور ادھر کے ادھر نہیں جاسکتے تب دولت مند نے کہا۔ میں منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج میرے پانچ بھائی ہیں ان کو مطلع کرے تاکہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ نہ آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ان کے پاس انبیاء ہیں چاہیے کہ ان کی سنیں اس نے کہا اے باپ اگر مردوں میں سے کوئی ان کے پاس جائے تو وہ تو بہ کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب نبیوں کی نہ سی تو مردوں کی کب سنیں گے۔ آیات کی تفسیر کے بعد ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا بیان کرنا ضروری ہے۔

نماز تہجد : اس کا وقت جمہور کے نزدیک آدمی رات ڈھلنے کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے اور جس کو نماز تہجد کے لیے بیدار ہونے کا پورا بھروسہ نہ ہو تو وہ عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا ہی کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شب بیداری اور نماز تہجد کی حالت سورۃ مزمل کے بعد سے ایک طرز خاص پر نہ تھی۔ کبھی آپ عشاء پڑھ کر سو جاتے اور آدمی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت پڑھتے، ان میں بہت کچھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ سورۃ بقرہ و آل عمران وغیرہ اور یہ دو رکعت بڑی دیر میں تمام کرتے اور تھک جاتے تو لیٹ جاتے تھے۔ پھر اٹھ کر اس طور سے دو رکعت پڑھتے۔ کبھی چھ رکعت پڑھتے کبھی زیادہ دس تک پڑھتے پھر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھتے۔ بعض محدثین کے نزدیک چھ رکعت یا آٹھ

۱۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں ثواب و عذاب ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ایماندار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظل عافیت میں رہتے ہیں اس لیے شرع محمدی میں نماز میں ان پر درود و سلام مسنون ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مردے کو اپنے اقارب کا علم اور ان کی ہمدردی باقی رہتی ہے۔ سورۃ یٰس میں ہے یا لیت قومی یعلمون و ما غفر لی دی اور احادیث میں ان تمام باتوں کی تصریح ہے۔ ۱۲۰

یاد رکعت کے بعد مصلّا ایک رکعت اور ملا دیتے۔ طاق کرنے کے لیے اور اسی کو وتر کہتے ہیں۔ اس سے یہ نہیں پایا گیا کہ وتر کی ایک رکعت جدا گانہ بھی پڑھی ہے۔ صبح صادق کے بعد صبح کی دو رکعت پڑھ کر ذرا لیٹ جاتے اور پھر نماز صبح پڑھاتے اور کبھی صبح صادق تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے۔ تہجد میں بروایت مسلم جوزید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے تیرہ رکعت مع وتر کے ثابت ہوئی ہیں۔ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں۔ اور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر بھی نماز تہجد پڑھتے تھے اور رکوع و سجود کے وقت اٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے تھے۔ کوئی خاص سورہ مقرر نہیں تھی۔ آپ نماز تہجد میں بہت رویا کرتے تھے۔ اور قرآن مجید کبھی آواز سے کبھی آہستہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی تہجد میں دو رکعت اول جلدی تمام کرتے بعد کو طول دیتے۔ اور نماز میں اٹھنے سے پہلے بہت دعائیں پڑھتے تھے جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۖ شَهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۖ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخَذًا وَبِيلًا ۖ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۖ ۝ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا ایک رسول اس طرح سے بھیجا ہے کہ جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو وبال میں پکڑ لیا پھر اگر تم نے بھی انکار کر دیا تو تم اس دن کی مصیبت سے کیونکر بچو گے جو لوگوں کو بوڑھا کر دے گا آسمان اس دن پھٹ جائے گا اس کا وعدہ ہو کر رہے گا یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب کی طرف آنے کا راستہ بنا رکھے۔

ترکیب : شہدا وصف لرسول و بیلا قال الانفخ شہیدا و بیلا قال ابن عباس ومنه مطر و ابل و طعام و بیل اذا کان لا یستمر اء۔ یوما مفعول تتقون ای کیف تتقون یوما ان کفرتم و قبل مفعول کفرتم یجعل الجملة صفة لیوم شیباً جمع اشیب والاصل فی شین شیب الضم و کسرت لجانة الیاء منفطربه و الباء سیمیة و یکن ان ینکون بمعنی فی۔ و انما قال منفطرو لم یقل منفطرة تنزیل السماء منزلة اشیاء لئلا یغیر هاعن صفحتها و قال الفراء السماء یند کروینث۔

تفسیر : قریش اپنے تکبر اور سرکشی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہوتے تھے اور ان کو فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لیے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا جیسا کہ فرعون کے پاس بھیجا تھا پھر اس نے سرکشی کی سزا پائی، غرق ہوا پھر تم فرعون سے زیادہ مالدار اور صاحب حشمت و شوکت نہیں ہو۔ یا یوں کہو کہ نبوت کے مسئلہ کی ضرورت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جب بدکاری اور بت پرستی ہوئی ہدایت کے لیے نبی آیا جیسا کہ پہلے فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے تھے تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ فرماتا ہے إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا کیسا رسول! شاہد علیکم تم پر تمہارے نیک و بدکاروں کی شہادت دینے والا وہ خدا کی طرف سے گواہی دیتا ہے کہ یہ کام برے اور ناپسند ہیں اور یہ کام عمدہ اور قابل نجات ہیں۔ یا یہ کہ وہ قیامت میں تمہارے اوپر گواہی دے گا جو کچھ تم نے کیا اور کر رہے ہو وہ سچا گواہ آسمانی عدالت میں تم پر ثابت کر دے گا اور تم کو طہر مٹھرائے گا اگر برائی سے باز نہ آؤ گے اور نیک کام اختیار نہ کرو گے۔ کَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا جیسا کہ فرعون کے پاس ہم نے

رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام بھیجا تھا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی توقید فرعون سے نجات پائی۔ شام کی سرزمین نصیب ہوئی، وہاں کے سردار ہوئے اور فرعون نے سرکشی کی تو ہلاک ہوا اسی طرح اس نبی کے مطیع دنیا کی سرسبز بادشاہتوں کے مالک ہوں گے اور آخرت کے بھی درجات حاصل کریں گے اور نافرمان و سرکش خوار و ذلیل ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش بدر میں مارے گئے، سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے، پھر فتح مکہ کے دن مغلوب ہوئے اور صحابہ دنیا اور دین کے سردار ہوئے۔ اس جملہ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جو توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت منقول ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہلے سے سناتے ہیں ”میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا“۔ انتہی متعصب عیسائی اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں اور سند بھی عیسائی مصنفوں کے اقوال سے لاتے ہیں۔ مگر یہ بشارت بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتی کس لیے کہ اصل بشارت میں موافق عبرانی ترجمہ کے ان کے بھائیوں میں سے نبی برپا کرنا فرمایا ہے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت دینے کا وعدہ بھی ہوا ہے۔ اگر اس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اور کوئی اسرائیلی نبی ہو تو بنی اسرائیل میں سے برپا ہوا سمجھا جائے گا نہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے دوسرے اس نبی کی نسبت یوں فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کے مانند نہیں گزرا بلکہ ہر ایک ان کا شریعت میں متبع تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بھی مشابہت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں تھی کس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، بیوی اولاد رکھتے تھے، ایک فرد ماندہ قوم کو سرکشوں کے بچوں سے چھڑا کر لائے اور اس کو ایک ملک کا سردار کر گئے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ آدم زاد ہی نہیں تھے بلکہ خدا زاد یعنی خدا کے بیٹے (تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً) اور نہ ان کی بیوی بیٹے تھے نہ قوم کو رومیوں کی قید سے آزاد کر گئے۔ اور نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ان کی نسل کے غیر لوگ ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوا حالانکہ آپ کی اولاد بھی موجود تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوئے باوجودیکہ آپ کے اقارب و اولاد بھی تھے جن کے عہد میں عرب غیر قوموں پر فتیاب ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل شام اور فلسطین پر قابض ہوئے اور دونوں کی شریعت میں بھی حلت و حرمت طہارت و نجاست قوانین عبادت احکام معاملات اور دستور عبادات میں بہت مشابہت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی نئی شریعت ہی نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اس لیے فرماتے تھے کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی مٹانے نہیں آیا اور نہ شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں اور جو بعد میں پولوس وغیرہ نے شریعت بنائی تو اس میں ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئے۔ وہ لوگوں میں صاحب شوکت اور ذود جاہت تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ محض فقیرانہ اور عاجزانہ پیرایہ میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی مخالف قتل نہ کر سکا اپنی موت سے مرے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ الغرض پیدائش سے لے کر شریعت و احکام اور زیست کے حالات اور موت اور بعد میں جانشینوں تک کے حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسی مشابہت ہے اس کا سوواں حصہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر اے قریش! تم ہمارے نبی الرحمتہ کی وجہ سے دنیاوی ہلاکت سے بچ گئے یا جیسا کہ تم ڈھٹائی سے کہتے ہو کہ ہم دنیا

میں ہر قسم کی مصیبت اٹھا سکتے ہیں تو کَيْفَ تَتَّقُونَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا اُس دن سے کیونکر بچو گے (اگر تم کافر رہے اور کفر میں مر گئے) جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی قیامت کا دن علماء فرماتے ہیں یہ کنایہ ہے اس دن کی شدت اور درازی سے کہ غم کے مارے لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے یا وہ اس قدر بڑا دن کفار پر ہوگا کہ لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے کس لیے کہ وہ بڑا دراز دن ہوگا۔ بیضاوی فرماتے ہیں ہذا علی الفرض والتمثيل اور فرض کے طور پر ہے کہ اگر لڑکے بھی ہوں گے تو غم کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے کیونکہ غم والہ سے بڑھا پا جلد آتا ہے۔ مطلب یہ کہ بڑا اندوہناک روز ہوگا۔ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِرًّا کے وقت کا حال ہے اور السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ فتح اول کا ہے اور دونوں کا ایک ہیبت ناک موصولہ حادثہ ہے سب کو ایک دن (بمعنی وقت مصیبت) بیان فرمانا پوری تشریح ہے۔ اور ان باتوں میں اے آدم زاد! کچھ شک و شبہ نہ کر۔ کس لیے کہ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا اُس کا وعدہ جو اس نے رسول کی معرفت کیا ہے قیامت کے آنے کے بابت اور جزاء و سزا کی بابت ضرور ہو کر رہے گا اب جو تم کو سمجھایا اور ڈرایا جاتا ہے ان ہذہ تذکرہ یہ محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی اور تم کو آگاہی کی جاتی ہے ورنہ اور کچھ غرض نہیں۔ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيلًا ہم نے اپنے تک تقرب حاصل کرنے کی راہ بیان فرمادی ہے پھر جو چاہے ہمارے دربار لطف میں جگہ پانے اور ہمارے پاس آنے کا راستہ اختیار کر لے وقت ہے ورنہ دوسرے راستہ کا انجام جہنم اور مصیبت دانگی ہے۔

خلاف اس کے رو دوزخ ہے جائے جس کا جی چاہے

دُفِئِ اِلٰی اللہ واپس آئے جس کا جی چاہے

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُومُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثِي الْيَلِّ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۚ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الْيَلَّ وَ النَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تَحْصُوهُ فَنَابَ عَلَيْكُمْ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۗ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰۤى ۚ وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۚ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تَقَدَّمُوا لِنَفْسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ اَوْ اَعْظَمَ اَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نہاؤ چوبہ میں) کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کا صحیح اندازہ کیا کرتا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے کہ تم اس کا تحفظ نہ کر سکو گے سو اس نے تم پر مہربانی کی (نصف و ثلث کی قیادت اٹھادی) تو جس قدر قرآن (تہجد میں) پڑھا جا سکتا ہے پڑھا کرو اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کچھ لوگ خدا کے فضل (روزہ) کی تلاش میں زمین پر سفر بھی کریں گے اور کچھ اللہ کی راہ میں بھی لڑیں گے پھر جو کچھ تمہیں اس میں سے آسان ہووے پڑھا کر اور نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے لیے قرض حسنہ دیا کرو اور اپنے لیے جو کچھ نیکی آگے بھیجو گے تو اس کو اللہ کے پاس (جا کر) بہتر اور بڑے اجر کی چیز پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگا کرو بے

شک اللہ (بڑا) بخشے والا مہربان ہے۔

ترکیب : انک الجملۃ مفعول یعلم ولنفعہ وثلثہ بالنصب عطفا علی ادنیٰ کما قرء بہ ابن کثیر والکوفیون وبالجر عطفا علی ثلثی ان لہ کما قرء الجہور ووطنافہ بالرفع عطفا علی الضمیر فی تقوم وجرى الفصل مجری التکید ان لن تحصوہ مخففۃ من الثقیلۃ واسما ضمیر الشان محذوف ای انہ لن تحصوہ وکذا ان سیکون یتفقون حال من الضمیر فی یضربون واما تقد موالخ الجملۃ مبتداء تجدوہ خبر اخیر اقرء الجہور بالنصب علی انہ مفعول ثان لتجدوا وھو فصل اوبدل اوتاکید وقری بالرفع علی انہ خبر ہوا الجملۃ فی محل النصب علی انھا مفعول ثان لتجدوا اعظم بالنصب عطفا علی خیر اوبالرفع لکونہ خبر اثنان لاجل منصوب علی انہ تمیز من اعظم۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم تہجد کی نماز میں کبھی آدھی رات کے قریب سے اٹھتے جیسا کہ قُم الَّیْلُ الْاَقْلَبِلًا سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی تہائی رات سے جیسا کہ اَوَانْقَضُ مِنْہُ سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی دوثلث رات سے اٹھتے تھے جیسا کہ اوزد علیہ سے سمجھا جاتا ہے اور نماز پڑھتے اور نماز میں قرآن مجید در دو سوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ رَبِّیُّ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا سے سمجھا جاتا ہے اور یہ کمی زیادتی صحت ومرض اور غلبہ شوق و فرحت اور خواب و بیداری سے تھی۔ اب عام ہے کہ یہ شب بیداری آپ پر اور آپ کے اصحاب پر فرض ہو یا بطور ندب یا آپ پر فرض اور لوگوں پر ندب علی اختلاف اقوال العلماء مگر مدتوں تک آپ اور آپ کے اصحاب اسی شب بیداری کے پابند رہے اور کم از کم ایک ثلث رات شب بیداری کو بہت ہی ضروری سمجھتے رہے۔ اس لیے رات کا اندازہ ستاروں سے کیا کرتے تھے۔ اس حالت محمودہ کو خدا تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اِنَّکَ تَقُومُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثِی الْیْلِ وَنِصْفِہُ وَثُلُثَہُ وَطَانِفَۃٌ مِنَ الْبَیِّنِ مَعَكَ وَاللّٰہُ یُعَدِّدُ الْاَیْلَ وَالنَّہَارَ کہ اللہ جانتا ہے کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور آپ کے ساتھی دوثلث اور نصف اور ایک ثلث رات سے اٹھتے ہیں اور صحیح اندازہ رات دن کا اللہ ہی کرتا ہے کہ دراصل اب آدھی رات رہی یا ثلث یا دوثلث مگر تم بھی اپنے نزدیک ان اوقات کی پابندی کرتے رہو اور اپنے اندازہ کے موافق دوثلث و نصف و ثلث رات میں اٹھتے ہو۔ اس کے بعد اس پابندی کو بھی اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے کس لیے کہ یہ دوثلث و نصف و ثلث کی پابندی تم سے ہمیشہ نبھی نہ سکے گی کیونکہ بیماری بھی لگی ہوئی ہے اور سفر و جہاد بھی پیش آنے والا ہے پھر بیمار و مسافر اور مجاہدوں کے ہارے تھکے سے رات میں اٹھنا ایک شاق امر ہے اس لیے دوثلث اور نصف اور ثلث کی قید بھی تمہارے لیے کوئی لازمی بات نہیں بلکہ جس قدر تم سے ہو سکے اتنی رات جاگو اور جس قدر قرآن بآسانی تم سے نماز میں پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔ اس مضمون کو ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے عَلِمَ اَنْ لَّنْیُحْصُوہُ (ضمیر تحصوہ کی قیام لیل کی طرف پھرتی ہے) کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس پابندی کو نباہ نہ سکو گے فَتَابَ عَلَیْکُمْ اَسْ نَمَ پر مہربانی کی۔ فَاقْرَؤْا تِیسْرَ مِّنَ الْقُرْآنِ پر بحث: اس لیے حکم دیا کہ فاقْرَؤْا تِیسْرَ مِّنَ الْقُرْآنِ کہ جس قدر قرآن پڑھنا تمہیں آسان ہوتا پڑھ لیا کرو یا جس قدر نماز تہجد تم سے ادا ہو سکے کر لیا کرو (چونکہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرأت قرآن سے تعبیر کیا جیسا کہ رکوع و سجود سے کرتے ہیں) اور یہ پابندی کس لیے تم سے اٹھادی عَلِمَ اَنْ سَیَکُونُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُونَ یَضْرِبُونَ فِی الْاَرْضِ یَسْتَفْتُونَ مِنْ فُضِّلَ اللّٰہُ وَاٰخَرُونَ یَقَاتِلُونَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ کہ اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کسی کو سفر بھی درپیش ہوگا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے تجارت اور علم سیکھنے اور سکھانے کے لیے اور ہجرت کے لیے بزرگان دین سے ملنے کے لیے غریب و مساکین یا در ماندوں کی چارہ جوئی حاجت براری کے لیے ہر ایک سفر پر اللہ کے فضل و رحمت کی طلب کا سفر اطلاق ہو سکتا ہے اور نیز جہاد بھی پیش آنے والا ہے۔ یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں اس حکم کی پابندی کہ اس قدر رات سے اٹھو اور اتنا قرآن پڑھو ایک امر مشکل ہے اس لیے پھر بارگرم کو سنایا جاتا ہے کہ فاقْرَؤْا مَا تِیسْرَ مِنْہُ کہ جس قدر تم سے بآسانی پڑھا جائے اس قدر پڑھو۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ربك يعلم الخ پہلے حکم تمہ الیل الخ کے ایک برس بعد نازل ہوئی ہیں اس قدر عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی پابندی خاص سے شب بیداری کرتے رہے اور راتوں کے جاگنے اور نماز میں کھڑا رہنے سے پاؤں بھی درم کر آئے تھے جس پر قریش نے طعنہ کے طور پر کہا تھا کہ محمد (ﷺ) پر قرآن کیا اترا مصیبت میں پڑ گیا۔ اس کا جواب طورہ طے میں دیا گیا کہ طے ما أنزلنا علیک القرآن لتطفي الخ۔ اس بنا پر یہ آیات اول آیات کی کہ جن میں دوثلث ونصف وثلث کی پابندی تھی ناخ ہیں خاص پابندی کے لیے نہ تہجد کے لیے کیونکہ فاقروا ماتیسر منہ باواز بلند کہہ رہا ہے کہ تہجد میں قرآن پڑھنا ہنوز باقی ہے صرف اس قدر ہے کہ جس قدر تم سے ہو سکے پابندی نہیں۔ اس آیت سے تہجد کو منسوخ قرار دینا تحکم ہے۔ ہاں اگر فاقروا سے نفس قرآن پڑھنا نماز میں یا نماز کے باہر مراد لیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس سے نماز تہجد کا بقائے سبھا جاسکتا مگر فاقروا سے یہ تعیم سیاق آیات کی منافی ہے۔ کس لیے کہ اول سے نماز تہجد اور اس میں قرآن پڑھنے کا ذکر چلا آ رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر ان علماء کے اقوال پر اس قرآن پڑھنے کو بھی منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ بعد کی آیت واقیموا الصلوٰۃ سے بس صاف معنی آیات کے یہی ہیں کہ دوثلث اور نصف اور ثلث رات کی پابندی اٹھادی ہے اور تہجد گزاروں کے شوق و فرست پر چھوڑ دیا ہے اور حکم تہجد بدستور باقی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور امت پر مندوب۔

اس کے بعد تین حکم اور دیتا ہے فقال واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واقروضوا اللہ قرضاً حسناً کہ نماز قائم کیا کرو، زکوٰۃ دو، اللہ کو قرض حسن دو۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ بھنگا نہ نماز کی فرضیت شب معراج میں ہوئی اور یہ سورہ شب معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس وقت تک زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں آکر فرض ہوئی ہے پھر آیت میں اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے:

کہ گو بھنگا نہ نماز اور زکوٰۃ معینہ واجب نہیں ہوئی تھی مگر مطلقاً نماز اور زکوٰۃ تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع و سجود و قیام و قعود میں دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت دن میں کفار کا ہجوم رہتا تھا۔ صرف تہجد کی نماز تھی ممکن ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ میں اسی طرف اشارہ ہو کہ جس قدر تم سے قرآن پڑھا جاسکے پڑھو اور نماز تہجد ادا کئے جاؤ پابندی دوثلث اور ثلث اور نصف کی نہیں اور خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعدل خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔ سواتوا الزکوٰۃ سے وہی خیرات مطلقہ مراد ہے اور اقروضوا اللہ قرضاً حسناً تو الزکوٰۃ کی تاکید ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ خیرات دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنی کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دینا اور آخرت میں دے گا گویا وہ تمہارے اس دیے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تاکہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ قرض لینے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ اور قرضاً حسناً میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ناپاک اور حرام کا مال منظور و مقبول نہیں اور یہ بھی کہ فقیر کو طعنہ نہ دو اور دے کر کسی کو شرمندہ نہ کرو اس لیے حکم ہے کہ مخفی طور پر دے اور خلوص نیت سے دے۔ ان سب باتوں کو یہ لفظ شامل ہے اس میں خیرات کے سب آداب کی طرف اشارہ ہے لہذا اس کے بعد پھر اطمینان دلاتا ہے فقال وما تقدموا لانفسکم من خیر کہ جو نیکی تم اپنے لیے کرو گے اور آگے بھیجو گے تجددوہ عند اللہ هو خیراً واعظم اجر اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بڑھ کر پاؤ گے، رایگاں نہ جائے گی۔ ہم گن گن کر اور جمع کر کے رکھتے ہیں۔ مگر جب آؤ گے بہتر اور بڑھ کر پاؤ گے ایک پیسہ کے دس پیسے کا ثواب بلکہ زیادہ کا موجود ہے۔ لانفسکم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عبادت و خیرات میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں تمہارے ہی لیے فائدہ ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور معافی مانگا کرو کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز و خیرات پر غور نہ کرو اس کے بعد بھی معافی مانگا کرو جو مقتضائے عبودیت ہے اور نماز و

زکوٰۃ میں جو کوئی قصور و فتور ہو جائے تو معاف کیا جائے آخر کار ہمارے فضل پر مدار ہے۔

فائدہ: علماء اصول نے فَأَقْرُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ پر ایک دلچسپ بحث کی ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ماکے لفظ کو عام رکھ کر فرماتے ہیں نماز میں قرأت قرآن مطلقاً فرض ہے کوئی آیت اور کوئی سورۃ ہو اور چونکہ سورۃ الحمد کی بابت آگیا ہے لاصلوۃ الافتاحۃ الکتاب کہ الحمد بغیر نماز نہیں اس لیے الحمد کا پڑھنا اور اس کے ساتھ اور کوئی سورۃ یا آیت ملانا جیسا کہ اور احادیث سے ثابت ہے واجب ہے نہ فرض اور دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماتیسر کے عموم سے بقرینہ احادیث صحیحہ سورۃ فاتحہ مراد ہے اس لیے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہی ماتیسر من القرآن ہے۔

فائدہ: اس سورہ میں رسالت اور قیامت اور نیز تو حید کا کامل ثبوت عجیب پیرایہ میں کیا گیا اور دار آخرت میں کارآمد باتوں کی تاکید اور تعلیم بھی کردی کہ شب بیداری کرو نماز پڑھو، خیرات دو، یہی باتیں وہاں کارآمد ہیں اور مخالفوں کی ایذا پر صبر اور تحمل کرو کس لیے کہ دنیا کی عافیت اسی میں ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ دین و دنیا میں پھیل کر رہے گا فرعون کی شہ زوری جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی اسی طرح کفار عرب کی بھی نہ چلے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا الْمَدَّثِرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ ۖ وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ۖ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۖ وَالرُّجْزَ

فَاهْجُرْ ۖ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۖ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۖ

اے کپڑے میں لپٹے ہوئے! کھڑے ہو کر ڈرناؤ اور اپنے رب کی بزرگی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور سیل کچیل دور کرو اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔

ترکیب: المذثر اصل المذثر اذغمت التاء فی الدال للمجانستہ وقرء الجمهور بالادغام۔ والدثار ما یلبس فوق الشعار والشعار ما یلبس الجسد ومنه قوله علیه السلام الانصار شعار والناس دثار۔ فأنذر الفاء فیہ وفيما بعده لافادة معنى الشرط كأنه قال ما یکن من شیء۔ فأنذرو کبر۔ وقال ابن جنی هو کقولک زیدا فاضرب فالفاء زائدة وربک و ثیابک والرجز منصوب بفعل محذوف یفسره ما بعده تستکثر بالرفع علی انه حال وبالجزم علی انه جواب انھی وبالنصب علی تقدیر لتستکثر وقیل علی تقدیر ان وبقی معجمها۔

تفسیر: بخاری و مسلم وغیرہما نے نقل کیا ہے کہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے کہا سب سے پہلے یا ایہا المذثر نازل ہوئی اس پر یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ لوگ سب سے اول اقرء کا نازل ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابوسلمہ نے کہا میں نے بھی یہ بات جابر بن عبد اللہؓ سے پوچھی تھی تب اس نے کہا میں آپ کو وہی بات سنا تا ہوں جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ میں غار حرا میں گوشہ نشین تھا جب نیچے اتر آؤ آواز آئی میں نے دائیں بائیں پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا تب اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں نظر آیا تھا ایک کرسی پر بیٹھا دکھائی دیا، آسمان وزمین کے درمیان۔ اس سے مجھے دہشت معلوم ہوئی اور گھر میں آیا اور یہ کہا کہ دثرونی و دثرونی کپڑا اوڑھاؤ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ یہک۔

علماء نے احادیث میں غور کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے اول سورۃ اقرء نازل ہوئی۔ مآلکہ یعللہ تک اور پھر کچھ دنوں وحی بند رہی پھر سورۃ مذثر نازل ہوئی۔ اس کے بعد منزل۔ بعض کہتے ہیں منزل نازل ہونے کے بعد مذثر نازل ہوئی۔ مگر یہ بالاتفاق ہے کہ یہ سورۃ بھی مکہ میں

نازل ہوئی اور اس میں بھی وہی توحید وغیرہ کے مطالب ہیں۔

مناسبت اس سورہ کی سورہ مزمل سے یہ ہے کہ سورہ مزمل میں اپنے آراستہ کرنے کا حکم تھا کہ رات کی نماز و تلاوت سے پہلے خود کامل ہو جاؤ اس کے بعد اس سورہ میں لوگوں کو کامل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بقولہ فاندز۔ کس لیے کہ جب تک آپ کامل نہ ہوں تو دوسروں کی تکمیل کا انداز و تشبیر سے بیڑہ اٹھانا زیبا نہیں اس کے سوا دونوں کے مطالب میں بھی بہت کچھ مناسبت ہے۔ وہاں ابتداء یا ایہا المزمل کے ساتھ تھی یہاں یا ایہا المذثر کے ساتھ ہے اور دونوں کے معنی قریب قریب ہیں وہاں رات میں نماز و تلاوت کا حکم تھا یہاں اس کے شروط پکڑے اور جسم کی پاکیزگی بتائی گئی وہاں بھی قیامت کا ہولناک واقعہ بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو بوڑھا کر دینے والا دن آنے والا ہے۔ یہاں اس کی نسبت فرمایا گیا یَوْمَ عَسِيرٍ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ مُسِيرٍ کہ وہ دن بڑا سخت ہے کافروں پر آسان نہیں وہاں خاتمہ میں تھالہ غفور رحیم اس سے بخشش مانگو یہاں بھی خاتمہ میں ہے اهل التقویٰ و اهل المغفرۃ کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہ بخشش والا ہے۔

فقال : یا ایہا المذثر کہ اے پکڑا پہننے ہوئے۔ شعرا اس پکڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملا ہو اور اس کے اوپر جو کچڑا ہو اس کو دثار کہتے ہیں اور ایسے پکڑے اوڑھے ہوئے کو مدثر۔ عام مفسرین اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کہ آپ سردی کی وجہ سے پکڑا اوڑھے ہوئے تھے اسی نام سے پیار سے یاد فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار مٹی پر سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے پیار سے فرمایا تم یا ابا تراب۔

وجوہ مدثر: اب اس پکڑا اوڑھنے کے چند وجوہ علماء نے بیان فرمائے ہیں: (۱) فرشتہ کو دیکھ کر دہشت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوئی تھی جس لیے پکڑا اوڑھے ہوئے تھے اس حالت میں تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور اسی حالت پر محبت سے خطاب کیا گیا۔ (۲) کفار قریش نے جمع ہو کر لوگوں کو آپ سے بدگمان کرنے کے لیے لفظ ساحر تجویز کیا اور پکار دیا تو اس سے آپ کو رنج ہوا اور طبع مبارک پر کسل طاری ہوا جس لیے پکڑا اوڑھا کر پڑے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا اے پکڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو۔ (۳) آپ پکڑا اوڑھے سو رہے تھے اسی حالت میں یہ سورہ نازل ہوئی جس میں جتلیا جاتا ہے کہ پکڑا امنہ سے اتار اور نیند سے ہوشیار ہو اور منصب نبوت پر قائم یعنی آمادہ ہو۔ ایک گروہ علماء کا یہ کہنا ہے کہ ظاہری پکڑا اوڑھنا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے۔ (۱) یہ کہ اے نبوت و رسالت کی چادر اوڑھنے والے کھڑا ہو جیسا کہ کہتے ہیں البسہ اللہ لباس التقویٰ وزینہ برداء العلم۔ (۲) یہ کہ پکڑا اوڑھنے سے آدمی مخفی ہو جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اے خلوت و گوشہ نشینی کی چادر اوڑھنے والے کب تک مخفی رہے گا کھڑا ہو اور لوگوں کو متنبہ کر۔ کس لیے کہ دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ (۳) یہ کہ اے خلق عظیم اور رحمت عالمین کی چادر اوڑھنے والے اس لباس کو پہن کر چپ کیوں بیٹھے ہو کھڑے ہو اور لوگوں کو متنبہ کرو، دین حق کی منادی کرو۔

فَمَنْذَرٌ لِّكَ فَانذِرْ کھڑا ہو یعنی اس مرتبہ پر مستحکم و آمادہ ہو یا خواب گاہ سے اٹھ۔ تم کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر کھڑے ہو کر کیا کر۔ فانذر لوگوں کو ڈرنا جیسے کہ آپ نذیر تھے، بشیر بھی تھے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا کس لیے کہ دنیا بدکاری اور بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لیے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصولی حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا۔

اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذاب آخرت اور مصائب دنیا کی خبر دینا (جو بدکاری اور بت پرستی کا ثمرہ ہوتا ہے) بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوند عالم کی عظمت و جبروت بیان کی جائے اس لیے حکم ہوا وَرَبُّكَ فَكَبِّرْ کہ اپنے رب کی عظمت و شوکت بیان کر اور اس کے آثار حیرت و قدرت اظہار کرتا کہ مشرکین کے دلوں سے (اس کی قدرت و یکتائی سن کر) بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نافرمانی پر جو بلا آئے گی اس کو ہمارے معبود دفع نہ کر سکیں گے۔

تکبیر کہنے پر بحث: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کو حق سبحانہ نے مرتبہ نبوت و تبلیغ عطا کیا اس لیے اس خوشی پر تکبیر کہنا فرمایا۔ شادمانی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اس لیے آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کے ساتھ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی نے اور اسی لیے اہل اسلام میں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ خوشی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اسی لیے نماز عیدین اور حج میں تکبیر با آواز بلند کہی جاتی ہے بلکہ دشمنوں کے مقہور کرنے کے لیے اور آفات دور کرنے کے لیے بھی تکبیر اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ عظمت و ہیبت الہی مخالف کے دلوں کو ہلا دیتی ہے، مصیبت کو دفع کرتی ہے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ جہاد میں اور ہر خوشی کے موقع پر اس آواز کو بلند کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے تحریمہ کے وقت اور رکوع و سجود کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ گو اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت نماز مہجگا نہ فرض تھی مگر نوافل تھے انہیں میں تکبیر کہنا مامور بہ تھا۔ ہر ایک معنی چسپاں ہو سکتے ہیں یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

طہارت جامعہ و بدن فرض ہے: لیکن تکبیر کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد حکم دیتا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کہ اپنے کپڑے پاک کر۔ علما کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ (اول) ثياب اور طہر حقیقی معنی پر محمول کئے جائیں یہ معنی کہ ظاہری کپڑوں کو ظاہری نجاست سے دور رکھ اور جب کپڑوں کو دور رکھنا فرمایا تو بدن کو جو کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے بدرجہ اولیٰ نجاست سے دور رکھنا اور پاک رکھنا مراد ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ناپاک کپڑوں اور ناپاک بدن سے نماز درست نہیں کس لیے کہ نوافل و ذکر میں مومن کو ہمیشہ مشغول رہنا اور عالم قدس سے مناسبت پیدا کرنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اس جماعت میں شامل ہو جائے اور کپڑے اور بدن کی نجاست ظاہری اس مناسبت میں خلل انداز ہے۔ گوہ موت، مٹی، قے، خون، خنزیر، شراب، مردار ناپاک چیزیں ہیں اور اسی طرح حیوانات کا گوہ موت بھی ناپاکی ہے اور کتا وغیرہ نجس جانور اور ان کے پس خوردہ چیزیں بھی ان سے ہر وقت دور رہنا چاہیے خصوصاً نماز کے وقت تو فرض ہے۔ یہ حکم آپ کو اس لیے دیا کہ مشرکین اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لیے آپ کو اور آپ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بھی ہے کہ مشرکین مکہ آپ پر نجاست ڈال دیا کرتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ ان کی حماقت کا خیال نہ کریں، کپڑے پاک کر لیا کریں۔ (دوم) کپڑے کو حقیقی معنی پر اور طہارت کو مجازی پر معنی باطنی پاکی پر محمول کریں یہ معنی کہ اپنے کپڑوں کو معنوی نجاست سے پاک کریں۔ غصب اور چوری کے کپڑے اسی طرح ناجائز کمائی کے اور وہ کہ جن پر تصاویر ہوں اور اسی طرح دامن نیچا اور ریشمی جو مردوں کے لیے درست نہیں معنوی ناپاکی رکھتے ہیں مسلمان کو دور رہنا چاہیے۔ خصوصاً یاد الہی کے وقت ایسے کپڑے دور پھینک دینے چاہئیں۔ اسی طرح مرد کے لیے زنا نہ لباس اور زنا نہ آرائش اور عورت کے لیے مردانہ لباس بھی معنوی نجاست ہے۔

(سوم) یہ کہ کپڑوں کے مجازی معنی اور طہارت کے حقیقی لیے جائیں، کپڑوں سے آپ کی ذات و صفات و اخلاق مراد ہیں کہ آپ ان کی نجاست سے دور رکھیں۔ کپڑا بول کر شخص مراد لینا محاورہ ہے عرب کہتے ہیں الکرم فی بردیہ و طاهر الذلیل و تقی الثوب جیسا کہ کہتے ہیں پاک دامن اپنے بدن کو استنجہ وغیرہ سے پاک رکھیں اور بول و برا زنی وغیرہ سے پاک رکھیں کیونکہ طہارت ظاہری کو طہارت قلبی میں بڑا اثر ہے۔

(چہارم) دونوں کے معنی مجازی لیے جائیں تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنے دل کو صفات مذمومہ سے پاک رکھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ جب کفار نے آپ کو ساحر کا لقب دیا اور آپ کو رنج ہوا تو یہ بد خلقی اور انتقام کا مقصد تھا جس سے منصب انداز میں فرق آجانے کا موقع تھا۔ اس لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی حماقت سے وعظہ نہ چھوڑیں اور ان کے اخلاق رذیلہ اور کج خلقی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ اور یہ حکم اس لیے دیا کہ اول میں آپ کو مدثر فرمایا اور دثار لباس اور کپڑوں کو کہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ جو جامہ آپ پہنے ہوئے ہیں اس جامہ نبوت کو ان داغ دھبوں سے پاک رکھیں تاکہ تکبیر کا اثر نمایاں ہو اور تکبیر کا مقصد بھی یہی ہے۔ کس لیے کہ اللہ کی کبریائی کا سب سے اول تکبیر کہنے والے کے دل اور اخلاق پر اثر ہونا چاہیے جس سے اس کا جامہ انسانیت شہوت و لذات اور غضب و کبر کے دھبوں سے پاک ہو جانا لازمی بات ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَالرَّجْزُ فَاهْجُرْ رَجَزٌ بِالْكَسْرِ عَذَابٌ كَمَا فِي قَوْلِهِ رَجَزًا مِنَ السَّمَاءِ أَوْ بِالضَّمِّ مَعْنَى قَبِيحٌ وَمُسْتَقْدَرٌ۔ يَهْجُرُكَ

فَطَهِّرْ کا تکرار ہے اگر اس جگہ بدن اور کپڑے کی ظاہری طہارت مراد تھی تو یہاں طہارت باطنی مراد ہے اخلاقی رذیلہ سے غرض یہ کہ ظاہر و باطن کو پاک رکھ اور منجملہ نجاسات قلبیہ کے جو باہر دین کے لیے دھبہ لگانے والی بات ہے طمع دنیا ہے۔ اس لیے بالتخصیص اس سے بھی منع کیا۔ فَقَالَ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْبِرُ یعنی قرآن مجید کی تعلیم و تبلیغ احکام الہی کا کسی پر احسان نہ جتلا کہ تو مریدوں، معتقدوں کی کثرت کر کے مال و جاہ پیدا کرے اور لوگوں سے کچھ حاصل کرے یا کسی کو کچھ دے اور حاجت براری اس نیت سے کرے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے زیادہ دے گا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی طمع ہے بعض اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ دے اس کو بہت نہ سمجھ یا یہ کہ کسی پر احسان جتانے کو نہ دے۔ ان سب مکارم اخلاق تعلیم کرنے کے بعد اس شخص کے لیے جو مسند انذار پر بیٹھے لوگوں کی بدگوئی اور ایذا پر صبر بھی ضرور ہے ورنہ ارشاد و تعلیم کا دروازہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمایا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کر۔ اس میں بندوں کی دولت و ثروت کا لحاظ نہ کر بلکہ خاص اللہ کی رضامندی کا۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ کے لیے اوامر و فرائض کا بوجھ اٹھان پر قائم رہ۔

فَإِذَا نَقَرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ
يَسِيرٍ ۝ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ۝ وَبَنِينَ
شُهُودًا ۝ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا ۝ إِنَّهُ
كَانَ لِأَيَّتِنَا عَنِيدًا ۝ سَاهِقُهُ صَعُودًا ۝ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقَتَلَ كَيْفَ
قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَ
اسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْشَرُ ۝ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝
سَاصِلْبِهِ سَقَرَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَاحٍ
لِلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةُ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۝
وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً ۝ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۝ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ وَيَزِدَّادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۝ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وَالْمُؤْمِنُونَ ۝ وَلَيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ
اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۝ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ ۝ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۝
وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۝ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ ۝

پھر جبکہ صور پھونکا جائے گا تو وہ دن مشکل کا دن ہوگا منکروں پر آسان نہ ہوگا مجھے اور اس کو چھوڑ دو کہ جس کو میں نے اکیلا پیدا اور اس کو بڑھنے والا مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لیے قسم کی تیاری کی پھر امید رکھتا ہے کہ اس کو اور بھی دوں گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف رہا ہے میں اس کو بھی جہنم ہی لے کر چڑھاتا ہوں کیونکہ اس نے سوچا اور تجویز کیا پھر غارت ہوا پھر غارت ہو کیسی تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ یہ تو ہونہ ہو آدنی کا کلام ہے ہم اس کو ابھی جہنم میں بٹھائیں گے اور تو (اے مخاطب!) کیا جانے کیا ہے جہنم وہ نہ تو باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے آدنی کو (دور سے) تاکتی ہے اس پر انہیں شخص مقرر ہیں اور ہم نے دوزخ پر فرشتے ہی رکھے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کے لیے آزمائش بنائی ہے تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کر لیں اور ایمانداروں کا ایمان بڑھے اور تاکہ اہل کتاب اور ایماندار شک نہ کریں اور تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے اور کافریہ کہیں کہ اللہ کی اس بیان سے کیا غرض ہے؟ اور اللہ اس طرح سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور یہ تو شخص لوگوں کی نصیحت ہے۔

ترکیب : فاذا واللبیبہ کا نہ قیل اصبر علی اذا ہم فبین ایدہم یوم ہا ل یلقون فی عاقبہ امرہم۔ والعالم فی اذا ماول علیہ قولہ فذلک لانہ اشارۃ الی القرای وقت القر و قیل ماول علیہ عسیر ای عسیر نقر بفتح الناقور علی وزن فاعول من النقر بمعنی التصویت فذلک اشارۃ الی وقت النقر مبتداء یومئذ بدل منہ اذ طرف خبرہ یوم عسیر خبرہ غیر یسیر تاکید وقال الانفش اذا مبتداء والخبر فذلک والفاء زائدۃ یومئذ ظرف لذلک وقیل ہونی موضع رفع بدل من ذلک او مبتداء ویوم عسیر خبرہ والجملة خبر ذلک وعلی یعلق بعسیر او ہی لغت لہ احوال من الضمیر الذی فیہ ومن مفعول معدا معطوف علی الضمیر المنصوب۔ وحید احوال من الیاء ای ذرئی وحدی معہ فانی الکفیکہ او من التاء ای ومن خلقته وحدی لم یشرکنی فی خلقہ احاد ومن العائد لمحذوف ای ومن خلقته فرید الامال لہ ولاولد وھذا م فانه کان ملقباً بہ فسماء اللہ تعالیٰ بہ تحکماً واستہزاء اور ارادہ وحید ولكن فی الشرارة او عن ابیہ لانہ کان زنیماً لا تبقی مستانفۃ احوال من سقر والعالم فیہا معنی التعظیم لواحۃ بالرفع ای ہی لواحۃ وبالصب مثل لا تبقی احوال او علی الاختصاص۔ تسعة عشر مبتداء وھذا الکلمۃ مرکبۃ وکذا الجزء ان معیان علی الفتح وقرئی عشر بالاسکان لتوالی الحركات وقرئی عشر جمع عشر۔ علیہا خبر مقدم۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَلَوْ لَکَ فَاٰمِنٌکَ اللّٰہُ کے لیے مخالفوں کی بے حد تکالیف پر صبر کیجئے اب اس صبر کا انجام بیان کرتا ہے اور آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال فاذا انقرو فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر کہ دنیا چند روزہ ہے ایک دن آنے والا ہے جو کافروں پر سخت ہوگا کچھ آسانی ان کے لیے نہ ہوگی وہ دن وہ ہے کہ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اس روز یہ لوگ اپنے کئے کی سزا پائیں گے اور آپ کو صبر کا بدلہ ملے گا۔

مجملہ ان ایذا دینے والوں کے کہ جن کی ایذا پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ایک شخص ولید بن المغیرہ تھا چونکہ وہ بڑا مالدار تھا اس کی اولاد بھی بہت تھی اور بڑا عزت دار کہلاتا تھا۔ اس کو لوگ وحید یعنی یکتا اور یگانہ کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ اب آئندہ آیات میں اس کی ایذا کا اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اس پر فضل و کرم کیا تھا اس کا ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتا ہے اور عام ایمانداروں کو متنبہ کرتا ہے کہ دنیاوی مال و جاہ و اولاد و حشمت اس کا فضل و کرم ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادوں سے مقابلہ کرے۔ جس کا انجام دنیا کی بربادی اور آخرت کا ابدی جہنم ہے۔ اخیر رکوع تک اسی کا حال ہے اور کچھ جہنم کے

- ۱۔ جہنمی پر چڑھانا محاورہ ہے بدنام کرنے اور بلا میں مبتلا کرنے کا۔ ۱۲ منہ
- ۲۔ جن میں ذرا بھی آدمیت ہے ان کو بدی کرنے پر ہمیں سے جہنم دکھائی دے جاتی ہے وہ بدی کر کے پشیمان ہوتے ہیں اس کی پلٹیں ان کے دل کو جلاتی ہیں اس لیے برے کام نہیں کرتے۔ ۱۲ منہ۔

داروغوں کا جو ملائکہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ولید کو اپنے زور اور اقارب کی حمایت کا بڑا غرور تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے جہنم میں کون عذاب دے سکتا ہے؟ اس لیے بیان کیا گیا کہ وہاں بڑے طاقتور فرشتے متعین ہیں اور وہ انیس سٹیں اور ان کی یہ تعداد اس لیے بیان کی گئی کہ اہل کتاب کو اور ایمانداروں کو یقین کامل ہو اور کافر اور بھی تسخیر کر کے مصیبت اور آزمائش میں پڑیں کس لیے کہ یہ نکتہ ان کی ناقص سمجھ سے باہر ہے۔ یہ خلاصہ مطلب ہے آیات کا۔ ولید بن المغیرہ کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو کچھ قرآن سنایا جس سے اس کا دل نرم ہوا یہ خبر ابو جہل کافر کو بھی پہنچی۔ تب ولید کے پاس آ کر کہنے لگا۔ اے چچا! آپ کی قوم چندہ کر کے آپ کو دینا چاہتی ہے اس نے کہا قریش کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں۔ تب اس نے کہا آپ محمد (ﷺ) کی شان میں کوئی ایسی بات کہئے جس سے آپ کی قوم کو معلوم ہو کہ آپ ان کے منکر ہیں۔ اس نے کہا میں کیا کہوں مجھ سے زیادہ کوئی شعر سے بھی واقف نہیں۔ ہر قسم کے اشعار سے واقف ہوں۔ جنوں کے اشعار بھی مجھے معلوم ہیں۔ خدا کی قسم! اس کا کلام شعر نہیں بلکہ اس میں شیرینی اور برکت ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ ابو جہل نے کہا خدا کی قسم آپ کی قوم ہرگز خوش نہ ہوگی جب تک کہ ان کے حق میں کوئی بری بات نہ کہیں گے۔ تب اس نے کہا مجھے مہلت دو کہ فکر کر کے تجویز کروں تب اس نے فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے جو کسی سے سیکھا ہے۔ اس پر یہ آیات ذرنی ومن خلقت وحیداً الخ نازل ہوئیں۔ (آخر یہ حاکم والیہ بھی فی الدلائل) ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر وہ نے سخن تمام ناشکر دولت مندوں کی طرف ہے اور اسی لیے اس کا نام نہیں لیا گیا ولید کی تخصیص نہیں۔

فرماتا ہے چھوڑ مجھے اور اس کو کہ جس کو میں نے خود پیدا کیا نہ اس کے جھوٹے معبودوں نے یا یہ معنی کہ جس کو میں نے یگانہ پیدا کیا۔ اس میں اس پر تعریض بھی ہے کہ جب پیدا ہوا تھا کیا ساتھ لایا تھا، اکیلا تھا، اولاد مال کچھ نہ تھا۔ یہ سب ہم نے دیا۔ یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو وحید کہلاتا ہے اسی لقب سے اس کو استہزاء یا دیکھا کہ آپ بڑے یگانہ اور یتیم روزگار ہیں۔ اور اس میں یہ بھی تعریض ہے کہ باپ نہیں اکیلا ہے یہ چوٹ ہے اس پر کس لیے کہ قریش میں یہ زینم یعنی بدل مشہور تھا۔ مدتوں تک اس کا باپ کہتا رہا کہ میرا نطفہ نہیں۔ وَجَعَلْتُ لَهُ مَكَلًا مَمْنُونًا اور اس کو بہت مال دیا۔ زجاج کہتے ہیں مالِ ممدود سے مراد ہے مالی غیر منقطع مد کے معنی درازی کے ہیں جو بڑھنے سے علاوہ رکھتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں ولید کے پاس بہت مال تھا تجارت سے بھی بہت نفع حاصل ہوتا تھا اور طائف میں اس کے باغ اور زمینیں تھیں۔ اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری ہر قسم کا مال تھا۔ ان سے نفع حاصل ہوتا تھا اور ہر ایک میں سے نفع آتا تھا، روز افزوں تھا۔

وَبَنِينَ شُهُودًا (یہ مالا پر عطف ہے بعلت کا مفعول ہے) کہ میں نے اس کے لیے بیٹے دیے۔ کیسے؟ جو حاضر رہتے تھے دولت کی وجہ سے باہر جانے اور غائب رہنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ مجلسوں میں باپ کے ساتھ جب یہ دیدار و بیٹے آتے تھے تو ایک شوکت مجلس پر نمایاں ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں تیرہ بیٹے تھے، مقاتل کہتے ہیں سات تھے سب لڑکے ہی تھے لڑکی نہ تھی۔ ان میں سے ہشام اور خالد بن ولید اور ولید بن الولید مسلمان ہو گئے تھے۔ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا اور ہم نے عزت و مال و جاہ کو اس کے لیے فرش کر دیا۔ تمام قریش اس کی عزت کرتے تھے اور اسی لیے اس کو وحید اور ریحانہ قریش سے ملقب کرتے تھے۔ تمہید کے معنی بچانے کے ہیں اور اسی سے مہد الصبی ہے۔

ان سب خوبیوں کے بعد باوجود اس کفر و عناد و ناشکری کے پھر بھی امید کرتا ہے۔ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أُزِيدَ کہ ہم اس کو دنیا میں یا آخرت میں اور زیادہ دیں گے؟ وہ کہتا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) سچے ہیں تو سب سے زیادہ جنت کا میں مستحق ہوں کس لیے کہ سردار اور عزت والا ہوں۔ نہ یہ غریب و مفلس مسلمان۔ فرماتا ہے کُلَّ يَوْمٍ هُزْءٌ مِمَّنْ هُوَ أَكْثَرُ بِهِنَّ وَهِيَ أَكْثَرُ بِهِنَّ کہ وہ ہماری آیات قدرت کا مخالف رہا ہے کبھی ان میں غور نہیں کیا اور اپنے اوپر جو نعمتیں ہیں ان کو بھی اس کا فضل نہیں سمجھا بلکہ اپنے بخت کی یادری جانتا رہا اور آیات قرآنیہ کا بھی دیدہ و دانستہ

مخالف رہا ہے۔ کس لیے کہ جب قریش نے اس سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کے لیے کون سا لقب تجویز کرنا چاہیے تاکہ ایام حج میں جو لوگ آئیں یہ نہ کر اس سے دور رہیں تو اس نے سوچ کر کہا کہ وہ شاعر نہیں کس لیے کہ میں شعر سے واقف ہوں اور نہ مجنوں ہے کس لیے کہ وعظ و پند مجنوں کا کام نہیں اور نہ کاہن ہے کس لیے کہ کاہن کی کوئی بات جھوٹی کوئی سچی ہوتی ہے اس کی تمام باتیں سچ نکلتی ہیں اور جادوگر بھی نہیں کس لیے کہ جادو کے منتر اول تو بیشتر مہمل ہوتے ہیں اور پھر ان میں یہ انوار اور دلکشی کہاں اور نیز جادوگر طامع ہوتے ہیں اس کو شاہ و گدا کی کوئی پروا نہیں۔ طمع اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی اور نیز جادوگر ناپاک اور سیاہ باطن ہوتے ہیں اس کے انوار باطن اس کے چہرہ پر چمکتے ہیں مگر جب قریش نے اصرار کیا تو سوچ سوچ کر منہ بنا کر کہا لو معلوم ہو گیا وہ جادوگر ہے مگر یہ جادو نہیں بلکہ حُر باطل کسی سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہے کس لیے کہ یہ جادو ہی کی تاثیر ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے باپ کو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے۔ باوجودیکہ قرآن مجید کو سن اللہ جانتا تھا مگر جان کر اس کے منانے میں کوشش کرتا تھا اور ایسے شخص کو عید کہتے ہیں اس کے عناد کا بدلہ بجائے اس کی طمع خام کے اس کو یہ ملے گا سَارُ هَقَّةً صَعُودًا کہ ہم ابھی اس کو مصیبت کے پہاڑ پر چڑھائیں گے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ ایک محاورہ ہے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنے کا جیسا کہ اس آیت میں یَسْلُكُهُ عَذَابًا صَعَدَ الْعُصْفُ کہتے ہیں صعود جہنم میں ایک آتشیں پہاڑ ہے اس پر چڑھایا جائے گا، اس کی دنیاوی عزت و بلندی کے مقابلہ میں جس کی اس نے شکر گزاری نہ کی تھی۔ جس حدیث میں صعود کو جہنم کا پہاڑ بیان کیا ہے اس کو احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن حبان و حاکم و ابن مردودہ و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے اس کو ابن ابی شیبہ نے دراج سے روایت کیا ہے اور کسی سے ثابت نہیں۔ اور ابن کثیر ابن جریر کی روایت میں کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس کے عناد کی کیفیت بیان فرماتا ہے اِنَّهُ فَكَرَ وَقَدَّرَ کہ اس نے باوجود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے محض قریش کے کہنے سے سوچ اور فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے اس لیے اس کی اس سوچ اور تجویز پر پھنکار بھیجتا ہے۔ فقال فَقَتِلْ كَيْفَ قَدَّرَ لعنت ہو اس پر مارا جائے وہ اس نے کیونکر یہ تجویز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کی۔ ثُمَّ قَتِلْ كَيْفَ قَدَّرَ پھر اس پر لعنت ہو وہ مارا جائے باوجود عقل و فہم کے اس نے ایسی بیہودہ اور بے اصل بات کیونکر تجویز کی۔ دوبارہ اس کلمہ کو تاکید اور اظہار غضب کے لیے استعمال کیا یا اس لیے کہ باوجودیکہ پہلے جان چکا تھا ایک بار اس لیے لعنت کا مستحق ہوا مگر اس لیے کہ اس نے سوچا اور اس کے فکرنے نے فتویٰ نہ دیا مگر عناد کی وجہ سے جادو کہہ دیا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ثُمَّ نَظَرَ اس نے پھر حضرت ﷺ کے حالات میں نظر کی اور کوئی بات جادوگری اور کہانت اور جنون کی نہ پائی اور جب اس کی طبیعت اور ذہن نے اس کو جواب دے دیا اور طعن کا کوئی رستہ نہ ملا ثُمَّ عَبَسَ تو پھر ترش روئی کی وَبَسَرَ اور تیوری چڑھائی ثُمَّ اَدْبَرَ حق اس پر ظاہر ہوا مگر اس نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وَاسْتَكْبَرَ اور سرداری اور مال کے غرور میں آکر فَقَالَ اِنَّ هَذَا الْاَسْحَرُ يُوْثِرُ یہ کہہ دیا کہ یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے باطل یا عجم سے یا پہلے ساحروں سے سیکھا ہے۔ حال کا جادو نہیں بڑا قدیم جادو ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں اِنَّ هَذَا الْاَقْوَلُ الْبَشَرِ بلکہ یہ آدمی کا کلام ہے۔ اس عناد کی سزا یہ ہے کہ سَاَصْلِيْہُ سَقَرَ کہ ہم اس کو ابھی سقر میں داخل کریں گے۔ یہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے جس میں اس قسم کے معاندین ڈالے جائیں گے۔ پھر سقر کی ہولناک حالت بیان کرنے کے لیے جیسا کہ محاورہ عرب ہے فرماتا ہے وَمَا اَذْرَكَ مَا سَقَرَ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے محاسب! کیا آپ جانتے ہیں کہ سقر کیا ہے پھر اس کی چند صفت بیان فرماتا ہے۔

اول قول۔ لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ کہ کسی جنس کو جو اس میں داخل ہونے کے قابل ہے باقی نہیں چھوڑے گی یا یہ کہ ہڈی اور گوشت پوست کو باقی نہ چھوڑے گی، جلادے گی اور پھر جلانے سے وہ چھوٹ نہ جائیں گے بارگزر جسم تیار ہوگا اور جملے کا ابدال آباد یہی معاملہ رہے گا۔

دوم۔ لَوَاحِۃٌ لِلْبَشَرِ آدمیوں کو بڑی دور سے دکھائی دینے والی ہے۔ کمائی تو لہ وبرزت الجحیم آخرت میں دور سے نظر آئے گی اور جو آنکھیں رکھتے ہیں ان کو ہمیں سے دکھائی دیتی ہے یا یہ معنی کہ جھلس دینے والی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں لا حرد والبرود والحرمن والسم اذ اغیرہ۔ (۳) اس کے داروغہ جو اس پر معین کئے گئے ہیں انہیں شخص ہیں۔ عَلَیْہَا تِسْعَةُ عَشْرَ اِن انیس فرشتوں کی تعداد بیان کرنے کی وجہ! تو وہی ہے کہ جو آئندہ آیات میں حق سبحانہ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کی آزمائش اہل کتاب کی تصدیق ایمانداروں کے ایمان کا استحکام مگر تعداد میں جو کچھ حکمت ہے اس کی بابت علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دوزخ غضب و قہر الہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت کا مظہر ہے اور تمام کارخانوں کے انجام کے لیے روحانیت و ملائکہ متعین ہیں۔ عرش، کرسی، سات آسمان چار عنصر آب، آتش، ہوا، خاک اور تین موالید ثلاثہ حیوانات نباتات و جمادات اور پھر حیوانات میں سے انسان اشرف ہے اس کی بنیاد اور اجزاء کاران تین لطیفوں پر ہے طبع کا مکمل اس کا جگر ہے قلب کہ فرحت و سرور اور حیات کے کارخانے اس سے متعلق ہیں اور دماغ کہ حس و ادراک اس سے متعلق ہے۔

یہ سب انہیں چیزیں ہوئیں ان انہیں چیزوں کے موکلات ملائکہ ہیں۔ عذاب دوزخ کے سرانجام دینے کو بھی وہی انہیں ملائکہ موکل ہوں گے۔ ان میں جو موکل عرش ہے وہ مالک ہوگا اس کو وہاں کے کارخانہ کا بادشاہ سمجھنا چاہیے اور کرسی کا فرشتہ اس کا دیوان اور اسی طرح ہر آسمان کا فرشتہ ایک ایک خدمت پر معین ہوگا اور اسی طرح عناصر کے فرشتے اپنے اپنے موافق سرانجام دیں گے۔ معدنیات کا فرشتہ لوہے کی زنجیریں ڈالے گا۔ نباتات کا زقوم کا درخت کھانے کو دے گا، حیوانات کا سانپ بچھوؤں کو ڈسنے کے لیے متعین کرے گا، طبع کا موکل پیاس بھوک دے گا کہ الجوع الجوع اور العطش العطش کریں گے۔ قلب کا فرشتہ خوف اور غم اور بے حد رنج دے گا دماغ کا فرشتہ جو عقل کا مکمل ہے ان کو اس کی گزشتہ خطاؤں پر متنبہ کرے گا اور ان کے خیالات فاسدہ و تخیلات باطلہ کی کہ جس میں وہ گرفتار تھے قلعی کھولے گا جس پر حسرت اور افسوس پرافسوس ہوگا۔

دوسرا قول۔ ارباب حکمت کا قول ہے کہ نفس انسانیہ کا خراب اور درست ہونا اس کے قوی کی خرابی و اصلاح پر موقوف ہے اگر اس کے قوی نیک اور عمدہ باتوں میں صرف ہوتے ہیں تو نفس ناطقہ کمال کو پہنچتا ہے اور بعد مفارقت بدن اس کمال کے سبب عالم قدس میں آرام پاتا ہے اور اگر برے کاموں میں صرف ہوتے ہیں تو اسفل چیزوں میں داخل ہو کر جہنم میں جاتا ہے کیونکہ اسفل اور خسیس چیزوں کا وہی مقام ہے اور انسان میں انہیں قوت ہیں کیونکہ وہ تو قوائے حیوانیہ ہیں۔ پانچ ظاہریہ جن کو اس منہسہ کہتے ہیں۔ آنکھ، ناک، دیکھنا، سونگھنا، ٹٹولنا، سننا، چکھنا اور پانچ باطنیہ ہیں حس مشترک وغیرہ اور سات قوائے طبعیہ ہیں۔ جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، غاذیہ، نامیہ، مولدہ اور دو قوت اور ہیں ایک قوت غصبیہ دوسری شہویہ سب انہیں ہوئیں۔

پس جب منشاء و فساد یہ انہیں قوتیں تھیں تو انتقام کے گھر میں ہر ایک قوت کی ناشکری میں ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا تاکہ انہیں قسم کا عذاب ہو اور ہر قوت کا مزہ چکھے۔ دنیا کے عمدہ نظاروں کے بدلہ بہت ناک چیزیں دیکھنی پڑیں، مزیدار اور پُر شہوت نعمات کے بدلہ رنج و دہ باتیں سنتی پڑیں علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا قول علماء کلام کا ہے کہ دوزخ کے سات درازے ہوں گے۔ ایک دروازہ پر کہ جس میں سے مسلمان گناہ گار جائیں گے صرف ایک ہی فرشتہ نگہبان ہوگا کس لیے کہ اس نے تین باتوں میں سے صرف ایک ہی ترک کی تھی اور وہ تین یہ ہیں، اعتقاد بالہجاء، اقرار باللسان، عمل بالارکان اور باقی چھ دروازوں پر تین تین فرشتے ہوں گے۔ ہر ایک فرشتہ ایک ایک بات کی پرستش کرے گا عذاب دینے کے لیے، اس لیے انہیں ہوں گے۔

چوتھا قول واعظوں کا ہے وہ کہتے ہیں دن رات کے چوبیس گھنٹے یا گھڑی یا ساعت ہوتی ہیں۔ چنگا نہ نماز کی برکت سے پانچ گھنٹوں کو تو معاف کیا جائے گا باقی ہر ایک گھنٹے کے ضائع کرنے پر ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ اس تعداد پر کفار مکہ مضحکہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالاشد نے قریش سے کہا کیا تم ہے قیامت کے دن دس کو دائیں کندھے سے پھینک دوں گا اور نو کو بائیں سے اور ہم نکل کر جنت میں سیدھے چلے جائیں گے۔ اور ابو جہل نے کہا اے قریش! تمہاری اس قدر جماعت ہے کیا ہم میں سے سو آدمی ایک کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ ان یہودہ دماغوں کو دوزخ کے داروغوں کی حالت بیان کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا۔ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ الْأَمْلَیْکَۃَ کہ ہم نے دوزخ پر اور کوئی معین نہیں کئے بلکہ فرشتے جن کی قوت کا بنی آدم کی قوت سے نسبت نہیں۔ ایک فرشتہ لاکھوں کروڑوں کو کافی ہے اور نیزہ غیر جنس ہیں رعایت مروت رحم بھی نہ کریں گے۔ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمُ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا اور ان کی تعداد انہیں کافروں کے عذاب کے لیے ہم نے کی تاکہ انہیں قسم کا عذاب کریں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کافر آزمائش میں پڑیں، ان کی تعداد کو کم سمجھ کر تمسخر کریں اور کفر میں دلیر ہوں تقدیر الہی میں ان کا گمراہ ہونا بھی ٹھہر چکا ہے۔

اس کے بعد ظاہر کرتا ہے کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں چار فائدے ہیں۔ (اول) لَیَسْتَبِیْنَنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ تاکہ اہل کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کامل یقین ہو سکے کہ وہ فرشتوں کی طاقت کے قائل تھے۔ سدوم اور عورہ لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دو فرشتوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ توریت سفر پیدائش کے ۱۹ باب میں یہ واقعہ موجود ہے اور اس کے علاوہ اور بہت واقعات ہیں جن سے فرشتوں کی طاقت معلوم ہوتی ہے اور اس بات کے بھی اہل کتاب قائل تھے کہ جہنم میں کفار و بت پرست ڈالے جائیں گے اس بات میں بھی اس آیت سے دایر آخرت کے معاملہ میں ان کو وثوق اور تعین ہونا ایک معقول بات ہے۔ کس لیے کہ یہود میں دوفرقتے تھے۔ ایک قیامت اور وہاں کے عذاب اور حشر بڑا ہوئے گا مگر تھا اور ان کو صدوقی کہتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی خاوند والی عورت کی بابت ایک سوال بھی کیا تھا کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو وہ کس کو ملے گی۔ انجیل متی باب ۲۲۔ اور ایک فریق قیامت کا قائل تھا یہ بیان ان کے اعتقاد اور آخرت اور وہاں کے عذاب و ثواب کو قوت دینے والا ہے۔ اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی خدا ترس اہل کتاب کو یقین کرنے کا موقع ہے جس نے ایک مختلف فیہ مسئلہ آخرت کا فیصلہ کر دیا۔

(۲) وَیَزِدُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰیْمَانًا کہ ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو جائے یعنی اور بھی تقویت ہو جائے کس لیے کہ اب تک قرآن میں جہنم کی زیادہ تشریح نہ تھی اس سے ان کے اعتقاد میں اور بھی قوت ہو جائے گی کس لیے کہ اجمال کے بعد تفصیل علم اور یقین کو قوی کرنے کی بات ہے۔ (۳) دَلٰیْلُ الْکِتَابِ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتَابَ دَلٰلُہُمْ عَلٰیہ تاکہ اہل کتاب اور ایمانداروں کو آخرت کے بارہ میں شک نہ ہو یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک نہ ہو۔ ان کو شک نہ تھا مگر اور اہل شک پر اس میں تعریض ہے۔ اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ (۴) وَلَیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْکٰفِرُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِہِذَا مَثَلًا تاکہ جن کے دلوں میں شک ہے اور منکر ہیں یہ کہیں کہ اس مثل یعنی بیان سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ یعنی وہ اس میں نکتہ چینی کر کے اور زیادہ گمراہ ہوں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنِ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یا اس کے لیے اسباب ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے یا اسباب گمراہی پیدا کرتا ہے۔ ہدایت و گمراہی اس کی طرف سے ہے یعنی جس طرح جہنم اور اس کے کارکنوں کے بارے میں کسی کو سمجھ میں آنے اور ایمان لانے سے ہدایت ہوئی اور کسی کو سمجھ میں نہ آنے اور انکار کرنے سے گمراہی ہوئی ہر معاملہ میں ایسا ہی کرتا ہے کسی کو اس بات کے سر سے مٹل کرتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کی تہ تک پہنچنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے اور کسی کو

نہیں ہوتی اس لیے شک اور تردد میں پڑ کر انکار و تسخر سے پیش آتے ہیں یہی وہ ضلالِ مبین ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ انیس تو سردار ہیں باقی ہر ایک کے متعلق جس قدر تعداد کثیر تابع ہے وہ بے شمار ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وہ بیشمار لشکر تیرے رب کے ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان چڑچڑ بولتا ہے اور بولنا چاہیے۔ کس لیے کہ کوئی انگلی دھرنے کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو۔ عالم محسوس میں مٹیوں اور چیونٹیوں اور مچھر وغیرہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تعداد پر عقل حیرت میں آ جاتی ہے۔ پھر عالم روحانی کی وسعت اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد اس کے سوا اور کون جان سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ کہ جہنم انسان کے لیے ایک نصیحت دینے والی چیز ہے کہ اس کے حالات سن کر غضب و قہر الہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں نہ کہ یہ سن کر انکار کریں اور تسخر سے پیش آئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں ماہی کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے جو جہنم کی کیفیت بیان کر رہی ہیں کہ یہ آیات بشر کے لیے پند و نصیحت ہیں۔

فائدہ: اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت مکہ میں نہ اہل کتاب تھے نہ وہاں کوئی منافق تھا کہ جن کے دلوں میں شک کا مرض ہو پھر ان آیات میں اہل کتاب کا ذکر آتا تھا کہ اہل کتاب یقین کریں اور ان کے اور ایمانداروں کے دلوں میں شک نہ پیدا ہوا اور اسی طرح منافقوں کا ذکر آتا تھا کہ جن کے دل میں شک ہے اور کفار یہ کہیں کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کے اس بیان سے کہ جہنم پر انیس فرشتے ہیں کیا مراد ہے، ایک بے موقع ذکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ دین مکہ کے پہاڑوں ہی میں بند نہ رہے گا بلکہ دنیا میں پھیلے گا اور یہ بھی معلوم تھا کہ نبی علیہ السلام مدینہ میں تشریف لے جائیں گے وہاں منافق بھی ہوں گے اور اہل کتاب بھی اور وہ اس سورہ مبارکہ سے بھی مطلع ہوں گے اس لیے ان کا ذکر بطور پیشین گوئی کے آگیا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے۔ اگر آپ کو منجانب اللہ اس دین اور وحی کے دنیا میں پھیلنے کا کامل وثوق نہیں دلایا گیا تھا تو آپ اس حالت میں کہ مکہ میں بھی آپ کو امن نہ تھا اور وہیں کے سرکشوں کو زیر کرنا مشکل ہو رہا تھا کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اہل کتاب اور منافقوں تک بھی اس کی نوبت پہنچے گی؟ خصوصاً فریبی اور متغنی آدمی تو کبھی بھی ایسی حالت میں اپنی کامیابی پر پورا بھروسہ نہیں کر سکتا اور نہ وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ جس پر اس کا تسخر ہو اور لوگ اس کے درپے ہو جائیں، عقل سلیم ہرگز ہرگز باور نہیں کر سکتی۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا اُدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا اَسْفَرَ ۝ اِنِّهَا لِاحَدُ الْكُبَرٰ ۝
نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا
كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّا اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنَّتٍ ۝ يَتَسَاءَلُوْنَ ۝ عَنِ
الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرٍ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيْنَ ۝
وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخْوُصُّ مَعَ الْخَاطِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَكْذِبُ
بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ حَتّٰی اٰتٰنَا الْیَقِيْنَ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعٰیْنَ ۝

نہیں نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جبکہ ڈھلے اور صبح کی جبکہ وہ روشن ہو جائے البتہ دوزخ ایک بڑی چیزوں میں سے ہے انسان کے ڈرانے کو تم میں سے ہر ایک کے لیے خواہ کوئی اس کے آگے آئے یا پیچھے ہے ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہے مگر دائیں طرف والے کہ وہ باغوں میں گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ تم کو کیا چیز دوزخ میں لائی وہ کہیں گے ہم نمازی نہ تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلایا کر کرتے تھے اور باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آپہنچی پھر ان کی کسی سفارش کرنے والے کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔

ترکیب : کلا روع لقول الکفا انما نقدر علی متاومت خزنة النار وانتم الوالو للقسمة انھا الخ هذا الکلام جواب القسم والضمیر الی سقر او تعلیل لکلا والقسم معترض للتاکید الکبر فی الکشاف اذ جمع الکبری جعلت الف التانیث کتاء التانیث فلما جمعت فعلت علی فعل جمعت ففعلی علیہا نذیرا بالنصب حال من الضمیر فی انھا قالہ الزجاج وقال الکسائی انہ حال من قوله تم حال کو تک نذیر للبشر وقال الفراء مصدر بمعنى الا نذر منصوب بفعل مقدرو قبل تميز الاحدی تضمنها معنی التعظیم وقيل مفعول له ای لاجل انذار البشر وقری بالواقع علی انہ خبرہ بعد خبر او بحذف المبتداء لمن نذره بدل من قوله للبشر. التقدير انما نذیرا نذیرا لمن شاء منکم ان يتقدم او يتاخر ونظيره قوله الله علی الناس حج البيت من استطاع وقيل ان يتقدم فی محل الرفع بالا بداء ولعن نذره مقدم علیہ کقولک لمن تو شاء ان یصلی والمعنی التقدم والتاخر مطلقا لمن شاء هما منکم۔ رهینه اسم بمعنی الرهن کالشیمتہ بمعنی الشتم ولبست بصفه الرهینه النفس لان وزنها فعیل یستوی فیہ المذکر والمؤنث فلو كانت صفة لقلیل رهین الا اصحاب الیمین الاستثناء متصل لان المستثنی المؤمنون الخ لصلون من الذنوب فی جنات فی محل الرفع علی انہ مبتداء محذوف ای هم فی جنات والجملة متأنفة احوال من اصحاب الیمین ويمكن ان یکون نظر فاقوله یقتضون حتی غایة لامور اربعة له نک الخ۔

تفسیر : کفار کی بیہودہ باتوں کا رد کر کے اب اور دوسرے قسم کے دلائل قیامت برپا ہونے اور دنیا میں نبی بھیجنے پر قائم کرتا ہے اور ایک عجیب مؤثر بیان سے اہل جہنم کی حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور الفاظ کے اندرون پہلو میں جہنم پر ۱۹ فرشتوں کے ہونے کا سر بھی روزمرہ معاملات سے بتاتا ہے۔ ان چند آیات میں مسئلہ حشر اور وہاں کی کیفیت اور دخول نار کے اسباب اور مسئلہ نبوت اور دنیا کا ابتداء اور انتہا اور انسان کا انجام کار جو اس کے اس دنیا میں آنے کا نتیجہ ہے اور سعادت و شقاوت کے اسباب کن مختصر الفاظ میں بیان فرمائے کہ عقل دنگ ہوتی ہے اور ضماند اہل باطلہ کا رد بھی ہے۔

فقال کلا نہیں نہیں ضرور قیامت برپا ہوگی اور ضرور جہنم کے اوپر انیس فرشتے مقرر ہیں اور تمہارا روز و کام نہ آئے گا۔ اور تم جو کہتے ہو نبی کی کیا حاجت بھیجنا بیکار ہے نہیں نہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اب ان باتوں کے ثبوت میں چند چیزوں کی قسم کھا کر بیان کرنا عرب کے لیے کافی تھا کس لیے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولتے تھے اور اس کو مصیبت آنے کا سبب تصور کرتے تھے اس لیے فرماتا ہے وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ إِذَا أَدْبَرُوا الصُّبْحُ إِذَا أَسْفَرُ تین چیزوں کی ایک چیز ہے کچھ ایسی ویسی بات نہیں جس کو تم ہلکا سمجھ رہے ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب قسم محذوف ہو کس لیے کہ وہی جواب قسم ہے جس کی بابت مخاطبین سے رد بدل ہو رہی ہے اس قرینہ سے اس کو حذف کرنا عین بلاغت ہے اور انہا لاحدی الکبر ان تینوں چیزوں کی بابت ہو کہ جن کی قسم کھائی ہے یعنی ہم ان چیزوں کی اس لیے قسم کھاتے ہیں کہ یہ بڑی چیزوں میں سے ہیں اور نذیر البشر بھی ان تینوں چیزوں کی نسبت کہنا ان کے واقعی حال کو بیان کرنا ہے یا یہ کہ ہم ان کی قسم انسان کے متنبہ کرنے کو کھاتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کے متنبہ کرنے کو بھیجا ہے یا یہ کہ قیامت کا واقعہ انسان کے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کو بیان کیا ہے۔

عرب کے یقین دلانے کو تو صرف ان چیزوں کی قسم کھانا کافی تھا مگر اور لوگوں کے لیے خود ان تین چیزوں میں قیامت اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے گویا یہ اشیاء ان دونوں مسئلوں کے لیے دلائل ہیں۔ ذرا ان کے حالات میں غور کرے تو خود بخود قیامت کا برپا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فی مسلک ہونا ثابت ہو جائے۔ اب اختیار ہے کہ ان کے حالات کو قضایا بنا کر نتیجہ نکالا جائے یا یوں ہی طبعیت صافیہ سمجھ جائے۔ یہ تینوں چیزیں وجود قیامت پر اس لیے دلیل ہیں۔ چنانچہ اس لیے کہ اس کے نور کا گھٹنا بڑھنا اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور یہ نمونہ ہے دنیا کو آباد کر کے بگاڑنے اور پھر دوسرے بار زندہ کرنے کا۔ چاند رفتہ رفتہ روشنی زیادہ دیتا جاتا ہے آخر جب کامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے نقصان شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ بالکل غائب ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر چاند نمودار ہوتا اور اگلے مہینے میں روشنی کا نیا نقشہ جماتا ہے۔ اسی طرح دنیا نے تدریجاً ترقی کی اور کرتی جاتی رہی ہے جب پوری ترقی اور اس کی حد پر پہنچ جائے گی تو رفتہ رفتہ انحطاط شروع ہوگا خوب لوگ اور خوبیاں اٹھتی جائیں گی۔ آخر ایک روز فنا ہو جائے گی اور اس تاریکی عدم کے بعد اس کو دوسری زندگی کا نور بخشا جائے گا جو پھر فنا ہوگا اور اس لیے بھی چاند قیامت کی نشانی ہے کہ قیامت کے قریب اس کا شق ہونا پہلی کتابوں میں مذکور ہے جیسا کہ فرمایا تھا اقتربت الساعة وانشق القمر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چاند اس لیے دلیل ہے کہ رات کو روشن کرتا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی اندھیری ہو رہی تھی اس حکیم نے اپنے فضل سے نبی آخر الزماں بھیجا جو تاریکی دور کرنے والا چاند ہے۔ اور اَوَّلُ الْآيَاتِ اِذَا دُهِبَ الصُّبْحُ اِذَا اسْفَلَ فِي تَوْصَافِ صَافِ اَيَا ہے کہ رات کی اندھیریاں پیٹھ پھیر چلیں ظلمت کا زمانہ رخصت ہوتا چلا ہے اور صبح بلایت روشن ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے حضرت کو کہیں چراغ روشن سے کہیں چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایام جاہلیت کو رات سے۔ اور قیامت کی طرف اس لیے اشارہ ہے کہ دنیا مع اپنے چاند اور ستاروں کے تمام ہوا چاہتی ہے۔ اذاد براس کا وجود عارضی اور چند روز ہے اور یہاں کی ہستی کدورتوں اور خلش سے صافی نہیں اس لیے اس کو رات سے تشبیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی صبح ہے اخیر زمانہ اور تنویر کے لحاظ سے۔ اب اس کے بعد آفتاب برآمد ہونے والا ہے جس سے دار آخرت اور اس ابدی جہان کی طرف اشارہ ہے وہاں ہر ایک کو اصلی روشنی میں اپنے نیک و بد اور علم و جہل کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ جہان رات ہے اس میں جو کچھ نور ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و ارشاد کا نور ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے کو اسی قدر روشنی کافی ہے کہ جس قدر چاند سے رات میں پیدا ہوتی ہے مگر انکشاف کلی قیامت کے دن ہوگا جس کی صبح نمودار ہو چلی۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهَا لَاحِدِي الْكُبْرٰى يٰ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُنُوْا رٰسُوْلًا لِّلْبَشَرِ بشر کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والی ہے۔ جاگو جاگو! لذات و شہوات کے متوالو! خدا کی طرف بیدار کرنے والا پکار رہا ہے مگر جاگے کون؟ وہی تو بشر ہو مگر جو بشریت سے خارج ہو کر حیوانیت میں داخل ہو گیا ہو جس کو رات دن کھانے پینے سوئے جماع کرنے یا باہم لڑنے کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔ کیا جاگے گا؟

فرماتا ہے لَمِنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَّتَاخَّرَ اب جو چاہے تم میں سے آگے آئے سعادت کے رستہ میں بڑھ کر قدم رکھے جو چاہے پیچھے ہوئے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا کر رہے۔ فَمِنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمِنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ۔ وَقَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ مگر جو پیچھے ہوئے نہ سمجھے کہ میں دار آخرت کی دارو گیر سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میرے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی کس لیے کہ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ہر شخص امیر غریب، شریف و وضع اپنے اعمال میں گروہی ہے چھٹکارا نہیں۔ اِلَّا اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ مگر داہنے والے ماخوذ نہیں۔ داہنے والوں سے مراد وہ گروہ ہے جو قیامت کو تخت رب العالمین کے دائیں طرف کھڑا ہوگا اور ان کو ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور روزِ یثاق بھی وہ دائیں طرف تھے۔ اور یمن یمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور بہتری کے ہیں یعنی اہل خیر ایماندار و نیکوکار وہ

اپنے اعمال میں ماخوذ نہ ہوں گے۔ کس لیے کہ ان کے اعمال قابلِ مواخذہ ہی نہیں اور وہ اصحابِ الیمین اس روزِ روشن میں کہ جس کی صبح نمودار ہونے والی ہے کہاں رہیں گے۔ فی جَنَاتٍ باغوں میں جہاں اپنے اعمال و ایمان کے پھل کھائیں گے۔ اور یہ ان کی اس گرمی و محنت کا نتیجہ ہے جو خرابہ دنیا میں انہوں نے اٹھائی تھیں۔ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ الْمُبْرِمِينَ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا۔ (فی جَنَاتٍ يَتَسَاءَلُونَ کا ظرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان باغوں میں رہ کر مجرموں سے پوچھیں گے) اس عالم میں اہل جنت کو اہل النار دکھائی دیں گے کیونکہ حجاب جسمانی جو قرب و بعد کا رویت میں فرق پیدا کر دیتا ہے اٹھ جائے گا۔ دوزخی ان کو جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ کہ ہم دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اہل صلوٰۃ کی جماعت میں نہ تھے۔ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِينِ اور نہ فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے یعنی نہ بدنی و روحانی عبادت کرتے تھے اور نہ مالی عبادت کرتے تھے۔ نماز بدنی و روحانی عبادت ہے کھانا کھانا مالی۔ اہل دنیا کے نزدیک بدنی خدمت مالی خدمت سے آسان تر ہے۔ اس لیے اول نماز نہ پڑھنا ذکر کیا بعد میں کھانا نہ دینا۔ یہ دونوں کام قوتِ عملیہ کی تکمیل کے رکن ہیں کس لیے کہ تعظیمِ امر اللہ جو نماز میں ہے اور مشقتِ بر خلقِ خدا جو خیرات میں ہے تمام اہل عقل و نقل کے نزدیک عمدہ کام ہیں۔ اس کے بعد دو کام قوتِ نظریہ کے فاسد کرنے والے اور بتائے وَكُنَّا نَخُوضُ مِنَ الْخَائِضِينَ اور خدا رسول کی باتوں میں اور غوطہ لگانے والوں کے ساتھ ہم بھی غوطہ لگاتے تھے۔ غوطہ لگانے سے مراد باتیں چھانٹنا انکار کرنا شک و شبہات پیدا کرنا ہے۔ وَكُنَّا نَكْذِبُ بَيِّنَاتٍ اور ہم روز جزا کو بھی جھٹلایا کرتے تھے۔ کہتے تھے قیامت نہ ہوگی اچی وہاں کی کیا خبر ہے کون دیکھ کر آیا ہے۔ اب تو مزے کرلو۔ یہ دونوں باتیں قوتِ نظریہ کے خراب کرنے والی بہت کچھ تھیں۔ اعمال نیک بھی نہ کئے، ایمان بھی نہ لائے تھے۔ اور یہ بات کب تک رہی حَتَّىٰ اٰتَيْنَا الْيَقِيْنَ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی اور مر گئے کسی سمجھانے والے کی بات کو نہ مانا اپنی اسی جہالت پر اڑے رہے۔ موت کو یقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بابت دنیا میں کسی کو بھی شک نہیں۔ لَعَلَّ خُودًا پرست جاہل عالم بدکار نیک سب اس کے قائل ہیں اور یہ بھی ہے کہ مرنے کے وقت وہ پردہ جو اس جہان اور اس جہان میں پڑا ہے اٹھ جاتا ہے پھر وہاں کی ہر بات دکھائی دیے لگتی ہے یقین آ جاتا ہے مگر کیا فائدہ ایمان و عمل کا وقت جاتا رہا اس لیے خود ہی فرماتا ہے۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ کہ اس روز سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ آئے گی۔ کس لیے کہ شفاعت یا ایمان و اعمالِ صالحہ کرتے ہیں وہ ان کے پاس ہیں نہیں یا حضراتِ انبیاء و اولیاء کرتے ہیں ان سے بیزاری پیدا کر لی تھی وہ ان سے بیزار تھے۔ ان آیات میں انسان کا انجام بتایا گیا اور یہ بھی بتلادیا کہ دارِ آخرت میں کارآمد یہ باتیں ہیں۔ نماز، خیرات، ایمان، اطاعتِ خدا اور رسول اور ان کے برخلاف کرنے میں ستر میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۳۸﴾ كَانَتْهُمْ حُرْمُتُ تَنْفِرَةٍ ﴿۳۹﴾ فَارْتَمَتْ مِنْ

قَسْوَةٍ ﴿۴۰﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ اَنْ يُؤْتِيَ صُحُفًا مَّنْشُورَةً ﴿۴۱﴾ كَلَّا

بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۴۲﴾ كَلَّا اِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿۴۳﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿۴۴﴾

وَمَا يَذْكُرُونَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۴۵﴾

۴۵

پھر ان کو کیا ہو گیا جو نصیحت سے منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بدک کر بھاگ رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کو کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے نہیں نہیں یہ قرآن ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اس کو یاد رکھے اور کوئی بھی یا نہیں رکھ سکتا مگر جبکہ اللہ ہی

چاہے وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشے والا ہے۔

ترکیب : معرضین حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجور فصار مبتداء لہم خبرہ کا لہما الجملة حال من الضمیر فی معروضین علی التداخل مستنفرۃ قراء الجہور بالکسر یتلوا مستنفرۃ مثل حر واستعجز وعجب واستعجب وقرئ بالفتح قال ابوعلی الفاری الکسرة اولی۔ فرت الخ حال بتقدیر قد والقسورة عند الاكثر الاسد فعولۃ من القصر وهو التمر والغلبۃ سی بذک لانہ قہر اسباع وقیل جماعۃ الرماۃ قال الازہری اسم جمع للرماۃ لا واحد لہ من جنسہ وقیل ذکر الناس واصواتہم وقیل ظلمۃ اللیل بل یرید عطف علی مقدر یرتضیہ المقام کا نہ قیل لا یکتفون بتلک الذکرۃ بل یرید الخ کلالیل لا یخافون اضراب انتقالی لبيان هذا التعمد وقیل کلامی تھا کلا روع لہم عن اعراضہم عن الذکرۃ والضمیر فی انہ ذکرہ للذکرۃ والمصدر ذوالتاء ید کروئے نث۔

تفسیر : جب قیامت کے مصائب کا یہ حال ہے کہ کسی کی سفارش کفار کو کام نہ آئے گی اور وہ دن آنے والا ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے جو اس روز کے لیے کارآمد نصیحتوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور منہ بھی کس طرح پر پھیرتے اور بھاگتے ہیں۔ كَانَهُمْ حُمُورٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا آواز اور شور و غل سن کر بدک کر بھاگتے ہیں۔ نفع ونقصان کچھ نہیں دیکھتے نہ سمجھتے ہیں نصیحت اور بھلائی سے منہ پھیرنا کبھی کم فہمی اور بے عقلی سے ہوتا ہے کہ اس کے فوائد اس کی سمجھ میں نہیں آتے جیسا کہ کم عمر بچے تحصیل علم سے بھاگتے ہیں اور کبھی طبی نفرت سے ہوتا ہے باوجودیکہ فوائد معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ بیمار دوا پینے سے اعراض کرتا ہے اور کبھی کسی وہم اور خیالی اندیشہ سے جیسا کہ قصد سے جس میں وہم ہوتا ہے کہ مر نہ جاؤں اور کبھی عادات و رسوم کی پابندی اور خسیس لذت اور الفت امر نا قابل سے ہوتا ہے جس لیے اس کے خلاف کسی کی نصیحت سننا نہیں چاہتا جیسا کہ عوام جہال اپنے مالوفات اور رسوم بد کے خلاف سننا گوارا نہیں کرتے اور فساق و فجار کی ناپاک خواہش ان کی عقل پر غالب آ جاتی ہے وہ شراب زنا، لواطت اور برے کام نہیں چھوڑتے۔ ان چاروں صورتوں میں عقل سلیم مغلوب ہو جاتی ہے اس لیے ان کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دینا اور ناصح مشفق کو شیر سے جس کی نصیحت کو اپنی قوت متوہمہ کے سبب مضر اور خطرناک جانتا ہے بہت ٹھیک تشبیہ ہے۔ ایک پانچویں صورت اور بھی اعراض کی ہے کہ اس کا تکبر اور غرور نہیں رخصت دیتا کہ کسی اور سے مستفید ہو حالانکہ اس کی بھلائی سمجھتا ہے اس لیے فرماتا ہے۔ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ اَنْ يُؤْتِيَ صُحُفًا مِّنْشُورَةً بلکہ اس لیے بھی نہیں مانتے کہ ہر ایک ان میں سے بھی چاہتا ہے کہ اس پر آسمان سے بند اور ملفوف نہیں بلکہ فرامین شاہانہ کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبی مرسل خدا پاک سے ہمکلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے۔ جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں نبی کی ضرورت نہیں ہر ایک کا واسطہ اس کے رب سے کافی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفار قریش کہتے تھے کہ ہم آپ کو جب مانیں گے کہ ہر ایک کے پاس آسمان سے ایک فرمان آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے تو محمد (ﷺ) کا کہنا مان۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بھی ہے کہ حتی تنزل علينا کتنا بانقرءہ فرماتا ہے کہ لایہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہر ایک میں اس سے مخاطب ہونے کی قابلیت نہیں کیونکہ نفوس انسانیہ کے درجات متفاوت ہیں بعض کو عالم علوی سے مناسبت ہے اور بعض کو نہیں، دنیاوی کاروبار میں ایک عمدہ کام کی ہر ایک صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ عالم ملکوت کے اسرار پر مطلع ہونے کی۔

یہ تو ان کی خرمستی کی باتیں ہیں بلکہ بات یہ ہے بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ کہ وہ آخرت کے معاملات سے ڈرتے نہیں کس لیے کہ ان کا ان باتوں پر ایمان نہیں۔ اگر ان کو کچھ بھی ان پیش آنے والی مصیبتوں کا خوف و اندیشہ ہوتا جیسا کہ دنیاوی امور میں ہوتا ہے اور اس کی چارہ جوئی کے لیے ہر ایک کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تو ضرور ہمارے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دفعیہ کی تدابیر پوچھتے۔

پھر اعادہ کرتا ہے کلا کہ تم جو چاہتے ہو وہ ہرگز نہ ہوگا۔ اِنَّهٗ تَذَكُّرٌ لِّقَرۡآنِ اَیْکَ نَصِيحَتٍ هِیَ فَمِنْ شَآءَ ذٰکُرُکُمْ جُوۡا بِهٖ اَسْ کُوۡیَدُ کِرۡهٍ، نصیحت سے مستفید ہو۔ کس لیے کہ اس کا اسی کو نفع ہے اور جو چاہے نہ مانے جنم میں جائے مگر و مَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ اُس کو یاد بھی وہی کرتے ہیں جن کو یاد کرنا اللہ چاہتا ہے کس لیے کہ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَ اَهْلُ الْمَغْفَرَةِ دُہن متقی بناتا ہے اور وہی متقی بنا کر بخش دیتا ہے یا یوں کہو وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔ تمام نفع و نقصان کی دُوریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر جب اس سے کوئی دُرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے وہی بخشنے کے قابل ہے۔ اس کے دُر کے ساتھ بخشش لگی ہوئی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے اِنَا اَهْلُ اَنْ اتَقٰی فَلَا یَجْعَلُ مَعَهُ اِلٰهٌ فَمَنْ اتَقَانِیْ فَلَمْ یَجْعَلْ مَعِیَ الْهٰ فَانا اِهْلُ اِنْ اغْفِرْ لَہ۔ (رواہ احمد والدارمی والترمدی وحسنہ والنسائی وابن ماجہ والبخاری واہل ابویعلی) کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ مجھ سے دُرے پس میرے ساتھ کوئی شریک نہ بنایا جائے۔ پھر جو مجھ سے دُرے گا میرے ساتھ اور معبود نہ ٹھہرائے گا تب میں اس کو بخش دوں گا۔ (اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ ونسائی وغیرہ محدثوں نے نقل کیا ہے)۔

یعنی یہاں تقویٰ سے اعلیٰ مرتبہ مراد نہیں کہ جس میں تمام صغائر و کبائر سے مجتنب رہنا شرط ہو۔ کس لیے کہ اول تو ہر ایک بندہ سے اس قسم کا تقویٰ مشکل ہے بلکہ لا الہ الا یعنی کون سا تیرا ایسا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ (نواب چشتی) دوم ایسے تقویٰ کرنے والے پر مؤاخذہ ہی نہیں بلکہ شرک سے بچنا مراد ہے اور اس سے وہ اس کے دربار میں راہ پانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اور باقی گناہوں پر اسی کی طرف رجوع کرنے سے مغفرت ہے یعنی اگر شرک نہیں تو قابل مغفرت ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں تھا کہ اے مدثر! کھڑا ہوا اور لوگوں کو ڈرا۔ اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا کہ اس سے ہی ڈرنا چاہیے اور انجام کار تیری نصیحت کا تقویٰ ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا ہے اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے حاصل یہ کہ خلعت نبوت پہن کر چپ نہ رہ بلکہ متقی بنانے میں کوشش کر اور متقیوں کے لیے میری بخشش تیار ہے۔ ابتداء و انتہاء کلام میں ایسی مناسبت رکھنا کمال بلاغت ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ

الَّذِينَ يَجْمَعُونَ عِظَامَهُ ۖ بَلَىٰ قُدْرَيْنَ عَلَىٰ أَنْ تَسْوَىٰ بُنَانَهُ ۚ بَلَىٰ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ

لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۚ ٥٥ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ٥٦ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ٥٧ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ٥٨

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۖ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ الْمَفْرُوءُ ۚ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ ٱلْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبِّئُ ٱلْإِنسَٰنُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بِصِيرَةٍ^٩ ۖ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ^{١٥}

قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے پیمان ہونے والے شخص کی کیا آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم اس کے جوڑوں کے ٹھیک کر دینے پر قادر ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے ڈھٹائی کرے پوچھتا ہے کہ کب ہے قیامت کا دن پھر جبکہ نظر چندھیا جائے اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند اکٹھے کئے جائیں اس دن آدمی کہے گا کہاں ہے بھاگ جانے کی جگہ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ آپ کے رب ہی کی طرف اس دن ٹھکانا ہے اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا چھوڑ آیا بلکہ ہر ایک انسان اپنے حال کو آپ دیکھ رہا ہے پڑا بہانے کیا کرے۔

ترکیب : لا اقسام قبل لازائدہ کمائیدت فی قولہ لعلہ یعلم۔ وقیل لیست بزائدہ وحینذ فی معناہا وجہان احدہما انہ نفی القسم بھا لوضوح الامر والثانی ان لا اور لکلام مقدر لا نعم قالوا انت مفتر استحب المحمر ہللا استفہام الانکاری وان تخففہ المثلثۃ واسما ضمیر الشان محذوف وجواب القسم محذوف یدل علیہ ہذہ الجملۃ ای جمعن العظام۔ ہلی ایجاب لما بعد الھی المنسوب الیہ الاستفہام والوقف علیہ حسن۔ ویتحدی الکلام بقولہ قادرین واختصار علی الحال من الفاعل ای جمعہا قادرین وقیل المعنی بل جمعہا فقد قادرین ہان جمع او اسم جمع لبنائہ الفجر الملام زائدہ وناصبہ ان مقدرة ای ان یکذب امامہ ظرف ای لیکفر فیما یشقبل لیشئل تفسیر لیفجوا یلین خبر مقدم یومہ القیامۃ مبتداء موخر ثم بل یرید عطف علی ای محب فجزان یکون ایضا استفہام یا یجزان یکون ایجاب بقول الانسان جواب اذا برق البصر وجمع الشمس والقمر ولم یقل جمعت لان التانیث مجازی قالہ المبرذ المی ربک خبر والمبتداء المستقر یومئذ منصوب بفعل دل علیہ المستقر لانسان مبتداء لمبتدأ خبرہ وعلی متعلقہ بالخبر والتأنی بصیرہ الملبأ بالذکائی العلامة ولو وصلیۃ معاذیرہ قال الواحدی المعاذ یرجع معذرة یتقال معذرة ومعاذرو معاذ یرو قال صاحب الکشاف والمعاذ یرلئس جمع معذرة وانما هو اسم جمع کما لئنا کیر فی المنکر وجمع المعذرة معاذ رقال المبرذ والزجاج المعاذ یر السور واحد معاذر۔ تفسیر : یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اور ابن عباس اور ابن الزبیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی چالیس آیات ہیں اس میں سر سورۃ پر قیامت کی قسم کھائی ہے اور بعد میں بھی قیامت کے حالات مذکور ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ قیامہ ہوا۔ مناسبت اس کی سورۃ مدثر سے یہ ہے کہ سورۃ مدثر میں قیامت کے ظاہری واقعات کی ابتداء مذکور تھی۔ بقولہ فَاِذَا نُفِخُ فِي السُّنُوفِ اور انتہا بھی بقولہ سَاصِلٰہِ اسقر و کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رٰہِیْنًا تَخٰ اور اس سورہ میں قیامت کے باطنی واقعات کی ابتداء اور انتہا مذکور ہے۔ ابتداء یہ کہ عقل اس روز متحیر ہو جائے گی۔ بقولہ فاذا برق البصر الخ اور انتہا دیدار الہی یا اس سے محرومی کے بعد سیاہ روئی حسرت و ندامت ہے۔ بقولہ وجوہ یومئذ ناضرة الی رہبا ناظرۃ و وجوہ یومئذ باسرة یظن ان یفعل بھا فاقرة۔

اور یہ بھی ہے کہ مدثر کے اخیر میں فرمایا تھا وَاَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ کہ وہی ڈرنے اور بخشے کے قابل ہے۔ یہ اس کی شان ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی معافی دیتا ہے مگر دنیا چند روزہ جو دار العمل ہے اس تقویٰ اور مغفرت کے آثار قویہ ظاہر ہونے کی جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جو ابدی ہے اور اس کی ابتداء قیامت سے ہے اسی لیے قیامت کی قسم کھاتا ہے اور اس کے بعد نفسِ لوامۃ کی بھی یعنی اچھے لوگوں کی جان کی بھی جو اپنے برے کاموں پر ملامت کرتے ہیں اور دراصل ایسے ہی لوگ متقی ہیں یہ اس لیے کہ اس روز وہ لوگ مغفرت کے آثار دیکھیں گے۔ اور بھی الفاظ اور معانی میں باہم مناسبتیں ہیں جو غور کرنے سے ظاہر ہو سکتی ہیں اور صحابہ کبار رحمہم اللہ کے عجیب اذہان صاف تھے کہ ترتیب سور کے وقت ان پر یہ مناسبات ظاہر تھیں۔

فقال لا اقسام یومہ القیامۃ ولا اقسام بالنفس اللوامۃ کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت اور نفسِ لوامۃ کی کہ انسان اس روز اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا۔ نفسِ لوامۃ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اچھے لوگ دنیا میں اپنی تقصیرات پر حسرت و ندامت

وہ نیکی کر کے بھی ملامت کرتے ہیں کہ کم کی اچھی طرح سے نہیں کی اور بدی کر کے بھی اس لیے کہ کیوں کی۔ بدی کرنے کے بعد ان کے دل کو ایک سخت

کرتے ہیں کیونکہ ان کو چشم بصیرت ہے برے بھلے میں امتیاز کرتے ہیں، نفس کی خواہش سے اگر کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو فوراً نادم بھی ہو جاتے ہیں۔ ان اندھے جاہلوں کی طرح اس پر اڑتے نہیں۔ اسی طرح یہ اندھے اس روز حسرت و ندامت کریں گے کیونکہ اس روز روشن میں ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ (فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَ كَفْصِكَ الْيَوْمَ حَدِيدًا) اس روز روئیں گے، دانت پیٹیں گے مگر کیا فائدہ آج اگر روتے اور ندامت کرتے تو فائدہ تھا۔

نفس سے مراد جان یا روح انسانی ہے اور وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتساب کمالات کے لیے اس کا آلہ یا ہتھیار یا اوزار ہے پھر نفوس انسانیہ اپنی استعداد و فیضان کے لحاظ سے کئی قسم پر ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کے نفوس قدسیہ مطمئنہ ہیں کہ ان کو حق سبحانہ کی قربت سے اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔ (الابذ کر اللہ تطمئن القلوب)۔ ان کے بعد صالحین ہیں ان کے قلوب کو بھی ذکر الہی سے اطمینان ہے مگر نہ اتنا اور ان میں اپنی تقصیرات پر ملامت کرنے کی صفت غالب ہے اس لیے ان کے نفس کو نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ (ولم یصروا علی ما فعلوا وهم نادمون)۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزا در خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

بدکار اور فاسقوں کا نفس امارہ ہے وہ بل من مزید کہتا رہتا ہے۔ ہر وقت لذات و شہوات و حسد و بغض کینہ و انتقام کا حکم ہی دیتا ہے۔ ندامت و ملامت تو درکنار بلکہ وہ ان لائق باتوں پر اصرار کیا کرتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کو تو قیامت کے ہولناک واقعات سے محکم و ہم من فزع یومئذ امنون اطمینان ہی ہوگا اور امارہ ستر کا ایندھن ہیں البتہ نفسِ لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف و رجا میں اسی کو تعلق ہے اس لیے قیامت کی قسم کے بعد اس کی قسم کھانا اس کی خوبی اور قیامت کے روز فلاح مندی بتا کر اس کو تسلی دیتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں نفسِ لوامہ نفس اور وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے برے کاموں پر اپنے تئیں ملامت کرنے لگا اور وہ کفار کا نفس ہے اس لیے وہ لَا اَقْسَمُ بِالنَّفْسِ الْوَامَةِ میں لاکوڑا نہ نہیں کہتے بلکہ نفی کے لیے اور یوں معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت کی اور نہیں قسم کھاتے نفسِ لوامہ کی کس لیے کہ وہ ناپاک اس قابل نہیں۔

کفار منکرین قیامت کے مقابلہ میں قیامت کی قسم کھانا بظاہر مصداقہ علی المطلوب تھا مگر قیامت کا آنا ان کے لیے دلائل سے ثابت کر دیا گیا تھا اس لیے اس کے بعد ان کے شک کو اور بھی رفع کرتا ہے۔ ان کے دو قسم کے شبہات تھے۔ اول جہالت کی وجہ سے وہ قیامت اور حساب کے نام لینے کو بھی محلِ عیش سمجھتے تھے۔ اول شبہ کو مان کر اس کا رد کرتا ہے فقال اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يَجْمَعَ عِظَامُهُ كِیَا اِنْسَانٍ (یعنی وہ انسان جو قیامت کے منکر ہیں) یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو پھر جمع نہ کر سکیں گے؟ مشرکین مکہ کا قیامت کے بطلان پر کسی دلیل و برہان پر اعتماد نہ تھا۔ وہ اسی شبہ سے باطل کرتے تھے کہ ہم دیکھتے ہیں انسان مر جاتا ہے اس کی ہڈیاں اور گوشت پوست خاک میں مل جاتا ہے، ہوا اڑا کر لے جاتی ہے، سر کے ذرات ہو کر کہیں اڑ گئے، ہاتھ پاؤں کے ذرے ذرے ہو کر کہیں دور جا پڑے، اب بار دیگر یہ سب کیونکر جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہتے تھے ہیہات ہیہات لم اتوعدون یہ بات کب ہو سکتی ہے اور اسی استبعاد کو ایک شاعر جاہلیت نے بھی بیان کیا ہے۔

حیات ثم موت ثم نشر حدیث خرافہ یا ام عمرو

کہ جی کے مرنا پھر زندہ ہونا ایک لغو بات ہے اے ام عمرو۔ یہ اہل شاعر کی بیوی یا معشوقہ ہے جس سے کلام کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بلی ہاں ہم جمع کریں گے۔ پھر فرماتا ہے قَدْ دِینَ عَلٰی اَنْ نُّسَوٰی بَنَانَهُ کہ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کے درست کرنے پر

قادر ہیں۔ انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد اخیر انگلیوں کی کھال تیار ہوتی ہے یہ اس کی تعمیر بدن کا خاتمہ ہے اور نیز یہاں گوشت اور چربی ہے اور اس کے اندر عروق و شرائین و اور وہ ہیں اور پھر اعصاب و در باطات و عضلات و مفاصل ہیں اور اسی لیے تمام بدن میں حکماء کے نزدیک اس کا مزاج بہ نسبت اور اعضاء کے زیادہ معتدل اور گرمی سردی رطوبت بیوست کے دریافت کا مادہ زیادہ ہے۔ پھر جب ان کو بارہ گرد درست اور ٹھیک کر دینا فرمایا تو تمام اعضاء کا بھی بارہ گرد ٹھیک کر دینا سمجھا گیا۔

آسمان و زمین کی پیدائش اور انسان کا اول بار منی کے قطرے سے بننا وغیرہ ہزاروں اس کی قدرت کاملہ کے نمونہ ان لوگوں نے دیکھے تھے اور سب دیکھتے ہیں پھر جو ایسا قادر و حکیم ہے کہ جس نے اول بار اس کو ایسی چیزوں سے پیدا کر دیا وہ بارہ گرد پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اس بات کو عقول صافیہ اور اذہان سلیمہ کے حوالے کر دیا کہ وہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہی ایک بڑی قوی دلیل حشر کے برپا ہونے پر ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ یہ انکار و تعجب دراصل کچھ نہیں ہے۔ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرْ أَمَامَهُ بَلْ كَارِهٍ اسے اس کی غرض یہ ہے کہ پہلے تو جو کچھ کیا تھا سو کیا تھا آئندہ بھی دل کھول کر بدکاری پر بدکاری کرے۔ کس لیے کہ اب قیامت اور وہاں کی باز پرس کا کھکا تو اس نے اس انکار سے نکال ہی دیا۔ اس فسق و فجور کا نشانہ اس کو قیامت کا لفظ بھی منہ پر نہیں لانے دیتا اور نہ اس کے دلائل میں غور و فکر کی مہلت دیتا ہے اس لیے دلیر ہو کر پوچھتا ہے يَوْمَ الْقِيَامَةِ کب ہے قیامت کا دن؟۔ یہ سئل سے یہاں تک دوسرے شبہات کا رد ہے جو شہوات پر مبنی ہے۔

بعض مفسرین امامہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کا انکار کر کے اللہ کے سامنے بدکرداری کرنا چاہتا ہے جو پوچھتا ہے کہ اَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کب ہے قیامت کا دن۔ یہ انسان کی کمال بے شرمی اور بے حد دلیری ہے کہ اپنے مولا کے رو برو گستاخانہ سوال کرتا ہے کس لیے کہ اس کو ذرنا اور اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ کوئی طبیب حادث خبر دے کہ یہ مرض تجھ کو لاحق ہے علاج کر ورنہ مر جائے گا پھر یہ بڑے جاہل کا کام ہے کہ اس سے پوچھے کہ کب اور کس تاریخ مردوں گا۔

اس کے بعد قیامت کے علامات و حالات بیان کرتا ہے جس کے سننے سے دل لرزتا ہے۔ فَقَالَ فَاذْأَبْرَقَ الْبَصَرُ کہ جب آنکھیں چندھیا جائیں۔ یہ اس روز کی تجلی نورانی سے ہوگا جبکہ تخت رب العالمین عدالت کے لیے فرشتے لا کر دھریں گے۔ اس قہر و جبروت کی تجلی کو آنکھیں دیکھ نہ سکیں گی۔ آفتاب کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں پھر وہ تجلی تو اس سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہوگی جس کے آگے بجلی کی چمک بھی کوئی چیز نہیں جیسا کہ سورہ زمر میں آیا ہے۔ وَاشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قیامت صغریٰ موت کے وقت ہوگا جبکہ اس عالم ناسوتی پر پردہ پڑ جائے گا اور دوسرے عالم کا پردہ اٹھ جائے گا تو وہاں کے ہولناک حالات دیکھ کر کافرو فاسق کی آنکھیں حیرت و دہشت کے مارے اوپر چڑھ جائیں گی وہ شہوت کا نشانہ جس سے انکار قیامت کرتا تھا اتر جائے گا۔ موت کے بعد اس کو قیامت کبریٰ کا آپ یقین ہو جائے گا۔ یہیں سے اس کا وقت شروع ہے۔ اور ایماندار نیک لوگوں کی آنکھیں عالم ملکوت کی تجلیات دیکھ کر خیرہ ہو جائیں گی اور اولیاء کرام و انبیاء عظام کی اس کی تجلی ذاتی سے جو عین وصال ہے۔ یہ قیامت کی پہلی نشانی تھی۔ اس کے بعد دوسری علامت بیان فرماتا ہے۔

وَحُفَّتِ الْقُمَّرُ کہ چاند گہنا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا۔ یہ قیامت کبریٰ کے قریب ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی موت کے وقت ہوگا کس لیے کہ قمر سے مراد قمر عقل ہے۔ اس وقت عقل ماری جائے گی۔ (تیسری علامت) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ چاند اور سورج جمع کئے جائیں گے یہ بھی قیامت کے وقت منقح صور پر ہوگا کہ دونوں بے نور ہو کر کے عدم کے گھڑے میں ایک جا پھینک دیے جائیں گے اور منقح صور دوم پر نیا آسمان نئی زمین نئے چاند اور سورج پیدا ہوں گے۔ جو ان کو بھی علامات موت سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قمر و شمس کے جمع ہونے سے بطور کنایہ کے روح آفتاب اور قمر دل کا جمع ہونا مراد ہے کہ پھر اس وقت دل پر ادھر ادھر کے خیالات طاری ہوں گے بلکہ صرف

روحانی یا ذات و صفات کا اجتماع مراد ہے جو دائر دنیا میں عوارض کے سبب اختلاف تھا ذات کا تقاضا معرفت تھا صفات شہوانیہ و غصبیہ اس کو دور پھینکتے تھے اب یہ اختلاف نہ رہے گا۔

اس وقت آدمی کی عجب حالت ہوگی وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُغُ اور کہے گا آج بھاگ کر جانے کی کون سی جگہ ہے کہاں جاؤں جو اس مصیبت سے امن پاؤں۔ فرماتا ہے کَلَّا نَحْنُ نَحْمِلُ صَوَارِئَ مَا نَسَىٰ ۚ كَلَّا نَحْنُ أَعْيُنُهُمْ الَّتِي كَانَتْ تُرَىٰ ۚ كَلَّا نَحْنُ أَعْيُنُهُمْ الَّتِي كَانَتْ تُرَىٰ ۚ انہیں کی اس کو اس دن نہ ملے گی۔ اِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ اس روز تیرے رب کے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہوگی۔ مشتاقان دیدار خود بخود آئیں گے اور اشرار و فجار کو بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار میں لائیں گے، پھر وہاں حساب و کتاب شروع ہوگا۔ يَبْنِيُوا الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ، بِمَقَادِمٍ ۚ وَآخِرُ اس روز آدمی کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے کیا نیک کام آج کے دن کے لیے آگے بھیجے تھے یعنی کئے تھے اور کیا نہیں کئے تھے۔ یا قدم سے مراد نیک و بد کام ہیں جو اس نے کئے تھے اور آخر سے وہ نیک و بد باتیں ہیں جو دنیا میں پیچھے چھوڑ آیا کہ اس کے بعد بھی نیک کاموں کا ثواب پختہ رہتا ہے جیسا کہ بناء مساجد و مدارس و رسم نیک اور بندگان خدا کی اصلاح و فلاح کی تدابیر اسی طرح برے کاموں کا عذاب ملتا رہتا ہے۔ رسم بد چھوڑ آیا تھا یا دنیا کو برباد و ہلاک کرنے والی بات قائم کر آیا تھا یا کسی میں جھگڑے و عداوت کا بیج بو آیا تھا یا قدم سے وہ اعمال مراد ہیں جو پہلے کئے جاتے ہیں اور آخر سے وہ جوان کے بعد ظہور میں آتے ہیں۔ فرماتا ہے بتلانے کی کوئی حاجت نہ ہوگی محض الزام و اکرام مقصود ہوگا وَرَنَّهُ بَلَّ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بِصِغَرِهِ ۚ آدمی خود اپنے حال اور نیک و بد اعمال سے واقف ہوگا اور اب بھی منصف مزاج واقف ہو سکتے ہیں وَلَوْ لَقِيَ مُعَافَاةً ۚ پڑا حیلے بہانے بنایا کرے یا پڑا پردہ ان پر ڈالے اور چھپائے مگر کچھ بھی نہ چھپا سکے گا نہ کوئی حیلہ بہانہ کام آئے گا۔ وہاں یہ جہتیں اور ابلہ فریب تقریریں کچھ کام نہ آئیں گی۔

لَا تَحْزَنْ بِمِ لِسَانِكَ لِتَجْعَلَ بِهِ ۖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۖ فَإِذَا قَرَأَهُ
فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۖ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۖ وَتَذَرُونَ
الْآخِرَةَ ۖ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۖ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ
بَاسِرَةٌ ۖ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۖ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الشَّرَاقِ ۖ
وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ۖ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۖ وَالتَّتَمَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۖ
إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ السَّاقُ ۖ

آپ (جبریل کے پڑھنے کے ساتھ) قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں اپنی زبان نہ چلایا کریں کیونکہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا دینا ہمارا ذمہ ہے پھر تو آپ اس کے پڑھنے کو سنتے رہیں پھر اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ نہیں نہیں بلکہ تم تو (اے اہل مکہ!) جلد آنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو اور دیر میں آنے والی (آخرت) کو چھوڑتے ہو اب دن بہت سے چہرے تروتازہ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے کہ ان پر کوئی کمر توڑنے والی مصیبت ڈالی جائے گی۔ نہیں نہیں جبکہ جان گئے تک پہنچ جائے گی اور لوگ کہتے پھریں گے کوئی جھانسنے والا ہے اور وہ سمجھ چکا ہوگا جہائی ہے اور ٹانگ سے ٹانگ مرنے والے کی لپٹی پڑی ہوگی اس دن ان کے رب ہی کی طرف رواں لگی ہوگی۔

ترکیب : جمعہ وقرآنہ اسم ان علیٰ خبرھا۔ قال الفراء القراءة والقرآن مصدران فاذا شرط قرآنہ ای اتممتہا قرآنہ علیک فاتبعہ جواب الشرط ای استمع قرآنہ وکررہا وقل عمل بہ کلا لرو عن العجلة وقل کلامی حقاً۔ وجوہ مبتداء وجازا ابتداء بالکثرة محمول الفائدة ناضرة خبرہ و یومئذ الظرف للخبیر ناضرة ناعمة حسنة يقال شجر ناضری حسن ناعم ونضارت العیش حسنة وقل مصیبة مسفرة مشرقة ناظرة خبر بعد خبر الیٰ ربہا متعلق بہ۔ وقلیل وجوہ مبتداء وناضرة صفة لوجوہ و یومئذ ظرف لناضرة وناظرة خبر۔ تظن الجملة صفة باسرة فی الصحاح بسر الرجل وجهه بسور ای کلح وقل متغيرة شديدة العبس والباسل البلیغ من الباسر لکنه غلب فی الشجاع اذا اشتد کلوجه فاقرة واهية تکسر القفار اذا شرط والجواب الیٰ ربک یومئذ المساق التراتبی جمع ترتوة وهي فعولة لاتفعلت وبنی عظم بین ثغرة النحر والعاقق بینما وشلا وکل انسان ترتوتان ویکنی ببلوغ النفس التراتبی عن قرب الموت وقلیل هذا وابعده معطوف علی بلغت من مبتداء وراق خبرہ۔ اصله راق فعلل۔ فهو اسم فاعل کما من رقی یرقی بالفتح فی الماضي واکسرنی المضارع فهو من الرقية کسھی کلام معدلا استشفاء واما من یرقی یرقی بالکسر فی الماضي والفتح فی المضارع فهو من الرقی بمعنى الصعود ومنه الترقی۔

تفسیر : پہلے ذکر تھا کہ انسان جلد باز ہے اور یہ جلد بازی خواہ دینی کاموں میں ہو خواہ دنیاوی اس حکمت کے خلاف ہے جو اس نے باوجود ایک دم میں پیدا کر سکنے کے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ کفار قیامت کے بارہ میں جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کہ ایان یوم القيامة اسی طرح بمقتضائے بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وحی سنا نا شروع کیا ادھر اس کے ساتھ ساتھ شوق میں آپ بھی پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کبھی بھول نہ جاؤں۔ اور نیز یہ بھی شوق تھا کہ جلد مطلع ہو کر لوگوں کو مطلع کروں اس لیے قیامت کے بیان میں بطور جملہ معترضہ کے لَا تُحْزِنُکَ بِہِ لِسَانُکَ سے لے کر ثُمَّ اِنَّا عَلَيْنَا بَیِّنَاتُہُ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس جلدی سے منع کیا اور تلقی وحی کا ادب و قاعدہ سکھا دیا اور تسلی کر دی کہ آپ کو بھولنے نہ دیں گے اور ہم خود اس کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ اور یہ جملہ معترضہ اس مسلسل بیان میں ایسا ہے کہ جیسا کوئی معلم کسی کو تعلیم کرتا ہے اور اثناء درس میں شاگرد ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کو سچ میں ٹوک دے اور کہہ دے کہ ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔ پھر کیا اس کے کلام میں بے ربطی کا باعث تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ الزام قائم کرنا معترض کی کم فہمی اور اسلوب بلاغت و طرز خطاب سے محض بے خبری کی دلیل ہے۔ اور ممکن ہے کہ آیات میں انسان کے عذر بیجا کا دھوکا کس لیے عذرات میں اپنی زبان چلاتا ہے تیرے اعمال ہم نے جمع کرنے اور تجھ کو سنوانے اور پڑھوانے آخرت میں جو بعد میں آئے گی اور تم بعد کی چیزوں کو سامنے کی چیزوں پر ترجیح دیتے ہو۔ بخاری و مسلم وغیرہا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت لَا تُحْزِنُکَ بِہِ لِسَانُکَ کے متعلق یوں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت ایک گرائی معلوم ہوتی تھی اس لیے آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تاکہ بھول نہ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ لَا تُحْزِنُکَ بِہِ لِسَانُکَ لِتَعْجَلَ بِہِ کہ آپ قرآن سیکھنے میں جلدی کر کے زبان نہ ہلایں بلکہ متوجہ ہو کر تمام وحی سن لیا کریں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں یہی مضمون آیا ہے لِتَعْجَلَ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَقْضٰی الْیَکَ وَحِیَہُ الْآیَۃِ کَسَ لِیْہِ اِنَّا عَلَيْنَا جَمْعُہُ کہ ہمارا ذمہ ہے اس کا تیرے دل میں جمع کرنا یہاں تک کہ آپ کے سینہ سے کچھ بھی فراموش نہ ہوگا اور اس بات کا بھی ذمہ ہے قرآن کہ تیری زبان سے پڑھوائیں یا یہ معنی کہ اس متفرق کلام کو جمع کر دیں سب ایک جا مجتمع ہو جائے تب قرآن بمعنی قرأت نہ ہوگا بلکہ بمعنی قرآن فَاِذَا قُرْآنُہُ پھر جب ہم آپ کو جبرئیل کے ذریعہ سے پڑھ کر سنا دیں تو فاتبعہ

۱۔ تشریف روئی۔ ۱۲ منہ

۲۔ وقل مصیبة الماضي۔ ۱۲ منہ

۳۔ منتر جہاز۔ ۱۲ منہ

قد آنہ آپ اس کو چپ ہو کر سنیں یا یہ معنی کہ اس پر چلیں اور اس کے تابع ہوں اس کے موافق عمل کریں اور اسی پر موقوف نہیں بلکہ ثمر ان علینا بیانہ پھر یہ بھی ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ سے بیان بھی کرا دیں گے یا یہ کہ آپ اس کے اشکالات اشاء وحی میں نہ پوچھیں بعد میں خود ہم آپ کو الہامی طور پر بتا دیں گے۔

فائدہ: اس جگہ سے علماء کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ بوقت خطاب کسی مجمل بات کا بیان اگر بعد میں کر دیا جائے تو درست ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے بعض کہتے ہیں نہیں۔ فائدہ: فقال کہتے ہیں ان آیات کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن جن کا ذکر چلا آتا ہے انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال بتلاتے ہوئے اور اس کے عذاب کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ اپنی کتاب یعنی نامہ اعمال پڑھ پھر جب وہ پڑھنے لگے گا تو زبان لڑکھڑائے گی جلدی جلدی پڑھے گا تب حکم ہوگا کہ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کر۔ کس لیے کہ اپنی حکمت سے یا اپنے وعدہ کے موافق ہم نے ذمہ کر لیا ہے کہ تیرے اعمال جمع کریں اور تجھ سے پڑھو انہیں یا تجھ کو سنو ادیں پھر جب سنائیں تو سن اور اس کے تابع ہو یعنی اقرار کر کہ پھر ہم اس عقوبت کی شرح اور اس کے اسرار بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر تمام کلام مسلسل ہے۔

فائدہ: خدا پاک نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا۔ قرآن مجید کو ایک جگہ مجمع بھی کرا دیا کس لیے کہ ٹکڑے ٹکڑے اور سورتیں سورتیں ہو کر نازل ہوا ہے اب سب ایک جا ترتیب موجود ہے اور آپ کے سینہ میں بھی جمع کرا دیا اور تمام قرآن مجید کے حافظ تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ رحمہم بھی حافظ تھے اور بعد امت میں بھی اب تک لاکھوں حافظ ہیں جو ایک ایک حرف اور زبر و زیر پر حاوی ہیں۔ یہ عہد آدم علیہ السلام سے اب تک کسی مذہبی کتاب کی بابت نہ دیکھا گیا، نہ سنا گیا اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا انشاء اللہ۔ اور یہ کھلا ہوا معجزہ ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھیں، کان ہوں سنے، دل ہو سمجھے۔ اس کے بعد پھر قیامت اور اس کی نسبت انسانی طبیعت کا تعلق بیان فرما کر خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ فقال کل انہیں ہرگز نہیں جلدی نہ کر۔ مگر کیا کیجئے انسان جلد باز ہے جس لیے تَجْبُونُ الْعَاجِلَةَ وَ تَذُرُونَ الْآخِرَةَ اے بنی آدم تم جلدی کی بابت پسند کرتے ہو دیر اور بعد میں آنے والی چیز کو چھوڑتے ہو۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنبیہ ہے اور نیز یہ یہی آئندہ بیان آخرت کی تمہید بھی ہے اور سلسلہ وار کفار سے کلام بھی ہے کیونکہ وہ جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کب ہے قیامت کا دن؟ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو ظہر وہ دن بھی آتا ہے۔ اور نیز انسان غفلت شعار کو اس کی ناعاقبت اندیشی پر ملامت بھی ہے خصوصاً کفار کو جو عاجلہ یعنی دنیا اور اس کے عیش و نشاط فانی کو پسند کرتے ہیں اور ان پر فریفتہ ہو کر آخرت پیچھے آنے والی یعنی قیامت یا موت کو چھوڑ بیٹھے اس کا سامان اور سرانجام کچھ نہیں کرتے حال کا سبز باغ دیکھ کر آدمی فریفتہ ہے انجام نہیں سوچتا۔

اب لو اس آخرت کا کچھ حال سن لو جس کو دنیا پر فریفتہ ہو کر چھوڑے بیٹھے ہو۔ وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاطِرَةٌ کہ بہت سے منہ یعنی ایماندار نیکوں کے منہ جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں رات دن مصروف رہتے ہیں تازہ اور روشن ہوں گے فرحت اور سرور کی وجہ سے یا اس تجلّی خاص سے کہ جس کا اثر بدن انسانی پر بھی نمایاں ہوگا اور دنیا میں بھی خدا پرست چہروں پر ایک خاص نورانیت ہوتی ہے اور وہی اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی دیدار الہی کی دولت سے سرفراز ہوں گے اور اسی کی خوشی میں ان کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ دیدار الہی کی بحث: اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اور بعد بہشت میں بھی ایمانداروں، نیک بختوں کو دیدار الہی ہوگا۔ بخاری و مسلم و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ترمذی و ابن جریر و غیرہ محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کو دیکھنے میں جبکہ بادل نہ ہوں کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں جبکہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ ابن کثیر کہتے ہیں بحمد اللہ

یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں متفق علیہ تھا اور تابعین اور ان کے بعد آئمہ اسلام میں بھی سب کا اس پر اتفاق ہے۔

شیعہ اور معتزلہ کہتے ہیں عیانا دیکھنا جسمانی چیزوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ جسمانیات سے پاک ہے اس لیے عیانا دیکھنا محال ہے۔ آیت کے معنی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کس لیے کہ نظر اور چیز ہے جو آیت میں آئی ہے اور رؤیت دیکھنا اور چیز ہے نظر دیکھنے کا آلہ ہے جیسا کہ کان سننے کا یہ ممکن ہے کہ نظر کریں اور وہ چیز دکھائی نہ دے اور سننا چاہیں اور سنائی نہ دے۔ خصوصاً نظر کے بعد الی کا لفظ کلام عرب میں انتظار اور توقع کے معنی دیتا ہے۔ آیت کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اپنے رب کی توقع کرتے ہوں گے۔ کس لیے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ صاف آ گیا ہے۔ لاتدرکہ الابصار کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ لطیف و خیر ہے ممکنات میں سے لطیف چیزیں دکھائی نہیں دے سکتیں۔ جیسا کہ ملائکہ و جن و ہوا پھر وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے ان آنکھوں سے کیونکر دکھائی دے سکتا ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں نظر رؤیت کے معنی میں بہت مستعمل ہے۔ اشعار عرب اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں اور اہل کے ساتھ بھی دیکھنے کے معنی میں مستعمل ہے اور آیت لاتدرکہ الابصار میں ان جسمانی آنکھوں کے دیکھنے کی نفی ہے جو عالم ناسوتی میں مکدرات کے دیکھنے کے لیے مخصوص ہیں نہ عالم آخرت میں جہاں اور آنکھیں عطا ہوں گی اور نیز نفی ادراک کی ہے جو ہر طرف سے گھیر لینے کو کہتے ہیں نہ دیکھنے کی۔

طرفین کے دلائل علم کلام کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور ہیں جس کو اس پر زیادہ واقف ہونا ہو وہ شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہا کتابیں دیکھیں۔

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ اور بہت منہ اس روز ترش اور بگڑے ہوئے یا سیاہ ہوں گے۔ قیامت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور بجائے کسی نیک توقع اور دیدار الہی کے تَضَلُّنَّ اَنْ يَفْعَلَ بِهَا اَقْرَبُ يَتَقَنَّ بِنَاقَرَةٍ یَقِین ہوگا کہ ابھی ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے کس لیے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہوگی، فرشتے طوق و زنجیر لیے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لیے پولس کے سیاہ پوش گارد کی طرح تیار کھڑے ہوں گے اس وقت ادھر ادھر دیکھے گا کہ کوئی چھڑانے والا پیدا ہو کلائیہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے بعد قیامت صغریٰ کا حال بیان فرماتا ہے جو انسان کے ہر وقت دروازہ پر کھڑی ہے یعنی موت جس کا ذائقہ چکھے بغیر چھکارا نہیں۔ اس صورت میں کلا کو آئینہ کلام میں شامل کیا جائے اور اس کے معنی ضرور کے لیے جائیں تو ممکن ہے فقال کَلَّا اِذَا بَلَغَتِ النَّوَاقِرُ ضُرُورَ ضُرُورٍ جب جان گلے تک پہنچ جائے گی۔ یہ نزع کے وقت کا ذکر ہے جبکہ جان نکلنے کو ہوتی ہے گویا کہ حلق تک آگئی۔ یہ اس حالت بے کسی کی تصویر کھینچی جاتی ہے وَقَبِيلَ مَنْ رَاقٍ اور لوگ کہیں گے کوئی جھاڑ نے یا علاج کرنے والا ہے؟ جاہل عرب ٹونکوں، شعبدوں، تعویذ گندوں، جھاڑا بھونکی کے بڑے قائل تھے اس لیے انہیں کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا۔ اس وقت وارث جھاڑ نے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ کوئی جھاڑے، منتر سے اس کو ہوش میں لائے۔ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ مگر وہ بیمار قریب الموت علامات موت اور ملائکہ کو دیکھ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر کہ جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا اور یہ املاک و جائیداد اور مال خزانے ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست جو ہر وقت شریک جلسہ رہا کرتے تھے اور یہ مادرِ مہربان جس نے گود میں پالا تھا اور یہ شفیق باپ کہ جو جان بھی نثار کرنے کو تیار تھا اور یہ ساتھ کھیلے ہوئے بھائی بہنیں جو باہم مل کر ایک گھر میں پرورش پائی اور مل کر رہتے بولتے تھے، ہائے آج مجھ سے چھوٹے ہیں الفراق الفراق! الوداع الوداع!

کوسِ رحلتِ بکوفتِ دستِ اجل	اے دو چشمِ وداعِ سرِ بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو	ہمہ تودیعِ یکدگرِ بکنید
برمن افتادہ دشمنِ کام	آخر اے دوستاں گزرِ بکنید
روزگارِ بشدِ بنادانی	من نہ کردم شامِ بکنید

آخر روح پرواز کر گئی۔ وَالْتَفَتَ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی سے پنڈلی مل گئی۔ مردے کے پاؤں اور ٹانگیں ملا دیتے ہیں اور سیدھا اور چپٹا کر دیتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ساق سے مراد سختی اور شدت ہے عرب ساق بول کر شدت اس وجہ سے مراد لیا کرتے ہیں کہ تیاری کے وقت پنڈلی پر سے کپڑا اٹھالیا اور دامن چڑھا لیا جاتا ہے ایسے وقت کا کافر پر دو شدت پیش آتی ہیں ایک لذت دنیا اور اقارب و اموال کا بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا دوسرے وہاں کی باز پرس اور گونا گوں عذاب میں مبتلا ہونا ایک شدت سے دوسری شدت اور ایک مصیبت نے دوسری مصیبت مل گئی۔

اسی طرح من راق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ جان نکلنے کے بعد کا حال ہے فرشتے باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کو کون اوپر چڑھا کر لے جاتا ہے کس لیے کہ ایماندار کی روح کو اوپر لے جانے کے لیے خوش رو و خوش خلق ملائکہ متعین ہیں اور کافر کی روح کے لیے ہیبت ناک بد خلق متعین ہیں۔

امام احمد و نسائی نے ابو ہریرہ و براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں مرنے کے بعد کی کیفیت مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو رحمت کے فرشتے آتے ہیں نہایت خوش رو گویا ان کے منہ آفتاب ہیں اور ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو بھی ہوتی ہے تو وہ جہاں تک میت کی نظر جاتی ہے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت آکر نہایت نرمی کے ساتھ جان قبض کر کے ان کو دے دیتا ہے وہ اس کو لے کر عالم بالا کو جاتے ہیں اور اس کی روح سے خوشبو آتی ہے اثناء راہ میں ملائکہ پوچھتے ہیں یہ کون ہے تو اس کا تعظیم سے نام لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں پر حق سبحانہ کے حضور میں پیش ہوتا ہے تب حکم ہوتا ہے کہ اس کو علیین میں لے جاؤ جہاں اور مومنین کی ارواح رہتی ہیں۔ یہ وہاں آتا ہے وہاں کے لوگ اس سے اپنے دنیا کے قرابت داروں کا حال پوچھتے ہیں اگر سنتے ہیں کہ فلاں مر گیا اور یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ جہنم میں گیا۔ اور کافر کے پاس سیاہ رنگ بری شکل کے ملائکہ آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت شدت سے جان قبض کر کے ان کے حوالے کرتا ہے وہ اس ناپاک اور بدبودار روح کو اوپر لے جاتے ہیں اول آسمان تک جا کر اوپر جانے کی ہر دانگی مانگتے ہیں اس کے لیے اوپر جانے کا حکم نہیں ہوتا۔ (لَا تَفْتَحْ لَهُمُ ابْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ) پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کو عالم سفلی کے گڑھے میں ڈال دو پھر وہ اس کو پھینک دیتے ہیں کہ جہنم میں آگرتا ہے۔ انہی ملخصاً۔ مسلم نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔

جب سامان موت سب مہیا ہو چکے ہیں اور ملائکہ روح قبض کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسَاقُ آج تیرے رب کے پاس جانا ہے چلیے وہاں سامنے ہونا ہے اب تجھ کو وہاں کی حاضری سے کوئی نہیں روک سکتا۔ مومن کو بعثت و احترام مساوات پر حضوری ہوتی ہے کافر کی آسمان اول سے نیچے ہی پیشی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جنت میں جو عالم قدس ہے اور کافر جہنم میں رہتا ہے۔

عالم آخرت کے حالات جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام نے مکاشفہ صادقہ اور الہام سے بیان فرمائے ہیں سب صحیح ہیں سر موقوفات نہیں ان کے خلاف جو کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۝ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْكُ ۝ أَوَّلَىٰ لَكَ
فَاوْلَىٰ ۝ ثُمَّ أَوَّلَىٰ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۝ أَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدَّ ۝ أَلَمْ
يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوْءَ ۝ فَجَعَلَ
مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُجِئَ الْمَوْتَىٰ ۝

پھر نہ اس نے خیرات ہی دی نہ نمازی پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ بھی پھیر لیا پھر اپنے گھر کی طرف اُکڑتا ہوا چلا اے انسان! تجھ پر انفسوس پر انفسوس تجھ پر! انفسوس اور انفسوس کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ نیکی مٹی کی ایک بوند نہ تھا پھر تو پھر ابنا پھر خدا نے اس کو بنا کر ٹھیک کیا پھر اس سے مرد و عورت کا جواز بنایا پھر کیا وہ خدا مردہ زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہے۔

ترکیب : فلا صدق ای لم یصدق لا بمعنی لم والعرب تقول لا ذہب ای لم یذہب وهذا کثیر فی کلام العرب قالہ الکسائی والاحفش وقیل لا بمعنی ما هو معطوف علی قولہ یسئل ایمان الخ والضمیر الفاعل فی لاصدق ولاصلی للانسان المذکور فی قولہ ایحسب الانسان الخ یتعطی حال من فاعل ذہب یتعطی فی قولان (الاول) ان اصلہ یتعطی ای یتمد ولان التمتیز مید خطا وقلبت الطاء فیہ یاء کما قیل فی تنقیصی اصد تفض (والثانی) من الط وهو الظہر لانه یلویہ فعلی الاول الالف مبدلۃ من طاء وعلی الثانی من ولو اولی لک فی قولان الاول انہ اسم فعل مبنی علی السکون ومعناه ولیک ما کرہہ والفاعل ضمیر مستتر یعود علی ما فہم من السیاق وهو اللعاب علیہ بالمکر وہ واللام زائدۃ کما فی قولہ رد ف لکم والثانی انہ علی وزن افضل من الویل والقلب کا دنی من ونو وقیل وزنہ فعلی لمن آل یول والاف للاحاق لالتانیث وعلی التقدیر من هو اعلم فلما لم ینون فعلی ہذا اولی مبتداء لک خبرہ۔ سدی حال والالف مبدلۃ من وادمعناہ اضمحل ومنہ اهل سدی ای ترعی بلاراع الحدیک الخ متانقہ واروۃ بطلان الحبان المذکور یعنی بالیاء والضمیر یرجع الی المعنی فیکون فی موضع جرسفۃ للمعنی وبالطاء والضمیر للنطقۃ وھی الماء القلیل یقال نطف الماء اذا قطر وجمعھا نطاف ونطف فیکون فی موضع نصب الذکر والاغنی بدل من الزوجین۔

تفسیر : اب اس روح کی حالت بیان فرماتا ہے کہ خدا کے پاس جانے کے بعد اس سے کیا معاملہ پیش آئے گا اور اس کو کیا کہا جائے گا۔ مومن کا حال چھوڑ دیا گیا کس لیے کہ بالفعل ان سرکش کافروں کا انجام کار بیان کرنا اہم مقاصد تھا اس لیے کفاروت پرست اور گنہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال فلک صدق ولاصلی کہ جب وہ دربار میں حاضر ہوگا تو کہا جائے گا تو نے دنیا میں نہ مالی عبادت کی یعنی خیرات نہ دی، نہ فقیروں محتاجوں کو کچھ دیا جوڑ جوڑ کر رکھتا رہا، غلطی خدا پر رحم نہ کھایا اور نہ جانی عبادت کی نہ نماز پڑھی نہ خدا کے سامنے رکوع و سجود کیا، نہ عاجزی اور دعا کی۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلَیْ اَهْلِهِ یَتَمَطَّى بلکہ اپنے گھر کی طرف اُکڑتا ہوا چلا گیا خدا کی طرف کے داعی سے منہ موڑ لیا۔ یا یوں کہو تصدیق نہ کی اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر ایمان نہ لایا، نہ اعمال اچھے کئے۔ نماز سے بے خبر رہا۔ اُولٰٓئِیْ لَکْ فَاوَلٰی ثُمَّ اُولٰٓئِیْ لَکْ فَاوَلٰی اس کے بعد غصہ سے اس کو کہا جائے گا کبھی ہو تیری پھر کبھی ہو تیری یعنی تیری زندگی پر پھنکارا اور مرنے پر پھنکارا اور یہاں زرد و خالی ہاتھ آنے پر پھنکار پھر تیرے جہنم میں جانے پر پھنکار۔ یہ کلمہ زبان عرب میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے چار بار بولا گیا۔ چار موقعوں کے لحاظ سے اس کے بعد اس کو اس اندھناک اور تاریک قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ کی لپٹیں اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اس قیامت صغریٰ (موت) کے واقعہ کا بیان فرما کر حشر برپا ہونے پر ایک دلیل قائم کرتا ہے۔ اس انداز میں کہ اس کو ادنیٰ فہم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ دلیل اول قیامت پر: فقال اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًى کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بیکار اور آزاد اور انکا چھوڑا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اور چند آیات میں جو حشر برپا ہونے کی دلیل ہیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ انسان کو قدرت و اسباب و عقل عطا کئے گئے ہیں اور ان چیزوں کا عطا کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے اور یہ بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امور منہی عنہا پر عذاب اور مامور بہا پر ثواب ہے جس کا مکمل دار آخرت ہے۔ کیا آدمی کا اس جہان میں آنا عقل و حواس پانا اور پھر چند روزہ کر دار دنیا سے غائب ہو جانا اس حکیم و کریم کا کوئی عبث فعل یا کوئی کھیل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا یہ ساری باتیں ایک نئی زندگانی کے لیے سامان و اسباب فراہم کرنے کے لیے نہیں؟ ضرور ہیں۔ پھر انسان نکما اور بیکار اور شتر بے مہار کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو چاہے سو کرے دنیا کے جائز اور ناجائز مزے اڑایا کرے، جانوروں کی طرح سونے، جماع کرنے، کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو۔ ضرور ضرور وہ کسی

کام کے لیے یہاں آیا ہے اس کی فطری بناوٹ اور اس کے عقل و حواس اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اثبات نبوت کی بھی یہ دلیل ہو سکتی ہے کس لیے کہ جب انسان شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا تو ضرور اس کے لیے کوئی روحانی معلم بنونا چاہیے جس پر اس جہان کے اسرار و معارف کئے گئے ہوں اور وہ اس کو وہاں کے مناسب باتیں تعلیم کرے اور ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ پھر اس کا اتباع بھی ضرور ہے۔

دوسری دلیل : دوسری دلیل حشر برپا ہونے پر یہ ہے اَلَمْ يَكْ نُطْفِقْ مِنْ مِّنِّيْ يَمْنِيْ كِه وہ انسان کیا ایک منی کا قطرہ نہیں تھا؟ ضرور اس کی ابتدا یہی ہے اس کو کافر و مومن سب جانتے ہیں۔ پھر کیا وہ قطرہ خود بخود انسان بن گیا۔ اس میں یہ تناسب اعضا پیدا ہو گیا یا کسی مادہ بے خبر اور طبیعت بے شعور نے یہ عقل و حواس عطا کر دیے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسی نے اس کو ترتیب بنایا کس لیے کہ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ قطرہ منی سے خون کا لوتھڑا بنا پھر بتدریج اس کے اعضاء بنے پھر اعضاء بھی ایسے بنائے کہ جن کی تشریح و تناسب میں عقل حیران ہے ہر ایک عضو اس کی کمال صنعت و قدرت کی باوازا بلند گواہی دے رہا ہے۔ پھر خود انسان کا تو یہ کام نہیں کہ از خود بن جائے از خود ہوتا تو یکبارگی ہوتا بلکہ کسی نے بنایا ہے۔ پھر کیا یہ اس کے ماں باپ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر پیٹ میں کیا ہو رہا ہے پھر کیا یہ مادہ اور طبیعت کا کام ہے؟ جیسا دہری اور طبعی کہتے ہیں یہ بھی نہیں کس لیے کہ فَخَلَقَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ اس نے ایک قطرہ منی سے مرد بھی پیدا کئے اور عورت بھی۔ مادہ منویہ برابر تھا طبیعت کا مقتضی یکساں تھا، پیٹ بھی وہی پیٹ ہے اور نطفہ بھی اس شخص کا نطفہ ہے پھر یہ مرد و عورت کا تفاوت کیونکر ہو گیا؟ اور لطف یہ کہ ایک ہی حمل میں ایک لڑکی دوسرا لڑکا کبھی دونوں لڑکے کبھی دونوں لڑکیاں یہ تفاوت کیوں ہوا اور کس نے کیا؟ بے شک اس حکیم مطلق نے اور یہ بھی اس کی کمال قدرت و صنعت اور انسان پر مرحمت کی دلیل ہے کس لیے کہ اگر سب عورتیں ہی ہوتیں یا سب مرد ہی ہوتے تو انسانی تو الود و تناسب اور اس کے عیش اور زندگانی کے لطف کا خاتمہ ہو جاتا ایک نطفہ اور اسی سے یہ اعضاء مختلف الآثار کس طرح کا کام ہے۔ پھر جس نے یہ سب کچھ کر دیا تو اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰی کیا وہ مردے کو حشر میں زندہ کر دینے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

عبد بن حمید وابن الانباری وابوداؤد وترمذی و بیہقی وابن المنذر وحاکم وغیرہ محدثین نے باسناد و مختلف روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد یہ فرماتے تھے بلی کہ کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔ اور اسی طرح سورہ وائیں کے بعد بلی وانا علی ذلک من الشاہدین اور سورہ مرسلات کے بعد آمنا باللہ کہتے اور حکم دیتے تھے کہ کہو کس لیے کہ یہ آداب سماعت میں سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں نماز کے باہر ان مواقع میں یہ الفاظ کہے نماز میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں نماز میں بھی مضائقہ نہیں کس لیے کہ ان الفاظ سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن اول قول احوط ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْکُورًا ۝ اِنَّا خَلَقْنٰ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدٰیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا ۝ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلَیْلًا وَّ اَغْلَآءًا وَّ سَعِیْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَیَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ۝ عَنِیَّا یَشْرَبُ

بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑥

ضرور انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا ہم نے انسان کو مٹی کے ایک لٹھے سے بنایا کہ اس کو آڑ مائیں سو اس کو ستاد بیکتا کر دیا۔ ہم نے اس کو سرت دکھادیا پھر کچھ شکر گزار اور کچھ کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دھکی آگ تیار کر رکھی ہے بے شک نیک لوگ ایسا پیالہ پئیں گے کہ جس میں چشمہ کافور کی آمیزش ہوگی (ایک خاص) چشمہ سے اللہ کے نیک بندے پئیں گے (اور خوب) لوٹھ ہائیں بہا لیں گے۔

تركيب : هل هنا عناء القراء والكسائي وسيبويه وابوعبيدة بمعنى قد كافي قوله هل اتاك حديث الغاشية وكقوله عليه السلام هل يلفت - وقال كى بمعنى الاستفهام التقريرى والاول اقوى من الدهر بيان لحين اوصفته لم يكن الخ محله النصب على الحال من الانسان وقيل محله الرفع على انه صفة لحين امشابه بدل اوصفة من نطقه قيل معنى جمع شئ او شئ كعدل وشريف جمعها اعدال واشراف - وامشج في اللغة الخلط يقال مشج مشجا اذا خلط انما وقع الجمع صفة لمفرد لانه في معنى الجمع لان النطقه ماخوذة من اشياء مختلفة او جعل كل جزء من النطقه نطقه والمراد نطقه الرجل ونطقه المرأة - وقال صاحب الكشف الامشابه لفظ مفرد وليس يجمع بدليل انه وقع صفة للمفرد ونظيره مرتبة اشعاراى قطع مكسرة وثوب اخلاق - نبتليه في موضع الحال اى خلقناه متمثلين له يعنى مريد ين ابتلايه - فاما شاكراً واما كفورا فى انقضاءهما اقوال الاول شاكرا وكفورا حالان من البهافى هديناه السبيل اى هديناه السبيل حالته كونه شاكرا وكفورا (والثانى) انقضاءهما باضار كان و التقدير سواء كان شاكرا او كان كفورا (الثالث) معناه اتاحه يناه السبيل ليكون اما شاكرا واما كفورا واما على هذا القول كقول القائل قد نصحت لك ان همت فاقبل وان همت فاترك (والقول الرابع) هو المطابق لمذهب اهل السنة ان يكون اما فى هذه الآية كاتافى قوله اما بعد بهم واما يتوب عليهم - والتقدير اتاحه يناه السبيل ثم جعلناه تارة شاكرا وتارة كافرا - اما عندا الجمهور بكسر الهمزة فهى عندا الكوفيين كما حكاها كى ان شرطية زيدت بعدها المالكيد اى بينا له الطريق ان شكر وان كفر - واختاره الفراء ولا يجوز عند البصريين لان ان الشرطية لا تدخل على الاسماء الا ان يقدر بعدها فعل ولا يصح ههنا اضمار الفعل لانه لا يلزم رفع شاكرا وكفورا - فاقبل وقرأ ابو السماك وابو العجاج بالفتح فعلى هذا فهى اما عاطفة فى نحو بعض العرب او هى التفصيلية - جواهما مقدر سلاسل عند البعض منصرف لان مثل هذه المجموع تشبيه الاحاد انهم قالوا صواحبات يوسف فلما جمعه جمع الاحاد المنصرفه جعلوه فى حكمها فصرفوها عند البعض غير منصرف لكونه صيغة منثبة للمجموع والسلاسل جمع سلسلة والاغلال جمع غل واما الخاق الاف فى الوقت فهو كالحاقها فى قوله الظنون والرسول اولالا فى الصحاح جمع البر البراء وجمع البار البردة كان مزاجها كافورا الجملة فى محل جر صفة لكسب عينا ان قلت الكافور اسم النهر فى الجنة كان عينا بدلا منه وان همت قلت نصبه على الاختصاص والتقدير واعنى عينا وان قلت الكافور على معناه واستعمل فيه فكان عينا بدلا من محل كاس على حذف مضاف كانه قيل يشربون خمر اخرعين ثم حذف المضاف واقيم المضاف اليه مقامه وقيل نصب عينا باضمار فعل يفسره ما بعده اى يشربون عينا يشرب بها الجملة صفة لعينا وقيل الباء زائدة وقيل يشرب بمعنى يتلذذ فيفجر ونها صفة اخرى لعينا -

تفسیر : اس سورۃ کا نام اسی کے الفاظ کی وجہ سے سورۃ دہر اور سورۃ انسان اور سورۃ حمل اتی اور سورۃ امشاج بھی ہے۔ اس کے نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما و مقاتل و کلبی رحمہم اللہ کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اور اسی طرف بیضاوی و زحتری گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِیْلًا سے آخر تک تو قطعی کی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں اور آیت یُؤْفُونَ بِالْأُفُوفِ بِالْغَدْرِ جوبعض اہل بیت کرام کی مدح میں بیان کی گئی ہے اس بات کا قرینہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

مناسبت : مناسبت اس کی پہلی سورہ قیامہ سے یہ ہے کہ اس میں دو فریق کا معاملہ ذکر تھا جو قیامت میں پیش آئے گا ایک وہ کہ جن کے منہ روشن ہوں گے اور دوسرے وہ کہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے۔ تتمہ کے طور پر اس سورہ میں فریق اول کے اور بھی حالات بیان کئے گئے اور یہ بھی ہے کہ سورہ قیامہ میں صرف قیامت اور نفسِ لواہ کی قسم سے ابتداء کلام تھی یہاں قیامت پر انسان کے حادث ہونے سے استدلال ہے اور یہ بھی ہے کہ ان سورتوں میں اکثر یہی مسائل زیر بحث ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کاملہ کا ثبوت۔ (۲) قیامت کا برپا ہونا اور وہاں کے حالات۔ (۳) انسان کی ابتداء و انتہا اور اس کے اس جہان میں آنے کی وجہ۔ (۴) انسان کے اسبابِ سعادت و شقاوت کہ یہ چیزیں ہیں کہ جن سے اس کو سعادت یعنی وہاں کی حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ ابدی نصیب ہوگی اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کے سبب یہ شقی ہو کر جہنم کے عقیق گڑھے میں زنجیروں میں باندھ کر اوندھے منہ ہمیشہ کے لیے ڈالا جائے گا۔ پھر ان مسائل کو عجب انداز میں بیان کیا ہے اور عجب دلکش طرز سے بلا لحاظِ تقدیم و تاخیر کیے بعد دیگر پر اثر الفاظ اور روح کو جنش دینے والے فقرات میں بیان فرمایا ہے اور ہر ایک بحث پر دوسرے مسئلہ کا لحاظ رہا ہے یعنی اگر اس بیان اور کلام کے ایک پہلو میں ایک مسئلہ کا ثبوت ہے تو دوسرے پہلو میں دوسرے کا۔ اگر خدا پاک کسی مفسر کی روح پر وہی فیضانِ مصطفویٰ ڈالے تو وہ ان مطالب کی تفسیر کر سکتا ہے اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے کنار کہا جاتا ہے اور اس کا نظہرطن اور ہر حد کا مطلع بیان کیا گیا ہے۔

مطالب : سورہ قیامہ میں بھی انہیں مسائل پر انہیں طرزوں میں بحث تھی۔ اس سورہ میں بھی اور اس کے بعد کی سورہ میں بھی علیٰ ہذا القیاس اور اسی لیے باہم لفظی بھی بہت کچھ مناسبتیں پیدا ہیں۔ جو شخص اس رمز پر واقف ہوگا اس کو ہر قسم کی روایات سے ایک خاص شانِ نزول تلاش کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔ کس لیے کہ ان مسائل کی ضرورت ہی سببِ نزول ہے۔ اور آیات میں انسانی نیک و بد فطرت کا فوٹو کھینچا جایا کرتا ہے۔ عام لوگ اس کو سمجھنے تان کر کے رطب و یابس روایات کے ذریعہ سے ایک شخص کا قصہ یا واقعہ بنا دیتے ہیں جس کا جس کی طرف رجحان ہو اور جو ان کے برائی کے لیے جھنڈے پر چڑھ گیا۔

انسان کی ابتدا : فقال هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا کہ بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر گیا ہے کہ اس کا کوئی ذکر بھی نہیں تھا۔ شینا سے وجود فی الخارج کی نفی کر دی گئی کس لیے کہ متبادر معنی شے کے جبکہ اس کو وجودِ ذہنی اور لفظی کی قید سے مبرا رکھا جائے تو موجود فی الخارج کے ہیں اور مذکور او وجود لفظی اور ذہنی کی نفی کرتا ہے کہ انسان کا وجود نہ کسی کے ذہن میں تھا نہ کسی کی زبان پر تھا۔ اور جب اس قید کو بھی ملحوظ کر کے نفی کر دی گئی تو وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی کا نفی دلالتِ مطاقی سے اور خارجی وجود کی نفی دلالتِ تضمنی سے سمجھی جائے گی مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ علمِ الہی میں بھی انسان کا وجود نہ تھا کس لیے کہ علمِ الہی کا مرتبہ بالاتر ہے۔ حاصل یہ کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ اس وقت نہ یہ دنیا میں موجود تھا نہ اہل دنیا میں اس کا تذکرہ تھا کوئی حضرت کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

دہریوں کا اعتقاد اور اس کا ابطال : اس کا ثبوت کہ نسلِ انسان ایک وقت : یہ نہ تھی اور اس کی پیدائش کی ایک ابتداء ہے اہل کتاب کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ ان کے ہاں آفرینش انسان کا زمانہ اب تک تخمیناً سات ہزار برس کا ہے اور اس بات کا نصف دنیا سے زائد کو یقین ہے۔ اہل ہند و اہل پارس اگرچہ لاکھوں برس کی تعداد بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی ایک ابتداء معلوم ہوتی ہے البتہ حکماء یونان اور دیگر فلاسفہ ہر نوع کو قدیم زمانی کہتے ہیں علی سبیل البدلیہ اس کے افراد کو قدیم زمانی مانتے ہیں خصوصاً دہریہ۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ تجدوات و انقلابات جہان میں ہو رہے ہیں سب گردشِ زمان اور اوضاعِ فلکیہ و تاثیراتِ سیارات سے ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں بعض اوضاع میں سے رات دن میں بعض مہینے میں بعض فصل میں بعض ایک برس میں بعض قرانات میں متبدل ہو جاتے ہیں اور بعض بہت دراز زمانہ میں اکوڑاوار کہتے ہیں اس سے انقلاباتِ عظیمہ اور انواع مختلفہ پیدا ہوتے ہیں۔ آبادیاں جنگل اور جنگل آبادی خشکی دریا اور دریا

خشک جنگل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح جی آدم اور دیگر انواع حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور جو پیدا تھے مٹ جاتے ہیں اور ایک نوع بدل کر دوسری نوع بن جاتی ہے۔ انسانوں سے بندر اور بندروں سے انسان ترقی کر کے ہو جاتے ہیں۔

ان کے عقول کی حق سبحانہ کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔ ان کے مذہب کا ابطال صرف ایک اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نسل انسانی کا ایک زمانہ میں بالکل نہ پایا جانا حال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے۔ حال کے محققوں نے کوہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر پتھروں میں سپیائیں اور گھونگھے دیکھے ہیں جس سے علم جوامعی کے واقف کاروں کو کامل یقین ہے کہ کسی زمانہ میں تمام ہندوستان سمندر کا سطح تھا اور سمندر کا پانی ان چوٹیوں کے اوپر تک تھا پھر گھٹتے گھٹتے یہ زمین کھل گئی۔ پھر جب کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں سمندر کے پانی میں غرق تھیں تو پھر مساحت اور ارتفاع کے لحاظ سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک ایسا نہ تھا جو پانی سے ڈھکا ہوا نہ ہو پھر جب ایسا ہوگا تو نسل انسانی کا زمین پر قطعاً وجود نہ ہوگا اور اسی طرح سیاحوں کو اور ملکوں کے پہاڑوں پر بھی سمندر کے نشان معلوم ہوئے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نسل انسانی ایک زمانہ میں دنیا پر نہ تھی تو ثابت ہو گیا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا دہر اور اس کے کسی وضع کا مقتضی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے ہے۔ اگر یوں کہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے نسل انسانی تھی اور مدتوں رہ کر نیست ہو گئی پھر بار دیگر پھیلی اور اسی طرح پھر نیست ہو گئی اور پھر زمین پر آباد ہو گئی اور یہی تسلسل رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے نسل انسانی کا وجود ہونا کس دلیل سے معلوم ہوا؟ کیا اس سے پہلے کے کچھ آثار باقیہ پائے گئے یا قواعد زنج و تقویم سے معلوم ہوا یا کسی دیکھنے والے مخبر صادق نے خبر دی؟ پھر جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو محض عقلی ڈھکوسلا اور دوسوہ شیطانی ہے۔ شینامذ کورا کا لفظ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان سے مراد نوع نہیں بلکہ ہر ایک انسان تب مطلب صاف ہے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ کی ذات کا ثبوت دہریوں کا رد ہے اور نیز تو حید کا بھی ثبوت ہے کس لیے کہ جمیع افراد انسانیہ حادث ہیں ان کو کارخانہ قدرت اور قضاء و قدر میں کچھ خل نہیں اور نیز دوسرے پہلو میں قیامت کا بھی ثبوت ہے کہ ہم بار دیگر پھر نیست کرنے پر قادر ہیں اور حشر میں پھر زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ: دھڑ زمانہ دراز حین اس کا ایک ٹکڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابن آدم مجھے گالیاں دیا کرتا ہے، جب وہ دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ میں ہوں دہر میرے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں رات دن کو پلٹتا ہوں۔ متفق علیہ۔ یعنی دہر کی طرف اس کا حوادث کو منسوب کرنا بے عقلی ہے۔ وہ دہر کیا کرتا ہے جو کچھ کرتا ہوں میں ہی کرتا ہوں۔ انجام کار دہر یہ بھی جب اس سے دہر کی حقیقت دریافت کیا جائے تو اللہ جل جلالہ کی طرف آرہتا ہے۔ صرف لفظوں کا فرق رہ جاتا ہے یہی اس کی گمراہی ہے کہ پھر بھی وہ حق سبحانہ کا انکار کرتا ہے اور مادی و طبعی لوگوں کا بھی اسی کے قریب قریب مذہب ہے۔ وہ دہر کی جگہ مادہ کو پینا کرتے ہیں۔ نئے فلسفہ نے آج کل یورپ میں دہریت اور الحاد اور مادیت کا دریا بہا رکھا ہے ان کے کہربائی تجربات ان کی آنکھوں پر حجاب ہو رہے ہیں۔ اس اندھیری رات میں ادھر ادھر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

اس کے بعد نسل انسانی پھیلنے کا طریقہ بتلاتا ہے جو خاص اسی کے قبضہ و تصرف کی بات ہے۔ فقال انا خلقنا الانسان من نطفة امشابه اور کسی نے نہیں بلکہ خود ہم نے انسان کو مٹی کے لچھے سے پیدا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پیچھے کی سورتوں میں بیان ہو چکی کہ ان کو مٹی سے بنایا اس لیے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ مقصود نسل انسانی کا پھیلا نا بتانا ہے گرچہ مبداء ان کا آدم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل قطرہ مٹی سے شروع ہوتی ہے۔ مٹی کو امشاج چپ اور لچھ کہتے ہیں۔ انسان کی حقیقت بیان کرتا ہے کہ آپ جو زمین و آسمان کے قلابے

ملاتے ہیں اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادہ کو خالق کہتے ہیں آپ کو علم و شعور ہی کیا ہے۔ آپ پہلے اپنی اصل کو تو بیان کر دیجئے کہ وہ منی جس میں چپ تھا اور وہ نرم مادہ کی منی رحم میں مل کر لچھ سا ہو گیا تھا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنی تھی اور رحم میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے آپ کیا تھے آپ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر جب آپ کو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ کس اعتماد پر دہر اور مادہ کو خالق کہتے ہیں؟ اور اگر کوئی بھی خالق نہیں تو پھر آپ خود بخود کیونکر بتدریج بن گئے۔ فعل بغیر فاعل کے اور حادث بغیر محدث کے کیونکر ہو گیا؟ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ یہی نطفہ کا لچھہ تو ہے جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضاء و دلیعت ہیں۔ بھلا اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کون سے جز میں سے کون سی قوت اور کون سا عضو دلیعت رکھا گیا ہے؟ اور یہ بھی کہ آپ ایسی حقیر اور ناپاک چیز سے بنے ہیں جو کپڑے پر لگے تو دھوئی جائے پھر یہ غرور یہ باتیں؟ اب انسان کے دنیا میں پھیلانے اور پیدا کرنے کا راز بھی بتلاتا ہے۔ نہبتلیہ کہ ہم اس کو آزمائیں کہ دنیا کی اندھیری میں کیا کرتا ہے اور ہماری طرف بھی متوجہ ہوتا ہے یا لذات و شہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور اسی لیے فَبَجَعْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا اس کو ہم نے سننے دیکھنے والا بھی کر دیا۔ کان دیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے، اگلے مشرکوں کے حالات اور ان کی آفات سن کر عبرت کرے، ان بیہودہ کاموں سے بچے۔ آنکھ دی ہیں کہ آیات قدرت دیکھ کر ایمان لائے، برے بھلے کو دیکھے اور امتیاز کرے لوگوں کے غلط افسانوں ہی پر اڑا نہ رہے۔ دنیا کی رواروی اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر اپنے چلنے کی بھی فکر کرے۔

فائدہ: انسان کجنت بڑی مصیبت میں ہے لذات و شہوات دنیا اس کے کانوں کو بھر آنگھوں کو اندھا کر کے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں عقل سلیم دار آخرت کی طرف کھینچ رہی ہے ملہم غیبی پڑا پکار رہا ہے کہ اودانداں! ادھر نہ جا آگے جہنم کا عمیق گڑھا ہے۔ ادھر بیماری، فکر، معاش، موت احباب و اقارب، رنج و اہم اور بھی کھائے جاتے ہیں اور مہلت تھوڑی۔

فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں

اس اتنی سی زیست پر کوئی کیا کیا کر لے

اسی لیے بعض حضرات اکابر نے یہ کہہ دیا کہ کاش ہم اسی حالت میں رہتے کہ شیطان کو راندہ ہوتے۔

اس آزمائش کی پھر تشریح کرتا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ کہ ہم نے انسان کو کان آنکھ دے کر بری بھلی سب راہیں دکھا دیں اور بتا دیں کہ یہ برارستہ ہے وہ دیکھ سیدھا جہنم کو جاتا ہے اور یہ رستہ سیدھا جنت کو جاتا ہے اور تجھے دونوں پر چلنے کا قضا و قدر نے اختیار دیا ہے۔ فَاَمَّا شَاكِرًا وَاَمَّا كَفُورًا پھر کچھ شاکر ہو گئے، جنت کی راہ پر چلے گئے اور کچھ کافرا نا شکر ہو گئے جہنم کی راہ پر چلے۔ یا یوں کہو کہ اب تو خواہ شاکر ہو یا کافر پر یہ بھی یاد رہے اِنَّا جَعَلْنَا لِلْكَافِرِينَ سُلٰسِلًا وَاَعْلٰلًا وَاَسْعِیْرًا کہ ہم نے کافروں، ناشکروں کے لیے زنجیریں اور طوق کان اور آنکھ کی ناشکری اور ان کو اچھے کاموں میں استعمال نہ کرنے پر اور دہکتی آگ، دل اور عقل کو راہ راست پر کام نہ لانے پر تیار کر رکھی ہے۔ ذرا مرنے کی دیر ہے اور جو شاکر ہیں وہی ابرار ہیں کس لیے کہ شکر منعم کے احسان کا بدلہ ہاتھ سے پاؤں سے دل سے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور اسی کا نام نیکی ہے۔ اس میں مخلوق خدا کے ساتھ بھلائی، خیرات، صدقات، ہمدردی بھی آگئی کیونکہ نعمتوں کے بدلہ کی اس کو کیا حاجت ہے؟ اس کی مخلوق کی حاجت براری اس کے قائم مقام ہے اور اسی لیے آیا ہے کہ جو کوئی فقیر مسکین حاجت مند کو دیتا ہے یا کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو گویا ہماری عیادت کرتا ہے اور ہم کو دیتا ہے اور نماز و عبادت و ذکر بھی آگیا کس لیے کہ جان و تن کو اسی کی طرف جھکا نا اس نعمت کا بدلہ ہے اور بری باتوں سے پرہیز بھی آگیا کس لیے کہ جو کام کرتا ہے درحقیقت وہ ان اعضاء اور دل کی قدر دانی نہیں کرتا پھر ان نیکیوں کے لیے آخرت میں کیا ہے؟ فرماتا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كُنٰسِ كُنٰنٍ مَّا زٰجٰہَا كَأَنَّهُمْ يَشْرَبُوْنَ مِنْ حٰثِرِ طٰہِرٍ طہور کا وہ پیالہ پینے کو ملے گا جس میں چشمہ کافور کی آمیزش ہوگی یا اس کا مزاج کافوری ہوگا۔ کوئی گرمی اور سوز نہ ہوگی تاکہ حشر کی گرمی سب دور ہو جائے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں منکر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کسی کے گلے میں محبت زری کی زنجیر ہے، کسی کے

زن و فرزند کی، کوئی باغ اور بھیتی اور تعمیر مکانات کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے، کوئی ملک گیری کی زنجیر میں پابند ہے۔ الغرض خلعت دنیا کی زنجیریں ان کے لیے تیار ہیں تا زیت ان سے چھٹکارا نہیں کہ ذرا بھی معرفت و عبادت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ اور ان کے گلوں میں طوق بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کے گلے میں نوکری کا طوق ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کی خدمت اور حاضر باشی سے دم بھر کی مہلت نہیں۔ کسی کے گلے میں شراب اور فاحشہ عورتوں کی محبت کا طوق پڑا ہوا ہے۔ کسی کے گلے میں دنیا طلبی اور حب جاہ و مال کا طوق ہے جو ایک دم بھی اس کو خدا کی طرف پھرنے اور متوجہ ہونے نہیں دیتا اور ان کے لیے دکھتی آگ بھی تیار ہے وہ کیا؟ عداوت و حسد کی آگ، ناکامی کی آگ، حرس و شہوت کی آگ یا فائدہ متوہمہ کے فوت ہو جانے کی آگ۔ یہ آگ ہر وقت دل میں جلتی رہتی ہے۔ محبت الہی اور رغبت دار آخرت کو وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد بھی یہی زنجیر اور یہی طوق اور یہی آگ جہنم میں توے کی بڑی زنجیر اور گراں بار طوق اور دکھتی آگ ہو جائے گی۔ جس طرح یہاں چھٹکارا نہ تھا وہاں بھی ان سے رستگاری نہ ہوگی۔ برخلاف ابراہیم و اہل ایمان کے کہ ان کو شراب محبت الہی کا پیالہ پلایا جاتا ہے جس میں کافور کا اثر ہے جس سے وہ باوجود علاقہ دنیاویہ کے سب سے آزاد رہتے ہیں ان کے دلوں سے یہ آگ سرد کر دی جاتی ہے۔ یہی پیالہ جنت میں شراب طہور کی شکل میں مشکل ہو کر سامنے آئے گا اور اس پیالہ ہی پر بس نہیں بلکہ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ وہ اللہ کے نیک بندے ایک چشمہ کو پئیں گے یعنی ان کے لیے چشمہ تیار ہے جو جاری ہے کبھی بند نہیں ہوتا، نہ اس میں کمی ہوتی ہے نہ ہوگی اور نہ صرف پئیں گے بلکہ يَفَجِّرُ وَنَهَا تَفْجِيرًا کہ اس کو بہائیں گے جس طرح سے چاہیں گے کام میں لائیں گے۔ دنیا میں جو نہ صرف ایک ہی جام پیتے ہیں بلکہ چشمہ محبت الہی سے پیتے اور اس کو بہاتے اور ان کے ہر کام میں اور ہر بات میں اور ہر شان میں محبت الہی کا نشہ ہے وہ وہاں چشمہ کافور ٹسکا بھی اسی طرح دل کھول کر استعمال کریں گے اور وہ کافور یہ دنیا کا کافور نہیں بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جس کو اس کافور سے کسی خاص خاصیت میں مناسبت ہے۔ سردی اور سپیدی تقویت دل و دماغ ہیں۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ
عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ
مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝
فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرَةً وَسُرُورًا ۝ وَجَزَّيْنَهُمَا صَبْرًا
جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ، لَا يَرُونَ فِيهَا شَيْئًا
وَلَا زَمَهَرِيرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذَلِيلًا ۝

۱۔ ان آیات میں انسان کا انجام اور آخرت کا بیان ہے۔

۲۔ سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کیا ہی کافوری شراب کا پیالہ بلکہ چشمہ پلایا گیا کہ اس کے نشہ میں دنیا سر دھمی اور پھر اس کو کیسا بہایا جس کی نالیاں ہند اور چین اور ترکستان ادھر بربر کے خشک میدانوں تک گئیں اور وہاں بھی لاکھوں کو مست و بے خود کر دیا۔ پھر انہوں نے ساقی بن کر ایسا پلایا کہ جس کا نشاب تک نہیں اتر ان کے مزارات مقدسہ سے اب تک وہی سستی کی بو آتی ہے اور کفار کا زنجیروں اور طوق اور دکھتی آگ میں گرفتار ہونا ہر ایک کو دکھائی

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا اور وہ اس کی محبت پر فقیر اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم جو تم کو کھلاتے ہیں تو خاص اللہ کے لیے نہ ہم کو تم سے بدلہ پانا مقصود ہے نہ شکر گزاری۔ ہم تو اپنے رب سے ایک اداس (اور) ہولناک دن سے ڈرتے ہیں پھر ان کو اللہ اس روز کے شر سے بھی محفوظ رکھے گا اور ان کے سامنے تازگی اور خوشی لائے گا اور ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت اور ربی پوشاکیں دے گا وہاں چھپر کھٹوں پر تیکے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے نہ سردی اور ان کے سائے ان پر جھکے پڑتے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے بہت ہی پاس لٹک رہے ہوں گے۔

ترکیب : نیوفون جملہ متناقضہ لہذا بیان حال الابرار النذر فی اللغة الايجاب والمراد هنا ماوجب اللہ علی العباد او ماوجب العبد علی نفسه من فعل الخیرات وترک المنکرات والوفاء الاتیان بما اوجب۔ المستطیر اسم الفاعل من باب الاستفعال ماخوذ من الطیر ان العرب تقول استطار الحریق اذا انتشر ویطعمون الجملہ معطوفہ علی سابقہ انما نطعمکم الخ الجملہ فی محل نصب علی الحال بتقدیر القول ای قائلین انما الخ عموماً تعبس وضح فیہ وجہ الناس من شدتہ وھولہ فاعنی انہ ذو عبوس القمطیر اشد ما یکون فی الايام واطولہ فی البلاء قال مجاہد ان العبوس بالشتین والقمطیر بالجمہ والجاہلین۔ متکئین حال من ھم فی جناتھم والعال جزئی الذرائع جمع اریکۃ ھی بیت یزین بالغیاث والاسرۃ والستور لایرون الجملہ فی محل نصب علی الحال من مفعول جزاھم او من الضمیر فی متکئین فعلی الاول حال مترافقہ علی الثانی متداخلہ۔ اوصفہ اخری الجنتہ۔ ودانیہ من الذنوب معنی القرب قرء الجمہور بالنصب عطف علی ما قبلھا حال مثھا اوصفہ لمخزوف معطوف علی جنتہ۔ وقری بالرفع علی انہ خبر والمبتدأ ظلّالھا والجملہ فی حیز الحال والمعنی لایرون فیھا شمساً ولازمھیرا والحال ان ظلّالھا دانیہ۔ علی تقدیر النصب ظلّالھا مبتدأ علیھم الخبر وذللت الجملہ حال من دانیہ او معطوفہ علی دانیہ علی تقدیر رفع دانیہ علی جملہ اسمیہ والقطوف جمع قطف بالکسر ھو العنقود۔ خوشہ۔

تفسیر : یہاں سے ان ابرار کے اوصاف و حالات بیان فرماتا ہے جن کے سبب وہ ابرار کئے گئے۔ (۱) یُوفُونَ بِالْغَدْرِ کہ وہ نذر پوری کیا کرتے ہیں۔ نذر پیمان (ومن نذرت للذکر الذکر بالضم والکسر) (صراح) و فاپورا کرنا۔ قنادر و مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں لغوی اور شرعی معنی کے لحاظ سے اس میں مفخرین کے تین قول ہیں۔ (اول) نذر شرعی کہ بندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنے اوپر واجب کر لے کہ میں اللہ کے لیے یوں کروں گا یا یہ کام نہ کروں گا۔ اب عام ہے کہ یہ نذر کسی آنے والی مراد کے حاصل ہونے یا بلا کے دفع ہونے پر کی ہو جیسا کہ عام دستور ہے یا نہیں مگر اس قسم کی نذر کی بابت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔ لا تذروا فان الذکر لا یغنی عن الذکر شیئاً وانما یستخرج بہ من الخلیل۔ (متفق علیہ)۔ کہ نذر نہ مانا کرو کس لیے کہ تقدیر الہی کو نذر ماننا کچھ ٹال نہیں سکتا جو ہونا ہے ہو کر رہے گا، ہزار نذر مانا کرو بلکہ اس حیلہ سے بخیل کا مال خدا پاک باہر نکلوا دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو بغیر نذر مانے کچھ بھی اللہ نہ دیتا ہو اور وہ نذر کو تقدیر الہی کے پلٹنے کا وسیلہ بنائے۔ یہ اس بخیل کے مال صرف ہونے کا سبب ہے۔ نذر ممنوع کاموں میں بھی جو اس کی قدرت نہ ہوں نہ ماننی چاہیے۔ کیونکہ مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مصیبت میں اور جن کاموں کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا نذر کا پورا کرنا نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس قسم کی نذر کو پورا نہ کرے مگر کفارہ لازم ہوگا کیونکہ ابوداؤد و ترمذی نے روایت کی ہے کہ لا نذر فی معصیۃ اللہ و کفارتہ کفارتہ الیمین اور اسی طرح ابن ماجہ و ابوداؤد نے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے، من نذر نذرأ لا یطیقہ کفارتہ یمین۔ امام شافعی فرماتے ہیں یہ نذر دراصل نذر نہیں کفارہ واجب نہیں نہ اس کو پورا کرے۔

۱۔ یمین خدا کے نام یا صفات کی قسم کھانا کہ ایسا کروں گا یا نہ کروں گا اور نذر بغیر قسم کے کوئی کام واجب کر لینا کہ تین روزے اللہ کے لیے رکھوں گا یا صدقہ اس قدر کروں گا وغیرہ۔ اگر برے کاموں کی بابت یا غیر مقدور کی بابت نہیں تو دفا کرنا لازم ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔ اور ترک میں کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا

باقی اور سب نذروں کا پورا کرنا واجب ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ ابرار کی شان میں فرماتا ہے۔ **يُؤْفُونَ بِالْأَنذَرِ** اور ایک جگہ یوں فرمایا ہے۔ **وَلْيُؤْفُوا نَذْرَهُم** کہ اپنی نذریں پوری کرو۔ پھر جو اپنی مانی نذر کے پورا کرنے میں آمادہ ہے وہ خدا پاک کے واجب کردہ احکام و عبادت پر بدرجہ اولیٰ سرگرم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آیت میں نذر سے مراد واجبات ہیں۔ عام ہے کہ از خود بندہ نے اپنے اوپر واجب کر لیے ہوں یا خدا تعالیٰ نے واجب کئے۔ تیسرا قول کبھی کا ہے کہ نذر سے مراد عہد ہے عہد وفا کرنے کی قرآن میں تاکید ہے عام ہے کہ باہمی جائز عہد ہو یا خدا تعالیٰ کا عہد جو نبیوں کی معرفت بندھا ہے شریعت و احکام کی بجا آوری کا۔ **(۲) يُخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا** کہ وہ اس دن کے شر سے بھی ڈرا کرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا۔ گرمی اور سردی کا جس طرح دنیا میں ایک عام اثر ہوتا ہے اسی طرح قیامت کا شر اور اس کا ہول اور دنیا کے زیروزبر ہونے کا حادثہ اور پھر فتح و غلبہ اور اس کے بعد قبروں سے نکلنے کا حادثہ ایک عام وحشت انگیز حادثہ ہوگا۔ وہ ابرار اس دن کے حادثہ عظیمہ سے ڈرا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس دن کی تیاری میں نذریں پوری کرتے ہیں اور اپنے جان و مال کو انہوں نے دنیا میں نذر اللہ کر دیا ہے اس لیے **وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ كَمَا كُفِّلُوا** ہیں۔ علیٰ حبہ محض اللہ ہی کی محبت سے نہ ریاکاری اور شہرت کے لیے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کھانے کی ان کو رغبت و محبت ہوتی اور حاجت دامن گیر ہوتی ہے اس پر بھی وہ کھلا دیتے ہیں کس کو؟ مسکینا فقیر کو ویتیم و یتیم کو و اسیر و قیدی کو۔ اگلے زمانہ میں قیدیوں کو شای خزانہ سے کھانا نہیں ملتا تھا وہ اپنی محنت مزدوری کر کے کھاتے ہیں۔ اس میں ان پر سختی گزرتی تھی، فاقہ کشی پر فاقہ کشی ہوتی تھی اس لیے ان کا کھانا بھی اس حالت بے کسی میں بڑا عمدہ کام تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں اسیر سے مراد وہ بے بس لوگ ہیں جو خود کوئی کام نہیں کر سکتے یا وہ لڑکے اور عورتیں اور غلام ہیں جو ظالموں کے بچے میں گرفتار ہیں اور ان کو بیہوش بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ بچارے ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اس میں بے زبان جانور بھی داخل ہیں جو ایسے موذیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور دانہ پانی نہیں ملتا اور ان پر اپنا کچھ احسان بھی نہیں جلتا بلکہ یہ کہتے ہیں **أَلَمْ نُنْطِقْكُمْ لَوْجَهَ اللَّهِ لَا تَرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا تَشْكُرُونَ** کہ ہم تو خالص اللہ کے لیے تمہیں کھانا کھلاتے ہیں کہ وہ خوش ہو جائے اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے نہ ہم کو تم سے اس کا بدلہ مقصود ہے نہ یہ کہ تم شکر گزاری کرو ہماری تعریف و مدح کرتے پھر وادریہ بھی کہتے ہیں **إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبَّنَا يَوْمًا** **عَبُوسًا قَهْرًا** کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا اس روز کے لیے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اللہ کے نیک بندے یہ باتیں ہر مسکین و یتیم و اسیر کے سامنے زبان سے کہتے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ زبان حال سے کہتے ہوں اور ان کے دل میں یہ مضمون ہو اور ان کی اس نیت اور حسن اخلاص کو خدا پاک ان کے قول سے تعبیر کرتا ہو اور ایسا ہوتا ہے اور یہی قول ہے۔ **يُؤْفُونَ بِالْأَنذَرِ** سے لے کر یہاں تک کی آیات کے بارہ میں ابن مردود نے ایک طویل قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی بیماری میں نذر مانی تھی کہ تین روزے رکھوں گا۔ جب صاحبزادوں کو شفا ہوئی اور روزے رکھنے شروع کئے اور کھانے کے لیے بہزار دقت شمعون خیبری یہودی غلہ فروش سے کچھ لا کر روٹیاں پکائیں، شام کو افطار کر کے جب کھانے بیٹھے اور آپ کے سامنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لونڈی فضہ بھی روزہ دار تھیں تو ایک مسکین نے سوال کیا۔ پانچوں روٹی اس کو اٹھا دیں۔ اس پر یہ آیات ان کی مدح میں نازل ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کس لیے کہ حضرت اہل بیت کرام ایسے ہی تھے مگر اول تو اس روایت کی صحت میں کلام ہے دوم اول سے آخر تک سلسلہ وار عموماً ہر انسان کی بابت کلام چلا آ رہا ہے، تخصیص کسی کی نہیں۔ ہاں اس عموم میں حضرات اہل بیت کرام بدرجہ اولیٰ شریک ہیں۔ (تفسیر کبیر)۔

اس کے بعد ان ابرار کی جزائے خیر کا ذکر کرتا ہے۔ **فَقَالَ فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرَّدَ ذَلِكَ الْيَوْمَ** کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس روز کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ ان پر کوئی مصیبت اور آفت اس روز نہ آئے گی۔ اور نہ صرف یہی بات کہ ان کو شر سے بچا کر نعمتوں سے سرفراز کرے گا بلکہ **وَلَقَهُمُ**

نَصْرَةً وَسُرُورًا ان کو فرحت اور خوشی عطا کرے گا اور دیدار الہی کی فرحت سے شادمان ہوں گے۔ یہ جنت روحانی تھی اس کے بعد جنت جسمانی کا ذکر کرتا ہے۔ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَخَرِيرًا کہ ان کے صبر کے بدلے میں جو نذر کے وفا کرنے اور اسیروں اور قیدیوں اور فقیروں کے کھلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے جنت دے گا اور اس میں ریشمی لباس پہننے کو ملے گا۔ اور نہ یہی کہ صرف ایسے کپڑے اور خوشی ملے گی بلکہ ان کے رہنے کے لیے اور بیٹھے اور سونے کے لیے مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلٰی الْأَرَائِكِ چھپر کھٹ اور طلائی پلنگ ملیں گے جن پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمَهْرِيرًا جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے کس لیے کہ وہاں عرش کا سایہ ہوگا۔ آفتاب کی روشنی کی وہاں حاجت نہ ہوگی اور نہ وہاں سردی ہوگی ایک معتدل موسم ہوگا جو بہت ہی پر بہار موسم ہوگا۔ نہ خزاں کا ڈرنہ برسات کی کچھڑ نہ چھھر نہ پسو، نہ گرمی نہ سردی۔ دنیا میں جو نہایت پر بہار موسم باغوں میں ہوا کرتا ہے اور جو عمدہ ملکوں میں ہوتا ہے یہ وہاں کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا اور جنت کے سائے ان پر جھکے ہوں گے گرچہ وہاں آفتاب نہ ہوگا اور نہ اس کی دھوپ مگر اور اجرام نورانیہ بھی پر تو آگن ہوتے ہیں کبھی طبیعت انسانی ہمیشہ یکساں حالت سے گھبرا جاتی ہے اس لیے کبھی اس کے تبدیل و تغیر میں سرور پاتا ہے اس واسطے ان کے لیے بڑے دراز سائے ہوں گے جن کے نیچے تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور آپس میں باتیں کریں گے اور دنیا کے تذکرے بھی آنیں گے اور بے ثمر درختوں کے سائے نہ ہوں گے بلکہ وَذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا فِئَاطِلًا ان کے پھل ان کے بس میں ہوں گے۔ سایوں کے ساتھ پھل بھی جھکے ہوئے ہوں گے جن کے لینے اور توڑنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ دنیا کی ہر ایک صفت نیک ان کے لیے ایک نعمت بن کر سامنے آئے گی۔ ان کی فرحت و خوشی ان کے دل غناک اور اندوگئیں کے خوف و خطر کا نتیجہ ہے وہاں ان میں اس کے بدلے خوشی بھری جائے گی اور ان کے صبر کی پیش اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا ثمرہ جنت اور نرم لباس ہے اور وہ خود خدا کے آگے جھکے ہوئے تھے وہاں جنت میں درخت میوہ داران پر جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ میوے ان کے اعمال صالحہ و معارف الہیہ اور اس کے شوق و مواعید ہیں۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝
 قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَاْسًا كَانَتْ
 مِّنْ اَنْجَبِهَا زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ۝ وَيَطُوفُ
 عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝
 وَاِذَا رَاَيْتَ ثُمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ۝ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ
 خُضْرٌ وَّاَسْتَبْرَقٌ ۚ وَحُلُوْا اَسَاوِرَ مِّنْ فِضَّةٍ وَاسْقَهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝
 اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّ كَانَ سَعِيْكُمْ مَّشْكُورًا ۝

تورمیں: ہر ایک صفت نیک ان کے لیے ایک نعمت بن کر سامنے آئے گی۔ ان کی فرحت و خوشی ان کے دل غناک اور اندوگئیں کے خوف و خطر کا نتیجہ ہے وہاں ان میں اس کے بدلے خوشی بھری جائے گی اور ان کے صبر کی پیش اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا ثمرہ جنت اور نرم لباس ہے اور وہ خود خدا کے آگے جھکے ہوئے تھے وہاں جنت میں درخت میوہ داران پر جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ میوے ان کے اعمال صالحہ و معارف الہیہ اور اس کے شوق و مواعید ہیں۔

اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے آنخوروں کا دور چل رہا ہوگا شیشے بھی چاندی کے شیشے جو ایک خاص انداز پر ڈھالے گئے ہوں گے اور وہاں ان کو پیالہ پلایا

جائے گا کہ جس میں زنجیل کی آمیزش ہوگی وہاں اس چشمہ میں سے بھی پانی نہیں گے کہ جس کا نام سلیمیل ہوگا اور ان کے پاس سدا رہنے والے لڑکے (خادم) گھومتے ہوں گے۔ جب (اے مخاطب!) تو ان لوگوں کو دیکھے گا ان کو خیال کرے گا کھڑے ہوئے موتی ہیں (صفائی اور خوبصورتی میں) اور جب تو (وہاں کی نعمتیں) دیکھے گا تو تجھ کو وہاں بڑی نعمت اور شاہی ساز و سامان نظر آئے گا۔ ان (جنتیوں) پر برزخ نشینی باریک اور دیز کپڑے ہوں گے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا (کہا جائے گا) یہ تمہارے (نیک اعمال کا) بدلہ ہے اور کو ششیں مقبول ہوں گی۔

ترکیب : انیۃ جمع انا نکساء واکسیۃ وغطاء واعطیۃ والاصل آئینہ بھرتین الاولی مزیدۃ جمع والثانیۃ فاء والکلمۃ فقلت الثانیۃ الخاء من فضۃ بیان لانیۃ واکواب جمع کوب وهو الکوز الکبیر (کوڑے دستہ۔ سراج) عطف علی آئینۃ کانت قواریر الجملۃ صفۃ لاکواب والقواریر جمع قارورۃ (شیشہ) قراء نافع والکسائی قواریر بالتوین فی الموضعین مع الوصل مع الوقف بالالف کسلا سلا وقرۃ حمزۃ بعدم التوین فیہا وعدم الوقف بالالف بصیغۃ منقضی المجموع والثانی بدل من الاول۔ وقری برفع الثانی علی تقدیری قواریر قدردھا صفۃ لقواریر عینا منصوب علی انھا بدل من کاس واذارایت ثم ثم فی موضع النصب علی الظرف یعنی فی الجنتی و فی مفعول رایت اختلاف قیل مقدور قیل لا عالم فہم قرۃ نافع وقرۃ بسکون الیاء وکسر الھاء علی انہ خبر مقدم وثیاب مبتداء موخر وقرۃ الباقون یفتح الیاء وضم الھاء تحرک ما قبلھا علی انہ ظرف کا نہ قیل فہم ثیاب فصبہ علی الظرفیۃ۔ وقیل نصب علیہم علی الحال اما من ہم فی قولہ یطوف علیہم اومن الولدان ای اذاریتہم حسبہم لو لواء منشورانی حال علو الثیاب ابدانہم والجملۃ صفۃ اخری لولدان وقری علیہم غصۃ بالرفع لغت لثیاب وبالجر لغت لکونہ اسم جنت واستبرق بالرفع عطفا علی ثیاب وحلوا عطف علی یطوف علیہم۔

تفسیر : یہ تہہ ہے بیان سابق کا کہ جنت میں جنتیوں کے لیے کھانے پینے کا بھی شاہانہ سامان ہوگا صرف میوؤں ہی پر بس نہ ہوگی برتن اور آنسو رے اور لوٹے وغیرہ ظروف چاندی کے ہوں گے مگر چاندی جیسی چمک اور صفائی آئینہ جیسی ہوگی۔ شیشہ دنیا میں مٹی کے مادہ سے ہوتا ہے وہاں کے شیشے کا مادہ چاندی ہوگا۔ ایسی چیز دنیا میں کسی کے پاس نہیں کہ مادہ تو چاندی ہو اور صفائی میں شیشہ ہو اور پھر وہ برتن بے ڈول نہ ہوں گے بلکہ قدر و ہفتہ پر ایک عجیب صنعت اور انداز سے بنائے اور ڈھالے جائیں گے اور ہر ایک برتن میں وقت حاجت کی رعایت ہو گی جس قدر پانی اور کھانا مطلوب ہو اور جس موقع کے لیے ہوتا ہے اس میں آئے۔ اور سونے کے بھی برتن ہوں گے جیسا کہ سورۃ زخرف میں آیا ہے یطاف علیہم بصحاف من ذهب واکواب ہر موقع اور محل کے مناسب کہیں طلائی کہیں نقرئی برتن ہوں گے اور یطاف میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر اوقات انہیں برتنوں کی آمد و رفت رہے گی، خادمان پر یروائیں گے لے جائیں گے، عیش و نشاط کا ایک تار بندھا رہے گا۔ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاتے تھے اور فقیرانہ گزر کرتے تھے اور ایسے لذیذ کھانوں کے بعد یا ساتھ کھانا جلد ہضم ہونے کے لیے ویسقون فیہا کاسا کانا من اجہا زنجبیلان کو ایک ایسی عمدہ چیز کا پیالہ پلایا جائے گا کہ جس کا مزاج اور کیفیت یا آمیزش سونے کی ہوگی تاکہ حرارت نمریزی جوش میں آئے اور عیش و نشاط کا لطف تازہ ہو۔ اور شوق دیدار الہی بڑھے تاکہ شوق کے بعد جو چیز ملے اس کی قدر اور لذت زیادہ ہو۔ اول مرتبہ کا فوری شراب کا پیالہ پلایا جانا فرمایا تھا کہ حشر کی گرمی اور ہوم و غوم کی تپش بالکل جاتی رہے بعد شراب زنجیل کا پلایا جانا فرمایا کہ ایک دوسری گرمی پیدا ہو جو لذات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کس لیے کہ جب انسان کی اصل گرمی کم ہو جاتی ہے تو پھر نہ ہضم جید ہوتا ہے نہ کسی مہ جین کے وصال کا شوق باقی رہتا ہے نہ دل میں چونچلے اور اچھل کود کی امنگ رہتی ہے۔ ایک مٹی کا بے حس ڈھیر رہتا ہے جیسا کہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ مگر وہ زنجیل دنیا کی زنجیل نہیں کہ جس میں سوزش اور کسی قدر مضرت ہو بلکہ عینا فیہا تسلی سلسبیلۃ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلیمیل ہوگا۔ سل سبیل کے معنی ہیں پوچھ رہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کو پانی کر شوق بڑھے گا اور ساقی سے محبوب کا رستہ پوچھے گا۔ یہ دنیا میں شراب شوق الہی اور اس کی گرمی کا اثر ہے جو

خاصانِ خدا کو نصیب تھا۔ اور اس شراب کو اور ان لذیذ نعمتوں کو کون لائیں لے جائیں گے؟ وَيُطَوَّفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ لڑکے جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا، جو ان بوڑھے نہ ہوں گے، ہمیشہ اسی حالت پر رہیں گے۔ لڑکوں میں ایک شوخی شرارت تری پھرت اور بھولا پن ہوتا ہے۔ ایسی نشاط کی مجلسوں میں ان کا کھانے پلانے میں کام کرنا عجب لطف دیتا ہے اور نیز وہ ان کے خلوت خانوں میں ان کی محبوب بیبیوں کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونے میں آجاسکتے ہیں ناگوار نہیں معلوم ہوتے نہ وہ عورت ہوتے ہیں اس لیے نہ مرد کو ان کا آنا برا معلوم ہوتا ہے۔ نہ عورت کو برخلاف جو ان مرد و عورت کے اِذَا رَأَيْتُمْ حَسْبَهُمْ لَوْ لَوْ اَمْتَنُورُ اودہ ایسے حسین اور پر نور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں ادھر ادھر آتے جاتے، کھڑے بیٹھے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا لڑی کے موتی بکھر گئے ہوں۔ موتی تو اس لیے کہ وہ ایسے خوبصورت ہوں گے اور بکھرے ہوئے اس لیے کہ وہ کاروبار میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہوں گے ان کے حسن اور ہر نے پھرنے کی بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں بیان کیں طلائی برتن وغیرہ کچھ انہیں پر موقوف نہیں بلکہ وَاِذَا رَأَيْتَ مِمَّا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا کہ جب تو دیکھنے والے جنت میں نظر کرے گا تو ہزاروں نعمتیں اور بڑی سلطنت اور شاہانہ تکلفات و تجملات دیکھے گا۔ جو دنیا میں عمدہ باغات اور سنگ مرمر کے طلائی اور جواہرات کے کام کئے ہوئے مکانات اور بڑے بڑے عیش و نشاط کے سامان اور بہاریں بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل ہیں وہ لاکھوں حصہ بھی وہاں کی نعمتوں کا نہیں جو ایک ادنیٰ سے شخص کو جنت میں ملیں گی۔

اب ان کی پوشاکوں کا حال بیان فرماتا ہے عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ مِّنْ سُندُسٍ کہ ان کے اوپر خلعت کے طور پر چمکنے والے اور صاف ریشم کے مہین کپڑے خضر بزرنگ کے ہوں گے کہ ان کی سرسبزی کی دلیل ہو۔ واستبرق اور ریشم کے دبیز کپڑے بھی ہوں گے۔ کاشانی مخمل وغیرہ جس طرح دنیا میں ہے یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ شاہانہ لباس ہوگا۔ یہ ان کے صفاتِ حمیدہ ہیں جو اس روز لباس بن کر ظہور کریں گے۔ لفظ علیہم میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کنگن پہنائے جانے کی وجہ: وَخُلُّواْ اَسْبَا وِرْمِنْ فَضِيَّةٍ اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورہ کہف میں ہے یحلون فیہا من اساور من ذهب کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، ممکن ہے کہ کسی کو سونے کے کسی کو چاندی کے ہر ایک کی رغبت یا مرتبے کے لحاظ سے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے دوسرے وقت سونے کے پہنائے جائیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ چاندی کے خادمان جنت کے کنگن ہوں گے اور حلوا کی ضمیر انہیں کی طرف ہے اور اہل جنت کے سونے کے۔

سوال: زیور عورت کی زینت ہے مرد کے لیے عیب ہے پھر جنت میں پہنائے جانے کی کیا وجہ؟ جواب: اس کے جواب میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور وہاں کے خادموں اور عورتوں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانب تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لیے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے گویا ان کو پہنایا گیا۔

(۲) یہ کہ مشرقی ملکوں میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ مہذب ملکوں میں تمغہ۔ پس اسی قسم کا یہ بھی جنت میں ان کی سرداری کا تمغہ ہوگا نہ زینت کے لیے زیور۔ (۳) یہ کہ یہ کنایہ ہے ان کے ان انوارِ برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان تبرکات ہاتھوں سے نیک اعمال کئے تھے۔ یہ ان کی روشنی اور نور ہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔

شرابِ طہور: وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا اور ان کا رب انہیں شرابِ طہور پلائے گا۔ طہور کہ جس میں نشہ ہے نہ سرد اور نہ غماز۔ لافیا غول و لاهم عنہا یزفون وہ ان سب قباحتوں سے پاک ہوگی۔ اہل دل کہتے ہیں شرابِ طہور کنایہ ہے شرابِ وصال سے کہ ان کو وہاں اس معشوق و محبوب حقیقی کا بے کیف وصال نصیب ہوگا جس کے نشہ میں وہ ابد الابد بسرور رہیں گے۔ نعماء جسمانیہ کے بعد نعماء روحانیہ

کا ذکر کیا کہ اس کے آگے وہ سب بیچ ہیں۔ اور سَقَاهُمُ رَبُّهُمْ میں سقا کو ربہم کی طرف منسوب کرنے میں جو کچھ لطف ہے وہ اہل دل پر مخفی نہیں کہ وہ خود اپنے دست مبارک سے یہ جام مئے بھر بھر کر پلائیں گے پھر اس کے آگے اور کیا نعمت ہوگی؟

اہل ظواہر کہتے ہیں خادم پلائیں گے مگر وہ اسی کے حکم سے پلائیں گے اس لیے ان کا پلانا گویا خود اسی کا پلانا ہے۔

اہل جنت سے کہا جائے گا اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً کہ یہ تھی تمہاری جزا اور تمہاری دنیاوی کوششوں ایمان اور عمل صالح اور محبت الہی کا بدلہ جو تمہارے لیے تیار تھا اس میں اطمینان دلایا جاتا ہے کہ تمہاری نیکی اور پرہیزگاری رائیگاں نہ جائے گی جیسا کہ منکر کہتے ہیں بلکہ اس کا بدلہ تیار ہے تمہارے مکر وہاں جانے کی دیر ہے وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی اس کی قدر دانی کی گئی اکارت نہیں گئی برخلاف بت پرستوں اور مخلوق پرستوں کی بیکار کوشش کے کہ وہ ان کا آگ کے آگے سر جھکانا، ٹھنڈے پانیوں میں نہانا، بتوں کے لیے نذر نیا کرنا، آگ میں جل مرنا، گوشت اور نعماء الہیہ کو چھوڑنا، نکاح نہ کر کے تجرد میں گدائی کر کے گزر کرنا سب رائیگاں جائے گا بلکہ اس بت پرستی اور مخالفت رسول پر اور الناعذاب ہوگا، محنت برباد گناہ لازم کیونکہ وہ محنت تعلیم شیطانی خدا سے روکنے والی تھی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَطِعْ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كَفُورًا ۝ وَاذْكُرْ اِسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝

(اے نبی!) ہم نے ہی آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں اور ان میں سے کسی بدکار اور ناشکر کا کہنا نہ مانا کریں اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کیا کریں اور کچھ رات سے اس کے لیے نماز بھی پڑھا کریں اور بڑی رات سے اس کی تسبیح کیا کرو۔

ترکیب : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا مبتداء او خبر۔ وقال الزجاج او صھنا اولہ من الواو لا تھا بدل علی ان کل واحد اھل ان لا یطاع بخلاف الواو لا تھا بدل علی ان لا یطاع کلاهما وازان یطاع احدهما وقال الفراء او بمعنی لا کا نہ قال ولا کفوراً بکرة من اول النهار الی الزوال والا صیل من الزوال الی الغروب وھا منصوبان علی اھما ظرفان لا ذکر من اللیل من للتبعض والفاء والہ علی معنی الشرطیۃ والتقدیر مھما لیکن من شیء فصل من لیل ای فی اللیل لیلاً منصوب علی انہ ظرف لیسبحہ۔

تفسیر : اس سورۃ کی ابتداء میں یہ بتلایا گیا تھا کہ آدمی معدوم تھا۔ عدم سے وجود میں لایا گیا ایک قطرہ مٹی سے بنایا گیا جس میں اس کی تمام قوتیں اور کل ظاہر ہونے والے اوصاف و حالات و دیعت رکھے گئے تھے جس کی طرف لفظ امتحان میں اشارہ تھا اور یہ بیکار اور عبث نہیں عالم ہستی میں لایا گیا بلکہ امتحان اور آزمائش کے لیے لنبتلیہ اور اس امتحان میں پورا نکلنے کے اسباب (کان، آنکھ، عقل) بھی اس کو عطا ہوئے اور عقل زیادہ کار آمد تھی اس لیے اس کو جدا گانہ ذکر کیا۔ اِنَّا هٰکُنْیْنَا السَّبِیْلَ پھر اس امتحان میں کچھ کامل (شاکر) کچھ ناقص (ناشکر) نکلے۔ پھر ناقصوں کی سزا مختصر سے الفاظ میں بیان کر کے کاملوں کی جزاء حیات جاودانی اور وہاں کے عیش و نشاط بڑی تفصیل سے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو کہ رحمت کا پلہ جھکا ہوا ہے۔

اس کے بعد کاملوں کو چند باتوں سے جو مضربیں منع کرنا چاہتا ہے اور چند نافع چیزوں کے عمل میں لانے کی وہ ناحصہ مشفق تاکید فرماتا ہے مگر اس مشقہ عمل کی آسانی کے لیے اول تو جزاء و سزا و آخرت کی بیان فرمادی تھی۔ دوم اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاکباز جماعت کو اطمینان دلاتا ہے تاکہ بڑے فراخ حوصلہ اور اطمینان قلب سے عمل کریں۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا کہ

لوگوں کی آسانی کے لیے خود ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔ یہ محمد (ﷺ) نے از خود نہیں بنالیا ہے نہ یہ جن کا قول ہے نہ کسی کا بن کا۔ وہ ناقص جو اس میں شبہ کرتے ہیں اور اس کے بیان دار آخرت پر تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کس نے دیکھا ہے کیا ان کا یہ دوسرے شیطانی جو راہ سعادت کا روڑا ہے ٹھیک ہے یا ہمارا فرمانا جو ہم رب العالمین علام الغیوب ہو کر اس میں تاکید سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے بے کھٹکے تم پر اس پر عمل کرو۔ اس کے وعدوں کے موافق ضرور حیات جاودانی پاؤ گے اور مخالفت سے جہنم کے تاریک گڑھے میں جاؤ گے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس اے محمد (ﷺ) اور اس کی جماعت اپنے رب کے حکم کی پابندی کر۔ یا اس حکم ربی کا انتظار کرو تمہارے غلبہ کے لیے چلا آتا ہے اس کی راہ دیکھو آپ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کس نے بھیجا ہے؟ اس کے بعد دو باتوں سے منع فرماتا ہے اور دونوں کو ایک ہی جملہ میں جمع کرتا ہے۔ فَقَالَ وَلَا تَطْعَمْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كُفُورًا کہ تو ان میں سے کسی گنہگار بدکار کا کہنا نہ مان نہ کسی ناشکر کا۔ آثم گنہگار ہر گناہ کے مرتکب کو آثم کہتے ہیں خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ خواہ شرک خواہ کفر اور کفورا ان میں سے خالص گنہگار کو کہتے ہیں جو ناشکر ہو ہر کفور آثم ہے مگر ہر آثم کفور نہیں۔ پھر بعض علماء کہتے ہیں اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کوئی ہو بعض کہتے ہیں آثم سے ولید کی طرف اور کفور سے عتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کا مصداق ایک شخص مراد ہے یعنی ابو جہل۔ ان لوگوں کی اطاعت دینی باتوں میں ممنوع ہے کس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں۔ دنیا کے طالب ہیں۔ فائدہ: یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین کی فرمانبرداری و جان نثاری اسلامی احکام کے مقابلے میں سخت ممنوع ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ فقال واذکر اسم ربك بكرة واصيلاً کہ صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کرو۔ (۲) وَمِنْ اٰیٰتِ الْفَاسِحٰتِ لَہٗ اور رات میں اس کو سجدہ کیا کرو۔ (۳) وَسَبِّحْہٗ لَیْلًا طَوِیْلًا اور بڑی رات سے اس کی تسبیح اور تقدیس کیا کرو۔ ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں: اول یہ کہ ان آیات میں نماز پڑھنا مراد ہے۔ بُکْرَۃ سے صبح کی نماز اور اَصِیْلًا سے ظہر و عصر کی نماز اور من ایل فاسجد لہ سے مغرب و عشاء مراد ہے اور سبوحہ لیلًا طویلًا سے تہجد۔ دوم یہ کہ اس وقت نماز بخجگانہ فرض نہ ہوئی تھی۔ تہجد کی نماز اور رات میں عبادت کرنا تھا۔ ان آیات میں مقصود ہر حال میں عبادت کی ترغیب ہے جیسا کہ اس آیت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وَسَبِّحُوْهُ بُکْرَۃً وَّاصِیْلًا اور تسبیح و تہلیل دعا و استغفار و تہجد ہی اس وقت کی نماز تھی۔

اوقات مخصوصہ میں عام مفسرین کے نزدیک مراد نماز بخجگانہ اور تہجد ہے۔ تہجد گواہ امت کے لیے فرض نہ ہو مگر مسنون ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بلفظ امر تعبیر کیا گیا۔ لیلًا طویلًا میں اشارہ ہے کہ تمام رات سونے اور عیش و نشاط ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کا بڑا حصہ یا دالہی کے لیے بھی ہونا چاہیے اور کچھ نہ ہو تو پچھلی تہائی رات کو تو اٹھ کر دربار الہی میں حاضر ہونے کہ دن چڑھے تک مدبروں کی طرح بستر پر کروٹیں لیا کرے۔

فائدہ: یہاں خدا تعالیٰ نام یاد کرنا بتلاتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقول بشریہ کو اس کی صفات تک رسائی ہے مگر اس کی حقیقت ذات تک رسائی نہیں۔ انہیں اسماء و صفات سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کو کبھی اذکر ربك سے تعبیر کیا اور کبھی وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ سے اور کبھی وَاذْکُرْ اسم ربك سے۔

اِنَّ هَؤُلَاءِ یُجِبُوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وِرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَلْنَا اَمَثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا ۝ اِنَّ

هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ وَمَا تَشَاءُونَ
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَدْخُلُ مَنْ
يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

بے شک یہ لوگ جلد آنے والی (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پس پشت پھینک رہے ہیں ان کو ہم نے پیدا کیا اور ان کی گرہ مضبوط باندھی اور ہم جب چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لے سکتے ہیں یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے اور تم جب ہی چاہو گے جبکہ اللہ چاہے گا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا (اور بڑا) حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے تو اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : یذنون معطوف علیٰ یحبون وکلاهما خبران یوما مفعول یذنون وراءهم ظرف لہ اذاشتنا شرط و مفعول شئنا محذوف یدل علیہ الجواب وهو بدلنا الان ان یشاء اللہ ای الا وقت مشیۃ اللہ والانی حال مشیۃ اللہ والظالمین منصوب بفعل محذوف یفسرہ ما بعدہ ای اعد۔ تفسیر: اوقات مخصوصہ میں خدا پاک کی عبادت کرنا تسبیح و تہلیل میں مصروف ہونا دعا مانگنا اگر یہ وزاری کرنا وغیرہ جن کا حکم دیا گیا تھا بقولہ وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا انہیں لوگوں کا کام ہے جو دایر آخرت کے قائل ہیں اس لیے وہاں کے لیے یہ توشہ ساتھ لیتے ہیں اور دایر آخرت کا یقین ہی ہے جو انسان کو اس طرف ابھارتا ہے برخلاف کفار و مشرکین کے کہ وہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے نہ ان کو اس عبادت و شب بیداری میں کچھ حلاوت ملتی ہے کس لیے کہ اِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا یہ تو دنیا اور اس کی لذات و شہوات پر فریفتہ ہیں۔ شب و روز مال و زر و زن و فرزند اسباب دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں انہیں باتوں میں ان کو مزہ اور حلاوت معلوم ہوتی ہے، انہیں کاموں کو کام سمجھتے ہیں اور انہی چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کو خوش نصیبی اور فوزِ عظیم جانتے ہیں اور دایر آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اول تو اس کا یقین ہی نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے لیے تدبیر نہیں نہ کوشش ہے نہ دل میں رغبت ہے نہ طبیعت میں میلان اور ان دونوں حالتوں میں دایر آخرت کو (جو بڑا بھاری اور مصیبت ناک دن ہے مصائب کی وجہ سے) چھوڑنا اور پیچھے پھینک دینا ہے۔

اور ان کا یہ عذر (کہ ہم میں دایر آخرت کی قدرت نہیں کاروبار دنیا سے مہلت نہیں، نماز و حج گناہ خصوصاً صبح اور عشاء اور تہجد بھلا ہم سے کیونکر ادا ہو سکتی ہے وہ سونے کا وقت ہے) محض غلط ہے کس لیے کہ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے بنیاد جسم کو مضبوط کیا ہے۔ بٹے کٹے ہیں، نیک و بد نفع و نقصان کی سمجھ بوجھ ہے۔ بد بخت اکثر اپنی کمزوری اور ناچاری کا عذر کیا کرتے ہیں اور وہ دراصل ان کی سستی اور کالی سے ہوتی ہے ان کے جواب میں یہ آیت ہے۔

مگر بعض بد نصیب ازلی ہوتے ہیں، نیک کام کیسا ہی آسان ہو ان کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور برا کام کیسا ہی مشکل ہو ان پر آسان ہوتا ہے۔ ناچ تماشے میں رات بھر جاگیں، آنکھ نہ چپکیں، عبادت الہی میں دو گھڑی بھی بیٹھ نہ سکیں۔ یہ آیت ان کے سرشت کا بھی حال بیان کرتی ہے کہ یہ بد بخت عاجلہ دنیا اور اس کے عیش و نشاط لذات و شہوات کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں کس لیے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے ان کی سرشت بد سے ہم خوب واقف ہیں وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ اور ان کی قوت شہوانیہ کو قوی کر دیتا ہے کتوں اور خزیروں جیسی قوتِ بھیمہ ان میں بہت رکھی گئی ہے۔ رات دن چرنے اور جفتی کرنے کے سوا انجام کار کے سوچنے اور فکر کرنے کی ان میں قابلیت ہی نہیں اور جو کچھ ہے تو مہلت نہیں اولئک کالانعام بل هم اضل۔ فذرهم یا کلو ویتمتعوا کما تامل الانعام والنار مثویٰ لہم ایسے ناپاک اور زمین کو اپنے گھناؤنے کاموں سے گندہ کرنے والے اپنے قیام و دوام کا دعویٰ نہ کریں اور نہ اس مہلت چند روزہ پر نازاں ہوں کس لیے کہ وَإِذَا شَفَعْنَا بَدَلْنَا أَمْعَالَهُمْ تَبْدِيلًا ہم جب چاہیں ان کو مٹا کر دیے ہی (شکل و صورت و قوت میں) اور لوگ پیدا کر سکتے ہیں اور ایسا

ہی کرتے بھی ہیں قوم نوح برباد ہو کر اورتو میں پیدا ہوئیں۔ ہر صدی پر بلکہ پچاس برس کے بعد دوسرا ہی نقشہ جم جاتا ہے۔ پہلوں میں سے صدی دوسری کے بعد انسان تو کیا ان کے استعمال کے جانور بلکہ اکثر مکانات بھی نہیں رہتے۔ اس قرن کی کشتی بھری ہوئی عدم کے عیمق گڑھوں میں پڑی ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بستے ہوتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے بدلے اے پیغمبر! اور لوگ ہم تیرے لیے پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ عتبہ کے بدلے اس کے بیٹے حذیفہ کو اور ولید کے بدلے اس کے بیٹے خالد کو معین دین بنادیا۔ امثالہم کے بعض مفسرین نے اشکالہم کے معنی بھی لیے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم جب چاہیں ان کی صورت بدل دیں، مسخ کر دیں یا فرغندستی اور اقبال سے خواری اور ذلت کی حالت میں کر دیں جس سے ان کی وہ صورت بدل جائے، ڈرتے رہنا چاہیے۔

پھر یہ قریش اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اقارب اور اہل وطن ہیں جب ہم نے اس کو قبول نہ کیا تو اور کوئی کیا قبول کرے گا کس لیے کہ **هَذِهِ تَذَكُّرَاتٌ** آیاتِ پند و نصیحت ہیں کوئی برادری کا حصہ بخیر انہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ تمہارے سمجھانے کے لیے مجبور ہوں۔ **فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَيَّ رِبًّا سَبِيلًا**۔ پھر جو کوئی ہو عرب یا عجم، قریب یا بعید جو چاہے ان آیات سے اپنے رب تک پہنچنے اور اس کی مہمان سراجت میں حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کا رستہ اختیار کر لے۔ خدا تعالیٰ تمام جہاں اور تمام قوموں کا خدا ہے اس کا دین بھی سب کے لیے برابر ہے سب کے لیے اس کی رحمت کی راہیں کشادہ ہیں۔ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کی کوئی خصوصیت نہیں۔ مگر یہ جاننا بھی درحقیقت اے بندگانِ خدا! تمہارے بس میں نہیں **وَمَا تَطَعُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ** تم جب ہی چاہ سکتے ہو کہ جب اللہ بھی چاہے اور فائدہ تو فیق تمہیں ادھر کھینچ کر لے چلے۔ ہر چند قوت و قدرت ہر ایک میں رکھی ہے تاکہ دار امتحان کا معاملہ معطل نہ ہو لیکن محرک اسی کی توفیق ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ** بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے جس میں صلاحیت اور نورِ ازلی دیکھتا ہے اس کو اپنی رحمت یعنی راہِ راست پر لاتا ہے دینِ حق سمجھاتا ہے۔ ورنہ بڑے بڑے عاقل ہوشیار پُر فن پُر گو مالدار خوبصورت یوں ہی وادیِ ضلالت میں ٹکرائے اور جہنم کے عیمق گڑھے میں جا پڑے اور غریب کم مایہ کو کھینچ لیا۔ اس میں قریش پر تعریض ہے کہ تم نے کیا دینِ حق کو قبول نہیں کیا دینِ حق نے تم کو ردی جان کر پھینک دیا اور تمہاری سرکشی اور بدکاری کی ناپاکی نے بارگاہِ قدس میں آنے کے قابل نہ رکھا۔ اس پر بھی بس نہیں یہ تو دنیا میں تمہارے نامعقول اور مردود ہونے کی وجہ سے ہے مگر آخرت میں **وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا** ظالموں کے لیے اس نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے مرنے کی دیر ہے۔

سورہ کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ جس میں نیست و نابود تھا پھر اس کو اس قادرِ مطلق نے مٹی کے قطرے سے پیدا کیا اور عقل و حواس دیے۔ پھر جس نے ان عقل و حواس سے کام لیا اپنی ابتداء و انتہا کو سوچا راہِ راست اختیار کی وہ سعادت کی کرسی پر بیٹھا، دارِ آخرت میں حیاتِ جاودانی اور سلطنت کا مالک بنا اور جس نے ان سے کام نہ لیا لہو و لعب لذات و شہوات میں غرق ہوا اور انبیاء علیہم السلام کا مقابل ہوا اس کے لیے عذابِ الیم تیار رکھا ہے۔

ابتداء کلام کو انتہاء کلام سے کمال ارتباط ہے اور یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اگر یہی سورہ مبارکہ بغور تامل دیکھی جائے تو انسان کی ہدایت کے لیے اعتقادات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دارِ آخرت کی ترغیب روح کو اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل تشویق اور بدکاروں، سرکشوں، منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دل کر خوفِ دلائی گئی ہے اور اصولِ حسنات نماز و خیرات بھی تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان تمام مقاصد کا جب کوئی خدا ترس طبیعت دل پر نقشہ جمائے تو فوراً ایک نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ مطالبِ عالیہ کس کس دلکش عبارت میں بیان کئے گئے نہ کوئی شاعرانہ مبالغہ ہے نہ شہواتِ براگیزی کرنے والے شاعرانہ خیالات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلَتِ عُرْفًا ۝ فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۝ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۝

فَالْفِرْقَتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا ۝ عُدْرًا أَوْ نُذْرًا ۝

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعُ ۝

قسم ہے ان (ہواؤں کی) جو خوشگوار چلتی ہیں پھر وہ تیز (تند) چلے لگتی ہیں اور وہ بادلوں کو پھاڑ دیتی ہیں پھر وہ ان کو پھاڑ کر بالکل الگ کر دیتی ہیں پھر ان کی جو (دلوں میں) نصیحت ڈالتی ہیں (دفع) عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

ترکیب : والمرسلات الواو القسم عرفا مصدر فی موضع الحال ای متتابعة او مفعول لہ ای ارسلت للاحسان والمعروف فالعاصفات الفاء للعطف وکذا ما بعد ہا معطوف علی المرسلات عصفاً مصدر مؤکد یتقال عصف بالشيء اذا اباه واهلكه یتقال ناکد عصف وعصفت العرب بالقوم ای ذهبتم بهم ذکر مفعول بہ نشر۔ وفرقا مصدر ان عذرا او نذرا قبل مصدر ان لیکن وسطهما او يضم وقيل جمع عذیر و نذیر فعلی الاول ینصبان علی المفعول لہ اعلی البدل من ذکر او نذکر اعلی الثاني حالان من الضمیر فی الملکیات ای معذورین و منذرین انما اصلہ ان ما بمعنی الذی والجملة جواب القسم ولذا صدرت بان للتأكيد۔

تفسیر : یہ سورہ حسن وکرمہ وعتطاء و جابر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور جمہور کا اسی طرف رجحان ہے۔ قتادہ کہتے ہیں مگر یہ آیت وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوْا لَاٰیْذًا كَعَوْنٌ مَدِيْنَةٍ مِّنْ نَّازِلٍ هُوَ اَوْرِثَ الْبَارِئِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ يُعْلِمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَكْفُرُوْنَ اس کی تائید ہے وہ یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ سورہ مرسلات نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے لے رہا تھا اور ہنوز آپ کا دہن مبارک تری تھا کہ ایک سانپ ہم پر کود پڑا۔ آپ نے فرمایا اس کو مارو ہم مارنے دوڑے لیکن وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو حق سبحانہ نے تم سے بچالیا جس طرح تم کو اس سے بچالیا۔

اور شیخین وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں اس سورہ کو پڑھ رہا تھا ام الفضل نے سن کر کہا اے فرزند! تیرے اس پڑھنے نے مجھے یاد دلادیا کہ اخیر جو کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا وہ یہی سورہ تھی کہ آپ اس کو مغرب کی نماز میں پڑھ رہے تھے۔

ربط اس سورہ کو سورہ دہر سے یہ ہے کہ ابتداء میں کافروں کے لیے عذاب شدید کی نذیر تھی۔ بقولہ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلَ ۙ اَغْلَالًا ۙ وَسَعِيْرًا اور اس کے اخیر میں ظالموں کے لیے عذاب الیم تیار کرنا فرمایا ہے۔ کفار کو اس عذاب میں شک تھا کس لیے کہ دنیا میں اس کا ظہور نہیں تھا آخرت کے منکر تھے اس سورہ میں چند چیزوں کی جو اس کے کمال قدرت کے نمونہ اور تغیرات عالم کے اسباب ہیں قسم کھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اس عذاب کا گھر اور موقع دار آخرت ہے نہ دار دنیا۔ الحاصل اس سورہ میں مسئلہ معاد پر کلام تمام کیا تھا۔ اس سورہ کی ابتداء میں مسئلہ معاد کو ایک نئے اسلوب سے ثابت کیا اور نئے نئے اسلوب سے ایک مدعا کو بار بار دلکش عبارت میں بیان فرمانا دلوں پر نہایت اثر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مضمون کو متعدد صورتوں میں اعادہ کیا گیا ہے۔ والمرسلات عرفاً نوح اس سورہ میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمایا ہے اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعُ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے دار آخرت میں منکروں کے لیے ان کے اعمال بد پر عذاب اور نیکوں کے لیے اعمال صالحہ پر ثواب یہ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں۔ یہ مسئلہ کہ روح جسم چھوڑنے کے بعد ایک

خاص پیکر میں باقی رہتی ہے اور اس کو جسمانی وقت کی باتیں یاد رہتی ہیں اور اس کے دنیاوی اعمال و اعتقادات اس کے سامنے عذاب و ثواب رنج و راحت بن کر پیش آتے ہیں جمع اہل ادیان کے نزدیک ثابت ہے البتہ دہری اور کچھ جہلاء اور نارتزیت یافتہ دماغ اس کے منکر ہیں اور تھے جیسا کہ عرب کے جاہل اور قریش مکہ اسی وجہ سے ان کے مقابلہ میں اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے اور اس سے زیادہ جہلاء کے نزدیک جو دروغگوئی کو عیب سمجھتے تھے اس شخص سے جس کی نسبت ان کو راست بازی کا پورا یقین تھا اور کوئی صورت یقین دلانے کی نہیں۔

ان پانچ چیزوں میں قدماء مفسرین کے کہ جن میں جلیل القدر صحابہ و تابعین بھی ہیں مختلف اقوال ہیں ملائکہ مراد ہیں۔ اول قول یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں سے مراد ملائکہ ہیں۔ مرسلات عرفادہ فرشتے جو وحی کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام پر لگاتار بھیجے گئے۔ (عرفائی ارسال متابعین بعضہا بعضا کفر الفرس) یا عرفا کے معنی میں نیکی اور بھلائی کے لیے (ضد النکر و انصاف علی هذا الوجه علی انہ مفعول لاجلہ) یعنی انتظام دنیا اور مصالح دینی کے لیے ملائکہ جو بھیجے جاتے ہیں اور ان سے تدبیر وابستہ ہیں ہم ان کی قسم کھاتے ہیں فالعاصفات عصفاً پھر ان ملائکہ کی قسم جو ہلاک کرتے اور عالم میں تغیر عظیم پیدا کرتے اور تہلکہ ڈال دیتے ہیں۔ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلاتے ہیں کھول کر۔ دنیا میں جو امور آئندہ مخفی ہوتے ہیں ان کے اظہار اور نشر کے لیے ملائکہ کی ایک جماعت ہے اقبال و بد اقبال قحط و ارزانی تمام امور خفیہ جو ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ قضاء و قدر نے ان کے لیے ملائکہ معین کر رکھے ہیں ان میں ادیان حقہ اور وحی کا پھیلا نا بھی آگیا۔ فَالْفَارِقَاتِ فَرَقًا پھر ان فرشتوں کی جو ہر ایک معاملہ میں فرق و امتیاز کر دیتے ہیں مذہب حق و باطلہ میں فاتح و مفتوح قوموں میں سعادت مندوں اور نحوس میں فریبیوں اور خدا پرستوں میں فرق کرنے والے اور اسی طرح عہد جوانی، بڑھاپے اور لڑکپن اور حیات و ممات اور ایک قرن سے دوسرے قرن میں فرق کرنا ظلمات کو نور سے الگ کرنا اشیاء عنصریہ میں قوت نامیہ کے ہر ایک کام میں اور اسی طرح اجزاء متشابہ انسان و حیوانات و نباتات میں فرق کر کے پتے اور پھول اور شاخ و ثمر کو جدا کر دینا اور ہر ایک کو اس کے خواص و کمال میں دوسرے سے امتیاز دینا اسی طرح انسانی نطفہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا پھر اسی میں سے سر اور پاؤں ناک اور آنکھ وغیرہ اجزاء جدا جدا نمودار کرنا سب اسی جماعت کے متعلق ہے ان کی بھی قسم کھاتا ہے فَالْمَلٰئِكَاتِ ذِكْرًا عَزْدًا اُوْنَزِدْنَ اُپھر ان فرشتوں کی قسم جو مخلوق کی تکمیل کے بعد ان میں ذکر ڈال دیتے ہیں۔ ذِکْرِ الْاٰلٰہِیِّ اور اپنے خالق کے وجود و قدرت کاملہ پر گواہی دینا بھی ذکر ہے پھر یہ ذکر دو قسم پر ہے غیر اختیاری جس کو تسبیح تہری کہتے ہیں۔ یہ ذکر ان ملائکہ نے ہر مخلوق کی سرشت میں ڈال دیا ہے۔ نباتات، حیوانات، پرند و چرند و خوش و طیور سب اسی کے ذکر میں مصروف ہیں۔

بذکرش ہر چہ بنی درخروش است ولے داند ورے معنی کہ گوش است

دوسری قسم ذکر اختیاری ذوی العقول کا جیسا کہ اہل ایمان انسان و جن و ملائکہ و ان با خدا مسلمانوں کے دل میں اس کا ذکر القاء بھی ملائکہ کی طرف سے ہے۔ ان کے حق میں باز پرس آخرت سے یہ ذکر عذر ہوگا اور نجات پائیں گے اور یہی ذکر اس سے غافل رہنے والوں کے لیے عذاب آخرت کا ایک خوفناک پیغام یا تنبیہ ہے۔ یا یہ کہ ذکر سے مراد قرآن و وحی ہو اور ذکر کا اطلاق قرآن و وحی پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ان آیات میں ص والقرآن ذی الذکر وانه لذکر لک ولقومک۔ وبهذا ذکر مبارک تب یہ معنی ہوں گے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو قرآن لاتے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور قرآن ماننے والوں کے لیے عذر ہے یعنی اس کے سبب وہ جمع

۱۔ عرف الفرس گھوڑے کی ایال یعنی اس کے گردن کے بال اور اسی طرح عرف الدیک مرغ کا تاج۔ گھوڑے کی ایال میں بال جمع ہوتے ہیں اور ایک قطار سے یکے بعد دیگر ہوتے ہیں گویا یہ لفظ اس محاورہ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲۷

معانات سے معذور اور مغفور ہوں گے اور نہ ماننے والوں کے لیے نذرِ خوف و اتمامِ حجت ہے۔

ان پانچ اقسام کے فرشتوں کی قسم کھانے میں عالم کی آفرینش اور ہر چیز کے وجود کی ابتدائی حالت اور پھر اس کی قوت و کمال تک پہنچ جانے کی نہایت اور پھر ممکنات کے اکتسابِ خیر و شر اور اس کے بعد تک کی حالت اور پھر بقاءِ عالم کے اسباب اور ہر چیز کی نشوونما کی کیفیت کہ عالمِ عدم سے عالمِ ظہور میں ایک چیز کیا صورتیں پیدا کرتی ہے اور اس پر کیا کیا انقلابات ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ و آخرت کی تیاری (جو ہوشیار کے لیے عذر اور اس سے غافل کے لیے نذر ہے) کس عمدہ اسلوب میں بتائی گئی ہے۔ ان سے ہوائیں مراد ہیں۔ دوسرا قولِ جمہور مفسرین کا ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوا ہے۔ ہر چند فرشتے مخلوق میں عمدہ اور بہتر ہیں مگر ہوا کو بھی اس عالم کی بقاء اور فنا اور کاروبار میں عجب دخل ہے۔ سننا، دیکھنا، چکھنا، ٹھنلنا، سونگھنا ہوائی پر موقوف ہے کس لیے کہ آواز جب متکلیف ہوتی ہے تو ہوا کے ذریعہ سے کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے اور دیکھنے میں شعاع آنکھوں سے نکلتی ہیں اور ہوا چونکہ عنصرِ لطیف ہے ان کا حائل نہیں اس لیے چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور سونگھنے میں ہوائی متکلیف ہو کر ناک کے رستہ سے وہ کیفیت پہنچتی ہے اور چھونے میں بھی ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ حرارت و برد و رطوبت و بیوست اشیاء کو مسام میں سے گھسکتی ہے اور نیز اندرونی کیفیت ہوائی کے ذریعہ سے جلد تک پہنچتی ہے اور تیز ہوائی پر جانداروں کی زندگی کا مدار ہے۔ سانس بند ہوا اور مراد نباتات کی بالیدگی وغیرہ بھی ہوائی کے ذریعہ سے ہے۔ دریا میں کشتیوں کو ہوائی لیے پھرتی ہے اور ہوا میں لطافت بھی ہے اس وجہ سے اس کو فرشتوں سے کمالِ مناسبت ہے۔

پس وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا سے وہ ہوائیں نرم نرم مراد ہیں جن کے چلنے سے دل خوش ہوتا ہے اور انہیں سے روئیدگی ہوتی ہے اور ابر اٹھتا ہے اور عاصِفَاتٍ عَصَافًا سے مراد آندھیاں اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلاباتِ عظیم پیدا ہوتے ہیں۔ دریا میں طوفان ہوتا ہے، صحرا میں درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں، درخت پڑ مرده ہو جاتے ہیں۔ لفظ فاگوا اس طرف اشارہ ہے کہ نرم نرم چلنا اور سخت چلنا کے بعد دیگر ایک ہی چیز کا کام ہے اور دونوں ایک ہی چیز کے ہر دو وصف ہیں۔ نرم نرم چلنے کے بعد وہی ہوا تند اور تیز ہوتی ہے اور اس کی یہ حالت بتلاتی ہے کہ دنیا میں انقلاب ہے اور نیز جو راحت کا سامان ہے وہی آفت بن جاتی ہے۔ مالِ اولاد و عورت وغیرہ تمام اسبابِ عیش و فرحت میں یہی بات ملحوظ ہے۔ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا قسم ہے ان ہواؤں کی کہ جو دنیا میں پھیلاتی ہیں۔ بادلوں کو بھی ہوا ہی پھیلاتی ہے اگر نہ پھیلیں اور لگا تار ایک ہی جابر سے جائیں تو طوفان برپا ہو جائے اور نیز ہر چیز کے اجزاء لطیفہ کو ایک جاء سے دوسری جاء لے جاتی ہے۔ کارخانہ جمع و تالیف، نقل و تحویل، کیفیاتِ اجزاء لطیفہ اشیاء کا جس پر ایجاد و احداثِ اشیاء عجیبہ مربوط ہے ہوائی پر منحصر ہے۔ فَالْفَارِقَاتِ فَرَقًا قسم ہے ان ہواؤں کی جو بالکل جدا کرتی ہیں۔ یہ بھی ہوا کا کام ہے کہ دانہ کا گھاس سے جدا کرنا اور پانی کا کدورت سے صاف کرنا اس کے سبب سے ہے اور اجزاء نباتیہ و حیوانیہ کا باہم جدا ہونا ہوائی کے نشوونما سے ہے۔ سبز و ترشی کے اجزاء بھی ہوائی جدا کرتی ہے۔ متکبروں اور پر غرور اجسام کے اجزاء مرنے کے بعد ہوائی اڑاتی ہے، سر پر غرور کے اجزاء کہیں پڑے ہوتے ہیں اور نازنین ہاتھوں کے کہیں۔ اس میں بھی انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح جمع و تالیف ہواؤں کے ویسے سے تھا تفریق و انتشار بھی آخر انہیں۔ کہ سبب سے دیکھ لیا یہاں بھی فاس پر دلالت کرتا ہے کہ ناشرات اور فارقات ایک ہی چیز کے دو وصف کے بعد دیگر ہیں۔ وہی ناشرات بعد میں فارقات ہو جاتی ہیں جس ہوا کی تازگی سے سرور و ان اور دلکش صورت لیے پھرتے ہیں آج اسی نے اس کے ریزے ادھر ادھر بکھیر دیے ع

صبا نے اس کے کوچے سے اڑا کر خدا جانے ہماری خاک کیا کی

غبار کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ذرے کس کس جسم کے ہیں ان پر حیات میں کیا کیا بہاریں تھیں؟ فالملقیات ذکرِ امپھرت

ہے ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔ ذکر سے مراد کلام اللہ کا وجود لفظی ہے کہ جس کو قرآن متلو کہتے ہیں۔ اس ذکر کے پہنچانے میں ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو آواز کو عارض ہوتی ہے اور پھر ہوا کے ذریعہ سے کان میں پہنچتی ہے۔ پس یہ ہوا لوگوں کے کانوں میں قرآن پہنچانے کے لیے ایک خادم ہے اور حقیقت جبرئیل علیہ السلام کا ایک شعبہ ہے اور اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر موقوف ہیں۔ اس ذکر کے کانوں میں پہنچنے سے ایک تغیر اور انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے پھر یہ سعادت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر روح نے اس کو قبول کر لیا اور یا شقاوت کی طرف مائل ہو گیا اگر قبول نہ کیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے عذرا یعنی کلام الہی کا پہنچنا یا اس لیے ہے کہ وقت باز پرس کے وہ کہے کہ یہ کام میں نے خدا کے فرمودہ کے موافق کیا اور یہ کام اس کے فرمانے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ بہر حال اس کے عذر اور سند اور دست آویز ہے۔ یہ عذر ہونا خاص اس کلام الہی کی بابت ہے جو متضمن ادا و امر و نواہی یا اعتقادات ہو جیسا کہ ذات و صفات کے متعلق اور تمام کی نسبت بھی ہو سکتا ہے۔ کس لیے کہ قصص و حکایات میں تصدیق کے سوا عبرت و نتائج حاصل کرنے کا بھی موقع دیا جاتا ہے اور نذراً اور شقی ازلی ہے تو اس کو کلام الہی محض ڈرانے کے لیے سنایا جاتا ہے۔

اور ان پانچوں قسم کی ہوا میں ملائکہ منظمین عالم کی ہر ایک صفت کی رعایت بھی ملحوظ ہے کس لیے کہ صفت اول مرسلات عرفا میں حقیقت میکائیلی ملحوظ ہے کیونکہ پرورش عالم انہیں کے متعلق ہے اور منجملہ اسباب پرورش کے ہواؤں کا نرم نرم چلنا بھی ہے جن سے نشوونمائے ابدان ہوتا ہے اور صفت دوم عاصفات میں حقیقت عزرائیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ عالم کا درہم و برہم کرنا یا انقلاب عظیم انہیں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس انقلاب کے اسباب میں سخت ہواؤں کا چلنا بھی ہے جو بڑے بڑے نشانوں کو مٹاتی ہے اور صفت سوم و چہارم ناشرات و فارقات میں صفت اسرافیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ نفع ارواح کے ابدان میں اور نیز حق و باطل میں امتیاز اور نیز دنیا میں ارواح کو ابدان سے متعلق کرنا انہیں کے سپرد ہے۔ یہ ہوائیں بھی انہیں کے کام میں کارآمد ہیں صفت پنجم فالملقیات ذکر حقیقت جبرئیل کا شعبہ ہے چونکہ یہ صفت بلند مرتبہ ہے اس لیے فاعل تعقیب اس پر لائے۔ گویا یوں فرمایا کہ صفات سابقہ کے بعد اس صفت کی قسم کھاتے ہیں بخلاف فاعل تعقیب فالعاصفات فالفارقات کے کس لیے کہ وہ تعقیب ایک فعل کی دوسرے فعل کے لیے ہے نہ تعقیب قسم کے لیے گویا تین چیزوں کی قسم ہے اول نرم نرم چلنے اور سخت چلنے والی ہواؤں کی دوم پھیلانے اور فرق کرنے والی ہواؤں کی سوم ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔

تیسرا قول : تیسرا قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے ایک قسم کی چیزیں مراد نہیں بلکہ متعدد پھر اس میں کئی قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ پہلی چاروں چیزوں سے ہوائیں مراد ہیں اور پانچویں سے ملائکہ جو ذکر یعنی کلام الہی دنیا میں لاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اول دونوں صفات سے مراد ہوائیں اور اخیر تینوں سے ملائکہ۔ اور ملائکہ وہاں کمال مناسبت ہے لطافت کی وجہ سے۔ قراء کہتے ہیں کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد آیات قرآنیہ ہیں کہ اہل ایمان کے دل کو نرم کرتی ہیں پے در پے نازل ہوئی ہیں۔ کفار و مشرکین پر آندھ کی کاثر رکھتی ہیں اور آثار ہدایت و انوار سعادت کو جہان میں منتشر کرتی ہیں۔ پھر اہل حق و باطل میں فرق ظاہر کر دیتی ہیں پھر ایمانداروں کے دل میں یا خدا پیدا کرتی ہیں اگر عمل کیا تو حجت ہیں ورنہ خوف کا پیغام۔ بعض سب سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد لیتے ہیں۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ مرسلات عرفا سے مراد دواعی و الہامات ربانیہ ہیں کہ سالک کے نفع کے لیے پے در پے اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں اور عاصفات سے مراد جذب و کشش الہی کے جھونکے ہیں کہ اس کے دل کو جب ماسوائے اللہ سے اکھیر دیتی ہیں اور ناشرات سے مراد اشغال و اذکار ہیں کہ تمام جوارح میں انوار پھیلا دیتی ہیں اور فارقات سے مراد واردات الہیہ ہیں کہ وجودنا سوتی کو فنا کر کے وجود حقیقی اور مجازی میں فرق کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکر اسے علوم و معارف ہیں جو بقا حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں محبت کے طریق سے جو عذر ہے یا خوف کے طریق سے جو نذر ہے۔

فَإِذَا النُّجُومُ طُبِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝
وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِيتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَبَلْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نُهْلِكِ الْآوَّلِينَ ۝
ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝ كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَبَلْ
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝

پھر (وہ کب ہوگا) جب ستارے ماند ہو جائیں گے اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جبکہ رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے کس دن کے لیے دیر کی گئی فیصلہ کن دن کے لیے اور تو کیا جانے کیا ہے فیصلہ کا دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے پہلوں کو غارت نہیں کر دیا پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لاتے ہیں ہم گنہگاروں سے ایسا ہی کیا کرتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

ترکیب : فاذا هذه وما بعدھا کھا شرط وجوابھا محذوف تقدیرہ بان الامور افضل طمست يقال طمس الشيء اذا دس وذب اثره نسفت يقال نسفت الشيء والمهفة اذا اخذته بسرعة وقيل جعلت كالجب الذي ينفذ بالمنسف لسمال المبر ونسفت قلعت من مواضعها اقتت الحمرة بدل من الواو المضمومة وكل واو مضمومة بضمه لازمه يجوز ابدالها بالهمزة وقد قرئ بالواو لا مئ يوم اجلت الامور او الرسل الجملة استفهامية والاستفهام للتعظيم والتعجب مقولة يقول مقدر ابي يقال - قبل هو جواب لاذ للمكذبين خبره وكررت هذه الآية في هذه السورة عشر مرات على تعداد متخفي الويل ثم ينتبههم الجھور علی الرفع ای ثم نحن ننعمهم وليس بمعطوف لان العطف يوجب ان يكون المعنى اهلكنا الآخرين بعد الاولين وليس كذلك۔

تفسیر..... اول علامت قیامت : یوم جزا کے واقع ہونے کی خبر دے کر اس کے علامات و اسباب بیان فرماتا ہے۔ فقال فَإِذَا النُّجُومُ طُبِسَتْ جبکہ ستارے بے نور ہو جائیں یا اکھڑ جائیں اسی بات کو ایک جگہ یوم فرمایا ہے إِذَا النُّجُومُ انكسرت کہ جب ستارے دھندلے ہو جائیں ان کی روشنی جاتی رہے اور ایسا ہی ہوگا۔ بھی اول بے نور ہو جائیں گے جس طرح مرنے سے پہلے انسان کی تازگی جاتی رہتی ہے اس کے بعد گر پڑیں گے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے إِذَا الْكُوَاكِبُ انثرت جبکہ ستارے جھڑ جائیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا کہ جب ان کا مدبر یا روح یا نفس یا فرشتہ موکل ان سے الگ ہو جائے گا جو ان کو حرکت دے رہا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بدن انسانی کے لیے روح یا نفس ناطقہ اس کا علیحدہ ہونا ہے کہ ان کا مردہ اور بے نور ہو کر گر پڑتا ہے۔ دوسری علامت : وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں۔ فلسفہ قدیم کے نزدیک آسمان اور ستاروں کا گرنا اور پھٹنا محال ہے جن دلائل کے بھروسے پر حکماء نے یہ کہا ہے ان کا نقص علمائے کلام نے ثابت کر دیا ہے۔ فلسفہ حال کے نزدیک آسمان کوئی چیز نہیں ایک فضا ہے وسیع ہے جس میں ستارے اور مہتاب لاکھوں کوسوں کے فاصلے پر ایک خاص مدار پر حرکت کرتے ہیں اور مشتری ایسا جلد رفتار ہے کہ ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتا ہے اور یہ اجرام علویہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور زمین بھی ان کے رہنے والوں کو ایک چھوٹا سا تارہ حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے۔ فلاسفہ حال و قدیم کا رد: مگر ان کے نزدیک ان سب باتوں کا موجد و محرک مادہ ہے جس کو وہ قدیم کہتے ہیں جو نہ دکھائی دے سکتا ہے نہ کسی جس سے محسوس ہو سکتا ہے مگر جب الہامی عقل کی دوربین صافی سے صحیح انظر ذرا بھی دیکھے گا تو فوراً ایمان لے آئے گا کہ یہ مادہ کا کام نہیں کس لیے اگر مادہ ہی سب

باتوں کی علتِ فاعلیہ ہے تو مادہ سب کا یکساں ہے پھر اس نے سب جا یکساں کام کیوں نہیں کیا۔ اور سب کو ایک صورت کیوں نہیں دی اور پھر صورت اور مادہ دونوں غیر عقل و غیر مد رک ہیں ان میں اس نظام قائم کرنے کی کیا عقل کہ ہزاروں برسوں سے یہ کارخانہ چلا آتا ہے۔ کوئی ستارہ دوسرے سے ٹکرا نہیں جاتا اور غیر محسوس چیز کے تم قائل نہیں۔ پھر قائل ہوئے تو کیوں نہیں دو چار قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھتے کہ وہ غیر محسوس سب کا موجد مادہ کا تقسیم کرنے والا نئی صورتیں پہنانے والا خدا تعالیٰ ہے اور جس فضاء وسیع کو تم مانتے ہو وہی آسمان ہے اور یہ بات کہ لطافت کی وجہ سے اس کا جسم کما بینگی تم کو کسی دور بین سے محسوس نہیں ہوتا نہ ہوگا پھر کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ خالق ان ستاروں کو باہم ایک وقت ٹکرا کر چور اچور کر دے اور آسمان پھٹ جائے؟ بے شک ممکن ہے۔

تیسری علامت: واذا الجبال نسفت کہ جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور زمین سے اکھڑ جائیں۔ قیامت کے دن جو پہاڑوں پر واقع گزرے گا اس کا قرآن مجید میں متعدد الفاظ میں بیان ہوا ہے ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزله عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چور اچور ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا ہے وحملت الارض والجبال قد کتاد کة واحدة پھر اس چور اچور ہونے کے بعد اس زبر زیر ہونے سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا وکانت الجبال کتھیا مھیللا اور فرمایا فکانت ہباء منبھا پھر ہوا کی شدت اور توج سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا جیسا کہ فرمایا وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمرز السحاب اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رکتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی جیسا کہ فرمایا وتكون الجبال كالعفن المنفوش۔ پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا و يوم نسير الجبال وترى الارض بارزة یہ تینوں علامتیں نفعِ صور کے بعد ہوں گی یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا اس کے بعد خدا تعالیٰ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا کر دے گا اور بنی آدم زندہ ہوں گے اور حساب کے لیے بار بار قائم ہوگا۔ اب اس وقت کے حالات بیان فرماتا ہے فقال واذلزلزل اوتقت اور جبکہ رسولوں کے لیے میدانِ حشر میں وقت مقرر کیا جائے تاکہ باری باری ہر ایک رسول اپنے وقت مقررہ پر اپنی اپنی امت کی کوشش کرے (ان سب شرطوں کا جواب جو لفظ اذا سے مذکور تھیں محذوف ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے) وہ یہ کہ جب یہ باتیں ہوں گی تب وہ عہد پورا ہو جائے گا جو تم سے رسول حساب و کتاب کی بابت کرتے ہیں اور تم اپنی غفلت یا حُب دنیا اور لذات و شہوات کی کوری سے انکار کرتے ہو۔

اس بیان کو سن کر بھی منکرینِ قیامت یہ کہتے تھے کہ پھر کس دن کے لیے دیر کی گئی ہے لای یوم اجلت کہ کس دن کے لیے ان باتوں کے آنے میں دیر کی گئی ہے کیوں ابھی نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لیوم الفصل فیصلہ کے دن آنے کے لیے دیر کی گئی ہے جب وہ دن آئے گا تو یہ سب چیزیں واقع ہوں گی اور اس دن کی تاخیر کارازا یا نہیں کہ تمہاری ناقص سمجھ میں آجائے۔ اس مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا وما ادرک ما یوم الفصل کہ اے مخاطب! تو اس فیصلہ کے دن کی حقیقت کیا جانے اور کیا کیا اسرار اس کی تاخیر میں ہیں؟ اور یوں بھی اس عالم کی تخریب اور بار دیگر بناء تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ دن مصیبت کا ضرور آنے والا ہے جس میں وویل یومئذ للْمُكَذِّبِینَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ہو سکے تو کچھ اس کا بندوبست کرو۔

اعادہ وویل کی وجہ: واضح ہو کہ یہ جملہ اس سورہ میں دس جگہ ارشاد ہوا ہے اس کی وجہ چند ہیں۔ اول یہ کہ فصحاء عرب اپنے کلام میں چند جملوں کے بعد ایک خاص جملہ بولتے تھے پھر چند جملوں کے بعد اسی کا اعادہ کرتے تھے اور یہ جملہ گویا اس کے اذلہ متعددہ ہوتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر ہر بار اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ خمس و مسدس میں ہر بار اخیر میں وہی مصرعہ یا شعر ذکر کیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ ان منکرینِ قیامت کو دس وجہ سے اس روز مصیبت پیش آئے گی۔ ہر ایک وجہ کے لیے اس کلام کا اعادہ کیا گیا۔ واضح ہو کہ انسان میں مبدع فیاض نے تین قوتیں رکھی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فساد سے شقاوت و دارین نصیب ہوتی ہے۔ اول قوت نظریہ جس پر اعتقادات و

ادراک صحیح کا مدار ہے کفار نے اس کو بگاڑ رکھا تھا کئی وجہ سے اول خدا کی ذات پاک دائم اس کی صفات میں بیہودہ خیالات پیدا کر رکھے تھے۔ دوم ملائکہ کرام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مستقل مالک ہیں۔ سوم مرکر بار دیگر جینے اور اعمال پر حساب ہو کر حشر میں جزا و سزا کے منکر تھے۔ چہارم مخلوقات کو قضاء و قدرت میں شریک جانتے تھے۔ پنجم حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتب الہامیہ کا انکار اور ان کے اوامر عبادت و صلہ رحمی سے سرتابی تھے۔ دوسری قوت شہویہ ہے اس میں افراط اس درجہ تھی کہ بہائم کی حد تک پہنچ گئے تھے اور تفریط بھی تھی کہ حلال اشیاء کو حرام جانتے تھے یہ دو وجہ ہوئیں۔ تیسری قوت غصبیہ ہے۔ اس میں بھی افراط یہاں تک تھی کہ ظلم و تعدی میں درندوں میں بڑھ کر تھے اور تفریط بھی یہاں تک تھی کہ محارم الہیہ اور اس کی گستاخی میں دست درازی کرنے والے پر غصہ تو کیا جوں بھی کان پر نہیں چلتی تھی۔ یہ بھی دو وجہ ہوئیں۔ پس یہ دس سبب ان میں ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کی وجہ سے دلیل کے مستحق تھے اور اسی لیے قیامت میں ہر ایک سبب کے بدلے ایک قسم کا عذاب ہوگا اس لیے دس بار یہ جملہ آیا یا یوں کہو کہ اس طرح سے دلیل ہوگا خواہ اس کا سبب ایک ہو یا متعدد۔

واضح ہو کہ ان کے دس عذاب مذکورہ بالا میں سے بعض کا یہاں ذکر ضمنی کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ قیامت کی بابت ان کو سخت انکار تھا اور کہتے تھے کہ بھلا یہ تو دیکھا اور سنا بھی گیا ہے کہ ایک حادثہ ایک مکان یا شہر یا خاندان پر آیا اور وہ برباد ہو گیا مگر یہ نہیں کہ تمام دنیا اور آسمان وزمین سب ایک بار برباد ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلَیْنِ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کر دیا ہے؟ اپنے سے سو دو سو برس پہلے کے لوگوں کو خیال کرو اور ان کے اسباب معاش اور مکانوں کو بھی غور کرو۔ اس تمامی دنیا میں سے اب کوئی ایک بھی باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ پھر یہ سب مخلوق فنا ہو گئی یا نہیں اور اسی طرح تمہارے بعد آنے والے اور تم فنا ہو جاؤ گے ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْاٰخَرِیْنَ ان کے پیچھے لگاتے ہیں ہم فنا ہونے میں پچھلوں کو کہ پچھلے قرون بھی یوں ہی ہلاک ہوں گے كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ یہاں تک کہ پچھلے قرون میں قریب قیامت کے کوئی نیک بندہ باقی نہیں رہے گا جو قیامت برپا ہونے میں حاجب ہو سب بدکار اور گنہگار ہی رہ جائیں گے جس طرح کہ پہلے اور بعد کے قرون کو ہم نے فنا کر دیا یکبارگی ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ صور پھونکنے سے۔ بس یہی سلسلہ قیامت کا ہے جس کا ایک سرا اب بھی موجود ہے اور پہلے سے چلا آتا ہے پھر اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے کفار قریش! تم اپنے زور و زبر پر غور کر کے کیوں حکم آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت و شوکت میں تھے عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں ہم نے پچھلوں کو ہلاک کیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے قوم ثمود کو ہلاک کیا اور قریات لوط علیہ السلام کو الٹ دیا۔ ہماری عادت ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں پھر تم کیا چیز ہو جو اس سرکشی اور مقابلہ میں ہمارے سامنے ٹھہرو گے؟ اس میں ان کفار قریش کو اور ان جیسے اور بدکار لوگوں کو رب العالمین کی طرف سے ایک اعلان ہلاکت ہے جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہیے۔ کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی رہی اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔

اس دن سے پہلے ہر عاقل کو درست ہو جانا چاہیے کس لیے کہ اگر وہ روز آگیا تو پھر وَاِیْلَکُمُ الدَّارُ الْاُولٰٓئِیْہِیْنَ اس روز اس دن کے جھٹلانے اور اس سے غافل رہنے والوں کی خرابی ہے۔ وہ کیا؟ عذاب الہی جس میں نئی قسم کا ڈکھ ہوگا۔

اَلَمْ نَخْلُقْکُمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝۱۰ فَجَعَلْنٰہُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۝۱۱ اِلٰی قَدْرِ مَعْلُوْمٍ ۝۱۲ فَقَدَرْنَا ۚ فَنِعْمَ الْقَدِرُوْنَ ۝۱۳ وَاِیْلَکُمُ الدَّارُ الْاُولٰٓئِیْہِیْنَ ۝۱۴

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝۱۵۱۰ اَحْيَاءَ وَاَمْواتًا ۝۱۵۱۱ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَواسِيَ ۝۱۵۱۲ شِخَاطٍ وَّاَسْقَيْنَكُمْ مَآءٍ فُرَاتًا ۝۱۵۱۳ وَنِيلًا يَوْمِئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝۱۵۱۴

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی کی بوند سے نہیں بنایا پھر اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم) میں رکھا ایک اندازہ معلوم تک رکھا ہم قادر ہیں پھر ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں بلند پہاڑ کھڑے کئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔

ترکیب : الیٰ قدر الجار متعلق بجعلنا بمعنی اثباتہ فقد رنا قرءنا فاع وعبداللہ بن عامر بالتشدید والباقون بالتحقیف علی الاول من التقدير (اندازہ کردن) وعلی الثانی من القدرة کفاتا قیل هو جمع کافت کالصائم والصلیام وقیل مصدر مثل کتاب وحساب والتقدير بذات کفت ای جمع۔ ومعنی الکفت فی اللغة الضم والجمع یقال کفت الشیء ای ضمته ویقال جراب کفیت وکفت اذا کان لا یضیع هیئاً مما یجعل فیه وقال صاحب الکشاف هو اسم ما یکفت کقولهم الصمام والجماح لما یضم وتجمع احياء وامواتاً منصوبات اما علی انهما مفعول کفات ای الیٰ الیٰ جعل الارض کفات احياء واموات فاذا انون نصب ما بعده واما علی انهما المفعول الثانی لجعلنا ای جعلنا بعض الارض احياء بالبنات وکفاتا علی هذا حال واما علی انهما حالان من الارض او من الضمیر بتقدير کلکم احياء وامواتا شامخات الرواسی الثوابت والشامخات الطوال وكل عالٍ فهو شامخ۔

تفسیر : منکرین حشر و نشر کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ اخیر وہ مر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس کے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں پھر ان کا باہم جمع کرنا اور بدستور اول اس قالب میں سینکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد جان ڈالنا اور اس کی زندگی چند روزہ کے حالات افعال و اقوال یاد کرنا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً قرآن کہتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کو جس کا منشا غلط فہمی تھی انسان کی ابتدائی حالت سے ثابت فرماتا ہے اور اس ابتدائی حالت پر ان کو یقین تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو یقین ہے۔

انسانی توالد و تناسل کا حیرتناک حال : فقال اللہ تَعَالٰی مِّنْ مَّا مَوْحِیْنَہُمْ کہ کیا ہم نے تم کو اے بنی آدم ذلیل اور بے قدر اور بد بودار پانی سے نہیں بنایا یعنی مٹی سے؟ اس کو سب مانتے ہیں اور مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی آفرینش مٹی سے ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ مٹی کن کن غذاؤں سے بنی ہے اور کس طرح سے اس حکیم مطلق نے انسان کے تمام مضمون اور متعدد استحالوں کے بعد یہ قطرہ بنا کر اس کے کُل میں تیار رکھا ہے۔ پھر دوسری بات قابلِ عبرت یہ ہے کہ اس قطرہ میں تمام وہ قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں جو اس سے بننے والے شخص میں ہوں گی اور تمام اجزاء انسانیہ کا بھی مادہ اسی ایک چیز مساوی الحقیقت والصورة میں رکھا ہوا ہے کوئی حکیم ودانشمند تمیز نہیں کر سکتا کہ اس قطرہ کے کون سے حصے سے سر بنے گا کس سے دل کس سے جگر۔

تیسری بات حیرت ناک یہ ہے کہ جَعَلْنَاهُ فِیْ حُرَّادٍ مَّکِیْنٍ کہ ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس نطفہ کو ہوائے خارجی اور مفیداتِ داخلی سے بچا کر مرد کے آئہ تناسل کے محفوظ نل سے اس کے ٹھہرنے کی جگہ عورت کے رحم یا بچہ دان میں پہنچایا اور وہاں کس حکمت بالغہ سے رکھا کہ جس سے بڑے بڑے حکیم حیرت میں ہیں۔ رحم کی تشریح اور اس کے انشیں کی حالت اور اس کے نلیوں کی کیفیت اور ان میں نطفہ کا جا کر نئی نئی صورتیں پیدا کرنا اور پھر اس میں اعناء اور دیگر چیزیں نمودار ہونا اور ان میں قوی کا رکھا جانا جو کسبِ طبع قدیم وجدید میں مذکور ہے اس کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ چوتھی بات حیرت ناک یہ ہے الیٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ اس کو اس رحم میں ایک وقتِ معین تک رکھا جس سے مراد مدتِ حمل ہے جو کمتر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس اور بعض کے نزدیک چار برس اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں۔ چونکہ یہ مدت مختلف ہے اس لیے ایک عام و شامل لفظ میں بیان فرمادیا ایک خاص مدت کا نام نہیں لیا۔ پھر اس مدت میں ہم نے اس کے اعضاء بنائے اور اس کی

تکمیل کے تمام اسباب جمع کئے اور ان سب باتوں کے کرنے پر ہم قادر ہوئے۔ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ پھر دیکھو ہم کیسے قادر ہیں۔ جب وہ کامل ہو چکا تو اپنی قدرت کاملہ کے زور سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لائے۔ پھر جب یہ ثابت ہوا کہ ہم بڑے قادر ہیں اور ہماری بے انتہا قدرت کا تم نمونہ دیکھ چکے تو کیا اس کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے بار دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ اے کوتاہ بینو! ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لیے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اس دوسرے جہان کی نسبت ایسا ہی تنگ و تاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی نسبت۔ جس طرح حمل کی حالت کا تصور حمل میں نہیں معلوم ہوتا بلکہ باہر آنے کے بعد۔ اسی طرح تم اس دنیا کے پیٹ میں حمل کی حالت میں ہو یہاں کا تصور بھی یہاں نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس حمل سے باہر ہونے کے بعد معلوم ہوگا یعنی دوسرے جہان میں صرف اتنا فرق ہے کہ حمل مادری میں تم کو اپنی تکمیل کی قدرت نہ تھی اس حمل دنیاوی میں تم کو قدرت دی ہے پھر جس میں اعمال و اقوال بد اور عقائد فاسدہ کے تصور ہیں گے اس جہان میں وَدَّيْلُ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ اس فیصلہ کے دن ان ناقصوں کی خرابی ہوگی جو اس دن کو جھٹلاتے ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے لفظ قدرنا کو تشدید سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حالت حمل میں اندازہ کیا یعنی اس کے اعضاء ظاہریہ اور قوائے باطنیہ کو ایک خاص انداز پر بنایا نہ دنیا کے کاریگروں کی طرح کہ کچھ مصالحہ اندازہ سے بچ رہا ہو یا اس مصنوع میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ رحم میں ٹھہرنے اور تکمیل کر کے باہر آنے کا زمانہ جو ہم نے اندازہ کر لیا تھا اس میں وہ تکمیل ہو گئی جیسی شکل جیسا قد بنا تھا بنادیا اور پردہ سے باہر لے آئے۔

یہ تو حمل مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان ہی کی آفرینش سے متعلق تھا جس میں غور کرنا اپنی ہی ذات سے خدا کا پہچانا ہے جیسا کہ عرفا کہتے ہیں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ میں کیا تھا اور کیونکر بنا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا کس لیے کہ مصنوع سے صانع کا علم آنا لازمی بات ہے اور ان دلائل کو دلائل انفس کہتے ہیں۔ دوسری دلیل حشر پر: اس کے بعد حمل دنیاوی میں جو کچھ انسان اس کی قدرت کے نمونے دیکھتا ہے اور نہ صرف وہ اس کی قدرت بے انتہا کے نمونہ ہی ہیں بلکہ ان سے حمل دنیاوی میں انسان کی پرورش بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے رحمت ہیں ان کو ذکر کرتا ہے اور ان دلائل کو دلائل آفاق کہتے ہیں۔ فَقَالَ اللَّهُ نَبْجَلُ الْأَرْضِ رَفَعْنَا أَحْيَاءَهُمْ وَأَمَوْنَا أَنَا كَمَا كُنْتُمْ نَزَلْتُمْ فِي الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِكُمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ اور اس زمین میں ٹھہرنے والے بلند پہاڑ بنائے جن کے منافع بے شمار ہیں۔ ازاں جملہ یہ ہے واسقینا کہ ماءً فراتاً کہ پہاڑوں سے شیریں پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور ندیاں بن کر بہتے ہیں جن کا پانی پی کر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور یوں بھی بارش اور کنوؤں کے ذریعے سے شیریں پانی پلاتا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک چیز کی قدرت بناوٹ اور ان کے منافع میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس قادر حکیم کا کام ہے جو بار دیگر دنیا کو فنا کر کے قائم کر سکتا ہے پھر ان ناشکروں کے لیے ودَّيْلُ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ خرابی ہے وہ اس کی قدرت اور نعمت کو جھٹلاتے ہیں۔

إِنْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تَكْذِبُونَ ۖ إِنَّطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي ثُلُثٍ

شُعَبٍ ۝ لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ۝ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ
 كَالْقَصْرِ ۝ كَأَنَّهُ جُمِلَتْ صِفْرٌ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ هَذَا يَوْمٌ
 لَا يَنْطِقُونَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَكُمْ فَيَعْتَدِرُونَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ هَذَا
 يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ جَمَعْنَكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ۝ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۝
 وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

۱۵۷

(کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو اس سایہ کی طرف چلو کہ جس کی تین شاخیں ہیں جو نہ سرد سایہ ہے اور نہ لپٹ سے بچاتا ہے وہ (آگ)
 بڑے انگارے پھینک رہی ہے جیسا کہ زرداؤنٹ - خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی - یہ وہ دن ہے کہ جس میں بات بھی نہ کر سکیں گے اور نہ ان کو عذر
 کرنے کی اجازت ہوگی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی - یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس میں تم کو اور تم سے پہلوں کو اکٹھا کر لیا پھر اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو مجھ پر چلاؤ
 خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی -

ترکیب : ذی ثلث شعب نعت لظل وکذا الاظلیل نعت لہ - بشر - قرء الجھور بفتح السین وقرء ابن عباس وابن مقسم شرار بکسر ہا مع الف
 بین المین قال الواحدی شررة وشر وشرارة وهو ما نظار من النار تبدونی کل جہت واصل من شررت الشوب اذا ظہرت وبسطه للشمس
 والشرار - بنسط مبتداء کالقصر فی قولان الاول ان المراد منه البناء المسمى بالقصر والثانی انها جمع قصرة ساکتہ الصاد کتمرة وتمر وجمرة وجمر قال
 البہرہ یقال للواحد من الخطب الجوز الغلیظ قصرة والجمع قصر عن ابن عباس قال هو حطب کناذ خرہ لثیثا نقطعه وکنا تسمیہ والقصر وهذا قول سعید
 بن جبیر ومقاتل والضحاک - قرء الجھور یا - کان الصاد وقرئ بفتحها وهو جمع قصرة وهي اصل النخلۃ والشجرة - جمالات قرء حمزة والکسائی وحفص
 جمالة جمع جمل وقرء الجھور جمالات بکسر الجیم وهي جمع جمال وهي الابل اوجع جمالة وقرء ابن عباس جمالات بضم الجیم وهو قرء یعقوب وله وجوه
 منها انها من الشیء المحمل یقال جملة الحساب وجاء القوم جملة ای مجتمعین والمعنی ان الشررة ترتفع کانهما شیء مجموع غلیظ اصفر وهذا قول الفراء
 هذا مبتداء یومہ لا ینطقون خبرہ وقرئ بفتح الجیم فهو منصوب علی الظرف فیہ ولا یؤذن لهم معطوف علی الخبر فیعتدرون فی رفعہ وجہاں احدہما نہ
 نفی کالذی قبلہ والثانی انہ متانف وقیل اصل فیعتدرون ولكن زیدت النون لتوافق رؤس الآیات فان کان لکم شرط فکیدون بحذف الیائی
 الجملة جواب -

تفسیر : دلائل انفس وآفاق سے قیامت کا رہا ہونا ثابت کر کے اس کے بعد قیامت میں جو کچھ منکرین کی حالت ہوگی جس کو کئی بار بلفظ
 ویل تعبیر کیا تھا اس کو بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ انْطَلِقُوا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِہٖ تُكَذِّبُونَ کہ منکرین کو قبروں سے اٹھانے کے بعد جبکہ آفاق کی
 تپش کے مارے دماغ اٹھتے ہوں گے اور ایمانداروں کے لیے عرش کا سایہ ہوگا اور ان کے لیے نہ ہوگا اور یہ حیرت و شدت میں ہوں گے
 فرشتے یوں کہیں گے چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے وہ کیا؟ حساب اور اعمال بد پر عذاب و ثواب چلو اس کو دیکھ لو - یہ
 سن کر نہایت گریہ و زاری سے کہیں گے کہ سر دست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس بلا سے نجات پائیں - فرشتے کہیں گے انْطَلِقُوا اِلٰی ظِلِّ ذٰی
 ثَلَاثِ شُعَبٍ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا وہاں آئیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے وہ کیا؟
 لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ نہ دراصل وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور نہ پیر و نی تپش اور لو کے دفع کرنے میں کارآمد ہے - پھر وہ کیا

ہے؟ جہنم کا دھواں ہے اور جب دھواں گرم اور بہت ہوتا ہے اور اس کا بقد اٹھتا ہے تو اوپر سے اس کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں کچھ ادھر کچھ ادھر۔ اسی سایہ کو سورہ کواقعہ میں یوں بیان فرمایا ہے وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ لَّا يَارِي وَلَا كَرِيمٍ کہ وہ سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ اس میں کوئی آرام ہے۔

علماء فرماتے ہیں اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کے دائیں ایک بائیں ایک سر پر محیط ہوگی یعنی ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اور سر اس کا عرفاء نے یوں ارشاد کیا ہے کہ عالم مثالی میں ان کے اعمال فاسدہ و عقائد باطلہ جس کی تاریکی میں ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ انسان کے اندر تین لطیفہ نبی ہیں ان کی اصلاح جماعت ملائکہ میں ملا جاتی ہے اور فساد سے شیاطین کے زمرہ میں مل جاتا ہے۔ اول دل جو بائیں طرف ہے منجملہ اس کے فساد کے ایک یہ ہے کہ قوت غضبیہ حد سے بڑھ جائے اور ظلم و تعدی پر کمر باندھ لے اس لیے ایک دھواں اس جانب سے نکل کر محیط ہوگا۔ دوم جگر جو دائیں جانب ہے اس کے فساد میں سے ایک یہ ہے کہ قوت شہوانیہ بڑھ جائے اور فسق و فجور میں ڈوب جائے اس لیے ایک دھواں اس طرف سے نکل کر محیط ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام قوتیں شہوانیہ کا خزانہ اور جز جگر ہے کس لیے کہ خون سپہیں بنتا ہے اور اس سے تمام جگہ پھیلتا ہے اور انسان کی قوت اکل و شرب جماع کا دار و مدار اسی خون پر ہے۔ بدن میں خون ہے تو سب کچھ سمجھتی ہے۔ سوم دماغ جو قوت اور اکیہ کا چشمہ ہے اگر یہ خراب ہو گیا اور اذہام باطلہ اور عقائد فاسدہ میں مبتلا ہوا تو تیسری شاخ دھوئیں کی انہیں سے نکل کر محیط ہوگی۔ یا یوں کہو کہ حس و خیال و وہم ہی روح کو انوار قدس سے منور ہونے میں مانع ہیں اور ہر ایک کی ان تینوں میں سے ایک ایک ظلمت ہے اس لیے ہر ایک ظلمت دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ صوفیہ کرام کے نزدیک قوت غضبیہ و شہویہ دونوں کا منشئی دل ہے مگر غضب اس کی دائیں جانب سے اور شہوت بائیں سے تعلق رکھتی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ قوت غضبیہ کا دھواں دائیں جانب سے اور شہوانیہ کا بائیں سے احاطہ کرے گا۔

یہ دھواں حساب سے فارغ ہونے تک محیط رہے گا اس کے بعد جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور جہنم کے کنارے پر کھڑے کر کے ان سے حساب لیا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہ کیفیت جہنم میں پیش آئے گی۔ اس کے بعد جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے جہاں سے یہ دھواں اٹھتا ہے۔ فقال اَنَّهُ تَدْرِي جَهَنَّمَ كَالْقَصْرِ کہ جہنم سے محل جیسے چنگاریاں اڑیں گی۔ قصر کے معنی میں علماء مفسرین کے دو قول ہیں: اول تو یہ کہ قصر سے مراد محل ہے یعنی بڑا مکان جس کی جمع قصور ہے۔ دوم کہ یہ قصرہ لکڑیوں کے انبار کو کہتے ہیں جو جلانے اور تاپنے کے لیے رکھی جاتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے جو کسی نے معنی پوچھے تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے کہ ہم تین ہاتھ یا اس سے کم یا زیادہ لکڑیوں کو جمع کرتے اور اس کو قصر کہا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری) اس کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ اس قدر بڑی چنگاریاں باہر پھینکیں گی جیسا کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قصر درخت کے تن کو کہتے ہیں اور سعید بن جبیر و ضحاک کہتے ہیں بڑے درخت کے تن کو قصر کہتے ہیں۔ ایسی ایسی چنگاریاں اڑیں گی جیسے کہ بڑے درخت کا تن کہ جس پر وہ قائم ہوتا ہے۔ زرد دانوں سے چنگاریوں کی تشبیہ دینے کی وجہ: كَأَنَّهُ جِمَاكَتٌ صُفْرٌ وہ شرارہ یعنی چنگاریاں گویا زرد اونٹ ہیں کہ قطار میں ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ چنگاریوں کو زرد دانوں سے کئی باتوں میں تشبیہ دی بڑائی میں رنگت میں پے در پے جلد جلد ایک کے بعد دوسرے کے آنے میں۔ چنگاریاں جو جہنم سے اڑیں گی آگ ہوں گی اور آگ روشن زرد ہوتی ہے اور ایک کے بعد دوسری آئے گی لگا تار جیسا کہ قطار میں ایک اونٹ کے بعد دوسرا متصل آتا ہے اور بڑے بھی ایسے ہی ہوں گے کہ جیسا اونٹ اور یہ بھی ہے کہ اس قدر جماعت کی چنگاریاں گول نہیں ہوتیں بلکہ لمبی اور آگ سے پتلی اس حالت میں ان کی نوک کو اونٹ کی گردن سے اور باقی کو جسم سے پوری تشبیہ ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ جمالات سے مراد جمال السفن کشتی کے رے ہیں۔ جمع حتی تکون کا واسطہ الرحال جو باہم ملائے جانے سے اونٹ کی درمیانی

کاٹھی کے برابر ہو جائیں۔ اور بھی اس کے معنی علماء نے بیان کئے ہیں اول تقدیر پر جملہ جمع ہے جس کے معنی ہیں اونٹ اور تانکید کے لیے زیادہ کر کے جملہ بھی کہتے ہیں۔

چنگاریوں کو اونٹ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور یہی لطیفہ ہے کہ کفار مکہ کو دنیا میں بڑی حسرت دنیا اور اس کے تجملات کی تھی اور آرزو کرتے تھے کہ سفر میں بھی ہمارے خیے اور سامان عیش اونٹوں پر لد کر ساتھ چلا کریں ان کی یہ حسرت اس روز ان چنگاریوں کی شکل میں ظاہر ہوگی جو زرد اونٹوں کی قطار سے مشابہ ہوگی۔ اور زرد اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مرغوب ہے۔ گویا یہ دکھایا جائے کہ لو تہمارے سلیہ کرنے کے سامان لے کر یہ زرد اونٹ جہنم سے قطار باندھے نکل رہے ہیں لو اس دھوئیں میں تمہارے لیے سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ ہے۔ پھر جب ان کو اونٹوں کی قطار کا دھیان آئے گا تو کیسی حسرت ہوگی اور روح کو دو گنا عذاب ہوگا نعوذ باللہ منہا۔ اس لیے فرماتا ہے **وَيَوْمَ يُؤْمِنُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَإِنَّا كُنَّا مِنْهُمْ شَرًّا** کہ اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے کہ ایک تو سایہ کی جگہ جہنم کے گرم دھوئیں کا سایہ جس میں جی بھی گھٹے اور ٹھنڈک بھی نہ ہو دوسرے یہ کہ چنگاریوں کی پوچھاڑ کہ جن سے مفر نہیں اڑا کر اوپر گر رہی ہیں۔ تیسرے ان چنگاریوں کی قطار سے زرد اونٹوں کی قطار کا دھیان آنا یہ کیا کم خرابی ہے نعوذ باللہ منہا۔

ایسی مصیبت جان گداز کے وقت خلاصی کی یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ چرب زبانی سے انکار کرے یا عذر و معذرت کرے۔ سو یہ دونوں باتیں بھی وہاں ان کو میسر نہ آئیں گی کس لیے کہ **هَذَا يَوْمٌ لَا يَكْنُطُونَ فِيهِ** وہ دن ہوگا کہ جس میں اس وقت بات نہ کر سکیں گے۔ حیرت و دہشت میں بدحواسی ہوگی۔ چرب زبانی اور انکار بھی منہ سے نہ نکلے گا سن ہو جائیں گے۔ **وَلَا يُؤْذِنُ لَهُمْ قِيَعَتُهُمْ** اور نہ ان کو عذر و معذرت کی بھی اجازت ہوگی۔ یہ ایک اور خرابی ہوگی اس لیے فرماتا ہے **وَيَوْمَ يُؤْمِنُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَإِنَّا كُنَّا مِنْهُمْ شَرًّا** کہ اس دن جھٹلانے والوں کی یہ ایک اور خرابی ہوگی۔ اشکال: قرآن مجید میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے۔ مگر دوسری آیات میں اس کے خلاف آیا ہے کہ کفار کہیں گے **وَاللَّهُ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ** کہ بخدا ہم مشرک نہ تھے اور ایک جگہ یوں آیا ہے **فَمَا أَتٰكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ** تم قیامت میں اپنے رب کے پاس جھگڑو گے اور بہت آیات ہیں جن میں کفار کا کلام کرنا بروز قیامت ثابت ہے۔ جواب: اس کا جواب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں دیا ہے کہ قیامت کا دن ایک بڑا دن ہزاروں برس کے برابر ہوگا۔ کلام نہ کرنا کسی خاص وقت اور خاص جگہ میں ہوگا اور کرنا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ میں اس لیے کچھ منافات نہیں۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کلام کرنے سے مراد اور عذر کرنے سے مراد معقول کلام اور معقول عذر کرنا ہے سو وہ میسر نہ ہوگا۔ رہی کجواس سو وہ دراصل کلام اور عذر نہیں اس لیے منافات نہیں۔ اب ایک اور مصیبت ہے کہ **هَذَا يَوْمٌ الْفَصْلِ** یہ دن فیصلہ کا ہے اور فیصلہ کے وقت مجرم کو مہلت نہیں دی جاتی کہ چند مدت کو یہ بلاں جاتی۔ دوم فصل کے معنی فرق کے بھی ہیں کہ نیک بدوں میں جدائی کر دی جائے گی وہ ان سے جدا یہ ان سے جدا اب یہ بھی توقع جاتی رہی کہ ان بزرگواروں سے شفاعت کروائیں اور ان کی عرض معروض پر رستگاری ہو جائے۔ تیسری مصیبت **جَمَعْنَا كُفْرًا** **وَالْأَوَّلِينَ** کہ ہم نے تمہیں اور پہلوں سب کو جمع کر لیا اب یہ رو سیاہی اور ذلت تمام خلائق اولین و آخرین کے سامنے ہوگی۔ اور نیز معاصروں سے قرابت و محبت کے رشتے منقطع ہوں گے۔ اسی طرح اگلے بھی جن سے رشتہ قرابت و عقیدت تھا جدا ہو جائیں گے۔ اب یہ بھی امید نہیں کہ حضرت آدم و حضرت نوح و حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہم السلام کچھ عرض کریں کس لیے کہ ان میں اور ان میں بھی جدائی ہو جائے گی۔ مصیبت کے وقت ایک یہ بھی ارمان ہوا کرتا ہے کہ گزشتہ ناموروں کو جن کی جناب میں عقیدت ہوتی ہے یاد کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر وہ ہوتے تو مشکل کشائی بڑھ جاتی۔ ہم فلاں بزرگ کو پوجتے تھے اگر وہ ہوتے تو یوں کرتے اور اس لیے اب بھی بوقت مصیبت ہر قوم کے مشرک اپنے اپنے معتقد علیہم کو پکارتے ہیں۔ ہنوز کہتے ہیں یا ہنومان مدد بھیروں کی دہائی، علیٰ ہذا القیاس۔ یہودی اور

پاری اور نصاریٰ خصوصاً رومن کیتھولک بھی پکارا کرتے تھے اور عرب کا تو تمام دستور تھا سنگڑوں معبود تھے بوقت مصیبت انہیں کو پکارتے تھے اور جہلائے اہل اسلام بھی بزرگان دین کو ہی پکارا کرتے ہیں۔ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے یہی ورد رہتا ہے اللہ جل شانہ سے جانے کیا بدگمانی ہے اس کی دہائی اور اس متبرک نام کو کم پکارتے ہیں۔ فرماتا ہے اس روز وہ بھی سب جمع ہوں گے فَاِنَّ كُنَّا لَكُمْ فُكَيْدُوْنَ اگر ان کی آمد سے کچھ داؤں کر سکتے ہو یعنی ہمارے عذاب کو ٹال سکتے ہو تو نالو اور مجھ سے داؤں کرو اور کوئی حیلہ باقی نہ چھوڑو مگر کیا کر سکیں گے و تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ان کے سب وسائل منقطع ہو جائیں گے پھر اس وقت وَيَلُوكُمُ الْفُكَيْدُ الَّذِيْنَ جَهَّلْنَا انہیں کی ضرور خرابی ہوگی۔

اس خرابی سے کیا بڑھ کر ہوگی کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ دنیا میں عمر بھر جمع کر کے اور ان کی کوشش کرتے تھے آج ان کی طرف منہ بھی نہیں کرتے اور ان کی بات بھی نہیں سنتے پھر کبھی حسرت ہے اور کبھی غصہ ہے کہ ناحق حق جل علا کو چھوڑ کر ہم نے ان کی پرستش کی آج تو سوائے اس کے اور کسی کی بھی سلطنت اور حکومت دکھائی نہیں دیتی اور اس سے دنیا میں کچھ بھی واسطہ نہ رکھانہ اس کو کامل قاضی الحاجات سمجھنا نہ قادر مطلق جانا۔ اس کی طرف سے غافل رہنے کی جو کچھ حسرت ہوگی وہ بھی ایک روحانی عذاب ہوگا جس کو لفظ دلیل حاوی ہے۔

فائدہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاِنَّ كُنَّا لَكُمْ فُكَيْدُوْنَ ممکن ہے کہ دنیا میں رسول کی طرف سے ہو۔ کفار کے لیے کہ یہ بات ہونے والی ہے۔ اب میں نے تم کو مطلع کر دیا اگر تم ناخوش ہو تو جو تم سے میرے لیے مکر و فریب ہو سکے کر لو مگر پہلے معنی چسپاں زیادہ ہیں کس لیے کہ قیامت میں جب حقوق العباد کی بابت کفار سے مطالبہ ہوگا تو ان سے کہا جائے گا جو کچھ دنیا میں تم حیلہ بازی اور مکر سے حق تلفی کیا کرتے تھے تو اب کر لو۔ یہاں کوئی حیلہ بازی نہ چلے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلِّ وَّعْيُوْنٍ ۝۱۵ وَفَوَآكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۱۶
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هٰنِيْٓا۟ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۷ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۸ وَيَلُوكُمُ اللَّمُكَذِبِيْنَ ۝۱۹ كُلُوْا وَتَسْتَعُوْا قَلِيْلًا
اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝۲۰ وَيَلُوكُمُ اللَّمُكَذِبِيْنَ ۝۲۱

بے شک پرہیزگار شہدای چھاؤں اور دل پسند میوؤں میں رہیں گے (کہا جائے گا) لومڑہ سے کھاؤ پیو یہ جزا ہے تمہارے ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (اے کفار!) کھاؤ اور برت لو توڑے دنوں آخر تم مجرم ہو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب : ان اسماء المتقين في ظلال خبرها وعيون وكذا افواكه عطف على الخبر وما يشتهون من بياضها موصولة يشتهون صلة والعائد محذوف ای۔ یشتہونہ والجملة مجرور بمن ای متعلقہ بمحذوف نعت لفواكه۔ کلووا و اشربوا فی محل الحال من ضمیر المتقين فی الخبر بتقدير القول ای مقولاً لهم کلووا و اشربوا۔ هنيئاً منصوب علی انه صفة مصدر محذوف ای افواكه هنيئاً و شراباً هنيئاً (من) گوارا شدن طعام و شراب۔ يقال هنت الطعام ای تهنات بدو منه قوله تعالى فكلوه هنيئاً مريئاً من باب فتح و كرم بکرم (من الصراح) بما الباء اسمية کلووا و تمتعوا اقليلاً ای زاناً قليلاً

۱۔ یہ کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے مگر ایمانداروں کے لیے بندگان دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جو رحمت الہی کا مظہر ہے اس سے باطل نہیں ہوتی وہ ضرور ہوگی اور وہ دوسری بات ہے۔ ۱۲۷ منہ

الجملة حال من المکذبین ای الاول ثابت لهم فی حال ما یقال لهم کلووا تمتعوا اذ انما بهم فی الدنیا کانوا اُخفاء بان یقال لهم ذلک وعلل ذلک بکونهم مجرمین دلالة علی ان کل مجرم ماله الاکل و التمتع الا ایا ما قلائل ثم اخلو فی العذاب ابدًا۔ و یجوز ان یكون کلامنا مستافا خطابا للمکذبین فی الدنیا۔ من الکشاف۔

تفسیر : اب ایک اور مصیبت کفار پر پیش آئے گی وہ یہ کہ الْمُتَّقِينَ فِی ظِلَالٍ وَ عِیُونَ وَ فَوَاکِهِ مِمَّا یَسْتَهْزِئُونَ پر ہیز گار یا ایماندار اس روز ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے برخلاف اس کے کفار گرم دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور وہ آتش دوزخ کی چنگاریوں میں جلتے ہوں گے مگر ایماندار اس کے بدلے چشموں میں نہاتے پانی پیتے عیش کرتے ہوں گے۔ کفار کو زقوم اور پیپ اور لہو کھانے کو ملے گا یا غصہ اور غم مگر ایمانداروں کے لیے میوے ہوں گے اور میوے بھی وہ جن کو دل چاہے گا وہی حاضر ہوں گے اور کفار کو لعنت ملامت ہوگی برخلاف ان کے ایمانداروں کو یہ کہا جائے گا کُلُوا وَاَشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ کہ خوب کھاؤ پیو مزے کرو اپنے ان نیک عملوں کے بدلے جن کو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ کلمہ ایسا ہے جیسا کسی معظم و کرم مہمان کو کہا جاتا ہے کہ کھائیے ہر چند تمہارے اعمال نیک چند روزہ تھے اور ان کا بدلہ اور اجرت اس قدر نہیں مگر ہم کریم ہیں اِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ایک نیکی کے بدلے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ اور فانی کے بدلے بانی عطا کرتے ہیں۔ یہ کیفیت عرصات کی ہے کفار کے جہنم میں فیصلہ ہو کر جانے سے پہلے پھر جب کفار ایمانداروں کے لیے عرصات میں یہ انعام و اکرام دیکھیں گے اور اپنے لیے یہ خرابی اور ذلت اور عذاب دیکھیں گے تو اپنے مقابلے میں اپنے دشمنوں کی عزت و اکرام دیکھ کر کس قدر رنج اور غم ہوگا اور نیز اس بات سے بھی کہ ہم نے ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی جو آج ایسے صلے دے رہا ہے۔ یہ اور بھی رنج ہوگا کَمَا قَالَ وَیْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِیْنَ کہ خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کی۔

آیت میں اہل سعادت کا انجام بھی بیان کر دیا تا کہ بیان پورا ہو جاوے۔ ظلال یعنی سائے فرمایا جو جمع کا لفظ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ایمانداروں کے لیے متعدد سائے ہوں گے اول عرصات میں عرش رب العالمین کا سایہ ہوگا پھر بل صراط سے گزرنے کے وقت اعمال صالحہ اور صدقات کا پھر جب بہشت میں جائیں گے تو طوطی کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل و مکانات سکونت میں آئیں گے تو جنت کے عمدہ محلوں اور وہاں کے چھپر کھنوں اور نمکیروں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الہی کا سایہ ہوگا جو ایک سایہ ہزار سایوں سے بہتر ہوگا اور اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے۔ عین ایک چشمہ عیون بہت سے۔ وہاں چشمے اور نہریں جاری بھی ان کے لیے متعدد ہوں گی جو ان کے معارف اور اعمال صالحہ کا مظہر ہوگا اقسام اقسام کے اعمال و معارف تھے ویسے ہی چشمے بھی اقسام اقسام کے ہوں گے کسی میں کافور کی آمیزش کسی میں زنجبیل کی کسی میں شہد کی شیرینی کسی میں دودھ کی خاصیت۔ یہ دنیا میں ان کے روزہ کی تشنگی برداشت کرنے کا اور دین میں کوشش کرنے کا ثمرہ ہوگا اور اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے فاکہ کی جمع جس کے معنی ہیں میوہ سو وہاں ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک کوشش ایک ایک دل پسند میوے کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک عملوں کا بدلہ ہے۔

ایک اور مصیبت ان پر پیش آئے گی وہ یہ کہ تمسخر کے طور پر ان کفار سے کہا جائے گا کُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا اَنَکُمْ مُجْرِمُونَ کہ چند روز کھا لو پی لو، آخر تو تم مجرم ہو۔ یہ ان کی دنیاوی حالت کو یاد دلانے پر تفریض کی جائے گی کیونکہ مکر۔ بن قیامت دنیا ہی کو سمجھتے تھے اور کہتے تھے اجی قیامت قیامت سنا کرتے ہیں وہاں کے ادھار کے لیے کیوں آج نقد عیش و عشرت کو چھوڑے۔ کھاؤ حرام و حلال جو ملے اور ہر طرح کا مزہ کرو شراب و زنا وغیرہ لذتوں سے کون محروم رہے۔ یہ خنگ دماغ جو قیامت کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں ناحق ان مزدوں سے محروم رہتے ہیں قیامت کس نے دیکھی ہے۔ دن بھر روزے میں بھوکا پیاسا مرنا کس عقل مند کا کام ہے پھر کیا بارگزد دنیا میں آتا ہے

یہ مزے کیوں چھوڑیں۔ بعض شعراء نے جوانیوں کو انہیں کی ذریت میں سے ہیں ان باتوں کو اشعار میں بھی نظم کیا ہے۔ تب وہاں ان سے فرشتے انہیں کی اس بات کو انہیں کے دنیاوی خیالات یاد دلانے کے لیے اس میں نمک مرچ لگا کر یوں کہیں گے کہ کھاؤ مزے کرلو چند روز آخر تم مجرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام دنیا میں کفار کی طرف بالفعل ہے کہ اے کفار! تم جو قیامت کے منکر ہو دنیا ہی کی لذات پر دلدادہ ہو تھوڑے دنوں کھا لو عیش کر لو آخر تم مجرم ہو جس دائمی اور سزائے ابدی میں گرفتار ہو گے اس لیے **وَبَلَّغْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ** اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔ اور اس خرابی سے بڑھ کر اور کیا ہے کہ دنیا کے مزے یاد کریں گے اور حسرت آمیز آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چند روز عیش و نشاط کے سبب جواب خواب و خیال ہو گئے ہمیشہ کا عذاب دردناک اور دکھ بھری زندگی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مر کر اس بلا سے چھوٹ جائیں۔ یہ نوں قسم کی خرابی تھی جس کو عذاب کہنا چاہیے خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی ایک دوسری سے بڑھ کر ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ ان مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ کیوں وہ ایسی ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَزَكُّوْنَ ۝ وَيَلْبِثُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ ۝

۱۰۰

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لو جھکو تو نہیں جھکتے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے پھر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

ترکیب : واذا شرط لایرکعون الحمد للہ جواب ذی الباء متعلق بیؤمنون بعدہ ظرف لیؤمنون والجملة استفہامیہ والا استفہام استقراری۔

تفسیر : فقال واذا قیل کہم اذکعوا لا یزکون یعنی وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں کہا جاتا ہے (رسول یا اس کے نائب کہتے ہیں) خدا کی طرف جھکو کہ اس کے احکام مانو تو انہی سے بچو تو نہیں جھکتے۔ مومن و کافر میں ایک یہ بھی بڑا امتیاز ہے کہ مومن مصیبت کے وقت راحت کے وقت بیماری میں تندرستی میں افلاس میں توانائی میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکتا ہے۔ اس کا مرکب اصل وہی ہے جب کسی مانع نے روک بھی لیا تو جب مانع اٹھ گیا ادھر ہی چلا آیا اس کی طرف اس کو برا آتا ہے برخلاف کافر کے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ رکوع سے مراد نماز میں جھکنا ہے جو خاص علامت فرمانبرداری کی ہے کہ ہم نے آپ کے آگے سر جھکا دیا، پیٹھ نیچی کر دی آپ جو چاہیے ہم پر احکام کا بوجھ دھر دیجئے ہم بجالانے کو مستعد ہیں اور اسی لیے دنیا میں بادشاہوں کے سامنے خم ہونا اور سلام کرنا اطاعت اور انقیاد کی علامت ہے اور یہ رکوع نماز میں مسلمانوں کے شعار میں داخل ہو گیا گویا جب ان کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تاکہ زمرۃ اسلام میں داخل ہوں تو نہیں مانتے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت قوم ثقیف کے معاملہ میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار اسلام کیا۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھو اور نماز تعلیم فرمائی۔ انہوں نے کہا ہم رکوع نہ کریں گے کیونکہ اس میں عار ہے کیونکہ آدمی زاد سیدھا پیدا کیا گیا اور جب وہ پیٹھ گائے نیل کی طرح کرے تو برا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا جود کہ اس دین میں کچھ خیر نہیں کہ جس میں نہ رکوع ہے نہ جود۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ کفار سے اس وقت کہا جائے گا جبکہ تجلی الہی ہو کر کشف ساق ہوگا اور لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوگا پھر جو دنیا میں سجدہ نہیں کرتے تھے وہاں بھی نہ کر سکیں گے۔ تختے کی طرح پیٹھ اور گردن اکڑ جائے گی رکوع و جود میں خم نہ ہو سکیں گے۔ حاصل کلام

یہ ہے کہ کفار جب قیامت میں رکوع و سجود کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ طرح طرح کے انعام و اکرام ان پر ایک آسان عمل سے ہو رہے ہیں تو سخت رنج و افسوس ہوگا کہ ہائے ہم نے کس لیے اس حکم کو نہ مانا۔ **وَلَيْلُ يُؤْمِنُ لِلْمُكْذِبِينَ** یہ ایک اور خرابی ہوگی جو دوسری خرابی ہے۔

پھر جب ان کفار کو دارِ آخرت کا حال اس طرح کرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ مکروں کے لیے یہ خرابیاں اور ماننے والوں کے لیے یہ نعمتیں ہیں تو پھر اگر اس کو سن کر بھی ایمان نہ لائے **تَوَفَّيْنَا حَبِيبًا حَدِيثًا بَعْدَ مَا يَوْمُؤُنَ** پھر کس بات پر اس بیان کے بعد ایمان لائیں گے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ بعدہ کی ضمیر بیان واضح قرآن کی طرف راجع ہے جو قرینہ حاصل سے سمجھا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس آیت تک پہنچے تو اس کے بعد کہے **آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِمَا اَنْزَلَ**۔

تم بحمد اللہ سبحانہ المجلد السابع فی ۷ اشعبان المعظم ۱۳۱۳ھ یوم الاثنين بعد صلوٰۃ العصر فی ایام الشتاء۔

الصی فقیر محمد عبدالنواب چشتی غفرلہ



وَاللَّهُ يَكْتُبُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَيُخَوِّفُكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ

تَفْسِيرُ فَتْحِ الْمَلِكِ
الشُّعْرَى

تفسير حقاني

عمدة المحققين في الفقهين شيخنا أبو محمد الحقاني الحنفي الديلمي رحمه الله

حصة ثامن

الفصل
نشره في تهران مكتب
غفرني شريف آذول و ملازله

المجلد الثامن

(سورہ نباء مکہ ہے اس میں چالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۚ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۖ كَلَّا

سَيَعْلَمُونَ ۖ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۖ

وہ کیا پوچھ رہے ہیں؟ کیا وہ بڑی خبر؟ (حادث قیامت) کہ جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیے غریب جان لیں گے (ہم) پھر (کہتے ہیں) ایسا نہ کرنا چاہیے ابھی جان لیں گے۔

ترکیب ! عم اصلہ عن ما فاذا غمت النون فی الیم وحذفت الالف لیمیز الخبر عن الاستفهام وكذلك فیم ویم۔ والاستفهام فی اللفظ و فی المعنی تعمیم القصۃ کما تقول ای شیء ترید اذا عظمت شأنہ عن النباء العظیم عن بدل من الاولی والفاء الاستفہام الہی یشی ان تعاد محذوفۃ وعن الاولی متعلقہ بیتساء لون وقیل عن الثانیۃ متعلقہ بفعل محذوف غیر مستفہم عنہ ای یتساء لون عن النباء علی هذا التقدير عن النباء جواب الاستفہام کما فی قولہ تعالیٰ لمن الملك الیوم لله الواحد القہار الذی ہم فیہ مختلفون الموصول صفۃ للنباء بعد وصفہ بكونہ عظیمہا۔

تفسیر ! اس سورت کو سورہ تساول اور سورہ نباء بھی کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق کے میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چالیس یا اکتالیس آیات دو رکوع ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ مرسلات سے مسئلہ معاد میں ہے اور ہجرت سے پہلے یہی مسئلہ زیادہ تر مبحث عنہا تھا۔

شان نزول ! شان نزول اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے اور ان انسانی اعمال کی جزاء و سزا کے منکروں کو ایک آنے والے دن کی خبر دی کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ دنیا زیروزبر ہو جائے گی اور انسان بارگزر زندہ ہوں گے اور ان کے نیک و بد اعمال کی ان کو جزاء و سزا ملے گی (یہ خبر تھکند کے نزدیک البتہ بڑی خبر ہے۔ کس لیے کہ شتر بے مہار ہو کر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے والوں اور پھر سلسلہ حیات کو اسی حیات پر تمام سمجھنے والوں کو ایک سخت پریشانی کا سبب اور نہایت فکر کی بات ہے) تب وہ کفار پار بار تعجب کی راہ سے حضرت نبی ﷺ سے دریافت کرتے تھے کہ کب وہ دن ہے اور یہ کیونکر ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ ان کے اس سوال اور تعجب کا ان آیات میں ذکر کرتا ہے۔

۱۔ عم در اصل من ما تھا الف کو تخفیف اور کثرة استعمال کی وجہ سے حذف کیا قاعدہ ہے کہ الف ما کو ان حروف جر کے بعد حذف کر دیتے ہیں۔

عن۔ تا۔ لام۔ وئی۔ وئی۔ والی وحشی ۱۲ منہ

۲۔ الضمیر یرجع الی اہل مکہ کا نویتساء لون عن البعث ای تعین البعث بكونہ متساو لا دون امر النبوة والقرآن علی ما قبل لاقتضاء قولہ تعالیٰ المجعل الارض الخ اوقیاء

لون الرسول والمؤمنین عند استہزاء اولئنا یعنی المسلمین والکافرین ۱۲ حقانی

اقرءاء المجہور عم بحذف الالف وقرئ باثباتھا وھلقل وقرئ بھاء السکتۃ عوضا عن الالف عم ۱۲ منہ

۳۔ سيعلمون قرءاء مجہور بالياء اختیہ فی الفعلین وقرئ بالتاء علی الخطاب وقرء الضحاک الاولی بالفوقیۃ والثانی بالتحقیقۃ۔ ۱۲ منہ

فقال عم یتسالون کہ یہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں؟ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے مگر یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کوئی بڑی بات پوچھتا ہے یا چاہتا ہے تو کہتا ہے تو کیا پوچھتا ہے۔ کیا چاہتا ہے یعنی یہ پوچھنے اور چاہنے کی چیز نہیں۔ تساؤل باہم سوال کرنا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ یہ پوچھنے والے کون تھے؟ بظاہر کفار تھے کہ تعجب و انکار و تسخر کی راہ سے آپس میں چرچا کرتے اور پوچھتے تھے۔ فراء کہتے ہیں تساؤل بات چیت کو بھی کہتے ہیں۔ گرچہ باہم سوال و جواب نہ ہو مافی قولہ تعالیٰ واقبل بعضهم علی بعض یتساءلون قال قائل منهم انی کان لی قرین یقول انک لمن المصدقین اس تقدیر پر یہ معنی ہیں کہ وہ آپس میں کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟ یعنی یہ چرچا کرنے اور تعجب و انکار کرنے کی بات نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ پوچھنے یا چرچا کرنے والے کفار تھے کس لیے کہ اس کے بعد کلاسیع لمون اور ہم فیہ مختلفون میں ضمیریں کفار کی طرف پھرتی ہیں۔ اس لیے یتساءلون کی ضمیر بھی ان ہی کی طرف پھرنی چاہیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار باہم ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ کفار مسلمانوں پر شبہات پیش کرتے تھے۔ وہ جواب دیتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار سب آنحضرت ﷺ سے پوچھتے تھے، مسلمان اس لیے کہ اور بھی یقین قوی ہو جاوے اور کفار تسخر کی راہ سے یا شکوک و شبہات وارد کرنے کی غرض سے۔

پھر آپ ہی فرماتا ہے عن النبأ العظیم الذی ہم فیہ مختلفون۔ اس بڑی چیز سے سوال کرتے ہیں کہ جس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی کیا وہ بڑی خبر پوچھ رہے ہیں؟ جس کا پوچھنا اور تعجب کرنا لازم نہیں۔ لفظ عظیم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ تو ایک بڑی بھاری بات ہے۔ اس کی عظمت دلوں پر خود بخود اثر ڈال رہی ہے۔ بشرطیکہ دلوں پر حجاب ظلمانی اس اثر سے روکنے والے نہ ہوں اور جملہ ہم فیہ مختلفون بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کس لیے کہ اختلاف کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس بڑی خبر کے بطلان پر بھی ان کے پاس کوئی برہان قاطع اور تسلی بخش دلیل نہیں بلکہ محض توہمات ہیں۔ پھر ان کے زور پر الہامی باتوں پر اس قدر انکار اور اصرار حماقت ہے۔ نباء عظیم کی تفسیر! نباء کے معنی ہیں خبر۔ نباء عظیم بڑی خبر۔ وہ کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔ اول قیامت اور اس پر چند دلیل ہیں: (۱) یہ کہ بعد میں فرمایا ہے سیعلمون جس سے تہدید مراد ہے اور وہ تہدید قیامت میں زیادہ متحقق ہے (۲) یہ کہ بعد کی آیات میں اللہ نجعل الارض مہاد الخ میں وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اس کی قدرت و جبروت انعام و افضال کے نمونہ ہیں جن سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کرنا مقصود ہے۔ (۳) یہ کہ لفظ عظیم ایک اور جگہ بھی قرآن میں قیامت پر اطلاق ہوا ہے بقولہ تعالیٰ الا یظن اولئک انہم مبعوثون لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین وقولہ تعالیٰ قل هو نباء عظیم انتم عنه معرضون۔ دوسرا قول یہ کہ نباء عظیم سے مراد قرآن شریف ہے اور اس میں ان کا اختلاف تھا۔ کوئی اس کو سحر کوئی شعر کوئی اگلوں کے قصے کہتا تھا اور نیز نباء جس کے معنی خبر کے ہیں قرآن سے زیادہ چسپاں ہیں۔ کس لیے کہ قرآن خبر دیتا ہے برخلاف قیامت کے کہ وہ مخبر عنہ ہے۔ تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت ہے اور وہ بڑی چیز ہے جس نے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ پہلے قانون اور رسم و رواج پلٹ دیے۔ پرانی بادشاہتیں غارت کر کے نئی قائم کر دیں۔ ان ہی باتوں سے ان کفار کو جو قیامتی خیالات کے پابند اور پرانی لکیر کے فقیر تھے، آنحضرت ﷺ کی نبوت میں اختلاف تھا اختلاف بمعنی انکار۔

مختلفون کی تفسیر! قیامت کا اکثر عرب کو انکار تھا اور تعجب سے کہتے تھے اذا متنا وکنا ترا باذک رجع بعید۔ اور کچھ قائل بھی

تھے۔ نصاریٰ معاد جسمانی کے منکر تھے صرف معاد روحانی کے قائل تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ یہود کے بعض فرقے بالکل قیامت کے منکر تھے اور ہنود تنازع کے پیرایہ میں سزاء و جزاء کے قائل ہیں۔ پھر قیامت کی کیفیت میں بھی سخت اختلاف تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مگر انسان کی روح جنوں یا فرشتوں میں مل جاتی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے۔ پھر اس عالم میں اس جسم سابق میں آنا محال ہے اور نہ یہ آسمان و زمین فنا ہوں گے نہ عناصر بلکہ جس طرح یہ قدیم ہیں اسی طرح ابدی بھی ہیں۔ البتہ ان سے باہم ترکیب پاکر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ حادث ہیں اور وہی فنا پذیر بھی ہیں۔ ان سب کے جواب میں فرماتا ہے کلا سیعلمون تمہارے خیالات صحیح نہیں ہیں عنقریب مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا، ہم پھر کہتے ہیں کلا تمہارے خیالات صحیح نہیں۔ سیعلمون تم کو قیامت اور اس کی اصلی کیفیت عنقریب معلوم ہو جاوے گی، کس لیے کہ دنیا روزے چند ہے۔^۱

الْمَنُجَعَلِ الْأَرْضِ مُهْدًا ۝ وَالْجِبَالِ أَوْتَادًا ۝ وَخَلَقْنَكُمْ أَزْوَاجًا ۝ وَجَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا الْبَيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَبَنَيْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ
مَاءً ثَجَّاجًا ۝ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا الْفَاافًا ۝

کیا ہم نے زمین کو کچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنادیا اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام بنادیا اور رات کو اوڑھنا بنادیا اور ہم نے دن روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بنایا اور ہم نے برستے بادلوں سے پانی کا ریلہ اتارتا کہ اس سے اتاج اور گھاس اور گھنے باغ اگاویں۔

ترکیب | الاستفہام لشعریرای جعلنا الارض مفعول اول ومهاد مفعول ثان لجعلنا والجعل بمعنى الخلق وفيه معنى التقدير والتسويد وقيل بمعنى التصهير والمهاد جمع مهد بمعنى الفراش قراء الجمهور بالجمع وقرئ مفردا ووتاد جمع وتد (میخ) وخلقناكم معطوف على المضارع المضي داخل في حكمه ازواجاً حال ای متبیین متشابھین جمع زوج سباتا قال الزجاج السبات ان ينقطع عن الحركة والروح في بدنه وحاصل المعنى الراحة ای جعلنا نومكم راحة لكم معاشا منصوب على الظرفية المعاش مصدر میس معنی المعیشتہ شداد جمع شديدة ای قویة محکمة وهاجا والوہاج المعنی من قولهم وھج الجوهرای تلالا المعصرات فیھا قولان اول وهو احدی الروایتین عن ابن عباس وقول مجاہد ومقاتل وقادہ والکسی انھا الریاح البقی تثیر السحاب ومن معنی الباء والمعنی انزلنا بالریاح المثیرة للسحاب الثانی وهو الروایة الثانیة عن ابن عباس اختیار ابی العالیة والربیع والضحاک انھا السحاب بوجہ منھما ان قال المورج المعصرات السحاب بلغة قریش ماء موصوف حجا جافضة الجموع مفعول انزلنا والھجاج شدة الانصباب یتقال ثج الماء ای سال بکثرة وثجة ای اسالہ فیکون لازما ومتعدیا الفافای بساتین ملتفة قال صاحب الکشاف انه لا واحد له کلاوازع والاخیاف الجماعات المسفرة وقه والجماعات المختلطة والاخرون اثبتوا له واحد ثم اختلفوا فیہ فقال الاخفش والکسانی واحد هالف بكسر اللام وقيل بضمھا وقال المبرد واحدھا لفاو جعله ف وجمع لف الفاف وقيل جمع لفیف کشریف واشراف والمعنی ان کل حبة فیھا الاشجار المجتمعة المختار بة یتقال امرأۃ لفاء اذا كانت غلیظة

الساق مجتمعة اللحم يفتح من تقاربها ان يتلاصق۔

تفسیر! اس دن یا اس خبر کی عظمت بیان فرما کر اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کا کافی ثبوت کرتی ہیں اور جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیم برحق اس عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا اور عالم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس عالم کو فنا کر کے دوسرے عالم کے پیدا کرنے میں جو کچھ اس کی حکمت ہے اس کی کیفیات و خصوصیات تک عقول بشریہ کو رسائی نہیں۔ پھر ایسی چیزوں سے سوال کرنا محض نادانی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بنانے میں ذرا بھی کسی کو شرکت نہیں یا یوں کہو کہ وہ دن جس کی وہ خبر پوچھتے اور اس کے آنے کی جلدی کرتے ہیں وہ یوم الفصل ہے جیسا کہ بعد میں بیان ہوتا ہے ان یوم الفصل الخ جس دن مطیعوں اور نافرمانوں میں بالکل امتیاز ہو جائے گا نہ مکان میں شرکت نہ کھانے پینے کے کسی سامان میں شرکت باقی رہے گی۔ نہ اسبابِ تعیش و موجباتِ راحت میں برخلاف دنیا کے کہ یہاں ان سب چیزوں میں مومن و کافر مطیع و عاصی سب شریک ہیں پھر یہاں وہ دن کیونکر آ سکتا ہے۔ اس لیے جلدی کرنا اور سوال کرنا عبث ہے اور نیز یوم الفصل کی حقیقت بھی فی الجملہ بیان کر دی گئی کہ وہاں نہ یہ آسمان ہوں گے جو آج تم پر قائم ہیں نہ یہ آفتاب ہوگا۔ نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ پہاڑ ہوں گے جن کے نفع میں سب شریک ہیں۔ نہ ان بدلیوں سے پانی برے گا۔ باغوں اور نباتات کی روئیدگی کے اور ہی سامان ہوں گے۔ نہ یہ رات اور دن ہوں گے جن میں رات کو پڑ کر بے خبر سوتے اور دن کو روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے سوال کا بھی فی الجملہ جواب دینا مقصود تھا۔ اس لیے اس کے بعد یہ نو چیزیں بیان کرتا ہے جن پر دنیا اور اس کی زندگی مربوط ہے۔ فقال (۱) اللہ نجعل الارض مہادا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے رہنے چلنے پھرنے کے لیے فرش نہیں بنایا؟ ضرور بنا دیا۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ہمارے اس انعام میں مومن و کافر سب ہی تو شریک ہیں۔ برخلاف دارِ آخرت کے کہ وہاں مطیعان کے رہنے کی اور جگہ ہے نافرمانوں کی اور اس سے یہ بھی تم غور کر سکتے ہو کہ جس قادرِ مطلق نے کرہ ارض کو ایسا بنایا ہے وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا؟ اور نئی زمین نہیں بنا سکتا۔ ضرور بنا سکتا ہے۔ یہ دنیا کے گھر کا فرش ہے جس پر ہوا میں اڑنے اور ہلنے چلنے کے لیے (۲) والجبال اتوادا کیا ہم نے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنادیا؟ ضرور بنا دیا جس سے یہ فرش ہلتا نہیں۔ اس میں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں اور پہاڑوں سے جو کچھ نفع ہیں سب ان سے حصہ پار ہے ہیں برخلاف یوم الفصل کے۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہاڑوں میں ثقل پیدا کر کے زمین کو ڈمگانے اور ہلنے چلنے سے محفوظ رکھا وہ ایک روز اس کو ہلا نہیں سکتا۔ واذارجت الارض رجاً۔

حکماءِ حال کے نزدیک زمین حرکت کرتی ہے جیسا کہ اور ستارے اپنے مدار پر گھومتے ہیں یہ بھی دورہ تمام کرتی ہے۔ ان کے نزدیک بھی ان آیات سے انعام الہی اور اس کی حکمت بالغہ کا کافی ثبوت ہے۔ کس لیے کہ اب اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں جیسا کہ کشتی میں پتھر ڈال دینے سے وہ ادھر ادھر ڈمگاتی نہیں اور ایک خاص انداز پر چلتی ہے۔ زمین کے فرش بنانے اور پہاڑوں کو میخیں بنانے سے ان کے نزدیک یہی مراد ہے اور یہ اس کا بڑا انعام اور قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔

یہ فرش بنا کر اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) واخلقنا کھ ازواجاً تم کو اے نبی آدم جوڑے جوڑے پیدا کیا۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا مرد بنایا تاکہ اس فرش پر رہیں اور اولاد جنیں اور پھولیں پھلیں۔ اس نعمت میں بھی کافر و مومن سب ہی شریک ہیں۔

ازواج کے معنی اور بھی عام ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کے مقابلہ دوسرا ہے۔ بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے۔ غنی ہے تو مفلس بھی ہے۔ نیک ہے تو بد کردار بھی ہے۔ حسین ہے تو بد شکل بھی ہے۔ کالے ہیں تو گورے بھی ہیں۔ عقلمند ہیں تو احمق بھی ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرت کا ملکہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی فرش پر ایک ہی مادہ سے کیسی مختلف چیزیں بنادیں اور نیز انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھادی اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو ہم نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے۔ اپنے اندر بھی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا۔ پھر کیا وہ قادر مطلق تم کو بارگاہ پر پیدا نہیں کر سکتا اور تمہارا یہ اختلاف تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال کی جزاء و سزا کا ایک اور گھر ہے۔ پھر اس دنیا کے فرش پر تم کو کس طرح سلا یا۔ (۴) وجعلنا نومکم سباتا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے راحت بنا دیا۔ اگر رات کو یادن کو انسان اچھی طرح نہ سوئے اور نوم غریق نہ آوے جس کو سبات کہتے ہیں یا سرے سے نیند ہی نہ آوے اور جو آوے تو غریق نہ ہو بلکہ نیم خوابی سی ہو تو پھر دیکھئے حضرت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس میں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں مجرموں کو نیند کہاں۔ بقراری اور سوزش میں نیند کب آتی ہے؟ دنیا کی یہ بے فکری کی نیند یاد کر کے رویا کریں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت ہے۔ اس کا شکریہ کرو بقدر ضرورت اس سے کام لو پھر طلب معاش یا یاد الہی میں وقت گزارو نہ یہ کہ سو کر عمر گزار دو اور نیز یہ موت کا بھی ایک نمونہ ہے کہ ابھی تو باتیں کرتے تھے یا چٹ پٹ سو گئے دنیا سے غفلت ہو گئی۔ گویا مر گئے۔

پھر جو تم کو ہر روز مارتا اور ہر روز جلاتا ہے۔ پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ جس پر کہیں گے من بعثنا من مرقداً ضرور کرے گا اور اصل بیداری وہی ہوگی اس جہان کی بیداری بھی خواب ہے بلکہ خواب پریشان۔ (۵) وجعلنا الیل لباسا اور ہم نے رات کو اوڑھنا بنا دیا یعنی پردہ رات پردہ دار ہے۔ اس پردہ میں کوئی برائی کرتا ہے کوئی بھلائی، چور چوری کرتا ہے۔ زنا کار چھپ کر زنا کرتا ہے۔ عابد و زاہد نماز تہجد اور مراقبہ و ذکر میں بیٹھا ہوا ہے اور نیند کا وقت بھی رات ہی ہے۔ ستر کی مچھ سے رات کو لباس کہنا استعارہ ہے۔

فائدہ: کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر یا رات میں؟ آپ نے فرمایا: رات میں کس لیے کہ رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے اور عورت کو وہی لباس لکھ اس لیے عورت اور اس کے نکاح کو رات ہی مناسب ہے۔ ایک لباس کو دوسرے سے مناسب ہے۔ یہ اس کی پانچویں نعمت ہے پھر جس نے تم کو یوں راحت سے سلا یا اور جگا کر بھوکا نہیں رکھا بلکہ (۶) وجعلنا النهار معاشا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لیے بنایا۔ اس میں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں۔ برخلاف اس دن کے کہ نیک بیشتوں میں آرام کرتے ہوں گے۔ بد جنم میں جلتے ہوں گے، روزی تلاش کرنا کجا اہل دنیا کی فطرت میں ہے کہ رات کو سوتے اور دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات رہتی یا ہمیشہ دن رہتا تو عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ آفتاب اور دیگر سیارات کی گردش یا کہو زمین کی آفتاب کے گرد حرکت جیسا کہ حکماء جدید کا خیال ہے اس طرح اور اس نظام سے کہ رات اور دن پیدا ہوں اس کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے۔ پھر جو ان اجرام کو ایک خاص ارادے پر حرکت دے رہا ہے۔ کیا اس کے نزدیک بارگاہ پر پیدا کرنا مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہ دنیا کی حاصل کار باتیں تھیں یعنی رات کو سونا اور دن کو روزی کے دھندے میں لگنا اس میں غافل عمر تمام کر جاتے ہیں۔ ان دو

مشغلوں کے سوا دارِ آخرت کی فکر تک نہیں۔ اب اس گھر کی چھت کا حال بیان فرماتا ہے (۶) وبنینا فوقکم سبعاً شداداً مگر ہم نے تمہارے اوپر سات چھت مستحکم بنائیں جو زمانے کے گزرنے سے ہرگز پرانی نہیں ہوتیں اور نہ ان میں کوئی قصور و فتور واقع ہوتا ہے۔ اب تک ویسے ہی ہیں۔ اس کاریگری کی یہ کاریگری قابلِ غور ہے۔ وہ سات چھت کیا ہیں۔ سات آسمان کہ جن میں سات ستارے دورہ کرتے ہیں اور ان ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت، روشنی و تاریکی سے سب نیک و بد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکیوں کے لیے جنت میں چھت کی جگہ بلند مرتبہ لوگوں کے مکان ہیں جن کی روشنی ان پر پڑتی ہوگی اور وہ بلند مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان ماتحوں کی ترقی میں مدد کریں گے اور بدوں کو جہنم کے طبقات احاطہ کئے ہوں گے اور یہی ان کی چھت ہوگی اور کفار اپنے ظلمات کفر میں اپنے سے اوپر والوں کو اور بھی زیادہ عذاب میں مبتلا سمجھیں گے۔

حکماء حال کے نزدیک سبع شداد سات ستارے ہیں جو یکے بعد دیگر قائم ہیں اور اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور جس فضا میں یہ حرکت کرتے ہیں۔ وہ ان کے آسمان ہیں مگر کوئی دور بین اب تک ایسی نہیں پیدا ہوئی جو اس قدر دور دراز کی فضا کو جس میں اجرام لطیف ہیں محسوس کر سکے۔ پھر آسمان کا انکار محض مکارہ ہے۔

اب اس دنیا کے گھر کا چراغ بھی ضرور تھا۔ اس لیے فرماتا ہے (۸) وجعلنا سراجاً وھا جاً اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنادیا۔ دن کو آفتاب رات کو ماہتاب اور ستارے جن کے نور سے نیک و بد برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ جنت میں آفتاب کی روشنی کی ضرورت نہ ہوگی اور جہنم میں سرے سے کوئی روشنی نہ ہوگی۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور نیز یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی برہان ہے کہ آفتاب میں یہ نور دیا اور پھر ان ستاروں کے انوار میں یہ فرق پیدا کر دیا کہ کسی کی روشنی گرم ہے تو کسی کی سرد۔ پھر کیا وہ حکیم اس جہان میں نیکیوں اور بدوں کو جزاء و سزا نہیں دے سکتا؟ ضرور دے سکتا ہے اور دے گا۔ یوں ہی معطل نہ چھوڑے گا۔

اس کے بعد اس جہان میں جو بندوں کی راحت کا سبب ہے اس کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ایسا گھر بنا کر ہم تم کو اس تدبیر سے کھانا کھلاتے ہیں۔ فقال (۹) وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجاً کہ ہم بادلوں سے پانی کا ریلہ اتارتے ہیں۔ بادلوں سے پانی کا برسنہ اور وہ بھی اس طرح سے کہ چھوٹی چھوٹی بوندیں برستی ہیں۔ اس کی حکمت و قدرت کی دلیل ہے۔ حکماء نے کہا ہے کہ آفتاب کی حرارت سے زمین سے بخارات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کے بار و طبقہ میں جا کر جم جاتے ہیں۔ پھر ان سے پانی برستا ہے۔ یہ ٹھیک مگر اس سلسلہ اسباب میں جو کچھ کاریگریاں ہیں ان کو تو دیکھو جہاں عقل حیرت میں آکر رہی کہہ دیتی ہے کہ تو ہی مسبب الاسباب ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہر کام کی ڈوریاں ہیں پھر یہ پانی بیکار نہیں بلکہ اس لیے ہے لئلا یزید بہ حباً ونباتاً وجنات الفافکہ اس سے ہم اناج پیدا کرتے ہیں جو اے ابنِ آدم! تمہارے کھانے میں آتا ہے اور نبات بھی پیدا کرتے ہیں یعنی جڑی بوٹیاں کہ جن میں تمہارے چار پالیوں کی بھی غذا ہیں اور دوا میں تمہارے بھی کام آتی ہیں اور کچھ ان میں سے خوشبو اور مصالحہ کا کام دیتی ہیں اور جنات الفافہ اور گھنے باغ اگاتے ہیں جن میں طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی سبزی و شادابی تمہاری عشرت و فرحت کا سبب ہے۔ اب دیکھو ایک پانی ہے۔ اس سے کیا کیا مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس میں بھی کافر و مومن برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ کوئی امتیاز نہیں برخلاف اس جہان کے کہ وہاں نیکیوں کے اعمال و اعتقادات و احوال باغ و انہار اور میوے بن کر سامنے آویں گے اور بدوں کے اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ و قوم و مابہ تمیم بن کر ظاہر

ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں تمام منافع میں شرکت ہے۔ امتیاز کلی نہیں بلکہ اس جہان کی فساد و تخریب کے بعد ایک اور جہان ہوگا جہاں بدوں کو نیکیوں کے ساتھ کسی راحت اور نفع میں شرکت نہ ہوگی پس وہ دن فیصلہ کا ہے اور وہیں جزاء و سزائے کامل ہے اور وہی فصل یعنی امتیاز کلی کا بھی دن ہے۔

فائدہ: ان آیات میں جس طرح اس عالم کے منافع میں شرکت عمومی بیان کی گئی کہ جو یوم الفصل کے برخلاف ہے۔ اسی لیے یہ جہاں دار جزاء و سزا ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ایک اور جہان کا انتظار کرنا چاہیے جس کی تمام انبیاء علیہم السلام خبر دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی اول منزل ہر فرد انسانی کے لیے موت ہے اور سب کے لیے اس جہاں کی تخریب جس کو آئندہ بیان فرماتا ہے اور جس کی نسبت سوالات کرنا اور تعجب کرنا عقل کی کوتاہی ہے۔ اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ اور نعمت شاملہ کا بھی ہر فرد انسانی کے لیے ثبوت ہے جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تم اس محسن اور قادر مطلق و حکیم برحق کی نافرمانی کرتے ہو اور ان نعمتوں میں اور معبودوں کو شریک ٹھہرا کر ملزم بنے ہو تو ہمتا فاسدہ کے گھوڑے دوڑاتے ہو۔ یہ کمال ناپاسی اور پوری نمک حرامی ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے اور نیز ان آیات میں حیات و موت اور بقاء و فنا کا بھی نقشہ دکھایا ہے، مثلاً آفتاب طلوع کرتا ہے پھر نصف النہار پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر غروب ہو جاتا ہے اور دنیا میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے یہی حال انسان کا ہے کہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کی حد تک پہنچ کر ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ آخر ایک روز زمین کے پردے میں یہ چمکتا ہوا مہتاب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے وجود عارضی پر ایک عدم کی اندھیری رات چھا جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح ایک مدت معین کے بعد آفتاب بارہر طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ سہ پارہ بھی نئی دنیا اور دوسرے جہان میں پھر طلوع کرے گا اور اس طرح پانی سے سبزہ اگنے میں بھی حیات و موت کا نمونہ ہے۔ پانی کے قطرے سے یہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کی نپیتی بدلیوں سے برسا تھا۔ پھر اس سے ایک بوٹا اگا اور کیا کیا جوانی اور لڑکپن کی بہاریں آئیں۔ آخر پڑمردہ ہوتا چلا اور سوکھ کر زمین پر گر پڑا اور ہوا میں اس کے ریزے ریزے اڑتے پھرے۔ اسی طرح رات اور دن خواب و بیداری بھی نمونہ ہیں۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِلظَّالِمِينَ مَأْبًا ۝ لِيُثَبِّتَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حِمِيمًا وَغَسَاقًا ۝ جَزَاءً وَفَاقًا ۝ لَنْهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ
--

۱۔ یعنی اس جہان کا بارہا دوسرے جہاں کے لیے سب کے لیے یہی منزل ہے۔ ۱۲۷
۲۔ بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ ان نو چیزوں میں سے کوئی کسی اور معبود نے بنائی ہے یا بنانا میں مدد دی ہے۔ پھر وہی معبود واحد قابل پرستش ہے۔

الْأَعْدَابُ ۛ

ع

بے شک فیصلہ کا دن معین ہو چکا ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا تو تم جوق جوق (پرے باندھے) چلے آؤ گے اور آسمان کھولا جاوے گا تو (اس میں) دروازے بن جاویں گے اور پہاڑ اڑائے جاویں گے تو ریتا ہو جاویں گے۔ بے شک دوزخ تو شریروں کی تاک میں ہے۔ ان کا ٹھکانا ہونے کے لیے۔ اس میں قرون پڑے رہیں گے نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مگر گرم پانی اور زخموں کی پیپ پورا پورا بدلے گا کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتیں بے باکی سے جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو قلمبند کر رکھا ہے۔ پھر (ان سے کہا جائے گا) لو پکھو۔ سو ہم تمہارے لیے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے۔

ترکیب | کان میقاتنا الجملۃ خبر ان یوم الفصل اسمہا۔ یوم ینفخ بدل من یوم الفصل او عطف بیان۔ الصور اما جمع الصورة فالخ فی الصور عبارة عن نفخ الارواح فی الاجساد واما ہی عبارة عن قرن تنفخ فیہ انواعا حال من فاعل فتاتون وھی جمع فوج ای جماعات جماعات والفاء فی فتاتون فسیۃ وفتح معطوف علی تنفخ وصیغۃ الماضی علی تحقق الوقوع وقیل عطف علی فتاتون۔ مرصاد خبر کانت والمرصاد اسم للمکان الذی یرصد فیہ کالمضمار للمکان الذی یضمرفیہ الخیل وکذا المنہاج۔ وقیل مفعال من الرصد والمفعال من انبیۃ المبلغۃ کالمضمار علی هذا ان جہنم ترصد اعداء اللہ ویتحقق علیہم اللطاغین ان قلنا ان جہنم مرصاد للکفار فقط فکان قوله للطاغین من تمام ما قبلہ ای جہنم کانت مرصاد للطاغین ثم قوله ما بآ بدل من قوله مرصاد وان قلنا انها مرصاد للکفار وللمؤمنین ثم قوله علی مرصاد او کان للطاغین ما بآ کلاما مبتدأ ما بآ خبر ثان لکانت للطاغین متعلق بہ او یجذوف او بکانت المآب المرجع یقال آ ب یؤب اذا رجع۔ لابثین منصوب علی الحال المقدرة من الضمیر المستکن فی الطاغین واحقابا منصوب علی الظرفیۃ وھی جمع هب بضمین وهو الدهر والا حجاب الدهور وتقدیر الحقب عند اهل اللغة ثمانون سنۃ واصل الحقب الترادف والتتابع یقال اذهب اذا ردف لایذ وقون الجملۃ حال من الضمیر فی لابثین اوصفۃ لاحقابا او متانفۃ ل بیان ما شملت علیہ من انہم لایذ وقون فی جہنم او فی الاحقاب برداً والاشربا برد خکی آ ب یا ہواء) وقیل النوم والشراب الماء جزاء وفاقا ای موافقا لاعمالمهم وفاقاصفۃ الجزاء ما علی حذف المضاف ای ذافاق واما علی المبلغۃ ونصب جزاء علی انه مفعول مطلق من فعل محذوف قال الفراء والاخفش جازینا ہم جزاء وفاقا ای موافقا لاعمالمهم وقال الزجاج جوزوا جزاء وفاقا۔ قال الفراء الوفاق جمع الوقوف والوقوف والموافق واحد انہم کانوا الجملۃ متانفۃ وتعلیل لانتقامهم الجزاء المذکور۔ وكل شیء منصوب علی الاشتغال ای احصینا کل شیء وقرئی بالرفع علی انه مبتدأ ما بعده خبره کتابا فی نصبہ اوجہ احدہا انه تمیز من احصینا والثانی انه حال ای مکتوبانی اللوح والثالث انه مصدر من بمعنى الاحصاء والتجو زامانی المصدر او فی الفعل اذ یراد بالا حصاء والکتب الضبط۔

تفسیر | اس کے بعد قیامت کے چند احوال بیان فرماتا ہے: (۱) ان یوم الفصل کان میقاتنا کہ فیصلے کا دن موقت و معین ہے۔ اس وقت سے پہلے تمہارے انکار و اصرار کی وجہ سے انہیں سکتا۔ کس لیے کہ اس وقت کے لیے چند چیزیں لازم ہیں۔ اول یہ کہ ارواح کا بار دیکر ابدان سے تعلق۔ دوم یہ کہ جب تک یہ تمام کارخانہ دنیا درہم برہم نہ ہو اور اس کے گھر کی چھت اور فرش اور قدیل اور اس کے سامان رزق و راحت جن کا آج فائدہ عام ہے منقطع نہ کر دیے جاویں اور تمام آنے والی رو میں اس گھر میں آکر فائدہ نہ اٹھالیں۔ اس وقت

تک قیامت نہیں آئے گی۔ میقاتا کے یہ بھی معنی ہیں کہ یوم الفصل میقات یعنی حد ہے اس عالم کے تمام ہونے کی یا وقت ہے ان چیزوں کا کہ جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے یا وقت ہے اجتماع خلأقی اور معاملات کے فیصلہ کا۔

میقات کے لفظ میں ان کے سوالات کا جواب بھی ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو اور کس لیے تعجب کی راہ سے پوچھتے ہو۔ آخر ہر ایک بات کی حد بھی تو ہوتی ہے۔ دنیا کا حادث ہونا جب تم کو ان نو دلائل مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا تو یہ جان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہر حادث کی انتہاء اور حد بھی ہے۔ ایک روز یہ کار خادہ تمام بھی ہونا ہے۔ پس وہی قیامت ہے اور وہ اس دنیا کی انتہائی حد ہے۔

(۲) یوم ینفخ فی الصور اس دن صور پھونکا جاوے گا۔ پہلے صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جاوے گی جیسا کہ اس صور اول کے حالات بعد کی آیات میں آتے ہیں اور چونکہ وہ حالات اور واقعات ہولناک ہیں اس لیے ان کو بعد میں جدا گانہ بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد بار دیگر صور پھونکا جاوے گا اور صور ایک بگل یا ترہی کیسی مجوف چیز ہے۔ حضرت اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے جس کی سخت آواز کی تاثیر سے یہ عالم خراب ہوگا۔ اس کے بعد بار دیگر پھونکیں گے تو اس کی تاثیر سے تمام ارواح اپنے اپنے اجسام سے متعلق ہو جاویں گی اور اجسام گوریزے ریزے ہو گئے تھے مگر وہ ریزے باقی تھے جمع ہو جاویں گے۔ تب ہر ایک بار دیگر زندہ ہوگا اور فتاتون افواج اتم سب کے سب جوق جوق تحت رب العلمین کی طرف عدالت کے لیے آؤ گے۔ افواج کے معنی کی قرآن مجید میں بہت جگہ تشریح آئی ہے۔ ایک جگہ آیا ہے یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فہم یوزعون ایک جگہ ہے واذا النفوس زوجت ایک جگہ ہے یوم ندعوا کل اناس بامامہم اور احادیث میں بھی تفصیل و تشریح بہت کچھ ہے۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہوگی۔ بدوں کی جدا۔ پھرنیکوں میں سے نمازیوں کی جدا۔ صدقات و خیرات دینے والوں کی جدا۔ صابروں کی جدا تو شاکروں کی جدا۔ رات میں چھپ کر عبادت کرنے والوں کی جدا۔ مجاہدین کی جدا۔ اشاعت علم و دین کرنے والوں کی جدا۔

بدوں میں مشرکوں کی جدا۔ پھر مشرکوں میں سے آفتاب پرستوں کی جدا۔ اصنام پرستوں کی جدا۔ ارواح غیر مرئیہ سے مدد مانگنے والوں کی جدا، توہمات پرستوں کی جدا۔ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے پوجنے والوں کی جدا۔ ملائکہ کے پوجنے والوں کی جدا۔ جنوں بھوتوں سے مدد مانگنے والوں کی جدا۔ پھر زنا کاروں کی جدا تو ظالموں کی جدا۔ دغا بازوں، جھوٹ بولنے والوں، کم تولنے والوں کی جدا جماعت ہوگی۔ ہر ایک جماعت کا نشان ہوگا اور اس پر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں جماعت ہے۔ ہر ایک جماعت عدالت میں حاضر ہوگی اور اپنے اعمال کا بدلہ پاوے گی۔

اس کے بعد صور اول کی کیفیات بیان فرماتا ہے (۳) وفتحت السماء فکانت ابوابا اور آسمان کھولے جاویں گے تو اس میں دروازے ہو جاویں گے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ اول یہ کہ صور پھونکنے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جاویں گی۔ جن کو دروازوں سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مستحکم گول چھت گرتی ہے تو پہلے اس میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ ملائکہ کے لشکر نازل ہونے کے لیے جو دنیا کے خراب کرنے کو آئیں گے۔ آسمان میں بہت دروازے ہو جاویں گے۔ یہ دنیا کی چھت گرنے کا حال تھا جس کو سبعا شہد ادا ہے تعبیر کیا تھا۔ اس کے بعد فرش کے اٹھائے جانے کا حال بیان فرماتا ہے (۴) وسیرت

الجبال فکانت سراہا کہ پہاڑ اڑائے جاویں گے اور ریزہ ریزہ ریت کی مانند ہو جاویں گے۔ یہ وہ پہاڑ تھے جو زمین کی میخیں تھیں پھر جب وہ نہ رہے تو زمین کہاں؟ ان دونوں کے ضمن میں باقی اور چیزوں کی فنا بھی بیان ہو گئی۔ کس لیے کہ جب آسمان و زمین نہ رہیں گے تو ان کے اندر رہنے والے کہاں؟

اس کے بعد پھر صور دوم کے بعد کے حالات بیان فرماتا ہے جو دربار الہی میں پیش ہونے کے بعد ظاہر ہوں گے۔ سب سے اول بدوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو دنیا میں اس دن کو بھول بیٹھے تھے اور شہوت و لذات میں فریفتہ ہو کر حق سبحانہ سے باغی ہو گئے تھے۔ اب دربار الہی اور عدالت ربانی سے ان کے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔ فقال (۵) ان جہنم کانت مرصداً للطاغین مآباً کہ جہنم سرکشوں یعنی بدکاروں، مشرکوں، کافروں کی تاک میں ہوگی۔ منتظر ہوگی کہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ آخر اس میں ڈالے جاویں گے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا اور ٹھکانا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہیں بلکہ (۶) لا بشین فیہا احقابا۔ سالہائے دراز اور قرون اور مدتوں اس میں چلیں گے۔ کافر و مشرک تو ابد الابد وہاں رہیں گے اور ایماندار گنہگار ایک زمانے کے بعد نکل آئیں گے۔ افسوس حیات دنیا تو چند روزہ تھی۔ دس بیس پچاس ساٹھ ستر اسی۔ سو دو سو برس جہاں لذات و شہوات کے مزے اڑائے تھے اس کے بدلے یہاں ہزاروں لاکھوں برس بلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ کیا بر اسودا کیا اور کیا بری کمائی کر کے آئے۔ گھڑی دو گھڑی کے ایسے مزے پر پھنکا جس کے بدلے برسوں گوناگوں عذاب اور تکالیف بھگتی پڑیں۔ کوئی عاقل ایسا نہیں کرے گا مگر اس جہاں میں غفلت اور شیطانی تخیلات کے پرزے عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں جن کے اٹھانے کو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے اور کتاب الہی ساتھ لائے۔

پھر اس جہنم میں کیا ہوگا؟ لایذ و قون فیہا برداً اولاً شرابا الاحمیم و غساقا کہ وہاں ان بد بختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد نہ ہوانہ سرد مکان نہ سرد لباس نہ سرد کھانے نہ ٹھنڈک دینے والی چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں برد سے مراد نیند ہے۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں ان کو نیند نہ آوے گی اور استعارہ کے طور پر چکھنے کی نفی کر کے یہ بتلادیا کہ ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ دل بھر کر تو کجا نہ بدن کی ٹھنڈک نہ دل کی ٹھنڈک نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی۔ لفظ کو عام رکھنا بہتر ہے اور شراب سے مراد پانی ہے کہ اور تو کیا جو دنیا میں ہلکی چیز ہے یعنی پانی جو قیدی اور خونی کو بھی پلا دیا جاتا ہے۔ وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلے الاحمیم کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلس دے، وہ ملے گا اور کھانے کو غساقا جہنمیوں کے زخموں کی پیپ حیم اور غساق کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔

اور یہ کس لیے جزاء وفاقا یہ ان کا پورا بدلہ ہوگا۔ شہوت و حب جاہ و مال کی آگ جو دل میں بھڑکا کرتی تھی وہی تو یہ آگ ہے۔ اب اس سزا اور کامل جزا کے مستحق ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں دی گئی۔ فقال انہم کانوا الایرجون حساباً کہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔ واضح ہو کہ نفس انسان کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں۔ اول قوت نظریہ کہ حقیقت الامر کو ٹھیک ٹھیک دریافت کرے۔

دوسری قوت عملیہ کہ اس صحیح دریافت کے موجب عمل بھی کرے جن کی یہ دونوں قوتیں درست ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جن کی یہ دونوں قوتیں فاسدہ ہیں وہ شقی ہیں۔ سوان کفار کی قوت عملیہ کا فاسد ہونا تو اس جملہ سے بیان فرما دیا اور اسی لیے کسی گناہ کا نام نہیں لیا کہ اس

کی وجہ سے ان کو یہ دن نصیب ہوا۔ حالانکہ بہت سے گناہ تھے بلکہ عموماً قوتِ عملیہ کا فساد ظاہر فرمایا اور وہ اس لیے کہ انسان جب اپنے اعمال پر باز پرس اور حساب کا اعتقاد نہیں رکھتا تو نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانے نہیں رکھتا۔ کوئی گناہ ہو اس کے نزدیک کچھ بھی بڑی بات نہیں اور کسی نیک کام کی مشقت بھی سر پر نہیں رکھتا۔ باز پرس اور حساب ہی کا خیال انسان کو ہر ایک بدی سے روک دیتا ہے اور نیکی کو عمل میں لانے پر تحریک کرتا ہے۔ جن قوموں میں یہ اعتقاد نہیں وہ برائی میں کوتاہی نہیں کرتیں۔ نیکیوں سے دور رہتی ہیں۔ عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارے تمام گناہوں کے عوض حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو گئے۔ اب ہم سے کچھ بھی باز پرس نہیں ہوگی، پھر شراب خوری اور زنا کاری اور عیاری کا کونسا کام ہے جو ان سے رہ گیا ہے۔

قوتِ نظریہ کا فساد اس جملہ سے ثابت کرتا ہے و کذبوا بآیتنا کذا اور ہماری آیات کو عام ہے کہ آیاتِ قرآنیہ ہوں یا آیاتِ قدرت ہوں سب کو جھٹلایا اور خوب ہی جھٹلایا یعنی حق کے منکر اور باطل پر مصر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روائت و فساد میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ اس لیے جزاء و فاقا کے مستحق ہوئے۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے ان کی شقاوت کے اصول بیان کر دیے ورنہ جزئیاتِ اعمال اور ہر ایک بات جو وہ کرتے تھے اور ہر ایک اعتقادِ باطل جس کے وہ پابند تھے۔ وہ بھی ہمیں سب معلوم ہیں کس لیے و کل شیء احصینا کہ کتابا کہ ہر شے کو ہم نے گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک چیز ہمارے احاطہِ علم میں ہے اور علم بھی کیا کہ اس کو دفترِ غیب میں لکھ رکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جزئیات کا علم بفاصلہا و خصوصیاتہا و کیفیاتہا و کمیاتہا حق سبحانہ کو حاصل ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال و اقوال و اعتقادات ایک ایک ہم کو معلوم ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کے مناسب و قافو قفا جو سزائیں ہوں گی وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ اس لیے جزاء وفاق دیا جانا صحیح ہے۔ گویا اس جزاء وفاق کی یہ بھی ایک دلیل ہے جس میں ضمناً منکروں کے شبہ کا بھی رد ہے کہ خدا کو ہمارے ہر روز کے کام اور خیالات کیونکر معلوم ہیں اور معلوم ہیں تو اس وقت کیونکر یاد رہیں گے۔ پھر جب یہ نہیں تو جزاء وفاق کا دعویٰ غلط ہے۔ خلاصہً جواب یہ ہے کہ ہم کو ہر شے معلوم ہے اور معلوم بھی کس طرح کہ ہم نے اس کا احصاء کر لیا ہے جو کمالِ علمی اور علم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور احصاء بھی اس قسم کا ہے کہ وہ دفترِ غیب میں درج ہے۔ جہاں نسیان و ذہول کا گزر بھی ممکن نہیں۔ وہ کچھ ایسا لکھنا نہیں کہ جیسا دنیا کے دفاتروں میں قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے جس میں تلف ہو جانے کا خطرہ باقی رہتا ہے بلکہ وہ ایک ثبوتِ علمی ہے اور عالمِ غیب میں چھپ جانا اور نقش ہو جانا ہے اور وہ لوحِ علمی ہمیشہ اس کے حضور میں رہتی ہے۔

جب یہ ہے تو ہر ایک عملِ بد اور قولِ بد اور اعتقادِ فاسد پر ہم و قفا قفا ایک سزا اس کے مناسب دیں گے۔ فلن نزید کہ الاعذابا اور یہ بھی ہے کہ جوں جوں بیمار کا زمانہ مرض دراز ہوتا جاتا ہے، تکلیف پر تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنمیوں کے عذاب کی کیفیت ہوگی۔ لمحہ بہ لمحہ عذاب اور دکھ بڑھتا جاوے گا اور اس میں اس طرف بھی تعریض ہے کہ اے منکر و بدکار، جس طرح باوجود پند و نصیحت کے تم دم بدم سرکشی اور بدی میں بڑھتے جاتے ہو آگے ہی پاؤں رکھتے ہو پیچھے نہیں ہٹاتے۔ اسی طرح تمہیں دم بدم عذاب زیادہ ہوتا جاوے گا۔ کس لیے کہ ہم کہہ چکے ہیں جزاء وفاقا اعمال کے موافق جزا دی جاوے گی فلن نزید کہ جو فاقا کے ساتھ کلام صادر ہوا گویا اسی تمام کلامِ سابق کو مدلل کر کے نتیجے کے طور پر ثابت کر دیا۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۖ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۖ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۖ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۖ
لَا يَمَسُّونَ فِيهَا لُغُؤًا وَلَا كِدًّا ۖ جَزَاءً مِمَّنْ بَكَ عَطَاءٍ حَسَبًا ۖ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۖ

ضرور پر ہیز گاروں کو کامیابی ہے (ان کے لیے) باغ ہیں اور انگور اور نوجوان ہم عمر عورتیں اور پیار چھلکتا ہوا نندہاں بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کر جانا آپ کے رب کی طرف سے (ان کو) بدلہ دیا جائے گا (اور) انعام گن گن کر جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم (کرم) کرنے والا ہے۔ ان کو اس سے بات کرنے کا مقدور نہ ہوگا۔

ترکیب: مفازا اسم ان وللمتقين خبرها والفاظ مصدر می بمعنى الفوز والظفر بالمطوب والنجاة من الهلاك ولذا يطلق المفازة على الفلاة تقاولا بالخلص منها وقيل الفوز النجاة والهلاك ايضا فاطلاق المفازة على الفلاة تحقيق حدائق بدل من مفازا بدل الاشتمال او بدل الكل على طريق المبالغة وهي جمع حديقة هي كل بستان مخطط عليه من قوتهم احد قوابه ای احاطوبہ وکذا واعنبا معطوف على حدائق وهي جمع عنب (انگور) وكواعب عطف على اعنبا وهي جمع كاعبة وهي النابذة التي تكعبت شدیہای استدرات مع ارتفاع اترا ابا صفة كواعب وهي جمع ترب بالکسر همز تاقبال هذه ترب هذه وهن اتراب صراح وكاسا موصوف دهاقا صفة عطف على كواعب الكاس جام بالشراب مونث جمعه كؤوس۔ واذا لم تكن فيها خرفليس بكاس دهاق بالکسر جام پر ادحاق پر کردن جام۔ او بر رختن آب را (صراح) لايسمعون الجملة حال من الضمير في خبر ان ويجوز ان يكون مستانفا للضمير في فيها يرجع الى الكاس ای لايجزى تخصم لغو في الكاس التي يشرىونها بخلاف كاس الدنيا وقيل يرجع الى الجزة ای لايسمعون في الجزة ما يكرهونه كذا بابا الخفيف ای كذبا وبالتشديد ای تكذب بيا من واحد لغیرہ بخلاف ما يقع في الدنيا عند شرب الخمر جزاء منصوب على انه مصدر ای جازاهم جزاء من ربك صفة له عطا بدل منه حسابة صدرا قیمر مقام الوصف ادحاق على مصدریه مبالغة او على حذف مضاف وفي معناه كلام طويل قيل معناه كافيا ماخوذ من قوتهم اعطاني ما احسن ای ما كافي وقيل معناه بقدر ما وجب له فيما وعده من الاضعاف ماخوذ من قوتهم حسبت الشيء اذا اعدته وقدرته وقيل معناه كثيرا۔ والاول ارجح وفي القاموس حسبك درهم كفاك وثیء حساب كاف ومنه عطاء حسابا رب السموات الخ بالرفع على الابتداء وفي خبره وجهان احدهما الرحمن فيكون ما بعده خبر آخر او مستانفا والثاني الرحمن نعمت ولا يملكون الخ ويجوز ان يكون رب خبر مبتداء محذوف ای هورب لسموات الرحمن وما بعد مبتداء وخبر ومقرء رب والرحمن بالجر بدلا من ربك لا يملكون الجملة متانفة لما تفيدہ الربوبية العامة من العظمة والكبرياء۔

تفسیر: دیر آخرت میں اشرار و بدکاروں کی جو حالت ہوگی اس کو بیان کر کے ابرار و صلحاء کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جاوے یا یوں کہو کہ بدکاروں کے حق میں بیان فرماتا تھا کہ ان کو عذاب دم بدم زیادہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پرہیز گاروں کو جو ہر دن نئے عیش و کامرانی میں دیکھیں گے اور بھی دل جلیں گے گویا یہ روحانی عذاب ہوگا۔ اس لیے پرہیز گاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان للمتقين مفازا کہ ضرور بالضرور پرہیز گاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیات جاودانی اور کامرانی حاصل ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیے متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جن کا حکم ہے ان کو کرے۔ پھر تقویٰ کے چند

مراتب ہیں۔ اول مرتبہ توحید اور ایمان ہے۔ اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے۔ گو وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ دوم مرتبہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کو عمل میں لانا برے افعال سے بچنا۔ اس مرتبہ میں گنہگار ایماندار کو متقی لکھا جاوے گا۔ جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسواۃ اللہ کسی کی محبت اس کے دل پر نہ ہو۔ یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا انتہا درجہ ہے کہ ماسواۃ اللہ کوئی چیز ان کے قلوب صافیہ تک نہیں پہنچتی۔ وہ اس کے سوا سب سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ متقی کو مطلق رکھا ہے کیا تعجب ہے کہ اس کی رحمت گنہگار و ایمانداروں کو بھی مفاز یعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفاز میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے۔ روحانی ہو یا جسمانی لیکن کی عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اس لیے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جو اہر لگو بیان فرماتا ہے۔ فقال حدائق باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبان عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمال صالحہ سے پیچھے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کئے گئے تھے۔ یہ لفظ بھی عام تھا باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آگئی تھیں۔ پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہ ہوں جو ہم کو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔ دنیا میں اقلیم کے لحاظ سے باغوں کا حال مختلف ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے جہاں کے باغ اس لیے اپنی مہربانی سے اس خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال واعلم انہا وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے۔ انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے اور اس سے شراب بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پر ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔ اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہ روہم نشین نہ ہوں تو کچھ بھی لطف نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے وکواعب اتراہاک وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کی پستان ابھی ابھری ہوں گی یہ نوجوانی اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے۔ پھر ان کی نوجوانی اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہل جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہ ہو۔ انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے۔ نوجوان لڑکی بوڑھے مرد سے کبھی لطف صحبت نہیں پاتی۔ اس لیے اتراہا کا لفظ بھی ارشاد فرما دیا کہ یہ متقی بھی ان کے ہم سن یعنی نوجوان ہوں گے۔ پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چوچلے اور اچھل کود نہ ہو نو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے۔ اس لیے اس کا بھی سامان کر دیا جائے گا۔ وکاسدھاق کہ جام شراب کے دور چلیں گے جن سے ایک فرحت و سرور تازہ ہوگا۔ دہاق کے معنی بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے در پے کے بھی معنی ہیں کہ یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا۔ یہ وہ شراب محبت الہی ہے جو دنیا میں ساتی کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔

شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں۔ بیہوشی اور درد سرا اور اہل مجلس کی بیہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لایسمعون فیہا لغوا ولا کذاہک وہاں ایذا اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات سننے میں نہ آئے گی اور نہ جھوٹی بات۔ نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلاوے اور رنج ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہوگا۔ یہ دنیا کی شراب محبت الہی کا ظہور ہے جس کے نشے میں احوال و مقامات کے انکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں لاتے ہیں۔ دنیا کی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکت اسی ہے

۱۔ جس میں سے چند جو اہر بیان فرماتا ہے جام شراب کے دو چلے گئیں یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا یہ وہ شراب محبت الہی ہے جو دنیا میں ساتی کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔ حقانی ۱۲

۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے بھی جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے پھر عیسائی کیوں کہتے ہیں کہ وہاں لذات جسمانیہ نہیں۔ ۱۲

ورنہ ان کی حقیقت اور ان کی اور ”چہ نسبت خاک را با عالم پاک“ یہاں کی فانی اور ظلمانی چیزوں پر نام کی شرکت سے وہاں کی چیزوں کا قیاس کر کے اعتراض کرنا بے فہمی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے جزاء من ربک کہ یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں۔ بندوں کے اعمال و عقائد و معارف کا تیرے رب کی طرف سے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کرے گا ویسا پاوے گا بغیر تقویٰ اختیار کئے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد فلاں کے شاگرد فلاں کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں۔ اب دنیا میں متقا بننے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقویٰ کا سرمایہ حاصل کرو۔ جزا کو رب کی طرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گوا اعمال کی جزا ہے مگر جزا بھی کسی تنگ دل تنگ حوصلہ شخص کی طرف سے نہیں بلکہ اے محمد (ﷺ) تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جس کی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلے میں سینکڑوں حصہ بڑھ کر دے گا اور اس دنیا کی چند روزہ کوشش میں نعماء باقیہ و صافیہ عطا فرما دے گا۔ اس لیے فرماتا ہے عطاء کہ یہ سب کچھ جو جزایا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اس قدر اور ایسی چیزیں دراصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حساباً کافی اور پوری اور بہت کچھ اور یہ اس لیے کہ یہ انعام و افضال اس کی طرف سے ہیں جو رب السموات والارض وما بینہما آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ ہر ایک چیز کو بغور دیکھے تو اس کے وجود اور ذات اور اس کے بقاء میں سینکڑوں عنایات ہیں۔ بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے۔ درختوں کو پتے عطا فرمائے۔ ان کی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنے کی قوت دی۔ پھر رنگارنگ کے پھول دیے جو نہایت خوشنما ہیں جن کے نقل کرنے میں بڑے بڑے صنایع اور کارگر نقش جیراں ہیں۔ پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شے پر یہ عطا و فضل کیا تو اس جہاں میں اس کی عطا کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لیے ذرا ساعل کا ہی بہانہ ہے۔

اب یہ شبہ کرنا کہ نعماء آخرت کو جزاء کہنا جو بدلہ ہوتا ہے اور پھر اس کو عطا کہنا جو بے بدل ہوتی ہے تعارض ہے۔ محض کم فہمی ہے۔ جزا اور لحاظ سے ہے تو عطا اور لحاظ سے۔

رب السموات الخ کے بعد اور بھی صفت جود کا اظہار کرتا ہے۔ الرحمن کہ وہ عطا کس کی طرف سے ہے۔ رحمن کی طرف سے جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ ہر ذرہ پر بے شمار رحمتیں ہیں جن کا کسی کو بھی استحقاق نہیں لایمیلکون منہ خطاب اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں مجھے کیوں نہیں دیں کیونکہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلاوے اور گلہ کرے۔ فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لایمیلکون کی ضمیر کفار کی طرف پھرتی ہے کہ کفار قیامت میں اس سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے یعنی وہ متقیوں پر رحمن ہوگا ان کو شرف کلام حاصل ہوگا مگر یہ نعمتیں دیکھ کر کفار کو اس کی ہیبت و جبروت دیکھ کر کلام کرنے کی قدرت نہ ہوگی مگر اول معنی بہت ٹھیک ہیں اور اس جملہ سے شفاعت کا انکار نہیں ثابت ہوتا۔ کس لیے نفی جو ہے تو استحقاق جتلا نے میں کلام کرنے کی ہے اور شفاعت میں استحقاق نہیں جتلا جاتا بلکہ وہ بھی فضل و کرم پر موقوف ہے اور فضل و کرم کا دروازہ بڑا وسیع ہے۔ ہر مومن اس سے وہاں کلام کرے گا بلکہ عذر و معذرت کے لیے کفار بھی کلام کریں گے۔ صرف نفی کلام استحقاق کی ہے حاصل یہ ہے کہ رحمن بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ ہیبت و جبروت بھی ہے کہ کوئی بات نہیں کر سکتا بے اذن کے۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝

ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۝ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۚ يَوْمَ

يَنْظُرُ النَّارُ مَا قَدَّمَتْ يَدَهُ وَيَقُولُ لِكُفْرٍ يَلْبِيتُنِي كُنْتُ تُرْبًا ۝

جس دن کہ روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں کوئی نہیں بولے گا مگر وہ کہ جس کو رحمن نے اجازت دی ہوگی اور اس نے بات بھی ٹھیک کہی ہوگی وہ دن برحق ہے پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ہم نے تم کو ایک عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے جس دن کہ انسان آپ دیکھ لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا اور کافر کہے گاے کاش میں خاک ہو جاتا!

ترکیب! یوم منصوب بلا یملکون اؤبلایتکلمون صفا حال ای صافین اومصدرای یعفون صفا و الجملة مستانفة اوحالیه الامن اشتناء من قول لا یتکلمون ای لا یتکلم احد الا الماذون من الرحمن فلا اشتناء متصل وقال معطوف علی قوله اذن ذلک ابتداء الیوم الحق خبره الی ربه ما با الی متعلقه بما قدم علیہ اهتماما ورعاية للفقو اصل فن شاء المفعول محذوف شرط اتخذ جواب یوم ینظر یوم منصوب علی انه بدل من عذابا او ظرف لمضمر هو صفة له ای عذابا کا تا یوم ینظر المرء موصولہ تقدمت یدہ صلة والعائد محذوف والصلة والموصول المجموع منصوب محلا علی انه مفعول ینظر والمرء فاعله ویقول معطوف علی ینظر۔

تفسیر! پہلے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی کلام نہیں کر سکتا اس کی ہیبت و جلالت کبریائی کی وجہ سے اب اس بات کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یہ کس روز کا واقعہ ہے اور اس دن کی کیا کیفیت ہوگی۔ فقال یوم یقوم الروح والملئكة صفا کہ جس روز روح اور فرشتے پر اباندھے کھڑے ہوں گے عین دربار کا وقت ہوگا اور ہیبت و جلالت کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا تو اس روز لا یتکلمون الامن اذن له الرحمن وقال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھ کھڑے ہوں گے بات نہ کریں گے ہیبت و خوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جس کو رحمن کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اجازت پا کر بھی وہ وہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ٹھیک ادب و قاعدے کو ملحوظ رکھ کر یا یہ معنی کہ وہی کلام کرے گا یعنی شفاعت اسی کے لیے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ وہ شخص کہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شخص ہوگا کہ جس نے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہوگی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت۔ یا لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ قول صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنے کی اجازت پا کر۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین و آسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان و زمین کے رہنے والے ہیبت الہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے۔ صرف وہی بات کرے گا جس کو اجازت ہوگی اور وہ بعد اس کے بات بھی غلط اور بے قاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر و مشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رد و رعایت نہ کرے گا نہ کی زیادتی؟ بات ٹھیک ہو اسی قدر کہے گا۔

ان آیات میں ان مذاہب باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ بطلان ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت کے عہد میں تھے اور کچھ اب بھی ہیں اور ان کے مذاہب بڑے غلط خیالات پر مبنی تھے۔ عرب کے بعض مقامات پر عیسوی مذہب کی حکومت تھی وہ یہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ نبی آدم کے تمام گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ذمے لے گئے اور ان کے عوض آپ نے تین روز جہنم میں رہنے کی سزا پائی۔ بس اب قیامت میں باز پرس اعمال کا تو کچھ کا ہی نہیں۔ صرف مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا یعنی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا تصور کر لینا کافی ہوگا۔ پھر اس روز حضرت مسیح علیہ السلام کے تو تمام کارخانہ ہاتھ ہی میں ہوگا وہ اپنے بندوں کو جنت میں لے جاویں گے اور وہ سب خدا کے دانے ہاتھ کر سیوں پر جا بیٹھیں گے۔ اب جو چاہو کرو مشقت عمل اور قید حلال و حرام بیکار ہے۔ اس عقیدہ کا بطلان کر دیا گیا کہ وہاں اس کے برابر

کون کرسی پر بیٹھ سکتا ہے۔ وہ روح جس کو تم روح القدس کہتے ہو اور جس کو الوہیت کا ایک اقنوم قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح کی تائید ان سے ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی اور فرشتوں کے ساتھ باادب صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ بغیر اجازت کے بات بھی نہ کر سکیں گے اور سفارش کریں گے تو اس کی کہ جس نے حق بات دنیا میں کہی نہ اس کی کہ جس نے کفر بکا اور خدا تعالیٰ کی ذات بیچون و بیچگوں کے حصے بخرے کر ڈالے ہوں اور اقنوم قرار دیے ہوں اور اسی لیے روح کا ذکر اس آیت میں آیا۔

اس سے روح حیوانی یا انسانی یا نباتی یا جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں بلکہ روح اعظم جو ایک اور دوسری چیز ہے یعنی سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ادھر مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ حضرات ملائکہ اور انبیاء و صلحا اور دیگر ادہام کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو اس کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔ دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لیے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لیے ان کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ آڑے وقت ان کے نام کی دہائی دیتے تھے۔ المدد المدد پکارتے تھے اور آخرت میں ان کو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے اور بہت تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے۔ اس خیال کا بطلان بھی ان آیات میں کر دیا گیا کہ تمام آسمان وزمین کے رہنے والے باادب کھڑے ہوں گے۔ کسی کو لب ہلانے کی قدرت نہ ہوگی مگر اجازت پا کر سفارش بھی کریں گے تو اسی کی کہ جس سے حق بات دنیا میں بولی تھی۔ توحید و رسالت کا اقرار کیا تھا نہ خدا کے دشمنوں باغیوں سرکشوں کی۔ اسی کے قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب کے تراشیدہ خیالات عالم آخرت کے باب میں ہیں جن میں حق سبحانہ کی تنقیص ہے اور ان کے خیالی معبودوں کی عظمت ہے اور اس طرح جو کچھ ان لوگوں کو شہادت کی بابت گمان ہے کہ ہمارے حق میں مفید شہادت دیں گے یہ بھی غلط۔ کس لیے کہ وہ سچ اور حق بات کہیں گے خواہ مفید ہو یا مضر اور یہ اس لیے کہ ذلک اليوم الحق کہ وہ دن حق ہے۔ آج جو حق و باطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے اس روز نہ ہوگا، حق کا ظہور ہوگا، باطل باقی نہ رہے گا۔ پردہ کھل جائے گا یا یہ معنی کہ اس دن کا آنا حق ہے جس میں یہ حال ہوگا۔ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں وہ آنے والا ہے اور اس روز سوائے حق سبحانہ کی پناہ اور ٹھکانے کے اور کوئی پناہ اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ فمن شاء اتخذ الی ربہ ما بآ پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لے۔ تقویٰ اختیار کر لے، بری راہ سے ہٹ جاوے جو جہنم تک پہنچاتی ہے۔ ایمان و پرہیزگاری ایک سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچتا ہے۔ اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب و جوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس رستہ کا اختیار کرنا اللہ کے ہاں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔

آدمی جب کسی نئے شہر میں جاتا ہے تو ضرور فکر کرتا ہے کہ وہاں رہنے بھرنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے۔ پھر اس دن کا آنا برحق ہے اور ہر انسان کو اس نئے جہان میں جانا ہے جہاں کا مالک اور بادشاہ اللہ ہے پھر جو پہلے سے اس سے آشنائی پیدا کئے بغیر وہاں جاتا ہے تو اس پر ہزار افسوس وہ وہاں کیسا مارا مارا پھرے گا اور جہنم میں ڈالا جاوے گا۔ اہل اللہ اس جہان میں ہی حق سبحانہ کو اس طرح ٹھکانا بناتے ہیں کہ ہر کاروبار میں دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے جہاں کہیں ادھر سے ذرا غفلت ہوگئی تو گھبرا کر اس کی طرف دوڑتے ہیں کہ جیسا کوئی گھر بھول جاتا ہے اور جب اس کا رستہ پاتا ہے تو دوڑ کر ادھر ہی آتا ہے۔ اس کی روح پاک کا وہی حیر طبعی اور مرکب واصلی ہو جاتا ہے۔ بے اس کے کہیں قرار اور چین نہیں آتا۔ الا بذکر اللہ تطمنن القلوب۔ اس عالم سے گزرنے کے بعد پھر تو ان کے اور حق کے درمیان کوئی حجاب جسمانی بھی عاجز نہیں رہتا۔ یہ اسی کے درباری ہو جاتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی کا رستہ بتا کر اور آنے والے دن کی مصیبت جتا کر پھر اپنے بندوں پر رحمت تمام کرتا ہے۔ فقال انا اندرنا کہ عذابا قریبا کہ ہم نے تو اسے بنی آدم تم کو بہت نزدیک کی مصیبت سے خبردار کر دیا ہے۔

قیامت کا دن گوا بھی بہت دور ہے مگر آنے والی چیز گودور ہو بہت ہی قریب ہے اور نیز عقلمند ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب ہی سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت بہت ہی قریب ہے اور موت اس دن کا دروازہ ہے۔ اس لیے مگر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے وہ بہت ہی قریب ہے۔ کس لیے کہ مگر انسان کے بڑے کام کی ظلمت جو نفس پر غالب تھی، ہولناک صورتوں میں پیش آتی ہے اور ایمانداروں کا ایمان اور نیک کاموں کی روشنی عمدہ صورتوں میں ظہور کرتی ہے۔ اس جہاں میں نفس اور اکات و تصرفات میں مصروف ہے۔ اس لیے وہ صورتیں اور وہ اشیاء جو اس کے نیک و بد اعمال کا ظہور عالم مثالی میں مشکل ہو رہا ہے اس کو دکھائی نہیں دیتا لیکن جب مرے گا اور نفس ان شواغل سے فارغ ہو جاوے گا تو اس روز سب کچھ دیکھے گا یوم یُنظر المرء ما قدمت یداہ اس روز انسان دیکھے گا کہ اس نے کیا کر کے آگے بھیجا تھا اور کیا کیا کام نیک و بد کئے تھے۔ وہ سب عالم مثالی میں اپنی اپنی مناسب صورتوں میں اس کو نظر آویں گے۔ ما قدمت یداہ کے لفظی معنی ہیں کہ کیا اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اس کو دیکھ لے گا۔ اس سے مراد اس کی کوشش ہے مگر ہاتھ دنیا میں ہر کام کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایک محاورہ ہے۔

پھر جب وہ پردہ کھل جاوے گا اور کافر اپنے کفر اور بد اعمال کو پھینک صورتوں میں دیکھے گا کہ اس کے ہلاک کرنے پر تیار ہیں اور کوئی ٹھکانا اور پناہ نہ پاوے گا تو یقول الکافر وہ کافر کہے گا یا لیتنی کنت ترابا کہ اے کاش میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور انسان نہ پیدا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا اور نہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ انسان کے جسم کی اصل خاک ہے۔ کیونکہ غذاؤں سے نطفہ بنا اور غذائیں خاکی چیزوں سے بنیں تو ایسے وقت اپنی اصل حالت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہی رہتا۔ انسان نہ بنایا گیا ہوتا۔ اتنے ہیر پھیر کر انسان بنے اور یہ مصائب دیکھنے میں آئے اور اپنے جسم کا مآل کار بھی انسان خاک ہی دیکھتا ہے کہ مگر سب کچھ خاک ہو جاتا ہے۔ اس جہاں میں روح کے زندہ و باقی ہونے سے جب یہ بلائیں دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش خاک ہو جاتا روح باقی نہ رہتی۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن ابی حاتم وابن المذہب روایتی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حیوانات کا حساب لے کر نیک و بد کا بدلہ دے کر حکم دے گا کہ سب خاک ہو جاؤ۔ وہ سب خاک اور نیست ہو جاویں گے۔ اس وقت کافر آرزو کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا، زندہ نہ رہتا۔ ابتداء خاک تھی اور انتہاء بھی خاک ہے۔ ہر اعتبار سے آرزو خاک بن جانے یا ہونے کی کرے گا۔

فائدہ۔ بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کے اس قول سے کہ کاش میں خاک ہوتا، یہ مراد ہے کہ کاش دنیا میں خاک ہوتا، تکبر و غرور نہ کرتا، خاکسار بن کر احکام الہی ماننا۔ بعض فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد خاص الہی ہے کہ وہی سب کافروں کا پیر و مرشد ہے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کو جو خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھے گا کہ حق سبحانہ نے ان کو کیا کیا عزتیں بخشیں تب آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی خاک سے پیدا ہوتا، آگ سے نہ بنتا جس پر میں نے فخر کیا تھا۔ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ کافر کا حال بیان فرمایا مومن گنہگار کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے مومن کے اعمال بد نے گو اس میں تاریکی پیدا کر دی تھی لیکن اس کے ایمان اور اعتقاد صحیح نے بھی اس میں ایک بڑی نورانی ہیئت پیدا کر دی ہے۔ کشاکش کے بعد انجام کار نور ایمان ظلمت اعمال بد پر غلبہ پاوے گا اور پھٹ ظلمانیہ گھٹا کی طرح پھٹ جاوے گی جبکہ آفتاب ایمان کا نور چمکے گا۔ اس لیے وہ بھی انجام کار نجات پاویں گے برخلاف کافر کے کہ وہاں نور کا نام بھی نہیں اللہم نورنا بنور الایمان والعرفان۔

(سورہ والنازعات مکیہ ہے اس میں چھیالیس آیات دور کو ع ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنَّازِعَاتِ غُرُقًا ۝ وَالشَّيْطَانِ نَسْطًا ۝ وَالسَّيِّئَاتِ سَبًّا ۝ فَالسَّابِقَاتِ
سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۝

نزلت

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی گھس کر اور (آسانی سے) گرہ کھول دینے والوں کی اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں پھر ان کی جو دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں پھر ان کی جو انتظام کرتے پھرتے ہیں۔

ترکیب ۱۔ القسم جارة النزاعات مجرور مقسم بہا و الناشطات والسابحات عطف علیہ بالواو فالسباقات فالمدبرات عطف بالفاء لکونھا مسیئة عن اتی قبلھا کا نہ قیل واللاتی سبحن فسیقن کما تقول تام فذہب فغرب وانقلاب۔ غرق علی انہ مصدر محذوف الزوائد ای اغراقا وعلی الحال ای ذوات اغراق یقال اغرق فی الشیء یغرق فیہ اذا غل فیہ وبلغ غایۃ وکذا نشط وسجا وبقا مصدر والنصب علی انھا مفعول مطلق وامرا مفعول بہ وقیل حال ای یدبرون مامورات وجواب القسم محذوف هو عند الفراء لتبعثن وقال الانخس والزجاج لتعثن فی الصور فحین وقال الکسائی الجواب المحذوف هو ان القیمة واقعة والدلیل علی جمیع الاقوال مابعدھا من الآیات۔ وقیل الجواب مذکور ثم فی اقوال الاول انہ قوله قلوب یومئذ واجفة والثانی هو هل اتاک حدیث موسیٰ الثالث هو قوله تعالیٰ ان فی ذلك لعلبرة لمن یشئ

تفسیر..... مناسبت ۱۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چھیالیس آیات دور کو ع ہیں۔ مناسبت اس سورت کو سورہ عم تیسار لون سے یہ ہے کہ اس سورہ میں کفار کا سوال مع جواب مذکور تھا جو وہ قیامت کے بارے میں انکار کے طور سے کیا کرتے تھے۔ اس سورہ میں قیامت کے مبادی قسم کے طور سے ذکر فرما کر بعد میں قیامت اور اس جہان باقی کی مجملہ کیفیت بیان فرمائی تاکہ ان نادانوں کو معلوم ہو کہ قیامت دور نہیں۔ کس لیے کہ اس کے مبادی یعنی موت اور اس کے سامان بہت قریب ہیں اور یہ موت قیامت کا دروازہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ من مات مات قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہو گئی اور نیز ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر موت کی کیفیت بھی بیان فرمادی کہ بدوں کی روح کھینچ کر اور گھسیٹ کر ان کے جسم سے نکالی جاتی ہے اور غافل و مست شہوات دنیا کیوں فرشتے گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور نیکیوں کی روح کی جسم سے گرہ کھول دی جاتی ہے۔ گویا وہ اس عالم کے مشتاق تھے خصوصاً جبکہ نزع میں وہاں کی کیفیت سے وہ خبردار ہو چکے تھے تو اس تن کے بنجرے میں اس طرح تڑپتے اور پھڑپھڑاتے تھے کہ جس طرح مرغ چمن جو بنجرے میں بند ہو چمن دیکھ کر اور مرغ خان چمن کی آوازیں سن کر تڑپا اور پھڑپھڑایا کرتا اور مشتاق ہوتا ہے کہ جلد نفس کا دروازہ کھول دیا جاوے تو آواز جاؤں۔

آواز من برسانید برغان چمن
کہ ہم آواز شمار قفسے افتادست

یہی حال مومن کا ہوتا ہے۔ پھر فرشتے اس کی گرہ اور نفس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ پھر وہ ارواح طیبات اڑتی ہوئی اور ایک دوسرے سے تیز روی کرتی ہوئی عالم قدس میں جا پہنچتی ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزلی ویراں بروم راحت جاں ظلم و سوئے جاناں بروم
درہوائے رخ تو ذرہ صفت رقص کنان تالپ چشمہ خورشید درخشاں بروم

پھر اس عالم میں ملائکہ ان کے لیے ان کے درجات کے موافق ان کے عیش جاودانی کا سامان و انتظام کرتے ہیں۔ سبحان اللہ پانچ چیزوں کی قسم کھا کر قیامت کا برپا ہونا بیان فرمایا مگر ان پانچ چیزوں کے ذکر سے نفوس بشریہ کو اس عالم کا مشتاق بنادیا اور ان میں سے بدکاروں اس خسیں جہاں پر شیدا ہو کر یہیں پسر جانے والوں کو پر حذر بھی کر دیا اور بتادیا کہ خود نہ جاؤ گے تو گھسیٹ کر فرشتے بری حالت سے لے جائیں گے۔ یہاں رہنا نہیں ہوگا۔

یایوں کہو کہ اس سورہ میں ان کے سوالی قیامت کے در جواب یوں فرمایا تھا۔ فتاتون افواجا کہ تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہو کر عدالت میں حاضر ہو گے۔ اب یہاں اس سورہ کے مطلع یعنی شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر ان پانچ صفات کی طرف اشارہ کر دیا جن کے سبب ہر نیک و بد کو اپنے مراتب سعادت و شقاوت میں دوسرے سے امتیاز ہے اور ہر ایک صفت کا ایک گروہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس انسانیہ جب سعادت لہی طرف عروج کرتا چاہتے ہیں تو ان کو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے بعد اس مقصود کو پہنچتے ہیں۔ اول مرتبہ: اول مرتبہ یہ کہ جو چیزیں اس کے اس مقصود کے خلاف اور اس کے لیے حائل و مانع ہیں اور ان کی طرف اس کی طبیعت مائل ہے تو اس کو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچ کر اور نفس کو گھسیٹ کر ادھر سے لاوے اور اپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے۔ اس مرتبے کو الانازعات غرقا سے تعبیر کیا۔ شہوات و لذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شرع میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ ہر کام میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اول مجاہدہ اور سچی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے۔ سست اور ہواہم ہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔ بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں۔ گرمی سردیوں کی تکالیف اٹھائی ہیں۔ علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی عرق ریزیاں کی ہیں۔ اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں۔ سالہا راتوں جاگے ہیں، نفس سے لڑائیاں کی ہیں چلتے کھینچے ہیں۔ دوسرا مرتبہ: دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط و سرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے اور اب ان موانع و شہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے، میدان صاف ہو جاتا ہے۔ اس کو نشاط کہتے ہیں اور اس مرتبہ کو والنشاط نشط سے تعبیر فرمایا۔ اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات و مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق و ذوق ہے۔ یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔ تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اس سے سرزد ہونے لگتا ہے۔ اس مرتبہ کو والسبحت سبھا سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا۔ کس لیے کہ تیرنے والا کسی آڑ بغیر بے کھلے سیر کرتا ہے۔ اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سباحت کہتے ہیں۔ اہل سلوک کے نزدیک اس کا نام سیر احوال و مقامات ہے۔ اب یہاں سے شلہ مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق پوچھے، آپ نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کے لیے بے کلفت و مشقت ہے۔ چوتھا مرتبہ: چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہمسروں سے اس شغل میں بڑھ جاوے۔ یہ سب سے آگے دوڑے۔ اس حالت کو فالسبقت سبھا سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک اس کا نام طیران و عروج ہے۔ پانچواں مرتبہ: اس کے بعد پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ جمع مراتب کمال کو طے کر کے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتداء و مرشد ہو جاوے اور اس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں۔ اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک رجوع و نزول و دعوة الخلق الی الحق کہتے ہیں۔ اس مرتبہ

کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا۔ فالمدبرات امرا۔

چونکہ ہر ایک مرتبہ عمدہ ہے اس لیے ان کی قسم کھاتا ہے اور بھی مضامین میں اس سورہ کو سورہ عم تیساء لون سے مناسبتیں ہیں۔ اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں والنازعات غرق غرق کشیدن چیزے از جائے خود و برکندن و مانند شدن بہ پدر و کشیدن کمان یتال نزع فی القوس ای مد ہا و فلان فی النزاع ای و فی قلع الحیوۃ نزاع آرزو مند شدن یتال نزع الی اہلہ نزوع پرداختن از کار (ع ف اک ۲) پیر نزوع بالفتح و نزاع چاہ کہ قعر او نزدیک باشد (از صراح) غرق آب از سرگدشتن و سخت کشیدن کمان را و مبالغت کردن در مدح و ذم و جز آن۔ استغراق فرا گرفتن ہمہ را۔ اغتراق در آیمختن۔ اسب با سپاہ دیگر۔ صراح نازعات نازعہ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور غرقا مصدر ہے۔ ان دونوں لفظوں کے کئی معنی ہیں۔ اس لیے یوں ہی معنی ہوئے کہ قسم ہے ان کی جو کھینچتے ہیں ڈوب کر یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو کمان کھینچتے ہیں زور سے یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو سخت آرزو مند ہیں یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو اپنے کام سے بالکل فارغ ہونے والے ہیں۔

ہر ایک معنی پر کلام طویل ہے۔ پہلے معنی کہ جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو جان نکالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کی بہتر مخلوق ہے اور ان میں سے بالخصوص ان فرشتوں کی جو روح کھینچتے ہیں گھس کر۔ اس سے کفار کی جانکنی مراد ہے کہ ان کی روح عالم آخرت کے مصائب سے ڈر کر ان کے بدن میں ادھر ادھر تمام اطراف و جوانب میں جھپٹی پھرتی ہے۔ اس لیے وہ ملائکہ بھی ان کے اجسام میں گھس کر روح نکالتے ہیں۔ اسی طرح نشاط۔ سہمت۔ سہقت۔ مدبرات سے بھی مراد ملائکہ ہیں جن کو باعتبار ان کے صفات و حالات کے مختلف صفات سے تعبیر فرمایا اور اسی تغایر و صفی کو تغایر ذاتی کی طرح عطف کا باعث سمجھنا چاہیے۔ اس تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ نازعات وغیرہ مؤنث کے صیغے ہیں اور فرشتہ مؤنث نہیں بلکہ خدا پاک نے کفار کو فرشتوں کے مؤنث کہنے میں الزام دیا۔ حیث قال وجعلوا الملئکۃ الذین ہم عباد الرحمن انثیٰ الا یہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں جمع اور جماعات کو بصیغہ مؤنث تعبیر کرتے ہیں اور ملائکہ سے اشخاص مراد نہیں بلکہ جماعات۔ بعض کہتے ہیں کہ نازعات غرقا سے مراد ستارے ہیں اور یہ حسن بصری کا قول ہے اور ان کو نازعات باعتبار طلوع کے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھینچ کر اوپر لاتے ہیں اور غرقا سے اشارہ ان کے غروب کی طرف ہے۔ اس میں اپنے عجائب قدرت اور عالم کے عروج و نزول اور فنا و بقاء پر اپنا قادر ہونا ثابت کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم! ہم قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہیں اور یہ کہ جب یہ روشن اجسام غروب کرتے ہیں تو پھر تمہارا غروب یعنی فنا و موت کیا بات ہے اور پھر جس طرح غروب کے بعد یہ طلوع کرتے ہیں قیامت کے روز تم بھی بارگاہ طلوع کرو گے اور اسی طرح نشاط وغیرہا سے بھی مراد ستارے ہیں باعتبار ان کے اوصاف کے اور ایک جگہ ستاروں کی نسبت یوں بھی آیا ہے وکل فی فلک یسجون اس تقدیر پر مدبرات امر سے ستارے مراد لینے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ تدبیر امور حق سبحانہ کے ہاتھ میں ہے نہ ستاروں کے۔ اس لیے اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اخیر جملہ سے مراد ملائکہ کرام ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ارضی و سماوی معاملات کے سرانجام دینے پر مامور ہیں مگر ستاروں کے مدبرات ہونے کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرارت و برودت شعاع و ضیاء کی وجہ سے ان کی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں۔ پھل پکتے ہیں پھول آتے ہیں وفیہ مافیہ۔ بعض کہتے ہیں ان پانچوں کلمات سے مراد ارواح ہیں۔ پس نازعات

۱۔ از انجملہ مضامین میں یہی مناسبت ہے جس طرح اس سورہ میں مبداء و معاد کی تصویر کھینچی گئی ہے اس میں بھی از انجملہ اس سورہ کے اختتام میں قیامت برپا ہونے اور نیک و بدوں کے درجات اور کافروں کی حسرت بیان فرمائی تھی۔ اس سورہ کے ابتداء میں اس آنے والے وقت کا چند چیزوں کی قسمیں کھانے میں ذکر کر دیا کہ ملائکہ یوں جان قبض کرتے ہیں اور اس طرح سے لے جاتے ہیں اور یہی قیامت اور اس عالم غیب کی ابتداء ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ وہاں عذاب قریب سے ڈرا گیا تھا یہاں وہ عذاب قریب آنکھوں کے سامنے لا کر دکھایا گیا۔ ۱۲ منہ

سے مراد وہ ارواح ہیں جو اس عالم سفلی اور ظلمانی پر مبتلا ہیں۔ اس لیے ان کا جسم سے فراق نزع شدید ہے یعنی کھینچ کر اور گھسیٹ کر سختی سے دور کئے جاتے ہیں اور جو ارواح علاقہ جسمانیہ سے الگ ہیں اور ان کو عالم علوی کا از حد اشتیاق ہے وہ بہت جلد ادھر کو جسم چھوڑ کر روانہ ہوتی ہیں۔ ان کی اس سیر کو شط اور سباحت سے تعبیر کیا۔ پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔

بعض اور بھی سریع السیر ہیں۔ جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی ارواح طیبات اور ان میں سے بعض عالم علوی کے مدبر امور بھی ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیحہ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، میں تمہارے آگے جاتا ہوں کہ تمہارے لیے تیاریاں کروں اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس عالم میں ارواح موتنین کے مربی و مدبر امور ہیں بلکہ جو لوگ ایمان و اعمال صالحہ سے منور ہو کر اس جہاں میں جاتے ہیں وہ اپنے ان آنے والے عزیزوں محبوں کے لیے جنت میں تیاریاں کرتے ہیں۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرات اولیاء و انبیاء کی ارواح پاک گروہ ملائکہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر ملائکہ کی طرح وہ بھی تدبیر عالم سفلی میں مصروف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں نے جو حضرات انبیاء و اولیاء کرام و ملائکہ عظام کی پرستش اور ان سے نذر و نیاز کر کے اپنے مقاصد کا سرانجام چاہنا دستور کر لیا تھا، غالباً وہ اسی خیال سے تھا جس کو اسلام نے رد کر دیا اور بتا دیا کہ گو وہ مامور ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو حکم الہی ہوتا ہے۔ نہ وہ کسی کی نذر و نیاز سے خوش ہوتے ہیں نہ پکارنے، دہائی دینے پر ان کے کام بناتے ہیں۔ وہ حق سبحانہ کی مرضی کے تابع محض ہیں۔ ان کا ذاتی ارادہ و اختیار ان معاملات میں کچھ بھی نہیں۔

بعض لکھتے ہیں یہ پانچوں کلمات غازیوں کے گھوڑوں کی بابت ہیں۔ نازعات وہ گھوڑے جو گردن کھینچ کر اور بلند کر کے چلتے ہیں اور وہی نشاطت ہیں یعنی دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب کی طرف جانے والے ماخوذ ہے۔ قول عرب سے ثور نشاط اذا خرج من بلد الی بلد اور یہی سبقت ہیں۔ دوڑنے کو سباحت سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی لیے تیز رو گھوڑوں کو سیوح کہتے ہیں اور یہی سبقت ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے دوڑ کر دشمن کے سامنے جاتے ہیں اور انجام کار یہی تدابیر امر یعنی فتح و ظفر کرتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے کہ ان ہی کے سبب سے دشمن پر فتح و غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ابو مسلم صنفہانی کہتے ہیں کہ ان پانچوں کلمات سے مراد غازی ہیں۔ پس نازعات غازیوں کے ہاتھ ہیں اور نشاطت ان کے تیر ہیں جو ان کی کمانوں سے شاپش چھوٹتے ہیں اور سبقت ان کے گھوڑے ہیں جو اس موقع پر دھاوا کرتے ہیں اور وہی سبقت ہیں کہ بڑھ کر دشمن تک پہنچتے ہیں اور ان ہی کو مجازاً باعتبار انجام فتح و ظفر کے مدبرات کہا گیا ہے۔ والنشاطت نشاط غلط بالفتح شادمانی نمودن و گرہ کشادن نشاطت آنچہ غزاة در راہ یابند از غنیمت نشاطت کاؤدشتی نشاطت گزیدن مارو بردن اندوہ و آب بر کشیدن از چاہ بے بکرہ و گرہ آسان بستن۔ نشاط چاہ کہ دلو از دے بہ بسیار کشیدن بر آید و ایضا نوے از مای از صراح ان لغوی معانی کے لحاظ سے ہر ایک توجیہ چسپاں ہو سکتی ہے۔

والسبقت سبھا۔ سج۔ سباحہ۔ بالفتح و الکسر شکاری کردن۔ سج تصرف کردن در معاش۔ قوله تعالیٰ ان لك فی النهار سبھا طویلا۔ و رفتار اسب فرش سانح سبھ باضم مہر ہا کہ عدد تسبیح بوی گیرند۔ و نماز و ذکر تسبیح پاکی و پیاکی یاد کردن سبحانہ اللہ معنہ التربہ اللہ نصب علی المصدر یہاں بھی ہر معنی مناسب چسپاں کر لینے چاہئیں فالسبقت فالمدبرات کے معنی ظاہر ہیں۔ اول سبقت یعنی پیش روی اور آگے بڑھنا اور دوسرے کے معنی تدبیر کرنا آگے بڑھنے والوں تدبیر کرنے والوں کی قسم کھاتا ہے مگر سب سے اول معنی صاف ہیں یعنی قسم ہے اس جماعت کی جو اپنے نفس کو کسی کام میں کھینچتے ہیں یعنی کوشش و سرگرمی کرتے ہیں اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں نشاط و شوق پیدا کرتے ہیں

۱۔ وجوہ مذکورہ بالا اور ان کی سوا اور وجوہ جو الفاظ قرآنیہ سے پیدا ہو سکتی ہوں سب منصوص نہیں معانی پر لحاظ کر کے ہر ایک عالم نے ایک مناسب معنی مراد لیے

اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں دوڑتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسم جو اس دوڑ کے بعد آگے بڑھتے ہیں، سبقت کرتے ہیں پھر اس جماعت کی قسم جو ان مراتب سے فارغ ہو کر لوگوں کی تکمیل و رہنمائی کرتے ہیں اور چونکہ یہ اخیر دونوں جماعت پہلی تینوں جماعت سے بالاتر ہیں۔ اس لیے لائی گئی جس کو ف تعقیب کہنا چاہیے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتَّبِعُهَا الزَّادِفَةُ ۝ قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝
اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ يَقُولُونَ اَنَا لَمْرُدُّوْنَ فِي الْكَافِرَةِ ۝ اِذَا كُنَّا
عِظَامًا تَخِرَّةً ۝ قَالُوْا اِنَّكَ اِذَا كَرَرْتَ خَاسِرَةٌ ۝ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝
فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝

جس دن کز میں لرزے پڑے در پڑے زلزلہ آئیں کتنے کتنے ایک دل تو اس روز دھڑکتے ہوں گے ان کی آنکھیں پٹی ہوں گی۔ منکر کہیں گے کہ کیا ہم پہلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے (باردگر زندہ ہوں گے) ارے اس وقت کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے کہتے ہیں تو یہ پھر آتا بڑا ہی ٹوٹا ہے۔ پھر وہ واقعہ صرف ایک ہی ہمتاک آواز تو ہے۔ پھر تو وہ اسی وقت میدان میں آ موجود ہوں گے یعنی جاگ جائیں گے۔

ترکیب: یوم منصوب بالجواب المضمر والتقدير لتبعث یوم ترجف الراجفة اے فی الوقت الواسع الذی یحصل فی الفتحان وقیل منصوب بمادل علیہ قلوب یومئذ وا جفة ای یوم تریف رجفت القلوب۔ والرجفة الحركة والاضطراب یقال یرجف یرجف اذا اضطرب ومنه قوله تعالیٰ یوم ترجف الارض والجبال وقیل الهداة التکررة والصوت الهائل من قولهم رجف الرعد یرجف رجفا ورجیفا ومنه قوله تعالیٰ فاحذتهم الرجفة فاعلیٰ هذا الراجفة صیغہ عظیمہ تتبعها الراجفة الجملة منصوب علی الحال من الراجفة والمعنی لتبعث یوم الفتح الاولی حال کون الفتح الثانی تابع لھا والردافہ کل شیء جاء بعده شیء آخر یقال ردف ای جاء بعده۔ قلوب مبتداء یومئذ منصوب بواجفة وهی صفة لقلوب ابصارها مبتداء ثان خاشعة خبره والجملة خبر الاول۔ والضمیر فی ابصارها راجع الی اصحاب القلوب۔ وجف وجیف طلیدن ونوع ازرقا شتر (مع ف اک ۲) ایجاب راندن شتر براں رفتار ومنه قوله تعالیٰ فما او جفتهم علیہ من خیل والارکاب، انا الجملة الاستفہامیہ مقوله یقولون الخافرة عند العرب اول اشیء وابتداء الامر ومنه قولهم رجع فلان علی حافرة ای علی الطريق الذی جاء عنه والمراد بالحالة الاولی واصل الحافرة الطريق حفرها ای اثر فیها بعبیثہ فیما جعل اثر قد میہ حفر انہی فی الحقیقہ محفورة الا انها سمیت حافرة کما فی عبیثہ راضیہ وما وافق۔ اختصار من کندن حفرہ بالضم کندہ حافر سم مستور حافره اول ہر چیزے (صراح) اء اذا کنا الجملة تاکید لا نکار والعامل فی اذا مضمر یدل علیہ مردودون قراء الجمہور نخره وقراء نخره والکسائی ناخره قال الانخس حمانتان ای معناهما واحد۔ وقیل ان الناخرة غیر النخر لان الناخرة من النخیر بمعنی الصوت کثیر النائم والنخوق فھی العظام الفارغة التی یحصل من هبوب الريح فی صوت والناخرة من نخر العظام۔ نخر فهو نخر کعفن یعفن عفن اذا بلی وصار لومسہ لفتت تلك مبتداء کنا خاسرة خبره۔ السابرة وجہ الارض قال الفراء سمیت به لان فیها نوم الخیول ان ومهرهم وقیل الساهرة ارض بیضاء۔

تفسیر: ان مذکورہ بالا چیزوں کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ اے منکر میں قیامت! تم اس کا کیا انکار کر رہے ہو۔ تم ضرور مرنے کے بعد بارودگر حساب کے لیے زندہ کئے جاؤ گے۔ یوم ترجف الراجفة اس روز کہ لرزنے والی چیزیں لرزیں یعنی زمین اور پہاڑ ہلکیں اور تتبعتھا

الرادفة پے در پے لرزہ اور زلزلہ آوے۔ یہ فتح صور اول کے وقت ہوگا کہ زمین ہل جاوے گی اور پے در پے زلزلے آکر یہ تمام دنیا نیست و نابود ہو جاوے گی۔ اس کے بعد بار دیگر ہر ایک انسان زندہ ہوگا۔ ابتداء فتح صور اول سے لے کر فتح ثانی تک ایک متصل زمانہ ہے۔ اس لیے اس میں زندہ ہونا صحیح ہو سکتا ہے ورنہ صرف فتح اول صور میں تو کوئی زندہ نہ ہوگا بلکہ زندہ لوگ مر جاویں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یوم ترجف الراجفة سے مراد وہ بڑی ہیبتناک آواز ہے جو فتح اولی کے وقت ہوگی جس سے زمین و آسمان وحوش و طیور حیوان و انسان نیست و نابود ہو جاویں گے اور تب تبعا الراجفة سے مراد فتح ثانیہ ہے یعنی بار دیگر صور پھونکنا جس سے تمام حیوان و انسان بار دیگر زندہ ہوں گے اور ان دونوں فتح صور میں بمقدار چالیس برس کا زمانہ ہوگا اور اذفة اس لیے بار دیگر صور پھونکنے کو کہتے ہیں کہ وہ اول کے بعد ہے اور ایک شے سے بعد کی چیز کو اذفة کہتے ہیں اور گھوڑے پر دو شخص بیٹھنے والوں میں سے اخیر کو رذیف کہتے ہیں۔

امام احمد و ترمذی و حاکم وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چوتھائی رات گزر چکتی تھی تو فرمایا کرتے تھے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ رابطہ آئی اس کے پیچھے رادفة آتی ہے۔ موت اور اس کے سامان قریب آچکے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔ یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة کہ زمین اور جو اس پر ہے، ملیں گے کہ جس طرح کشتی ڈنگایا کرتی ہے (اخرجہ ابوالشیخ وابن مردویہ والذہبی) ابو مسلم ان دونوں جملوں سے قیامت کے احوال مراد نہیں لیتے بلکہ رابطہ و رادفة سے مراد شرکوں کے گھوڑے۔

پھر جب یہ حالت ہوگی تو اس روز قلوب یومئذ واجفة بہت دل دھڑکتے ہوں گے۔ کس لیے کہ عمر رائیگاں گئی۔ پھر عمل کرنے کا موقع نہیں رہا، برے اعمال اور خیال کا نتیجہ سامنے آیا۔ جہنم جوش مار رہی ہے۔ احکم الحاکمین کی طرف سے دار و گیر ہو رہی ہے اور ایسی حیرت و دہشت طاری ہوگئی و ابصارها خاشعة کہ ان کی آنکھیں شرم کے مارے نیچی ہوں گی۔ ان مصائب کو دیکھ نہ سکیں گے۔ خوف کے وقت جبکہ سامنے مہلک سامان موجود ہوتے ہیں تو طرمز آنکھ بند کر لیتا ہے اور شرمندگی سے بھی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

قیامت کا حال بیان فرما کر کفار کے اقوال نقل کرتا ہے کہ وہاں تو یہ حالت ہوگی اور وہ وقت قریب آگیا ہے اور یہ لوگ اب اس دنیا میں غفلت و لذات کے نشہ اور جہالت کی تاریکی میں کس غرور سے یقولونہ انا لمرودودون فی الحافرة کہتے ہیں کہ کیا ہم بار دیگر پھر اس حالت حیات کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا مر کر ہم بار دیگر زندہ کئے جاویں گے! یہ کہنا ان کا تسخر اور غرور کی وجہ سے تھا۔ اذ اکنا عظاما نخرة ارے کیا جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور چورا چورا ہو جاویں گی اس کے بعد پھر زندہ ہوں گے؟ یہ ان کی ناقص سمجھ میں محال بات تھی اور اس کو خدا نے قدر کی قدرت سے باہر جانتے تھے۔ قالوا تلك اذا كرة خاسرة کہتے ہیں۔ تب تو یہ بار دیگر جینا بڑے نقصان کی بات ہے یعنی اگر مدتوں کے بعد زندہ بھی ہوئے تو یہ زندگی نقصان کی ہوگی۔ کس لیے کہ اتنی مدت میں کوئی عضو کہیں گیا ہوگا، کوئی کہیں پھر جو کوئی زندہ ہوا تو کسی کی انگلی نہ ہوگی، کسی کے پاؤں نہ ہوں گے، کوئی اندھا ہوگا۔ کسی کے بال نہ ملیں گے وغیرہ وغیرہ اور نیز اقارب بھی اس حالت میں نہ ہوں گے اور دنیا میں جو کچھ کمایا تھا وہ بھی نہ ہوگا اور نیز اس لیے بھی کہ ہم نے قیامت کے منکرہ کراعمال صالحہ و ایمان سے غفلت اختیار کی اور آج ان کی پرسش ہو رہی ہے اور ہم خالی ہاتھ رہے۔ الحاصل ان وجہ سے اس زندگی کو خاسرہ سمجھتے تھے یعنی اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ بار دیگر زندہ ہوں گے تو وہ زندگی ناقص ہوگی اور یہ اس حکیم و قدر کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے بھی وہ اس بار دیگر زندہ ہونے کو محال جانتے تھے اور اس پر یہ دلیل لاتے تھے۔ ان کے جواب میں اس کا امکان بلکہ وقوع بتلاتا ہے۔ فقال انما هي ذجرة واحدة کہ یہ کہہ یعنی بار دیگر جینا کچھ مشکل نہیں صرف ایک سخت آواز یعنی فتح صور سے ہو جاوے گا۔

کوئی حالت منتظرہ نہ ہوگی، فوراً ہر ایک بدن تیار ہو جاوے گا اور اجزاء بدن مجتمع ہوں گے۔ اسی وقت ان ابدان سے ارواح کو

متعلق کر دیا جاوے گا۔ گویا سوتے کو جگا دیا۔ اس لیے فرماتا ہے فاذا هم بالساهرة کہ پھر تو جب ہی وہ یعنی ان کی روحیں ان کے بدنوں سے متعلق ہو جاویں گی اور جاگ جاویں گی یا یوں کہو فوراً وہ میدان میں حاضر ہو جاویں گے۔

اول^۱ معنی چسپاں تر ہیں۔ کس لیے کہ اس زندگی کے بعد جو موت طاری ہوتی ہے اس کو خواب سے تشبیہ تام ہے۔ چند وجوہ سے: اول یہ کہ جسم سالم اور صحیح موجود ہوتا ہے اور خواب کی وجہ سے بیکار ایک جگہ پڑا رہتا ہے۔ نہ چلتا پھرتا ہے نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے۔ نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسی کو جواب دیتا ہے۔ یہاں کچھ ہی ہوا کرے اس کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہی حال موت سے ہو جاتا ہے۔ وہی جسم ہے۔ وہی اس کے اعضاء ہیں مگر ایک تختہ سا پڑا ہے نہ اب اس کو جو روپوں کی پرواہ ہے نہ کسی یار دوست کی۔ نہ دنیا کے زرو جو اہر مرغوب چیزوں کی جن کے لیے مارا مارا پھرتا تھا۔ نہ ان سے متمتع ہو سکتا ہے۔ سب بیکار پڑا ہے اور جس طرح خواب میں اس پر بہت کچھ واقعات گزرتے ہیں کہیں باغوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ دوستوں سے مل کر لطیف محبت اٹھاتا لذت و سرور پاتا ہے۔ کہیں کسی مکان تنگ میں بند کیا جاتا ہے۔ مار پڑتی ہے۔ سانپ بچھوڑتے ہیں روتا پیٹتا ہے، چیختا ہے، چلاتا ہے۔ پاس والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی، نہ جسم پر ان خواب کی راحتوں یا تکلیفوں کا کچھ اثر نمودار ہوتا ہے۔ نہ خواب کی حالت میں ان خواب کے واقعات کو فرضی اور خیالی سمجھتا ہے بلکہ اصلی بلکہ خواب کو بھی خواب بیدار ہو کر سمجھتا ہے۔ خواب میں تو اسی عالم کو اصلی حالت اور سچے واقعات سمجھتا ہے۔ یہی حال میت کا ہے۔ جب اس پر ادھر سے بے ہوشی ہوئی اور دوسرا عالم منکشف ہوا اور فرشتوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پھر کوئی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ ملائکہ پاک صورت و حور یان مہر طلعت سے باتیں کر رہا ہے۔ ان کے جلسوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ باغ قدس کی بہاریں دیکھ رہا ہے۔ کسی پروہاں گرز پڑ رہے ہیں، جہنم کی لپٹیں اس کو کھائے جاتی ہیں۔ مکان تاریک و تنگ میں محبوس ہے۔ سانپ بچھوڑ رہے ہیں روتا چلاتا ہے مگر اس کے جسم پر کوئی اثر نہیں۔ نہ جسم کے دیکھنے والوں کو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر جس طرح خواب سے بیدار ہونے والا پھر ایک دوسرے عالم میں آتا ہے اور یہاں کے حالات دیکھ کر اس عالم کو عالم خواب و خیال سمجھتا ہے۔ اسی طرح مردے جب سخت آواز سے خواب عدم سے جگا کر بیدار کئے جاویں گے تو ایک اور زندگی دیکھیں گے اور اٹھ کر کہیں گے من بعثنا من مردقنا کہ کس نے سوتے ہوئے ہم کو جگا دیا؟ اس لیے بارگزر زندگی کو ذرۃ واحدة ایک تند آواز سے وابستہ کیا۔ جیسا کہ خواب سے بیدار کرنا ایک تند آواز سے ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ اس عالم میں خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ اس لیے اس عالم میں آواز تند سے بیدار ہونا بیان فرمایا۔

اور بھی موت کو اور مر کر بارگزر جینے کو انسان کی زندگی اور اس کے خواب اور اس کی بیداری سے مشابہتیں ہیں اور یہ کلام تخلیقی نہیں بلکہ مقدمہ ماتِ حقہ اور یقینیہ پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ ایک برہان یا حجت ہے جس کو ہر ایک ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۝ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ إِذْ هَبَّ
إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۝ فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ تَزَكَّى ۝ وَ أَهْدِيكَ إِلَى رَبِّكَ
فَتَخَشَى ۝ فَإِنَّهُ الْآيَةُ الْكُبْرَى ۝ فَكَذَّبَ وَعَصَى ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَى ۝ فَخَشَرَ

یعنی لفظ ساہرہ کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ فوراً یہ لوگ قیامت کے دن جاگ اٹھیں گے موت کی نیند سے۔ دوم یہ کہ فوراً میدان حشر میں آ حاضر ہوں گے۔ اول معنی زیادہ مناسب اور بہت چسپاں ہیں کس لیے کہ موت کو خواب سے زیادہ مشابہت ہے اور سہر بیداری کو کہتے ہیں حیات اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے چند وجہ سے جن میں سے ایک وجہ تفسیر میں بیان کی گئی۔ ۱۲ منہ

فَنَادَىٰ ۖ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۖ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخْذَةِ وَالْأُولَىٰ ۖ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ۖ

۱۰۰

آپ کو کچھ موسیٰ کا بھی حال معلوم ہوا؟ جبکہ ان کے رب نے ان کو پاک وادی طویٰ میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سرائٹھا رکھا ہے۔ پھر (جا کر) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ سدھر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ بتاؤں کہ تو ڈرنے لگے؟ پھر موسیٰ نے اس کو بڑی نشانی دکھائی سواس نے جھٹلایا اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے پکارا تو کہا کہ میں ہی تمہارا بڑا معبود ہوں۔ پھر تو اس کو اللہ نے آخرت اور دنیا کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ بے شک اس میں ہر ایک ڈرنے والے کے لیے (بڑی) عبرت ہے۔

ترکیب | اہل استفہامیہ اور بعضی قدر والجملة متافہ لیمان مسئلۃ النبوة اذ متعلق بحدیث۔ لایاتناک لا اختلاف ویتھما طویٰ قریٰ بالمتوین و ترکہ وھما سبعینان فمن صرفۃ جعلہ اسم واد و مکان و جعلہ مکرۃ ومن لم یصرفہ جعلہ بلدۃ وبقعۃ و جعلہ معرفۃ وھو دلو بین الشام وقلزم وھو بدل من الودال اذھب اسی قال اذھب وقل ھو تفسیر لئنداء تنزی کی قرء الجبور بالتخفیف وقرآن فاع واین کثیر جتشد ید الرائے علی ادغام التاء فی الزای قال ابو عمرو وبن العلاء علی الاول معناه یکنون زکیاء مؤمناء علی الثانی الصدقۃ۔ والی متعلقۃ بخذوف وھو رغبتۃ او توجہ وھو مبتدأ لک خبرہ و اھدیک معطوف علی تنزی کی منصوب بان والفاء فی فتخشی لترتیب الخشیۃ علی الہدایۃ یسعی حال من الضمیر فی یسعی۔ نکال الاخذۃ و فی نصب النکال و جہان احدھا مصدر لان اخذ و نکل بہ معناھا و احد الثانی ھو مفعول لہ ای اخذہ اللہ لاجل نکال الاخذۃ و الاولی۔ و رنج الزجاج القول الاول لعبیرۃ اسم ان فی ذلک خبرھا۔

تفسیر | مسئلہ معاد پر دلائل عقلیہ بیان فرمانے کے بعد وہ دلائل نقلیہ بیان فرماتا ہے جن کا تعلق ایک جم غفیر کے مشاہدہ سے ہے یعنی سینکڑوں آدمیوں نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا ہے اور جو چیز بظاہر قابل حیات نہیں اس میں حق سبحانہ نے روح پھونک دی ہے اور یہ تاریخی واقعات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اتباع کے عہد میں ان کی برکت و معجزات سے سرزد ہوئے تھے) عرب میں مشہور اور معروف تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال اهل اناک حدیث موسیٰ کہ کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی۔ پھر دیکھو کیا ان کے وقت میں مردہ زندہ نہیں ہوا جس کا قصہ سورہ بقرہ میں موجود ہے اور نیز ان کے پاس ایک عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا پھر مردہ کا زندہ کرنا خشک لکڑی کے سانپ بنانے سے کچھ بڑھ کر ہے؟ ہرگز نہیں۔

یایوں کہو کہ مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ نبوت کا ثابت کرنا یہی اہم مقاصد میں سے تھا۔ اس لیے ایک مسلم النبوة نبی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلہ معاد کو بھی ثابت کرتا ہے اور یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ اے قریش! تم نے موسیٰ کا حال تو سنا ہوگا۔ وہ فرعون کے پاس ہماری طرف سے رسول بن کر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم اے قریش! دولت و حشمت میں تم سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔ انہوں نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا، معجزات کو جھٹلایا۔ پھر اس کا اور اس کے سرداروں کا یہ انجام ہوا کہ ہم نے ان کو دنیا اور آخرت کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ دنیا میں قلمروں میں ڈوب کر مرے۔ آخرت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گئے۔ ان کے سر و سامان سب دھرے رہے۔ اب تم جو ہمارے رسول کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہو جو فرعون نے موسیٰ سے کیا تھا۔ سو تم بھی اپنے لیے دنیا و آخرت کی خواری کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ | حضرت موسیٰ کا حال اکثر سورتوں میں تفصیل مذکور ہے مگر اس سورہ میں جو کہ نزول میں ان سے مقدم ہے۔ اجمالاً ذکر فرمایا گیا۔ فقال اذ نادىٰ ربہ بالواد المقدس طویٰ کہ جب موسیٰ کو اس کے رب نے یعنی ہم نے پاک جنگل میں جس کا نام

طوئی ہے اور کوہ طور بھی وہیں واقع ہے پکارا۔ یہ مختصر کیفیت ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر میں پیدا ہوئے تھے بنی اسرائیل کے خاندان میں۔ فرعون نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس سے تیری ہلاکت ہوگی ان کے ہر ایک بچے کو قتل کروا دیا تھا۔ اس خوف سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے موسیٰ کو ککڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ بہتے ہوئے فرعون کے مخلوں میں آنکھ لپکی۔ اس کی بیوی نے دیکھ لیا۔ صندوق کھولا گیا تو چاند سا لڑکا دکھائی دیا۔ فرعون کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس کی بیوی نے بیٹا بنالیا۔ ان ہی کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پائی، جوان ہوئے تو ایک بازار میں دیکھا کہ ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ مظلوم کے چھڑانے کو بڑھ کر فرعونی باز نہ آیا تو اس کے آپ نے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس خوف سے کہ فرعونی اور فرعون مجھے نہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر قلمزم پار شہر مدین میں آئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ یہاں ان کی ایک بیٹی سے آپ نے شادی کر لی۔ آٹھ یا دس برس یہاں رہے۔ اب مصر کا شوق ہوا اور سمجھے کہ اب اس قصہ کو لوگ بھول گئے ہوں گے۔ بیوی بچے بھی ساتھ چلے۔ بیوی حاملہ تھیں رستہ میں ایک منزل پر وادی طوئی میں پہنچ کر راہ بھول گئے۔ سردی کا موسم تھا رات ہو گئی تھی۔ آپ نے دور سے ایک آگ کا چکارا دیکھا۔ بیوی اور غلاموں سے کہا، تم یہیں ٹھہرو میں آگ کے پاس جاتا ہوں آگ لاؤں گا۔ تمہارے تاپنے کے لیے اور اگر آگ نہ ملی تو راستہ بتا دے گا۔ رستہ پوچھ لوں گا۔ آپ اس مقام پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پر چلی ہے اور ہر ایک شاخ و برگ سے ملائکہ کی تسبیح جہلیل کی آوازیں آرہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر حیران ہو گئے۔ پھر ایک ایسا نور عظیم الشان متجلی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں اور موسیٰ کو آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں رب العلمین ہوں، قریب آ۔ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرا عصا ہے۔ فرمایا اس کو زمین پر ڈال دے۔ ڈالا تو سانپ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر پیچھے بھاگنے لگے۔ فرمایا ڈر نہیں اس کو اٹھالے۔ اٹھایا تو پھر عصا تھا اور کہا اپنا دایاں ہاتھ بغل میں دبا کر نکال۔ نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے یا نشانیاں عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے تجھے رسول کیا تو اذهب الی فرعون انه طغیٰ شاہ مصر کے پاس جا کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ خدائی دعویٰ کرتا ہے۔ بندگان خدا کو ایذا دیتا ہے، نہایت بدکار ہے اور اس کے سبب سے اس کی قوم بدکاری کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہاں جا کر فعل ھل لك الی ان توکلی یہ کہہ کہ کیا تجھ کو اس بات کی رغبت و خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے، تیرے اخلاق بد دور ہو جاویں اور تو تمام روحانی نجاستوں سے پاک و صاف ہو جاوے اور پاک ہونے کے بعد و اھدیک الی ربك تیرے رب کا تجھے رستہ بتاؤں۔ جب تک انسان روحانی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے اس کو اس کے رستہ تک بھی رسائی نہیں، اس تک تو کجا۔ یہی تاریکیاں حجاب عاجز ہیں۔ بندے کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتیں۔ اول تزکیہ پھر تخلیہ ہے اور صرف یہی بات نہیں کہ تجھے رستہ بتا دوں، وہاں پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ پہنچا ہی دوں۔ کس لیے کہ کمال ہدایت ایصال الی المطلوب۔ فتح حشی کہ پھر تو ڈرنے لگے کس لیے کہ دربار الہی میں جب پہنچ ہو جاتی ہے تو بھیمیت کمزور ہو جاتی ہے اور جلال الہی کا پر تو اوپر پڑتا ہے جس لیے بندہ ڈرنے اور لرزے لگتا ہے جو بادشاہ کے دربار تک ہی نہیں پہنچا اس پر دربار کی کیا ہیبت پڑے گی۔ خشت دلیل وصال ہے اس مقام پر بجز گریہ کے اور کچھ نہیں بن آتا۔ اے فرعون! اگر تجھ کو ان سب باتوں کی رغبت ہے تو میں کوشش کروں کیونکہ طالب کے لیے ارادت شرط ہے ورنہ محرومی ہے۔ فرعون نے ارادت تو ظاہر نہ کی بلکہ انکار و مقابلہ کر کے پوچھا کہ راہ دکھانا اور درست کرنا تو بعد کی بات ہے۔ پہلے اپنا رسول ہونا تو ثابت کیجئے، ہم کس دلیل سے جانیں کہ تجھ کو خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟ اس لیے فاراۃ الایات الکبریٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بڑی نشانی دکھائی۔ بڑی نشانی کیا تھی؟ بعض علماء فرماتے ہیں بد بیضا بعض کہتے ہیں عصا بکھایا کہ وہ سانپ بن گیا اور فرعون اور اس کے درباری ڈر کر بھاگنے لگے اور یہی قول قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں دونوں

معجزے دکھائے۔ ہر ایک کو آیۃ کبریٰ کہا جاسکتا ہے۔ یہ اول ملاقات کا معاملہ ہے اور بعد میں تو اور بہت معجزات دکھائے جن کا ذکر جلد دوم سورہ بقرہ کی تفسیر تاریخ بنی اسرائیل میں ہم کر چکے ہیں مگر فرعون معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لایا بلکہ فکذب و عصی جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ جادو ہے۔ میرے جادوگر اس سے بھی بڑھ کر دکھا سکتے ہیں۔ اس لیے میں تیرا ان سے مقابلہ کراتا ہوں اور ایک روز مقرر کر کے تیرے مقابلہ کے لیے انہیں بلاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا مگر جادوگر عاجز ہو کر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس پر بھی خدا کی نافرمانی کی کہ ان جادوگروں کو ایمان لانے کے جرم میں مرواؤالا۔ اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ ثمود بن یسعی اس نے اس کے بعد پشت پھیرنے یعنی نافرمانی میں کوشش کی اور بنی اسرائیل کو اور زیادہ تکالیف دینی شروع کر دیں اور یہ قصد کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو کیا میں اس کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ اس لیے اس نے ایک روز دربار یوں کو جمع کیا۔ فحش اور جب سب جمع ہو گئے تو فنادی (منادی) کی۔ فقال انا ربکم الاعلیٰ کہ میں ہوں تمہارا بڑا رب نہ موسیٰ کا خدا۔ بس تم موسیٰ کے کہنے میں نہ آنا میری اطاعت کرنا ہے اور اس کی قوم بت پرست تھی مگر فرعون اپنی سرکشی سے خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے زور و قوت جتانے کو لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ میں بڑا رب ہوں۔ تمہاری پرورش میرے ہاتھ میں ہے جس کو جس قدر چاہوں دوں جس کو چاہوں سزا دوں پھر اتنا اختیار میرے سوا کس کو ہے؟ خدا تعالیٰ کا محسوس نہ ہونے کے سبب قائل نہ تھا۔ اس لیے وہ بے عقل اپنے آپ کو رب اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں پہلے زمانوں میں راجاؤں کو معبود سمجھا کرتے تھے۔ یہی مصر کا دستور تھا۔

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ مانی اور سرکشی میں ترقی کرتا گیا تو فاعخذہ اللہ اس کو اللہ جبار و قہار نے پکڑ لیا اور کس بلا میں مبتلا کیا۔ نکال الآخرة و الاولیٰ آخرت کے عذاب میں اور دنیا کے عذاب میں۔ اس روز اس کی ساری خدائی بوسیدہ ہو کر ہوا میں اڑ گئی۔ اس گرفتاری کی تفصیل اور سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون اپنا لشکر لے کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو گرفتار کرنے نکلا تھا۔ بنی اسرائیل قلزم سے پار اتر گئے۔ دریائے رستہ دے دیا۔ بعد میں جو فرعون اور اس کا لشکر آیا تو سب غرق ہو گئے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی تھی، آخرت کے لیے جہنم تیار ہے۔ آخرت کو اس لیے مقدم کیا کہ دنیا کی رسوائی بمقابلہ آخرت کی رسوائی کے کچھ نہیں۔ اصل عذاب در رسوائی وہیں کی ہے۔ اس لیے اس کے اسباب سے بچنا چاہیے۔ ان فی ذلک لعبرة اس بیان میں عبرت اور نصیحت ہے مگر کس کے لیے؟ لمن یعشی۔ اس کے لیے جو خدا ترس ہے اور اس کے دل پر کفر اور بدکاری کی سیاہی چھائی نہیں گئی ہے۔ اس کو عبرت و نصیحت ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ غلط نہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ یقینی ہے ہو کر رہے گا۔ ان سے مقابلہ کرنے والا انجام کا خراب ہوتا ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی مگر جو بدبخت اذی ہے اس کو عبرت و نصیحت نہیں ہوتی۔ کیسا ہی حادثہ ہو وہ اس کو ایک معمولی بات خیال کرتا ہے۔ اب بھی خدا تعالیٰ کی آیات قدرت و قافہ قہار ہماری عبرت کو ظاہر ہوتی ہیں۔ و با بر بادی خاندان یا بجلی ہوا، خالہ باری وغیرہ مگر دل کے اندھے ان کو معمولی بات جانتے ہیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ السَّمَاۤءُ بَنٰہَا ۙ رَفَعَ سَمٰکَهَا ۙ فَسَوَّیَهَا ۙ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا ۙ وَاَخْرَجَ ضُحٰیہَا ۙ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰیہَا ۙ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا ۙ وَمَرْعٰہَا ۙ وَاِجْبَالَ اَنْسَہَا ۙ مَتَاعًا لَّکُمْ ۙ وَلَا نَعْمًا لَّکُمْ ۙ

کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ جس کو اس نے بنایا جس کی چھت بلندی پھر اس کو سنوارا اور اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی نکالی اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا (پھر) اس میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ کیا۔ تمہارے اور تمہارے چار پاؤں کے برستے کے لیے۔

ترکیب! انتم مبتداء اشد خبرہ خلقاً تمیز منہ السماء مبتداء والخبر محذوف ای اشد والتردید بین الخمتین بالھمزۃ وام بنھا الجملة مستانفة وقيل حال من المحذوف قال الزجاج والفراء المكنائی تم الکلام عند قوله بنھا لانه من صلتہ السماء والتقديراہ السماء التي بنھا محذوف التي رفعہ سمکھا مستانف لبیان البناء۔ اوصفتہ سمک برداشتن وسقف خانہ (وضع اض ۲) يقال سمک اللہ السماء سمکا سموک بلند شدن يقال سنام سماک ای عال مرتفع سمک بالتحريك ماہی۔ سماک سموک ج۔ از صراح۔ اغطش اغطاش تاریک کردن شب را و تاریک شدن متعدی و لازم۔ ص۔ والارض منصوب بفعل محذوف ای وحی الارض و کذا الجبال ای و ارسى الجبال قرنی بالرفع علی الابتداء متاعاً مفعول له او مفعول مطلق ای متع متاعاً

تفسیر! منکرین حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لا یعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مینڈک کی مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے۔ کلام انسان اشرف المخلوقات کے بارے میں زندہ ہونے میں ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ ع انتہ اشد خلقاء امر السماء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بار دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادر مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اس میں یہ یہ صنعتیں رکھیں اور جس نے زمین کو بنایا اور اس کو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خوش پیدا کی جس کی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونہ موجود ہیں۔ پھر اس کے نزدیک انسان کا بارے میں پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے؟ کس لیے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہا باریکیاں رکھی ہیں پیدا کر دینے پر قادر ہے وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے خصوصاً جبکہ ایک بار اس کو پیدا بھی کر چکا ہو۔

اس کے بعد آسمان کی پیدائش اور اس کے اندر جو صنعتیں رکھیں ان کو بیان فرماتا ہے۔ اول رفع سمکھا کہ اس کی چھت کس قدر بلندی۔ زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ دوم فسوہا یہ نہیں کہ بیڈول اس کو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا۔ ہر موقع پر ہر چیز ہے نہ اس میں شکاف ہے نہ ٹیڑھا تر چھاپن ہے۔ سوم واغطش لیلھا واخرج ضحھا اس کی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کیسی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے۔ کیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کر کے نہیں بیٹھ رہا بلکہ والارض بعد ذلك دھما اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اس کو ٹھیک کر کے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔ ان آیات اور سورہ فصلت کی ان آیات ثم استوی الی السماء اور سورہ بقرہ کی آیات هو الذی خلق لکم ما فی الارض الخ وان آیات قل ء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الخ میں کچھ تعارض نہیں۔ اس کی تشریح و تفصیل ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اخرج منها ماء ہا و مرعھا زمین سے پانی نکالا کنوؤں اور چشموں سے اور چارہ پیدا کیا والجبال ارسھا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ بنایا جس سے ڈمگانی نہیں۔ متاع لکم ولانعامکم تمہارے برستے اور آرام پانے اور تمہارے چار پاؤں کے برستے اور کھانے کے لیے۔ پھر یہ مصالح زمین و آسمان میں جس نے ملحوظ رکھ کر ان کو بنایا ہے۔ کیا وہ انسان کو بارے میں زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى ۖ يَوْمَ تَذْكُرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى ۖ وَبَرَزَتْ الْجَحِيمُ
لِمَنْ يَبْرَى ۖ فَأَمَّا مَنْ طَغَى ۖ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ۖ
وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ۖ

پھر جبکہ وہ بڑا حادثہ آجود ہو جس دن کہ انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیا کا جینا ہی پسند کر لیا ہوگا سو اس کا تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور دل کو خواہشوں سے روکا پھر بے شک اس کا توجہ ہی مقام ہے۔

ترکیب ۱: فاذا اشرط الطامة قال المبرجى عند العرب الداهية طم طم درانپاشتن (ع ف اض ۲) يقال فوق كل ذي طامة طامة ويريدن والطامة قیامت صراح قال المبرجى من قولهم طم الفرس طميا اذا استفرغ جهده في الجري وطم الماء اذا المأه انهر كلدو قال الليث الطم طم البر یا بالتراب وهو الكلبس ويقال للشئ الذى يكبر حتى يعلو طم والطامة الحادثة تطم على ما سواها كبير۔ والعامل في اذا جوا بھا وهو معنى قوله يوم يندكر قال الواحدى جواب اذا انحذوف والتقدير اذا جاءت الطامة الكبرى دخل اهل النار النار واهل الجنة الجنة وقيل جوا بھا قوله فان الجھيم هي الماوى وكانه جزء مركب على شرطین يوم يندكر الظرف بدل من اذا وقيل من الطامة الكبرى۔ وبرزت معطوف على جاءت قراء الجمهور يرى بالتحية وقرأت عاكشة وعكرمة وما لك بن دينار ويزيد بن علی بالفوقية ای لمن تراه انجم فاما شرطية من موصولة طغى اصلتها واثر معطوف على طغى آخر اختار فان الجھيم الجملة جواب الشرط هي الماوى له او الالف واللام عوض عن المضاف اليه قس عليه اما من خاف مقام ربه قیامه بین یدیه وقال الجلال جواب اذا فاما من طغى الخ۔

تفسیر..... مسئلہ توحید کا اثبات ۱: آسمان وزمین کی بناوٹ میں اپنی حکمت باللہ و قدرت کاملہ کا ثبوت دے کر بظاہر توحید بات ثابت کی تھی کہ ہم انسان کے بارہ گزندہ کرنے پر قادر ہیں اور ضمانت یہ بھی بتایا تھا کہ دراصل ہم ہی مربی و رزق رسان ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے لیے یہ گھر بنایا جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے اور جس میں تمہاری معیشت کے کل سامان ہیں۔ پھر ہم ہی قابل پرستش ہیں۔ ہمارے ساتھ عبادت و استعانت میں دوسرے کو شریک کرنا کمال ناشکری ہے اور ہماری عبادات و اطاعت شکر گزاری اور حق شناسی ہے۔ اس میں مسئلہ توحید کا بھی کامل ثبوت کر دیا گیا۔ اب یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ دنیا کا گھر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ کے لیے نہیں۔ آخر ایک روز یہ گھر بگڑتا ہے اور تمہیں ایک دوسرے گھر میں جا کر سدا رہنا ہے جہاں انسان کو اس کی کوشش اور عمل کا نتیجہ نیک یا بد بھگتنا پڑے گا اور اس دار امتحان میں جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ پانا ہوگا اور اس گھر میں بسانے سے یہی مقصود بھی تھا نہ کہ یہیں رکھنا اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الطامة الكبرى جبکہ بڑا حادثہ یعنی قیامت آوے۔ طامہ بڑا حادثہ جو اور سب حادثوں پر غالب ہو اور کمزری میں اور بھی تاکید ہے۔ یہ موت کے حادثے اور دنیا کے جمیع حوادث انقلابات سلطنت دریا کی طغیانی، پہاڑوں کی آتش فشاں، قوموں کے زیر و زبر ہونے، نئے مکانوں کے بننے، پہلوں کے گرنے، انسان کے بڑھاپے اور دولت مند و فقیر ہونے سب سے بڑھ کر ہے۔ کس لیے کہ اس حادثہ میں یہ تمام عالم ہی زیر و زبر ہو جائے گا۔ یہ گھر فنا ہو جاوے گا۔ ان آیات میں پھر اس مسئلہ معاد کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور یہی خیال انسان کو نیکی پر ابھارتا اور بدکاریوں سے روکتا ہے۔

قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا، زمین کا فنا ہونا، پہاڑوں کا اڑتے پھرنے، جو فح صوراول سے متعلق ہے۔ توطیہ و تمہید ہے اور اصل مقصد انسان کا بارگزر زندہ ہو کر اپنے اعمال و ایمان کا بدلہ پانا ہے اس لیے طامہ کبریٰ کے بعد جو قیامت ہے اس اصلی مقصد کو بیان فرماتا ہے فقال یوم یبتذل الانسان ماسطی یعنی جس دن کہ آدمی یاد کرے گا کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا، اس کو وہ قوی اور حواس عطا ہوں گے کہ جو کچھ آج دنیا میں کر کے بھول گیا ہے، اس روز وہ سب یاد آ جاوے گا اور اعمال کا نیک و بد نتیجہ اپنی مناسب اشکال میں اس کو آنکھوں سے دکھائے گا۔ وبرزت الجیمہ اور مظہر قہر الہی جس کو جہنم یا جہیم کہتے ہیں، ظاہر ہو جاوے گی۔ لمن یرى ہر ایک دیکھنے والے کے لیے آج جو یہ تفرقہ ہے کہ اس کو اہل بصیرت حضرات انبیاء و اولیاء دیکھتے ہیں اور لوں کو دکھائی نہیں دیتی اور اسی لیے شتر بے مہار ہو کر لوگ لذات و شہوات میں گرے پڑتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب انکار کرتے ہیں، اس روز یہ نہ ہوگا۔ ہر ایک کھلم کھلا دیکھے گا۔ لمن یرى کے لفظ نے تعیم کر دی۔ پھر اس فرمان الہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جاوے گا بلکہ فاما من طغی جس نے سرکشی کی دنیا میں کہ حد مقرر سے آگے پاؤں دھرا، یہ لفظ جمع گناہوں کو شامل ہے۔ معاملات سے لے کر عبادت تک حکم الہی سے سرتابی و تجاوز طغیان ہے۔ یہ قوت نظریہ کے فساد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اپنے نفس کو حقیر جانے گا اور ہر دم خداوند قہار و جبار کو انتقام پر قادر سمجھے گا۔ پھر اس سے طغیان یعنی سرکشی سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا۔ رہا مقتضائے بشری جس کے بعد توبہ و ندامت ہو وہ طغیان نہیں۔ واثار الحیوۃ الدنیا اور طغیان ہی پر بس نہیں بلکہ زندگی دنیا پر بھی سمجھ گیا ہو۔ یہ قوت عملیہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دوسرے جہاں میں جانے کا اس کو یقین نہیں ہوتا تو وہ رات دن اسباب عیش و آرام کے جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے، خواہ حرام سے خواہ حلال سے کسی طرح سے ہو مال و زر زمین و جائیداد پیدا کرنے کے خیال میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ پھر اس کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کیسا ہی گناہ اور حق تلفی ہو پروا نہیں کرتا۔ نہ جھوٹ بولنے اور دغا بازی کرنے سے حذر کرتا ہے نہ ظلم کرنے سے ڈرتا ہے۔ اپنا شیوہ منافقانہ بنانا دنیاداری کے اصول میں سے جانتا ہے۔ پھر اس کو نماز و روزہ یا اور کسی نیکی کی فرصت و مہلت کہاں؟ رات دن اسی میں رہتا ہے خواب بھی اسی کے دیکھتا ہے۔ آخر اسی حالت میں دنیا سے جاتا ہے۔ فان الحجیم ہی الماویٰ تو لامحالہ دوزخ ہی اس کا مقام اور ٹھکانا ہوتا ہے۔ مرتے ہی وہ عالم برزخ میں اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کس لیے کہ یہ وہی تو اس کا طغیان و حب الدنیا ہے جو جہنم کی شکل میں ظاہر ہوگئی اور حشر میں اور بھی ظہور ہوگا۔ واما من خاف مقام ربہ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا جو شخص اس خیال کو دل میں جگہ دے گا، وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور یہ صفت و صفہ طغیان کی ضد ہے جس میں یہ صفت ہوگی وہ نہ ہوگی اور اسی خیال پر بس نہیں بلکہ ونہی النفس عن الهویٰ وہ نفس کو خواہش نفسانی سے بھی روکتا ہے۔ جس طرح وہ دونوں صفتیں جمع قباہ و اللوات کو شامل تھیں۔ اسی طرح یہ دونوں صفات جمع اطاعات و حسنات و تطہیر باطن و ظاہر و مکارم اخلاق کو شامل ہیں اور ان نیک صفتوں میں سے اول دوسری کے لیے علت ہے کس لیے کہ نفس کی بدکاریوں سے لگام روکنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ تصور کر لے گا کہ مجھے ایک روز خدائے جلیل و جبار کے سامنے کھڑا ہونا اور حساب دینا ہے۔ خاف مقام ربہ میں قوت نظریہ کی تکمیل کی طرف ونہی النفس میں قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے پاک لوگوں کا فان الجنة ہی الماویٰ بہشت انجام ہے۔ وہی ان کا مقام ہے۔ وہ عالم قدس میں بادشاہت کیا کریں گے۔ سبحان اللہ دو آیتوں میں دایر آخرت کا حال اور نیکی و بدی کا انجام اور اصول سعادت و شقاوت کس خوبی سے

بیان فرمادیے۔ ان آیات میں تعیم ہے۔ کوئی کیوں نہ ہو جو ایسا ہوگا یہ انجام ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پہلے دونوں جملوں میں عامر بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے جو بدکار دنیا پرست تھا اور اخیر کے جملوں میں اس کے بھائی مصعب بن عمیر کی طرف اشارہ ہے جو تارک الدنیا شہید گزارتھا۔ احد میں شہید ہوا جس کے لیے پورا کفن بھی نہ تھا۔ سر ڈھاکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جو پاؤں ڈھاکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا ۖ قِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَخْشَاهَا ۖ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يُرَوَّنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۖ

(اے رسول!) آپ سے اس گھڑی کا حال پوچھتے ہیں کہ اس کا کب وقت ہے؟ آپ کو اس کے ذکر کی کیا پڑی اس کی خبر تو آپ کے رب کے پاس ہے۔ آپ تو اس گھڑی سے اس کو ڈراتے ہیں کہ جو اس سے ڈرتا ہے۔ جس دن کہ اس کو دیکھ لیں گے تو (یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں) گویا ہم ایک شام یا اس کی صبح تک ٹھہرے تھے۔

ترکیب! ایان ظرف زمانی بنی علی الفتح مبتداء مرسہا خبرہ ای منتھی قیامھا قال ابو عبیدہ مرسی السفیہ مستقرحاء والجملة بیان السؤال۔ قیامہ اصلہ فیما ای فی ای شیء خبر والمبتداء انت من ذکر اھایان لای شیء والمعنی است فی شیء من ذکر وقت القیامۃ انما یعلمھا اللہ تعالیٰ خاصۃ والاستقھام انکاری ورد لسؤال المشرکین عنھا الی ربک متعلق بآیات خبر منتھاھا مبتداء ای منتھی علمھا لا یعلم تعین وقتھا الا ہو والجملة تاکید الجملة الاولی فی رد سوالھم وکذا انما انت منذر مضاف الی من وھذا اقراۃ الجمهور وقرئ بالتعوین قال الفراء کلاھا صواب کقولہ بالغ امرہ وموھن کید الکافرین وقال صاحب الکشاف الاصل هو التنبؤین والا ضافۃ تخفیف وکلاھا یصلح للحال والاستقبال کان انھم کان اسمھا لم یلبثوا خبر حایوم یرونھا ظرف لقولہ لم یلبثوا ای یظنون انھم لم یلبثوا فی الدنیا الا عشیۃ او ضحھا ای عشیۃ یوم او کبرتہ صبح اضافۃ الضمی الی العشیۃ لما یتھما من الملاستہ اذھا طرف النھار والا ضافۃ عند العرب تصح بادنی مناسبتہ یقولون اتیک الغداۃ او عشیئھا واتیک العشیۃ او غدا تھا۔ والعشیۃ من الزوال الی الغروب الضمی هو الکبرۃ الی الزوال۔

تفسیر! کفار عرب نے جب قیامت میں دوزخ کا ظاہر لایا جانا اور بدوں کا سزا اور نیکیوں کا جزا پانا سنا اور نیکی و بدی کا اصول بھی معلوم کیا تو بجائے اس کے کہ اصول حسنت پر عمل کرتے اور بدی کے رستے سے رکھتے خود قیامت سے ہی سوال کرنے لگے۔ ایان مرسہا کہ اس کا کونسا وقت ہے؟ یہ کمال نادانی ہے۔ کس لیے کہ اگر طبیب حاذق کسی کو کہے کہ تمہارا مرض مہلک ہے علاج کرو ورنہ مر جاؤ گے تو احق بیمار یہ پوچھے گا کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ کب مروں گا۔ حالانکہ اس کو اپنا مرض معلوم کر لینے کے بعد علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ حکیم سے لایعنی سوال کرنا اور تسخر سے پیش آنا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ قیامہ انت من ذکرھا۔ تجھے کیا پڑی جو اس کا وقت ذکر کرے۔ اول تو یوں کہ ان کو کچھ فائدہ نہیں کس لیے کہ وقوع سے پہلے وقت کی خبر کو کب سچا جانیں گے اور وقوع کے بعد کوئی تدبیر ہاتھ میں نہیں۔ دوم الی ربک منتھا اس کا علم اور وقت کی تعیین تیرے رب ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم کے ارکان کو درہم برہم کر دے گا اور اس کا سبب اس عالم کے سوا اور ہی کوئی ہے۔ پھر کسی علم اور قرآن سے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے اور حق سبحانہ اس کی خبر اس لیے نہیں دیتا کہ کارخانہ عالم درہم برہم ہو جاوے گا۔ بدوں کو نیکی سے باز رہنے کے لیے ایک یہ بھی حیلہ ملے گا کہ اجی دل کھول کر شہوت

پرستی کرو کیا ابھی قیامت آئے جاتی ہے؟ وہ تو بہت دور ہے۔

انما انت منذر آپ کا کام اے نبی! خبردار کر دینا اور لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دینا ہے۔ مگر آپ کے انداز سے نفع اسی کو پہنچے گا جو من یخشہا قیامت سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے ایک روز سامنے جا کر حساب دینا ہے وہی اپنے امراض کے لیے علاج کے لیے روحانی حکیموں سے چارہ جوئی کرے گا اور وہ کیوں اتنی جلدی کر رہے ہیں کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الاعشیۃ اوضحہا جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو اس جہاں کی یہ زندگی اتنی جلدی ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ وہاں آدھے دن رہے تھے۔ صبح یا شام۔ بدحواسی سے پورے طور پر یہ بھی معلوم نہ رہے گا کہ کب تک رہے تھے۔ اول دن یا پچھلے دن۔ دنیا کی عافیت کا خیال آوے گا تو صبح سے دوپہر تک رہنا خیال کریں گے کس لیے کہ یہ فرحت کا وقت ہوتا ہے اور جو تکالیف کا خیال آوے گا تو اخیر دن کا رہنا ڈھلتی پھرتی چھاؤں سامیان کریں گے۔

سورہ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیات ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ اِنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا يُدْرِیْكَ لَعَلَّہٗ یُزَكَّی ۝ اَوْ یَذَّکَّرُ ۝ فَتَنْفَعُہُ الذِّکْرُ ۝ اَمَّا مِنْ اَسْتَعْنٰی ۝ فَانْتَ لَهُ تَصَدّٰی ۝ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یُزَكَّی ۝ وَاَمَّا مَنْ جَاءَکَ یَسْعٰ ۝ وَهُوَ یَخْشٰی ۝ فَانْتَ عَنْہٗ تَلْهٰی ۝ کَلَّا اِنَّہَا تَذِکْرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاءَ ذَکِّرْہٗ ۝ فِیْ صُحُفٍ مُّکْرَمَۃٍ ۝ قُرْۡوٰنَہٗ مُطَهَّرَۃٍ ۝ ۱۳
بِاٰیٰتِیْ سَفَرَتِہٖ ۝ کَرِہِمۡ بَرَقَۃٍ ۝ ۱۴

تذکرہ

(محمد ﷺ) اتنی بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا ترش رو ہو گئے اور منہ موڑ لیا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سدھری جاتا یا نصیحت کی باتیں یا ذکر تاپا وہ سوچتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی لیکن وہ جو پروا بھی نہیں کرتا سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام بھی نہیں لیکن وہ جو آپ کے پاس ڈر کر دوڑتا ہوا آئے اور دوڑ رہا ہے سو اس سے آپ بے پروائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرو۔ یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اس کو یاد کرے۔ یہ (قرآن) مکرم بلند مرتبہ مقدس صحیفوں میں نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔

ترکیب ! ان جاء اى لان جاء مفعول لاجله والعاس فيه اما عبس وتولى على الاختلاف بين المصربين والكونيين في التنازع والاختار مذہب

۱۔ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کفار کو سمجھا رہے تھے اور ان کے بے جا سوالات اور کم بختیوں سے طول ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک اندھا جس کا نام عبداللہ بن ام مکتومؓ تھا آیا اور آپ سے قرآن سننے کی التجا کی۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف ملامت نہ ہوئے اور اشراف قریش ہی کی طرف مخاطب رہے اور اس کے بار بار سوال کرنے سے چپیں بچیں ہوئے جس پر یہ سورہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ پر قدرے تہدید ہے کہ ہمارے نزدیک طالب صادق مرغوب سے دولت مند اور مفلس کا کچھ لحاظ نہیں۔ آپ نے طالب صادق سے اعراض کیا اور منہ بنایا۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ اندھا سدھر جاتا اور اس کا تقریبات میں مرتبہ بالا ہو جاوے اور دین کے بڑے بڑے ہادیوں میں سے ہو جاوے گا۔ گو بظاہر اندھا ہے مگر قلبی درویشی استعداد میں ممکن ہے کہ ہزار آنکھ والوں سے بڑھ کر ہو جس سے وہ خود بھی درست ہو جاوے اور درست ہو کر اوڑن کی بھی اصلاح و تربیت کرنے لگے۔ ۱۲۔

المصر بین لعدم لاضمار فی الثانی۔ اویذ کر عطف علی یذ کمی داخل فی حکم الترجمی معہ فتغذقر آنجمحور بر رف المضارع عطفا علی یذ کر وقری بالنصب علی جواب التمی فی المعنی تصدی التصدی الاصغاء وقیل هو تفعیل من الصدی وهو الصوت ای لا یناد یک الاحیۃ ویجوز ان یکون الالف بدل من وال ویکون من الصد وهو الناحیۃ والجنب۔ قرآنجمحور بالتخفیف علی طرح احد التائیں تخفیفاً وقرآن فاع واین حیض بالتشدید علی الادغام وما علیک الخ ای لیس علیک باس فی ان الایترکی والجملة فی محل النصب علی الحال من الضمیر فی تصدی یسعی حال من فاعل جاء وهو یخشی حال من فاعل یسعی علی التداخل اومن فاعل جملہ ک علی تر اوف تلھی والتلھی التفاعل یقال لصیت من الامر تلھی ای تشاغلت عنہ وکذا تلھیصت ولس من المصو۔ انھا الضمیر الی الموسیط والضمیر فی ذکرہ للقرآن فی صحف حال من الهاء وقیل الجار والجر ورنعت لتذکرۃ ما ینہا اعتراض وکذک بلیدی الخ وقیل فی صحف خبر تان لھا و ما ینہا اعتراض والاول تذکرۃ سفرۃ جمع سافر من السفارۃ وهو السعی بین القوم اومن الکتابۃ قال الزجاج یقال للکاتب سفر بکسر السین وسافر لانه یسفر ای یکتب والاصل ان معناه الاظهار یقال اسفر الصبح اذا اضاء و یقال اسفرت المرأة اذا کشف العتاب عن وجهها فی السفارۃ والکتابۃ یوجد ذلک المعنی ولذا یطلق علیہما جمع حار

تفسیر ۱۔ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیالیس آیات ایک سو تین ہلمات پانچ سو پینتیس (۵۳۵) حرف ہیں اور اس سورۃ کا نام سورہ عبس اس لیے ہے کہ اس کے نزول کا باعث عبوس یعنی ترش روئی تھی۔

جملہ اولی لعلہ یذ کمی میں خود اس کی درستی اور صلاحیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ اویذ کر فتغذقر الذکر میں اس کی ترقی اور مرتبہ ارشاد و تکمیل تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ یذ کر تذکرہ سے ہے اور یہ لفظ قرآن میں دوسروں کے سمجھانے کے معنی میں اکثر وارد ہوا ہے۔ پھر جب وہ اس مرتبہ میں پہنچ جاوے گا تو اے محمد (ﷺ) تیری فصیحت و رافع اس کو پہنچے گا۔ چونکہ اس کی استعداد کا پورا حال کہ کمال ہی کے مرتبہ تک ہے یا تکمیل کے مرتبہ تک آنحضرت ﷺ وصحابہ کو معلوم نہ تھی بات معلوم تھی کہ یہ ہونہار ہے۔ اس لیے لفظ او ان دونوں جملوں کو ذکر فرمایا جو مانعہ اخلو رہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف پھرتی ہے نہ اُمّی کی طرف تب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محمد (ﷺ) تجھے کیا معلوم کہ وہ کافر (کہ جس کے سمجھانے کے لیے آپ اس قدر دوسری اور عرق ریزی کر رہے ہیں اور اس کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس اندھے کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے بلکہ اس کے درمیانی سوال سے ترش رو ہوتے ہیں) سمجھ ہی جاوے گا۔ اس کی خواہش کفر اس سے دور ہو جاوے گی یا وہ سمجھا جاوے گا اور اس کو تیری فصیحت سے نفع پہنچے گا؟ پھر جب یہ معلوم نہیں تو اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس اندھے غریب سے کہ جس میں استعداد ہے بے اعتنائی کرنا کیا! اس لیے فرماتا ہے امانن استغنی فانت له تصدی یہ کہ جو تیرے ارشاد و ہدایت سے بے پروائی کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے عقائد کو فاسدہ اور خیالات باطلہ اور حیات دنیا اور اس کے عیش و نشاط کو بہتر جانتا ہے۔ آپ اس کے درپے ہو رہے ہیں، کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ اس کی بے پروائی اس کو اس دریاے ضلالت میں غرق کر دے گی۔ اس کا پہلے تذکرہ کرنا چاہیے اور جو شوقین ہے اس کا شوق ضرور اس کو اس درطہ ضلالت سے بچالے گا۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ مریض کی حالت موجودہ کو دیکھ کر سخت بیمار کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ کس لیے کہ رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہی تھا اور حق سبحانہ عواقب امور کو دیکھتا تھا کہ جو مریض قابل علاج اور اس میں شفا پانے کی صلاحیت ہے۔ آپ اس کو چھوڑ کر اس لا علاج مریض کی طرف کیوں اس قدر متوجہ

۱۔ یہ اس تقدیر پر کہ یذ کر بصد مجہول پڑھا جاوے جیسا کہ بعض کی قرأت ہے۔ ۱۲۔ منہ

۲۔ تصدی کان رکھنا آواز جو خالی مکانوں اور خشک گڑیوں سے سنی جاوے۔ پیاس بہر حال کوشش وسی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اسی لیے محروں کو

تصدی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں کوشش وہوشیار کر رہے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

ہوتے ہیں۔ اگر وہ مر جاوے تو مر جائے آپ کا ذمہ نہیں۔ اسی مضمون کو اس جملہ میں ادا فرمایا ہے وما علیکھ الایز کی اور تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ اگر وہ کافر بے پروا درست اور پاک نہ ہو جائے کس لیے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے۔ اب سدھرنا یا نہ سدھرنا استعداد اذلی پر موقوف ہے اور تبلیغ کا مستحق یہ متکبر بے پروا منہ پھیرنے والا نہیں بلکہ واما من جاءک یسعی الخ وہ جوشوق میں تیرے پاس دوڑتا آوے اور خدا ترس بھی ہو جیسا کہ ابن ام مکتوم آپ کو ان سے متوجہ ہونا چاہیے مگر آپ کی رحمدلی اور شفقت اس کے برخلاف اس دوسرے گمراہ کی طرف متوجہ ہے جو جہنم کے کنارہ کھڑا آپ کو دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے آپ اس شوقین سے التفات نہیں کرتے فانت عنہ تلھی بلکہ اس سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ کلا ہرگز ایسا نہ کرو کیونکہ حکمت الہی کا مقتضی یہ نہیں کس لیے کہ انہا تذکرہ آیات تذکرہ ہیں یعنی خدا کے نام اور صفات و افعال و احکام اور اس کی جزاء و سزا اور محبت و معرفت و خوف و رجاء کو یاد دلاتی ہے اور خدا سے ملانے کا راستہ بتاتی ہے۔ سو یہاں خود طالب کی رغبت و ارادت درکار ہے۔ یہاں یہ چالوسی اور التجا اور سر ہونا مفید نہیں۔ من شاء ذکرہ جو چاہے اپنی رغبت اور شوق سے اس قرآن کو یاد کرے۔ قرآن مجید کلام الہی ہے۔ اس میں اس کی ذات و صفات و تہذیب نفس کے متعلق بہت کچھ ہے اور بالخصوص اس میں ایک تاثیر ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والے پر ایک تجلی ہوتی ہے جس سے روح میں نورانیت اور بہیمیت کو شکستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ القرآن حمل اللہ المتین کہ قرآن بندہ کے لیے خدا کی طرف سے ایک مضبوط رس ہے جس نے اس کو پکڑ لیا بام سعادۃ پر چڑھ گیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تجلی اللہ لعبادہ فی کلامہ و لکھم لایبصر و ان کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بندوں کے لیے تجلی ہوتا ہے لیکن بندے دیکھتے نہیں۔

اوصاف قرآن ! اب قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان فرماتا ہے اور ضما کفار قریش پر تعریض بھی کرتا ہے جو نجاست کفر فسق و جب شہوات میں آلودہ تھے اور ان کو قرآن عظیم کی طرف التفات نہ تھا اور وہ تعریض یہ ہے کہ یہ قرآن ایسے پاک ہاتھوں کا لکھا ہوا بلند شان و اوراق میں ہے کہ ناپاک اور دنی لوگ اگر اس سے تنفر کریں اور اس کی خوبیوں سے ان کی آنکھیں اندھی رہیں اور ان کے ناپاک ہاتھ اس کو تلاوت کرنے میں مس نہ کریں تو کچھ تعجب نہیں۔ اس لیے اے پیغمبر آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ ظاہر کا اندھا روشن دل ہے وہی اس کا مستحق ہے اور وہ اوصاف یہ ہیں۔ اول: فی صحف مکرمة مرفوعة کہ قرآن مجید گرامی قدر بلند شان محیفوں میں ہے یعنی اوراق میں۔ اس سے بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ کتب سابقہ میں جو معزز اور بلند مرتبہ ہیں قرآن مجید کے مطالب عالیہ موجود ہیں یا ان میں اس کا ذکر خیر ہے جیسا کہ فرمایا ان هذا لغی الصحف الاولی صحف ابراہیم و موسیٰ اور ایک جگہ یہ آیا ہے وانه لغی زبر الاولین اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ صحف مکرمة مرفوعة سے مراد وہ الواح نورانیہ ہیں جو آسمان ہفتم میں ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً قرآن مجید تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا۔ مرفوعة کے معنی بلندی سو وہ بلند بھی ہیں اور رفیع القدر بھی ہیں اور مطہرہ پاک بھی ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بعض کہتے ہیں صحف مکرمة ایمانداروں کے قلوب میں ہیں جن میں قرآن مجید بطور حفظ کے مکتوب و منقوش ہے نہ تحریف کو گنجائش ہے نہ کسی آفت کو رسائی ہے اور وہ دل خدا کے نزدیک مکرم و معظم ہیں اور پاک بھی ہیں۔ نجاست کفر و شرک و تلویثات حبہ شہوات ان تک چھو بھی نہیں گئی ہے۔

دوم: ہایدی سفرۃ کرامہ برقعہ قرآن ناپاک اور خیانت آمیز ہاتھوں سے نہیں لکھا گیا بلکہ کاتبوں کے ہاتھ سے جو کرام یعنی بزرگ اور مقدس اور برہ نیک ہیں یا تو اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ اگر صحف مکرمة سے مراد الواح نورانیہ ہیں یا دنیا کے نیک اور باخدا لوگ جو قرآن کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا کرتے تھے نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے کم وزیاہ کرتے تھے نہ کسی غرض سے اس میں ہیر پھیر کرتے تھے۔ خیانت اور خود غرضی ان کے پاس نہ پھلکی تھی۔

یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن سے قرآن مجید جمع کتب پر فوقیت رکھتا ہے اور انہیں کے سبب آج تک اسی اصلی چمک دمک سے بڑی ہے۔ اس میں کوئی گرد و غبار پیدا نہیں ہوا نہ ہوگا۔ برخلاف اور کتابوں کے کہ ان میں ذلیل اور ناپاک اور ناخدا ترس ہاتھ بھی لگے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس کی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ وہی ہے جیسی کہ تھی تو ریت وانا جیل و زبور میں جو کچھ تعزات ہوئے ان کا کوئی منصف مزاج اہل کتاب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ رہی زند و استا اور دساتیر پارسیوں کی آسانی کتاب اور ہندوؤں کی کتاب چاروں وید۔ وہاں تو یہ بھی تحقیق نہیں کہ کس مصنف کی تصنیف ہیں اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے ماں باپ کا کیا نام تھا۔ کیا عمر تھی۔ کیا کیا کرتے تھے اور بعدہ کس نے ان سے لیا اور کس طرح محفوظ رکھا۔ ان اوصاف قرآنیہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب نفیس کاغذوں پر مطا حروف میں لکھے جانے اور عمدہ صندوقوں اور بلند طاقتوں میں رکھے جانے سے معزز و محترم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں یہ خوبیاں نہ ہوں۔

قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ ۖ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۖ مِنْ تُطْفَةِ خَلْقِهِ
فَقَدَرَهُ ۖ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ۖ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۖ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ۖ
كَلَّا لَنَا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۖ

انسان غارت ہو جائے، کیسا نا شکر ہے۔ اس کو کس چیز سے بنایا ایک بوند سے۔ اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ کیا۔ پھر اس کے لیے راہ آسان کر دی۔ پھر اس کو موت دی۔ پھر اس کو قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا اس کو الٹا کھڑا کرے گا جس چیز کا اس کو حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا ہی نہیں کیا۔

ترکیب | قتل الانسان الجملۃ فی الظاهر خبر فی المعنی انشاء وھی دعاء علیہ وھی من اشیع دعوات العرب لان القتل اشد مصائب الدنیا۔ والدعاء علی الانسان یلین بالاجزاء واللہ سبحانہ قادر فوجہ انما اور دہ علی اسلوب کلام العرب ومجاور اتم ما کفر صیغۃ العجب۔ والجملة انشائیہ انما اور دہ علی محاورہم من ای شی خلقہ استقام والفرض زیادۃ التقریر فی التثخیر ومن تعلق خلق من نطفۃ جواب الاستقام والوقوف علیہ جید من تعلق خلق خلقۃ الخ کلام مبتداء لبيان خلق الانسان السبیل منصوب بفعل مضمر یدل علیہ المذکور ای یسر السبیل یسرہ کلا۔ روع وزجر لانا انسان الکافر عما هو علیہ من الکبر والاصرار علی الکفر۔ لما بمعنی لم وفاعل مقض عندا کجھو رھو الانسان وقیل اللہ تعالیٰ وفاعل امر بالا اتفاق هو اللہ جل ذکرہ۔ تفسیر | کفار قریش کے بڑے بڑے متکبر و مغرور آنحضرت کی محفل میں حاضر تھے جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تھے اور اسی وجہ سے آنحضرت رضی اللہ عنہ کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا سوال ان کے اثناء وعظ میں برا معلوم ہوا تھا کہ اس غریب کی طرف متوجہ ہونے میں ان متکبروں کو برا معلوم ہوگا اور اسی لیے یہ ہدایت پانے سے محروم رہ جاویں گے۔ سو اس بات پر اول تو حق سبحانہ نے آنحضرت رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی ایسے طالب صادق اور غریب آدمی کی خاطر غصہ نہ چاہیے تھی اور اب ان متکبروں کے مایہ غرور کو باطل کرتا ہے۔ فقال قتل الانسان ما کفرہ کہ مارا جائے انسان کیا ہی نا شکر ہے۔ ہم نے تندرستی دولت مال واولاد اس لیے عطا کیا تھا کہ اس کا شکر یہ ادا کرے اور ہماری طرف متوجہ ہو اور اس کو ہمارا عطیہ سمجھے نہ کہ اور غرور میں آکر ہمارے سامنے سرکشی کرے۔ میرے فرستادوں کا کہنا نہ مانے غریب، مفلس، خدا پرستوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے یہاں تک کہ ان کے ساتھ محتاج خیر وعظ و بند و عبادت میں بھی شریک ہونا عار جانے۔

آج کل یورپین عیسائی دیندار عبادت گاہوں میں بھی دیسی لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے تکبر سے شریک ہونا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ساتھ کھانا اور بیٹھنا۔ یہ دعوئے دینداری اور یہ غرور اس سے موجود مذہب عیسوی کے پیروں کا انداز ہو سکتا ہے کہ اب کہاں تک ان میں مذہب عیسوی کا اثر تاں باقی ہے اور یہی حال رحمہ لغت پر ہیزار ی پابندی عہد اوائے حقوق مسائلی کا ہے۔ خوشبو چلی گئی اس کا دھبہ باقی ہے۔ ۱۲۰

فائدہ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان سے مراد خاص اشخاص ہیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ عموماً کفار مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں ان میں سے خاص عتبہ بن ابی لہب مراد ہے جو بڑا متکبر تھا اور گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے ہے مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ کسی کی خصوصیت نہیں۔ نہ کوئی دولت مند متکبر ہو۔

فائدہ۔ خدائے پاک بد دعا خاص محاورہ عرب اور ان کے اسلوب کلام کے لحاظ سے کرتا ہے ورنہ وہ خود غارت کر سکتا ہے اور یہی حالی تعجب کا ہے۔ وہ خود جانتا ہے مگر یہ بھی اور اسی قسم کے جمیع الفاظ و جملے محاورہ کے لحاظ پر ہیں۔ کس لیے کہ جس زبان میں کلام کیا جاتا ہے۔ اس کے محاورات استعمال میں لانا فصاحت و بلاغت ہے۔ اس کے بعد انسان کا تکبر باطل کرنے کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے کہ من ای شنی خلقه کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ پھر آپ ہی جواب دیتا ہے من نطفۃ کہ ایک بوند عسی منی کے ناپاک قطرہ سے۔ یہ حضرت کی اصل ہے جو بدن پر یا کپڑے پر لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہ ہو۔ پھر اس پر یہ غور یہ فوں فوں کہ بچوسن دیگرے نیست۔ پھر اس قطرہ میں کیا کاریگری کر کے انسان کو بنایا۔ خلقه فقدرہ اس منی کے قطرہ سے انسان کی آفرینش کی۔ اس میں سے اعضاء بدن مناسب بنائے جان ڈالی رحم میں حیض مادر سے جو وہ بھی بے حس چیز ہے غذا پہنچائی۔ اے واہ آفرینش ایسی چیز سے کہ پیشاب کی راہ سے نکلی اور دوسری پیشاب گاہ کے رستہ سے رحم میں گئی۔ یہ ہے حضرت انسان کے وجود دنیاوی کی اصل جس پر یہ غور ہے۔ پھر پیدا کر کے یوں ہی بیکار ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ فقدرہ اس کا اندازہ کیا عمر کا اندازہ رزق کا اندازہ جو کچھ دنیا میں نیک و بد کام کرے گا سب کا اندازہ کیا۔ رحم میں رہنے کا اندازہ کیا۔ فائدہ۔ تعقیب بیان کے لیے ہے نہ کہ تعقیب تقدیر کے لیے کس لیے کہ جب پیدا کیا تھا جب ہی بلکہ اس کے پہلے ہی اس کی سب باتوں کا اندازہ علم ازلی میں چکا تھا۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عز و جل ہر ایک بندے کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکتا ہے۔ اس کی اجل اور اس کے عمل (خیر و شر) اور اس کے سکون و قرار اور اس کی حرکت و اضطراب اور اس کے رزق سے یعنی یہ سب باتیں پہلے ہی سے اندازہ ہو چکتی ہیں۔ (رواہ احمد) یہاں تک کہ انسان جو پیدا ہو کر بڑھتا ہے خواہ جسم میں ترقی کرے جیسا کہ لڑکا یا علوم و معارف میں ترقی کرے یا کسب اموال میں سب کچھ پہلے ہی سے مقدر ہو چکتا ہے۔ جسمانی حرکت میں کیا ممکن ہے کہ لڑکی لڑکے کے رستہ کو طے کرے جہاں جہاں بال برآمد ہونے قضاء و قدر نے مقرر کر دیے ہیں وہیں سے برآمد ہوتے ہیں۔ پھر اعضاء جسم کی بالیدگی میں ذرا بھی تناسب میں فرق نہیں ہونے پاتا۔ کیا ممکن ہے کہ تو اے نامیہ ناک کو ٹانگ کے برابر بڑھا دیں۔ یہ اندازہ ماں کے پیٹ میں رہنے سے پہلے ہو چکتا ہے۔ پھر جب اپنی عمر طبعی کا ایک زمانہ اس تنگ و تاریک مکان میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آئندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قضاء و قدر اس کو اس تنگ رستہ سے باہر لاتی ہے۔ ثم السبیل یسنوہ اور اس تنگ رستہ کو اس پر بہل کر دیتی ہے۔ نو مہینے کے پورے پانچھ۔ بچے کو خیال کرو اور عورت کے اندام نہانی کو خیال کرو کہ کیسا تنگ رستہ ہوتا ہے مگر پھر کس حکمت سے باہر نکالتے ہیں۔ اول تو اندام نہانی میں نرمی اور قدرے وسعت و رطوبات کے ذریعہ سے کر دیتے ہیں۔ پھر بچہ بوقت ولادت ملہم غیبی کے کہنے سے پہلے سر باہر نکالتا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہوتا بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اختیار قضاء و قدر ثابت کرنے کے لیے کبھی ایسا بھی کر دکھاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد بالخصوص عضو مخصوص ہی نہیں بلکہ عام ہے اس کو بھی شامل اور پیدا ہونے کے بعد اور سب رستوں کو شامل چنانچہ پیدا ہوتے ہی اس کو ماں کی پستانوں سے دودھ پینے کا رستہ آسان کر دیتے ہیں ہاتھ سے پستان پکڑ کے چوستا ہے اور بھوک کا اظہار اپنے رونے سے کرتا ہے اور منہ میں پستان کو کس انداز سے دباتا ہے کہ دودھ نکل آوے پھر اس کے اور غذاؤں کا رستہ آسان ہوتا ہے کہ دانت برآمد کر دیتے ہیں جس سے روٹی ٹکڑا کھانا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو معاش کے رستے آسان کر دیتے ہیں۔ حرفت، صنعت، زراعت، تجارت میں کسی کسی ایجادیں کرتا ہے۔ اسی طرح تندرستی، بیماری، سفر و حضر، مقابلہ اعداء بنائے مکان و دیگر اسباب

آسائش کے طریقے اس کے لیے تازیت آسان کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ بری سفر کی آسانی کے لیے ریل اور بحری کے لیے دخانی جہاز بنادیے یعنی ان کے بنانے کے علوم اس کے دل میں القاء کئے۔ الغرض اس کے ہر ایک کمال تک پہنچنے کے رستے آسان کئے۔ خیر و شرف و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل عطا کی یہاں تک کہ راہ آخرت کو اور راہ وصول الی اللہ کو بھی (کتابیں اور انبیاء علیہم السلام بھیج کر اور مرشدوں اور ہادیوں کو قائم کر کے) آسان کر دیا اور اسی طرح شقاوت کے رستے بھی بد نصیبوں کے لیے آسان کر دیے۔ کسی نے شراب ایجاد کی، کسی نے اشعار اور مزامیر سے قوائے شہوانیہ کو حرکت دی۔ فواحش کے گلے میں بدکاری کا طوق ڈالا۔ دینیات سے غفلت کے پردے ڈائے نادیدہ امور آخرت پر توہمات کے پتھر برسائے۔ شبہات کے عمیق گڑھوں میں گرے۔ یہ سب رستے شقاوت کے ہیں۔ ان کو بھی قضاء و قدر نے آسان کر دیا۔ زاتی کو جس طرح عورت فاحشہ کا ملنا آسان کر دیا۔ اسی طرح باخدا کورات میں جاگنا اور تہجد پڑھنا آسان کر دیا۔ بخیل کو پیٹ پر پتھر باندھ کر مال و زر جمع کرنا آسان کیا تو خجی کے لیے صرف کرنا نامرد کو بھانگنا تو شجاع کو میدان جنگ میں کود پڑنا۔ پارسا کو پارسانی تو فاحشہ کو بے حیائی۔ یہ تمامی حیات دنیا کا مختصر سا نقشہ اس مختصر جملہ میں ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے عالم کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اعلم انہ۔ پھر اس انسان کو موت دی۔ جیسا پیدا ہونا بے اختیاری تھا ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے۔ لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعیف و پیری و مرض وغیرہ اسباب کو آنے نہ دے یا آئے ہوؤں کو دفع کر دے ہرگز نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم و دانش مند آئے، کلیں ایجاد کیں کہربائی قوتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے علوم ایجاد کئے مگر موت دفع نہ کر سکے۔ یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور یہ موت دوسرے جہان میں پہنچانے کا دروازہ ہے تاکہ جو کچھ اس دنیا کے کھیت میں اس نے بویا تھا اس کو کالنے اور جو کچھ ان کمالات کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی تھی۔ ان کا ثمرہ پاوے اور جو کچھ برے کام کئے تھے تن پروری و شہوت پرستی میں عمر گرا نمانیہ برباد کی تھی۔ اب دیکھئے اس کا وہ محبوب جسم اور وہ لذائذ جسمانیہ کس طرح سے اس سے چھوٹنے ہیں اور پھر وہاں اس فعل بد کا کیا برا نتیجہ پاتا ہے۔ درحقیقت موت بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر مدتوں جئے تو پھر زیست کی تلخی بھی ایسی دیکھے کہ الہی توبہ! چہ جائیکہ کبھی نہ مرے اور نیز پہلوں کی وراثت پچھلوں کو نہ پہنچے۔ آئندہ آنے والوں کے لیے دنیا تنگ ہو جاوے اور بالخصوص اہل سعادت کے لیے تو موت بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ یہی دنیا کی کشاکش اور مشقتِ عمل سے ان کو رہائی دیتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ موت کے آرزو مند رہا کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے لیے سخت قید خانہ ہے۔

چند برسوں رہ کر اس عالم جاودانی کو دیکھنے والوں یا یقین کرنے والوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ دل بھر جاتا ہے۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی

کنی مانند طفلان خاکبازی

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لیے باہر آتا ہے اسی طرح اس منزل تک و تار یک سے بڑی ترقی کرنے کے لیے جاتا ہے۔ یہ موت وہاں کی ولادت ہے۔ پھر اس کو موت دے کر نیست و نابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فاقہ پر کاس کو قبر میں داخل کرتے ہیں۔ قبر کی کیفیت: قبر شرع میں عالم برزخی کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جاوے یا آگ میں جل جاوے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے۔ بہر حال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے۔ وہاں اس کو ثواب و عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے۔ تناخ کے طور پر اور کسی طرح سے پھر کر اس جہان میں نہیں آتا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر بارگراں میں نہیں جاتا۔ عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔ یہ بھی بندے کے لیے نعمت ہے جس کی تعلیم قاتیل کے عہد میں ہوئی۔ اس سے پہلے جانوروں کی طرح لاش پڑی سڑا کرتی تھی۔ کتے گیدڑ چیل کو لے کھایا کرتے تھے۔ مرنے والے کی

کمال بے حرمتی ہوتی تھی اور نفرت ہوتی تھی اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ امراض پھیلتے تھے۔ لوگ گھن کھاتے تھے۔ پھر جب اس کو دفن دیا تو یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پردہ ڈھک گیا۔ یہ تعلیم بھی ایک انعام الہی ہے جس کے لیے فائدہ کے جملے میں یاد دلایا۔

پاری یعنی مجوسی تو اب تک اپنے مردوں کی لاش کو اسی جاہلانہ دستور کے موافق یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرتے ہیں کہ ان لاشوں کے لیے ایک مکان بنا رکھتے ہیں۔ کنوئیں کی طرح کا اور اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اور لاش کو دھر کر وہاں چلے آتے ہیں۔ گدھ اور چیل کو اسے اس کو کھاتے ہیں اور اس مکان کو یہ دغہ کہتے ہیں اور اکثر ہنود آگ میں جلا دیتے ہیں۔ باقی اور تمام اقوام مسلمان عیسائی یہودی و دیگر اقوام خاک میں دباتے ہیں۔

جلانا اچھا نہیں دفنانا بہتر ہے ! ہنود کہتے ہیں دفنانے سے جلانا بہتر ہے۔ اول یوں کہ آگ پاک کر دیتی ہے اور زمین کو ناپاک کرنا وہاں مردے کو سڑانا بے جا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آگ پاک نہیں کرتی بلکہ فنا کرتی ہے اور جلانے میں مردے کی لاش کی بڑی بے حرمتی ہے۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دور دور بد بو پھیلتی ہے اور پھر راکھ پاؤں میں روندی جاتی ہے۔ اڑتی پھرتی ہے۔ ناپاک چیزوں پر بھی اڑ کر جاتی ہے اور پھر مردے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ نہ دوستوں عزیزوں کو اس کی یادگار دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کا موقع رہتا ہے نہ مجبوں کو قبر دیکھ کر دل ٹھنڈا کرنے کی جگہ رہتی ہے اور اسی لیے قبر میں دفنائی ہوئی میت کو اپنی لاش سے ایک روحانی تعلق باقی رہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی قبروں سے برکات و فیوض مشاہدہ ہوتے ہیں۔ برخلاف جلا دینے کے کہ جسم سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دھوئیں اور آگ سے ارواح کو آمیزش ہو کر شیاطین و جنات سے مشابہت ہو جاتی ہے اور دفنانے میں اور بھی مصالح ہیں۔ اول یہ کہ انسان کا مادہ خاک ہو تو اس کو اس کی اصل خاک ہی طرف پھیر لانا چاہیے جیسا کہ فرمایا منھا خلقنا کم و فیھا نعید کم و منھا نخرجکم تارۃ اخری۔ یہ آگ سے نہیں بننا تھا کہ اس کو آگ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ دوم اس دفنانے میں انسان کے فطرتی سفر اور اس کے منازل اور ان کی مشابہت کو باقی اور برقرار رکھنا ہے۔ برخلاف جلا دینے کے کیونکہ ماں کا پیٹ اس کی ایک منزل تھی جس کے بعد وہ اس عالم میں آیا ہے۔ اب یہاں کا سفر تمام کرنے کے بعد جب قبر میں دفنایا تو گویا دوسرے جہان کی رستخیز کے لیے ایک اور نئے حمل میں آیا۔ اس جہاں کی سوچاس برس کی عمر کے لیے حمل مادری نو مبینہ کو کافی تھا مگر اس جہان کی زندگی ابدی ہے۔ اس کے لیے حمل بھی ایسا ہی طویل و دراز مدت ہونا چاہیے۔ پس نفع صور ایک دروازہ ہے جس کے بعد حمل قبری سے لوگ پیدا ہو کر ایک ابدی جہاں میں آویں گے اور اسی لیے اس حمل قبری کے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں جو حیات دنیا اور حیات آخرت کے درمیان ہے اور اسی لیے کبھی اس کو خواب سے اور قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قبر کو مرقد کہتے ہیں۔ سوم جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گویا حق سبحانہ اپنی ایک امانت و دیعت رکھتا ہے۔ پھر جس طرح اس کو پالا پرورش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نکلنے کے بعد اس کو دفنانا اور زمین کے سپرد کرنا گویا امانت کو مالک کے حوالے کر دینا ہے اور امانات و خزانے کے لیے زمین ہی موزوں ہے نہ آگ۔ انہیں معافی کو خیال کر کے ایک شاعر کہتا ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے نسیم

تو نے یہ گنجمائے گرانمایہ کیا کئے

چہارم اپنے دوست یا بزرگ کی لاش کو آپ دیکتی آگ میں جلانا اور لاشیوں سے اس کی ہڈیوں کو چورا چورا کرنا علاوہ بے ادبی کے انسانی رحم دلی و مروت و محبت کے بھی برخلاف ہے۔ برخلاف اس کے باعث و شان اس کو ایک شائستہ طور پر زمین میں دفن کرنا گویا اس کو ایک مکان یا تہ خانے میں پہنچانا ہے۔ پنجم دفنانے میں بسا اوقات بہت سی جانیں جو حکماء کے اشتباہ سے مردہ سمجھ کر دفن کر دی گئیں کسی وجہ سے جلد قبر کھل جاتے پر زندہ نکل آئے اور پھر برسوں جئے۔ جلا دینے میں یہ احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے سوائے جو خالموں نے کسی کو

زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر یا قتل کر کے دفن کیا تھا۔ موقع پر مطلع ہو جانے کے بعد لاش سے ملاحظہ جرم بھی ممکن ہے مگر جلا دینے میں تو پورا پورا اختفاء واردات ہے جس میں ستمگاروں کو اپنی اس وحشیانہ حرکت پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔

پھر اس حمل قبر کے بعد جو ایک اور نئی زندگانی کی ولادت ہوگی اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ثم اذا شاء انشره کہ پھر جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس کی قبر سے زندہ کر کے کھڑا کر دے گا تاکہ اس جہان میں اس جہان کے اعمال خیر و شر کا پورا بدلہ پاوے۔ گویا یہاں آکر اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان اپنی منزل مقصود کو پہنچ گیا اور اب یہاں سے اس کو اور کہیں نہیں جانا۔ اسی لیے اس جہان کے کارآمد افعال و اعمال و عقائد تعلیم کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے کہ ان سے خبر پا کر وہاں کے لیے بڑی سرگرمی سے تیاری کریں لیکن کلاما یقض ما امرہ کہ بے شک انسان نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو حق سجانہ نے معرفت انبیاء علیہم السلام اسی کی بھلائی کے لیے حکم دیا تھا یا یوں کہو کہ انسان اس جہاں کی نعمتوں کو دیکھ کر جو اس کو بے سابقہ عمل عطا ہوئیں۔ یہ قیاس کرتا ہے کہ وہاں بھی بغیر عمل و ایمان یوں ہی نعمتیں ملیں گی۔ اس لیے اس کے جواب میں فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کس لیے کہ پہلے یہ مامور نہ تھا اب مامور ہوا۔ نیک و بد کی تمیز دی گئی۔ تعمیل احکام کی طاقت دی گئی۔ اس پر جو اس نے نافرمانی کی مضر چیزوں اور برے کاموں کو عمل میں لایا، عمدہ کو چھوڑا جن کا اثر اس کی روح پر پہنچا۔ ضرور سزا و جزا پاوے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں ہرگز نہیں اللہ نے کبھی وہ قضاء و قدر میں مقرر نہیں کیا ہے جو انسان اپنی خواہش سے اپنے لیے آپ تجویز کرتا ہے اور امر کرتا ہے کہ مجھے یوں ملے گا اور یہ پاؤں گا جیسا کہ ہنود و یہود عیسائی سن گھڑت باتیں بتایا کرتے ہیں۔ انسان کی ابتداء و انتہا کن مختصر الفاظ میں بیان فرمادی۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۚ أَكَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۚ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۚ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۚ وَعَبْنَا وَقَضَبًا ۚ وَزَيَّنَّا وَنَخْلًا ۚ وَحَدَّائِنَ عُلبًا ۚ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۚ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَئِنَّا لَكُمُّ ۚ

پھر آدمی اپنی خوش ہی کو دیکھے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں اناج اگایا اور انکور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گن کے باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چار پاؤں کے برسنے کے لیے۔

ترکیب | انا قرء الجہور بالکسر علی الاستیفاف والکوفیوں بالفتح علی انه بدل من طعامه الاشتمال لان نزول المطر سبب لحصول الطعام فهو کاشتمل علیہ او بتقدیر اللام ای لانه والمعنی فلینظر الانسان الی اننا صببنا الماء صبا وعبنا معطوف علی جبا وایات العب باعتبار شجرته وکذا قضبا فی قولان الاول انه الرطبة وھی الی اذ یبست سمیت بالقت واهل مکة یسمونها بالقضب واصل من القطع وذلک لانه یقضب مرة بعد اخرى وحدا قول ابن عباس حد و الحدائق هو قول البردانه العلف بعینه وبه قال الحسن البصری فی القضب فیضی اقتضاب بریدن واقتضاب الکلام ارتجاله وقضه ای قطعه قضب وقضه سمیت مقبضہ پست زار۔ قضیب شاخ درخت قضبان جمع و نرہ خرد غیر آں۔ تقضیب شاخ بریدن از درخت در بہار۔ قضابہ بالقضم شاخ ریزہائے بریدہ افتادہ صراح و نخل معطوف علیہ جمع نخلة وکذا حدائق جمع حدیقة وھی البستان غلبا جمع اغلب وغلباء کما یجمع امر وجرأ علی حدیقة غلباء ای غلیظة الشجر ملتقة و یقال رجل اغلب اذا کان عظیم الرقبة و یقال اسد اغلب لانه مصمت العنق وایا۔ الاب هو المرءی قال صاحب الکشاف لانه یوب ای یوم و قبل الاب الفاکهة الیابسة لانهاء ثوب للشیاء ای تعدمتا منصوب لانه مفعول له لانهما و قال الزجاج هو منصوب لانه مصدر موكد لقوله فانبثا لان انبات هذه الاشیاء امتاع للانسان والحيوان۔

تفسیر | قرآن مجید کی عادت ہے کہ کسی مقصد پر دلائل انفس کے بعد دلائل آفاق بیان فرمایا کرتا ہے تاکہ دل میں زیادہ اثر پیدا کرے۔ یہاں غرور انسان کا ابطال کیا تھا اور مقصود تراپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار تھا کہ جس میں کسی کو بھی شرکت نہیں جس سے رُشک و اثباتِ توحید ہویدا تھا اور اس مقصود کے اثبات سے یہ مطلوب تھا کہ وہی خدائے قادر و احد لا شریک انسان کو مرنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے اور اس کے اعمالِ نیک و بد کی جزاء و سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس مقصود کے اثبات کے لیے پہلے پہلے وہ دلائل بیان فرمائے تھے کہ جن کا خود انسان کی پیدائش اور اس کے حالات سے تعلق تھا۔ اب بیرونی دلائل بیان فرماتا ہے فقال فلینظر الانسان الی طعمه کواذمی اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا ہے؟ انا صبینا الماء صبا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ بادل اٹھا اور بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ پانی برسایا۔ بادلوں کا پیدا کرنا اور پھر ان میں سے پانی برسوانا کیا اے بنی آدم! تمہارے کسی علم و حکمت کا اثر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ثم شققنا الارض شقا۔ پھر ہم نے حکمتِ بالغہ سے زمین کو پھاڑا کہ اس میں سے سہولت سے گھاس اور جڑی بوٹیاں برآمد ہوتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا وجود آسانی پانی سے ہے۔ وہ بمنزلہ نطفہ انسانی کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم کے ہے اور یہ نباتات بمنزلہ مولود کے ہیں۔ پھر زمین کو پھاڑ کر فائیتنا فیہا حبا ہم نے اس زمین میں سے اناج نکال یعنی جن سے دانہ پیدا ہوتا ہے جیسا گیہوں چنا جوار باجرہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ وعنبہ انگور بھی اگائے یعنی اس کی نیل بھی اگائی۔ انگور میں غذا بخت بھی ہے کہ صرف اسی کو کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے اور میوہ پن بھی ہے اور پھر انگور سے سینکڑوں کارآمد چیزیں بنتی ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ وقضیہ یعنی جن کو بغیر پکانے کے یوں بھی توڑ توڑ کر کھا جاتے ہیں جیسا مولیٰ، گاجر، شلغم، پیاز، کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ و زیتون یعنی زیتون بھی پیدا کیا کہ جس کا تیل بہت سے کام آتا ہے اور اس کی ککڑی سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ایسے بھی میوے پیدا کئے جو مہینوں رہ سکیں اور دور دراز ملکوں تک جا سکیں اور جن کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے یعنی و فخلا کھجور یہ بھی بہت کام آتی ہے۔ اس کا بھی کھانے کے سوا عمدہ سرکہ اور شراب بنتی ہے اور سال بھر تک اس کو رکھ کر کھا سکتے ہیں۔ اس کی مٹھائی عمدہ عمدہ کھانوں میں پڑتی ہے اور پھر بس نہیں بلکہ وحدائق باغ پیدا کئے جن میں طرح طرح کے پھل اور پھول اور کارآمد میوے ہوتے ہیں اور باغ بھی کیسے؟ غلباء گھن کے کہ جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور پیدا ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے موٹے درخت پیدا کئے کہ میوے دینے کے علاوہ ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے۔ گاڑیاں بنتی ہیں۔ صندوق بنتے ہیں اور پلنگ اور کرسیاں اور کیا کیا آرائش و راحت کے سامان تیار ہوتے ہیں اور باغ کے سوا وفا کھنہ اور بھی صحرائی میوے پیدا کئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے خود رو درخت میوے دار ہیں اور کیسے کیسے عمدہ پیڑ اور جھاڑ ہیں۔ صحرائی شریفہ اور کیلا اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اور ان کے سوا عدا بہا خود رو گھاس اور چارہ بھی پیدا کیا۔

یہ سب چیزیں کس لیے پیدا کیں متاعا لکم تمہارے فائدے اٹھانے کو ولا نعامکم اور تمہارے چار پاؤں گائے بیل بھیڑ بکری، بھینس گھوڑے اونٹ کے لیے کہ وہ جانور ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ کسی کا دودھ پیو بچے کو کسی کے بالوں کو کام میں لاؤ۔ عمدہ عمدہ شالیں اور دو شالے بناؤ اور کسی کو فریہ کر کے اس کا گوشت کھاؤ اور کسی پر سواری کرو اور کسی پر بوجھ لا دو۔

اب ہر ایک بات کو غور کرو تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں بن گیا ہے جیسا کہ دہریہ اور طبیبیہ کہتے ہیں۔ ضرور تمہارا نور عقل تم کو رہنمائی کرے گا کہ ضرور بالضرور ان سب چیزوں کا خالق جس نے ہر ایک میں ایک کیا ہزاروں مصلحتیں اور قدرتِ رسو کا ملکہ کے نمونہ رکھے ہیں۔ ان سب سے نرالا بڑا قادر و حکیم ہے اور اس کے سوا وہ اے بنی آدم! تم پر حیم بھی ہے کہ اس نے صرف تمہارے پیٹ بھرنے کے لیے کیسے کیسے سامان پیدا کئے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
ہمہ از بھر تو سرگشتہ و فرمانبردار
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری
پھر جس قادر مطلق نے آسانی بوند سے یہ چیزیں بنائیں اور ایک بوند سے تم کو بنایا اور عرصہ وجود میں کیسی کیسی پلٹیں دیں۔ ہر دن ہر ایک نیا روپ اس کا بدلا اس کی ابتداء میں کچھ اور ہی قدرت کا جلوہ دکھایا اور اس کے شباب میں اور ہی شان نمایاں کی اور اس کے اخیر میں جبروت کی اور ہی تجلی دکھائی۔ اس شے کو قدرت کا گھوڑا بنا کر اس کو میدان وجود میں کیسا دوڑایا۔ ہر شے پر قدرت کو سوار کیا کیا وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے اسی میدان میں ٹکرا کر نیست و نابود کر دے گا یا اس کو کسی اور جہان میں نہ لے جائے گا؟ ضرور لے جائے گا انسان کی اندرونی اور بیرونی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ تیز رو کہیں اور جانے والا ہے اور یہ دانہ قبر میں سے ضرور پھر اے گا۔

اس کے اوصاف ہیبت ناک کی وجہ سے ہر ایک وصف سے یاد کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو طامہ کبریٰ کبھی واقعہ کبھی الحاقہ کبھی القارۃ کبھی الصاخۃ۔ وہ کیسا دن ہوگا اور کب اس کا ظہور ہوگا۔ یوم یفر المرء من اخیہ جس دن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی اس کی مصیبت میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا۔ اپنی ہی خلاصی کی پڑی ہوگی۔ وامہ اور اپنی مادر مہربان سے بھی آنکھیں چرا لے گا۔ نااہل تو دنیا میں بھی ماں سے منہ پھیر لیتے ہیں بیوی اور اولاد پر فدا ہوتے ہیں۔ وابیہ اور اس کے بعد باپ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ سواس روز باپ سے بھی الگ ہو جائے گا۔ اس کی شفقت پرورش کا کچھ خیال بھی نہ آوے گا۔ وصاحبتہ اور بیوی کی بھی کچھ پروا نہ کرے گا۔ آج جس کو مال و عزت اور گھر کی تمام برکات کا خزانہ چنی جاتا ہے، حرام و حلال جو ملتا ہے۔ اسی کے آگے لا کر دھرتا ہے اور اس کی غیرت کے لیے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور جو اس کی بڑی مؤنس، درد و غم کی شریک اور بڑی دلربا اور معشوق ہوتی ہے اس روز اس سے بھی منہ پھیر لے گا۔ وبنیہ اور پیاری اولاد اور محبوب لڑکوں سے بھی آنکھیں پھیر لے گا جن کے لیے آج دنیا میں خدا کو بھولا ہوا ہے اور رات دن انہیں کے لیے مال و زر جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

ان آیات میں غالباً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ کس لیے کہ سب سے اول انسان کو اولاد اور ان میں سے زینہ اولاد پیاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد بیوی پھر اس کے بعد باپ کہ جوانی میں بوڑھے باپ کا ترکہ ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اس کے بعد ماں اس کے بعد بھائی سوادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جو کچھ اس کے تخت جگر اور محبوب دلی ہیں اور جن کی محبت و ہمدردی ایک فطری بات ہے۔ خاص لوگوں کے سوائے جس کو دیکھو انہیں کی محبت میں سرگرداں ہے اور انہیں کے خیال کی بھاری بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس روز ایسی آپادھانی ہوگی کہ ان سے بھی کنارہ کرے گا اور کسی کے بدلے آپ سزا پانا ہرگز قبول نہ کرے گا بلکہ اپنے جنات میں سے حصہ دینا بھی گوارا نہ کرے گا۔ جب ان سے یہ حال ہوگا تو اور رشتہ داروں و دوستوں ہم وطنوں کی تو کیا پروا ہوگی۔

یہی مضمون اور کئی ایک جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ ولایسنل حعیم حمیما یبصر ونہم۔ ولا یغنی مولیٰ عن مولیٰ شنیئا وغیرہا من الآیات اور کیوں ایک دوسرے کی پروا نہ کرے گا۔ لکل امرئ منہم یومئذ شان یغنیہ کہ ہر ایک شخص ان مذکورہ لوگوں میں سے اپنی ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ حالت اس کو دوسروں سے بے پروا کرے گی۔ اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی خبر نہ ہوگی اور مصیبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

فائدہ۔ یہ حالت کب ہوگی؟ قیامت میں اس وقت کہ قہر و جبروت الہی کا ظہور ہوگا اور دروازہ شفاعت کا نہ کھلا ہوگا۔ ہر ایک نبی نفسی نفسی کرے گا۔ سب اولین و آخرین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے کہ آج آپ جو سب کے باپ ہیں شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ۔ اسی طرح وہ کہیں گے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاؤ۔ آج اس کے قابل وہی ہیں۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں گے۔ آپ شفاعت کریں گے۔ آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ پھر اور انبیاء و اولیاء و صلحاء شفاعت کریں گے اور حساب شروع ہوگا۔ تب وجوہ یومئذ مسفرۃ اس دن بہت سے مندرشن ہوں گے۔ خصوصاً جبکہ ان کو نعمت جنت اور عطا کا ملنا معلوم ہوگا۔ یہ نیک لوگ ہوں گے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے وہ ہوں گے جو رات کو اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے یا جن کے چہروں پر اللہ کی راہ میں غبار پڑی تھی یا جن کے چہروں پر سعادت کے حاصل کرنے اور اعمال کی مشقت بھوک پیاس کی شدت اور خوف الہی سے تیرگی پیدا ہوئی تھی۔ یہ آثار و مضامین سے متاثر ہوئے ہوتے ہوتے ہوں گے بٹاش ہوں گے۔ حساب سے فارغ ہو کر جنت میں جاتے وقت جو دنیا میں خوف الہی سے روتے اور غفلت و اعمال بد پر غمگین ہوں گے۔ وہ اس روز ہنستے اور بٹاش ہوں گے۔ یہ اہل سعادت کا حال ہوگا اس کے بعد اہل شقاوت کا حال بیان فرماتا ہے وجوہ یومئذ

علیہا غبرۃ کہ بہت مونہوں پر اس روز غبار پڑی ہوگی جو عیم دنیا میں چڑے چکنے چہرے رکھتے تھے اور خدا سے غافل تھے۔ ترہقہا بقترة اور جنم اور اعمال بد کی سزائیں سامنے دیکھ کر چہروں پر سیاہی چڑھ جاوے گی یا پھٹکار کی سیاہی۔ یہ کون ہیں اولئک ہم الکفرة الفجرة یہ کافر بدکار ہیں۔ کفر اور اس کے ساتھ بدکاری اور بھی غضب ہے۔ سبحان اللہ انسان کی ابتداء اور حالت حیات ومات وودو آخرت کی کیفیت کن مختصر الفاظ میں کس دل کش انداز سے بیان فرمائی ہے۔ یہ کمال اعجاز ہے۔

(سورہ تکویر یکمہ ہے اس میں اسی آیات ایک رکوع ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُومُ اُنْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعُشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّكَتْ ۝۸ بِآتِي زَنْبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَبَلُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ ۝۱۴

جبکہ سورج دھندلا ہو جاوے اور جبکہ ستارے دھندلے ہو جاویں اور جبکہ پہاڑ اڑتے پھریں اور جبکہ گاہن آوینیاں چمٹی پھریں اور جبکہ جنگلی جانوروں میں رول پڑے اور جبکہ دریاؤں میں جوش ہو اور جبکہ جانوروں کے جوڑے لگائے جاویں اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے کہ کس گناہ پر ماری گئی تھی اور جبکہ نامہ اعمال کھولے جاویں اور جبکہ آسمان کی (نئی) چادر اتار لی جاوے اور جبکہ دوزخ دکھائی جاوے اور جبکہ بہشت پاس لائی جاوے (حب) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

ترکیب ! اذا شرطیہ وکذا مابعدہا وجواب الکل علمت نفس الخ الشمس مرفوع بفعل محذوف مفسرہ مابعدہ لان اذا اطلب الفعل وهذا عند البصر بین وصاحب الکشاف وعند الانحش والکوفین یکوزر فعد بالابتداء وفس علیہا البواتی والتکویر الجمع۔ ماخوذ من کار العمامۃ علی راسہ یکورھا والمراد اذا هاب نورھا ولذا قيل فی التفسیر ای طمست وقال الآخرون انکشف۔ وقيل معنى التکویر الطرح والسقوط قال الأصمعی يقال طعنه فکوره اذا امرعه فکوله اذا الشمس کورت ای القیت ورمیت عن الفلک وقيل انها ماخوذة من الفارسیۃ يقال للامعی کور۔ کورت ای جعلت اعمی انکدرت ای تساقطت وانقضت يقال انکدر الطائر من الهوی اذا انقض وصل الالکدر الانصباب۔ العشار جمع عشاراء کنفساء جمع نفاس وہی الہی اتی علی حملھا عشرة اشهر وہی النفس الاموال عند العرب عطلت ای ترکت حملا ہلاراع وبلا حلب حشرت جمعت من کل ناحیۃ وکل شیء من دواب البر لا یتانس فھو وحش والجمع وحوش سجرت قری بالتخفیف والتشدید قال القشیری ہومن بھرت العور ابھرہ بھر اذا

۱۔ جہز پڑیں۔

۲۔ العشار دس مینے کی گاہن آوینیاں ۱۲ منہ

۳۔ یعنی اب جو نیلی چادر اوڑھے ہوئے ہے نیلا دکھائی دیتا ہے یا اتار لی جائے اور آوارہ سے سرخ ہو جائے۔ ۱۲ منہ

احمدیہ نشرات ای فحش و بسط للحساب لا تھا تطوی عند الموت و تنشر عند الحساب کشطت و الکشط القلع عند شدة کشط برہنہ کردن و حمل از پشت ستور برگرفتن کشط لغتہ فیہ صراح سعرت سحر افر و ختن آتش و حرب اذلفت زلف پیش شدن صراح۔

تفسیر! یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن عمر و ابن زبیر و عائشہ رضی اللہ عنہا یہی فرماتے ہیں۔ اس سورہ کی انتیس آیات ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ منظور ہو کہ قیامت کو آنکھ سے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (اخرجه احمد و الترمذی و حسنہ و ابن المنظر و الطبرانی و الحاکم) یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھادیا گیا ہے۔

رابطہ اس سورہ کا سورہ عیس سے یہ ہے کہ اس میں قیامت کا ہولناک واقعہ اخیر میں بیان ہوا تھا کہ اس روز بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے اور ماں سے اور خاندن جو رو سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔ اب اس سورہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاحبہ کہ جس روز یہ ہوگا کب ہوگا اور اس مصیبت کے اسباب کیا ہوں گے؟ اول حادثہ: فقال اذا الشمس کورت جبکہ آفتاب لپینا جاوے یعنی اس کی روشنی جو پھیلی ہوئی اور تھان کی طرح دنیا میں سفید چادر بکھی ہوئی ہے نہ کر دی جاوے اور آفتاب بے نور پتیر کی چکتی سی رہ جاوے استعارہ ہے۔ اس کے بے نور ہونے سے یا یہ معنی کہ پھینک دیا جاوے اور توڑ دیا جاوے کس لیے کہ تکویر لپینے اور پھینکنے کو بھی کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ تخریب عالم کے لیے بارہ نشان بتائے گئے ہیں کہ جب یہ بارہ چیزیں ہوں گی تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ ان بارہ میں سے چھ تو وہ ہیں جو صور اول کے بعد ہوں گے اور چھ صور دوم کے بعد ہوں گے اور ان بارہ حوادث کے بعد اس دنیا کا کچھ بھی نام و نشان باقی نہ رہے گا اور نفوس انسانہ کا اس منزل سے یک لخت تعلق منقطع ہو جاوے گا اور یہی تعلقات اس کے جہل و بے خبری کے اسباب ہیں۔ پھر جب یہ نہ رہیں گے تو انکشاف تام اور ظہور کلی ہو جانے کے سبب ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اس دنیا کی اندھیری رات میں کیا کیا تھا۔ کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔ یہ ہے ان حوادث دوازہ سے علمت نفس ما احضرت کا تعلق اور شرط سے جزا کا ارتباط ان چھ میں سے جو صرح صور اول کے بعد واقع ہوں گے۔ سب سے بڑا حادثہ آفتاب کا بے نور ہو کر گر پڑنا اور نیست و نابود ہو جانا ہے۔ کس لیے کہ اس دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر (قائم) ہے۔ روشنی میں انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے اور محسوسات میں امتیاز کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ دن میں اس کے حواس منتشر زیادہ ہوتے ہیں اور اسی سبب سے رات میں اہل مراقبہ و اہل ریاضت اپنی نسبت باطنی کی ترقی کیا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رات میں عشاق اور بیماروں کو اور ہر ایک مبتلائے مصیبت کو اپنا درد زیادہ معلوم ہوتا ہے اور یہی باعث ہے کہ ساحر اور تاثیرات نفسانیہ کے عامل اپنا عمل رات میں زیادہ موثر پاتے ہیں۔ اس کے سوا آفتاب کی حرارت اور تاثیر سے سینکڑوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ انقلابات عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔ تغیرات ظہور کرتے ہیں۔ اشیاء کی عمر اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا آفتاب ہی کے سبب سے ہے۔ یہ دنیا کا چراغ ہے یہ نہ ہو تو اندھیرا ہے اور انہیں باتوں کو مستقل تاثیر سمجھ کر بہت سی قوموں نے پرستش شروع کر دی اور سورج دیوتا کہنے لگے اور ہزاروں منتر اس کی مدح میں بن گئے۔ ہنود کا گاتری منتر اس کی بے حد مدح میں ہے جو عمدہ عبادت خیال کی جاتی ہے۔ ہنود کے علماء کو اقرار ہے کہ آفتاب کیا بلکہ عناصر کی مدح اور احکام پرستش سے وید بھدے پڑے ہیں۔ آریہ فرقہ وید کو چھپا کر جوتا ویلات کر رکھا کرتا ہے اس پر وہ پنڈت ہشتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شرمناک دھبہ کو یہ تا ویلات منا نہیں سکتیں۔

اس میں آفتاب پرستوں اور نیز ان طبیعتوں اور ہریوں کا بھی کامل رد ہے جو آفتاب کو پوجتے اور ہر میں اسی کو عظیم فاعلیہ سمجھتے ہیں اور اس کو قدیم اور ابدی خیال کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک روزیوں لپیٹ کر دھر دیا جائے گا۔ آفتاب زمین سے لاکھوں بڑا حصہ ہے۔ جب یہ خراب ہو تو پھر زمین کی خیر نہیں۔ دوسرا حادثہ: آفتاب کے بعد اور ستارے ہیں۔ ان کے اجرام کی عظمت بھی زمین سے

سینکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ زیادہ ہے لیکن وہ آفتاب سے کم ہیں۔ اگر آفتاب نظر نہ آوے تو یہ ستارے بھی آسمان کی زینت اور روشنی کے قنادیل اور تاج مختلف پیدا کرنے کے اسباب ہیں۔ اس لیے کہ ان کی حالت بھی بیان فرماتا ہے واذ النجوم انکدرت اور جبکہ تارے جھڑپڑیں گر جاویں یہ دوسرا حادثہ ہے نجم کے لفظ سے روشنی اور ظہور سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے لفظ انکدرت استعمال ہوا جس میں تیرگی کے معنی ہیں یعنی بے نور اور دھندلے ہو جاویں اور کوکب بھی تارے کو کہتے ہیں مگر اس لفظ میں جڑے رہنے اور جبرے رہنے کے معنی ہیں۔ اس لیے کوکب کے ساتھ انقرا کا لفظ استعمال کیا جس کے ظاہر معنی ہیں جھڑپڑیں واذ الکواکب انتشرت۔ تیسرا حادثہ: جب آفتاب اور ستارے نہ رہیں گے تو کرۂ زمین بھی رخصت ہوگا۔ اس لیے یہ تیسرا حادثہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اذ البحال مسبرت اور جب پہاڑ چلائے جائیں یعنی وہ اکھڑ کر روٹی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں۔ چوتھا حادثہ: جب آفتاب کی یہ حالت اور ستاروں کی یہ نوبت ہوگی تو گویا دنیا کی چھت برباد ہو چکے گی اور زمین کا فرش جس کے لنگر یا میر فرش پہاڑ ہیں وہ یوں اڑتے پھریں گے تو پھر اہل زمین کو کس جائیداد اور کس تجارت اور کس مال کی آرزو باقی رہ جاوے گی اور کس کی حفاظت اور روک تھام کریں گے؟ کسی کی بھی نہیں بلکہ اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس مضمون کو اس جملہ میں ادا کرتا ہے واذ العشار عطلت اور جبکہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یوں ہی بیکار و بے مہار ماری ماری پھریں گی۔ کوئی پرسان حال بھی نہ ہوگا۔ اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مال ہے اور خصوصاً گا بھن اونٹنی جو بچہ دینے کو ہوا اور بھی نفیس اور مرغوب مال ہے۔ اس کی حفاظت و نگہداشت بہت کچھ کیا کرتے ہیں۔ اس لیے گا بھن اونٹیوں کے بے کار رہنے کا ذکر کیا۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ اس میں ایما ہے کہ جس مال کے جمع کرنے میں یوں عجبی برباد کر رہے ہو اس کی ایک روزیہ حالت ہوگی اور یہ طبعی بات ہے۔ دنیا میں جب کوئی سخت بیمار یا مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے ایسا کہ بے کل ہو جاوے اور چین نہ پڑے۔ اس وقت نہ روپیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ عورت کی طرف رغبت رہتی ہے نہ گھوڑے نکل اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ مکان و جائیداد کا دھیان رہتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عشار سے مراد پانی بھرے بادل ہیں کہ اس روز وہ معطل ہوں گے۔

پانچواں حادثہ | اور جب یہ حالت ہو جاوے گی تو انسان کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش و حواس بجا نہ رہیں گے۔ واذ الوحوش حشرت اور جبکہ جنگلی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے غیر جنس سے گریز کرتا ہے۔ ہرن شیر سے بکری بھیڑیے سے۔ ان سب پر بوقت فتنہ صور یہ ہول و دہشت طاری ہوگی کہ سب جنگل اور پہاڑ چھوڑ کر آبادی میں پناہ لینے کے لیے آ جمع ہوں گے اور اب بھی جب رو آتی ہے یا جنگل میں آگ لگتی ہے ایسے جانور جو انسان سے بھاگتے ہیں امن کی جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جادیکھا گیا ہے۔ مصیبت میں نفرت اور باہمی عداوت کا فور ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حشر کے روز وحوش بھی ان کے باہمی قصاص و فیصلہ کے لیے جمع ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وحوش کے حشر سے مراد ان کا مرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں حشر تھہ السنۃ جبکہ لوگوں کے مال اور جان قحط سے تلف ہوں۔

چھٹا حادثہ | یہ پانچواں حادثہ ہے۔ اس کے بعد چھٹے حادثہ کو بیان فرمایا ہے۔ واذ البحار سجرت اور جبکہ دریا گرم کئے جاویں۔ دریا کا گرم ہونا اور جوش میں آنا اس کی طغیانی سے عبارت ہے۔ پھر جبکہ صور پھنکے گا اور زمین ہلے گی اور پہاڑ اڑیں گے تو جس طرح ارض پر سمندر ہے وہ کب ساکت ہوگا۔ اس کا متوج اور جوش بھی بے حد ہوگا کہ خشکی پر پھیل پڑے گا اور زمین کے حیوانات و انسان بلکہ بڑی بڑی بلند چیزوں کو ڈوبدے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بے حد متوج سے اس میں ایسی مفرط حرارت پیدا ہوگی کہ پانی مستحیل ہو کر ہوا ہو جاوے گا اور ہوا مستحیل ہو کر آگ بن جائے گی۔ پانی نے تو آفت برپا کی ہی ہوگی۔ پھر ہوا ہو کر اور بھی دنیا کو درہم برہم کر دے گا اور پھر آگ ہو کر اور بھی ستیاناس کر دے گا۔ الغرض یہ تینوں عنصر جو آج دنیا کی آبادی کا باعث ہیں یہی خرابی کا باعث ہو جاویں گے۔ نہ آسمان رہا نہ ستارے نہ سورج

نہ پہاڑ نہ انسان و حیوان نہ سمندر۔ گویا ان چھ حادثوں سے جو نفع صور اول سے ہوں گے۔ دنیا کا اور اہل دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اعتراض ۱ مگر ان چھ حوادث کی ترتیب ذکر میں بعض نکتہ چینوں کو اعتراض ہے کہ جب یہ معاملہ نفع صور اول کا ہے اور ستارے بے نور ہو جائیں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے تو اس وقت عشر یعنی گاہن اونٹیاں اور وحوش موجود ہی کب ہوں گے جو ان کو معطل و محصور ہونا کہا جاوے۔ جواب: اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ ان حوادث میں خدائے پاک نے ترتیب وقوع کا اظہار نہیں فرمایا کہ اول یہ ہوگا، پھر یہ ہوگا اور محض ایک کے بعد دوسرے کے ذکر کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسری شے اول کے بعد ہی واقع ہو۔ چونکہ سورج کا بے نور ہونا ایک بڑی عظیم الشان بات تھی اس لیے اول اس کو ذکر کیا گو قوع اس کا آئندہ مذکور چیزوں کے بعد ہو۔ اسی طرح اس کے بعد ستاروں کا جھڑنا، بے نور ہونا بڑی بات تھی۔ اس کو ذکر کیا کہ جب علویات کے ذکر فساد سے فراغت ہوئی تو اس کے بعد سفلیات کا بطلان و فساد ذکر فرمایا اور سفلیات میں پہاڑ بلند اور بڑے مستحکم اور ثابت القدم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بے ثباتی اور اڑا پھرتا ذکر کیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ پہاڑ پہلے اڑ چکیں اور زمین کے وحوش و طیور مرچکیں تب آفتاب اور ستارے بے نور ہوں اور اس کے بعد انسان کا بدحواس ہونا اور اپنے مرغوب مال سے بے خبر ہو جانا اور وحوش میں کھل بلی پڑ جانا اور سب کا مجتمع ہونا بہ نسبت پہاڑوں کے اڑتے پھرنے کے ایک کم مرتبہ چیز ہے۔ اس لیے اس کا ذکر پیچھے کیا حالانکہ یہ انسان کی بدحواسی اور وحوش کی بدحواسی پہلے ہوگی۔ کس لیے جب صور کی آواز قدرے بھی بلند ہوگی انسان تو جب ہی بدحواس ہو کر اونٹنیوں سے بے خبر ہو جائے گا اور حیوانات اور جنگلی جانوروں میں رول پڑ جائے گی۔ پھر ذرا آواز بلند ہوگی تو یہ سب مرجائیں گے۔ پھر آواز بلند ہوگی تو دریاؤں میں تموج ہوگا اور اہل پڑیں گے۔ چونکہ دریا کا گرم ہونا کسی قدر اب بھی بعض مواقع پر ہوتا ہے۔ گویا ایک معمولی سی بات ہے۔ حالانکہ اس روز اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے اس کو انسان کی بدحواسی اور وحوش کی کھل بلی کے بعد ذکر کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تموج بحری کے بعد انسان و حیوانات کی موت اور بدحواسی ہو۔ پھر جب اور بھی زیادہ بدحواسی ہوگی تو زمین لرزے گی اور پہاڑ ٹوٹ جائیں گے اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا کے تموج سے ہو جائیں گے۔ پھر زمین کا خاتمہ ہو چکے گا تو علویات کی بربادی ہوگی۔ آفتاب بے نور ہو کر گر پڑے گا، پھر ستارے گر پڑیں گے۔ پھر جب سب فنا ہو جائیں گے اور ایک معلوم المقدار عرصہ فنا کا گزر چکے گا تو حق سبحانہ پھر اسرافیل کو صور پھونکنے پر مامور کرے گا اور پھر بار دیگر ہر چیز ایک نئے وجود سے زندہ ہوگی اور یہ وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لیے اس وقت کے ان چھ حوادث کو ذکر کرتا ہے جن کا ذکر نفوس انسانہ کو اکتساب حسنت و تحصیل سعادت کی طرف ابھارتا ہے۔

اول: واذا النفوس زوجت اور جبکہ نفوس انسانہ کے جوڑے لگیں۔ اول حادثہ: اول تو نفوس یعنی ارواح کا ان کے اجسام سے پھر جوڑا لگے۔ پھر جسموں میں روح پھونکی جاوے اور گویا روح کی جسم سے پھر ایسی شادی اور بیاہ ہو کہ باہم پھر جدائی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ہر ایک جنس اور نوع کا باہم جوڑا لگے۔ نیک جدے کھڑے ہوں تو بد جدے۔ پھر نیکوں میں نمازیوں کی قطار، مجاہدوں کی قطار، جدا جدا ہو علی ہذا القیاس اور سب سے اول تین جماعتیں قائم ہوں۔ کماتال و کنتعہ از واجا ثلثۃ ایک اصحاب الیمین کی دوسری اصحاب الشمال کی تیسری سابقین کی۔ اس کے بعد نفوس انسانہ کا نفوس سماویہ وارضیہ سے جوڑا لگے تاکہ قوت ادراک خیر و شر کا پورا بدلہ پاوے اور ہر نفس اپنے اعمال خیر و شر کی صورت مثالی سے بیاہا جاوے اور ہر نیک کا حورالعین سے جوڑا لگے۔ تمام جزاء و سزائے آخرت کو یہ ایک لفظ و سبع المعنی حاوی ہے مگر اس کے بعد چند مہتمم بالشان امور کو بیان فرماتا ہے۔ دوسرا حادثہ: واذا المودۃ سنلت اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے باہی ذنب قتلت کہ کس گناہ میں ماری گئی تھی! خواہ سوال مظلوم لڑکی سے ہو، خواہ قاتل۔ ظالم سے بہر حال اس کی باز پرس ہوگی۔ عرب کے جاہل اور مغرور لوگ تنگ دامادی یا خوف افلاس سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈال کر مٹی دے دیا کرتے تھے۔ ان کو سنایا جاتا ہے کہ ایک روز تم سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم پر اس معصوم کو قتل کیا یا اس مظلوم دادخواہ سے دریافت ہوگا۔ یہ ایسا پراثر بیان ہے کہ اس کے بعد عرب سے یہ

رسم یک لخت موقوف ہوگئی۔ یہ دوسرا حادثہ ہے۔ تیسرا حادثہ: واذا الصحف نشرت اور جبکہ نامہ اعمال کھولے جاویں اور حساب شروع ہو اور کہا جاوے کہ پڑھ یہ صحائف ان معمولی کاغذوں پر معمولی رسم الخط سے نہ ہوں گے بلکہ ایک انجیل و انکشاف صور اعمالیہ کا ہوگا جس کا مجموعہ ایک صحیفہ ہے یا جو کچھ اس کی حقیقت عند اللہ ہو برحق ہے۔ یہ تیسرا حادثہ ہے۔ چوتھا حادثہ: واذا السماء كسحت اور جبکہ وہ آسمان جو بار دیگر فتح و کشف کے بعد قائم ہوگا اس کو کھولا جاوے یعنی جس طرح جانور مذبح کی کھال کھینچ لینے سے اس کا گوشت و اندرونی اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا حجاب مرتفع ہو جاوے اور کمونات خیالات فلک کہ اشیاء کی صورت مثالیہ ہیں متجلی و منکشف ہو جاویں اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں جو عدالت حشر کے کارندے ہوں گے۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ امام رازی کسحت کے معنی اسی کے قریب قریب بیان فرماتے ہیں۔ حیث قال ای کشف وازلیت عما فوقھا وھو الجنة وعرش اللہ کمیکشط الہاب عن الذینہ والغطاء عن اشیاء یعنی کھولا جاوے اور اس کے اوپر کی چیز جو جنت اور عرش الہی ہے ظاہر کیا جاوے۔ جیسا کہ کھال ذبیحہ سے اتاری جاتی ہے اور پردہ کسی چیز سے دور کیا جاتا ہے۔

فائدہ: لفظ کسحت کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قسحت قاف سے بھی پڑھا ہے اور کاف کی جگہ قاف کا استعمال زبان عرب میں بہت جگہ ہوتا ہے جیسا کہ کافور۔ قافور اور بکست المرید و بکت۔

پانچواں حادثہ: جب آسمان کھل جاوے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے (جو خزانہ غیب ہے) ظاہر ہوگا اور انسان کے اعمال نیک و بد کی صورت مثالیہ بھی ظاہر ہوں گی تو اول بدوں کے لیے واذا الجحیم سعرت دوزخ دہکائی جاوے۔ بنی آدم کے گناہوں کا ایندھن جو اس میں پڑا سلگ رہا تھا اب جزا کا وقت آگیا۔ غضب الہی کا شعلہ اس کو بھڑکا دے گا اور عدل و انتقام کی آگ اس ایندھن کو دکھائے گی پھر تو وہ جوش مارے گی کہ الہی تو بے اس کے جوش و خروش اور شعلوں کی لپٹ کی آواز دور دور سے سنائی دے گی۔ کما قال وہی تغور تکاد تميز من الغیظ اور بڑے بڑے انکارے اور چنگاریاں باہر آ پڑیں گے۔ کما قال انها ترمی بشرر کما لقصر کانھا جمالات صفر اس کے دیکھنے سے لوگوں کی جان پر بن جاوے گی اور بالخصوص مجرم تو اس حالت کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جاویں گے اور دنیا کے چند روزہ لذات و شہوات پر ہزاروں فریادیں کریں گے۔ کما قال و اسرو الندامة لما راو العذاب یہ جانکاہ پانچواں حادثہ ہوگا۔ چھٹا حادثہ: اور اسی طرح اہل حشر کے لیے جنت سامنے لائی جائے گی۔ کما قال واذا الجنة ازلفت اور جنت قریب لائی جاوے گی۔ اب جو عالم غیب میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور اسی لیے کور باطن اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس روزہ حاضر ہو جاوے گی اور تخت عدالت کے قریب لا کر رکھی جاوے گی۔ یہاں تک کہ اس کے نعیم اور دہانے کے بے حد اسباب آسائش و تجمل نظر آویں گے۔ بدوں کو اور بھی مصیبت ہوگی کہ حسرتیں کریں گے اور اس سلطنت جاودانی کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا الم دلوں کو عذاب جہنم سے کم نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ان غریبوں مفلوسوں کو کہ جن کی عبادت و تقویٰ پر تمسخر کیا کرتے اور ان کو بہت ہی ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔ یہ دیکھیں گے کہ کس اکرام و اعزاز سے جنت کے لیے منتخب کئے جا رہے ہیں اور ان دنیا کے عزت داروں، سرداروں، ناز و نعم میں پرورش پانے والوں پر جو تیاں پڑ رہی ہیں۔ ملائکہ گھنٹے ہوئے جہنم کی طرف مارتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب نہ کوئی دنیاوی یار ہے جو حمایت کرے نہ مال و زر ہے جو کام آوے۔

یہ چھٹا حادثہ اور بھی جانکاہ ہوگا۔ تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لایا؟ کیا اعمال نیک و بد کئے یہ حجاب اٹھ جاوے گا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے ان بارہ حوادث کو انسانی حالات پر محمول کیا ہے جو بوقت مرگ ظاہر ہوں گے اور مرگ قیامت صغریٰ ہے۔ اس وقت اس کو نیک و بد معلوم ہو جاوے گا۔ آفتاب کا بے نور ہونا روح کا تعلقات جسمانیہ سے دست بردار ہونا ہے اور ستاروں کا بے

نور ہونا اس کے حواس اور قوی کا بیکار ہونا ہے اور پہاڑوں کا اڑنا اس کے بنیاد جسم کا بل جانا اور اس کے بڑے بڑے ارادوں کا باطل ہونا ہے اور گا بھن اونٹنیوں کے بیکار ہونے سے مراد انسان کی قریب انھوں تنہاؤں کا بیکار ہونا ہے اور وحش کا جمع ہونا اس کے نفرت انگیز کاموں کا تصور اور ان کی صورتیں سامنے آنا ہے اور دریاؤں کا گرم ہونا اور جوش مارنا اس کے حسرات و آرزوؤں کا بطلان اور خیالات کا انتشار ہے کہ ہر ایک بے کنار دریا ہے اور نفوس کا جوڑا لگنے سے مراد ملکات مکسوبہ کا ان کے مناسب چیزوں سے ارتباط ہے۔ ظلمانی ملکات کا ظلمانی چیزوں سے اور نورانی ملکات اور علوم و معارف کا نورانی چیزوں سے جوڑا لگایا جاتا ہے اور مودہ سے مراد وہ انسانی قوی و مدارک ہیں جو اس کے اندر ودیعت ہیں جن کو زندہ گاڑ دینا کہنا استعارہ ہے۔ ان سے سوال ہوگا کہ ان کو بر محل صرف کیا تھا یا بے محل جس نے بے محل اور بے موقع خدا داد قوت کو صرف کیا گویا زندہ معصوم بچہ کو قبر میں ڈال دیا۔ مثلاً قوت شہوانیہ ایک اس کی عطا کردہ امانت ہے۔ اگر اس کو اپنی بیوی پر اور حلال چیزوں کے کھانوں میں صرف کیا تو مضائقہ نہیں ورنہ عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح قوت غصہیہ ایک ودیعت ہے۔ اگر اس کو غیرت دینیہ و ملتہ کے لیے اور ظالموں کے مقابلے میں اپنے ناموس اور ملت کے محفوظ رکھنے میں صرف کیا تو بہت خوب۔ اگر زیر دستوں کے ستانے اور لوگوں پر ظلم و جفا کرنے میں صرف کیا تو عتاب اور عذاب ہے۔ اسی طرح نطق یعنی گویائی ایک امانت ہے۔ اگر اچھی باتیں کہیں خدا کی حمد و ثناء اور امر بالمعروف و نہی المنکر و اصلاح بین الناس میں صرف کی تو اجر ہے ورنہ دوزر۔ پس جس نے اس کو بے ہودہ کوئی فحش گوئی اور جھوٹے قصوں کے سنانے اور لوگوں میں فساد کرانے اور نقصان دینے میں صرف کیا تو عذاب ہے اور صحائف کے کھولے جانے سے مراد قوی اور نفوس کے وہ صحائف ہیں کہ جن میں اعمال کی ہیئت ہے اور آسمان کے کھولنے سے مراد احکامِ روحی کا ظہور ہے جو بوقت مرگ ہوتا ہے اور دوزخ کے دکھائے جانے سے مراد وہ شدائد و احوال ہیں جو موت کے بعد ظاہر ہوں گے اور بہشت کے نزدیک لائے جانے سے مراد وہ روح و ریحان ہیں جو عالم برزخ میں ایمانداروں کے سامنے آتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ان بارہ چیزوں سے یہ چیزیں مراد ہیں تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے۔ ہاں اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی الفاظ قرآنیہ میں اشارہ ہے۔ ٹھیک بات ہے کہ قرآن مجید کے لیے ظہر و ظن ہے۔ اس کے اندرونی پردوں میں جو کچھ معانی مخفی ہیں وہ ایک دریائے بے کنار ہے جس کو وہاں تک رسائی ہو وہ سمجھے۔

اسی طرح بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں اذا الشمس كورت میں اشارہ ہے تجلّی ذات و صفات کے ظہور کی طرف جو قلوب عارفین پر ہوتی ہے۔ پس اس وقت ان کی ارواح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے عقول کے ستارے دھندلے ہو جاتے ہیں۔ بسبب غلبہ نور ذات و صفات کے اور اس وقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی وارداتِ محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفوس کی باردار اونٹنیاں اس کے سطوتِ جلال کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحشِ تغریب مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذاتِ پاک ذوالجلال والا کرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روحِ ناطقہ کا نفس مطمئن سے جوڑا لگایا جاتا ہے۔ پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں مقاماتِ مراقبات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کئے جاتے ہیں۔

واللہ اعلم باسرار کلامہ

فَلَا أَقِيمُ بِالْخُنُسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنُسِ ۝ وَالْبَيْلِ إِذَا عَسَّسَ ۝ وَالصَّبْرِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ

اٰمِيْنَ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِبَغِيٍّ ۝ وَلَقَدْ رَاَهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذٰهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لَمِنْ شَآءٍ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سو ہم کو تم سے ان ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے بنے لگتے غائب ہو جاتے ہیں اور تم سے ڈھلنے رات کی اور صبح کی جبکہ روشن ہو کہ یہ قرآن ایک معزز رسول (جبریل) کی زبانی ہے جو بڑی قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے۔ وہاں کا سردار امانت دار ہے اور تمہارا پیغمبر دیوانہ نہیں ہے اور البتہ انہوں نے اس (جبریل) کو مطلع صاف میں دیکھ بھی لیا ہے اور وہ غیب کی بات پر بھل کرنے والا بھی نہیں اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کہاں (بیکے) چلے جا رہے ہو۔ یہ تو جہان بھر کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے راست ہوتا یعنی قائم ہونا چاہے اور تم تو جب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا جو تمام جہان کا رب ہے۔

ترکیب: فلما الفاء للتفريع او التعقيب ولا زائدة كما مر تحقيقها في سورة القيمة بالخمس المقسم به وهي جمع خائس وخائسة من خض اذا تآخروني الصاحب الخمس الكواكب لكها انها تخس في الغيب ولا انها تخس في النجوم اقول هي الكواكب الخمس زحل والمشتري والزهرة وعطارد وني الكبير الخمس لجمع خائس والخوس الانتباض والانتخاف تقول خض من بين القوم وتخس وفي الحديث الشيطان يوسوس الى العبد فاذا ذكر الله خض ولذا يسمى الخناس الجوار جمع جارية وهي السيارات لانها تجري۔ وهي صفة الخمس۔ الكنس جمع كانس وكانسة يقال كنس اذا دخل الكناس وهو مقر الوحش كنس كناس بالكسر خواب جائے آہو وپہان شدن اور آنجا (مع ف اک ۲) كنس خانه رفتن مكنس جاروب كناسه بالضم جاروبه وخانه روبه (صراح) والمراد بها الكواكب لانها تنكس اي تخفى بالنهار۔ وهي ايضا صفة لها والليل الواو اللقسم اذا ظرف العاقل فيها معنى القسم عسعن من الاضداد يقال عسعن الليل اذا قبل وعسعن اذا ابرو المراد هنا اقبال الليل وقيل الادبار والصبح هذه الواو ايضا اللقسم۔ تنفس اي اسفروا امتدو فلق شبه الليل المظلم بالمكروب المحزون الذي جلس بحيث لا يتحرك وجميع الحزن في قلبه فاذا تنفس وجدا راحة فيها لما طلع الصبح فكانه تنفص من ذلك الحزن فحضر عنه بالتنفس وهو استعارة لطيفة۔ وجواب القسم الاول والثاني والثالث قوله انه لقول رسول كرم ثم وصف الرسول المذکور باوصاف محمودة (۱) ذي قوة (۲) عند ذي العرش مكين (۳) مطاع ثم۔ قراء المحفوظ ثم على انها ظرف مكان والعاقل فيه مطاع واين والمعنى انه مطاع في الملأ الاعلى او امين ههنا وقرئ بالضم على انها عاطفة وكان العطف بها للترخي في الرحمة لان ما بعد ها اعظم مما قبلها وما صاحبكم هذه الجملة داخله في جواب القسم ولقد رآه الامام جواب قسم محذوف اي وتالله لقد راي محمد صلى الله عليه وسلم جبريل بالافق المبين بمطلع الخمس من قبل المشرق لان هذا الافق لطلوع الشمس منه مبين فالسبعين صفة الافق وقيل صفة لمن راه قاله مجاهد وتالله لمن شاء بدل من العالمين باعادة الجار ومفعول شاء ان يستقيم يتاويل المصدر اي لمن شاء الاستقامة۔

تفسیر: چونکہ یہ واقعات ہولناک کہ جن کی اذا ذکر کے خبر دی گئی ہے امور بدیدہ نہیں تھے نہ ایسے تھے کہ عقول متوسطان کو کسی برہان یا دلیل سے بے کھٹکے مان لیتے اور اگر ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا اور اسی لیے شرع میں ان چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ ان کا ثبوت محض نبی کے بیان پر موقوف ہے جس نے نبی کو سچا مان لیا ہے اس کے نزدیک ان امور کے سچے ہونے

میں سرموقفات نہیں۔ اس لیے ان کے بعد ضرور ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت و صداقت اور نبی کے ذریعہ سے جو کتاب آسمانی ظاہر ہوئی ہے اور جس میں یہ باتیں مذکور ہیں اس کی سچائی بھی ثابت کی جاوے اور عرب کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا ہلاکت کا باعث تھا۔ اس لیے اس آئندہ کلام کو قسم سے صادر کیا اور قسم ہی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ بعد میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کا کتاب الہی اور آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فقال فلا اقسام بالجنس الجوار الكنس کہ پس میں قسم کھاتا ہوں جنس کی ایسے جنس جو جوار اور کنس ہیں۔ ان تینوں لفظوں کا مصداق ایک ہی چیز ہے۔ تین چیزیں جدا جدا نہیں۔ جوار کنس اسی جنس کے صفات ہیں ان الفاظ کے معانی یہ ہیں۔ (۱) جنس خالص اور خالصہ کی جمع ہے اور جنس ان کا مصدر ہے جس کے معنی مخفی ہونا اور ہٹنا ہیں۔ جنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔ (۲) جوار جاری ہونے والی چیزیں یعنی سیدھا چلنے والیاں (۳) کنس۔ کانس اور کانسہ کی جمع کنس چھپ جانا۔ کنس تشدید کے ساتھ چھپ جانے والی چیزیں۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ جنس اور جوار اور کنس سے پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہل بیت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اور انگریزی میں سیسٹرین، جو پینارز، ڈنٹس، مریکوری کہتے ہیں۔ فارسی میں کیوان، برجیس، ترک، فلک، ناہید، دیر فلک، ہندی میں سینجر، برہسپت، منگل، سکر بدھ کہتے ہیں۔ ان پانچوں ستاروں کی عجیب حیرت ناک چال ہے۔ یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں۔ جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو جنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔ انہیں ستاروں کے یہ تین حال ہیں۔ ان کی ہمیشہ ایک رویہ پر چال نہیں۔ جیسا کہ کوئی حیرت زدہ سیدھا جاتا ہے، پھر لوٹ آتا ہے۔ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اسی لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں یا تو مغرب سے مشرق کی طرف بتریب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ٹوڑا اور ٹوڑے جو زائرج کو طے کر رہے تھے یا یکا یک حرکت بند ہو گئی اور پھر الٹے مشرق سے مغرب کی طرف چلنے لگے۔ پہلی حالت کو استقامت دوسری کو توقف و اقامت تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔

ان ستاروں کا اس میدان میں اسی طرح سے ہیر پھیر کر کے دوڑنا صریح دلیل ہے کہ ان کی ڈوری کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے جو بڑا قادر اور بڑا حکیم ہے۔ یہ ستارے اس لحاظ سے اس کی قدرت و عظمت، جبروت و کبریائی کی روشن ضمیر کے نزدیک بڑے روشن دلائل ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھائی اور ان کے پرستش کرنے والوں کے خیالات فاسدہ کا بطلان بھی کر دیا۔

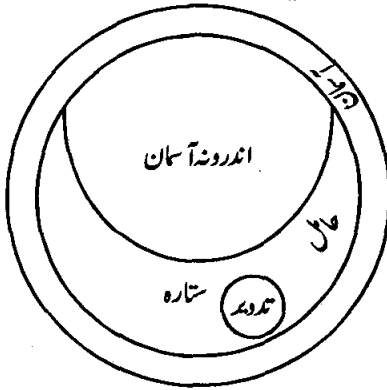
فائدہ: حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا۔ پھر ہمرود ہر اس کے متعدد فرقے ہو گئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جدارنگ پیدا کیا۔ چنانچہ روم و یونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت و فلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جو پیٹر کو پوجا کرتے تھے اور اس کے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔ یہی حال ہنود کا ہے۔ بعض مفسرین فلا اقسام میں لازماً نہ نہیں کہتے بلکہ نافیہ مانتے ہیں۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ میں ان ستاروں کی قسم نہیں کھاتا کس لیے کہ غور کرنے والوں کے نزدیک خود بخود قرآن مجید کی صداقت ظاہر ہے۔

۱۔ یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ نبوت کا ثابت کرنا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مسئلہ نبوت کے ثبوت پر مسئلہ معاد کا ثبوت منحصر ہے اور نبوت کا اثبات بھی اس لطف سے کیا کہ قرآن مجید کی صداقت ثابت کی جس میں امور مذکور ہیں اور قرآن جس کے نزدیک کتاب الہی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت بھی اس کے نزدیک قطعی ہے۔ ۱۲۰

فائدہ: ان خستہ ستاروں کی اس حرکت کے حکماء نے اسباب تلاش کئے تو حکماء قدیم نے جوہیت میں بظلموں کے پیرو ہیں یہ کہا کہ آسمان کے ٹخن (دل مثالی) میں ایک اور دوسرا آسمان ہے۔ اس کو حامل کہتے ہیں اور حامل میں ایک گول پیہہ سا لگا ہوا ہے جس کو تدویر کہتے ہیں۔ اس تدویر میں ستارہ جڑا ہوا ہے۔ پھر وہ تدویر اس میں ستارہ کو لے کر گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی تدویر کو لے کر حامل گھومتا ہے اور اس گھومنے میں تدویر اور حامل کی حرکت موافق ہے تو ستارہ سیدھا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف ہے تو بطبی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ پھر وہ مخالفت اگر اس درجہ تک ہے کہ جس قدر ستارہ ایک کی حرکت سے آگے بڑھتا ہے تو اسی قدر مخالف حرکت سے ہٹتا ہے۔ اس لیے اس وقت یہ ستارہ ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف حرکت غالب آکر اس کو الٹا ادھر ہی واپس کر لانے لگے کہ جدھر سے وہ چلا تھا تو اس وقت وہ ستارہ الٹا حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حامل اور آسمان اور تدویر اور ستارہ کا نقشہ: اس لیے ہر ایک ستارہ کے لحاظ سے سات آسمان تسلیم کرنے پڑے۔ پانچ تو یہی ستارے اور دو چاند اور سورج ان کو بھی سیارہ کہتے ہیں۔ سب ایک سیارہ کا مقام ایک ایک آسمان قرار دیا ہے اور دیگر کرتے نظر نہیں آتے اور ایک ہی جگہ ثابت رہتے ہیں (اور ہیں) آٹھواں آسمان قرار دیا۔ اس کے اوپر نواں آسمان اور اٹھس کہتے ہیں اور علمائے اسلام نے آٹھویں آسمان کو عرش ہے اور حکماء حال (جو آسمانوں کی سیر کے قائل ہی نہیں وہ) سب ان کا میلان ذاتی بیان کرتے ہیں جو کچھ ہو بہر حال پورا ثبوت ہے۔



فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خفس۔ جوار۔ کنس کل ستاروں پر صادق آتا ہے۔ رات میں مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں۔ دن میں غائب ہو جاتے ہیں اور اٹلے مشرق کی طرف چلتے ہیں جہاں سے اگلے روز نمودار ہو کر چلے تھے۔ آج پھر وہیں سے چلنے لگے۔ الغرض علویات کا انقلاب اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد عالم میں ایک اور تصرف روزانہ سے اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت دیتا ہے اور اس کو بھی وثوق دلانے کے لیے اسی قسم کے عنوان سے صادر فرماتا ہے۔ فقال واللہ اذا عسعس اور قسم ہے۔ رات کی جبکہ وہ ڈھلنے پر آنے لگے۔ عسعس کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں۔ (عسعس اللیل اذا ادبر کشف) اور آنے کے بھی ہیں۔ رات ڈھلنا بھی اس کی قدرت کا نمونہ ہے یا تو دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا یا اب سنبھلنے لگا اور یہ وقت سبب ظہور نور کے برکت کا بھی وقت ہے اور صبح سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی بھی قسم کھائی۔ اسی طرح رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیر عظیم ہے یا تو روشنی تھی یا اندھیرا ہونے لگا۔ والصبح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی جبکہ روشن ہونے لگے۔ یہ تیسری قسم ہے تنفس سانس لینا گویا رات ایک غمگین شخص دم گھونٹنے بیٹھا تھا۔ پھر سانس لیا تو راحت پائی اور یہ وقت راحت ہے۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے۔ پہلے ان پانچ ستاروں کی قسم کھائی کہ جن کی حرکت و رفتار اس کی کبریائی کی روشن دلیل ہے۔ جس میں اس طرف ایما تھا کہ دنیا میں یہ پانچ اولوالعزم نبی ان پانچ ستاروں کی طرح روشنی پھیلانے والے تھے مگر ان کی روشنی یعنی شریعت اقوام کے تغیرات کے لحاظ سے سدا کے لیے ایک چال پر نہ تھی اور وہ پانچ ستارے یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ان پانچ ستاروں نے ہر چند دنیا کو

سیارات یہی ہیں۔ پھر ہر ستاروں کا مقام جو حرکت اسی لیے ان کو ثابت کہتے تجویز کیا ہے جس کو فلک اور نویں کو کرسی سے تعبیر کیا ان ستاروں کی اس حرکت کا اس میں قدرت کاملہ کا پورا

مذہب باطلہ سے پاک کیا۔ ان کے جھگڑے بیڑے مگر جہل و کفر و بت پرستی کی تاریکی نے جہان کو گھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ رات اشقی چلی آتی تھی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ہوا پھر تورات پھیل گئی۔ یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بعد سے لے کر آنحضرت ﷺ کی بعثت تک کا ہے مگر اس رات کے بعد اس رحیم و کریم نے جو اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں رات دن بدلتا ہے۔ ستاروں کو چلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا مگر آپ کی بعثت سے کچھ آگے وہ کفر و بدکاری کی اندھیری رات ڈھل چل تھی اس لیے لوگوں کو کچھ کچھ غیبی آثار نمودار ہونے لگے تھے کہیں کسی کو بتوں میں سے آواز سنائی دی گئی کہ ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہوا جاتا ہے جہاں کا ہادی آتا ہے۔ آخر وہ آفتاب ہدایت مکہ کے پہاڑوں میں طلوع ہوا اور دنیا کو روشن کر دیا۔ ان ہدایت کے ستاروں اور ڈھلتی رات اور ہدایت کی صبح کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ انہ لعل رسول کریم کہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے از خود محمد ﷺ نے دل سے نہیں بنالیا ہے جیسا کہ اور شعراء یا مصنفین بنالیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول کی زبانی پہنچا ہے یعنی جبرئیل آپ کے پاس وحی لاتے ہیں اور پڑھ کر سناتے ہیں تب آپ اس کو تم لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس مطلب کی طرف اور بہت سی آیات میں ایماء و تصریح ہوئی ہے۔ علمہ شدید العوی ذومرۃ بس یہ ہیں لعل رسول کریم کے معنی اب اس پر یہ شبہ پیش کرنا (کہ جب یہ رسول کریم کا قول ہوا تو اللہ کا کلام کیونکر ہوا حالانکہ بالاتفاق قرآن مجید کلام اللہ ہے اس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں) محض لغو ہے کس لیے کہ قول سے یہ مراد نہیں کہ جبرئیل کی تصنیف بلکہ یہ کہ جبرئیل نے کہا خدا کی طرف سے جیسا کہ اور آیات میں ان معنی کی تصریح ہے۔

اسی جگہ سے بعض علماء اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہے اور معنی خدا کی طرف سے جبرئیل کو القاء ہوتے اور جبرئیل وہ عبارت مع الفاظ آنحضرت ﷺ کو سناتے تھے مگر یہ بھی ایک لغو بات ہے کس لیے کہ جس جبرئیل علیہ السلام کو خدا کی طرف سے معنی القاء ہوتے تھے اسی کو الفاظ کی بندش بھی القاء ہوتی تھی۔ کیا خدائے پاک کو الفاظ کی بندش نہیں آتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کی کوئی بات اپنی طرف کی ہے۔ ہر حرکت و سکون خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ تو اسی طرح تابع ہیں کہ جس طرح انسان کی زبان تابع ہے۔ زبان از خود کیا بولتی ہے وہی جو انسان بولنا چاہتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے وحی کی مضبوطی اور استحکام متعلق ہے۔ اول کریم کہ وہ معزز فرشتہ ہے ایسا دیا نہیں بلکہ ناموس اکبر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ جملہ بشریت میں ہیں ان کا تجربہ ایسا نہیں کہ ہر وقت حق سبحانہ سے بغیر اس واسطے کے کلام کر سکیں۔ اس لیے وحی لاتے ہیں۔ یہ نورانی شخص کہ جس کا تجربہ اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ بلا واسطہ حق سبحانہ سے کلام کر سکتا ہے واسطہ قرار دیا گیا۔ (۲) ذی قوت قوت والا۔ تار برقی میں اگر قوت نہ رہے تو کبھی پیغام بسرعت ادا نہ کر سکے اور یہی قوت جبرئیل ہے کہ جب یہ کسی نبی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے جمیع تخیلات و توہمات کو جو غلطی میں پڑنے کے اسباب ہیں یک لخت باطل کر دیتی ہے اور اس وقت ان میں کوئی اثر قوائے بھیمیہ کا باقی نہیں رہتا۔ پھر جو کچھ وہ بولتے ہیں وہی بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہی کہتے ہیں جو کوئی ان کے سرچڑھ کر بولواتا یا کہلاتا ہے جس طرح بانسری آپ نہیں بولتی اس میں کوئی اور بولنے والا ہوتا ہے۔ یہی حال حضرات انبیاء بلکہ اہلہاء کا ہے۔ (۳) عند ذی العرش مکین عرش والے کے پاس جانے والا یعنی یہ نہیں کہ اس کو تخت تک رسائی نہیں وہ ادروں سے سن کر لاتے ہیں بلکہ ان کو بارگاہ قدس میں صرف رسائی ہی نہیں بلکہ (۴) مطاعہ وہاں وہ سردار بھی ہیں بیشمار ملائکہ ان کے زیر فرمان ہیں اور کسی نیک بندے کو کوئی نیک بات الہام و القاء کرنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ان ملائکہ میں سے کسی ایک کو معین کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرات اولیاء کرام کے الہام میں ہوا کرتا ہے اور یہ فرق ہے الہام انبیاء و الہام اولیاء میں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے ان للشیطان لمۃ باہن آدم وللملک لمۃ فاما لشیطان فایعاد بالشر و لکن ذی باہن و اما لملک

الملک فایجاد بالخیر و تقدیر بالحق الحمد یت را وہ الترمذی کہ شیطان بنی آدم کے دل میں القاء کرتا ہے اور فرشتہ بھی سوشیطان تو برائی ڈالتا ہے اور حق بات سے انکار کرتا ہے اور فرشتہ کا القاء نیکی پر ابھارتا اور حق کا تسلیم کرتا ہے (۵) امین کہ جبرئیل امین بھی ہیں۔ یعنی اس وحی میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرتے۔ کوئی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

چونکہ کلام الہی کے بندوں تک پہنچنے میں دو واسطہ ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام یہاں تک تو ان کے محامد بیان فرمائے تاکہ عدالت و حفظ جو شرط راوی ہے بدرجہ کمال ان میں متحقق ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان کا اعتبار ملاء اعلیٰ میں بھی از حد ہے اور راوی کو ثقہ اور صحیح الحافظ ہو مگر پھر بھی فرق ہے۔ ایک تو بادشاہ کا چوہدار یا خواص کو ثقہ اور صحیح الحافظ ہو بادشاہ کا پیغام لائے اور ایک امیر کبیر بزار از دار بڑا معتبر ثقہ صحیح الحافظ خبر لا دے دونوں میں فرق ہے۔ اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بارگاہ قدس میں سردار مطاع ہونا بھی بیان فرمادیا۔ دوسرا واسطہ پیغمبر ہے۔ اب ان کی نسبت اس قدر کہتا کافی ہے کہ ان کی عدالت اور تقویٰ اور راستبازی پر تو کفار کہہ بھی ایمان لائے ہوئے تھے۔ پھر ایسا سچا اور نیک آدمی کہ جس نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کوئی طمع نفسانی اس سے سرزد نہیں ہوئی جس کے بزرگانہ اخلاق اور صداقت ضرب المثل ہوں وہ خدا پر بلا منفعت دنیا کوئی ایسا جھوٹ باندھے کہ جس سے ہزاروں مصائب سر پر آ پڑیں مار دھاڑ ہونے لگے۔ قوم اور کنبہ جیسے دنیاوی فوائد یک قلم موقوف ہو جاویں۔ عقلا کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے قسم کھانے کے بعد اس جملہ کو بھی ارشاد فرماتا ہے۔ وما صاحبکم بمجنون کہ تمہارا صاحب یعنی دوست اور بی خواہ محمد (ﷺ) دیوانہ نہیں جو ایسی جھوٹی بات کہہ کر مفت اپنے سر پر مصیبت لیتا۔ یہ بھی تم خود جانتے ہو کہ بڑے عاقل ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عاقل ان سے عقل سیکھتے ہیں۔ پھر جب یہ بھی نہیں تو اس واسطے کے سچے ہونے میں بھی کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد ان کو یہ شبہ باقی تھا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں مگر ممکن ہے کہ جبرئیل سے آپ نے یہ کلام نہ سنا ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو۔ کوئی اور شیطان ان سے آکر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل سمجھتے ہوں۔ اس کا جواب دیتا ہے ولقد انا بالافق المبین کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آنکھ سے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے۔ وہ ان کو پہچانتے ہیں۔ سورہ نجم میں فرمایا تھا کہ جبرئیل کو آنحضرت ﷺ نے افق اعلیٰ پر دیکھا اور یہاں افق مبین پر دیکھنا فرمایا۔

قول محققین! علماء فرماتے ہیں کہ وہی افق اعلیٰ اور وہی افق مبین ہے۔ مشرقی کنارہ مجاہد کہتے ہیں کہ جبرئیل کو اجساد کی طرف دیکھا تھا اور وہ مکہ سے مشرق رخ ایک میدان ہے اور یہ دیکھنا ابتداء زمانہ نبوت میں ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں جب وحی آکر بند ہو گئی تھی تب کا یہ واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں جبکہ آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے اور سورہ اقرآن نازل ہوئی تب کا واقعہ ہے کہ اول تو مشرقی کنارہ پر آنحضرت ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام ایک زرین کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔ اپنی اصلی صورت میں نہایت عظمت و جلال کی صورت تھی اور کنارہ بھر ہوا تھا۔ اس لیے جب اوپر کے کنارہ پر تھے تو اس کو افق اعلیٰ سے تعبیر کیا اور شہ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے اترے اور آنحضرت ﷺ کے قریب ہوتے گئے (اس وقت کے لحاظ سے افق مبین کہا گیا) اور دونوں مل گئے۔ بعض کہتے ہیں دوبارہ دیکھا تھا۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ عالم مثال کے دو افق ہیں۔ ایک افق اعلیٰ جو عالم تجرد و تقدس سے ملی ہوئی ہے اور دوسری ادنیٰ جو عالم شہود سے ملی ہوئی اور اسی سبب سے اس کو افق مبین کہتے ہیں کہ عالم شہود کے قریب ہونے کے سبب ظہور و ابانت اس میں ہویدا ہے پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے کمالات کے مناسب شکل میں آنحضرت کو دکھائی دیں تو اول افق اعلیٰ پر جسم و شکل مثالی کا لباس پہنے ہوئے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہاں تک کہ افق ادنیٰ کے قریب پہنچ گئے اور عالم شہود کے کنارہ پر آ رہے اور آنحضرت ﷺ سے بالکل مل گئے۔ پس افق اعلیٰ اور افق مبین سے یہ افق مراد ہیں استعارہ کے طور پر۔ یہ اس لیے کہ عوام غیبیہ غالباً اہل کشف و شہود کی نظروں میں دو دائر کی

صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ الحاصل جب آپ پر حقیقتِ جبریلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالم شہود میں بھی آپ ان کو دیکھ چکے و لقد وآء نزلة اخرى عند سدرة المنتهى اور سیرۃ النبتی کے پاس بھی شب معراج میں دیکھ چکے تو اب اشتباہ شیاطین و جنات کا شبہ پیدا کرنا محض حق ہے۔ ہم اپنے وجدانیات میں بھی اشتباہ نہیں پاتے اور نہ محسوسات میں تو پھر اور اک تام حضرات انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا ہے جن کے سامنے حقائق الاشیاء منکشف ہیں۔

اب ایک شبہ یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا ہن ہوں۔ کا ہن بھی غیب کی باتیں جنوں سے سن کر بیان کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وما هو علی الغیب بضنین کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے۔ برخلاف کلام کا ہن کے کہ وہ نہ آخرت بیان کر سکتا ہے۔ نہ انسان کی سعادت و شقاوت کا رستہ بتا سکتا ہے۔ نہ مرضیات الہی اور اس کے نزدیک ناپسند باتوں کی خبر دے سکتا ہے۔ نہ پہلی امتوں اور اگلے انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ حالات بیان کر سکتا ہے جن میں عبرت و نصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ نہ آئندہ آنے والے واقعات ہولناک کی خبر دے سکتا ہے جن پر مطلع ہونا انسان کو ایک آنے والی زندگی دائمی کے لیے ضرور پر ضرور ہے۔ صرف دنیاوی معاملات پیش آنے والوں کا کچھ بے تکا حال بیان کیا کرتا ہے۔ وہ بھی پورا نہیں ایک بات سچ تو سوغلط محض مجمل طور پر کہ جس کے حواشی اور تعلقات محض قیاسی ہوا کرتے ہیں اور یہی بات نجوم و رمل و جفر وغیرہ علوم میں ہوتی ہے اور اسی طرح خواب کے انکشاف ہوتے ہیں اور ذرا اس سے بڑھ کر مکاشفات غیر انبیاء علیہم السلام کا حال ہے۔ برخلاف الہام انبیاء اور خصوص اس وحی کے جو بذریعہ جبرئیل امین آتی ہے یعنی قرآن مجید اس میں علوم خمسہ پورے پورے ہیں اور چھٹا عالم بیکار ہے۔ اس میں سے بھی بقدر ضرورت بہت ہے۔ باقی زید کبر کے مریض ہونے شفا پانے دولت مند ہونے فقیر ہونے کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے یا ناکامی ہونے بارش ہونے یا ہوا چلنے سے جو منصب نبوت سے دور تھا درگزر کیا۔ اس لیے قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا، برخلاف کا ہن اور اس کے کلام کے کہ وہ ان باتوں میں کمی کرتا ہے پورا بخیل ہے۔ ابن کثیر و ابو عمرو اور کسائی نے لفظ بضنین کو بظنن خفاء سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن یا محمد (ﷺ) غیب کی باتیں بتانے میں متہم نہیں قیاسی باتیں نہیں کہتے۔ گویا یہ جملہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے یعنی جب دونوں واسطہ ثقہ اور معتبر ہیں تو متہم نہیں بلکہ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے روایت کرتے ہیں اس میں ثقہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قرأت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم بھی ظہری سے پڑھا کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے افراد میں اور حاکم نے باقی قراء نے ضاد سے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ بخیل نہیں۔ وحی کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی معنی لیتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کر کے اس بحث کا خاتمہ کرتا ہے۔ فقال وما هو بقول شیطان الرجیم کہ یہ قرآن شیطانِ رجیم کا کلام نہیں یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ تو بت بشریہ سے تو یہ کلام بڑھ کر ہے پھر یا تو کا ہن کا کلام کہتے ہو۔ سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کا ہن غیب کے بیان میں متہم ہے۔ کچھ سچ ہے تو زیادہ جھوٹ اور یا اس کو شیطان یا جن ضبیث کا کلام کہتے ہو ان کے اعجبہ افعال پر نظر کر کے تو یہ بھی نہیں تم خود اس کلام میں غور کر لو۔ کس لیے کہ پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے نہ درخت سے پھل۔ اس قرآن مجید میں بیشتر یہ مطالب ہیں۔ توحید باری تعالیٰ ذات و صفات بلکہ افعال میں بھی بت پرستی اور توہمات پرستی کی مذمت اچھے کاموں کی ترغیب خیرات و صدقات صلہ رحمی عبادت عفت صدقات رحمہ لی راستبازی صبر و علم کی تعلیم مکارم اخلاق کی خوبی برے کاموں سے نفرت خصوصاً افعالِ شہوت و غضب و کبر و غرور اور

۱۔ صاحب کشاف کہتے ہیں و اتقان بین الظاء و الضاد واجب الخ کہ ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ض اور ظ میں اکثر جمع فرق نہیں کرتے حالانکہ ان کے مخرج ہدا جدا ہیں ظ کنارے زبان اور اگلے دانتوں کی جڑ سے نکلتی ہے ارض دائیں یا بائیں ڈاڑھ اور زبان کی جڑ سے۔ ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا دال کی جگہ جیم اور ت کی جگہ شین۔ ۱۲۰

سخت دلی، ظلم، ایزد رسانی، مکرو زور کی مذمت اور ان کے خراب نتائج بیان فرمائے۔ دنیا اور اس کے تجملات سے نفرت دلائی۔ حیات جاودانی اور دواہ آخرت کا شوق دلایا۔ خدا کے اسماء و صفات ذکر فرمائے۔ پہلی قوموں کے عبرت انگیز حالات بیان کئے۔ صادقوں کی خوبی، بدکاروں، نافرمانوں کی مذمت میں ان کے قصص ارشاد ہوئے۔ باہمی عدل و انصاف کے قانون بتائے۔ معاملات میں ظلم و تعدی روکنے کے لیے مسائل ارشاد ہوئے۔ زمین و آسمان و دیگر مخلوقات کے حالات سے اپنی قدرت و رحمت کے نشان بتلائے وغیرہ بھلا ان مضامین سے شیطان کو کیا واسطہ یہ تو اس کی آنکھوں میں غار ہیں۔ خصوصاً جبکہ شیطان کی تمام سرگزشت ہی بیان کر دی کہ اس نے تکبر کیا اور یوں وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ ان حالات کو تو وہ سن بھی نہیں سکتا۔ آپ بیان کرنا تو کجا فانیں تذبذبوں پھر اے نادانوں! تم کدھر جا رہے ہو۔ کیوں راستی کی طرف نہیں آتے۔ ان ہو الا ذکر للعالمین یہ قرآن تو بلحاظ مضامین مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں اور روحانی تاثیروں کے جہاں والوں کے لیے نصیحت و ہدایت ہے۔ لازم کہ اس کو یاد کریں اس پر چلیں مگر جہاں والوں میں سے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسی کے لیے یہ ذکر ہے لمن شاء منکم ان يستقیم کہ جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور اپنے امراض نفسانیہ کا علاج کرنا چاہے اور جس کا یہ قصد نہیں بلکہ حجت آرائی اور کج بخشی تو اس کو اس سے نفع نہیں بلکہ مضرت ہے اور یہ ارادہ کسی کے بس کا نہیں وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ رب العالمین جس کے لیے اللہ سدھرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہے۔ یہ توفیق اس کی طرف سے ہے۔ انسان قضاء و قدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قضاء و قدر اس سے کراتی ہے وہ اسی کے ارادہ و اختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ و اختیار کے سبب بندہ ثواب و عقاب، مدح و ذم کا مستحق ہوتا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں جبر و قدر دونوں کا ابطال ہے۔ جبر کا لمن شاء منکم ان يستقیم سے اور قدر یعنی تقدیر کے انکار اور بندہ کے فاعل مقرر ہونے کا ابطال جیسا کہ وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس آیت سے وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ رب العالمین اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ بندہ کی ہدایت کے اسباب پیدا کرنا اور اس کی سعادت کی راہیں بتانا برے کاموں سے روکنا یہ بھی اس کی شان ربوبیت ہے ورنہ اس کو کیا پڑی کوئی بد راہی اختیار کرے جہنم میں جائے اپنا سر کھپائے۔

اس سورہ کے ابتداء اور وسط اور مقطع کو غور کیا جائے تو صمد ہا اسرار بلاغت پائے گا جو اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ ولہ الحمد اولاً و آخراً

و ظاہراً و باطناً۔

(سورہ انفطار مکیہ ہے اس میں انہیں آیات ایک رکوع ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُورُ

بُعِثَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵

جبکہ آسمان پھٹ جاوے اور جبکہ تارے چھڑ پڑیں اور جبکہ دریا پھیل پڑیں اور جبکہ قبریں اکھڑی جاویں تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا۔

ترکیب ! اذا شرطیۃ السماء فاعل فعل محذوف يدل عليه انفطرت والجملة معطوفة علیہا و اذا الكواكب الخ عطف علیہا و کذا ما بعد ہا من الجملة علمت الجملة جواب الشرط نفس فاعل علمت ما قدمت و اخرت مفعول یقال بعثت۔ بیخبر مخرجة اذا قلب التراب وقال الفرد

اخر جت ما فیہا من الدفائن وذلک من اشرط القیامۃ ان تخرج الارض ذہبا فضتھا۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ نسائی نے روایت کی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے جب عشاء کی نماز میں بڑی سورۃ پڑھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔ کیوں سح اسم ربک الاعلیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں پڑھ لیا کرتا۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مگر وہاں اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں صرف نسائی نے روایت کی ہے۔

رابط | اس سورۃ کے اول سے ظاہر ہے کہ جس طرح اس میں اسباب تخریب عالم کو اذا کر کے بیان فرمایا تھا اور ان کے بعد جزا میں نفوس انسانیہ کا اپنے کئے پر مطلع ہونا بیان فرمایا تھا۔ اسی طرح اس سورہ میں اس مضمون کو دوسرے عنوان سے شروع کیا اور بعد میں انسانی سعادت و شقاوت کی ایک دلکش انداز سے تصویر کھینچی ہے۔

فرماتا ہے اذا السماء انفطرت جبکہ آسمان پھٹ جائے تب کیا ہوگا اس کا اور اس کے بعد اذا الکواکب غیر ہاسب جملوں کا جو اس مضمون کے ہیں۔ آپ ہی جواب دیتا ہے کہ علمت نفس ما قدمت و اخرت ہر شخص جان لے گا کہ کیا لے کر آیا اور کیا چھوڑ کر آیا۔

آسمان کے پھٹنے کا مضمون متعدد آیات میں واقع ہے۔ کہیں یہ ہے السماء منفطر بہ اور کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان اور کہیں یہ ہے ویوم تشق السماء بالغمام اور کہیں اذا السماء انشقت اور کہیں وفتحت السماء فکانت ابوابا ہے۔ غرض بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور ایک دوسرا عالم ابدی قائم ہوگا جس کے لیے انسان اس دار فانی میں چند روزہ مہمان ہے کہ وہاں کے لیے حسنات حاصل کر کے لے جائے کہ پھر اس کی تمامی عمر عافیت و آرام سے بسر ہو اور اس عالم کی خرابی کا شروع اس کی چھت سے ہوگا یعنی آسمان سے کس لیے کہ جب مکان بناتے ہیں تو شروع بنیاد سے کرتے ہیں۔ اس لیے زمین کا اول بنانا بیان فرما کر یہ فرمایا تھا ثم استوی الی السماء اور جب گراتے ہیں تو شروع چھت سے کرتے ہیں۔ پس جب آسمان لپٹ جائے گا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو ستارے بھی جھڑ پڑیں گے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے واذا الکواکب انتشرت اور جبکہ ستارے جھڑ پڑیں۔ ٹوٹ پھوٹ جاویں یہاں تک علویات کی بربادی مذکور ہو چکی۔ اب اس کے بعد عالم سفلی کی بربادی بیان فرماتا ہے۔ فقال واذا البحار فجوت اور جبکہ دریا بہہ پڑیں۔ بحر عربی زبان میں دریائے شور کو کہتے ہیں (سمندر) اور دریائے رواں کو خواہ وہ کیسا ہی عریض و عمیق ہو جیسا کہ دجلہ فرات، نیل، گنگا، جننا سب کو نہر کہتے ہیں۔ اب سمندر تین حصہ زمین کو حاوی ہے اور ایک چوتھائی کے قریب کھلا ہوا ہے جس پر یہ تمام اقسامیں اور جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔ قیامت کے قریب جبکہ یہ دنیا برباد ہونے کو ہوگی اب خواہ پہلے چھت یعنی آسمان اور ستارے برباد ہوں یا زمین برباد ہو کر پھر علویات برباد ہوں کس لیے کہ یہ بات آیات سے صاف معلوم نہیں ہوتی کہ پہلے کون برباد ہوگا۔ ہاں ترتیب ذکر وغیرہ قراین سے جو چاہو قرار دے لو تب زلزلہ عظیم ہوگا جس سے پہاڑ اور بڑی بڑی عمارات بھی زیر و زبر ہو جاویں گی اور دریائے شور جو اب ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے آبادی پر پھیل پڑے گا اور دنیا کو اور بھی تہ و بالا کر دے گا اور سورۃ نکور میں جو واذا البحار سجوت آیا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی۔ دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں واذا النجوم انکدرت اور واذا الکواکب انتشرت۔

جب ایسا زلزلہ عظیم ہوگا تو زمین بھی جا بجا سے شق ہو جاوے گی اور زمین کی مدفون چیزیں نکل پڑیں گی۔ اس بات کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے۔ واذا القبور بعثرت اور جبکہ قبریں اکھڑی جاویں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نوح صوری دوم کا واقعہ ہے یعنی اس وقت کہ مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جاویں اور جو زمین میں مدفون ہے باہر آ پڑے زلزلہ میں ایسا ہوتا ہے۔

یہ واقعات ہولناک تھے اس لیے ہر ایک کو اذا کے لفظ سے یاد کیا تا کہ اس کی عظمت شان معلوم ہو۔ ان واقعات کے بعد کیا ہوگا۔ آپ ہی فرماتا ہے۔ علمت نفس ما قدمت و اخرت تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا تھا اور کیا نہیں کیا تھا۔ ما قدمت سے

مراد تقدیم فی العمل ہے۔ وما اخرت سے مراد پیچھے ہٹنا۔ کام نہ کرنا۔ پس جس نے اعمال صالحہ کی تقدیم کی یعنی عمل میں لایا اور کبار سے کوتاہی کی تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جو اس نے اول عمر میں کئے۔ وما اخرت سے مراد وہ جو اخیر عمر میں کئے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے۔ بعض علماء اس کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوئے اور ما اخرت سے وہ رسوم مراد ہیں کہ جن کی اس نے بنیاد ڈالی تھی جن کاموں کی یہ بنیاد ڈال کر دنیا سے گیا ہے۔ اگر وہ نیک کام ہیں تو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اور اگر بری رسم قائم کر کے گیا تھا تو اس کے لیے بھی اسی قدر گناہ ہے جس قدر کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حاکم نے سند صحیح نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد اعمال ہیں نیک و بد۔ وما اخرت سے مراد وہ مال و زر ہے جو اس نے وہاں چھوڑا تھا۔

سوال: یہ واقعات تو فتح صور اور لکے ہیں۔ پھر اس وقت تو انسان یا مردے ہوں گے یا قریب مردی مصیبت میں مبتلا ان کو اعمال خیر و شر کیونکر معلوم ہوں گے؟

جواب: یہ ہے کہ اذاتے وہی متصل زمانہ ہر انہیں بلکہ وسیع زمانہ جس کی ابتداء یہ حوادث اور انتہائے صور ثانی ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّبَكَ فَعَدَلَكَ ۝
فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّينِ ۝ وَإِنَّ
عَلَيْكُمْ لَحِظَاتٍ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

اے انسان! بھلا تم کو کس چیز نے اپنے رب کریم سے غافل کر دیا جس نے تجھے بنایا پھر تجھے برابر کیا پھر تجھے اعتدال پر کیا جس صورت میں چاہا تیرے اعضاء کو جوڑ دیا۔ نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو ہی نہیں مانتے۔ حالانکہ تم پر بزرگ لکھنے والے محافظ ہیں (فرشتہ) کرنا کاتبین جو کچھ تم کیا کرتے ہو ان کو معلوم رہتا ہے۔

ترکیب: ۱۔ الکریم صفۃ اولی اللرب الذی الخ صفۃ ثانیہ مقررۃ للرب بویۃ مہیۃ للکریم فہو اک فعدلک عطف صلتۃ الذی ای خلقک فی ای صورۃ الجار متعلق برکبک واما مزیدۃ وثناء صفۃ لصورۃ ای رکبک فی ای صورۃ شاء حاو قیل یعلق یحذف علی انہ حال ای رکبک حاصل فی ای صورۃ شاء حاو انما لم یعطف الجملة ما قبلها لانها بیان لعدلک وان عینکم خبر ان لحاظ ظنن اسمھا کر ما صفتہ للکاتبین وکذا کاتبین و قیل هذا حال من الکاتبین فان مع اسمھا خبر ما وصفات الاسم جمله اسمیۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل تکذبون ای تکذبون والحال ان علیکم من پرد تکذبتکم وقیل مستافۃ مسوقۃ لبيان ما یبطل تکذبتکم۔

تفسیر: ۱۔ جب یہ حالت ہے کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے انسان اس روز اپنے نیک و بد اعمال کا ملاحظہ کر کے افسوس کرے گا۔ ہاتھ ملے گا تو آج اے بنی آدم! تم کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہو اور خدا تعالیٰ کی کریمی کے سبب (کہ جلد دنیا میں افعال بد کی سزا نہیں دیتا اور نیک و بد کو اپنی نعمتوں سے بھرپور کر رکھا ہے) نیکی میں کوشش کرنا تو درکنار بلکہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو اس جا نگداز مضمون کو ان آیات میں دلکش اور پراثر الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یا ایہذا الانسان ما غرک ببربک الکریم کہ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس نے مغرور کر دیا؟

فائدہ: ۱۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یہ انکار قیامت اور اس پر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ

سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروا نہیں کرتا شتر بے مہار بنا ہوا ہے۔ کسی کی نہیں سنتا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلہرہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی گستاخی کی مگر اس پر خدا نے دنیا میں اس کو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اتر گیا تب یہ آیت نازل فرمائی۔ اقسام غرور: اور علماء فرماتے ہیں کہ کافر اور گنہگار مومنوں سب کو شامل ہے مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزا و جزاء کا برپا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل میں نہیں اور یہ اندیشہ نہ ہونا غرور اور عدالتِ آسمانی کا انکار ہے۔ احیاناً گناہ ہو جانا اور اس پر تائب و تادم ہونا منافی شانِ ایمان نہیں۔ ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو دل کھول کر حرام کاری، مے نوشی، مکر و فریب کرو، جھوٹ بولو۔ لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروا نہیں۔ یہ بھی رب کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے۔ اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ یہود میں بھی تھے۔ وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے۔ ولن تمسنا النار الا ایام معدودة و سیغفر لنا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سیدہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہم سب کو گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ جھڑالیں گے اور بنی فاطمہؑ سپر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں۔ یہ بھی رب کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا جبکہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؑ زہراؑ سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال و اسباب جو میرے پاس ہے لے اور قیامت کے بارے میں یہ غرور نہ کرنا کہ میں محمد ﷺ کی بیٹی ہوں۔ میں خدا کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ یہ مضمون احادیث میں موجود ہے اور نیز آئندہ آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔ اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کر کے بتایا کہ جس میں کوئی شائبہ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قائم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایانِ شانِ دینِ حق ہے۔

یہود میں برہمنوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہمنی کی اولاد ہیں۔ برہمن دوزخ میں نہ جائے گا۔ وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ گناہ نہیں۔ الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں دبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کو اسلام نے رد کیا اور اسی طرح انکارِ قیامت اور باز پرس تو ان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیشتر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

فائدہ ۲: غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنے والے سے غرور (جس کی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم و فضل کرتا ہو) انسانیت کا مقتضی نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے۔ سر نیاز اس کے آگے نہ رکھے کیسی نالائق ہے مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روانہ کریں تو سارا غرور خاک میں مل جاوے۔

۱۔ اگر یہی وجہ ہے تو حضرت امام حسن و امام حسینؑ و دیگر اہل بیت اس بات کا زیادہ گھمنڈ کرتے جن کے فاطمی ہونے میں کسی کو کام نہیں تھا۔ برخلاف اس کے وہ توراتوں تہجد میں رویا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے۔ پھر اس زمانہ کے سید زادے پیر زادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ اگر یہ اپنے مسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں۔ کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسن اعتقاد اور محبت و عظمتِ سیادت اسی کی مقتضی ہے۔ غرور ہے۔ ۱۲۰



لطف حق باتو مواساھا کند
چونکہ از حد بگورد رسوا کند

بدکار بدی کر رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے۔ بت پرستی بت پرست کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعمتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں۔ گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہ راست سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے اور سینکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں کہ جن پر فلاح و سعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے۔ یہ غرور اس کے جہل اور شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے۔ جہل کا اس لیے کہ اس کے قہر اور صفت انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اس کی رضامندی کا سبب ہے۔ کسین کہہ دیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہم کو یہ دولت و ثروت کیوں دیتا۔ چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ بت پرست اور توہمات باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ اٹنے اور قیامت میں جزائے خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بد باتوں پر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور بہ۔

غرور تمہنی رجا کا فرق | واضح ہو کہ غرور اور تمہنی اور رجا یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں۔ غرور کی بابت یہ ہے ولا یغیر نکمہ باللہ الغرور اور تمہنی کی مذمت یہ ہے تلک امانیہم ولیس با مانیکہم ولا امانی اهل الکتاب۔ اور امید کی مدح آئی ہے اولنک یرجون رحمۃ اللہ سوا امید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جاوے۔ اس کے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب بوجہ کر کا شکار غلہ کی انتظاری کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجالا کر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کر کے ایمان و اعمال صالحہ میں کوشش کر کے نجات آخرت کی توقع رکھے۔ سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اس پر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقت اخیر اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت (واعبد ربک حتی یا تیک الیقین کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آ جاوے) میں یہی یقین مراد ہے۔ رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اس کے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے۔ مثلاً آقا کی بغاوت کر کے بخشش کی امید رکھے یا مال برباد کر کے نفع کی امید رکھے۔ کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے۔ برے کام کر کے نجات کی امید کرے۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت

دماغ بیبدہ بخت و خیال باطل بست

اور تمہنی وہ ہے کہ کسی قدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے۔ حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شکلی حالت میں تمہنی ہے اور اسباب بالکل نہ پہنچائے ہوں یا برخلاف اسباب جمع کئے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دھوکا ہے۔ دنیا کے لوگ اس اندھیری رات میں کہ جس کو حیات کہتے ہیں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ کہ جن کو روشنی عطا ہوئی ہے۔

اس کے بعد رب کریم کی تفصیل سنا تا ہے تاکہ اس مغرور کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں۔ فقال الذی خلقک وہ کہ جس نے تجھ کو پیدا کیا عدم سے ہستی میں اپنے کرم سے لایا نہ تیرا سوال تھا نہ تیری دعا تھی۔ پھر یوں ہی بیڈول اور اینڈ نہیں پیدا کر دیا بلکہ اس طور سے کہ فسواک تجھے برابر کیا۔ اعضاء جسم میں تناسب رکھا۔ کان کی جگہ کان، ناک کی جگہ ناک، آنکھ کی جگہ آنکھ رکھی اور فعدلک قوی و مزاج میں بھی تعدیل ملحوظ رکھی جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی جس کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا

فرمائی۔ تسویہ اور تعدیل کا فرق: یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویہ اعضاء جسم ہو لیتا ہے۔ تب ہر ایک میں اس کی قوت و دیعت رکھی جاتی ہے اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اس کی باطنی استحکام سے متعلق ہے۔ مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کی جمیع قوتی کی تعدیل تک شامل ہے۔ اس لیے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا۔ فسواک فرمایا پھر تعدیل کو فعدلک فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معاً ایک صورت خاصہ عطا ہوتی ہے جس کو صورتِ شخصہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوبصورت بد صورت جیسا داہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کو بغیر عطف کے یوں فرمایا اسی صورتۃً منشاء رکبت کہ جس صورتِ خاص میں چاہا اے انسان تجھے مرکب کر دیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال پر عطا ہوئی ہے۔ یہ اسی کا کرم ہے جو آج تو اپنی صورت اور حسن و جمال پر اتنا غرور کرتا ہے۔ کیا خوب ہے کہا ہے کسی نے۔

تناسب اعضاء کے اتنا تجھے
بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کے

اکثر انسان کے غرور کے اسباب تین ہیں۔ ایک حسب و نسب، دوسرا حسن، تیسرا مال و زر۔ حکومت و شوکت ان تینوں کی حقیقت اسی ایک جملہ میں بیان فرمادی۔ اب اس انسان کے کروت بیان فرماتا ہے کہ جس کو اس رب کریم نے یہ کچھ دیا یہ اس کے مقابلہ میں کیا شکر گزاری کرتا ہے؟ فقال کلا ہرگز نہیں بل تکذبون بالمدین بلکہ اے بنی آدم تم جزا کا انکار کر رہے ہو۔ شتر بے مہار بن کر حصول لذات و شہوات میں غرق ہو اور جانتے ہو کہ اس میں مزا اڑانے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں نہ مر کر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے۔ نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ وان علیکم لحافظین حالانکہ اس نے اپنے کرم سے تم پر نگہبان مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کی محافظت نہ ہو تو تلف ہو جاؤ۔ وہی تمہارے دل میں حفاظت کے علوم القاء کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اس کی محتاجی نہ تھی بلکہ پیدا ہونے کے بعد بھی بقاء اور وجود میں بھی احتیاج باقی ہے۔ سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے بچاتے ہیں۔ یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراما کا تین کرم کرتے ہیں۔ مباشرت کے وقت اور شرمناک کاموں کے وقت تمہارے رو برو نہیں ہوتے۔ کسی پرافشائے راز نہیں کرتے لیکن جو کچھ نیک و بد تم کرتے ہو اس کو دفتر غیب میں لکھ لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے ہیں صبح تک رہتے ہیں۔ پھر صبح کو اور دو آتے ہیں شام تک رہتے ہیں۔ پہرہ بدلتا رہتا ہے اور یہ لکھنا ان کا بے خبری سے نہیں بلکہ یعلمون ماتعلون جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔ ان سے تم کچھ چھپا نہیں سکتے۔ پھر جب یہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ تم کو اس رب کریم نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے کے لیے اس لیے ہر ایک کام کی جزاء دے رہا ہے۔

إِنَّ الْآبَرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٧﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٨﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٩﴾

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿٢١﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ

مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿٢٢﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَكْمَرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ﴿٢٣﴾

یقیناً نیک بندے تو نعمتوں میں اور بدکار روزخ میں ہوں گے۔ انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس دوزخ سے کہیں جانے نہ پاویں گے۔ اور تجھے کیا معلوم کیا ہے انصاف کا دن۔ پھر (کہتے ہیں) تجھے کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کسی کا کسی کے لیے کچھ بھی بس نہ چلے گا اور اس دن اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔

اور یہی سرے صبح و شام کی عبادت کی طرف اہل اللہ زیادہ متوجہ ہوا کرتے ہیں ان قرآن العجیب کا مشہور میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۰ منہ

ترکیب ! ان الابرار الجملة واما معطوف علیها عنی الجملة الثانیہ مستأنفہ لبيان نتیجه الحفظ والکتاب من الثواب والعذایب یصلونها الجملة المصطفیٰ واما مستأنفہ جواب لسوال مقدر کا نہ قبل ما حکم فقال یصلونها الخ قبل حال من الضمیر فی متعلق الجار والجر ورویوم منصوب بیصلون قراء الجہور مخففاً مبیاً للفاعل وقرئ مشدوداً مبیاً للمفعول واما ہم الخ وھذا الجملة ایضاً مستأنفہ تجزئ وما ادراک تجزئ لشان یومہ الدین ولذا ذکرہ یوم لا تملک قرئی یوم بالرفع قرءا ہا بن کثیر وابو عمرو علی انہ بدل من یومہ الدین اواخر مبتداء محذوف وقرأ ابو عمرو فی رولیۃ عنہ بالتعویین والقطع عن الاضافۃ وقرأ الباقون بفتحہ وفی وجہ الاول باضار یدانوں لان الدین یدل علیہ والثانی باضارا ذکر واد الثالث قول الزجاج وھو ان یکون فی موضع رفع الا انہ منی علی الفتح لاضافۃ الی قولہ لا تملک المضاف الی غیر التمسک بنحو علی الفتح وان کان فی موضع رفع وجر قال الواحدی قول الزجاج انما یجوز عند التحلیل ویسبویہ اذا كانت الاضافۃ ای الفعل الماضی نحو قولک علی حین عاتبت واما اذا كانت الاضافۃ الی المستقبل فلا یجوز عند الکوفیین الرابع قول ابو علی وھو ان الیوم لما جرى فی اکثر الامر نظر فارتکب علی حالۃ الاکثریۃ والدلیل علیہ قول العرب - والامر مبتداء یوم منذ للخبیرہ رفع ابن کثیر یوم علی البذل من یومہ الدین اواخر المحذوف۔

تفسیر ! اب یہاں سے اس جزا کی تفصیل و تشریح فرماتا ہے کہ لیے کہ پہلے اس کو ثابت کر لیا فقال ان الابرار لغی نعیم کہ بے شک نیک بندے نعمت میں ہوں گے یعنی بہشت میں کس لیے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے۔ جہاں کھانے اور پینے اور مکان و لباس و ہم جلیس کے متعلق سب دلخواہ سامان ہیں اور اس پر حیات ابدی بھی ہے اور کوئی مرض و رنج، موت، بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدار الہی بھی ہے۔ یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔ برکی تفصیل: بر یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادی ہے۔ لیس الابرار الخ کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لاوے اور پھر نیک کام کرے۔ ایمان و عمل صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔ یہ تو نیکوں کا انجام کار تھا۔ اب بدوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وان الفجاء لغی جحیم اور بد یعنی جو ایمان اور عمل صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے۔ اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے اور ایمان ہے مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے۔ چوری، زنا، شراب خواری، ترک صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، ظلم و دغا، تاج و رنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اوئی سے کم کس لیے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے۔ فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو بادشاہ ہو عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو۔ کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لیے حکم عام ہے۔

فائدہ: علماء بدیع کہتے ہیں کہ اس آیت میں کئی صفیں موجود ہیں۔ اول جمع و تقسیم وہ یہ کہ اول چند اشیاء کو جمع کر لیا جاوے اور پھر تقسیم کیا جاوے سو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے جمع وان علیکم لحافظین الخ میں تھا کہ سب کو ایک حکم میں جمع کر لیا کہ سب پر محافظ کرانا کاتبین مقرر ہیں۔ پھر یہاں تفریق کردی کہ ان میں سے نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے۔ دوم صنعت ترصیع ہے اور کلام مرصع وہ ہے کہ دونوں فقروں میں ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ جن کا وزن برابر ہو جمع یعنی اخیر کا حرف ایک ہو۔ یہاں یہ بات بھی ہے۔ ابرار کے مقابلہ میں فاجر نعیم کے مقابلہ میں جحیم میں ہم وزن ہے۔ سوم صنعت تضاد بھی ہے جس کو اطلاق و تطبیق کہتے ہیں کس لیے کہ ابرار کی ضد فاجر اور نعیم کی ضد جحیم ایک کلام میں جمع ہے۔ اس کے بعد کسی قدر جحیم کے ہولناک احوال بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو سن کر لوگ فوراً باز آویں (اول) یصلونها یومہ الدین کہ اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر خوشامد و منت کر کے بچ جاتے ہیں۔ ایسا وہاں نہ ہو گا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے۔ معاذ اللہ دوم۔ واما ہم عنہا بغائبین۔ کہ اس جحیم سے وہ غائب بھی نہ ہو سکیں گے۔ قید خانہ سے خلاصی کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جاوے اور دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی تدبیر سے داخل ہو کر نکل جائے، دیوار پھاند کر بھاگ

جائے یا نگہبانوں سے چھپ کر نکل جائے یا زبردستی سے نکل جاوے یا رشوت دے کر نکل جاوے۔ سو یہ بھی وہاں نہ ہوگا ان سب باتوں کی نفی اس ایک جملہ وما ہم عنہا بغائبین میں کر دی کہ وہاں یہ باتیں نہ ہونے پادیں گی۔ معتزلہ کا مذہب اور اس کا رد: اس جگہ سے معتزلہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ کس لیے کہ وہ بھی فاجر ہیں اور فاجروں کی نسبت آگیا ہے۔ وما ہم عنہا بغائبین کہ وہ وہاں سے غائب نہ ہوں گے یعنی کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ وما ہم بخارجین منہا اس کا جواب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں دیا ہے کہ یہ تمہارا عقیدہ قطعی ہے اور الفاظ کی عموم پر دلالت ظنیہ ہے۔ پھر اس سے ثبوت کرنا بیکار ہے اور ظن اس لیے کہ استعمال جمع معرف باللام کا معبود سابق میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ پس محتمل ہے کہ یہاں الحجار سے مراد کافر ہوں جن کا ذکر چلا آتا ہے جو روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر عموم کو قطعی بھی مان لیا جاوے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اہل کبیرہ فاجر ہیں۔ کس لیے کہ پہلے آچکا ہے اولئک ہم الکفرة الفجرة کہ کفار ہی کافرو فاجر ہیں اس لیے یہ بات کہ اصحاب الکبار ہی علی الاطلاق فاجر ہیں غیر مسلم ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے تو وما ہم عنہا بغائبین کے صدق کے لیے ان فاجروں میں سے کفار کا خلود کافی ہے مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا اس آیت سے استدلال ہی صحیح نہیں کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ از خود کسی مکرو تدبیر سے وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔ نہ یہ کہ خود خدا تعالیٰ انہیں نہ نکالے گا سو یہ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے اہل الکبار کو رہائی دے دے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد اپنے فضل و کرم سے یا شفاعت سے انہیں رہائی دے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد اس روز کی شدت کے اظہار کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما اداک ما یوم الدین کہ اے انسان! تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ ثم ما اداک ما یوم الدین پھر تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ یہ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر مصائب ہیں اس روز کے مصائب کے آگے کچھ بھی نہیں پھر انسان اس کی حقیقت سے کیونکر واقف ہو سکے۔ اس کے سوا جزا کا معاملہ بھی عقل میں اچھی طرح سے نہیں آسکتا کہ انسان کے اعمال کیونکر اپنی مناسب اشکال میں منتقل ہو کر راحت و رنج کا باعث ہوں گے؟ خیر حقیقت جزا تو کیا جانیں گے اس لیے وہاں کی ایک ہی بات پر سخن تمام کرتے ہیں یوم لا تملک نفس لنفس شیئاً کہ اس روز کوئی کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا نہ بھائی نہ باپ نہ یار نہ کوئی اور اہل قرابت کچھ کام آئے گا جیسا کہ دنیا میں شریک ہو جاتے ہیں اور دفع مصیبت میں کوشش کرتے ہیں وہاں یہ نہ ہوگا۔

فائدہ ۲: نفس مکرہ لنفس مکرہ شینا مکرہ تینوں مکروں کے عموم نے یہ بات بتادی کہ اس روز کسی کا بھی اختیار نہ ہوگا والامر یومئذ للہ اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ برخلاف دنیا کے کہ بیوی پر میاں کی حکومت ہوتی ہے۔ آقا کی نوکر اور غلام پر بادشاہ کی رعیت پر مگر اس روز جو اس کے اور کسی کی حکومت نہ ہوگی۔ فائدہ ۳: اس آیت سے شفاعت کا رد کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے کس لیے کہ شفاعت اپنا اختیار نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے سودہ بھی اسی کا امر ہے۔

(سورہ تطفیف مکیہ ہے اس میں چھتیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ

أَوْزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

خرابی ہے کہ تم تھکے والوں کی ان کی جولوگوں سے لیں تو پورا پورا مایوس کر لیں اور جب لوگوں کو مایوس کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو ایک بڑے دن (قیامت میں) اٹھایا جاوے گا جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ترکیب ۱۔ ویل مبتداء و جاز الابداء بہ لکن نہ دعاء قال کمی ویل وشبہہ اذا کان غیر مضاف فالختار الرفع بجزو النصب واذا کان مضافاً او معرفاً فالختار فی النصب والویل کلمۃ تذکر عند وقوع البلاء یقال ویل لک وویل علیک۔ وقیل وادنی جہنم للمطففين خبرہ المطفف ماخوذ من الطفیف وهو الجانیب او الشیء البیسیر یقال طفیف الوادی والاناۃ اذا قارب الامتلاء ولم یمتلی بعد۔ قال الزجاج انما قیل للذی ینقص المکیال والمیزان مطفف لانه یرق الشیء البیسیر۔ والتطفیف الخس فی الکلیل والوزن الذین الخ صفت کاشفتہ للمطففين اذا استکثروا الاکتیال الاخذ بالکلیل علی الناس قال الفراء علی من فی هذا الموضع یمتحنان یقال استکلت منک ای استوفیت منک وتقول استکلت علیک ای اخذ ما علیک یعنی الاکتیال یمتعل بن علی وبنی الکشاف لما کان اکتیالهم اکتیالاً یضرهم بادل علی مکان من لئلا یتعل علی ذلک۔ واذا کالوهم ای کالوا کھم او وزنوا کھم حذف اللام فتعدی الفعل الی المفعول فهو من باب الحذف والایصال۔ قال الکسانی والفراء من کلام اهل الحجاز ومن جادهم یقولون زنی کذا کنی کذا کسبک وکسبت لک۔ قال الزجاج لا یجوز الوقف علی کالوا حتی یوصل بالضمیر ویرد ی عن عیسیٰ بن عمرو وحزرة اخاکا کنا یجعلن الضمیرین توکید المانی کالوا ویقفان عند الواوین ای علی کالوا او وزنوا ثم یقولان هم ینخسون وزعم الفراء والزجاج انه غیر جائز۔ الا یظن الخ جملة متانفة۔ یوم منسوب باعنی وقیل بمبعوثون او مرفوع اکل خبر المبتداء محذوف او مجرد بدلا من یوم عظیم مبنی علی الفتح لاضافة الی الفعل وان کان مضارعاً علی مذہب الکوفیین۔

تفسیر ۱۔ یہ سورہ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ وضحاک ومقاتل رضی اللہ عنہما مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے کہ آخر جو مکہ میں نازل ہوا وہ یہ سورہ ہے۔ مگر حسن وکرمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور سب سے اول جو مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ یہی سورہ ہے۔ قول اول قوی ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں کو لینے دینے میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرتے پایا۔ سب سے اول جو ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو ان کے حسب حال یہی سورہ سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرنے کی سخت برائی ہے۔ اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اس روز کے بعد سے اب تک اہل مدینہ سے بڑھ کر کوئی شہر اور بستی پورا تو لے اور پیمانہ بھرنے میں نہ ہوگی۔ ایک لخت سب نے وہ کام چھوڑ دیا۔

ربط ۱۔ اس سورہ کا سورہ اذا السماء انفطرت سے یہ ہے کہ اس سورہ کے اخیر میں حشر کا معاملہ مذکور تھا کہ نیک نعیم میں اور بدجیم میں ہوں گے اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آوے گا۔ اس لیے اس سورہ میں اس بدی کی شرح کر دینا مناسب ہوا جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔ کس لیے کہ حقوق العباد سے زیادہ تر باز پرس ہوگی اور وہ بدی کیا ہے؟ حقوق العباد میں دیدہ و دانستہ کمی زیادتی کرنا جس کو عربی میں تطفیف اور اس کے مرکب کو مطفف کہتے ہیں۔ خصوصاً لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے۔

اس لیے فرماتا ہے ویل للمطففين خرابی ہے حقوق العباد تلف کرنے والوں کی پیمائش اور وزن میں۔ ہر چند لفظ تطفیف کے معنی لغوی پیمائش اور وزن میں خیانت کرنے کے ہیں مگر شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے۔ پیمائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے سوا ہر قسم کی خیانت اور خست کو بھی جیسا کہ اپنے عیوب کو چھپانا اور لوگوں کے وہی

عیوب ظاہر کرنا لوگوں سے انصاف طلب کرنا اور آپ انصاف نہ کرنا۔ لوگوں کی عیب جوئی کرنا اپنے عیوب کی پروا نہ کرنا، لوگوں سے تعظیم طلب کرنا اور خود کسی کی تعظیم و تکریم نہ کرنا۔ نوکروں، غلاموں، تابعداروں سے خدمت تو ٹھوک بجا کر لینا اور تنخواہ اور اجرت دینے میں کمی کرنا، اپنے لیے جو پسند کرنا وہ دوسروں کے لیے نہ کرنا۔ رزق و عزت و عافیت تو خدا تعالیٰ سے بہت کچھ مانگنا اور اس کی حکم برداری سے دل چرانا۔ لوگوں سے اللہ کے لیے سوال کرنا آپ اللہ کے لیے کچھ نہ دینا۔ اوروں کو نصیحت کرنا خود مبتلا ہونا۔ حال خراب رکھنا قال ٹھیک رکھنا۔ بزرگوں کی صورت بنانا۔ باطن میں شیطانی کام کرنا، ریا کاری کرنا وغیرہ۔ یہ سب لوگ مطفف ہیں ان سب کے لیے دلیل یعنی خرابی ہے۔

پھر اس خرابی کی جو دنیا اور آخرت میں مطفف کو پیش آتی ہے سنکڑوں صورتیں ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل و خوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا، مرض و دباؤ و دیگر دنیا کے اشد مصائب میں مبتلا ہونا اور آخرت میں جہنم اور اس کی پیپ اور بدبودار وادی ہے۔ جہاں عمر بھر رہنا اور رونا اور سر پینٹنا ہوگا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت نبی ﷺ نے یوں تفسیر کی ہے کہ خمس خمس یعنی سن لو پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں مقرر ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس کے دشمن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اور جو قوم احکام الہی کو خواہش نفسانی اور رشوت ستانی سے ترک کرتی ہے تو فقر و افلاس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں زنا و اغلام کی کثرت ہوگی دباؤ وغیرہ حوادث سے ہلاک ہوگی۔ جو قوم ناپ اور تول میں خیانت کرے گی قحط میں مبتلا ہوگی۔ باغ اور کھیتوں کی پیداوار سے بہرہ ور نہ ہوگی جو قوم زکوٰۃ اور حقوق مساکین سے دست کشی کرے گی ان سے بارش روک لی جاوے گی۔

مگر خدا تعالیٰ جب کسی قوم اور ملک کو بالکل برباد کرنا چاہتا ہے تو ان سے ان سزاؤں کو چند روز کے لیے روک لیتا ہے تاکہ دلیر ہو کر ان افعال کو کریں اور پھر دفعۃً برباد ہو جاویں۔ واصلی لہم ان کیدی متین کہ میں ڈھیل دیتا ہوں اور میرا دوا مضبوط ہے معاذ اللہ۔ اس کے بعد ان کے کمرو خیانت کی تشریح فرماتا ہے۔ فقال الذین اکتالوا علی الناس یستوفون کہ جب اوروں سے ماپ کر لیں تو بھر کر لیں۔ عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کارآمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیانہ سے لیتے دیتے تھے مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں۔ آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں۔ اس میں آسانی بہت ہے اور پیانہ کو کیل اور کیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں پیانہ سے لی جاتی ہیں۔ ان کو کیل کہتے ہیں اور جو چیزیں تول کر لیتی ہیں ان کو موزون کہتے ہیں سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے واذنا کالو ہم اور جب اوروں کو ماپ کر دیتے تھے اووزنہم یا تول کر دیتے تھے پیخسرون کی کرتے تھے۔

فائدہ: پیانہ اور وزن سے لینا ایک حالت ہوئی اور انہیں سے ناپ یا تول کر دینا دوسری حالت ہے۔ لینے میں دھوکا دے کر زیادہ لے لینا پیانہ میں اکثر ہوتا ہے۔ دوسرے نے ان کو پیانہ بھر کر دیا۔ اس نے زیادہ دبا دیا یا اوپر سے چوٹی باندھ دی اس لیے لینے کی صورت میں پیانہ کا ذکر کیا برخلاف دینے کے کہ وہاں پیانہ میں بھی خیانت ہوا کرتی ہے اور تولنے میں بھی جس کو ڈنڈی مارتا کہتے ہیں اور عرب میں ایسا دستور بھی تھا اس لیے اس صورت میں پیانہ اور وزن دونوں کا ذکر کیا۔

فائدہ ۱: اہل زبان اس مقام پر کہتے ہیں کہ اکتال کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے مگر علی کے ساتھ اس لیے کیا کہ علی مضرت کے لیے آتا ہے اور خیانت میں دوسرے کی مضرت ہے۔ اسی طرح کالولہم اور وزنولہم لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بغیر لام کے اس لیے استعمال ہوا کہ اس کا روبرار کی کثرت بیان کرنی مقصود تھی اور کثرت استعمال میں ایسے حروف محذوف ہو جایا کرتے ہیں۔ عرب کا خاص محاورہ ہے۔

فائدہ ۲: بقول علماء محققین یہاں بھی تول اور پیانہ کی خاص خیانت مراد نہیں بلکہ عام خیانت مراد ہے۔ آپس کے معاملات میں اور

خدا کے معاملات میں بھی جیسا کہ علامہ قشیری قدس سرہ کے قول میں تشریح کی گئی۔

فرماتا ہے الا یظن اولئک انہم مبعوثون لیوم عظیم کہ یہ جو ایسی گندم نہائی جو فروشی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کو ایک بڑے سخت اور مصیبت کے روز کھڑا ہونا اور عدالت الہی میں حاضر ہونا ہے؟ گویا ان کا بیباکانہ ایسی حق تلفی اور خیانت کا عمل میں لانا قیامت کے دن میں کھڑے ہونے کا انکار کرتا ہے۔ گویا ان سے انکار نہ ہو ورنہ جو اس کھڑے ہونے کا دل میں یقین رکھتا ہوگا اس سے یہ بیباکی سرزد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو اپنے اعمال کے وزن اور تول کا خیال نہیں کہ حشر میں ہوتا ہے۔

وہ دن کیسا ہوگا یوم یقوم الناس لرب العالمین ایسا ہوگا کہ جس میں تمام لوگ رب العالمین کے آگے کھڑے ہوں گے اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا انصاف کرنا بھی اس کی ربوبیت عامہ کا مقتضی ہے اور یہی صفت اس روز مظلوموں کے بدلے لینے پر محرک ہوگی۔

حقیقت میں نفوس سرکش کی باگ تھانے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی خیال ہے ورنہ حکام وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب و ترہیب باز نہیں رکھ سکتی جیسا کہ آج کل ہم لوگوں میں بدکاری اور خیانت کا زیادہ رواج اس لیے دیکھتے ہیں کہ قیامت کا اعتقاد کم ہوتا جاتا ہے۔

كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْفَجَارِ لَفِي سَجِّينٍ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۝ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝
وَنُلْیُ یَوْمَیْذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُكَذِّبُوْنَ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ وَمَا یُكَذِّبُ بِہٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اِثْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

نہیں نہیں بدکاروں کا روز نامہ سَجِّین میں ہے اور (اے مخاطب!) تو کیا جانے کیا ہے سَجِّین۔ لکھا ہوا دفتر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ان کی جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی جھٹلاتا بھی ہے جو حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے جبکہ اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے (یہ تو) پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

ترکیب ۱۔ کلا الا کثر وں علی انھا کلمۃ روع و تنبیہ ای لیس الامر ما زعمتم من انه لا حساب ولا جزاء وقال ابو حاتم کلا ابتداء یصل بما بعدہ علی معنی تھا و هو قول الحسن کتاب الفجار اسم ان لغی سَجِّین خبرھا۔ وفي السجین قولان الاول وهو قول الجمهور انه اسم علم علی شیء معین فعلی هذا فیہ اقوال عند الاکثر هو الارض السابغة السفلی وهو قول ابن عباس وقيل جب لانی جنم۔ والقول الثانی انه مشتق فھو فعلیل من السجین بمعنی الجحیم والتضییع کالفسق من الفسق وهذا قول البرد والزر جاج والابی عبیدۃ وردہ الواحدی وقال صاحب الکشاف ان السجین فعلیل من السجین ثم انه ھھنا اسم علم منقول من وصف کھاتم وهو منصرف لانه لیس فیہ الاسباب واحد وهو التعلیف کتاب مرقوم ۲۔ ای ہو کل کتاب۔ فلا یرد ما قبل ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ عن کتاب الفجار بانه فی سَجِّین ثم فر السجین بانه کتاب مرقوم فکانہ قال لان کتابھم فی کتاب مرقوم واجاب التفتال بان قولہ کتاب مرقوم لیس تفسیر السجین بل التقدير ان کتاب الفجار لغی سَجِّین وان کتاب الفجار کتاب مرقوم فیکون هذا وصفا لکتاب الفجار بوصفین، احدهما ان فی سَجِّین والثانی انه مرقوم وقوله وما اداک ما سَجِّین جملۃ معترضۃ واجاب الرازی بانه لا استبعاد فی کون احد الکتابین فی الآخر بان یوضع کتاب الفجار فی کتاب الذی هو الاصل المرجوع الیہ فی تفصیل احوال الاشقیاء او بان ینقل مانی کتاب الفجار الی ذلک الکتاب المسمی بالسجین و فی وجہ آخر هو ان یکون المراد من الکتاب الکتابۃ فالسجین کتاب الفجار فی سَجِّین ثم وصف السجین بانه کتاب مرقوم فیہ جمیع اعمال الفجار من الکبیر۔

قال ابن عطیہ من قال ان سحیبا موضع فكتاب مرفوع علی ان خبره والظرف وهو قوله لفی سحین طغی ومن جعله كتابا فكتاب خبر مبتداء محذوف والتقدير هو كتاب الذین یکذبون بدل من المکذبین اوصفتهم اصحاب جمع اسطورة او اسطارة۔

تفسیر ۱۔ جب قیامت کے دن دربار الہی میں کھڑے ہونے اور نیکی بدی کے حساب دینے جزاء و سزا پانے کا ذکر آیا تو مناسب ہوا کہ نیکوں اور بدوں کے ان حالات کو بھی بیان کیا جاوے جو مرنے کے بعد حسب اعمال پیش آویں گے۔ ہر چند جزاء و سزا کا مسئلہ بہت جگہ بیان ہوا لیکن اس مسئلہ کے سخت منکروں کے مقابلہ میں بار بار مختلف عنوانوں سے بیان کرنا ان کے دل پر نقش کر دینا مقصود ہے جو نبوت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کلا نہیں نہیں یعنی تم جو یہ سمجھے ہوئے ہو کہ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ سزا ہے نہ جزا ہے جو چاہو دل کھول کر کرو مزے اڑاؤ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں یہ خیال غلط ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ پھر اس کے بعد جزاء و سزا کا حال بیان فرماتا ہے۔ بعض مفسرین کلا کو بمعنی حقالتے ہیں تب یہ آئندہ کلام سے متعلق ہوگا کہ بے شک ان کتاب الفجار لفظی سنجین کہ روز نامچہ بدکاروں کا جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں سحین میں ہے۔ سحین سے وہ واقف نہ تھے اس لیے آپ ہی فرماتا ہے وما ادراک ما سنجین کہ اے مخاطب! تو کیا جانے کیا ہے سحین؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کتاب مرقومہ کہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے یعنی وہاں ایک دفتر ہے جس میں مجرموں کے نام و نشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔

سحین و علیین کا بیان ۱۔ سحین جن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قید خانہ۔ اس قید خانہ کی کہ جہاں مرنے کے بعد ارواح جاتی ہیں۔ احادیث و اقوال صحابہ و تابعین میں یوں تشریح آئی ہے کہ وہ جہنم کا طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے تلے ہے یعنی عالم بالا یا علوی کے برخلاف عالم سفلی میں جو تنگ و تاریک اور پر حزن جگہ ہے جہاں درد و غم کے سوا اور کچھ نہیں جہاں طرح طرح کی تکالیف اور آگ کی پلٹیں اور سانپ اور بچھو ہیں۔ امام احمد نے براء بن عازب سے اور امام احمد و نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسناد مختلف اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کی سند میں الفاظ و مطالب میں کمی بیشی ہے مگر سب کا قدر مشترک یہ مضمون ہے کہ جب ایماندار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے رو برو آ بیٹھتے ہیں اور اس کے قریب ہو کر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت و مغفرت اور باغ و بہار اور عیش و لہذا کی طرف۔ تب اس کی روح فرحت و نشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالم بالا کی طرف جاتے ہیں۔ رستے میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تب وہ ملائکہ جو لیے جا رہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت و صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو دوسرے تک کسی کو ساتویں تک پھر وہیں اس کو اپنے رب سے پیشی ہوتی ہے اور تجلی ہو کر شرف ہمگامی حاصل ہوتا ہے۔ تب حکم ہوتا ہے اکتبوا کتاب عبور فی علیین کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو یعنی علیین جو عالم بالا میں ایک فرحت بخش جگہ ہے اور جہاں اور ایمانداروں کی رو میں رہتی ہیں اور وہاں عیش اور بہار ایسی ہے کہ جس کا بیان ممکن نہیں۔ وہاں یہی رہے اور وہاں جو ایک دفتر ہے جس میں وہاں کے رہنے والوں کے نام ہیں اس کا نام بھی وہیں درج کرو۔ تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں اس سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے واپس آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے بھی زیادہ ان کو خوشی ہوتی ہے۔ تب وہاں کے لوگ اپنے دنیاوی اقارب کا حال دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے وہ تو مر گیا، کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتے ہیں افسوس وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔ اور اگر کافر و منافق ہے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے سامنے بہت ناک اشکال کے فرشتے آتے ہیں جن کے چہروں سے غضب کے آثار دیکھنے والے کے زہرہ کو پانی پانی کئے دیتے ہیں جہاں تک اس کی نظر آتی ہے وہی بیٹھے نظر آتے ہیں۔ تب وہ کہتے ہیں اے

روح خبیث! اس ناپاک بدن سے نکل اور اپنی سزا اور عذاب کی جگہ چل۔ تب وہ اس کو بھیج کر لے جاتے ہیں اور اس سے بدبو آتی ہے جس جگہ سے لے کر گزرتے ہیں وہاں کے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون روح خبیث ہے؟ تب وہ کہتے ہیں فلاں بن فلاں برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے آسمان تک لے کر آتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر اوپر چڑھنے کے لیے دروازہ نہیں کھلتا۔ اس مقام پر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یدلج الجمل فی سمر الخیاط کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گزر جاوے تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام تحین میں لکھو۔ سب سے نیچے زمین میں تب اس کی روح اوپر سے نیچے پھینک دی جاتی ہے اور اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ومن یشرك بالله فکنا نماخر من السماء الآیہ کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ یہ تب تحین میں اس کو طرح طرح سے عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد روح کو خبر رہتی ہے اور اسی کو عذاب و ثواب ہوتا ہے جسم یہاں پڑا رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تحین مجرموں کا قید خانہ عالم ہستی میں ہے اور وہاں نام لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہاں دفتر رہتا ہے جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لیے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا نام اس میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس تحین کو دفتر کی جگہ بھی کہنا نامناسب نہیں اور ہے دراصل قید خانہ اور علیین جس کا ذکر اگلی آیتوں میں آتا ہے۔ عالم بالا میں ایک پُر فراز اور فرحت کی جگہ ہے۔ قیامت تک بدتحین میں پھر جہنم میں اور نیک علیین میں اور پھر جنت میں رہیں گے اور تحین جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے جیسا کہ علیین جنت کا ابتدائی مقام ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی تحین اور علیین کا کچھ حال بیان فرمایا ہے چنانچہ انجیل لوقا کے سولہویں باب میں حضرت کا یہ قول منقول ہے۔ ۱۹ ایک دولتمند تھا جلال اور مہین کپڑے پہنتا تھا اور روز روز شان و شوکت سے عیش کرتا تھا (۲۰) اور لعزرتام ایک غریب آدمی جو ناسور سے بھرا تھا جس کو اس کی ڈیوڑھی پر ڈال جاتے تھے۔ ۲۱ اور وہ آرزو رکھتا تھا کہ ان ٹکڑوں سے جو دولتمند کی میز سے گرتے تھے اپنا پیٹ بھرے بلکہ کتے آکے اس کے گھاؤ چانتے تھے۔ ۲۲ اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مر گیا اور فرشتوں نے اسے لے جا کر ابراہیم کی گود میں رکھا (کس لیے کہ عالم روحانی میں ارواح ان کے ظل عافیت میں رہتی ہیں۔ یہ کام ان کے سپرد ہے) اور دولتمند بھی مر گیا اور گاڑا گیا۔ ۲۳ اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزرتا اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور لعزرتا کو بھیج کر اپنی انگلی کا سر پانی میں بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس لومیں تڑپتا ہوں ۲۵ تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور لعزرتا بری چیزیں سودہ تسلی پاتا ہے اور تو تڑپتا ہے۔ ۲۶ اور ان سب کے سوا ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے کہ ایسا کہوے جو یہاں سے تمہارے پاس جایا چاہیں نہ جاسکیں اور نہ وہ لوگ جو وہاں ہیں اس پار ہمارے پاس آسکیں۔ ۲۷ تب اس نے کہا اے باپ تیری منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج۔ ۲۸ کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تاکہ ان پر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کے جگہ میں آویں۔ ۲۹ ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰ اور انبیاء ہیں چاہیے کہ وہ ان کی سنیں۔ ۳۰ اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیم پر اگر کوئی مردود میں سے ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ۳۱ اس نے اسے کہا کہ جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنتے ہیں تو مردودوں میں سے اگر کوئی اٹھ کر جاوے تو اس کی کب سنیں گے۔

یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب ہوتا ہے اور بد طرح طرح کا عذاب پاتے ہیں اور نیک راحت اور اسی کو شرع محمدی میں قبر کا عذاب و ثواب کہتے ہیں (۲) یہ کہ نیکیوں کا مقام بالاتر ہے جہاں دور سے ابراہیم کو دیکھا اور ان کے پاس لعزرتا بھی اور اسی کو شرع محمدی میں علیین کہتے ہیں اور بدوں کا مقام ہستی میں ہے جہاں گڑھا حائل ہے۔ اس کو تحین کہتے ہیں جس قید

خانہ سے نکلنا مشکل ہو (۳) مرنے کے بعد دنیا کی باتیں اور اپنے اقارب کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور سب کو جانتا ہے (۴) مرنے کے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں ان کی حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی خبر دی ہے جو مردے کے زندہ ہو کر دنیا میں جا کر خبر دینے سے زیادہ معتبر ہے۔ (۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام روحانی باپ ہیں اس لیے اسلامی ان پر بھی نماز میں درود بھیجتے ہیں۔ فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اس روز (یعنی جس روز کہ بدکار اور منکر مکتبین میں داخل ہوں گے اور وہ دن بہت دور نہیں صرف مرنے کی دیر ہے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو الہامی باتوں کو آج دنیا میں جھٹلاتے ہیں۔ بعض تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں آپ ہی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا صرف ایک وہی بات ہے جو مدتوں سے کانوں میں پڑی چلی آئی ہے۔ یہ ملحد آج کل فرنگستان میں بہت ہیں۔ محسوسات کے چند علوم نے جن کی غلطیاں روز بروز نکلتی جاتی ہیں ان کو تاریک گڑھے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر ان میں کچھ طبعی ہیں جن کو نیچری کہنا چاہیے اور کچھ دہری اور مادی ہیں اور کچھ خیالی ہیں کہ سب باتوں کو توہمات و خیالات ہی کہتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کو تو نہیں جھٹلاتے اس کے قائل ہیں مگر پھر اس کی صفات تو حید و تنزیہ و قدرت کے منکر ہیں۔ پھر کسی نے مخلوقات میں سے اس کے وسائل قرار دے کر شریک بنا رکھے ہیں جیسا کہ مشرکین عرب و مشرکین ہند و فرقہ مجوس پھر کسی نے خدا تعالیٰ کو ممکنات پر قیاس کر کے اس کی ذات مقدسہ کے حصے کر ڈالے ہیں جن کو انائیم کہتے ہیں باپ، بیٹا، روح القدس۔ پھر اس کے توجیہ میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں۔ کہیں ریاضات سے اور مثلث اور شکل سے ثابت کرتے ہیں۔ بعض کرشناں جو کچھ مسلمانوں کے علوم سے واقف ہیں۔ سمجھتے ہو جیسے اس کو تعینات اور تنزلات کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور صوفیہ کرام کے اقوال و اشعار سے عامہ کو دھوکا دینے کے لیے سندیں لایا کرتے ہیں حالانکہ نہ تعینات کو سمجھتے نہ تنزلات سے واقف نہ مصطلحات صوفیہ کرام سے آگاہی مگر یورپین پادری ان کی اس موشگافی سے جو تحقیق اہل اسلام کے نزدیک قابلِ تمسخر ہے ان کی خوب قدر دانی کرتے ہیں اور بعض نے جملہ اصولِ عالمِ حسی کو قدیم مانا ہے اور ان کے پیدا اور فنا کرنے سے اس کو عاجز سمجھتے ہیں جیسا کہ آج کل فرقہ آریہ بعض نے حضراتِ انبیاء کو جھٹلایا وہ کسی نبی کو بھی نہیں مانتے نہ نبوت کی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں جیسا کہ فرقہ آریہ اور برہموا اور بعض انبیاء کو تو مانتے ہیں لیکن خاص خاص کو نہیں مانتے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ سب مکذبین ہیں اور ان کے سوا آیاتِ قدرت کے منکر بھی مکذبین ہیں جو ہر روز دنیا میں اس کی قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں پر نہیں مانتے اور قیامت اور جزاء و سزا کے منکر تو مکذبین میں سے بہت ہی بڑے مکذبین ہیں۔ کس لیے کہ دل کھول کر بدکاری کرنے کا یہ عمدہ ذریعہ ہے اس لیے بالخصوص مکذبین میں سے اسی گروہ کا ذکر کرتا ہے فقال الذین یکذبون بیومہ الدین وہ مکذبین جو روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں اس کو نہیں مانتے اس لیے دل کھول کر بدکاری کرتے ہیں۔ اس مضمون کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وما یکذب بہ الا کل معتدا ۱۱۱ کہ روز جزا کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہو اور بدکار ہے۔ اس کی یہ سرکشی اور بدکاری روز جزا کے خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتی۔ جیسا کہ عرب کے بت پرست تھے اور اب یورپ کے عیش پسند حرام کار بدکار لوگ ہیں۔ اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں بالخصوص وہ کہ جن میں جزا کا حال ہے تو سن کر ٹھٹھوں میں اڑاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ پہلی کہانیاں ہیں یوں ہی کہتے چلے آئے ہیں کس نے دیکھا ہے۔ آج کل تعلیم انگریزی کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ ابتداء ہی سے جوان ملحدوں کے خیالات ان کے دل پر نقش کئے جاتے ہیں اور کسی قدر علوم جدیدہ کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں تو وہ الہامی باتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جزاء و سزا کے قائل نہیں رہتے۔ پھر تو خوب سے نوشی اور زنا کاری کرتے ہیں۔ پاک، ناپاک حلال و حرام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ خرابی کی شرح نہیں کی کس لیے کئی جگہ ہو چکی ہے۔ آگ،

سانپ، بچھو، درد، غم، لڑپاس وغیرہ۔

كَلَّا بَلْ سَنَآءَ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَأَنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿٧﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٨﴾

نہیں نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر رنگ لگ گیا ہے۔ ضرور وہ اس دن اپنے رب کے سامنے آنے نہیں پائیں گے۔ پھر وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

ترکیب ! کلاروع وز جر للمعدی الاثیم وقال الحسن بمعنی حقاً ما کانوا یکسبون والعائد محذوف ای یکسبون نہ والجملة فاعل ران رین ریم و رنگ گرفتن ومن قولہ تعالیٰ بل ران الخ ای غلب وقيل هو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب (صراح) لمحجوبون خبر ان عن ربهم متعلق یہ یومئذ طرف لہ ثم انهم ثم تراخی المرتبة هذا الذي الخ الجملة مفعول المسمی فاعله ليقال۔

تفسیر ! ان حد سے بڑھنے والے گنہگاروں کے خیال کو باطل کرتا ہے۔ بقولہ کلا کہ جو تم سمجھے ہوئے ہو وہ ہرگز نہیں پھر ان کے اس انکار اور آیات کو پہلوں کی کہانیاں کہنے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا رنگ چڑھ گیا ہے جس لیے وہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔ فائدہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ استغفار کر لیا تو صاف ہو گیا اور اگر دوبارہ گناہ کیا تو وہ نقطہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہی وہ رین ہے کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) پھر گناہ کرتے کرتے جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کوئی حق بات اس میں نہیں آتی پھر اگر اس سے بھی بڑھ گیا تو دل پر ایک حجاب ہو جاتا ہے جس کو مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر قفل کا مرتبہ ہے۔ اس دل میں صلاحیت ہی نہیں رہی کہ کوئی اس کو صاف کر دے گویا مری گیا پہلے تو بیمار ہی تھا اس سے یہ مراد نہیں کہ مضغ گوشت پر کوئی سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور پھر پھلتے پھلتے سب کو سیاہ کر ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ چیرنے کے بعد وہ سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ کس لیے کہ قلب سے مراد شرع میں وہ انسان کی روحانی قوت ہے جو ادراک کرتی ہے۔ گناہ کرنے سے اس پر تاریکی آ جاتی ہے اور آخر اس تاریکی کا ایک حجاب بن جاتا ہے جو اس کو انوار الہیہ کی تجلی سے مرنے کے بعد دیدار سے محروم کرتا ہے۔ کما قال کلاناہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون کہ بے شک یہ لوگ اس روز اپنے رب سے رو کے جاویں گے حجاب یعنی پردہ حائل ہو جاوے گا دیدار کے شرف سے محروم ہوں گے۔

پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ثم انهم لصالوا الجحیم ان کو جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اسی کے لائق تھے ثم یقال ہذا الذی کنتم بہ تکذبون پھر ان کو شرمندہ کرنے کے لیے کہا جاوے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب تو یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔

جس طرح پہلی آیات میں اشیاء کا وہ حال بیان ہوا تھا جو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک ہو گا یعنی عالم برزخ کا۔ اسی طرح ان آیات میں عالم حشر اور اس کے بعد کا حال بیان فرما دیا اور اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان کرتا ہے اور بدوں کا حال پہلے اس لیے

بیان فرمایا کہ اس سے پہلے کم تولنے وغیرہ جرائم کا ذکر تھا۔

كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عَلَيِّنَ ۝ وَمَا اُذْرٰكَ مَا عَلَيْنَا ۝ كِتٰبٌ مَّرْهُومٌ ۝
يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلٰى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ ۝
تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتْمُهُ مِسْكٌ
فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝ وَهَرٰجُهُ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا
الْمُقَرَّبُونَ ۝

بے شک نیکوں کا روزِ ناچہ علیین میں ہے اور تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے ایک کتاب ہے (نثانی کی ہوئی) کہ جس کو (ملائکہ) مقرب دیکھا کرتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے نظارہ کیا کریں گے اسے مخاطب تجھے ان کے چہروں پر عیش کی تازگی دکھائی دے گی اور ان کو شراب خالص پلائی جاوے گی جس پر مشک سے مہر لگی ہوگی اور لچانے والوں کو لچا نا تو اسی پر چاہیے اور اس شراب میں تسنیم کی بھی آمیزش ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جسے مقرب پیا کرتے ہیں۔

ترکیب ۱۔ کلا الخ جملہ متانفہ لبيان حال الابرار۔ علیین قال ابو الفتح الموصلي جمع على هو فعليل من العلو وقال الفراء والزجاج جمع واعرابه کا عراب الجمع رفعاً ونصباً وجرّاً ولكن لا واحد له من لفظه نحو ثلاثين وقمرين والمراد به القام الاعلى فقليل على السماء السابعة وهناك يتجمع ارواح الابرار يشهد صفة اخرى الكتاب اى يحضرون ذلك الكتاب ويحفظونه وقيل يرون ما فيه فعلى الاول من الشهود وعلى الثانى من الشهداء ينظرون حال ويجوز ان يكون متانفاً وعلى متعلق به والارائك جمع اريكة وهى السرير فى جملة والحجبة بيت مربع من العياب الفاخرة ترخى على السريه ويقال فى الهندية (چمپر کھٹ و مسہری) تعرف الخ الجملة متانفہ لبيان حال الابرار وكذا يسقون قال البردوازى جاج الرحيق من النمر مالا غش فيه وفى الصحاح الرحيق صفوة النمر مختوم صفته لرحيق ختامه مسك صفته اخرى التنافس شدة الحرص ومزاجه معطوف على ختامه مسك صفته اخرى من تسنيم هو شراب ينصب من علو وتسنيم فى اللغة الارتفاع ومنه سنام البعير علوه من بدنه ومنه تسنيم القهوه نفس عين تجرى من علولى اسفل وقال ابن مسعود عين فى الجنة تمرز لئلا يبرار ويشرب بها المقربون كما فره الله تعالى بقوله عينا الخ وفى نصب عينا وجوه الاول انه على المدح والثانى انه على الحال وانما جاز كوضا حالاً مع انها جامدة غير معتقة لا تصافها بقوله يشرب بها قال الاخفش منصوبة بيسقون وقال الفراء تسنيم والباء فى بها زائدة او بمعنى من۔

تفسیر ۱۔ فقال کلا کہ جیسا تم سمجھے ہوئے ہو کہ نیکوں کی نیکی بیکار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں یا یوں کہو کہ بے شک و شبہ ان کتاب الابرار لغی علیین ابرار کا روزِ ناچہ کہ جہاں ان کے کام اور نام لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہے پھر جس کا اس دفتر میں نام ہے وہ جو نہیں ہو سکتا نہ وہ مرنے کے بعد اکرام و اعزاز سے محروم رہتا ہے۔

ع ثبت ست بر جریده عالم دوام ما

وہ جریدہ بقاء ہے ان کے لیے حیاتِ جاودانی اور ابدی عیش و کامرانی میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ علیین پر آگاہی ان کے افہام ناقصہ کو نصیب نہیں اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما علیون کہ اے انسان! تو کیا جانے کیا ہے علیین؟ کس لیے کہ انسان محسوسات کا ادراک کرتا ہے اور جس سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک یا ترتیب معقولات سے بطور

نظر و فکر کرتا ہے سو اس میں سینکڑوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اسی لیے عقلاء کا ایسے امور میں اختلاف ہوا ہے پھر اگر ادراک صحیح ہے تو کشف و شہود سے ہے اور اس میں کامل حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے۔ پھر جو کوئی ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو وحی کا اتباع لازم ہے۔ اس لیے بذریعہ وحی آپ ہی بتاتا ہے کتاب مرقومہ کہ وہ ایک بالاتر اور عالم قدس کی عمدہ جگہ ہے جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیکیوں کے نام ہیں اور وہ مقام چونکہ بہت بلند ہے وہاں نیکیوں میں سے بھی ہر ایک نہیں پہنچتا بلکہ یشہدہ المقربون وہاں مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہی پہنچتے ہیں۔ عام مومنین و صلحاء امت اس کے نیچے اپنے درجات کے موافق عالم قدس کے اور مقامات میں ہوتے ہیں مگر نام ان کے اس بلند دفتر میں درج ہوتے ہیں کہ ترقی کر کے وہاں تک پہنچنے کی ان کے لیے امیدواری ہے۔ یہ تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ جملہ یشہدہ المقربون کو علمین کی صفت قرار دیا جاوے اور بسبب مقام ہونے کے ضمیر مفرد اس کی طرف پھرائی جائے اور اگر کتاب مرقومہ کی صفت مانا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ اس دفتر تک ہر ایک کی رسائی نہیں بلکہ ملائکہ مقربین کی کہ وہی اس دفتر کے محافظ اور کارپرداز ہیں۔ یہاں تک عالم برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابراہار اور مقربین پر گزرتا ہے۔ غرض صور سے پہلے تک اور اس کے بعد کا حال آئندہ آیات میں بیان فرماتا ہے۔

فائدہ: اکثر سورتوں میں نیک بندوں کو دو جماعت میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اصحاب الیمین اور ان سے بڑھ کر السائقون اور پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابراہار اور سائقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین اور ابراہار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سائقین اور مقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ پہلی جماعت میں صلحاء و شہداء امت داخل ہیں اور دوسری میں حضرات انبیاء و اولیاء جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اچھے لوگوں کو انہیں چار قسموں میں داخل کیا ہے من النبین والصدیقین والشهداء والصالحین الآیہ۔ اب بتلادیا گیا کہ مرنے کے بعد ابراہار کا نام علمین میں ہے وہ خاص علمین میں یا اس کے متعلق کسی بلند جگہ میں رہیں گے اور مقربین علمین میں۔

فائدہ: علمین اور بحین کی تصویر عرفاء نے یوں کھینچی ہے کہ نوع انسانی کا بحسب وسعت معرفت اور اس کی تنگی کے اور باعتبار تہذیب لطائف و تحصیل انوار ملکیت اور ان کے حکمران اور ظلمات ہیمہ و سبجیہ کے بڑا وسیع میدان ہے جس کو ایک وسیع دائرہ خیال کرنا چاہیے کہ جس کا مرکز ادنیٰ مرتبہ انسانیت کا ہے جو بہت ہی فروتر مرتبہ ہے اور محیط اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور جب عالم غیب میں اس شکل متخیل نے ایک صورت پیدا کی ہے تو اس کے مرکز کا نام بحین اور محیط کا علمین نام ہو گیا اور یہ ثابت ہے کہ جس قدر دائرے مرکز کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی چھوٹے ہوں گے درجہ بدرجہ اور جو دور محیط کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی بڑے ہوں گے درجہ بدرجہ۔ اس لیے انسانیت فجار کے مراتب درجہ بدرجہ قریب مرکز کے ہیں یہاں تک کہ بعض تو محض مرکز ہی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانیت ابراہار کے مراتب ترقی کرتے ہوئے درجہ بدرجہ قریب محیط کے ہوتے ہیں اور وسعت و فراخی میں ایک دوسرے سے زائد یہاں تک کہ نوبت اعلیٰ علمین تک پہنچ جاتی ہے۔ اعلیٰ علمین جس کو رفیق اعلیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے خاص مقربین کا مقام ہے اور ابراہار ان کے طفیل سے اس مقام پر عبور کرتے ہیں لیکن ان کا مشہد یعنی ٹھہرنے کی جگہ وہ نہیں اور یہ عبور روحانی بعد مفارقت جسم کے روح کو حاصل ہوتا ہے کہ مقربین کی ارواح کو اعلیٰ علمین میں لے جاتے ہیں اور ابراہار ان کے قریب جگہ پاتے ہیں اور فجار بحین میں لائے جاتے ہیں اور اسی لیے بحین کو بطور استعارہ کے زمین کے طبقہ غلی اور علمین کو ساتویں آسمان پر بیان کیا گیا۔ محیط اور مرکز کے لحاظ سے۔

اس کے بعد وہ حالات بیان فرماتا ہے جو حشر میں ابراہار کو پیش آویں گے فقال ان الابرار لفی نعییم کہ بے شک ابراہار یعنی نیک بندے نعتوں میں ہوں گے جتنی نعتیں کہ ان کو انسان کا دل چاہے عمدہ مکان باغ و انہار نفیس کپڑے حور غلمان سواری اور خادمان پری

رواد رکھانے کی دل پسند چیزیں اور فرحت و سرورِ جادوانی کے وہ سب سامان وہاں موجود ہوں گے جن کو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے کان نے سنا نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ لفظ نسیم سب کو شام ہے مگر اس کے سوا ان کو بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھایا جاوے گا جیسا کہ فرمایا ہے علی الارائنک ینظرون کہ تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے اور وہ تخت ایسے معمولی تخت نہ ہوں گے بلکہ سایہ دار جویش بہا جوہرات اور بیش بہا کپڑوں اطلس و بیاد غیرہ سے مزین ہوں گے کہ ان کو کوئی نہ دیکھے اور اس میں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے اسی لیے ینظرون کا مفعول حذف کر دیا کہ تعیم بھی جاوے۔ جنت کے سب تماشے اور عیش و نشاط کے سامان بھی دیکھیں گے اور دوزخیوں کی حالتِ زیوں کا بھی ملاحظہ کریں گے مگر تعرف فی وجوہہم نضرة النعیم ان کو ان کی یہ حالتِ زار دیکھنے سے کچھ ملال اور پریشانی نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی دوست اور قرابت دار کافر و مشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جاوے گا اور ان کے عیش و نشاط میں ان کے برے حال کے دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمت کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگادیں گے۔ فائدہ: عرفاء فرماتے ہیں کہ ارائنک حس کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے وہ اہل اللہ کے مخفی حالات و مقامات ہیں اور ان کی رات میں لوگوں سے چھپ کر تہجد و دعا و استغفار و تسبیح و تہلیل ہے اور ان کے دلوں کا وہ سوز و گداز ہے جو لوگوں سے مخفی تھا اور ان کی وہ محبتِ الہی ہے جو کسی کو نظر نہ آتی تھی۔ آج وہ ارائنک کی شکل میں جلوہ گر ہوگی اور ان کے چہروں کی وہ پرمردگی جو دنیا میں محبتِ الہی اور فاقہ کشی اور غربت و فقر سے تھی آج تازگی بن جاوے گی اور اس نظارہ کا لطف زیادہ کرنے کے لیے یسقون من ریحان کو شرابِ خالص بھی پلائی جاوے گی کہ نہ جس میں تلخی ہوگی نہ بد بو نہ بعد میں خمار و دردِ سر نہ بے ہوشی نہ بدحواسی جو تمام لطف کو درہم برہم کر دے بلکہ وہ ایک شراب ہوگی جو ان باتوں سے خالص ہوگی اور اس سے ایک سرور پیدا ہوگا اور وہ ایسی مبتذل شراب نہ ہوگی کہ جس تک ہر ایک کا ہاتھ پہنچتا ہو بلکہ اس پر مہر لگی ہوگی نہ دنیا کی شرابوں کی طرح کہ جن پر مٹی یا لاکھ کی مہر ہوتی ہے بلکہ ختامہ مسک اس کی مہر مشک سے ہوگی جس کی خوشبو اس میں سرایت کر جاوے گی اور فرحت و سرور بڑھاوے گی اور نیز مشک ایک مناسب گرمی بھی پیدا کرے گا جو ہضم بڑھاتا ہے۔

بعض مفسرین مختلفہ سے مراد تمامی لیتے ہیں کہ پینے کے بعد مشک سے ان کے منہ خوشبودار کئے جاویں گے۔ جیسا کہ کھانا کھانے اور شراب پینے کے بعد پان یا الا لگائی کھاتے ہیں اور یہ اس کا ختام ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں بعد میں ایسی خوشبودار فرحت نیز چیز دی جاوے گی جس کو مشک سے تشبیہ ہے۔ واضح ہو کہ یہاں تک ابرار اصحابِ الیمین کے نعماء بیان ہوئے ہیں کہ جو تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ شرابِ ریحان پئیں گے۔ یہ شرابِ ریحان وہ محبتِ خالص ہے جو دنیا میں شرک و بدی کا ملاؤ نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے جنت میں وہ شرابِ خالص بن کر ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرے گی۔ مگر یہ شرابِ ریحان تسنیم سے جو خاص مقررین کا حصہ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے کم مرتبہ ہے۔ اس لیے اس ریحان میں کبھی کبھی اس تسنیم سے کچھ ملا دیا جاوے گا جیسا کہ دنیا میں شراب میں گلاب وغیرہ چیزیں ملا کر پیتے ہیں اور کم اس لیے کہ ریحان وہ فرحت و شادمانی ہے جو موجوداتِ عالمِ علوی کے ملاحظہ سے ہوگی جیسا کہ دنیا میں یہ جماعتِ ابرار مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کو پہچانتے تھے اور ہر ایک آیتِ قدرت کو اس کے جمال کا آئینہ سمجھ کر شادمانی کرتے تھے۔ اسی طرح اس جہان میں ان کو ایک شرابِ خالص پلائی جائے گی کہ جو وہاں کے عجائب موجودات کو ملاحظہ کر کے ان میں اس کے جمال کا مکمل کا مشاہدہ کریں گے اور نہایت شادمانی ہوگی۔ بخلاف تسنیم کے کہ وہ خاص ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لیے ہے بغیر اس کے کہ موجودات کے آئینوں میں جھلکی دکھائی جاوے گی۔ اس لیے اس شراب میں سے بھی کبھی ان کو حصہ ملے گا کہ یہ بھی ذاتِ پاک کا مشاہدہ کریں گے اس کے بعد فرماتا ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اور چاہیے کہ اللہ کے واسطے اس پر اللہ کی اور اسی کی آرزو اور خواہش کریں نہ کہ دنیا کی نعمتوں کی جو کدورت سے خالی نہیں اور

اس پر بھی ان کو دوام و بقاء نہیں جو انی باوصبا کی طرح ایک دم کے لیے آئی اور چلی گئی پھر جب جوانی نہیں تو اور نعمتوں کا کیا مزہ باقی رہا۔ پھر دنیا کی شراب کی کیا رغبت کرنی چاہیے جو بد مزہ اور بد بودار اور مزیل عقل و حواس اور مورث و دروسر و خمار ہے اور کم تو لے یا حقوق العباد تلف کرنے میں بے حقیقت چیزوں پر کیا رنجھنا اور عاقبت برباد کرنا چاہیے یہاں کا مال و زر کیسا اور یہاں کے اسباب بیش و نشاط ہی کیا ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں پر رنجھ کر عقبی برباد کرتے ہو رغبت رنجھنے کی چیز تو آخرت کی یہ نعمتیں ہیں۔

اس کے بعد کچھ حال مقررین کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ انہیں ابرار کے ضمن میں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جب مقررین کے روز کے پینے کی چیز کبھی کبھی ان ابرار کی شرکت میں مزید لطف و اکرام و اعزاز کے لیے لائی جاتی ہے اور یہ ابرار ان نعمتوں میں ہیں تو پھر مقررین کا تو ان سے مرتبہ بڑھ کر ہے۔ ان کے نسیم کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے و مزاجہ من تسنیم کہ اس ریح کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی تسنیم اس میں ملائی جاوے گی۔ تسنیم کے لغوی معنی بلندی کے ہیں اور اونٹ کے کوہان کو اسی لیے نام کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے۔ اس لغوی معنی کے لحاظ سے تسنیم کے باب میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) یہ کہ وہ اونچے سے نیچے گورتا ہوا چشمہ ہے۔ ایسا چشمہ بہ نسبت اس کے کہ ہموار زمین میں بہتا ہو۔ نہایت صاف اور پر لطف ہوتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ہوا میں بہتا ہے۔ اس بلندی و ارتفاع سے اس کی لطافت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی ہوگی۔ (۳) یہ کہ وہ بلند قدر عالی مرتبہ چیز ہے اس لیے اس کو تسنیم کہتے ہیں اور اسی لیے مکرّم کہتے ہیں تسنیم کے معنی تشریف کے ہیں یعنی عالی قدر بلند مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن بصری فرماتے ہیں۔ اس کی حقیقت سے مجز پروردگار کے کوئی واقف نہیں وہ ایک نہایت عمدہ اور بے بہا چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ کا اسی قدر بیان کافی ہے۔ عینا یشرّب بها المقربون کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقررین پیا کرتے ہیں اور ابرار کو اس میں سے ملا کر دیا کرتے ہیں۔ اس سے ابرار کی شان بھی معلوم ہوتی کہ پلائی تو ان کو ریح جاتی ہے مگر اس میں اور لطف بڑھانے کے لیے تسنیم ملا دیتے ہیں اور مقربون کا بھی حال معلوم ہوا کہ وہ خاص اسی تسنیم کو پیا کرتے ہیں جو ایسی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ جس میں سے کچھ ابرار کی شراب میں ملائی جاتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۖ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۖ

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۖ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۙ

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۚ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۚ عَلَى

الْأَرَائِكِ ۖ يَنْظُرُونَ ۚ هَلْ ثَوَّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ

ج

یقیناً نافرمان (دنیا میں) ایمانداروں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے نکلے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو ہنسنے ہوئے جاتے تھے اور جب ایمانداروں کو دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے بے شک یہی گمراہ ہیں حالانکہ یہ ان پر نگہبان بھی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ پھر آج تو ایماندار کافروں سے ہنسی کر رہے ہیں جنہوں پر ہنسنے دیکھ رہے ہیں اب تو کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا۔

ترکیب | الذین مع صلتہ اسم ان۔ کانوا اسم کان ضمیر متصل یضحکون خبر ہامن الذین امنوا متعلق بیضحکون ای۔ یستعزّون منهم فالجملۃ کانوا الخ خبر ان واذا مروا ای المسلمون بہم بالکفار وہم فی مجاہدہم یتغامزون الکفار من الغمر وهو الاشارة بالجنون والحوجب واذا انقلبوا ای الکفار شرط انقلبوا اجواب اذا فکھین حال منہ قرء عاصم فی روایۃ حفص عنہ فکھ ین بغیر الف فی هذا الموضع وحدہ وقرء الباقون

فاکھین بالالف فقیل معنا ہوا واحد وقیل ان الفکۃ الاثر البطر والفاکھۃ الناعم المستعم واذا شریطہ والای الکفارہم المسلمین قالوا جواب الشرط وما ارسلوا الجملۃ حال من فاعل قالوا فلیوم منصوب بیضحکون و فاعلہ الذین آمنوا تقدیم الفاعل التخصیص اور عالیۃ لفواصل علی الاراک یبظرون الجملۃ حال من یضحکون منہم ناظرین الیہم والی احوالہم هل ثوب الجملۃ مستانفۃ وقیل فی محل نصب یبظرون وقیل ہی علی اضاہر القول ای یقول بعض المؤمنین لبعض قرء جزۃ والکسائی وابو عمر و بادغام لام هل فی ثناء ثوب والباقون بترک الادغام۔

تفسیر! فرمایا تھا کہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت کرنی چاہیے اور یہی رغبت کرنے کے قابل چیز بھی ہے۔ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا پر رغبت کرتا ہے اور یہاں تک فریفتہ ہوتا ہے کہ دارِ آخرت پر رغبت کرنا تو کجا سرے سے اس کا انکار ہی کر بیٹھتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ جو دارِ آخرت پر یقین کر کے وہاں کے لیے تیاری کرتا ہے تو اپنے مشرب کے خلاف سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے اور ایذا دینے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اس کو برا بھلا بھی کہتا ہے۔ پھر ان برے افعال کا بدلہ پاتا ہے۔ خدائے عادل (جو میزانِ عدل ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور دنیا میں بھی ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کسی کرنے والوں کی خرابی بیان فرماتا ہے) قیامت کے دن ان دنیا کے فریفتہ لوگوں کو اسی ترازو سے تول کر اور اس پیانہ سے ماپ کر دے گا جس سے انہوں نے خدا پرستوں کو تول کر اور ماپ کر دیا تھا یعنی ایماندار آخرت پر رغبت کرنے والے اس روز اس اپنی کامیابی پر خوش ہوں گے ان احمقوں پر نہیں گے۔

ان مطالب کی ان آیات میں تصویر کھینچی جاتی ہے تاکہ دنیا سے نفرت اور دارِ آخرت سے رغبت ہو۔ فقال ان الذین انخ کہ وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا ہے (دارِ آخرت سے بے خبری اور نفرت دنیا کی رغبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) اسی لیے حدیث میں آیا ہے حسب الدنیا راں کل خطیئۃ اور اس جرم میں یہاں تک دلیر ہوئے ہیں کہ جو خدا کے مجرم نہیں بلکہ مطیع ہیں ان پر ٹھنھے کیا کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک فعل بد ہے یا تھا۔ اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے۔ اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروتِ انسانی سے بعید ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے۔ یہ بھی سخت عیب ہے۔ سوم جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ مجھ سے بھی کوئی بالا دست ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا دے۔ ایسا کور باطن حوادثِ دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ باطن کی کوری ہے اور خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہوگا اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا ہنسا جائے گا۔

دوسرا فعل بد: ان کا یہ تھا کہ اذا مروا بہم یتغامزون کہ جب وہ دینداران کے پاس سے گزرتے تو تحقیر کے لیے آنکھوں کے اشارے کرتے۔ یہ بھی ایک بڑی کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن و طنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں بھنویں مارا کرتے ہیں۔ منہ بنا کے اشارے کیا کرتے ہیں۔ سو وہ دنیا پرست ان خدا پرستوں کے ساتھ یہ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض ان دونوں فعلوں سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کے ظاہر حالی شکستہ پر اپنی ثروت و دولت و اقبال کے زور میں ہنستے، آنکھیں مارتے تھے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث، حوروں کے شوہر۔ جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا نہ ہوگی اور ہم پر فضل ہے ایسے عزت والے ہیں ہم کو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا اور اگر وہاں کچھ ہے ورنہ خالی ڈرکتے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ اس عالم کا معاملہ یہاں تک برعکس ہے۔

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد

بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الا ان خبرکم باہل الجنتہ کل ضعیف متضعف لو اقم علی اللہ لابرہ الا ان خبرکم باہل النار کل عتل جواز مستکبر متفق علیہ کہ میں تمہیں اہل جنت بتلا دوں۔ ہر ایک ضعیف ہے کس اگر خدا پر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کو پورا ہی کر دے اور دوزخی بتلاؤں ہر ایک سخت کمر متکبر آخرت کے مستحق وہی ہیں جو دنیا میں مسکین کمزور عاجز متواضع خدا پرست ہیں کہ ساکنان در دوست خاکسار اند

تیسرا فعل بد: ان کا یہ تھا و اذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکھین کہ باہر تو یہ کچھ کرتے ہی تھے مگر جب اپنے گھروں میں جایا کرتے تھے وہاں بھی ہستے ایمانداروں پر دل لگیاں کیا کرتے یا یہ معنی کہ ان کو آخرت کا اندیشہ اور آنے والے مصائب کا کچھ خیال نہیں آتا تھا۔ گھروں میں رات دن اٹھکیلیاں ہی کہتے تھے۔ یہ بھی دنیا پرست کی شان ہے جس کو کبھی مرنے کا خیال نہیں آتا۔ با خدا لوگ ہمیشہ مغموں رہا کرتے ہیں۔ ان کے دلوں پر ایک اندیشہ رہتا ہے۔ بات بات پر ہنسی کیسی اباہا ہوا ہو کیسی رنگ رلیاں کہاں کی۔ یہ مجلسیں کرنا رات دن ناچ رنگ عیش و نشاط کے سامان بہم پہنچانا اس جہاں سے غفلوں کا ہی کام ہے اور اس کا نتیجہ حزن دائمی اور مصائب کا نازل ہونا ہے۔ جن گھروں پر یہ سامان تھے ہم نے وہاں خاک اڑتی دیکھی ہے۔ درد مند ان محبت الہی کو اس کی فرصت کہاں ۔

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
نہ چھیڑ ہمیں اے نکبت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوچھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

چوتھا فعل بد: ان کا یہ تھا کہ اذا ارادہم قالوا ان ہؤلاء لضعافون کہ جب ان دینداروں کو دیکھتے تو کہتے یہی گمراہ ہیں دنیا کے مزے چھوڑ کر کس مصیبت میں پڑے ہیں۔ یہ سب حشر کی گفتگو ہے کہ حق سبحانہ وہاں یوں فرمائے گا کہ دنیا میں یہ ایسا ایسا کرتے تھے۔ پھر ان کی بیہودہ بات کا آپ ہی جواب دیتا ہے وما ارسلوا علیہم حافظین کہ یہ کفار ان دینداروں کے داروغہ یا فوجدار بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ان کو ان کی کیا پڑی جو ایسا کرتے ہیں اب جو قیامت میں ان کو ان افعال کی جزا ملے گی اس کو بیان فرماتا ہے فالیوم انک کہ آج کے دن ایماندار ان کفار پر تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے نہیں گئے۔ یایوں کہو کفار سے نہیں گے کہ وہ تمہارے جاہ و جلال کیا ہوئے۔ اب یہ تم سے کیا ہو رہا ہے اور تختوں پر بیٹھے بادشاہ بنے نظارہ کریں گے اور فرشتے پکار دیں گے کہ اب تو کفار نے اپنے کئے کا بدلہ پایا اوروں پر ہستے تھے آج ان پر ہنسا جا رہا ہے کس لطف کے ساتھ دار آخرت کی جزاء و سزا کا نقشہ کھینچا ہے اور کس انداز سے انسان کو بری باتوں سے روکا ہے۔ ولہ الحمد۔ (سورہ الشقاق مکیہ ہے اس میں پچیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَاءُ اَنْشَقَّتْ ۝ وَاِذْنَتْ لِربِّہَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ

مَافِیْہَا وَتَخَلَّتْ ۝ وَاِذْنَتْ لِربِّہَا وَحُقَّتْ ۝

جبکہ آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے اور جبکہ زمین پھیلا دی جاوے اور جو کچھ اس میں ہے اگل دے اور خالی ہو جاوے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے۔

ترکیب ! اذ اقبل شرطیہ مفیدہ بعد فاعل والتقدير اذا انشقت السماء انشقت فالسما فاعل بفعل محذوف۔ وقيل ليست بشرطیہ بل هي منصوبہ باذکر ان محذوف هي مبتداء وخبرها اذ الشايع والواو مزیدة والتقدير وقت انشقاق السماء وقت مد الارض واذنت معطوف على انشقت ومعنى اذنت اطاعت في الانشقاق ولم تاب ولم تمنع بمشتق من الاذن وهو الاستماع للشيء والا صغاء اليه واستعمال الاذن في الاستماع كثير في كلام العرب وحقت الجملة حال من فاعل اذنته قال الضحاك ومعنى حقت حق لها ان تطيع ربها اي لا تمنع ما اراده الله بها واذ الارض مثل اذا السماء انخ ومعنى مدت بسطت وصارت قاعا وقيل زيد في سعتها من المد وهو الزيادة والفتة ما فيها من الكون والذ فانها والاموات وطرحتم الى ظهورها فعلى تقدير كون اذا شرطیہ جوابها اما محذوف تقديره بعثتم وقيل مذکور فقيل هو قوله يا ايها الانسان انخ وقيل قوله فاما من انخ قاله البرد والکسائي وقيل فملأه قیامه انخفش۔

تفسیر ! یہ سورہ بھی بلا خلاف کی ہے۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہا نے ابی رافع سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں یہ سورۃ پڑھی اور بعد میں سجدہ تلاوت کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے اور میں سدا ایسا کروں گا اور بھی روایات صحیحہ میں اس سورہ کے اختتام پر سورہ کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت کرنا واجب بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جن کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ وہاں اس کا حکم یاد کرے۔ اس قسم کے سجدہ کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں اور چودہ سورتیں ہیں جن میں سجدہ تلاوت ہے۔ آخر اعراف، رد، نحل، بنی اسرائیل، مریم، اول سجدہ حج میں، فرقان، نمل، الم، تنزيل، ص، حم سجدہ، النجم، اذا السماء انشقت، اقراء ہدایہ۔ مضامین سجدہ کے لحاظ سے علماء کا سجدہ تلاوت میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا تو یہی قول ہے جس کو اوپر بیان کیا۔ امام شافعی اور امام احمد سورۃ حج میں اخیر سجدہ بھی مانتے ہیں اور سورہ ص میں نہیں مانتے۔

رابط ! اس کا پہلی سورہ سے ظاہر ہے دونوں میں قیامت کے واقعات اور مرنے کے بعد کے حالات مذکور ہیں۔ ذرا تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سب سے اول یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جس میں اس جہان کا درہم برہم ہونا علم الہی میں ٹھہر چکا ہے تاکہ پھر ایک دوسرا جہاں قائم کیا جائے اور جو کچھ دنیا میں نیک و بد کیا تھا اس کی جزا اور سزا دی جاوے گی اور اس نئے جہان کی ابتداء کب سے ہے۔ آپ ہی فرماتا ہے اذا السماء انشقت جبکہ آسمان پھٹ جائے اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لیے کہ واذنت لربھا وہ اپنے رب کے حکم پر کان رکھے گا یعنی جو کچھ امر نکو بنی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا۔ فوراً آسمان پر وہی حالت طاری ہو جاوے گی جو خدائے قادر ذوالجلال چاہے گا۔ وحقت اور آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیل حکم کرے۔ کس لیے کہ وہ ممکن ہے ہر وقت اپنے وجود اور بقاء میں اسی کا محتاج ہے اور جب ممکن اور محتاج ہے تو اس کا وجود اور عدم دونوں اس کے آگے یکساں ہیں جب چاہے نیست و نابود کر دے۔ ان آیات میں بہت سے اوہام باطلہ کا جن کو لوگوں نے مذہب بنا رکھا ہے ابطال کر دیا گیا۔ بہت سے لوگ آسمان ہی کو انسانی سعادت و نحوست کا مالک و مختار جانتے تھے۔ اسی لیے شعراء ناکامی کے وقت آسمان کو برا بھلا کہا کرتے ہیں اور بہت سی اقوام اجرام سادہ کو معبود جانتے تھے۔ کوئی زہرہ کو کوئی آفتاب کو کوئی کسی اور ستارے کو اسی خیال سے پوجتا تھا۔ ان سے مدد مانگتا تھا۔ فرقہ صابیہ اور اس کی شاخیں بھوس و ہنود اب تک ایسا کرتے ہیں اور عرب میں بھی یہی خیال تھا ان سب کے خیال کو باطل کر دیا کہ ایک روز آسمان پھٹ جاوے گا اور اس کے بعد ستارے بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے۔ یہ سب ہماری مخلوق اور حکم کے تابع اور ہیں یعنی یہ مخلوق ہیں، حادث ہیں، فانی ہیں، حکم بردار ہیں۔ یہ اس عالم کی چیزیں ہیں۔ ایک وقت معبود تک باقی ہیں، پھر ہم ایک اس عالم سے وسیع عالم پیدا کریں گے تو ان کو نیست و نابود کر دیں گے۔

یہاں تک تو عالم علوی کی کیفیت بیان ہوئی اس کے بعد عالم سفلی کی حالت بیان فرماتا ہے۔ واذا الارض مدت اور جبکہ زمین پھیلائی جاوے یا بڑھائی جاوے زمین بالفعل گول کرومی شکل ہے جب حق سبحانہ اس کو بھی نیست کرنا چاہے گا تو یہ چھٹی ہو جائے گی اس کی صورت

جو محافظ تھی اس سے چھین لی جاوے گی اور عادتاً بھی یوں ہی ہے کہ کر دی چیز ٹوٹنے وقت پھیل جاتی ہے۔ یہ فتح صورت اولیٰ کے وقت کا حادثہ ہے۔ جیسا کہ آسمان کا پھٹنا بھی اسی وقت کا حادثہ ہوگا اور بعد میں تو نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی کما قال یومہ تبدل الارض غید الارض والسموات۔

اور جب زمین کی یہ حالت ہو جاوے گی تو والقت مافیہا وتخلت تو جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جاوے گی اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ جب یہ درہم برہم ہوگی اور اس کی صورت و شکل بگڑ جاوے گی جس طرح کہ مرتے وقت ہر جاندار کی اور دھیتے وقت مکانات کی بگڑتی ہے اور اس وقت اس کے اندر جو کچھ مخفی ہے جس سے مراد خزائن و دقائن زرو جواہر اور مردے ہیں جو اس میں دفن ہوئے تھے یا جو کچھ اس کے رب نے اس میں ودیعت رکھا ہے وہ سب اوپر آ پڑے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آج جن چیزوں کو عزیز از جان سمجھ کر زمین کی تہ میں چھپاتے اور زمین کو اپنا خزانہ مانی جانتے ہو ایک روز یہ سب کچھ باہر آ جاوے گا اور یہ بات کچھ محال نہیں۔ کس لیے کہ واذنت لربہا کہ زمین بھی اپنے رب کے حکم کی طرف کان لگائے گی یعنی مانے گی اور کوئی وجہ سرتابی کی اس کو حاصل نہ ہوگی وحقت اور ماننا بھی چاہیے۔ اس کو لائق بھی یہی ہے کہ حکم الہی مانے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے اس کا وجود اور عدم دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے بلند کرے جس کو چاہے پست۔

ان حوادث کی نسبت اذا اذاکر کے یہ تو بیان فرمایا کہ جب ایسا ہوگا اور جب ایسا ہوگا مگر یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ ہوگا تو کیا ہوگا یعنی اذا شرطیہ کی جزایا شرط کا جواب بیان نہیں فرمایا اس کو اہل زبان کے مذاق پر چھوڑ دیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے کہ اس وقت ضرور انسان کا یہ خیال غلط ثابت ہو جاوے گا کہ اس کو مر کر کسی دائرہ جزاء و سزا کی طرف جانا نہیں ہے اور اسی لیے بعد میں اسی مقصود کی تصریح بھی کر دی جس کو بعض نے جواب شرط سمجھ لیا۔ فقال

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۚ فَاَمَّا مَنْ أُوْتِيَ
كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا ۝۸ وَيُنْقَلَبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ
مَسْرُورًا ۝۹ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ رَرَآءَ ظَهْرِهِ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝۱۰ وَيَصْطَلٰ
سَعِيرًا ۝۱۱ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝۱۲ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ۝۱۳ بَلَىٰ ۚ إِنَّ
رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝۱۴

اے آدمی! تو تو کھٹکھٹ اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے پھر تو اس سے جا ملے گا پھر جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جاوے گا اور وہ اپنے اہل و عیال میں خوش واپس آئے گا اور جس کا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پڑا پڑا سے گا اور دوزخ میں بے گاہ کیونکہ وہ تو اپنے گھر میں خوشیاں منایا کرتا تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ پھر کر تو جانا ہی نہیں۔ کیوں نہیں اس کا رب تو اسے دیکھتا ہی رہتا ہے۔

ترکیب ۱۔ انک ان الخ الجملة نداء الکدر السعی فی الشیء بمعجده کدر و زید و کار کردن و کوشش نمودن۔ زردی خراشیدن يقال بہ کدر و کدوح ای خدوش و فی الحدیث فی وجہ کدوح و هو یکدر بعیالہ ای یکسب لہم از صراح فاما من فیہ معنی الشرط فسوف جوابہ و ینقلب معطوف

علیٰ یحاسب مسرور حال وراء ظہرہ ظرف لادتی لن یحور قال الراغب الاصفہانی الحور المتردنی الامر ومحاورۃ الکلام مرابحۃ والمحار المرجع۔
الحور الرجوع یتقال حار یحور اذا رجع ومنذ قوله علیہ السلام اللہم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور یعنی من الرجوع الی نقصان بعد الزیادۃ بلی
ایجاب للمتمی بلی بلی یحور۔ ان ربہ جواب قسم مقدر فالحمدہ لتقلیل لما افادته بلی۔

تفسیر! فقال یا ایہا الانسان انک کادح الیٰ ربک کدحاً فملاقیہ۔ کدح کے معنی لغت میں حرکت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ اس لحاظ سے مفسرین نے اس کے کئی معنی بیان فرمائے اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے انسان سے بھی کبھی کبھی کافر مراد لیا ہے۔ فرد ناقص سمجھ کر اور کبھی نبی کریم ﷺ فرد کامل جان کر اور کبھی مطلقاً۔ پس بعض نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ اے انسان! یعنی نبی کریم تو بلاغ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوشش بلیغ اور سرگرمی کر رہا ہے ضرورتاً اس کا بدلہ نیک پاوے گا تیری کوشش رائیگاں نہ جاوے گی۔ بعض نے کہا یہ معنی ہیں کہ اے کافر! ابو جہل و ابی بن خلف تو جو طلب دنیا اور ابطال رسالت اور اصرار کفر پر کوشش کر رہا ہے اس کا بدلہ پاوے گا یہ تیرا کام تجھے ملے گا ایک دن بیت ناک شکل میں تیرے سامنے آئے گا۔ تیسرے یہ معنی کہ اے انسان! (سب کی طرف خطاب ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد) تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے نیک حسنت میں بد فتن و فجور و طلب دنیا اور اس کے لذات و شہوات میں تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے۔ یوں ہی عبت نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ جو کچھ کرو آنکھ بند کر کے نہ کرو تقلید آبائی و پابندی رسم و رواج میں اندھے بن کر نہ کرو سوچ بچار لو کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ جو تم کر رہے ہو ایک روز تمہارے سامنے آئے گا۔ چوتھے معنی یہ ہیں اور وہ زیادہ تر چسپاں ہیں کہ اے انسان! سب کی طرف خطاب ہے۔ تو یہ نہ سمجھ کہ میں سدا دنیا ہی میں رہوں گا۔ مجھے اپنے خدا پاس نہیں جانا ہے مگر خاک ہو جاؤں گا یا اس میدان ناسوت میں تنائح کے ذریعہ سے قوابل بدلتار ہوں گا! اس جہان میں ٹھوکریں کھاتا رہوں گا۔ یہ ہرگز نہیں بلکہ تو کھٹا کھٹ ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ یہ رات اور دن تیری سواری کے دو پیسے ہیں یا تیرے سفر کرنے کے لیے دو پاؤں ہیں۔ تو بے اختیار اس میدان وجود کو طے کر رہا ہے۔ ایک دن حمل میں تھا پھر باہر آیا لڑکا بنا رہا، جوان ہوا بڑھا ہوا مر گیا۔ یہ حمل اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا تیرے اس تیز سفر کے منازل ہیں۔ آخر ایک روز ہمارے پاس آئے گا، مرنے کے بعد ہمارے سامنے کھڑا کیا جائے گا، پھر تیرے نیک و بد اعمال تول تول کر تیرے پلے میں ڈالے جائیں گے۔ فلما من اوتی کتابہ بیہمینہ فسوف یحاسب حساباً یسیراً و ینقلب الیٰ اہلہ مسروراً پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اور یہ نیک لوگ ہوں گے۔ یمن و یمن خیر و برکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جانا اس کے لیے بشارت ہے کہ یہ اہل خیر میں سے ہے تو اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے حساب آسان لیا جاوے گا اور حساب آسان یہ ہے کہ اس کے زلات اور ان جرائم سے جس کے بعد اس نے توبہ و استغفار کیا اور نادم ہوا، درگزر کیا جاوے گا اور دراصل یہ حساب نہیں بلکہ ایک ملاحظہ کرنا ہے کہ بندہ اپنے اعمال اور اس پر اس کے بے حد افضال کا اندازہ کر لے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے فسوف یحاسب الخ یعنی آیت پڑھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ حساب نہیں جو مومن سے آسانی سے لیا جاوے گا۔ یہ تو ایک ملاحظہ کرنا ہے اور جس سے حساب لیا جاوے گا وہ تو ہلاک ہو جاوے گا (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما) اور اس لیے آنحضرت ﷺ بعض اوقات یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ امت کو تعلیم کرنے کے لیے اللہم حاسبنی حساباً یسیراً کہ اے اللہ مجھ سے حساب سیر لینا (اخر جہ احمد) اور اس حساب سیر سے فرصت پا کر وہ شخص اپنے گھر کی طرف جو پہلے سے جنت میں تیار کیا گیا ہے جہاں اس کے دنیاوی اقارب زن و فرزند اس سے پہلے گئے ہیں اور حور عین بھی ہے خوشی خوشی سے جاوے گا اور وہ گھر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہیں رہا کرتا تھا اور اب لوٹ کر وہیں جاتا ہے۔ لفظ ینقلب اسی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ سچ ہے کس لیے کہ یہ دار آخرت کا گھر اس کے ان اعمال حسنہ اور محبت الہی کا تو مظہر ہے جو ہمیشہ اس

کے پاس رہا کرتے تھے گویا ان میں رہا کرتا تھا۔

اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے وامامن اوتی کتلبہ وراء ظہرہ اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا گیا تھا کہ پہلے سے معلوم ہو کہ بد ہے اور آیات میں وراء ظہرہ کی جگہ بشمالہ کا لفظ آیا ہے مگر یہ ملزم زنجیروں میں کسا ہوگا مشکلیں بندھی ہوں گی۔ ہاتھ پیٹھ کی طرف پیچھے بندھے ہوں گے۔ اس لیے پیٹھ کے پیچھے سے دینا یہاں ذکر فرمایا تاکہ اس کی مشکلیں بندھی ہونے کو بھی ثابت کرے (اس لیے دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں) تو وہ ہلاکی اور موت کو پکارے گا ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آ جاوے تو میں مگر اس مصیبت سے بچ جاؤں پھر وہاں موت کہاں ویصلیٰ سعیراً وہ تو دہشت انگ میں ڈالا جاوے گا وہیں پڑا جلا کرے گا۔

اب اس کا سبب بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کیوں دہشت انگ میں ڈالا جاوے گا انہ کان فی اہلہ مسرورہ کہ وہ اپنے گھر میں مگن تھا شہوات و لذات کے گھوڑوں پر سوار تھا۔ آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا۔ رات دن طلب مال و زر میں مصروف تھا۔ حرام و حلال کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ شراب، زنا، ناچ، تماشا، راگ رنگ میں سرور تھا اور اس کے سوا انہ ظن ان لن یحور وہ یہ بھی سمجھے ہوئے تھے کہ اللہ کے پاس جانا نہیں، حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو چاہو کرو۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس خیال میں تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی متغیر نہ ہوگی ہمیشہ یوں ہی رہے گا یہ دو باتیں سبب ہیں اس کے آگ میں پڑنے کا۔ اس کی وہ خوشی اور وہ اعتقاد کہ جس میں یہ پڑا ہوا تھا آج آتش جہنم بن گئی گویا یہ خود ہی جہنم میں پڑا ہوا تھا۔ بلی ہاں ہاں اس کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ ان ربہ کان بہ بصیر اس کا رب تو اس کو دیکھا کرتا تھا کوئی حرکت و سکون اس کی نظر سے غائب نہ تھا۔

فائدہ: بلی کا کلمہ نفی کا اثبات کرتا ہے یعنی وہ جو سمجھتا تھا کہ خدا کے پاس نہ جاؤں گا اس کے جواب میں ہے بلی ہاں جاوے گا اور یہ کلمہ اول کلام سے بھی متصل ہے اور بعد سے بھی اس لیے اس پر وقف بھی درست ہے اور ملا کر بھی پڑھا جاتا ہے۔

فَلَا أُفْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالْبَيْلِ وَمَا وَسَقِ ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا
عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝
بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات اور اس کے چھا جانے کی بھی اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم کو تو ایک منزل سے دوسری منزل پر چڑھنا ہوگا۔ پھر انہیں ہوا کیا جو ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے رب و رقرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ منکر تو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (دل میں) بھرا رکھتے ہیں سو آپ ان کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دیں مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ہیں ان کو تو بے انتہا اجر ملے گا۔

ترکیب: فلا لازائدہ کما مر۔ الشفق الحمرة التي تہدو بعد غروب الشمس وهي شفق لوقت ومنہ الشفقة علی الانسان وهي رقة القلب علیہ والیہل عطف علی الشفق وکذا ما وسق الوسق فی اللغة ضم اشیء بعضہ الی بعض یتقال استوسقت الابل اذا اجتمعت وانضمت والراعی یتقھا ای یتجمعھا ای جمع وضم ما کان منتشر فی النهار لان اللیل اذا قبل او لی کل شیء الی منزله قال قاده والضحاک ومقاتل بن سلیمان ای ما حمل من الظلمة ومن اللواکب وقال سعید بن جبیر ای ما عمل فیہ من التعب والاستغفار۔ والقمر معطوف علی اللیل اتسق هو قتل من الوسق وهو الجمع ای التکامل فی

النور۔ لتدركين جواب القسم من لئین یفتح التاء وضم الباء صیغۃ جمع المذکر الحاضر من الركوب وقرئ یفتح الباء خطاباً للواحد وعلی صلی اللہ علیہ وسلم اوکل فرد من افراد الانسان وقرئ لیبرکین بالتحقیق وضم الموحدة علی الاخبار طبقاً منصوب علی انه مفعول تدركين عن طبق صفة بطریقاً اے طبقاً حاصل عن طبق امی حال عن حال واذا قرئ الجملة فی محل النصب علی الحال الا الذین استثناء منقطع او متصل۔

تفسیر ۱۔ یعنی اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جزاء و سزا ہے اور تمہارے عقول متکدرہ کو وہاں تک رسائی نہیں تو ہمارے کہنے سے مان لو اور اگر اس طرح سے کہنے پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہو تو لو۔ فلا اقسامہ بالشفق میں ان تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو ہماری قدرت کاملہ کا پورا نمونہ اور تمہارے متبدل حالات کا کامل آئینہ ہے۔ اول شفق کی۔ شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد کی سرخی کو کہتے ہیں۔ ذرات پر جو آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایک سرخ رنگ آسمان کے کناروں پر نمودار ہوتا ہے۔ طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی اور چونکہ یہ رقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو شفق کہتے ہیں اور اسی لیے مہربان کو شفیق کہتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی طرف سے رقت ہوتی ہے یعنی نرمی۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لے کر اس سرخی کے غائب ہونے تک رہتا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ اس سرخی کے بعد سفیدی بھی شفق ہے۔ اس تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور جب یہ سفیدی جاتی رہے اور سیاہی اٹھ آوے تو عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک اس سفیدی کے وقت عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔ اس شفق کے وقت ایک درمیانی حالت رہتی ہے نہ تو پورا پورا دن ہی رہتا ہے نہ پوری رات ہی آجاتی ہے۔ اس شفق کی قسم کھانے میں انسان کو اس کے مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک کے زمانہ کو یاد دلاتا ہے۔ ایک پوری تشبیہ میں تصویر کھینچ دیتا ہے۔ کس لیے کہ جب انسان کا آفتاب روح غراب ہو جاتا ہے یعنی اس جسم عصری کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت روح پر شفق کے وقت جیسی حالت طاری ہوتی ہے۔ کسی قدر دن سا ہوتا ہے تو ایسا ہی روح پر کسی قدر ہنوز آثار زندگی باقی رہتے ہیں۔ اپنے اقارب سے محبت دنیاوی مالوفات کے ترک کا رنج۔ اسی لیے تھوڑے دنوں تک مردہ خواب میں بکثرت آتا اور پتے پتے کی باتیں جو دنیا میں اس کے متعلق تھیں بتا جاتا ہے۔ ایک بوڑھا ماما کا انتقال ہو گیا بظاہر اس نے کچھ نہیں جہہڑا تھا۔ ایک رات ایک عورت کی خواب میں آکر کہا کہ میرے اتنے روپے اتنے پیسے میرے اس بوسیدہ تکیہ میں بیٹے ہوئے ہیں کہ جس کو تم نے گندہ جان کر کوڑے کی جگہ پھینک رکھا ہے۔ صبح کو کھولا تو اسی قدر روپے اور پیسے برآمد ہوئے۔ یہ معاملہ اور اس قسم کے اور صد ہا واقعات کا تب الحروف کے سامنے کے ہیں اور اسی لیے مردہ اس وقت اپنے تئیں زندہ سمجھتا اور کوئی کہتا ہے دعویٰ اصلی کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ نماز پڑھ لوں اور اپنے اس حال کی اپنے لوگوں کو خبر کر آؤں۔ ارجع الی اہلی فاخبر ہم اور اسی لیے احیاء کی طرف سے صدقات و دعا کا زیادہ منتظر رہا کرتا ہے۔ اس وقت رات کے آثار بھی نمودار ہوتے ہیں تو ایسا ہی میت پر بھی دوسری حالت طاری ہوتی ہے کہ اس کے نیک و بد اعمال کے آثار اس پر وہاں مشکف ہوتے ہیں اور جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے۔ اتنا ہی دنیا سے تعلقات کا انقطاع ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ استغراق عظیم وہاں کی ان کیفیات کے مشاہدہ میں اس پر طاری ہوتا ہے جو اس کے نیک یا بد اعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کے قوائے مدد کہ و متصرفہ اس جہان سے بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کے ارد دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات جیسا حائل ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد رات کی قسم کھاتا ہے۔ والیل وما وسیق اور قسم ہے رات اور اس چیز کی کہ جس کو رات سمیٹے یعنی جمع کرے۔ دن کو لوگ اور حیوانات پھر اکر تے ہیں۔ رات میں اپنے ٹھکانوں پر آ جاتے ہیں۔ گویا رات دن کے پچھڑے ہوؤں کو جمع کر لیتی ہے۔ اس لیے اس کا نام

عشاق کے نزدیک جامع السلفین ہے اور ماکومصدریہ بھی کہہ سکتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ رات کے سینے کی قسم کہ بے اختیار سب سے چلے آتے ہیں۔ اشیاء بھی آفتاب کا نور بھی سمٹ جاتا ہے۔ یہ دوسری قسم تھی جس میں رات کی اور رات میں سننے والوں کی قسم تھی۔ ان کا سینا بھی ایک شان ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے کو اور موت کو یاد دلاتی ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ جب رات کو سوتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جو سونے کا قصد کیا کرتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر یہ کہا کرتے تھے اللہم بامک اموت واجی کہ الہی تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما ماتا والیہ النشور کہ سب تعریف اس اللہ کو ہے کہ جس نے ہم کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس کے پاس جا کر جمع ہونا ہے اور صحیحین میں اس دعا کا پڑھنا بوقت خواب ثابت ہوا ہے۔ اللہم اسلمت نفسی الیک ووجہتی وجہی الیک والجات ظہری الیک رغبتہ ورمہ الیک لا لہ الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت۔ بہر حال خواب و بیداری میں خصوصاً رات کے وقت منازل پر جمع ہونے اور سونے میں جس کو رات کے سینے سے تعبیر کیا اس کی قدرت کاملہ کا پورا نمونہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تو دنیا آباد تھی اب ہے کہ سنا ہے موت کا نمونہ طاری ہے۔ اسی لیے ایسے انقلابات پر اہل اللہ اس کی تسبیح و تہلیل اور یاد کرتے ہیں جو روح کے منور کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔ اس کے بعد یعنی اس رات کے بعد پھر چاند روشن ہوگا وہ کیا قیامت برپا ہو کر ابدان کو ایک نئی زندگانی عطا ہوگی۔ اس لیے اس تیسری قسم میں یہ تیسری حالت مذکور ہوتی ہے فقال والقمر اذا انسق کہ قسم ہے چاند کی جبکہ اس کی روشنی پوری ہو جاوے تیرہویں چودھویں پندرہویں رات کا چاند۔ اس وقت حجاب دور ہو جائیں گے۔ ہر ایک پر حقائق مشکف ہو جاویں گے نیکی بدی کا راز کھل جاوے گا۔ ان تینوں حالات کی قسم کھا کر فرماتا ہے لتزکبن طبیقا عن طبیق کہ ضرور اے بنی آدم! تم کو ایک سیڑھی پر دوسری سیڑھی کے بعد چڑھنا ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی۔ پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اس پر چڑھ چکے تو دوسری منزل پر چڑھے کہ پیدا ہوئے باہر آئے۔ اب لڑکپن کی منزل پر چڑھے اس کو طے کر کے جوانی کی منزل پر چڑھے اس کے بعد بڑھاپے کی سیڑھی طے کی۔ اس کے بعد موت کی اور عالم برزخ میں رہنے کی اس کے بعد حشر کی پھر حشر سے جنت کی یاد و زرخ کی۔ تغیرات عالم خصوصاً انسان کا تغیر و تبدل باواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ انسان کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار یہ مسافر کہیں جا رہا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا اور چونکہ ان حالات کا طے کرنا قطع مراحل و طے منازل سے مشابہ تھا اس لیے لفظ رکوب کو جس کے معنی سوار ہونا ہے استعمال کیا۔ اور چونکہ یہ حرکت صعودی ہے کہ اس خاکدانِ پست سے عالم بالا کی بلندی پر جانا ہے اس لیے ان حالات و مقامات کو طبعا عن طبیق سے تعبیر فرمایا کہ اس لیے کہ طبعا عن طبیق پر تہ کو کہتے ہیں جیسا کہ آسمان کے سات طبق اور بلند مکانات کے طبقات یعنی درجات عرف میں مستعمل ہیں اور یہ آیات گویا پہلی آیت یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کد حافلاً ذوقہ کی تفصیل و تشریح ہے۔

فائدہ۔ طبق اس کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مطابق ہو کہتے ہیں ماخذ۔ طبق کذا ای لا یطابقہ ومنہ قبل الغطاء الطبیق ثم قبل اللحال المطابقہ بغیر ما طبق ومنہ قولہ تعالیٰ طباقاً من طبق ای حالاً بعد حال کل واحدہ مطابقہ لانحصانی العدد والحوول وبجوز ان یکون جمع طبیقۃ وھی المرتبۃ من تو لیسم ہو علی طبقات (کبیر)

لتر کہیں کی مختلف قرأتوں کی وجہ سے معنی بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں صیغہ جمع مذکر حاضر کی صورت میں ایک تو یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو! تم قیامت کا انکار کیا کرتے ہو۔ ہم ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کہ جو علویات میں تغیر و تبدل پیدا کرنے کے سبب ہماری قدرت و جبروت پر دلیل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ دن ہو کر ہی رہے گا اور اس روز شدائد و

احوال پیش آویں گے اور ایک مصیبت کے بعد دوسری کا سامنا ہوگا۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے لوگوں کا اس روز حال متبدل ہو جاوے گا بہت سے امیر فقیر ہو جائیں گے اور ذلیل عزیز ہو جائیں گے۔

بسا امیر کہ آنجا امیر خواہد شد

بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

خافضۃ رافعة چوتھے یہ کہ تم پہلوں کے طریقہ کو اختیار کرو گے شہرِ ایشیہ یہ معنی یہاں مناسبت نہیں رکھتے اور جس نے لڑکھن کو واحد مذکر حاضر کا صیغہ پڑھا ہے۔ جب آیت کے معنی بلحاظ مخاطب کے بھی متعدد ہوں گے۔ اگر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کے لیے ایک بشارت ہے اعداد پر فتح و ظفر پانے کی کہ اے محمد (ﷺ) تو ایک حال پر مسلط ہو کر دوسرے حال پر مسلط ہوگا۔ ایک فتح و ظفر کے بعد دوسری پر متمکن ہوگا۔ یہ کفار جو آج تیری تکذیب کرتے ہیں نادم ہوں گے (۲) یہ کہ تجھ کو رفعت مرتبت نصیب ہوگی۔ رفعت ظاہری معراج میں اور باطنی ترقی مراد قرب و وصال میں ہر روز اور ہر آن آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ قرب کے بعد دوسرے کو طے کرتے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے وَلَا آخِرَ خَيْرٍ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی کہ پچھلی ساعت تیرے لیے ترقی قرب کے لحاظ سے اول ساعت سے بہتر ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

چونکہ بہت تغیرات عالم اور خاص انسان کے تبدلات برہان ہیں اس بات پر کہ ضرور انسان کو کسی اور جگہ جانا اور اپنے کئے کا بدلہ پانا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ذرا غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ کہ انہیں کیا ہو گیا جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے لیے کوئی سامان نہیں کرتے۔ مصیبت سر پر آنے والی ہے۔ اس سے کس قدر غافل ہو کر دنیاوی مشاغل میں غرق ہیں۔ عاقل کو ذرا ذرا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر سے غافل نہیں رہتا اور اس دایرہ آخرت کے لیے ہادی ہے تو صرف قرآن ہے اور ان کا قرآن سے یہ حال ہے وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ کہ جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے آپ پڑھنا اور غور و تدبر کرنا تو کجا اس کے آگے نہیں جھکتے یعنی اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ تعجب اڑاتے ہیں یا یوں کہو کہ اسے سن کر نازل کرنے والے کے آگے اس شکر یہ میں کہ اس نے ہمارے لیے ایسی کتاب نازل کی جو ہماری مشکلات و دنیا و آخرت کی رہبر ہے سجدہ نہیں کرتے اور حق سبحانہ کی عبادت جو آخرت کا سرمایہ اور قرآن کی تعلیم کا اعلیٰ تر مقصود ہے ادا نہیں کرتے۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کس لیے کہ یہاں سجدہ نہ کرنے والوں کی برائی مذکور ہے۔ احادیث صحیحہ سے سجدہ کرنے کا ثبوت ہم شروع میں کر چکے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ سجدہ کرنا تو کجا بلال الذین کفروا یکذبون بلکہ منکر تو جھٹلاتے ہیں اور گو بعض زبان سے نہیں جھٹلاتے لیکن دل میں قائل نہیں واللہ اعلم بما یوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ہے۔ اس کی حبِ شہوات و لذات اور انکارِ آخرت کے متعلق ان کے دلوں میں جو گندگی بھری پڑی ہے اور زبان سے بڑے لیے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کو خدا خوب جانتا ہے۔

فائدہ: اس میں ان ریاکاروں کی طرف تعریض ہے کہ زبان سے دعوائے اسلام و محبت خدا و رسول اور دل میں حبِ شہوات و لذات جب ان بد نصیبوں کی یہ حالت ہے تو اے نبی کریم فہشروہم بعدذاب الیم ان کو مژدہ سناوے سخت عذاب کا۔ بشارت کا لفظ علی سبیل جنہم و استہزاء استعمال کرنا عینِ بلاغت ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بت پرستی اور بے ہودگی پر نتائج نیک کے امیدوار تھے۔ کوئی شخص اس جہان میں فلاح نہیں پاسکتا۔ الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے لہم اجر ان کے لیے اجرا ہے۔ ان کے ایمان اور نیک کاموں کا نیک بدلہ ہے اور بدلہ بھی کیسا بغیر ممنون بے انتہا اگر چہ ایمان و عمل محدود تھا

کیونکہ عمر کا زمانہ بھی محدود ہے۔ وہ کریم و رحیم اپنے فضل و کرم سے ابد الابد تک کا بدلہ دیتا رہے گا جو غیر محدود ہے۔

(الہی ہمارا خاتمہ بالخیر کر۔ آمین)

(سورہ بروج مکہ ہے اس میں بائیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝ قَتِيلِ
أَصْحَابِ الْأُخْدُودِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ وَهُمْ عَلَىٰ
مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ
الْحَمِيدِ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

قسم ہے بروج والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور جس پاس حاضر ہوں اس کی غارت ہوں آگ کے ایندھن بھرے ہوئے خندقوں والے جبکہ وہ ان کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ایمانداروں سے جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے۔ اس پر کہ جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے۔

ترکیب ! والسماء الواو القسم۔ ذات البروج صفة السماء والیوم موصوف الموعود وصفة المجموع معطوف علی السماء وکذا شاهد وشهود وجواب القسم محذوف ای لتبعثن ونحوه وقیل جوابہ ان بطش ربک لشدید الاخذ وجمع خد وهو اشق العظیم المستطیل فی الارض کا لحدیق ومنہ الخد تجاری الدموع النار قرء الجمہور بالجرح علی انها بدل اشتمال من الاخذ ودلان الاخذ ودموع مشتمل علیہا وقیل التقدر یذی النار وقرء بالرفع علی انها خبر مبتدئ محذوف ای ہی النار ذات الوقود وصفة النار بانها نار عظیمہ والوقود عند الجمہور بفتح الواو وقرئی بضمھا وهو الخطب لہم طرف لقتل ای لعواصین احرقوا بالنار قاعدین علی جوانبھا الذی الخ لغت للہ۔

تفسیر ! یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بائیس آیات ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں والسماء ذات البروج والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ آخر جہ احمد۔ رات میں ستاروں کی کیفیت اس سورۃ کے معانی کو اور بھی ذہن نشین کر دیتی ہے۔

مناسبت اس کی پہلی سورہ سے الفاظ و معانی میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں آسمانوں کا پھٹنا مذکور ابتداء میں تھا تو یہاں اس کے بروج کی صفت مذکور ہوئی تاکہ محل تجزیہ و تقسیم و انشقاق کا اظہار ہو اور مضامین میں بھی اور مقطع میں بھی مناسبت تامہ ہے۔

سبب نزول اس سورہ کا یہ ہے کہ مکہ میں جبکہ آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے شروع ہوئے تو قریش مکہ کو ناگوار گزرا کیونکہ ان کے مالوف و مرغوب دستور کے خلاف تھا۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو کوتاہنا شروع ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غرباء مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کر دی تھی۔ مار پیٹ گالی گلوچ سے گزر کر دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر کوڑے برسانا اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی۔ غرباء مسلمان آنحضرت ﷺ سے آکر شکوہ کرتے آپ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ ان کا یہ زور ڈھمکا جاوے گا۔ یہ تمہارے آگے ذلیل و

مقبور ہوں گے۔ یہ سن کر کفار قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے اور متکبروں کو متنبہ کرنے کے لیے یہ سورہ نازل ہوئی۔

خدا کی پکڑ کا بیان ! اور اس کے ابتداء ہی میں وہ کلمات ارشاد فرمائے جو خدا کے جبروت اور دنیا کا اس کے آگے مسخر ہونا اور دنیا میں انقلاب برپا ہونے کو بتا رہے ہیں۔ فقال والسماء ذات البروج کہ ہم کو قسم ہے آسمان برجوں والے کی والیوم الموعود اور اس دن کی کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وشاہد و مشہود اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ اس کی بھی قسم ہے۔ ان تین چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ان بطش ربك لشديد کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو کوئی چھڑ نہیں سکتا۔ جس قوم اور جس شخص کو پکڑتے ہیں تو پہلے اس کی عقل مار دیتے ہیں۔ اقبال لے لیتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں ہیبت و عزت باقی نہیں رہتی۔ ثبوت پرستی اور جفا کاری پیشہ ہو جاتا ہے۔ کابل اور اس پر بد مزاجی اور غرور و نخوت اور جملہ بداخلاقی گھر کر لیتی ہے۔ خدا ترسی اور استعلازی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دشمنوں کا غلبہ اور افلاس کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ بے وقت موت و اعداء سے شکست مقاصد میں ناکامی پیش آنے لگتی ہے۔ آخر کوئی ایسا زبردست ان پر مسلط ہوتا ہے کہ کام ہی تمام کر دیتا ہے اور کبھی دفعہ کوئی آسمانی بلا بھیج کر غارت کر دیتے ہیں۔ زلزلہ اور زلزالہ باری اور ہوا اور پانی کا طوفان بجلی اور وباء بھی اس کے آلات تیار رہتے ہیں یہاں تک تو دنیا کی پکڑ تھی پھر آخرت میں تو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک اور حشر سے ابد الابد تک جہنم اور دہکتی آگ اور طوفان اور طوق وزنجیر تیار ہے۔ معاذ اللہ من بطش۔ اس اجمال بیان میں جس طرح کفار کو تنبیہ ہے اسی طرح مسلمان کو تسلی بھی ہے کہ وہ ہماری قدرت و قبضہ سے باہر نہیں مگر ان تینوں چیزوں میں کہ جن کی قسم کھائی ایک کو دوسرے سے نہایت ارتباط ہے۔ اس لیے ہم ان تینوں چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اول: اول برجوں والے آسمان سے کیا مراد ہے؟ اور پھر اس صفت کے ذکر کرنے سے کیا مقصد ہے۔ جو آسمان کے وجود بلکہ جسم کے قائل ہیں اور یہ قدیم خیال ہے اور صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمان پر آفتاب کی گردش سے ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے جس کو دائرة البروج کہتے ہیں جس کو آفتاب حرکت ذاتی سے برس بھر میں تمام کرتا ہے اور جب اس دائرہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو ہر ایک حصہ برج ہے جیسا کہ خرپڑے کی پھاٹکیں اور ہر ایک پھاٹک کو برج کہا جاوے۔

یابیوں کہو کہ آفتاب کی حرکت سے اکثر آباد اور معتدل بلاد میں چار فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ربيع و صيف و خريف و شتاء یعنی بہار گرمی، خزاں، جاڑا۔ اصل دو فصلیں ہیں۔ جاڑا اور گرمی مگر جاڑے کے بعد جب گرمی آتی ہے تو دفعہ نہیں آتی بلکہ ایک زمانہ بیچ میں حائل ہوتا ہے اور اس کو ربيع کہتے ہیں اور اسی طرح گرمی کے بعد سردی بھی دفعہ نہیں آتی بلکہ درمیان میں ایک زمانہ دونوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس کو خريف کہتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان میں برسات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ چار فصلیں ہونکیں اور ہر ایک فصل کی تین حالت ہیں۔ ابتداء، انتہا، اوسط۔ آفتاب کی حرکت جس سے یہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں جمہور کے نزدیک آسمان پر ہے اس لیے آسمان کے باعتبار ہر ایک فصل کے چار حصے کئے اور ہر ایک حصہ کے تین تین ہر حصہ کا نام برج اور جن کے نزدیک آسمان کا وجود نہیں وہ اس بعد اور فضاے نیلیگوں ہی کو آسمان کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس آسمان کے بارہ حصے اسی لحاظ سے ہوں گے۔ بارہ برجوں کی کیفیت: یابیوں لے کہو کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں۔ آسمان کے ہر ایک حصہ کو ان اشکال کے لحاظ سے نامزد کیا۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ۔ ان چھ برجوں میں جب آفتاب آتا ہے تو گرمی ہوتی ہے۔ حمل سے لے کر سرطان تک بڑھاؤ ہوتا

۱۔ یعنی دراصل آسمان پر برج و گنبد کچھ نہیں بلکہ اہل ہیئت و نجوم نے ستاروں کی رفتار و مقام سمجھنے کے لیے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لیے ہیں اور پھر ستاروں کے اجتماع سے جیسی شکل پیدا ہوگئی ہے۔ اس کو اسی کے نام سے نامزد کر دیا ہے کہیں تیل کی شکل نمودار ہے تو اس حصہ کو برج ثور کہتے ہیں (علیٰ ہذا القیاس)۔ ۱۲۔

ہے اور دن بھی بڑھا کرتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ جس طرح حمل میں رات دن برابر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میزان میں بھی۔

اس کے بعد سردی شروع ہوتی ہے اور اس کے برج یہ ہیں۔ میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت

(حمل - مینڈھ کا بچہ) چونکہ تیس ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھ کی شکل پیدا ہوگئی ہے جس کا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دم ہے۔ ثور، نیل، تیس ستاروں کے ملنے سے نیل کی صورت نمودار ہوگئی ہے جس کا سر بجانب مشرق اور دم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں جن کو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انور کے خوشہ کی طرح ہے۔ جوزا دوا دی ملے ہوئے انھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ گویا دوا دی جڑے ہوئے ہیں۔ سرطان کیلکڑہ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔ اسد شیر ستائیس ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سنبلہ خوشہ یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے جس کا سر اسد کی دم کی طرف اور پاؤں میزان کی طرف اور اس کے اس ہاتھ کے پاس کہ جس میں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جس کو سماک اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس ستاروں سے بنی ہے۔ میزان، ترازیہ آٹھ ستاروں سے بنی ہے۔ عقرب بچھو یہ شکل اکیس ستاروں سے بنی ہے۔ قوس کمان یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جس میں تیر لگا ہوا ہے۔ یہ اکتیس ستاروں سے مرکب ہے۔ جدی بزغالہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ اٹھائیس ستاروں سے مرکب ہے۔ سعد ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ دلو ڈول ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے۔ بیالیس ستاروں سے مرکب ہے حوت مچھلی یہ مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دم کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

فائدہ۔ نزول قرآن مجید سے پہلے عرب بھی آسمان میں اسی قسم کے برجوں کے قائل تھے۔ اشعارِ جاہلیت سے اس کا پتا ملتا ہے۔ قرآن مجید میں آسمان کو اس صفت سے ذکر کر کے قسم کھانا اس طرف اشارہ ہے۔ انقلابِ عالم ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم موسموں کو بدلتے ہیں۔ کفار قریش اس چند روزہ جاہ و حشم پر نازاں نہ ہوں مقلب الاحوال ہم ہیں اور اس میں ایمانداروں کو تسلی بھی ہے کہ چند روزہ مصیبت پر صبر کریں سدا ایک سے دن نہیں رہا کرتے۔

بروج کے معنی | بروج کے معنی اور بھی علماء نے بیان کئے ہیں: (۱) یہ کہ بروج سے مراد منازلِ قمر ہیں۔ (۲) یہ کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں کیونکہ بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں اور جو ستارے ظاہر اور روشن ہوں اس لیے ان کو بروج کہتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و ضحاک و حسن و قتادہ و سدی کا قول ہے۔ اس تقدیر پہ یہ معنی ہوئے کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی اور یہ معنی مذاقِ عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہیں۔ منہال بن عمرو کہتے ہیں اس کے معنی ہیں عمدہ پیدائش۔

دوسری بات | دوسری بات والیوم الموعود کہ قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ الیوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزا و جزا کے لیے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا میں فتح و ظفر آخرت میں بہشت و ہاں کے نعیم کے وعدے کئے ہیں اور ان کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے۔ اس کی قسم کھاتے ہیں جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنی کا افادہ کرتا ہے۔

حضرات اہل دل یوم موعود وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جاوے گے اور صاف صاف اپنے معبود و محبوب متقی کا دیدار دیکھیں گے۔ اس دیدار کا ان سے وعدہ ہے اسی یوم موعود کے سہارے تو ان کی زندگی ہے۔

وعدے یہ ترے وصل کے اور بجر کے صدے
مرنے نہیں دیتے مجھے جینے نہیں دیتے

ہر شخص کے لیے ہر قوم کے لیے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اس کی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے۔ پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے۔ اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح دنیا کے تکالیف اور رنج و غم بھی سدا نہیں رہتے۔ ان کے لیے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے۔ اس لفظ میں جس طرح غمگین ایمانداروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار کس بات پر ناز ہے اس کے زوال کا دن بھی موعود ہے۔

تیسری چیز ! تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاہد و مشہود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا۔ لغت میں شاہد کے معنی سامنے ہونے والے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں اس لیے ان کے معنی میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاہد جمع کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد و اطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دراصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے۔ اس لیے ان کو کمرہ لایا گیا برخلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لیے اس کو معرفہ باللام لایا گیا و الیوم الموعود فرمایا اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کو ترمذی و عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا اور شاہد جمعہ کا جو سب دنوں سے افضل ہے اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے اور بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکر الہی اور دین کے لیے ہو مشہود اور جماعت کو شاہد بتایا ہے جس میں عیدین و جمعہ و عرفہ بھی شامل ہے اور بعض نے شاہد و مشہود میں صرف گواہی کے معنی کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاہد سے مراد حق سبحانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے کہ فی اللہ شہید اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آنحضرت ﷺ بھی شاہد ہیں کیونکہ قیامت کو وہ گواہی دیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور ان کے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے و جاء ت کل نفس معها سابق و شہید اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا یوم تشهد علیہم السننہم و ایدیہم و ارجلہم اور رات دن بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی انسان کے نیک و بد کاموں کی گواہی دیں گے اور نیز آسمان و زمین بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی گواہی دیں گے اور نیز جمع ممکنات بھی شاہد ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے فنی کل شیء لہ شاہد۔ تدل علی انہ واحد۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق اور مقام استجلاء میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔

ایک اور توجیہ بھی اس مقام پر چسپاں ہے اور وہ یہ کہ شاہد بمعنی حاضر ہونے والے اور آنے والے کے لیے جاوین تو شاہد سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو شام و صبح نامہ اعمال لکھ کر لے جاتے ہیں اور نامہ اعمال لکھنے آتے ہیں خصوصاً صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت جیسا کہ خود قرآن میں و قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً اور ممکن ہے کہ آنے والے دن کو جو مسلمانوں کی دنیاوی فتح و نصرت اور اعدائے دین پر غلبہ پانے کا دن ہے شاہد سے تعبیر کیا ہو اور اس کے ساتھ وہ برکات و فتوحات بھی مراد ہوں جو آنے والے تھے اور مشہود صحابہ اور ان کے پیروکار جن کے پاس یہ برکات و فتوحات آئے۔ اس تقدیر پر الیوم الموعود سے وہ دن مراد ہو سکتا ہے کہ جس کا وعدہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے

آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے جبکہ صحابہ مکہ میں کفار کی ناقابل برداشت ایذاؤں کی شکایت کرتے تھے۔ گویا ایوم الموعودہ فتح و نصرت کا دن ہے اور شاہد اس دن کے برکات و فتوحات اور شہود سچے دیدار یہ توجیہ سورت کے شان نزول سے زیادہ تر چسپاں ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

الغرض ان تینوں چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جس کو جواب قسم کہتے ہیں محذوف ہے۔ اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوقِ سلیم و طرزِ کلام سے خوب سمجھتے تھے۔ پھر کسی نے کہا وہ ایمانداروں کا دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا اور مکروں کا برباد ہونا کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا بہر طور مدعا ایک ہی ہے اور یہ ٹھیک ہے کس لیے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس کو مخاطب و مستحکم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفاء میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورہ میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربك لشديد الخ ہے اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحاب الاخذود النار ہے۔ چونکہ کلام الہی سب معانی پر حاوی ہے ہر احتمال درست ہے فقال قتل اصحاب الاخذود النار غایت ہوئے (یا غارت ہو جاویں) دہکتی آگ سے خندقوں کے بھرنے والے۔ ذات الوقت و اور آگ بھی کیسی تھی ایندھن والی یعنی بہت تیز لپے چڑے گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھردی تھیں اور آگ لگا دی تھی۔ جب شعلہ مارنے لگی تو ایمانداروں کو اگر وہ ایمان سے باز نہیں آتے تھے تو اس دہکتی آگ میں پکڑ پکڑ کر ڈالتے تھے۔ اذہم علیہا قعود اور خود ان خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وہم علی ما یفعلون بالمؤمنین شہود جو کچھ ایمانداروں سے کر رہے تھے اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کے تڑپنے اور جلنے پر خوب ٹھنھے لگاتے تھے (اس تقدیر پر شہود بمعنی شاہد یہ ظالم اور مشہود مظلوم ہیں) اور ایمانداروں کو یہ سزا کسی چوری دہکتی خون وغیرہ جرائم کے سبب سے نہ تھی بلکہ وہاں نقموا منهم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید صرف اسی لیے اور اسی جرم میں یہ سزا دی جاتی تھی اور ان سے بدلہ لیا جا رہا تھا کہ وہ اللہ زبردست ستودہ صفات پر ایمان لائے تھے یعنی ایمان لانا جرم قرار دیا گیا تھا۔

بلوچ تربت من یاقتم از غیب تحریرے
کہ اس مقتول راجز بے گناہی نیست تفسیرے

اور ایمان بھی کس پر اللہ پر جو تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے اور اس پر زبردست بھی ہے۔ متکبروں اور گردن کشوں کو چاہے تو دم بھر میں خاک میں ملا دے۔ اس بات کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور وہ حمید بھی ہے تمام خوبیاں اس میں ہیں۔ از انجملہ عدل و انصاف رحم بھی ہے سو اس بات کا بھی خیال نہ کیا اور وہ ایسے ظلم و ستم پسند نہیں کرتا اور یہ بھی نہیں کہ اس کے بندوں پر یہ ظلم ہو۔ اس کو خبر نہ ہو بلکہ واللہ علی کل شیء شہید کہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

اصحاب الاخذود کی تحقیق ! اب دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ وہ اصحاب الاخذود کہ جنہوں نے آگ کی کھائیاں کھودی تھیں ایمانداروں کو جرم ایمان آگ میں ڈالتا تھا کون لوگ تھے کس ملک میں اور کس زمانہ میں تھے اور ان کا کیا مذہب تھا؟

مقاتل نے کہا کہ یہ واقعہ تین جگہ ہوا ہے۔ ایک نجران میں جو ملک یمن میں واقع ہے اور ایک بارشام میں اور ایک بار فارس میں۔ یمن میں ذوالواس نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھردی تھیں۔ ان میں ایمانداروں کو ایمان کے جرم میں ڈالتا تھا۔ شام میں اباطموس رودی نے ایسا ہی کیا تھا۔ فارس میں بخت نصر نے جس کے عہد میں دانیال علیہ السلام تھے۔ ابن المذہب و ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ میں بھی ایک باریہ واقعہ گزرا ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں گزرا ہے جبکہ ان

میں بت پرستی کا رواج ہوا اور انہوں نے خدا پرستوں کو ایمان سے روکنا چاہا تو خندقیں کھدوا دیں اور ان میں آگ جلا دی اور بت کو کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو اس کو سجدہ نہ کرے اس کو آگ میں ڈال دیا جاوے۔ مگر ان آیات میں ان میں سے کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ بامعان نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذنواں نے جو یمن میں کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اس واقعہ کو عرب جانتے تھے اور اس کے دیکھنے والے بعض اشخاص آنحضرت ﷺ کے عہد تک باقی تھے اور قریش کو اس واقعہ سے عبرت دلائی گئی کہ وہ بھی اصحاب الاخدود کی طرح غریب ایمانداروں پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔

مسلم نے اپنی صحیح کے اخیر میں اور اسی طرح نسائی نے اور امام احمد نے اور ترمذی نے صہیب رومی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان نقول میں باہم کسی قدر الفاظ و مطالب میں کمی زیادتی ہے مگر ترمذی نے جو نقل کیا ہے ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن ۱۔ تھا۔ اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میری عمر اخیر ہوئی۔ آپ کسی ذہین و فطین لڑکے کو میرے حوالے فرمائیے کہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا جاؤں تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور رستہ میں ایک راہب ۲۔ اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا معمر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے (لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا۔ راہب نے اس کو دین حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا۔ کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اس کے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے۔ میرے پاس کم آتا ہے۔ گھر والوں نے ادھر کاہن نے اس بات پر اس کو مار پیٹ شروع کی۔ ایک روز رستہ رکا ہوا تھا۔ کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا، بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ رکے کھڑے تھے۔ تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الہی اگر راہب ۳۔ کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مر جائے۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مر گیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی۔ یہ شیرہ سن کر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کر دے تو میں تجھے یہ کچھ دوں۔ وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا۔ لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اس پر ایمان لا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ لڑکے نے دعا کی تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی جو بت پرست تھا اس نے ان سب کو بلوایا اور اس اندھے اور راہب کو آ رہے سے چروادیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو۔ جب شاہی لوگ اس کو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مر گئے اور لڑکا بچ رہا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جا کر غرق کر دو وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا۔ تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا، آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے، مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھا دو اور یہ کہہ کر کہہ کہہ باسم رب هذا الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ لڑکا مر گیا۔ اس کی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اس نے ان پر ہاتھ دھر لیا۔ بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہو گئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھودو اور ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اس کو آگ میں ڈالتے جاؤ۔ تب شاہی کارندوں نے ایمانداروں کو آگ

۱۔ کاہن جادوگر ۲۔ راہب خداپرست ۳۔ راہب سے مراد قبورن ہے اور بادشاہ سے مراد ذونواس ہو سکتا ہے یا نجران کا حاکم۔ مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فروگزاشت ہو گئی کس لیے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا۔ اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے جو ذونواس ہے۔ ۱۲ منہ

میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ قتل اصحاب الا حدود النار یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے العزیز الحمید تک آیت پڑھی۔ مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خان بہرہ راتھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مؤرخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسی قدر مخالفت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس لڑکے کا نام عبد اللہ بن تامر تھا اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا اور کھانیاں آکر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھیں اور اسی نے آکر جبکہ یہ دیکھا کہ اکثر اہل نجران عیسائی ہو گئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبد اللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا۔

اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس غلام نے قتل کیا تھا۔

ذونواس کا تذکرہ ! اب ہم کسی قدر اس ذونواس اس کا حال بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ ملک یمن میں قوم حمیر کا اخیر بادشاہ اسد تھا۔ اس کو تیج اخیر بھی کہتے ہیں۔ یہ بادشاہ نوشیرواں عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ اس نے تخیل بلاد کا اپنے بزرگوں کے طور پر قصد کیا۔ حجاز اور بالخصوص مکہ سے سفر کرتا ہوا مدینہ پہنچا۔ مدینہ کے آس پاس قوم یہودی کی چند بستیاں آباد تھیں۔ یہ لوگ بخت نصر کے حادثہ سے یا اس کے بعد دیگر حوادث سے اس ملک میں آ رہے تھے۔ مذکور خیزہ قریطہ تفسیر وادی القرئیٰ ینوع وغیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں صرف یہی لوگ توریت اور دین موسیٰ علیہ السلام کے قبیح تھے ورنہ سب عرب بت پرست تھے۔ مدینہ کا گرو نواح اس بادشاہ کو بہت پسند آیا۔ مدینہ کا سردار ان دنوں عمرو بن طیاں بنی خزرج میں سے تھا۔ یہ بادشاہ جس کے پاس بے شمار لشکر تھا۔ مدینہ پر غالب آیا اور عمرو کی جگہ اپنے بیٹے کو سردار کر کے شام کی طرف کوچ کر گیا۔ جب دور چلا گیا تو بعد میں اہل مدینہ نے اس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ اس نے اس خبر کو سن کر ارادہ کیا کہ واپسی میں اس شہر کے مرد و زن کو تہ تیغ کر دوں گا۔ چنانچہ جب یہ لوٹا ہوا آیا تو مدینہ کا محاصرہ کیا۔ بہت دنوں محاصرہ رہا مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ اس عرصہ میں بنی قریظہ کے دو تین عالم یہودی اس کے پاس آئے جن میں سے ایک کا نام کعب اور ایک کا اسمہ تھا۔ انہوں نے کہا: اے بادشاہ! آپ اس شہر کو برباد نہ کر سکیں گے لوٹ جائیے۔ اس نے پوچھا کس لیے عرض کیا کہ اس شہر کو خدائے اپنے ایک اخیر نبی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو قریش مکہ میں پیدا ہو گا اور جب مکہ کے لوگ اس پر ظلم کریں گے تو اس شہر میں آکر رہے گا۔ یہیں اس کی قبر ہوگی۔ یہ خبر ہماری توریت میں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟ انہوں نے آگاہ کیا اور دین موسوی کے فضائل بیان کئے۔ تب یہ بت پرست بادشاہ مذہب یہودی میں داخل ہو گیا اور ان دنوں عالموں کو یمن میں ہمراہ لے گیا اور وہاں اس مذہب کو رواج دیا۔ پھر یہ بادشاہ مر گیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے۔ حسان عمرو زرعہ۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ اس لیے بنی تمیم میں سے ایک شخص ربیعہ بن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت کا مالک ہو گیا، اسی ربیعہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کے لیے سلیح اور دشق دو کا ہنوں کو بلایا۔ انہوں نے از خود بادشاہ کا خواب بیان کر دیا کہ آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ایک سیاہی جہاں میں پھیل گئی اور اس سیاہی میں سے ایک کونڈہ نکل کر زمین پر گرا اور آگ ہو گیا اور لوگوں کو جلا دیا۔ بادشاہ نے کہا تو نے درست کہا، اب اس کی تعبیر کیا ہے؟ اس نے کہا ملک حبش سے ایک بادشاہ اٹھے گا اور تیرا ملک لے لے گا اور دین یہودی سے لوگوں کو برگشتہ کرے گا اور حبشیوں کا زور یمن پر ہو جاوے گا۔ بادشاہ نے پوچھا اے سلیح اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا ایک شخص اٹھے گا جس کا نام سیف بن ذی یزن ہوگا اور حبشیوں سے ملک چھین لے گا۔ پھر سیف مارا جائے گا اور عرب سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کا دین لوگ قبول کریں گے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس خواب کے اندیشہ سے ربیعہ نے اپنے لوگوں کو حیرہ میں بھیج دیا تھا جن میں سے منذر بن نعمان بھی تھا جو نوشیرواں کا تابع تھا اور اس کی سلطنت بصرہ کوفہ اور عراق اور کچھ شام اور نواحی عرب میں تھی۔

ربیعہ چند سال سلطنت کر کے مر گیا۔ لوگوں نے پھرتی کے بیٹے حسان کو بادشاہ بنایا۔ اس نے حجاز اور شام پر چڑھائی کی اور یمن میں اپنے بھائی عمرو کو چھوڑ گیا تھا۔ جب وہ موصل میں پہنچا تو لوگوں نے عمرو کو بادشاہ بنالیا اور اس نے اپنے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا جس کے بعد وہ دیوانہ ہو کر مر گیا۔ اس عرصہ میں ایک شخص جو خاندان سلطنت سے تھا۔ کھڑا ہوا اور یمن کا بادشاہ بن بیضا اس کا نام خیف بن عالم تھا وہ بڑا خالم اور بدکار تھا۔ لوگوں سے بد فعلی کیا کرتا تھا جوئی دہن ہوتی تھی پہلے ایک رات وہ رکھا کرتا تھا۔ زرعہ جو تیج کا چھوٹا بیٹا باقی رہ گیا تھا وہ نہایت حسین تھا اس کو بھی اس نے اس ارادہ سے بلایا۔ اس نے تنہا پا کر اس ناپاک کو مار ڈالا اور لوگوں نے مستحق تاج و تخت سمجھ کر زرعہ ہی کو یمن کا بادشاہ بنالیا۔

ادھر نجران میں شام سے ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ذریت میں آیا جس کا نام قیون تھا اور نجران میں عرب کا قبیلہ بنی ثعلبہ تھا اور وہاں ایک کھجور کا بیڑ تھا جس کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی کرتے تھے۔ قیون مرد با خدا تھا رات بھر عبادت کیا کرتا تھا اور دن کو مزدوری اور آج اس گاؤں میں ہے تو کل دوسرے میں اسی طرح قیام کیا کرتا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی کرامات دیکھیں تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور کہا اگر تو ہمارے بتوں پر غالب آ گیا تو ہم تیرا دین اختیار کر لیں گے۔ قیون کی دعا سے ان کے بت گر پڑے۔ لوگوں نے دین عیسوی اختیار کر لیا اور قیون وہاں انجیل کی تعلیم کرنے لگے۔ وہاں کے سردار تامر کا بیٹا عبد اللہ بھی قیون کا شاگرد رشید اور بڑا بزرگ اٹھا۔ اب نجران کے لوگوں نے بجز عیسوی دین کے اور کسی مذہب کو باقی نہ چھوڑا جو ان کا دین قبول نہ کرتا تھا قتل کیا جاتا تھا۔ ایک یہودی نجران میں گیا اور جا کر اس نے یہ سب کیفیت ملاحظہ کی اور زرعہ کو خبر کی اور یہ زرعہ ذونواس بھی کہلاتا تھا۔ یہ سن کر ذونواس پچاس ہزار لشکر لے کر نجران پر چڑھ گیا اور عیسائیوں کا عبادت خانہ جلادیا اور کھائیاں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دین عیسوی سے برگشتہ نہ ہو اس کو اس میں ڈال دو۔ اس لیے لوگوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا اور عبد اللہ بن تامر کو بھی قتل کیا۔ یہ ہیں اصحاب الاخذ و دجن پر خدا تعالیٰ قرآن مجید میں لعنت کرتا ہے۔ اقول قتل اصحاب الاخذ و النار ذات الوقود اذ ہم علیہا قعودا و یہ ظلم و ستم کر کے ذونواس یمن میں واپس آیا (بعض کہتے ہیں ذونواس زرعہ نہ تھا بلکہ اس کا سپہ سالار تھا) اس حادثہ کے بعد نجران کے لوگوں میں سے ایک شخص جلی ہوئی انجیل لے کر قیصر روم کے پاس جو وہ بھی عیسائی تھا فریادی گیا۔ قیصر یہ ماجرا سن کر سخت ناراض ہوا اور رویا اور کہا میرے لشکر کا پہنچنا مشکل ہے۔ میں بیش کے بادشاہ نجاشی کو لکھتا ہوں کہ وہ بھی عیسائی ہے اور یمن سے قریب ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ قیصر کے نامہ کے ساتھ یہ شخص جش میں آیا وہاں کا بادشاہ یہ حال سن کر بہت رویا۔ تب شاہ جش نے ستر ہزار بہادر سپاہ تیار کی اور اس کا سپہ سالار رباط کو کیا۔ جش اور یمن کے درمیان چھوٹا سا نلڑا مسند رکا ہے۔ یہ لشکر بحری جہازوں پر سوار ہو کر یمن میں حضرموت کے مقام پر اتر پڑا۔ ذونواس نے ایک حیلہ کیا کہ رباط کو نامہ لکھا کہ شاہ نجاشی کو مجھ سے عداوت نہیں اس لیے میں بھی لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ کو میں خزانوں کی انجیاں دیے دیتا ہوں۔ پھر آپ مجھے یا اپنے پاس رکھیں یا نجاشی کے پاس بھیج دیجئے۔ رباط نے کہا میں نجاشی کو مطلع کرتا ہوں جو وہ حکم دے گا آپ کو مطلع کر دوں گا۔ اس لیے نجاشی کو سب حال لکھا۔ نجاشی نے خوش ہو کر حکم دیا کہ خزانے اس سے لے لو اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس بات کی ذونواس کو خبر دی۔ ذونواس نے اوزوں پر انجیاں لا کر رباط کے پاس بھیج دیں اور پھر شہر صنعاء میں رباط کو لے آیا اور جو کچھ تھا اس کے حوالے کیا اور یہ بھی کہا کہ اور صوبجات میں بھی میرے خزانچی اور خزانے ہیں اور آپ جہاں جہاں میں کموں ضبط اموال کے لیے لشکر روانہ کیجئے۔ رباط نے ایسا ہی کیا اور تمام لشکر ملک یمن میں منتشر کر دیا اور درپردہ لوگوں کو لکھ بھیجا کہہ رہا۔ ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جشی لشکر جا بجا مارا گیا۔ رباط کو جب یہ خبر ملی تو صنعاء سے بھاگ کر حضرموت میں آیا اور کشتی میں آ بیٹھا اور نجاشی کو اس حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے ایک لاکھ پیادہ اور سوار کا دوسرا لشکر مرتب کیا اور ان کا افسر ابرہہ بن صباح کو کیا جو شاہی خاندان سے تھا اور اس کو عرب ابرہہ الاشرم بھی کہتے تھے اور اشرم نکلنے کو کہتے ہیں۔

جب ذنواں نے دیکھا کہ اب کے بار بڑا لشکر آیا اور کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی تو ٹھوڑے پر چڑھ کر سمندر میں گھس گیا۔ یہ گھوڑا تیرا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا اور سوار دونوں ڈوب گئے۔ ابرہہ نے آکر تمام ملک اور صنعاء کی بیش بہا چیزوں پر قبضہ کر لیا اور حکم دیا کہ جو دین عیسوی اختیار نہ کرے گا قتل کیا جاوے گا۔ چنانچہ جس نے ذرا بھی انکار کیا گردن مار دی گئی۔ نجاشی کو ابرہہ کے تحائف و نذرانہ فتوحات نہ بھیجنے سے گمان ہوا کہ خود سر ہو گیا۔ اس لیے چار ہزار لشکر دے کر رباط کو بھیجا کہ ابرہہ کو معزول کر کے میرے پاس بھیج اور تو میری طرف سے وہاں کا حاکم ہو کر رہ۔ جب رباط آیا ابرہہ بہت کہتا تو ابرہہ نے کہا اگر میں سب چیزیں تیرے سپرد نہ کروں تو تو کیا کرے گا۔ رباط نے کہا جنگ کروں گا۔ ابرہہ نے کہا آؤ تو لو میں اور تو ہی کیوں نہ لڑیں فوج کو کیوں تلف کریں۔ فوج سے نکل کر دونوں میدان میں آئے۔ ادھر ابرہہ نے اپنا ایک غلام چھپا رکھا تھا۔ رباط نے ابرہہ کے سر پر تلوار ماری چونکہ یہ لوہے کا خول پہنے ہوئے تھا سر تو نہ کٹا مگر ناک اڑ گئی۔ اس لیے اس کو اشرم کہنے لگے۔ ادھر غلام نے رباط پر یکا یک حربہ کیا اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ باقی رباط کے لوگ چھ مارے گئے چھ بھاگتے دریا میں ڈوبے۔ کچھ کشتیوں میں سوار ہو کر نجاشی کے پاس آئے اور سب حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے قسم کھائی کہ میں جب تک ابرہہ کو قتل نہ کر لوں گا خاموش نہ رہوں گا۔ ابرہہ کو بھی خبر لگی اس نے ایک عرضی میں عذر لکھا اور کہا کہ رباط نے مجھ پر زیادتی تھی۔ میرے غلام نے اس کو مار ڈالا۔ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور عرضی کے ساتھ بہت کچھ تحائف بھی بھیجے۔ نجاشی نے عذر قبول کر کے ابرہہ کو ہی یمن کا حاکم رہنے دیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جو بہت سے ہاتھی لے کر کعبہ ڈھانے آیا اور اس کا لشکر اور یہ قبر الہی میں مبتلا ہوا جس کا ذکر سورہ الم تر کیف کی تفسیر میں آوے گا (مخلص از تاریخ طبری) اس تاریخ کے مطابق عبد اللہ بن تامر کو ذنواں نے قتل کیا تھا اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت تک دین عیسوی کی پابندی فرض تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دین میں عیسائیوں نے صد ہا بدعات ملا کر اس کی اصلی صورت بگاڑ دی تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَزَاءٌ تَجَرُّ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۝ وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝

بے شک جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستایا پھر اس سے باز نہ آئے تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لیے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ بڑی کامیابی۔ بے شک تیرے رب کی پکڑ بھی سخت ہے۔ وہ تو اول بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا پیار کرنے والا تخت والا بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

ترکیب: | فلهم الخ الجملة خبران ولهم الجملة الثانية معطوفة عليهما الذين آمنوا الخ اسم ان لهم جنات الخ جملة خبر هاتجری الخ صفة جنات المجيد قرء الجمہور بالرفع علی ان لغت لذو وقرئ بالکسر علی ان لغت للعرش ومجده علوه وعظمه وقيل هونعت لربک وقال کی هو خبر بعد خبر فعال مرفوع علی ان خبر مبتدء محذوف وقال الفراء مرفوع علی انکر یروا الاستيناف وقيل مرفوع علی الاتباع۔

تفسیر | کفار قریش کو احباب اللہ و خدا کا مال کا رونا کر کے ان پر لعنت پڑی دنیا میں بھی برباد ہوئے۔ تحت بخت سب جاتا رہا۔ ذلت سے مرے آخرت میں بھی رسوا ہوئے اپنا دائمی مقام ان سناتا ہے۔ فقال ان الذين فتنوا المؤمنين والمؤمنات کہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا عام ہے کہ مار پیٹ کی یا قتل کیا یا قید میں رکھا یا اور کسی قسم کی تکلیف دی یا ان کے لیے گمراہی میں اور لہو و لعب میں پڑنے کے سامان پیدا کئے۔ ناچ تماشا اور رقص و سرود کی محفل کر کے مسلمان مرد اور عورتوں کو شریک کرنا بھی ان کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ ثم لم يتوبوا اور پھر اس سے وہ باز نہ آئے کیونکہ اگر باز آجاتے اور توبہ کرتے تو گو حقوق العباد کا مطالبہ باقی رہتا مگر خدائی مقابلہ کے جرم میں عذاب عظیم نہ پاتے۔ فلهم عذاب جهنم توان کے لیے آخرت میں عذاب جنہم ہے ولهم عذاب الحريق اور دنیا میں جلانے والا عذاب ہے یعنی وہ مصیبت کہ جس سے ان کے دلوں پر صدمہ ہوا اور جلا کریں اقبال جاتا رہے۔ دشمن غلبہ پاویں۔ افلاس و نا اتفاقی اور بیماریاں اور قحط پیش آویں، قتل کئے جاویں۔ گھریا چھنیں بال بچے قید ہوں یا غلام بنائے جاویں۔ عورتیں ان کے روبرو بے عزت کی جائیں۔ ان کے ملک اور دولت پر دشمن قابض ہوں اور یہ دیکھا کریں۔ خدا کی پناہ ہے۔ عذاب حریق سے اور سب عذابوں سے اور ف جو فہم میں آئی تو اس سے یہ بات بتا دی کہ یہ بلا انہیں کے افعال سے آتی ہے وہ افعال سبب اور یہ مسبب ہے۔ ہماری عداوت اور رحم کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ ہم بغیر کسی ارتکاب جرم کے عذاب میں مبتلا کریں۔ یہ ان کی سوزش کا بدلہ ہے جو ان کے ہاتھ سے ایمانداروں کو پہنچتی تھی۔ اب دوسری بات اس کے مقابلے میں نیکی کرنے والوں ایمانداروں کی بابت بھی سن لو ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات کہ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے۔ عبادت، خیرات، صلہ رحمی وغیرہم جنت تجری من تحتها الانہار ان کے لیے باغ ہیں یعنی بہشت میں اور باغ بھی کیسے کہ جن میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ نہریں ان خونوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں ان کے بدنوں سے اللہ کی راہ میں نکلا تھا یا وہ حسنات جاری ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ذلك الفوز الكبير یہ ہے بڑی کامیابی کس لیے کہ اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور اچھے جواہرات اور تمامی عیش و سامان بہم بھی پہنچا لیے اول تو سب چیزوں کا بہم پہنچنا مشکل ہے ایک نہ ایک حسرت باقی ہی رہ جاتی ہے کیا خوب کہا کسی نے۔ ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تو پھر ان چیزوں کو دوام و بقا نہیں۔ دشمن کا کھٹکانا چیزوں کی بے ثباتی کا بھی دغدغہ ساتھ ہی لگا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو اخیر عمر میں اپنے ملازموں اور اولاد اور بیویوں کے ہاتھ سے تلخی چکھ کر بڑی حسرتوں سے مال اور ملک رخصت کرنا پڑا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو خود اس کی عمر رواں کا کیا اعتبار اور پھر جوانی اور تندرستی تو تھاے نہیں تھمتی بے اختیار چلی جاتی ہے۔ برخلاف دار آخرت اور وہاں کے نعیم کے وہاں ان باتوں میں سے کسی کا بھی دغدغہ نہیں وہیں کے پھول بے کانٹے کے ہیں اسی لیے عالی دماغوں نے اس چند روزہ عیش پر لات ماری تھی اور قبل اس کے کہ یہ عیش و نشاط ان کو چھوڑے خود انہیں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، اس لیے بڑی کامیابی جنت اور وہاں کے نعیم ہیں۔

دو باتیں بیان فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ ایمانداروں کو ستانے والوں کو جنہم ہے۔ دوسری یہ کہ ایمانداروں نیک بختوں کے لیے جنت ہے۔ اس لیے ان دونوں کے مناسب دو قسم کے صفات بیان فرمانا کلام کو نوکد کرتا ہے۔ پہلی بات کے لیے اپنی صفت جبروت و قہر و قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال ان بطش ربك لشديد کہ تیرے رب کی گرفت سخت ہے۔ جس کو پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔ آخرت میں بتلا عذاب کرتا ہے۔ نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ بندہ کو کسی بات

پر ناز نہ کرنا چاہیے۔ وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ دولت مندوں کو مفلس کر دیتا ہے۔ آبائی اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔ دوسری بات کے لیے صفات رحم و عطا و بذل و جود کو ذکر کرتا ہے۔ فقال انه بھو یددی و یعیبد کہ وہ مبداء فیاض ہے۔ پہلا وجود بھی اسی نے عطا کیا تھا اور مرنے کے بعد بھی جوئی زندگی گانی ہوگی اس وجود کو بھی وہی عطا کرے گا۔ یہاں دار آخرت کا ضامن ثبوت بھی تھا اور یہی زندگی فوز کبیر کا مقدمہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد فوز کبیر کے متعلق صفات بیان فرماتا ہے۔ وهو الغفور کہ وہ بخش دینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ و استغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے ٹیکو کار ہیں اس کے لیے الودود پیارا اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہی محبت کرنے کے قابل ہے۔ وہی محبوب اصلی ہے۔ ذوالعرش تخت والا بھی تخت پر بیٹھ کر اپنے ملک میں جو چاہتا ہے کرتا ہے کون ہے اس کے آگے صاحب تخت؟ المجید بڑی شان والا ہے۔ فعال لما یرید اور قادر مطلق بھی ہے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ کوئی اس کو روک نہیں سکتا نہ کسی کام میں اس کو کسی مددگار کی طرف حاجت پڑتی ہے نہ وہ کسی سامان کا محتاج ہے۔

هَلْ اَنْتَ حَدِیْتُ الْجَنُوْدَ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ ﴿۱۹﴾
وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِیْدٌ ﴿۲۱﴾ فِیْ كُوْنٍ مَّحْضُوْطٍ ﴿۲۲﴾

آپ کو لشکروں کا حال تو معلوم ہوا ہی ہوگا فرعون اور ثمود کا بلکہ مکر تو جھلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ہے کہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان کا لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)

ترکیب | هل انت اجملة مستأنفة مقررة لما تقدم من شدة بطش وكونه فعال لما یرید فرعون و ثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون هو قوم و ثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحد تشهم ما وقع عليهم من الكفر والعناد وما وقع عليهم من العذاب والله الخ اجملة حال من فاعل كفروا محفوظ بالجر نعت للروح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءۃ الجہور۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا کہ تیرے رب کی پکڑ سخت ہے اور اس کے ثبوت کے لیے اول اصحاب الاحدود کا قصہ نقل کیا تھا۔ اجمالاً جو آنحضرت ﷺ سے تھوڑے ہی برسوں پہلے گزرا تھا اور عرب میں زبان زد تھا۔ اس کے بعد پھر اسی بات کے ثبوت کے لیے اجمالی طور پر وہ واقعات کو یاد دلاتا ہے جن میں سے ایک کو تو عرب اور اہل کتاب جانتے تھے۔ اس لیے اس کو مقدم کیا اور وہ فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا قصہ ہے اور دوسرے کو عرب جانتے تھے یعنی قوم ثمود کا حال کہ جو کچھ ان پر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے گزرا۔ اس لیے فرماتا ہے هل انت اجملة مستأنفة مقررة لما تقدم من شدة بطش وكونه فعال لما یرید فرعون و ثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون هو قوم و ثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحد تشهم ما وقع عليهم من الكفر والعناد وما وقع عليهم من العذاب والله الخ اجملة حال من فاعل كفروا محفوظ بالجر نعت للروح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءۃ الجہور۔

معنی قد ہے یعنی تحقیق پہنچی سب جانتے ہیں جنود جن کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفار قریش کیا چہر ہیں۔ ان کا تو ایک لشکر بھی نہیں۔ اس سے پہلے بہت سے لشکروں کو ہم غارت کر چکے ہیں۔ پھر فرماتا ہے فرعون و ثمود وہ لشکر کون تھے؟ فرعون کے اور قوم ثمود کے لشکر جو بڑے طاقتور اور کثرت سے تھے۔ کچھ ایسے دیے لشکر بھی نہ تھے۔ پھر دیکھو ان پر کیا گزری کس طرح سے خدائے جلیل و جبار نے ان کی سرکشی اور بدکاری سے ان کو ہلاک کیا۔ ان دونوں قصوں کی تفصیل کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے۔

مگر قریش ایسے واقعات سن کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کیا خدا کے قائل نہیں اور کیا اس کی قدرت کو نہیں مانتے۔ یہ اس لیے کہ وہ مشرک تھے۔ بتوں کو وسیلہ جانتے تھے اور خدا پاک کو بھی مانتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بل الذين كفروا هم تكذيب ہرگز نہیں

بلکہ مگر جہلانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ گویا بان سے کہتے ہیں گمان کا حال جھٹلار ہے ہیں اور اگر دل میں ان کے اسباب کا نقشہ جما ہوتا کہ وہ سخت پکڑ کرنے والا ہے تو ایمانداروں اور ہمارے پیغمبر پر ظلم و ستم نہ کرتے اور سرکشی سے باز آتے اور ہماری مرضی کے تابع ہوتے بلکہ ان کو اپنے جہل سے اپنی طاقت اور قومیت کا غرور ہے اور دراصل یہ غرور باطل ہے کس لیے کہ واللہ من ورائہم محیط کہ وہ ہر طرف سے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے اور تمام ممکنات کا یہی حال ہے کہ اس کی قدرت کے احاطہ میں ہے۔ وہ سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ احاطہ جسمانی نہیں جیسا کہ برتن کا پانی کے لیے اور گھر کا گھ گھ میں رہنے والوں کے لیے ہوتا ہے بلکہ احاطہ قدرت اور احاطہ ذاتی ہے چونکہ یہ سب واقعات اور پھر ہدایت مضامین قرآن میں ہیں۔ وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ بل ہو قرآن مجید بلکہ قرآن وہ بلند شان والا ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہو سکتا۔ کس لیے۔ فی سوح محفوظ لوح محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ لوح محفوظ کی کیفیت مقدمہ تفسیر سے معلوم کرو۔

(سورہ طارق سورہ ہے اس میں سترہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ إِنَّ كُلَّ

نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ

دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی اور آپ کیا جانیں کیا ہے رات میں آنے والا (وہ) چمکتا ہوا تار ہے۔ ایسی کوئی بھی جان نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔ پھر آدمی آپ ہی دیکھے کہ وہ کاہے سے بنایا گیا۔ ایک اچھلتے قطرہ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

ترکیب ۱۔ و التسم۔ السماء مجرور معطوف علیہ والطارق معطف علیہ۔ والطارق ما یاتی لیلًا سوا کان کو کبا وغیرہ لطروق شب آمدن (مع فاض ۲) طارق شب آمدہ و ستارہ و کستی کردن نخل۔ از صراح (وما ادراک الجملۃ الاستفہامیۃ تسم الطارق النجم الثاقب مستانہ جواب سوال کا نہ قبل ما هو فقال النجم الثاقب۔ ثاقب افروختہ شدن آتش۔ ص۔ ان کل نفس لما علیہا حافظ قرء ابن کثیر والبی عمر و نافع و کسائی لما بالتحقیف و قرء عامم و حمزہ و النحی بالتشدید فمن خفف کانت ان عنده الخففة من المثلثة و اللام فی لما تدخل مع ان الخففة للفرق بین النافیۃ و الخففة و ماصلة کما فی قوله فیما رحمة و من أقل فان عنده النافیۃ و لما بمعنی ال حافظ مبتداء علیہا خبر و الجملۃ جواب القسم علی التقدر یرین ای ان الشان کل نفس لعلیہا حافظ او ما کل نفس الا علیہا حافظ خور الخ الجملۃ مستانہ جواب۔ سوال مقدر و الماء المنی و الدفق الصب و دافق ای مدفوق مصوب فی الرحم یرجع الجملۃ صفة ماء و الترائب جمع تریبہ وھی موضع القلادة من الصدر و الصلب و الصدر لهما دخل عظیم فی تو اذ منی لان للدمار و دخل تام و له خلیۃ وھی الشحاع وھی فی الصلب و له شعب کثیرۃ نازلة الی مقدم البدن و هو التریبۃ فتمیز السبب خصصها اللہ بالذکر و الامادة المنی فی الاثنين ثم لد من فعله الهضم الرابع و محصل عن جمیع اجزا البدن حتی یاخذ من کل عضو طبیعہ و خاصیۃ فیصیر مستعدا لان یتولد منه مثل تلك الاعضاء اذہ الضمیر یرجع الی اللہ سبحانہ و الضمیر فی و جد الی الانسان فالصدر مضاف الی المفعول۔

تفسیر ۱۔ یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ لفظ طارق اس میں ہے اس لیے اس کا نام سورہ طارق قرار پایا۔ اس کی سترہ آیات

ہیں۔ مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے آسمان کے ذکر اور مسئلہ مبداء و معاد کے ذکر سے اور نیز خاتمہ سے ظاہر ہے۔

سورہ بروج میں فرمایا تھا کہ اللہ کے احاطہ میں لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہ قرآن لوح محفوظ میں بحفاظت ہے۔ اب ان دونوں باتوں کے متعلق دو چیزوں کا ذکر قسم کھا کر کرتا ہے۔ فقال والسماء قسم ہے آسمان کی اس میں پہلی بات کی تائید ہے کہ آسمان ہمارا بنایا ہوا ہے مگر اس نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ سورۃ معنی۔ جہاں جاؤ اور کسی ملک یا دریا میں چلے جاؤ آسمان سر پر موجود اور ہر طرف سے محیط ہے۔ ع

بہر زمین کہ روی آسمان برو پیدا است

اور نیز آسمانی احکام سے کوئی سر تابی نہیں کر سکتا۔ موت، حیات، تندرستی، بیماری، فتح و شکست، دولت و تمندی، افلاس، عزت و ذلت سب آسمانی احکام ہیں بھلا کوئی ان کو نال تو دے۔ انہیں احکام کے نالے میں اوبام باطلہ کہیں فال اور شگون سے مد لیتے ہیں۔ کہیں گنڈے اور ٹوٹکے کرتے ہیں۔ کہیں بتوں سے مد لیتے ہیں۔ کہیں قبور صلحاء و انبیاء سے مد لیتے ہیں۔ کہیں ان کی ارواح طیبات کو پکارتے ہیں مگر آسمانی حکم ہو کر رہتا ہے۔ نہ کوئی تدبیر پیش چلتی ہے نہ کوئی حیلہ کار گر ہوتا ہے اب بھی مسلوب ہوا کہ اللہ کے احاطہ میں ہر چیز ہے؟ کس لیے کہ آسمان اس کے احاطہ میں ہے اور اس نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔ دوسری بات کے لیے یہ اشارہ ہوا الطارق اور قسم ہے ہمیں طارق کی۔ طارق کے لغوی معنی ہیں رات میں آنے والے کے خواہ کوئی آوے۔ اور اسی لیے احادیث میں آیا ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل کہ اللہ کی پناہ ان حوادث سے جو رات میں یکا یک آویں۔ اس لیے کہ رات میں ان کا تذکرہ استغاثہ تدبر علاج استعانت وغیرہ اسباب سے مشکل ہوتا ہے مگر اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ آپ ہی تعظیم شان کے لیے سامعین سے دریافت کر کے وما ادراک ما الطارق کہ تو کیا سمجھا کہ طارق کیا ہے یعنی کوئی ویسی چھوٹی موٹی بات رات کی نہیں ہے۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے النجم الثاقب کہ وہ روشن ستارہ ہے۔ طارق کے معنی میں اقوال: پھر علماء کے اس میں کئی قول ہیں: (۱) بعض کہتے ہیں جس مراد ہے ہر ایک ستارے کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں۔ کس لیے کہ ہر ایک طارق ہے یعنی رات میں آنے والا اپنے آپ نمودار ہونے والا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ستارہ معین مراد ہے پھر اس تعین میں بھی کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں زل مراد ہے کس لیے کہ ثقب چھید کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی روشنی ساتوں آسمانوں کو چیر کے نیچے تک آتی ہے بعض کہتے ہیں۔ ثقب روشنی کے معنی میں ہے اور ثریا کا گچھا بسبب اجتماع کے زیادہ روشن ہے۔ اس لیے وہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شہاب ثاقب مراد ہے اور یہی اخیر قول زیادہ تر چسپاں ہے۔ کس لیے کہ حفاظت کا نمونہ دکھانا منظور ہے اور یہ بات شہاب ثاقب سے زیادہ حاصل ہے کس لیے کہ جب شیاطین عالم بالا میں اسرائیلی لینے کو جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر افشاء کر کے ان کے اعتقادات خراب کریں اور قرآن میں خلل اندازی کریں تو شہاب ثاقب ان پر دوڑ کر جاتا ہے اور ہانک دیتا ہے۔ گرچہ اور ستاروں سے بھی حفاظت ہے۔ عالم ارضی کی حفاظت اس لیے کہ نباتات کی روئیدگی اور ان کا پکنا پھولنا وغیرہ امور ستاروں کی شعاعوں سے متعلق ہیں اور نیز وہ اجسام نورانیہ ہیں اور نور سے باطن شیاطین کو نفرت ہے۔ کس لیے کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ اس لیے وہ ان شمعوں اور آسمانی چراغوں کی چکا چوند سے خیرہ ہو کر ہٹ آتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اندھیرے مکانون میں اور رات کو جہاں کہ چراغ دار روشنی نہ ہو شیاطین و خباثت کا زیادہ گزر اور اثر ہوتا ہے۔

اس بحفاظت کے مضمون کو جو مقصود اصلی اس مقام پر تھا اگرچہ ضمناً ثابت کیا گیا تھا مگر اس کو بصراحت ثابت کرتا ہے اور اس کے مؤکد کرنے کو اسی کو جواب قسم قرار دیتا ہے۔ فقال ان کلا نفس لما علیہا حافظ کہ ہر نفس پر محافظ ہے یا یوں کہو ایسی کوئی جان یا چیز نہیں کہ جس پر وہ محافظ نہ ہو۔ پھر قرآن کی حفاظت کون سی بری مات ہے۔ نفس سے بعض علماء کے نزدیک مطلق ذات الہی عمرہا ہے اس تقدیر پر

حافظ اللہ ہے کس لیے کہ سوائے حق سبحانہ کے جو چیز ہے ممکن ہے اور ہر ممکنہ وجود عدم میں مساوی الطرفین ہے۔ جانب وجود کسی مرتبہ کی ترجیح سے قائم ہوتی ہے اور وہ واجب تعالیٰ ہے۔ پس وہی حق سبحانہ ہر نبیہ قیوم ہے وہی موجودات کو باقی رکھتا ہے وہی حفاظت کرتا ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظاہر فرماتا ہے۔ ان الله يمسك السماوات والارض ان تزولا اور اگر نفس الانسانیہ یا حیوانیہ مراد ہوں تو بالخصوص ان کی قومیت کی طرف اشارہ ہوگا اور اس طرف بھی کہ وہی ہر وقت ان کی خبر گیری کرتا ہے۔ ان کے منافع و اسباب زندگی بہم پہنچاتا ہے مضرات سے بچاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حفاظت مراد ملائکہ ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ویرسل علیکم حفظۃ ویخفظونہ من امر اللہ۔ ہر بلا سے وہی حفاظت نکم ربی کرتے ہیں۔ اگر اس کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو انسان کے حشرات الارض سے لے کر درندوں تک اور جن و شیاطین بلکہ ارضی و سماوی سینکڑوں جان لینے والے ہیں دریا میں اور خشکی پر وہی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کے اندرونہ اعضاء کے افعال و قوی کی وہی محافظت کرتا ہے۔

جبکہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہی محافظت کرتا ہے۔ اسی نے امن دے رکھا ہے تو اس حالت میں اور اس فرصت میں اصلی مقصد کی تحصیل میں کوشش کرنا چاہیے۔ خصوصاً جبکہ انسان کے اعمال بھی حفاظت سے بغیر نہیں لکھے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد میں سے تمام اہل ادیان و اہل عقول کے نزدیک مبداء و معاد کی معرفت ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ معاد کی معرفت سے مبداء کی معرفت مقدم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے معرفت مبداء کے لیے پہلے یہ کلام ذکر فرمایا فقال فلینظر الانسان مم خلق کہ آدمی خود نظر کرے کہ وہ کا ہے سے پیدا کیا گیا؟ وہ دیکھے کہ اس کی اصل کیا ہے اور کس نے اس کو کیونکر بنایا ہے؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے خلق من ماء دافق کہ ایک پانی کی بوند سے بنایا گیا جو اچھلی ہے یعنی منی کے قطرہ سے جو کو کر نکلتا ہے۔ یخرج من بین الصلب والترائب وہ قطرہ پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ منی کا سینہ اور پیٹھ کے درمیان سے نکلتا: گرچہ محققین کے نزدیک منی کا خزانہ اثنین ہے اور رحم میں پڑنے کے وقت وہیں سے نکلتی ہے لیکن اس مادہ کی تولید کا اصلی سبب قیام و درستی بدن ہے اور خصوصاً دماغ اور اسی لیے جب ضعف دماغ ہوتا ہے تو یہ قوت کم ہو جاتی اور کثرت مجامعت سے دماغ کو ضعف عارض ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں بھی نجات محسوس ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھے پشت کی طرف آئے ہیں جن کو نخاع کہتے ہیں اور اسی طرح اس کی شاخیں مقدم بدن کی طرف بھی آئی ہیں جو سینہ ہے اور عربی میں اس کو تر یہ کہتے ہیں اس لیے یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ منی پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور یہ مراد نہیں کہ پیٹھ اور سینہ میں منی موجود رہا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مرد کی منی دماغ سے نکل کر پیٹھ کی طرف سے اثنین کی رگوں میں آتی ہے اور عورت کی سینہ میں سے۔ آیت میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان مرد و عورت دونوں سے بنتا ہے نہ اس بات کہ صرف مرد کی منی سے اور جس کسی نے کچھ ثابت کیا ہے تو قرآن و استنباط سے۔

اگرچہ انسان حقیقی روح ہے اور وہ نہ کسی قطرہ منی سے بنی ہے نہ اور کسی مادہ مخضری سے لیکن اس روح کا مرکب عالم حسی میں بدن انسانی ہے اور عالم ناسوتی میں غالباً اسی پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ منی کے قطرہ سے بنتا ہے۔ پھر اس کا بنانے والا کون ہے؟ وہی قادر مطلق اس قطرہ کو رحم میں اس سانچے میں ڈھالتا اور کیا کیا کارگیریاں کرتا ہے۔ اس کے بعد معرفت معاد پر جو دلالت کرے اس کو ذکر فرماتا ہے فقال انه علی رجعه لقادر کہ وہ جس نے اس کو ایک قطرہ سے بنایا، مرنے کے بعد بار و بار اس کو بنانے اور اس کی اس صورت کی طرف لوٹا دینے پر قادر ہے۔ وہ بار و بار پھر اس کو ویسا ہی بنا سکتا ہے جن اجزاء سے منی بنائی تھی۔ پھر کیا وہ ان اجزاء سے اس کی دوبارہ جسمیت کا مادہ مجتمع نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔ اس کلام کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ پھر اس کو انہیں اجزاء کی طرف پلٹا سکتا ہے۔ پھر وہی منی کا ایک قطرہ کر سکتا ہے۔ انسان و حیوان و نباتات میں اس کی گردش ظاہر ہے جس قطرہ سے یہ بنا تھا۔ اس کے تمام جسم کا عطر پھر وہی

قطرہ ہے جس سے پھر ویسا ہی انسان بنتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجَمِ ﴿١١﴾

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ إِنَّهُمْ

يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَآكِيدُ كَيْدًا ۞ فَمَهْلِكُ الْكَافِرِينَ أَمْهَلُهُمْ رُويْدًا ۞

جس دن کہ جید کھل جائیں پھرتو اس کا کچھ ضرور ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان بارش والے کی اور زمین کی جس سے بونیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں بے شک قرآن قطعی بات ہے اور یہ کچھ ہنسی نہیں۔ وہ تو ایک داؤ کر رہے ہیں اور میں بھی ایک داؤ کر رہا ہوں پھرتو سنکر وہ کتھوری سی مہلت دو۔

ترکیب | یوم منصوب برجعہ وقیل بقادر وقیل العال مقدرای رجعہ اواذکر فیکون مفعولہ والسر انرجع سریرۃ والسر جمع سریرۃ والسر جمع اسرار وهو الذی یکتم والا تلا الاخبار والامتحان قال ابوسلم بلوث یقع علی اظہار اشی وعلی امتحانہ والسماء الواحیہ للقسیم ذات الرجح صفیۃ للسماء قال الزجاج الرجح امطر لانہ یجی ویرجع ویتکرر وقال الخلیل الرجح امطر نفسه والرجح نبات الرجح وقال الواحدی الرجح امطر فی قول المفسرین وقال ابن زید الرجح الشمس والقمر والنجوم یرجعن فی السماء تطلع من ناحیۃ وتغیب فی ناحیۃ وقال القفال معناه ذات () وقال ابن عباس الرجح امطر والارض معطوف علی السماء ذات الصدر صفیۃ للارض الصدر هو الشق قال ابن عباس تنشق عن النبات والاشجار وقال مجاہد هو الجمالان ینبھا شق وطریق نافذ کما فی قوله وجعلنا فیہا سبلًا فجاء وقال الیث الصدر نبات الارض لانہ یرصد الارض فصدع بہ انہ نقول الخ جواب القسم والضمیر فی انہ یرجع الی ما خیر تکلم بہ من قدرتی علی اعیاء کم یوم تبلی السرائر وقیل رجع اے القرآن امہلہم بدل من مہل ومہل بمعنی واحد مثل نزل وانزل رواید منصوب علی انہ مصدر مؤكد للفعل المذکور او نعت لصدور محذوف اے امہلہم امہالاً - وید اے قلیلاً او قریباً و یجوز ان یکون حالاً روید فی کلام العرب علی ثلاثۃ اجز (۱) اسم لامر کقولک روید زید اے وعد ولا تنصرف لانہا غیر متمکنتہ (۲) ہو مصدر کسائر المصادر فیضاف الیہ بابتداء تقول روید زید کما تقول ضرب زید (۳) ہو نعت منصوب کقولک سارو سیراروید او بمراسخ فون المعنوی و یقیمون روید امقامہ من الکیہ - تفسیر | اور وہ اعادہ کس روز ہوگا؟ اس کو بتاتا ہے یوم تبلی السرائر جس روز کہ مخفی باتیں ظاہر ہو جائیں یعنی قیامت کے روز۔۔۔ اس جملہ میں قیامت کی بھی ایک صفت بیان ہو گئی کہ وہ ایسا روز ہے کہ جس میں آج جو کچھ مخفی کہا جاتا ہے ظاہر ہو جاوے گا۔ اس عالم ناسوتی میں احکام روح مخفی و مستور اور احکام اجسام ظاہر ہیں۔ گناہ در پردہ ہوں یا ظاہر ان کی کیفیت جسم پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اخلاقی ذمہ، بخل، حسد و کینہ حب جاہ و مال سب مخفی ہیں اور اسی طرح ایمان و حب الہی و صداقت و ذکر الہی وغیرہ افعال و اخلاق محمود کا بھی کوئی اثر ظاہر بدن پر نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز معاملہ برعکس ہوگا۔ روحانی آثار ظاہر ہو جائیں گے۔ سرائر عام ہے پوشیدہ گناہوں اور مکر و حیلہ کو بھی شامل ہے کہ جن کے انہماک دنیا میں پوشیدہ کیا کرتے تھے اور عقائد باطلہ دنیا میں فاسدہ کو بھی اسی طرح نیک کاموں کو بھی جن کو مخفی کرتے تھے۔ روزہ اور نماز تہجد اور مخفی خیرات اور دل کے ملکات کاملہ، موارجہ و جید و اشواق کو بھی اور ہر ایک معاملہ کو بھی جو اس میں اور خدا میں تھا۔ پھر اس روز کیا ہوگا۔ فمالہ من قوۃ پھر نہ اس کو خود قدرت ہوگی کہ انہماک کرنے اور اظہار کرنے کے بعد اس کی سزا کو دور کر سکے ولا ناصر اور نہ اور کوئی دوسرا اس انہماک میں اور اظہار کے بعد سزا کو دور کرنے میں مدد کر سکے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو بار دیگر خدا تعالیٰ ایسی ہی زندگی عطا کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ جس کو

یہ زندگی عطا ہوگی مخفی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے دو مثالیں پیش کرتا ہے جن کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور لطف یہ کہ ان دونوں مثالوں یا نمونوں کو قسم کھا کر بیان فرماتا ہے۔ اول نمونہ والسماء ذات الرجعة کہ قسم ہے آسمان بارش والے کی رجوع کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک بارش کے ہیں اور نفع کے بھی عرف عام میں بارش کا آسمان سے برسنے مشہور ہے۔ گو بادلوں سے برستی ہے اور اس لیے بادلوں کو بھی آسمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آسمان کو بارش والا کہا گیا۔ اس میں بار دیگر زندگی کا نمونہ ہے۔ برسات میں سبزہ اگتا ہے۔ ایک عمر طبعی کو پہنچ کر چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اگلے سال پھر جو بارش ہوتی ہے تو وہ تمام نباتات بار دیگر سرسبز ہو جاتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔ انہ علی رجعة لقادہ اس جملہ میں اسی مضمون کی تصریح ہے۔ بعض علماء نے رجوع کے معنی حرکت کرنے اور چکر لگانے کے بھی لیے ہیں۔ اس تقدیر پر (آسمان چکر لگانے والے) معنی ہوں گے۔ اس میں بھی یہ مضمون ثابت ہے جیسا کہ آسمان چکر لگاتا ہوا لوٹ آتا ہے۔ رات سے پھر دن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا بھی بار دیگر اپنی حالت پر لوٹ آنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ دوسری بات کے لیے یہ دوسرا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ والارض ذات الصدء کہ قسم ہے زمین پھنسنے والی کی۔ صدع کے معنی پھنسنے کے بھی ہیں اور نباتات کے بھی۔ دیکھو زمین میں جو کوئی ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ایک وقت پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ زمین پھٹ کر اس میں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں موسم بہار میں نکل آتی ہیں اور جھٹے اور معادن بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزل مٹی والد کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم مادر کے نباتات و اشجار و دیگر اشیاء اس کے بچے ہیں جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں اور پھر مٹ جاتے ہیں۔ یہی حال اس دنیا اور دار آخرت کا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ زندگی عطا ہوگی۔ قسم کھا کر وہ جامع بات یہ بیان فرماتا ہے۔ انہا لقول فصل مکرر جینے اور مخفیات کے ظاہر ہو جانے کی بات قطعی اور دونوک بات ہے۔ وما هو بالهزل اور یہ ہنسی اور فتو بات نہیں۔ جیسا کہ انہم یکیدون کید اوہ کفار کہتے ہیں کہ اچی وہاں کا حال کس نے دیکھا ہے۔ لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لیے حضرات انبیاء ایسے خیالی مضامین جنت و دوزخ، سزاء و جزا کو تراش کر بیان کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ بچوں کو خیالی باتوں سے پھسلایا اور ڈرایا کرتے ہیں۔ یہ تھا کفار کا کید۔ و اکید کید ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں بھی کید کر رہا ہوں۔ ان باتوں کو دلائل انفس و آفاق سے ثابت کر رہا ہوں۔ یہ اس کا کید ہے یا یوں کہو ان کا دار آخرت سے غافل ہو کر حصول دنیا کے لیے اور دین الہی کے بر باد کرنے کے لیے تدابیر نکالنا یہ ان کا کید تھا اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ اور ہدایت کے سامان پیدا کرنا اور ان کی بربادی کا سامان قریب لانا۔ یہ کید الہی ہے علی وجہ المشاکلت کید کا اس فعل الہی پر اطلاق ہوا۔ چونکہ وقت قریب آگیا ہے فہل الکافرین۔ ان کو مہلت دے۔ امہلہم رویدا ان کو اور تھوڑے دنوں مزہ کر لینے دیجئے بدو عانہ کرو۔ پھر تو ہمیشہ کا عذاب ان کے لیے ہے یہ مہلت بھی کید الہی ہے۔

(سورہ اعلیٰ مکیہ ہے اس میں انیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ۝ الَّذِیْ خَلَقَ قَسْوٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهْدٰی ۝ وَالَّذِیْ

اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاۓً اُحْوٰی ۝ سُنْقِرُنَّكَ فَلَا تَنْسٰی ۝ اِلَّا

مَا شَاءَ اللّٰهُ ۝ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ۝

اپنے رب کے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے تسبیح کیا کر۔ اس کی کہ جس نے انسان کو پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور اس کی کہ جس نے انسان کا اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور اس کی کہ جس نے چارہ نکالا پھر اس کو کالاکوڑا کر دیا (اے انسان!) تجھے ہم ابھی پڑھاتے ہیں پھر تو نہیں بھولے گا مگر جتنا کہ اللہ چاہے وہ تو کھلی اور چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

ترکیب | الاعلیٰ صفۃ ربک الذین الجملۃ صفۃ اخری للرب والذی صفۃ اخری او معطوف علی الموصول الذی قبلہ قدرتی مخففۃ ومثلاً والذی اخبرہ صفۃ اخری فجعلہ غشاء فی القاموس الغشاء والقماش والزید والھا لک الہالی من ورق الشجر قال قتادہ الغشاء الیاس احوی اسود ماخوذ من الحوة وہی سواد یضرب الی الخضرة فی القاموس الحوة سواد الی خضرة او حرة الی السواد حوی کر ضی و فی الصحاح الحوة بالضم حرة الشفة قال ابن عباس غشاء شیماء حوی متغیر خلا اتنسی قبل نفی وقیل نمی والالف لاشباع الاستثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای لا تقنسی مما علمک اللہ شیماء من الاشیاء الاما شاء اللہ ان تشاء اللہ ان یشی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیماء فهو کقولہ خالد بن فیہا مادامت السماوات والارض الا ماشاء ربک انه یعلم الخ تعلیل لما قبلہ۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں۔ ابن عباس وابن الزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتے تھے۔ امام احمد و بزار و ابن مردودیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ اس سورہ کو بہت محبوب رکھتے تھے (کیونکہ اس میں بہت سے علوم اور خیرات ہیں) امام مسلم و امام احمد و اہل سنن نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ میں حج اسم ربک الاعلیٰ اور اہل اہلک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور مسلم وغیرہ نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر میں حج اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں حج اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورہ طارق سے بہت سے مضامین میں ہے۔ از انجملہ یہ کہ سورہ طارق میں انسان اور اس کے بعد دیگر مخلوق کی آفرینش بیان کی تھی کہ انسان قطرۃ مٹی سے اور نباتات آسمانی پانی سے اس کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سورہ میں انتہاء بیان ہے کہ آخر کار مرجھا جاتے اور چور چور ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ پاؤں میں آتے خاک میں مل جاتے ہیں وجودنا سوتی میں ایک جلوہ دکھا کر چلے گئے۔ شان نزول: شان نزول اس سورہ کا مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جانب غیب سے بے شمار علوم و معارف کا فیضان ہونا شروع ہوا تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود نکھڑا پڑھا نہیں۔ مبادا ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں اس لیے اس سورہ میں حق سبحانہ آپ کی تسلی کرتا ہے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورہ بمنزلہ ایک کتاب کے ہے۔ ہر ایک میں علوم و معارف انسانی سعادت کی رہنمائی کرنے میں کافی و شافی ہیں۔ تکمیل انسان کے لیے ان چند علوم کی اشد ضرورت ہے۔ (۱) مبداء و معاد کی کہ ہر عاقل کو یہ غور کرنا چاہیے کہ یہ مخلوق کس نے بنائی اور اس میں کیا کیا کارگیری کی۔ اگر کسی درخت یا جڑی بوٹی کو بغور ملاحظہ کیجئے گا تو اس کو معرفت الہی کا ایک دفتر پائے گا۔ جب یہ خیال ہوگا کہ اس کی ابتداء کیا تھی؟ ایک تخم خشک پھر زمین میں جا کر آسمانی پانی نے اس کی ان قوتوں کو جو مبداء فیاض نے اس میں ودیعت رکھی تھیں کس طرح سے ابھار اور پھر اس میں ایک تنا نکلنا اور نکل کر میدان وجود کو طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہنچا۔ پتے ہیں تو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پھول ہیں تو اپنے رنگوں اور صورت میں کس کارگیری کے ساتھ اور پھر ہر شاخ کا نشو و نما ہے تو کس انداز کے ساتھ اور پھر اس تدریجی ترقی میں اس کے لیے کیا کیا سامان مہیا کئے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک چیز میں ایک جدی خاصیت رکھی گئی ہے اور اس کی غذا حاصل کرنے اور قوت الد و تاسل کے جو قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان میں غور کرنے سے اور بھی حیرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان اپنے حالات

۲۔ رکے کے میں کس طرح سے پیدا ہوا اور میری بناوٹ میں کیا کیا خوبصورتی کی شانیں نمایاں کی ہیں اور مجھ میں کیا کیا قوتیں ودیعت رکھی ہیں اور میں بے اختیار کیونکر جسمانی ترقی کرتا جاتا ہوں تو حیران رہ جائے اور بے اختیار کہہ بیٹھے سبحان ربی الاعلیٰ اور جب اس کتاب وجود کے ان اوراق کا مطالعہ کر کے اس کے اخیر باب پر پہنچے کہ اخیر اس کا کیا ہوتا ہے اور کیونکر تدریجاً جفا کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو روح انسانی کو ضرور اپنے خالق و مربی کے ساتھ دلچسپی کرنے کا ولولہ اٹھاتا ہے اور یہ تمام دنیاوی زرق برق جس کی ہستی حجاب الی بقاء سے مشابہ ہے بیکدر ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس دوم (۲) علم کی طرف مشتاق ہوتا ہے کہ میں اپنے ایسے خالق و مالک و مربی سے کہ جس کو نہ میری دنیاوی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ ہاتھ ٹول سکتے ہیں نہ کان سن سکتے ہیں نہ زبان چکھ سکتی ہے نہ ناک سونگھ سکتی ہے کیونکر پہچانوں اور کس طرح سے تقرب حاصل کروں تاکہ میں اس جسم کے لباس چھوڑنے کے بعد اس کے جلال کبریائی میں جگہ پاؤں اور اس کی تجلی سے متجلی ہو کر عالم بالا کے لوگوں میں مل جاؤں اور یہی انسان کی تکمیل اور یہی اس کی سعادت اور یہی اس کے اس سفر کا نتیجہ ہے۔

حق سبحانہ اس سورہ میں ان دونوں علوم کو منکشف کرتا ہے مگر چونکہ دوسرا علم مقصود اصلی ہے اس لیے اول اسی کی رہنمائی کرتا ہے اور بعد میں دوسرے علم کی طرف مشتاق کرتا ہے فقال سببہ اسم ربک الاعلیٰ کہ اپنے رب بالاتر کے نام کی تسبیح کیا کر لیکن اس تک تیرے تقرب کا یہی ذریعہ ہے اور وہ کون ہے تیرا رب۔ اور رب بھی اعلیٰ یعنی اس ظلمت کدہ اور خاکدانِ پست میں جو تو نے آنکھ کھول کر ہماری مخلوق ہی کو دیکھا ہے اور اسی کے حالات کا تجھے مشاہدہ ہوا ہے اور ان سے تو نے ہم کو سمجھا ہے کہ آخر ان کو کوئی بنانے والا ہے۔ اس سے تو ہم کو مخلوق پر قیاس نہ کر لینا ہمارے لیے جسم اور تو والد و تاسل اور تغذیہ اور خواب اور تدریجاً ترقی اور پھر تنزل اور بیچ میں بیماری وضعف اور اپنی سی شکل و صورت اور اپنے سے اسباب معیشت میں محتاجی مکان لباس کھانے پینے وغیرہ امور میں نہ سمجھ ہم ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ یہ ہے تسبیح مگر اس سمجھنے پر آمادہ کرنے والا لفظ سبحان اللہ و بحمدہ۔ یا سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ کہنا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب توح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو کہہ سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ عبد بن حمید) اور ابوداؤد و ابن ماجہ و احمد نے روایت کی ہے کہ جب سببہ باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو رکوع میں کہا کرو اور جب سببہ باسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجود میں کہا کرو یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجود میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرو۔

تسبیح کے معنی اعماء نے فرمایا ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو جمیع عیوب اور نقصانوں سے ہر اور منزہ سمجھنا اس کی ذات اور ذات اور افعال کو سب نقصانوں سے بری اور پاک جاننا اور منہ سے کہنا تسبیح ہے اور لفظ اسم کے لانے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی ذات تک رسائی نہیں صرف اسم تک ہے یعنی آثار و صفات سے اس کو جانتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں لفظ اسم محض عظمت شان کے لیے ہے ورنہ مراد تسبیح اس کی ذات کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کے اسم کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا نام بے حرمتی سے نہ لے۔ نہ جناب اور ناپاک جگہ میں پڑھے نہ برے کام پر اور لفظ ربک میں اس بات کا اظہار ہے کہ وہی تسبیح کا مستحق ہے کیونکہ وہ تیری وقفا و قفا پرورش کیا کرتا ہے۔ نفخہ سے لے کر اخیر تک وہی تو تیرا مربی و محسن ہے اور لفظ اعلیٰ میں یہ بات بتا دی کہ دنیا کے مربی درحقیقت مربی نہیں بلکہ وسائل ہیں جیسا کہ ماں باپ 'آقا' بادشاہ ولی العتہ کیونکہ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو دیتے ہیں گو اس لیے وہ بھی قابلِ شکر گزاری ہیں مگر رب اعلیٰ وہی ہے اور نیز لفظ اعلیٰ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ سب خیالات و توہمات کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے تسبیح کا مستحق ہے اور یہ بھی کہ وہ سب سے بالا دست ہے سب کا حاکم ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر وہی تسبیح و تقدیس کا سزاوار ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تسبیح کرنے سے انسان پر بھی اس تنزیہ و تقدیس کا اثر پڑا کر یہ آلائش جسمانی سے پاک و صاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالم بالا میں شامل ہو۔

یعنی جو معشوق اس پردہ میں یہ کاریاں کر کے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اس کا شوق اور اس سے ملنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: خدا پاک کی ستائش میں صفات حمد یہ کلمات ثابت ہوتا ہے اور تسبیح میں صفاتِ رذیلہ سے جو اس کی شان کے منافی ہیں تنزیہ اور تبری ہوتی ہے یعنی دور کرنا چونکہ ثابت کرنا جس کو تمہید کہتے ہیں۔ بعد کا مرتبہ ہے اس لیے اول تسبیح کا حکم دیا بعد میں اس کے صفاتِ حمیدہ ذکر کرنے کا اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے دونوں کو ملانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ سبحان اللہ بحمدہ کہنا موجب ثواب و اجر عظیم قرار دیا۔ تسبیح کے انوار منعکس ہو کر تسبیح کرنے والے کی روح پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی روح میں نورانیت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس اول علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو علمِ مبداء کہتے ہیں کیونکہ جب اس کی ذات و صفات و تقدیس کا علم اور اس کے انوار اس پر تو قطن ہو جاویں گے تو مخلوق کے پیدا کرنے کے اسرار خوب سمجھ سکے گا۔

فقال (۱) الذی خلق فسوی۔ اس کی تسبیح و تقدیس کر کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یوں ہی اینڈ اور بیکار اور بیڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا جس کے لیے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی۔ ہر ایک مخلوق میں اگر نظر کیجئے گا انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علیات تک جس میں چاند اور سورج اور ستارے بھی شامل ہیں تو جلد اقرار کر لیجئے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے تھی اور اگر اس میں ذرا بھی فرق ہوتا تو خوبصورتی بگڑ جاتی اور اس کے افعال میں فرق آ جاتا۔ پرندوں کو پردیے درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں۔ درختوں کو پوست کا لباس پہنایا۔ پھر ہر ایک کے جسم کی بناوٹ میں ہر ہڈی اور ہر پٹھا کس موقع سے رکھا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ (۲) والذی قدر فہدی۔ اس کی کہ جس نے پیدا اور ٹھیک کر کے اندازہ کیا یعنی اس کے قوی اور اس کے افعال اور عمر سب چیزوں کا علم الہی نے اندازہ کر لیا تاکہ اس کی حد تک اس کی کسی بات اور بناوٹ میں فرق نہ آوے مثلاً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حیوان تمام عمر میں اس قدر کھائے گا اور اتنے دنوں جئے گا تو اس کے معدہ میں اتنے ہی ایام تک اتنی غذا ہضم کرنے کی قوت عطا کی اور معلوم کر لیا تھا کہ اتنی حرکت کرے گا تو اسکے پاؤں میں اسی قدر قوت عطا کی اور اگر یہ اندازہ نہ ہوتا تو بڑی خرابی واقع ہوتی۔ مثلاً چراغ جلا نا صبح تک مقصود ہو اور تیل تھوڑا ڈال دیا جاوے تو قبل الوقت گل ہو جائے اور زیادہ ڈال دیا جاوے تو بیکار جاوے اور جس اندازہ کی روشنی درکار تھی اس سے بڑھ جاوے اور نیز اس اندازہ کرنے میں اس کی شانِ ربوبیت بھی نمایاں ہے۔ بعض قراء نے قدر کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کو قادر کیا یعنی اس کے مناسب افعال و حرکات کی اس میں قدرت بھی رکھی اور قدرت ہی پر بس نہ کیا بلکہ فہدی اس کو رہنمائی بھی کی۔ انسان کو اس کے معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا ہوئے۔ پرندوں کو گرمی سردی میں گھر بنانے کی ہدایت کی۔ حشرات الارض کو زمین کے اندر سوراخوں میں رہنے کی ہدایت کی۔ چیونٹی ایک چھوٹا سا جانور ہے۔ اگر آپ اس کی ہدایت الہی کو دیکھیں تو حیرت میں رہ جائیں۔ کس ترکیب سے خورش کی چیزیں لاتی ہے اور باہم کس موقع سے ہتھار باندھ کر چلتی ہیں۔ انسان کو تو وہ چیزیں بتائیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس سے ریل گاڑی، تاری بقی اور طرح طرح کی کھلیں اور کھربائی قوتیں ایجاد کیں اور علوم آخرت بھی ہدایت کئے۔ اس کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اس ہدایت الہی کی شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ آئے۔ اب یہاں تک تو اس کے وجود اور ماینا سبہ کا بیان تھا۔ اب فتا کی بھی سن لیجئے (۳) والذی اعرج المردعی فجعله غشاۃ اخوی اس کی تسبیح کر کہ جس نے زمین سے چارہ نکالا یعنی گھاس پھر دیکھئے وہ کیسی لہلہاتی اور دل بھاتی ہے۔ پھر چند روز کے بعد وہ زرد پڑ جاتی ہے اور کٹ کر ٹوٹ جاتی ہے اور کوڑا ہو جاتی ہے اور کوڑے کے بعد سیاہی نمائی ہو جاتی ہے یا کھوکھڑے پنے ہی میں اس پر تیرگی آ جاتی ہے۔ اس میں مخلوق خصوصاً حضرت انسان کی انتہا کی طرف کس عمدہ پیرا یہ ہیں اناہ۔ ہے کہ جس سے غور کرنے والے کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اب یہاں سے موت اور موت کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

فقال سنقرنك! فلا تنسى! کہ مرنے کے بعد تیرے نامدا اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے۔ گو تو اے انسان اب اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے: اقرا کتابك کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اس وقت تو اپنے اعمال نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا۔ سب تیرے یاد آجائیں گے۔ الاما شاء اللہ مگر وہ کہ جن کو اللہ چاہے گایا نہ آئیں گے اور وہ نیکیوں کے بعض برے کام اور ان کی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار گریہ و زاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے ان کو خدائے پاک وہاں بھی یاد نہ دلانے کا تاکہ ان کی شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔ خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یادہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوص قیامت میں ایک حضور علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے۔ کس لیے کہ سہو و نسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے انہ یعلم الجہر و ما یخفی اس لیے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اب جو کچھ کرو ہو شیاری سے کرو اور جان لو کہ اس کو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلانے کا اور ہمارے دفتر اعمال کو ہم سے پڑھوائے گا۔ ان آیات سنقرنك الخ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبرئیل وحی لاتے تو آپ اس خوف سے کہ کہیں کچھ بھول نہ جاؤں جبرئیل کے ساتھ ساتھ جلد جلد پڑھتے جاتے اور یہ آپ کے لیے بڑی مشقت تھی۔ اس مشقت کے دور کرنے کو یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ بھول جانے کے اندیشہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس کا یاد کرنا ہمارا کام ہے۔ آپ نہیں بھولیں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر جس قدر خدا چاہے کہ بشریت سے آپ کو نسیان و سہو ہو جائے نہ یہ کہ بالکل ذہول ہو جاوے۔ اور ایسا ہوتا تھا۔ چنانچہ نماز میں ایک بار آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھنی بھول گئے۔ نماز کے بعد آپ نے پوچھا کیلئے کوئی آیت چھوڑ گیا؟ ابی بن کعب نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ فلاں آیت چھوڑ گئے۔ بعض فرماتے ہیں الا ماشاء اللہ تبرکاً فرمادیا گیا تاکہ معلوم رہے کہ بھلا دنیا حق سبحانہ کے اختیار میں ہے ورنہ بھولا یا آپ کو کچھ بھی نہیں۔ یہ فرا کا قول ہے۔ انہ یعلم الجہر کیونکہ وہ تیرے موجودہ کمالات کو جانتا ہے۔ وما یخفی اور جو تیرے اندر استعداد کامل رکھی ہے اس کو بھی جانتا ہے تو اس قابل ہے کہ حق سبحانہ تیرے ذہن کو عالم غیب کا آئینہ یا خزانہ کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی کر دیا پھر قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی آپ نہ بھولے تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور امتوں کی طرح کتاب آسمانی کا کتابت پر انحصار نہ تھا بلکہ تمام قرآن ان پاک بازوں کے سینوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ کھدا ہوا تھا اور ان کی یہ برکت اب تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مستمر چلی آتی ہے۔ خصوصاً اس گروہ میں جو ان کے قدم بقدم ہے۔ ہر گاؤں اور بر شہر میں حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور عورتیں بھی تمام قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ اگر خدا نخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا باقی نہ رہے تو ایک گاؤں میں ایک لڑکا سب قرآن کو لکھوادے اور ایک لفظ اور حرف بلکہ زیر و زبر کا بھی فرق نہ آنے پاوے فلا تنسی! کی بشارت کسی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھادے نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا نہ توریت کا نہ زبور کا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۖ فَذَكِّرْ ۚ إِنَّ نَفْعَ الذِّكْرِ ۙ سَيَذَكِّرُكَ مَنْ يُخَشِي ۙ ۝

- ۱۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو خدا پاک کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح پر انوارِ قدس فائز ہونے لگے ہیں تو ملہم غیب اس کے دل کو علوم و معارف کا چشمہ کر دیتا ہے۔ اس کو اس حال میں وہی پڑھاتا ہے۔ اس مفت میں اول درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر اولیاء کرام۔ ۱۲۷۱
- ۲۔ اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جس کی بنا اخبار احاد وغیرہ صحیحہ اور غلط منہی پر ہے۔ ۱۲۷۲

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشَقَّ ۝ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا
وَلَا يَحْيَى ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝

اور ہم تیرے لیے آسان بات کو پہل کر دیں گے۔ پس سمجھاتے رہو اگر فائدہ سمجھنا نہ ہو گا وہ تو جلد سمجھ جاوے گا اور اس نصیحت سے بد بخت ہی تو (الگ ہی) ہٹا رہے گا۔ وہ جو بڑی آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جنے گا جس نے پاکیزگی حاصل کر لی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (اور نماز پڑھتا رہا) اس نے نجات پائی۔

ترکیب | ونیسرک معطوف علی سنقرنک وقوله انه يعلم الجهر وما يخفى اعتراض ای سنقرنک فلا تنسئ ووفقک للطریقۃ الہی فی اہل والیسران شرطیۃ نفع الذکر فی شرط وقوله فذکر یدل علی الجزاء الذی یصلی الخ صفة الاشقی ثم لا یموت عطف علی یصلی و ذکر عطف علی تذکرہ وفصلی عطف علی ذکر۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا سچ اسم ربک الاعلیٰ کہ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کر اور اب اس تسبیح کے ثمرات بیان فرماتا ہے۔ فقال ونیسرک للیسری کہ ہم تیرے لیے نجات کے رستے کو آسان کر دیں گے۔ نجات کو یسری یوں کہا کہ وہ کوئی درحقیقت مشکل اور محال بات نہیں جیسا کہ مذہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب جانتا ہے۔ کوئی آگ میں جل مرنے کو کوئی دریا میں ڈوب مرنے کو کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا مرنے کو کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بننے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ اس لفظ یسری میں اشارہ کر دیا کہ یہ سب خیال باطل ہیں نجات کچھ مشکل نہیں صرف خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے ہے مگر یہ بھی برائیک کے لیے آسان نہیں گو فی نفسہا آسان ہے یہی ہنچگانہ نماز ہے کہ جس میں کچھ بھی دقت نہیں۔ وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لے کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور بعض طبائع پوہ یہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔ زنا سے بچنا کچھ مشکل کام نہیں ایک عورت دل پسند سے نکاح کر کے قضائے حاجت کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی بس نہیں تو دودھ کر لے اور اس پر بھی بس نہیں تو تین اور بہت ہی ضرورت پڑے تو چار سہی پھر جس کی تقدیر کھوٹی ہے وہ سو پر بھی بس نہیں کرتا اور اس کو حلال میں لذت نہیں آتی۔ ایک بدکار عورت یا مرد سے اگر کہا جاوے کہ تم اپنا یہ تعلق قائم رکھو مگر نکاح کر لو تو وہ ہرگز نہیں کریں گے یوں عمر بھر جھک ماریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خدا کی تسبیح و تقدیس کے انوار سے جب روح منور ہوتی ہے تو قوائے بیہمیہ پست ہو جاتے ہیں۔ اس وقت روح کا تقاضا نیک کاموں پر ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے کرنے لگتا ہے اور وہ نیک کام اس کے نزدیک ایسے آسان ہو جاتے ہیں جیسا کہ ظلمانی کے نزدیک بد کام آسان ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کل میسر لما خلق لہ اما من کان من اہل السعۃ فیسیر لعمل السعۃ واما من کان من اہل الشقاۃ فیسیر لعمل الشقاۃ الحدیث (متفق علیہ) کہ جو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کو وہی آسان کر دیا جاتا ہے۔ پھر جو اہل سعادت ہے اس کے لیے سعادت کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں اور جو اہل شقاۃ ہے اس کے لیے بد بختی کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں۔

اب اس میں آنحضرت ﷺ کو مراد ہے کہ معرفت عبادت سیاست حسن اخلاق صبر وغیرہ کے لیے آپ کے دل کو منع کر دیا جاوے گا۔ اس سے ایک فوارہ جوش کرے گا جس سے یہ سب کام آپ کے نزدیک بہت آسان ہو جاویں گے۔ اس لیے آپ کو کسی معلم اور استاد اور لکھنے پڑھنے کی طرف حاجت نہ پڑے گی اور نہ کوئی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب آپ خود کامل ہو گئے اور نیک کاموں کا ملکہ راسخ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا تو فہم کر لوگوں کو سمجھا اور ان کو سدھار۔ درحقیقت اسی کے وعظ و پند کا اثر بھی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں خود ان باتوں کا ملکہ راسخ ہوتا ہے اور اس کے قلب سے ایک سچا جوش اٹھ کر مومن زن ہوتا ہے ورنہ خالی بک بک اور اسپیچ

کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے

گرز عشقت خبرے بہت بگو اے واعظ

ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

مگر یہ تذکیر ایک دُڑ بے بہا ہے۔ خنزیر اور کتا اس لائق نہیں کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے بلکہ جو اس کا اہل ہو اور جس کو نبھتے ہو کہ وہ اس سے فائدہ مند ہوگا اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ ان نفع الذکر کی اگر آپ یہ سمجھیں کہ ذکر نفع دے گا۔

شبہ ۱۔ آنحضرت ﷺ پر فرض تھا کہ سب کو نصیحت کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس کو نفع ہو یا نہ ہو کس لیے کہ آپ تمام خلق کے لیے بادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ پھر یہ قید کیوں لگائی کہ اگر ذکر نفع دے تو تذکیر کرو؟

جواب ۱۔ تبلیغ اور تذکیر میں فرق ہے تبلیغ عام ہے وہ ایک حکم کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جاوے گی اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا یا سمجھانا۔ وہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے جانتا تھا اس کی فطرت میں یہ باتیں تھیں علاق و موانع سے بھول گیا تھا۔ اب اس کو تذکیر یاد دلاتا ہے گرچہ حق سبحانہ کو علم ازلی سے معلوم ہے کہ فلاں کو تذکیر فائدہ دے گی۔ یہ ازلی سعادت مند ہے۔ عارضی گمراہی اس پر طاری ہو گئی ہے۔ فلاں کو فائدہ نہ دے گی کس لیے کہ یہ ازلی گمراہ ہے مگر رسول کریم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم و قرآن سے جس کے لیے تذکیر کو مفید دیکھیں تو تذکیر کریں ورنہ ابلاغ و انداز تو سب ہی کے لیے ہے۔

بعض علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اصلی عبارت یوں ہے ان نفع الذکر یٰ اولہ تنفع کہ خواہ فائدہ دے یا نہ دے آپ سمجھاویں گے مگر دوسرے جزء کو حذف کر دیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ مقصود اصلی نفع ہی دینا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی شے کو کسی چیز پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب شے کہ جس پر معلق کیا ہے نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو مگر ہے کہ ایک شے کے چند اسباب ہوں۔ ہر ایک کے پائے جانے سے یہ شے پائی جائے اور ان میں سے ایک کے وجود پر معلق کی جائے اور یہ نہیں کہ جب یہ نہ ہو تو یہ شے نہ ہو کس لیے کہ اس وقت دوسرا سبب پایا جاوے۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے کہ کسی کام کو کسی فائدہ سے اور مقصود اعلیٰ سے معلق کر دیتے ہیں جب کسی حکیم کو کہا جاوے کہ آپ علاج کیجئے اگر علاج سے شفا ہوتے دیکھیں اور صورت یہ ہے کہ علاج ہر حال میں کرنا مقصود ہے۔ اب یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ تذکیر کسی کو نفع دے گی اور کون اس کے اثر سے محروم رہے گا۔ فقال سینذکر من یخشی کہ اس وعظ و تذکیر سے وہ بہت جلد سدھر جاوے کہ جو ڈرتا ہوگا۔ واضح ہو کہ تین قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جو دار آخرت اور اعمال کی جزاء و سزا کے قائل ہیں۔ دوم وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ مترددو شکلی ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ڈر جاتے ہیں۔ اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی جبکہ ان کے سامنے عذاب آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے تو وہ بھی ڈر جاتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کر لیا گیا۔ تیسرا فرق وہ ہے جو منکر اور سخت معاند ہے ڈھٹائی کرتا ہے اس کی نسبت یوں فرماتا ہے۔ ویتجنہا الاشقی کہ اس نصیحت یا نجات سے بد بخت اور بڑا شقی وہ ہے کہ جس کے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست ہو اور اشتی وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی خراب ہوں۔ پھر اگر یہ کسی رسم و عادت یا کسی کی تقلید سے ہیں تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور بہت دھڑی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکہ راسخہ پیدا کر لیا ہے تو یہ لا علاج ہے۔ اس کے حق میں آیا ہے لا ینفع الایات والنذر اس جگہ اشتی سے یہی مراد ہے۔ اس کا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلی النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں۔ ایک سے ایک بڑا۔ پس جو یہاں اشتی یعنی بڑا شقی ہے اس کے لیے وہاں آگ بھی بڑی ہے۔ یہی شقاوت آگ بن جاوے گی العیاذ باللہ پھر دنیا کے مصائب ناقابل برداشت سے موت رستگاری کر دیتی ہے۔ اسی

لیے ایک سخت مصائب میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہاں موت بھی نہیں جیسا کہ خبر دیتا ہے۔ ثمر لایموت فیہا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اس کو نہ آوے گی اور یہ اس لیے کہ اس عالم میں ارواح کے احکام بدن پر غالب ہوں گے۔ اس لیے جس طرح روح فنا پذیر نہ ہوگی، ابدان بھی نہ ہوں گے۔ وہاں ایک چمڑی جل جانے کے بعد دوسری چمڑی تیار ہو جاوے گی کما قاتل بدلنا جلود الآیہ۔ ولایحییٰ اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہوگی کس لیے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی چکھنی ہوگی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے۔

پہلے فرمایا تھا کہ ڈرنے والے اس نصیحت سے جلد سمجھ جاویں گے۔ اب اس سمجھنے کی تشریح اور اس کا نیک نتیجہ بیان فرماتا ہے۔ قداقلہ من تذلی کہ تحقیق فلاح پائی اس نے کہ جو پاک بن گیا۔ پاکی عام ہے اول جسم کی پاکی نجاسات ظاہرہ گوہ موت وغیرہ سے اور نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاستیں لگی ہوں یا حکماً کہ مال حرام یا مشتبہ سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لیے ریشم اور زری گونا گونا یا نچا دامن اور فساق و بدکاروں کی وضع و تراش ہو اور نیز جسم کو کھکی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو۔ جنابت یا حدث اصغر سے غسل اور وضو کے ساتھ۔ کس لیے کہ جسم کی پاکی کو روح کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد روح کی پاکیزگی ہے اور یہی مقصد اصلی بھی ہے اور وہ روحانی نجاستیں کیا ہیں۔ اول کفر و شرک اور دیگر عقائد باطلہ مثلاً حق سبحانہ کی ذات یا کسی صفات کا انکار یا انبیاء علیہم السلام اور ان کے ارشادات اور کتب سادہ اور عالم آخرت اور ملائکہ کا انکار یا ان میں کوئی خیال باطل جیسا کہ گمراہ فرقوں کو ہوتا ہے۔ ان سب سے تزکیہ ایمان لانا اور عقائد حقہ کا دل پر نقش کرنا ہے اور یہ روحانی پاکی ہے۔ پھر افعال زشت اور اخلاق بد سے پاکی حاصل کرتا ہے۔ زنا، چوری، جھوٹ بولنا، دغا بازی، کینہ، حسد، طمع بے جا، حب، شہوات فاسدہ سے پاک کرنا ہے۔ جس کے لیے توبہ و استغفار اور ندامت اور آنکھوں کے آنسو بڑا عمدہ صابن ہیں نہ کسی حوض کا پانی جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں۔^۱ اور نہ کسی دریا میں نہانا جیسا کہ ہنود خیال کرتے ہیں اور اطلاق حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے۔ عام ہے کہ حقوق اللہ ہوں جیسا کہ اس کے فرائض و واجبات جن میں زکوٰۃ اموال و صدقات بھی شامل ہیں یا حقوق العباد ہوں مگر ان سب باتوں سے صرف ناپاکی دور ہوتی ہے۔ ابھی تک کوئی نیارنگ نہیں پیدا ہوتا اس لیے نئے رنگ پیدا کرنے کے لیے ان جملوں میں ارشاد فرماتا ہے و ذکر اسمہ ربہ کہ اپنے رب کا نام لے عام ہے کہ ذکر قلبی ہو یا ذکر لسانی ہو سر ہو یا جہر بشرطیکہ شرعی اور مسنون طریقوں سے ہو۔ ذکر الہی سے روح پر ایک ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو کسی اور کام سے نہیں ہوتی اسی لیے ایک جگہ فرمادیا ذکر واللہ ذکر اکثیرا لعلکم تفلحون۔ اب اس کے بعد ترقی ہوتی ہے۔ فقال فصلی کہ پھر نماز پڑھے کس لیے کہ نماز میں روح اور جسم دونوں ذکر و فکر و مراقبہ میں ہوتے ہیں۔ بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں تمام منازل سلوک کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ تزکی میں توبہ اور معاصی سے تصفیہ آگیا جو اول منزل ہے و ذکر اسمہ ربہ میں ذکر قلبی و لسانی و روحی دسر آگیا اور فصلی میں مرتبہ مشاہدہ تک پہنچنا آگیا اور اسی لیے نماز کو معراج المومنین کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ تزکی میں طہارت کی طرف اور ذکر اسمہ ربہ میں تکبیر تحریرہ کی طرف اور فصلی میں ادائے نماز کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کی جگہ الرحمن اعظم یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ بھی کہہ دے گا تو نماز ہو جاوے گی۔ کس لیے کہ ذکر میں یہ بھی شامل ہے۔ صرف لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ نیز فصلی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر یا ذکر جو افتتاح نماز کے وقت ہو نماز میں داخل نہیں۔ اقلہ کے لفظ میں تقیم ہے۔ دنیا کی فلاح اور آخرت کی فلاح سب آگئی۔ جنت اور دیدار الہی سب کو شامل ہے۔

۱۔ عیسائی پشمہ یعنی حوض میں غوطہ لگانے چمڑا دینے کو پاکی روحانی خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح عامہ ہنود لگا جتا دریاؤں میں نہانا پاکی سمجھتے ہیں۔ ۱۲۸

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۸۷﴾ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَّابَقِ ﴿۸۸﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِ الصُّحُفِ

الْاُولٰٓئِ ﴿۸۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَّمُوْسٰی ﴿۸۹﴾

۱۲

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی پسند کر رہے ہو حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدا رہنے والا ہے۔ بے شک یہی بات تو اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔

ترکیب | بل اضراب عن کلام مقدر یدل علیہ السیاق ای اتم لاتفتعلون ذلک بل تؤثرون بلذات الفانیۃ العاجلۃ الحاصلۃ فی الدنیا علی الدار الآخرة ونعماھا الباقیۃ والآخرة مبتداء خیر وابقی خبر والجملة حال من فاعل تؤثرون 'صحف ابراهیم الخ بدل من الصحف الاولیٰ۔

تفسیر | کفار دنیا پرست کہتے تھے کہ ہم کو تزکیہ اور ذکر اور نماز میں کوئی فلاح نہیں معلوم ہوتی کیا ہم عقل وادراک نہیں رکھتے اس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے یا یوں کہو کہ وہ بھی تزکیہ کے مدعی تھے۔ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہیں عقل وادراک کیا نہیں بلکہ تم تؤثرون الحیوة الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کے لذات فانیہ کو آخرت اور اس کے لذات باقیہ پر فوقیت دیتے ہو حالانکہ والآخرة خیر ابقی وہ جہان دنیا سے کہیں بہتر ہے کس لیے کہ دنیا کے گھر میں کوئی لذت ہے جس کے اول بھی تلخی نہ ہو۔ اور آخر بھی تلخی نہ ہو کون سی شادمانی ہے جس میں غم کا کاٹنا نہ لگا ہو۔ اگر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور ولتمدنوں سے پوچھئے گا کہ تمہیں پوری مرادیں مل گئیں اب تو کوئی ارمان وہوس باقی نہیں تو فوراً کہہ دیں گے ابھی بہت کچھ ارمان دل میں ہیں جو ابھی نہیں نکلے۔ پھر یہ کیسا کاٹنا ہے جو ہر وقت کھٹکتا رہتا ہے اور اگر یہ پوچھئے کہ کوئی رنج و غم تو نہیں تو جھٹ بول انھیں گے کہ ہزاروں۔ کوئی کہہ اٹھے گا کہ میرا بیٹا میری زندگی تلخ کر گیا۔ کوئی کہے گا میری محبوبہ مر گئی مجھے اس کی جدائی نے بے چین کر دیا۔ کوئی کہے گا مجھے فلاں مرض نے مجبور کر رکھا ہے اور اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر بقا نہیں چند روزہ عیش و کامرانی کے بعد فنا ہے اور فنا بھی ایسی کہ گویا کبھی آئے ہی نہیں تھے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کے عیش بے خاریں اور اس پر باقی ہیں فنا ہی نہیں۔

چونکہ یہ مضمون کہ آخرت کو دنیا پر فوقیت ہے (اس لیے دل کو اس فانی اور کمتر چیز پر باقی اور بہتر کے مقابلہ میں نہ لگانا چاہیے) اکثر طبائع بنی آدم کے مخالف تھا کیونکہ ان کی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت اور غفلت ہے۔ اس لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے پہلی کتابوں سے سند لائی گئی کہ جو اکثر طوائف عالم کے نزدیک بالخصوص عرب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں فقال ان هذا کہ تحقیق یہ مضمون قد افلح سے لے کر اخیر تک لغی الصحف الاولیٰ پہلی کتابوں میں سے ہرگز منسوخ نہیں ہوا نہ ہوگا۔ بالخصوص صحف ابراهیم و موسیٰ سے۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی خدا پاک نے متعدد صحیفے نازل کئے تھے۔ صحیفہ چھوٹی سی کتاب۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنے تھے اور نہ ان میں سے اب کوئی صحیفہ کسی کے پاس باقی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات کے علاوہ اور صحیفے نازل ہوئے تھے ان میں بھی یہی مضمون موجود تھا۔

(سورہ غاشیہ مکیہ ہے اس میں چھیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَنْتَكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ﴿۱﴾ وَجُوۡهُ یَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾

تَصْلٰ نَارًا حَامِيَةً ۝ تَسْفِي مِنْ عَيْنِ اٰنِيَةٍ ۝ كَيْسَ لَكُمْ طَعَامُ الْاٰمِنِ
صَرِيحٌ ۝ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝

بھلا آپ کو چھا جانے والی چیز (قیامت) کا حال بھی معلوم ہوا؟ اس دن بہت سے منہ تو ذلیل مشقت کش ہارے ہوئے ہوں گے۔ دہکتی آگ میں گرے پڑتے ہوں گے۔ ان کو کھولتے چشمے کا پانی پلایا جاوے گا۔ ان کو کھانا نہ ملے گا مگر اوٹ کٹارا جو نہ مونا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے۔

ترکیب | اہل بمعنی قد وہ قال قطرب وقيل استفہامیۃ الغاشیۃ القیامۃ وسمیت بھلا تھا نقشی الخلاق باھوالھا وقال سعید بن جبیر ومحمد بن کعب الغاشیۃ النار نقشی وجوہ الکفار وعن ابن عباس انھا من اسماء القیامۃ وعنه انھا الساعۃ وجوہ الخ الجملۃ مستانفۃ وجوہ مرفوع علی الابتداء وان کان مکررۃ لوقوعہ فی مقام التفصیل خشعۃ خبرہ۔ یوم منذ ظرف للضمیر۔ عاملۃ وصف لھا وکذا ناصبۃ تصلی قراء الجمہور فتح التاء مہیا للفاعل وقری بضمھا مہیا للمفعول والضمیر راجع الی الوجوہ والمراد اصحابھا وحی خبر آخر للمجداء وکذا الشقی لیس لھم الجملۃ مستانفۃ لیبان حال اہل النار الامن ضریح یجوز ان یکون فی موضع نصب علی اصل الباب وان یکون رفعاً علی البدل۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن الزبیر رحمہما علیہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں چھبیس آیات ہیں۔ غاشیہ ڈھانکنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بیہوش کر دینے والی کو بھی اور یہ قیامت کا اسی سبب سے نام ہے کہ اس کی دہشت لوگوں کو ڈھانک لے گی اور بیہوش کر ڈالے گی۔ یہ لفظ اس سورہ میں ابتداء میں آیا اس لیے اس کا نام غاشیہ ہوا۔

مناسبت اس سورہ کی پہلی سورۃ سے بہت سے مضامین میں ہے۔ از انجملہ اس مضمون میں کہ سورہ سبہ اسم ربک میں اخیر مضمون یہ تھا کہ نجات سے الگ رہنے والا بڑی آگ میں ڈالا جاوے گا کہ جہاں نہ اس کو موت آوے گی نہ پوری زندگی ہوگی اور جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اس نے فلاح پائی۔ اب اس سورہ میں ان دونوں باتوں کا وقت بیان فرماتا ہے اور نیز ان دونوں گروہوں کے حالات کی پوری تشریح بھی ہے تاکہ تاریکبریٰ سے لوگ ڈریں اور آخرت جو بہتر اور باقی ہے اس کی نعمتوں کا حال سن کر مشتاق ہوں اور لذائذ دنیا اور اس کی چند روزہ زرق برق کو حقیر جانیں اور اس پر دل نہ لگائیں۔

وہاں دو گروہ ہوں گے ایک بد لوگوں کا کہ جو اس دنیا کی محبت میں آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے۔ دوسرا نیک لوگوں کا جنہوں نے اس چند روزہ زندگی میں آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کو غنیمت جانا اور بڑی کوشش کی۔ اس لیے پہلے گروہ کا حال بیان کرتا ہے اور شروع قیامت کے حال سے کرتا ہے۔ فقال هل اناک حدیث الغاشیۃ کہ کیا تجھے غاشیہ یعنی قیامت کی بات معلوم ہوئی؟ ضرور ہوئی۔ بعض علماء نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ بے شک تجھ کو اے پیغمبر یا اے سامع! قیامت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ غاشیہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت ہے اور اس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ جو چیز ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہے اس کو غاش کہتے ہیں اور یہ بات قیامت میں پائی جاتی ہے: (۱) یوں کہ وہ لوگوں پر دفعۃً آ جاوے گی اور نیز ایسے آنے والے کو یا غاش یا غاشیہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں افامنوا ان تاتیکم غاشیۃ من عذاب اللہ۔ (۲) یہ کہ سب لوگوں کو ڈھانک لے گی۔ ہوش و حواس کو بھی اور مجرموں کے بدنوں کو بھی چاروں طرف سے اس روز عذاب ڈھانک لے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے یوم یفشاء ہم العذاب من فوقہم ومن تحت ارجلہم اور نیز ایمانداروں کی لغزشوں کو بھی سبب مغفرت الہی کے اور کفار کے نامقبول اعمال کو سبب عتاب کے اور اس طرز سے سوال کرنے میں کہ هل اناک حدیث الغاشیۃ اس کی طرف سامع کی پوری توجہ دلاتا اور آئندہ کلام کو حضور دل سے سنوانا مقصود ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وجوہ یوم منذ خاشعۃ کہ بہت سے منہ اس روز ذلیل و خوار ہوں گے۔ ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں

جھکاتے تھے، کبر و گردن کشی کرتے تھے اور وہ بھی ہیں کہ جوتن پروری کرتے تھے اور وہ بھی ہیں جو دنیا میں عبادت اور دینی کاموں میں سستی کرتے اور عیش و آرام طلبی کی عادت بنا رکھی تھی۔ لوگ رمضان کے روزہ سے لب خشک تھے۔ بھوک پیاس کے آثار نمایاں تھے۔ یہ تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے اور روزہ داروں سے ٹھنکا کیا کرتے تھے یا نماز کے لیے کے مسجدوں اور عبادت گاہوں میں نہیں جاتے تھے یا جہاد میں جانے سے پہلو تہی کرتے تھے یا اور دینی کاموں سے دل چڑا کر گھروں میں بے فکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے۔ ان کے منہ اس روز عاملہ عمل کی مشقت میں پڑے ہوں گے کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جاوے گا۔ کما قال سازھقہ صعودا۔ کوئی میدان قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے رستگاری دلوائے۔ کسی کے ملائکہ زنجیریں اور جھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لے جاتے ہوں گے اور سر پر ہزاروں جوتیاں پڑتی جاتی ہوں گی۔ کسی کو وہاں جہنم میں کوئی اور سخت کام تفویض ہوگا۔ جیسا کہ دنیا میں قیدیوں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور ان اعمالِ شاقہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے۔ کما قال ناصبہ کہ تکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ اگر دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آ جاوے گا مگر وہاں کون رحم کرے؟

اب اس کے بعد ان کے اور حالات بیان فرماتا ہے۔ فقال تصلیٰ ناراً حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ میں گریں گے۔ یہ ان کی وہی شہوت کی اور حمایت کفر کی اور چہ جاہ و مال کی آگ ہے۔ یہ تو مکان ملے گا۔ اب پینے کی سُننے تسقیٰ من عین آئینۃ کہ دنیا میں ٹھنڈے پانیوں اور لذیذ شرابوں اور برف آمیز شرابوں کے بدلے ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پلایا جاوے گا۔ وہ بھی جب کہ مدتوں منت کریں گے اور وہ امتزیوں میں سے پیتے ہی نکل پڑے گا۔ پیتے وقت منہ جھلس جاوے گا۔ اب کھانے کا حال سنئے لیس لہم طعام کہ سرے سے ان کو کھانا ہی نہ ملے گا۔ بھوکوں میں گے۔ یہ حرام اور ناجائز نعمتیں کھانے کا بدلہ ہے جو کھا کر اڑتے اور بدکاری کرتے تھے۔ الامن ضریع اور جو مل بھی تو..... اونٹ کشا را جولایسمن ولا یغنی من جوع۔ نہ موئے کرے نہ بھوک دور کرے۔ ضریع کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (۱) اکثر کہتے ہیں خاردار چیز ہے جس کو اونٹ کھاتے ہیں اور خشک ہو جانے پر زہر ہے (جھولنسا) حسن بصری فرماتے ہیں زقوم کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضرائع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ذلت و خواری کے یعنی وہ ذلیل و خوار کھانا جو نہایت مکروہ اور قابل نفرت ہے جس سے فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ تَاَعَمَةٌ ۖ لَّسَعِيهَا رَاضِيَةٌ ۖ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۖ لَا تَسْمَعُ

فِيهَا لَغِيَةً ۖ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۖ فِيهَا سُرٌّ مَّرْقُوعَةٌ ۖ وَ أَكْوَابٌ

مَوْضُوعَةٌ ۖ وَ تَمَارِقٌ مَصْفُوفَةٌ ۖ وَ زُرَابٌ مَبْنُوثَةٌ ۖ

بِالْاِصْبَاحِ

اس دن بہت سے منہ تو تر و تازہ اور اپنی کوشش سے خوش ہوں گے۔ اونچے باغوں میں رہیں گے جہاں کوئی بیہودہ بات بھی سننے میں نہ آئے گی۔ وہاں بہتال چشمہ ہوگا ان باغوں میں اونچے اونچے تخت اور آنخورہ چنے ہوئے اور گاونچے تھپتھپے گئے ہوئے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب | وجوہ مبتداء ناعمة خبرہ یومئذ ظرف للضمیر لیسعیہا والامام تعلق براضیۃ وی خبر بعد خبر۔ وکذا فی جنۃ عالیۃ لا تسمع قرأ الجمہور بفتح الفوقیۃ ونصب لا عنۃ وقرئ بصیغۃ المجهول ورفع لاغیۃ ولاغیۃ اما صفة موصوف محذوف ای کلمۃ لاغیۃ او مصدر ای لا تسمع انت یا لہا الخاطب

۱۔ واما حسن قول بعض الصوفیۃ العنی الجاریۃ لہن عنہ فی خشیۃ اللہ جاریۃ محل جزاء الاحسان الا احسان۔ شہاب
۲۔ المرق و المرق و سادۃ صغیرۃ و المرق و باکسر طغۃ و رہما صواطفہ الی فوق الرجل نمرقہ (مختار الصحاح)

فی الجہنہ لغواۃ ای اذا باطلا هذه الجملة وكذا ما بعد حلقه جنة واكواب جمع كواب وانه قدح الذي لاعروة ولا خرطوم منارقي جمع نمرقة بضم النون وبكسر هاء عند الفراء وهي وسادة صغيرة (تکلیہ) ذرابی جمع زر بی وزر بیة فی القاموس الزرابی المنارقي والبط وكل ما یسط وتیکاء علیہا الواحد زر بی بالکسر وبالضم۔

تفسیر ۱۔ اب دوسرے فریق کا حال بیان فرماتا ہے یعنی نیک لوگوں کا فقال وجوه یومئذ ناعمة کہ بہت سے منہ اس روز شاد ماں اور خوش اور تروتازہ ہوں گے۔ ان پر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں روزہ کی بھوک پیاس اور راہ حق میں کوشش اور جہاد کے واسطے تکالیف شاقہ اٹھا کر اور نیز راتوں کو عبادت کر کے پڑمردہ ہو گئے تھے اور اللہ کی راہ میں فقر و فاقہ نے ان کے چہروں کو بے رونق کر دیا تھا۔ اس لیے فرماتا ہے لسعیہا راضیة اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش و خرم ہوں گے کہ ہماری کوششوں کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور کفار بد مذہبوں کے کہنے کے موافق رایگانہ گئیں اور وہ نیک ثمرہ یہ ہے فی جنة عالیة کہ بلند باغوں میں ہوں گے جہاں حوادث دہر کے ہاتھ کو رسائی نہ ہوگی اور نیز بلندی پر جو باغ ہوتا ہے تو نہایت خوش فضا ہوتا ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ باغوں میں ہوں گے یعنی وہ دنیا کے باغوں جیسے باغ نہیں جن پر خزاں کو دسترس ہو بلکہ ایسے کہ جن کے آگے دنیا کے شاہانہ باغ پہنچ ہیں۔ جہاں تک عقل و ہم انسانی نعمتیں تجویز کرے ان سے بڑھ کر ان میں ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لاتسمع فیہا لاغیة کہ اے مخاطب! تو اس میں کوئی لغو اور رنج نہ بات نہ سنے گا نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا، نہ کوئی خوف و اندیشہ کی بات کہے گا نہ کسی کے مرنے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جاوے نہ اپنی جوانی اور اس باغ و بہار کے فنا کی بات سننے میں آئے گی۔ الغرض کوئی رنج نہ بات کان میں نہ پڑے گی بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور دوسری بات یہ ہے کہ فیہا عین جاریہ کہ ان باغوں میں چشمے جاری ہوں گے۔ ان کے پانیوں کی خوش آئند روانگی اور ان سے باغوں کی تروتازگی دو بالا لطف کر دے گی۔ دوزخیوں کو تو گرم چشمہ کا پانی پینے کو ملتا تھا۔ یہاں نہر تسنیم بے حساب ہے۔ یہ ان کے اعمال جاریہ اور خدا کے خوف و محبت سے روتی آنکھوں کا مظہر ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ فیہا سورمرفوعة ان باغوں میں بلند مرتبہ یا بلند تخت شاہانہ ہوں گے جن پر بیٹھ کر نظارہ کریں گے اور اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے۔ ہر جنتی اس جہان میں ملک باقی کا بادشاہ ہوگا۔ چوتھی بات یہ کہ اکواب موضوعة وہاں کوڑے اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے اور نہایت خوش رنگ اور بیش بہا قرینہ سے چنے ہوں گے تاکہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے لے جاوے۔ پانچویں یہ کہ منارقي مصفوفة کہ برابر برابر حریری اور پر زار اور نہایت پر تکلف تکیے اور جواہر نگہ ہوئی مسندیں بھیجی ہوں گی کہ جن کے رنگوں اور تکلف کو دنیا کی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں۔ یہ تکیے اور مسندیں تو تختوں پر ہوں گی اور مکانون میں یہ یہ ہوگا۔ وذرابی مہوثة کہ نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے۔ ہر کمرہ میں ایک نئی تیاری ہے۔

اور مکانات کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیونکہ وہ جواہرات کے ہوں گے اور وہ جواہرات دنیا کے جواہرات سے بدرجہا فائق ہوں گے اور جب مکانون اور وہاں کے سامانوں کی یہ کیفیت ہے تو ان مکانون میں ان کے دل بہلانے اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے وہ وہ حسین عورتیں ہوں گی کہ جن کے حسن اور خوبی اور ان کی نوخیز جوانی اور ان کے ناز و ادا اور ان کے لباس اور زیورات کی تصویر و ہم وادراک سے بھی نہیں سمجھ سکتی۔

یہ سب چیزیں روحانی ملکات کے مظاہر ہیں۔ کور باطن ان باتوں کو اک تشبیہ اور دل لہانے والا استعارہ سمجھتا ہے اور اس کی کوتاہ عقل درحقیقت ایسی چیزوں کے وجود کو اس قادر مطلق کی قدرت کے احاطہ سے باہر جانتی ہے۔ یہ سب باتیں برحق ہیں۔ عالم ناموتی کا حجاب ان کے دیکھنے میں حائل ہے۔ جب یہ پردہ ظلمانی موت نے اٹھا دیا تب یہ سب چیزیں نظر آنے لگیں گی اور جواہل صفاء ہیں اور ان کی

روح میں کمال نورانیت پیدا ہو گئی ہے تو ان کو اس عالم میں بھی یہ چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی آنکھوں میں نہ یہاں کے حسینوں کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے نہ وہ دنیا کے عیش و نشاط کو خاطر میں لاتے ہیں اور اسی لیے وہ ہر دم اس عالم کے مشتاق رہا کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کو قید خانہ کی زندگی سے بدتر سمجھتے ہیں ہاں خسیس طبیعتیں بچوں کی طرح اس کھیل اور تماشا پر ایسے گرویدہ ہوتے ہیں کہ پھر اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ کیا خوب فرمایا ہے عارف جامی نے۔

دلا تائے دریں کا رخ مجازی کنی مانند طفلان خاکبازی

بہشتاں بال و پر زامیزش خاک پر تا کنگر ایوان افلاک

قرآن مجید دنیا کے غافلوں کو اس ملک جادوئی کی ہدایت کرتا ہے۔ نفس اور قوائے بھیمہ ہیں کہ اس کو انھیں نہیں دیتے عجب کشش میں پڑا ہوا ہے مگر جس کو جاذبہ الہی چاہتا ہے ادھر کھینچ لے جاتا ہے۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٤﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٥﴾

وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٦﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿١٧﴾

پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کیونکر کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

ترکیب | افلا ينظرون الاستفهام للتوبيخ والفاء للعطف على مقدر والجملة مستأنفة مسوقة لاثبات البعث ولاظهار القدرة على الاعداد وقيل الجملة في محل جر على انما بدل اشتمال من الابل وعن الاصمعي انه قال من قرء خلق بالتحفيع عنى به العبر ومن قرء بالتشديد عنى به السحاب اى بالابل وقال البهرار المرامن الابل ههنا القطيعة العظيمة من السحاب والابل اسم جمع لا واحد له من لفظه وانما واحده العبر والناقعة والجل لسطح بسط اشيء قرء الجهور مبني للمفعول مخففا وقرء الحسن مشدود قرء على بن ابي طالب وغيره في المواضع كلها مبني للفاعل وضم التاء فيها على انها صيغة الواحد المتكلم۔

تفسیر | دوزخ کے عذاب اور جنت کے نعماء سن کر قریش مکہ تعجب کرتے تھے۔ خصوصاً جنت کی نعمتوں پر کہ اس قدر عیش و آرام کے سامان کہ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اس افراط سے کیونکر پیدا ہو جاویں گے اور دنیا میں تو ایسی چیزیں کیا بلکہ روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں اور عرب پر کیا موقوف ہے ہر طبقہ کے انسان کا (بشرطیکہ نور باطن سے اس کی عقل بہرہ یاب نہ ہو) اس بذل و جود اور ان چیزوں کے وجود پر تعجب کرنا بعید نہیں۔ اس لیے اس تعجب کے دور کرنے کو دنیا کی چیزوں میں جو غریب و امیر کو میسر ہیں اور کیسی عظیم الشان ہیں، نہ ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال۔ افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت کہ پھر وہ کیوں اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے یا میں نے ان کو کیسا پیدا کیا؟

اونٹ کے فوائد | یہ اول نمونہ اس کی قدرت کا ملہ اور بذل و جود کا ہے جو عرب کے ہر وقت سامنے رہتا ہے اور جس پر ان کی معاش کا دار و مدار ہے۔ اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب و غریب ہے۔ اس قدر اونچا اور جب بٹھاؤ بیٹھ جاوے اور جانوروں پر کھڑا کر کے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی چمک اور اس کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ کسی جانور میں خوبی نہیں۔ پھر جس قدر اطاعت کا اس میں مادہ ہے کسی میں نہیں۔ سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مہار، تھام کے جدھر چاہے لے جائے پھر بارکش ایسا

کہ تمام گھریار اس پر لا دو گویا خشک میں رواں کشتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیا لے جانے میں چھڑا یا ریل گاڑی ہے۔ پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے سامان کے ساتھ لے جانے میں ڈاک گاڑی ہے کہ جس کے لیے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ رستہ کا ہموار ہونا۔ ساڈنی (جو سواری کا اونٹ ہوتا ہے) دن میں سوکوس تک جاسکتی ہے۔ اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ اور گرمی ہو کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کر لیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے۔ یہ کھا لیتا ہے۔ کچھ ہری بھری گھانس اور دانہ اور مالیدہ کی حاجت نہیں اس پر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو کچھ بھی پروا نہیں۔

سواری کا یہ آرام اسی کے دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر کو کافی ہے اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لیے دوا بھی ہے۔ اس کی پٹم بھی کام آتی ہے۔ کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں، خصوصاً عرب کے لباس کمل اور جے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ اسی کی پٹم سے بنتے ہیں۔ اس پر اس کا گوشت بھی حلال، گھر بھر کیا محلے کو کافی ہو سکتا ہے۔ اس پر اس کی نسل میں برکت سستامل سکتا ہے اور عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک، گرم اور ریگستانی ملکوں کی معاش تو اسی پر موقوف ہے۔ یہ باتیں کسی جانور میں نہیں۔ ہاتھی قد و قامت میں اتنا بڑا جانور ہے۔ نہ اس میں یہ فوائد ہیں نہ وہ ہر ایک کو مل سکتا ہے۔ نہ تھوڑے سے پتوں پر گزر کر سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرت کاملہ کو دیکھو اور اس پر اس کے اس احسان کو عام کرو۔ پھر اگر اس عالم میں وہ بندوں کے آرام کے لیے ایسے سامان پیدا کرے یہ احسان کرے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ وہاں کے بہت بلند تخت اونٹوں کی طرح اونچے اونچے ہو جاویں تو کیا بڑی ہے۔

دوسرا نمونہ: والی السماء کیف رفعت اور آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا بلند کیا گیا (یا ہم نے اس کو کیسا بلند کر دیا) یہ دوسرا نمونہ ہے جس سے ہر ملک اور ہر قوم سمجھ سکتی ہے کہ اول تو اس قدر بلندی کہ جہاں طائر وہم بھی اڑ کر نہیں جاسکتا کیسی قدرت کاملہ ہے پھر اس کی وسعت کہ جس کے سایہ میں ہر نیک و بد بادشاہ و امیر ہے۔ کیسی قدرت و انعام عام کی دلیل ہے۔ پھر اس کے ستارے بھی قدرت کا نمونہ ہیں۔ آفتاب کو دیکھو کہ کتنا بڑا جسم ہے کہ جو زمین سے لاکھوں حصے زیادہ ہے کس نے بنا دیا اور اس میں یہ نور اور نور میں یہ گرمی کس نے دی؟ جس سے تمام دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر آفتاب نہ ہو تو زندگی و بال ہو جاوے پھر یہ کیسا انعام عام ہے اس دنیا کے ظلمت کدہ کا چراغ ہے تو آفتاب ہے اگر یہ نہ ہو تو جنگلوں اور دریاؤں اور شہروں اور گاؤں کو کوئی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی پھل پھول اور پیداوار کو پکاسکتی اور اگا سکتی ہے۔ سرد موسم میں آفتاب کے سب مشتاق رہا کرتے ہیں، غریبوں کی انگلیٹھی ہے تو آفتاب ہے۔ پھر چاند کے فوائد اور اس کی جسامت اور اس کی روشنی میں غور کیا جاوے تو عقل سلیم کبھی انکار نہ کرے کہ وہ قادر مطلق جواد کریم اس جہان میں نیک بندوں کے لیے جیسے چاہے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض ستارے لاکھوں کوس دور ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زمین سے بہت بڑے ہیں۔ پھر جب زمین میں یہ کچھ سامان ہیں باغ و بہار بھی ہے جو جنت کا نمونہ ہے اور گرمی و سوزش اور تکالیف کے سامان بھی ہیں، سانپ بچھو بھی ہیں جو جہنم کا نمونہ ہے تو ان اجسام میں کیا کچھ نہ ہوگا پھر وہ ایک نہیں لاکھوں ہیں پھر اس پر اس کی قدرت و عظمت و انعام و اکرام کو خیال کر لو جو تمہارے تنگ فہم میں بخوبی آسکے۔

تیسرا نمونہ: | لواب نیچے اتر آؤ اور اپنی زمین اور اس کے عجائبات کو ہی غور کرو۔ والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیے گئے اور کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں (یا ہم نے ان کو کیسا کھڑا کر دیا ہے) یہ تیسرا نمونہ ہے۔ پہاڑ بھی اس کی قدرت اور بذل و احسان کا کامل نمونہ ہیں۔ اول تو باوجودیکہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جز ہیں۔ پھر زمین سے کس طرح ممتاز ہیں اول تو ان کی بلندی قابل حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ حکماء و عقلا نے عقل کے بڑے گھوڑے دوڑائے ہیں مگر اب تک کوئی

تسکین بخش وجہ پیدا نہیں کر سکے کہ زمین کے اس ٹکڑے کو یہ بلندی اور پھر یہ سختی اور پھر یہ رگتیں کیونکر پیدا ہو گئیں۔ اس قدر کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ بدء خلقت میں جب قدرت نے زمین بنائی تو اوپر سے پانی برسنے شروع ہوئے۔ ادھر ادھر کی زمین گھیر کر بہہ گئی تو نیڑے تر چھ۔ یہ نیلے ویسے ہی بلند رہ گئے اور پھر آفتاب کی حرارت سے ان ٹیلوں میں حجریت آگئی یعنی مٹی کا پتھر بن گیا اور جیسی زمین تھی اس رنگ کے سرخ، سپید، سیاہ پتھر بنے اور بارشوں اور چشموں کے پھوٹ پڑنے سے پہاڑوں میں گھاٹیاں ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں یوں نہیں پہلے تمام دنیا پر پانی سمندر کا محیط تھا۔ یہ ٹکڑے جو اوپر ابھر آئے پانی کی موجودگی نے ان میں نشان کر دیے اور پھر پانی درجہ بدرجہ اترتا گیا اور بہت سی زمین اور ملک کھلتے گئے مگر یہ ٹکڑے سخت ہو گئے۔

بظاہر باتیں تو ٹھیک ہیں تک تو ملا دی مگر اس پر سینکڑوں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس قادر مطلق نے ایسا ایسا کر دیا اور چلو اسباب بھی تلاش کرو مگر پھر ان اسباب میں گفتگو ہوگی کہ وہ کیونکر پیدا ہوئے؟ پھر آخر کار تو اس قادر مطلق کی یہ قدرت تک سلسلہ تمام ہوگا۔

پہاڑوں کے فوائد | اب پہاڑوں کے منافع میں غور کیجئے تو عقل حیران رہ جائے۔ انہیں پہاڑوں میں سے یہ خوش گواری پانی کے دریا نکلے۔ گنگا، جمنا، نیل، فرات، جیحون، جلد وغیرہ اور پھر ان سے ملک شاداب ہوئے اور کیا کیا نعمتیں پیدا ہوئیں اور بھی سینکڑوں فوائد ہیں جن کے ذکر کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

چوتھا نمونہ | والی الارض کیف سطحت اور زمین کو دیکھو کہ کسی بچھائی گئی (یا ہم نے کس نے طرح بچھا دیا) یہ قدرت کا چوتھا نمونہ ہے۔ اگر غور کیا جاوے کہ زمین ایک کروئی شکل یعنی گول ہے تو گول چیز پر کوئی رہ نہیں سکتا ہے نہ کھیتی باڑی کر سکتا ہے مگر اس قادر مطلق اور حکیم متقن نے باوجود اس کروئی ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سینکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں۔ لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں۔ سینکڑوں کوسوں تک سڑکیں ہیں اور بیشمار باغ اور کھیت ہیں اور کیا کیا نفیس وسیع شہر آباد ہیں اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں کہ جن میں اس کی کرویت سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا اور یہاں تک وسعت دی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں پر بادشاہ حکمرانی کر رہے ہیں یہاں تک کہ عقول عامہ کے نزدیک زمین گول ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک ہموار فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین کے رہنے والوں کو زندگی وبال اور محال ہو جاتی۔ یہ کیسا انعام ہے جس سے ہر امیر فقیر برابر نفع اٹھا رہا ہے اور یہ اس کی کیسی قدرت اور کاری گری ہے کہ اس قدر اس کے محذب کو وسعت عطا کی کہ کرویت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر کیا وہ قادر و حکیم اور منعم اس عالم میں نیک بندوں کے لیے یہ نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا، ضرور پیدا کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ ان چاروں نمونوں میں بہشت کی شان بھی نمایاں ہے اور دوزخ کی بھی۔ اونٹ کے منافع پر غور کیجئے تو شان بہشت نمایاں ہے۔ جدھر چاہو لے چلو، بٹھاؤ، کھڑا کر کے بوجھ لا دو اور جو خود اونٹ کی مشقت اور بار کشی کو دیکھئے تو جہنم کی تکالیف کا نمونہ ہے۔ آخر وہ بھی تو ہماری طرح خدا کا بنایا ہوا ہے۔ پھر بیچارہ کس مشقت میں ہے اور سرسبز پہاڑوں میں جنت کی شان نمایاں ہے۔ خشک اور گرم پہاڑوں میں خصوصاً ان میں کہ جہاں آتش فشاں ہوتی ہے یا آتشیں مادہ نکل کر بہتا ہے۔ جہنم کا غصہ اور اس کی چنگاریاں نظر آ جاتی ہیں۔ آسمان کی فضا اور چاند و سورج کی پر بہار روشنی اور اچھی موسمی جنت کا نمونہ ہیں۔ پھر اندھیری راتیں اور گرم لو کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کے شاداب ٹکڑے اور باغات جنت کا نمونہ ہیں اور خشک و گرم اور بدبودار اور عقیق گڑھے جہنم کا نمونہ ہیں مگر یہ چیزیں روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہر روز دیکھتے دیکھتے ایک معمولی بات ہو گئی مگر روشن دل ان میں پورے نمونوں کا ملاحظہ کیا کرتا ہے اور یہی آثار قدرت ہیں جو بندوں کو خدائے پاک دکھاتا ہے۔ اس لیے جنت کے بیان میں شہوت انگیز مضامین بیان نہیں ہوئے بلکہ ان کو کون کر عالم آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور دنیا سے نفرت اس لیے فرمایا:

فَذَكِّرْهُ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۖ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى
وَكَفَرَ ۖ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۖ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۖ ثُمَّ إِنَّ
عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۖ

عَلَيْنَا

سو (اے رسول!) آپ سمجھاتے رہیں آپ کا کام تو سمجھانے کا ہے۔ تم ان پر کو تو ال تو نہیں ہو لیکن جس نے منہ موڑ لیا اور منکر ہو گیا سو اس کو اللہ ہی بڑی سزا دے گا
بے شک ان کو ہمارے پاس پھر کر آتا ہے۔ پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔

ترکیب | فذکر الفاء لترتيب ما بعده على قبيلها مصيطر بالصاد والسين قال في الصحاح هو المسلط على الشيء ليشرف عليه ويحمده احواله الا
استثناء متصل من اعم الفاعيل وقيل منقطع والعذاب الاكبر العذاب الدائم وهو عذاب جهنم وانما قال الاكبر لانهم عذبوا في الابد بالعذاب
الا صغر وهو الجوع والقتل والاسرقة وقاده وابن عباس الا اتي للتمية اي اليهم اسم ان الدنيا خبرها قس عليه حسابهم وجميع الضمير في اياها بهم وحسابهم
باعتبار معنى من تكا افراد الضمير في يعبذب باعتبار لفظها۔

تفسیر | جب عالم آخرت کی طرف رغبت کرنے کے اسباب بیان ہو چکے اور اس چند روزہ زندگی کا انجام کار لوگ سن چکے اور نیک و بد
کاموں کا انجام بھی معلوم کر چکے تو آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ فذکر کہ آپ نصیحت کیجئے۔ وعظ وپند سے سمجھائیے۔ کس لیے کہ انما
انت مذکر آپ کا کام ہے سمجھانا اس لیے آپ اس پر آشوب زمانہ میں مبعوث کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو تارکی سے نکال کر روشنی کی طرف
لائیں۔ پھر جو کوئی ہٹ دھرم اور شقی ازلی نہ مانے تو اپنا سر کھائے کس لیے کہ لست علیہم بمصیطر آپ ان پر کو تو ال یا داروغہ نہیں کہ
زبردستی ان کو ایمان پر لائیں اور جو نہ مانے تو اس کا ذمہ آپ پر ہو۔ فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات منسوخ
ہیں۔ آیت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم سے یعنی یہ حکم جب تھا کہ کفار کا غلبہ تھا اور اسلام غالب ہونے کے بعد اگر وہ ایمان نہ
لاویں تو ان کو قتل کیا جاوے مگر یہ کہنا صحیح نہیں کس لیے کہ اب بھی جو نہ مانے تو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ لوگ
عرب سے نکال دیے جاویں اور دیگر ممالک میں اگر رہنا چاہیں تو شاہ اسلام کی اطاعت میں ذمی بن کر رہیں۔ کچھ جبر نہیں کہ ان کو مسلمان
بنایا جاوے اور قتل کا حکم بوقت مقابلہ ہے۔

الامن تولیٰ وکفر بعض مفسرین نے اس کو مفعول عام سے مستثنیٰ کیا ہے کہ فذکر کلوا احد الا من تولیٰ وکفر کہ سب کو نصیحت کر مگر اس
کے لیے کچھ ضرور نہیں جو منہ موڑ جاوے۔ اور منکر ہو جاوے کس لیے کہ اس ہٹ دھرم کو نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ پہلے فرمایا تھا ان
نفعت الذکر ی ابن عباس وقاده الا کو الاتنبیہ کا کلمہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ خبردار جو منہ موڑے اور انکار کرے گا اس کو خدا سخت
سزا دے گا۔ بعض نے اس کو علیہم کی ضمیر سے استثناء کیا ہے کہ آپ ان پر داروغہ نہیں لیکن جو نہ مانے گا وہ سخت سزا پاوے گا۔ ان الینا ایابہم
آخر ان سب کو مکر ہمارے پاس آتا ہے۔ ثم ان علینا حسابہم پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے، ہم ضرور باز پرس کریں گے اور منہ
موڑنے اور انکار کرنے والے کو سخت سزا دیں گے۔ وہ کیا ہے؟ جہنم کا ابدی عذاب اور اس کے مقابلہ میں سب سزائیں کم ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

۱۔ ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہو اور شاہ اسلام کی رعیت ہو کر رہے۔ اس کی حفاظت کا شاہ اسلام پر اور اس کو شاہ اسلام کی اطاعت کا ذمہ ہے۔ اس
لیے ذمی کہتے ہیں۔ اس سے ایک خاص ٹکس حاققی لیا جاتا ہے جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ فوجی خدمت سے معاف کیا جاتا ہے۔ ۲۔ امنہ

(سورہ فجر میں ہے اس میں تیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسِرُ ۝ هَلْ فِي ذَلِكَ

قَسَمٌ لِّذِي حَجْرِ ۝

قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جبکہڑھلے کیوں ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لیے بس کرتی ہے؟

ترکیب | والفجر الواو اللقسم والباقی معطوف علی الفجر وجواب القسم محذوف ای التبعثن اونحوہ وقیل جوابہ ان سرہک لبالمصدا ووالشفع والوتر فتح الواو کسرہا صلتاں ومعناها الزوج والفراد اذا یسر اذا اطرف والعال فی محذوف ای اتم بہ لیسر قرء الجمہوری بحذف الیاء وصلًا ووقفاً ابتغاءاً لرمس النصھ وقرء نافع وابو عمر وبخذفھا فی الوقت وابتغاءاً فی الوصل وقرء ابن کثیر ویعقوب وابن محیس باثباتھا فیھما قال الخلیل تسقط الیاء منھا موافقۃ لرؤس الآی وهو ما خوذ من السری وهو السیر لیلًا یقال سریت اللیل وسریت بہ واستناد السری الی اللیل قیل حقیقی لان معناه جاء او ادبر وقیل مجازی هل فی ذلك القسم قسم لذي حجر ای عقل دلب واصل الحجر الجمع یقال لمن ملک نفسه منعھا انہ لذو حجر ومنہ سبی الحجر لانتفاعه بصلاً بمنہ حجر الحاکم علی فلان ای منعہ والجملة استفہامیہ لتقریر تعظیم ما قسم اللہ تعالیٰ بہ وذلك اشارۃ الی تلك الامور المذکورة بتاویل المذکور ای حل فی تلك الامور المذکورة الی القسمت بما قسم حقیق بان یتیقن بہ ذو عقل سلیم وفہم مستقیم۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ ابن عباس وعائشہ وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں تیس آیات ہیں۔ لفظ فجر اس کے شروع میں ہے۔ اس لیے اس کو سورہ فجر کہنے لگے۔ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے جب معاذ کو لمبی قرأت پر تنبیہ فرمائی تھی تو مجملہ اور سورتوں کے اس سورہ کے پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا (رواہ النسائی)

واضح ہو کہ اس سورہ میں بھی خدا تعالیٰ جزاء و سزا کا پانا اور ایک ایسے دن کا آنا کہ جس میں انسان نے جو کچھ اس ظلمت کدہ میں کیا تھا اس کا مشاہد کرنا بدلائل ثابت فرماتا ہے اور یہی وجہ اس سورہ کی پہلی سورہ سے مناسبت کی ہے مگر ہر سورہ میں ایک نیا دکش اور پراثر انداز ہے جو انسان کو شقاوت کے گڑھے سے نکال کر سعادت کی بلندی کی طرف لاتا ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام سے یہی مقصود اصلی بھی ہے۔ اس لیے اس سورہ مبارکہ کی ابتداء ایسی چند چیزوں کی قسم سے کی کہ ان میں سے ہر ایک میں غور کرنا اس مقصود کو ثابت کرتا ہے اور لطف یہ کہ شبہات کو بھی زائل کر دیتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوں گی جن کی قسم کھائی گئی۔ اول فجر۔ اگر فجر کے معنی صبح کے لیے جاویں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو یہ بھی قیامت کے برپا ہونے کا پورا نمونہ ہے۔ رات کو ایک سناٹا ہوتا ہے۔ پرند چرند انسان حیوان پر نیند و آرام طاری ہوتا ہے جو ایک حالت موت سے پوری مشابہ ہے۔ نہ وہ شور و غل ہے نہ ہائے ہو۔ نہ وہ آفتاب کی مشعل کی روشنی ہے۔ پھر صبح نمودار ہوتے ہی ہر ایک بیدار ہوتا ہے۔ پرند چھکنے لگے۔ مسافروں نے چلنے کی تیاری کی۔ کاروباری اپنے کاروبار کی طرف درباری اپنے دربار کی طرف دوڑنے لگے۔ الغرض ایک شور برپا ہو گیا۔ یہ قیامت کا پورا نمونہ ہے کہ مرنے کے بعد خصوصاً جبکہ فنا کے صور سے ہر چیز نیست ہو جاوے گی اور عدم کی رات طاری ہو جاوے گی تو پھر صبح قیامت نمودار ہو کر لوگوں کو بیدار کر دے گی۔ بادۂ غفلت کے مست کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ ہم کو نیند سے کس نے جگا دیا؟ اس تقدیر پر فجر سے مراد کسی دن معین کی فجر نہیں بلکہ عام ہے جیسا کہ اور جگہ بھی آیا ہے والصبح اذا تنفس والصبح اذا اسفر

اور یہی حضرت علی و ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور جو اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد لی جاوے تو بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اور علماء فرماتے ہیں چنانچہ (۱) قنادہ کہتے ہیں کہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب کے نزدیک شروع سال محرم سے ہوتا ہے تب ان کے نزدیک اس فجر میں یہ خصوصیت ہوگی کہ گویا یہ تمام سال کا دیباچہ ہے اور برس بھر کے روزوں کا پیش خیمہ ہے جو ہر روز کے لحاظ سے پورا پورا قیامت کا نمونہ ہے اور سال بھر میں جو کچھ نیک و بد کام ہوتے ہیں ان کا دروازہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یوم النحر ۱ کی صبح مراد ہے کیونکہ یہ دن مناسک ملتہ ابراہیم کے ادا کرنے کا ہے جو تمام خدا پرستوں کے لیے ملت ابراہیمہ کا شعار ہے۔

اور اس دن دنیا بھر کے خدا پرستوں کا ایک متبرک مقام پر جمع ہوتا ہے جو ہر ایک اپنے خدائے پاک پر جان فدا کرنے کو تیار ہے اور جان کے بدلہ اپنی خاص رحمت سے جانوروں کی قربانی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ دن بڑا متبرک دن ہے اور اجتماع کے لحاظ سے حشر کا بھی نمونہ ہے۔ پھر اس کی صبح تو کیا ہی مبارک صبح ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے پہلے روز کی صبح مراد ہے۔ کس لیے کہ مناسک حج جو حشر کا نمونہ ہیں اس سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لیے اس کے بعد لیال عشر کی قسم کھائی ہے جو اسی مہینے کی دس رات ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرفہ کی فجر مراد ہے کس لیے کہ آج تو تمام حجاج کا مجمع ہوتا ہے۔ اعظم ارکان حج کے لیے۔

اب اگر فجر کے اور معنی لیے جاویں جیسا کہ دیگر علماء نے لیے ہیں تب بھی ہر ایک معنی کے لحاظ سے یہ حشر و نشر اور اس دن میں اس کے جلال و جمال کے اظہار کا پورا نمونہ ہے چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد لغوی معنی کے لحاظ سے پھشنا اور بہنا ہے جس سے چشموں کا بہنا اور پھوٹنا مراد ہے اور ان پر دنیا کی معاش کا دار و مدار ہے اور یہ اس کے جمال یعنی اس روز کی خاص رحمت کا جو نیکوں کے لیے رکھی گئی ہے پھوٹ پڑنے اور چشموں کی طرح بننے کا پورا نمونہ ہے۔

بعض صوفیہ کرام فجر سے مبداء طلوغ نور حق مراد لیتے ہیں جس کا اول مرتبہ نور روح کا بدن پر ظہور ہے جس کو انسان کی آفرینش یا تولد سے تعبیر کرنا چاہیے اور پھر ترقی کرتے کرتے اس کے تجلیات تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے مگر اب تک آفتاب ذات حق اس پر طلوع نہیں ہوا۔ اب تیسرے مرتبہ میں جب آفتاب ذات حق جلوہ گر ہوتا ہے تو روز روشن ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہتی۔ یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے بعض مخصوص لوگوں کو حیات ہی میں حاصل ہو جاتا ہے مگر اور لوگوں کو مرنے کے بعد حشر کے دن حاصل ہوگا اور اس میں آنحضرت ﷺ کے نور نبوت کی ابتداء کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی ہے تو اس وقت نبوت کی فجر تھی مکہ ہی میں اسلام تھا پھر آفتاب جلوہ گر ہوا اور دنیا کو منور کرتا گیا۔ اس لیے اس سہانی حالت کی قسم کھاتا ہے۔

لیال عشر کی تحقیق ! دوسری چیز جس کی قسم کھائی ولیدال عشر ہے جس کے معنی ہیں دس رات کے یہ وہ دس رات کہ جن کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ بڑی متبرک راتیں ہیں جن میں بندہ کے لیے عالم بالا سے ایک خصوصیت خاصہ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں کہ جن میں دور دراز کے خدا پرست ایک متبرک مقام پر جمع ہو کر عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ ایام حج کی راتیں ہیں ان میں بھی مجمع حشر کا نمونہ ہے۔ دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ اخیر رمضان کی دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلة القدر بھی واقع ہوتی ہے اور اسی لیے آنحضرت ﷺ ان راتوں میں نہایت شب بیداری کرتے تھے اور گھروالوں کو بھی شریک کرتے تھے اور مسجد میں مختلف ہو کر بیٹھتے تھے۔ دنیاوی کاروبار چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ بیچ و شراد وغیرہ اگرچہ آپ کے دنیاوی کام بھی بغرض تحفظ دین ہی ہوا کرتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ماہ محرم کی اول دس راتیں مراد ہیں کس لیے کہ دسویں تاریخ کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں اور اسی لیے رفیع درجات کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت اور شہادت بھی انہیں ایام میں واقع ہوئی ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ تمام سال میں سے یہ دس متفرق راتیں ہیں جن میں سے پانچ رات تو اخیر رمضان کی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹ جن میں لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے اور ایک عید الفطر کی رات اور ایک عرفہ کی رات اور ایک یوم النحر کی رات اور ایک لیلۃ المعراج یعنی ستائیسویں رجب کی رات اور ایک شب برات۔ چونکہ یہ دہائیں فی الجملہ مبہم ہیں جیسا کہ چار قولوں میں مختلف اقوال گزرے اور نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لیے نکرہ لائی گئیں تاکہ ہر احتمال کو خنجاں ہو سکے۔ بعض صوفیہ کرام دس راتوں سے حواس عشرہ پانچ باطنہ اور پانچ ظاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کو رات سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انوار حق و مجردات کے ادراک اور ان سے مشغول ہونے کے وقت یہ متکدر اور بیکار ہو جاتے ہیں اور شب کی طرح ان پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ جب نور الہی کی تجلی ہوتی ہے تو یہ جسمانی آلات معطل ہو جاتے ہیں مگر بندہ کے کسب کمالات کے لیے عمدہ اوزار ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی گئی اور یہ تعطل ایک جسمانی عالم کا بطلان ہے جو قیامت اور صور فنا کو یاد دل رہا ہے۔

شفع ووتر کے معنی | تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی والشفع والوتر ہے کہ قسم ہے شفیع اور وتر کی۔ شفیع زوج جس کو جفت کہتے ہیں وتر طاق یا فردان سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مگر وہ سب دو قولوں سے باہر نہیں۔ کس لیے کہ یا تو ان سے نفس عدد مراد ہو گا یا معدود اول قول جو حسن کا قول ہے۔ یہ ہے کہ نفس عدد جفت و طاق کی قسم کھاتا ہے جس کی حساب کے لیے اور گنتی کے لیے لوگوں کو بس ضرورت ہے اور دنیا کی عمر یا خود انسان و حیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے۔

دس بیس پچاس سو ہزار لاکھ یا کچھ ہو آخر کوئی نہ کوئی عدد ہو گا طاق ہو یا جفت اس میں دنیا و اہل دنیا کے حادث اور فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ان کی ابتداء یہی ہے پھر انتہاء بھی یہی ایک بات اگر عاقل غور کرے تو جلد قائل ہو جاوے کہ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہے اور جا کر کئے کا بدلہ پانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معدود مراد ہیں پھر اس میں بھی کئی قول ہیں: (۱) یہ کہ عام ہے سب کو شامل ہے رات دن کا جوڑا نیکی بدی کا، شمس و قمر کا، جن و انس کا، کفر و ایمان کا، سعادت و شقاوت کا، مرد و عورت کا، ذل و عزت کا، دولت و فقر کا، آسمان و زمین کا، بحر و بر کا، تندرستی بیماری کا، موت و حیات کا، جیسا کہ فرماتا ہے ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون یہ مخلوق تو سب شفیع ہے اور وتر یعنی فرد ہے وہ سبحانہ ان کا خالق ہے جس کا کوئی جوڑا نہیں۔ یہ سفیان بن عیینہ و مجاہد و محمد بن سیرین و قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ (۲) یہ کہ مخلوق میں سے شفیع اور وتر مراد ہے شفیع یوم النحر ہے اور وتر یوم عرفہ پہلے دن میں قربانی ہوتی ہے اور دوسرے پر بہت سے احکام حج کا مدار ہے۔ (۳) ربیع بن انس و ابو العالیہ کہتے ہیں صرف نماز مغرب مراد ہے۔ اس کی پہلی دو رکعت شفیع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے۔ (۴) ضحاک و عطاء کہتے ہیں شفیع دس روز ذی الحجہ کے اور وتر اس کے بعد کے تین روز ہیں۔ (۵) بعض کہتے ہیں آدم و حوا مراد ہیں کس لیے کہ آدم اکیلے تھے۔ پھر حوا کے ملنے سے جوڑا ہو گیا۔ (۶) مقاتل کہتے ہیں شفیع کل ایام ہیں رات دن کے لحاظ سے اور وتر وہ اخیر دن ہے یعنی قیامت کا۔ (۷) حسین بن فضل کہتے ہیں شفیع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں۔ (۸) شفیع صفات خلق ہیں علم ہے تو جہل بھی ہے قدرت ہے تو عجز نہیں۔ (۹) شفیع انسان کے بعض اعضاء دوکان دو ہاتھ دو پاؤں اور وتر وہ جو ایک ہیں ناک، سر، قلب۔ (۱۰) شفیع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔

اور بھی اقوال ہیں الفاظ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے سب کو حاوی ہے مگر ان میں ٹھیک وہی ہے جن کی طرف احادیث صحیحہ میں اشارہ ہو۔ ترمذی و امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے شفیع اور وتر کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز مراد ہے۔ بعض جفت ہیں دو دو یا چار چار رکعت بعض طاق یعنی تین رکعت لیکن اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اور اسی لیے ترمذی نے کہہ دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور امام احمد و نسائی و حاکم نے روایت کی ہے کہ لیال عشر عید النضحیٰ کی دس راتیں اور وتر عرفہ کا دن اور شفیع نحر کا دن

ہے مگر متحققین محدثین کے نزدیک ان روایات میں کلام ہے۔

لیل ! پانچویں چیز کہ جس کی قسم کھائی وہ رات ہے۔ فرماتا ہے والیل اذا یسر کہ قسم ہے رات کی جبکہ ڈھلے سڑی تھای فواصل آیات کے لحاظ سے محذوف ہوگئی اور کلام عرب میں ایسا بہت ہے۔ اس کے معنی ہیں جبکہ جاوے یعنی ڈھلے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے والیل اذا ادبر والیل اذا عسعس مگر قارہ و ابوالعالیہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جبکہ آوے اس میں کسی رات کی تخصیص نہیں ہر رات میں جبکہ ڈھلتی ہے رحمت الہی کا ظہور اور اس کی تجلی ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں دوں اور کون ہے جو دعا کرے کہ میں قبول کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے معافی مانگے میں معاف کر دوں اور بھی پچھلی رات کے برکات و فضائل آئے ہیں اور اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و صالحین کا ہمیشہ پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت و دعا کرنے کا دستور رہا ہے اور احادیث میں تاکید ہے۔

اور روز جزا پر شبہات ہوتے ہیں۔ ان کا بھی ان پانچ چیزوں کی قسم کھانے میں جواب ہے۔ شبہ: منکرین قیامت اکثر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ دنیا میں نیکی و بدی کی جزاء و سزا دینے سے کون مانع ہے اگر خدا تعالیٰ ہے اور وہ بندوں کے نیک و بد اعمال پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جزاء و سزا پر قادر ہے تو پھر اسی جہاں میں کیوں بدلہ نہیں دیتا تاکہ جلدی قصہ طے ہو جاوے۔

جواب ! اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت کاملہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس بدلہ دینے میں قیامت کا انتظار کیا جاوے۔ کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں۔ ایک اس کی یہ زندگانی دوسری موت اور بعد کا زمانہ۔ پہلی حالت سزا و جزا کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے دوسری حالت پر موقوف رکھا ہے کیونکہ اس جہاں میں انسان کی تمام عمر دار آخرت کے لیے سامان جمع کرنے کے واسطے مقرر ہے کہ اخیر تک تحصیل کمالات کرے اور نیز ہر ایک کے ساتھ بہت سے لوگوں کے حقوق و آسائش بھی متعلق ہیں اور نیز بعض ایسے بھی لوگ ہیں کہ جن پر ظلم و ستم ہوئے ہیں اور ظالم زندہ ہے، مظلوم مر گئے۔ اب اگر اس کو اسی جہاں میں سزا دی جائے تو اول تو اسی کو اس کہنے کی جگہ باقی رہے کہ جلدی کیوں کی میں آئندہ توبہ و استغفار و عبادت کرنے کو تیار تھا، مافات کی تلافی کا مجھے وقت باقی تھا۔ دوم اس کے سزا دینے سے اس کے متعلقین پر ایک مصیبت کا دروازہ کھلتا اس کے عیال و اطفال اور دیگر اہل حقوق اپنے حقوق سے محروم رہ جاتے۔ سوم جن مظلوموں پر ظلم ہوئے اگر ان کے بعد ظالموں کو سزا ہوتی تو انہیں کیا وہ دیکھتے تو دل ٹھنڈا بھی ہوتا یا وہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرتے۔ چوتھے اس عالم میں جزاء و سزا ہونے پر بندوں کی وہ آزمائش جو دنیا میں آزادانہ زندگی پر منحصر ہے باقی نہ رہتی اس لیے اس کی سزا و جزا کے لیے یہ زندگانی کافی نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جہاں نہ یہ عذر باقی رہے گا کہ میرے لیے تلافی کا وقت باقی تھا نہ اس کی جزاء و سزا سے اس کے متعلقین کی آسائش میں کچھ فرق آئے گا نہ ان کے حقوق تلف ہوں گے اور جہاں مظلوم بھی موجود ہوگا اور ظالم بھی ہوگا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دل ٹھنڈا کرے گا۔ پس اس جہاں کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ دنیا میں بھی بہت باتیں فوراً ہی نہیں ہو جایا کرتیں، انتظار ہی کرنا پڑتا ہے۔ فجر کو دیکھو کہ اکثر لوگ اپنے کام اور ضرورتوں کے سرانجام کے لیے اس کا انتظار کیا کرتے ہیں۔ بیمار و عشاق تو رات میں تڑپ تڑپ کر صبح کی آرزو کیا کرتے ہیں۔ پرند اور چرند جب خالی پیٹ ہو جاتے ہیں تو صبح کے انتظار میں کلبلائے لگتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر لیال عشر دس راتوں کو دیکھو کہ ان کے انتظار میں برس گزر جاتا ہے خواہ ذی الحجہ کی دس رات ہوں یا رمضان کی یا محرم کی یا سال یا سال بھر میں سے متفرق اور عدد جفت و طاق کو دیکھو جن کے انتظار سے چارہ نہیں۔ تمام دنیا کے کاروبار و تنخواہ و طلب، تو الدولین دین اسی عدد پر موقوف ہے۔ خواہ جفت ہو خواہ طاق۔ نو مہینے تک لڑکے

۱۔ آسمان دنیا کی طرف اترتا یا نازل ہونا کنا یہ ہے اس کی ایک توجہ اور التفات خاص سے جو اس کی تجلی سے عبارت ہے۔ نہ نزول و صعود جسمانی کیونکہ وہ اس

کے پیدا ہونے کا انتظار ہوتا ہے۔ مہینہ یا سال بھر نوکر ماہوار یا سالیانہ کا انتظار کرتا ہے اور رات کو دیکھو کہ اس کا بھی انتظار ہوتا ہے۔ سینکڑوں کام رات کے آنے پر موقوف ہوتے ہیں پھر کیوں جھٹ پٹ اسی وقت نہیں کر لیتے۔ جب دنیاوی کاموں میں وقت و عدد کا انتظار ہے تو پھر اگر ایسے بھاری کام کے لیے ہو تو کیا تعجب ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے ہل فی ذالک قسم لذی حجو کہ کیا جو کچھ مذکور ہوا عقلمند کے لیے اس میں کافی قسم ہے! ضرور ہے بلکہ بغیر قسم ہی کے عقلمند ان پانچ چیزوں میں غور و تدبیر کر کے کہہ سکتا ہے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اور مصلحت الہی سے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور بندہ کے نیک و بد کام سے وہ غافل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ
مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي
الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاكْثُرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ۝ فَصَبَّ
عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۝

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد ارم ستونوں والوں سے کیا کیا جن کا شل دنیا پر پیدا کیا گیا تھا اور ثمود سے کیا کیا کہ جنہوں نے وادی میں پہاڑ تراشے تھے (مکان بنانے کے لیے) اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا۔ ان سب نے ملک میں سرکشی کر کے بڑا ہی فساد مچا دیا تھا پھر تو آپ کے رب نے بھی ان پر عذاب کا کوڑا پھینکا دیا کیونکہ آپ کا رب تاک میں ہے۔

ترکیب! ارم ذات العمد عطف بیان لعاد اوبدل منه وارم غیر منصرف للتعریف والتائید وارم لجد عاد لانه عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح وقال قتادہ می قبیلۃ من عاد قال ابو عبیدہ صاعدا ان فالاولی ارم۔ ومعنی ذات العمد ذات القوة والشدۃ وقیل ذات الطوال یقال رجل طویل العمد اوی القامتہ وفي الصحاح العمد الایۃ الرفیعۃ تذکرو ثوث۔ التی لہ یخلق الخ صفۃ لعاد وقیل صفۃ ارم علی قول من قال ان ارم قریۃ وارض و ثمود بالنصب عطف علی عاد مجرور محلا علی انہ اسم للقبیلۃ ففیہ التائید والتعریف فہو غیر منصرف الذین الخ صفۃ لثمود جابوا الجوب القطع ومنہ جاب البلاد واذ قطعھا ومنہ جیب التمیم لانہ قطع بالواد متعلق بجابوا والمراد بالواد وادی القری وهو موضع بقرب المدینۃ من جہت الشام قراء الجہور بالواد بحذف الیاء وصلا ووفقا اتباعا لرسم المصحف وقراء ابن کثیر باثباتھا فیہما وقری باثباتھا فی الوصل دون الوقف و فرعون معطوف علی عاد ذی الاوتاد صفۃ فرعون والمراد بہ قومہ والاوتاد جمع وتد بکسر التاء وتھا وعنداھل نجد بسکونھا والمراد بالواد والجموع دلالان الملک یشد بہا الذین الخ الموصول صفۃ لعاد و فرعون اوی طغت کل طاغیہ منھم فی بلادہم وتردت فصب ای التلی وافرغ وهذا استعارۃ عن ایقاع العذاب یھم علی البالغ الوجود ان ربک تغلیل لما قبلہ ایدانا بانہ عالم باحوال القریش یوقع یھم ماوقع بمن قبلھم وقیل ہو جواب القسم۔

تفسیر! اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ جزاء و سزا کا دن قیامت ہے اور وہیں پوری سزا و جزا ملنا کرتی ہے۔ اب یہاں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی دنیا میں بھی ہم کچھ سزا دے دیا کرتے ہیں اور نیکیوں کو جزا بھی۔ اس لیے پہلی قوموں کے تین مشہور واقعات یاد دلاتا ہے کہ جن کی سرکشی پر خدا نے دنیا ہی میں ان کو سزا دی تھی۔ اول واقعہ: فقال العر ترکیف فعل ربک بعدا کہ کیا اے مخاطب! تو نے نہیں دل کی آنکھ سے دیکھا (گو اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا نہیں مگر وہ مشہور واقعہ ایسا ہی یقین بخش ہے جیسا کہ آنکھ کا دیکھا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے العر تر فرمایا

(کہ تیرے رب نے عادی قوم سے کیا کیا۔ کون سے عاد سے آپ ہی فرماتا ہے ارم یعنی عاد ارم کی قوم سے) (جن کو عاد اولیٰ بھی کہتے ہیں) ارم ان کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا۔ عرب میں جدِ اعلیٰ کی طرف منسوب کرنا عام محاورہ ہے۔ کہتے ہیں قریش کنانہ اور وہ کیسی قوم تھی؟ ذات العمداد بڑی بلند قامت یعنی طاقت ور یا یہ معنی کہ مکانوں اور محلوں والی۔ کس لیے کہ عمار بلند مکانوں کو بھی کہا کرتے تھے یا خود ستونوں والی کیونکہ اس دولت مند قوم کی عادت تھی کہ اپنے بزرگوں کے مقابلہ پر بلند منارے بنوایا کرتے تھے۔ فخر اور یادگاری کے لیے جس کے آثار ملک مصر میں اب تک باقی ہیں۔ اللہ یخلق مغلها فی البلاد ایسی قوم یا ایسے ستون یا ایسی عمارات کہ جن کی مثل اس عہد تک ملکوں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ یہ پہلا واقعہ ہے قوم عاد اولیٰ کا۔

واضح ہو کہ عاد و فرقوں کا نام تھا ایک کو عاد اولیٰ اور عاد قدیمہ بھی کہتے تھے اور وہ اولادِ عاد بن اوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور انہیں کو عاد ارم کہتے ہیں۔ کس لیے کہ ارم ان کے دادا ہیں اور شہر ارم بھی عدن کے قریب نہایت عمدہ انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا تھا جس کا مثل اس زمانہ میں دنیا میں نہ تھا یا ملک عرب میں نہ تھا دوسرا فرقہ اس کو عادِ آخری کہتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اس قوم کے ہلاک ہونے سے بچ رہے تھے اور یہ لوگ ملک یمن کے ضلع حضرموت میں اتھاف کی زمین میں رہا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی بڑے پھلے پھولے اور آخر کار جبار و سرکش ہو گئے۔ انہیں میں ہو علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم ہوا کے طوفان سے ہلاک ہوئی تھی۔ ان کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے مگر عاد ارم کا صرف دو ہی جگہ آیا ہے۔ ایک انہیں آیات میں دوسرے سورہ نحم میں جہاں کہ فرمایا واندھلک عاد اولیٰ۔

اس قوم (یعنی عاد ارم کا) وہ واقعہ جو صحیح طور پر ثابت ہوا اسی قدر ہے کہ یہ ایک قوم قدیم زمانہ میں طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد ملک یمن میں آباد تھی۔ اس قوم کا یہاں تک عروج ہوا کہ تمام عرب بلکہ مصر و دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہو گئی اور انہوں نے بڑے بڑے عجائب شہر آباد کئے اور دولت و حشمت نے ان سے قول بار دیا تھا۔ منجملہ ان کے شہر ارم بھی اس وقت میں ایک عجائب زمانہ تھا۔ یہ بڑی طاقتور اور بہادر قوم تھی مگر پھر دولت و ثروت کے ساتھ بدکاری اور عیاشی اور ظلم بھی ان میں آیا اور یہ باتیں دولت و ثروت کا خمار ہیں۔ ہر چند اس عہد کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو سمجھایا اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر ان کے منہ ہوں کی کشتی جو بھر چکی تھی غرق ہونے لگی تھی۔ کب مانتے تھے آخر عذابِ الہی کا کوڑا ان پر پڑا برباد و ہلاک ہو گئے۔ سلطنتیں جاتی رہیں دولت و ثروت نے منہ پھیر لیا۔ دباؤ اور دیگر مصائب نے جہوم کر لیا برباد ہو گئے۔

شہر ارم کا بیان ! مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد یہ ملکوں پر قابض ہو گئے شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے بڑی ترقی کی۔ بڑے بڑے بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے جنت کا ذکر سن کر کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں۔ جب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈال دی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس کے چاندی سونے کے محل اور یا قوت زبرد کے ان کے ستون تھے اور اقسام اقسام کے اس میں باغ اور نہریں تھیں جب بن کر تیار ہوا تو ارکانِ دولت کو لے کر اس بہشت میں چلا جب قریب رہ گیا تو آسمان سے ایک کرکڑ آئی اور سب کو ہلاک کر دیا۔ شداد نو سو برس کی عمر میں مرا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابو قلابہ اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے اس جنگل میں جانے لگا اور شہر ارم میں جا پہنچے اور وہاں سے بہت کچھ جواہرات اٹھا لیے۔ اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ انہوں نے بلا کر پوچھا۔ سارا احوال بیان کر دیا۔ تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے دریافت کیا تو کہا یہ وہ شہر ارم ہے جو شداد نے بنایا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو ممکن ہے کہ شہر ارم کے کھنڈرات میں جا پہنچے ہوں اور بیش بہا ہتھیر لے آئے ہوں مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شہر ارم اسی طرح اب بھی یمن کے جنگلوں میں موجود ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہے۔ دوسرا واقعہ: اس کے بعد دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے جو اس کے بعد گزرا ہے۔ فقال وثمود الذین جاءوا الضحیر بالواد

اور قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا وہ قوم ثمود کہ جس نے جنگلوں میں پتھر تراشے تھے اور بڑے مستحکم مکان بنائے تھے کہ ہم ہمیشہ ان میں رہا کریں گے۔ یہ قوم شمال عرب میں رہتی تھی۔ حجر سے لے کر وادی القرنیٰ تک ان کی بستیاں تھیں۔ پہاڑ تراش کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکان بنایا کرتے تھے۔ تصویریں اور پھولوں اور درختوں کی صورتیں بھی تراشا کرتے تھے۔ نہایت شادمانی اور مزے سے زندگی بسر کیا کرتے تھے مگر ساتھ ہی بدکاری اور بت پرستی بھی بے حد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے پھر کب یہ ماننے والے تھے۔ آخر ایک ہی بار ہلاک ہو گئے۔ ان کا قصہ بھی کئی بار قرآن مجید میں آچکا ہے۔ ان کے آثار اب تک شام کی طرف جانے والوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ حال کے سیاحوں نے بھی ان کے سنگین مکانات کے کچھ کچھ آثار دیکھے ہیں۔

تیسرا واقعہ | اس کے بعد تیسرا واقعہ قوم فرعون کا بیان فرماتا ہے فقال و فرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو لشکر والا تھا اوتاد و تد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں میخ کے۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: (۱) یہ کہ اوتاد لشکروں کو کہتے ہیں کیونکہ سلطنت و حکومت کی یہی میخ ہے جس بادشاہ کا لشکر مہیا اور کارآمد نہیں اس کی بادشاہت بے بنیاد ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ اس قدر گھوڑے اور خیمے تھے کہ بیٹھ کر بیٹھیں ساتھ چلا کرتی تھیں جس سے اس کی شہرت اور کثرت مال و جاہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) یہ کہ وہ موزی ایمانداروں کو چومنا کیا کرتا تھا۔ اس لیے میںیں رکھ چھوڑی تھیں۔ اس لیے اس کو اس بری صفت سے یاد کیا گیا۔ پھر اجمالاً ان تینوں قصوں کو بیان فرما کر سب کے افعال زشت اور حالات بد کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے جو ان پر دنیا میں قہر ٹوٹ پڑنے کا باعث ہوا۔ فقال الذین طففوا فی البلاد یہ سب قومیں وہ تھیں کہ جنہوں نے ملک میں رہ کر سرکشی کی اپنی حد سے گزر گئے تھے تکبر کی بھی انتہا نہ رہی تھی۔ محکموں کے ساتھ نخوت اور بے پروائی سے پیش آتے تھے۔ اخلاق کا نام تک نہ تھا۔ شہوت پرستی اور عیاشی کا بھی کچھ انتہا نہ تھا۔ بہائم کو بھی شرمایا تھا۔ اس پر درندے بھی بن گئے تھے جس کو چاہا پیٹ ڈالا، فید کر دیا، مروا ڈالا، الزام لگا کر گھر بار ضبط کر لیا۔ عدل و انصاف، صداقت، پارسائی، پرہیزگاری، رحمہ، خوش اخلاقی تو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ اس پر اعتقادات وہ بد کہ الہی توبہ۔ خدا تعالیٰ کی بے ادبی اس کے رسولوں اور ان کی شریعت کی بے عزتی، بت پرستی ایک ادنیٰ بات تھی۔ دار آخرت اور اعمال کی جزا سزا کا تو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ زنا کاری اور شراب خواری کے دروازہ کھول دیے تھے۔ لوگوں کو بھی اسی روش اور انہیں خیالات پر پھیر کر لاتے تھے اور اپنی عقل و تدبیر اور شوکت و شہرت موجودہ پر بڑا غرور تھا۔ ان سب باتوں کی طرف اس ایک ہی جملہ میں اشارہ ہے فاکثر وافیہا الفساد کہ زمین میں بہت ہی فساد کیا ہے۔ ہر ایک بات جو اوپر مذکور ہوئی فساد فی الارض ہے۔ اب ان کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فقال فصب علیہم رب سوط عذاب کہ تیرے رب نے (جورب العالمین ہے اس کو اپنے غریب بندوں کی پرورش بھی ملحوظ ہے۔ مظلوموں پر رحم کھانا بھی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے) ان پر سزا کا کوڑا مارا سب کو ہلاک و برباد کر دیا۔ اس کے تازیانہ سے ڈرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان ربک لبنا لمرصاد تیرا رب اپنے بندوں کے حالات و حرکات دیکھتا رہتا ہے۔ سب کچھ اس کی نظروں میں رہتا ہے۔ کچھ انہیں قوموں پر انحصار نہیں اور صد ہا قوموں پر سزا کے کوڑے مارے ہیں اور آئندہ مارے گا۔ اگر یہی اخیر جملہ بندے کے دھیان میں رہے تو بڑا ہی نیک ہو جاوے۔ قرآن بنے تذکیر میں کوئی مرتبہ اٹھانہیں رکھا۔ اس سے بڑھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝

وَ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۖ فَيَقُولُ رَبِّيْٓ اِهَانَنِ ۝ ۙ كَلَّا بَلْ

لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ الْثَّرَاتِ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

لیکن انسان ایسا ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے پس اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے نوازا دیا اور جبکہ اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کے کھانا کھانے کی ترغیب دلاتے ہو اور مردوں کا مال بھی سیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کو بھی بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

ترکیب | فاما بمعنا الجرد التام کید الانفصیل الجمل اذا شرطیہ ما زائدہ فاکرمہ ونعمہ تفسیر لہا بتلافی قول الخ جواب الشرط وقیل اذا ظرفیۃ ودخلت الفاء فی فیقول تضمن اما معنی الشرط ای فاما الا انسان فیقول ربی اگر منی وقت ابتلا نہ بالنعماء۔ اگر منی اصلا اگر منی حذف الیاء اتباعا لمرسم المحسن وبقیت الکسرۃ دلیل علیما قس علیہ واما اذا ما ابتلاہ فقد راح کما روع للا انسان عن قوله ولا تحاضون والمفعول محذوف ای احدا او انفسکم قرء الجمهور تحضون من حصہ علی کذا ای اخرہ بہ وقری تحاضون بفتح التاء واصلہ تحاضون ای لا تنقص بعھکم بعضا وقرئی بضم التاء من النقص وهو الخس۔ طعام المسکین والطعام اما اسم مصدر ای اطعام المسکین او اسم للمطعم فالضاف محذوف ای بذل طعام المسکین الترات اصلہ الدارث فابلت التاء من الواو المضمومۃ کما فی تجاہد و جادلما اصل الم جمع یقال لمست الشیء المہ جمعا الحکم الکثرۃ یقال جم الشیء المتجم جموا یقال فی المال وغیرہ فھم جم وجام۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا ان ربک لبنا لمرصاد کہ وہ آخرت کے مفید و مضر کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ فاما الانسان الخ اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ رات دن حصول دنیا اور اس کے لذات و شہوات میں مشغول ہے۔ اگر دنیا میں دولت و راحت مل گئی تو کہنے لگا کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہے اور جب ہی تو اس نے مجھے یہ عزت دی ہے اور جو تنگ دستی یا تکلیف پیش آگئی تو کہنے لگا کہ ناراض ہے جس لیے اس نے مجھے ذلیل کر رکھا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا عزت و اکرام حصول دولت و راحت دنیا پر منحصر جانا اور اس کی ناراضگی اور توہین کو دنیاوی فقر و فاقہ اور تکالیف پر محمول کیا اور یہ اس کا خیال باطل ہے کس لیے کہ دنیا کی راحت و نعمت اور اسی طرح افلاس و فقر بیماری و خواری اس کی آزمائش ہے کہ نعمت ہے کہ نعمت و راحت پا کر کیسی شکرگزاری و فرمانبرداری کرتے ہیں اور مصیبت میں کیوں صبر کرتے ہیں۔ اگر مصیبت میں صبر کیا تو ترقی درجات آخرت کا باعث ہے اور نعمت میں شکر نہ کیا تو اور بھی باز پرس کا باعث ہوگا۔ الغرض حصول دنیا اور اس کے عدم حصول پر ہماری رضامندی اور اکرام یا توہین و ناراضی سمجھنا غلط بات ہے جیسا کہ کفار سمجھتے ہوئے ہیں اور یہی حجت پیش کیا کرتے ہیں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے کلا کہ ہرگز ایسا نہیں۔

کلا یعنی فراغت کی کثرت مال و اولاد سے یہ سمجھنا کہ خدا مجھے معزز سمجھتا ہے اچھا اور محبوب جانتا ہے یا تنگ دستی سے برا جانتا ہے غلط خیال ہے جس کو لفظ کلا سے تعبیر کیا بلکہ فراغت سی بھی اس کی آزمائش ہے اور تنگ دستی بھی کہ فراغت سی میں کیا شکر اور تنگ دستی میں کیا صبر کرتے ہو؟ فراغت سی سے خدا کے نزدیک عزت دار نہیں ہو جاتا نہ تنگ دستی سے ذلیل۔ بل بلکہ ذلت کے یہ اسباب اور یہ کام ہیں۔ گو وہ کتنا ہی بالدار کیوں نہ ہو اور وہ ذلت کے کام کیا ہیں جن کے کفار مرتکب تھے۔ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ (۱) لا تکرمون الیتیم تم یتیم کی عزت نہیں کرتے حالانکہ وہ بے باپ کے ہیں۔ دنیا کے مصائب اس پر پڑے ہوئے ہیں اور خود بھی کم سن ہے کچھ کر نہیں سکتا۔ اب تم اپنے تکبر سے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے۔ شفقت اور کھانا کھانا اس کی حاجت برآری کرنا تو کجا یہ کام ہے جس سے اللہ کے نزدیک انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ خواہ بظاہر کیسا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ جہاں عرب میں یہ بھی عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہیں کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ میں یتیموں پر

مہربانی کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ (۲) ولا تحاضون علی طعام المسکین اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو نہ اپنے آپ کو اور نہ اور کسی کو۔ حالانکہ غریب محتاج کو کھانا کھانا تمام اہل عقل و نقل کے نزدیک مسلم نیکی ہے۔ برخلاف اس کے بد بخت جاہل یہ کہتے ہیں کہ جب اس کو خدا ہی نے نہ دیا اور اس نے اس کی بے قدری کی اور خدا ہی نے یتیم کے باپ کو ماریا تو ہم اس پر کیوں رحم کریں کیوں کھانا کھلائیں۔ نہ کرنے میں تو یہ دو کام نہیں کرتے جو کرنے چاہئیں تھے اور کرنے میں یہ دو کام کرتے تھے۔ (۳) و تا کلون التراث اکلا لما کہ مردوں کا مال جو بلا مشقت و ریشہ میں ملتا ہے اس کو سمیٹ لیتے ہو اور خوب دل کھول کر کھاتے ہو۔ فضول خرچی کرتے ہو۔ عیاشی اور نمود کے کاموں میں اوڑاتے ہو۔ سچ ہے مال مفت دل بے رحم۔ (۴) و تحبون المال حبا جمعا اور مال کی دل سے محبت کرتے ہو بڑے لالچی اور طماع ہو۔ معاذ اللہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبت دنیا اور یہی لالچ اور طمع تو ہے یہی حق تلفی کراتی ہے۔ یہی جھوٹ بلواتی ہے۔ یہی خون کراتی ہے۔ یہی بے شرم بے حیاء بنتی ہے۔ یہ ہیں وہ کام جو تم اے قریش! کر رہے ہو۔ بجائے عبادت، صداقت، ایمان، پرہیزگاری، خیرات، صلہ رحمی کے۔ پھر تم سمجھ لو کہ عاد و ثمود و فرعون پر جو کوڑا پڑا تھا وہ تمہارے لیے بھی تیار ہے۔ پھر بتاؤ اہانت و ذلتِ خدائی کا سبب حب دنیا ہے یا فقر و فاقہ۔

كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِئْنَا
يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۝ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنَّى لَهُ الذِّكْرُ ۝ يَقُولُ
يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ رَحِيَّتِي ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابُهُ اَحَدًا ۝ وَلَا يُوثِقُ
وِثْقًا اَحَدًا ۝ يَأْتِيَتْهَا النُّفُسُ الْمُطَهَّاتُ ۝ اَرْجِعِي اِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبْدِي ۝ وَاَدْخُلِي جَنَّتِي ۝

۱۲۲

نہیں نہیں جبکہ زمین چکنا چور ہو جاوے اور آپ کے رب کا (تخت) آجائے اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں اور اس دن جہنم بھی سامنے لائی جاوے۔ اس دن انسان سمجھے گا اور اس وقت اس کو سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔ کہے گا اے کاش! میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا۔ سو اس دن اس جیسی مار کوئی بھی نہ مارے گا اور نہ اس جیسی جکڑ کوئی جکڑے گا (کہا جائے گا) اے تسلی یافتہ جان! لے آ اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (لے آ) میرے بندوں میں جا مل اور میری بہشت میں چل رہ۔

ترکیب ! کلاروع اذا ظرف و العاقل في يتذکر الانسان دکتا منصوب علی انه مصدر مؤکد للفعل دکتا تاکید لاول۔ والدک الکسر و جاء معطوف علی دکت صفا صفا حال ای مصطفین اذ ذی صفوف و جآئی فعل مجہول بحکم مفعول الم بسم فاعله قائم مقام الفاعل یومئذ منصوب بجای و الجملة معطوف علی دکت یومئذ بدل من یومئذ قبلہ يتذکر عامل اذا وانی له الذکری الجملة حال من فاعل يتذکر یقول الخ تفسیر ليتذکر قدمت لحياتی ای قدمت فی الدنیا من الاعمال الصالحة لاجل حیاتی الاخریة فاضا الحیاة بالحقیقة۔ و قيل ان اللام بمعنى فی والمعنی یلینتی قدمت فی حیاتی الدنیا و یة الاعمال الصالحة یومئذ عامله لا یعذب بالحق و عذابو ثاقه بالنصب علی نزع الفاض ای کعذاب وثاقه قرء الجمہور لا یعذاب ولا یوثق مبیا للفاعل فالضمیر فی عذاب و وثاقه یرجع الی اللہ تعالیٰ ای لا یعذب احد کعذاب و لا یوثق احد مثل وثاقه و قری بصیغة

انجھول ایضاً للضمیر ان رابعان الی الانسان الکافر راضیہ مرضیہ حال من فاعل ارجعی۔

تفسیر ۱۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ جو تمہارے نیک و بد کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ بدلہ دینے سے عاجز ہے یا بدلہ نہ دے گا۔ کلا ہرگز یہ خیال نہ کرو بلکہ وہ ضرور بدلہ دے گا کس روز؟ اذا دکت الارض ذکا دکا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ ہو جاوے اور بلند و پستی ہموار کر دی جائے۔ یہ نفع صور اول کے بعد ہوگا جبکہ زلزلہ عظیم زمین کو زیر و بالا کر دے گا اور اس کے بعد یہ تمام عالم فنا ہو جاوے گا تب ایک دوسرا جہان پیدا ہوگا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین عدالت کے لیے خدا تعالیٰ اور اس کے ملائک مقررین کی راہ نکلیں گے کہ اس گرمی و مصیبت سے فیصلہ کر کے ہم کو نجات ملے و جاء ربک تیرا رب آوے گا یعنی صفت جلال و قہر میں تجلی کرے گا اور بندوں کی عدالت کی طرف متوجہ ہوگا و الملك صفا صفا اور فرشتے بھی صف باندھ کر آ حاضر ہوں گے۔ یہ تعمیل حکم کرنے کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ ہر ایک مرتبہ کے فرشتوں کی ایک صف ہوگی۔ و جائی یومئذ بھجنہ اور جہنم بھی لا کر لوگوں کے سامنے موجود کی جاوے گی اور اس کی بڑی بڑی چنگاریاں اڑتی ہوں گی اور اس کے جوش و خروش کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش و حواس پریشان کرتی ہوگی۔ لانے سے مراد ظاہر کیا جانا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے وبرزت الجحیم لمن یری۔ یومئذ یتذکر الانسان اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا اور اس روز اس کا نشہ ہرن ہو جاوے گا اور اس کو نصیحت ہو جاوے گی کہ جو کچھ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی۔ سب حق ہے اور ہم اپنی بد بختی سے آنے والی مصیبت کو ٹھنکھٹھ میں اڑاتے رہے اور اس کے لیے نیک عمل اور ایمان صادق کا سرمایہ جمع کرنے سے دنیاوی لذات و شہوات فانیہ میں مستغرق رہے۔ وانی لہ الذکریٰ مگر اس روز کے سمجھنے سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ اس روز پچھتاؤا دانت پینا رونا سر پیننا کچھ کام نہ آئے گا اور اس دن اس رونے پینے میں منہ سے کیا کہے گا؟ یلیتینی قدمت لحياتی اے کاش میں آج کی زندگی کے لیے جو ابدی ہے دنیا میں ایمان و اعمال نیک کا سرمایہ آگے بھیجتا اس کے بعد مرنے میں بد نصیب تو جو کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لیے کرتا رہا جو ایک خواب سا تھا۔

بعض نے لحياتی کے لام کوئی کے معنی میں بھی سمجھا ہے۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنی زندگانی دنیا میں اس دن کے لیے کاش کچھ آگے بھیجتا۔ یہ حسرت و ندامت بھی عذاب جسمانی کے سوا ایک اور روحانی عذاب ہوگا اس لیے فرماتا ہے فیومئذ لا یعذب عذابہ احد کہ پھر اس روز اس کے عذاب جیسا اور کوئی عذاب نہ کرے گا یعنی جس قدر اللہ تعالیٰ اس روز اس بے ایمان بد کردار کو عذاب دے گا وہ ایسا کسی نے نہ دیا ہوگا۔ کس لیے کہ اول تو اس کا عذاب روحانی اور جسمانی ہوگا۔ دوم ایسا سخت ہوگا کہ وہ یاد دنیا میں نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس سے چھٹکارا ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جاوے۔ ولا یوثق وثاقہ احد اور نہ اس کی قید جیسی کسی نے قید کی ہوگی وہاں کی بیڑیاں خدا کی پناہ وہاں کے جیل خانہ سے کوئی نکل نہیں سکتا لے دے کر کوئی راحت نہیں پہنچا سکتا۔ آخر ہمیشہ کی قید الامان الامان! اس کے علاوہ عقل و ادراک تمام اسی تکلیف کی طرف متوجہ غمزدہ آدمی کہیں جائے اس کے غم کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں رہا کرتی ہیں۔ یہ روحانی قید ہے جو وہاں بدرجہ کمال ان بد بختوں کو ہوگی۔ پھر ایسی قید اور کون کر سکتا ہے۔ بعض قاریوں نے لا یعذب ولا یوثق کو مجھول کا صیغہ پڑھا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ اس غافل بد بخت جیسا اور کسی کو عذاب نہ کیا جاوے گا نہ اس جیسی اور کوئی قید کی جاوے گی کس لیے کہ وہ کافر و مشرک اور اس پر بدکار لذات و شہوات دنیا کا فریفتہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی دنیا میں خدا تعالیٰ اور دار آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ برخلاف اور ایمانداروں گنہگاروں کے کہ اگر وہ کبھی بدی کرتے تھے تو دوسرے وقت کوئی نیکی بھی کر لیتے تھے۔ ان کو آخر کار ان کے ایمان یا اعمال نیک کے سبب رستگاری ہو جاوے گی۔ یہاں تک تو بدوں کا حال بیان فرمایا جو قیامت میں ان پر طاری ہوگا۔ اس کے بعد نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان سے اس روز کیا معاملہ پیش آوے گا؟ فقال یا لیتھا النفس المطمئنة

اردجعی الی ربک راضیة مرضیة کہ اس خوف و ہراس کے وقت فرشتے ان سے تسلی دے کر یہ کہیں گے کہ اے اطمینان یافتہ جان! اپنے رب کی طرف عدالت میں خوش خوش چل تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش، کوئی غم و ہراس نہ کر۔ اس عظمت و شان سے اس کو پیشی میں لاویں گے۔ پھر جب وہ حق سبحانہ کے سامنے ہوگا جو کچھ عنایت و مہربانی اس پر ہوگی اس کا انتہا نہیں۔ آخر کار خدا تعالیٰ اس کو فرما دے گا کہ فادخلی فی عبادی کہ آپ اس بلند مرتبہ اور بلند جگہ میں آؤ جو میرے بندگان خاص کے لیے ہے۔ جیسا دنیاوی عدالت میں حاکم کسی کی تعظیم و تکریم کے لیے کہا کرتا ہے کہ آپ ادھر معزز لوگوں میں آئیے۔ ہمارے پاس دائیں طرف عزت کی کرسی پر بیٹھے جہاں اور معزز ہیں۔ وادخلی جنتی اور میری بہشت میں جو میں نے خاص تمہارے لیے پہلے سے تیار کر رکھی ہے اس میں رہنے سدا آرام کیجئے۔ دنیاوی بادشاہ بڑے عالی شان مکانوں اور باغوں میں ملا کرتے ہیں اور ملنے والوں کے لیے بیٹھے رہنے کی جگہ کی کیسی تیاری کرتے ہیں تو پھر کیا خدا پاک کا جہاں دیدار ہوگا وہ کوئی کوڑی اور ویرانہ ہوگا؟ ہرگز نہیں جہاں ان کا جلوہ جہاں ان کا دیدار وہ جگہ گلزار بلکہ لاکھ گلزار اس پر نثار۔ یہ بات جنتی کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے جس میں جنت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بہت سے خشک زاہدوں اور بے سمجھ شاعروں نے جنت نہیں سمجھی۔ جنت کو دنیا کا باغ اور چٹکے اور کیا کیا بتانے لگے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جو اس دیوان خاص میں نہ جانے پائے گا اس کو اس کا دیدار ہی نصیب نہ ہوگا۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی دکھائی۔ پھر کیا اس کی وہ جنت دنیا کے کوہ طور سے بھی کم ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

فائدہ ۱: اس نیک و اطمینان والی جان کیوں فرما دیا؟ اس لیے کہ اس کو اس لفظ کے سنتے ہی عذاب و عتاب کی دہشت سے اطمینان ہو جاوے۔ گویا یہ تسلی دینے والا لفظ پہلے سے بطور مژدہ کے سنایا جاوے گا کہ تجھے اطمینان ہے۔

فائدہ ۲: واضح ہو کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں۔ امارہ، لوامہ، مطمئنہ۔ امارہ کفار و دنیا کی لذات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے کہ وہ ان کو بدکاری پر بار بار امر یعنی حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں۔ لوامہ لوم ملامت کرنے والا یعنی اپنی برائیوں پر ملامت کرے۔ یہ عامہ ایمانداروں کی صفت ہے۔ ان میں حس و ادراک باطنی باقی ہے۔ ابھی گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں، افسوس کرتے ہیں دل میں گناہ کر کے رنج ہوتا ہے۔ مطمئنہ۔ اطمینان یافتہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و صالحین کے نفس کی حالت ہے۔ ان کو عبادت و معرفت سے اطمینان ہو جاتا ہے الاہذ کر اللہ تعظمین القلوب اور کاموں میں ان کا دل بیقرار رہتا ہے۔ ہر پھر کر اپنے مرکب اصلی ذکر الہی کی طرف آرہتا ہے۔ یہ بات بوقت مرگ بھی نیکیوں سے پیش آتی ہے کیونکہ یہ بھی قیامت صغریٰ ہے۔ رحمت کے فرشتے نہایت مہربانی سے کہتے ہیں کہ اے روحِ اطمینان والی چل اپنے رب کی طرف اس ویرانہ دنیا کو چھوڑ تو اس سے خوش وہ تجھ سے۔ تیرے لیے وہاں بڑی بڑی تیاریاں ہیں۔ احادیث صحیحہ میں اس کی بکثرت تصریح ہے۔ جعلنا اللہ نہم۔

(سورہ بلد کیہ ہے اس میں بیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا اُقِیْمُ بِہَذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حَلٌّ بِہَذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدٌ ۝ لَقَدْ

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۝

میں تم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور تم ہے والد اور اس کی اولاد کی کہ البتہ ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا ہے۔

ترکیب ۱۔ لا قدر الکلام فیہا فقیل زائدۃ وقیل لانی کلام الکفار وقیل لانی القسم بظہور الامر ای لا حاجۃ الی القسم بحدۃ الاشیاء والمراد

ہاں بلد عند جمہور المفسرین مکنتہ والبلد یذکر ویؤنث والجمع بلدان والبلدۃ بالفتح جمعہا بلاد بالکسر وانت حل الخ قال الواحدی الحل والحلال والکل واحد وعوضہ الحرم ای فاعل اللہ لہیہ صلی اللہ علیہ وسلم القتال فی مکنتہ وقد انجز اللہ تعالیٰ وعدہ یوم الفتح فالجملۃ معترضة بین القسم بہ وما عطف علیہ وقیل معناه حال ای اتمم ہذا البلد وانت مقیم فیہ تشریفاً لک وتنظیماً لتقدیرک اولاً اتمم ہذا البلد حال کو تک مقیم فیہ بل اتمم یک فعلی ہذا الجملۃ منصوبہ محلاً والذو ما ولد معطوف علی البلد وما بمعنی من لقد خلقنا الجملۃ جواب القسم فی کہد حال ای مکابد واصل الکبد الشدة ومنہ تنکید اللہین اذا اشتد وغلط ثم استعمل فی کل مشقۃ وشدة وقیل الکبد الاستواء والاستقامة (ابن کثیر)

تفسیر: یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں بیس آیات ہیں اور اس کا نام سورہ بلد اس لیے ہے کہ اس کے اول میں بلد یعنی شہر مکہ کی قسم ہے۔

سورہ فجر میں ذکر تھا کہ عاد و ثمود و فرعون کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے۔ دنیاوی اسباب پر غرور کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنا اپنے سر پر قہر الہی لینا ہے۔ اس بات پر کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ اس میں آپ کا امتحان ہے تو ہم پر بھی عاد و ثمود جیسا عذاب نازل کرادو اگر سچے ہو۔ چاہیے کہ مکہ شہر غارت ہو جاوے۔ اس سورہ میں ان کے اس واپسی شبہ کا مکہ کی قسم کھانے کے پیرایہ میں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شہر مقدس ہے اس میں کعبہ ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا سب دنیا کے معابد سے اول معبد یہی ہے اور نیز ہمارے نبی کریم ﷺ بھی یہیں رہتے ہیں ما کان اللہ ليعذبہم وانت فیہم ہمارے نبی کا مولد اور اسلام و برکات کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔ پھر تم یہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کرنے لگے۔ تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے جیسا کہ فی کہد میں اشارہ ہے اور نیز یہ بھی مناسبت ہے کہ سورہ فجر میں بدوں پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہونا اور نیکیوں کو راحت ملنا مذکور تھا جس سے یہ بات پائی جاتی تھی کہ انسان دنیا میں محض عیش و کامرانی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے جیسا کہ اور حیوانات ہیں جن کا کام صرف پیٹ بھر کر کھانا اور سو رہنا اور خرمستی کرنا ہے نہ ان کو آئندہ کی فکر ہے نہ کوئی تدبیر درپیش ہے بلکہ انسان کو عقل و ادراک دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ مکلف ہے۔ اسی مضمون کو اسکے مناسب چند چیزوں کی قسم کھا کر لقد خلقنا الانسان فی کہد میں بیان فرماتا ہے۔ فقال لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد کہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور تم کو اے محمد (ﷺ) قید نہ رہے گی۔ اس شہر میں بلکہ یہاں کافروں سے لڑنا حلال ہوگا۔ گویا اس نرغہ کے وقت آپ کو بشارت دی جاتی ہے کہ گویا شہر مقدس ہے۔ اس میں شکار کی بھی ممانعت ہے۔ قتل و قصاص کیسا؟ لیکن ان بد بختوں کی شرارت کے سبب ایک بار آپ کو ان سے انتقام لینا اور ان کو سرکشی کی سزا دینا اس شہر میں حلال ہو جاوے گا۔ چنانچہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ یہ شہر محرم ہے۔ اللہ نے اس کی حرمت قائم کی ہے۔ قیامت تک نہ یہاں شکار کھیلنا جاوے گا نہ گھاس کاٹی جاوے۔ صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے یہاں کفار سے جنگ کرنا حلال ہوا ہے لیکن پھر اس کی وہی حرمت عود کر آئی ہے (یہ معنی ہیں ابن عباس و سعید بن جبیر و ابی صالح و عطیہ و ضحاک و قتادہ و سدی ابن زید کے نزدیک) اس میں ان کے اس شبہ کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ پھر مکہ کیوں ہلاک نہیں کیا جاتا؟ یعنی صبر کرو ابھی نبی ﷺ کے لیے مباح ہوا جاتا ہے تمہاری گردنیں ماری جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز سچا کر دیا۔ آپ شوکت و جلال سے یہاں آئے اور دشمنان خدا سے انتقام لیا گیا۔ بعض علماء اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس شہر مقدس کی قسم کھاتا ہوں کیونکہ یہاں جانوروں پر بھی ظلم ممنوع ہے۔ سب کو امن ہے کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں نہیں مارتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر وانت حل بهذا البلد تم اے نبی اس شہر میں حلال ہو۔ تمہارے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں ظلم و ستم مار دھاڑ سب تم سے روا ہے گویا یہ قریش مکہ پر تعریض ہے کہ اور چیزوں کا مارنا تو ممنوع ہے مگر ہمارے نبی معصوم کا خون مباح اور حلال ہے۔ یہ کیسا انصاف اور کوئی عقل ہے؟ بعض علماء حل کے معنی کہتے ہیں مقیم کہ ہمیں اس شہر کی قسم جبکہ تم اس میں مقیم ہو۔ اس کی برکت و حرمت زیادہ تمہارے سبب سے ہے اور بعض فرماتے ہیں لافنی کے لیے ہے کہ جس وقت آپ

اس شہر میں ہیں ہم کو اس کی قسم کھانے کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کھانی چاہیے کیونکہ تم ہی تو اس شہر کی برکت اور روح رواں ہو اور لطف یہ کہ تمہیں پر یہ ظالم ظلم کر رہے ہیں۔

ووالدو ماولد اور قسم ہے والد کی اور اس کی جو اس سے پیدا ہوا۔ یہ عام ہے بعض کہتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں۔ ماولد سے ان کی اولاد۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد کہ ہم نے انسان کو مصیبت و مشقت کے لیے بنایا ہے۔ پھر اس پر یہ غرور اور سرکشی جو خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے دور بھاگتا ہے۔ یہ مناسبت ہے اس سورہ کو سورہ فجر ہے۔

اس مضمون سے ان چیزوں کو کہ جن کی پہلے قسم کھائی یہ مناسبت ہے کہ شہر مجمع خلایق ہوتا ہے۔ حاجت ایک دوسرے سے تمدن میں پڑتی ہے، کوئی بیکار نہیں رہتا کوئی کپڑا بناتا ہے تو کوئی بڑھی کا کام کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس۔ ہر ایک ایک نہ ایک دھندے اور مشقت میں ہے اور بالخصوص مکہ شہر جہاں اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت ہے۔ جہاں نہ کوئی باغ نہ کھیتی نہ کوئوں میں میٹھا پانی اور نیز گرم جگہ جہاں بادِ موسم چلا کرتی ہے اور جب سے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اور بھی دینداروں کو مصیبت و مشقت ہو گئی۔ آئے دن کی مار پیٹ گالی گلوچ شروع ہو گیا تھا اور والد اپنی اولاد سے مشقت اور فکرِ معیشت اور تدبیر تربیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بچوں کی بیماریاں اور پھر جوان ہو کر مر جانے کے صدمے اور پھر نالائق اٹھنے کے دکھ باپ ہی سے پوچھنے چاہئیں اور اس پر ان کے لیے رزق و آسائش کے سامان بہم پہنچانے اور ان کو آرام دینے آپ دکھ اٹھانے کا حال بھی ہر ایک صاحبِ اولاد پر ہے اور بچہ بھی دنیا میں آکر کیسے کیسے مصائب اٹھاتا ہے، نو مہینے رحم میں خون کھا کر تنگ رستہ سے نکلنا۔ پھر دانتوں کی تکلیف، آنکھوں کی تکلیف اور صدمہ ہا تکالیف ہیں کہ جو ضعیف البدان بچوں کو ان کی جسمانی حالت سے پہنچتی ہیں اور ماں باپ کو روحانی صدمہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ فرمانا کہ انسان کو مشقت و مصیبت کے لیے پیدا کیا ہے بہت ٹھیک ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔

جگ میں کوئی نہ نک ہنسا ہوگا کہ نہ ہنتے ہی رو دیا ہوگا
دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم کوئی ہوگا جو بچ رہا ہوگا
اس مشقت کی تصویر بعض اکابر نے یوں کھینچی ہے کہ اول تو انسان کی خلقت میں آبِ باؤ خاک، آتش ایسی چار چیزیں متضاد جمع ہیں کہ ہر ایک کا غلبہ اعتدال سے دور کر کے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے۔

گر کیے زمین جہار شد غالب

جان شیریں برآید از قالب

دوم رحم میں محبوس ہونے اور طرح طرح کے مصائب اٹھانے کی مشقت۔ سوم باہر آنے کی مشقت۔ چہارم لڑکپن میں ضعیف البدان ہونے کے سبب طرح طرح کے امراض کی مشقت کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ پنجم دانتوں کے نکلنے کی مشقت۔ ششم مکتب و مدارس میں تعلیم کی مصیبت۔ ہفتم جب عقل و بلوغ کی بیڑی پاؤں میں پڑی تو قوائے شہوانیہ و سبعیہ و حرص اور ان کے شرارت کی ایسی مشقت کہ الہی توبہ! ایک ذرا سی دیر کے مزے کے لیے عزتِ مال، تندرستی، دین سب کو خیر باد کرتا ہے اور رسوائے خلایق ہوتا ہے۔ پھر غصہ ہے کہ شیر بھیڑ یا بنا کر مخلوق الہی کے درپے آزار کرتا ہے جس سے خلق کی بدگوئی اور دنیا کی نفرتیں اس کو نصیب ہوتی ہیں۔ پھر کبھی حرص و طمع چند دانوں (یعنی غلہ) کے لیے سخت گرمی اور سردی برسات اور خشکی میں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ بیلوں کے پیچھے دوڑاتی ہے چند روپیوں کے لیے فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کھواتا ہے۔ چند پیسوں کے لیے دن بھر دکان یا کارخانہ میں مقید

رہتا ہے۔ پھر حرص و حسد کی آگ ہمیشہ دل میں شعلے مارتی رہتی ہے۔ جو کچھ نعمتیں اس کو میسر ہیں ان کا مزہ اور ان سے تمتع بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پھر حسبِ جاہ و مال اور نام آوری کی حرص ہوئی تو اس کو ایسے ایسے ہولناک گڑھے جھکواتی ہے۔ ہشتم طبیعت کی عقل و دین سے لڑائی کی مصیبت۔ عقل کہتی ہے یہ کام نہ کر اس میں تیری رسوائی اور سخت نقصان ہے مگر طبیعت نہیں مانتی۔ دین یا الہام الہی کہتا ہے کچھ آخرت کا توشہ ساتھ لے تجھے یہاں سے بہت جلد جاتا ہے اور ایسا جانا کہ پھر کر نہیں آتا ہوگا۔ عبادت کر، خیرات کر، خلقِ خدا کے ساتھ نیکی کر، صداقت و بردباری اپنا شیوہ بنا۔ مسافرانہ زندگی بسر کر۔ مگر کجنتِ طبیعت ادھر نہیں آنے دیتی۔ حرام کاری فق و فجور سے شرع روک رہی ہے، طبیعت ابھار میں ہے صبح کو بھتوی شرع و خرد تو بہ کرتا ہے رات کو تکلمِ نفس اس کو توڑ کر جو نہیں کرنا وہ کرتا ہے۔ یہ تو وہ مصائب تھے جو خاص اس کی ذات سے متعلق تھے۔ اب جن میں دوسروں کا بھی تعلق ہے وہ سنئے۔ رعیت کو بادشاہ کی اطاعت بلکہ غلامی اور کاروبار و خراج و ٹیکس کی مصیبت، بادشاہ کو جہانداری و حفظِ سلطنت کی مصیبت، نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت، آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت اور تردد خیانت کی مشقت، بیوی کو میاں کی اطاعت و بچہ کشی کی مشقت، میاں کو بیوی کے اخلاقی بد اور خیانتِ مال یا اس کے جا بجا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت، ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے درد و غم کھانے کی مشقت، اولاد پر مادر و پدر کی خدمت و اطاعت کی مشقت، پھر احباب و ہم وطن و ہمسایوں کے خوش رکھنے کی مشقت۔ یہ تو دنیا کی مشقتیں تھیں اب آگے کی سنئے۔ نزع کی مشقت، تنگیِ قبر اور مفارقتِ مال و اولاد و صاحب کی مشقت، پھر اگر شقی ازلی ہے تو ابدی جہنم کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت کبدِ بفتہ حب بمعنی مشقت اور بکسر ب بمعنی جگر۔ جگر غذا کے پکانے اور خون بنا کر اعضاء میں تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما عکرمۃ و مجاہد و ابراہیم نخعی اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ انسان برابر پیدا کیا گیا۔ اس کی آفرینش میں کوئی قصور نہیں، اندھانئیں، اپانچ نہیں سمجھ بوجھ سب کچھ دیا گیا ہے پھر کیوں ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے۔ میرے نیک بندوں میں داخل نہیں ہوتا۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَقْدَرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۙ يَقُولُ اَهْلَكَتُمْ مَالًا لُّبَدًا ۙ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرِكْهُ اَحَدٌ ۙ

کیا وہ (یہ) سمجھ رہا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ آئے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے ذہیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

ترکیب ! اَلْهَزْوَ لَلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِ بِحَسَبِ فَاعِلِهِ اَلضَّمِيرُ يَرْجِعُ اِلَى الْاِنْسَانِ اِنْ خَفِضَ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيرُ الْاِثَانِ مَقْدَرُ وَالْجُمْلَةُ مَفْعُولٌ بِحَسَبِ يَقُولُ جُمْلَةُ مَسْتَاغَةِ اَهْلَكَتُمْ صَرَفَتْ لِبَدًا اَصْفَتْ مَالًا قَالِ الْوَعِيدَةُ لِبَدٍ فَعْلٌ مِنَ التَّلْمِيذِ وَهُوَ الْمَالُ الْكَثِيرُ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ وَقَالَ الْفَرَاءُ جَمْعُ لِبَدَةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ اَحَدٌ اَلَا اِسْتِفْهَامُ لَلْاِنْكَارِ اِنَّهُ لَمِنْ اَحَدٍ خِرَانِ وَالْجُمْلَةُ مَفْعُولٌ بِحَسَبِ۔

تفسیر ! یعنی باوجودیکہ انسان مصائب کش پیدا ہوا ہے سدا کا دکھیا ہے پھر اس پر بھی اس کو یہ غرور و پندار ہے اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَقْدَرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ کیا یہ خیال کر رہا ہے کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پاوے گا۔ میرے اعمالِ بد کی سزا مجھے کوئی نہیں دے گا جو چاہوں کروں۔ گویا حشر کا انکار کرتا ہے اور دنیا میں بھی اعمالِ بد کی سزا کا منکر ہے اور اپنی تھوڑی سی کامیابی اور دنیاوی اسباب پر یہ گھمنڈ کرتا ہے۔ بعض مکہ کے کفار تو اپنے مال و اولاد کے گھمنڈ پر خدا تعالیٰ کے زور و جبرسن کر صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جن کو خدا نے غارت کر دیا ہم پر کون قادر ہو سکتا ہے۔ کس کا قابو چل سکتا ہے۔ يَقُولُ اَهْلَكَتُمْ مَالًا لُّبَدًا کہتا ہے کہ میں نے اپنی حفاظت میں بہت سا مال صرف کر دیا ہے۔ بڑے عمدہ گھوڑے لڑائی کے قابل اور بڑے عمدہ ہتھیار خریدے ہیں۔ بہت لوگوں کو کھلا پلا کر تنخواہیں دے کر تیار کیا ہے۔ پھر وہ بوقتِ مقابلہ ہمارے

ساتھ ہیں اور نیز آنحضرت ﷺ کی عداوت اور دین الہی کے برباد کرنے کے لیے بھی وہ بہت کچھ خرچ کرتے تھے۔

اور لوگ بھی گوصاف یہ نہیں کہتے مگر ان کی حالت تکبر اور معاصی پر اصرار یہی کہہ رہا ہے۔ دنیاوی بادشاہ اپنی فوجوں اور اعوان و انصار و اسلحہ و آلات پر تازاں ہوا کرتے ہیں جن پر بیشمار روپیہ صرف کر چکے ہیں۔ کروڑ ہا روپیوں سے جنگی جہاز اور عمدہ توپ خانے اور کیا کیا سامان بہم پہنچائے اور اس زور میں آکر کفر بکتے ہیں۔ بدکاری کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کون مغلوب کر سکتا ہے۔ حالانکہ روزمرہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بالکل بس میں ہیں۔ یہ جملہ بقول اہلکت اس کے گمان کرنے کی وجہ ہے یعنی اس لیے گمان کرتا ہے کہ اس کا اعتماد عزت و جاہ پر ہے جو مال صرف کرنے سے پیدا کیا ہے اور بعض تو اپنے الہ باطلہ کے نذر و نیاز میں صرف کرنے کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں دیوار دیوتا کی نذر و نیاز میں نے ڈھیروں خرچ کر دیا ہے وہ میرے حامی ہیں، ہمیں کوئی آسیب نہیں پہنچتا۔

الغرض دنیاوی تحفظ و استحکام میں جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کو اپنے قیام و دوام کا سبب جانتا ہے اور قادرِ حقیقی کی قدرتِ کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا پھر اس کو کیا کر دیا۔ کیا اس کی اول حالت کسی نے نہیں دیکھی۔ ایحسب ان لہ یرہ احد ضرور دیکھی ہے۔ وہ پہلے ایک قطرہ مٹی تھا پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ آپ سے منہ سے کھیاں بھی نہ مار سکتا تھا۔ نہ کچھ ہوش و ادراک تھا نہ اس کے پاس کچھ مال و زر تھا نہ کچھ زور و بل تھا پھر جس نے یہ زور و زہوش و ادراک عطا کیا۔ کیا وہ اس کو پھر لے نہیں سکتا؟ ضرور لے سکتا ہے وہاں کچھ مال و زر کام نہیں آتا۔ بڑے بادشاہ بڑے مالدار جب بیماری یا اور کسی آسانی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمام مال و زر دھرا سوکتا ہے پھر اس پر یہ غرور یہ سرکشی۔ اگلی آیات اللہ نجعل لہ عینین میں اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَّلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النُّجْدَيْنِ ۝۱۰ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكَرِهَتْ رَقَبَتُهُ ۝۱۳ اَوْ اطْعُمُوْهُ يَوْمِ ۝۱۴ مَسْغَبَتُهُ ۝۱۵ يَّتَبَيَّنَا ذَا مَقَرِّبَةٍ ۝۱۶ اَوْ مَسْكِيْنَا ذَا مَثْرَبَةٍ ۝۱۷ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۸ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِنَا هُمْ اَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝۲۰ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّوْصَدَةٌ ۝۲۱

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو دونوں رستے بھی سمجھا دیے۔ پھر گھائی میں نہ گھس پڑا اور تو کیا جانے گھائی ہے کیا بردہ آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھانا۔ قرابت واریتم کو یا خاکسار فقیر کو پھر اس گروہ میں سے ہوتا جو ایمان لائے اور وہ صبر اور رحم کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے وہی لوگ مہارک ہیں اور خوش نصیب اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی منحوس (بد بخت) ہیں۔ وہی آگ میں بند کر دیے جائیں گے۔

ترکیب | اللہ نجعل الاستفہام للتقریر الجعل بمعنى الفعل فعینین مفعول لہ متعلق بنجعل ولساناً وشفَتین معطوفان علی العینین النجدین مفعول ثان لہدینا والضمیر المنصوب مفعول اول۔ قال اهل العربیۃ النجد الطريق فی الارتقاء فكانہ لما وضحت الدلائل جعلت کالطریق المرتفعۃ العالیۃ بسبب انها واضحۃ للعقول کوضوح الطريق العالی للابصار قال المرد بھما عند عامۃ المفسرین سیلا الخیر والشر وعن ابن عباس وعمرۃ وسعید بن المسیب والضحاک النجد ان اللہ یان فہدی اللہ سبحانہ فی بدء الولادۃ الطفل اللہ ین فلا اقتحمہ لاحرف التخصیض

کچھ کہنا ہو سمجھ کر کہو۔ نیک بات کہو کس لیے کہ تو دل کی کنجی شار ہوتی ہے۔

ترمذی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا حضرت نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا کہ اپنی زبان بند کر اور گھر میں گوشہ نشین بن کر بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ بزرگوں نے فرمایا کہ زبان سانپ ہے اس کا گھر منہ ہے اس لیے کوئی شاعر کہتا ہے۔

احفظ لسانک ایہا الانسان

لا یلد نعنک ، انه ثعبان

کہ اے انسان اپنی زبان کو حفاظت سے رکھ یہ سانپ ہے کہیں تجھے ڈس نہ لے۔ حفظ لسان اور کم گوئی کے فوائد اور زیادہ گوئی کے نقصان علماء و حکماء نے نظم و نثر میں بہت بیان کئے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں سب سے زیادہ مذکور ہیں۔

فائدہ ۱۔ ان اعضاء کے یہاں ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس وقت اس کی غذا صرف ماں کا دودھ ہی ہوتی ہے۔ اس کے پینے میں یہ اعضاء کام آتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی غذا پر قادر نہ تھا تو اور مال اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے بغیر ہماری مدد کے کیونکر پیدا کر لیا جس کے خرچ کرنے کا فخر کرتا ہے۔

اور ان اعضاء ہی پر بس نہیں بلکہ وہ دینا ہ النجدین ۱۔ اس کو نیکی اور بدی کے دور سے بھی سوچا دیے۔ مضر اور مفید کی پہچان عطا کر دی۔ دنیاوی امور سے لے کر اخروی تک سب کو انسان (بشر طیکہ تھوڑی دیر کے لیے شیطانی عوارض دور ہو جاویں) بخوبی پہچان سکتا ہے۔ خود اس کا دل فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے یا بدی ہے۔ اس جگہ مال خرچ کرنا حق سبحانہ کی خوشنودی کا باعث ہے کہ نہیں پھر کیوں عذر کرتا ہے کہ مجھے نیکی کا رستہ معلوم نہیں۔ بعض علماء نجدین سے مراد دو پستان لیتے ہیں کہ یہ بھی تترہ ہے بیان سابق کا کہ ہم نے دودھ پینے کے آلات عطا کئے اور ماں کی چھاتیاں بنائی ہیں خود بخود ملہم غیبی کے کہنے سے بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف قصد کرتا ہے۔

پھر جب نیکی اور بدی کے دو بلند نشان بتا دیے تو فلا اقتحمہ العقبة ۲ پھر نیکی کی گھائی میں کیوں نہیں گھستا۔ اس سخت اور اونچی چڑھائی پر کیوں نہیں چڑھتا جس پر چڑھنا نفس کے خلاف ہے اور بدی کا رستہ خواہش نفسانی کے موافق ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر چلنا آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس میدان دشوار گزار کو وہی طے کرتے ہیں جو جو انرد ہیں اور جن کی تقدیر میں سعادت ازلی ہے۔

گوئے توفیق و سعادت درمیاں اگلندہ اند

کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

یہ گھائی بڑی دشوار گزار ہے کیونکہ اس میں سے گزرنا نفس کے خلاف ہے۔ اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما العقبة اور اے انسان! تجھے کیا معلوم کہ وہ گھائی ہے کیا؟ پھر آپ ہی بیان فرماتا ہے فک رقبة۔ اب نیکی کے اقسام ارشاد ہوتے ہیں۔ اول فک رقبة ہے یعنی گردن کا چھڑانا۔ یہ لفظ عام ہے اس میں کئی معنی ہیں (۱) غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کر دینا۔ عرب میں غلاموں پر ایام جاہلیت میں بڑی سختی ہوتی تھی۔ ان کو بہائم مرتبہ میں رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم

۱۔ نجد بلند جگہ اس کی جمع نجد آتی ہے اور ملک نجد کو اس لیے نجد کہتے ہیں کہ وہ تمامہ سے بلند سطح زمین پر ہے۔ اس لیے پستان کو نجدین سے تعبیر کرنا بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خبر و شر کے دلائل واضح ہونے کے سبب بھی ان دو بلند رستوں سے تشبیہ دینا ٹھیک ہے جو ہر ایک اہل بصارت کو دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۲۔

۲۔ عقبہ پہاڑ کا رستہ جس کی جمع عقب و عقاب آتی ہے اس سے مراد نیکی کا دشوار گزار رستہ ہے اس دشواری اور بلندی کی وجہ سے راہ ہدایت کو عقبہ سے بطور تمثیل کے بیان کیا ہے یعنی استعارہ ہے اور نجدین ذکر کرنے کے بعد عقبہ کا ذکر ترشح ہے۔ ۱۲۔

میں بھی اصلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی کے پاس رہ جاوے تو اس کے ایسے حقوق قائم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے۔ کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی (۲) جو کوئی قصاص میں گرفتار ہوا اس کا خون بہاوا کر کے اس کو آزادی دلا نا۔ (۳) کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔ (۴) کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار قید میں پکڑ لے، اس کی خلاصی کرنا خواہ بقوت بازو خواہ مال دے کر۔ (۵) اپنے آپ کو حقوق العباد و حقوق اللہ سے ادا کر کے رہائی دلا نا اپنی گردن میں سے یہ پھندا نکالنا ہی حریت کبریٰ اور اصل آزادی ہے جس کے بعد سعادت عظمیٰ ہے ورنہ غلامی کی قید میں پڑا ہوا ہے۔ یہ کام ہیں مال صرف کرنے کے۔

قسم دوم۔ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یہ کھانا کھلانا اور احتیاج کے دن جیسا کہ ایام قحط میں یا کسی سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت بھوکے کو کھانا کھلانا ہزار روپیہ دینے سے بہتر ہے ع

شلغم پختہ یہ کہ فقرہ خام

اس میں کوئی ہو مگر یتیم یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے۔ کس لیے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ نہ اس کی صغریٰ کی وجہ سے اس سے کوئی توقع ہے نہ اس کی مدح سے دل خوش ہوتا ہے اور یتیموں میں بھی ذامقرۃ اہل قرابت ہو جیسا کہ چچا کا بیٹا یا بھتیجا یا بھانجا یا خالہ زاد یا ماموں زاد بھائی ہو کیونکہ ان پر رحم کھانے اور کھانا کھلانے میں صلہ رحمی بھی ہے۔ کسی نے آنحضرت ﷺ سے اسلام کے عہدہ کام دریافت کئے تو فرمایا کھانا کھلانا۔ سلام کرنا، خواہ کسی کو جانے یا نہ جانے اور رات میں جبکہ لوگ پڑے سوتے ہوں نماز پڑھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید عہدہ موقع بتلانے کے لیے ہے اور کسی کو او مسکینا ذامترۃ یا فقیر حاجت مند کو کہ فقر و فاقہ نے اس کو خاک پر بٹھا دیا ہو کیونکہ جب یہ حالت پہنچ جاتی ہے تو اس سے کوئی دنیاوی توقع باقی نہیں رہتی۔ اس وقت جو کچھ کھلایا پلایا جاوے گا خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہوگا۔ یوں تو وہ بھی مسکین ہے کہ جس کا خرچ اس کی آمد سے بڑھا ہوا ہے یا بالفعل اس کے پاس کچھ نہیں لیکن امید ہے اس کا کھانا بھی بہتر ہے مگر پہلا موقع اس سے بھی بہتر ہے۔ یہ ہے مال صرف کرنے کا عہدہ موقع نہ وہ کہ جس کو وہ دولت مند سمجھ رہا تھا۔ نام آوری تن پروری میں صرف کرنا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ صرف مالی عبادت کے بعض عہدہ مواقع بتلائے گئے جن میں کسی مذہب و ملت کو بھی اختلاف نہیں مگر یہ اعمال جب ہی مقبول ہوتے ہیں کہ جب ایمان بھی ہو۔ کس لیے کہ قوت عملیہ کی تکمیل قوت نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے۔ اس لیے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا۔ ثم کان من الذین امنوا یعنی با ایں ہمہ پھر وہ ایمانداروں میں سے بھی ہو کیونکہ بغیر ایمان کے کوئی نیکی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ ایمان جڑ ہے۔ ایمان ہی بنیاد ہے۔ اعمال صالحہ اس پر عمارت ہے کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں رہ سکتی۔

فائدہ۔ لفظ ثم اس مقام پر تراخی ذکر کے لیے ہے یعنی ان سب باتوں کے ذکر کرنے کے بعد میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایماندار بھی ہونا چاہیے۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ثم اس جگہ تاخیر وقوع کے لیے ہے یعنی اعمال خیر کفار کے توقف میں رہتے ہیں۔ اگر اخیر میں ایمان لے آتا تو یہ اعمال قبول ہو جاتے ہیں ورنہ مردود چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت سے سوال کیا کہ میں نے حالت کفر میں بھی بہت کچھ نیک کام کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے ایمان نے ان سب کو نیک اور مقبول کر دیا۔

الحاصل عقبہ سعادت کی گھاٹی میں سے گزرتا نہ صرف بردہ آزاد کرنا یتیموں و مسکینوں کو مصیبت کے دن کھانا کھلانا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان لوگوں کے زمرے میں بھی داخل ہونا ہے جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کی اور لوگوں کو بھی تاکید کی خصوصاً دنیا سے چلتے وقت۔

تو اوصو ابالصبر صبر کرنے کی وصیت اور تاکید کر چلے اور صبر ہی پر موقوف نہیں بلکہ تو اوصو ابالصبر حمتا یک دوسرے سے باہم مہربانی اور رحمہ کی کرنے کی بھی تاکید کر چلے۔

صبر نفس کو بے جا خواہشوں سے روکنا۔ راہ راست پر ثابت قدم رہنا۔ صبر کے محامد قرآن مجید میں بکثرت وارد ہیں۔ ازا نجلہ یہ ہے فاصبر کما صبر اولی العزم من الرسل ازا نجلہ یہ ہے یا ایہا الدین امنوا استعینوا بالصبر والصلوة ازا نجلہ یہ ہے ان اللہ مع الصابرین ازا نجلہ یہ ہے انما یوفی الصابرون اجرهم بغير حساب یہ ہے وجعلنا منہ ائمة یتھدون بامرنا لما صبروا وغیر ہا من الآیات۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی اس کے بہت کچھ محامد مذکور ہیں۔

صبر کے اقسام ۱۔ واضح ہو انسان کے اندر تین قوتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تیز ہو جاتی ہیں تو اس کو راہ راست سے ادھر ادھر گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ ان سے نفس کو روکنا صبر ہے۔

اول قوت شہوانیہ: کھانے پینے جماع کے متعلق۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی ایک قسم کا صبر ہے جس کو عفت اور اس کے خلاف کو فحور کہتے ہیں۔ پس جو چیزیں نہ کھانی پینی چاہئیں انہیں نہ کھائے پئے۔ جیسا کہ شراب و سوز رشوت اور جملہ ناجائز کمائی کا مال یا بیگانہ حق یا یتیم کا مال اور جن جگہوں پر اس کو ازار کھولنا نہ چاہیے وہاں نہ کھولے جس سے زنا اور غلام اور ہر قسم کی بدکاری ممنوع ہو گئی بلکہ جوان چیزوں کی طرف رغبت دلانے والی چیزیں ہیں جیسا کہ تاج اور نامحرم کے ساتھ اختلاط اور فواحش قے اور ناہنجاروں کی صحبت۔ ان سے بھی دور اور نفور رہے۔

دوسری قوت غصبیہ ہے جس سے ظلم و ستم برپا ہوتے ہیں۔ اس کی لگام بھی بڑے زور سے روکنی چاہیے۔ دوسری قسم کا صبر ہے۔ غصہ کا تھامنا اور انتقام سے درگزر کرنا بھی بڑے جوانمردوں کا کام ہے۔ کسی نے گالی دی یا برا کہا اس کو سن کر جو نفس کو ہیجان ہوتا ہے اس کا تھامنا یہی صبر ہے۔ اسی بارہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولعن صبر و غفرا لہ اور اس کو حکم کہتے ہیں۔ عالی حوصلہ انتقام لینے سے درگزر کرنے میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔

تیسری قسم قوت طمعیہ ہے وہ بھی بہت دور دراز کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی صبر ہے۔ نیک کام میں خرچ نہ کرنا اس قوت کی بے صبری ہے جس کو بخل کہتے ہیں اور نیک راہ میں صرف کرنا سخاوت اور جو د ہے اور اسی طرح یہ قوت خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کی طرف ابھارا کرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں نفس کو روکنا امانت و صیانت ہے اور کبھی تجملات دنیا کے حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہے جس کو حرص کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں نفس سرکش کی مہارت تھامنا زہد و قناعت کہلاتا ہے جو ایک قسم کا صبر ہے۔

اس کے سوا مصائب اور تکالیف کی برداشت کرنا اور جزع و فزع نہ کرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چوتھی قسم کا صبر ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں دور دراز کا سفر اختیار کرنا اور سفر اور دھوپ اور بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھانا یا اعداء دین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ان سے خوف نہ کرنا۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ نفس خبیث کو ریاضات شاقہ و عبادات پر لانا اور اس کی خواہشوں سے روکنا بھی صبر ہے۔ روزہ میں بھوک پیاس کی برداشت کرنا نیند کا غلبہ ہے مگر نماز کی طرف آنا انہاں نے اور وضو کرنے سے دل ڈرتا ہے مگر اس کے مقابلے میں نہانا وضو کرنا صبر ہے۔ چھٹی قسم کا صبر رضا بقضا ہے۔

رحمت کے فضائل! اسی طرح مرحمت بھی صمد با خصل حمیدہ کا رکن اعظم ہے۔ یتیموں پر شفقت، چھوٹوں پر مہربانی، بیسکوں پیادوں بے زبانوں کی چارہ سازی، قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، بیماروں کی دوا کرنا، تنگوں کو کپڑا پہنانا، بھولوں کو رستہ بتانا، در ماندوں کی ان کے کاموں میں مدد کر دینا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے الرحمون یرحمہم الرحمن یرحموا من

فی الارض یرحمکم من فی السماء (رواہ ابو داؤد و الترمذی) کہ رحم کرنے والوں پر رحم رحمت کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسان والے رحم کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم میں سے جب تک کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اپنے بھائی کے لیے نہ چاہے (متفق علیہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم اور بڑے کی توقیر نہ کرے (رواہ الترمذی) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمانداروں کو تو باہمی رحم دلی اور محبت و نرمی میں ایسا پاؤے گا کہ جیسا ایک جسم جس کا ایک عضو بیمار ہو جاوے تو دوسرے اعضاء میں بھی درد و بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند کہ در آفرینش زیک جو ہر اند جو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نمائد قرار تمام نیکیوں کی یہی دو چیز اصل ہیں۔ تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم شفقت بر خلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

جو لوگ ان اوصاف حمیدہ سے موصوف ہیں۔ اولئک اصحاب المیمنة وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں۔ ان کی تاکید صبر و تاکید مرحمت کا نفع ان کی حیات میں اور ان کے بعد ان کو بھی اور بندگان خدا کو بھی پہنچتا رہے گا اور پہنچتا ہے۔ بعض علماء مینہ کو یمنین یعنی جانب راست سے لیتے ہیں یعنی وہ دائیں والے ہیں۔ تحت رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے اور یہ جگہ اہل سعادت کی ہے اور عرب دائیں جانب کو تبرک اور بائیں کو زبوں سمجھا کرتے ہیں۔

ان اہل کمال کے بعد ازلی بد بختوں کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا بایماننا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہماری آیات میں مکارم اخلاق اور حسنات کی تاکید اور قبح کی مذمت ہے۔ پھر وہ ان پر عمل سے بھی محروم رہے۔ اخلاق ذمیرہ اور طرح طرح کی سینات کے امراض رونی میں مبتلا رہے۔ اصحاب المشئمۃ وہی شامت اور بد بختی والے ہیں۔ ان کے بد اخلاق کی نحوست نے ان کو ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اگر مشئمۃ کو بمعنی چپ یعنی بائیں کے لیے جاویں تو بھی ممکن ہے کیونکہ بائیں جانب والے بد بخت اور مشہور اور نامبارک لوگ ہیں۔ ان کے یہ اخلاق ذمیرہ اور ناپاک عقائد اور یہ کفر و بت پرستی جو یہاں ان پر محیط ہے وہاں آگ بن جائے گی۔ علیہم ناز موصدۃ اور سرپوش بنا کر ڈھانک دی جائے گی جس طرح دنیا میں ان آتشیں ملکات و افعال و عقائد سے نہ نکلتے تھے وہاں بھی کبھی نہ نکلیں گے۔

اعوذ باللہ من النار

(سورہ شمس کی یہ ہے اس میں پندرہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا تَدَلَّهَا ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ۝ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ

مَنْ دَسَّهَا ۱۵

قسم ہے آفتاب اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جبکہ اس کے پیچھے چلے اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپالے اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے والے کی اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا کہ جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا اور بے شک وہ غارت ہوا کہ جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔

ترکیب | والشمس الواو القسم جارة وضجها وما بعد ها عطف علی الشمس اذا تلاها وكذا اذا يغشها الظرف معمول۔ القسم ای اقسام اذا اتلها و قسم اذا يغشها۔ والضمیر فی تلاها راجع الی الشمس ومعناه اذا اتبعها وذلك بان یطلع القمر بعد غروب الشمس یتقال تلا یتلوا اذا اتبع وذلك فی النصف الاول من الشهر اذا غربت الشمس تلاها القمر فی الاضاءة وكذا الضمیر فی اذاجلاها ويغشها راجع الی الشمس لان الشمس عند انبساط النهار تتخلی تمام الانباء وكذا عند غی اللیل تنشی الشمس ویزهب ضوءها فالاسناد فی جلا وغشی مجازی وما بنائها ما مصدریة ای اقسام السماء وبنائها اذا بناء السماء بالرفعة والاستدارة امر عجیب وقیل موصولہ بمعنی من اتمم بالسماء ومن بناها واثار ما علی من الارادة الوصفیة لقصد التحم والاول قول الفراء والزجاج والثانی قول ابی البقاء قس علیه قوله تعالی وما طحاها والطو البسط من کل جانب کما فی قوله دحاها ومعناها واحد وقیل معنی طحاها قسما وخلقها وقال ابو عمر وابن العلاء طحا الرجل اذا ذهب فی الارض یتقال ما درى این طحا ویتقال طحا به قلبه اذا ذهب به ومنه قول الشاعر

طحا بک قلب فی الحسان طروب بعید الشباب عصر حال مشیب

وكذا قوله تعالی وما سواها فانضمها عطف علی سواها وجواب القسم عند الجمھو قوله تعالی قد افلح الخ قال النخاعة ان الماضی المثبت المحصر الذى لم یتقدم معموله اذا وقع جواباً للقسم تلزمه اللام وقد ولا يجوز الاتصاف علی احداها الا عند الضرورة او طول الكلام وههنا طول الكلام حذف اللام۔ ودساها اصل دسسا فابدلت السين الایرة الفاء معنی التدیسس الاخفاء۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ اس کی پندرہ آیات ہیں۔ احمد وترمذی و نسائی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز میں والشمس وضحاها اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی کریم رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ نماز صبح میں واللیل اذ انشی والشمس وضحاها پڑھا کریں عقبہ بن عامر سے یہی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ ہم صلوٰۃ صغریٰ یعنی چاشت کی نماز کی دو رکعتوں میں والشمس وضحاها اور والضحیٰ پڑھا کریں اور حدیث جابر میں یہی ہے کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ کیوں سج اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاها واللیل اذا انشی نہیں پڑھا کرتا۔

مناسبت اس کی سورہ بلد سے یہ ہے کہ سورہ بلد میں خیر وشر کی رہنمائی کا ذکر تھا۔ قال وھدیٰنا النجدین اسی طرح اس سورہ میں بھی اشارہ ہوا فالھما فجورھا وتقوھا کہ ہر ایک کو ہم نے نیکو کاری و بدکاری سمجھا دی اور سب سے بڑھ کر مناسبت یہ ہے کہ خیر کی رہنمائی میں آفتاب نبوت کی روشنی درکار ہے جس کے سبب نیک و بد میں تمیز کر سکے اس لیے سورہ بلد کے بعد سورہ والشمس نازل ہوئی تاکہ معلوم رہے کہ شمس یعنی آفتاب بغیر جس طرح حیات دنیاوی میں چارہ نہیں اسی طرح آفتاب نبوت بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور اسی لیے اس سورہ کا نام سورہ شمس ہوا اور انسان کو جو کچھ آفتاب اور ماہتاب اور دن اور رات اور آسمان و زمین کے ساتھ حیات دنیاوی میں احتیاج ہے۔ اسی طرح اس کو جبکہ وہ دنیا کے کھیت میں آخرت کے لیے کچھ بونا چاہے آفتاب نبوت اور اس کے متعلقات کی طرف بھی حاجت ہے۔ اس لیے اس کا بیان کرنا بھی آفتاب کے ساتھ مناسب ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ دنیا میں کاشتکار کو ان چھ چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اکثر انہیں پر انسانی قوت کا

مدار ہوتا ہے۔ (۱) آفتاب کہ جس کی گرمی سے دانہ زمین میں پڑنے کے بعد پھوٹ کر باہر نکلتا ہے اور اس کی حرارت سے نشوونما پاتا ہے اور اسی سے پھل اور پھول آتے ہیں اسی کی گردش سے موسم بدلے جاتے ہیں۔ (۲) چاند جس کی رطوبت سے پھل پھولوں میں رس پڑتا ہے دریا میں مد و جزر پیدا ہوتا ہے اور اندھیرے میں وہ آفتاب کا غلیفہ بھی ہے۔ (۳) دن کہ جس میں کام کاج کئے جاتے ہیں۔ (۴) رات کہ جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کی گرمی سے ٹھنڈک پاتے ہیں اور رات کی شبیہ دن کی حرارت کا تذکرہ کرتی ہے۔ (۵) آسمان کہ نزول بارش وہیں سے ہے اور اسی میں آفتاب و ماہتاب ہیں۔ (۶) زمین کہ جس میں تخم ریزی ہوتی ہے بشرطیکہ قابل بھی ہو۔ اسی طرح انسان کو جو اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے ان چھ چیزوں کی ضرورت ہے: (۱) آفتاب نبوت کی اسی کی روشنی اور اسی کی گرمی سے سب کام بنتے ہیں۔ (۲) چاند یعنی آفتاب نبوت کے بعد اس کے جانشین اور نائب ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پرتو ہے اسی طرح حضرات اولیاء و نائبان رسول اللہ ﷺ کی روشنی بھی انہیں کا پرتو ہے۔ (۳) روز یعنی وہ عمر گرگرا نہیہ کا حصہ کہ جس میں کچھ کام کر سکے۔ (۴) رات یعنی اس کے دنیاوی کاروبار اور راحت کا وقت چونکہ اس میں اللہ سے غفلت ہے اس لیے اس کو رات سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر نفس انسانی کو یہ قوت نہ ملے تو انوارِ دائمیہ اس کو مست و معطل کر دیں اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا تم وصل کہ سو بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھو اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ ان لنفسك عليك حق الخ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔ (۵) آسمان شریعت جو اس کو جمع اطراف سے محیط ہے اس کے عقائد و اعمال و احوال وہیں سے بارش کی طرح برستے ہیں وہیں سے شوق کی ہوائیں چلا کرتی ہیں جو کوئی شریعت سے باہر ہو کر یہ کھیتی کرنا چاہے گویا آسمان سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے جو محال اور خیال باطل ہے۔ (۶) زمین وہ اس کی استعداد کی زمین ہے کہ جس قدر اس کی فراخی و صفائی ہے اسی قدر احوال و مقامات کا نشوونما ہوتا ہے۔

لیکن ان چھ چیزوں میں سب سے عمدہ آفتاب ہے۔ جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ اس لیے اس سے ابتداء کی اور اس لیے سورہ کا نام شمس ہوا یا یوں کہو کہ یہ چھ چیزیں انقلاب دنیا کے لیے اصل الاصول ہیں اور یہ انقلاب انسان کو بتا رہا ہے کہ اس کو بھی جانا ہے اور نیز انسانی حالات کا بھی نمونہ ہیں۔ آفتاب نور نبوت اور اس کی روحانی روشنی پر دلالت کرتا ہے اور قرآن کے دوسرے حال پر جو پہلے سے کمتر ہو اور دن اس کے علم معرفت اور روشنی پر کہ جس میں سیاہ و سفید کا امتیاز ہوتا ہے اور رات اس کی بھیمیت اور قوائے شہوانیہ پر اور آسمان اس کی بلندی پر جو قوت روحانیہ کے آفتاب جھپکنے سے حاصل ہوتی ہے اور زمین اس کی پستی پر جو قوائے بھیمیہ کی رات اور اندھیرا چھا جانے سے پیدا ہوتی ہے اور ان چھ چیزوں میں ان چھ چیزوں کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب اور اس کی روشنی اور پھر دن کسی کے روکے سے نہیں رکتے اسی طرح نور نبوت اور دین کی روشنی جو دن سے عبارت ہے وہ بھی کسی کے روکے سے نہیں رکے گی۔ پھر اے قریش! تمہارا ہمارے نبی کے مقابلہ میں یہ جدوجہد محض بے فائدہ ہے اور رات اور اس میں آفتاب کا پوشیدہ ہونا ضلالت ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد طلوع آفتاب مقصضائے حکمت ہے اور اگر اس آفتاب نے غروب بھی کیا تو مدتوں چاند کی روشنی رہے گی جس سے نائبان نبوت کے پرتوے مراد ہیں اور آسمان وزمین ہر ایک کی تقدیری پستی و بلندی ہے۔ اس لیے ان چھ چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہیں انسان کی جان اور اس کے ٹھیک کرنے کی یعنی قوائے باطنیہ و ظاہریہ عطا کرنے کی اور پھر اس سے نیک و بد کی سوچہ بوجھ عطا کرنے کی قسم کھا کر انجام کار بتلایا ہے کہ جس نے اپنی اس روح کو آلائش سے پاک و صاف کر لیا اس نے فلاح پائی۔ آسمان رفعت پر پہنچا اور جس نے اس کو آلودہ کر لیا وہ ضلالت اس پر طاری ہو گئی وہ جہنم کی پستی کی طرف گیا خراب ہو گیا۔

اور اس کے بعد چند لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو آلائش دنیا میں آلودہ کیا تھا کہ وہ پستی کی طرف ڈالے گئے۔ دنیا میں بھی ہلاک ہوئے آخرت کا وبال بھی سر پر لے گئے۔ اس مضمون کو اس سورہ میں کس دکش انداز سے بیان فرماتا ہے۔ فقال

والشمس کہ قسم ہے آفتاب کی جس کا نمونہ نور نبوت ہے وضاحت اور قسم ہے آفتاب کی روشنی کی جس کا نمونہ نور نبوت کا جہاں میں پھیلتا ہے جیسا کہ کتاب - یسعیاہ علیہ السلام کے ساٹھویں باب میں بشارت ہے۔

اٹھ روٹن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر
لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور تو میں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔
 (انجیل) شمس آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی روشنی جو دنیا میں پھیلے وہ مخی یا ضو ہے والقمر۔ اور قسم ہے چاند کی اور وہ آنحضرت ﷺ کا جانشین ہے یکے بعد دیگرہ و نیز اولیاء کرام اذا تلاھا جبکہ آفتاب کے بعد آوے یا پیروی کرے۔ آفتاب سے ماہتاب کو چند باتوں میں پیروی اور اتباع ہے۔ اول استفادہ نور میں۔ دوم غروب میں کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی ماہتاب نمودار ہوتا ہے۔ یہ اول چاند رات سے لے کر پندرہویں یا چودھویں تاریخ تک ہوتا ہے۔ سوم جسم میں باعتبار حسن ظاہر کے۔ کس لیے کہ اور ستارے جو جسامت میں ماہتاب سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں اور بعد مسافت کی وجہ سے چھوٹے نظر آتے ہوں مگر حسن ظاہر میں آفتاب کے برابر بجز ماہتاب کے اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ چہارم تاثیرات اور حساب سال و ماہ میں ہے جہاں اور ستاروں کو دخل نہیں۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ آفتاب کے اتباع کرنے میں ہی ماہتاب کا کمال ہے جس سے اشارہ ہے کہ نابینا بن خیر الانام علیہ التحسینہ والسلام کا کمال اور منصب خلافت و امامت آنحضرت ﷺ کی پیروی میں ہے۔ والنہار اذا جلاھا اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو روشن کرے جس سے دین محمدی علیہ السلام کے شیوع و ظہور کی طرف اشارہ ہے اور نیز سالک و مرشد کی اس حالت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ریاضات و مراقبات کے بعد پیدا ہوتی ہے اور نورانیت محمدیہ ان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے جس میں ایماء ہے کہ خالی ریاضات و مجاہدات بغیر اس کے کہ نور محمدی کو نہ ان میں چکا یا جاوے کچھ بھی قابل عزت و حرمت نہیں ورنہ یوں تو بہتیرے جوگی سنا سی عمر بھر فضول ریاضات کیا کرتے ہیں۔

ہر چند آفتاب دن کو روشن کرتا ہے نہ دن آفتاب کو مگر آفتاب جب دن دوپہر آتا ہے تو زیادہ روشن و تاباں معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف وقت طلوع و غروب کے یہ طرف ہے اور طرف کی طرف اس فعل کو نسبت کرنا مجاز ہے جو محاورہ میں کثیر الاستعمال ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ضمیر اذا جلاھا آفاق یا ارض کی طرف راجع ہے۔ گو مذکور نہ ہو مگر مراد ہے والیل اذا یغشاھا اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپالے۔ رات میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس لیے رات کی طرف مجازاً اسناد کیا گیا۔ اس رات اور اس کے آفتاب کے چھپا لینے سے اشارہ ہے۔ انسانی راحت اور اس کے حقوق زن و فرزند اعزہ و احباء کے ادا کرنے پر متوجہ ہونے کی طرف یعنی توجہ الی الخلق کی طرف یہ بھی ایک متبرک چیز ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہت سے حقوق اور معاملات دنیا و دہم برہم ہو جاویں اور یہ منشاء بعثت انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہے اور اسی لیے یہ کیفیت توجہ الی اللہ کی ہر وقت نہیں ہوتی مگر اس غفلت کو صحابہ اپنی اولوالعزمی اور شوق الی اللہ سے نفاق سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے جس کا نام حظلہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس بات کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور کہا میں تو منافق ہو گیا وہ بات جو حضرت ﷺ کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے۔ بال بچوں میں جا کر نہیں رہتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے حظلہ! یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہا کرتی۔ اگر ایسا ہو تو بشریت سے نکل کر فرشتوں سے مل جاؤ (مشکوٰۃ) اور نیز اس رات سے عارف و سالک کے قبض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آفتاب معرفت بالکل چھپ جاتا ہے جس سے پھر انکشاف تام ہوتا ہے جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے اور محبت میں یہی مزے ہیں بجر نہ ہو تو وصال کا مزہ نہ آوے اور نیز اسلامی تنزل کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی مگر وہ تنزل بار دیگر ترقی کا سبب ہے کیونکہ اس رات کے بعد پھر دن ہونے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک محترم چیز ہے۔

والسماء ما بناھا اور قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ آسمان تو عجیب و غریب چیز ہے مگر اس کی بناوٹ بھی عجیب ہے۔ قدرت کاملہ کا نمونہ ہے۔ بعض علماء نے ماکو مصدر یہ نہیں بلکہ من کے معنی میں پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی اس بنانے والے کے قربان جائیے جس کے مبارک ہاتھوں نے یہ رفیع عمارت بنائی۔ آسمان کو شریعت سے تشبیہ ہے کہ جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال و احوال و مقامات و عقائد کو محیط ہے اور جس طرح آسمان میں بروج اور ستارے ہیں۔ اسی طرح شریعت میں ابواب و اقسام ہیں اور یہی مناسبات ہیں۔ والارض اور قسم ہے زمین کی و ما طحاھا اور اس کی فراخی و کشائش کی یعنی کیا ہی اس میں وسعت رکھی ہے۔ یہاں بھی بعض علماء نے ماکو بمعنی میں پڑھا ہے اور یہ استعداد نفس انسانی کی مثال ہے جس کی وسعت و فراخی کے بموجب اس میں تخم معرفت بویا جاتا ہے۔ اب خود نفس انسانی کی عالم میں کوئی نظیر باقی نہ تھی کیونکہ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اس لیے خاص اسی کی قسم کھاتا ہے۔ فقال و نفس و ما ساواھا کہ قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی آراستگی کی یا اس کی کہ جس نے اس کو آراستہ کیا۔ انسان کے جسم کو دیکھو تو اس میں کیا کیا کارگیریاں کی ہیں جس کی پوری شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سوائے اور اس کے قوائے باطنیہ و ادراکات و علوم کو غور کیا جاوے تو اس کی آراستگی حیرت خیز ہے اور وہ پہلی چھ چیزیں کہ جن کی قسم کھائی گئی اس نفس انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہیں اور وہ سب مل کر ایک عالم ہیں تو نفس انسانی تنہا ایک دوسرا عالم ہے جس میں اول عالم کی سب باتیں موجود ہیں۔ بایں طور کہ اس کا آفتاب نور روحانی ہے اور ماہتاب دل کی روشنی ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے اور دن اس کے کمالات کا ظہور اور اس کی حیات کے ثمرات کا بروز ہے اور اس کی رات اور اس کی روح اور قلب کی تاریکی ہے یا اس کی قوائے بھیمہ ملکیہ پر غلبہ ہے اور چونکہ قلب جو محل معرفت اور عرش رحمانی ہے وہ نور روح و ظلمت نفس کے ملنے بغیر نہیں ہوتا گویا کہ وہ ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی ظلمت نہ ہو تو قلب پر معانی ظاہر نہ ہوں کیونکہ روح میں کمال صفائی و نورانیت ہے۔ اس لیے یہ رات بھی ایک عمدہ چیز ہے اور اس کا آسمان روح حیوانیہ ہے اور زمین اس کا بدن ہے کہ جس کے خالق نے اس کو فراخ و وسیع کیا ہے اس طور پر کہ روح حیوانیہ ہر جگہ اثر کر رہی ہے اور یہاں تک نفس انسانی کی درستگی کی کہ فالہما فجورھا و تقوھا کہ اس کی بدی اور نیکی کی پہچان اس کو عطا کر دی اور نفوس حیوانیہ کی طرح نامکمل نہیں رکھا کہ اپنی شقاوت و سعادت اخرویہ کو نہ جانتا ہو صرف معاش ہی کے رستے جانتا ہو۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ سے جبر لازم نہیں آتا کس لیے کہ یہ جب لازم آتا کہ اس میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہوتا پھر جبکہ جو کچھ کراتے ہیں بندہ ہی کے اختیار و ارادہ سے کراتے ہیں تب کسی طرح جبر لازم نہیں آتا۔ تحقیق المقام ! الہام در دل افگندن و انچه در دل افگند خدائے تعالیٰ یقال الہمہ اللہ واستلھمت اللہ (صریح) یہ الہام ہے جس کے معنی القاء کے ہیں۔ اس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ ہر ایک کے دل پر اس طرف کا تار برقی لگا ہوا ہے۔ ادھر سے نیک و بد بات دل میں پڑتی ہے۔ یہ اہل سنت و الجماعت کے عقائد کے موافق ہے اور اس میں کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کس لیے کہ القا ہونے کے بعد کرنا نہ کرنا اس کے اختیار و ارادہ کے ساتھ ہے اور اسی پر عذاب و ثواب کا دار و مدار ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو خدائے پاک نے عقل و ادراک سمجھ بوجھ عطا کی ہے جس سے وہ نیک و بد جانتا ہے۔ یہ ہیں فجور اور تقویٰ کے الہام کے معنی اور مجاہد اور فرعاءسی کے قائل ہیں اور مذہب معتزلہ بھی یہی ہے۔

اس الہام عام کے بعد ایک اور مرتبہ خاص الہام کا ہے جو حضرات اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے اس میں اور کو شرکت نہیں۔ واضح ہو کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفات غائب پر مشاہد سے استدلال کرتا ہے اور مشاہد بجز عالم جسمانی کے اور نہیں اور عالم جسمانی کی دو قسم ہیں۔ بسیط اور مرکب۔ پھر بسیط کی دو قسم ہیں۔ علوی جس کی طرف والسماء و ما بناھا میں اشارہ ہے۔ دوم سفلی جس

کی طرف والارض و ماطحہا میں اشارہ۔ ہم اور نیز و الشمس والقمر بھی علویات میں داخل ہیں اور رات دن ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب رہے تھے مرکبات سوان میں سب سے افضل انسان ہے جس کی طرف ونفس و ماسواہا میں اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدائے پاک مدبر اجسام ہے خواہ علویہ ہوں خواہ سفلیہ خواہ مرکبہ خواہ بسیط پس عالم محسوسات میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس کے پیدا کرنے اور ایسا دکر کرنے سے نہ ہوئی ہو مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حیوان و انسان کے افعال اس کی ایجاد و تخلیق میں داخل نہیں۔ اس کا دفع اس قول میں کر دیا۔ فالہمہا فجورہا و تقوہا کہ یہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اسی کی قضاء و قدر سے سرزد ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ جو کچھ ہے سب اسی کی قضاء و قدر سے پیدا ہوا ہے۔ اسی کے احاطہ قدرت و تصرف میں ہے۔ پس الہام فجور و خذلان ہے اور الہام تقویٰ توفیق ہے اور وہ حدیث جس کو امام احمد و مسلم و ابن جریر وغیرہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مؤید ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پہلے ان کے حق میں مقدر ہو چکا تھا یا ایک آئندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے، اس کے موافق کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا پھر اب لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے ان دونوں مرتبوں (خیر و شر) میں سے جس کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس کے موافق عمل کرنا آسان کر دیتا ہے اور تعذیب اس کی کتاب اللہ میں ہے۔ فالہمہا فجورہا و تقوہا۔

مگر اس کے ساتھ بھی انسان کو اختیار باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مذکور سے پایا جاتا ہے اور اسی لیے اس کے بعد جواب قسم میں اس بات کو واضح کر دیا۔ قد افلح من ذکاھا وقد خاب من دساھا کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا گناہوں اور غفلت کے میل کیجیل سے لے۔ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا عقائد فاسدہ کو دل میں جگہ دیتا ہے یا جب لذات و شہوات میں خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے نفس یعنی روح پر ایک میل یا دھبہ لگ جاتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی دھبہ جس مرتبہ کا ہے اسی کے موافق ایک خاص صورت میں باعث عذاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا و قد خاب من دساھا کہ خراب ہوا جس نے روح کو آلودہ کر لیا۔ اس نورانی جوہر کو گندی چیزوں میں چھپا دیا۔ تزکیہ و تطہیر نفوس کے لیے صرف یہی ایک جملہ قد افلح الخ کافی ہے جس کو چند مہم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ اور عالم حسی کی بنیاد ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوِيهَا ۖ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۖ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۖ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَحَسَّوْهَا ۖ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۖ

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جبکہ ان میں سے سب سے بڑا بد بخت اٹھا پھر ان سے اللہ کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اذنی اور اس کے پانی سے تعرض نہ کرنا۔ سوانہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اذنی کی کوئی نہیں کاٹ ڈالیں پھر تو ان کے رب نے بھی ان کے گناہ سے انہیں مار کر پھرا دی اور اس نے اس کے انجام کی پرواہی نہ کی۔

ترکیب | بطغوها الباء للسببية الطغوى فعلی من الطغیان والواو مبدلۃ من یاء مثل التقوی ومن قال طغوت کانت الواو اصلا۔ ثمود قائل

معلوم ہوا کہ تزکیہ نفس اور اس کی آلودگی کا انسان کو اختیار دیا ہے جو ان افعال کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

کذبت والجار فی بطغوها۔ متعلق بکذب بت اذا ظرف لکذب بت او للطغوی انبعث مطاوع بعث یتقال بعثت فلانا علی الامر فانبعث له ومعناه انتدب لذلك وقام به ناقۃ اللہ منصوب بفعل محذوف ای ذروا ناقۃ اللہ اوحذروا وسقیاها معطوف علیہ والاضافۃ فی ناقۃ اللہ للتشریف کبیت اللہ قدمہ فی الصحاح ودمت الشیء اذا اترقبت بالتراب والدمۃ تضعیف العذاب یتقال دامت علی الشیء ای اطبقت علیہ دمد علیہ القبر ای اطبقہ فسوہذا الضمیر یعود الی الدمۃ ای فسوی الدمۃ علیہم وعلیہم بها فاشتملت علی صغیرہم وکبیرہم وقیل یعود الی الارض الی فسوی الارض علیہم فجعلہم تحت التراب وقیل یعود الی الدمۃ ای ثمود۔ ولا یخاف الخ الجملۃ حال ای فعل ذلک وهو لا یخاف والضمیر فی عقبتہا یعود الی الفعلۃ او الی الدمۃ۔ والضمیر فی لا یخاف یرجع الی اللہ سبحانہ وقیل الی صالح علیہ السلام ای لا یخاف الرسول وهو صالح علیہ السلام عقبی هذا لعذاب کاند وعد نصرته وقیل یرجع الی الاشیء ای ذلک الاشیء الذی عقر الناقۃ لا یخاف عقبی هذه الفعلۃ۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا قد افلح من ذکاها وقد خاب من دساها۔ جس سے تزکیہ فلاح کا سبب اور تلویت خسارہ کا سبب سمجھا گیا۔ تلویت میں قوائے بہیمیہ عقل و شرع پر غالب آجاتی ہیں اور تزکیہ میں ان پر عقل و شرع غالب رہتی ہے۔ اب تلویت کے مضمون پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ قوائے بہیمیہ کے غلبہ دینے سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں اور قوت دراکہ بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ حق باتوں کا انکار کر دینا اور انکار پر اصرار کرنا اور ناح مشفق کا مقابلہ کرنا ان کے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہو جاتی ہے۔ اس لیے اب اس واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ فقال کذبت ثمود قوم ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بطغوها پنی سرکشی سے جھٹلا دیا تھا یعنی قوائے بہیمیہ کے جوش و غلبہ کے سبب جس کے وہ عادی ہو رہے تھے اور یہ ہوتا ہے کہ جس قوت کو ترقی دی جاتی ہے اس کے بعد ایک ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے جس سے اس کے موافق بے تکلف سرزد ہونے لگتے ہیں۔ عبادات و ریاضات والے سے عبادت و ریاضات بدکار شہوت پرست غدار سے ویلے کام۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک طغویٰ بفتح الطاء مصدر ہے بمعنی الطغیان فراء کہتے ہیں۔ طغویٰ و طغیان دونوں مصدر ہیں مگر اس جگہ اخیر آیات کے لحاظ سے طغویٰ کا استعمال ہوا۔ بعض کہتے ہیں واو کو اسم و صفت میں فرق کرنے کے لیے یاء سے بدل لیا کرتے ہیں جیسا کہ تقویٰ و سروری اور جس نے طغویٰ کو ضم الطاء پڑھا ہے اس کے نزدیک یہی مصدر ہے جیسا کہ رھئی اور حسنی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طغویٰ سے مراد اس قوم کا وہ عذاب ہے کہ جس سے وہ ہلاک ہوئے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اس کی خبر دی تھی۔ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تھا اور چونکہ طغویٰ کے لغوی معنی حد سے گزرنے کے ہیں اور وہ عذاب جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ بھی حد سے گزر گیا تھا۔ اس لیے اس پر طغویٰ کا اطلاق ہوتا بہت ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہوتا تھا۔ قوم عاد جو عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں تھی اس کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد شمالی عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی۔ یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی۔ ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا۔ اس کا نام وادی القرئی تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مؤرخین نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے۔ اس قوم میں مال و دولت بہت تھا۔ بڑے بڑے عاقلان مکان بنائے تھے اور سنگتراشی کا ہنر خوب جانتے تھے۔ اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب و غریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باولیاں بھی کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن اور سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا تھا۔ الغرض قوت شہوانیہ و غصبیہ وغیرہ کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی و رحمہ کی پرہیزگاری کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمت الہی نے انہیں میں سے ایک شخص صالح بن عبید کو منتخب کیا اور نور نبوت سے منور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بد بخت قوم کی اصلاح اور وعظ

دہند میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوتِ ازلیہ تھی۔ کب ماننے والے تھے۔ پھر جو بمصائب اور ایذا میں ایسی قوم کے واعظ و ناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لا جواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا اور وہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی۔ ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آ کر بچہ بھی دیا۔ قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جند بن عمر رئیس قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں، نیکو کاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا و ظلم کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر اونٹنی کی سننے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے۔ یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور چندے اس پر قوم نے صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک شخص شریر سرکش قیدارانہی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بد بخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر نکلنے لگے۔ کرڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر بڑے ٹھنڈے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الہی آگیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے۔ اگر ایمان لایا جاوے اور توبہ کی جاوے تو کروڑوں نہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی کی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ۔ چنانچہ صبح جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا بھی کام تمام کر دیا جاوے۔ یہ قصد کر کے نوبدمعاش شب خون کی نیت سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایت الہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا۔ وہ بدمعاش صبح کو دین مردہ پڑے پائے۔ یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی آمادہ جنگ ہوگئی۔ آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے اتباع شہر سے باہر نکل جاویں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا۔ سب کے منہ لال ہو رہے تھے۔ اگلے روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے۔ اس لیے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا نہ بارش کا۔ اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر دو تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی۔ کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بد بخت قوم کے پاس آئے۔ ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے پڑے دیکھ کر حسرت بھرے الفاظ میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بد بخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگزشت جو عرب میں متواتر منقول تھی اور اس واقعے کو کہ وہ جانتا تھا۔ یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا حجر ہے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک میں صحابہ کے ساتھ حجر سے گزرے تو صحابہ کو اس بد بخت قوم کی جگہ پر ٹھہرنے اور ان کے کنوؤں سے پانی لینے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قوم ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بد بخت قوم کے حالی زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں۔ اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بد بخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی

طفیانی اور کبھی ژالہ باری بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے، شہر اجاڑ ہو گئے۔ آسمانی پتھر برسنے سے ہندوستان میں گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے۔ ہوانے گاؤں اجاڑ دیے۔ سینکڑوں آدمی ہلاک ہوئے۔ دریاؤں کی طفیانی سے گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے مگر اب ان واقعات سے عبرت بھی نہیں کیونکہ حال کا علم ان کو اسباب کا فعل کہتا ہے۔ مسبب الاسباب کا قائل نہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن میں یہ واقعہ مختصر مذکور ہے۔ اذا انبعث اشقاہا جبکہ اپنی شرارت اور نشاط سے اس قوم میں سے بڑا بد بخت کھڑا ہوا اور وہ قیدار بن سالف تھا۔ یہ پاجی پست قد چٹکبرا نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ بڑا موٹا تازہ شریر اور متکبر شہوت پرست شخص تھا۔ اسی لیے عرب میں یہ مثل مشہور ہو گئی وہوا شام من قدر کہ فلاں تو قدر سے زیادہ نخوس و بد بخت ہے۔

ہر قوم میں چند ایسے نالائق اور لپے ہوا کرتے ہیں جو کام لوگوں کے نزدیک بہت ہی برا اور قابل نفرتین اولین و آخرین ہو وہ اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ اس کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں بتاؤں تجھ کو سب سے بڑا شقی علیؑ نے عرض کیا فرمائیے آپ نے فرمایا ایک تو وہ کہ جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کی کوچیں کاٹیں اور دوسرا وہ کہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا جس سے تیری ڈاڑھی پر خوں بہے گا۔ یہ دونوں سرخ رنگ والے سب سے شقی ہیں (رواہ احمد وابن ابی حاتم والطبرانی و ابن مردویہ والحاکم و ابونعیم فی الحلیۃ) یہ شخص بھی درحقیقت بڑا ہی بد بخت تھا۔ کس لیے کہ جناب مرتضوی آنحضرت ﷺ کا پورا نمونہ اور شوکت اسلام کا سرچشمہ تھے۔ گویا اس بد بخت نے ایک خیس شہوت کے لیے سلسلہ خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ یہ شخص ابن ملجم خارجی تھا۔ ایک خارجیہ عورت نے کہ جس پر یہ عاشق تھا۔ حضرت مرتضوی کے شہید کر ڈالنے کی ترغیب دلائی تھی۔

اسی طرح شمر اور یزید بھی اس شقی سے کم نہیں کہ جنہوں نے دنیاۓ دنیہ کے لیے جگر گوشتر رسول کریم ﷺ کو کس بے رحمی سے شہید کیا۔

جب اس مردود قیدار نے ناقہ کی کوچیں کاٹنے کا بیڑا اٹھایا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام کو اس بد بخت قوم کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے بتا کید فرما دیا تھا فقال لہم رسول اللہ۔ ان سے رسول اللہ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا ناقۃ اللہ و سقیہا خبر دار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے کبھی اس کو برائی سے نہ چھوٹا نہ پانی پینے سے منع کرنا۔

فائدہ: اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا کہ وہ خاص معجزہ سے اللہ نے پیدا کی تھی۔ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لیے جیسا کہ بیت اللہ ورنہ خدا پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہا کرتا ہو اور نہ اس کے چڑھنے کی کوئی اونٹنی ہے اور یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے آیہ یعنی نشانی تھی۔ اس کی قدرت کاملہ کا ایک خاص طرز سے پیدا ہونے کا سبب نمونہ تھی۔

مگر وہ بد بخت کب ماننے والے تھے فلذہ بوہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کچھ انہوں نے اونٹنی کی بابت فرمایا تھا کہ اگر اس کو بری نگاہ سے دیکھو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے، جھٹلادیا اور کہہ دیا کہ یہ بھی ایک دھوکو سلا ہے۔ کس لیے کہ گناہ کرتے کرتے وہ دلیر ہو گئے۔ دلوں پر سیاہی چھا گئی تھی۔ اس لیے فقہاء اس بد بخت قوم نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ کوچیں تو قیدار نے کاتی تھیں مگر اور بھی شریک تھے اور اس فعل بد سے راضی تھے۔ اس لیے یہ فعل ان سب کی طرف نسبت کیا گیا فدمدم علیہم رہم پھر تو ان کو ان کے رب نے غارت کر دیا بند نبیہ یوں ہی نہیں بلکہ ان کے گناہ کے سبب جو کفر و تکذیب اور کوچیں کاٹنا تھا اور ایسا ہلاک کیا کہ فسواہا اس ہلاکت کو سب کے لیے

برابر کر دیا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔ چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوئے۔ جز ان لوگوں کے کہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور کوئی نہ بچا۔ ولایخاف عقبھا۔ اور خدائے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔ کس لیے انجام سے ڈرنے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھے۔ اس کو انجام بد کا خوف ہوا کرتا ہے۔ سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتداء جانتا ہے۔ دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت فوت ہو جانے کا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ دے کر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے۔ سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ اس ناپاک قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خاردار درخت آویں ان کے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ ان کے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو سوم یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو۔ اس وقت خوف انتقام ہوا کرتا ہے۔ سو خدا پاک کو ان کی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برا د کرتا ہے بے دھڑک کرتا ہے۔ اس میں مشرکین کے خیال باطل کا بھی رد ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جس کی ہم پرستش کرتے ہیں ہم کو ہر وقت کی مصیبت سے نجات دے گی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کر دے گا تو وہ ضرور بدلہ لے گا۔ بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے کوئی بدلہ لینے والا نہیں۔

بعض علماء نے لایخاف کا فاعل عاقر یعنی کوچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے۔ یہ سدی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اس بد بخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹیں کہ اس فعل بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا۔ جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کو جھوٹ جانتا تھا اور حقیقت میں ایسا بڑا فعل جو کوئی بد بخت کرتا ہے وہ انجام کار سے نہیں ڈرتا۔ اگر ڈرے تو کرے کیوں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ضمیر لایخاف کی رسول اللہ یعنی صالح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب صلح علیہ السلام ان سے کہتے تھے کہ خبردار ناتقہ اللہ اور اس کے پانی پینے سے تعرض نہ کرو تو اس وقت نہایت بلند وصلگی سے یہ فرماتے تھے۔ ان کو اس قوم کی ہلاکت میں اپنی اور اپنے متبعین کی ہلاکت کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ گویا ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ تم ہلاک نہ ہو گے۔ اول معنی زیادہ تر چسپاں ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اس مختصری سورت میں کس انداز اور خوبی سے انسان کی سعادت و شقاوت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے کہ ایسا نقشہ کھینچنا بشر کی طاقت سے باہر ہے اور ہر آیت کے ہر ایک پہلو میں بے شمار معانی و دلچسپیاں رکھے ہیں جو انسان کو اگر ان پر غور کرے شقاوت کے عمیق گڑھے سے نکال کر سعادت کے محل پر بٹھا سکتے ہیں اور لطف یہ کہ کلام میں شان شانہ نہ بھی ہے جو کہے دیتی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ فسبحان من انزل القرآن۔ (سورہ الیل مکیہ ہے اس میں اکیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرُ وَالْأُنْثَى ۝ إِنَّ سَعِیْکُمْ لَشَتَّى ۝ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُیَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُیَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ۝ وَمَا یُغْنِی عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝

قسم ہے رات کی جبکہ چھ جائے اور دن کی جبکہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی کہ جس نے زرمادہ کو بنایا ہے شک تہماری کوشش مختلف ہے۔ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیز گاری کی اور نیک بات (کلمہ توحید) کو چھ جانا تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے اور جس نے کجی کی اور آخرت کی پروا نہ کی اور نیک بات کو چھلایا تو اس کے لیے ہم جہنم کی راہیں آسان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جبکہ وہ گڑھے میں پڑے گا۔

ترکیب ۱۔ والیل الواو اللقسم اذا العاقل فیہا معنی القسم والثناء عطف علیہ وما خلق الخ معطوف علی السابق وما مصدریۃ عند مقاتل والہشی واقسم خلق الذکر والانثی۔ وعند الجھور موصولۃ ای والذی خلقہما وما بمعنی من فقد القسم بنفسہ الکریمۃ ان سعیکم لشتی جواب القسم ای عملکم مختلف فمنہ عمل للجنۃ ومنہ عمل للنار وکنتم مؤمن وکنتم کافر لہی العمل وشیء جمع شئیت کمرضی جمع مریض والشتات هو الافرق ومعناہ مختلف لتباعد بعض عن بعض۔ وسعیکم مصدر مضارع فیہ العوم فهو جمع معنی فاما من الخ شرط سنیرہ الخ جواب والسنین فی الموضعین للتتویف وهو من اللہ محقق والہشی ای الخصلۃ الخشیۃ تشمل کل فعل محمود من التوحید والایمان والفرایض والیسری والعسری المراد بہما جماعۃ الاعمال فوجہ التانیث ظاہر وان کان المراد عملاً واحداً رجع التانیث ای الخللۃ والفقلة والمراد بہما الطریقۃ فکانہ قال للطریقۃ الیسری والعسری وفی تفسیرہما اقوال (۱) المراد بالیسری الجنۃ وبالعسری النار (۲) والمراد بالیسری الخیر وبالعسری الشر (۳) المراد بالیسری العود الی الطاعت وبالعسری الرجوع الی القبح الخ والتذیب واجتاع الصلوی وانما سمیت بالعسری لاعتبار العسری فی ارتکابہا علی اهل السعادة اولاً اعتبارنا کجھا وحی العذاب۔

تفسیر ۱۔ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اکیس آیات ہیں۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر وعصر میں والیل اذا انشئ جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک بار ظہر کی نماز پڑھائی کسی قدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورہ والفتس وضحاہ اور والیل اذا انشئ پڑھ رہے ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپ کو اس نماز میں کسی خاص سورہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ فرمایا نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے وقت مقرر کر دوں۔

رابطہ: ربط اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ (۱) دونوں سورتوں کے ابتداء میں ان چیزوں کی قسم ہے جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں۔ (۲) پہلی سورہ میں نفوس انسانہ کا اختلاف مذکور تھا کہ بعض کو فجر کا الہام ہوتا ہے تو بعض کو تقویٰ کا۔ اس سورہ میں یہی تفاوت بیان فرمایا ہے بقولہ ان سعیکم لشتی اور پھر اس کی آگے تفصیل فرمائی ہے بقولہ فاما من اعطی الخ۔ (۳) اس سورہ میں اشقیٰ کا بیان تھا تو اس سورہ میں جماعت اشقیاء کا بیان ہے۔

اگرچہ الفاظ سورہ کے عام ہیں مگر سب نزول اس کا علماء نے یوں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں دو شخص بڑے مالدار تھے۔ ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا امیہ بن خلف مگردونوں کا مال خرچ کرنے میں مختلف طریقہ تھا۔ امیہ کے بہت سے غلام مختلف کاموں پر معین تھے اور ہر قسم سے اس کے پاس مال تھا باوجود اس کے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور جو کسی غلام نے دے دیا تو اس پر آفت آجاتی تھی اور جو کوئی اس سے توشہ آخرت پیدا کرنے کو کہتا تھا تو یہ کہتا کہ آخرت ہے کہاں اور جو ہوئی بھی تو میرا یہ بیٹا مال اور یہ غلام اور یہ اولاد کافی ہیں مجھے محمد (ﷺ) کے ان نعم جنت کی پروا نہیں جن کا وہ فقیروں، کنگالوں کو لالچ دلا کر اپنا معتقد بناتا ہے۔ اس کے غلاموں میں سے ایک بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ نیک طینت توحید و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ اس بد بخت کو جو خبر ہوئی تو رو کنا چاہا اور جب نہ مانا تو طرح طرح کی ایذائیں دینی شروع کیں۔ چنانچہ اول اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں کانٹے اور سونیاں چھوؤ۔ پھر عین دوپہر میں

مشکیں باندھ کر جلتے پتھروں پر چت لٹا دو۔ پھر شام کو اس تنگ مکان میں کہ جہاں سخت گرمی ہو، بند کرو اور بعدہ کوڑے مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کرتے تھے مگر اس تکلیف کے وقت بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے احدا حدی نکلتا تھا کہ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ ایک روز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بد بخت کے محلہ میں گئے۔ اس کے گھر میں سے آہ وزاری اور شور و فریادی کی آوازیں سنائی دیں۔ پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ کسی نے اصل حال سے مطلع کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو بجرم اسلام مارتے پینتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بزارحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا کس لیے کہ اس بے کس اور غریب کو اتنی تکلیف دیتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اس کو خرید لے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا، کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا اس کے بدلے میں مجھے اپنا غلام نسطاس رومی دے دے۔ یہ رومی غلام بڑا ہوشیار اور قابل تھا، دو ہزار دینار اس نے اپنی کمائی سے جمع کر رکھے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نسطاس دے کر بلال کو خرید لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور لا کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے کافر اور بے رحم مالکوں سے بے انتہا اذیتیں اٹھاتے تھے، خرید کر آزاد کیا۔ از انجملہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ یہ شخص ہجرت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور جنگ بیڑ معونہ میں شہید ہوئے۔ از انجملہ زبیرہ لونڈی ہے جس کو خرید کر آزاد کیا۔ آزادی کے بعد اس کی بیٹائی جاتی رہی تھی۔ اس کے مالکوں نے طعنہ کے طور سے کہا دیکھی ہمارے لات لہ وعزی کی کرامات تم کو اندھا کر دیا۔ اس نے کہا، وہ کیا کر سکتے ہیں میرا اللہ ہی اندھا کرتا ہے، وہی آنکھوں میں روشنی دیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ بہت تو مکہ میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خرچ میں صرف ہوئے اور جو کچھ باقی رہے تھے ان کو اکرمینہ میں صرف کیا جن سے مسجد نبوی کی زمین خریدی گئی اور اسی لیے نبی کریم ﷺ بارہا فرمایا کرتے تھے۔ ان من امن الناس علی فی صحبہ و مالہ ابو بکر ولو کنتم متخذی اعلیاء لاتخذت ابابکر غلیلاً و لکن اخوة الاسلام و مودتہ (متفق علیہ) ”کہ سب لوگوں کے جان اور مال سے ابو بکر کا مجھ پر بڑا احسان ہے اگر خدا کے سوا میں اور کو غلیل بناتا تو ابو بکر کو لیکن اخوت اسلامی اور اس کی مودت کافی ہے۔“ یہاں تک کہ ایک بار جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ رہا تو کبل لپیٹ کر کانٹے کا ٹکڑہ لگا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبریل بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد (ﷺ) خدا تعالیٰ ابو بکر کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقر میں بھی تو مجھ سے راضی ہے یا کچھ کدورت آگئی؟ یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہائے ہائے مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہو؟ اور بار بار اس کلمہ کو کہتے تھے۔ انا عن ربی راض انا عن ربی راض رضی اللہ عنہ۔ حق تعالیٰ اس سورہ میں ان دونوں شخصوں کے معاملات و حالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت و شقاوت کے دورستہ بتاتا ہے اور بنی آدم کی مختلف کوششوں کا مآل کا رُخا ہر فرماتا ہے۔ سعادت کی طرف نفوسِ انسانیہ کو ابھارتا ہے۔

فقال واللیل اذا یغشی یعنی قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے یا کہو آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہاں کو تاریک کر دے اور سب کو ڈھا تک لے۔ یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نورِ روحانی اور نورِ قلب کو چھپا کر اس کے اندرونِ جہان میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گونا گوں افعالِ بد سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب چوروں، زنا کاروں، جادو گروں کو موقع ملتا ہے۔ اسی طرح اس اندھیرے میں شیطان اور نفسِ امارہ کے چوروں، قزاقوں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے اور رات دنیا میں ایک انقلابِ عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا بھی پورا نمونہ ہے۔ کس لیے کہ رات میں کیے بعد دیگرے باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر

۱۔ یہ دو بت ان کے بڑے معبود تھے جیسے کہ ہنود کے مہادیو وشن۔ ۱۲۱ء

۲۔ میں اپنے رب سے خوش ہوں میں اپنے رب سے خوش ہوں۔ ۱۲۲ء

کے بعد سنا ہوا جاتا ہے۔ سب مردوں کی طرح فرشتوں پر بے خبر لیٹے ہوتے ہیں۔ نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی۔ یہی حال خوابِ عدم کا ہے یکے بعد دیگر مر جاتے ہیں سب کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد اس کے معصروں میں سے کوئی انسان کیا جانور بھی باقی نہیں رہتا سب پر خوابِ عدم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک بڑی نشانی قدرتِ کاملہ کی ہے۔ اس لیے اس کی قسم کھائی گئی۔ والنہار اذا تجلی اور قسم ہے دن کی جبکہ روشن ہو جاوے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی جو بے خبر پڑے سوتے تھے جاگ اٹھے اور پھر ہائے ہو ہونے لگی۔ پرند چھپمانے لگے، چرند جنگل کی طرف جانے لگے۔ ہر ایک کاروبار والا اپنے کاروبار کی طرف چلنے لگا۔ مسافر کرباندہ بنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس میں آفتاب روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے چور بد معاش بھاگنے لگتے ہیں اور نیک کاموں کی طرف اس کے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف ایما ہوتا ہے کہ ہم ایمانداروں، نیکو کاروں کو نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بے ایمانوں، بدکاروں کو بدی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ رات دن بھی نرمادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے افعال و خواص میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک کی کوشش مختلف ہے۔ اسی طرح مخلوق میں نرمادہ کا حال ہے۔ اس لیے اس کے بعد نرمادہ کی بھی قسم کھاتا ہے۔ فقال وما خلق الذکر والانثیٰ اور قسم ہے نرمادہ پیدا کرنے کی یایوں کہو کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی (یعنی اپنی) کہ جس نے نرمادہ پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں نرمادہ علیہ السلام اور مادہ سے حضرت حوامراد ہیں جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہر ایک نرمادہ ہے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق کی یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے۔ کس لیے کہ نرمادہ کا ایک ہی مادہ ہے یعنی ایک ہی تخم سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے۔ حیوانات و انسان کے ہر صنف و نوع میں یہی قانون جاری ہے۔ پھر نر اور مادہ میں جو چیزیں ہونی چاہئیں تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں۔ اعضاء انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جاوے تو عقل حیران ہو جاوے۔ ماں کے ستر مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کہ سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ پھر اندرونی اعضائے تولید و تناسل میں کیا کیا کارگیریاں کی ہیں۔ پھر اس کے قوی و عادات و افعال طبعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں۔ اگر نرمادہ نہ ہوتے، سب نہ ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ نرمادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نرمادہ کے تخم میں نرمادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر و شر، نقصان و کمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نرمادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قوی کے باہمی اختلاط سے بھی عجائب و غرائب ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی برا ہوتا ہے اور مر کر ان کی جماعت میں جا ملتا ہے اور اسی کی اصلاح کے لیے حضراتِ انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے ہیں جس طرح رات اور دن کی کوشش اور افعال و خواص میں اختلاف ہے۔ اسی طرح نرمادہ کی بھی۔ نر کا مقناطیہ طبعی اور مادہ کا اور اسی لیے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان سبعہم لشتی کہ اے بنی آدم اعمال و اشغال میں تمہاری کوشش و ہمت اور جدوجہد گونا گوں ہے۔ ہر چند یہ بات ذکر و اتنی کی پیدائش سے عیاں تھی مگر اس کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا دعویٰ کو مع دلیل ذکر کرنا ہے پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے۔ برے کام کرتا ہے اور کسی کی دن کی طرح نورانی ہے اچھے کاموں میں سرگرمی کر رہا ہے پھر کوئی اپنی کوشش میں مرد میدان ہے تو کوئی نامرد اور زن ہے اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے زیروں اور دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے۔ دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے۔ لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہے۔ حیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات

دن مال و زرع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اس کو دن میں چین نہ رات کو کھانے پینے پہننے کا خیال۔ نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا اور ان سب کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی متع ہی نہیں تو پھر کس کام آوے گی اور کوئی ہے کہ اس کی ہمت مردانہ کے نزدیک مال و زرع تو کیا دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ چند روزہ مہمان ہوں جہاں سدا رہتا ہے راحت و عزت ہو تو وہاں کے لیے ہو یہاں آرام سے گزر گئی تو کیا تکلیف سے گزر گئی تو کیا ع

شبِ تنور گزشت و شبِ سمور گزشت

اس کے بعد ان مختلف مساعی کے نتائج مختلف بیان فرماتا ہے۔ فاما من اعطیٰ کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا حتی المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا۔ یہ زکوٰۃ و صدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ یہ وہ پہلا کام ہے کہ جس کی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ دوم و اتقی اور برائیوں سے بھی بچا۔ ظلم و ستم زنا کاری جھوٹ بولنا کسی پر اتہام لگانا، ناحق قتل کرنا، چوری کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ کبائر سے دور رہا جس میں دیگر فقیر مسکین و اہل قرابت پر احسان جلتا نایا ریا کاری کے لیے دینا بھی آگیا۔ الغرض پرہیز گاری کی۔ کس لیے کہ دینے کے بعد افعالِ قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جس کو اکثر کیا بلکہ کل مذاہب ماننے ہیں۔ خیر یہاں تک تو تہ عملیہ کی اصلاح تھی۔ عبادت مالی اور بدنی سے اور نیز بری باتوں کے عمل میں لانے سے مکران سب کے بعد عقائد کا درست کرنا بھی ضرور ہے یعنی تہ نظریہ کا یا کما عمل کے بعد علم کی اصلاح۔ اس لیے فرماتا ہے وصدق بالحسنی۔ اور اسی نے نیک باتوں کو سچ بھی جانا ہو جیسا کہ حق سبحانہ اور اس کے صفات کاملہ اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اس کی تصدیق جس کو ایمان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حسنی کلمہ توحید ہے۔ اس بات کو عقلاء و حکماء بھی مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے جہان میں جاتی ہے جہاں اس کے علم (گیان) کے موافق بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو کیونکہ یا تو علم ہی نہ ہوا اور ہوا تو خلاف واقع کے ہوا کہ بات تھی کچھ اور اس نے جان لی کچھ اور جس کو جہل مرکب کہتے ہیں تو روح پر تاریکی طاری ہوتی ہے اور یہ تاریکی رنج و غم اور جہنم ہے اور اگر علم ہے اور علم بھی علم صحیح تو یہ ایک نور ہے جو راحت و سرور و جنت و سرگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اٹھی تو لہم۔

لیکن یہی بات تو قابلِ بحث ہے کہ مطابق واقع کیا ہے اور خلاف واقع کیا اعتقاد ہے کس لیے کہ مشرکین اور مذاہبِ باطلہ اپنے من گھڑت خیالات و توہمات کو اعتقادِ کامل اور علم کو مطابق واقع سمجھا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہل مرکب۔ اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیونکہ جن کی تصدیق کرنی چاہیے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہیے ان کو حسنی کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں۔ اب ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے۔ اول یہ کہ کوئی مسلم شخص جس کے علم و انکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو ان کو عمدہ کہے۔ دوم یہ کہ عقل سلیم کے حوالے کر کے (جبکہ عوارض و ہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جاوے کہ ان میں حسن و خوبی یعنی راستی بھی ہے کہ نہیں۔ وہ شخص کہ جو مسلم ہے نبی ہے کیونکہ اس کا علم و انکشاف اور لوگوں کے علم و انکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض ہوں بدرجہا فائق ہے۔ پس اس کے فرمودہ عقائد حسنی ہیں نہ کہ تنلیث۔ علیٰ ہذا القیاس عمل کے متعلق جو کچھ انہوں نے فرمایا خدا کی عبادت و خیرات جملہ بری باتوں سے پرہیز گاری اب یہ تین باتیں ہوں گی۔ پھر جس نے ان تین باتوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو فسینسرہ للیسری ہم اس کے لیے یسری کو آسان کر دیں گے۔ یسری سے مراد آسان طریقہ وصول الی اللہ اور وصول الی الجنت کا ہے اور وہ طریقہ آسان شرع محمدی ہے علیہ السلام۔ کس لیے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر طریقہ میں دقت و دشواری پاؤ گے برخلاف شریعت کے یعنی ہم اس کو اس نیک رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا

ہے تو اس کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جن کا ذکر ہوا تو ایک نورانی ملکہ پیدا ہوگا جس سے اس کو ہر نیک کام آسان معلوم ہوگا اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ بارگاہ قدس اور عالم باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جاوے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور پل صراط کا نور اور میدانِ حشر میں سایہ اور نجات کے لیے دلیل ہے۔ و اما من بخل اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا مال کی محبت کی جڑ اس کے دل پر ہے۔ یہ اول صفت کی ضد ہے و استغنیٰ اور بے پروائی بھی کی یعنی پرہیزگاری نہ کی بڑی بے پروائی اور تکبر سے برے کام کرنے لگا۔ قوتِ عملیہ بگاڑ لی۔ یہ دوسری صفت کی ضد ہے۔ و کذب بالحسنیٰ اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور قائل ہوا تو تو حید کا قائل نہیں نہ اور صفاتِ حمیدہ کا نہ دارِ آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا کا قائل نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل۔ یہ تیسری صفت کی ضد ہے۔ اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے فسنیسرہ للعسریٰ تو اس کے لیے ہر عملِ بد خواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے جس میں ملکہ خیر ہے۔ اگر اس سے کہو چوری کریا زنا کریا فلاں کو مار ڈال وہ کبھی نہ کرے گا اور یہ کام اس کو پہاڑ معلوم ہوگا اور کبوتہ کی نماز پڑھا کر اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین کو دیا کروہ اس کو بہت ہی آسان کام جانے گا اور جس میں بد ملکہ پیدا ہو گیا ہے اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ تمام عمر زنا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک آسان کام ہے۔ اگر کہو نکاح کر لے نہ کرے گا یہ مشکل کام ہے۔ ناحق قتل کر ڈالنا رات کو چوری کرنا سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر خفل رقص و سرود میں جاگنا آسان مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لیے جاگنا اور وضو کی تکلیف اٹھانا پہاڑ سے بھاری فواحش کو ہزاروں روپیہ دے ڈالنا آسان۔ اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا سخت مشکل۔ یہ ملکہ ظلمانی جس کے سبب خدا نے تمام بد راہوں کے لیے برے کام آسان کر دیے قبر میں عذاب اور حشر میں جہنم اور طوق و زنجیر ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اول ملکہ دن روشن سے اور دوسرا چھا جانے والی رات سے مشابہ ہے۔ اول کا صاحب زبردوسرے کا صاحب مادہ ہے مگر وہ بد بخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا و ما یغنی عنہ مالہ اذا تردی اس کے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا۔ وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا یا یوں کہو جبکہ جہنم کے عمیق کڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا۔ پھر اس قدر فریفتگی۔

فائدہ: جس طرح تزکیہ اور کمال کے لیے تین وصف بیان فرمائے تھے۔ ایک اعطی اللہ کی راہ میں دینا دوم و اتقی پرہیزگاری۔ سوم و صدق بالحسنیٰ درستی اعتقادات و ایمان۔ اسی طرح نقصان و تلویت کے لیے ان تین وصفوں کے مقابلہ میں تین صفتِ رذیلہ بیان فرمائے۔ بخل اعطی کے مقابلہ میں بخل بھی بڑا ہی عیب ہے۔ بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں۔ اس کے دوست دشمن ہو جاتے ہیں۔ خلأق میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی، کوئی بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ عالم بالا میں یہ حقیر شمار ہوتا ہے اور اتقی کے مقابلہ میں و استغنیٰ تکبر و احکامِ الہی سے بے پروائی گناہوں اور برے کاموں سے بے پروا ہو کر عمل میں لانا معاذ اللہ فاسق و بدکار بھی مخلوق میں گھنونا ہو جاتا ہے۔ اس کے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی۔ عالم قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کی دعا کو قبولیت نہیں۔ عمر و مال میں برکت نہیں ہوتی۔ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور صدق بالحسنیٰ یعنی ایمان کے مقابلہ میں کذب بالحسنیٰ بے ایمانی کا فرو بد عقیدہ تو خدا کا دشمن اور سخت مقہور ہوتا ہے۔ اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا کیونکہ آخرت کا اعتقاد نہیں۔ جب درمیانی تیسرا مرتبہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفاتِ حمیدہ ہیں تو بعض رذیلہ اس کو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ آپ سمجھ لیں گے اگر ایمان ہے تو قصورِ عمل سے آخر کار نجات ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۖ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۖ فَأَنْذَرْنَكُمْ نَارًا تَلَظَّى ۝

لَا يَصْلُهَا إِلَّا الْاَشَقَى ۝ الَّذِي كَذَبَ وَتَوَلَّى ۝ وَسَيَجْزِيهَا الْاَثَقَى ۝
 الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِاحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝
 اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝

بَیِّنَات

ہم پر تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے بس میں ہیں۔ پس میں نے تم کو کبھی آگ سے خبردار کر دیا ہے جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جو (دین حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا رہا اور اس آگ سے وہ پرہیزگار دور رہے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کو دیا کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا بدلہ اٹارتا ہو۔ وہ تو صرف اپنے عالیشان خدا کی رضامندی کے لیے دیا کرتا ہے اور وہ معترِب خوش ہوجاوے گا۔

ترکیب : للہدی اسم ان علینا خبرھا۔ ای علینا ان نبین طریق الہدی من طریق الضلال وقد فعلنا ذلک حیث بینا طریق کلا الفریقین ترغیباً وترہیباً۔ قالہ الزجاج للآخرۃ معطوف علیہ والادلی معطوف وکلاھا ان اسم ان لنا خبرھا والجملة معطوفة علی الجملة السابقتہ ومعنا لنا کل مافی الاخرۃ وکل مافی الدنیا من ارادھا فلیطلب مناتلظی صفة نار واصلہ تتلظی فخذت احدی التاء ین تخفیفاً وقری علی الاصل ومعنا تھو قد وتھب یتقال تلظت النار تلظیا ومنہ سمیت جہنم لظی لا یصلھا الجملة صفة نار وھو بیان لن ہی الا الاثقی استثناء متصل ای لا یدخلھا دخلاً موبداً احد الا الاثقی وھو اکافر بالمشرک الذی کذب وتوَلَّى وصف للاشقی الذی یوتی مالہ صفة للاثقی یتزکی فی محل نصب علی الحال من فاعل یوتی ای حال کونہ طالباً للزکاة وھی طہارة النفس ویجوز ان یکون بدلاً من یوتی وادخلنا معنی حکم الصلۃ وما لاحدا الخ الجملة حال من فاعل یوتی وقیل مستأنفہ تقریر ما قبلھا من کون التزکی خالصاً للذی لا علی سبیل المعاضدۃ تجزی صفة نعمۃ ای لیس علی هذا الموتی احسان احدی تجزی بہ الا ابتغاء الخ قرء الجہور بالنصب علی الاستثناء المنقطع لعدم اندراجہ تحت جنس النعمۃ وقیل مفعول لہ علی المعنی ای لا یوتی الا لا ابتغاء وجہ ربہ لا لکائنۃ نعمۃ۔ وقری بالرفع علی البدل من محل نعمۃ لان محلاھا الرفع اما علی الفاعلیۃ واما علی الابتداء ومن مزیدۃ ولسوف اللام موطنۃ للقسیم ای وتالله لسوف یرضی بمانطیہ من الاجرا العظیم۔

تفسیر شبہہ : پہلے بیان سے (جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیزگاری اور ایمان لانے والے کے لیے نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لیے برائی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے) یہ شبہہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا۔ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ جواب : اس کا جواب دو جملوں میں دیا جاتا ہے۔ اول ان علینا للہدی کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اس لیے اول حواسِ غمہ ظاہری اور حواسِ غمہ باطنی عطا کئے۔ عقل و ادراک دیا جو نیک و بد میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول بھیجے۔ کتابیں نازل کیں۔ پھر رسولوں کے جانشین علماء و آئمہ و اولیاء و مرشدانِ دین و واعظانِ ہر گو قائم کئے اور حوادثِ دہر اور تغیراتِ عالم بلکہ ان کے حالات کے عبرت خیز نشان قائم کئے تاکہ باختیار و ارادہ نیک رستہ کو اختیار کریں، برے رستہ کو چھوڑیں اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی سے کسی کو بے ارادہ و اختیار ہدایت پر لا دیں بلکہ دونوں رستوں پر چلنا چلنے والے کے اختیار و ارادہ پر چھوڑ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور مطیع اور نیک و بد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر و شجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا اور انسان کو قدرت و اختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشا غلط ہو جاتا۔ رہی توفیق جو انسان کے ارادہ اور اختیار سے متعلق ہے۔ وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے اور یہ کس لیے کہ وان لنا

للاخرة و الاولیٰ دنیا اور آخرت ہماری ہے۔ ہمیں ان کے مالک و خالق و بادشاہ ہیں۔ ایک ذرہ بھی ہمارے ارادہ اور قدرت اور قضاء و قدر کے بغیر عالم وجود میں نہیں آ سکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ راحت و رنج دنیا میں ہے وہ ہمارے اختیار و ارادہ سے موجود ہوتا ہے اور جو کچھ آخرت میں نعیم جنت اور عذاب دوزخ ہے وہ بھی ہمارا ہی مخلوق و مملوک ہے اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور جائز اور ناجائز طور پر اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو اس کو ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا کی کامیابی عطا کرتے ہیں اور جو عقلی کی نعمتوں کے طالب اور حیات جاودانی اور سلطنت آسمانی کے خواہاں ہیں اور اس کے لیے سعی و کوشش کرتے ہیں، ان کو ہم وہ عطا کرتے ہیں۔ دونوں جہاں ہمارے ہیں جو جس کا طالب ہو اس کے لیے آوے اور حاصل کر لے۔ اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کر دیا اور جو قدر دونوں کو باطل کر کے درمیانی صاف اور سیدھا راستہ بتا دیا۔

اور جبکہ ہدایت کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ اس لیے فائدہ تکہ نارائے تطلعی ہم نے تم کو اے بنی آدم! اس شعلہ مارتی آگ سے خبردار اور متنبہ کر دیا ہے اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں کہ جہاں سب کو جانا ہے، موجود ہے اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہو جاوے گی۔ رحیم و کریم ہوں یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دوں گا بلکہ لایصلھا الا لا شعی اس میں مجبوزے بد بخت کے اور کوئی نہیں پڑے گا۔ اٹھنی کے معنی: اب اٹھنی کی آپ ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے۔ الذی کذب و تولیٰ کہ اٹھنی وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اس کی فرمودہ باتوں کو جھٹلایا جن میں سے مرنے کے بعد اعمال نیک و بد کی جزاء و سزا بھی ہے اور جب جھٹلایا اور باور نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس کے لیے عمری یعنی بدی کا راستہ آسان کر دیا گیا تھا اور برے کام کو بظاہر مزے دار تھے مگر ان کا انجام یہ آگ ہے۔ اس لیے ان کو عمری کہا گیا اور یہ اس لیے کہ کذب بالحسنیٰ کی جگہ تو کذب موجود ہے جو اس سے بھی عام ہے اور تولیٰ کی تفسیر بکل و استغنیٰ ہو سکتی ہے۔

فرقہ مرجیہ کا قول: علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک گنہگار مومن کو بھی آخرت میں عذاب النار ہوگا۔ اگر اللہ معاف نہ کر دے گا مگر فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے جہنم میں جاوے۔ ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجات عالیہ نصیب نہ ہوں گے۔ اس لیے گنہگار مومن اور نیک مومن برابر نہیں اور دلیل ان کی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں اور یہ اس لیے کہ اٹھنی سے مراد کافر و مشرک ہی ہے کیونکہ بد بختی کی دو قسم ہیں۔ اول دنیا کی بد بختی، بیماری، تنگ دستی، مرگ، امبہ شکست و ناکامی وغیرہ سو یہ بد بختی دنیا ہی میں تمام ہو چکتی ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ دوسری عقلی کی بد بختی پھر وہ دو قسم ہے۔ ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادت و فرائض میں سستی کرنے سے بد بختی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ درجات عالیہ سے حرمان ہے اور اسی لیے اس کو اٹھنی کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ ایمان بھی نہیں بلکہ الہام الہی کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ سو یہ اٹھنی یعنی بڑا بد بخت ہے۔ اسی کے لیے خدائے پاک نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے اور یہ عرف شرع میں کافر و مشرک ہے۔ کس لیے کہ کذب اسی پر صادق آتا ہے نہ مومن گنہگار پر۔ کس لیے کہ وہ تکذیب نہیں کرتا۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی سب باتوں کو کج جانتا ہے مگر خواہش نفسانی یا غفلت و سستی سے گناہ کرتا ہے۔

اہل سنت کی طرف سے مرجیہ کا جواب: علماء اہل سنت ان کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جو گنہگار مومن جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ وہاں سدا نہ رہے گا۔ چند روز سزا ہوگی۔ سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل ہونا نہیں۔ کس لیے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔ دوم یہ کہ نارائے تطلعی تو خاص کافروں کے لیے ہے اور گنہگار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ آگ ہوگی جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہوگی۔ اٹھنی کی تفسیر: وسیع جنبھا الاتعنی اور اس آگ سے عنقریب بڑا پرہیزگار دور رہے گا۔ اب اس اٹھنی کی تفسیر بیان فرماتا ہے۔ فقال الذی یؤتی مالہ یتزلی کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ فقراء و مساکین کو دیتا

ہے۔ ریا کاری اور نمود یا غرض دنیاوی کے لیے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے درجات کی دم بدم ترقی کے لیے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزائش و زیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں۔ اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں۔ کس لیے کہ اقی اپنا مال محض رضائے الہی کے لیے خرچ کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے اور رضائے الہی میں صرف کرنے سے درجات و تقربات میں ترقی و افزائش بھی ہوتی ہے کیونکہ اس شجر تقرب کے لیے یہ عبادت پانی اور ہوا ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اس کو ایک قسم کی نورانیت قلب حاصل ہوتی ہے جس کو انشراح کہنا چاہیے اور یہ نجاست بجل اور کدورات طبع و ظلمت حب مال سے پوری پاکیزگی ہے۔ پھر اس بیت کی تشریح کرتا ہے۔ وما لاحد عنده من نعمۃ تجزی یعنی اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو اس کے بدلہ میں دیتا ہو۔ کسی کی نعمت و احسان کا بدلہ نہیں آتا۔ الا ابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ بلکہ محض اپنے خدائے برتر کی ذات کی خواہش میں یعنی خاص اسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ پھر اس اتقی کا دار آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ ولسوف یرضی قسم ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہو جاوے گا یعنی دار آخرت میں اس قدر نعمتیں اور اس جہان کی خوبیاں اس کو عطا ہوں گی کہ راضی ہو جاوے گا۔ اپنے صرف کرنے اور خدائے پاک و برتر کی رضامندی حاصل کرنے سے پچھتاوے کا گھبراہٹ نہیں بلکہ خوش ہوگا۔ مال خرچ کرنے کا نتیجہ آخرت میں ملے گا۔ اور سوف کے معنی ہیں آئندہ کے۔ یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ دار آخرت میں ہوگا جس کا شروع موت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے گا تو دل تنگ نہ ہو کہ دنیا اس وعدہ کو پورا کرنے کی جگہ نہیں۔ اگر ایسا ہو تو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ پر تیار ہو جاوے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات اللہ کی راہ میں مال صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

فائدہ: عرف شرع میں اتقی اس کو کہتے ہیں جو مومن صغائر و کبائر سے پاک ہو اور جو احیاناً کوئی گناہ سرزد ہو جاوے تو توبہ و استغفار صدق دل سے کرے اور نہایت ندامت کر لے اور صوفیہ کرام کے نزدیک اس کے بعد خطرات اور توجہ الی ما سوی اللہ کی نجات سے بھی پاک ہو۔ نہ دل میں حب جاہ و مال ہو نہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسی کی جگہ ہو۔ پھر اتقی کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ فرد کمال اس کا نبی ہے۔ صلوة اللہ علیہ وسلم۔ اس کے بعد پھر صدیق پھر شہید پھر صلحاء امت اور اولیاء کرام بھی صدیق و شہید کے زمرہ میں داخل ہیں اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہیں۔

آیت پر شبہ اور اس کا جواب | اب اس آیت سے بطور مفہوم مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقی نہیں گوشتی ہو وہ اس نارا تملطی سے دور نہ رہے یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو۔ اس کو اتقی نہیں کہتے۔ متقی کہتے ہیں۔ وہ اس آگ سے نہ بچے گا۔ حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشغی ہی داخل ہوگا۔ خلاف ہے کس لیے کہ متقی اشغی کیا شقی بھی نہیں۔ اس الجھن کے جواب میں علماء نے طرح طرح کے جواب اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر کاتب المحروف کے نزدیک یہ الجھن ہی کچھ نہیں۔ کس لیے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے۔ جیسا کہ علماء اصول فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کہ کبھی کسی قید یا وصف کو اس کی بہترین اور خوبی جتانے کے لیے ذکر کیا کرتے ہیں مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں۔ اس کے لیے مخالف حکم ثابت ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں۔ ازا جملہ یہ ہے۔ ولا تنکروا فیتاتکم علی البغاء ان اردن تحصنالتبتغوا عرض الحیوة الدنیا کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے اور خرچی کمانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔ اب پاکدامنی کی قید اس لیے ہے کہ پاکدامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاکدامنی نہ چاہیں تو خرچی کمانے پر مجبور کی جائیں۔ اسی طرح آیت میں وصف اتقی کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقی نہیں وہ اکی نارا تملطی۔ سے دور نہ رہے گا۔ دوم اگر مفہوم مخالف

بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ محذور نہیں۔ کس لیے کہ کبار و صغائر سے بھی انسان مواخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقت یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ صغائر و کبار کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو۔ گناہوں کی معافی کے اسباب: کبھی تو اور دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹا دیتا ہے۔ کما قال ان الحسنات يذهبن السيئات کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ واولئک یدل الله سیئاتہم حسنات کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا جمعہ بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ باقی عمر بھر کے گناہ اور رمضان کے روزے سال بھر کے وغیرہ لگ اور کبھی دنیاوی تکالیف بیماری، تنگدستی یا موت اعزہ یا اور کوئی حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جاوے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس کو ہمیں اسی قدر عذاب پر رہائی مل جاتی ہے اور کبھی اہل دل کی ندامت و اشکباری جو ان پر باعتبار تقرب الی اللہ کے ناہم تنظلی یعنی شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیں اس آگ میں جل کر تھوڑی دیر کے بعد نجات حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پکھل کر آسٹو نکلتے ہیں اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور نہیں تو اس کی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابر ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا۔ وہ جو کہتے ہیں۔ ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لے جاتا۔ اس آیت کا مفہوم مخالف ان کے سراسر مخالف ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

فائدہ: اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ الفاظ آیات کے ہر چند عام ہیں۔ کوئی اشقی ہو اور کوئی اتقی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر شقاوت و سعادت کا نقشہ کھینچا ہے اور کتاب آسمانی میں ایسا ہی ہوتا بھی چاہیے مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی اٹھنی واقعی کے افراد موجود تھے اور گوان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا اور لینا بھی نہیں چاہیے تھا۔ مگر ان پر رکھ کر عموماً کلام کیا گیا۔ اس لیے ان اٹھنی واقعی سے ضرور اس وقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا اور اسی بات کو بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے اور اسی لیے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں جہاں کہیں کافریا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابو جہل لے لیا یا جہاں کہیں کسی کے صفات حمیدہ مذکور ہوئے۔ ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں اہل سعادت و شقاوت کے واقعات یا ان کے حالات اور مآل کار بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے حضرات اہل بیت اور ان کے مخالفین جن کو کہ انہوں نے مخالف بنا رکھا ہے مراد لیے ہیں۔ گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے اور دب دب کر معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اہل بیت کی مدح اور ان کے مخالفوں کی قدح کرتا ہے۔ صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ نہ آنحضرت ﷺ اور کسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسائل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب و ملت یا اصول دین لے بنائے گئے ہیں۔ وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے۔ انج تان کر ثابت کئے جاتے ہیں اور دوران کار تا ویلات کی جاتی ہیں اور شیعہ پر کیا موقوف ہے۔ ہر ایک فریق کا کم و بیش یہی حال ہے جن کو مذاقی تصوف ہے وہ ہر آیات میں توحید و جود کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح اور نفس اور قرب و بعد مقامات پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزول قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں بھی قرآن مجید میں بزرگان دین، صحابہ و اہل بیت کی جانفشانیوں کی مدح نہیں یا روح و نفس اور مقامات و احوال و مواجید و اشواق کی طرف ایماء نہیں۔ ضرور ہے مگر نہ ہر جگہ۔ اب انہیں آیات میں ضرور اٹھنی سے اس وقت کے بعض اشخاص

۱۔ اس میں اشارہ ہے کہ دراصل جو اصول دین ہیں وہ تو صاف صاف قرآن سے ثابت ہیں مگر وہ جو بعد میں باہمی مخالفت اور فرعیات میں نزاع قائم ہونے سے ہر ایک متعصب نے اصول دین بنائے ہیں جیسا کہ شیعہ کا مسئلہ امامت، وہ قرآن سے ثابت نہیں۔ ۱۲۔

کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے قرآن کا محتاج ہے اور تعین کرنا ایک ظنی بات ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اُقی سے حضرت صدیق اکبر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ کس لیے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اس وقت مسلمانوں میں بیڑتی مالا حد عندہ من نعمة تجزى کا مصداق اگر کوئی اور بھی فرض کیا جاوے گا تو ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں نکلے گا۔ اول تو اس وقت کوئی مسلمان مالدار ہی نہ تھا بجز ان کے نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور پھر انہیں حضرت کا مال اللہ کی رضا مندی میں بے دریغ صرف ہوا کرتا تھا۔ انہیں نے بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ باخدا مسلمانوں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ یہی آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں مال و جان نثار کرنے والے یار غار تھے۔ اسی لیے ان کے فضائل انہیں کے ہم عصر صحابہ میں مسلم الکمل تھے اور آنحضرت ﷺ کے یاروں میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

(سورۃ الضحیٰ مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالضُّحَىٰ ۝۱ وَاللَّيْلُ إِذَا سَجَىٰ ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلًا ۝۳ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

الْأُولَىٰ ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝۵

ترجمہ ہے روز روشن کی اور رات کی جبکہ چھا جاوے (اے نبی!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے اور نہ وہ بیزار ہی ہوا ہے اور آپ کے لیے دنیا سے آخرت کہیں بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جاویں گے۔

ترکیب ۱۔ والضحیٰ الواو القسم وهو اول النهار اذا تجلجلى وارتفعت الشمس وقيل المراد به النهار كله مجازاً من اطلاق الجزء واردة الكل بدليل مقابلة بایل اذا سجد والليل عطف عليه اذا العاقل فيه معنى القسم تجلجلى اى سكن قاله قتاده ومجاهد وابن زيد وعكرمة وغيرهم يقال ليلته ساجية اى ساكنة ويقال سجا الشئ يسجد اذا سكن وعن ابن الاعرابي تجلجلى امتد غلامه وقال الاصمعي سجوا لليل تغضية النهار ما ودعك الخ هذا جواب القسم قرأ الجمهور بتشديد الدال من التوديع وقرئ تخفف فيها من قولهم ودع تركه وما قل عطف على ما ودعك وانتلاء البغض يقال قلاه يقلية قلا ولم يقل ما قلا لموافقة روس الآتى وللآخرة اللام جواب قسم محذوف۔

تفسیر ۱۔ یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں گیارہ آیت ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابی الحسن مقرئ سے ایک روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے قرآن عکرمہ بن سلیمان کے سامنے پڑھا اور اس نے خبر دی کہ میں نے اسماعیل بن قسطنطین اور سہیل بن عباد کے سامنے پڑھا۔ جب میں والضحیٰ تک پہنچا تو ان دونوں نے فرمایا، بگیر کہہ اخیر تک یعنی والناس تک ہر سورہ کے بعد تکبیر کہہ اخیر تک کہنوکہ ہم نے ابن کثیر کے سامنے قرآن پڑھا۔ اس نے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے رو برو پڑھا تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔

یہ روایت ابوالحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بزی سے ہے جو قرأت کے امام تھے مگر فن حدیث میں ابوحاتم رازی ان کو ضعیف جانتے ہیں لیکن اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین ابوشامہ شاطبیہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

انہوں نے کسی کو نماز میں اس سورہ کے بعد تکبیر پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بہت خوب کیا۔ یہ سنت ہے۔

شان نزول : پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے لے کر اخیر تک جس سورہ کو تمام کرے تو اللہ اکبر کہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ وجہ اس کی علماء نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مدت تک آپ کو وحی آتی بند ہو گئی تھی۔ پھر جب شروع ہوئی تو یہی سورہ والضحیٰ نازل ہوئی جس کی خوشی میں آپ نے تکبیر پڑھی۔ اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مگر بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر و امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہو گئے تھے۔ ایک یا دو رات اٹھے نہیں۔ ایک عورت نے آ کر کہا کہ اے محمد (ﷺ) میں تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی۔ کیا تجھے چھوڑ دیا۔ تب یہ سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی روایت میں یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا۔ تب ان کے قول رد کرنے کے لیے کہ اس نے ہرگز نہیں چھوڑا۔ یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہی اس کا شان نزول ہے۔

فائدہ: ابن اسحاق وغیرہ سلف سے منقول ہے کہ وہ جو سورہ نجم میں مذکورہ تھا کہ دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاعوجی الی عبدہ ما اوحی (یعنی ہم نے اپنے بندے کی طرف جبکہ بہت ہی قریب ہو گیا تھا وحی کی جو کچھ کہ وحی کی) اس میں یہی سورہ والضحیٰ وحی کی تھی۔ خلاصہ یہ ہے:

چند روزہ وحی کے بند ہو جانے سے جس کو فقراء کے نزدیک قبض کہتے ہیں اور اسی کو کبھی ضلال بھی کہتے ہیں۔ ایک عجیب حالت رنج و غم کی آنحضرت ﷺ پر گزری تھی جس پر کفار کو محبوب حقیقی کی ناراضی اور جدائی کے طعنہ دینے کا موقع ملا۔ اس پر دریائے رحمت جوش زن ہوا اور یہ سورہ نازل ہوئی جس میں اس طعنہ کا رد اور آنحضرت ﷺ کے محامد اور آئندہ کے لیے تسلی اور قرب روز افزوں کے وعدہ کا مژدہ ہے۔

فقال - والضحیٰ واللیل اذا سبھی کہ قسم ہے روز روشن یا وقت چاشت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ چھاجائے اور پھیل پڑے۔ وقت چاشت کو (جبکہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے۔ رات کی کوئی مخفی چیز جو اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی تھی، مخفی نہیں رہتی۔) تقرب الہی اور نزول وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے کیونکہ اس وقت حجاب ظلمانی دور ہو جاتے ہیں اور حقیقت الہی اور حقیقت کو فی کا ظہور رکلی ہوتا ہے اور عالم ملکوت کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور رات کو قبض و انقطاع وحی کے زمانہ سے کمال مشابہت ہے کیونکہ اس وقت ایک قسم کی ظلمت ہوتی ہے اور نیز روز روشن کو فرحت و سرور سے اور رات کو رنج و غم سے مشابہت ہے۔ اس لیے والضحیٰ کے مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایام غم و ہجر و انقطاع وحی تمام ہو چکے۔ اب روز فرح و سرور و تالیق وحی کا وقت آ گیا۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے۔

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند

چنان نماز و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

رات جب چھا جاتی ہے اور اس کی ظلمت عالم پر طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت کوئی روشنی نہیں ہوتی اور ایسے ہی موقع پر رات کا چھا جانا مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے زمانہ جاہلیت کی طرف اور ضحیٰ سے زمانہ آفتاب نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جلوہ گز ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے اول نہ تھا اور آپ کے بعد پھر رات پھیل گئی مگر آفتاب کا خلیفہ قمر خلافت مدتوں تاباں رہا اور اس کے بعد پھر تاریکی چھا گئی کہ جس میں متعدد فرقہ پیدا ہو گئے اور ہر ایک فریق دلائل کے چراغوں اور مشعلوں سے استغانت کرتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مذاہب مجتہدین و طرق اولیاء اللہ اس نور میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ وقت

چاشت سے اس نور الہی کی طرف اشارہ ہے جو قلب محمدی علیہ السلام پر جلوہ گر تھا اور شب سے اس ظلمتِ انسانیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو نفوس و ارواح پر طاری ہوا کرتی ہے۔ نور اللہ قلوبنا بنور محمد ﷺ۔

فائدہ: وہ ضحیٰ کہ جس کی قسم ہے بظاہر عام ہے مگر بعض نے خاص مراد لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس ضحیٰ سے وہ ضحیٰ مراد ہے کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تھا اور رات سے لیلۃ المعراج مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ قلوب عارفین کا نور اور لیل قلوب کافرین کی ظلمت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آپ کا چہرہ منور اور لیل موئے مبارک۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آنحضرت ﷺ کا ظاہر حال جو شب پر روشن ہے اور لیل آپ کے اسرار و روحانیہ کہ جن کو بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ اسلام کی ترقی کا زمانہ اور لیل اس کا خزل۔

چونکہ الفاظ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے۔ ہر ایک احتمال کی گنجائش ہے اور یہ بڑا معجزہ ہے۔

سوال: اس جگہ دن کو قسم کھانے میں مقدم اور رات کو مؤخر کیا اور پہلی سورۃ میں برعکس کیا تھا۔ اس کا کیا سبب؟ جواب: علماء

کرام نے اس کے جواب میں نہایت بے بہا موتیوں کی لڑیاں پر دئی ہیں مگر سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے۔

(۱) یہ کہ پہلی سورۃ میں صدیق اکبر ﷺ کے فضائل تھے۔ اس لیے اس کو سورۃ ابی بکر بھی کہتے ہیں اور اس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے فضائل مذکور ہیں۔ اس لیے اس کو سورۃ النبی ﷺ کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر ﷺ کے کمالات و انوار جو کچھ تھے وہ آفتابِ نبوت کا عکس تھا ورنہ اسلام سے پہلے یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ وہی اندھیرا ان پر بھی طاری تھا جو عموماً پتھر ب کیا تمام دنیا پر طاری تھا اور آنحضرت ﷺ بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ ہی سے باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے سورۃ ابی بکر میں رات کو قسم کھانے میں مقدم کیا اور اس سورۃ میں دن کو تاکہ معلوم ہو کہ نورِ صدیقی کے پہلے رات تھی اور نورِ محمدی ابتدا ہی سے نور ہے۔

(۲) یہ کہ پہلی سورۃ میں رات کا اول ذکر کرنا اور اس سورۃ میں دن کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت سے ترقی کر کے

محمدیت کا مرتبہ ہے اور نیز جس طرح دن کے بعد رات ہوتی ہے۔ اسی طرح محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت ہی باقی رہ جایا کرتی ہے۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب

ہوئے گل را از کہ جویم جز گلاب

اور یہ ان دونوں حضرات میں کمالِ اتحاد و وصلت کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رفاقت ہر معرکہ میں شرکت تھی اور مرنے کے بعد بھی اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو ایک روضہ منورہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔

(۳) یہ کہ رات اور دن اس کے عجائب قدرت کی دلیل ہیں۔ کبھی دن کی قسم کو مقدم کر دیا اور کبھی رات کی قسم کو مقدم کر دیا لیکن

دن کے اس جگہ مقدم کرنے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ کافر جو تجھ کو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہو گیا اور تجھے چھوڑ دیا حالانکہ اور مطاعن سے یہ مفارقت محبوب کا طعنہ آنحضرت ﷺ پر تو جس قدر شاق گزرتا ہوگا اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت ﷺ سے کمتر درجہ کے لوگ یعنی عارفان طریق بھی اس مفارقت کو عذابِ عظیم سے بڑھ کر تصور کرتے ہیں اور جب دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں۔

خلاص حافظ زان زلف تابدار مباد

کہ بستگان کمند تو رستگار اند

سو یہ تکلیف تو آپ کو دن ہی میں ہوتی تھی اور رات کا وقت تو آپ کا سر اسراطمینان قلبی اور یاد حق اور انسِ حقیقی کا وقت ہوتا تھا

جس میں آپ کو مواسلاتِ تامہ میسر آتی تھی۔

(۴) یہ کہ یہ جو آپ کو طعنہ دیتے ہیں کہ تجھے چھوڑ دیا، اندھے ہیں جن کو دو پہر میں بھی آفتاب نظر نہیں آتا اور پھر رات تو رات ہی ہے۔ آپ ان کے کہنے کی کچھ بھی پروا نہ کریں۔

(۵) یہ ہے کہ جس طرح آفتاب روشن ہونے کے بعد تاریکی ہوتی ہے مگر اس کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے۔ دہر ایک و پیرہ پر نہیں رہتا۔ اسی طرح جو اس دہر میں ہیں۔ ان پر بھی ویسے تغیرات ہوں تو کیا تعجب ہے۔ عارف کی یکساں حالت نہیں رہتی۔ کبھی آفتاب غیب اور خورشید جمال حقیقی ایسا جلوہ گر ہوتا ہے کہ اس کی دو پہر ہوتی ہے۔ جہاں ظلمت سیمیہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور پھر کبھی انسانیت کی تاریکی اور مادیت کی رات بھی چھا جاتی ہے مگر اس رات کے بعد پھر آفتاب معنوی جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایسی جزر و مد سے یہ خیال کر لینا کہ ان کو وہاں سے دوری ہوگئی، انہیں کا کام ہے جن پر سدا بشریت کی رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے اور یہ تفاوت ایک لذت رکھتا ہے۔ کس لیے کہ ہجر کے بعد وصال ایسا ہی مزہ دیتا ہے جیسا کہ اہل جہان کے لیے رات کے بعد آفتاب کا جلوہ گر ہونا مسرت بخش ہے مگر یہ کور باطن اس مزے کو کیا جانیں جس مصلحت سے چند روز وحی بند ہوئی ہے۔ اس کی حقیقت سے یہ کیا واقف؟

پھر اس بات میں کیا لطیفہ ہے کہ تمام دن کی قسم نہیں کھائی صرف وقتِ چاشت کی برخلاف رات کے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں کی بلکہ عوم سمجھا گیا؟

وہ لطیفہ یہ ہے کہ وقتِ چاشت فرحت و سرور کا وقت ہوتا ہے اور رات غم و ہوم کا وقت ہے یا یوں کہو کہ یہ وقتِ چاشت تمام حیوانات کی بیداری کا وقت ہے۔ کس لیے کہ دن چڑھے تو بڑے عیاش اور نخوس بھی جاگ اٹھتے ہیں اور تمام رات نیند اور غفلت کا وقت ہے جو موت سے مشابہ ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ انسان کی فرحت اور اس کا سرور بہ نسبت غم و ہوم کے بہت ہی کم ہے یا اس کی دنیاوی ہستی کا زمانہ اس کے نیست کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ پھر اتنی سی خوشی اور ایسی حیات سربلغ الزوال پر یہ غرور یہ مگر اہی۔

فائدہ: ضحیٰ یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں کوئی نماز فریضہ نہیں۔ کس لیے کہ یہ کام کاج کا وقت ہے لیکن آخرت کے لیے اس وقت بھی چند نوافل پڑھنا ایسا ہی مسنون ہے کہ جیسا رات میں تہجد یا اس سے کسی قدر کم۔ نماز چاشت کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں۔ اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں اور اہل اللہ کا دستور قدیم ہے اور اہل بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر و تنگدستی سے دور رہنا چاہے تو نماز چاشت پڑھے اور اگر گور کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نماز تہجد پڑھا کرے۔

اب وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کی صداقت کے لیے دن اور رات کی قسم کھائی ہے۔ فقال ما ودعك لربك وما قلنی کہ نہ تمہارے رب نے اے محمد (ﷺ) تمہیں رخصت کیا ہے اور نہ تمہارا پروردگار تم سے ناخوش ہوا ہے یعنی یہ جو چند روز کسی مصلحت سے وحی بند ہوگئی اس لیے نہیں کہ تمہارے رب یعنی پرورش کرنے والے کی پرورش میں کچھ قصور یا تمہاری حالت میں کچھ فوراً آگیا ہو بلکہ عنقریب پھر وہی آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب ظاہری جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اب جلد وصال دائمی اور قرب روز افزوں آپ کو میسر آئے گا۔ اس لیے فرماتا ہے۔ وللاخرة خیر لك من الاولى کہ تمہاری ہر پچھلی ساعت پہلی سے بہتر ہی بہتر ہے جو آج قرب و کمال ہے، کل اس سے زیادہ ہے اور جو صبح ہے شام اس سے زیادہ ہے اور ربوبیت تامہ کا بھی یہی مقتضی ہے کہ ہر آن اور ہر زمان پرورش کا سلسلہ جاری رہے۔ پرورش ظاہری سے تو اور بھی مستفید ہیں مگر پرورش باطنی اور جو تائید الہی تمہارے لیے ہے کہ بغیر کسی مرشد و معلم کے خود حق سبحانہ نے تمہاری روح پر تجلی فرمائی اور اپنے نور حقیقی سے منور کیا اور علم اولین و آخرین کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دیے وہ کم نہ ہوگی بلکہ اب یہ

وصال علی الدوام ہوگا اور مراتب قرب میں آپ درجات طے کرتے جاویں گے اور دنیا سے اٹھنے کے وقت دنیا و مافیہا سے نفرت کلی اور عالم بالا کا شوق اور جذبہ بے حد مستولی ہوگا۔ چنانچہ بوقتِ اخیر آنحضرت ﷺ بار بار یہی فرماتے تھے۔ اللهم الرفیق الاعلیٰ۔

اور اسی لیے واصلاحِ حق کی اخیر عمر کا حصہ پہلی سے زیادہ تر متبرک سمجھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اول عمر میں کمالات باطنیہ کی ترتیب ہوتی تھی تو اخیر میں کھلم کھلا۔ بعض علماء نے آخرت سے مراد دارِ آخرت اور اولیٰ سے دنیالی ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے۔ کس لیے کہ دنیا آپ کے لیے تکالیف و شدائد کا گھر تھا۔ مہینوں سوکھے ٹکڑوں یا چند چھوہاروں اور پانی پر اوقات بسر کی ہے۔ دو وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا میسر نہیں آیا ہے۔ پھر نا اہلوں کے ظلم و تعدی اور اصلاحِ عالم کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ مخالف خون بہا رہے ہیں تو آپ دعا کر رہے ہیں۔ کسی سے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیا۔ کسی سے اپنے دنیاوی حقوق کا مطالبہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی عیش و نشاط کا سامان نہ بہم پہنچایا۔ وہ خدائے پاک کے نور مجسم جن پر ہماری روح فدا ہورات دن ہماری فکر میں رہ کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہمارے لیے تجویز کرتے رہے۔ آخرت میں آپ کے لیے نعم بے حد اور سرورِ سرمد ہے بلکہ وہ اس جہان کے سلطان اور حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی کے مالک اور تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت ابوالقاسم ہیں۔ صلوة اللہ علیہ وسلام۔

دوم آپ کی سیادتِ کبریٰ اور سلطنتِ عظمیٰ کا ظہور کلی دارِ آخرت ہی میں ہوگا۔ مرنے کے بعد ہر مومن پر روحِ پاک کی تجلی اور نورِ بزرگوار کا جلوہ ہوگا اور ہوتا ہے اور یہی جلوہ نجات کا باعث ہے اور میدانِ حشر میں تاجِ کرامت آپ کے سر مبارک پر رکھ کر مقامِ محمود میں کھڑے کئے جاویں گے اور تمام انبیاء و اولیاء و آخرین کی نگاہیں اس روڑِ آپ ہی کی طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ آپ ہی شفاعت کریں گے جس طرح شفیق ماں اپنے گم شدہ بچوں کو ڈھونڈتی پھرا کرتی ہے۔ آپ امت کے مجھ جیسے روسیاء ہوں، گنہگاروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے رب کریم کے سامنے لے جا کر بخشوائیں گے۔ آپ کا حوضِ کوثر تشنگانِ میدانِ حشر کو سیراب کرے گا۔ آپ کا سایہ امت کو جگہ دے گا۔ (اے میرے آقا روحی فداک میں بھی حضور کا ادنیٰ غلام ہوں۔ میں بھی اس فیضِ عام سے فیضیاب ہوں۔ آپ کے غبارِ پاک کے قربان محروم نہ کیا جاؤں۔ تنگ امت ہی سہی پر آپ کا نام لیوا تو ہوں۔)

اور چونکہ کفار نے آنحضرت ﷺ کی دل شکنی کی تھی تو حق سبحانہ آپ کو خلعتِ عز و امتیاز عطا کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملازم خاص پر عنایت فرما کر کوئی معزز عہدہ عطا کرے اور وہ کمالِ جدوجہد سے اس خدمت کو ادا کر رہا ہو لیکن حاسدانِ بداندیش محض اس کی دل شکنی کے لیے جھوٹی خبریں اڑائیں اور بدنام کریں کہ بادشاہ نے اس سے یہ خدمت چھینی لی اور نظروں سے گرا دیا تو ایسے موقع پر بادشاہ لوگوں میں عزت و امتیاز کے لیے اور ان کے مخالفین کی باتوں کو غلط کرنے کے لیے اس معزز ملازم کو خلعت و عطیات سے سرفرازی بخشا کرتا ہے اور آئندہ ترقیوں کے لیے وعدہ فرمایا کرتا ہے تاکہ نہایت ہمت و کوشش سے اپنی خدمت کو ادا کرتا رہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو شرف فرماتا ہے۔ فقال ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ کہ تمہیں تمہارا رب اتادے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ یہ بڑا وسیع وعدہ اور نہایت گراں بہا خلعت ہے۔ کس لیے کہ ایسے وعدوں میں دو باتوں کی طرف نظر کی جایا کرتی ہے۔ اول وعدہ دینے والے کی طرف۔ کس لیے کہ اگر تنگ حوصلہ یا کم مایہ کسی کو ایسا وسیع وعدہ دے تو وہ بلحاظ اس کی قدرت و حوصلہ کے ایک معمولی وعدہ بلکہ اس سے بھی کم سمجھا جاوے گا۔ مخاطب خیال کر سکتا ہے کہ یہ کیا مجھے کوئی جاگیر یا ملک دے گا۔ یہی دو چار روپے پیسے اور اگر کوئی شہنشاہ بلند حوصلہ ایسی بات کہے تو ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی جاگیر یا ملک عطا ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے وعدہ ہو اس کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرد مایہ شخص ہے تو اس کی قابلیت اور حوصلہ کے موافق عطیہ خیال کیا جاوے گا اور اگر بڑا شخص اور بلند حوصلہ ہے تو اسی کے موافق عطیہ متصور ہوگا۔

اب اس مقام پر وعدہ دینے والا تو خدائے تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں داریں ہیں اور اس کی بلند حوصلگی لفظ رب سے ظاہر ہے جو

تمام مخلوق کو بلا امتیاز مومن و کافر مطیع و عاصی ہر وقت پرورش کر رہا ہے اور ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرے گا۔ اور جس کی نسبت وعدہ ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ ہیں جو حق سبحانہ کا دنیا میں ظل ہیں اور بلند حوصلگی آپ کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے دشمن کو سرد پانی بھی دینا گوارا نہیں کرتا۔ آپ ان کو سلطنت جاودانی اور ملک کامرانی دیتے ہیں۔ پھر اب اس وعدہ کی وسعت کو غور کر لیجئے کہ کیا کیا دیں گے جو کچھ آپ کو کمالات جسمانی سے لے کر کمالات اخلاقی و روحانی عطا ہوئے اور جو کچھ شرف و امتیاز دوسرے جہان میں عطا ہوں گے۔ اگر ان کو بیان کیا جاوے تو ایک دفتر میں بھی نہ سوائیں اور حق سبحانہ نے فقیر کو توفیق دی تو خاص اسی آیت کی تفسیر میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر آنحضرت ﷺ کے عطیات و کمالات کا کچھ نمونہ دکھائے مگر اگر ادنیٰ بات اس وعدہ کی وسعت کی جو آنحضرت ﷺ کی بلند حوصلگی کی ایک دلیل ہے۔ یہ بات ہے کہ اس جملہ کو سن کر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں کبھی راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک شخص بھی جہنم میں رہے گا۔ آخر جہنم الخلیب فی انہیں۔ ویدہ مانی صحیح مسلم۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَىٰ ۙ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۙ وَوَجَدَكَ عَابِدًا
فَاَعْنَىٰ ۙ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْهَرُ ۙ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۙ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ
رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۙ

کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر جگہ دی اور اس نے تمہیں حیران پایا پھر تمہاری رہنمائی کی اور اس نے آپ کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا۔ پھر یتیم لے کو دبا یا نہ کرو اور سائل کو جھڑکانہ کرو اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کرتے رہا کرو۔

ترکیب ! الم یجدک هذا شروع فیما انعم اللہ علیہ والہمزہ لانکار النعمی و تقریر المعنی فکانہ قال قد وجدک یتیمًا والوجود بمعنی العلم۔ فآویٰ قرء المحصور بالالف بعد الهمزہ رباعیا من آواہ یوہ وقرئ ثلاثیا وهو ما بمعنی الرباعی اذ وی لہ اذ رحمہ ووجدک ضالا فہدی معطوف علی المضارع المہمی وقیل علی ما یقتضیہ الکلام السابق والصلال مھنا بمعنی المغفلۃ کما قال الزجاج ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولا یضل ربی ولا ینسیٰ وقولہ تعالیٰ ان تضل احدا ہما فتذکر احدا ہما الاخریٰ وقیل من الطلب والمحسبۃ کقولہ تعالیٰ انک لغی ضلالک القدیم ووجدک عابداً الخ معطوف علی الکلام السابق یقال عال الرجل یحیل عیلة اذ افتقر اما الیتیم منصوب بتقہر قرئ بالکاف۔ والعرب تعاقب بین القاف والکاف وقیل اقہر الغلبۃ والکھر الزجر قال ابو حیان ہی نعمۃ واما السائل منسوب بتقہر والتقدیر مہما یکن شیء تقہر الیتیم فلا تقہر السائل واما بنعمۃ ربک فحدث قیل المراد بالنعمة النبوۃ وقیل عام والاتحدث البلاغ والاظہار او الشکر الجار والمجرور متعلق بحدث والقاف غیر مانعۃ من ذلک لانھا کالزائدۃ قال الکرنجی۔

تفسیر ! پہلے فرمادیا ہے کہ ہم آپ کو اس قدر دیں گے کہ آپ راضی ہو جاویں گے۔ اب اس قول کی تائید و صداقت یا اطمینان قلبی کے لیے آنحضرت ﷺ کے چند گزشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرماتا ہے جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایتیں ہوئیں اور ان مواقع میں کیا کیا عطا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف کے تین حال ہیں۔ (اول) لڑکپن بلوغ کی حد تک کی عمر سو اس عمر میں آپ یتیم تھے۔ آپ پر کیا بے کسی تھی مگر حق سبحانہ نے کیا کیا انعام و اکرام کئے۔ اس لیے اس پہلی حالت کی بابت فرماتا ہے۔ الم یجدک یتیمًا فآویٰ کہ

کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر تم کو جگہ دی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حمل میں تھے کہ حضور ﷺ کے والد ماجد عبد اللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی۔ پھر حق سبحانہ نے یہ انعام کیا کہ آپ کے جد امجد عبد المطلب کو آپ پر مہربان کر دیا۔ ایسا کہ آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے۔ حالانکہ عبد المطلب کثیر الاولاد تھے اور حال یہ تھا کہ جب حضرت ﷺ چھ برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ اب نہ ماں ہے نہ باپ صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبد المطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے۔ جب آٹھ برس کے ہوئے تو عبد المطلب بھی چل بسے۔ اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگر ان کی جگہ حضرت کے چچا ابوطالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا۔ یہ یتیمی کا زمانہ اس طور سے گزرا۔ اب بالغ ہوئے۔ یہ دوسرا حصہ عمر کا شروع ہوتا ہے۔ اس میں جوانی کی امتگیں اور نوخیز شباب کے دلوں کے بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔ ہر چند آپ مادر زاد نبی تھے اور طفولیت ہی میں رئیس الموحدین تھے۔ خدا پرستی مکارم اخلاق آپ کا شیوہ تھا مگر ہنوز مراتب قرب اور محبت کی سنگلاخ گھاٹیوں اور نیز وحی اور شریعت اسلام کی حقیقت سے جو آپ کو بعد میں الہام ہوئی ناواقف تھے۔ اس کو چہ سے بھولے ہوئے تھے اور حیران و طالب تھے لیکن حق سبحانہ نے رہنمائی کی۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں ایماء کرتا ہے۔ ووجدك ضالاً فهدى کہ ہم نے تمہیں بھولا ہوا یا طالب پایا کہ پھر تمہیں رہنمائی کی۔ جیسا کہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔ ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان الاّ یہ۔ آپ عبادت کرتے تھے مگر یہ تعداد رکعات اور اس کے آداب و قوانین نہ جانتے تھے۔ ناپاکی سے دور رہتے تھے۔ ہاتھ پاؤں دھولیا کرتے تھے مگر وضو اور غسل کے دستورات نہ جانتے تھے۔ خیرات کرتے اور اس کی تاکید کرتے تھے مگر اس کے مصارف اور مقدار زکوٰۃ اور اس کے دیگر دستورات سے واقف نہ تھے۔ اسی طرح ایک محبت الہی کا جذبہ تھا اور دل میں ایک آتش عشق شعلہ مارتھی مگر اس کی ترقی اور اس کے قوانین سے واقف نہ تھے۔ اس حالت کو ضلال سے تعبیر کیا جو ان کی ہدایت سے بڑھ کر تھی۔ مفسرین نے ضلال کے چند معنی بیان فرمائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ضلال سے مراد رستہ بھولنا ہے جو آپ شام کے سفر میں بھول گئے تھے۔ بعض نے کہا حلیہ سعدیہ کے ہاں ایک بار جنگل میں گم ہو گئے تھے۔ بعض نے کہا کہ مکہ میں رہا کرتے تھے تب رستہ بھول گئے تھے۔ ابو جہل جار ہوا تھا۔ آپ کو اٹھا کر اپنے پیچھے سوار کر کے اونٹنی کو ایز ماری تو نہ اٹھ سکی۔ ہر چند مارتا تھا مگر وہ جنبش بھی نہ کرتی تھی۔ آخر ہاتھ غیب نے آواز دی کہ تو نادان ہے۔ جہاں کے سردار کو پیچھے سوار کرتا ہے اور آپ آگے ہوتا ہے۔ یہ آگے ہونے کے قابل ہے۔ تب آپ کو آگے بٹھایا۔ جب اونٹنی چلی۔ آ کر عبد المطلب سے کہا کہ یہ تیرا بچہ دیکھئے کیا کیا گل کھلاتا ہے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بعض نے کہا وہ ضلال محبت کی بے تابی ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے ٹھگی اور اسی لیے بیٹوں نے بھی کہا تھا انک لغی ضلالک القدیم حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور کسی گمراہی میں نہ تھے لیکن اس مقام پر ضلال سے مراد طلب اور حیرت ہے جو حضرت ﷺ پر طاری تھی۔

فائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام جمہور اہل اسلام کے نزدیک گمراہی سے پاک تھے۔ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک کوئی ناپاک دھبہ ان کے دامن عصمت پر نہیں لگا اور نہ لگنا چاہیے۔ کس لیے کہ جس نے ان کو نبی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا۔ وہ ان کی سیرت اور صورت اور اخلاق کو نفرت انگیز کیونکر ہونے دیتا جس میں سراسر مقصود الہی فوت ہو جاتا۔ بعض گمراہوں نے آنحضرت ﷺ کو گمراہ کہنے میں اس لفظ سے استدلال پکڑ کر بڑی جرأت کی ہے۔ اگر نادانستی ہے تو خیر اور اگر متعصب عیسائیوں اور خود جیسا عناد اور آفتاب پر گرد و غبار ڈالنا مقصود ہے تو بڑا کمینہ پن اور دارین کی رو سیاہی ہے۔

تیسری حالت یا عمر شریف کا وہ حصہ ہے کہ جس میں عیال داری ہے۔ خصوصاً جبکہ آنحضرت ﷺ نے مکہ شہر میں نکاح کیا جہاں نہ زراعت تھی نہ صنعت نہ کوئی کارخانہ تجارت۔ اس وقت حق سبحانہ نے یہ احسان کیا کہ آپ کو غنی کر دیا۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں اشارہ

فرماتا ہے۔ ووجدك عائلا فاغنى اور تم کو فقیر پایا تو غنی کر دیا۔ حضرت ﷺ کی تنگ دستی تو ظاہر ہے مگر غنی کیونکر حاصل ہوئی۔ اول تو اصل غنی دل کی غنا ہے۔ سو یہ بات حضرت ﷺ کو بہت کچھ عطا کی اور دراصل جس کو غنا نفس حاصل نہیں۔ گو کیسا ہی مالدار ہو مگر سخت محتاج ہے، مارا مارا پھرتا ہے، دل میں بے قراری ہے۔ برخلاف غنائے نفس کے کہ اس کو اطمینان ہے۔ دوم حضرت کو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوی ملی جس سے ایمان قریش نکاح کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کی طرف رغبت نہ کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو قبول کیا۔ یہ بڑی مالدار تھیں اور آنحضرت ﷺ کی تابعدار بلکہ جان نثار بھی تھیں۔

یعنی ہم اے نبی کریم ﷺ تمہاری گزشتہ عمر میں تم پر کیا کیا احسان کرتے رہے۔ پھر اب آئندہ جو بیشمار عطیات کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس کو کیونکر نہ پورا کریں گے۔ اب ان تینوں زمانہ کے انعامات کے شکر یہ ادا کرنے کے لیے تین حکم صادر فرماتا ہے۔ (۱) فلما الیتیم فلا تقهر کہ یتیم جو ہو سو اس پر ظلم نہ کرنا۔ اپنے یتیمی کے زمانہ کو یاد کر لیا کرو۔ آنحضرت ﷺ تو کسی یتیم کو کیا اور بھی کسی کو نہ دباتے تھے نہ کبھی دبیانہ کسی پر سختی کی۔ عرب میں اسلام سے پہلے جہالت اور سخت بدکاری کی کوئی حد نہ تھی۔ خصوصاً یتیموں، بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کے لیے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات نہ تھی۔ اس لیے بظاہر تو نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے مگر معنی سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا یہ لفظ عام ہے۔ زبانی جھڑکنا سخت کلائی کرنا بڑی نگاہ سے دیکھنا اور اس کو مارنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا یا دعا غریب سے لے لینا سب قہر میں داخل ہے بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا اس کے حال زار پر رحم نہ کھانا بھی قہر ہے۔ عرب اس مرض میں مبتلا تھے اور نیز دفع مضرت طلب منفعت سے مقدم ہے۔ اس لیے یہ فرمایا کہ قہر نہ کرنا یوں نہ کہا کہ رحم کر اور یہ بھی نکتہ ہے کہ جب قہر نہیں تو خواہ مخواہ رحم ہی رحم ہے۔

پیغمبر خدا ﷺ بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنے کی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح رہے گا اور اپنی دونوں انگلیوں کی طرف ملا کر اشارہ فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے۔ اسی طرح میرے ساتھ ہوگا۔ یہ مضمون صحیح بخاری میں موجود ہے اور یتیم ہی پر موقوف نہیں۔ ہر ضعیف و بے کس پر رحم کرنا اسلام اور اسلامیوں کا شیوہ ہے۔ اب ان بیکسوں میں سے ایک سائل بھی ہے۔ جب نہایت ذلیل و خوار حالت ہو جاتی ہے تب ہی شریف سوال کرتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے واما السائل فلا تنهر اور جو کوئی سائل ہو اس کو نہ جھڑکو۔ اگر اس کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دو بشرطیکہ ممنوع امر کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دو۔ سائل کی دل شکنی نہ کرو اور دیگر طعنہ و تشنیع نہ کرو کہ ایسے دینے کا کچھ بھی ثواب نہیں۔ یہ اس دوسری نعمت کے شکر یہ میں ہے یعنی آپ کو تنگ دستی کے بعد نبی کیا اپنے وقت کو نہ بھولو۔

آنحضرت ﷺ کی سخاوت اور مروت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نہیں تو کہنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ بھوکے ہیں سائل نے مانگا جو میسر آیا دے دیا۔ ایک بار بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔ بانٹ کر خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بار ایک عورت نے ایک عمدہ چادری کر آپ کو بھیجی۔ سائل نے مانگی اسی وقت اتار دی۔ کبھی گھر میں مال و زر کچھ بھی نہیں رکھا۔ اس کے سوائے اپنے پاس نہ ہوا تو قرض لے کر دیا یا اور سے فرمائش کر کے دلوا دیا۔ یہاں تک کہ ایک بار ایک ہی کرتا تھا جسے پہنے ہوئے تھے۔ کسی نے مانگا اتار دیا۔ اب کوئی کپڑا نہیں جو پہن کر نماز پڑھانے آویں۔ لوگ بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس بارے میں آخر آیت نازل ہوئی کہ ایسا ہاتھ نہ کھولو کہ تنگ ہو کر گھر میں بیٹھا رہنا پڑے۔

فائدہ: آیت میں سائل سے وہی سائل مراد ہیں جو حاجت مند ہو کر سوال کرتے تھے نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے بارہ مہینے گداگری کو پیشہ کر لیا ہے اور صحیح و تندرست ہیں۔ کما سکتے ہیں مگر کہیں کوئی بہروپ بھر لیا ہے۔ کہیں کوئی اور صورت بنالی ہے۔ صدائیں اور اشعار یاد کر لیے ہیں اور ہٹے کٹے ہیں۔ پھر ایک نہیں دو دو چار چار جماعت بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور نکیوں میں بیٹھ کر مسکرات پیتے ہیں، بھگ گھونٹتے ہیں۔

چس کے دم لگاتے ہیں۔ نہ نماز ہے نہ روزہ اور اسی کو فقیری اور وصول الی اللہ اور معرفت و حقیقت کی روح جانتے ہیں اور پھر مانگتے کیا ہیں۔ گویا شاہی حکمنامہ ساتھ لے کر چلتے ہیں، اڑتے ہیں تو لیے بغیر ملتے نہیں اور پھر کیا کیا آوازہ کہتے ہیں۔ ایسا سوال حرام ہے اور ایسے سائل عرب میں نہ تھے اور جو کوئی تھا بھی تو شریعت نے منع کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا، درے مارے ہیں۔ یہ بے حیائی کا پیشہ جیسا ہندوستان میں ہے شاید کہیں اور بھی ہو۔ اس نے صد ہا لوگوں کو بیکار اور نکما کر دیا۔ حاجت مندوں کا حق تلف کر دیا۔ ایسے لوگوں کو دینا اور جو دراصل حاجت مند ہیں اور شرم کے مارے سوال نہیں کرتے، ان کو نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اگر اس وقت کے مسلمانوں کی سخاوت قانون محمدی کے موافق ہوتی تو بہت کچھ نفع ہوتا۔ یہ بھی جہل کا کرشمہ ہے۔

فائدہ: آیت میں ایک لطیفہ ہے۔ سائل کے لیے لفظ تھر ایک عجیب لطف عربی زبان دانوں کو دے رہا ہے کیونکہ سائل سے سیلان اور تھر سے نہر سمجھا جاتا ہے جس کو سیلان ہوتا ہے۔ سائل سے وہ سائل بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسائل پوچھے۔ اس کو بھی جھڑکنا نہ چاہیے۔ یہ آداب تعلیم ارشاد ہوا ہے۔

اب اس تیسری نعمت کے مقابلہ میں یعنی ہدایت و ارشاد کے مقابلہ میں یہ حکم ہوتا ہے واما بنعمة ربك فحدث اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو۔ نعمت کا لفظ عام ہے۔ کوئی بھی نعمت ہو اور بیان کرنے سے وہ بیان کرنا مقصود ہے جس میں تعظی اور استکبار یا ریا کاری نہ ہو بلکہ اوروں کو حق سبحانہ کی عطاء و جود کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو۔

بعض علماء نے بقرینہ فہدیٰ نعمت سے مراد نبوت و ہدایت لی ہے اور دراصل یہ بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور اس کے بیان کرنے سے بندوں میں اس کا اظہار اور ابلاغ اور اگر گمراہوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں جو کچھ روحانی برکات ہیں وہ تو ہیں ہی مگر امور معاش میں بھی ایک ادنی تاخیر یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گرم ہو جاوے تو سات بار اس سورہ مبارکہ کو پڑھے۔ انگلی کے سرے کو سر کے ارد گرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اصحمت فی امان اللہ و امیت فی جوار اللہ امیت فی امان اللہ و اصحمت فی جوار اللہ پڑھ کر دستک دے تو وہ چیز مل جائے۔ روح جو اپنا عالم قدس کا آشیانہ کھوٹیٹھی ہے۔ اس سے اس کا بھی جلد پتلا جاتا ہے۔ اللہ اکبر۔

(سورہ انشریح مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۙ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۙ وَالْاِلٰهَ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا کہ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور کیا ہم نے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند نہیں کیا۔ پھر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوا کرو تو جھک پڑا کرو اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگا لو۔

ترکیب | الم نشرح الخ الاستفہام تقریری والمعنی قد شرحت لك صدورك ووضعنا عنك معطوف علی معنی ما تقدم وعك متعلق بوضعنا و

تقدیر علی المفعول الصریح مع ان حذو التاخر بمجل السرۃ والتشویق الموعز الذی الخ وصف الوزر ودفعنا الخ معطوف علی السابق یسما اسم ان مع العسیر خبر ما والعسر فی الموضعین واحدا لان المعرفة اذا اعمدت یراد بها الاول والیسر غیر الاول ولذا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یغلب عسیر یرین ان اللہ یقول ان مع العسیر سیرا الخ۔ اخرجه عبد الرزاق وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان وغیرہم۔

تفسیر ۱۔ یہ سورۃ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ والضحیٰ سے ایسی ہے کہ بعض نے اس کو پہلی سورۃ کا جز سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ دونوں ایک سورۃ ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا یہی قول ہے لیکن دراصل یہ دونوں دوسورت ہیں۔ اس لیے کہ وہاں استفہام غائب کے صیغوں سے ہے جیسا کہ العیجد ک یتیمما الخ اور یہاں متکلم کے صیغہ سے اور دونوں کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سورۃ کے مضامین سورہ والضحیٰ کے اخیر مضامین کا بقیہ ہیں اور آنحضرت ﷺ پر جو جو افضال الہی ہوئے ہیں۔ ان کی طرف چھوٹے چھوٹے جملوں میں اشارہ ہے اور بعد ان کے دو حکم مؤکد ہیں جو تکمیل و ترقی کے لیے دور کن رکین ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اندر خدائے پاک نے دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے تھے۔ ایک وہ کہ جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور دوسرے وہ کہ جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ کی ذات پاک اور حق سبحانہ سے ہے۔ اول قسم کے کمالات میں سے وہ تین کمال سورہ والضحیٰ میں مذکور تھے (۱) یتیمی اور اس میں باوجود ایسے اسباب پیدا ہو جانے کے کہ کوئی سرپرست اور معلم نہ رہا تھا۔ پھر کمالات ظاہری باطنی کی ایسے معلم نے تعلیم دی کہ انبیاء اولوالعزم اور حکماء باکمال سے صد ہا منازل آگے بڑھ گئے۔ (دوم) ہدایت عطا کرنا اور صد ہا اقسام ہیں اور دنیاوی تدابیر اگر موافق مصلحت اور مقتضی حال کے نہ ہوں تو گمراہی ہے۔ پھر ان میں سیدھی راہ کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ پھر دینی امور میں قوانین نوامیسیہ سے لے کر قوانین سیاسیہ تک راہ راست سے افراط و تفریط ضلال ہے اور راہ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح اخلاق میں افراط و تفریط ضلال ہے۔ ان میں راہ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح قوائے انسانیہ کی تہذیب ہدایت ہے اور اس کے برخلاف ضلال ہے۔ اسی طرح مراتب قرب و منازل تقرب میں اوپر کے درجہ کی تعلیم ہدایت ہے اور اب یہ نیچا درجہ نقص و ضلال ہے۔ ان سب امور میں حق سبحانہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ہدایت کی۔ یہ کیسی نعمت و رحمت ہے۔ (۳) غنائے نفس اور غنائے مال جو ایک اور نعمت ہے۔ اس کا عطا کرنا بڑا احسان ہے کیونکہ ایسے مصلح قوم بنی آدم کے لیے اگر استغنائہ ہو تو کوئی فائدہ مترتب نہ ہو۔ یہ تیسرا کمال تھا۔

شرح صدر کی شرح ۱۔ ان تینوں کمالات کے بعد اس سورہ میں تین وہ کمال بیان فرماتا ہے جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ اور حق سبحانہ کے مابین ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) شرح صدر: اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔ یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں تمام حقائق ملک و ملکوت لاہوت و جبروت منکشف ہو جاتے ہیں۔ زبان اسرار غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ عالم غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی۔ رب اشرح لی صدری کہا لے رب میرا سینہ کھول دے۔ یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کبریٰ کے لیے یہ مرتبہ اور یہ کمال ضروری تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس کمال کے حاصل ہونے کی استفہام تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے۔ کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا یعنی کھول دیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوت کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو۔ اس لیے سب سے اول اسی کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال البغذ نشرک صدک کہ کیا ہم نے اے نبی (ﷺ) تمہارا سینہ نہیں کھول دیا ضرور کھول دیا۔ یہ استفہام تقریری کا کل ثبوت کا فائدہ دیا کرتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ دوبار آنحضرت ﷺ کا سینہ فرشتوں نے چاک کر کے قلب مبارک کو نورانی طشت میں آب قدس سے دھویا۔ ایک بار لڑکپن میں جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے۔ دوبارہ جبکہ معراج کو تشریف شریف عالم بالا کی طرف لے گئے۔ جمع الواہ بشریہ و

کہ دوراتِ انسانیہ دھو دیے تھے۔ یہی اس شرح صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک بچھر کے پر کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں۔ ہمّتِ عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لیے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیر کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں آپ انبساطِ قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔ لک کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کے لیے شرح صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپ ہی کے واسطے۔

فائدہ: شرح صدر فرمایا شرح قلب نہ فرمایا۔ اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدر سینہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر قلب ہے۔ جب قلب کا قلعہ ہی درست کر دیا اور شیطان اور اس کے وسوس کی آمد و رفت بند کر دی ہو تو پھر قلب تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے۔ کس لیے کہ وہ سینہ میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ جیسا کہ جب کوئی شہر محفوظ کر دیا جاوے تو اس شہر میں جو مخصوص گھر ہے وہ بدرجہ اول محفوظ ہوگا اور جب چور اس محفوظ گھر میں آنا چاہتا ہے تو اول اس شہر میں گھستا ہے، پھر جب کوئی رستہ پاتا ہے تو اس گھر میں بھی آگھستا ہے اور ہموں و غموں دنیا کے زہرِ یلہ اثر اور حب الشہوات و حرص آرزو ہائے دور دراز کے تلخ ثمر اور دارِ آخرت سے غفلت اور حق سبحانہ سے محو بیت کے ظلمات ڈال جاتا ہے۔ پھر نہ کسی طاعت میں لذت نہ اسلام و ایمان میں حلاوت پاتا ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جب یہ شہری محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی روشنی تجلیاتِ الہی کی ہوتی ہیں کہ کوئی چور و قزاق روحانی جذبات کے پاسبانوں کے سامنے آنے نہیں پاتا۔ تب عبادات و ریاضات میں حلاوت پاتا ہے۔ اس لیے شرح صدر فرمایا نہ شرح قلب۔

(۲) وزر کی تحقیق! اب دوسرے کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ ووضعتنا عنک وذرک الذی انقض ظہرک کہ ہم نے تمہارے اس بوجھ کو کہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی تم سے اتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟ صحیح تر بات یہی ہے کہ جس کی روح میں جو استعداد رکھی گئی ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا ایک جہلی بات ہے اور جب انسانی قوی اور اس کے اعضاء ان چیزوں کی برداشت نہیں کرتے اور ان استعدادات کے حاصل کرنے میں تائید نہیں کرتے تو وہ چیزیں کہ جن کا داعیہ اس کی روح کو ہے ایک بارگراں معلوم ہونے لگتی ہے اور بڑی کشش اور اضطراب میں پڑ جاتا ہے۔ یہ ہے بارگراں اور یہ ہر شخص پر اس کے روحانی حوصلے کے موافق کم و زیادہ ہوا کرتا ہے۔ چونکہ رسول کریم ﷺ کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرح صدر ہو چکی تھی تو آپ کے عزائم کا کیا انتہا اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے۔ نہ آپ کے قوی و جوارح ان کا تحمل کر سکتے تھے۔ یہ تھا وہ بوجھ بھاری کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ پیشین گوئی: مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یوں اتار دیا کہ اس کے سامان بہم پہنچا دیے اور قوی و جوارح میں طاقت دے دی یا سامان بہم پہنچانے کا یہ قوی وعدہ ہے۔ چونکہ یقینی ہے اس لیے اس آنے والی چیز کی ماضی کے صیغوں سے خبر دیتا ہے۔ یہ ایک قوی پیشین گوئی ہے جس کا تحقق بہت جلد ہوا۔

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ نبوت اور اس کے لوازمات کا بوجھ تھا کس لیے کہ آنحضرت ﷺ کا جب شرح صدر ہو چکا تھا اور تجلیاتِ الہی و آفتاب ذاتِ حق سبحانہ آپ کی روح پر جلوہ گر ہو چکا تھا تو آپ مقام شہود میں تھے۔ اس وقت سوائے خالقِ اکبر کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ مخلوق کا وجود ہی معدوم ہوتا تھا۔ پھر ان کے افعالِ خیر و شر کا تو کیا ذکر تھا۔ پھر کس کو کس بات سے منع کرتے اور کس کو کس بات کا حکم دیتے۔

بہا میری نظروں میں تو خوبرو ہے

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

پھر ایسے مستغرق الحال کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اعلیٰ مقام سے نیچے تنزل کرنا سخت بوجھ ہے۔ پھر اس بوجھ کو خدا پاک نے

یوں اتارا کہ مقام بقاء میں آپ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ کثرت وحدت کا حجاب نہ ہوئی عین تفصیل میں جمیعت کا مشاہدہ کرتے تھے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے سے وہ شہود غائب نہیں ہوتا تھا۔ یہ انتہی درجہ کمال ہے جو انبیاء اولوالعزم کا حصہ خاص ہے۔

بعض حضرات یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بوجہ بھاری جس نے کمر توڑ رکھی تھی وہ ہیولانیت اور امکان کا بوجھ تھا جو آپ کو اوپر نہ ابھرنے دیتا تھا اور عالم قدس کے حقوق سے مانع تھا۔ پھر جب اس کو خفیف کر دیا اور حدوث و امکان پر تقدس و وجوب کا پرتو اڑ گیا تو وہ بوجھ اتر گیا اور باطن آپ عالم قدس کے لوگوں میں داخل ہو گئے اور اسی لیے طرفہ العین میں آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہی وہ رفیع ذکر ہے جس کا ذکر آتا ہے

(۳) رفیع ذکر کا بیان | ورفعنالك ذکوک اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت ﷺ پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باتشنائے مواضع چند جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے۔ وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے۔ عالم غیب میں آپ سلطان ہیں۔ کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکر خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت ﷺ کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۃ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

اول کمرہ | اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلیٰ ہوں جس کی توفیق یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ عرب و عجم روم، شام، ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدبیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں۔ کسی گوشہ میں مامون ہیں۔ کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں۔ کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور صاحب قرآن ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نام آور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبان زد خلقت ہیں۔ ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور وہ ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذات بابرکات محمد مصطفیٰ ﷺ۔

دوسرا کمرہ | پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاد زمانہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں۔ بوعلی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابو یحییٰ بن ہریرہ کھڑا ہے۔ کہیں ظہیر قارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں بصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء و علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استاد کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ | تیسرے کمرہ میں قانون محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں۔ ہدایہ وغیرہ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ و نوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابو حنیفہ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک و امام شافعی حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین و ابن دقین العید و تاج الدین بکی وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنارہے ہیں۔

چوتھا کمرہ ۱۔ چوتھے کمرہ میں ایک مفتی منہج مسند افتا پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم و فنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا۔ رواں ہیں۔ کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب و سنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے۔ کہیں محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلوہ میں جو اسرار و دلالت رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے استفادہ کر کے قلم بند کر رہے ہیں اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور کہیں اہل دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظ و افراٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائل فرائض و میراث دریافت کر رہی ہے اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے صحیح قرأت کر رہے ہیں اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں لب و لہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ فرائض کے آداب و سنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع و رہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہا اور صفات باری اور اس کے افعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں۔ کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ آخر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں، ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالات جاہلانہ پر مبنی تھے اور کون سے من اللہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف و تبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرار احکام الہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد و رقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتی متحر وہی سرور کائنات ہیں۔ علیہ افضل التحسین والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ ۱۔ پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکام الہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوارا ہے۔ کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم و تعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو و لعب، ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق و فجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دعا بازوں، مکاروں، فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے۔ یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالی جناب علیہ السلام ہیں۔

چھٹا کمرہ ۱۔ چھٹے کمرے میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزت و وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں۔ پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ امرہم شورٰی کا اشارہ کر کے کاروبار سلطنت کے لیے مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکر جہاد کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔ واعدوا لہم ما استطعتم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ و سامان حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور ملازمان سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب و جوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کے قوانین و دستورات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کہیں ملک میں امن و امان قائم کرنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں۔ کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت و وقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت و شفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں، خیرہ چشموں سے سختی اور جو اندر دی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کس لیے کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلتی اور پرہیزگاری کی تعلیم و پیش و نشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد و محبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ و عیدین اور حج و عمرہ کی پرورش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر

میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتواں کمرہ ۱۔ ساتویں کمرہ میں ایک عابد و زاہد دنیا و مافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گرا نمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوت قرآن مع التہ بر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں۔ کبھی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد و ادعیہ صبح و شام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصاء ہے اور کسی غاریا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی انس ہے۔ ملائکہ علوی و سفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگان خدا بھی جوق جوق آ کر مستفید ہوتے ہیں۔ پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد و اشغال کی تعلیم ہے۔ کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے۔ نہ کسی امیر کی پروا نہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا۔ یہ حضرت بھی وہی سرور کائنات ہیں۔ صلوة اللہ علیہ وسلم۔

آٹھواں کمرہ ۱۔ آٹھویں کمرہ میں ایک عارف و کامل تشریف رکھتے ہیں ذات و صفات کے اسرار اور عالم ناسوت و ملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں۔ حقائق و معارف مواجید و اشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے۔ فصوص الحکم و فتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں کمرہ ۱۔ نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکھ جبار ہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثواب عظیم و اجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور عذاب جہنم کی پلٹیں دکھا کر توبہ کر رہا ہے اور کسی کو دار آخرت کے درجات اور حیات جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافروں پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔ مجلس میں آہ و بکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار غوثی ایسے رحمل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پر ہیزار بن گئے۔ ست و دغافل و ہوشیار بن گئے۔ کجس اور کنٹرخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرت و واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسواں کمرہ ۱۔ دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشد کامل صاحب طریقہ و صاحب دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیا کر رہی ہے۔ طالبان خدا کا اس کے ارد گرد جھوم ہے۔ وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات و احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگارنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے۔ کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے۔ کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے۔ کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقاء کا۔ کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں بکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی و شبلی و سید عبدالقادر جیلانی و شیخ احمد بدوی و معین الدین چشتی و نظام الدین محبوب الہی و شیخ شہاب الدین سہروردی و خواجہ بہاء الدین نقشبند وغیرہ اولیاء کرام حاضر ہیں۔ یہ مرشد کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

گیارہواں کمرہ ۱۔ گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے ٹار۔ وہ جمال الہی کا پورا آئینہ ہے۔ ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود اس کی طرف کھینچنے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے۔ وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

بار ہواں کمرہ ۱۔ بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عز و شان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب و داؤد و سلیمان و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ان کے گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ﷺ ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں۔ کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفیع ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اغر علیہ للنبوۃ خاتم من اللہ مشہور یلوح ویشہد
وضم الالہ اسم النبی مع اسمہ اذقال فی الخمس المؤذن اشہد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذو العرش محمود و هذا محمد

چونکہ یہ رفیع ذکر و شرح صدر و وضع وزر جو بڑی نعمت و سرور دانی ہے۔ یوں ہی نہیں مل گئی ہے۔ اس کے لیے حضرت رسول کریم ﷺ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے فان مع العسر یسر اکہ بے شک ہر سختی کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ جب کوئی سختی اور مشقت کا بوجھ سر پر دھرتا ہے تو بہت دیر کے بعد نہیں بلکہ بہت جلد راحت بھی پاتا ہے۔ اسی لیے بعد کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ مع کا یعنی کچھ دیر نہیں۔ اس میں ایمانداروں کو ان کے مساعی جلیلہ پر دنیا و آخرت میں کامیابی کا پورا وعدہ ہے اور اسی لیے اس جملہ کو دوبارہ تاکید کے لیے فرمایا جاتا ہے۔ ان مع العسر یسر اکہ ضرور رنج کے بعد خوشی اور دکھ کے بعد سکھ ہے۔ صبر کا نتیجہ اچھا ہے۔ دنیا میں دیکھو جب کاشتکار زراعت کی مشقت اٹھاتا ہے تو غلہ پیدا ہونے کی خوشی دیکھتا ہے۔ علم میں اور کمالات حاصل کرنے میں جو مشقتیں اٹھاتے ہیں بہت جلد اپنی کوشش کے پھل پاتے ہیں۔ اسی طرح جو ایماندار نفس کو بدخواہیوں سے روکتے اور عبادت و فرائض کے ادا کرنے میں مشقت و محنت اٹھاتے ہیں دنیا میں بھی ورنہ مرنے کے بعد جو بہت ہی قریب زمانہ ہے اور گویا ساتھ ہی لگا ہوا ہے، عمدہ پھل پاویں گے۔ اس میں سستوں اور کالموں تن پروروں کو تنبیہ ہے کہ وہ کبھی سعادت کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

اس جملہ کے دوبارہ لانے سے محاورہ عرب کے موافق زبان دانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک سختی کے ساتھ دور راحت عطا کیا کرتا ہے یا کہ دور راحت عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے کس لیے کہ لفظ عسر الف لام آنے سے معرفہ ہو گیا اور یسر کمرہ ہے اور جب معرفہ بار دیگر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے۔ برخلاف کمرہ کے کہ اس کے دوبارہ آنے سے پہلے سے غیر مراد ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے عسر تو وہی ایک رہا اور یسر دو ہو گئے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق و سعید بن منصور و عبد بن حمید و بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان مع العسر یسر الخ ہزار محدث نے کہا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں ابو حاتم رازی ہے اور اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ حسن بصری سے عبدالرزاق و ابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خوش اور شاد گھر سے باہر تشریف لائے، ہنس رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے

۱۔ عرفائے کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر الفصال کے ساتھ یسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بطن رکھا ہوا اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے۔ یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق علی الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وعدہ کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

تھے کہ ایک عمر یعنی سختی دویر یعنی آسانی پر غالب نہ آئے گی۔ فان مع العسر یسر ان مع العسر یسر۔ کسی عرب کے شاعر نے بھی اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

اذا اشددت بک الہلوی ففکر فی الم نشرح
لعسر بین یسرین اذا فکرتہ فافرح

کہ جب تجھ پر کوئی بلا آ جاوے تو الم نشرح سورۃ کو غور کر کہ اس میں ایک مشکل پر دو آسانوں کا وعدہ مذکور ہے۔ بعض علماء نے مع سے حقیقی مصیبت سمجھ کر ایک اشکال پیدا کیا ہے۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ خاص مصیبت کے وقت میں تحمل اور آئندہ آنے والی راحت کی قوی امید پر بھی ایک یسر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ مصیبت نہ کئے اور پھر دوسرا یسر اس مصیبت کے بعد میسر آتا ہے جبکہ اس سخت یا مصیبت کا اس رحیم و کریم کی طرف سے بدلہ ملتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایمان اور صبر کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ بے صبر و بے ایمان نہ جن کو خدا تعالیٰ کا اعتقاد نہ اس کے وعدہ پر بھروسہ اگر کسی مصیبت کے بعد راحت نہ دیکھیں اور خود مصیبت کے وقت بھی اطمینان و امید کی راحت قلبی ان کو نصیب نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اور ایسا دیکھا بھی گیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یسر سے مراد یسر دنیا اور ملکوں اور شہروں کا فتح کرنا اور اعدائے دین پر غلبہ پانا ہے اور دوسرے سے مراد یسر آخرت ہے اور وہ ثواب جنت اور عالم باقی کے درجات ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ هل تربصون بنا الا احدى الحسنین حالانکہ یہاں دونوں حسنی سے حسن ظن اور حسن ثواب مراد ہے۔ گویا اس جملہ میں ایمانداروں کو بشارت ہے کہ اگر تم اسلام میں سرگرمی اور کوشش کرو گے، سستی اور نامردی اور دنیا پر فریفتہ ہو کر اسلام میں دعا بازی نہ کرو گے تو تم کو دو آسانیاں اور فرحتیں اس تکلیف کے بدلے میں ملیں گی۔ ایک دنیا میں فتح و ظفر، عزت و اقبال دوسری آخرت کے درجات اور اگر یہ عمر گوارا نہ کرو گے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب الیم پاؤ گے۔ جہاں تک تجربہ ہوا اور تواریخ زمانہ شہادت دے رہی ہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ جب مسلمانوں نے اسلام کے فرائض بجا لانے کی تکلیف گوارا کی۔ خصوصاً اعداء دین کے مقابلہ میں جو نامردی کی تو وہ ملکوں کے مالک اور آخرت کے حصہ دار ہو گئے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اسلامیوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ پھر جب فرائض اسلام ترک کئے عیش و نشاط میں پڑے۔ نامردی اور خیانت اور حق میں جھٹلا ہوئے تو دنیا میں غیروں نے ان کے تاج و تخت چھیننے ان کی عزتوں کو خاک میں ملایا۔ غلامی کی ہتھکڑیاں اور فرمانبرداری کا طوق جو لعنت کا طوق ہے۔ ان کی گردنوں میں ڈالا۔ پھر دین بھی برباد ہوا۔ دنیا بھی گئی۔ سب سے اول خلافت عباسیہ کا انجام دیکھو کہ اس عہد کے تالائق خلیفہ کی عیاشی اور عہدہ داروں کی تن پروری اور غفلت اور عیش پسندی اور خیانت نے کیا آفت برپا کی۔ دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا، عورتوں کی عصمت تا تاری کفار کے ہاتھ کسی خراب ہوئی۔ سلطنت گئی، خزانے گئے، علوم مٹے، کتب خانے برباد ہوئے، مدارس و مساجد منہدم ہوئے۔ اسی طرح اندلس کی حالت ہوئی۔ پھر اس زمانہ میں جس پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری۔ فرانس نے الجیریا اور ٹونس پر اور روس نے ترکستان پر، انگریزوں نے ہندوستان اور اس کے ملکیات پر کیسا تسلط کیا۔ یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی عیاشی، بدکاری، سستی اور جہالت اور فرائض اسلامیہ سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ان نعمتوں کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ فاذا فرغت فانصب یعنی جب رسالت کے کام سے (جو تبلیغ احکام و عطا و پند تدبیر

عرفاء کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عمر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر انفصال کے ساتھ عسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بطل رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف جاب اور رفع غاب کا ہے یا یوں کہو کہ عمر اول جو احتجاب باطن عن الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عمر کے بعد جو احتجاب الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدت کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

امور مفصل قضایا ہیں) فراغت ہوا کرے تو عبادت کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ منجملہ ان دوراحتوں کے جو ایک سختی کے بعد عطا ہوتی ہیں۔ ایک بڑی راحت مشغولی بحق بھی ہے۔ کس لیے کہ ارواح طیبہ کا حیر طبعی تقرب الہی ہے اور تمام مشاغل ایک قسم کے عوائق ہیں جہاں دور ہوئے۔ فوراً دھر ہی میلان ہوا اور یہی ان کا آرام جان ہے۔ الا بذکر اللہ مطمئن القلوب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو تو تندرست ہو تو اپنا نکاح عبادت سے کر (یہ اس لیے کہ نصب کے معنی نکاح کے بھی ہیں) یعنی بڑی کوشش اور سعی عبادت میں کر کہ تھک جاوے۔ قنادر و ضحاک و مقاتل فرماتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو نوافل کے لیے کھڑا ہو اور دعا کر اور خوب کر کہ تھک جاوے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جب مشاغل سے فراغ دل حاصل ہو نماز کے لیے کھڑا ہونا مراد ہے۔ حقیقت میں جو اپنے فراغ کو اس کام میں صرف نہ کرے بلکہ لہو و لعب میں تو وہ عمر گرا نما یہ کو بر باد کرتا ہے مگر بعض ایسے بھی بد نصیب ہیں کہ انہیں دنیاوی جھگڑوں سے کبھی فراغت ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان کو اللہ کی عبادت کی فرصت کہاں اسی جنجال میں موت آتی ہے۔ عاقل کو ضرور فارغ ہونا چاہیے۔ یہ نعمت الہی کا شکر یہ ہے۔ (۲) والی ربک فارغ ب کہ اپنے رب کی طرف رغبت کر اس کی طرف پھر اسی کو مد نظر رکھ۔ یہ دوسرا ایسر ہے یعنی ہر کار اور ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوب حقیقی کی طرف نظر رہے۔ خصوصاً عبادت میں نہ ریا کاری مطلوب ہو نہ دنیا نہ آخرت بلکہ اس کی ذات اور اسی کا شوق اسی کا جذبہ محبت۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرح صدر میں اس قدر عروج تھا کہ بجز ذات حق کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ تجوہت کبریٰ تھی۔ پھر جب دنیا کی تکمیل کا آپ پر بوجھ ڈالا گیا جو بڑا بھاری بوجھ تھا اس لیے کہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ایسی حالت میں روح پردہ رنگ جو خاص مشغولی بحق میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی قدر متغیر ہو جاتا ہو۔ سو اس کی تدبیر بھی ارشاد فرمادی کہ جب اس کام سے فارغ ہوا کرے تو پھر روح کو اس کے تقرب سے قوی اور منور کر لیا کرو اور پھر اسی مقام پر شہود میں آ جایا کرو تا کہ ماندگی دور ہو جاوے۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جوان شدم
(اللہ اکبر)

(سورۃ التین مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالَّتِیْنِ وَالزَّیْتُونِ ۝ وَطُورِ سِیْنِیْنِ ۝ وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنِ ۝
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

قسم ہے زنجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس امن کے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے پھینک دیا مگر ان کو نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کئے سو ان کے لیے تو بے انتہا بدلہ ہے۔

ترکیب اوالتین الواو القسم والزیتون وطور سینین وهذا البلد الامین معطوف علیہ لقد خلقنا الانسان لجملة المصدرة بلام التاکید وقد الی آخرها جواب القسم۔ والقسم مع جواب جملة فعلیة۔ والمراد بالتین والزیتون عند الجمهور الشجرتان المعروفتان وقیل الجبلان وقیل البلدان وطور جمل کلم اللہ علیہ موسیٰ علیہ السلام فی ناحیة الشمال والغرب من العرب وهو مضاف الی سینین عند النحاة سینین وسیناء اسمان للذکر الذی

حاصل فیہ الجبل المذکور۔ وقال ابو علی الفارسی سنینین فعلیل کررت اللام الی صی نون فیہ ولم یصرف سنینین کالم یصرف سینا لانہ علم للبقیۃ وعجمی ای سریانی ولذا اختلفت عادة العرب فی تعریبہ فقیل سنینین وقیل سینا والامین بمعنی المامون وصف للبلد۔ فی احسن الخ فی موضع الحال من الانسان والمراد بالتقویم القوام لان التقویم فی الحقیقۃ فعل اللہ تعالیٰ اسفل منصوب مضاف الی سافلین وهو حال من المفعول ویجوز ان یکون نشأ لکان محذوف والتقدیر علی الاول ای رد دناہ حال کونہ اسفل سافلین ای ارذل وعلی الثانی رد دناہ مکانا اسفل سافلین ای الدرک الا الذین علی الاول استثناء متصل من ضمیر رد دناہ فانہ فی معنی الجمع وعلی الثانی منقطع ای لکن الذین کانوا صالحین من المکرّمیٰ فلہم اجر خیر مجموع علی طاہتہم علی الضعف والشیوۃ علی مقاساة المشاق۔

تفسیر ۱۔ جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن الضریس ونحاس وابن مردودہ ونبہیقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن الزبیر سے بھی یہی منقول ہے اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ بخاری ومسلم و ابن سنن وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے اور عشاء کی نماز پڑھائی تب ایک رکعت میں سورہ واہین والزیتون پڑھی سو میں نے آپ سے بہتر خوش آواز اور عمدہ پڑھنے والا نہیں سنا اور انہیں سے خطیب نے روایت کی جو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے سورہ واہین پڑھی اور بھی اس قسم کی روایات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سورہ کے ابتداء میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسان کی آفرینش کا حال اور پھر سعادت و شقاوت حاصل کرنے سے مآل بیان فرماتا ہے اور چاروں چیز اس کی کمال قدرت کے دلائل ہونے کے سوا اس مطلب کے ساتھ کمال مناسبت بھی رکھتی ہیں فقال والتین والزیتون وطور سینین وهذا البلد الامین کہ قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس شہر امین کی۔ طور سینا اور بلدا میں تو بالاتفاق دو جگہ ہیں۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام باری حاصل ہوا اور بلدا میں یعنی محفوظ یا امانتدار شہر مکہ ہے۔ یہ اس کا شہر ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ شہر دارالامن رہا۔ عرب میں باوجودیکہ اسلام سے پہلے باہمی وہ دھاتھی کہ جس کی انتہا نہ تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی تعرض نہ کرتا تھا اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تاقیامت باقی رہی۔ جو اس پر چڑھ کر آیا عارت ہوا۔ جس طرح اور شہروں پر آفات آئیں اس پر کبھی نہیں آئی۔ یہ اپنے رہنے والوں کا امانت دار ہے اس میں بڑی وجہ امین ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دنیا کے لیے بڑی نعمت اور اس کی امانت تھے اسی شہر کے تفویض ہوئے تھے ہر چند مشرکین آپ کی ذات بابرکات کے فکارت کرنے میں ساعی تھے مگر کسی کی کچھ بھی نہ چلی اس شہر نے یہ امانت بسلامت مدینہ منورہ کے سپرد کر دی۔

مگر تین اور زیتون میں متعدد اقوال ہیں: (۱) اکثر علماء کا تو یہ قول ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون کا درخت مراد ہے پھر ان میں کیا شرف ہے جو ان کی حق سبحانہ نے قسم کھائی؟ علمائے کرام نے اس کے چند اسباب لکھے ہیں اول یہ کہ یہ انجیر کا عجیب میوہ ہے جس میں نہ گٹھلی نہ پوست پھر غذا بھی ہے اور چند امراض کے لیے دوا بھی۔ سرب الہضم جید الکلیوس والکیوس بلغم کو کم کرتا ہے بدن کو فربہ گردوں کو ریگ وغیرہ سے پاک و صاف کرتا ہے اور کبد و طحال کے مسامات کھولتا ہے اور ام کو تحلیل کرتا ہے اس کو انسان بے مشقت کھا سکتا ہے اس کے درخت میں نہ کاٹا ہے نہ بہت بلند ہے کہ یہ پھل لینا مشکل ہو جاوے اور اس میں معنی اہل کمال سے پوری مشابہت بھی ہے کہ جس طرح وہ ظاہر و باطن میں یکساں ہیں یہ بھی ظاہر و باطن میں یکساں ہے۔ نہ چھلکا پھینکنے کے قابل نہ گٹھلی ڈال دینے کے لائق۔ دوم یہ کہ اہل کمال کی طرح یہ بھی لاف و گزاف سے مبرا ہے۔ پھل اور پھولوں کی بہار کا دعویٰ کرنے سے پہلے کمال مناسبت ہے اور اس سورہ میں اہل کمال کا حال ہے اور اسی طرح زیتون کو بھی اہل کمال سے ناہر و باطن میں کمال مشابہت ہے۔ زیتون کے فوائد بھی انجیر کی طرح بہت ہیں اس کے سوائے زیتون میں ایک اور بات بھی ہے جو انجیر میں نہیں وہ یہ کہ اس کے پھلوں کا تیل علاوہ سیکڑوں فوائد کے چلانے میں وہ روشنی

صاف دیتا ہے کہ ایسی اور نیوں میں کم ہوتی ہے جس سے اہل کمال کی اس روشنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو دنیا کے ہر امر میں ان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں اور پل صراط پر دائیں بائیں دوڑتی چلے گی الغرض ان دونوں میں ایک عمدہ خوبی ہے اور ان کے لگانے سے اور پرورش کرنے میں بڑی دقت نہیں ہوتی بلکہ پہاڑوں میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں یہی حال اہل کمال کا ہے کہ آفرینش سے ان کی ذات میں صلاحیت رکھی ہوئی ہے چنداں تربیت کی حاجت نہیں برخلاف خاردار بے ثمر درختوں کے کہ ان کی کوئی لاکھ تربیت کرے پھر وہی کے وہی رہتے ہیں۔ (۲) قول یہ ہے کہ ان دونوں سے دو مبارک شہر مراد ہیں کعبہ ﷺ کہتے ہیں تین دمشق کا نام ہے اور زیتون بیت المقدس کا اور برکات ان دونوں شہروں کے بسبب مولد و مسکن ہونے حضرات انبیاء علیہ السلام کے مشہور ہیں جس سے اہل کمال کے پیدا ہونے کے مقامات کا ذکر کر کے ان اہل کمال کا یاد دلانا مقصود ہے (۳) قول یہ ہے کہ تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں اور یہی قول کاتب الحروف کے نزدیک قوی تر ہے کیونکہ توریت سفر استثنیٰ کی تیسویں باب کے شروع میں ایک بشارت ہے اور وہ یہ ہے۔ ”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتش شریعت ان کے لیے تھی۔

اس کو تو اہل کتاب کے علماء بھی مانتے ہیں کہ سینا سے کوہ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا ہے کہ کلام کا شرف دینا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے میں وہ اپنے خیال کے موافق توجیہ کرتے ہیں اور شعیر اور فاران بھی فلسطین کے پہاڑوں کا نام بتلاتے ہیں مگر کوئی تسلی بخش بات نہیں بتلا سکتے کہ فلسطین یا شام یا تیہ ہی کے پہاڑوں کا نام شعیر اور فاران ہے اور اگر تسلیم کر لیا جاوے تو پھر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا کے کچھ معنی نہیں بنا سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شعیر سے مراد بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ مگر اس پہاڑ کے کہ جس پر بیت المقدس شہر آباد ہے دو کٹڑے ہیں ایک کو تاب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے روز دس ہزار قدوسی یعنی پاکباز صحابہ آپ کے ساتھ تھے اور آتش شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی جس نے بت پرستوں، منکروں، زنا کاروں، بدکاروں کو جلا دیا۔ پس اس بشارت کے بموجب اللہ پاک ان چاروں مقدس جگہوں کی قسم کھاتا ہے جہاں سے نبوت و رسالت کے آفتاب و مہتاب دنیا کو منور کرنے کے لیے جلوہ گر ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ آئندہ جو کچھ انسان کی سعادت و شقاوت کی بابت کہا جاتا ہے وہ لغو بات نہیں بلکہ ان چاروں جگہوں کے مقدس وابر حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول ہے کہ جن کو جہان مانتا ہے اور یہی تمام شرائع کا ماحصل اور خلاصہ مطلب ہے۔

پس تین وزیتون سے شام کے مقدس پہاڑ مراد ہیں جہاں سے حضرت عیسیٰ و داؤد سلیمان والیاس ﷺ وغیرہ اولو العزم انبیاء برپا ہوئے اب خواہ تین سے دمشق کا پہاڑ مراد لو جیسا کہ کعبہ ﷺ کا قول ہے اور ابن عباس ﷺ سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے اور اسی کے قریب ریح اور ضحاک اور عکرمہ کا قول ہے خواہ بیت المقدس کے سلسلہ کوہ کو جو زیتون کے سواء ہے اور زیتون تو بیت المقدس کا پہاڑ ہے جیسا کہ عکرمہ و کعبہ و قتادہ کہتے ہیں اور طور سینا سے بالا اتفاق وہ پہاڑ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ ﷺ پر تجلی ہوئی اور فاران کی جگہ هذا البلد الامین فرمادیا جس سے بالا اتفاق مکہ معظمہ مراد ہے۔ جو کوہ فاران پر آباد ہے چونکہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت علیہ السلام ممتاز نبی ہیں اس لیے ان کے مطلع الانوار مواضع کا جدا گانہ نام لیا گیا اور یکے بعد دیگرے ترقی ہوتی گئی کیونکہ سب سے زیادہ مرتبہ مکہ معظمہ کا ہے وہیں کے آفتاب نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔ فائدہ: بعض عرفاء فرماتے ہیں تین سے شجرہ روح قدسیہ کی طرف اشارہ ہے اور زیتون سے شجرہ عقل قدسی کی طرف کہ اسی کی روشنی پھیلتی ہے اور طور سینین سے عارف کے قلب کی طرف اور بلد امین سے محبت کے سینہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بے شمار اسرار الہی امانت رکھے ہیں۔ بہر حال ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کہ ہم نے انسان کو

بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا ہے۔ مع حق نے کھینچی ہے تیری تصویر اپنے ہاتھ سے اس کے تناسب اجزاء کو دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جائے ناک ہے تو کتنی اور کس موقع پر آنکھیں تو کیسی اور کس موقع پر بھوؤں اور پلکوں کی خوبصورتی اس نرگسی آنکھ کا (جس کی سفیدی اور سیاہی کبھی عاشق کو گمراہ کر رہی اور کبھی ہدایت پر لا رہی ہے) اور بھی حسن بڑھارہی ہے۔ پھر ہاتھ پاؤں ہیں تو ایسے قد ہے کہ سرو کو شمار رہا ہے رخساروں کی خوبی آفتاب و ماہتاب کو ماند کر رہی ہے۔ لال لب یا قوت بدخشان کو اور دردناں مروارید عدن کی لڑی کو شمار ہے ہیں اور حیوانات کو اور اس کو ملا کر دیکھا جائے تو قدرت حق کا تماشا نظر آئے پھر اس کے باطن میں کیا کیا قوتیں عطا کیں کہ اس کو قادر و سرمد سمیع و بصیر مدبر و حکیم و گویا بنا دیا۔ گویا اپنے صفات عالیہ سے حصہ عطا کیا چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ان اللہ خلق آدم علی صورۃ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ حق سبحانہ شکل و صورت سے تو پاک ہے لیس کمثلہ شیء افمن یخلق کمن لا یخلق کراس کی کوئی مثل نہیں اور خالق مخلوق جیسا نہیں پھر صفات ہی کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔ انسان باطنی لحاظ سے ایک عجیب مجموعہ ہے تمام عالم کا نمونہ ہے۔ سیکڑوں دریا جوش زن ہیں۔ سیکڑوں نہریں پڑی بہ رہی ہیں سیکڑوں بلند پہاڑ اس میں موجود ہیں۔ آتش فشاں مادے بھی ہیں۔ ہیبتناک پراز ظلمات جہنم کے مشابہ عیت گڑھے بھی ہیں جن میں گر کر نکلتا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پوجا و ادایاں بھی ہیں جن کے بھولے کو خضر ہی رستہ بتادیں تو بتادیں اب ان چار نہروں کو ہی دیکھئے کہ رات دن کس زور و شور سے بہا کرتی ہیں۔ شہوت کی نہر غصہ کی نہر طمع کی نہر خیال کی نہر۔ اگر یہ ٹھیک ٹھیک ہیں تو خیر اور جو طغیانی پر آجائیں تو پھر ان کے ڈوبے کبھی نہ ابھریں اسی طرح محبت و عشق کی نہریں علم و ادراک کلیات و جزئیات مادیہ و معانی مجردہ کے دریا رواں ہیں۔ قوائے لکھوتیہ کے بلند پہاڑ ہیں جن میں انجیر اور زیتون اور کیا کیا مفید اور پرثمر چیزیں ہیں اور قوائے ہیمنیہ کے پر خار وادی اور ہیبتناک گڑھے بھی ہیں جن میں سانپ بچھو اور زہریلے جانور رہا کرتے ہیں اور عالم کبیر پر ظلمات کی رات اور انوار حق کا دن بھی آتا ہے اور کجی ذات کا آفتاب اور نور روح کا ماہتاب اور انوار لطائف کے ستارے بھی چمکا کرتے ہیں یہ تو اس کی فطری حالت ہے اب جس نے اس کی اصلاح کی اور ان وادیوں اور گندہ نہروں اور ظلمات سے بچنے میں کوشش کی وہ سعادت کے ملک کا بادشاہ بن گیا اور جس نے کوشش نہ کی بلکہ خود انہیں کی طرف ان کا سبز باغ دیکھ کر جھک پڑا تو شقاوت کے عیت گڑھے میں گرا جو نہایت نیچے ہے۔ اب ان دونوں حالتوں کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہوتا ہے ثم ردناہ اسفل سافلین کہ پھر ہم نے اس کو اس کے برے کرتوتوں کے سبب نیچے کے درجہ میں پھینک دیا یا کہو گرا دیا اور جس قدر سافلین ہیں یعنی فروتر اور پست درجہ کے یہ ان سے بھی فروتر ہو گیا اور حیوانات میں تحصیل کمالات کی استعداد نہ تھی اس لیے وہ فروتر اور پست ہوئے مگر اس بد نصیب نے باوجود استعداد کے تحصیل کمالات میں کوشش نہ کی بلکہ نقص پیدا کر لیے۔ اس لیے اب ان سے بھی گزرا ہوا۔ اسی بات کی طرف لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ چار پایوں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے۔ الغرض شیطان ہو گیا اور خبیثوں میں مل گیا۔ یہ ایک حالت ہے اور دوسری حالت کی طرف اس استثنیٰ میں اشارہ کرتا ہے الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات فلہم اجر غیر ممنون مگر وہ اس پستی سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یعنی قوت نظریہ و عملیہ کو درست کر لیا وہ ملک سعادت کے بادشاہ ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر اور نیک بدلے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کو ہر نعمت میسر ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو ہم نے نہایت خوشنما قالب میں ڈھالا عمدہ انداز پر بنایا۔ چڑھتی جوانی کی بہار قابل دید ہوتی ہے۔ اس کی ایک حالت ہوئی اب اس کی مرضی بغیر اپنے آسمانی حکم سے اس کی حالت علو کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست تر حالت میں پہنچایا لیکن ایمانداروں نیکوں کو اس پر بھی دایر آخرت میں ایک نئی زندگانی اور بلندی ہے جس کو اجر غیر ممنون سے تعبیر کیا۔

فَمَا يَكْذِبُكَ بَعْدُ بِالذِّبْنِ ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَكَمِينَ ۝

پھر اس کے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے

ترکیب ! فما استنہا میہ ایشی وقل بمعنی من یکذبک الکاف مفعول یکذب و فاعلہ ضمیر يرجع الی ما والباء للسیئۃ فی بالذین و النظر متعلق بالفعل۔ اللہ فاعل لیس، باحکمہ الحاکمین خبر ہاد الاستغنام اذ اذخل علی النبی صارا الکلام ایجابا و تقریرافما یکذبک الخ قال القراء تقدیرہ فمن یکذب یا محمد بعد ظهور ہذہ الدلائل بالذین وقل الخطاب للانسان والمعنی فما الذی یلیک بعد ظهور الامر ایھا الانسان الی یکذب الیجزاء۔

تفسیر ! جب اے انسان! تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ حق نے تجھے عمدہ اور بہتر سے بہتر انداز اور شان میں پیدا کیا ہے اور پھر تیری حالت کو باعتبار ظاہر کے بھی ایسا پلٹا ہے کہ بوڑھا ہو جاتا ہے نہ آنکھوں میں نور رہتا ہے نہ چہرہ پر تازگی قدر عنا کمان کی طرح جھک جاتا ہے دانتوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتی ہیں، بھڑسا پلا منہ کھلا برامعلوم ہوتا ہے اور صد ہا نقصان پیدا ہو جاتے ہیں رع پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور باطن میں بھی تغیر ہوتا ہے کہ یا تو فطرت سادہ تھی پھر برے کاموں سے شیطان اور بھوت ہو جاتا ہے پھر اس صنعت و قدرت و کمال کے دیکھنے کے بعد فما یکذبک بعد بالذین وہ کوئی دلیل اور کوئی وجہ تیرے پاس ہے جو تجھے دار آخرت کے انکار پر مجبور کر رہی ہے یا کہو اے نبی علیک السلام! اس بیان اور ان حالات کے سننے کے بعد وہ کونسا تیرہ باطن ہے جو تمہیں قیامت اور اعمال کی جزاء و سزا کے معاملہ میں جھٹلا دے گا۔

اور اگر اس پر بھی باور نہیں الیس اللہ باحکمہ الحاکمین تو پھر کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور عقل کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء و عقلاء کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء و عقلاء سحر کار سب حاضر ہیں مگر وہ بھی جلیل و جبار کا زیر فرمان اسی طرح سے ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ فقیر و مفلس و بیکس اس بادشاہ کے ذاتی تغیرات لڑکپن اور جوانی اور بے اختیار بڑھاپا اور پھر بیماری و تندرستی پھر موت اور اس کے اعزہ کی بیماری اور موت اسی طرح سے ہے کہ جس طرح غریبوں کی۔ وہ بادشاہ ان میں سے ایک کو بھی ٹال نہیں سکتا۔ پھر جب دنیاوی بادشاہ اپنی عدالت کا قائم کرنا لوازمہ سلطنت جانتے ہیں بدوں کو سزائیں دیتے ہیں، خیر خواہان سلطنت اور فرمانبرداروں کو انعام عطا کرتے ہیں پھر کیا وہ سب سے بڑا حاکم اپنے نافرمانوں سرکشوں، بندگان خدا پر ظلم و ستم کرنے والوں، بدکاروں، مکروں کو یوں ہی چھوڑ دے گا اور مطیع و فرمانبرداروں کی طاعت ضائع کر دے گا۔ ہرگز نہیں اور دنیا تو اس جزاء و سزا کا مقام نہیں کس لیے کہ یہ تو اخیر عمر تک دار العمل ہے پھر ضرور ہے کہ اور دوسرا جہان دار الجزاء ہو اور یہی مدعی ہے یہ دوسری دلیل اثبات جزاء و سزا پر تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب کوئی اس جملہ الیس اللہ الخ کو پڑھے تو کہے بلی! وانا علی ذالک من الشاہدین کہ ضرور ہے اور میں بھی گواہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ترمذی و ابن مردویہ وغیرہ نے۔ احتاف کے نزدیک یہ جملہ نماز میں زبان سے نہ کہے صرف دل سے اور بیرون نماز کہے اور ائمہ ہر جگہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

(سورۃ اقرامکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ

الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے سب کچھ بنایا جس نے آدمی کو خون کی پتلی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے لکھنا سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جس کو وہ جانتا ہی نہ تھا۔

ترکیب | اقراء عند الجھور بسكون الهمزة هو امر من القراءة وعند البعض بفتح الراء على انه قلب الهمزة الفاعل حذف لالامر۔ ومفعول اقراء محذوف ای مایوحی الیک باسم ربک متعلق بمحذوف وهو حال ای اقراء متلبسا باسم ربک۔ وقال ابو عبیدة الباء زائدة فهو مفعول اقراء والاسم صلة ایضا والمعنی اذکر ربک وقیل الباء بمعنی علی والمعنی اقراء ما تبلی علیک علی اسم اللہ۔ وقیل الباء للاستعانة ای مستعینا به۔ الذی الخ الجملة صفة لربک خلق الانسان الجملة تفسیر للجملة الاولى وحی الذی خلق وقیل تخصیص بعد التعمیم۔ تشریف لانا انسان لما فیہ من بدیع الخلق وعجیب الصنع من علق الجار متعلق بخلق والعلق جمع علقته وحی الدم الجاد واذ اجری فهو المسفورح۔ ولم یقل من نطفة او من علقته رعاینا للنفو اصل۔ اقراء تاکید و تقریر لاول۔ وربک موصوف الاکرم صفة الذی موصول علم بالقلم صفة والجملة صفة ثانية فالمرصوف مع الصفات مبتداء علم الانسان الخ الجملة خبر والمبتداء مع الخبر جملة اسمیة وحی حال من ضمیر اقراء۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بلا خلاف کہ میں نازل ہوئی ہے اور قرآن میں سے جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایت صحیحہ اسی بات کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ پھر نون نازل ہوئی پھر مزمل پھر مدثر اور اس بحث کو ہم مقدمہ تفسیر میں لکھ آئے ہیں اور اس میں انیس آیات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورہ مدثر نازل ہوئی سو یہ روایت اس قول کے مخالف نہیں کس لیے کہ سب سے اول اس سورہ اقراء کی یہی پانچ آیات مالم یعلم تک نازل ہوئی تھیں اور پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورہ فاتحہ نازل ہوئی اور پھر چھ مہینے تک وحی بند ہو گئی پھر سب سے اول مدثر نازل ہوئی اور لگا تار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جو سب سے اول الحمد کا نازل ہونا ارشاد فرماتے ہیں وہ نماز اور تعلیم کے بارہ میں ہے اور جابر رضی اللہ عنہ جو مدثر کو اول کہتے ہیں اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وحی بند ہونے کے بعد جو سب سے اول نازل ہوا وہ یہی سورہ تھی۔

اس سورہ مبارکہ کے نازل ہونے کی کیفیت صحیح بخاری میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دیئے گئے۔ پھر جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی بات صبح کی سفیدی کی طرح پیش آتی تھی اس کے بعد آپ کو غلوت نشینی کی طرف رغبت ہو گئی (کیونکہ ابتداء میں فراغ خاطر لوگوں کے ساتھ میل جول ترک کئے بغیر میسر نہیں آتا) پھر آپ حراء پہاڑ کے ایک غار میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے چند رات دن وہاں رہا کرتے پھر گھر میں آ کر خدیجہ بیوی رضی اللہ عنہا کے پاس کھانے پینے کا سامان لے جایا کرتے یہاں تک کہ اسی غار میں تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آپ کے سامنے آیا اور کہا کہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا نہیں جانتا پھر آنحضرت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھیج لیا اور بڑے زور سے بھیجا پھر مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر دوبارہ مجھے پکڑ کر بھیجا زور سے پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا پھر تیسری بار مجھے پکڑا اور بہت زور سے بھیجا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ کہ پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا بنایا انسان کو خون کے کوٹھڑے سے پڑھ اور تیرے رب کریم جس

نے فلم سے کھٹنا سکھا یا انسان کو وہ بتایا جو جانتا تھا۔

اس واقعہ میں چند نکتے ہیں: (۱) کمالات میں ترقی بدرتج کرنا نبی آدم کی فطرت میں ہے اور اسی فطری قاعدے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ سے علوم غیب کا القا ہوتا رہا تا کہ اور اسرار غیب اور ملکیت کبریٰ حاصل ہونے کی رفتہ رفتہ عادت ہو جائے۔ اس کے بعد اب دوسرا مرتبہ ترقی کا شروع ہوا وہ یہ ہے کہ عالم بیداری میں بحالت فراغ قلبی عالم ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اس لیے آپ کو خلوت و عزلت کا شوق ہوا تب آپ غار حرا ۱ میں بیٹھے جب اس عرصہ میں الواسطہ بشریہ و کدورات بہیمیہ سے آئینہ باطن بالکل پاک و صاف ہو گیا تو عیا نا جبریل امین تشریف لائے جو عالم ملکوت کے بادشاہ ۲ ہیں۔

یہ ترقی کا تیسرا مرتبہ تھا (۲) یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھنے کو کہا تو آپ نے تین بار یہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یا میں نہیں پڑھتا جو مانا بھاری کا ترجمہ ہے۔ اس میں سر یہ ہے کہ گو آپ بھی صاحب کمال تھے اور جوہ پڑھاتے تھے آپ کے نزدیک آسان تھا۔ مگر جب ملکیت کبریٰ کا ظہور اتم ہوا اور عالم غیب کے علوم سامنے آئے تو اگلا کمال اور فصاحت و بلاغت اس طرح لاشے ہو گئی کہ جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کے نور لاشے ہو جاتے ہیں اور یہ آپ پر ایک بار عظیم معلوم ہونے لگا۔ اس لیے جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار لے کر بھینچا اور یہ ایک قسم کی توجہ ہے جس کو توجہ اتحادی کہتے ہیں اس کے سبب وہ بارگراں آسان ہو گیا اور جو پڑھایا پڑھنے لگے۔

واضح ہو کہ صوفیہ کرام کے نزدیک توجہ کی چار قسم ہیں: (اول) تاثیر انعکاسی اس میں کامل کا عکس مرید میں چمک جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی عطر مل کر کسی مجلس میں آوے اور ہمنشینوں کے دماغ میں اس کی خوشبو پہنچے مگر یہ اثر پائیدار نہیں اس کے اٹھ جانے سے اٹھ جاتا ہے بعد میں باقی نہیں رہتا (دوم) تاثیر القائی کہ اپنا اثر مریدوں پر ڈال دے اور وہ جب تک کوئی مانع نہ ہو قائم بھی رہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی چراغ جلا کر لاوے اور دوسرا اس سے اپنی جلی روشن کرے۔ سو یہ جب تک ہو اور بارش وغیرہ کا صدمہ نہ پہنچے قائم رہے گی اور جس قدر اپنا تیل ہے اس کی مقدار پر روشن رہے گی۔ یہ اول سے قوی ہے۔ (سوم) تاثیر اصلاحی کہ مرشد اپنی روحانی طاقت سے مرید کے باطن کی اصلاح کر دے اور لطائف جاری ہو جاویں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی کارگر کسی حوض کی نالیوں اور پانی کے آنے کی جگہ کو اور فوارہ کو صاف کر دے اور پانی ڈال کر فوارہ کو رواں کر دے یہ اول سے بھی قوی ہے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک جاری ہے کہ جب تک حوض میں پانی ہے اور نیز جس قدر پانی آنے کی نالیوں میں وسعت ہے اور جب تک ان نالیوں میں بہیمیت کا کوڑا کرکٹ نہیں آیا ہے۔ (چہارم) تاثیر اتحادی جو سب سے قوی تاثیر ہے اور وہ یہ کہ مرید کامل اپنے روحانی زور سے مرید کو اپنے ضمن میں لے کر اپنی روح کو اس کی روح سے ایک کر دے اور جو کچھ کمالات اس کی روح میں ہیں وہ اس میں بھی آ جاویں یہ سب سے اعلیٰ تاثیر ہے اور اس میں بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔ اور یہ کوئی محال بات نہیں روحانی طاقتور کا تو کیا ذکر ہے بعض پرند جانوروں میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ دوسرے چھوٹے جانوروں کو ایک مدت میں اپنا سا ہی کر دیتے ہیں اور ان کے توالد و تناسل کا یہی طریقہ ہے۔ یہ توجہ اتحادی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ پر کی تھی اور اس توجہ میں یہ کوئی ضرور نہیں کہ ہمیشہ اتحاد ظاہری و باطنی باقی رہے۔ (۳) یہ کہ اس کے بعد آپ پر ایک عجیب

۱۔ پہاڑ مکہ سے منیٰ کی جانب تھینا دو میل دور ہے۔ اسی میں وہ غار ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلاً نبوت خلوت گزریں ہوئے تھے اور یہیں وحی کا آغاز شروع ہوا اور سب سے اول سورہ اقرآء کی یہ آیات نازل ہوئیں: ۱۱۱

۲۔ یہ شبہ کرنا (کہ اس سے پہلے آپ نے عیا نا جبرائیل کو دیکھا نہ تھا پھر جب وہ سورہ اقرآء کی وحی لے کر غار حرا میں آئے اور آپ سے بار بار پڑھنے کی تاکید کرنے لگے تو آپ نے کیونکر پہچان لیا کہ یہ جبرائیل ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن بھوت ہو محض خام خیال ہے کس لیے کہ جس کا ادراک باطن اس درجہ بڑھ جاوے کہ اس کو عیا نا لگا نہ دکھائی دینے لگیں اس کے نزدیک ان کا پہچان لینا بعینہ ایسا ہے کہ مجبوراً دو پہر میں آفتاب کا پہچان لینا جہاں دلیل کی ضرورت نہیں۔

حالت طاری تھی کہ بدن کانپ رہا تھا اس حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ اور آپ کو بیوی خدیجہ محض اپنی محبت شوہری کے جوش میں اپنے پیچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ ان کو یہ کیا بات پیش آئی ہر چندہ خود خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تسلی بخش الفاظ کہے تھے کہ آپ غریب و تنگس کے چارہ ساز، مہمان نواز، حق پسند ہیں آپ کو کوئی آسیب و آفت خدا نہیں پہنچائے گا مگر پھر بمقتضائے محبت دل نے نہ مانا اور ورقہ پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ عیسوی مذہب کا عمر رسیدہ اور نیک شخص تھا تا کہ ان سے اصلی حالت دریافت کریں۔ ورقہ نے سب قصہ سن کر کہا کہ یہ ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ اور انبیاء اولوالعزم علیہم السلام کے پاس آیا کرتا تھا کہ کوئی خوف کی بات نہیں اور کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور جبکہ تیری قوم تجھے یہاں سے نکالے گی تو میں مدد کرتا۔ آپ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ایسا کون نبی ہے کہ جس کے ساتھ اس کی قوم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر چند روز کے بعد ورقہ مر گیا اس لرزہ آنے میں یہ حکمت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ غار کا قصہ بناوٹی ہے بلکہ اس کے آثار ظاہر جسم پر لوگوں نے دیکھ لیے اور ورقہ بھی حضرت پر ایمان لانے کے بعد چند روز میں مر گئے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے یہ شریعت و احکام ورقہ سے سیکھے تھے۔

(اب میں اس مقام پر حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی ابتدائی حالت اہل کتاب کی مسلم کتابوں سے دکھا کر موازنہ کرتا ہوں تاکہ کسی متعصب کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ انجیل متی کے تیسرے باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ پایا یعنی اُن کے مُرید ہوئے اور مریدی کی رسم ادا کی جو دریا میں غوطہ مارنا تھا اور جب دریا سے اوپر آیا تو اُس کے لیے آسمان کھل گیا اور خدا کی روح کبوتر کی مانند اُتری اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے پھر چوتھے باب کے اول میں ہے۔ تب عیسیٰ روح کے وسیلہ سے بیابان میں لائے گئے تاکہ انہیں شیطان آزمائے اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے آخر بھوکے ہوئے تب آزمائش کرنے والے نے اُن کے پاس آکر کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جاوے۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دے کر ٹال دیا پھر شیطان حضرت مسیح کو یہ کل یعنی بیت المقدس کے کنگورے پر چڑھا لے گیا اور کہا تو اپنے آپ کو نیچے گرا دے اگر سچا ہے تو فرشتے اُٹھالیں گے نہیں بھی نہ لگے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش نہ کرنی چاہیے۔ تیسری بار پھر آزمایا کہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُس کی شان و شوکت دکھا کر کہا اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں تب مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے لسی بندگی کر۔ تب شیطان چھوڑ گیا اور مسیح علیہ السلام جلیل کو چلے گئے اور کفر ناحوم میں جا رہے اور منادی کرنے لگے۔ اُنھی ملخصاً یہ ترقی اُس ترقی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی کم درجہ پر ہے۔ اول تو آنحضرت ﷺ کسی کے مرید نہیں ہوئے نہ کسی کے ہاتھ سے اصطباغ پایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے نہ کبوتر کی شکل میں اُن پر روح اُتری بلکہ عیاناً۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ ہے۔ تب اُس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حوریب کے نزدیک آیا اُس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اُس پر ظاہر ہوا اُس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ نزدیک آیا تو خدا نے اُسے بوٹے کے اندر سے پکارا کہ اے موسیٰ نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ الخ۔ تو ریت سفر خروج باب ۳۔ یہاں حضرت موسیٰ پر خدا نے درخت میں سے جلی کی گروہ جلی جو غار حرا میں ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کی تھی۔ کس لیے

کہ وہاں کسی ناسوتی شکل میں تجلی نہ تھی اور بلکہ کیف تھی اور تجلی کے بعد ناموس اکبر عیاناً دکھائی دیا۔ اسی فرق اور امتیاز کو خدا تعالیٰ سورہ نجم میں اور دیگر سورتوں میں جلتا ہے کہ ولقد آہ بالافق المبین فاستویٰ وهو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ ما کذب الفواد ما رٰی افتمارونه علی ما یرٰی۔ کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آسمان کے کنارے پر عیاناً دیکھا اور جبرئیل جبکہ بلند کنارے پر تھے سنبھلے اور نزدیک ہوتے گئے یہاں تک کہ کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اُس سے بھی کم قریب آ کر ہمارے بندہ کو جو کچھ وحی کرنا تھا وحی کیا (سورہ اقرآء کی یہ آیات) اور محمد (ﷺ) کے دل کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کیا اے لوگو! جو کچھ انہوں نے دیکھا اُس میں شک کرتے اور جھگڑتے ہو۔ ہا ورقہ۔ کے پاس جانا یہ ایک انسانی فطرت کے باعث تھا اور ورقہ جانتے تھے اس لیے ایمان لے آئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں اقراء باسم ربک کہ اے نبی پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ اس کے دو معنی ہیں: اول یہ کہ باسم میں ب زائد ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ پڑھ اپنے رب کا نام یعنی اُس کو یاد کر۔ اور اسم کا لفظ اس مقام میں اس لیے آیا کہ ذات حق کی طرف ابتدائی حالت میں بغیر ملاحظہ صفات کے رسائی نہیں اور اسم میں صفات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور اس لیے اس کے بعد منجملہ اور صفات کے صفت الذی خلق ذکر کی یعنی وہ جو پیدا کرتا ہے اور اُس میں شان ربوبیت بھی جلوہ گر ہے جو اول میں باسم ربک میں ظاہر کی گئی ہے اور اس لیے بسم اللہ نہ کہا بلکہ باسم ربک فرمایا تاکہ ذات بحت کا ملاحظہ ابتدا میں شاق نہ ہو اور نیز ربک کے لفظ میں تسلی بھی ہے کہ کسی اجنبی کے نام یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ تمہارے اس خالق کا کہ جس نے اب تک تمہاری ظاہری اور باطنی پرورش کی اور کرتا ہے اور کرنے کا اور یہ اُس کی صفت ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ تم کو تعلیم سے ترقی دے کر مخلوق کا ہادی بنانا چاہتا ہے۔ رب کا نام پڑھنا ہے یعنی اُس کا ذکر کرنا۔ عام ہے کہ زبان سے مع تعداد ہو یا بے تعداد یا محض قلب سے مگر اصل مقصود اس صفت کا استغراق اور مراقبہ ہے تاکہ اس آسان رستہ سے شاہد مقصود تک پہنچے اور اس آئینہ سے اُس کے جمال باکمال کا نظارہ کرے اور فی الحقیقت جملہ صفت باری سے اس صفت ربوبیت کی طرف جس قدر انسان کیا کل مخلوق کو فطرتاً دل بستگی ہے اس قدر اور سے نہیں کیونکہ دل تو اُس کا مشاہدہ ہر دم کرتا ہے کہ کسی دلیل و برہان یا کسی کے اظہار و بیان پر موقوف نہیں جس قدر جس کو ادراک ہے اسی قدر وہ اپنے اندر اُس کی شان پرورش کا ملاحظہ کر سکتا ہے۔ دوم اس میں جو مخلوق اور خالق میں رابطہ ہے اُس کا بھی کامل اظہار ہے۔ انسانی محاورے میں لفظ رب کی جگہ کبھی پیار سے باپ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ باپ میں بھی اپنے بچے کے لیے ربوبیت کا ایک جلوہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کا استعمال کیا اور اے میرے رب! کی جگہ اے میرے باپ کہا مگر اُن کے بعد عیسائیوں نے یہی سمجھ لیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے بیٹے اور وہ اُن کا باپ ہے (اور یہ بھی معنی ہیں) کہ ب باسم ربک میں استعانت کے لیے ہے جیسا کہ کتبت بالقلم میں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے۔ کیا پڑھ؟ قرآن یا یوں کہو جو کچھ تجھے سنایا جاوے اور جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاوے۔

فائدہ: ہر چند حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ازل ہی میں پڑھائے جاتے ہیں اور مدرسۂ الہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پا کر دنیا میں مخلوق کو پڑھانے اور سدھارنے آتے ہیں مگر ظہور اُن کا اس عالم میں ہیکر انسانی میں ہوتا ہے تاکہ اس بجا ناست سے بنی نوع انسان بآسانی تعلیم پاسکیں اور ہیکر انسانی یہی خاک و آب وغیرہ عالم ناموس کے کثیف اجزاء ہیں جن کی خاصیت جہل اور نسیان اور لذات حسیہ پر فریفتگی ہے اس لیے آنحضرت (ﷺ) کے دل کو بلوغ سے پہلے ہی سینہ چاک کر کے آب قدس سے دھو دیا گیا تھا تاکہ لذات حسیہ کی فریفتگی اور جملہ تلویشات دور ہو جاویں اور بلوغ کے بعد ایک دوسرا عالم شروع ہوتا ہے۔ اس لیے بعد بلوغ بھی قلب مبارک کو آب قدس سے دھویا تاکہ تمام عمر خصائصِ ہیولانیت سے پاک اور مبرا رہیں پھر جب عالم ناموس کی میں عہدہ رسالت کبریٰ عطا ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے عیاناً غار حرا میں وہ کچھ پڑھایا کہ اولین و آخرین کے جملہ علوم آپ کے بحر علوم کا ایک قطرہ ہو گئے اور ایسا پڑھایا کہ آپ نے اندھوں کی

آنکھیں کھول دیں، دلوں کے حجاب اٹھا دیئے، مردہ اجسام میں نئی روح پھونک دی، جہلاء کو علوم کا چشمہ بنادیا، کما قال تعالیٰ یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ اور دراصل پڑھانے والا اللہ تعالیٰ تھا جبرائیل ایک واسطہ درمیانی تھا اس لیے کمال پر پہنچ کر جبرائیل سے بھی بڑھ گئے اور اسی بات کی طرف باسم ربک اے میں اشارہ ہے کیونکہ یہ انکشاف علوم اسم ربک کی برکت تھی اول اسم ربک فرمایا تھا کہ رب کی شان ربوبیت جس میں تعلیم علوم بھی ہے اپنے اندر غور کرنے سے ظاہر ہو جاوے یہ شبہ انفس ہے۔ اس کے بعد آفاق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرماتا ہے الذی خلق کہ جس نے تمام مخلوق کو بنایا۔ اپنی ذات میں ربوبیت کا جلوہ دیکھنے کے بعد کہ اُس نے میرے ظاہر اور باطن میں کیا کیا صنعتیں صرف کی ہیں اور پھر کس طرح ہر لحظہ اُن کی تکمیل کے اسباب بہم پہنچا رہا ہے۔ مخلوق میں غور کرنے سے اور بھی حیرت ہوتی ہے اور مخلوق میں سے انسان سب سے زیادہ نمونہ ربوبیت ہے اس لیے اس کے بعد فرمایا خلق الانسان من علق وہ رب کہ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ علق علقہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خون بستہ۔ مختلف غذاؤں نے ہضم کے بعد جسم میں ایک نیا رنگ بدلا اور سب کا عطر کھینچ کر ایک دوسرا جو ہر تیار ہوا جس کو منی کہتے ہیں جس میں جملہ کمالات جو تدبیر کا ظاہر ہوں گے ودیعت رکھے ہوئے ہیں یہ پہلا استحالہ یا اول ترقی تھی اس کے بعد جب وہ منی عورت کے رحم میں جاتی ہے تو چند روز کے بعد خون بستہ ہو جاتی ہے یہ دوسرا استحالہ ہوا۔ پھر یہ خون چند روز کے بعد ترقی کر کے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اُس کو مضغ کہتے ہیں یہ تیسرا استحالہ ہوا۔ اب صنایع حقیقی اُس میں سے مختلف اجزاء ہاتھ پاؤں سر دل و ماغ نمودار کرتا ہے اور ہر ایک عضو کی خاصیتیں اُس کو عطا کرتا ہے اب منی کے اندر جو کمالات ودیعت تھے خوب ظاہر ہونے لگے اب ایک ہی مادہ سے مختلف اجزاء بنانا اور اُن میں یہ حیرت انگیز نقاشی کرنا کیا طبیعت جسم بے تمیز کا فعل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا ماں باپ کی کارگیری ہے ہرگز نہیں ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور اب تک بھی جو جو مصلحتیں اور حکمتیں اُس کے اعضا میں رکھی ہیں ان کی بھی تشریح سے بڑے بڑے اطباء عاجز ہیں۔ قدرت کے بنائے ہوئے اعضاء میں کوئی جوڑ نہیں لگا سکتے اور نہ کسی میں کوئی زائد قوت رکھ سکتے ہیں پھر ماں باپ بے علم کو کیا تمیز پھر یہ کون کا رہے اور کس کے مبارک ہاتھ اس اندھیر کوٹھری میں یہ حیرت بخش کارگیری کرتے ہیں؟ اُسی قادر مطلق اور حکیم برحق کے۔ یہ جو تھا استحالہ تھا۔

اس کے بعد اس میں حیات یعنی جان ڈالی جاتی ہے اور وہیں اس کے تعذیب و تنمیع کے سامان وہ رب حقیقی مہیا کرتا ہے اور رحم ہی میں یہ پورے انسان بن جاتے ہیں یہ پانچواں استحالہ تھا۔ الغرض جب وہ منی اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان ہو جاتی ہے اور حضرت انسان رحم سے باہر آتے ہیں تب اس پر ربوبیت کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ اول تو اُسی جسم میں اُس کے لیے غذا تیار کی۔ ماں کی پستانوں میں دودھ پیدا کیا۔ اس مرتبہ میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی غذا مفید ہے نہ آسان ہے۔ پھر اُس کو بھی دودھ پینا اور منہ سے چوسنا سکھایا۔ جب اس عرصہ میں اُس کی اور بھی تکمیل ہوگئی اور اُس کے جسم میں دوسری غذا کے لیے قابلیت پیدا ہوگئی دانت نکل آئے معدہ میں قوت آگئی دوڑ پھر کر سکی۔ سامان بھی بہم پہنچ گیا تو دنیا بھر کا الوان نعمت سے بھرا ہوا دسترخوان اُس کے لیے بچھا دیا گیا۔ اب جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پیئیں۔ اب بولنے بھی لگے جس اور اک بھی کرنے لگے اور اس میدان میں ترقی کرتے چلے یہاں تک کہ عقل ہیولانی کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقل بالفعل اور عقل کل تک جا پہنچے۔ اب تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ ان جملہ مراتب کو لحاظ کرے تو اس کی شان ربوبیت کا کامل جلوہ نظر آنے لگے اور یہ بھی جان لے کہ اُس کی ربوبیت، کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے عالم تک جاتا ہے جس کے لیے علوم روحانیہ پڑھائے جاتے ہیں۔

فائدہ: منی کے مادہ کا ذکر چھوڑ کر خون بستہ کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ ماں کے رحم میں آ کر خون بستہ ہو جانا اول استحالہ ہے اور یہیں سے انسان کی عمارت شروع ہوتی ہے اور نیز عمارت تمام ہونے کے بعد بھی خون ہی کے زور پر قائم رہتی ہے۔ اسی سے اجزائے تحلیل شدہ

پھر تیار ہوتے جاتے ہیں اور اسی سے روح نفسانی اور حیوانی و طبی بنتی ہے وہ ہی روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا مرکب ہے۔ بھلا کوئی کاریگر کسی مادہ سے ایسا خون بنا کر تو دکھا دے۔ مضامین مذکورہ بالا جو شان ربوبیت یاد دلاتے ہیں ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اقراء پڑھ یہ کلمہ تاکید کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔

فائدہ: مفسرین نے اس کلمہ کے دوبارہ آنے کی بہت سی حکمتیں بتائی ہیں از انجملہ یہ ہے کہ اول بار جو اقراء فرمایا تھا اس سے مراد خود کا پڑھنا تھا کس لیے کہ آپ بظاہر اُمی تھے پھر جب تک کہ پہلے آپ کو نہ پڑھایا جاوے تب تک آپ اور لوگوں کو کیا پڑھا سکتے تھے۔ اس لیے اُس کے بعد دوسرا اقراء فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو پڑھائیں آپ ہی اُستاد الکل فی الکل ہیں۔ یہ دستارِ فضیلت آپ ہی کے سر مبارک پر قضاء و قدر کے ہاتھوں نے باندھی ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ اقراء اول سے علوم باطنیہ کے پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اور اقراء ثانیہ سے علوم ظاہرہ کی طرف یا برعکس۔ از انجملہ یہ کہ اقراء اول کی اقراء دوم تاکید ہے جیسا کہ کہتے ہیں پڑھ پڑھ اور یہ اس لیے کہ آپ نے بھی کئی بار انکار مانا بقاریء کہہ کر کیا تھا۔

یہ پڑھانا پڑھنے والے کے لیے ایک بڑا بھاری کام ہے بغیر مددِ نبی کے ہو نہیں سکتا۔ اس لیے مددِ نبی کا بھر و سادلانے کے لیے اُس کے بعد یہ بھی فرمایا و ربك الاکرم کہ تیرا رب کریم ہے اُس کرم اور فضل پر بھروسہ رکھو اُس کا کرم اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور تمہاری دستگیری کرے گا اور یہ بھاری کام تمہارے لیے آسان ہو جاوے گا۔ اور اُس کے کرم کا یہ ثبوت ہے کہ الذی علمہ بالقلم اُس نے انسان کو قلم یعنی لکھنا سکھا دیا وہ مطالبات جو ذہن میں ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں جن کو لکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے اور بھولی بات کو لکھی دیکھ کر یاد کر لیتا ہے اور دوسرا شخص بھی گو سیکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہوں مگر لکھی ہوئی بات کو سمجھ لیتا ہے اور ایک کے سینے کا مضمون دوسرے کے سینہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔

قلم پر نہ صرف سلطنتِ تجارت و حرمت کا دار و مدار ہے بلکہ دینی امور بھی قلم کے ذریعہ سے آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے ہیں۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور اُن کے علوم اور اسی طرح اولیاءِ کرام کے فیوض و برکات جو پچھلوں کو پہنچے اور پہنچ رہے ہیں قلم ہی کے ذریعہ سے۔ اس لیے قلم کے محامد میں لوگوں نے بہت کچھ عمدہ مضامین لکھے ہیں۔

اور دوسرا ثبوت اُس کے کرم کا یہ ہے کہ علم الانسان مالم یعلم کہ انسان کو جس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ وہ خون کی ایک پستکی سے بنا ہے وہ چیزیں سکھائیں کہ جن کو وہ جانتا نہ تھا۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو اسرارِ غیب بتائے۔ بندوں کو نجات اور دنیاوی انتظام کے قانون سکھائے عرفاء کو مواجید و اشواق کے رستے بتائے ذات و صفات کے علوم عطا کئے حکماء کو صمدِ باعلوم اور علوم کے اصول سکھائے۔ جن سے اُنہوں نے دنیا میں وہ عجائبِ فنون ایجاد و اختراع کئے جو حیرت بخش ہیں۔ عام ہے کہ قلم کے ذریعہ سے یا خود اس کے دل میں القاء کئے ہیں۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیم الہی کے دو طریقے ہیں ایک تعلیمِ قلم یعنی تعلیمِ کتابی یہ کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ دوم تعلیمِ روحانی یا لدنی جو جی و الہام کے ذریعہ سے انبیاء کو ہوتی اور قرآنِ تعلیم لدنی ہے اور یہ قلم کے ذریعہ سے پچھلوں تک متواتر ہوتا رہے گا۔ بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد قلمِ اعلیٰ ہے یعنی روحِ عظیم جو واسطہ ہے علومِ غیبیہ کا۔ اس کے ذریعہ سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔ فائدہ: انسان کو جن وسائل سے علم آتا ہے بہت سے ہیں۔ از انجملہ قلم ہے جس کا ذکر ہوا از انجملہ حواسِ ظاہرہ و باطنہ ہیں۔ یہ جزئیاتِ مادیات کے علم میں کام آتے ہیں۔ از انجملہ استدلال و نظر و فکر ہے جو چند معلومات کے مرتب کرنے سے مجہول چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ از انجملہ کشف ہے۔ از انجملہ رویاء صادقہ ہیں از انجملہ وحیِ الہام ہے۔ نجوم و دل و جگر علم معین یقین کے ذرائع نہیں ان سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ظن ہے اور وہ کارآمد ہیں۔ اب ان بے انتہا نعمتوں کے بدلہ میں انسان اپنے منعم

سے کیا کرتا ہے۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖٓ أَكْفَرٌ ۖ ۝۱۰۱ اِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۖ ۝۱۰۲ اَرَأَيْتَ ۚ الَّذِي يَنْهَىٰ ۖ ۝۱۰۳ عَبْدًا اِذَا صَلَّٰ ۖ ۝۱۰۴ اَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ۖ ۝۱۰۵ اَوْ اَمَرَ بِالْتَّقْوَىٰ ۖ ۝۱۰۶ اَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۖ ۝۱۰۷ اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰهُ ۖ ۝۱۰۸

بے شک انسان تو سرکشی کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پروا جان رہا ہے۔ پھر کر تو تیرے رب ہی کے پاس جاتا ہے۔ تم نے اس کو بھی دیکھا جو بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ پر ہوتا یا پرہیز گاری سکھاتا۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب ۱۔ کلا فیہا اقوال (۱) انھا بمعنی حقا وھو مذہب الکسائی۔ لانہ لیس قبلھا رولا بعدھاشیء یکنون کلا ردالہ ذکرہ البحر جانی صاحب الظلم (۲) روح دزجر لمن کفر الغامۃ تعالیٰ بطغیانہ وان لم یقدم لہ ذکر (۳) مذہب ابی حیان انھا بمعنی الا التنبیہ نحو الا انھم ہم المفسدون فیقف علی ما قبلھا علی الاول الوقت علیھا ان واہ بالنصب قال الانفس اصلہ لان راہ حفزت اللام کما یقال انکم لتطفون ان راہتم غناء کم۔ وقال ابن الصائغ ہو مفعول لہ ای یطغی لذاک۔ والرویہ طھنا بمعنی العلم ولو کانت بصریۃ لاتمع الجمع بین الضمیرین فی فعلھا شیء واو احدا لان ذلک من خواص علم و مثله فامفعول الاول الضمیر فی رآء والثانی استغنیٰ الرجعی والرجوع والمرجع کھا مصادر۔ والرجعی علی وزن فعلی۔ ارایت فی المواضع الثلاثہ بمعنی خبرنی لان الرویۃ سبب الاخبار عن المرئی فاقیم مقام الاستفہام والخطاب لكل من یصلح لہ۔ ارایت فاعلہ الضمیر المستتر فیہ ای انت الذی موصول بنشی الضمیر الرابع فیہ الی الموصول فاعلہ عبد مفعولہ اذاصلی متعلق بٹھنی والموصول مع الصلۃ مفعول لرعیۃ والجملة الشرطیۃ (ان کان علی الہدی معطوف علیہ او امر بالتقوی معطوف) مفعولہ الثانی وجواب الشرط محذوف یدل علیہ قولہ الم یعلم الخ واریت الثانی زائدۃ مکررۃ للتوکید ارایت الثالث مفعولہ الاول محذوف ان کذب و تولی شرط الم یعلم الخ جوابہ والشرط مع الجواب مفعولہ الثانی فان قلت کیف صح ان ینون الم یعلم جوابا للشرط قلت کما صح فی قولک ان احسن الیک زید هل نحن الیہ۔ الکشاف۔

تفسیر ۱۔ کیا شکر گزاری اور نیاز مندی کرتا ہے یا سرکشی اس کا بیان ان آیات میں ہے۔ کلا نہیں نہیں انسان شکر گزاری نہیں کرتا بلکہ ان الانسان لیطغی انسان سرکشی کرتا ہے۔ اور یہ کس لیے کرتا ہے ان راہ استغنیٰ کہ وہ اپنے آپ کو اس منعم کا محتاج اور دست نگر نہیں سمجھتا جانتا ہے کہ اب مجھے کیا پروا ہے مجھ میں زور ہے تو ایسا میرے پاس مال و اسباب ہے تو یہ کچھ اور مجھے علم و عقل ہے تو یہ کچھ۔ جس کے آگے تمام حیوانات میرے غلام اور عناصر میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لا کر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سیکڑوں کو اس اپنا مضمون پہنچا سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں کہ جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ انخرا ت ماسیہ کے زور سے ہزاروں من بوجھ کھینچنے والی تیز چلنے والی ریل بنا سکتا ہوں۔ بخارات کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشین چلا سکتا ہوں، سمندر کے سفر کے لیے میں نے اپنے علم اور عقل سے وہ وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہو گئی اور انسانی علاج میں میں نے وہ وہ نسخے بہم پہنچائے کہ جن کو سن کر حیرت ہو جاوے۔ میں ہڈی کی جگہ اور ہڈی لگا سکتا ہوں اور بدن میں خون جدید پہنچا کر قوی کر سکتا ہوں۔ میں نے بارش کی حقیقت معلوم کر لی۔ اب جب چاہو چند گولے چھوڑ دوں ان کے انخرا ت اوپر کو جا کر بادل بن جائیں اور پانی برسنے لگے۔ میں بجلی بنا سکتا ہوں نوشادر اور جست اور تانبے کو ترکیب خاص سے ملا دوں تو وہی کرک وہی چمک ہونے لگے۔ اب میں آسمان کی طرف بھی غبارہ میں بیٹھ کر اڑنے لگا ہوں۔ میں نے وہ وہ دور بینیں ایجاد کی ہیں کہ جن سے عالم غیب کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں کوس کے ستارے

میرے سامنے آ جاتے ہیں وہاں کی چیزیں مجھے خوب دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے معاش میں وہ وہ کار آ چیزیں ایجاد کی ہیں اور وہ وہ لطف مکان بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ وہ وہ باجے ایجاد کئے ہیں کہ چالی دینے سے خود بخود گھڑیوں بجتے ہیں اور سننے والے کو بخور دیتے ہیں ہماری کوشی کا فرنیچر یعنی سامان کچھ جنت کے سامانوں سے کم نہیں۔ اب بھی میں بہت سی چیزوں کی تحقیق میں سرگرم ہوں پھر دیکھئے میں کیا ہو جاتا ہوں۔ خدا خدا ارے کہاں ہے مجھے کوئی دور بین خوردین یا اور کسی آلہ سے تو دکھائے۔ فلسفہ جدید کہتا ہے۔ یہ ایک انسان کا خیال ہے جو پشت در پشت چلا آیا ہے عالم اجسام مادہ کے سبب موجود ہے۔ آپ ہی چیزیں بگڑتی بنتی ہیں۔ جیسا کہ دریا کے جوش میں پانی کے لیے بلبلے اٹھتے اور بیٹھ جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کس نے روح کو دیکھا ہے وہ تو قطعاً مر جاتی ہے۔ پھر آخرت اور ثواب و عقاب کا جھگڑا محض ریفارمروں نے لوگوں کے سمجھانے ڈرانے کے لیے بنا لیا ہے اور اس بغیر ان کا کام بھی نہیں چلتا تھا۔ یہ ہے وہ انسان بد بخت نمک حرام کی سرکشی جس نے اس خون کی بوند کو ایسا بنایا اور یہ کچھ سکھایا آج اُس سے اکڑتا ہے اور یہ سرکشی علی قدر مراتب ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک اپنے حوصلہ کے موافق کرتے تھے آج کل جو علوم جدید اور نیا فلاسفہ پھیلایا گیا اور عمدہ عمدہ سامان معاش بہم پہنچے تو صاف صاف بغاوت کی ٹھہرا دی حالانکہ ابھی تو اس نمک حرام کو لاکھواں حصہ بھی نہیں بتایا ہے یہ خود جانتا ہے کہ فلسفہ حال اور اُس کی تحقیق کسی حد پر جا کر ٹھہرا نہیں گئی ہے ہر روز اور ہر سال نئی نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں جن باتوں کا اگلے سال یقین تھا اب اُن کو غلط بتایا جاتا ہے۔ الغرض جن جن نعمتوں پر شکر کرنا چاہیے تھا انہیں پر اکڑنے لگا۔ کوئی حسن پر کوئی حسب و نسب پر کوئی مال و جاہ پر کوئی علم و ذہن پر کوئی اولاد و لشکر و تخت پر بعض مفسرین انسان سے مراد آیت میں خاص انسان لیتے ہیں۔ مکہ کے کفار ابو جہل وغیرہ۔

اس بیان کے بعد انسانی سرکشی کو باطل کرتا ہے۔ فقال ان الی ربك الرجعی کہ بے شک تیرے رب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہر پھر کراؤ کی طرف آنا ہوتا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں اول یہ کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ جن حکیموں فیلسوفوں نے یہ کچھ ایجاد و اختراع کئے ہیں آخر وہ بھی اپنی صحت اور جوانی کی بقا کی کوئی تدبیر نہیں کر سکے۔ دیکھ رہے ہیں کہ عمر رواں ہاتھ سے چلی جا رہی ہے تندرستی اور جوانی کا قافلہ لٹ رہا ہے کیے بعد دیگر اُس کے کوئی جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ آخر ایک روز یہ سرکش لمبے چوڑے دعوے کرنے والا بھی چل دیتا ہے بے حس و حرکت ہو کر گر پڑتا ہے اب اُس کی روح خدا کے پاس جاتی ہے اپنے کئے کا بدلہ پاتی ہے۔ دوم یہ کہ باوجود ان نعمتوں اور ان علوم کے جو اس کو خدا نے تعلیم کئے اور جن پر یہ سرکشی کرنے لگا اور منعم سے اکڑ بیٹھا جب آں کر اس کی کوئی تدبیر بگڑتی ہے تو پھر خدا ہی سوجھتا ہے۔ اسی طرح وہ لشکر جن کے اسلحہ جنگ پر ناز تھا شکست کھاتا ہے اور کوئی تدبیر نہیں پڑتی تو خدا ہی کی طرف دل دوڑتا ہے بڑے بڑے حکیم و ڈاکٹر جو اعجازِ سیما کے مدعی تھے جب تدبیر بگڑتی ہے اور کچھ بن نہیں آتی تو وہی سوجھتا ہے۔ بہر طور ہر حال اور شان میں اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان پر تمام تدابیر اور زوروں کے بعد ایک ایسی حالت بھی آتی ہے کہ جہاں بجز ناچاری کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ حالت ہے کہ جس کو رب کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی اندرونی آنکھیں روشن ہیں وہ تو اس وقت بھی دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر جان لیتے ہیں کہ تمام اسباب کا سلسلہ ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جو گمراہ اذلی ہیں اور بالکل تیرہ باطن ہیں اور بہائم سے زیادہ اُن میں باطنی حس و ادراک نہیں وہ اُس حالت میں بھی کہ جو رجوع الی اللہ کی حالت ہے دل سے رجوع نہیں ہوتے اور اُسی گمراہی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔ منجملہ اُس کے سرکشی کی ایک حرکت بدیہ بھی ہے ایت الذی ینہی عبدا اذا صلی کہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو نماز اور رجوع الی اللہ سے روکتا ہے۔ آپ تو رکھا ہوا تھا ہی اور لوں کو بھی روکتا ہے۔ یہ گمراہی اور سرکشی کا کمال درجہ ہے۔ ابو جہل لعین نے بھی ایسا ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آ کر گلے میں پٹکا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی آنکھیں نکل آئیں اور کہا کہ اگر پھر بھی تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں اور بلال رضی اللہ عنہما جو غلام تھے جب تک اُس کی ملک میں تھے ان کو نماز سے روکتا تھا۔ اس وجہ سے مفسرین نے کہہ دیا کہ یہ آیات البوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

فائدہ: نماز سے روکنے سے وہی روکنا مراد ہے جو عبادت الہی کا مخالف بن کر روکے۔ ورنہ بے قاعدہ اگر کوئی نماز پڑھے جیسا کہ اوقات مکروہ میں یا غصب کی زمین میں یا فرائض و سنن کے علاوہ اور زیادہ نوافل میں نوکریا بیوی مصروف ہو کر حرج کار کرے تو یہ روکنا وہ روکنا نہیں۔ اب یہ بتاتا ہے کہ بجائے اس سرکشی کے اُس کو یہ کرنا تھا۔ فقال ارایت ان کان علی الہدیٰ اور امر بالتقویٰ کہ اے دیکھنے والے دیکھو تو سہی وہ ناشکر متکبر باغی بن کر جو اوروں کو بھی خدا کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر بجائے اس گمراہی اور سرکشی کے خود ہدایت پر ہوتا یعنی سیدھی راہ چلتا جو انبیاء کی راہ ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے اوروں کو بھی تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت کرتا حکم دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ گمراہی اور سرکشی کے بدلے ہدایت پر ہوتا اور لوگوں کے روکنے کے بدلے اُن کو بھی ہدایت کرتا مہدی اور ہادی ہوتا تو کیا بگڑ جاتا بر خلاف اس کے ضال و مضل بن گیا۔ نعمت کی شکر گزاری یہ ہے نہ وہ۔

فائدہ: لفظ و جس کے معنی یا کے ہیں انفصال حقیقی کے لیے نہیں صرف منع خلو کے لیے ہے کہ ان میں سے ایک نہ ایک بات ضرور کرنی تھی اور جو دونوں ہوتیں تو اور اچھا ہوتا مگر وہ بد نصیب تو اصرار آتا ہی نہیں اس بات کو اس جملہ میں ارشاد فرماتا ہے ارایت ان کذب و تولى الم یعلم بان اللہ یبویٰ دیکھو تو سہی اگر اس بد بخت نے ارشاد الہی کو جو اسی کی بہتری کے لیے تھا بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلادیا اور منہ موڑ لیا ہے تو کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ بھی دیکھ رہا ہے۔ خلاصہ کلام اگر وہ خود بھی ہدایت پر ہوتا اور دوسروں کو بھی اور جو اس نے جھٹلادیا اور منہ موڑ لیا تو بھی خدا نیکی بدی کا بدلہ دیتا ہے پھر جو بندہ نیکی سے روکتا اور بدی کرتا ہے کیا اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا دیکھتا نہیں ضرور دیکھتا ہے۔ اس میں اجمالی طور پر اعتقادات کی جزاء و سزا کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حق سبحانہ لطیف و خبیر ہے کوئی جو ہر اور کوئی عرض اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی حضور کی نہ ذہول ہے نہ نسیان اور یہ اس لیے کہ وہ خالق ہے اور جو ہر و اعراض مخلوق ہیں اور علت کو معلول کا علم حضوری ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت کہ وہ عادل ہے پھر اس کے نزدیک حسن اور مسیٰ نیک اور بد برابر کیونکر ہو سکتے ہیں اور قادر بھی ہے اور قدرت کاملہ کا ثبوت اس کے خالق ہونے سے بخوبی ہے۔ پھر قادر بھی ہو عادل بھی ہو عالم بھی ہو کہ اعمال تو اعمال دلوں کے خطرات بھی اس کو معلوم ہوں پھر اگر وہ نیک کو جزا اور بد کو سزا نہ دے تو عالم کی بادشاہی تو بڑی چیز ہے ایک گھر پر بھی حکومت نہیں کر سکتا اس لیے جس طرح اس کے فضل کا مقتضی یہ تھا کہ اس نے انسان کو یہ یہ نعمتیں عطا کیں اور علم کی دستار اس کے سر پر باندھ کر اور مخلوق کا سردار بنایا اسی طرح اس کے عدل و انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ ان نعمتوں کے شکر کرنے والے کو دنیا میں یا مرنے کے بعد جزاء خیر عطا کرے اور وہ کیا ہے حیاتِ جادونی اور سرو راہی۔ اور شکر یہ کیا ہے ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور یہ خیال رکھنا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دل سے اس محسن کی محبت کرنا اور ناشکری کیا ہے کفر اور طغیان اور نیکی سے اوروں کو بھی روکنا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اسی کی تصریح فرماتا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ

نَادِيَهُ ۝ سَدْعُ الزَّبَانِيَةِ ۝ كَلَّا لَا تَطْعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

سجود

خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ گھسٹیں گے۔ جو جھوٹا اور گناہ کا ہے لے اب بلائے گا اپنی مجلس کو ہم بھی اپنے پیادے بلاتے ہیں خبردار۔ اس کا کہنا نہ ماننا اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو جاؤ۔

ترکیب ۱۔ کلا۔ زجر لائے عن الصلوٰۃ والخیرات۔ لکن شرطیہ والام موطنہ للقسم ای واللہ لکن لم ینتہ عما هو علیہ شرط النصفاء الخ جواب الشرط۔ واصلہ لنفسن۔ صیفہ جمع المستکم مع لام التکید ونون الخفیۃ للتکید۔ السفع القبض علی اشیء وجذب شدہ (کشیدن) يقال سفع سفع (سفع موعے پیشانی گرفتن) جمع قحما يقال به سفعۃ من الشیطان ای مس وسوختن آتش وسوم روی داد رنگ گردانیدن۔ (سفعہ بالضم سیاهی کہ برخی زند) صراح وقری لنفسن بنون مشددہ ونون الحکمۃ تبدل بالالف فی الوقف لسنکونھا وانفتاح ما قبلھا۔ وکتبت فی المصحف بالالف علی حکم الوقف۔ ولما علم انھا ناصیۃ المذکور انکشی بلام العهد عن الاضافۃ فقیل بالناصیۃ ناصیۃ بدل من الناصیۃ وجاز بدلھا عن المعرفة لانھا وصف بکاذبہ خاطیۃ فاستقبلت بقائدۃ وصارت کالمعرفۃ وقرءت ناصیۃ بالرفع علی انھا خبر مبتدء ای ہی وقرءت بالصب علی الذم۔ ووصف الناصیۃ بالکذب والخطا وهما صاحبھا علی الاسناد والجازی للمبالغۃ والناصیۃ شعر مقدم الراس۔ النادی المجلس الذی یندی فیہ القوم ای یمتھون المراد اهل النادی (نداء بالکسر والمداد وازدادن وخواندن وقد یضم ایضا مثل دعاورغاء مناداة مثله وتنادوا ای نادى بعضهم بعضا ندی ندوة نادى مثدی النجمن) صراح الزبانیۃ قال الکسائی والاحفش وبعی بن عمرو جمع زابن وقال ابو عبیدہ جمع زبیتہ۔ وقیل زبانی یشد ید الیاء وقیل هو اسم الجمع لا واحد له من لفظه کعبادیہ واباتیل۔ واصل الزبیر الدفع فالعرب تطلق هذا الاسم علی من اشد بطشہ قال قتادہ هم الشرط ط قرء الجمهور سندع بالنون ولم یرسم الواو کما فی قوله یوم یدع الداع۔

تفسیر ۱۔ کلا۔ خبر دار یہ اس ناشکر کو جھڑکی ہے۔ واضح ہو کہ لفظ کلا کے کلام عرب میں کئی معنی ہیں۔ کبھی بمعنی بے شک و تحقیق کے آتا ہے کبھی حرف تنبیہ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ الا اس کے معنی ہیں دیکھو۔ کبھی تنبیہ و زجر و توبیخ کے لیے آتا ہے جس کے معنی ہیں خبردار۔ یا نہیں نہیں اس جگہ اس معنی میں مستعمل ہے اور یہ کلمہ قرآن مجید کے نصف اول میں مستعمل نہیں ہوا نصف اخیر بالخصوص آیات و سورہ مکہ میں آیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مکہ کے لوگ کفر و بدکاری اور یہودہ گوئی پر اصرار اور ہٹ دھرمی زیادہ کرتے تھے۔ اس جھڑکی کے بعد فرماتا ہے لکن لم ینتہ لنسفا بالنصاصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطنۃ اگر وہ بدکیش ناشکر کا فراس پر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر کھنچیں گے یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر جو خطا کا ر اور چھوٹی پیشانی ہے۔

فائدہ: پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے مراد سر کا ذلیل و خوار کرنا ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ انجام کار ایسے متکبر و کافر سخت رسوا اور بہت ذلیل ہوتے ہیں۔ خدائے جبار ان کے سب زور توڑ دیا کرتا ہے۔ کوئی تدبیر نفع نہیں دیتی اور جو کسی مصلحت سے دنیا میں چند روز مہلت بھی دی تو مرنے کے بعد تو یہی سزا ہے سفع کے معنی گھسیٹنے کے بھی ہیں اور سیاهی کو بھی کہتے ہیں اس لیے دوسرے معنی پر خیال کر کے علماء نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ ہم اس کو رو سیاہ کر دیں گے۔

فائدہ: پیشانی سر میں ایک نمود کی چیز ہے اور سر ہی تمام غرور اور بطالت کا خزانہ ہے اس لیے ذلیل کرنے میں پیشانی کا ذکر کیا اور اس لفظ سے تعبیر کیا اور چونکہ یہ پیشانی یعنی سر غرور اور خیالات یہودہ کا مخزن ہے دماغ ہی میں یہ لغویت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو خاطیۃ یعنی خطا کار کہا یعنی غلط خیالات کا مخزن اور اس میں جھوٹی تمنائیں بھی ہوتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہم نے عزت حاصل کی خدا کے ہاں بھی حاصل کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کو کون سزا دے سکتا ہے اس لیے اس کو کاذبہ یعنی جھوٹی بھی فرمایا یعنی وہ علوم جو اس کو راہ حق سے روکے ہوئے تھے بطالت و کذب تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پیشانی خاطر کاذبہ ہونے سے مجازاً پیشانی والا مراد ہے۔

فائدہ: خاطی اور خطی میں فرق ہے۔ اول وہ جو دیدہ دانستہ کوئی برا کام یا غلط کاری کرے۔ دوم وہ جو بھولے سے۔ اول کی سزا جہنم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے من غسلین لا ینالکھ الا الغاطنون۔ دوسرا قابل درگزر ہے جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا کدے ہمارے رب بھول اور نادانستہ خطا پر ہمیں نہ پکڑتا۔

اگر اس پر بھی بس نہ ہو اور یہ سمجھ کہ ہم کو کون پکڑ سکتا ہے جیسا کہ ابو جہل العین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز اور قرآن پڑھنے سے روکا اور جھکی دی کہ اب دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے قہر سے ڈرو۔ وہ چاہے تو تیری گردن توڑ ڈالے۔ اس پر اس نے کہا میری گردن کون توڑ سکتا ہے اگر میں اپنے اعوان و انصار کو کیا ہر وقت مجلس اور دربار کے بیٹھنے والوں کو بھی کہوں اور ان کو بلاؤں تو آدمیوں سے جنگل بھر دوں۔ اسی طرح ہر سر پر غرور کو خیال ہوتا ہے تو حق سبحانہ فرماتا ہے جب اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹیں اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہیں تو فلیدع نادی وہ اپنی مجلس اور اعوان و انصار کو بلا لے دیکھیں کون آکر ہمارے مقابلے میں اس کو بچاتا ہے؟ کس لیے کہ سندع الزبانیۃ ہم بھی اپنے جلاادوں کو بلا لیتے ہیں خدا تعالیٰ کے جلااد قہر الہی کے فرشتے ہیں جن کے مقابلے کی کسی کو بھی طاقت نہیں اور نیز وہ حوادث و ہولناک وقائع ہیں جو دنیا میں پیش آتے ہیں اور پھر کسی کے ٹالے نہیں ملتے۔ وباء قطعیاری تنگ دخی بے عزتی، نفاق باہمی بزدلی، سوء تدبیر، کابلی غلبہ، اعداء وغیرہ بھی آسمانی جلااد ہیں۔

فائدہ ۴: پھر جب ایک بار حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل العین نے دیکھا اور حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔ جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا پچھلے پاؤں جلدی سے لوٹا۔ لوگوں نے دیکھ کر پوچھا تو کہا میرے اور اس کے درمیان ایک آگ کی خندق تھی اور پروں کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا اگر وہ میرے ہاتھ لگاتا تو اس کو فرشتے اچک لے جاتے اور تم سب کے سامنے پرزے پرزے کر ڈالتے (رواہ مسلم و احمد و نسائی وغیرہم)

آخرش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی میں اس واقعہ کے بعد ابو جہل بہت سے بہادروں کو لے کر نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں نکلا حالانکہ اس کی جمعیت سہ چند تھی مگر جب فہرمان الہی نازل ہوا تو اس کی مجلس و جلس کچھ کام نہ آئے اور بہت سے بارے گئے اور بہت بھاگے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور یہ بھی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹی اور کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک گڑھے میں لا کر ڈال دیا گیا۔ خدا کے قہر سے ڈرتا رہے۔ آج وہ پر غرور جھوٹی اور خطا کار پیشانی کس ذلت سے میدان بدر میں گھسیٹ گئی۔

اس تہدید کے بعد اہل اللہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کلا کہ ہرگز ہرگز لا تطعہ اس کا فرید کیش ناشکر کا کہنا نہ مان جو تجھے نماز و تقرب و عبادات الہی سے روکتا ہے بلکہ اجد اپنے رب کو کہ جس نے تجھے یہ نعمتیں دیں علم دیا سجدہ کر اور اس کے آگے جھک۔ بندہ کی یہی سعادت مندی ہے کہ اپنے آقا اور محسن کے آگے جھکے۔ سجدہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک نماز ہے اس افضل جزء سے کل کو تعبیر کیا اور اس کی افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ سر پر غرور کہ جس کو ناشکر و انپجار کہتا ہے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ انسان کے تمام جسم میں افضل جزء ہے یہ کمال نیاز مندی کی دلیل ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب کو سجدہ کرتا رہتا ہے تو نہایت قریب ہو جاتا ہے (رواہ مسلم) اور اسی لیے غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہو گیا۔ بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

اور اے بندے! اس سجدہ سے اقترب اس کا قرب حاصل کرنا۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسی قدر قرب حاصل ہوتا ہے اور سجدہ افضل عبادت ہے اس لیے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے اس لیے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز تھا۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں سے اخیر موقع ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے کہ کلالتن لہ ینتنہ الخ خاص ابو جہل کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور خطاب کے صیغوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

(الہدایہ)

(سورۃ قدر کیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا اَدْرِیْكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ خَبِرٌ مِّنْ اَنْفِ

شَمْرِ ۝ تَنْزِیْلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ۝ فِیْهَا یَاْذُنُ بَرٍّ ۝ سَلَامٌ ۝ سَلَامٌ ۝ سَلَامٌ ۝

مَطْلَعُ الْفَجْرِ ۝

ہم نے اتارا ہے اس کو شب قدر میں اور تو کیا جانے کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر سلامتی کی رات ہے وہ صبح روشن ہونے تک۔

ترکیب ! انا مبتداء انزلناہ الضمیر يرجع الی القرآن وان لم یقدم ذکرہ لکونہ معصوما معلوما فی متعلق بانزلنا والجملة خبر المبتداء۔ وما ادراک الجملة استفہامیہ لبيان عظم شأن لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر مبتداء خبر من الف شهر خبرہ والجملة التامة جواب الاستفہام۔ تنزلی بحذف امدی التامین من الاصل۔ الملائکۃ فاعلہ وتانیث الفعل للاعتبار جمیعۃ الفاعل ای متلبسین والروح معطوف علی الملائکۃ۔ فیہا ای فی لیلۃ القدر والجار متعلق بتنزل باذن ربہم متعلق تنزل وایحذف هو حال من فاعلہ ای متلبسین باذن ربہم ای بارہ۔ من کل امرای من اجل کل امر وقیل من بمعنى اللام ای لکل امر وقیل بمعنى الباء ای بکل امر۔ متعلق بالفعل السابق۔ والفعل مع متعلقۃ جملة مستأنفة مبدیہ لوجہ فضیلة لیلۃ القدر وتم الکلام عند من کل امر۔ ثم ابتداء فقال مسلک ہم فی سلام وجهان الاول بمعنى مسلمۃ ای تسلیم الملائکۃ علی المؤمنین او تسلیم بعضهم علی بعض فعلی هذا ہی مبتداء مؤخر و سلام خبر مقدم حتی متعلقۃ بسلام ای الملائکۃ مسلمۃ ای مطلع الفجر والثانی بمعنى سلامة ویکوز الوقف علیہا ویکون المعنی سلام من کل امر ہی حتی مطلع الفجر۔ یکوز ان تتعلق حتی بسلام اور بتنزل مطلع بکسر اللام فتحالفتان وقیل الفتح اولی۔

تفسیر ! اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورہ کہاں نازل ہوئی! ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس وابن زبیر وعائشہ صدیقہ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور واقعہ بھی یہی کہتے ہیں۔ قول اول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔

مناسبت اس سورہ کو سورہ اقراء سے یہ ہے کہ سورہ اقراء میں بشر پر الطاف اور اس کے ترقیات کا اور پھر اس کی سرکشی اور سرکشی سے باز نہ آنے پر سزا کا ذکر تھا اس سورہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان ترقیات و الطاف کے سوا ہم نے انسان پر دو اور بے انتہاء عنایت کی ہیں (۱) یہ کہ اس کی تہذیب اور دارین کی سعادت کے لیے ہم نے قرآن نازل کیا یعنی اس کو اس علم پر نہیں چھوڑا بلکہ علم الانسان مالم یعلم کے پورا کرنے کے لیے آپ اس سے بواسطہ جبرائیل اور پیغمبر علیہا السلام کے کلام کیا اور خود اس کو آئندہ سعادت کی باتیں سکھائیں اور ہادیہ میں گرانے والی باتوں سے بچایا (۲) یہ کہ جس طرح دنیاوی شہنشاہوں کے ہاں ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں الطاف و عنایت خسروانہ بے شمار ہوتی ہیں انعامات بنتے ہیں فرمانبرداروں کے لیے ترقی و درجات ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی انسان کے لیے ایک رات سال بھر میں ایسی رکھی ہے اگر یہ اس میں ہماری طرف توجہ کر لے اور عبادت و استغفار کرے تو اس کو بے انتہا انعامات ملیں دعائیں قبول ہوں اس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کے گناہوں سے درگزر ہو اور برسوں کی عبادت سے یہ عبادت افضل ہے اور وہ لیلۃ القدر کا وقت ہے۔ ان دونوں باتوں کا اس سورہ مبارکہ میں ذکر ہے اور یہ رحمت خاص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے پیروؤں کے لیے ہے اور سراسر اس میں یہ ہے کہ پہلی امتوں کی عمریں دراز اور قوی تیز تھے اس لیے ان کے لیے عمل اور احکام کی پابندی کی بھی مشقت زیادہ تھی کئی کئی سو برسوں کی عمریں ہوا کرتی تھیں اور ان میں وہ کیا کیا ریاضات شاقہ کرتے تھے اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میری امت اور اگلی امتوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کسی نے نصف دن تک ایک معین اجرت پر کسی کو کام پر لگایا اور پھر نصف دن سے لے کر عصر تک اسی کام اور اسی اجرت پر دوسرے کو معین کیا اور پھر عصر سے لے کر غروب تک دو گنی اجرت پر تیسرے شخص کو معین فرمایا۔ پہلے نے کہا میرا وقت اتنا اور مزدوری اسی قدر کہ جس قدر نصف دن سے لے کر عصر تک والے کی ہے اور اس کا وقت مجھ سے نصف۔ پھر دوسرے نے بھی تیسرے کی نسبت یہی شکایت کی ہے کہ اس کا وقت مجھ سے کم اور اجرت دو چند۔ مالک نے فرمایا کہ یہ میری عنایت ہے جس پر چاہوں کروں مگر تمہارے حق میں سے تو میں نے کوئی کمی نہیں کی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ پہلا شخص یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اور دوسرا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور تیسرا میری امت ہے تمہارے لیے وقت کم اور اجرت دو چند ہے۔ (اس کو امام مالک وغیرہ محدثین نے مستدھج نقل کیا ہے) اور مقتضائے رحمت تامہ (کہ جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التماس کی تھی اور جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ فساکتہما للنعی الامی الخ کہ میں اس کو نبی امی کے حصہ میں لکھ دیتا ہوں اور کتب سابقہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ میں ایک نئی قوم پیدا کروں گا اور وہ میری قوم کہلاوے گی اور وہ ابد تک مبارک ہوگی میں اپنے دست شفقت کو ان سے نہ اٹھاؤں گا الخ یہی تھا کہ اس امت اور اسم بارک قوم کے لیے ایک رات تقریب الہی میں ہزار راتوں سے بڑھ کر بنائی جائے گی تاکہ یہ لوگ تھوڑی عمر اور تھوڑے زمانہ میں وہ تقریب حاصل کریں جو ادوروں کو سیکڑوں برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ گویا وصل الی اللہ کے پہلے تیل گاڑی تھی پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں گھوڑا گاڑی بنی اور آخر الزماں نبی کے عہد میں ریل یا اس سے بھی جو کوئی تیز اور آرام کی سواری ہو وہ بنی۔ جلد شہر مقصود تک تھوڑی سی دیر میں پہنچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جوگی اور کشائیں اور پادریوں میں راہب کیا کیا مشقتیں اٹھاتے ہیں اور کیسی کیسی سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر ان پر تقریب الہی کا دروازہ نہیں کھلتا۔ باطن میں وہی تاریکی باقی رہتی ہے جو کبھی کسی جبری یا سوراخ میں سے کچھ چمک پڑ گئی تو کس حساب میں ہے۔ برخلاف طریقہ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یہاں تھوڑی دیر میں اور بہت آسانی سے کشود کا رہتا ہے پھر جو کوئی اب بھی ادھر نہ آئے تو بڑا ہی بد نصیب ہے ذرا اس سے کوئی کر تو دیکھے۔ ان سب باتوں کا ذکر اس سورہ مبارکہ میں ہے گویا یہ شوق دلانے کے لیے اعلان شاہی فرماتا ہے انا انزلنہ فی لیلۃ القدر کہ خاص ہم نے نہ کسی اور نے اس کو یعنی قرآن کو جس کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں غلغلہ مچا ہوا ہے کسی ایسے ویسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس خاص وقت میں یعنی لیلۃ القدر میں۔

اب اس جگہ ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باتفاق مؤرخین قرآن مجید تیس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔

اور سب سے اول جو سورہ اقراء مالمہ یعلمہ تک نازل غار حرا میں ہوئی تو شوال کا مہینہ تھا اور غالباً اول عشرہ تھا پھر یہ کیونکر صحیح مان لیا جاوے کہ قرآن مجید کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انزال اور تنزیل میں فرق ہے۔ تنزیل ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال ایک بار۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تنزیل تیس برس میں ہوئی اور ابتدائے تنزیل ماہ شوال میں ہوئی مگر اس

۱۔ ایک سوال انا انزلناہ پر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی تو قرآن کا جز ہے۔ پھر جب انزلناہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے تو اس میں یہ جملہ داخل نہیں ہو سکتا ورنہ حکایت و حکمی عنہ کا اتحاد لازم آجائے گا۔ اس کا جواب چند وجوہ ہے کہ گواہ انزلناہ میں ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کا اطلاق جزاء اور کل سب پر ہوتا ہے ایک آیت یا سورہ کو بھی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ مجموعہ کو پس ضمیر قرآن کے ان اجزا کی طرف پھرے گی جو سب سے اول لیلۃ القدر میں نازل ہوئے اور بھی جواب ہیں۔ امنہ

آیت میں انزال کا ذکر ہے نہ تنزیل کا۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کل ایک بارگی شب قدر میں جو رمضان کے مہینے میں واقع تھی (جیسا کہ اسی لحاظ سے فرمایا گیا۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کہ رمضان کا وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا)۔ لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے حسب حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ہر کلام کو اس کے اصلی موقع پر جمع کر دیتے تھے اور ترتیب اصلی قرآن مجید کی یہی ہے جو اب موجود ہے اور اسی ترتیب سے لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اُپر سے لا کر رکھا گیا تھا۔

پھر یہ بات دریافت طلب ہے کہ لوح محفوظ کیا ہے اور بیت العزۃ کیا ہے اور کیا قرآن کا غدوں پر معمولی سیاہی سے لکھا ہوا مجلد بیت العزۃ میں آیا تھا؟ اس کی تشریح ہم مقدمہ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوح محفوظ کوئی لوہے یا چاندی یا سونے یا لکڑی کی تختی نہیں۔ بلکہ وہ علم الہی کا تعین اور مرتبہ اثبات ہے جس میں ہر ایک چیز کا علم دوسری چیز کے علم سے متعین و متمیز ہے باتیاز خاص و نہ ذات تحت کے مرتبہ میں بھی اس کے علوم ناقص اور غیر متمیز نہیں۔ اس مرتبہ کو لوح سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں ایک مطلب کو دوسرے مطلب سے امتیاز خاص ہوتا ہے اور یہ امتیاز اس سے جدا ہے جو لکھنے والے کے ذہن میں پہلے تھا کس لیے کہ وہ مرتبہ مکلفی و مکتون تھا یہ لوح کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہے وہ خود پڑھ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ عالم شہود میں یہ مرتبہ اپنے اپنے مناسب کسی شکل نورانی میں متشکل بھی ہو جس کو عالم جسمانی میں لوح سے کمال مشابہت ہو اور بیت العزۃ اس کے بعد اور دوسرا مرتبہ علم و امتیاز کا ہے کہ جو اعلیٰ طبقہ کے ملائکہ کے اوپر ظاہر و منکشف ہے اور ممکن ہے کہ اس مرتبہ میں قرآن کی حقیقت اپنے مناسب صورت میں متشکل ہو جس کو نو حیۃ کتاب سے نہایت مشابہت ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۔ لیلة القدر کیا ہے۔ قدر مصدر ہے قدرت القدر کا اور قَدَر اور قَدْر سکون دال اور اس کی حرکت سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ فرق ہے کہ بالسکون مصدر و بالفتح اسم ہے۔ واقعی کہتے ہیں قدر کے لغت میں معنی ہیں اندازہ کرنا اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہتے ہیں لفلان قدر عند فلان کہ فلان شخص کے نزدیک قدر یعنی عزت ہو (کبیر)

اب دونوں کے معنی کے لحاظ سے اس رات کو لیلة القدر کہتے ہیں کہنے کی علانے کئی وجہ بیان فرمائی ہیں: (۱) ابن عباس فرماتے ہیں اس رات کو اس لیے لیلة القدر کہتے ہیں کہ اس رات میں برس بھر کی آنے والی بلائیں عالم بالا میں مقدر و معین کی جاتی ہیں کسی کا مرنا، بیمار ہونا، رزق کی فراغت، عزت و ذلت جو کچھ سال بھر میں اس جہاں میں ظاہر ہو گا وہ سب اس رات میں عالم بالا میں مشہور کر دیا جاتا ہے اور ہر ایک کام پر ملائکہ معین کر دیے جاتے ہیں۔ (۲) یہ کہ اس رات عالم بالا کے روحانیات اس قدر زمین پر آتے ہیں کہ گویا زمین میں تنگی ہو جاتی ہے گنجائش نہیں رہتی اور تنگی کے معنی میں بھی یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے ومن قدر علیہ رزقہ۔ (۳) زہری فرماتے ہیں اس لیے اس رات کو لیلة القدر کہتے ہیں کہ اس رات نیک بندوں کی خدا تعالیٰ اور عالم بالا کے لوگوں کے نزدیک نہایت قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اہل صفا سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور عام ایمانداروں کو بھی چھوتے ہیں گوان کو محسوس نہ ہو جس کا اثر ان کے دل میں رقت اور گناہوں پر رونا اور دُعا کرنا ہوتا ہے اور ان کے اعمال حسنہ کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ (۴) ابو بکر و راق کہتے ہیں اس لیے اس کو لیلة القدر کہتے ہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ نے کتاب قابل قدر و امت قابل قدر کے لیے رسول صاحب قدر کی معرفت نازل فرمائی اور اسی لیے یہ لفظ تین بار آیا اور اس لیے بھی کہ اس رات کی قدر کرنا چاہیے۔

یہ رات کب آتی ہے؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سال بھر میں ایک بار مہینے کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے۔ پھر اکثر اسی پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں تلاش

کرنا چاہیے اور بعض نے خاص ستائیسویں رات کی بابت زور دیا ہے اور احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔

اس کے اخفاء کی حکمت:

اور حکمت اس کے اخفاء میں یہ ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے گناہوں سے بچے ورنہ خیر رمضان شریف اور خصوصاً عشرہ اخیرہ میں تو بڑی کوشش کرے۔ نیکی کرنا تو اس رات میں بڑی قبولیت کا باعث ہے مگر اس رات گناہ کرنا بھی قہر الہی کا سبب ہے جیسا کہ کوئی خاص بادشاہ کے دربار میں بغاوت اور نافرمانی ظاہر کرتا ہے بہ نسبت اور کے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کی زیادہ احتیاط چاہیے کہ بالخصوص اس رات گناہ سے بچے اور غفلت و عیش میں اس رات کو نہ گنوائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا یعنی بڑا ہی بد نصیب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو دربار کے روز بھی حضوری نصیب نہیں ہوئی تو پھر اسے خلوت میں کیا مل سکتا ہے اور پھر معلوم نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ رات اس کو نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں۔ زندگی کا بھروسہ کیا۔ اس لیے ہر رات کی قدر کرنے والے کو وہ رات بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہمیشہ سے صلحا کار رات کو جاگنا عبادت کرنا نماز تہجد پڑھنا دستور رہا ہے۔

اور سر اس لیلۃ القدر کا یہ ہے کہ یہ اس کی تجلی کی رات ہے اور منجملہ شیون باری تعالیٰ کے ایک شانِ مواصلت و تقرب و تدلی بھی ہے مخلوق کی طرف جیسا کہ فرماتا ہے کل یوم ہو فی شان ہر روز اس کی ایک شان ہوتی ہے۔ اس رات یہ ہوتی ہے جس سے مدارک و اذہان بندگان میں اس کی طرف کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور قوتِ خیالیہ مدرکہ کے تابع ہو جاتی ہے اور تمام عالم سفلی میں عالم بالا کی طرف جنبش ہو جاتی ہے اور عالم بالا اور وہاں کے لوگ ملائکہ و ارواح کو بھی اس تجلی کے ساتھ عالم سفلی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے۔ جس کو اثر آنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عالم غیب کے عالم شہادت سے ملنے سے ایک نئی کیفیت اور لمعات پیدا ہوتے ہیں اور ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس کی تشبیہ نہیں دی جاتی۔ مگر ایک تشبیہ ناقصی یہ ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے اور آفتاب کے ایک موقع خاص میں آنے سے ہر تخم اور ہر جڑی بوٹی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے۔ پیر اور بوٹیاں نشوونما کرتی ہیں درختوں میں پتے اور شگوفے اور رنگارنگ کے پھول آتے ہیں اور فرحت و انبساط کی کیفیت ہو جاتی ہے اسی طرح عالم بالا اور حق سبحانہ کی تجلی سے ارواح بشریہ بلکہ تمام عالم محسوس پر ایک نئی کیفیت بہار کی پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں ایک جگہ یوں بھی آیا ہے انا انزلنا فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ مبارکۃ میں نازل کیا ہے۔ پھر کیا اور کوئی رات ہے جیسا کہ بعض علماء شبِ برات کہتے ہیں جو شعبان کے نصف میں واقع ہوتی ہے؟ امام نووی شرح صحیح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکۃ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور جو نصف رمضان کی رات کہتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس صورت میں ایک تعارض ساداً واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شبِ برات میں حکم ہوا تھا کہ قرآن کو لوح محفوظ سے نقل کر کے بیت العزۃ میں لے جاؤ یہ ہے لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنا اور پھر جب فرشتوں نے نقل کر کے بیت العزۃ میں پہنچایا تو لیلۃ القدر تھی اور جب دنیا میں نازل ہوا تو شوال یا ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

فائدہ: اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تجلی کا وقت رات میں کیوں مقرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لیے دن عالم شہادت سے مناسبت رکھتا ہے اور رات میں اخفاء و پوشیدگی ہوتی ہے اس لیے یہ عالم غیب سے مشابہ ہے اور عالم غیب کے اسرار متکشف ہونے کے لیے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔

فائدہ: بعض عرفاء انا انزلناہ فی لیلة القدر سے اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رات سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے جو شہود ذاتی کے بعد پیدا ہوئی تھی یعنی مقام خلوت میں مستجب ہونا کس لیے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر ایسی حالت کے ممکن نہ تھا اور اس کو لیلة القدر اس لیے کہا کہ یہ حالت قابلِ قدر و تعظیم ہے۔

اب آپ ہی حق سبحانہ لیلة القدر کے مراتب بیان فرماتا ہے فقال وما ادرک ما لیلة القدر کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو کیا جانے کہ کیا حقیقت ہے لیلة القدر کی۔ کس لیے کہ عارف وسیع المعرفة ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت اس تجلی کی کہ جو گونا گوں عالم کو سناٹھ لاتی ہے اور قابلیت و استعداد کے موافق ہر ایک میں رنگارنگ تاثیرات پیدا کرتی ہے بغیر اس کے معلوم نہیں کر سکتا کہ تمام عالم اور جمیع قابلیت و استعداد عالمِ سفلٰی پر احاطہ ہو اور یہ مقدور بشر سے باہر ہے۔ اس لیے خود ہی کسی قدر اس کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لیلة القدر خیر من الف شہر کہ لیلة القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو ہر مہینہ میں رات اور دن ہوتے ہیں اور ہر رات دن میں تجلیات غیبیہ و شہود یہ ہوا کرتے ہیں لیکن جو تجلی اس رات ہوتی ہے وہ اس سے ہزار مرتبہ زیادہ ہے۔ اس رات کی تجلی سے اس تجلی کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے اور عدد ہزار سے حصر مراد نہیں کہ ہزار ہی مہینوں سے بہتر ہے زائدہ ہی نہیں بلکہ لفظ الف یعنی ہزار سے کثرت مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب میں اس سے اوپر کوئی عدد نہیں اس سے زیادہ جو گنتی کرنی ہوتی ہے تو اسی عدد کے ساتھ اضافہ کرنے سے کرتے ہیں۔

اور برسوں کی جگہ مہینوں کا نام اس لیے آیا کہ عرب کے سالوں کی بنیاد محض قمری مہینوں پر ہے اور قمر کو رات سے تعلق ہے برخلاف شمسی مہینوں کے کہ ان کا مدار دنوں پر ہے اور قمر کو اس تجلی سے نہایت مناسبت ہے یعنی جس طرح قمر اندھیری رات کو روشن کرتا ہے اسی طرح یہ تجلی دنیا کے ظلمت کدہ کو جو رات سے مشابہ ہے روشن کرتی ہے۔

فائدہ: اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ایک یہ کہ اس رات کی عبادت ایک خصوصیت خاصہ ہے ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے کہ جن میں یہ رات نہ ہو۔

اور اسی لیے یہ فضیلت امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی کہ ان کی عمریں یہ نسبت اہم سابقہ کے بہت کم ہیں۔ اگر کسی نے یہ ایک بھی پائی تو گویا اس نے کچھ اوپر تراسی برس عبادت کی اور جو کسی نے عمر میں کئی بار دس بیس پچاس بار پالیا (کس لیے کہ ہر سال ایک باریہ رات آتی ہے) تو گویا سینکڑوں برس عبادت کر لی اور لطف یہ کہ ہزار مہینے سے بہتر فرمایا نہ برابر۔ اب بہتری کس درجہ تک ہوگی اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس میں بنی امیہ کی سلطنت کی عمر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بلکہ قاسم بن فضل نے ایک روایت بھی کردی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے منبر پر بندر چڑھتے اور اترتے ہیں (یعنی بنی امیہ کے بادشاہ کس لیے کہ اس عہد میں خلیفہ منبر نبوی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی معلوم ہوئی۔ تب آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ مزی کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر معروف ہے اور قاسم جو کہتا ہے کہ ہم نے بنی امیہ کی سلطنت کے برس جو گئے تو پورے پورے ہزار مہینے ہوتے ہیں نہ کم نہ زیادہ محض غلط ہے۔ کس لیے کہ بنی امیہ کی سلطنت سن چالیسویں ہجری میں قائم ہوئی معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور سن ایک سو تیس میں مروان الحمار پر ختم ہو گئی جس کی مدت بانوے برس ہوتے ہیں اور ہزار مہینوں کے کچھ اوپر تراسی برس ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر ان ف شہر سے خیر کہنے میں یہ اشارہ یا بیان کیونکر ہو گیا کہ بنی امیہ کی سلطنت ہزار برس رہے گی۔ ایسے ہی بے تک راویوں نے قرآن مجید کے مطالب میں ایسی گڑبگردی ہے کہ اصل کلام کو اس کے اسلوب سے ہٹا کر محض پھیکا بنادینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اب اس رات کی دوسری فضیلت بیان فرماتا ہے تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم کہ اس رات فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

فائدہ: کیا کل ملائکہ نازل ہوتے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کل نازل ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ایمانداروں کے دیکھنے اور ملنے کے لیے آتے ہیں پھر بعض آسمان دنیا ہی تک اتر کر رہ جاتے ہیں یہ اس لیے کہ ایک وقت فرشتوں نے انسان کی حالت ابتدائی دیکھ کر یہ کہا تھا طغر سے اتجعل فیہا من یفسد فیہا الخ کہ یارب زمین پر آپ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو وہاں فساد کرے اور اس کو اپنے گناہوں سے ناپاک بنادے۔ مگر حق سبحانہ نے اس انسان پر یہ انعام کئے اور اس کی بتدریج ایسی ترقی کی کہ اب اس کے کمالات کے مشتاق بن کر اوپر سے وہی فرشتے آتے ہیں اور ایک وقت یہ تھا کہ جب منی کا قطرہ اور خون کا قطرہ تھا تو اس کے ماں باپ کو بھی اس گھن آتی پھر اس کو صورت جمیلہ عطا فرمائی اور ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو ماں باپ اور خویش اقارب اس پر شیدا ہوئے اس کے بعد جو کمالات روحانیہ میں ترقی کی تو آج عالم بالا کے لوگ اپنی مناسبت سے اس کو دیکھنے آئے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سب نہیں بلکہ ایک گروہ خاص جن کا جبرئیل علیہ السلام سے تعلق ہے۔ پھر جب یہ اُپر جاتے ہیں تو اُپر کے ملائکہ اور جنت کے کارکن ان سے حالت دریافت کرتے ہیں، پھر وہ ایک ایک مرد اور عورت کا نام لے لے کر حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں شخص کو اب کے سال عبادت میں پایا فلاں کو خراب وخت۔ اول کے لیے دُعا اور دوسرے کے لیے استغفار کرتے ہیں اور افسوس بھی۔ پھر روح سے کیا مُراد ہے؟ جمہور مفسرین کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جو اس گروہ ملائکہ کے سردار ہیں۔ اسی لیے خاص کر ان کا ذکر بھی کیا ورنہ ملائکہ میں یہ بھی داخل تھے۔ بعض کہتے ہیں روح ایک اور فرشتے کا نام ہے جس کو روح القدس کہتے ہیں اور اس کو انسانی ترقی میں جو کمالات روحانیہ میں ہو کمال دُخل ہے گویا وہ معلم روحانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر تو روح القدس ایک بار نازل ہوا تھا جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جس کی برکت سے مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال) مگر امت محمدیہ کے صلحاء کے پاس ہر سال تشریف لاتے ہیں جس کا اثر اس کے اُپر کہ جس کے پاس آتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کرامات و برکات کا کارخانہ حواریوں تک چل کر ختم ہو گیا برخلاف اس امتِ مکرمہ کے کہ اس پر روح القدس کی برکت و تاثیر سے قیامت تک جاری رہے گا اور جو چاہے اب بھی مشاہدہ کر لے کہ ہر زمانہ میں اسی امت میں ایسے اولیاء و صلحاء پائے جاتے ہیں کہ ان سے عجائب و غرائب کرامات و برکات سرزد ہوتے ہیں جو اس دین کے برحق ہونے کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی زمانہ اور کسی جگہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہیں تھوڑے مگر زمانہ خالی نہیں رہتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ روح سے ایمانداروں کی روحیں مراد ہیں جو مفارقت بدن کے بعد ملائکہ میں مل گئی ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور ان کے حالات دیکھنے اور اس عالمِ سفلی کی کہ جہان سے یہ گئی ہیں سیر کرنے آتی ہیں، نیکی میں دیکھتی ہیں تو خوش ہوتی ہیں اور دُعا کرتی ہیں اور جو بُرے کاموں میں مبتلا ہیں تو ناراض ہوتی ہیں اور دل میں فرشتوں سے شرماتی ہیں۔ جن کی ناراضگی کا اس بد نصیب پر یہ اثر پڑا ہے۔ خسارت مال و زوال اقبال دنیاوی مصائب تاکہ تنبیہ ہو کر رجوع الی اللہ کرے۔ وہ اس کی معمولی درد و فاقہ اور خالی نام کی تعظیم اور انتساب نسبی اور سببی سلسلہ بیعت وغیرہ سے کبھی خوش نہیں ہوتیں بلکہ اپنی طرف نسبت کرنے سے شرم کرتی ہیں۔ بہر طور اس رات ایک عجیب بابرکت اجتماع عالمِ سفلی پر ہوتا ہے اور عالمِ بالا اور عالمِ سفلی کے اجتماع سے بطور تعاکس ایک عجیب بیعت مرکبہ انوار کی پیدا ہوتی ہے جس کا سرور عالمِ سفلی والوں اور عالمِ علوی والوں دونوں کو ہوتا ہے جیسا کہ اجزاء مختلفہ المزاج کے ملنے سے معجون مرکب میں ایک کیفیت مشابہ پیدا ہوتی ہے جو جداگانہ ہر جز کی کیفیت سے ایک جدی چیز ہے اور یہی سر ہے کہ دنیا میں خاص عبادات کے لیے مجمع کرنا افضل ٹھہرایا

گیا جیسا کہ نماز جماعت اور جمعہ وعیدین و حج۔ تاکہ باہم ملنے سے انوار کا تعاقب ہو اور ناقصوں کو کاملوں کے فیض سے حصہ ملے اور اسی لیے جس قدر جماعت زیادہ ہو ثواب زیادہ ہے۔ الغرض یہ نزول ملائکہ و روح ایک طلسم الہی ہے کہ ناقصوں کو اس طریق سے کاملوں میں حساب کر لیا جاتا ہے اور یہ نازل ہونا ان کا اختیار ہی نہیں بلکہ ان کے رب کے اذن و اجازت سے ہے گو عالم بالا کے ملائکہ اور ارواح طیبہ کو دنیا کے صلحا اور ابرار سے ملنے کا شوق ہو مگر وہ بے اجازت نہیں آ سکتے۔ یہ خیال کر لینا کہ جب ہم چاہیں اور ان کے بلانے کا کوئی سامان..... کریں وہ فوراً آویں گے گویا کہ ہمارے حکم کے تابع ہیں جیسا کہ جابلوں کا خیال ہے غلط اور باطل خیال ہے اسی کے رد کرنے کو باذن ربہم کا جملہ ساتھ لگا دیا ہے۔

اب تیسری صفت اس مبارک رات کی یہ بیان فرماتا ہے من کل امر سلامہ ہے کہ ہر چیز یعنی ہر آفت و بلا سے یہ رات سلامتی کی رات ہے۔ شیطانی آفات اور اس کے مکر و زور کے مصائب جو ابن آدم کے لیے تیار رہتے ہیں اس رات نیک ایمانداروں کے لیے ان سے سلامتی اور امن ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کس لیے کہ ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے پھر ہیبت کیونکر ضرر پہنچا سکتی ہے بعض علماء من کل امر کو ایک جملہ اور سلامہ ہی کو دوسرا جملہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ ملائکہ اور روح کے متعلق ہوگا پھر اگر من کو بیان کے لیے کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کے اور ہر قسم کے فرشتے اترتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور روحانیت ایک خاص خاص کام میں مشغول ہیں۔ کوئی رکوع میں تو کوئی سجود میں کوئی تحلی جہاں کے مشاہدے میں کوئی ایمانداروں کے لیے دعا و استغفار میں کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیاوی کارخانہ کے سرانجام دینے میں پھر یہ اس رات اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ کر دنیا پر ایمانداروں سے ملنے دیکھنے اپنا فیض پہنچانے آتے ہیں۔ آج کی رات احسن شاہانہ اس دنیا پر ہوتا ہے ہر کارخانہ کے لوگوں کو اس میں شریک ہونے کے لیے چھٹی مل جاتی ہے اور جو من کو اجل یا واسطہ کے معنی میں لیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کی تدبیر کرنے کو نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اس کا حکم تو شعبان کی پندرہویں رات ہوتا ہے جس کو شب برات کہتے ہیں اور اس کے جائزہ لینے کے لیے لیلۃ القدر میں فرشتے دنیا پر نازل ہوتے ہیں پھر سال بھر تک اس کے مطابق کارروائی کرتے رہتے ہیں۔ یہی مدبر امور مخائب اللہ ہیں بعض قراء نے من کل امری پڑھا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر ایک آدمی یعنی مؤمن کے لیے نازل ہوتے ہیں اور یہ روایت بھی ہے کہ جب وہ کسی ایماندار مرد یا عورت سے ملے ہیں تو سلام کہتے ہیں جس میں سلامتی کی دعا ہے۔ پھر سلام ہی کے یہ معنی کہ یہ رات سلامتی کی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ یا یہ کہ اس میں ملائکہ باہم اور نیز مومنوں کو سلام کرتے ہیں اور یہ ایک قرآن مجید کی کمال بلاغت ہے کہ ایک لفظ کو خواہ آخر سے کلام سے ملا لیا اول سے ہر حال میں معنی عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ ولہ الحمد جدا کثیرا۔ پھر یہ تجلی کب تک رہتی ہے آپ ہی فرماتا ہے حتی مطلع الفجر کہ صبح صادق کے طلوع تک۔ پھر ملائکہ اوپر چلے جاتے ہیں۔

اللہ اکبر
(سورۃ بقرہ (لم یکن) مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِیْهَا كُتِبَتْ قَبِیْمَةٌ ۝

کافر اہل کتاب اور مشرکین تو بغیر اس کے ملنے والے نہیں تھے کہ ان پاس کھلی دلیل پہنچے (دہ کیا) کوئی خدا کی طرف سے رسول آوے اور پاک صحیفے بناوے جن

میں مضبوط احکام ہوں۔

ترکیب ! لہٰذا یکن الذین کفروا اسم کان من للبیان اهل الكتاب والمشرکین مجروران بمن منفکین خبر کان ای زائلین عما کانوا علیہ من تنہم هذا حکایہ عن قولہم قبل الاسلام (کانوا یقولون لا نترک ما نحن علیہ حتی یجئ النبی الموعود فی التوراة والانجیل فاذا جاء متبعہ و نترک دیننا فلما جاء کفروا بہ) زجزاؤ تو بیجا لھم لاثبات کذبھم۔ البینۃ الحجۃ الواضحہ وهو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولذا لک ساء سراجا منیرا۔ رسول مرفوع علی انہ بدل من البینۃ او خبر مبتدأ محذوف وقراء ابن مسعود وابی ورسولا بالنصب حال امنہ البینۃ من اللہ صفۃ لرسول ای کأن من اللہ یتلوا صحفًا مطہرۃ صفۃ اخرى للرسول احوال والصحف جمع صحیفۃ ای قرطیس واندوان کان اھل کذب لما تلی ما فی الصحف کان کالتالی لھا فیھا کتب قیمۃ صفۃ لصفحۃ احوال من ضمیر ہا والمراد الاحکام المکتوبہ فیھا او الایات والسور الثانیۃ فیھا۔

تفسیر ! اس سورۃ میں علماء کا اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض اس کو مکہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔

اس سورۃ کو بینہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں مشرکین عرب اور اہل کتاب اپنے قبائح مروجہ کو ترک نہ کرتے تھے اور بینہ آنے پر محول کرتے تھے اس سورۃ میں بتلایا جاتا ہے کہ لو اب وہ بینہ بھی آ گیا اب کیوں نہیں مانتے۔

مناسبت اس کی سورۃ قدر سے یہ ہے کہ وہاں بتا دیا گیا ہے کہ (انسان کو وہ چیزیں جو وہ جانتا نہ تھا بتانے کے لیے) ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا جو بڑی تبرک رات ہے اور اہل کتاب اور مشرکین ایسے رسول اور ایسی کتاب کے منتظر تھے۔ اب بتایا جاتا ہے کہ لو وہ کتاب اور وہ رسول آ گیا ہے۔ اب تو اپنا باطل مذہب چھوڑو۔ اس لیے سب سے اول اسی بات کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال لھ یکن الذین کفروا من اهل الكتاب والمشرکین حتی تاتیھم البینۃ کہ کافر لوگ یعنی اہل کتاب اور بت پرست اپنے باطل مذہب اور جہالت و بطالت سے دور ہونے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ نہ آ جاوے۔ آگے بینہ کی تفسیر فرماتا ہے۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بینہ آنے کے بعد بھی وہ کافر اپنے کفر سے نہیں ٹلے اور یہ قید کہ جب تک ان کے پاس بینہ نہ آوے یہ بتاتی ہے کہ بینہ آنے کے بعد ملنا چاہیے اس لیے یہ قرار دیا جاوے گا کہ یہ انہیں کافروں کا قول بطور تعریض کے خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ جیسا کوئی کہے اور اصرار کرے کہ جب تک میرے پاس سواری نہ آئے گی میں چلنے والا نہیں۔ پھر سواری آنے کے بعد بھی نہ چلے اور جیلہ بہانہ کرے تو کوئی اس پر تعریض کرے اور یہ کہے کہ آپ تو سواری آئے بغیر چلنے والے نہ تھے یعنی اب سواری بھی آگئی اب کیوں نہیں چلتے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ان کافروں پر تعریض کرتا ہے کہ تم تو بینہ آئے بغیر اپنے مذہب سے ٹلنے والے نہ تھے اب بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی تم اسی طرح اڑے ہوئے ہو۔

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کا قول نقل نہیں کیا بلکہ از خود فرماتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور بطالت پر یہاں تک جبرے ٹلے نہیں کہ ان پاس بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں ایسی کھلی دلیل کو بھی نہیں مانتے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ کافر یعنی اہل کتاب اور مشرکین دنیا سے جدا ہونے والے نہیں تھے بینہ آئے بغیر یعنی خدا تعالیٰ اس پر آشوب زمانہ میں کہ دنیا پر کفر کی ظلمت طاری تھی اپنی برہان بھیجے بغیر کفار کو موت نہیں دینے والا تھا۔ اب اس نے بینہ بے حد بھاری اور بھلی راہ میں فرق کر دیا، محنت تمام کر دی۔ یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ بینہ آئے تک اہل کتاب اور مشرکین عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل اور ان کے مبعوث ہونے

کے منتظر تھے جب آپ آئے اور بینہ آ گیا تو ٹٹل گئے یعنی منکر ہو گئے کقولہ تعالیٰ فلما جاءهم ما عرفوا كفروا بہ۔

اہل کتاب کی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی خبر تھی تو ریت میں بھی اور انجیل میں بھی ایک ایسے عالیشان نبی برپا ہونے کی پیشین گوئی اب تک موجود ہے جس کا بیان ہم اپنی تفسیر میں کئی جگہ کر چکے ہیں بلکہ اہل کتاب کو حضرت کے تمام صفات بھی معلوم تھے اور اسی طرح مشرکین عرب میں بھی چرچا تھا کہ مکہ سے ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو عرب کی ابدی عزت و شوکت کا باعث ہوگا اور اس کے سبب سے گلہ بان بھی حکومت کریں گے اور یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ ہر کہ دمہ جانتا تھا اور ایسے شخص کے مبعوث ہونے تو بدبختی سوار ہوگئی آپ سے جدا ہو گئے دشمن بن گئے۔

(۴) ایک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اہل کتب اور مشرکین اپنی حالت سرداری اور ریاست سے ٹلنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ آ گیا اور جب وہ بینہ پر ایمان نہ لائے تو وہ ریاست جاتی رہی۔ اس میں اُس پیشین گوئی کی لمبی طرف اشارہ ہے کہ یہود سے حکومت کا عصا دور نہ ہوگا جب تک کہ ان کے پاس شیلانہ آوے شیلانہ سے مراد بینہ ہے۔

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ ہر عرب مشرکین کی حکومت تھی عام ہے کہ مشرکین عرب ہوں یا مشرکین یحس ہوں۔ کس لیے کہ یمن میں یحس یعنی ایرانی بھی فرمان روا تھے اور باقی ممالک میں یہی بت پرست قبائل کے سردار حکمرانی کرتے تھے اور اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ شام اور دیگر ممالک کے فرمانروا تھے اور ان ممالک پر قیصران روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہود کو کہیں کے فرمانروا مستقل نہ تھے مگر خبر وغیرہ مقامات میں آپ سردار تھے کسی کے زیر حکم نہ تھے اور دینی ریاست کا بھی بڑا دعویٰ تھا یہ سب کچھ رنگ بینہ آنے کے بعد مٹ گیا۔ کسی کی بھی ریاست باقی نہ رہی۔ عرب کے سرداروں کا کیا ذکر ہے اسلام نے قیصر اور کسریٰ کے بھی تاج سر سے اتار لیے۔ یہ ایک بڑا اعجاز ہے جس کا چرچا سیکڑوں برسوں سے ہو رہا تھا اور ہر قوم میں تھا اور یہ اخیر معنی سب سے زیادہ ترچیاں ہیں گو یا اس آیت میں بطور پیشین گوئی کے آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو جو مشرکین اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ تھے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اب ہماری کھلی ہوئی دلیل آچکی ہے اب راہ پر آ جاؤ اور کجی اور سرکشی چھوڑ دو ورنہ اس کا آنا اور تمہارا منکف ہونا یعنی زائل و برباد ہونا وابستہ ہے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

فائدہ: منفکین انفکاک سے ہے جس کے معنی ہیں جدا ہونا، ٹٹنا، زائل ہو جانا، چھوڑنا۔ انفکاک کے معنی پر آیت کے معنی کا اختلاف مبنی ہے بتلایا جاتا ہے کہ بینہ کیا ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے رسول من اللہ۔ اللہ کا فرستادہ رسول۔ اور رسول بھی کیا؟ یتلوا صحفًا مطہرہ کہ وہ پاک صحیفے پڑھ کر سنا تا ہے۔ صحیفہ کا غرض کتاب رسالہ۔ قرآن مجید کی ہر ایک سورت ایک صحیفہ ہے جس طرح توریت کے ابواب یا حصص صحیفے ہیں اور صحیفے بھی کیسے ہیں پاک۔ ان میں جھوٹ اور مبالغہ کی کوئی نجاست نہیں۔ یہ نجاست کتاب کے حق میں ظاہری نجاست سے بڑھ کر بے قدر کرنے والی ہے۔ اسی طرح تحریف و تبدیل بھی کتاب کے لیے نجاست ہے۔ اسی طرح اس کے مضامین میں فحش اور خلاف تہذیب باتیں بھی نجاست ہے۔ الغرض ہر ایک عیب خواہ کسی قسم کا ہو ایک نجاست ہے۔ سو وہ صحیفے جن کو خدا کا برگزیدہ رسول سنارہا ہے ان جملہ عیوب سے پاک ہیں اس لفظ میں ایک مہذبانہ تعریض بھی اہل کتاب پر ہے کہ جن صحیفوں کو وہ لیے پھرتے ہیں ان میں ان ناپاکوں نے نجاست تحریف لگا رکھی ہے کتاب آسمانی ہونے کے لیے یہ دو ہی معیار کافی ہیں ایک تو یہی کہ ہر قسم کے عیوب سے وہ کتاب پاک ہو جس میں مذکورہ بالا عیوب ہوں گے وہ آسمانی کتاب ہو نہیں سکتی۔ دوم کہ فیہا کتب قیمۃ ان صحیفوں میں مستحکم اور عمدہ مضامین بھی ہوں یہ ان صحیفوں کی جن کو خدا کا رسول سنارہا ہے دوسری صفت ہے۔

کتب کتاب کی جمع ہے اور کتاب بمعنی مکتوب اکثر مستعمل ہوتا ہے اور مکتوب مضمون ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد احکام و

مطالب ہیں کس لیے کہ لکھے تو وہی جاتے ہیں اور قیہ بمعنی مستقیمہ یعنی ان مطالب میں کوئی کمی نہ ہو۔ عقل سلیم کے مطابق ہوں۔ سو یہ وصف بھی قرآن مجید کے مطالب میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وصف اول پایا گیا۔

شبہ: صحف اور کتب کے تو ایک ہی معنی ہیں پھر یہ کیا فرمایا کہ صحفوں میں کتابیں ہوں گویا یوں کہا کتابوں میں کتابیں اور یہ کلام غلط ہے۔
جواب: اس کا یہ ہے کہ کتب سے مراد صحیفے نہیں بلکہ مطالب و احکام ہیں بمعنی مکتوب اور وہ کتاب ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

بیتہ: ۱ بان اشیء بیانا فہو بین پیدا۔ صراح بین ظہور کے معنی میں ہے۔ بینہ وہ شے جو بالکل ظاہر ہو یا ظاہر کر دے اس لیے شہادت کو جو کسی دعویٰ کے اظہار کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ بینہ کہتے ہیں۔ اس مقام پر اس سے مراد خدا کی طرف کی کھلی ہوئی دلیل اور برہان واضح ہے اور وہ کون ہے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اسی لیے آپ کو سراج منیر یعنی روشن چراغ بھی کہا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد اس جگہ رسول کریم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کس لیے کہ اس کے بعد کا جملہ رسول من اللہ خود اس بات کو بیان کر رہا ہے۔

رسول کریم خدا تعالیٰ کی دلیل واضح اس لیے تھے کہ آپ کی تھوڑی سی صحبت بھی گم کشتگان وادی ضلالت کو راہ راست دکھاتی تھی اور آپ سے صد ہا معجزات و آیات بینات ایسے سرزد ہوتے تھے جو مانوق العادۃ زائد از قوت انسانیہ ہونے کے سبب آپ کی سچائی کی روشن دلیلیں تھیں۔ جن کے بعد کو ہر ازلی محروم رہے تو رہے ورنہ فوراً ہدایت ہوتی تھی۔ آپ کے اخلاق کریمانہ اور آپ کی سیرت و صورت نہیں اجسام میں ایک دوسرے کے لیے جاذب پایا جاتا ہے لوہے اور مقناطیس ہی کو دیکھو۔ پھر آپ کی روحانیت میں جملہ ارواح کے لیے اگر ایسا بڑا جذب ہو کر خود بخود نفوس انسانیہ اس طرف کھینچے چلے آتے تھے تو کیا تعجب ہے اور یہی قوت روحانیہ تو ہے جو ایک عالم کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ وجود مذکورہ بالا کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف کی روشن دلیل یا اس اندھیرے کے زمانہ میں جوشپ تار سے زیادہ عالم میں محیط تھا چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر ان جنم کے اندھوں کو اس بینہ کے بعد کچھ سوچائی نہ دے تو ان میں دراصل کچھ بھی اور اک روحانی باقی نہیں رہا پھر ایسے حروف غلط اگر لوح دنیا سے مٹائے نہ جائیں تو کیا کیا جاوے۔

فوائد: ۱ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آگے ہدایت کا چراغ بہت روشن ہونے کے بعد ٹٹمنانے لگا تھا اور آخر کار گل ہو گیا تھا۔ دنیا میں اندھیرا پھیل گیا تھا پھر عرب جو آپ کا مولد و مسکن تھا اس کی تو عموماً یہ حالت تھی کہ بت پرستی رگ و ریشوں میں دوڑ گئی تھی خاص خانہ کعبہ میں بہت سے ممت رکھ چھوڑے تھے کہیں جنون بھوتوں غیر مرئی اشیاء کی پرستش ہوتی تھی کہیں صلحاء و ابرار کی ارواح طیبات کو معبود مان رکھا تھا کہیں ستارے اور چاند اور سورج پوجا جاتا تھا۔ الغرض سیکڑوں معبود اور ان کی پرستش کے سیکڑوں دستور مروج تھے۔ اخلاقی حالت بھی بہت ہی خراب ہو گئی تھی۔ قتل و غارت، لوٹ مار، زنا، چوری، شراب خوری ایک عام پیشہ تھا۔

اب رہے اہل کتاب سوان کے دو فریق تھے۔ ایک یہود ان کی یہ حالت تھی کہ اصل تو ریت و صحب انبیاء علیہم السلام کو ہی کہہ بیٹھے تھے اور جو کچھ حرف باقی تھا اس پر بھی عمل نہ تھا اور ان کے بھی متعدد فریق تھے جن میں سے ایک فریق قیامت کا ہی منکر تھا۔ حضرات انبیاء کا کوئی بھی دستور ان کا رہبر نہ تھا صرف رسوم باقی رہ گئے تھے ان کے علماء اور درویشوں نے دین فروشی کا پیشہ بنا رکھا تھا۔ جبلاء انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اخلاقی حالت بالکل تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ دوسرا فریق نصاریٰ کا تھا اس میں سے بھی وہ مسیحی خوشبو نکل گئی تھی صرف پھوک باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مریم علیہا السلام کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا ایک کونسل تھی جس کے دو ممبر حضرت مسیح اور روح القدس تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت مریم بھی ایک ممبر تھیں حلال و حرام کی اور پاک و ناپاک کی کوئی قید نہ رہی تھی ان کے علماء نے مکر کا دام پھیلارکھا تھا جبلاء ان کے بندے تھے پھر ان کے بھی بہت سے فریق تھے اور آئے دن باہم جوتی بیزار ہوا کرتی تھی۔ روم میں ان

کے اہل علم نے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور وہاں کا سجادہ نشین حضرت مسیح کا نائب کہلاتا تھا جس کو پوپ کہتے تھے پھر ان پوپوں نے لوگوں کو نچا مارا تھا اور طرح طرح کی بدعات اور عجیب و غریب احکام جاری کر رکھے تھے۔ مردے کو یہ نجات کی چٹھی روح القدس کے نام سے دیا کرتے تھے یہ شادی تو نہیں کرتے مگر ہزاروں کواریاں بے حجابانہ ان کی خدمت کے لیے رات دن ان کے پاس رہا کرتی تھیں پھر کیا کیا شرمناک واقعات پیش آتے تھے اس لیے ان سب کو خدا تعالیٰ نے کافر کہا اور بہت بجافرا مایا۔ ایمان کی کون سی بات باقی رہ گئی تھی۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۝

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۝

اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا تو بینہ آنے کے بعد۔ اور ان کو حکم (بھی کوئی ایسا نہیں) دیا گیا تھا صرف یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں۔ خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے یک رہنے ہو کر اور نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی وہ مستحکم دین ہے۔

ترکیب | دما تفرق الخ الجملة مستأنفة لتوضيح أهل الكتاب والتخصيص بذكرهم للدلالة على أن المشركين مع مجملهم أولى بالفرق إلا الاستثناء مفرغ من أعم الأحوال والأوقات۔ وما أمروا بالجملة في محل العصب على أنها حال من أهل الكتاب والحال أنهم ما أمروا بشيء بخلاف أصول دينهم بل بشيء يوافقها مخلصين قراء الجهور بكسر اللام وقرأ الحسن بفتحها۔ وهي حال من الضمير في يعبدوا حنفاء حال من الضمير في مخلصين فيكون من باب التداخل ويمكن أن يكون من يعبدوا جمع حنيف۔ والحنيف المائل عن الباطل إلى الحق وقيل المتبع بطريقة سيدنا إبراهيم عليه السلام ويقوموا ويؤتوا معطوفان على ليعبدوا سقطت النون تقديران أي ان يعبدوا والله الخ دين القيمة قال الفراء هذا من باب اضافة البعث إلى المنعوت كقوله ان هذا الهو الحق اليقين والهاء للمبالغة كما في قوله كتب قيمة۔

تفسیر | اب یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس بینہ کے انتظار میں اہل کتاب اور مشرک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی آرزو کیا کرتے تھے اس کے آنے کے بعد کیا کیا؟ آپ ہی ارشاد فرماتا ہے وما تفرق الذين اوتوا الكتاب الا من بعد ما جاءتهم البينة کہ افسوس اہل کتاب جو علم اور فہم رکھتے تھے ہدایت انبیاء علیہم السلام سے واقف تھے وہی بینہ پہنچنے کے بعد اس سے مخالف ہو گئے اور مشرکین عرب کا تو کیا ذکر ہے وہ تو جاہل ہی تھے۔ یہ ان کی کمال بے نصیبی پر افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس کا زمانہ درازی انتظار تھا اور شدید انتظار تھا مگر جب وہ وقت آیا تو جوازی بد نصیب تھے ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور عناد و ضد کے نشہ نے انہیں بے خبر کر دیا۔

اُنے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا جس طرح لیلۃ القدر کی تجلی کے انتظار میں کوئی راتوں نہ سوئے پر جب وہ رات آئے تو سو جاوے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کی بعثت پر اہل کتاب کا ہوا (اور یہ بھی ایک وجہ مناسبت اس سورۃ کی لیلۃ القدر سے ہے۔ یہی حال حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت پر یہود کا ہوا جس کا افسوس حضرت مسیح علیہ السلام عجیب عجیب تمثیلوں اور دل ہلانے والے فقروں میں کرتے تھے وما أمروا اوردوہ جو مخالف ہوئے اور بہت جلد اُس رسول سے بگڑ بیٹھے ان کو کوئی حکم بھی تو ایسا سخت یا توریت انجیل کے مخالف نہیں دیا گیا تھا لا ليعبدوا الله مگر یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں مگر نہ شرک کی آمیزش کے ساتھ بلکہ ان شرائط سے۔ (۲) مخلصین له الدين اول یہ کہ خاص اسی کی اطاعت کی نیت سے اس میں تثلیث کی آمیزش نہ ہونہ اور کسی معبود کی شرکت نہ ہو اور دل سے پورا اخلاص بھی ہو یا کاری اور نمود کی گرد بھی نہ لگی ہو۔

اب کہو یہ کون سی بری بات تھی جس سے وہ بینہ سے پھر گئے بلکہ یہ تو وہی بات ہے کہ جس کی توریت و انجیل میں بھی جا بجا تاکید ہے۔ (۲) حنفاء ایک طرف ہو کر کسی باطل اور غلط طریق کی طرف میلان نہ ہو جس کے اصول جہل اور خیالات فاسدہ پر مبنی ہوں اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی وجہ سے لقب بھی ہے جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو رئیس الموحدین اور خدا پرست فرقوں کے بزرگ بلکہ اکثر کے جد امجد ہیں اور تمام فریق یہود و نصاریٰ ابراہیمیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کے طریق کی پابندی اس عبادت میں ملحوظ رہے۔ سو یہ بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ بھاگتے۔

اس حکم عبادت کے بعد جو ہر قسم کی عبادت کو شامل تھا ایک خاص عبادت کے لیے دوسرا یہ حکم بھی دیا گیا تھا (۲) یقیموا الصلوٰۃ کہ نماز قائم کیا کریں۔ یہود و نصاریٰ نے وہ نماز بھی ترک کر دی تھی کہ جو ان کے مذہب میں تھی سجدہ اور دعا یا رکوع سبت یعنی ہفتہ کے روز۔ یہ حکم بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ انکار کرتے بلکہ سچے مذہب کا عطر یہی ہے۔ تیسرا حکم یہ تھا (۳) ویؤتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ بھی دیا کریں یعنی خیرات کیا کریں۔ خیرات کرنا بھی وہ بات ہے کہ جس کو تمام مذاہب بالاتفاق اچھا جانتے ہیں پھر وہ کوئی ایسی بات تھی کہ جس کے سبب اہل کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا حیلہ ملا ہاں اس قدر تو ضرور ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے میں اصلاح کی گئی جو عقل سلیم کے سر موخلاف نہیں پھر ان سے خلاف و انحراف اگر شقاوت ازلی نہیں تو اور کیا ہے۔ کوئی عیسائی، کوئی ہندو، کوئی یہودی، کوئی مجوسی انصاف سے کہہ تو دے کہ اس بینہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور جب آپ کے مذہب کے یہ اصول ہیں تو ذلک دین القیمۃ تو اس دین کے محکم اور مضبوط ہونے میں کیا شبہ ہے۔ بے شک یہ دین قیم ہے اور یہی مذہب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو آسمانی مذہب قرار دیا جائے اور یہ تمام بنی آدم میں شائع ہو اور سب ایک دین اور ایک مذہب ہو جاویں اختلاف کا نام باقی نہ رہے اور یہ ایک روز ہو کر رہے گا۔ خلاصہ یہ کہ بینہ آنے کے بعد اہل کتاب نے اختلاف کیا حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا نہ بلحاظ مشقت عمل کے سخت تھا اور نہ توریت و انجیل کے برخلاف تھا مگر وہ اس پر بھی مخالف ہو گئے اور حکم جو ان کو دیے تھے اور رسول نے ان کو سنائے تھے صرف یہ تین حکم تھے۔

(۱) خالص اللہ کی عبادت کرنا (۲) بالخصوص نماز پڑھنا (۳) مالی عبادت کرنا زکوٰۃ خیرات دینا اور دین قیم یہی ہے۔ تعظیم خدا جو دو پہلے حکموں میں ہے اور ترم بر خلق جو تیسرے حکم سے متعلق ہے۔

لَاَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِی نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا
اُولٰٓئِکَ هُمُ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمُ خَیْرُ
الْبَرِیَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِیْنَ
فِیْهَا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝

بے شک جنہوں نے انکار کیا یعنی اہل کتاب اور مشرک وہ جہنم کی آگ میں سدا رہا کریں گے وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ وہی سب خلق سے بہتر ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس باغ ہیں بسنے کے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہو اور اس سے راضی ہوئے۔ یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے۔

ترکیب | الذین موصول کفروا صلتھما من اهل کتاب والمشرکین بیان الکفر والاسم ان فی ناز جہنم خبر ہا ای بصیرون الیہا بعد الموت خالدین فیہا حال من المستکن فی البحر۔ اولنک مبتدأ ہم شر الہدیۃ الجملۃ خبر قرء الجمہور فی الموضعین الہدیۃ بغير حمزۃ وقرئ بالحمزۃ وقیل الاصل بالحمزۃ لانہ یقال برء اللہ الخلق بالحمز ای ابتعدوا خیر عمد منہ قولہ من قبل ان نبراہا ولكنہا خففت عند عامۃ العرب والہدیۃ الخلیقۃ والباری الخالق الذین آمنوا الخ اسم ان ہم خیر الہدیۃ خبر ہا جزاء مبتدأ عند ربہم صفۃ جنات عدن خبر یقال عدن بالکان یعدن عدن انی اقام ومعدن الشیء مرکزہ ومستقرہ تجری الخ الجملۃ صفۃ جنات خالدین حال العال محذوف ای ادخلوها خالدین ولا یجوز ان یکون حالا من الضمیر البحر ورنی جزاؤہم لوقوع انفصل بین المصدر ومحولہ بالخمر واجاز قوم ایدان تاکید للخالدين رضی اللہ الخ الجملۃ خبر ثانی ویجوز ان یتكون فی محل نصب علی الحال باضمار قد۔ ذلک مبتدأ لمن خشی ربہا الجملۃ خبر۔

تفسیر | اب ان اختلاف کرنے والوں کا جواب آپ کو دنیا سے بہتر سمجھتے ہیں انجام کار بیان فرماتا ہے فقال ان الذین کفروا کہ وہ جو منکر ہو گئے ہیں بینۃ کے خواہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرکین ہوں وہ جہنم کی دہشت آگ میں جلیں گے پھر جس طرح یہ انکا کفر کبھی ان سے دور نہیں ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اسی طرح وہ بھی ہمیشہ اس آگ میں پڑے جلا کریں گے۔ کبھی رستگاری نہ ہوگی جن عقائد و اعمال و رسول کو وہ موجب نجات جانتے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ وہ سب باطل کوششیں ہیں اور وہ جواب آپ کو دنیا سے بہتر جانتے ہیں یہ بھی غلط خیال ہے بلکہ اولنک ہم شر الہدیۃ وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں کس لیے کہ مخلوق میں مومن اور فرشتے تو بالاتفاق بہتر ہیں اب رہے حیوانات خواہ وہ کیسے ہی کریہہ کیوں نہ ہوں سور کتابہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ کس لیے کہ وہ اپنے آقا کی ناشکری تو نہیں کرتے اور یہ بد نصیب باوجود عقل و ادراک ہوش و حواس کے ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے احکام اور اس کے رسول اور اس کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور حیوانات کو مرنے کے بعد عذاب و ثواب کچھ نہیں پر ان کے گلے میں تورنج و حزن دائمی کی مستحکم ری پڑی ہوئی ہے۔

یہود کو دعویٰ تھا کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ ہم ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے اجزاء بدن ہیں اور ان کے لیے برکت و مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے پھر ہم کو کسی طرح بھی جہنم میں نہ ڈالے گا اور بڑے بڑے گناہوں کی باز پرس ہوئی بھی تو یہ ہوگی کہ دو چار روز جہنم کی طش دکھا کر پھر ہم کو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہنچا دیا جاوے گا۔ الغرض مغفرت و جنت ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس لیے ہم سب مخلوق سے بہتر اور اشرف ہیں ہمارے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا جان لیا تو وہ ہمارے لیے آپ کفارہ ہو گئے سوئی چڑھے ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے اب ہم کو کوئی گناہ مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ حوض میں غوطہ لگانے سے اگلے اور پچھلے تمام گناہ صاف ہو گئے۔ نہر حال ہماری نجات ہے آسمانی بادشاہت ہمارے لیے حیات جاودانی کے ہم مالک ہم باپ کے برابر کرسی پر بیٹھیں گے ہم سے بہتر اور افضل کوئی قوم نہیں اور وہاں کے ہاں جسمانی عبادات ہمارے ہاں روحانی یعنی ناپاک اعتقاد۔ ہنود کی بت پرست قومیں جو ہزاروں ہیں اخلاقی اور روحانی نجاستوں میں آلودہ ہیں اور تمام مذہب توہمات و خیالات فاسد پر مبنی ہے ہر چند ان کے گرد وہ آریہ نے اس کی اصلاح کرنی چاہی ہے وید کی تاویلات کر کے اس کو لوگوں سے مخفی کہہ کر (تا کہ ظاہر ہو جانے پر قلعی نہ کھل جائے) اس میں اسلامی توحید و اخلاق ملانے کی کوشش کی ہے مگر پھر کہاں تک مع تنہم داغ داغ شدہ پنہ کجا کجا ہم۔ کا مضمون ہے اس پر وہ اپنے آپ کو پوتر (پاک) جانتے ہیں اور وہاں کو کچھ (ملکش یعنی مکینہ ناپاک)

بتلاتے ہیں اور ان کے سایہ تک سے بچتے ہیں ہاتھ اور کپڑا اچھو جانے سے تو دھرم برہمٹ ہو جاتا ہے سوائے پہر دن چڑھے تک دھرماتما ہندو وغیرہ کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر بزرگ یعنی جنت تو ان کا زرخید ہے یا برہمن کا عطیہ اور ان کے تمام کاروبار تو ان کے بت چلاتے ہیں۔ پھر جو کوئی پاپ یعنی گناہ ہو جاتا ہے تو گنگا جی میں اٹھان کرنے سے دھل جاتا ہے بالخصوص ان میں سے فرقہ برہمن تو نوری بندے ہیں وہ جو چاہیں کریں ان کو کوئی گناہ ہی نہیں کس لیے کہ برہما جی کے پوتر یعنی پسر ہیں وہ کسی کو ماریں گالی دیں اس کے مقابلہ میں دھرماتما مہاراجوں کو سزا دینے کا اختیار نہیں نسل میں برکت حاصل کرنے کے لیے ان سے نطفہ حاصل کرنا قدما و ہنود کا قدیم دستور تھا اور ہندو تو میں تو تناخ کے میدان میں ٹھوکریں کھا کر اور کیا جنم لے کر کمتی حاصل کرتی ہیں۔ مگر برہمن جی مہاراج تو کھڑے سرگ میں چلے جاتے ہیں ان کے سوا اور اقوام ہند کو دینی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت تک نہیں (تاکہ راز نہ کھل جائے) جو کچھ خیرات کرنا ہو تو برہمن کو دو اگر چہ بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو اس کا دیا مردوں کے پاس پہنچتا ہے پھر ہنود کی بیاہ شادی مرنے جینے کے رسوم بتوں کی عبادت کرنا برہمن ہی کے ہاتھ میں ہے پھر قانون بھی جو بنایا ہے جس کو دھرم استر کہتے ہیں وہ منوجی برہمن کا بنایا ہوا ہے کہ جو کسی طرح سے ان کے پچھلے اوتاروں رشیوں سے اس کی ترمیم بھی نہ ہو سکی الغرض یہ بھی اپنی فضیلت اور نجات کو موروٹی حصہ جانتے ہیں اور اسی کے قریب قریب عرب اور دیگر بلاد کی بت پرست قوموں کا خیال تھا جس کا ابطال کر دیا گیا اور بتلادیا گیا ان الذین امنوا و عملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریۃ انسان کی فضیلت کا دار و مدار ایمان اور عمل نیک پر ہے یا ہنود کے سمجھانے کو یوں کہو کہ کمال انسانی قوت نظریہ و عملیہ کی تکمیل پر موقوف ہے قوت نظریہ کی تکمیل ایمان سے ہے۔ کس لیے کہ علوم الہیات کو واقعی طور پر جاننا ایمان شرعی میں داخل ہے اور عملیہ قوت کی تکمیل نیک کاموں کے بجالانے میں ہے اور نیک وہی کام ہیں جن کو طبائع سلیسہ نیک کہتی ہوں جیسا کہ خدا کی عبادت کرنا بندگان خدا سے بھلائی کرنا۔ سو اول بات کو لفظ آمنوا حاوی ہے اور دوسری کو عملوا الصالحات۔ الغرض یہ کہ رب سب کا سب رب ہے تمام بندے اور کُل بنی آدم اس کے نزدیک ایک ہی قطرہ کی پیدائش ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو ایمان و اعمال صالحہ سے ہے اور یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقا کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل و اشرف ہے جو پرہیزگار ہے اور پرہیزگاری ایمان و اعمال صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ الغرض یہ لوگ مخلوق میں بہتر ہیں۔ اور دراصل وہی بہتر ہے جو ایمان و اعمال صالحہ کے لباس سے آراستہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لیے آخرت کے درجات بیان فرماتا ہے جہاں سدا رہنا ہے اگر وہاں عزت ہے تو دراصل عزت ہے ورنہ دنیا کی چند روزہ عزت مال و زر حسن و جمال حسب و نسب کی عزت ایک خواب و خیال ہے فقال جزاء ہم عند ربہم جنت عدن کہ ان کا بدلہ ان کے مہربان رب کے پاس رہنے کے باغ یعنی عالم قدس کے باغ ہیں جن میں تمام راحت کے سامان مہیا ہیں جن کو کبھی خزاں نہیں چھو سکتی یہ ان کے ایمان و اعمال صالحہ کا مظہر ہے تجری من تحتہا الانہار ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کے اعمال صالحہ عرفان الہی کی نہریں ہیں جو دنیا میں ان کے اندر رات دن بجا کرتی تھیں کبھی بند نہ ہوتی تھیں۔ پھر جس طرح یہ ایمان و معارف و اعمال صالحہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی اس عالم میں ان باغوں خال الدین فیہا ابداء میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ ان کو کبھی موت آوے گی نہ وہاں سے نکالے جاویں گے نہ ان کی عمر میں فتور ہوگا یہ خلود اس نیت کا ثمرہ ہے جو ایمانداروں نیک بختوں کے دل میں تھی وہ یہ کہ گوان کی عمریں تھوڑی تھیں مگر نیت اور قصد یہی تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی اطاعت و بندگی میں رہیں گے کبھی اس نیک رویہ کو نہ چھوڑیں گے۔ خلاصہ

حافظ ازان زلف تابد ار مباد کہ بستگان کمنہ تور سنگار اند اور یہی قصد کفار کا تھا اس لیے وہ بھی خلود کے مستحق ہوئے مگر جہنم کے خلود کے۔

ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی نعمت ان کو یہ نصیب ہوگی رضی اللہ عنہم کہ اللہ ان سے راضی اور خوشنود ہوگا ورضوا عنه اور یہ اس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ پھر اب اور کسی نعمت کی کیا اصل ہے۔ محبوب کی رضامندی کی لذت عاشق صادق سے اور بادشاہ کی خوشنودی کی فرحت ملازم سے پوچھنی چاہیے اور لفظ ماضی سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا میں بھی ان کا رب ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ کوئی حسرت و ارمان دل میں باقی نہیں رہا۔ ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کو یہ تمغہ پہنایا گیا جس کا اثر نیک مومن کے دل پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو اس کے آگے بچھ جانتا ہے۔ تنگدستی بیماری کی ناکامی میں بھی اس کے دل میں ایک ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کے سبب وہ تنگدستی بیماری کو کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہ تمغہ صحابہ خصوصاً خلفاء اربعہ کو بخوبی حاصل ہو گیا تھا۔ کس لیے کہ ان کے ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی بھی گواہی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے دے دی تھی اور کیوں نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ کچھ فضیلت حضرت مسیح علیہ السلام کی برکت سے عطا ہوئی تھی پھر کیا خاتم المرسلین ﷺ کے حواریوں اور قدیم جان نثاروں کو یہ رتبہ نصیب نہ ہوتا؟ اس لیے نیک مسلمانوں کا عام دستور ٹھہر گیا ہے کہ جب کبھی ان بزرگواروں کا نام لیا جاوے تو اس تمغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا جاوے اور ایک یہ ایک ادب ہے اور جو لوگ ان کی تنقیص کرتے جیسا کہ شیعہ و خوارج وہ گویا پیغمبر خدا ﷺ کی تعلیم اور اثر کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ نعمت کس کو نصیب ہوتی ہے فقال لمن خشی (بہ یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے خواہش نفسانی اور پابندی رسم و رواج قوم کو اس کے احکام کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ حصہ کسی شخص کو اس کے مال و جمال حسب و نسب سے نہیں ملتا بلکہ خدا کے ڈرنے سے سب کا اصل الاصول خوفِ خدا ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں یہی بڑی دولت ہے۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَہَا ۝ وَاُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اَنْثَالَہَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ

مَا لَہَا ۝ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَہَا ۝ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَہَا ۝ یَوْمَئِذٍ یُّصْدَرُ

النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝ لِّیُرَوْا اَعْمَالُہُمْ ۝

جب زمین ہل کر ٹھہرے اور جب زمین اپنے بوجھ (دفاغن) نکال پھینکے اور انسان کہنے لگے اس کو کیا ہو گیا اس دن یہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لیے کہ آپ کا رب اس کو حکم دے گا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں پھر کرا دیں گے تاکہ ان کے اعمال میں انہیں دکھائے جاویں۔

ترکیب ! اذا شرطیۃ مکان والفرق بینہا ان اذا تستعمل فی المقطوع ای اذا اردت التعلیق بما یوجد قطعاً تقول اذا بخلاف ان فاذا کان للزلزال یقیناً قال اذا زلزلت فعل مجهول الارض مفعول مالم یسم فاعلہ زلزالہا زلزال مفعول مطلق مضاف الی الضمیر الرجوع الی الارض۔ قال

الفرء الزلزال بالکسر مصدر و بالفتح اسم وقال القرطبی بالفتح مصدر کا لوسواس والقلق اقلیل ہما مصدران وقد قرئ بھما۔ فالصدر مضاف الی فاعله والمعنی ای حرکت الارض حرکتہ شدیدہ کما قال اذا رجعت الارض رجاً واخرجت الخ الجملہ معطوفہ علی زلزلت الارض والاثقال جمع ثقل والمراد بہ الدفائن وقال الخ ایضاً معطوفہ ما مبتداء لها خبر والجملہ الاستفهامیہ مفعول قال والمعنی تعجب الانسان من افعال الارض۔ وھذہ الجمل کلھا شرط والجواب یومئذ تحدث الخ قال ابوالسعود یومئذ بدل من اذا والعامل فیہا تحدث اخبار ہا مفعول ثان والاول محذوف ای تحدث الناس اخبارھا الملبسان المقال وقیل یجوز ان یکون اذا منضماً بمضمر ای اذکر اذا زلزلت الارض بان ربک الخ متعلق بتحدث فالباء سبیۃ ای تحدث بسبب ایحاء اللہ لہما۔ وقیل زائدہ فیکون ان ربک اوحی لہا بدلائن اخبارھا لھا بمعنی الیھا لان اوحی یجدی تارۃ بالی وتارۃ باللام وانما اورث اللام ایحاء الی انما فعلنا ذلک لاجلھا حتی توصل الارض بذلک الی الانتقام من العصاة یومئذ اما بدل من یومئذ قبلہ واما منصوب بمقدر ای اذکر واما منصوب بما یبعده یصدر الناس ای یرجع والصدر الرجوع ضد الورد وای من موقف الحساب الی منازلہم اشتتاً جمع شت بمعنی متفرق وھو حال من فاعل یصدر ای یرجعون متفرقین بعضهم بیض الوجوہ وبعضهم سود الوجوہ بحسب اعمالہم لیروا اللام متعلق بیدر قراء المحمور مبني للمفعول من رؤیۃ البصر ای لیربھم اللہ اعمالھم وقرئ مبني للفاعل والمعنی لیروا جزاء اعمالھم۔

تفسیر ۱۔ یہ سورۃ ابن عباس وقادہ رحمہما کے نزدیک مدنی ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے مگر ابن مسعود رحمہما عطا و جابر کہتے ہیں کہ میں نازل ہوئی اس سورۃ کی آٹھ آیات ہیں بعض کہتے ہیں نو اس لیے کہ وہ ایک جملہ کو دو سمجھتے ہیں۔ مناسبت: مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں تھا جزائھم عند ربھم کہ ایمانداروں کی جزا ان کے رب کے نزدیک جنات عدن ہیں۔ یہ سن کر ایمانداروں کا دل مشتاق تھا کہ یہ پوچھے کہ کب یہ جزاء ملے گی اس لیے اس کا وقت بتلادیا کہ اذا ذلزلت الارض الخ کہ جب زمین ہلائی جاوے گی یعنی قیامت میں یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کا پہلی سورۃ میں اخیر میں ذکر تھا کہ مشرکین اور کافر جہنم کی آگ میں اور ایماندار ابراہیم جنات عدن میں ہمیشہ رہا کریں گے اس سورۃ میں مسئلہ معاد کی ابتدائی حالت بیان فرمائی کہ زمین ہلے گی اور اپنے دفائن واموات اگل دے گی۔ کافر تعجب کریں گے اور یہ عالم کہ جس پر یہ منکرین مبتلا ہیں زیر و زبر ہو جاوے گا۔ فقال اذا ذلزلت الارض زلزالھا کہ جس وقت ہلائی جاوے۔ زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیے اور حتمی کہل سکے یعنی بہت زیادہ۔ یہ شروع قیامت کا ہوگا کہ اسرائیل کے صورت پھونکنے سے زمین میں سخت زلزلہ آوے گا جس سے کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی اور سمندر جوش مار کر ادھر ادھر پھیل پڑیں گے واذالبحاؤ سجوت مجاہد کہتے ہیں یہ اول بار صورت پھونکنے میں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں بار دوم صورت پھونکنے کے وقت ہوگا۔

فائدہ: عرب کے کسی بڑے فصیح و بلیغ نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اذا ذلزلت الارض زلزالا اور اس پر اس کو بڑا ناز تھا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں زلزالا کی جگہ زلزالھا آیا مصدر کو مضاف کر دیا تو فقرہ میں جان پڑ گئی وہ عرب سن کر وجد میں آ گیا اور بول اٹھا کہ میں اس کالم کی فصاحت پر ایمان لایا۔ اس کا لطف اٹھانا اہل زبان ہی کا حصہ ہے۔ اور اس زلزلہ سے کیا ہوگا؟ منجملہ ان کے یہ ہوگا و اخر جت الارض افعالھا کہ زمین اپنے بوجھ نکال ڈالے گی۔

ثقل و بوجھ جس سے مراد ہے زمین کے اندر کی چیزیں۔ خزانے اور کانیں اور مردے گڑے ہوئے اور طرح طرح کے پتھر اور قدیم عمارت کی بنیادیں اور جو کچھ زمین کے طبقات میں زلزلہ عظیم سے باہر نکل پڑے گا۔ مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے باہر پڑے ہوں گے۔ قاتل دیکھ کر کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے قتل کیا تھا اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اس کے لیے میرے ہاتھ کاٹے گئے پھر کہا جائے گا اٹھا لو مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔ وقال الانسان مالها اور کہے گا انسان اس زمین کو کیا ہو گیا؟ وہ اس کے باغ اور وہ اس کے عمدہ عمارت کیا ہوئے۔ اس کی وہ رونق کیا ہو گئی جس پر بنی آدم فریفتہ تھے اور کئے مرتے تھے۔ گز گز بھر زمین کے لیے تلواریں چلتی تھیں ہائے ہائے یہ زربھی پڑا ہے اور یہ زمین بھی پڑی ہے آج کوئی نہیں پوچھتا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا دفائن باہر پھینکنا اور انسان کا یہ کہنا دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کا معاملہ ہے۔ جب مرنے کے بعد سب زندہ ہو جاویں گے اور زمین وز کو یوں خراب و متزلزل دیکھیں گے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ قریب قیامت کا معاملہ ہو جبکہ ایک زلزلہ آوے اور دنیا کو درہم برہم کر دے پھر جو کچھ انسان اس وقت زندہ ہوں یہ کہیں اور پھر نفع صور اول شروع ہو جاوے۔ یومئذ اخبارها اس روز زمین اپنے اخبار و حالات بیان کرے گی کہ فلاں نے مجھ پر زنا کیا اور فلاں نے نقل کیا تھا اور فلاں نے فلاں گناہ اور فلاں نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں نے فلاں نیک کام کیا تھا سب حالات بتلائے گی اور یہ کیوں بان دیکھ لیا اس لیے کہ تیرے رب نے اس کو وحی کی ہوگی یعنی وحی اور حکم رب سے بندوں پر نیکی بدی کی گواہی دے گی۔ یہ معاملہ بالاتفاق نفع صور ثانیہ کے بعد ہوگا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ تحدت اخبارها کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زبان حال سے اپنی گزشتہ خبریں بتا دے گی عبرت کرنے والوں کے لیے۔

فائدہ: شبہ کرنا کہ زمین جسم لا یعقل کیونکر کلام کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق الہی میں سے ہر ایک چیز روح رکھتی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ حیوانات کی روح بدن کی تدبیر و تصرف اور حس و ادراک اختیار کی کا شرف رکھتی ہے برخلاف اور اجسام کی روح کے کہ اس کا ادراک حس محسوس نہیں مگر کبھی محسوس بھی ہو جایا کرتا ہے بطریق خرق عادات و معجزات کے اور اسی لیے بعض دفعہ پتھروں نے حضرت انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نبوت کے وقت پتھر سلام کیا کرتے تھے اور ستونِ حنا حضرت ﷺ کی مفارقت میں رویا ہے اور اسی لیے ہر شے خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتی ہے کما قال وان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحہم اور نفوسِ ملکیہ کے حکماء بھی قائل ہیں اور قیامت کے روز جب ظہور کلی ہوگا ان چیزوں کی گویائی بھی سب کے نزدیک محسوس ہو جاوے گی اور اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ببیدہ ملکوت کل شیء زمین بھی گواہی دے گی انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہاں کے حجر و شجر گواہی دیں گے مگر سوائے حیوانات کے دیگر اجسام کی حیات فلسفہ جدید کی سمجھ سے باہر ہے اور اسی لیے وہ اس کو محالِ تخیل کرتے ہیں مولانا روم اپنی مثنوی میں اس حیات کی کن و لکش الفاظ میں تصویر کھینچتے ہیں۔

۱۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کی زبان جو گویائی کا ایک آلہ ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس میں کون سے اسباب گویائی کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ کچھ نہیں صرف ایک قادرِ مطلق نے اس میں قوت رکھ دی ہے اگر وہ چاہے تو یہی قوت انسان کے کسی دوسرے عضو میں رکھ دے وہ بھی اسی طرح بولنے لگے دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھ دی ہے۔ سو گھنسنے کی ناک میں ٹٹولنے کی تمام جسم میں اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے یا کل بدن کو جمع قوتوں کا محل کر دے ہر جگہ سے دیکھنے سننے بولنے سو گھنسنے ٹٹولنے لگے اور کبھی کبھی خاصانِ خدا پر یہ حالت دنیا میں ہی طاری ہو جاتی ہے جبکہ ہیبتِ پست اور روحانیت غالب آ جاتی ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نماز میں پس پشت سے بھی دیکھتا ہوں ارکانِ صلوة میں فرق نہ کیا کرو۔ ۱۲۰

ہستی بچوں جرد کے پے برد
 فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
 با خلش چوں ترحم گرد ایت
 ازچہ کافر را ز مومن برگزید
 پس چرا داؤد را او یارشد
 ازچہ قارون را فراخورد آنچنان
 چوں بدیدی حجر آں فرزانه را
 کہ زما دیدہ گواہی ہا دہد

ہستی کوہ است مخفی از خرد
 بادرا بے چشم گر بینش نداد
 آتش نمرود گر چشم نیست
 گر نبودے نیل را آں نوردید
 گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
 ایں زمین را گر نبودی چشم جاں
 گر نبودے چشم دل حنانه را
 در قیامت ایں زمیں از نیک و بد

پھر اور کیا ہوگا؟ یومئذ یصدور الناس اشتاتاً لیروا اعمالہم کہ اس روز دربار عدالت سے اپنے اپنے منازل پر مختلف حالات میں لوگ لوٹ کر آویں گے جو ایماندار و نیک ہیں ان کے منہ چاند سے روشن ہوں گے جنت کی طرف خوشی میں دوڑتے آویں گے اور کافرو مشرک اور بدکار جہنم کی قید کا حکم سن کر سیاہ روٹھیں جہنم کی طرف جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دکھایا جاوے گیوں کو نیک بدل کو بد۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ

پھر جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ترکیب | الفاء للتفسیر من موصولة مبتدء خبر منصوب علی انه تمیز من مثقال ذرة یدرہ خبرہ و یسکن ان یتکون من شرطیۃ یدرہ جواب الشرط و قبل خیرا بدل من مثقال ذرة قراء انھو یرہ فی الموضعین بضم الھاء وصلّا و سکونھا وقفاً و قرء ہشام بسکونھا وقفاً و وصلّا و قراء انھو رویونی الموضعین مینا للفاعل و قرئی مینا للمفعول ای یرہ اللہ یاہ و قرئی یراہ علی توھم ان من موصولة اعلی تقدیر الجزم بخذف الحکرة المقدرة فی الفعل۔ مثقال بالکسر سنگ زرد وینار صراح ای زنة ذرة۔ والذرة هوان يضرب الرجل بیده علی الارض فیاعلق من التراب فهو ذرة و قبل ما یرئی فی شعاع الشمس من الھباء۔

تفسیر | اب اعمال دیکھنے کی تفصیل کرتا ہے فقال فمن یعمل مثقال ذرة خیر ایدرہ اور جو ذرہ کے برابر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرے گا ضرور اس کو یعنی اس کے نیک بدلہ کو دیکھ لے گا وہ نیکی رائیگاں نہ جاوے گی ومن یعمل مثقال ذرة شر ایدرہ اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اس کے بد نتیجہ کو دیکھ لے گا۔

فائدہ ۱: علماء کا اتفاق ہے کہ کافروں کی نیکیاں ان کے کفر کے سبب سے ملیا میٹ ہو جاتی ہیں پھر وہ اپنی نیکی بڑی بھی نہ دیکھیں گے ذرہ بھر کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح ایمانداروں کی بدیاں مٹا دی جاتی ہیں یا معاف کر دی جاتی ہیں پھر ان کو بھی ذرہ بھر بدی دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر آیت کے معنی کیونکر صحیح ہوں گے! جواب: دیکھنے کا موقع بیان نہیں فرمایا اس لیے عام ہے پس کافر کی نیکیوں کا نتیجہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے افزائش مال و کثرت اولاد و تندرستی وغیرہ۔ ہاں آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا پس یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ کافر کی بھی کوئی نیکی خواہ ذرہ برابر ہو رائیگاں نہ جاوے گی۔ آخرت میں نہ سہی دنیا میں تو ضرور اس کا بدلہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح مومن کو اس کے گناہوں کے سبب دنیا میں بد نتیجہ کوئی مصیبت، بیماری، تنگ دستی، رنج و غم دیکھنا پڑتا ہے گو آخرت میں نہ سہی۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں جگہ من عام نہیں ہاں اول سے

مراد ایماندار ہے کہ جو ایمان لا کر نیکی کرے گا وہ ضرور اپنی نیکی کا بدلہ دیکھے گا اور نیکی کے لیے ایمان مقدم ہونا شرط ہے اور اسی طرح دوسرے من سے مراد کافر ہے کہ کافر کو ہر بدی کا بدلہ دکھایا جاوے گا خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی جواب ہے کہ جب کافر کی نیکیاں ہی نہ رہیں اُس کے کفر نے ملیا میٹ کر دیں اور اسی طرح مومن کے گناہ ہی نہ رہے تو بے واستغفار سے معاف ہو گئے پھر ان کا بدلہ کیا یہ تو موجود نیکی و بدی کے بدلہ کا ذکر ہے۔

فائدہ ۲: بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت جامعہ اور یکتا ہے۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر یہ دو آیت ایسی نازل ہوئی ہیں جو توریت و زبور و انجیل کا خلاصہ اور لب لباب ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے لیے قرآن تعلیم کرنے کو فرمایا پھر جب اس کو یہ سورۃ تعلیم فرمائی اور ان آیتوں تک پہنچا تو اس نے کہا بس کیجئے مجھے یہی دو آیت عمل کرنے کے لیے کافی ہیں اس کی حضرت نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی آپ نے فرمایا وہ فہمیدہ شخص ہے جانے دو۔ کیونکہ ہر ایک گناہ سے بچنا چاہیے خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور ہر ایک نیکی پر مستعدی کرنی چاہیے خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

فائدہ ۳: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ سورۃ پڑھی اس کو نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ہو گا اور جس نے قل ہو اللہ پڑھی اس کو تہائی قرآن کا اور جس نے قل یا ایہا الکافرون پڑھی اس کو چوتھائی قرآن کا ثواب ہے۔ رواہ الترمذی وابن مردویہ والبیہقی۔ (اللہ اکبر)

(سورۃ عادیات مکہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالْعُدَيْتِ صُبْحًا ۝ فَالْمُورِيَّتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيرَتِ صُبْحًا ۝ فَكَثْرُنَ بِهِ
نَقْعًا ۝ فَوَسْطَنَ بِهِ جَمْعًا ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ وَإِنَّهُ
عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ لَشَهِيدٌ ۝ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝ أَفَلَا يَعْلَمُ
إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝ إِنَّ رَبَّهُم
بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝

قسم ہے ان (غازیوں کے) گھوڑوں کی جو دوڑتے میں ہانپتے جاتے ہیں پھر پاؤں سے چنگاریاں اڑاتے جاتے ہیں اور صبح ہوتے دھاوا کرتے ہیں اس وقت غبار اٹھاتے اور انہوہ میں جاگھتے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے اور وہ اس بات کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور وہ مال کی محبت کے لیے مضبوط ہے پھر کیا نہیں جانتا جبکہ قبروں سے مردے نکالے جائیں اور جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جاوے گا تو ان کا رب ان سے اس دن واقف ہوگا۔

ترکیب ۱: و القسم العادیات جمع عادیۃ من العدو و هو الحشی بصریۃ فقلت الواو یاء کسرة ما قبلها کالغازیات من الغزو۔ والمراد بها الخیل الجهادیۃ و قل بمر الحجاج صبحا الفصح صوت اجواف الخیل اذا عدت و قل السیر نوع من العدو و يقال ضج الفرس اذا عدا اشد من الفصح بمعنی الدف و کان الحاء بدل من العین علی الاول منصوب علی الحال ای ضابحات و علی الثانی مفعول مطلق موکد لاسم الفاعل و يجوز ان یکون مصدر الفاعل

محذوف ای شمع ضحا۔ فالمریات قد خا عطف العادیات من الایراء وهو اخراج النار جمع موریۃ والتمذح الصک فجعل ضرب الخیل بحوافرها كالتمذح بالزناد والکلام فی نصب قد حا کلام ضحا فالغیرات ای التي تغییر علی العدو جمع مغیرۃ من الاغارة صحا منصوب علی النظر فیہ عطف علی السابق فاشرون به نقعا عطف علی الفعل الذی دل علیہ اسم الفاعل اذا المعنی واللاتی عدون فاشرون۔ اعلی اسم الفاعل نفسه لکونه فی تاویل الفعل لوقوع صلیۃ للموصول۔ لان الالف واللام فی الصفات اسماء موصولة فالتمذیر واللاتی عدون فاورین فاشرون۔ من الاغارة ای سکن۔ والضمیر فی اثرن ای المغیرات ہو فاعله بہ الضمیر یعود ای الضح اوالی مکان الحد المدلول علیہ۔ نقعا مفعول بہ والنقع الغبار وقرء الجمحور فاشرون تخفیف الشاء وقرئ یتمید بها ایضاً۔ فوسطن ای المغیرات بہ النقع الباء زائدة ای وسطن ذک الغبار جمعا مفعول بہ وقیل الباء لتعدیہ او النظر فیہ ای فی ذلک الوقت او بسبب اثارة الغبار جمعا حال وكل موضع صلح فیہ بین نفسه وسط بالسکون وان لم یصلح فهو وسط بالتحریک یقال جلست وسط القوم بالسکین لانه ظرف وجلست وسط الدار بالتحریک لانه اسم لما یحویہ غیرہ من جهاتہ۔ من باب وسط یط کوعدیحد۔ والاسم الفاعل واسط۔ والغارات الاربع للذات علی ترتیب مابعد الواحد علی ما قبلہ ان الانسان الخ هذا الجملة وما بعدها جواب القسم افلا یعلم الاستفهام لئلا نکار والفاء للتعطف علی مقدرای یفعل یفعل من القہار الخ فلا یعلم اذا العال فیما یعلم بعثر وحصل شرط ان ذہم الخ الجملة جواب الشرط والمجموع یدل علی مفعول یعلم یومئذ وبهم متعلق بغمیر۔

تفسیر ۱۔ یہ سورۃ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور ابن مسعود و جابر و حسن و عمرہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن عباس و انس بن مالک و قتادہ رحمہم کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسن سے روایت ہے کہ یہ سورۃ نصف قرآن کی برابر ہے۔ نقل کیا اس کو ابو عبیدہ نے فضائل میں اور ابن عباس رحمہم سے بھی یہی منقول ہے۔ نقل کیا اس کو محمد بن نصر نے بسند عطاء بن ابی رباح۔

رابط: سورۃ اذا زلزلت الارض میں نیکی اور بدی کا انجام اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا کہ سلیم الطبع کو سننے کے بعد پھر قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہتا مگر کج طبع اور ہٹ دھرم کب مانتے ہیں ان کے سمجھانے کے لیے تو آسانی کوڑا اور کارہ ہے۔ اس لیے اس سورہ میں لشکر جہاد اور اس کے گھوڑوں کے جوان مردانہ اوصاف کی قسم کھا کر بد انسان کا متفقنا طبع بیان فرماتا ہے کہ بد نصیب بڑا ہی ناشکر اور احسان فراموش ہے اور اس پر بھی خدا کی طرف سے بہتری کی قوی امید رکھتا ہے اور مال کا لالچ اس کے دل میں راسخ ہے جس لیے ابواب سعادات کی طرف نہیں آتا چند روزہ زیست کے لیے مارا مارا پھرتا ہے الخ اس میں اشارہ ہے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ آسانی سیاست ان کو ادب سکھاوے گی چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔

یایوں کہو کہ پہلی سورہ میں کفار و بدکردار لوگوں پر آخرت کی سرزنش بیان کی تھی جو ان تیرہ باطنوں کے دل پر مؤثر نہیں ہوتی وہ تو دنیا کے خسارے سے ڈرتے ہیں اس لیے ان پر جو دنیا میں عذاب آنے والا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فقال

(۱) والعادیات ضبعا کہ ہم کو قسم ہے غازیوں کے ان گھوڑوں کی جو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دوڑتے ہیں اُخ اُخ کی ان کے پیٹ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

(۲) فالمریات قد خا بھران کی کہ جو رات میں اپنی ٹاپوں سے پتھروں میں سے چمٹاق کی طرح آگ جھاڑتے جاتے ہیں۔ یہ دوسرا وصف انہیں جہادی گھوڑوں کا ہے جو ان کی قوت اور تیز روی ظاہر کرتا ہے قوی گھوڑوں کے نعل رات میں جب تیزی سے چلتے ہیں پتھروں پر کھٹکھٹ پڑتے ہیں تو پتھروں میں سے آگ چمکا کرتی ہے۔ یہ گھوڑے اعداء دین پر قہر الہی ہیں اور یہ آگ قہر الہی کی آگ ہے اور ان کے سواروں کی اس حرارت و شجاعت دینی کا اثر ہے جو مبدع فیاض نے ان کے دلوں میں رکھی ہے جو بدکاروں کے خرمن عیش کا مرانی کے جلانے کو کافی ہے۔

(۳) تیسرا وصف اور بیان کرتا ہے خالص غیرات صبحاً پھر ان کی جوجھ ہوتے جبکہ اعداء وین خواب غفلت میں سرشار ہوتے ہیں دھاوا کرتے ہیں راتوں چلے اور چلتے میں ٹاپوں سے آگ کے شرارے جھڑتے تھے صبح ہوتے ہی بدکرداروں اور آسمانی مجرموں پر دھاوا کر دیا۔

(۴) اور چوتھا وصف یہ ہے فائرن بہ نقعاً پھر ان کی قسم جوجھ میں دھاوے کے وقت بڑے زور سے دوڑنے میں گرد و غبار اٹھاتے ہیں اور دشمنوں کے مونہوں کو گرد آلود کرتے ہیں۔ یہ صبح کے وقت گرد آلود زیادہ قوت و زور پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ شبنم سے زمین تر ہوتی ہے برخلاف شام کے کہ خشکی ہوتی ہے۔ ذرا سی حرکت میں بھی گرد اڑنے لگتی ہے۔ اور فائرن اسم فاعل کی جگہ فعل اس لیے استعمال ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ گرد اٹھانا اور ان کے انبوہ میں گھس جانا جو آئندہ آتا ہے۔ تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے برخلاف جہاد کی تیاری کے وہ ہمیشہ رہتی ہے اس لیے وہاں اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا تاکہ دوام و ثبوت پر دلالت کرے۔

(۵) پانچواں وصف فوسطن بہ جمعا پھر ان کی قسم جوجھ کے وقت دھاوا کرنے اور غبار اٹھانے کے بعد مخالفوں کے انبوہ میں گھس جاتے ہیں یہ نہیں کہ دھمکی دے کر رہ جاتے ہیں اور وقت پر نا مردی کرتے ہیں۔ یہ پانچ وصف جنگی گھوڑوں کے ہیں بالترتیب لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حج میں جانے والے اُنٹوں کے اوصاف ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارہ میں ایک روایت بھی کرتے ہیں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ عادیات سے نفوسِ انسانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جن کو ریاضت کے میدان میں دوڑنے سے دوڑنے والے گھوڑوں کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہی اپنی ریاضت و مجاہدات کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں جس سے اشتیاق و تجلی کے شرارے مراد ہیں اور یہی بوقتِ تجلی جوجھ سے مشابہ ہے اس میدان میں دھاوا کر کے جسمانی خواہشوں کی گرد آڑاتے اور مقام و صل و قرب میں جاگتے ہیں۔ یہ ظاہر الفاظ کے معنی نہیں مگر اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ قرآن کا کمال اعجاز ہے کہ اس کے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔

پھر ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لربہ لکن و ذکہ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکر اور احسان نہ ماننے والا ہے۔ اول تو اس کی نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو بے موقع صرف کرتا ہے۔ سوم اپنے محسن و مربی کی طرف نہیں جھکتا۔ لذات و شہوات میں مستغرق رہتا ہے۔ وانه علی ذلك لشہید اور وہ اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس کا حال اور اس کی بناوٹ اور رات دن کے تغیرات میں اس کے دستِ قدرت کی امیدواری کہہ رہی ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں نعمت کا شکر نہیں کرتا سو وہ اس کی نسبت بھی یہی کہتا ہے گویا دوسرے کو یہ کہنا اور آپ اسی حالت میں مبتلا ہونا اپنے لیے آپ اقرار کرنا اور گواہی دینا ہے کہ میں ناشکر ہوں یہ اس کی دوسری بات تھی اب تیسری یہ ہے کہ وانه لحب الخیر لشہید وہ مال کا بڑا دوست اور سخت لالچی بھی ہے۔ یہ انسان کے تین افعال بد تھے جو اس کو ہادیہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اب ناپاس کے مقابلہ میں ان حیوانات کو دیکھنا چاہیے جو مالک کے مطیع ہیں جیسا کہ گھوڑا جس کے اوصاف کی قسم کھائی جس سے تعریف ہے کہ ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے جس میں مالک کی اطاعت کا مادہ نہیں اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے ناپاس نافرمان شہوات و لذات کے بندے مال و زر کے عاشق ایک روز ایسے جہادی گھوڑوں کے پاؤں میں روندے جاتے ہیں جن کی ٹاپوں سے آگ نکلتی ہے اور جو دشمنوں کے خرمن آرام کو جلاتی ہے۔ ان الفاظ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا انجیل متی کے تیسرے باب میں ذکر ہے کہ یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام پاس جب یہود کے لوگ فریسی اور صدوقی فرتے اصطباغ پانے آئے تو آپ نے فرمایا۔ قولہ۔ میں تو تمہیں توبہ کے لیے پانی سے بہتہ دیتا ہوں لیکن وہ میرے بعد آتا ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے بعد نہیں آئے بلکہ وہ برو آئے تھے اور نیز بعد کے اوصاف بھی ان میں نہیں پائے جاتے) مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح اور آگ سے بہتہ دے گا اس کا چھاج اس کے

ہاتھ میں ہے وہ اپنی کھلیاں کو پھٹکے گا اور گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا اور بھوی کو اس آگ میں جلانے کا جو کبھی نہیں بجھتی وہ آگ جہاد کی آگ ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلتی ہے اور جو قیامت تک نہ بجھے گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لن یمیز یہ ہذا الدین قائما یقاتل علیہ عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة رواہ مسلم کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا قیامت تک مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت اس پر لڑتی رہے گی۔

فتح مکہ کے روز آپ نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم کو لڑنے کے لیے حکم دیا جاوے تو نکلو۔ متفق علیہ اور فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اپنے مخالف پر فتح پاوے گا۔ یہاں تک کہ آخر کے لوگ دجال سے لڑیں گے (رواہ ابوداؤد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البرکۃ فی نواصی الخیل (متفق علیہ) کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں رکھی ہوئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ الخیل معقود بنوا صیہا الخیر ای یوم القیامۃ الاجر والغنیمة (رواہ مسلم) کہ گھوڑوں کی پیشانی یا چوٹی میں قیامت تک بہتری باندھی گئی ہے اور وہ بہتری کیا آخرت کا اجر اور دنیا کی غنیمت ہے۔

اور یہ سچ ہے جس قوم میں ترغیب اور نواہی پسنی آ جاتی ہے خواہ کتنی ہی ہنرمند صنائع، ہوشیار ہوا ایک روز اس قوم کا مال ہو جاتی ہے جو گھوڑوں پر چڑھنے والے سپاہی اور موٹا پہننے والے اور موٹا کھانے والے اور بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں جب سلطنت اور دولت نے (جوان کے باپ دادا نے کہ جو ان مرد اور جفاکش سپاہی تھے حاصل کی تھی) کئی صدیوں تک مقام کیا تو نزاکت اور عیش پسندی آگئی پھر تو امراء کی یہ حالت ہوگئی کہ دھوپ کی برداشت اور گھڑی بھر بھوک اور پیاس اور شہوت کی برداشت کا تو کیا ذکر ہے پانچخانہ میں لوٹا بھی خادم ہی دھرے تو دھرے تو پانچخانہ پھریں کپڑے بھی کوئی دوسرا پہنائے تو پہنیں۔ رات میں چار قدم باہر جاتے ڈر لگتا ہے ذرا چلیں اور اچھل کر گھوڑے پر چڑھیں تو ناف ٹل جائے کسی کام میں دل تو ڈر کر محنت کرنا کیسا رات دن داستان گو اور فواحش اور مسخروں کے جلنے کھانوں اور عمدہ مکانوں اور آرائش تن کے چرچے اور پھر گنجفہ اور شطرنج اور مرغ بازی، پتنگ بازی، بیئر بازی، کبوتر بازی اور کون بازی اور کون بازی اور شراب خواری اور عیاشی اور بستر راحت پر پہروں چڑھے تک سونا اور جاگنا تو گھنٹوں جمائیاں اور انگریزیاں لینا اور گھنٹے بچانے میں بیٹھنا، پہر دن منہ دھونا، سنگار کرنا، مٹی کی دھڑی، جمانا، آئینہ سامنے رکھ کر اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا وغیرہ بد عادات آئیں جن کو ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کیا تھا اس کے ساتھ علم بھی رخصت ہوا داناتی بھی گئی۔ دل کی جو ان مرد بھی گئی۔ بندوق کی آواز سے دل دھڑکنے لگا اور اس پر بیجا مصارف کا ذخیرہ ہاتھ بندوقی حیت رخصت ہوئی رہ گئی تو خود پسندی آبائی مفاخر پر لاف زنی، کمینہ پروری، رزاؤں، کمینوں، سفلوں سے رغبت، باہمی نفاق، حسد و بغض، کمینہ تدبیریں۔ پس سلطنت و دولت و عزت و شوکت بھی جلدی بھیک مانگنے کی نوبت آگئی اپنے آبائی خدمت نگاروں کی چلیں بھرنے کی نوکری رہ گئی عورتوں کے تنگ و ناموس بھی گئے۔ الغرض دین بھی گیا، دنیا بھی گئی۔ یہ اس لحب الخیر الشدید وانہ لکنود کی تفسیر ہے۔ عبرت عبرت!

خبر دنیا تو گئی تھی سو گئی تھی اب تو افلاس یا بقیہ گندہ دولت کے خمار میں حق سبحانہ سے لڑائی کی ٹھہرا دی۔ لگے کفر بکنے، احکام ربانی کو ٹالنے۔ اب دین اور عقبی بھی چلے اس لیے فرماتا ہے افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور وحصل ما فی الصدور ان یرہم بہم یومئذ لخبیر کہ کیا یہ ناشکر انسان جو ایسے کام کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں سے مردے اٹھائے جاویں گے اور جو سینوں میں خیالات فاسدہ مخفی ہیں حبشہات وغیرہ ہادہ ظاہر کئے جاویں گے بلکہ متشکل کر کے سامنے لائے جاویں گے تو اس دن کا رب ان سے خبردار ہے بات دنیا میں جو کی تھی اس کو معلوم ہے پھر وہاں کیسا ان اعمال بد اور عقائد فاسدہ کی سزا دے گا؟ ضرور دے گا؟ اگر چہ اب بھی خبر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں مگر یہ کہنا کہ اس روز جو سزا و جزا کا دن ہے خبردار ہے عظیمہ کو پوری تہدید ہے جلد توبہ کرنا چاہیے۔ اللہم ثبت الیک۔

اللہ اکبر

(سورۃ القارعة مکہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ
 كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ
 مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ
 هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ ۝ نَارُ حَامِيَةٍ ۝

۱۰۱

کمز کھڑا دینے والی (قیامت) کیا ہے وہ کمز کھڑا دینے والی اور (اسے مخاطب!) تو کیا جانے وہ کمز کھڑا دینے والی چیز کیا ہے (وہ ایک ایسا وقت ہے) کہ لوگ اس دن بھگوں کی طرح تتر بتر ہوں گے اور پہاڑ ڈھکی ہوئی اون جیسے ہو جائیں گے۔ پھر تو جس کے اعمال تول میں بھاری ہوں گے تو وہ سن مانے عیش میں ہوگا اور جس میں تول ہلکی ہوگی تو اس کا ٹھکانا گڑھا اور تو کیا جانے وہ کیا ہے۔ آگ ہے بگتی۔

ترکیب ! القارعة مبتداء ما القارعة خبر۔ قرء الجھور بالرفع والقارع الصوت الشدید ومنه قوارع الدهر والمراد بها القيامة وانما سماء القیمة کالقیمة کالقیمة وانما سمیت بها لانھا تقرع قلوب الانسان وتقرع اعداء الله بالعذاب والعرب تقول قرعتم القارعة اذا وقع بهم امر قطع وما الاستفہامیة مبتداء ادراك خبر ما القارعة مبتداء خبر والجملة مفعول ثانی لا دراک ای وای شیء اعلمک ما شان القارعة۔ ثم هو سبحانه بین بعض شیوہا فقال یوم یكون والناس فی یوم القارعة ای تقرعهم یوم یكون الخ وقیل اذکر وقیل خبر مبتداء محذوف وانما نصب لاضافة الی الفعل فافتح بناء لا نصب اعراب۔ والفراش جمع فراشة وهي الطیور التي تتساقط فی النار والسراج وبها یضرب المثل فی الطیش والهوج يقال طیش من فراشة المبثوث السفرق المنشر وبجوز مہوش کما یجوز مہوش کما فی قوله تعالیٰ کا نهم جراد منتشر ادا عاجز نخل منعقد وعاجز نخل حادیہ وتكون الجبال عطف الجملة علی الجملة والعین الصوف المصبوغ بالالوان المختلفة المنفوش المندوف الذی نقش بالندف۔ فاما من شرط فهو فی الخ جوابه موازینہ جمع موزون وهو العمل الذی له وزن وخطر عند الله وهذا قول الفراء وغيره وقیل جمع میزان وقیل المراد بها الخ والدلائل عیشة راضیة اسناد مجازی اور استعارہ تکلینیہ وتحملیہ فامہ ای مسکنہ وسامہ بالام لانه یادی الیہ کما یادی الی امہ ہاویة من اسماء جہنم وسمیت بها لانه یہوی فیہا مع بعد قعرها والکھو اقاہین الجبلین ماہیة اصلہا صیغیر یعود والی الہادیة وزیدت الہاء بعد الیاء للسلک۔

تفسیر ! یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام قارعہ ہے اور قرع لغت میں ٹھونکنے کھڑا کھڑانے کو کہتے ہیں اور اسی لیے ایسے حوادث دہر کو جو عاقل کو دہلاتے اور دل کو ہلاتے ہیں تو اوارع الدہر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس قسم کی آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والی ہیں تو اوارع القرآن کہتے ہیں۔ اور اس سورہ میں بھی وہ مضامین ہیں جو انسان کو خواب غفلت سے جگاتے اور اس کے دل کو ہلاتے ہیں یا اس میں اس حادثہ کا ذکر ہے جو دنیا کو زیر و زبر کر دے گا یعنی قیامت اس لیے اس کا نام القارعة ہوا۔

واضح ہو کہ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل یعنی بوجھ یا بھاری پن رکھا ہے جیسا کہ روحانیات میں تجربہ دار سبکائی اور یہ ایک قدرتی بات ہے اور یہی ثقل اس کو سکون و قرار پر مجبور کرتا ہے اور یہی اس کو اس کے حیر طبعی کی طرف جھکاتا ہے پھر ایک تو یہی ثقل جسمانی

ہے جس سے اعلیٰ قدر مراتب کوئی جسم بھی خالی نہیں اور ایک معنوی ثقل بھی ہے جس کو وقار کہتے ہیں یہ ادراک و حواس والے اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ان کے لیے خوبی ہے بالخصوص انسان میں جو اس کے مردانہ پن اور تحمل و برداشت کا باعث ہے پھر جس میں یہ وصف نہیں اور تر پھر کرتا ہے۔ بیٹھنے میں بھی کہیں ہاتھ ملتے ہیں کہیں پاؤں، کبھی آنکھیں پھڑکتی ہیں تو کبھی جلد جلد بات چیت کرتا ہے اس کو معیوب سمجھتے ہیں اور بندر اور اس قسم کے جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جو ان مردوں کو اپنے استقلال اور قائم مزاجی پر بڑا ناز ہوا کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم پہاڑ ہیں حوادث و ہرہم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ کفار قریش اپنے اس وصف پر بڑے نازاں تھے اور یہاں تک دعویٰ تھا کہ اگر کوئی ہمارے جسم میں زخم بھی لگائے تو ہم جس وضع پر بیٹھے ہوں اس میں کچھ بھی فرق نہ آوے اور اس کی وہ مشاقی بھی کیا کرتے تھے اور اسی کو میدان جنگ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبب جانتے تھے۔ سوال قسم کا ثقل زیادہ تر پہاڑوں میں ہے کہ جب سے ان کو قدرت نے جہاں بٹھایا ہے وہیں بیٹھے ہیں ملتے ہی نہیں اور اسی لیے اس امر میں ثابت قدموں کو پہاڑ سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے اور دوسری قسم کا ثقل انسان میں ہے۔ مگر انسان کی اس ثقل سے عالم بالا کا مقصود اخلاقی حمیدہ اور ملکات کاملہ میں ثابت قدم رہنا ہے جو حسنات حاصل کرنے کا سبب اور معاصی اور لذات و شہوات کے جھوٹوں میں اُڑنے سے بچنے کا باعث ہے اور دنیا میں اس کے آنے سے یہی مقصد ہے کہ وہ اس ثقل کو حاصل کر لے جاوے اور جس میں یہ ثقل جس قدر ہے اسی قدر وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گرامی اور بھاری ہے اور جس میں یہ ثقل نہیں وہ بے وقار اور ہلکا ہے اور اس کا ان نیک باتوں سے ہلکا ہونا بے حیثیت اور جسمانیات کا بھاری پن ہے جس کا حیز طبعی ہاویہ یعنی مقام اسفل ہے ان باتوں کی طرف خدا پاک اس سورۃ میں ایماء کر کے انسان کو ابواب خیرات کی رغبت دلاتا اور اس کے ثمرات و نتائج عیشیہ ظاہر فرماتا ہے اور بدوں کو ہاویہ میں لے جانے والے بوجھ سے سبکی حاصل کرنے اور ثقل مقصود حاصل کرنے کی طرف ابھارتا ہے اور نبوت کبریٰ کا یہی مقصد اصلی ہے اس لیے فرماتا ہے القارعة ما القارعة وما ادراک ما القارعة کہ قارعہ کھڑا کرنے والی ہے وہ کھڑا کرنے والی۔ اور اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے کھڑا کرنے والی چیز اس لیے کہ وہ اس عالم کی فنا اور فنا کے اثرات ہیں جو بغیر دلیل سمعی کے سمجھ میں نہیں آتے۔ کس لیے کہ انسان ہمیشہ سے آسمان و زمین پہاڑوں اور دریاؤں اور چاند و ستاروں کو دیکھتے دیکھتے یہ سمجھ گیا ہے یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کو فنا نہیں صرف عناصر سے مرکب چیزوں کو فنا ہے وہ یہی کہ ایک وقت کے بعد اس ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے پھر اپنے خیال کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے سیکڑوں دلیلیں بنائی ہیں۔ اس لیے اس کو تاہنہم کے حق میں یہ فرمایا کہ تو کیا جانے کیا وہ کھڑا کرنے والی چیز بہت درست ہے۔ پھر آپ ہی اس کی کسی قدر کیفیت بیان فرماتا ہے یومہ یکون الناس کالفراش المبعوث جس دن کہ آدمی بکھرے ہوئے پٹنگے اور پروانوں جیسے ہو جاویں گے یعنی ان کا وہ ثقل کہ جس پر ناز تھا اس روز کی ناقابل برداشت مصائب دیکھ کر بالکل جاتا رہے گا اور ایسی بے قراری اور بے تابی ہوگی کہ ادھر کے ادھر، ادھر مارے مارے پھریں گے۔ فراش فراشتہ کی جمع جس کے معنی پتنگا، پروانہ، بھنگا، جو رات میں روشنی یا آگ میں گر کرتا ہے۔ جبکہ صور پھٹنے کا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور ایک خدا کی طرف کا پکارنے والا عدالت کی طرف بلائے گا اور جلال کبریائی کی تجلی ہوگی تو دہشت کے مارے لوگ پتنگوں کی طرح یا نڈیوں کی طرح بے قرار و مضطرب ہو کر دوڑے آویں گے۔ اور ممکن ہے کہ یہ فتح صور اول کا واقعہ ہو کہ جب آواز تیز ہوگی اور کڑک اور زلزلہ زیادہ ہوگا تو گھبراہٹ میں پتنگوں کی طرح ادھر ادھر مارے مارے پھریں گے اور بے قراری ہوگی سب ثقل و ثبات جاتا رہے گا تشبیہ میں چار باتیں ہیں (۱) طیش و بے قراری اور ایک دوسرے پر حواسی میں گرنا (۲) کثرت وضعف کہ ان کی بھنگوں جیسی کثرت ہوگی اور آج کے بڑے قوی ہیکل..... اور دلیر اس روز ملائکہ کے آگے

بھنگے معلوم ہوں گے (۳) ہر جانب اور ہر سمت سے بلانے والے کی طرف ایسا آنا کہ جیسا پٹنگے چراغ کی طرف آیا کرتے ہیں (۴) آگ میں گرنا جیسا کہ پٹنگے گرتے ہیں اس طرح وہ آتش جہنم میں گریں گے اور یہ اس لیے کہ وہ روزِ ظہور رکلی ہے یعنی دنیا کا پردہ اُٹ کر ہر ایک چیز کی حقیقتِ اصلہ دکھا دی جائے گی پھر جس طرح آج پٹنگوں کی طرح شہوت و لذات کی آگ کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جہاں طلبہ پر تھاپ پڑی اور سارنگی کی آواز آئی لوگ دوڑ پڑے۔ سو اس روز یہ خواہش آتش جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور یہ اسی طرح اس کی طرف مجبورانہ جائیں گے وہ رغبت اور اختیارِ جبر و اضطرار کی صورت میں جلوہ گر ہوگا دنیا کے خواب کی یہ تعبیر ہوگی۔

اب دوسرے ثقل کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے فقال وتكون الجبال كالهن المنفوش اور پہاڑ دھنی ہوئی اولیٰ جیسے ہو کر اڑتے پھریں گے عہن رنگین پٹم کو کہتے ہیں اور رنگین پٹم سے تشبیہ اس لیے دی کہ اب جو دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں سنگ مرمر سنگ سرخ، سنگ سیاہ و گیرہ۔ زلزلہ پے در پے آنے سے چور چورا ہو جاویں گے اور باہم ملنے سے ایک رنگت پیدا ہو جائے گی۔ منفوش دھنی ہوئی، نقش و حسنا پھر دھننے کے دھننے سے اور بھی اس کے کٹوے کٹوے ہو کر اڑا کرتے ہیں اسی طرح جب عالم بالا کے دھننے والے اس پہاڑوں کی اوں کو دھنیں گے تو یہ اڑتے پھریں گے۔ اب اس سے زیادہ کیا کھڑکھڑانے والا وقت ہوگا۔ یہ ہے القارعہ جس کی حقیقت سے یہ مسبت بادۂ غفلت بے خبر ہیں۔

یہاں تک تو ایک مصیبت تھی اب اور دوسری سننے وہ یہ کہ اس روز جب یہ سب کچھ ہو چکے گا بارِ درگ لوگ اصلیٰ حیات میں آویں گے اور میزانِ عدالت کھڑی ہوگی تو فاما من ثقلت موازینہ فہو فی عیشۃ راضیۃ اس روز جس نے اس چند روزہ حیاتِ دنیا میں اپنے اس ثقلِ خدا داد کو اچھے کاموں میں صرف کیا اور ایمان و حسنات کا ثقل پیدا کر لیا تو پھر اس کی تو لیں بھاری نکلیں گے ایمان کی تول ہے تو ویسی ہی بھاری ہے اور نماز کی ہے تو ویسی ہی گرانبار ہے اور روزے کی ہے تو ویسی ہے اور صدقات و خیرات کی ہے تو ایسی ہے۔ شہوات و لذات سے صبر کی ہے تو ایسی ہے اور محبتِ الہی کی ہے تو سب سے بڑھ کر ہے تو وہ لوگ دل پسند زندگانی میں ہوں گے جس کو حیاتِ جاودانی اور زندگانی با کامرانی کہنا چاہیے یہ لفظ عیشۃ راضیۃ بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ آخرت کی جس قدر خوبیاں ہیں جنت اور وہاں کے نعیم اور فرح و سرور اور دیدارِ الہی سب کو حاوی ہے۔

واما من خفت موازینہ فامہ ہاویۃ اور جس کی تو لیں ہلکی ہوں گی۔ اعمالِ حسنہ و ایمان میں اس ثقلِ خدا داد کو کام میں نہ لایا بلکہ شہوات و لذاتِ حجبِ دنیا وغیرہ میں صرف کیا اور اپنی نالائق باتوں پر ثابت قدمی دکھائی۔ کفر پراڑے رہے۔ ایمان لاتے شرم آئی بد وضعی کو وضع داری سمجھے۔ دنیا پر فریفتہ رہے اور اس عشق میں بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ رسم و رواجِ بد کے پابند رہے بڑے استقلال سے اس کو تھامے رہے اور بڑا ثقل ان باتوں میں پیدا کیا۔ تو یہ بھاری لنگران کو جہنم کے گڑھے کی طرف اس طرح کھینچے ہوئے لے جاوے گا جیسا اجسام کا ثقل طبعی پستی کی طرف لے جاتا ہے اور اسی رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لفظ اہم کا استعمال کیا۔ کیونکہ اہم کے اصلیٰ معنی ہیں اصل اور رجوع ہونے کی جگہ کے اور اسی لیے ماں کو اُم کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے مراد یہ کہ اس کا اصل ٹھکانا ہادیہ ہوگا اور ہاویۃ گڑھے کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کا ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وما ادراک ماہیہ کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے ہادیہ کوئی دنیا کا عمیق گڑھا یا کسی بلند پہاڑی کی کھوئیں ہے کس لیے کہ اس کی اصل حقیقت بھی بغیر ملہم غیب کے سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی پھر آپ ہی بتاتا ہے نارِ حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ ہے یہ آگ حبِ شہوات و لذات کی اور غضب و حسد کی، بغض و عداوت کی اور تعصب و کفر و بدراہی کی آگ دنیا میں دل میں تھی آج وہ جہنم کی آگ بن کر سامنے آگئی اور آگ بھی کیسی آگ حامیۃ بہت گرم کہ جس کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی آگ گرم نہیں یہ آگ اس آگ کی بہ نسبت کچھ بھی نہیں اس لیے یہ لفظ استعمال ہوا ورنہ آگ کے لیے تو ہر وقت حرارت لازم ہے۔

فائدہ: فرقہ معتزلہ موازین کو دنیاوی ترازو سمجھ کر اور اس میں اعمال و ایمان جو عوارض ہیں محال جان کر یہ تاویل کرتا ہے کہ تو لیس بھاری ہونے سے مراد ہے حجت قوی ہونا اور خدا کے نزدیک گرامی اور بھاری ہونا اور کہتے ہیں یہ ایک عرب کا محاورہ ہے اور اسی طرح قولوں کے ہلکے ہونے سے مراد ذلیل ہونا اور ان کی حجتوں کا ضعیف ہونا ہے۔

مگر یہ ان کا قصور فہم ہے۔ کس لیے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازو نہیں بلکہ وہ ہے کہ جس سے اعمال و ایمان کا وزن ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں میزان کا قیامت میں قائم ہونا ثابت ہے اہل سنت اس کے قائل ہیں۔

فائدہ: دو فریق بیان ہوئے اول وہ کہ جن کے ایمان و اعمال حسنہ کی تو لیس بھاری ہوں گی دوم وہ کہ جن کی تو لیس ہلکی ہوں گی اور دونوں کا انجام بھی بیان فرمادیا۔ مگر ایک تیسرا فریق اور بھی ہے یہ وہ کہ جن کی نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔ ان کا کیا انجام ہوگا؟ منادی فرماتے ہیں کہ ان سے حساب آسان لیا جاوے گا اور آخر وہ بھی بخشے جاویں گے اور ان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تا کہ منادی معلوم ہو کہ قابل عذاب وہی ہیں جن کی نیکی کی تول ہلکی رہے گی گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ پھر اب اگر ایمان بھی نہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا ورنہ شفاعت یا اس کی مخصوص رحمت کے سبب وہ سزا پا کر یا ایمان کی برکت سے بغیر سزا پائے یوں ہی نجات پا جاوے گا مگر خطرہ میں ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جاوے گا تانویں دفتر بڑے بڑے گناہوں کے اس کے پیش ہوں گے پھر حق سبحانہ پوچھے گا تجھے ان میں سے کسی کا انکار ہے کیا میرے فرشتوں کو مانا کہ تین نے ناحق لکھ لیے ہیں۔ کہے گا نہیں یا رب! پھر پوچھے گا تجھے کوئی عذر ہے کہے گا نہیں یا رب! تب حق سبحانہ فرماوے گا تیری ایک نیکی ہمارے ہاں ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تب ایک ورقہ نکلے گا جس میں کلمہ شہادت ہوگا۔ تب وہ شخص کہے گا بھلا ان دفاتروں کے مقابلے میں اس ورقہ کا کیا وزن ہوگا تب وہ ورق ایک پلہ میں اور وہ دفتر دوسرے پلہ میں رکھے جاویں گے تب یہ ورق بھاری نکلے گا اور وہ دفتر ہلکے ہو جاویں گے اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(اللہ اکبر)

(سورۃ نکاح کی یہ اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْهٰکُمْ التَّکَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ کَلَّا

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عِبَءَ الْیَقِیْنِ ۝ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝

نکاح

غافل کر دیا تم کو حرص نے یہاں تک کہ قبریں جھانک لیں۔ خبردار ابھی جان لو گے۔ پھر کہتے ہیں خبردار ابھی جان لو گے۔ نہیں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان جاؤ (تو) غافل نہ ہو) ضرور تم کو دوزخ دیکھنا ہوگا۔ پھر اس کو یقین دیکھنا ہوگا۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کا حال پوچھا جائے گا۔

ترکیب: اَللّٰہی فعل یتقال الہاء عن فلان اذا شغله عنه وکم مفعولہ التکاثر فاعلہ۔ والتکاثر التباہی والتفاخر بکثرة الاموال والا ولاد

انفصلہ عن اللہ تعالیٰ حتی غایہ لہا ہذا رتہ المقابر جمع مقبرۃ۔ والمعنی انکم حرص الدنیا والتفاخر بالاموال والعشائر عن الدار الاخرۃ حتی ادرکم الموت واتم علی تلک الحالۃ کلا لردع لو شرطیۃ تعلمون شرط ومفعول تعلمون محذوف ای الامر الذی اتم صارون الیہ علما یقینا ونصب العلم علی المصدرۃ واصله الی الیقین من اضافه الموصوف الی صفۃ وقیل العلم عام یکون یقینا وغیر یقین فاضافۃ الی الیقین اضافه العام الی الخاص وجواب لومحذوف قال الانحش التقدر لوتعلمون علم الیقین مالهاکم اوجوه۔ لترون الجحیم الجملۃ جواب قسم محذوف ای واللہ ترون انجیم فی الآخرة ولیس ہذا جواب لوقراء الجہور وفتح التاء مبینا للفاعل والرؤیۃ بصریۃ ولذا تعدت الی مفعول واحد۔

تفسیر ۱۔ یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایک روز ہزار آیتیں پڑھ سکتے ہو لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ہاکم التکاثیر نہیں پڑھ سکتے۔ روایت کیا اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

ربط اس سورہ کا القارع سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں انسان کو حوادث ہولناک سے خبر دے کر متنبہ کیا تھا کہ ہوشیار خبردار تجھ پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے۔ اُس کے لیے تیاری کر اور ادھر ادھر کے فضول جھگڑے جو کچھ بھی کارآمد نہیں چھوڑ دے۔ مگر خلاف اس کے انسان ایسی فضول باتوں میں غرق ہے کہ جو اُس کو کچھ بھی مفید نہیں وہ کیا؟ کثرت مال واولاد کی حرص اور اسی پر فریفتہ ہو کر تدبیر ضروریہ سے غافل ہو جانا۔ اس لیے اس سورہ میں اس بات کی بُرائی بیان فرمائی جاتی ہے کہ ادا انسان تجھے اس نکار نے اصلی کام سے غافل کر دیا اور ایسا غافل کہ کبھی بھی اصلی کام کی فرصت نہیں دی۔ موت تک اسی فضول دھندے پر پڑا رہا اور دراصل یہی اس کا سبب نزول ہے۔ مگر قارعہ ومقاتل کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں یہود تفاخر کیا کرتے تھے کہ ہم فلاں فلاں قوم سے مال وقبائل میں زیادہ ہیں یہاں تک کہ عمر بھر اسی تفاخر میں رہے اور جو کچھ کرنا تھا وہ نہ کیا۔ اس لیے ان کا حال قابل افسوس بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کا سبب نزول یہ ہے کہ قریش کہ دو قبیلے تھے ایک بنی عبد مناف دوسرے بنی سہم۔ دونوں قبیلوں کے لوگ کسی مجلس میں اپنے اپنے مفاخر ذکر کرنے لگے ایک نے کہا ہمارا قبیلہ مالدار ہے اور آدمی بھی اُس میں زیادہ ہیں سرداری اُسی کا حق ہے۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں ہمارے لوگ زیادہ ہیں اس لیے بیشتر جنگ میں مارے گئے۔ اسی پر بات بڑھ گئی تو یہ ٹھہری کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان میں گئے اور قبریں گنیں اس بیہودہ اور فضول تفاخر کی برائی میں جو انسان کو دایر آخرت کے اسباب پیدا کرنے سے روکتا ہے یہ سورہ نازل فرمائی۔ ہاکم التکاثیر۔ حتی ذرتمہ المقابر کہ تم کو تفاخر مال وقبائل نے غافل کر دیا یہاں تک کہ قبریں جھانکیں۔ یعنی مرنے کو تیار بیٹھے ہو اس وقت تک بھی تو تم کو اُس تفاخر نے اصلی کام سے غافل اور بے خبر کر رکھا ہے۔ پھر یہ نہیں سوچتے کہ دایر آخرت کی تدبیر کا کون سا وقت آوے گا۔ تفاخر اور نکار کا ایک معنی میں ہیں اور حرص کرنا بھی اس کے معنی ہیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ہر درد اور بُرائی الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مسلم وترمذی وغیرہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آپ اس کو پڑھ کر فرما رہے تھے کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرا تو وہی مال ہے جو تو نے کھا لیا یا پہن لیا یاد دے دیا خیرات کر کے۔

اقسام سعادت: واضح ہو کہ انسان کی دوسعدت ہیں ایک سعادت دنیا اور اُس کی تین قسم ہیں اول خاص اُس کے جسم کی بناوٹ کے متعلق حسن وجمال دوسری جسم کے آرام وآسائش کے متعلق وہ کیا؟ تندرستی اور مال واسباب ومکان کی فراہمی اور اُن میں کامیابی تیسری

اپنے بعد اپنے ذکر خیر کے بقاء کے اسباب بہم پہنچنا اور زندگی میں عزت اور آپس کے لوگوں میں سر بلندی حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونا وہ کیا؟ اولاد اور اقارب اور قوم کی سر بلندی یا عمارت وغیرہ بایادگار کا چھوڑ جانا۔ تمام دنیا کی خوبیاں جن پر انسان فریفتہ ہے انہیں میں منحصر ہیں۔ اس سعادت کو نعمت الہی سمجھا جاتا ہے اور بقدر ضرورت اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی بڑی بات نہیں مگر اس میں غرق ہو جانا اور آتش حرص کا ہر وقت نعلہ زن رہنا اور پھر آسائش تن سے زائد بیکار باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا اور سعادتِ آخریہ سے بالکل غافل رہنا محض حماقت ہے۔ ہزاروں شخص ایسے ہیں کہ بقدر ضرورت یہ سب سامان ان کو میسر ہیں مگر حرص اور باطل تمنائوں نے بے چین کر رکھا ہے۔ جمع کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی وقت کام آئے گا حالانکہ موت کے پاس پہنچ گیا پھر بھی اُس سے تمتع حاصل نہیں کیا۔ اب جانے وہ ضرورت کا وقت کب آئے گا اسی طرح اولاد کی تربیت اور اُن کی بھلائی میں کوشش کرنا بھی ایک عمدہ بات ہے مگر اس طرح غرق ہو جانا کہ اپنا آرام کھو دینا اور غمی کے کاموں سے محروم رہنا رات دن انہیں کے دھندے میں پڑا رہنا یہ عبث فعل ہے حالانکہ وہ اولاد مرنے کے بعد کیا زندگی میں بھی اپنے مشاغل میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ اُس بوڑھے کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ دوسری سعادتِ آخریہ ہے وہ مرنے کے بعد ملکِ جاودانی میں کامیابی۔ پس جو اس چند روز سعادت میں ایسا محو ہو کہ اُس سعادتِ جاودانی سے بالکل غافل ہو جاوے اور موت کے وقت تک اُس میں غرق رہے وہ سخت ہی بد نصیب ہے اُس بد نصیبی کا ذکر اسی آیت میں اور آئندہ آیات میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون کہ نہیں نہیں ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ یہ تکاثر و تفاخر مرنے کے بعد کیا کام آتا ہے؟ یعنی کچھ بھی کام نہ آوے گا۔ دستِ افسوس ملے گا کہ ہائے رے کس فضولی میں عمر گر انما یہ بربادی۔ جن چیزوں کی کثرت چاہتا اور اُس پر فخر کرتا تھا اولاد و مال وہ تو وہیں رہ گیا میرے کچھ بھی کام نہیں آیا۔ اب تو یہاں موت بھی نہیں۔ ہائے اس بے انتہا زندگانی کا کوئی توشہ ساتھ نہیں لایا۔ حکایت کسی شہر میں کوئی بزرگ با خدا دنیا سے علیحدہ ایک گوشہ میں یا دالہی میں مصروف تھا اور اس کا دوست قدیم ایک تاجر تھا جو رات دن حصولِ مال و زر میں غرق رہتا اور بڑے بڑے مکان بنائے تھے اور ہر قسم کے سامانِ عیش و نشاط اُس کو حاصل تھے۔ ایک بار اُس والدِ تاجر نے اُس با خدا کو ملامت کرنی شروع کی اور کہا تو بڑا نادان ہے دیکھ میں نے اس عرصہ میں یہ کچھ پیدا کیا تو نے کیا کیا؟ اس با خدا نے جواب دیا کہ اے نادان تو نے اس چند روزہ زیست کے لیے یہ کچھ کیا وہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کیا کیا؟ کیا یہ چیزیں تیرے ساتھ چلیں گی؟ اور اگر نہ چلیں تو بتلا تم کو ان کے چھوٹ جانے پر کیا حسرت ہوگی۔ اب بتا تو نادان ہے یا میں؟ وہ تاجر زار زرو نے لگا۔ بعض لوگ اس کے بعد یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے آخرت کا حال معلوم ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں خاک بھی معلوم نہیں لو تعلمون علمہ البعین اگر تم کو یقیناً وہاں کا حال معلوم ہو جاوے تو یہ تفاخر و تکاثر چھوڑ کر اصلی کام میں مصروف ہو جاؤ۔ گویا تمہارا علمِ آخرت کے بارہ میں علمِ یقینی نہیں۔ حکایت کوئی بادشاہ کسی فقیرِ با خدا کا معتقد تھا اُن سے ایک بار کوئی دوا مقوی باہ بھی طلب کی جس سے بے حد قوت بادشاہ کو معلوم ہوئی مگر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فقیر صاحبِ ضرور در پردہ کوئی عورت رکھتے ہوں گے اپنی لونڈی بنا سنوار کر بھیجی فقیر نے التفات بھی نہ کیا جس سے اور بھی تعجب معلوم ہوا۔ اگلے روز بادشاہ کا خیال معلوم کر کے فقیر نے کہا ایک راز کی بات ہے آپ کو مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ سات ہفتہ کے اندر اندر آپ مر جائیں گے یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے تو ہے۔ کس لیے کہ فقیر کی بات کو یقینی جانتا تھا گھر آ کر تمام امورِ عیش و عشرت کے ترک کر دیے اور رات دن رونے اور توبہ کرنے اور دعاء و عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانتا تھا تمام شہوانی خیالات اور باطل تمنائیں کا نور ہو گئیں۔ گھڑیاں گنا کرتا تھا۔ اس ہفت روز شغل میں اُس کی روح پر نورانیت بھی

پیدا ہو گئی اور کشود کا بھی ہوا۔ ساتویں دن موت کے انتظار میں تھا اور عزیز و اقارب فرزند دوزن کو رخصت کر چکا تھا جب وہ دن بھی بخیر گزر گیا اگلے روز فقیر کے پاس آیا۔ پوچھا کہ موت تو نہیں آئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا دنیا کے سات ہی روز ہیں اب تک گزرے نہیں مگر یہ فرمائیے کہ اس عرصہ میں اُس دوا کا کیا اثر تھا اور اب بابِ عیش و نشاط سے کیسی گزرتی تھی۔ عرض کیا کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بادشاہ فقیر کی رمز کو سمجھ گیا اور راہِ راست پر آ گیا۔ حقیقت میں علمِ یقین اُس جہاں کا ہو جاوے..... تو نیک پر اشتیاق میں۔ اور بد پر خوف میں یہ زندگانی وبال ہو جاوے۔ یہ اہل اللہ بالخصوص انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا ہی حصہ ہے اور اسی لیے ان کے افعال اور عامہ خلائق کے افعال میں جو دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمیشہ جینے کی امیدیں دل میں رکھتے ہیں بڑا فرق ہے۔

فائدہ: کلا سوف تعلمون کو دوبار لانے میں کیا حکمت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں تاکید کے لیے۔ جیسا کہ کوئی ناصح کہتا ہے تو سمجھا تو سمجھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول بار اہل شر کے لیے اور بار دوم اہل خیر کے لیے پس اول وعید اور دوم وعدہ ہے یہ ضحاک کا قول ہے۔ اب اس قدر فرمانا عاقل کے لیے کافی تھا کہ اگر تم کو یقین ہو جاوے تو اصلی کام کرنے لگو اور اس حرص و فکر کو چھوڑ دو مگر مخاطبین کے دلوں پر تو اس حرص و فخر اور غفلت کے بے شمار پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے اب اُن کو صاف صاف بتلایا جاتا ہے فقال لترون الجحیم کہ ضرور ضرورتاً دوزخ کو دیکھو گے۔ عام قراء لترون کو بفتح تاء پڑھتے ہیں فراء کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک بھی ہے کیونکہ یہ تہدید ہے تو عام محاورہ عرب کے موافق اُس کے الفاظ بھی ہونے چاہئیں۔ بعض بضم تاء بھی پڑھتے ہیں۔ اور جحیم دوزخ کو کہتے ہیں پھر یہ دیکھنا عام ہے۔ ایماندار تو یوں ہی دور سے دیکھ کر دل میں ڈریں گے اور نعماء الہی اور نجات کا شکریہ کریں گے اور کفار و گناہگار اُس کا عذاب دیکھیں گے جو اُن کے کثرت کی سزا ہے۔ اور نکار کا مال کار ہے۔ اور ایک آیت میں بھی یہی مضمون ہے وان منکم الا وادھا پھر دوبارہ اس بات کی تاکید کے لیے اس کلام کو اعادہ کرتا ہے فقال ثم لترونھا عین الیقین کہ ضرورتاً اس دوزخ کو بالیقین معائنہ کرو گے۔ اس میں داخل کیے جاؤ گے اس کا مزہ چکھو گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول جملہ میں مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں عذاب دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں حشر کے روز دیکھنے کا ذکر ہے یا یہ کہ اول بار کا دیکھنا کنارے کھڑے ہو کر بار دوم کا دیکھنا دوزخ میں جا کر بعض مفسرین ان آیات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو علمِ یقین ہو جاوے تو تم دل کی آنکھ سے اب دنیا میں دوزخ کو دیکھ لو اور یقیناً دیکھ لو کوئی شبہ باقی نہ رہے مگر تم کو اس کا علم یقین نہیں۔

فائدہ: علم کے تین مرتبے ہیں اول علمِ یقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا دوسرا عین الیقین کہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا ہو۔ تیسرا حق الیقین کہ دریا میں کھس کر غوطہ کھالیا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ آج جن نعمتوں پر بھولے ہوئے ہو اور ان کے ازیاد کی حرص میں لگے ہوئے آخرت سے غافل اور مالک کے ناشکر بنے ہوئے ہو قیامت کے روز ان سے سوال ہو گا فقال ثم لتسنلن یومئذ عن النعیم کہ اس روز دنیا کی نعمتوں سے سوال ہو گا تم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں ہماری نعمتوں کا تم نے شکریہ ادا کیا اور جس لیے تم کو دی گئی تھیں ان کو حاصل کر کے وہ کام بھی کیا یا نہیں؟ یعنی عبادت۔

خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں جو حدود شمار سے باہر ہیں کما قال وان تعدد انعمۃ اللہ لا تحصوها نعماء ظاہریہ و باطنیہ۔ تندرستی جسم کے اعضاء کی خوبی رزق و روزی گرمی میں ٹھنڈا پانی یا سایہ وغیرہ وغیرہ جن سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ اس لیے علی اختلاف العلماء مفسرین

نے متعدد اقوال میں نعیم کی تفسیر کی ہے۔ کوئی کہتا ہے عافیت کوئی کہتا ہے تندرستی اور اولاد مال کوئی کہتا ہے ٹھنڈا پانی اور خنک سایہ کسی نے کہا جس وادراک کسی نے کہا پیٹ بھر کر کھانا اور آرام سے سونا اور پھر بدستور بول و براز خارج ہو جانا۔ وغیرہ فلک یہ سب قول ٹھیک ہیں۔

مسلم وغیرہ اہل سنن نے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو باہر ابو بکر و عمر کو بھی پایا آپ نے پوچھا اس وقت تم کس لیے گھر سے نکلے ہو کہا بھوکے نکلے ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اس لیے نکلا تب سب ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جس کے ہاں کھانا تیار نہ تھا اس نے اور اس کی بیوی نے دیکھ کر کہا مبارک مہمان اور ہماری زہے عزت تب سب کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھایا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکایا اور سامنے لایا اور چھو ہارے بھی لایا سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر و عمر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بخدا آج کی اس کی نعمت سے بھی تم سے پوچھا جائے گا قیامت کے دن۔

فائدہ: کوئی مفلس شخص افلاس سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا شاکي ہوا اور کو سفر کو گیا وہاں اس کو اس قدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر لایا رستہ میں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاکت کی نوبت پہنچی تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس سرد پانی تھا اس نے سوال کیا اس نے کہا ایک خچر مال کا دے دو دیتا ہوں آخر کار دینا ہی پڑا اور نہ موت سامنے دکھتی تھی پانی پی کر بھوک لگی اور سخت بیتابی ہوئی ہلاکت کی نوبت آگئی تب ایک شخص ملا جس کے پاس روٹی تھی اس سے سوال کیا اس نے کہا اگر ان دونوں خچروں میں سے ایک دے دو دیتا ہوں ورنہ تو مر جائے گا دونوں یہیں رہ جائیں گے ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا تھوڑی دیر کے بعد پیٹ میں پاخانہ اور پیشاب بند ہو جانے سے اس شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آگئی ایک شخص حکیم نمودار ہوا جس نے کہا یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا درد۔ یہ نجات ملی۔ تب ہاتھ غیب نے کہا روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال کو آج لی ہے اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پر بھی تو اس کا شاکي ہوا یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص رویا اور تائب ہوا۔ اس کی نعمتوں کا شکریہ ہر حال میں واجب ہے۔ ولہ الحمد والمنة علی کل حال۔

(اللہ اکبر)

سورہ عصر مکہ ہے۔ اس میں تین آیات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَفْعِ خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

قسم ہے عصر کی۔ بے شک انسان خسارہ میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی باہم ہدایت کرتے رہے۔ ترکیب ! وللقسم العصر مقسم بہ والمراد بہ الدهر عموماً وقیل العشی وهو مابین زوال الشمس وغروبها وقیل صلوۃ العصر۔ قرء المصحف وسکون الصادق قرئ بکسرھا ایضاً ان الانسان اسم ان لغی خسر خبرھا والجملة جواب القسم۔ قرء المصحف وضم الخاء وسکون السين وقرئ بضمھا ایضاً والمعنی فی نقصان وخسران وشر۔ الاستثناء متصل من الانسان وقیل منقطع علی ان المراد بالانسان الکافر وعملوا وابعده عطف علی آمنوا والتواصی وصیۃ بعضهم لبعض۔

تفسیر ! یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ صرف قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

رابط ۱۔ رابط اس سورہ کا سورہ نکاشتر سے یہ ہے کہ انسان تمام عمر کثرت مال و اولاد و فراہمی اسباب عیش و نشاط میں صرف کرنا اپنی اوقات گرانمایہ کا حاصل سمجھتا ہے ورنہ جانتا ہے کہ میرے اوقات خراب ہوئے اور عمر ضائع ہوئی اور اسی کو وہ مقصود و اصل جانتا ہے اور اسی لیے وہ اس کی حرص کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے اس خیال کے رد کرنے کو یہ سورہ نازل فرمائی کہ کوئی کیسا ہی مال و دولت میں کامیابی حاصل کر لے مگر پھر بھی نقصان اور خسارہ ہی میں ہے اس خسارہ سے تو وہ بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کر گئے اور نیک کاموں کی بنیاد اپنے بعد ڈال گئے۔ عمر گرانمایہ کا اصلی نفع یہی ہے نہ وہ کہ جو عموماً طلبائے انسانیہ سمجھی ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے جاہلیت کے دوست ابوالاسد نے بطور طنز کے یہ کہا تھا کہ تم بڑے ہوشیار اور تجارت میں خبردار تھے کبھی نقصان نہیں اٹھایا، اب کیا نادانی چھا گئی جو تمام مال صرف کر کے ایک شخص کے معتقد ہو گئے اور قدیم دین کو چھوڑ بیٹھے۔ یہ تم نے بڑا خسارہ اٹھایا اس کا خیال باطل بھی اس سورہ میں رد کر دیا گیا۔

فقال والعصر کہ قسم ہے زمانہ کی جس میں یہ انسان زندہ ہے اور یہ ایک نہایت قیمتی اور گرانمایہ سرمایہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو دے کر دنیا میں ایمان اور نیکو کاری کی تجارت کرنے بھیجا ہے اور یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح آپ ہی آپ پگھلتا جاتا ہے اگر اس نے بجائے ایمان اور عمل نیک کے برا سودا خرید لیا یا کچھ بھی نہیں خریدا تو یہی انسان خسارہ میں ہے اس لیے اس وقت عزیز کی قسم کھائی جس کو یہ ناقد رانسان برے وقت میں صرف کرتا ہے یا یوں ہی ضائع کرتا ہے اور اس قسم کو اپنے مابعد کے مضمون سے نہایت ارتباط ہے گویا وہ دعویٰ ہے تو یہ اس کی دلیل مقدم ہے تاکہ مخاطب کو اس مضمون میں کہ انسان خسارہ میں ہے (سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے) کوئی تردد نہ رہے اور یہ قرآن مجید کا کمال بلاغت ہے ولہ الحمد۔ مفسرین کے عصر کے معنی میں چند قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد مطلقاً زمانہ ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت و حکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ اور یہ اس لیے کہ زمانہ کی تمام چیزوں پر زمانہ کا پورا احاطہ ہے کوئی بادشاہ کوئی مالدار کوئی شہ زور ایسا نہیں کہ زمانہ کی نیگیوں سے نکل جائے۔ زمانہ کا پہلا اثر موسموں کا تبدیل ہے جب سردی آتی ہے تمام لوگوں پر سردی کا اثر پھیل جاتا ہے اور جب گرمی کی سلطنت آتی ہے تو سب پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح جب رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور جب دن کی سلطنت ہوتی ہے تو رات کا نور ہو جاتی ہے زمین پر نور پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی عمر پر زمانہ کا وہ نمایاں سکھ چلتا ہے کہ کسی طرح ملتا ہی نہیں لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بے اختیار آتا ہے اور پھر زمانہ زانیات کو فنا کرتا ہے اور پھر حیوانات، جمادات اور حیوانات میں سے انسانوں کو مار کر ایسے فنا کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزر جاتا ہے وہ فنا شدہ اتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے اب دیکھا چاہیے کہ زمانہ کی ڈوریاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اسی قادر مطلق کے لیکن جن کی نظر دور تک نہیں پہنچتی وہ ان سب حوادث کو زمانہ ہی کے مستقل افعال جانتے ہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ اور جن کی نگاہیں دور جاتی ہیں اور وہ گہری نظروں سے دیکھتے ہیں وہ اس کل کے موجد اور اس کے چلانے والے کے ہاتھ کی کاریگری سمجھتے ہیں جو زمانہ سے باہر ہو کر زمانہ کی کل چلا رہا ہے اس لیے زمانہ کی قسم کھائی کہ وہ اس کی ایک عمدہ اور بڑی کل ہے جس میں اشارہ ہے کہ زمانہ کے موافق بنو۔ زمانہ تمہارے موافق نہیں بنے گا اور جب کسی نے زمانہ سے لڑائی کی تو فوراً شکست کھائی اور اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے جو دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے دہر تو میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہے۔ میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں۔ (مشفق علیہ)۔

(۲) بعض فرماتے ہیں اخیر دن کا وقت مراد ہے جو زوال سے غروب تک کا وقت ہے جس کو عربی میں عشی کہتے ہیں۔ یہ قنادر اور حسن بصری کا قول ہے اور اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع و نقصان اخیر دن میں ظاہر ہوتا ہے۔ دن بھر بچھوچ کر سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے اور نیز زیادہ بیع و شرا کا بازار اسی وقت گرم ہوتا ہے اور نیز ایک انقلاب عظیم کی یہ تمہید ہے یعنی دن

کا جاننا رات کا آنا اور اسی لیے اس وقت کی نماز کی جس کو صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کہتے ہیں بڑی تاکید ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ انسان تیری زندگی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا تو اپنی تجارت میں جو آخرت میں کام آئے سرگرمی کر لے وقت بہت نہیں رہا ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے جو بڑا تبرک زمانہ ہے اور جس میں تجارت آخرت کا بازار بڑا گرم تھا جس نے سعادت کی طرف ذرا توجہ کی اس نے سلطنت آسمانی حاصل کر لی اور جس نے برا سودا کیا عمر کو کفر و بدکاری خریدی، گھانا اٹھایا اور بڑا گھانا۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا تھا خیر القرون قرنی الحدیث کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے الخ۔ جب صبح سے لے کر تھوڑے دن رہے تک بنی آدم آخرت کے سودے میں پورے کامیاب نہ ہوئے اور وقت رہ گیا کم تو اس نے اپنی رحمت سے ایسا بنی برپا کیا جو دنیا کو نافع تجارت سکھانے آیا ایسی تجارت کہ تھوڑے سے دامنوں پر (یعنی چند روزہ زندگی سے جو اہم سابقہ کی بہ نسبت وقت عصر ہے اور تھوڑے سے اعمال سے) بے بہاد دولت حاصل ہوتی ہے یعنی دیر آخرت اور اس کے نعمائے باقیہ اسی لیے لفظ العصر میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بس اب اور وقت نہیں رہا جو اور بنی آئے گا انہیں پر سلسلہ تمام ہے۔ پھر اب بھی جو کوئی ہدایت پر نہ آئے تو لازمی بد نصیب ہے۔ دنیا کی دوکان بڑھا چاہتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرما دیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں اور انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی یعنی ساتھ لگے ہوئے میرے بعد قیامت ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں کہ خاص نماز عصر کی قسم مراد ہے یہ مقاتل کا قول ہے اسی لیے اس نماز کی قسم کھائی کہ یہ اس دیر آخرت کی تجارت کا ایک مخصوص وقت ہے اور نیز دنیاوی تجارت کا بھی وقت ہے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت ہے اور نیز دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے اس کے بعد سے رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے اور اسی لیے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جس کی نماز عصر قضا ہو گئی گویا اس کا گھر بار لٹ گیا اور قرآن مجید میں صلوٰۃ وسطیٰ سے (جس کی محافظت پر تاکید ہے) یہی نماز مراد ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کی خدا پاک نے قسم کھائی ہے۔ رات کی، دن کی، آفتاب کی، آسمان کی، مکہ شہر کی، انجیر کی، زیتون کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی وغیرہ۔ حالانکہ حدیث شریف میں بندوں کے لیے بجز خدا پاک کے نام کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قسم کھانے میں تعظیم بجد ہے اور اس کا مستحق وہی حق سبحانہ ہے اور اہل جو حید کا شیوہ خاص ہے کہ اس کی تعظیم کے برابر کسی کی تعظیم نہ کریں پھر حق سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی کیوں قسمیں کھائیں۔ اپنی ذات و صفات کی قسم پر انحصار کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور معتزلہ اور بڑے بڑے علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر لفظ رب محذوف ہے جیسا کہ التین قسم ہے۔ رب تین یعنی رب انجیر کی پھر ان اشیاء کے ذکر کرنے میں ملو ان کی ربوبیت کے اظہار میں بندوں کو ان چیزوں سے جو منافع اور فوائد ہیں ان کا اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ ان چیزوں میں اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ دیکھ کر ایمان لائیں اور اپنے قدیم محسن اور آقا ولی العتمہ کی طرف جھکیں یعنی ہر جگہ اپنی ہی قسم کھائی ہے نہ مخلوق کی۔ اکثر متکلمین کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور بات بھی یہی قوی ہے لیکن علماء کرام کی ایک جماعت ظاہر الفاظ پر خیال کر کے یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ رب کے محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں چیزوں کی قسم کھائی ہے مگر ہر ایک قسم کھانے والے کی حالت اور شان کے مطابق اس چیز کی قسم کھانے سے جو مقصود ہوتا ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سر کی قسم کھائے یا تخت کی تو اس کا مقصود عزت و عظمت بادشاہ کی اور اس کے تخت کی ہوگی اور جو کوئی اپنی اولاد یا اپنے مال کی قسم کھائے تو مقصود محبت ہوگی علیٰ ہذا القیاس۔ پس حق سبحانہ جو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو مقصود اس چیز کے پیدا کرنے میں جو اس نے اسرار قدرت اور بندوں کے منافع رکھے ہیں ان کا اظہار ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ شے جملہ مخلوق میں بڑھ کر ہے یا

نہیں اور کبھی محض اس چیز کا شرف و عزت بندوں کی نگاہ میں ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یا کہ معظمہ کی قسم۔ اب کوئی محل اعتراض باقی نہیں رہا اس پر بھی جو کوئی اس رمز سے ناواقف ہو کر عیب لگائے اور طعن کرے یہ اس کی بھونڈی سمجھ ہے۔

الحاصل عصر کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الإنسان لغی خسره کہ بے شک ابن آدم نقصان میں ہے کس لیے کہ اس کی عمر گر انما یہ جو بڑا مال ہے اور جس سے دائر آخرت کی کار آمد چیزیں خریدی جاتی ہیں وہ ہر آن گھٹتی جاتی ہے اور جو گھٹتی ہے اس کے پھر آنے کی امید منقطع ہے۔ کیا خوب کہا ہے حافظ مرحوم نے۔

جس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

مراد منزل جاننا چہ امن و عیش چوں ہر دم

اور اگر اس عمر گر انما یہ کو گناہوں اور شہوات و لذات فانیہ میں صرف کیا یا کھیل کود لہو لعب میں گزار دیا تو اور بھی نقصان ہو اور خسران سردی و حرمان ابدی نصیب ہوا۔

لیکن اس عمر چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کے لیے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات و باقیات کا سلسلہ باقی چھوڑ جائے تاکہ اس کے بعد بھی اس کے حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں۔ اور اس سبب سے اس کو اکتساب حسنات کے لیے ایک وسیع زمانہ مل جائے ورنہ عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ ایک اس میں سے لڑکپن اور بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ کم کر دیا جائے کیونکہ ایسے وقت انسان بیکار ہو جاتا ہے اور اعضاء جواب دے چکتے ہیں تو بہت ہی حصہ کم رہ جاتا ہے اس لیے اس خسارہ پانے والوں میں سے جن میں یہ دو وصف ہوں ان کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ (۱)

الا الذین امنوا و عملوا الصالحات مگر وہ کہ جو ایمان لائے اور ایمان لا کر نیک کام بھی کئے۔ یہ وہ پہلی بات ہے جو اپنی حیات کی کمائی تھی۔ اس کے دوسرے ہیں۔ اول معرفت اور حقائق الاشیاء کا علم صحیح خصوصاً حق سبحانہ اور وسائل۔ ہدایت و ارشاد کی بابت اعتقاد صحیح جس کو شرح میں ایمان کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ کمال ہے روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد یہ کمال ساتھ رہتا ہے اور اسی کو حکما بھی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اہل ہند بھی اس کو گیان کہتے ہیں جو ان کے نزدیک نجات کا وسیلہ ہے۔ مگر حکماء کے علم حقائق الاشیاء اور ہندوؤں کے گیان اور شرعی ایمان میں بڑا فرق ہے۔ شرعی ایمان وہ علم اور وہ گیان ہے جس میں شکوک و خطرات یا توہمات و تخیلات کی بو بھی نہیں وہ ان ظلماتی دھبوں سے پاک ہے نہ اس کے حصول کے وہ ذرائع ہیں جن میں عقلی قیاسات اور وہی تنگ بندیوں کو دخل ہو نہ تمام مخلوق کی حقیقت دریافت کرنے کی تکلیف مالا یطاق نہ آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے کی حاجت۔ دوسرا مرتبہ ایمان کے بعد نیک کام کرنے کا ہے۔ یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک نیک کام کو شامل ہے خواہ عبادت بدنی ہو خواہ مالی خواہ ذکر و مراقبہ و فکر و تسبیح و تہلیل ہو اور خواہ نماز و خیرات ہو خواہ صلہ رحمی مخلوق خدا پر ترحم اور نفع رسانی ہو۔ کس لیے کہ اگر ایمان ہے اور اعمال صالحہ نہیں تو ایمان ایک درجہ بے ثمر ہے اور اگر دونوں باتیں حاصل ہیں تو دنیا سے نفع کمالایا۔ (۲) و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر کہ اپنے بعد بھی سلسلہ حسنات باقی چھوڑ گئے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور ہمیشہ دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں کس لیے کہ جو اپنے بعد نیک کاموں کی بنیاد ڈال جاتے ہیں جب تک وہ نیک کام باقی رہیں گے اور لوگ ان سے نفع حاصل کریں گے ان کے بنیاد ڈالنے والوں کو بھی اسی قدر ثواب ملتا رہے گا اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی مضمون وارد ہے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو بھی اتنا

ہی اجر ہے کہ جتنا اس ہدایت قبول کرنے والے کو ہے اور جس نے کسی کو برے کام کی ترغیب دلائی تو اس کو بھی اسی قدر گناہ ہے کہ جس قدر اس برے کام کرنے والے کو ہے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور ترمذی وابن ماجہ وغیرہ نے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

حق کی تفسیر! اس نیک کام کی بابت دو لفظ ارشاد فرمائے کہ جس کا اوروں کو تنقید کر کے دنیا سے چلے تھے۔ اول حق پر قائم رہنے کی تاکید۔ یہ لفظ بھی وسیع المعنی ہے دین حق پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے اور راست بازی اور نفع خلاق کو بھی شامل ہے پھر دین میں عبادات سے لے کر اعتقاد صحیح اور اخلاق کریمانہ خیرات و صدقات سب کو شامل ہے۔ بنائے مساجد و مدارس اور اسلام کے قیام و استحکام کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیم علوم سب اس میں آگئے۔ اسی لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام میں اعلیٰ درجات رکھتے ہیں کہ اپنے بعد مفید اسلام وہ وہ باتیں چھوڑ گئے جن سے آج تک مسلمان نفع پارہے ہیں۔ اور ان کے بعد آئمہ و مجتہدین و پیران طریقت وغیرہم ہیں۔ اور دوسرا لفظ صبر ہے۔ یہ بھی بڑا وسیع المعنی لفظ ہے کس لیے کہ مخالفوں کی ایذا اور بد گوئی کی برداشت بھی صبر ہے اور یہ وصف ہر ایک عالی حوصلہ کو لازم ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہم چشموں میں عزت ہے نہ عافیت ہے۔ بات بات پر لڑنا مقابلہ کرنا لوگوں سے انتقام لے کر دشمن بنانا زیت تلخ کر دیتا ہے۔

حکایت: سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدوی نے جبکہ آپ خلیفہ تھے مجمع عام میں سخت الفاظ کہے اور گالیاں بھی دیں لوگوں کو غصہ آیا۔ فرمایا تمہیں تو کچھ نہیں کہا، مجھے کہا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ غریب بھوکا ہوگا کھانا کھلاؤ۔ عمدہ کپڑے دو، خرچ سے تنگ ہوگا روپے دو۔ چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ تیسرے دن اس شخص کو رو بردلا کر پوچھا کہ بھائی اب بھی تم مجھ سے خفا ہو؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا کہ میں نہ پہلے خفا تھا نہ اب ہوں۔ صرف امتحان منظور تھا کہ دیکھوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خون آپ میں کس قدر ہے ان کے اوصاف حمیدہ کا کتنا حصہ ملا ہے؟ آپ نے فرمایا بجز اللہ ہم پہاڑ ہیں ایسے جھوکوں سے ہلنے والے نہیں۔ صبر کی تاثیر ہے کہ مخالف برائی کر کے آپ شرمندہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اس کی تاکید ہے۔ اذفع بالثقی ہی احسن الخ کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کوئی گالی دے تو دعوادے۔

نفس بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے نفس چاہتا ہے کہ رات کو گرم ہو کر سو رہو مگر یہ جو انہر نہیں مانتا نماز پڑھتا ہے سردی گرمی کی برداشت کرتا ہے، اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میں ثابت قدمی صبر ہے۔ اسی طرح صف جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ اور مقابلہ میں استقلال بھی صبر ہے۔ خدا کی راہ میں مشقوں کی برداشت بھی صبر ہے۔ مصائب ارضی و سماوی پر استقلال بھی صبر ہے۔ انسان کی سعادت کے دو بازو ہیں جن سے اڑ سکتا ہے۔ اول درستی اعتقاد یعنی تکمیل قوت نظریہ یہ دایاں بازو ہے۔ اس کے لیے تو اوصوابالحق استعمال ہوا۔ دوسرا پایاں بازو نیک کام کرنا بری باتوں سے پرہیز کرنا ہے یعنی قوت عملی کی تکمیل اس کے لیے تو اوصوابالصبر استعمال ہوا۔ تمام حکمت نظریہ و عملیہ کا نہیں دو لفظوں میں خاتمہ کر دیا۔

اور یہ بھی ہے کہ اول انسان آپ کامل ہو لے اس بات کی طرف امنوا و عملوا الصلحت میں اشارہ کیا تھا اور آپ کامل ہو کر اوروں کی تکمیل کی بھی فکر کرے اور حکیم روحانی بن کر مہربان بنی آدم کا علاج کرے۔ یہ پورا کمال ہے اس لیے اس کے لیے تو اوصوابالحق و توصوابالصبر میں اشارہ فرمایا۔ حق پر قائم رہنے کی وصیت و تاکید گویا دو اپنے کا حکم ہے اور تو اوصوابالصبر میں اشارہ ہے کیونکہ اگر مریض دوائی کر مضر اشیاء سے پرہیز نہ کرے گا کبھی فائدہ نہ اٹھائے گا۔

وصیت کے معنی! تو اوصا و وصیت سے ہے۔ یہ لفظ عرف و شریع میں تنقید و تاکید کے معنی میں بھی مستعمل ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ووصینا الانسان بالذیہ احسانا اور عرف نام میں وصیت اس بات کو کہتے ہیں جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہو یا کہو بوقت مرگ

حکم دے۔ اس لیے اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ رمز ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا نفس فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے گویا یہ لوگ نفس کو مار کر جیتی زندگی میں مر گئے یا قریب مرگ ہیں۔ اب جو کہتے ہیں گویا وصیت کرتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتداء سورۃ میں لفظ عصر کی قسم کھائی تھی جو اخیر وقت ہے گویا ہر زندہ دل اپنی زندگانی پر بھر و ساندہ کر کے ہر وقت کو دم اخیر سمجھتا ہے پس وہ جو کچھ فرماتا ہے گویا بوقت مرگ فرماتا ہے جس کی پابندی پچھلوں پر بلحاظ محبت واجب ہے اور یہ یہی ہو سکتا ہے کہ اچھے لوگ بوقت مرگ دنیاوی جھگڑے چھوڑ کر اپنے مریدوں محبوبوں کے لیے حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے۔ ۱۔ ووصی بہا ابراہیم بنیہ و یعقوب یا بنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون و امر کنتم شہداء اذا حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ الخ۔ (الذاکر)

سورہ ہمزہ مکیہ ہے اس میں نو آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدْدَةً ۝ يَحْسِبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقَدَةُ ۝

الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ۝

خرابی ہے ہر ایک طعنہ زن آواز کش کی اس کی کہ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا سمجھتا ہے کہ میرا مال مجھے سدا رکھے گا یہ نہ ہوگا البتہ وہ تو حطہ میں پھینکا جائے گا اور تو کیا جانے کیا ہے وہ حطہ اور وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے وہ اس میں بند کئے جائیں گے بڑے بڑے ستونوں سے باندھ کر۔ ترکیب ۱۔ ویل مبتداء و جاز الابتداء بالنکرة لكونه عليهم لكل همزة لمزة - خبرہ - قرأ الجمور بضم او لهما وفتح الميم وقرئ بسكون الميم فيها واصل الهمز والكسر والضرب، كبر الهمز يقال همزه بضمه، همز أوله بضمه، همز آخره بضمه، قال الرازي الهمزة الكسرة قال تعالى هاهنا مشاء والهمزة الطعن ولا تلمزوا أنفسكم والمراد كسر اعراض الناس والغرض منهم والطعن فيهم - همزة لمزة على وزن فعلة وبناء فعلة لمبالغة الفاعل كالضحكة واللمزة اي كثير الضحك وكثير اللعن - واذا اسكنت العين يكون لمبالغة المفعول يقال رجل لئيم بسكون العين اذا كان ملعونا للناس يكثر من اللعن عليه - الذي الخ بدل من كل او في محل نصب على الذم او لتعليل لما قبله عدده قرأ الجمور بالتشديد وقرئ بالتخفيف ومعناه احصاه فهو ما خوذ من العدد قال الزجاج عدده لنواب الدهر يقال اعددت الشيء وعدده اذا اسكنت - يحسب الخ مستأنفة تقرير ما قبلها وقيل في محل نصب على الحال من فاعل جمع اخلد ماض معناه المضارع اي يخلد واخلد بالضم البقاء كلا روع لينبذن الخ الامام جواب قسم محذوف حطمة على وزن همزة مبالغة في الحطم بمعنى الكسر تحطمت وكسر من التي فيها والحطمة من اسماء الناس في عمد ممددة في محل نصب على الحال من الضمير في عليهم اي كائنين في عمدة ممددة موثقين فيها وقيل خبر مبتداء محذوف اي هم اوصفتهم لموصدة قرأ الجمور بفتح العين والهمز جمع عمود كاديم وادام وقال ابو عبدة جمع عماد وقيل اسم جمع العمود قال في الصحاح العمود عمود البيت وجمع القلعة اعمدة وجمع لكثرة عمد -

تفسیر ۱۔ یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے اس کی نو آیت ہیں۔

وجہ ربط | وجہ ربط اس کی سورہ عصر سے یہ ہے کہ سورہ عصر میں بیان تھا کہ انسان خسارہ میں ہے اب اگر سورہ میں انسان کے خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں: اول حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا، عبادت نہ کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔ دوم وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں جیسا کہ کسی کا حق ادا نہ کرنا یا تکلیف و ایذا ابلوا وجہ پہنچانا، آبروریزی کرنا، دلوں کو رنج پہنچانا خصوصاً خاصانِ خدا کی دل آزاری کرنا اور ان کی جو بندگانِ خدا کی اصلاح و تعلیم کے لیے اپنی جان اپنا مال اپنا آرام نذر کر چکے ہوں۔ یہ قسم دوم کے گناہ ایسے برے ہیں کہ بغیر اس کے کہ جس کو ایذا دی گئی ہے وہ معاف نہ کرے تو توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے اور نیز ان افعالِ قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے فساد کا دروازہ کھلتا ہے تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس لیے قرآن مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، منہ پڑانا، ان پر ٹھنکنا، مضحکہ اڑانا، آواز اور ان کی صورت کی نقلیں کرنا یہ کمینہ اخلاق بڑے خسارہ کے باعث ہیں ان سے دنیا میں بھی خسارہ ہے، عداوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کی عزت لوگوں کی نگاہوں میں نہیں رہتی خود اسی کو بیہودہ اور مسخرہ کہنے لگتے ہیں اور آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے وہ آگ ہے جو تطلع علی الافئدة ان کے دلوں کو جلانے کی نغوذ باللہ منہا۔ اور یہ عیب جاہلوں بد بختوں میں زیادہ مروج ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اس کو عیب نہیں بلکہ ہنر جانتے ہیں۔ مکہ کے قریش کا فراس بلا میں سخت بتلاتے۔ بالخصوص ولید بن مغیرہ و انفس بن شریق و امیہ بن خلف یہ بد نصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بد گوئی کیا کرتے تھے اور غریب ایمانداروں کی نماز و عبادت کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے تھے اور اسی سبب سے بعض مفسرین نے انہیں کے ان افعالِ قبیحہ کو سبب نزول قرار دیا مگر دراصل سبب نزول وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ پس اس سورہ مبارک میں بڑے پر اثر الفاظ میں ان اخلاقی ردیلہ کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے جو باعثِ خسران ہیں۔ فقال ویل لکل همزة لمزة کہ خرابی ہے ہر ایک بد گوئی کرنے والے عیب چھین کی۔ اور وہ خرابی کیا ہے اس کو آخر میں بیان فرماتا ہے لینبذن فی الحطمة الخ۔ کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا الخ۔ ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) ابو عبیدہ کہتے ہیں دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں، غیبت و بد گوئی کرنے والا۔ (۲) ابوالعالیہ و حسن و مجاہد و عطاء و ابن ابی رباح کہتے ہیں کہ ہمزہ اس کو کہتے ہیں جو رو برو بد گوئی کرے اور لمزہ اس کو جو پیٹھ پیچھے برا کہے۔ (۳) قتادہ اس کے برعکس معنی بیان کرتے ہیں۔ (۴) قتادہ و مجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی تھی باپ ایسا تھا اس کی قوم ایسی ہے وہ شریف نہیں۔ اور لمزہ وہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ اعضا کے اشاروں سے کسی کی آبروریزی کرے جیسا کہ سفلوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ، بھوؤں یا منہ بنانے سے کسی کی بے عزتی کرنے کے لیے اشارے کیا کرتے ہیں۔ (۵) ابن کثیر کہتے ہیں کہ ہمزہ وہ ہے جو زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال سے یعنی اعضاء کے اشاروں سے۔ اور سب اقوال کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی طعن اور اظہارِ غیب کسی کی دل آزاری اور بے عزتی کرنا، چغل خوری اور دو میں لڑائی کر دینا اور ایک کی بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کرنا اور نقلیں کرنا اور آواز کھینچنا اور تہقیر اڑانا اور آوازیں نکالنا سب اس میں گئے۔ افسوس آج کل یہ کفار کی عادت مسلمانوں میں رواج پا گئی۔ ایسی کوئی مجلس نہ دیکھو گے کہ جس میں دوسرے پر طعن و تشنیع نہ ہو اور امیروں کے ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے لچوں شہدوں نے اپنا و طیرہ کر لیا ہے بلکہ وعظ و پہنچ میں بھی ایک دوسرے پر آواز کھینچتا ہے۔ الا ماشاء اللہ اسی لیے صلحاء نے مخالطت و مجالست عامہ کو ترک کر دیا اور اب تو یہ خرافات لکھی بھی جاتی ہے۔ ایسے ایسے رسالے شائع ہوتے ہیں کہ جن میں ایک دوسرے پر لہن و طعن کرتا ہے، کوئی لفظ نحیف اٹھا نہیں رکھتا اور اخباروں میں تو روزمرہ یہی دیکھنے میں آتا ہے اور پہنچ اخبار تو اس کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں ہائے اسلاموں کے عادات و خصائل حمیدہ کہاں چلے گئے۔ بزرگانِ دین نے عمر بھر بھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے

غیبت کی بابت مواخذہ نہ ہوگا میں نے کسی کی غیبت عمر بھر نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی کہ جو لوگوں کے ہنسائے کو جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، خرابی ہے اس کی خرابی ہے اس کی۔ (رواہ احمد، والترمذی والبوداؤد والدارمی)۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (رواہ احمد والترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نہ طعنہ باز ہے، نہ لعنت کرنے والا ہے، نہ فحش بکنے والا ہے، نہ بے حیائی کرنے والا ہے۔ (رواہ الترمذی) یعنی ایمان کی شان نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہا کرے، فحش بکے، گالیاں دیا کرے، ننگا لپا بن جائے، جو منہ میں آئے بک دیا کرے اور اس کو آزادی سمجھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کیا ہے غیبت (بدگوئی)۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنی جو اس کو رُی معلوم ہو کسی نے عرض کیا کہ اگر دراصل اس میں وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ فرمایا اگر عیب ہے اور تو نے بیان کیا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ وہ تو بہتان ہے۔ (رواہ مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اس کے عیب پر طعنہ زنی نہ کر، خدا اس پر رحم کرے گا تجھے اسی بلا میں مبتلا کر دے گا۔ (رواہ الترمذی) یہ ہے تہذیب اخلاق جس سے لوگ آج بالکل بے خبر ہو رہے ہیں اور انگریزی روش کو تہذیب اخلاق سمجھ رہے ہیں۔

ہمزہ اور لمزہ فعلہ کے وزن پر ایک صیغہ ہے جو مبالغہ کے لیے عرب کی زبان میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ضخکہ اس کو کہتے ہیں جو بہت ہنسا کرے اس صیغہ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بد بخت کی یہ عادت ہوگئی اور اکثر ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔ غالباً اس خبیث عادت کا سبب کبر و تعلیٰ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس غرور و تعلیٰ کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال، شرافت نسب و حسب، علم و ہنر اور سب سے بڑھ کر مال ہے۔ یہ وہ نشہ ہے کہ انسان کو اندھا بنی کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے غرور و خاک میں مل جایا کرتے ہیں اس لیے اب اس کے اس مایہ ناز کی حقیقت کھولتا ہے۔ فقال الذی جمع مائلاً وعددہ کہ وہ جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اس گن گن کے رکھنے میں اشارہ ہے کہ وہ مال اسباب خیر اور نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کے لیے جمع نہیں کرتا بلکہ دھر رکھنے کے لیے اور حوادث میں کام آنے کے لیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرص اور حب مال اس کے دل پر غالب ہے اور یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یوں مال فی نفسہ برا نہیں نہ اس کا جمع کرنا بشرطیکہ جائز طریقوں سے حقوق بھی ادا کئے جائیں۔ زکوٰۃ غریبا کے ساتھ صلہ رحمی دینی کاموں میں تائید کی جائے، برائی اسی قسم کے مال جمع کرنے کی ہے کہ جس کا ذکر ہوا۔ اور جس بخیل مالدار کا پوچھے گا کہ یہ کس لیے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اس بات کو رد کرتا ہے۔ فقال یحسب ان مالہ اخلدہ کہ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا موت سے بچالے گا۔ آسمانی مصائب کو ٹال دے گا، تغیرات جسم کو روک دے گا۔ اگر یہ نہیں سمجھتا تو پھر یہ غل یہ تکبر کس لیے۔ آخر ایک روز خاک میں مل جانا ہوگا سب سامان یہیں رہ جائے گا۔ اس لیے فرمایا کلا کہ ہرگز ایسا نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے کس لیے کہ کسی مالدار نے اپنی موت کو نہیں ٹال دیا ہے، کوئی بڑھاپے کی مصیبت سے نہیں بچا ہے۔ پھر جب دنیا میں ایسے موقعوں پر کام نہیں آیا تو کیا آخرت میں آئے گا؟ اس کا بھی جواب دیتا ہے لینبذن فی الحطمة کہ آخرت میں آگ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کر دینے والی ہے۔ یہ جملہ دراصل دلیل کی تفسیر ہے۔ حطمہ بھی فعلہ کے وزن پر ہے حطمہ توڑنا حطمہ بہت توڑنے والی یہ جہنم کی آگ کی صفت بیان ہوئی جو اس کے اعمال کا نتیجہ ہے یہ بھی دنیا میں اپنی بد اخلاقیوں سے لوگوں کے دل توڑا کرتا تھا۔ آگ کا تسلط اولاً صورت پر ہوتا ہے کہ جلنے کے بعد صورت بگڑ جاتی ہے پھر گوشت و پوست پر نوبت پہنچتی ہے پھر ہڈیوں کو توڑتی ہے جہاں یہ مال کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا اس قدر اوصاف میں دنیاوی آگ بھی شریک تھی۔ لیکن آتش الہی ان سے تاثیر میں بالاتر ہے اس لیے کسی قدر اس کے حالات

ظاہر کرنے کے لیے بطریق سوال و جواب کے ذکر کرتا ہے تاکہ اس عالم کی آتش کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ فقال وما ادرك ما الحطمة کہ تو اے مخاطب! کیا جانے کیا ہے وہ خطرہ؟ یعنی اس کی شناخت حکماء و عقلاء کے فہم سے بالاتر ہے۔ کس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہی چند اقسام آتش کے ہیں ایک تو یہی معمولی آگ غصری یا کوئلی جیسا کہ آفتاب اور بعض ستاروں کی حرارت یا بجلی کی حرارت یا اجسام کی باہم معاصمت اور حرکت کی حرارت یا مزاجی حرارت جیسا کہ حیوانات میں زیادہ محسوس ہے اور خصوصاً انسان میں بخار کے وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ آتش ان سب قسموں سے ایک جداگانہ حرارت ہے پھر وہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے نار اللہ کہ وہ غضب الہی اور اس کے قہر کی آگ ہے۔ الموقدة روشن کی گئی اور دھواں گئی ہے ہندوں کے گناہوں کے اندھن سے اب اس کی ایک اور صفت بھی سنوالتی تطلع علی الافئدة وہ یہ ہے کہ جو دلوں کو جھانکتی یا دلوں تک پہنچتی ہے یعنی اس کا ایک مخصوص صدمہ دل پر پہنچتا ہے۔ کس لیے کہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جلاتا تھا، دنیاوی آگ اول جسم پر اثر کرتی ہے اس کے بعد جو جسم میں ہے وہاں تک پہنچتی ہے برخلاف اس آتش قبر الہی کے کہ یہ اولاً دل پر پہنچتی ہے پھر جسم پر اثر کرتی ہے اس میں عذاب روحانی کی طرف اشارہ ہے جو جسمانی عذاب سے بدرجہا سخت تر ہے اور حکما مرنے کے بعد اسی غم و الم کو جو افعال ناشائستہ پر ہوگا روحانی عذاب کہتے ہیں۔

دنیا میں اس آتش کے مشابہ بخار کی آتش ہے یا غم کی آتش ہے لیکن وہ دو درجہ سے کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے اول سانس لینے سے کہ ٹھنڈی سانس باہر سے اندر جائے اور گرم باہر آئے سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ انھا علیہم موصدة وہ ان پر سرپوش کی طرح بند کی جائے گی ہر طرف سے احاطہ کئے ہوگی۔ نہ اندر کی گرم سانس باہر نکلنے دے گی نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی یعنی گھونٹ دیے جائیں گے اور کبھی تڑپنے یا باہر پھرنے سے بخارات گرم پسینے میں نکل کر کسی قدر کمی ہو جاتی ہے باہر پھرنے سے کسی قدر غم غلط ہو جاتا ہے اور اسی لیے غمگین اور عشاق کو جنگلوں اور دریاؤں اور باغوں کی سیر مفید ہوا کرتی ہے سو وہاں یہ بھی نہ ہوگا کس لیے کہ فی عمد ممددة کہ وہ لوگ بڑے بڑے آتشیں ستونوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے بل بھی نہ سکیں گے نہ ان ستونوں کو اکھیر سکیں گے۔

لیندن فی الحطمة کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے خصائل بد کے سبب انسان انجام کار طبعہ غالیہ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جو روحانی آگ ہے غم و ہوم و دائمی میں جلا کرتا ہے۔ اور موصدة میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر طرف سے محیط ہوتی ہے ابواب سرور ابدی بند کر دیے جاتے ہیں اور سیمیہ و سبعیہ اور شیطانیہ اس پر غالب آ جاتی ہے اور عمد ممددة سے طباخ غصریہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو آسمان تک بلند ہیں اور یہ ان کے سلاسل میں جکڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم باسراء کلامہ۔

(اللہ اکبر)

سورہ فیل مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝

وَ اَرْسَلَ عَلَیْہِمْ طَیْرًا اَبَیْسًا ۝ تَرْمِیْہِمْ بِحِجَارٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝ فَجَعَلْہُمْ

کَعَصْفٍ مَّا کُوِّلَ ۝

۱۰۵

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا اور ان پر ہندوں کے غول کے غول بھیج دیے جو ان پر نکر ملی پھریاں

پھینک رہے تھے پھر تو ان کو آخور کی مانند بنادیا۔

ترکیب | الهمزة للاستفهام التقریری لم ترا صد تری حذف الالف بالجزم والرؤية قلبیة وانما عبر العلم بالرؤية ایما الى هذه الواقعة بمنزلة الشاهد المحسوس وان مضت قبل ولادته ﷺ نحو شهریں ولكنها التواترھا كانت كالمحسوس المبصر۔ كيف فعل ربك الخ هذه الجملة سدت مسد مفعولی تری وكيف منصوب علی المصدرية او الحالیة واختار الاول ابن هشام فی المغنی والمعنی ای فعل فعل المد يجعل الاستفهام للتقریر كانه قال قد جعل كیدهم فی تضلیل والكید ارادة المضرة بالغير بالخفية وارسل عطف علی المد يجعل طیرًا اسم جنس یذكر ويوث مفعول ارسل ابابیل لغت طیر قیل جمع ابول بكسر الهمزة مثل عجل وقیل جمع ابیل كسکین وقیل جمع ابالة وقال الفراء لا واحد له من لفظه مثل الشماطيط والعبادید واصل من الابل قال ابو عبیدہ ابابیل جماعة فی تفرقة یقال جاءت النیل ابابیل من ههنا وههنا ای اقاطع قیغ بعضها بعضا كالابل المولدة تنمیهم قراء الجصور بالفوقیة وقری بالتحیة والضمیر فی الحالین الی الطیر لانه اسم جنس یذكر ويوث وقیل الضمیر فی القراءة الثانية لله عز وجل۔ والجملة فی محل نصب صفة اخرى لطیر سجیل قال الزجاج مشتق من السجل ای مما كتب علیهم العذاب وقیل معرب من سنگ گل وھی جارة من طین طنجت بالنار وقیل السجل الشدید وقال عبدالرحمن بن ابری من السماء وقیل من تخمین ثم ابدلت النون۔ كعصف عصف برگ كشت قوله تعالی كعصف ما كول۔ صراح۔ وعصيفه وعصافه بمعناه۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اس کی پانچ آیت ہیں اور اس میں فیل کا اول ذکر ہے اس لیے اس کو سورہ فیل کہتے ہیں۔

ربط اس کا سورہ ہمزہ سے یہ ہے کہ اس سورہ میں انسان کے چند اخلاقی ردیلہ بیان فرما کر ان کی سزائے اخروی بھی بیان فرمادی تھی۔ اس سورہ میں دنیوی سزا کا ذکر ہے۔ بیشتر قریش مکہ میں اخلاقی ردیلہ تھے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی تھی اور ان منکرین قیامت کو عذاب آخرت کی تو کچھ پروا نہ تھی۔ اس لیے اب اس سورہ میں ان کو ایک ایسے واقعہ ہولناک کو یاد دلایا کہ جو ان کے سامنے گزرا ہے تنبیہ کیا جاتا ہے کہ جب ہم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے والے کی دنیا میں یہ سرکوبی کی حالانکہ وہ بڑا لشکر لے کر آیا تھا تو جو اس گھر کو شکستہ کرنا چاہے گا جو اللہ کا گھر ہے یعنی اہل اللہ کا دل تو وہ کیونکر ہمارے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے دنیا میں اس کی سرکوبی ہوگی جو یاد کرے گا۔ چنانچہ مدت کے بعد ان بدبختوں پر طرح طرح کے مصائب آئے قیظ شدید میں مبتلا ہوئے۔ بدر میں قتل اور ذلیل و رسوا ہوئے جس مکہ شہر کی یہ عزت ہے کہ اس پر حملہ کرنے والے کا سر توڑا گیا اور مکہ کی برکت سے قریش اس آفت سے بچے جو ابرہہ اشرم ان پر لانے والا تھا تو پھر مکہ میں رہ کر اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور یہ ظلم و حشیانہ کہ جس کی برکت سے مکہ محفوظ رہا بڑی سزا کا مستوجب ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ | اور یہ واقعہ جس سال گزرا ہے اسی سال میں ایک مہینہ پچیس روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ فرماتا ہے اللہ تو کیف فعل ربك باصحاب الفیل کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ وہ کون لوگ تھے؟ ابراہیم اشرم یمن کا بادشاہ حبشی جو نجاشی شاہ حبش کا نائب تھا اور اس کے لشکر والے حبش والے۔ حبش میں بھی ہندوستان کی طرح ہاتھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس بادشاہ کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔ اور مختصر اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ یمن کے ملک میں جب وہاں کا بادشاہ ذنواس قوم حمیر کا اخیر بادشاہ تھا یہودی ہو گیا اور بہت کدو ڈالا اور اس نے اسی تعصب میں آکر نجران کے عیسائیوں کو جو اس وقت ٹھیک مذہب عیسوی پر تھے ناحق ظلم سے مارا، خندق کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور ان مسکینوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا جس کا ذکر سورہ السماء ذات البروج میں ہے تو ان عیسائیوں میں سے کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل لے کر قیصر روم پاس فریادی پہنچے کیونکہ وہ بھی عیسائی تھا اس نے نجاشی حبش کے بادشاہ کو جو اس کا تابع اور عیسائی تھا مدد کر۔ لہذا نجاشی نے ابراہیم

کواکب لشکر دے کر یمن کو بھیجا اس نے ذوالواس اور اس کی سلطنت کو بر باد کیا اور آپ یمن کا بادشاہ بن گیا۔ یہ بڑا بد ذات اور شہوت پرست اور کمینہ خصلت شخص تھا۔ اس نے کعبہ کی رونق گھٹانے کے لیے اپنے پائے سلطنت شہر صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا اور اس کی بڑی تیاری کی اور عرب کے لوگوں کو حج کعبہ سے جو ان میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے عہد سے ایک عبادت کا دستور چلا آتا تھا ۲ روکا اور طرح طرح کا تشدد شروع کیا اور حکم دیا کہ میرے کنیسہ کا حج کیا کریں مگر لوگوں کے دل تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ مقبولیت اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ کون مانتا تھا اس وجہ سے اس کو خانہ کعبہ اور شہر مکہ میں اور وہاں کے لوگوں سے عداوت قلبی پیدا ہوئی مگر اس دبی ہوئی آگ کے ابھارنے کا یہ سبب ہو گیا کہ اس کنیسہ کے جاروب کش نے اس میں رات کو پاخانہ بھر کر اس کو باجبا سے گندہ کر دیا اور بھاگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ مکہ کا رہنے والا تھا اس نے عداوت سے یہ کام کیا ہے۔ پھر چند روز کے بعد اس کنیسہ میں کسی سبب سے آگ لگ گئی اور جل کر خراب ہو گیا جس سے لوگوں کی نظروں میں اور بھی اس کی بے وقعتی پیدا ہو گئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے۔ اب تو اس کو غصہ آ گیا اور ایک لشکر جرار لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے اور بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا مکہ کی طرف کعبہ ڈھانے کے لیے چلا اور دل میں یہ داؤ بھی تھا کہ صرف کعبہ کا ڈھانا مشہور کروں تاکہ لوگ نہ بھاگیں ان کو امن کا اشتہار دیدیا تھا اور جب وہ اس کو ملیں تو زن و فرزند صغیر و کبیر سب کو قتل کروں۔ جب وہ مکہ کے پانچ چار کوس قریب آ گیا اور مکہ کے لوگ ڈر کر بھاگ گئے صرف عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادارہ گئے تھے اور دادی حمرہؓ میں یا بقول ابن عباسؓ بیٹھنا صفاح میں ڈیرا کر دیا تو اس کے پاس عبدالمطلب آئے، تعظیم سے بٹھایا اور پوچھا کیا چاہتا ہے۔ کہا میرے اونٹ تیرے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وہ دلا دو۔ اس نے تعجب سے کہا کہ اونٹوں کی فکر کی کعبہ کے لیے تو نے کچھ نہ کہا۔ عبدالمطلب نے کہا اونٹ میرے تھے، مجھے ان کی فکر ہے اور یہ تو اللہ کا گھر ہے جو سب پر غالب ہے اس کی وہ آپ تدبیر کر لے گا۔ اور رستہ میں بھی بہت کچھ عربوں نے منت و زاری کی تھی کہ تو یہ نہ کر مگر وہ کب مانتا تھا آخر دھاوے کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو ڈھانے کے لیے آگے کیا۔ ہر چند فیل بان مارتے تھے وہ آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔ اسی میں تھے کہ جدہ شہر کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ پر ہے بڑے بڑے سبز جانور بعض کہتے ہیں سیاہ تھے جو کبھی پہلے دیکھے نہ گئے نہ بعد میں بڑی چونچ اور بچوں والے پرے کے پرے نمودار ہوئے۔ ایک ٹکڑی کے بعد دوسری ٹکڑی آتی تھی دو ٹکڑیاں ان کے بچوں میں اور ایک چونچ تھی میں۔ پھر اس لشکر میں سے جس پر بڑتی تھی خواہ انسان خواہ حیوان سر سے نیچے تک نکل جاتی تھی سب کو غارت کر دیا اور قریش مکہ ادھر ادھر پہاڑوں میں چھپے یہ واقعہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ بہت لوگ اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے مکہ میں موجود تھے اور ان ٹکڑیوں میں سے بعض ٹکڑیاں بعض صحابہ کے پاس بھی تھیں۔

یہ بات کہ ابرہہ کے بعد یمن کا کون حاکم ہوا، ہم تاریخ عرب میں بتلا دیں گے اور یمن عرب میں کس حصہ کا نام ہے اس کو جغرافیہ عرب میں دکھائیں گے۔ اس واقعہ کا جو قریش پر نعمت ہے اور عبرت خیز تھا خدا پاک اس سورہ میں ذکر فرماتا ہے فقال اللہ یجعل کیدہم فی تضلیل کہ کیا اس نے ان کے داؤ کو غلط نہیں کر دیا؟ ضرور کر دیا جو انہوں نے چاہا تھا اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ حسرتیں ساتھ لے کر

۱۔ گر جا۔ ۱۲

۲۔ جو کعبہ سے روکتا ہے دنیا میں مبتلائے مصائب ہوتا ہے۔ ۱۲

۳۔ یہ مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی ہے۔ یہ قول ابن حجر کا ہے۔ ۱۲

۴۔ اس لیے کہ قرض کی جان و مال و آبرو محفوظ رہی اور ان مردوں کے مال ہاتھ لگے جس سے اہل مکہ مالدار ہو گئے اور اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے جس کا ذکر سورہ قریش میں آتا ہے۔ ۱۲

جہنم کو گئے۔ یہ جملہ کیف فعل کی تفسیر ہے پھر اور تفسیر کرتا ہے وارسل علیہم طیراً ابابیل اور ان پر پرندے بھیجے جوق جوق لفظ ابابیل جمع ہے جس کے مفرد میں اختلاف ہے۔ کوئی ابابلی کوئی ابول کوئی ابالہ کہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفرد اس لفظ سے نہیں آیا اور اس کے معنی ہیں جوق جوق یا پرے کے پرے مگر لفظ ابابیل سے یہ چھوٹا جانور جس کو عرب میں ابابیل کہتے ہیں سمجھ لینا بڑی غلطی ہے یہ جانور سمندر میں سے اٹھے تھے اور عرب جانور تھے پھر ان پرندوں نے جو کچھ کیا اس کو بیان فرماتا ہے۔ ترمیمہم بحجۃ من سبیل ان پر پتھریاں پھینکتے تھے اور پتھریاں کا بے کی تھیں؟ پختہ فائدہ: لفظ بحیل میں جو اس جگہ وارد ہے۔ مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) بعض کہتے ہیں یہ سنگ گل کا معرب ہے اور سنگ گل وہ ہے جو پڑاؤے میں مٹی پک کر پتھر بن جائے جس کو کھنگر یا جھانواہ کہتے ہیں۔ (۲) بعض کہتے ہیں اصل میں تخمین تھا یہاں نون لام سے بدل گیا جس میں اشارہ ہے کہ وہ پتھریاں اور کنکر کچھ معمولی کنکر نہ تھے بلکہ عالم غیب میں سے اس طبقہ کے تھے کہ جہاں ارواح کفار کو عذاب دیا جاتا ہے ان کنکریوں کی یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں پار نکل جاتی تھیں پھر وہاں کی اور چیزوں میں کیا کچھ تاثیر نہ ہوگی معاذ اللہ۔ (۳) بعض کہتے ہیں بجل سے مشتق ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں یا لکھی ہوئی چیز یا دفتر کے جس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکریاں ازل میں ان بد بختوں کے لیے لکھی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے ہر کنکر کی پر بخت غیب جس کو اس جہان کے لوگ پڑھ نہیں سکتے تھے لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کے لیے ہے۔ پھر جب سیدہ کی گولی بارود کے زور سے انسان اور حیوان میں سے پار نکل جاتی ہے تو کیا عالم غیب کی گرمی جو تیر الہی کی بارود تھی اس کے زور سے ان کنکریوں کا اصحاب فیل میں سے پار نکل جانا کوئی محال بات ہے؟ اس سے بڑھ کر ہزاروں اس کی قدرت اور کمال کے کرشمے دیکھے جاتے ہیں اور پہلے دیکھے گئے اور آئندہ دیکھے جائیں گے اوپر کوئی تو ایسی گرم بھٹی قدرت کی ہے کہ جس کی چنگاریاں کبھی کبھی زمین پر گر کر کرتی ہیں۔

مؤرخین حال نے بارہا ایسے واقعات نقل کئے ہیں کہ فلاں موضع میں اوپر سے ایک آتشیں گولہ پڑا جس کی ہیبت ناک آواز تھی اور گزروں زمین میں گھس گیا اور بہت کوجلا دیا پھر ٹھنڈا ہونے کے بعد چونکا لایا تو ایسا سخت لوہا تھا کہ بمشکل گرم ہوتا تھا وغیر ذلک۔

اگر ہم ایسے ایسے واقعات یا ان سے بھی بڑھ کر حیرت ناک ان واقعات کی تفصیل لکھیں جو حال کے جرائد اور اخبارات میں درج ہیں تو ایک جلد کتاب تیار ہو جائے اور جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اور مورخوں نے شتم دید لکھے ہیں وہ بھی ملائے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں پھر ان سب کو غلط بتانا اور اسی دہریت سڑے بے تراشیدہ نیچر کے اصول پر واقعات کا انکار کرنا خلافِ بداہت ہے۔ سب سے بڑی بات ہے کہ قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اس کو انہیں اہل مکہ کے روبرو کہ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں بیان کرتے؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغ گوئی اور ابطال نبوت کے الزام قائم ہوتے۔ پھر جب ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور امیہ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب ان سے کوئی بڑھ کر منکر پیدا ہو گیا ہے جو انکار کرتا ہے اور انکار بھی محض بے دلیل اور دلیل بھی ہے تو یہ کہ نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اس کی تاویل کرے اور چپک چپ نکلتا ہلاوے عقلمند کی شان سے بعید ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کا انجام کاران پرندوں کے سبب سے خدائے قہار و جبار نے کیا کیا؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ فقال فجعلہم کعصف ما کول کہ ان کو کھس یا آخور جیسا چورا چورا کر دیا۔ عصف گھاس یا اناج کے بیڑوں کے پٹھے اور پتے جو بار بار اگیہوں وغیرہ کے جب ان کو جانور کھاتا ہے تو پیچھے بچا ہوا آخور چورا چورا ہو جاتا ہے یا ما کول باعتبار مایول کہ فرمایا کہ کھایا جائے گا کھانے کے لیے تیار ہے جس کو کھس کہتے ہیں یا حقیقت پر محمول ہے پھر اس کے دو معنی یا تو جو کھانے سے بچا ہوا آخور یا جو کھا کر لید کر دیتے ہیں اور گدھے گھوڑے کی لید میں چورا چورا ہو کر نکلتا ہے اس کو بھی عصف ما کول کہہ سکتے ہیں ہر ایک سے تشبیہ درست ہو سکتی ہے۔

غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جا بجا آبلے پڑ جاتے تھے اور دم کراتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا۔ شاید اس بات سے اس مادل نے اس واقعہ کو چمچک نکلنے پر محمول کیا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہم نے بیان کیا اور جو قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر کی بھی ہوئی تھیں یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں اس کے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور دم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی چنانچہ اسی بات کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں روی عن عمرہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منهم الا لفظ جلدہ وثار بہ الجدری وهو قول سعید بن جبیر انہی خوش فہم مادل نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چمچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ بھیگی تھیں چمچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

فوائد ! (۱) اصحاب الفیل کہا ارباب الفیل نہ فرمایا۔ اس میں نکتہ ہے وہ یہ کہ چیز کو اعلیٰ کی طرف لفظ اصحاب سے منسوب کرتے ہیں اس لیے حضرت کے دوستوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں نہ آپ کو ان کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان احمقوں پر بہیمیت غالب تھی اور ہاتھی کی طرح سیاہ باطن و سیاہ ظاہر تھے ہاتھی سے بھی کمتر عقل رکھتے تھے۔

(۲) فیل ہاتھی اس کی جمع افیال و فیلۃ ہے جمع کا صیغہ اس لیے نہیں آیا کہ گو اس وقت ان کے پاس تیرہ ہاتھی تھے مگر بڑا ہاتھی محمود تھا جو کعبہ کی طرف نہیں جاتا تھا اس لیے اسی کا اعتبار کر کے مفرد لفظ آیا۔ اور نیز یہ اسم جنس بھی ہے سب کو شامل ہے اور اس میں آیات کے فوائد کی بھی رعایت ہے۔ ولہ الحمد حمد اکثر۔

(اللہ اکبر)

سورہ قریش مکیہ ہے اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یَلِیْفُ قُرَیْشٌ ۝۱ الْفِہِمُ رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ ۝۲ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

الْبَیْتِ ۝۳ الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ ۝۴ مِّنْ جُوعٍ ۝۵ وَاَمَنَهُمْ ۝۶ مِّنْ خَوْفٍ ۝۷

قریش کے شوق اے لیے ان کو جو سردی و گرمی کے سفر کا شوق ہے پھر تو اسی گھر کے رب کی عبادت کیا کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف میں اس دیا۔

ترکیب ! لایالیف قریش بما یعلق اللہ فی وجہ (۱) انہما یعلق بما قبلہما (۲) متعلقہ بما بعدہا (۳) لا یعلق بشیء فی لام التعجب کما فی قولہم لزید و ما صنعنا بہ ای العجب ان شان زید و معنی الآیۃ العجب الایلاف قریش و ہذا قول الانحش و الکسانی علی الاول ہی یعلق یجعل و التقدير جعلہم کصنف ما کول لایلاف قریش لبقاہم رخصتہم فی الاسفار۔ و هو قول الزجاج و ابی عبیدۃ۔ و متعلقہ بفعل ای فعل ربک باصحاب الفیل لایلاف قریش ای کل ما فعلنا باصحاب الفیل نقد فعلناہ بنظر القریش اوی بمعنی الی و یعلق بفعل کانہ قال فعلنا کل ما فعلنا فی السورۃ المتقدمۃ الی نعمۃ اخری علیہم و ہی الایلاف و الصیف و قول نعمۃ الی نعمۃ ہذا قول القراء۔ و علی القول الثانی ہی یعلق بقول فلیعبد و اوهو

چونکہ ان کو سردی اور گرمی کے سفر کا شوق ہے۔ سردی میں یمن کی طرف جاتے ہیں تجارت کے لیے اور گرمی میں شام کی طرف اس شوق اور محبت قائم رکھنے کے لیے اصحاب فیل کو غارت کر دیا اور اس گھر کو یعنی کعبہ کو بچالیا جس کے سبب یہ اس سے گرمی سردی میں سفر کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ پھر اس گھر کے

مالک کو کیوں نہیں پوجتے۔ ۱۲ امنہ

قول الخلیل ویسویہ والتقدیر فلیعبد وارب هذا البيت لا یاف قریش ای ليجعلوا عبادتکم شکر الحمدہ العتمہ ودخول فاء فی فلیعبد لا یمنع ذلک
وفی الایلاف ثلاثہ اوجہ احدها ان الایلاف بمعنی الالف یقال الفت الشیء وآلفہ الفالافا۔ ایلافا بمعنی واحد وقرء ابو جعفر لالف قریش بغیر الیاء
والآخر ان الایلاف بیاء وقرء عکرمہ لیلاف قریش۔ والثانی کیونکہ بمعنی اثبات الالفۃ بالتدبیر الذی فیہ لطف والمعنی ان ہذہ الالفۃ فی قریش انما
حصلت بتدبیر اللہ تعالیٰ وهو انہ اھلک اصحاب الفیل فحصل المسرۃ وعند المسرۃ یتوقع الاتفاق والموائفۃ فالمصدر مضاف الی المفعول والثالث ان
یکون الایلاف بمعنی التہنئۃ والتجہیز وهو قول الفراء وابن الاعرابی والمعنی تجہیز قریش رحلتھا فالمصدر مضاف الی الفاعل وقریش ہم بنو النضر بن
کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ وقیل ان قریشا بنو فہر بن مالک بن النضر وقریش منصرف ان ارید بہ الحی وغیر منصرف ان
ارید بہ القبیلۃ۔ وهو تبصر القرش۔ وفی القرش اقوال قیل دابتہ فی البحر تعبت بالسفن ولا تنطق الا بالنار وسمیت قریش بھا شجاعتھم۔ وقیل انہ
ماخوذ من القرش وهو الکسب لانھم کانوا کاسین بتجارۃھم وضر بہم فی البلاد وقیل کانوا متفرقین منھم قصی بن کلاب فی الحرم حتی اتخذاھما سکننا
فسموا قریشا۔ لان القرش هو الجمع من الکبیر۔

الافہم تاکید لفظی وقیل بدل رحلۃ الشتاء منصوبۃ علی المفعولۃ وقیل علی الظرفیۃ۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے مگر خضاک وکلبی کہتے ہیں کہ مدینہ
میں نازل ہوئی۔ یہ وہم ہے قول اول صحیح ہے اس میں قریش کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورہ قریش کہتے ہیں اور اس میں چار آیت ہیں۔
رابطہ اس کا سورہ فیل سے یہ ہے کہ سورہ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو ڈھانے آئے
تھے۔ ان کو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تم کو ان سے بچا لیا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور سردی اور گرم ملکوں
میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا۔ اب اس سورہ میں بتلاتا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا اب تم کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو
نہ جھوٹے معبودوں کی اور منجملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے رب نے تمہاری اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کے
کہنے پر عمل کرو اور اس کے یار و مددگار بن کر جس طرح دنیا کمانے کے لیے سفر کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لیے سفر کرو۔ اب یہ دوسری
تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔

قریش کی تحقیق | واضح ہو کہ قریش عرب کے اس قبیلہ کا نام جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی قبیلہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بھی ہیں کیونکہ نضر بن کنانہ کی تیرہویں پشت میں ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن
عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ پھر آگے چل کر یہ نسب نامہ حضرت
اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام میں جا ملتا ہے۔ یہ قبیلہ قریش مکہ میں رہا کرتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور زمزم کی حفاظت انہیں کے سپرد تھی۔
اسی لیے تمام قبائل عرب ان کی عزت و حرمت کرتے تھے اور جب یہ لوگ باہر جاتے تو خادم کعبہ سمجھ کر لوگ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے
تھے۔ پہلے یہ ملت ابراہیمیہ پر تھے مگر عرصہ سے ان میں بھی بت پرستی آگئی تھی اور جو تار یکی تمام عرب بلکہ اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی تھی ان
پر بھی چھا گئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ نے بت پرستی کی برائی بیان کرنی شروع کی تو یہی لوگ دشمن ہو گئے۔
ابو جہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ قریش کے سردار سخت دشمنی کرنے لگے مگر بعد میں بہت ایمان لائے اور قریش میں سے بڑے
بڑے نامور صحابہ ہوئے۔ چاروں خلفاء قریش ہی تھے اور اسلام کے شائع کرنے میں قریش کی عادت سفر بڑی کارگر ہوئی۔ اس لیے چند روز
میں اندلس سے چین تک اسلام پھیل گیا۔ قریش تصغیر ہے قریش کی جس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ قریش ایک سمندر کا سخت اور
بہادر جانور ہے چونکہ قریش کا قبیلہ بھی بہادر تھا اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ (۲) قریش کے معنی ہیں جمع کرنے کے چونکہ قصی بن

کلاب نے اس متفرق قوم کو مکہ میں جمع کیا تھا اس لیے ان کو قریش کہتے تھے۔ اور جمعیت و اتفاق بھی ان میں بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تھا۔ (۳) یہ کہ قریش کے معنی کسب کے بھی ہیں چونکہ یہ لوگ تجارت سے کسب کرتے اور کما کر کھاتے تھے لوٹ مار کم کرتے تھے اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ اسلام میں اس قبیلہ کی سبب ان کے مساعی جلیلہ کے اور بسبب قربت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت ہے۔ فرماتا ہے لایلاف قریش کہ ہم نے یہ جو کچھ اصحاب فیل سے کیا قریش کے الفت دلانے کے لیے کیا کہ ان کو اس گھر کے رب کی الفت دلائیں تاکہ وہ اس کا یہ انعام و افضال خیال کر کے اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ یا یہ معنی کہ جب ہے کہ قریش کی الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے تجارت یمن اور شام کے واسطے ہے یعنی ان کو اس کی عبادت ہے حالانکہ یہ سردی میں یمن کو جانا جو گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کو جانا جو سرد ملک ہے محض اسی گھر کی بدولت ہے جو اصحاب الفیل کے صدمہ سے بچائے گئے اور ان کا مال بھی ان کو ملا پھر الفت تو ہے مگر جس کا یہ طفیل ہے یعنی کعبہ کا جس کی وجہ سے لوگ باہر تعظیم بھی کرتے ہیں اور دیتے بھی ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے ناس کے رسول کو مانتے ہیں۔ پھر اس الفت قریش کی توضیح کرتا ہے۔ فقال ایلافہم رحلة الشتاء والصیف ان کی رغبت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے ہے سردی میں گرم ملکوں اور گرمی میں سرد ملکوں میں تجارت کے لیے اور بادشاہوں اور امراء سے تحائف لینے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسلام سے پہلے ہی قریش میں باہر ملکوں میں جانے اور سفر کرنے کا مادہ تیار کر رکھا تھا جو اسلام لانے کے بعد شاعت اسلام اور فتوحات ملک میں بہت کام آیا۔

سفر اور تجارت کے فوائد ! اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو قومیں دور دراز سفر کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان میں حوصلہ اور لیاقت بھی آ جاتی ہے اور مالی ترقی بھی ہوتی ہے ہر ایک قوم کے ملنے جلنے سے تبدیلی خیالات ہوتا ہے۔ اولوالعزمی پیدا ہو جاتی ہے، خصوصاً تجارت کے ذریعہ سے آج کل وہ قومیں جو پہلے خوار و ذلیل تھیں علوم و فنون کی مالک ہو گئیں۔ سلطنت ہاتھ آئی، صحابہ میں بھی یہی اولوالعزمی تو تھی کہ لبق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے ادھر مغرب میں بربر تک پہنچے، افریقہ کے بیابان کھندل ڈالے۔ ادھر مشرق میں عراق و ایران و خراسان و ترکستان کو طے کرتے ہوئے چین تک بلند اقبالی کے پھریرے اڑاتے ہوئے جا پہنچے۔ اس لایلاف قریش میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ گو قریش کے ساتھ اور قومیں بھی شریک تھیں مگر اور قومیں قریش کے تابع تھیں کس لیے کہ نبی علیہ السلام تھے تو اسی قوم کے اور پھر خلفاء تھے تو اسی قوم کے۔ جن کے حکم سے وہ یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے اور اسلام نے قریش کے گھر میں جنم لیا تھا اس لیے غیرت و حمیت اسلامی اسلام لانے کے بعد ان میں کوٹ کوٹ کر بھردی گئی تھی اور قریشی خون میں یہ اثر دیا تھا کہ اسلام کی ہنک اور قومی ذلت و کچھ کر اس کو حرکت ہوتی تھی اس لیے ائمہ بھی اسی قوم میں سے بنائے گئے اور قانون ہو گیا کہ اسی قوم کے آئمہ ہوں اور قرب قیامت جو مخالفوں کے جھنڈے گرا دیئے والا اور ان کی جمعیت کو زیر و زبر کر دینے والا امام مہدی علیہ السلام ظہور کرے گا وہ بھی قریش ہی ہوگا۔

اب ان مکہ کے جاہل اور مخالفین اسلام قریش کو اپنی نعمت جتلا کر فرماتا ہے فلیعبدوا رب هذا البیت کہ اور کچھ نہیں تو اسی

لا یلاف کے تعلق میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ لام جملہ گزشتہ کے کسی فعل فعلنا وغیرہ سے متعلق ہے یعنی اصحاب فیل سے ہم نے جو کچھ کیا قریش کی الفت سفر کے لیے کیا جو گرمی و سردی میں سفر کا شوق رکھتے ہیں یعنی اصحاب فیل کی ہلاکت قریش کی آزادی سفر کا باعث ہے۔ یہ اس کی نعمت ہے۔ دوسرا قول یہ کہ لام یعبدوا سے متعلق ہے کہ قریش اپنے اس گرمی جاڑے کے شوق سفری کے سبب جو خدا نے اصحاب فیل کو غارت کر کے قائم رکھا اپنے اسی گھر کے مالک کو پوجا کریں۔ تیسرا قول ایک اور بھی ہے کہ یہ لام توجب کے لیے ہے جس کا پابھوہ ترجمہ یہ ہے قریش کے شوق سفر کو تو دیکھو کیا ہے اور یہ اس گھر کی برکت ہے جو امن سے سفر کرتے ہیں۔ الخ ۱۲ امنہ

گھر کے رب کی عبادت کریں اسی بات کو ملحوظ رکھیں۔ بت پرستی چھوڑ دیں۔ پھر اور بھی توضیح کرتا ہے۔ فقال الذی اطعمہم من جوع و آمنہم من خوف کہ اس کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور کھلاتا ہے اور خوف میں امن دیا۔ مکہ کی سرزمین کھیتی کے قابل نہیں، خشک پہاڑ یا ریگستان ہے جہاں کوئی سبز درخت بھی نظر نہیں آتا۔ نہ پانی کے چشمے نہ کوئی پیداوار ہے۔ پھر ان کے لیے روزی کے کیا کیا سامان کئے۔ خانہ کعبہ کی عزت و حرمت سے دور دراز کے لوگ حج کو آتے ہیں اور پہلے بھی ہمیشہ سے آیا کرتے اور غلہ وغیرہ ہرقسم کی چیزیں لایا کرتے تھے اور نیز خود قریش کو بھی گرمی اور سردی میں سفر کرنے کا اور تجارت کے لیے جانے کا حوصلہ دیا جس کو ایلاف قریش میں بیان فرمایا۔ پھر یہی تو بھوک میں کھانا دیتا ہے اور خوف میں امن دینا یہ ہے کہ عرب میں ہر جگہ مار دھاڑ تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے برخلاف قریش کے کہ ان کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا محض کعبہ کی حرمت سے خصوصاً مکہ دارالامن تھا اور قیامت تک رہے گا۔ حرم مکہ میں جو اس کے ارد گرد کوسوں کی سرزمین ہے اگر اس جگہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو ہاتھ نہ اٹھاتا تھا اور نیز اصحاب الفیل کی طرح جو کوئی یہاں چڑھ کر آیا غارت ہوا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک کبھی کوئی دشمن کعبہ پر آ کر فتح یاب نہیں ہوا نہ کسی جبار بادشاہ کا آج تک وہاں تسلط ہوا برخلاف اور معابد کے۔ بیت المقدس ہی کو دیکھئے کہ کئی بار اس کے مخالف اس پر چڑھ آئے اور شہر کو منہدم کر گئے اور گلی کو چوں میں خون کی ندیاں بہا گئے۔ بخت نصر اور سیتق اور اینٹوکس اور رومی بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں، مسجد کو جلایا اس کی گستاخی کی۔ تاریخ بیت المقدس کے دیکھئے مے ہمارے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

سوال: خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مدینہ سے لشکر لے کر اس شہر پر چڑھ آئے اور فتح پائی اور امن عام زائل کر دیا اور اسی طرح حجاج بن یوسف نے آگھیرا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا اور کئی بار ایسے واقعات پیش آئے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے لیے نہیں آئے تھے نہ ان کا مقصد یہ تھا بلکہ مجرموں کو سزا دینے آئے تھے یہ اور بات ہے کہ وہ دراصل مجرم تھے جیسا کہ فتح مکہ کے وقت کفار تھے یا جیسا کہ بعد کے واقعات کے وقت اور یوں تو اب بھی مکہ معظمہ میں مجرم سزاے نہیں سچ سکتے۔ مکہ کو دارالامن اسی معنی سے کہتے ہیں جو ہم نے بیان کئے اور نیز آیت پر تو یہ شبہ وارد ہی نہیں ہو سکتا کس لیے کہ آیت میں قریش معاصرین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ تم کو بھوک میں کھانا کھلایا جس کی صداقت کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ قحط تھا بھوکے مرتے تھے، ارزانی کی اور اصحاب الفیل کے وقت خوف تھا امن دیا۔ اس آیت میں کس لطف کے ساتھ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی خدائی باطل کی ہے۔ کس لیے کہ کم سے کم انسان کی دو حاجت ہیں بھوک میں کھانا اور امن سے رہنا پھر جس معبود سے ان دونوں کا کچھ بھی انصرام نہیں ہوتا وہ کیا خدائی کر سکتا ہے مگر مشرکین اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یوں ہی تقلیداً غیر اللہ کی عبادت کئے چلے جاتے ہیں ان کے ناموں کی دہائی دیا کرتے ہیں۔ مصائب میں انہیں پکارا کرتے ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ ماعون لکھ ہے اس میں سات آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرٰیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالْاٰیٰتِ ۚ فَاٰتٰیكَ الَّذِیْ یَدْعُ الْبِیْتِیْمَ ۚ وَلَا یَحْضُ

عَلٰی طَعَامِ الْمُسْكِیْنِ ۚ فَوَبِّلْ لِلْمُصَلِّیْنَ ۚ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ

سَاهُوْنَ ۚ الَّذِیْنَ هُمْ بِرَاۤءُوْنَ ۚ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۚ

تو نے اس کو بھی دیکھا جو جزا کا انکار کر رہا ہے پھر یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے لے دیتا ہے اور فقیر کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دلاتا پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور برستے کی چیزیں نہیں دیتے۔

ترکیب | الحمد للہ استفہام لقصد العجب رایت والرؤیۃ بمعنی المعرفۃ فتعدی الی مفعول واحد وهو الذی الخ وقیل بمعنی خبر فی تعدی الی مفعولین والثانی محذوف ای من هو فذلک الخ الفاء جواب الشرط والتقدیر ان تاملتہ فذلک وبجوز ان تكون عاطفۃ علی الذی یکذب اما عطف ذات علی ذات اوصفتہ علی صفۃ فعلی الاول ذلک مبتدء الذی یدع الخ خبرہ ولا یحضر الخ عطف علی یدع علی الثانی فی محل النصب عطفاً علی الموصول الذی هو فی محل نصب یدع یدفع یحذف ومنہ قولہ یدعون الی نار جہنم دعا فویل مبتدء للمصلین خبرہ والفاء لترتیب الدعاء علیہم بالویل الذین ہم بیان للمصلین وکذا اما بعدہ یدمنعون معطوف علی یولدون والماعون فاعول من المعن وهو الشیء التقلیل یقال مال معن ای قلیل قالہ قطرب وقیل مفعول من عانہ یعنیہ والاصل معوون فخذت احدی الواوین کقول۔ والماعون اسم لما یعاودہ الناس یتنصرون من الدلو والفاں والقدر۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ عطاء و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور قنادہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں نصف اول کی ہے جو عاص بن وائل رضی اللہ عنہ کی شان میں اور نصف مدنی ہے جو عبد الرحمن بن ابی منافق مدینہ کی شان میں نازل ہوئی۔ قول اول قوی تر ہے اور ماعون برستے کی چیزوں کو کہتے ہیں اس میں ماعون کے منع کرنے والوں کی برائی ہے جو ادنیٰ مرتبہ احسان کا ہے اس لیے اس کو سورہ ماعون کہتے ہیں اس میں سات آیت ہیں۔

ربط اس کا سورہ قمریش سے یہ ہے کہ سورہ قمریش میں خدا تعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت اور راستی کی طرف رغبت دلائی تھی اس سورہ میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو مہلک ہیں اور خدا سے ملنے میں سب راہ ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سورہ تمام حکمت نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیب اخلاق سیاست مدن، تدبیر المنزل کا لب لباب ہے کس لیے کہ سب سے اول بات حکمت نظریہ کی اعتقاد درست کرنا ہے خصوصاً اس بات کا یقین کر لینا کہ انسان کے نیک و بد اعمال کی جزاء و سزا ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح ایک دوسرے عالم میں جاتی ہے جہاں اس کو اپنے نیک و بد اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے عادل انسان سے ضرور باز پرس کرتا ہے اس کے مسامحہ کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ یہی اعتقاد تمام حکمت کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں ہر قسم کی بدکاری دل کھول کر کرنے میں کوئی مانع نہیں اور اعمال خیر کی مشقت اٹھانے اور مال صرف کرنے کا بھی کوئی محرک نہیں اس لیے سب سے اول دین یعنی جزاء و سزا کی تصدیق ضرور ہے اور یہ سعادت کی سیڑھی کا اول درجہ ہے اور جزاء و سزا کا اعتقاد مع درستی اعمال دین اسلام کا جزا ہے۔ اس لیے اگر دین سے مراد دین اسلام کی تصدیق لی جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اس لیے سب سے اول دین کے منکر کی تعجب کے صیغوں میں برائی بیان فرماتا ہے۔ فقال اذایت الذی یکذب بالذین کہ اے پیغمبر! علیک السلام یا اے مخاطب تو نے اس کو کون بھی دیکھا جو دین یعنی اعمال کی جزاء و سزا کو یا دین اسلام کو جھٹلا رہا ہے ایسے بھی لوگ ہیں۔ یہ تکذیب سے روکنے میں نہایت پر اثر الفاظ ہیں۔ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے بلکہ تصدیق کرنی چاہیے۔ حکمت نظریہ کے اصل الاصول سے فارغ ہو کر حکمت عملیہ کے اصول کی طرف توجہ کرتا ہے۔ حکمت عملیہ میں سب سے پہلی بات تہذیب اخلاق ہے اور تہذیب اخلاق میں دوی جز ہیں۔ اول دفع شر بالخصوص یتیم یعنی نابالغ بچے سے برائی نہ کر دفع شر طلب منفعت سے مقدم ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور فرمایا فاذلک الذی یدع الیتیم کہ جزا کا جھٹلانے والا ہی سنگدل یتیم کو دھکے دیتا

یعنی جب جزاء و سزا کا قائل نہیں تو پھر ہر قسم کی بے رحمی اور سنگدلی کرتا ہے۔ یتیم پر رحم کرنا مسکین کو کھانا کھلانا رحمہ کی بات ہے اس کو کون بھی نہیں کرتا اور خدا کی طرف بھی نہیں ہٹتا اس لیے غفلت اور دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے اور یہاں تک وہی الطبع ہو جاتا ہے کہ معمولی برستے کی چیزیں بھی مانگے دیتا۔ ۱۲۷

اور جھڑکتا ہے۔ کس لیے کہ جانتا ہے کہ مرکز کسی فعل کی سزا اور کسی عمدہ کام کی جزا تو ملتی نہیں اس شفع فعل کو تکذیب دین کی علامت کر دیا جس میں ایسی ناپاک خصلت ہے گویا اس کو دین کی تصدیق نہیں۔ کس لیے کہ تصدیق و تکذیب ایک ذہنی چیز ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ اب اس کی علامت بیان فرمادی کہ وہ مکذب ہے جو ایسے افعال کرتا ہے درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ تہذیب اخلاق کا یہ ہے کہ بندگان خدا پر رحم کرے اور جو خود سلوک کرنے کی قدرت نہ ہو تو ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اوروں کو ہی ترغیب دلائے پھر جس میں یہ ادنیٰ مرتبہ بھی نہیں وہ تہذیب اخلاق سے محروم ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس کو بیان فرماتا ہے۔ ولایحیض علیٰ طعام المسکین کہ فقیروں محتاجوں کو خود کھانا دینا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا یعنی اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ یہ تکذیب دین کی دوسری علامت ہے کس لیے کہ جب سزا کا معتقد نہ ہو تو برے کاموں سے کیوں باز آنے لگا اور جب جزائے خیر ملنے کا معتقد نہیں تو نیک کام کیوں کرنے لگا۔ یہ تہذیب اخلاق وہ تھی کہ جس کا تعلق لوگوں سے تھا اس لیے اس کو تدبیر المنزل کا بھی مسئلہ کہا جاتا ہے اور سیاست مدن کا بھی۔ کس لیے کہ جب لوگوں پر ظلم سے باز نہ آیا اور در ماندوں کے ساتھ نیک سلوک نہ کیا تو اس سے معاشرت اور تمدن میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے اور اگر بغور دیکھئے تو تمدن اور معاشرت میں جو کچھ زنجشیں اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے انہیں دو باتوں سے ہوتی ہے۔ جس جھگڑے اور قصبے کی اصل دریافت کرو گے تو یہی دو باتیں نکلیں گی یا تو تعدی اور زیادتی ہوگی خواہ زبان سے سخت کلامی، بدخلقی، غیبت، گالی، گلوچ، جھوٹو بین یا ہاتھ پاؤں سے دوسرے کے مال یا آبرو پر حملہ ہوگا خواہ سرقہ کے طور پر یا علانیہ غضب ہوگا اور کوئی چالاکی۔ الغرض کوئی نہ کوئی تعدی و ظلم محاصمت کی بنیاد ہوگی۔ یا اپنی خوبی و منافع کا بند کرنا ہوگا۔ حقداروں کو نہ دینا، بیوی بچوں کو ترسانا، ہمسایوں، دوستوں کو محروم رکھنا خواہ مال سے خواہ کلمہ الخیر سے خواہ کسی اور مفید کوشش سے۔ پھر یہی اسباب باہمی رنج اور حسد و بغض و کینہ و عداوت کے باعث ہو جاتے ہیں اور جہاں یہ دونوں نہیں یہ فساد بھی نہ ہوں گے۔

دوسری قسم کی تہذیب اخلاق اور بھی ہے جو اس قسم اول کے بعد ضروری ہے وہ کیا اپنے مالک و خالق کے ساتھ رابطہ اور اخلاص و نیاز پیدا کرنا۔ یہ تہذیب نفس ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے۔ یہ خاص حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہے اور اس لیے اس کو حکمتِ نوامیس کہتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے کہ جس سے روح میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح عالم قدس کی طرف اس طرح دوڑتی اور اڑ کر جاتی ہے کہ جس طرح اوپر سے ڈھیلا نیچے اپنے حیز طبعی کی طرف میل کرتا ہے اور اس فن کی طرف فقراء اہل کمال کو بڑی رغبت ہوتی ہے اور جس کو اس کی لذت نصیب ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے شغلوں میں مشغول ہونا ایک جبر سمجھتا ہے۔ اسی کے لیے مرتاضین جنگلوں پہاڑوں میں گوشہ نشینی کرتے ہیں اور کیا کیا مخنتیں اٹھاتے ہیں مگر بغیر مرہدِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منزل مقصود کو نہیں پہنچتے اس کو تزکیہ نفس بھی کہتے ہیں اب اس کے دو اصول ارشاد فرماتا ہے۔ اول فویل للمصلین الذین ہم عن صلواتہم ساهون کہ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ فضا کل نماز۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہیں اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر بحسبِ قلب اور مع شرائط ہو تو روح کو ایسا جلد روشن کرتی ہے کہ پھر بندہ کو خود بخود و معاصی اور ہر قسم کی بدکاری سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر۔ پھر ایسے بد بخت جو نماز سے بے خبر ہیں افعالِ ذمیرہ مذکورہ بالا سے کس طرح باز آسکتے ہیں۔ کس لیے کہ ان میں ملکیت کا تقاضا جا کر بہیمیت و شیطانیہ کا تقاضا غالب آ جاتا ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ ہمہ تن متوجہ ہونے کا بھی حکم ہے کس لیے کہ دھلاوے اور غفلت کی اور رسمی نماز نہیں ایسا نمازی دراصل نماز سے بے خبر ہے۔ یہ تزکیہ نفس کا اول رکن ہے جو اسلام میں شجگانہ فرض ہے۔

فائدہ: نماز سے سہو جیسا کہ آیت میں ہے اور نماز میں سہو فرق رکھتا ہے۔ اول کے معنی ہیں نماز میں سستی کرنا یا بالکل ترک کرنا۔ اور شرائط

سے وقت پر نہ پڑھنا حضور دل سے ادا نہ کرنا جیسا کہ مدینہ کے منافق کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے حق میں فرمایا۔ واذاقموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یرادوا و الناس کہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہیں کرتے اور نماز میں سہواں کی کسی چیز کو بھول جانا پھر یہ کبھی استغراق کلی سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھول گئے اور بیچ کا قعدہ کئے بغیر دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے اور پھر آخر میں سجدہ سہو کیا اور اکثر اولیاء کرام کو بھی یہ پیش آیا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے بھی پیش آتا ہے مگر اس کا تذکرہ شرع میں سجدہ سہو سے کر دیا گیا ہے۔ بہر طور نماز میں سہو منافقین کی شان نہیں پیدا کرتا اور یوں انسان کو بھول چوک لگی ہوئی ہے مگر نماز سے سہوخت بات ہے۔

فائدہ: مکہ معظمہ میں جبکہ یہ سورہ نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں نماز شروع ہو گئی تھی جس پر کفار قریش مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور یہی ان کا نماز سے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہونا تھا پھر اس لیے کہ نماز سے غفلت مدینہ کے منافق کرتے تھے اس سورہ کے نصف کا نزول مدینہ میں قرار دینا بیکار تاویل ہے۔

اب تزکیہ نفس کا دوسرا اصل الاصول بیان فرماتا ہے۔ ان الذین ہم یرافون کہ خرابی ہے ان کی جو کوئی نیکی بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھانے اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلوص نیت اور توجہ الی اللہ ہر کام کے لیے ہونی چاہیے۔ ہر ایک نیک کام جس کی بنیاد خلوص پر ہوگی اس کا نیک ثمرہ دنیا و آخرت میں ہوگا ورنہ برباد ہو جائے گا۔ خلوص کے فضائل۔ خلوص عجیب چیز ہے تمام حسنات کی بنیاد یہی ہے اور جو کام خلوص سے ہوتا ہے روح میں اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد رفیع درجات کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ریا کاری کہ جس کی مذمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کے فقہوں کے سامنے بیان فرمائی ایک روحانی مرض ہے اور برائی مرض ہے اگر کوئی ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہو تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ رات بھر پیر و مرشد اور ولی اور بزرگ کہلانے کے لیے جاگتا روزے رکھتا مال خرچ کرتا دنیا کی آسائش جائز چھوڑ کر زائد بننا زائدوں کا لباس پہننا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھانا مال نمود کے لیے صرف کرنا ایک لغو حرکت ہے آخرت میں تو کچھ ثواب نہیں اس بات پر تو اس ریا کار کا دل بھی جو خلوص سے خالی ہے فتویٰ دیتا ہے اب رہی دنیا کی نیک نامی سو ایسا کون ہے جس کو سب نے مان لیا ہو پھر بھی ہزاروں برا کہنے والے ہوتے ہی ہیں اور جو کسی نے دھوکا کھا کر اچھا بھی جانا تو اس کو کیا ملا۔ صرف یہی بات کہ نفس خبیث خوش ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی جبکہ یہ جھوٹا طمع اتر جاتا ہے تو اتنا ہی رنج بھی ہوتا ہے اور سنت اللہ جاری ہے کہ وہ جھوٹے طمع کو زائل ہی کر دیتا ہے۔ بہت سے ریا کاروں کی چند روز کی چمک ظاہر ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد نیست و نابود بھی ہو گئے نام رہا نہ نشان قبروں پر گدھے کھڑے کھتے ہیں اور جو خلوص قلبی سے حسنت کرتے ہیں نہ ان کو کسی کے اچھا کہنے کی پروا نہ برا کہنے کی اور وہ سات پردوں میں بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔

خدا پاک ان کو دنیا میں قبولیت عامہ عطا کرتا ہے۔ بنی آدم کے دلوں میں میلان و محبت پھونک دیتا ہے۔ وہ دنیا میں عرصہ دراز تک نیک نامی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ مع نئے کتبہ اندر خدائی خودی۔ جو خدائے جبار و جلیل بقاء و کبریائی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو غیرت الہی اس کو مٹا ڈالتی ہے جن کی بقا اپنی ہستی مٹانے کے بعد ہوئی ہے وہ اسی کی بقاء سے ہمیشہ باقی رہا کرتے ہیں۔ ریا کار نماز میں خدا کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کو کرتے ہیں جن کو یہ سجدہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہائے ان کا معبود اصلی اہل دنیا اور دنیا ہوتی ہے اور اسی طرح جو لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور فضول خرچی میں برباد ہو جاتے ہیں آخر ان کی شہرت بھی خاک میں مل جاتی ہے۔ دو دن کے بعد اس کی فضول خرچی کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔

الغرض شہرت اور نمود نہایت بیکار چیز ہے جس سے کوئی فائدہ دینی و دنیاوی نہیں اور اس کی طلب امراض نفسانیہ میں سے بڑا سخت اور

مہلک مرض ہے۔ اس مرض اور جملہ امراض سے رسول پاک نے لوگوں کو شفا بخشی تھی اور اس نجاست سے پاک کر دیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے دیکھیں۔

اب ایک تیسرا اصل الاصول اور بیان فرماتا ہے فقال ویمنعون الماعون کہ وہ جو ماعون کو منع کرتے ہیں ان کی خرابی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو نظر تو حیدی سے محبوب ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے ماعون کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابو بکر علی و ابن عباس و ابن الحنفیہ و ابن عمر رضی اللہ عنہم و ابن مسعود بن جبیر و عمرہ و قتادہ و ضحاک رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کس لیے کہ بندگی جو تہذیب نفس اور توبہ روح کا سبب ہے اس کی دو قسم ہیں۔ اول جانی سودہ نماز ہے دوم مالی وہ زکوٰۃ ہے۔ اس لیے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر آیا۔ (۲) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ماعون وہ چیز ہے کہ جس کو عادتاً مانگنے پر روکا نہیں جاتا اور جس کو امیر و فقیر دونوں بوقت ضرورت مانگ لیا کرتے ہیں اور جو اس کو بندے وہ بدخلق اور لئیم الطبع اور دوں ہمت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کدال، پھاوڑا، ڈول، رسی، چھلنی، نمک، آگ، پانی، ہانڈی وغیرہ استعمال کی چیزیں اور ماعون فاعول کے وزن پر معن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی حقیر چیز جیسا کہ برتنے کی چیزیں۔ اور زکوٰۃ کو بھی اسی لیے ماعون کہا جاتا ہے کہ وہ کل مال کا چالیسواں حصہ ہے جو کل کی نسبت بہت ہی تھوڑا ہے بخل اور دناؤ کی ممانعت کرنا مقصود ہے جو بندے اور خالق میں حجاب اکبر ہے اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں ایسی چیزیں رہیں جو ہمسایہ کے کام آئیں۔ اور سراسر کا یہ ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع نہیں ہو سکتیں پھر جن پر تجلی انوار الہی ہے وہ اسی کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں۔ کماتال والذین آمنوا اشد حباً للہ پھر یہ محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو بھی نظر رحمت سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا کے گھر کے آدمی یعنی غلام سمجھا کرتا ہے خواہ کوئی نمک حرام اور نافرمان ہی غلام کیوں نہ ہو مگر اس کی حاجت روائی اور کار براری بھی یہ اسی محبت سے عمدہ جانتا ہے۔ اس لیے اپنی جان سے مال سے دریغ نہیں کرتا، حاجت مندوں کے لیے یہ وقف ہوتا ہے اور جس کو اس کی محبت نہیں تو اس کے دل میں دنیا کی محبت بھر جاتی ہے۔ دنیا کے اسباب معاش اس کے دل میں جگہ پائے ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی محبوب چیز کو کسی کو دینا اور اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا اور اسی کو بخل کہتے ہیں اور یہ حالت بندے اور خدا تعالیٰ میں ایک بڑا پردہ ہے۔

یہ حالت سخت ظلمت ہے مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور مرتے وقت ہر شے کی محبت اس کی جان کو عذاب الیم ہو گی اور اس لیے بخیل مرنے سے بہت ڈرتا ہے اس کی روح اس عالم کی طرف جانے کا نام سن کر لرزتی ہے۔ کس لیے کہ وہ تو اسی خیس جہان پر فریفتہ ہے اول تو دوسرے جہان کا یقین نہیں کس لیے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، کان بہرے ہیں، دیوار حائل ہے اور جو یقین بھی ہو تو وہاں کا چور ہے جاتے ڈرتا ہے..... اس جملہ ویمنعون الماعون میں بخل کی برائی بیان ہے جو تزکیہ نفس کے لیے ضروری بات ہے اسی لیے بخیل کو کبھی خدا تعالیٰ کا قرب میسر نہیں آتا۔

بہشتی نباشد بخلکم خیر

بخیل ار بود ز اہل بحر و بر

سبحان اللہ کس عمدہ ہیرا یہ میں مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور حکمت کے فنون سکھائے گئے ہیں اس قدر مختصر کلام میں یہ مضامین اور پھر الفاظ کی فصاحت، کلام کی بلاغت بڑا اعجاز ہے۔

فائدہ: سورۃ کے الفاظ میں کس شخص کا ذکر نہیں بلکہ عموماً طبائع انسانیت کے رذائل بتلائے گئے ہیں جو اس کو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں خواہ وہ ابو جہل میں ہوں خواہ ابولہب میں خواہ امیہ بن خلف میں یا عاص بن وائل میں یا مدینہ کے منافق عبداللہ بن ابی میں اور راصل ان لوگوں میں یہ رذائل موجود تھے۔ یتیم کے چھڑکنے کی بابت ابو جہل کا ایک قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فریسی جب کوئی دولت مند مرنے کو ہوتا تو اس

کے پاس جا کر کہتا کہ اپنا مال مجھے پر کر دے ورنہ تیرے بال بچے بعد میں اور وارثوں کے سبب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ اس کو دے دیا کرتا تھا پھر یہ اس کے یتیم بچوں کو صاف صاف جواب دیتا اور جھڑک کر نکال دیتا تھا۔ چنانچہ ایک یتیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میری طرف سے چل کر فرمائیے۔ آپ تشریف لے گئے اس پر وہ اور بھی برا فروختہ ہو گیا اور یتیم کو مارنے اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اس کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی جس میں ان قبائح کی برائی ہے۔

(اللہ اکبر)

سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ
الْأَبْتَرُ ۝

۱۰۸

اے پیغمبر ہم نے تجھیں بہت کچھ دیا ہے پھر اسی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو تمہارا بدخواہ ہی پس بریدہ ہے۔

ترکیب | انامبتداء اعطیناک | خبر واکاف مفعول اول لاعطینا الکوثر مفعول ثان۔ والکوثر علی وزن فعل من الکثرة وصف بہ للمبالغة فی الکثرة مثل النفل من النفل والجوهر من الجهر والعرب تسمی کل شیء کثیر فی القدر والعدد والبرکات کوثر۔ فصل الفاء لترتيب ما بعدها علی ما قبلها اول التفریع صل امر لربک متعلق بصل۔ وانحر عطف علی صل ان اسمها شانئک اسم الفاعل من الشان لان الشان فان اسم الفاعل منه شانئ لان الشان والثانی لمبغض العدو فهو فصل اوتا کید الابتور خبر ان وقيل هو مبتدأ والا ابتور خبره والجملة خبر ان الابتور فعل من البتر بمعنى القطع من الاصل۔ يقال بترت ابترة بترت اول بتر من الرجال من لا عقب له من النسل وذکر الخیر من الدواب ما لا ذنب له۔

تفسیر | یہ سورہ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل اور کلبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں مگر قتادہ اور مجاہد وکرمہ و حسن بصری کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اول قول جمہور کا ہے اور قوی تر ہے اس میں تین آیت ہیں۔

رابط۔ اس سورہ مبارکہ کو سورہ ماعون سے یہ ہے کہ سورہ ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمناً بتلایا گیا تھا کہ ایسے بھی محروم اور بد بخت بنی آدم ہیں کہ جن کو اس حکمت میں سے کچھ بھی نصیب نہیں یا بعض اقسام نصیب نہیں وہ دنیا میں آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے نہ وہاں کے لیے کچھ خیر لے گئے نہ دنیا میں زندہ نام اور یادگار چھوڑ گئے۔ یہ لوگ دراصل ابتور یعنی بے نسل اور دم بریدہ ہیں جس سے کفار مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جن پر ازلی بد بختی سوار تھی ابو جہل وغیرہ۔ اب اس سورہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جن کو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی اور ان کے سینوں سے اوروں کے لیے حکمت کی نہریں نکلی ہوئیں تا قیامت یادگار باقی رہیں گی اور ان کا دل حکمت کا حوض یاد رہے پائیاں ہے اور دراصل حکمت ہی خیر کثیر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: ومن یؤتی الحکمۃ فقد اتواخی خیراً کثیراً۔ اس میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بانصیب اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے زمانہ میں آپ اور آپ کے جانشین اور متبعین ہیں اس لیے اس سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان جملہ فنون سے فیض ہوتا بیان فرماتا ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کا فیض تا قیامت جاری رہے گا جس سے بنی آدم کے نیک لوگ آپ کو ہمیشہ نیکی سے یاد کیا کریں گے۔ واعظین اپنے منبروں پر اور مصنفین اپنی کتابوں میں ابد تک آپ کی ثناء و صفت کریں گے اور آپ کی ذریت دنیا میں پھیل گئی اور کبھی منقطع نہ ہوگی

اور ان احمقوں کے نزدیک جو سلسلہ جاری رہنے کا باعث خاص صلیبی بیٹوں پر منحصر ہے اور تیرے دو صلیبی بیٹوں کے فوت ہو جانے سے جو خد سجد الکبریٰ کے پیٹ سے تھے اور کہ میں فوت ہو گئے تھے ان کا خوش ہو کر یہ کہنا کہ چلو سلسلہ منقطع ہوا ان کے بعد کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔ اب یہ ایتر ہو گئے محض بیہودہ خیال ہے۔ دراصل یہی ایتر یعنی مقطوع السلسلہ ہیں ان کے پیشاب کے بیٹے ان کا نام زندہ رہنے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ بعض مفسرین نے خاص اسی بات کو (کہ آپ کے فرزند کے مرنے کے بعد کفار قریش نے آپ کو ایتر کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ آپ کے رنج و ملال کا باعث تھا جس کے دور کرنے کو سورہ کوثر نازل ہوئی) جب نزول قرار دیا ہے لیکن سبب نزول وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا۔

اس سورہ مبارک کی تین آیت ہیں اور ہر ایک میں اسرار و اطائف و دلالت رکھے ہیں۔ فرماتا ہے انا اعطیناک الکوشر کہ ہم نے نہ کسی اور نے تجھے جو تیری ہمیشہ سے تربیت کرتے رہے ہیں کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر کی تحقیق! کوثر فاعل کے وزن پر ہے جس کے لغت میں معنی ہیں بہت زیادہ کے۔ جس سے مراد خیر شیر یعنی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری اور نعمت اور برتری ہے اور معنی لغوی کے لحاظ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو حیرت انگیز تفسیر کی ہے جیسا کہ بخاری و ابن جریر و حاکم نے اور اسی طرح ترمذی و امام احمد و ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔

اور وہ خیر کثیر حکمت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور پھر یہ لفظ کوثر جس کے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک قسم کی خیر کثیر کو شامل ہے مفسرین نے ہر ایک خیر کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے اس لیے اس بارہ میں ان کے بندہ قول ہیں جن کو امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح و بسط سے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ ان کا یہ ہے۔ (۱) وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش پکاریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑائی سینکڑوں کوس کا ہوگا، اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ جو ایک بار پئے گا پھر عرصات میں اس کو پیاس نہ لگے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و اہل بیت لوگوں کو پلائیں گے۔ تمام اولین و آخرین پیاس کے مارے ادھر ہی دوڑتے چلے آئیں گے جو سعید ہیں اس سے فیضاب ہوں گے اور شقی محروم کئے جائیں گے۔

یہ اس حکم الہیہ کا مظہر ہے جو آپ کے دل فیض منزل میں بھری گئی تھی اور حوض دل کا مظہر حوض کوثر ہوگا جس کی وسعت کی کچھ انتہا نہ تھی پلانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو دنیا میں اس حکمت کے جام پلاتے تھے پھر جس نے دنیا میں آپ کے حوض حکمت کا جام پیادہ وہاں بھی پئے گا اور جو بد بخت یہاں محروم رہا وہاں بھی رہے گا۔ اللهم اسقنا من حوضہ یہ ہے وہ حوض کوثر کا سر جو کج فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) کوثر وہ جنت کی نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو منک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما)۔

یہ بھی اسی نہر نبیہ کا مظہر ہے جو آپ کے حوض قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی اور وہ حوض دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا۔ (۳) اولاد کی کثرت۔ سوا اولاد و قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ محمد اللہ جسمانی نسل بھی آپ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں صحیح جغرافیہ کے لحاظ سے ہر قوم سے زائد ہے حالانکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی ذریت کسی کی بھی نہ پھیلی اور دن بدن ترقی ہے اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تمام دنیا یا اکثر حصہ میں آپ ہی کی ذریت ہوگی۔ تو میں اسلام لے آئیں گی ولہ الحمد۔ (۴) علماء و اولیاء و نبیہ بھی

ایک خیر کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جس قدر اہل کمال گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحب نفس قدسی پیدا ہوا جو جس کے کرامات و کمالات انہیں کے اعجاز شاربوتے ہوں اور دراصل کمالات کی نسل یہی لوگ ہیں مثلاً کوئی خوشنویس ہے، اس کی خوشنویسی کی اولاد وہ صلیبی فرزند نہیں جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اس کا کمال نہ تھا بلکہ شاگرد رشید فرزند کمال ہے اسی طرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالات نبوت اور اس کے برکات ہوں اور یہی سر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون ہوئے علیہ السلام جو ان کے فیض نبوت کے فرزند رشید تھے حالانکہ صلیبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اکبر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین قرار پائے جن کی نسبت.....

آپ نے یہ فرمایا تھا۔ ماصبہ اللہ فی صدری صبیہ فی صدر ابی بکر کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔ یہ نسل بھی آپ کی تاقیامت باقی رہے گی۔ (۵) نبوت عظمیٰ سو یہ اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے یہ بجز آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کوئی بھی تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا نہ اس قدر برکات و انوار غیبیہ کسی کے ظاہر ہوئے نہ کسی پر سلسلہ نبوت بجز آپ کے تمام ہوا۔ (۶) قرآن مجید سو یہ بھی خیر کثیر ہے جس کے برکات کا کچھ شمار نہیں۔ (۷) کوثر دین اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں۔ (۸) وہ فضائل روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے۔ (۹) آپ کی رفعت ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی خیر کثیر ہے ہر ایک کے نصیب نہیں ہوتی۔ ہزاروں اس کی تمنا میں مر گئے۔ (۱۰) آپ کے علوم جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دیے گئے۔ (۱۱) کوثر آپ کا خلق عظیم ہے اور درحقیقت اخلاق حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ (۱۲) کوثر مقام محمود ہے جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔ (۱۳) کوثر بہ سورہ مبارکہ ہے کل تین آیت ہیں اور بے شمار مطالب کو حاوی ہے اور جس کا مقابلہ کسی عرب کے شاعر و بلیغ سے نہ ہو سکا۔ مشہور ہے کہ جاہلیت میں فصحاء و بلغاء اپنے اس کلام کو جو ان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا تقاضے لکھ کر کعبہ کے پردے پر لگا دیتے تھے۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور سب نے اپنے کلام اتار لیے۔ پھر کسی کو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ نے اس کے اوپر یہ لکھ دیا۔ ماہذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوت بشر یہ کے احاطہ سے باہر ہے اور یہ اعجاز ہے اور یہ خیر کثیر ہے۔ (۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں۔ (۱۵) کوثر وہ اعلیٰ مقام قرب ہے جس سے اوپر اور مقام بندہ کو مل نہیں سکتا۔ دراصل یہ سب اقوال اسی پہلے معنی خیر کثیر کی تفسیرات ہیں۔

فائدہ: ۱۔ انا اول لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ جو کچھ عطا ہے ہماری عطا ہے۔ اور نیز عاشق صادق کو جو کچھ فرحت معشوق کی ذات سے ہوتی ہے وہ اس کے عطیات سے نہیں ہوتی اس لیے انا فرما کر اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا۔ پھر صفات کی طرف اور یہ اعلیٰ مقام ہے اور جس کو کوثر عطا ہو اس کے مناسب ہے۔ اعطینا فرمایا اتینا نہ فرمایا کس لیے کہ دینا عام ہے خواہ کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو خواہ مفت۔ برخلاف اعطاء کے کہ وہ مفت ہوتی ہے اور کرم ہی کرم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے ہمارے فضل و عنایت سے ہے جس کا شکریہ لازم ہے۔ پھر اعطینا ماضی کا صیغہ استعمال میں آیا نہ فعلی مضارع کا تاکہ معلوم ہو کہ آپ کو دے دیا گیا نہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اور یہ بھی سمجھا جائے کہ جن چیزوں کا آئندہ ملنا ہے وہ بھی یقیناً ملیں گی گویا ایسے کریم کا وعدہ بمنزلہ دے دینے کے ہے۔ پھر خطاب میں لفظ مفرد استعمال ہوا کہ نہ فرمایا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یہ عطیہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اس میں اور کسی کا حصہ نہیں اور جو کسی کو حصہ ملتا ہے تو آپ ہی کے طفیل سے ملتا ہے بالاستقلال کچھ نہیں ملتا اور اس لیے کوئی کیسی ہی عبادت کرے ریاضت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن

نہ پکڑے وہ درگاہ حق سبحانہ سے محروم رہتا ہے کبھی کشود کا نہیں ہوتا۔ اسی لیے صد ہا جوگی فقیر جنہوں نے عمر بھر ریاضات شاقہ کی تھیں اور فتوح غیب کا دروازہ ان پر نہ کھلا تو اسلام لائے۔ پھر یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ یہ بتلانا ہے کہ برخلاف ان بد نصیبوں کے کہ جن کا ذکر سورہ ماعون میں ہوا آپ کو حکمت و انوار غیبیہ سے مالا مال کر دیا گیا اور آپ دولت کو اپنی فیاضانہ طبیعت سے لوگوں کو دیتے ہیں اور وہ نہیں لیتے بجائے شکر کرنے کے لڑتے مارتے ہیں ان کو بغل و دناءت کا وصف حاصل تھا یتیم کو جھڑکتے اور کھانے کی رغبت نہیں دلاتے اور آپ کی یہ فیاضی ہے۔ یہ نعمت کوثر ان کے اس وصف بد کے مقابلہ میں ہے۔

پھر جس طرح بکند بپ دین کا ناپاک مادہ ان میں تھا اور ان کو ویسے ہی بد افعال پر ابھارتا تھا۔ بغل و دناءت اور ناشکری ان سے سرزد ہوتی تھی اسی طرح آپ کو کوثر عطا ہے آپ کو اس کے موافق کام کرنا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ (۱) فصل لربك كه خاص اپنے رب کے لیے نہ کسی غیر کے لیے نماز پڑھیں، شکر یہ کریں اور نماز کو کوثر سے کمال مشابہت بھی ہے کس لیے کہ اس میں اپنے خالق سے مناجات و معجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور جو اس میں انوار غیبیہ چمکا کرتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید اور روشن ہیں اور دل کو جو یقین و سروس میں حاصل ہوتا ہے وہ برف سے زیادہ سرد ہے اور آداب و سنن نماز کے ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پٹریوں سے مشابہ ہیں جو حوض کوثر کے ارد گرد ہوں گے اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ہر رکن میں مقرر ہیں ان جواہرات کے آب خوردن اور پیاسوں سے مشابہ ہیں کس لیے کہ ان سے بھر بھر کر شراب محبت الہی پی جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

اور نیز یہ ان بد بختوں کے اس فعل کے مقابلہ میں ہے الذین ہم عن صلاتہم ساهون کہ وہ اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور لربك کا لفظ یراءون کے مقابلے میں ہے کہ وہ دکھا دے کو کرتے ہیں۔ آپ نماز اور ہر کار نیک اپنے رب کے لیے کیجئے۔ اور یہ بھی ہے کہ شکرانہ نعمت جان سے بھی کرنا چاہیے وہ نماز پڑھنا ہے اور مال سے بھی۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا وانحر کہ اس کے لیے قربانی بھی کیجئے جو جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اور اس سے فقراء کو نفع بھی پہنچتا ہے۔ یہ ان کے اس بغل کے مقابلہ میں ہے ویمنعون الماعون کہ وہ لوگوں کو برتنے کی چیزوں سے بھی منع کرتے ہیں جس میں کوئی حرج ان کا نہیں تھا۔

فائدہ: انحر سے مراد جمہور کے نزدیک قربانی کرنا ہے پھر عام ہے کہ حج میں ہو یا عید الضحیٰ کے روز یا عقیقہ میں جیسا کہ صل سے نماز پڑھنا عموماً مراد تھا۔ نماز فرض اور نفل اور نماز عید و نوافل سب کو شامل تھا یہ اس لیے کہ مکہ میں اس وقت نماز بھی فرض ہو چکی تھی اور نوافل بھی آپ بکثرت پڑھتے تھے اور قربانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے چلی آتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ کفار قریش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ میں تحریف کر دی تھی۔ نماز میں صرف تالیاں بجانا اور کودنا ہی رہ گیا تھا اور وہ بھی بتوں کے آگے اور اسی طرح قربانی بھی بتوں کے لیے کرنے لگے تھے اس لیے اس آیت میں انہیں دونوں اصول عبادت کی اصلاح کے لیے فرما دیا اپنے رب کے لیے نماز پڑھنا تو اعد سے جو تجھے بتائے گئے اور قربانی بھی اپنے رب کے لیے کر نہ غیر اللہ کے لیے اور اس قربانی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کر اپنی ذات کو اس کی ذات میں فنا اور محو کر دو اور یہ روحانی قربانی ہے جو خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کا حصہ ہے اور اسی طرح ان کی نماز بھی رب کے لیے ہے نہ ثواب کے لیے نہ عذاب سے بچنے کے لیے محض اس کی ذات پاک کے لیے۔

بعض علماء انحر سے مراد نماز کے متعلق افعال لیتے ہیں جیسا کہ صل سے شکر گزاری کرنا مراد لیتے تھے پھر ان کے متعدد اقوال ہیں۔

- (۱) تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ دعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا۔ (۴) جلسہ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جائے۔ واحدی فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کی اصل یہ ہے کہ غرضینے کو کہتے ہیں (غرض شکر نشن و بریدان سینہ و بر سینہ زدن و در سینہ شدن و خرد و مخر بالفتح پیش سینہ) (صراح) اونٹ کی قربانی بھی سینہ کے پاس سے یعنی اس کے حلقوم

کی جڑ سے ہوتی ہے جو سینہ سے ملا ہوتا ہے اور رفیع الیدین میں بھی سینہ تک ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے۔ مگر قربانی کرنے کے معنی اس جگہ مراد ہیں اور یہی قول قوی ہے کس لیے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا اکثر جگہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور قربانی بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے۔ دوم۔ مشرکین بتوں کے لیے نماز پڑھتے تھے، سجدہ و رکوع کرتے تھے اور انہیں کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے جیسا کہ اب مشرکین ہند بتوں کو بکرا چڑھاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں تاکید کر کے مشرکوں کو سنا دیا گیا کہ یہ فعل بد ہے۔ ہر عبادت کا مستحق حق سبحانہ ہے اور اہل توحید کا یہی دستور ہے۔ اور رفیع الیدین وغیرہ آداب صلوٰۃ تو فصل میں آگئے۔ پھر ان کے بالخصوص ذکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ سوم عبودیت کی دو ہی باتیں ہیں اول تعلیم امر اللہ دوم شفقت بر خلق خدا۔ پس فصل میں پہلی بات کی طرف اور واحد میں دوسری طرف آیا ہے۔ چہارم انحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے معنی میں مستعمل ہے اور معنی پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔

سعادت کے طریقے بیان فرما کر یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ یہ سعادت آپ ہی کے اتباع میں حاصل ہے کس لیے کہ آپ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور جو آپ سے محبت نہ رکھے بغض و عداوت رکھے وہ دین و دنیا میں ناکام ہے۔ اس لیے فرماتا ہے ان شانک ہوا لا یتراکبک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے عداوت رکھنے والا جو دراصل اللہ تعالیٰ سے عداوت و بغض رکھتا ہے وہی پس بریدہ ہے جس کا بعد میں کوئی عمل صالح دنیا میں باقی نہیں نہ اس کا کوئی نام لینے والا نہ اس کے بعد میں اس کا سلسلہ جاری ہے یعنی جمیع اقسام حسنات سے محروم ہے اور بحمد اللہ آج تک کہ تیرہ سو چودہ برس ہوئے یہ پیشین گوئی آفتاب کی طرح روشن چلی آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور توہین کرنے والے جو آپ کے عہد میں تھے کیا کیا مصیبت دیکھ کر مرے اور پیچھے نام نہ رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزندوں کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل سہمی وغیرہ کفار مکہ نے آپس میں یہ کہا تھا کہ یہ ابتر یعنی اوت نہ پوت ہے۔ حق سبحانہ اپنے حبیب کی طرف سے آپ جواب دیتا ہے کہ دراصل وہی اوت نہ پوت ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَاۤ تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ
مَاۤ اَعْبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَاۤ عٰبِدُ مَاۤ عٰبَدْتُمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ
دِیْنُکُمْ وِلٰی دِیْنِ ۝

ج

(اے پیغمبر!) کہہ دو اے کافروں تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تمہی میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کرو گے۔ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

ترکیب | یا ایہا الکافرون النادی لا اعبد الخ نداء والجملة مقولہ قولہ قل وفی حکمہ قولہ لا اعبد الخ ولا انا عابد الخ قولان الاول التکریر للتکید والمقام مقام التکید لان الکفار یطلبون منہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادۃ اصنامهم بالاصرار والثانی ان الاول للمستقبل والثانی للحال لان لا لا تدخل الاعلی المضارع بمعنی المستقبل فقوله لا اعبد الخ معناه لا اعبد فی المستقبل تطلبون منی من عبادۃ اصنامکم ولا انتم فاعلون فی المستقبل نارید منکم من عبادۃ ربی وقیل علی العکس وفی ما سوال لا یخا غیر ذی القول فلیف یصح قوله ما عابد فانه صلی اللہ علیہ وسلم یحمد اللہ تعالیٰ وهو علم العالمین والجواب منہ علی وجہین الاول ان ما مصدریۃ فی الجملة کا نہ قال لا اعبد عبادتکم ولا تعبدون عبادتی لانی الحال

ولانی الاستقبال والثانی ما یسمی الذی والحاد محذوف وقیل الاولیان بمعنی الذی والاخریان مصدر یتان دینکم مبتداء موخر لکم خبر مقدم دین اصل دینی حذف النون لتوافق رؤس الآیات وبقيت الكسرة علامة عليها۔

تفسیر ! یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حسن وکرمہ کا بھی یہی قول ہے مگر قنادہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما وضاح کہتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کی چھ آیت ہیں۔

رابط ! ربط اس سورہ کا سورہ کوثر سے یہ ہے کہ سورہ کوثر میں آپ کو بشارت دی تھی کہ آپ ہر طرح دین و دنیا میں کامیاب ہیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت و شوکت عالم غیب میں ٹھہر چکی ہے اس سے آپ کو اطمینان کلی اور ہمت دلائی تھی تاکہ دنیا بھر کے مخالفوں کی کثرت و شوکت کا کچھ بھی دل میں اثر نہ ہو اس لیے آپ کا دل قوی کر کے اس سورہ میں اس وقت کے تمام دنیا کے لوگوں کو جو کفر و بت پرستی کی اندھیرویوں میں سرگرداں تھے اور اپنے دین و ملت پر نازاں تھے اعلان عام کھلے کھلے الفاظ میں دلایا جاتا ہے کہ تم کافر ہو۔ اور میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہ کروں گا اور نہ تم میرے معبود برحق کی بلا شائبہ شرکت عبادت کرنے والے ہو۔

اور شان نزول بھی اسی مضمون کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ شان نزول یہ ہے کہ کفار قریش کی ایک جماعت نے جن میں ابو جہل و عاص بن وائل و ولید بن المغیرہ و اسود بن عبد یغوث و اسود بن عبد المطلب بھی تھے عباس رضی اللہ عنہ کی معرفت یہ کہلا کر بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی اور ان کی پرستش کی برائی کرنی چھوڑ دیں۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سرکار بنائیں اور اگر مال مقصود ہے تو مال چندہ کر کے دیں اگر عورت سے شوق ہو تو عورت جو تمام قبائل قریش میں حسین ہو وہ آپ کو دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور راہ راست اختیار کر لو۔ اس کے بعد پھر یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی کریں گے اس وجہ سے باہم تفرقہ نہ ہو گا نہ کوئی رنجش پیش آئے گی ورنہ آپ کو ہمارے معبودوں سے الگ ہو کر برا کہنے اور تو حید جاری رکھنے میں بڑی بڑی مصیبتیں دیکھنی پڑیں گی۔ اس کے جواب میں یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جس میں صاف صاف کہہ دیا کہ تم کافر ہو مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔

فرماتا ہے قل کہ اے محمد (ﷺ)! کہہ دے۔ ہر چند آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اور اسی کے فرمانے سے مگر اس جگہ اور اس کے بعد اور تین اخیر کی سورتوں میں اس لفظ قل کا ابتداء میں لانا ایک خاص رمز ہے اس جگہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے تم کو کافر نہیں کہتا نہ از خود تمہارے بتوں کی پرستش کو برا کہتا ہوں بلکہ مامور ہوں اور اس کہنے میں بے اختیار ہوں۔ پھر میرا کہنا نہ ماننا بلکہ مجھے ستانا تمہاری زیادتی اور صریح ظلم ہے ورنہ پہلے بھی تو میں تمہیں میں رہا کرتا تھا پہلے نہ کچھ کہہ دیا اس بات کو سوچ لو کہ تم مریض ہو اور میں تمہارے علاج کے لیے تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جس نے اپنی رحمت سے مجھے بھیجا ہے اور حکیم کا فرض ہے کہ جو کچھ مریض میں مرض ہو اس کو بیان کر دے، بیمار کے برا ماننے کی پروا نہ کرے تاکہ بیمار متوجہ ہو کر علاج کرائے اس لیے اس کے بعد یا ایہا القوم نہ فرمایا بلکہ یا ایہا الکافرون کے خطاب سے مخاطب کیا کہ تم کفر کے مرض مہلک میں گرفتار ہو اور بجائے ازالہ مرض کے خود حکیم کو اپنے مرض میں شریک کرنا چاہتے ہو۔ لہذا لولا اعبدا متعبدون میں ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو۔ میں خاص خالق کی عبادت کرتا ہوں اور وہی عبادت کرنے کے لائق ہے اور تم مخلوق کی عبادت کرتے ہو۔ کہیں ستاروں کی، کہیں ارواح غیر مرئیہ جن اور بھوت اور ملائکہ اور ارواح حضرات انبیاء و اولیاء کی، کہیں اجسام علوم کے نفوس کی اور کہیں اجسام و اصنام کی، کہیں عناصر کی، کہیں بنی آدم کے محترم لوگوں کی، کہیں ہوا، پانی، خاک، آگ کی، کہیں نباتات کی، کہیں حیوانات کی اور لطف یہ کہ ان چیزوں کی عبادت کا حق سبحانہ کی عبادت اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہو اور مخلوق کو خدا جانتے ہو اس لیے ان سے حاجات طلب کرتے ہو، دہائی دیتے ہو، مدد مانگتے ہو،

نذرو نیا کرتے ہو، یہ بت پرستی ہے نہ خالق پرستی۔ اور بلا شرک خاص خالق کی عبادت کو تم بیکار جانتے ہو۔ یہ بلا نہ صرف عرب میں تھی بلکہ اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، یورپ، افریقہ سب ممالک اور سب قومیں عیسائی، یہودی، پارسی، ہنود اس بلا میں گرفتار تھے اس لیے آپ نے باواز بلند کہہ دیا کہ میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا۔

مگر اے سیاہ باطنو! تم بھی تو میرے معبود برحق کی عبادت نہیں کرتے۔ فقال ولا انتم عابدون ما عبدکم تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ہو کس لیے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ہم ان اشیاء کو حجت قبلہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں اور دراصل عبادت اللہ ہی کی کرتے ہیں غلط خیال ہے۔ کس لیے کہ دراصل یہ عبادت انہیں معبودوں کی ہے نہ میرے معبود برحق کی۔ وہ اس قسم کی عبادت سے بری ہے۔

اور آئندہ بھی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اس لیے فرمایا ولا انا عابد ما عبدتم اور نہ میں آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور مجھے تو تم سے یہ توقع نہیں۔ ولا انتم عابدون ما عبدکم تم اس کی عبادت کرو جس کی میں کرتا ہوں۔ اس میں ان کفار کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تقدیر میں کفر پر مقرر ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا گیا تھا ان کو سمجھانا صرف حجت کا کام تمام کر دینا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی نسبت یہ ارشاد الہی ہو چکا ہے ختمہ اللہ علی قلوبہم کہ ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور وہ لوگ جو بالفعل کافر ہیں اور آئندہ ایمان لانے والے ہیں وہ دراصل ازلی کافر نہیں وہ تو ہزاروں ایمان لائے اور خالص اللہ کی عبادت کرنے لگے سو اس جملہ میں وہ مراد نہیں نہ اس سے پہلے جملہ میں۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ دوبار اس جملہ کا لانا محض تاکید کے لیے ہے کیونکہ وہ حضرت ﷺ سے اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں آپ ہمارے معبودوں کی کیجئے تاکہ نفع و نقصان میں برابر ہو جائیں اور بار بار اس پر اصرار کرتے تھے اس لیے دوبارہ فرمایا گیا اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ مخاطب کے حال کے موافق کلام کیا جائے جس طرح ہماری زبان میں تاکید کے لیے کہہ دیتے ہیں میں نہیں کروں گا۔ میں نہیں کروں گا لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جملہ لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما عبدکم میں حال کی نفی تھی کہ بالفعل نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور دوسرے جملہ ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما عبدکم میں استقبال کی نفی ہے کہ نہ آئندہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔ بعض کہتے ہیں اول جملہ استقبال کے لیے تھا اور یہ حال کے لیے ہے۔

جب یہ اتحاد یک لخت منقطع ہو گیا تو صاف صاف علیحدگی کی بھی خبر دے دی۔ فقال لکم دینکم تمہارے لیے تمہارا طریقہ پسند ہے کہ اسی پر چلتے ہو ولی دین اور مجھے اپنا طریقہ پسند ہے اسی پر چلوں گا اور چلتا ہوں۔

فائدہ ۱: اس زمانہ میں تمام دنیا کفر و بت پرستی کی نجاستوں سے بھری ہوئی تھی اور انسانی بدی کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں روشنی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اصول ملت بیضا ارکان طریقہ حنفیہ مٹ چکے تھے اور اہل کتاب کے مذہب میں جو کسی قدر چمک تھی اس پر بھی دنیا پرست احبار اور راہبوں نے گرد و غبار ڈال رکھا تھا ایسا دعویٰ کر دینا اور برملا اشتہار کفر جاری کر دینا نہ اس وقت کوئی ظاہری سامان نہ یا رو انصار بلکہ اپنا شہر اور خاندان ہی دشمن نہ کسی بادشاہ وقت کی مدد نہ کسی حکومت کا سہارا۔ اگر اس تاہید غیبی اور عطاے کوثر کا اثر نہیں کہ جس کا ذکر یسعیاہ علیہ السلام نے بطریق پیشین گوئی کے فرمایا ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا طلب کبھی ایسا نہیں کر سکتا وہ اگر ایک قوم کو مخالف کرتا تو دوسری کو موافق بھی بنا لیتا ہے۔ اور پھر اخیر تک آپ اس دعوے پر ایسے قائم رہے کہ دنیا کی مصائب اور قبائل کی ماردھاؤ قتل و ضرب نے کچھ بھی جنبش نہ دی یہ دلیل ہے کہ آپ مؤیدین اللہ تھے۔

فائدہ ۲: بعض علماء اس سورہ یا اس آیت لکم دینکم ولی دین کو منسوخ بتلایا کرتے ہیں بلکہ منسوخ احکم کی مثال میں پیش کیا کرتے

ہیں اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں جہاد ترک کر کے بیٹھ رہنے کا حکم ہے اور آیتِ قتال و جہاد الکفار الایہ میں ان سے جہاد کا حکم ہے کہ ان کو ان کے دین سے مجبور کر کے اسلام کی طرف لاؤ اور نہ مانیں تو قتل کر دو۔ اس لیے یہ سورہ منسوخ اور آیتِ قتال ناسخ ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے کس لیے کہ اس سورہ میں کہیں نہیں کہ کفار کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے اور لکھ دینکھ کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔ دوم: اس سورہ میں حکم نہیں بلکہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوا کرتی اور اب بھی یہی بات ہے کہ اہل اسلام کفار کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے نہ کریں گے وہ اللہ جل و علا کی خالص توحید محمدی سے عبادت کرتے ہیں کفار کو اپنا دین پسند ہے مسلمانوں کو اپنا دین پسند ہے بلکہ بوقتِ جنگ بھی یہی بات ہے پس محققین کے نزدیک یہ سورہ مکملہ ہے نسخ کا اس میں دخل بھی نہیں ہے۔

ف ۳۔ احادیثِ صحیحہ میں اس سورہ کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ از انجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن وقل هو اللہ تعدل ثلث القرآن وقل یا ایہا الکافرون تعدل ربع القرآن رواہ الترمذی۔ کہ ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے اور قل هو اللہ ثلث قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایہا الکافرون ربع قرآن کے برابر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کل قرآن میں یا ایک باتوں کا حکم ہے یا بری باتوں سے ممانعت ہے۔ اور ہر ایک کی دو دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان باتوں کا حکم ہے جو دل سے متعلق ہیں یا ان کا جو اعضاء سے متعلق ہیں اور اسی طرح ممانعت یا تو افعالِ قلبیہ سے ہے یا افعالِ جوارح سے۔ یہ چار قسم ہوئیں اور اس سورہ میں صرف ان باتوں سے ممانعت ہے جو قلوب سے متعلق ہیں اور وہ شرک ہے اور گو بظاہر عبادتِ غیر اللہ اعضاء سے بھی متعلق ہے مگر محرک دراصل دل ہے اس وجہ سے اس سورہ کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا۔

احمد و ابو داؤد و ترمذی و نسائی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوفل بن معاویہ اشجعی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا قل یا ایہا الکافرون پڑھ کر سویا کر کس لیے کہ یہ شرک سے برأت ہے یعنی دل سے پڑھنے والا شرک سے بری ہو جاتا ہے۔ اگر مر گیا تو توحید پر مرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہو تو میں تمہیں ایسا کلمہ بتلاؤں جو شرک سے بری کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا سوتے وقت قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو۔ اخرج ابو یعلیٰ والطبرانی۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں پہلی رکعت میں سج اسم ربک پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد۔ یہ سورہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور یہی جمیع عبادات کا اصل الاصول ہے۔

سورہ نصر مدینہ میں نازل (اللہ اکبر) ہوئی اور اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَآیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

جبکہ اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح کرو ستائش کے ساتھ اور اس سے معافی مانگو بے

شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ترکیب | اذا منصوبہ بجاء وقيل يسبح نصر الله مصدر مضاف الى الفاعل والمفعول محذوف ای نصره ایاک والموئینین وهذا فاعل جاء ومعناه حصل وانما عبر به بالحقى تجوز الاشعار بان نصره یقینی وقد قرب حصوله والفتح عطف علی نصر الله ورايت ان كان بمعنى اعلم لمفعول الاول الناس والثانی یدخلون وان كان بمعنى ابصرت فیدخلون حال۔ علی التقديرین افواجا حال فاعل یدخلون ای فوجا بعد فوج فسبح الخ جواب الشرط بحمد ربك فی محل النصب علی الحال ای سح الله حامدا له او متلبسا بحمده ای قل سبحان الله بحمده واستغفره عطف علی سبحه انه كان الخ تعلیل لقوله استغفره ای لان من شانه قول التوبه۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی مگر ابو یعلیٰ و بزار و بیہقی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ ایام التشریق میں بمقام منیٰ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ میرے لیے ادھر کا پیغام ہے یعنی آپ جس کام کے لیے بھیجے گئے تھے اب وہ پورا ہو چکا یا ہو چکے کو ہے۔ دنیائے دنی آپ کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اب ہماری طرف توجہ کیجئے، تسبیح کہئے اور حمد بیان کریں اور امت کے لیے استغفار کیجئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عمر رضی اللہ عنہ بدری لوگوں کے ساتھ بلایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کو برا معلوم ہوا کہ یہ بچہ ہے ہمارے ساتھ اس کو کیوں بلایا کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لیے کہ اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں پھر ایک بار مجلس میں بلایا اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان سے سوال کیا کہ اس آیت کے تم کیا معنی بیان کرتے ہو۔ اذا جاء نصر الله والفتح لوگوں نے کہا یہ کہ جب ہم کو فتح ونصرت نصیب ہو تو اس کی تسبیح کریں اور معافی مانگیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ مطلب نہیں بلکہ علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی جو آپ کو بتلائی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں (رواہ البخاری)۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے یہ کہ سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی مہینے پہلے نازل ہوئی ہے اس میں تین آیت ہیں۔

اس سورہ کو قل یا ایہا الکافرون سے یہ ربط ہے کہ سورہ کافرون میں بے دغدغہ اعلان تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور تم بت پرست کافر ہو۔ اور اس سے پہلے سورہ کوثر میں یہ مژدہ عطا ہو چکا تھا کہ آپ کو کوثر عطا ہوا ہے۔ آپ کی ذریت اور اتباع کی کثرت ہو گی۔ اب اس سورہ میں تسلی دی جاتی ہے کہ آپ اس اعلان کے بعد کفار کے غلبہ سے خوف نہ کریں گو ہر طرف وہی محیط ہیں قریش مکہ اور جمیع قبائل عرب سے یہود و نصاریٰ و مجوس تک سب آپ کے بدخواہ ہیں مگر آپ کچھ بھی پروا نہ کریں آپ کے لیے اللہ کی مدد اور فتح تیار ہے۔ ایک دن آنے والا ہے گویا آہی چکا ہے کہ آپ کا دین غالب آجائے گا، کفر کو شکست ہو جائے گی، بت پرستی منہ موڑ کر بھاگے گی اور اس کفر و بت پرستی کے حمایتی مغلوب ہو جائیں گے اور گروہ کے گروہ لوگ آپ کے دین میں داخل ہوں گے اور وہ آپ کے کام کا اخیر ہو گا تب ہماری طرف آنے کی تیاری کیجئے۔ تسبیح و تحمید اور امت کے لیے استغفار کی کثرت کیجئے۔ چنانچہ اس بشارت کے موافق واقع ہوا جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔ اس مناسبت یہ سورہ قل یا ایہا الکافرون کے بعد رکھی گئی۔

فقال اذا جاء نصر الله والفتح ورايت الناس یدخلون فی دین الله افواجا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور تم نے اے نبی علیک السلام لوگوں کو خدا کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا کہ آج ایک جماعت اسلام لائی، کل دوسری قوم اسلام لائی۔ آیت میں چار باتیں بیان فرمائیں۔ اول۔ اللہ کی نصرت کا آنا۔ دوم، فتح کا حاصل ہونا۔ سوم، لوگوں کا دین الہی میں داخل ہونا۔ چہارم، ایک ایک دو دو کا نہیں بلکہ جماعتوں کا اور قوموں کا دین میں داخل ہونا۔

نصرو فتح | اب ہم ان چاروں باتوں کی تشریح کرتے ہیں تاکہ کلام الہی کے معنی خوب طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ نصرت: تحصیل مطلوب میں اعانت (فتح) تحصیل مطلوب یعنی مقصود کا حاصل کر دینا اور نصرت کا سبب ہوتا ہے اس لیے نصرت کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ پھر اعانت عام ہے، کبھی اسباب ظاہری کے پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جیسا کہ مخالفوں پر فتح پانے میں لشکر عوان و انصار کا موجود

کردینا یا جو لشکر کو کارآمد چیزیں ہوتی ہیں ان کا موجود کر دینا، ہتھیار اور خوراک وغیرہ یا مخافوں کی مدافعت کے اسباب پیدا کر دینا، ان میں بزدلی اور ہیبت اور سوء المزاج پیدا کر دینا اسی لحاظ سے اللہ کے معاملہ میں فرمایا ہے۔ وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم۔ اور یہی حال ہے انسانی خدات کے مقابلہ میں۔ انسان جب تہذیب نفس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس ملک کے فتح کرنے کے لیے قوائے ہیمنیہ و سبعیہ و شیطانیہ کے لشکروں سے لڑنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر جو تائید غیبی ہے وہ اللہ کی طرف کی نصرت ہے اور اس کے بعد مقصود کا حاصل ہونا فتح ہے اسی طرح بدرہ قوموں کی اصلاح اور ان کے نفوس تہذیب حضرات انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد ہوتا ہے اور یہ حاصل ہونا کچھ آسان بات نہیں اس میں مدد غیبی درکار ہے۔ وہ کیا؟ لوگو! دلوں میں اس شخص کے قبولیت اور اس کی بات کا اثر پیدا کر دینا یہ نصر اللہ ہے جس کے بعد فتح ہی فتح ہے یعنی پھر جوق در جوق اور گروہ کے گروہ دین اللہ میں ایک کشش باطنی سے خود بخود داخل ہونے لگتے ہیں اور اسی کو فتح مبین بھی کہتے ہیں۔ سو یہ اسی کوثر کے عطا ہونے کا ہے۔ اور اخیر عمر میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آ رہے تھے۔ یہ بات حاصل ہونے لگی تھی اور یونانیوں مارتی پر بھی خصوصاً فتح مکہ کے بعد سے روزمرہ قبائل کے قبائل اور کبھی ان کے ایلیائی آتے اور تلقین پا کر جاتے اور سب مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے خود جماعتوں کی جماعتوں کو دین الہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا اور خدائے پاک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر آپ کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔

فتح مکہ! مفسرین نے لفظ نصر اور فتح کے وسیع معنوں کو ایک ایک بات میں محدود کیا ہے حالانکہ وہ سب کو شامل ہیں اور سب ہی مراد ہیں پس جس طرح نصرت الہی کے متعدد طریقے معلوم ہوئے اسی طرح فتح کے بھی ہیں۔ اول فتح مکہ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ عرب کے اکثر قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مگر مکہ کے لوگ ابھی تک اسی بت پرستی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر تے ہوئے تھے اور کئی بار لڑائیاں میدان میں آ کر لڑ چکے تھے۔ یہ شہر مقدس کفار کا مرکز ہو رہا تھا۔ ہجرت کے آٹھویں سال جیسا کہ بخاری میں معمر سے روایت ہے دس ہزار لشکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا جس کی بابت کتاب یسعیاء علیہ السلام کے ۴۲ باب میں پیشین گوئی ہے جس کے جملے یہ ہیں: ”دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا“ الخ۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور مسلمانہ جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ الخ اس میں اذا جاء نصر الله والفتح الخ کے مضمون کی پوری تائید ہے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اس کا رنگا دھ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا“۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی قوموں کو بلایا اور قبائل جمع ہوئے۔ دس ہزار لشکر ساتھ ہوا مکہ کے آگ امان کے طالب ہوئے، آپ نے امان دی اور سب نے ایک لخت اسلام اختیار کر لیا، کفر کا جھنڈا اکڑ گیا۔ اب عرب میں کوئی مذہبی مخالف باقی نہیں رہا۔

(۲) بعض کہتے ہیں فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو سال حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں کو رنج و ملال تھا واقع ہوئی اور جس کے بعد مسلمانوں کو فراغت ملی میرا آئی۔ (۳) جمیع فتوحات مراد ہیں جو غزوات میں پے در پے نصیب ہوئیں اور اسلامی شوکت زور پکڑتی گئی۔ فتح مکہ، خیبر، طائف، حنین وغیرہ۔ (۴) فتوحات غیبیہ علوم و اسرار ملکوتیہ جو رفتہ رفتہ آپ پر منکشف ہوتے تھے اور آخر اس کا حضرت احدیہ کا دروازہ کھل جانا اور کشف ذاتی ہے کہ پھر یہ کثرت وحدت کے ملاحظہ کے لیے کسی طرح بھی حاجب نہ ہوتی تھی اور عرفاء و کملاء ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عالم غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں تب وہاں کی چیزیں عیاں نظر آنے لگتی ہیں اور اسی عالم کے لوگوں سے موانست زیادہ ہونے لگتی ہے۔ اس عالم سے بے اعتنائی ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح اس عالم کے لوگوں کا شغل خدا پاک کی

تسبیح و تقدیس ہے اور یہی باعث راحت اور سرور و روح ہے ان لوگوں کا بھی ہو جاتا ہے اس لیے فرمایا ہے۔ فہم کہ خدا پاک کی تسبیح کیا کرو اور تسبیح بھی کسی بحمد ربک جملہ سے ملا کر سبحان اللہ و بحمدہ۔

تسبیح کی حقیقت ! واضح ہو کہ حق سبحانہ کو صفات مذمومہ سے مبرا سمجھنا عین عبودیت ہے کہ وہ فانی نہیں حادث نہیں کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں۔ الواوٹ بشریہ و کدورات امکانیہ سے پاک ہے۔ نہ وہ سوتا ہے، نہ بیمار ہوتا ہے وغیر ذلک۔ پس اس قسم کے اوصاف بد سے مبرا سمجھنا تسبیح ہے اور اس کے لیے شرع میں الفاظ مقرر ہیں سبحان اللہ وغیرہ کہنا۔

پھر یہ زبان سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی اور کبھی انسان یا ممکنات کی حالت سے بھی کہ خود بخود اس کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ خالق جمیع عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے اور اس آیت میں اسی طرح اشارہ ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولكن لا تفقهون تسبیحہم کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔

بذکرش ہرچہ بنی درخوش ست ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلشن تسبیح خوانے ست کہ ہر خارے بہ تسبیح زبانی ست

پھر اس تسبیح کے مراتب متفاوت ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ زبان سے کہنا اور اعلیٰ یہ کہ زبان اور قلب دونوں سے تسبیح کرنا اور جن جن نقصانوں سے اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے ان کے برخلاف اوصاف کمال کا اس کی ذات میں مشاہدہ کرنا اور اس مشاہدہ سے انوار کا اس کی ذات پر انعکاس پڑنا اور اس کا بھی ان نقائص سے پاکیزہ ہو جانا گوحدوث کے خصائص سے چھٹکارا مشکل ہے مگر تسبیح سے اس پر ایک ایسی تجلی پڑتی ہے کہ جس سے روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے اور آخر کار اس کے خصائص بشریہ مٹنے مٹنے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ یہ مجردات ملائکہ میں مل جاتا ہے اور پھر ان سے بھی بڑھ کر بارگاہ قدس میں جگہ پاتا ہے جیسا کہ فرمایا فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

تسبیح عارف کی حالت ابتدائی ہے کس لیے کہ پہلے آئینے یا کسی لوح کی جس پر کوئی نیارنگ جھانا ہوتا ہے تو صفائی کر لی جاتی ہے پھر رنگ یا نقش قائم کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ بندہ حادث ہے، حدوث و جسمانیت کے ہزاروں خصائص میں آلودہ ہے بہمیت کی تاریکی اس پر محیط ہے مجردات اور عالم ملکوت سے یوں بعید ہے حتیٰ کہ اس کے ادراکات میں بھی صفائی نہیں قوت و ہمیہ اپنا دخل دیے بغیر نہیں چھوڑتی جب کوئی معافی مجردہ اس کے لوح قلب پر ڈالے جاتے ہیں تو قوت و ہمیہ ضرور ان کو بھی کسی نہ کسی جسمانی قالب میں ڈھال ہی لیتی ہے اسی لیے حق سبحانہ اور ملائکہ جو جسمانیت سے پاک ہیں جب ان کا تصور کرتے ہیں تو کسی خوبصورت آدمی کی شکل میں یا اور کسی جسمانی چیز میں اور اسی لیے خواب میں جب روح دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہاں کے علوم اس پر فائض ہوتے ہیں تو قوت و ہمانیہ ان کو ہی ان کے مناسب صورت میں ڈھال لیتی ہے جن سے جدا کر کے بنانا تعبیر دینا ہے اور اسی لیے آگلی قوموں میں چونکہ بہمیت غالب تھی۔ حق سبحانہ کی عبادت بغیر کسی مجسم صورت پر دھبان دھرے کر ہی نہیں سکتے تھے اور اب بھی جن کی بہمیت غالب ہے ان پر جو کبھی تجلی ہوتی ہے تو کسی محبوب اور دلکش صورت میں۔ اور اسی لیے ان لوگوں نے بت آگے رکھ کر عبادت کا طریقہ نکالا تھا جیسا کہ خام کار اور لڑکے کا آگے رکھے بغیر کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نورانیت و ملکیت کا غلبہ ہوا اور یہ ابتدائی شتی اٹھو اے بغیر شائبہ حدوث و امکان بلا کیف اس خالق قادر کی عبادت قائم کی گئی اور عبادت میں بھی یہی اول تسبیح قائم ہوئی کہ ان کدورات و الواوٹ بشریہ سے اس کی ذات مقدس کو پاک اور مبرا سمجھا جائے۔

اس کے بعد صفات حمیدہ سے موصوف سمجھنا تا یعنی جو جو اس کے صفات کاملہ ہیں ان کا اس کی ذات پاک میں ثابت کرنا جیسا کہ وہ حی ہے، کریم ہے، باقی ہے، ازل ہے، ابدی ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، عادل ہے، رحیم ہے۔ وغیر ذلک اس کو تحمید کہتے ہیں

یعنی اس کے اوصافِ جمیدہ کے ساتھ اس کو یاد کرنا عام ہے کہ ان نعماء کا ہی ذکر ہو کہ جو اس نے بندے کو عطا فرمائیں یا نہیں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے رنگ یا نقشِ جمائے کا۔ ہر ایک صفتِ باری تعالیٰ کا جب بار بار مراقبہ کیا جاتا ہے اور تصور صحیح جمایا جاتا ہے تو ضرور روح پر اس کا پرتو پڑتا ہے اور پھر مشق کرتے کرتے نوبت دور تک پہنچ جاتی ہے لیکن روح کی استعداد و قابلیت میں فرق بھی ضرور ہے۔ بعض قابل اور مستعد ارواح کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تسبیح سے فطاری ہو جاتی ہے اور تحمید سے بقا کا پرتو پڑ جاتا ہے پھر اس میں بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اس رمز کے لیے قرآن مجید میں اور بالخصوص اس سورہ میں تسبیح کے ساتھ تحمید کا حکم دیا اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العلیٰ العظیم اکثر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دلاتے تھے۔

اور بندہ گو ہزار کوشش اس کی عبادت میں کرے مگر جیسا حق ہے ویسا ادا ہونا مشکل ہے۔ اسی لیے اعترافِ قصور بھی ایک شانِ عبودیت ہے اور نیز بارگاہِ اعلیٰ میں بندے کی عاجزی بہت پسند ہے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ بھی جملہ ارشاد فرمایا واستغفرہ کہ اپنے رب سے بخشش اور معافی مانگنا باوجود اس تسبیح و تحمید کے پھر بندہ کا عجز و انکسار کرنا اور اپنے آپ کو خطا وار سمجھ کر معافی مانگنا نہایت عبادت ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ یہ استغفار امت کے لیے ہے۔ کس لیے کہ یہ آپ کا اخیر وقت ہے اور آپ کی تکمیل انتہا کو پہنچ گئی ہے اور آپ نے اقوام کو دین الہی کی طرف بلایا ہے اب اس وقت ان کے لیے آپ کا شفیع بن کر استغفار کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے اس لیے آپ امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے اور یہ امت کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جن کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور استغفار کرے۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے تھے کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہم کو داغِ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبرؓ اس سورہ کو سن کر زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے نصرت و فتح کا مژدہ دیا اور قوموں کے جوق جوق اسلام میں آنے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے۔ بعض نے کہا یہ حضرت ﷺ کا قدیم راز دار ہے کوئی تو رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسوؤں کا سلسلہ ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری میں اور مالی مدد میں ابوبکرؓ کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو ظلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو مگر خلعتِ اسلامی کافی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جو آنے کے لیے کھڑکیاں ہیں سب بند کر دی جائیں مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رہے۔ یہ اس لیے کہ اس کو نہایت عشق ہے اور راز دار ہیں تاکہ ہر وقت صحبت اٹھانے کا موقع ملے۔ پھر جو اور لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوا اور لوگوں نے اپنا اظہارِ غم و رنج کیا تو آپ نے فرمایا کیوں غم کرتے ہو خوش نصیب ہے وہ امت جس کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور جا کر ان کے لیے تیاری کرے اور بد نصیب ہے وہ قوم کہ جن کا رسول ان میں زندہ رہے اور وہ قہر الہی سے ہلاک ہوں چنانچہ اس سورہ کے نزول کے کئی مہینے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بخاری میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد ہر نماز کے رکوع و سجود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے۔ سبحانک اللہم ربنا وبحمدک اللہم اغفر لی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ستائش کرتا ہوں اے رب بخش دے۔

اس سورہ پر عمل کرتے تھے اور بخشش اس سے اس لیے مانگ کیونکہ انہ کان تو ابادہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کو بندے کے رجوع ہونے سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ توبہ کرتا ہے تو وہ درگزر کرتا ہے بڑا ہی حلیم ہے اس کے آگے سر رکھ دینا چاہیے پھر اس کی مہربانی اور عنایت کی کیا کمی ہے۔ اللہم اتوب الیک اغفر لی ولوالدی ولجميع المسلمين۔

(اللہ اکبر)

سورہ لہب مکہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہِبٍ وَتَبَّ ۝ مَّا اَغْنٰ عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۝ سِیَصِلْ
نَارًا ذَاتَ لَہِبٍ ۝ وَامْرَاَتُہٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِہَا حَبْلٌ
مِّنْ مَّسَدٍ ۝

۱۰۸

نوٹ جائیں ابی لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ٹوٹ بھی گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور وہ اب دہشت کی آگ میں گرتا ہے اور اس کی جورو بھی۔ جو کڑیوں کا پتھر اڑھائے گلے میں سوخ کی رسی ڈالے پھرتی ہے۔

ترکیب | تبت فعل یداً اصلھا یدان سقطت النون بالاضافۃ ابی لہب مضاف الیہ والمضاف مع ما اضعیف الیہ فاعل تبت والید مونث عند العرب وابو لہب کتیبہ عبد العزی بن عبد المطلب بن ہاشم والعزی اسم صنم وهو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وكان مشہور بالکندیہ وانما اشتهر بهذا الاسم لانہ کان جمیلاً وان وجہہ کان یتنصب لہم ید حسنہ کما یتنصب بالنار۔ وتب فعل والضمیر فاعلہ یرجع الی ابی لہب عطف الجملۃ علی والتباب الخسران والحرمان من کل خیر وقیل اھلاک والتردی۔ والجملتان دعاء علیہ وقیل الاولی دعاء والثانیۃ اخبار۔ ما نافیۃ اغنی فعل عنہ متعلق بہ مالہ فاعلہ معطوف علیہ وما موصولۃ کسب صلۃ والعائد محذوف والکل معطوف وقیل ما مصدریۃ فما کسب بتاویل المصدر فاعل اغنی والجملۃ بیان لتبابہ سیصلی فعل والضمیر الراجع الی ابی لہب فاعلہ نار افعول بہ موصوف ذات لہب صفتہ وامراتہ معطوف علی الضمیر المصنوع وجاز ذلک للفتل حملۃ الحطب قراء الجھو رحلتہ بالرفع علی الخمریۃ والاعتیۃ وقرء عاصم بالنصب علی الذم او علی انہ حال من امراتہ حمل موصوف من مسد صفتہ مبتدأ مؤخر فی جیدھا خبر مقدم والجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من الضمیر فی حملۃ وقیل فی محل الرفع علی انھا خبر آخر لقولہ وامراتہ۔ الجید الحق۔ والمسد ایضا الذی تقتل منہ الجہال قیل المسد بسکون السین مصدر بمعنی القتل وبفتحہا المحور من حدید او جبل من لیف او کل جبل محکم القتل والجمع مسادوا ما کذانی القاموس لر وقیل امراتہ مبتدأ حملۃ الحطب خبرہ فی جیدہ الخ حال من الضمیر فی حملۃ۔ کذا قال ابن الصاخر۔

تفسیر | یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر وابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں اس کی پانچ آیت ہیں۔ اس کا ربط سورہ نصر سے یہ ہے کہ اس سورہ میں بتلایا گیا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں بھی آسانی حکم قبول کرنے والوں کے لیے فتح و نصرت ہے دین اور دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اسی طرح اس آسانی حکم سے سرتابی کرنے والوں اور مقابلہ اور عداوت سے پیش آنے والوں کے لیے بھی دنیا و آخرت کا خسارہ اور بربادی اور ہلاکی ہے۔ اس پہلی بشارت کا اول مستحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر مژدہ سنایا تھا۔ اذاجاء نصر اللہ والفتح کہ لو آئی مدد اور فتح اللہ کی گویا آہی گئی۔ اس سورہ میں اس خسران و بربادی کا طوق ابی لہب حضرت ﷺ کے حقیقی چچا کے گلے میں ڈال کر جملہ مخالفوں کو دکھایا جاتا ہے کہ مخالفت و عداوت کا یہ نتیجہ بد ہے جس کی طرف سورہ کوثر میں اشارہ تھا کہ آپ کو اے محمد (ﷺ)! کوثر عطا کیا اور آپ کے دشمن کو ابتر کیا۔ اسی لیے اس سورہ لہب میں اس بدبختی کا بھی حال بیان فرمانا ضرور تھا جو دین الہی کے مقابلہ اور عداوت میں ظاہر ہوئی ہے۔

شانِ نزول | اس سورہ کا بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری۔ واذر عشیرتک الاقربین تو آپ کو ہ صفا پر چڑھے اور چڑھ کر اہل سے لے کر اخیر تک کے قبائل قریش کے نام لے کر پکارا۔ اے بنی فلاں، آخر اے بنی ہاشم، اے بنی عبدالمطلب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ بھلا اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا لشکر تمہارے لیے تیار ہے شب خوں مارے گا تم مجھے سچا جانو گے۔ سب نے کہا بے شک۔ لو اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ عذاب الہی تم پر آنے والا ہے نجات کا رستہ اختیار کر لو اور اپنے بچنے کی تدبیر نکالو۔ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر خاص اپنے خاندان کی طرف جو بہت قریب تھے خطاب کیا کہ اے عباس و اے فلاں اور اے صفیہ میری پھوپھی اور اے فاطمہ میری بیٹی اس پر بھروسہ نہ کرو کہ ہم پیغمبر کے رشتہ دار ہیں میں خدا کے ملام کو نہیں بچا سکتا۔ یہ گفتگو اور وعظ سن کر ابوہلب نے جو آپ کا چچا تھا خفا ہو کر یہ کہا کہ تیرے ہاتھ نوٹ جائیں تا کہ (کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں بلایا تھا) اور یہ کہہ کر ایک پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا اور بہت کچھ گالی گلوچ بکلیں جس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اس کے نزول کا محرک ہوا جس میں مخالفین دین کا دنیاوی اور دینی انجام بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

ابوہلب عبدالمطلب کا بیٹا حضرت کا حقیقی چچا تھا اور اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ سرخ رنگ بھوسورت آدمی تھا اور اس کے چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابوہلب ہو گئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور کسی وصف کے بتانے کے لیے عرب میں ابو اور ابن اور اخ کے ساتھ منسوب کرنا ایک عام محاورہ ہے۔ مسافر کو ابن السبیل، چاند کو ابن اللیل، عربی کو اخ العرب مٹی لگے ہوئے کو ابو تراب کہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ لہب اس کا کوئی بیٹا تھا یا اس کا باپ تھا۔ اور اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا۔ حرب کی بیٹی اور ابو سفیان کی بہن معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی یزید بد بخت کی رشت کی دادی۔ ان دونوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے از حد عداوت تھی۔ ابوہلب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں منسوب تھیں وہ بھی سخت دشمن تھے۔ ام جمیل رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی کہ اندھیرے میں جیہیں اور آپ کو تکلیف ہو۔ پھر اس سورۃ کے نزول ہونے کے بعد تو قوم میں ابوہلب اور اس کی جو رو کا خاکہ اوڑھ گیا اور بھی عداوت بڑھ گئی اور اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو اور منہ پر جا کر سخت کلمات کہہ کر چھوڑ دو۔ چنانچہ عتبہ نہجاری نے آکر حضرت کے روئے مبارک پر تھوکا اور برے الفاظ سے طلاق دی۔

فرماتا ہے تبت ید ابی لہب و تب ک ابی لہب کے دونوں ہاتھ نوٹ گئے اور وہ خود بھی نوٹ گیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بد دعا کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ حق سبحانہ کسی کو دعائیں کرتا ہے بلکہ اس محاورہ میں اس پر بربادی آنے کی خبر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اس پر آنے والی تھی۔ تب محاورہ کے موافق یہ ترجمہ ہو گا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ نوٹ جائیں اور وہ خود بھی خراب ہو جائے یا یہ کہ ہو گیا محاورہ ہے بد دعا کے بعد ایسا کلمہ مستعمل ہوتا ہے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

جزی ربہ عنی عدی ابن حاتم جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا اس کو غارت کرے اور کر دیا۔

فائدہ: دونوں ہاتھ نوٹنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہری دونوں ہاتھوں کا ٹوٹنا مراد نہیں بلکہ ہاتھ یا گردن یا سر سے انسان کو تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ وہ خراب ہو جائے۔ انسان کے اندر خدا پاک نے دو قوت رکھی ہیں۔ ایک قوت نظریہ جس کے سبب چیزوں کا علم آتا ہے۔ ہر ایک چیز کو جانتا ہے، امور غیب کی تصدیق کرتا ہے، برے بھلے کاموں کا انجام سوچتا ہے، نفع و نقصان کو جانتا ہے۔ دوسری قوت عملیہ کہ جس کے سبب نیک و بد کام کرتا ہے۔ یہی دونوں قوتیں انسان کے حسنات اور سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہاتھ ہیں۔ پھر جس نے ان دونوں کو برباد کر دیا اور برے برے علم حاصل کئے، عقائد فاسدہ کو دل میں جگہ دی کہ مرنے کے بعد حساب و کتاب سزا و جزا کچھ نہیں۔ خدا

تعالیٰ کے کاروبار قدرت و صفات میں اور بھی شریک ہیں جو نفع و نقصان دے سکتے ہیں۔ نبی کوئی شخص نہیں نہ نبوت کی ضرورت ہے وغیرہ۔ اور اسی طرح قوت عملیہ کو برے کاموں میں صرف کیا، مخلوق کے ساتھ بھلائی اور رحم دلی کی جگہ ظلم کیا، عفت کی جگہ بدکاری کی۔ جن کی اطاعت کرنی چاہیے ان سے سرکشی کی، مقابلہ کیا۔ عبادت الہی کی جگہ شہوت پرستی اور تن پروری کی خیرات کی جگہ بخیلی اور کجی کی وغیرہ اس نے اپنی کمائی کے دونوں ہاتھ توڑ دیے۔ یہ بات ابولہب کو حاصل تھی اس لیے اس کے حال کی اس مغرور و بے خبر کو خبر دی جاتی اور مطلع فرمایا جاتا ہے اور اس رمز کے لیے اس کی ذات کے برباد ہونے کو دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) یہ کہ انسان کی دو محال بات ہوتی ہیں ایک موجودہ دوسری آئندہ۔ چونکہ ابولہب کی دونوں حالتیں خراب تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے خراب ہو چکے تھیں اسی لیے بطور پیشین گوئی کے دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ تجھ پر دنیا میں بھی آفت آنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا میں چند روز کے بعد اس پر افلاس شدید آیا۔ وہ یٹا کہ جس پر ناز تھا اور جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا اور گالیاں دے کر صاحبزادی کو چھوڑا تھا اور جس کے لیے آپ نے بددعا کی تھی کہ الہی اس بر تو اپنا اکٹا مسلط کر اور وہ اس بددعا سے اندیشہ بھی کرتا تھا، شام کے ملک میں جا رہا تھا یا دہل سے آ رہا تھا اور درندوں سے اپنی حفاظت بھی کرتا تھا۔ رات کو شیر آیا اور آ کر اس نے چبا کر چورا چورا کر دیا اور پھر اس بیماری میں جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں خود ابولہب مبتلا ہوا وہ مرض متعدی ہے۔ اسی لیے کوئی پاس نہیں جاتا تھا بڑی تکلیف دیکھ کر مرا چہرہ بگڑ گیا تھا دیکھنے والوں کو ہیبت آتی تھی، کتوں جیسی آوازیں نکالا کرتا تھا۔ اور پھر اس کی جو روح بھی مصیبت دیکھ کر مری، افلاس یہاں تک غالب آیا تھا کہ لکڑیوں کا گھٹا باہر سے خود لاتا۔ ایک گھٹا سر سے گر پڑا اس لیے کہ غمزہ ہو چکی تھی۔ مصائب نے کمر توڑ دی تھی اور رسی کا پھندا جو گلے میں پڑا ہوا تھا وہ کھنچا گلا ایسا گھٹا کہ ٹپ ٹپ کر مر گئی۔ غرض ستیا ناس ہو گیا مگر اللہ رحمت للعالمین کا دل ان کی اس مصیبت پر بھی رنج کھاتا تھا اور رحم آتا تھا مگر کیا ہوتا ہے قضا کا تیر چھٹ چکا تھا۔ خدا پاک کو اپنی بے نیازی کی شان دکھانی تھی کہ بھیجے کو کوثر عطا کرے اور اسی گھر میں چچا ابتر بنے جس کا کوئی نام لیوا بھی نہ رہا۔

فائدہ ۲: آیت میں اس کا نام عبدالعزیٰ نہیں لیا کنیت سے یاد کیا۔ اس کی کنی وجہ ہیں۔ (۱) یہ کہ عزلی بت کا نام تھا جس کا یہ بندہ بنا تھا ایسے مکروہ اور ناپسند نام کہ جن میں شرک کی بدبو آتی ہو عالم بالا کے نزدیک ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں۔ (۲) ابی لہب کا لفظ جس میں لہب یعنی شعلہ آتش پڑا ہوا تھا گویا ابتداء ہی سے اس کے جنمی ہونے کی خبر دے رہا تھا اس لیے اس مخوف لقب کے ساتھ یاد کیا گیا اور اس میں اہل بلاغت کے نزدیک ایک عجیب لطیفہ ہے۔ (۳) وہ ابی لہب سے مشہور تھا۔ اگر نام عبدالعزیٰ لیا جاتا تو جلد نہ سمجھا جاتا اس لیے یہ نام لیا گیا اب اس کی خرابی کی تشریح فرماتا ہے۔ وما اغنیٰ عنہ ماله وما کسب کہ نہ اس کا مال کام آئے گا نہ کمائی، عزت و شہرت جو قوم میں حاصل کی تھی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد فرماتے ہیں کمائی سے مراد اولاد ہے عرب کے محاورے میں۔ اور اسی کے مطابق ہوا بھی۔ کس لیے کہ جب انتقام الہی کا وقت آیا تو دنیا میں مال کام آیا نہ اولاد کوئی بھی اس آفت کو نہ ٹال سکا اور اسی طرح مرنے کے بعد جو عذاب دردناک پیش آیا اور قیامت میں آئے گا وہاں بھی نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نہ دنیاوی عزت و دجاہت حسب و نسب پھر جب یہ ایسی بے بنیاد چیزیں ہیں تو اتنا ابن فریبنہ: نہ اور آرت کو بول جانا اگر کتاب و خسران ازلی نہیں تو اور کیا ہے؟ اب آخرت کا حال بیان فرماتا ہے سیصلی ناراً ذات لہب کہ عنقریب وہ ایک ایسی آگ میں پڑے گا جو شعلہ مارتی ہوگی۔ یہ وہی آتش عداوت و عناد ہے جو دنیا میں شعلہ زن تھی اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وامراتہ اس کی جو روح بھی اس آگ میں گرے گی کس لیے کہ اس کے دل میں بھی آتش عداوت شعلہ زن تھی۔ شعلہ مارنے والی آگ میں مرنے کے بعد وہ دونوں گرے ہی ہیں مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روز افزوں ترقی اور اپنا تنزل

دیکھنا بھی آگ میں گرنا تھا اور پیشین گوئی کے مطابق وہ بہت جلد اس میں گرے جو رات دن جلا کرتے تھے۔

اب اس کی جو روکا حال بیان فرماتا ہے حمالة الحطب! جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔ (۲) فنی جیدھا حبل من مسد اس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اس کی بیوی کے وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں اس کو حاصل تھے۔ پھر اس تقدیر پر یا تو حقیقی معنی مراد ہیں کہ خسیس و ذلیل تھی، آپ لکڑیاں لایا کرتی تھی اور جس طرح لکڑیوں کے گلے میں رسی بندھی ہوتی ہے جبکہ وہ لکڑیوں کو جاتے ہیں اسی طرح اس کے بندھی رہتی تھی پھر ایسی خسیس و ذنی الطبع کا خیرات و صدقات میں صرف کرنا کیسا؟ یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں۔ حمالة الحطب عرب کے محاورہ میں اس عورت کو کہتے ہیں جو لگائی بھائی کرے اور چغل خوری کر کے لڑائی کرائے۔ چغل خور کو عرب کہتے ہیں فلان محطب علی فلان یہ استعارہ ہے اور فارسی میں بھی خن چین کو ہیزم کش کہتے ہیں۔ اس بد نصیب کی یہ بھی عادت تھی کہ لوگوں کو لڑا مارتی تھی اور عورتوں میں یہ عیب زیادہ ہوتا ہے۔ ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی بات ادھر لے جایا کرتی ہیں۔ یہ فقاہ و مجاہد و سدی کا قول ہے اور حقیقی معنی مراد لینے کا ابن زید و ضحاک و ربیع بن انس و مرہ ہمدانی کا قول تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ اس کی آخرت کی حالت ہے کہ جس طرح دنیا میں حضرت کے راستے میں ڈالنے کو کانٹے باندھ کر لاتی تھی اور اپنے گلے کے گلو بند پر جو بڑا قیمتی تھا ناز کرتی تھی اور کہتی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہلاک کرنے میں اس کو صرف کر دوں گی اسی طرح جہنم میں اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور وہ گلو بند ایک مستحکم رسہ بن کر گلے میں پڑا ہوگا جس سے فرشتے اس کو گھسیٹیں گے۔

گلے میں مضبوط رسی سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بہیمیت و شیطانیت کی مضبوط رسی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی جس کو پکڑ کر اس کا نفس خبیث راہ حق سے کھینچتا تھا۔ ہر کافر و مشرک کے گلے میں اس قسم کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ بدکاروں کے گلے میں شہوات کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ مجان خدا کے گلے میں محبت کی رسی ہے۔

میر دہر جا کہ خاطر خواہ دوست

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

(اللہ اکبر)

سورہ اخلاص کہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ

لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

۱۱۲

(اے نبی) کہہ دو یہ اللہ یگانہ ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

۱۔ حمالة الحطب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے گناہوں کا گٹھا اس کی پشت پر تھا اور خواہش دنیا کی رسی گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ اور حمالة الحطب میں اس کے خاندان کی تالافت کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ عورت بوقت مخصوص خاوند کو اوپر لادتی ہے اس کا خاندان ایک لکڑیوں کا پستارہ ہے جو جلانے کے قابل ہے اور فی جید ہا ل میں خاص اس کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفس بد کی یا اس تالافت خاندان کی بڑی مطیع ہے گویا اطاعت کی گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے اور رسی بھی بڑی مضبوط کھجور کے پتھوں کی۔ ۱۲ منہ

ترکیب | ہو الضمیر للشان اللہ مبتداء احد خبرہ والجملة للضمیر وهو مفعول۔ لیکن ان یرجع الضمیر الی المذکر۔ وهو الرب وعلی هذا التقدير هو مبتداء اللہ احد خبرہ والجملة خبرہ ویسکن ان یکون اللہ خبر اول احد خبر ثان ویجوز ان یکون اللہ بدل من هو او یجوز ان یکون احد خبر مبتداء محذوف۔ والفرق بین احد وواحد مشہور۔ اللہ مبتداء الصمد خبرہ لم یلد هذه الجملة وكذا ما بعدها تفسیر للصمد۔ ولم یکن اسمه احد وفي الخبر وجهان احد هما كفوا ولما متعلق بکان او حال من كفوا والثانی ان الضمیر له وكفوا حال من احدی ولم یکن له احد كفوا فلما قدم النكرة نصمها علی الحال۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے اور عطا و عکرمہ و جابر و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور قتادہ و ضحاک و سدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت کرتے ہیں مگر قوت جمہور کے قول کو ہے۔

اس سورہ کی چار آیتیں ہیں اور ربط اس سورہ کا سورہ لہب سے یہ ہے کہ ابولہب اور دیگر عمائد قریش جس بلا میں پڑے تھے وہ خدائے واحد لا شریک کو جیسا جانتا چاہیے اس کے مطابق نہ جاننے سے پڑے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہ کیسا ہے اور اس کو کیسا سمجھنا چاہیے اور نیز سورہ کافرون میں جس کی عبادت کا اقرار تھا اس کے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت اور حجت کا اتمام ہے اگر اس کو سن کر بھی یقین نہ آئے اور اس کی ذات مبارک میں باطل خیالات پیدا کرے جو محض توہمات پر مبنی ہیں تو اپنا سر کھائے اور اتر بنے، کوثر سے محروم رہے اور ابولہب والی بلا میں گرفتار ہووے اس لیے اس کے بعد سورہ کو رکھا گیا۔

اور شان نزول اس کا مجملہ یہ ہے کہ کفار قریش نے یا کسی اعرابی نے یا یہود کے علماء کعب بن اشرف و حی بن اخطب وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ تو اپنے رب کے ہم سے اوصاف بیان کرتا کہ معلوم ہو کہ وہ کیسا ہے اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ پھر اس بات کو محدثین نے مختلف الفاظ سے اور قدرے اختلاف مضامین سے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے حضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کو بیان فرمائیے تو یہ سورہ نازل ہوئی الخ اور اسی طرح ترمذی نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے اور طبرانی و بیہقی و ابونعیم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کسی اعرابی نے عرض کیا تھا کہ رب کے اوصاف بیان فرمائیے تب یہ سورہ نازل ہوئی اور بیہقی وغیرہ نے علماء یہود کے سوال پر نازل ہونا بیان کیا ہے۔

اور یہ ممکن ہے کہ اول مکہ کے قریش نے سوال کیا ہو اور سورہ نازل ہوئی اور پھر مدینہ میں آکر یہود نے یا اعرابی نے بھی یہی سوال کیا ہو اور آپ نے اس سورہ مبارکہ کو پڑھ سنایا ہو اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں کسی آیت یا سورہ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ اس تقدیر پر روایت مذکورہ بالا میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

فضائل: فضائل اس سورہ مبارکہ کے بہت کچھ ہیں یہ توحید و عقائد اسلامیہ جو ذات پاک حق سبحانہ کی بابت ہیں اور جن کو ایمان سمجھا جاتا ہے۔ بنیاد ہے وہ سب اس سورہ میں مذکور ہیں اور گویا اس بارہ میں قرآن مجید کا خاتمہ اسی پر ہے اور باقی پچھلی دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تہمتہ کے طور پر ہیں جن میں ہر ایک قسم کے شر سے جو آسانی ہو یا اس کے اسباب ظاہری بندے ہوں جو توحید و اعتقاد میں فرق ڈالنے والے شر ہیں حق سبحانہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جس میں اشارہ ہے کہ ان شرور سے بچتے رہو اور ان خطرات و دوسواں کدول میں جگہ نہ دو اور اپنے اسی اعتقاد پر دم آخر تک قائم رہو۔

امام بخاری و احمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ امام احمد و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جس نے یہ سورہ پڑھی گویا اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا۔ تہائی کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضامین قرآن مجید تین قسم کے ہیں۔ توحید و صفات باری تعالیٰ، کیفیت افعال عباد، قیامت اور وہاں کے حالات

سواس سورہ مبارکہ میں توحید و صفات پورے ہیں۔

بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ آپ نے چند شخصوں کو جہاد میں بھیجا ان کا امام نماز میں جب قرأت تمام کرتا تو قل ہو اللہ پر کرتا لوگوں نے واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا اس نے جواب دیا کہ اس میں حق سبحانہ کی صفات ہیں اس لیے میں اس کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کو خبر کر دو کہ خدا تجھ کو دوست رکھتا ہے اور بھی احادیث اس کے فضائل میں وارد ہیں۔

فقال قل کہ اے نبی کہہ دو۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ از خود نہیں فرماتے یہ اسرار کہ جن تک حکما کے عقول کو بھی برسوں کی ریاضت اور غور و فکر کے بعد بھی پوری رسائی نہیں ملہم غیب کی طرف سے ہیں۔ اس لفظ کے سننے کے بعد مخاطب کو شوق اور انتظار بھی پیدا ہوتا ہے کہ دیکھئے عالم غیب سے اس کے بعد کیا اشارہ ہوتا ہے۔ قل ہو اللہ احد کہ وہ رب کہ جس کی صفت تم بیان کرتے ہو اللہ ہے جو یکتا ہے اس کی ذات اور صفات میں یکتائی ہے۔ ذات میں اس طرح سے کہ نہ اور کوئی شریک الوہیت ہے نہ اس کی ذات کے لیے اجزاء میں نہ تحقیقی نہ تقدیری نہ ترکیبی نہ تجلیلی اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادر مطلق ہے اور کوئی نہیں وہی علیم مطلق ہے کہ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور غیب کے علوم اور اسرار اس کے سامنے حاضر ہیں اور کوئی ایسا نہیں۔ وہی رحمن و رحیم حقیقی ہے اور کوئی نہیں وہی اصلی ہے اور کوئی نہیں اور جو موجودات ہیں تو ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ مستعار ہے۔ اسی کے وجود کا پرتوا ہے وہی مستغنی ہے اور کوئی نہیں۔ الغرض وصف احدیت اسی کا حصہ ہے اسی لیے لفظ احد آیا جس کے معنی ہیں یکتا نہ واحد جس کے معنی ہیں ایک۔ احد اور واحد کا فرق: احد اور واحد میں فرق ہے جمہور کے نزدیک۔ ازہری فرماتے ہیں کہ احدیت کے ساتھ بجز حق سبحانہ کے اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا۔ رجل احد درہم احد نہیں کہتے بلکہ رجل واحد درہم واحد کہتے ہیں اور واحد احد میں داخل ہے نہ احد واحد میں۔ کس لیے کہ ایک اور یکتا میں فرق ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ایک شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو سمجھ جائے گا کہ دو کر سکتے ہیں۔ برخلاف احد کے اور اسی طرح عربی میں کہیں گے لایقادمہ احد تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسی لیے واحد ثبات کے موقع میں اور احد نفی کے موقع میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ واحد کے اوپر اثنین ہے احد پر نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے من حیث ہی ہے نہ جس میں کثرت کا لحاظ ہے نہ قلت کا نہ کسی شرط کے وجود کا نہ عدم کا یعنی حقیقت محضہ جو جمع ہے جمع صفات اور جمع شیون کا اور واحد ذات مع صفت ہے بالخصوص یکتائی کی صفت معتبر ہے اور اسی لیے اول ہو فرمایا جو ذات بحت ہے اور پھر اس کے نام کو ذکر کیا جو اللہ ہے اور اسی لیے اس کو اسم ذات کہتے ہیں اور چونکہ جمع صفات کمالیہ بھی اس میں معتبر ہیں تو اس کے بعد لفظ احد لایا گیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی صفات اس میں کثرت نہیں پیدا کرتیں اور جو کثرت بھی ہے تو محض اعتباری جو درحقیقت کثرت نہیں۔ اسی لیے اس کی احدیت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا اور اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک مقام احدیت اور مقام واحدیت میں فرق ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی زبان عرب میں ہیں صرف تخفیف کے لیے واحد کے کوہمزہ سے بدل لیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اس سورہ میں بندوں کے مراتب کا بھی ایما ہے اور دنیا پر جس قدر مذاہب باطلہ تھے یا ہیں ان کا بھی رد ہے اور اپنے صفات کا بھی اظہار ہے۔ یہ تین باتیں ہوئیں۔ اول بات کی طرف اس ایک آیت میں اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بندوں کی تین قسم ہیں اول مقربین کہ جن کی بہیمیت پر ملکیت بالکل غلبہ کر گئی اور اسی لیے بہیمیت کے ظلمانی پردے ان کی آنکھوں سے اٹھ گئے اب ان کو عالم میں کسی کی ہستی نہیں دکھائی دیتی۔ اس آفتاب حقیقی کے سامنے تمام وجودات کے ستارے مخفی ہو گئے یا یوں کہو کہ اشیاء کے تعینات پر نظر نہیں رہی پھر تو تمام اس کی ہستی اور اسی کے وجود کا دریا رواں دیکھتے ہیں۔

چو سلطان عزت علم بر کشد

جہاں سر بجیب عدم در کشد

اور اسی معنی میں عارف جائیٰ نے فرمایا ۔

بہذا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

بے نشان است کز دو نام و نشان چیزے نیست

اور بندہ کی ایسی حالت ہو جانی عقلاً ممکن ہے اور اس کی تمثیل یہ ہے کہ جب کوئی سبز یا سرخ آمینہ آنکھوں پر رکھ کر دیکھتا ہے تو باوجود یکہ اشیاء باہم متمیز ہیں مگر سب اس کو سرخ یا سبز ہی نظر آتی ہیں۔ یہ مقررین حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہیں جن میں صدیقین و شہداء بھی داخل ہیں ان کو بجز اس کے اور کی حقیقی ہستی ہی معلوم نہیں ہوتی اس لیے ان کے لیے لفظ ہو فرمایا گو یہ اشارہ مطلق ہے کوئی قید نہیں مگر جب مشارالہ معین ہے تو بجز اس کے اور کون مراد ہو سکتا ہے۔

دوم اصحاب الیمین جو صلحاء و ابرار ہیں ان کی بہیمیت کا و ملکیت کا وزن برابر ہے اس لیے ان کی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے ان پر وہ حالت طاری نہیں جو مقررین پر تھی اس لیے لفظ ہو ان کے لیے کافی نہ تھا بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق و مخلوق میں امتیاز کر دے۔ اسی لیے اس کے بعد لفظ اللہ آیا اس کے سننے سے ان پر انکشاف ہو گیا کہ جمیع جمیع صفات کمال اور الوہیت کا مستحق وہی ہے اور کوئی نہیں۔

سوم: اصحاب الشمال یعنی اشرار جن کی ملکیت پر بہیمیت غالب آگئی اور آنکھوں پر بھاری پردے پڑ گئے، عقل خدا داد کا نور زائل ہو گیا۔ قلب کے آمینہ پر زنگ لگ گیا، روح کا جو ہر بگڑ گیا۔ یہ کفار و مشرکین ہیں ان عقل کے اندھوں کے نزدیک جہاں کوئی بڑی چیز سامنے آگئی اور اس کا کرشمہ ان کے دل پر نقش ہو گیا اسی کو الوہیت میں شریک کر لیا۔ پھر کسی نے اس کو مستقل دوسرا خدا مان لیا کسی نے خدائی کا حصہ دار ٹھہرا لیا۔ آفتاب، ستارے، عناصر، اجار و اشجار و ملائکہ و بنی آدم کے ابرار و مقررین اور جن و غیبیت سب کو خدائی میں شریک کر لیا۔ ان کی مثال گدھے کے نادان بچے کی سی ہے، گائے دیکھی اس کو ماں سمجھ کر پیچھے ہو لیا۔ بیل دیکھا اس کو ماں سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ پھر کسی نے ذات حق سبحانہ کا شریک ٹھہرایا تو کسی نے صفات کا۔ ان کے لیے لفظ احدا را شاد فرمایا تاکہ اس لفظ کو سن کر ہی سمجھیں۔

دوسری بات یوں تو بہت سے باطل مذہب ہیں اور اس وقت بھی تھے مگر ان کی تقسیم یوں کر کے ضبط کر سکتے ہیں کہ یا تو وہ لوگ ہیں جو سرے سے اس کائنات کے بانی کا مستقل وجود ہی نہیں مانتے عناصر و کرات کو کہتے ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ زمین، پانی، ہوا، آتش، افلاک و سیارات اور پھر ان کی ترکیب سے حیوانات و جمادات و نباتات و موالیہ ثلاثہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ قوت جو مرکب ہونے سے ان میں آئی ہے باقی ہے اور محافظ قوت ان کی صورت ہے۔ یہ باقی ہے تو قوی بھی رہتے ہیں نہیں تو ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جز اپنی اپنی جگہ ہو کر چلا جاتا ہے اور اسی کا نام فنا ہے نہ کوئی خدا ہے نہ ملائکہ نہ غیر محسوس چیزوں کا وجود ہے نہ مرنے کے بعد حساب ہے نہ ثواب و عذاب۔ انبیاء و دیگر اچھے لوگ بندوں کی تعلیم کرنے کے لیے اور ترغیب و ترہیب کے لیے جنت و دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ یہ ایک مذہب ہے پھر اس کی بہت سی شاخیں ہیں دہریہ اور طبعیہ اور یورپ میں آج کل اپنی ملکی زبانوں کے ناموں سے مختلف القاب سے موسوم ہیں۔ حکماء یونان میں بھی ایسے بہت لوگ تھے اور دیگر ممالک میں بھی اور ہندو میں ایسے بہت گروہ ہیں یہ بلا پہلے بھی بہت پھیلی تھی اور آج کل نئی تعلیم کا زور اسی پر ہے اور ان کو شرع میں طہد بھی کہتے ہیں۔ طہدوں کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔ یا وہ اس کائنات کے بانی کا وجود مستقل مانتے ہیں اور اس کی ہستی کائنات کی ہستی سے جدا تسلیم کرتے ہیں پھر ان کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں۔ خدا، اللہ، گاؤڈ، پریشور، تنکری وغیرہ اور یہ فرقہ بہت ہے۔ اور اکثر دنیا کی آبادی میں یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسم ہیں یا تو وہ کسی آسمانی کتاب اور نبی کے قائل ہیں یا نہیں اور جو قائل ہیں ان کو متدین کہتے ہیں اور جو قائل نہیں وہ غیر متدین ہیں۔ غیر متدین لوگوں کے پھر بہت سے فریق ہیں جیسا کہ افریقہ اور ہند کے جنگلی لوگ۔ پھر جوان میں شائستہ ہیں انہوں نے از خود یا ان کے پیشواؤں اور علماء نے ان کے لیے قوانین بھی بنائے

ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں۔ میرے نزدیک اکثر ہنود کے مذاہب اور اسی طرح اہل چین و تاتار کے مذاہب اور اسی طرح مجوسیوں کا مذہب اسی قسم میں داخل ہے۔ اس فریق کے آگے بہت سے فریق ہیں مگر سب نے بانی کائنات حق سبحانہ کی ذات پاک اور اس کے صفات مقدسہ میں کائنات میں سے بڑی بڑی چیزوں کو حصہ دار ٹھہرایا ہے۔ عناصر کو اکب و احجار و اشجار اور ارواح غیر مرئیہ کو۔ ان اشیاء کو سمجھتے ہیں کہ یہ مستقل خدا تو نہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے بغیر کوئی کام بھی نہیں کر سکتا اس لیے ان کی خوشامد کرنا بھی انہیں ضرور ہوا اور پھر ان چیزوں کی پرستش اور مذہبوں کے عجائب عجائب و دستورات قانون بنائے۔ کسی نے ان کے نفوس کی پرستش کی، کسی نے ان کے اجسام کی پرستش بنائیں، پھر کسی نے صرف علویات کی پرستش پر قناعت کی۔ ستاروں اور کوکب کو پوجنا اختیار کیا، فرقہ صابیہ جو کئی جگہ مذکور ہوا اس کا یہی طریق تھا قدیم یونانی اور اہل مصر اور اہل شام و عراق کا بھی یہی مذہب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے بھی اسی طرح صدہا معبود تھے کہ جس طرح اب تک ہنود کے ہیں اور مجوس بھی اسی طرح عناصر پرستی کرتے تھے جیسا کہ اب تک کرتے ہیں۔ اب رہا فرقہ متدین جو دنیا پر تعداد میں سب سے زیادہ ہے پھر ان کے بھی اقسام ہیں۔ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر تک کے اکثر نبیوں کو مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت اور دیگر صحف انبیاء علیہم السلام کی جو ان کے پاس محرف موجود ہیں تعظیم کرتے ہیں۔ سامریہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کو مانتے ہیں وہ بھی یہود میں سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور توریت کو بھی انجیل کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ متدین فریق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا پھر ہر نبی اس طریقہ کو تقویت کرنے کو آیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو نہایت رونق دی اور اس کی بنیاد کے مستحکم پتھر رکھے۔ اس لیے اس بزرگ با خدا کی طرف سے ہر فریق متدین منسوب ہوتا ہے اور اس کو حنیفیہ کہتے ہیں۔ طریقہ حنیفیہ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا اعتقاد اور مرنے کے بعد جزاء و سزا قرار شرط ہے۔ خالص عبادت کی تاکید اگلے نبیوں اور ان کی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے۔ ناجائز افعال کے ارتکاب سے ممانعت ہے۔ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اس طریقہ کی پابندی کا دعویٰ تھا۔

مگر حنیفیت میں غیر مذاہب کے اختلاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بہت نقصان آ گیا تھا۔ یہ محل بوسیدہ ہو کر گرنے کے قریب ہو گیا تھا یہود میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ بہت سے قیامت کے نبی منکر ہو گئے تھے اور بہت میں بت پرستی رواج پا گئی تھی اور اسی طرح رومیوں اور یونانیوں اور دیگر بت پرست قوموں کے اختلاط سے عیسائیوں میں صدہا فریق ہو گئے تھے اور اب تک ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور خدائی کا تیسرا جز سمجھنے لگے اور بعض تو حضرت مریم علیہا السلام کو بھی پوجنے لگے تھے اور عرب میں بھی حنیفیت کے نشان مٹ چکے تھے عموماً بت پرستی رواج پا گئی تھی۔

آخر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عرب میں ایک ایسا نبی برپا کیا جس نے اپنی روحانی طاقت سے اس ملت حنیفیہ میں پھر جان پھونک دی اور جو کچھ اس فرقہ میں نقص پیدا ہو گئے تھے ان کو دور کر دیا۔ اور اس نبی پر یہ سورہ نازل فرمائی جس میں مجمع مذاہب باطلہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے قبائح پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اب دنیا میں اصل فرقہ حنیفیہ جو ہے وہ اسی نبی کے متبعین ہیں اور دراصل یہی لوگ حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ بزرگوں کے ماننے والے ہیں۔

اب میں فرقوں کے ابطال کی اس سورۃ کے الفاظ سے تشریح کرتا ہوں۔

ہو سے ان مخلوق اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسی قدر عقل و ادراک سے بھی بہرہ ور ہیں کس لیے کہ موجودات میں سے جب وہ

ایک چیز کو بھی غور کریں گے تو آخر یہی بول اٹھیں گے کہ وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اس کو ساکن بھی مان لو اور زمین کو اس کے ارد گرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بن گیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا ان میں نور کیوں نہیں۔ کس لیے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں پھر اس کے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے اوروں کے نور میں سردی کا کون سبب ہے۔ پھر ان کے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کو مادہ علت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے اس کے قائل ہونے کا کون سبب۔ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے اور اگر کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار ہر پھر کراس طرف آنا پڑتا ہے۔ مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس بحث کو ہم اسی قدر پر تمام کرتے ہیں اور مادی اور طبعی آج کل حکماء یورپ میں اور جو بطبی الفہم ہیں ان کے لیے لفظ اللہ خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

اب رہے وہ فرقے کہ جو خدا تعالیٰ کے وجود مستقل کے قائل ہیں اور اس کو قادر بھی مانتے ہیں مگر ساتھ ہی اور موجودات کو بھی خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ ایک نوری خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور ایک ظلمانی جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ یزدان نیک اشیاء اور نیک کام پیدا کرتا ہے اور اہرمن مضر چیزیں اور برے کام کراتا ہے اور دونوں کا باہم مقابلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ کبھی وہ غالب یہ مغلوب اور کبھی یہ غالب وہ مغلوب اور دیگر مشرکین اور اشیاء کو اس کی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ عرب فرشتوں کو اور جنوں کو خدا کے رشتہ دار اور بیٹیاں سمجھ کر کارخانہ قضاء و قدر کا مختار کل جانتے تھے۔ اسی طرح عناصر اور کوکب کو مظہر تجلی سمجھ کر ان کو قاضی الحاجات، دافع البلیات خیال کرتے تھے بلکہ ہنود اور مجوس اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر ان کی عبادت کے ہونہیں سکتی نہ اس تک ان کے وسیلہ بغیر فریاد پہنچ سکتی ہے۔ نہ نذر و نیاز اور ہنود نے حیوانات نباتات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھ رکھا ہے اور عرب کے مشرکوں اور دیگر اقوام کا بھی اسی کے قریب قریب حال تھا۔ پھر کہیں کسی دیوتا کو پانی کا، کسی کو صحت و تندرستی کا، کسی کو ارزانی کا اور کسی کو گرانی کا اور کسی کو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح و شکست کا اور کسی کو موت و حیات کا مختار سمجھ رکھا ہے اور عرب نے بھی سمجھ رکھا تھا۔ پھر ان دیوتاؤں کی صورتیں پیتل، تانبے، سونے چاندی، پتھر کی بنا رکھی تھیں اور مکانات میں رکھ چھوڑی تھیں جیسا کہ ہنود کے مندر یا بت خانے۔ پھر ان کے آگے سجدہ کرتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، نذر و نیاز پیش کرتے تھے، ناچ دکھاتے، گانے سناتے تھے، بخور جلاتے تھے، باجے بجاتے تھے اور ان مندروں کے پجاری مقرر تھے اور اسی طرح زہرہ، مشتری، آفتاب، ماہتاب وغیرہ ستاروں کے مندر بنے ہوئے تھے اور اب جس کو ان اگلے لوگوں کے حالات دریافت کرنے ہوں تو ہندوستان میں آکر ہنود کے معابد دیکھ لے۔ کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں تو کہیں مہادیو کی صورت ہے اور کہیں بشن کی اور کہیں بھیرو کی اور کہیں کالی دیوی کی تو کہیں لاٹوں والی کی تو کہیں اور کسی کی، خصوصاً شہر بنارس میں یہ تماشا خوب موجود ہے۔ ہر چند مسلمانوں کے آنے سے بہت کم ہو گیا ہے مگر پھر بھی بہت ہے۔ پھر کہیں مرد کے اعضاء تناسل کی صورت جس کو مہادیو کا لنگ کہتے ہیں ایک کھل میں کھڑا ہے جس کو پارتی زوجہ مہادیو کا اندام نہانی سمجھا جاتا ہے۔ سانپوں کا مالک و مختار گوگا پیر سمجھا جاتا ہے جو ایک مارواڑی راجپوت تھا اسی طرح اور صد ہا مکروہات ہیں۔ ہنود کا فرقہ محدث جس کا آریہ نام ہے۔ ہر چند تاویلات و ریکیہ کے ذریعے سے اس داغ بدنامی کو اپنی کتب سے منانا چاہتا ہے اور جن کتابوں سے مٹ ہی نہیں سکتا جیسا کہ اٹھارہ پوران ان کا منکر ہو گیا ہے مگر سنا تن دھرم کے پنڈت ان کی اس تدبیر کو کب چلنے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ان چیزوں کی پرستش جیسا کہ ہزار ہا سال سے مروج ہے ہمارے چاروں ویدوں اور چھوڑوں شاستروں اور اٹھارہ پرانوں کی صریح عبارات سے ثابت ہے۔ کوئی ایک آدھ جملہ نہیں جو اس کی تاویل کی جائے بلکہ بڑے بڑے چوڑے

مضامین ہیں اور ہمارے تمام ہنڈت جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے یہی مطلب سمجھتے آئے ہیں اور قدیم شراح نے یہی مطالب بیان کیے ہیں۔ پھر یہ دیکھنا ضرور اصل سنسکرت کا ماہر بھی نہ تھا نہ اس کے پورے قواعد جانتا تھا ہزاروں برسوں کے بعد کہاں کا ہنڈت پیدا ہو گیا جو ہیر پھیر کے خلاف محاورے زبان کے معنی بیان کرنے لگا۔ یہ کتابیں نہ آسمانی ہیں نہ ایک شخص کی تصنیف ہیں۔ چاروں ویدوں میں سے رگ وید اول کتاب ہی کو دیکھو کہ متعدد اشخاص کے کلام متعدد مذاق کے موافق ہیں جن کے نام بھی شراح نے ہر شکتی کے سرے پر لکھ دیے ہیں۔ نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کتابوں میں کبھی تغیر نہیں ہوا کس لیے کہ کئی بار یہ کتابیں دنیا سے معدوم ہو چکی ہیں جن کو ادھارتوں نے موجود کیا ہے۔ اگر آریہ فرقہ کو جو دیا نند جیسے بے علم کا معتقد ہے۔ نئی تعلیم اور مسلمانوں کی توحید سے یہ بت پرستی ناپسند ہے اور مذہب قدیم ان کے نزدیک سراسر جاہلانہ خیالات کا مجموعہ ہے کہ جس کو کوئی روشن دماغ قبول ہی نہیں کر سکتا اور اسی لیے وہ ہمیشہ ہندوستان ظلمت نشان کے باہر بھی نہیں نکلا تو وہ ان کتابوں اور اس مذہب کی کہاں تک مرمت کرے گا حق پسندی یہی ہے کہ صاف صاف اقرار کرے کہ باطل ہے اور مذہب اسلام کو قبول کر لے اگر اس بارہ میں قوم سے ڈرتے ہیں اور اپنی پرانی گدڑی کو گائے کر تعصب سے دو شالہ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور حب الوطن کا حق ادا کرتے ہیں تو ایمان داری نہیں پوری خیانت ہے۔ (میں ہنڈتوں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں)۔

الغرض سینکڑوں معبود ہیں ایک دو نہیں۔ اسی طرح بعض قوموں نے اور اور آلے بنائے تھے ان سب کے رد کے لیے لفظ احد آیا کس لیے کہ حق سبحانہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے کوئی اس کا کسی وصف میں شریک نہیں۔ اب اس کی توحید کے دلائل اگر میں مفصلاً بیان کروں تو ایک اور مبسوط کتاب بن جائے۔ خصوصاً ان قوموں کے لیے (جو خدا تعالیٰ کو بھی قادر جانتے ہیں مگر مخلوق کو مظاہر یا اس کے کارخانوں کا مالک و مختار جان کر پوجتی ہیں) تو لفظ احد اس غلط خیال کے مٹانے کو سیف قاطع ہے کس لیے کہ مقام احدیت میں اس کے سوائے اور کسی کا وجود بھی نہیں پھر صفات میں شرکت کیسی وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر بلید الفہم لوگوں کو اس کے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا۔ اللہ الصمد کہ اللہ بے نیاز ہے اس کو اپنے کسی کام میں کسی کی حاجت نہیں اور وہ حاجت روا اور قاضی الحاجات بھی ہے۔ پھر کون ہے جو بندوں کی حاجت براری کرے اور کسی کی مجال ہے جو اس کے آگے دم مارے۔ اس کی شانِ صمدیت نہیں چاہتی کہ اور کی عبادت کی جائے۔

الوہیت مسیح کا رد! اب فریق متدین کی خام خیالیوں کا بطلان کرتا ہے فقال لم یلد اس نے کبھی کسی کو نہیں جنا۔ تو الدو تاسل اس کی احدیت و صمدیت کے برخلاف ہے کس لیے کہ بیٹا باپ کے ہم جنس ہوا کرتا ہے۔ پھر جب دوسرا اس جیسا ہوا تو نہ احدیت رہی نہ بلحاظ صفات کے صمدیت باقی رہی۔ کس لیے کہ صمد وہی ہے کہ جس کو کسی کی حاجت نہ ہو اور سب کو اس کی طرف حاجت ہو۔ پھر بیٹا باپ کا ہم جنس جب ہی ہو گا کہ وہ بھی اس کے مانند اوصاف رکھ کر حاجت براری کرے۔ پس نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں نہ جن نہ حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں نہ حضرت عزیر علیہ السلام جیسا کہ عیسائیوں اور یہود کا خیال ہے۔ نہ خود یہود یا کوئی قوم اس کی اولاد ہے جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ نحن ابناء اللہ و احیاءہ و لم یولد اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں کس لیے کہ اگر باپ ہو تو حادث ہو جائے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کسی مشہور فریق کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا باپ ہے مگر یہ جملہ اس لیے ارشاد ہوا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کسی سے جنا گیا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس قاعدہ پر وہ جو حضرت مسیح علیہ السلام و عیسائی خدا کا بیٹا اور خدا بھی کہتے ہیں اور اب تک الوہیت مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور اسی فاسد اعتقاد کو ایمان اور موجب نجات جانتے ہیں اس کا بھی کامل رد ہو گیا۔ تثلیث کا رد: عیسائیوں کا ایک اور فاسد عقیدہ ہے وہ کیا؟ تثلیث کہ باپ خدا یعنی حق سبحانہ اور بیٹا خدا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام یا دوسرا فرشتہ یا روح اعظم خدا۔ پھر سب ایک خدا نہ تین۔ ہر چند مذکورہ بالا دلائل سے یہ عقیدہ بھی باطل ہو گیا مگر اس کی زیادہ تر تصریح کرنے کے لیے فرما دیا ولہ

یکنہ کہوا احد کہ اس کا کوئی کفوی معنی مثل بھی نہیں جب اس کا کوئی ہمسر نہیں اور احدیت و وحدیت اور کسی کو نہ جننا کسی سے جنا جانا اس کا مقتضی بھی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس پر خدا کا اطلاق کرنا ہمسرا اور کفو ثابت کرنا ہے جو بدیہی البطلان بات ہے اور عیسائی تینوں کو برابر خدا کہتے ہیں پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہمسری اور کفویت ہوگی؟

جمع مذاہب باطلہ کے عقائد فاسدہ کا کن مختصر الفاظ میں اور کس شائستہ اسلوب میں رد کیا گیا ہے؟

صفات کا ثبوت ! تیسری بات اس کے صفات کا ثبوت اور توضیح و تشریح اس کی کہ جس کے سننے کے مشرکین یا یہود مشتاق تھے اس طرح سے ہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات یا ثبوتیہ ہیں یا سلبیہ۔ پھر ثبوتیہ یا اضافیہ ہیں یا غیر اضافیہ جیسا کہ اس کا حی یعنی زندہ ہونا، ازلی ہونا، ابدی ہونا اور صفات اضافیہ کہ جن کا تعلق یا تعقل دوسری چیز سے ہے جیسا کہ اس کا قادر ہونا، عالم ہونا، سمیع و بصیر ہونا، صاحب ارادہ ہونا، خالق و رازق ہونا اور صفات سلبیہ جیسا کہ نہ جوہر ہونا نہ جسم ہونا، نہ کسی مکان و زمان میں ہونا، حدوث اور امکان کے خصائص سے مبرا ہونا، نہ کسی کا باپ ہونا نہ کسی کا بیٹا ہونا۔ پس ہو اللہ میں صفات ثبوتیہ آگئے۔ کس لیے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام کامل صفات پائے جائیں اور وہ مستحق عبادت ہو۔ ہو اس کے وجود اصلی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ اللہ اس کے حی و قیوم، سمیع و بصیر، علیم و خیر، قادر و مالک ہونے پر اور دیگر اوصاف کمال پر دال ہے۔ احد صفات سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کس لیے کہ احدیت سے مراد اس کی ذات کا منفرد اور تمام قسم کی ترکیبات سے منزہ ہونا ہے اور جب احدیت ہے تو وہ مکان اور جسم سے بھی پاک ہے کس لیے کہ مکان یعنی جگہ جسم شے کے لیے ہوتا ہے اور جو چیز جسم ہے ضرور مرکب ہے اس کے اجزا الاستجزی ہوں یا ہیولی و صورت ہوں اور ترکیب منافی احدیت ہے اور جب وہ نہ جسمانی ہے نہ مکانی تو جمع عوارض مکان و جسم بلکہ زمانہ سے بھی پاک ہے نہ اس کو مونا کہہ سکتے ہیں نہ بدلانہ لبانہ پستہ قد نہ گورانہ کالانہ بوڑھانہ جوان نہ وہ کسی میں حلول کئے ہوئے نہ کوئی اس میں۔ کس لیے کہ طول بھی مستلزم ترکیب ہے پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فلاں شخص میں گھس آیا فلاں شخص خدا کی ذات میں داخل ہو گیا محض لغو ہے اور جب وہ مجسم نہیں تو شکل و صورت سے بھی پاک ہے اور محسوس بھی نہیں اور لفظ احد اس کی یکتائی و استقلال صفات پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

اس کے بعد پھر صفات کی تشریح فرماتا ہے اللہ الصمد۔ صمد کے لغت میں دو معنی ہیں۔ اول قصد و ارادہ کرنے کے۔ اس تقدیر پر صمد بمعنی مسمود ہوگا کس لیے کہ فعل بمعنی مفعول زبان عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے، ہر کوئی اس کی طرف قصد کرتا ہے۔ دوم صمد کے معنی ہیں محسوس کے کہ اس پر کوئی تغیر نہیں آتا وہ قوی اور مستقل ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ واجب الوجود کے معنی میں ہے۔

یہ لغوی معنی کی تحقیق تھی مگر عرب عرف میں یہ لفظ بہت سے معانی میں مستعمل ہے۔ اس لیے مفسرین میں سے ہر ایک نے ایک ایک معنی اختیار کئے ہیں۔ (۱) یہ کہ وہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کس لیے کہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں۔ (۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں سردار کے جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔ (۳) اہم کہتے ہیں کہ صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔ (۴) اسدی کہتے ہیں کہ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جو ہر کام میں مقصود اصلی ہو اور اس کی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔ (۵) حسین بن فضل کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔ (۶) صمد فرد کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔ یہ سب قول اول لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور وہ سب صفات سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱) صمد بے نیاز کہ جس کو کسی کی کسی بات میں حاجت نہ ہو۔ (۲) صمد وہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالا دست نہ ہو۔ (۳) قنادر کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کھائے نہ پئے۔ (۴) صمد وہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے فنا نہ ہو۔ (۵) حسن بصری کہتے ہیں صمد وہ کہ جس کو زوال نہ ہو جیسا کہ تھا ہمیشہ ویسا ہی رہے۔ (۶) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی مرے نہ کوئی

اس کا وارث بنے۔ (۷) ایمان اور ابواما لک کہتے ہیں صدودہ جونہ بھی سوئے نہ بھولے۔ (۸) ابن کيسان کہتے ہیں صدودہ جو اور کوئی اس کے صفات سے موصوف نہ ہو۔ (۹) مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ صد بے عیب کو کہتے ہیں۔ (۱۰) ربيع بن انس کہتے ہیں صدودہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔ (۱۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں صدودہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔ (۱۲) جعفر صادق فرماتے ہیں صدودہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔ (۱۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صد کے معنی ہیں بے نیاز اور سب سے بے پروا۔ (۱۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں صدودہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔ (۱۵) صدودہ جو کسی کو نظر نہ آ سکے۔ (۱۶) ابو العالیہ کہتے ہیں صدودہ جونہ کسی کو جسنے نہ کسی نے اس کو جتنا ہو۔ (۱۷) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صد بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ (۱۸) صدودہ جو زیادتى اور نقصان سے پاک ہو۔

الغرض لفظ صد دونوں قسم کے صفات کا مجمع ہے۔ اس کے بعد بالخصوص چند اور صفات سلبیہ بیان فرماتا ہے۔ لہ یلبد کہ اس نے کسی کو نہیں جتنا یعنی وہ کسی کا باپ نہیں کیونکہ بیٹا باپ کے مثل ہوتا ہے وہ اپنا مثل بنانے سے پاک ہے اور نہ وہ جو روہرکتا ہے جس سے کسی کو جنائے اور وہ خواہش نفسانی سے پاک ہے۔ ولہ یولد اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا۔ کوئی اس کا باپ نہیں یعنی حادث نہیں قدیم ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس پر کوئی وقف نیست کا گزرا ہو۔ ولہ یکن لہ کفوا احد وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی مثل اور ہمسراور کنبہ وقبیلہ ہو۔

اس کی کسی بات میں کوئی مساوی نہیں نہ ذات میں نہ وجود میں۔ کس لیے کہ اس کا وجود ذاتی ہے برخلاف مخلوق کے کہ ان کا وجود اس کی طرف سے آیا ہے نہ اس کے علم میں کسی کو ہمسری ہے۔ کس لیے کہ اس کا علم بھی ذاتی ہے اس کی ذات منشاء علم ہے نہ اس کی قدرت میں کسی کو مساوات ہے کس لیے کہ اس کی قدرت ذاتی ہے اور کسی کو جو قدرت آتی ہے اول تو وہ محدود ہے۔ دوم اس کی طرف سے ہے۔ فائدہ: یہ سورہ حق تعالیٰ کے حماد میں ہے جیسا کہ سورہ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں تھی مگر آنحضرت ﷺ پر کفار نے بیٹا نہ ہونے سے عیب لگایا اور اتر کہا تھا برخلاف اس کے حق سبحانہ پر بیٹا ثابت کرنے سے نصاریٰ نے عیب لگایا تھا۔ پھر جس طرح وہاں آپ حق سبحانہ نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا کہ تیرا دشمن ہی اتر ہے اسی لیے اس سورہ میں لفظ قل نہیں فرمایا اس سورہ میں اپنی طرف سے اپنے نبی کو مخالفوں کو جواب دینے پر مامور کیا اور اسی لیے ابتداء میں لفظ قل استعمال ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین عرب اپنی جہالت سے آپ کے دشمن ہیں مگر یہ اہل کتاب باوجود علم و کتاب کے میرے دشمن ہیں جو مجھ پر ایسا عیب لگاتے ہیں۔

(سبحان الله عما يصفون)

(اللہ اکبر)

سورہ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثِۃِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

(اے نبی! یوں) دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے بچ سکوں اور اندھیرے کے شر سے کہ جب پھیل پڑے اور گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے۔

ترکیب | ہرب الفلق الجار متعلق باعوذ الفلق بالتحریک الصبح واصلا الشق يقال فلقت الشیء نلقا شقیقۃ والتعلیق مثله يقال فلقتۃ فانفلت وهو عام یتناول فلن الصبح من غلام الیل والحب والنباتات من الارض والماء من الجبال قال اللہ تعالیٰ فالق الاصباح وقال فالق الحب والنوی وقال فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ من شر ما خلق متعلق باعوذ۔ ما بمعنی الذی والعاذ محذوف وبجوز ان تكون مصدریہ ویکون الخلق بمعنی المخلوق وقرئ المجکور باضافۃ شرابی ما قرئ ابو حنیفہ رحمہ اللہ بتوین شر و ما علی هذا مع افعل یتاویل المصدر فی موضع الجربل من شر ای شر خلقہ۔ وقال بعضهم ما نافیۃ والمعنی من شر لم یخلقہ۔ وهذا فاسد لان النافیۃ لا یتقدم علیہا مافی چیز ہا و هذا عام وما بعدہ من الشرور الثلاثۃ تخصیص بعد العمیم۔ الفاسق اللیل والغسق الظلمۃ وهذا قول الفراء والی عبیدۃ وقال الزجاج الفاسق البار و انما سمي الیل بہ لانه ابرد من النصار۔ و قبح من القوبہ و دخول وظلامہ يقال وقبت الشمس اذا غابت۔ النفائات هذا قراءۃ المجکور وھی جمع نفاثۃ علی المبالغۃ وقرئ النفائات جمع نافیۃ والنفس الفخ والعقد جمع عقدۃ (گرہ)۔

تفسیر | حسن بصری وکرمہ و عطاء و جابر کہتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ جمہوریہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی قول قوی تر ہے اور اس میں پانچ آیت ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا ایک اختلاف مشہور ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک یہ دونوں اخیر کی سورتیں کلام الہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل تو ہیں مگر قرآن مجید کا جز نہیں بلکہ قرآن مجید قل هو اللہ پر تمام ہو گیا اور یہ دونوں سورتیں بطور تعویذ و حفاظت کے نازل ہوئی ہیں اور اسی لیے وہ ان کو اپنے قرآن میں نہیں لکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کو کلام الہی اور منزل من اللہ نہیں جانتے تھے اور جس نے ان کی نسبت یہ خیال کیا ہے یہ اس کی سخت غلط فہمی ہے۔

مگر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم ان حکم مخالف ہیں۔ سب نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو غلط ٹھہرا دیا تھا اور جمہور کے دلائل بہت سے ہیں۔ ازاںجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری و احمد و نسائی وغیرہ معتبر محدثین نے مسند صحیح نقل کیا ہے کہ زہر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان دونوں سورتوں کی بابت سوال کیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے کہا ویسا ہی میں نے کہا یعنی ان کو بھی جبرئیل لائے اور یہ بھی قرآن کا جز ہیں۔ ابی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دوسری حدیث صحیح اور ہے کہ جس کو مسلم و ترمذی و نسائی وغیرہ محدثین نے مسند صحیح نقل کیا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کی مثل اب تک میں نے نہیں دیکھی تھیں۔ قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جز قرآن سمجھتے تھے مگر الحمد کی طرح ان کو بھی اکثر پڑھا کرتے تھے اس لیے ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی اس نہ لکھنے کی وجہ سے لوگوں نے خیال کر لیا کہ وہ ان کو جز قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور بات بھی اصل یہی معلوم ہوتی ہے مگر اس بحث سے قرآن مجید میں تحریف کا شبہ پیش کرنا اور اپنے اوپر سے الزام تحریف اٹھانے کے لیے اس بحث کو دکھانا محض بے فہمی ہے اور کیونکر تحریف کا الزام قائم کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ سورتیں مصحف میں لکھی ہوئی ہیں اور سب صحابہ ان کو یاد رکھتے تھے، نماز میں پڑھتے تھے۔ اگر کسی وجہ خاص سے اپنی کتاب میں کسی نے نہیں لکھا تو کیا قرآن مجید سے خارج سمجھی جائے گی یا تردد سمجھا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

رابط | ربط اس سورۃ کا سورہ قل هو اللہ سے یہ ہے کہ انسان کی نجات کا مدار اعتقاد کی درستی پر ہے اور مرنے کے بعد یہی نور روح کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے جو اس عالم میں اس کے لیے سرور ابدی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اعتقاد کامل سورہ قل هو اللہ میں تمام و کمال بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ اعتقاد مراتب رکھتا ہے اصحاب الہدیین کا اعتقاد راسخ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے وہ کسی کے شبہ اور دنیاوی کشمکش اور اس کی مزخرفات سے

زائل نہیں ہوتا مگر اوسط اور نیچے کے طبقے کے بھی لوگ ہیں جن کو یہ اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ لفظ قل اس پر دلالت کرتا ہے۔
 عقیدہ میں خلل انداز یہ چند چیزیں ہیں۔ اول وہ امور جو ان کی بہیمیت کی تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نور عقل کو ڈھانک لیتے ہیں پھر اس موقع پر وہی رب الفلق جو ظلمات کو دور کر کے صبح کی روشنی پھیلاتا ہے اگر دیکھیں کہ نہ کرے تو توہمات کے گرداب سے بچ نہیں سکتا اس لیے ان امور سے پناہ مانگنے کا من شر ما خلق و من شر غاسق اذا وقب میں ذکر فرمایا۔ (۲) دنیا کے تجملات اور اس کے شہوات ہیں جو انسان کے مدارک و مشاعر کی گڑھوں میں ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ اس کو دیوانہ اور احمق ہی کر ڈالتے ہیں اس کے علاوہ خیالات اور صحیح اعتقاد میں تغیر پیدا کر دیے ہیں ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں ہے و من شر النفاثات فی العقد۔ (۳) مصائب اور دنیا کے مکروہات اور اعدا کا جبر اور ایذا رسانی ہے اس سے پناہ مانگنے کا ذکر من شر حاسد اذا حسد میں کیا۔ اب رہے اوسط سے نیچے درجہ کے لوگ ان کے ایمان و یقین میں جو چیزیں خلل انداز ہیں ان کا اور ان سے پناہ مانگنے کا ذکر سورہ قل اعوذ برب الناس میں ہے جن کا ذکر ہم اس کی تفسیر میں کریں گے۔

فائدہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب بندہ دل سے اس کی پناہ چاہتا ہے تو غیب سے اس کی حمایت ہوتی ہے اور نیز اس میں اشارہ ہے کہ اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہیے دل کی حالت بدلنے کوئی دیر نہیں لگتی اسی لیے اہل کمال ہر وقت لرزاں ہی رہا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے تھے اور نیز پناہ مانگنا بھی ایک عجز اور عمدہ عبادت ہے جو بندہ کے دل پر نورانی کیفیت طاری کر دینے میں عجب اثر رکھتی ہے۔
 اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ قل کہہ دواے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس لفظ کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وہ عقائد صحیحہ جو سورہ قل ہو اللہ میں بیان ہوئے میری طرف سے نہ تھے بلکہ منجانب اللہ جو آپ اس نے اپنے اوصاف بیان فرمائے کسی دلیل و برہان منطقی اور کسی کے انکشاف سے ثابت نہ تھے جن میں غلطی کا احتمال باقی رہتا اسی طرح ان اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا بھی اسی کا حکم ہے جو اس نے اپنے بندوں کی اندرونہ حالت پر نظر کر کے ارشاد فرمایا ہے اور خلق کے جملہ حالات اور ان کے تغیرات خصوصاً جزرومد انسانی کو جس قدر خالق جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اعوذ برب الفلق کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے پروردگار کی جورات کی ظلمت دور کرتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔

فائدہ: فلق کے لغوی معنی پہاڑ چیر کر نکالنے کے ہیں۔ زمین سے دانہ نکالنے میں بھی حق سبحانہ کو فائق الحب و النوی کہا گیا ہے اور رات میں سے صبح کی روشنی نکالنے پر بھی یہ لفظ اس کی نسبت بولا گیا ہے۔ فائق الاصباء اس میں اس کی قدرت و جبروت کا اظہار ہے اور ایسا ہی شخص پناہ دینے کے قابل بھی ہے اور اسی کا مرتبہ پناہ دینا اور شر سے بچانا ہے۔ یہ تھے لغوی معنی۔ پھر مفسرین کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔
 جمہور کا قول یہ ہے کہ اس جگہ فلق سے مراد صبح ہے۔ ہر چند وہ سب چیزوں کا رب ہے مگر صبح کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے۔ تاریکی کے اقسام: تاریکی کے چند اقسام ہیں: اول عدم کی تاریکی جو بڑی تاریکی ہے جس میں کچھ کسی کا نیک و بد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ تمام عالم اس تاریکی کی رات میں تھا اسی نے ہستی کی صبح پیدا کی اور مخلوق کو وجود کی روشنی میں لایا جس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ وہی نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ دوسری جہل اور بہیمیت کی سیاہی اور جب شہوات و لذات کی رات اس میں سے صبح نکالنا فطرت اور ملکیت اور روحانیت کی روشنی پیدا کر دینا ہے۔ اس رات میں سے وہی نور کی صبح پیدا کرتا ہے جس میں انسان نیک و بد اور غلط و صحیح میں امتیاز کرتا ہے اور حقائق صحیحہ پر قائم رہتا ہے۔ تیسری ظاہری رات کی سیاہی جس میں خباثت و شیطاں، چور و قراق، موزی جانور نکلتے اور اپنا شر پھیلاتے ہیں۔ وہی دامن شب سے صبح کا نکالنے والا اور ان کو دفع کرنے والا ہے۔ کاہے سے پناہ مانگنی چاہیے؟ اس کا آپ ہی بیان فرماتا ہے من شر ما خلق اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے۔ خدا تعالیٰ نے جو ہستی کا باغ

لگایا تو اس نے اس باغ میں سب قسم کے بوٹے لگائے ہیں۔ میٹھے بھی، کڑوے بھی، خاردار بھی، شہر دار بھی۔ پھر ایک مخلوق ہے دوسری کو اپنے کام میں بھی لاتی ہے۔ مثلاً تیر بھیر بکری کو کھاتا ہے۔ یہ شیر کے لیے خیر ہے اور بکری بھیر کے لیے شر۔ علیٰ ہذا القیاس یہ ہے وہ مخلوق کا شر پھر شر عام ہے روحانی ہو یا جسمانی۔ روحانی شر عقائد کا فساد بری باتوں کی طرف میلان، جسمانی شر خسارت مال و امراض، عظیمہ اعدا وغیر ذلک۔ شر کے صد ہا اقسام ہیں، سماوی ارضی، اختیاری، بلا اختیاری، دنیا کا شر، آخرت کا شر، قبر کا عذاب، جہنم کا عذاب۔ ان سب شرور سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے۔ شر بندہ کی مضرت ما خلق جو اس نے بنایا یعنی اس کی مخلوق انسان پر دنیا میں یا مرنے کے بعد جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ سب اشیاء کے ذریعہ سے پہنچتی ہے جو اس کی مخلوق ہے۔ سانپ نے ڈس لیا، آگ نے جلایا، غذا نے فساد پیدا کیا یہ سب شر ہیں بندہ کے حق میں مگر بالخصوص ان تین شرور سے تو ضرور ہی پناہ مانگنی چاہیے جو بڑے شر ہیں۔ (۱) و من شر غاسق اذا وقب اندھیری کے شر سے جبکہ پھیل جائے۔ اول تو رات کی اندھیری ہے جو محسوس ہے اور اسی لیے اکثر مفسرین نے غاسق سے مراد اندھیری رات لی ہے۔ اندھیری رات میں موذی اور درندے جانور نکلتے ہیں ان سے اذیت پہنچتی ہے اور چور و قزاق بھی نکلتے ہیں۔ لوگوں کو شر پہنچاتے ہیں۔ جن و خباثت نکلتے ہیں کس لیے کہ نور سے ان کو نفرت ہے کیونکہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ ان سے بھی بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ دوسری بھیمیت اور قوائے شیطانیہ کی اندھیری ہے معاذ اللہ جب یہ آکر گھیر لیتی ہے تو پھر شر ہی شر ہے اس میں غصہ ہے تو وہ ہے جو نہیں کرنا تھا وہ کر دیتا ہے۔ طمع ہے تو وہ ہے جو دام میں پھنسا کر دارین کے قید خانہ میں قیدی کر دیتی ہے اور شہوت وہ بلا ہے کہ الہی توبہ۔ پھر اراک و شعور میں بھی فرق آ جاتا ہے اچھے کام برے اور برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں وہ نور عقل و ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ تیسری حجابات روحانیہ کی اندھیری ہے جو اصلان محبوب پر طاری ہو جاتی ہے اور ان کو مشاہدہ سے محروم کر دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر ان کے لیے کیا شر ہے جو شر محض ہے ان سب شرور سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے جو ان سب اندھیروں کو دور کر کے روشنی نکالتا ہے اور خدا کے صفات میں سے بالخصوص رب الفلق کو ان شرور سے پناہ مانگنے میں ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

(۲) و من شر النفاثات فی العقد گر ہوں میں پھونکنے والیوں کی شر سے بھی پناہ مانگنا چاہیے۔ نفث لغت میں پھونکنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں۔ نفاثات نفاث کی جمع ہے اور بعض قراء نے نفاثات بھی پڑھا ہے۔ وہ نفاث کی جمع ہے نفاثہ وہ عورت جو بہت پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہو اور تاگے میں گر ہیں لگاتی ہو جس کو جادو گرئی کہتے ہیں۔

سحر کے اثر پر بحث! مفسرین کا ایک گروہ ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے کہ جادو گر نیاں جو جادو کرتے وقت پھونک پھونک کرتا گے میں گر ہیں لگاتی ہیں ان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سحر میں اثر ہے جیسا کہ نظر میں ہے اور اس کا صد ہا بار لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ خدا پاک سے پناہ مانگنی چاہیے کہ ان کے جادو کا اثر نہ چلے ورنہ آدمی کو دیوانہ کر دیتی ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کا فی نفسہ تو کوئی اثر نہیں نہ عقل سلیم اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ البتہ قوت و ہمیہ میں ایک اثر ضرور پیدا ہوتا ہے جب جادو گر پھونک پھونک کرتا گوں میں لگاتے ہیں تو قوت متوہمہ اس سے منفعل ہوتی ہے اور یہ وہم قوی ہوتا جاتا ہے کہ جادو گر کا اثر مجھ پر ہوا پھر آئندہ جو کچھ افعال طبعیہ یا محنت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ اس وہم کے سبب سے ہوتا ہے اور وہم کی مضرت کی صد ہا مثالیں اور بہت سی سچی حکایتیں ہیں۔ نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کے بیمار کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ تم نے جو آنخوڑے سے سوتے سے اٹھ کر پانی پیا اس میں سانپ کا چھوٹا سا بچہ تھا میں نے دیکھا تھا۔ میں اور کام میں مصروف ہو گئی اس کو مارنے کی افسوس تم پی گئے اب وہ پیٹ میں بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ الغرض ایسا خیال پکڑا کہ اب جو پیٹ میں ریاخ سے قراقرہ ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ سانپ کا بچہ پھرتا ہے نوبت یہاں تک پہنچی کہ نحیف و ضعیف ہوتا گیا ہلاکت تک پہنچ گیا۔ ہر چند علاج کئے جاتے تھے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس راز سے ایک اور عورت بھی واقف تھی۔ اس نے لڑکے کے

والد سے کہا کہ اس کا علاج میرے ہاتھ میں ہے اور فوراً تندرست ہو جائے گا۔ اس نے بیمار سے کہا کہ میں اپنے منتر کے زور سے اس کو تیرے پیٹ سے نکال دوں گی۔ ہر روز آکر کچھ بڑبڑاتی اور اس پر دم کر جاتی ایک روز ایک سانپ کا بچہ بھی مخفی طور پر ساتھ لے آئی مریض سو رہا تھا کہ اس کو اس کے پانجامہ میں آہستہ سے چھوڑ دیا۔ اس کے کانے کا اندیشہ نہ تھا دانت توڑ دیے تھے، زہر کی ٹلی نکال دی تھی اور فوراً لڑکے کو بیدار کیا کہ دیکھ کیا ہے اس نے کوئی چیز پانجامہ میں پھرتی دیکھی گھبرا کا پانجامہ اتار پھینکا تو اس میں سانپ تھا۔ اس عورت نے کہا دیکھ یہی تو تیرے پیٹ میں تھا جو نکل گیا بیمار کو یقین آ گیا وہ خیال جاتا رہا۔ یوں فوراً تندرست ہوتا گیا۔ اس قسم کے بہت سے شعبہ دے دیکھنے میں آئے ہیں اور عمل مسریم کی تو ایسی پر بنیاد ہے اور قوت وہیہ ہر ایک شخص میں ہے، خواہ نیک ہو یا بد مگر زیادہ مادہ کم علموں میں ہوتا ہے خصوصاً لڑکوں اور عورتوں میں۔ اس لیے ان پر وہم کی زیادہ فسوس گری چل جاتی ہے اور اسی طرح جاہل اور ناشائستہ اقوام کا حال ہے اور انہیں لوگوں میں سحر جھاڑے منتر کا زیادہ چرچا بھی ہوتا ہے۔ پھر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی فسونگری کو عقل سلیم دفع کر دیا کرے۔ وہم و خیال فاسد اپنا سکھ نہ جمانے پائے۔ وہم کی ظلمت طاری نہ ہونے پائے اور اسی لیے رب الفلق سے پناہ مانگی جاتی ہے کہ اے رب! تو روشنی کی صبح وہم کی رات سے نکالتا ہے مجھے وہم کے اندھیروں سے محفوظ رکھو۔

فائدہ: جادوگر تو مرد بھی ہوتے ہیں نفاثات جمع مونث کے صیغہ لانے کی کیا وجہ؟ جمہور کے قول پر تو یہ وجہ ہے کہ بیشتر جادوگری بسبب کم عقلی اور دناغت طبع کے انہیں میں ہوئی ہے اور جو کوئی مرد ہو کر بھی یہ کام کرتا ہے تو وہ بھی نامرد عورت ہے اور عورتوں کی جماعت میں داخل ہے۔ (۲) بعض فرماتے ہیں کہ نفاثات سے مراد نفوس ہیں سو وہ عرب کی زبان میں مونث ہیں تب یہ معنی ہوئے کہ نفوسِ انسانیہ کے اثر بد سے جو لوگوں کے دلوں میں پھونکتے ہیں پناہ مانگو۔ (۳) بعض کہتے ہیں جماعتیں مراد ہیں۔ اور جماعت کو صیغہ مونث سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ (۴) نفاثات سے عورتیں مراد نہیں بلکہ اس قسم کے اور الفاظ قرآن مجید میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ ذاریات و ناشطات جس سے مراد خباثت ہیں جو انسان کے دل و دماغ و جگر وغیرہ اعضاء میں جن کو اصل اور استحکام کے لحاظ سے عقد کے ساتھ استعارہ کے طور پر تعبیر کیا ہے اپنا اثر بد پھونکتے اور سکھ جماتے ہیں۔

ابو مسلم نفاثات فی العقد کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد عورتیں ہیں مگر ان کی جادوگری اور گرہوں میں پھونکنے سے ظاہری تاگوں میں پھونکنے مراد نہیں بلکہ مردوں کے ارادوں اور ان کی مستحکم راؤں میں (جن کو بطور استعارہ کے گرہوں سے تعبیر کیا جاتا ہے کسی بات پر قوی ارادہ کرنے کو کہتے ہیں گرہ باندھ لی) تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور نفث استعارہ ہے ڈھیلا کر دینے سے کس لیے کہ جب گرہ کو کھولنا ہوتا ہے تو اس میں ذرا تھوک لگاتے ہیں کہ نرم ہو کر کھل جائے۔

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ عورتوں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے جو مردوں کی ہمتوں اور مستحکم ارادوں کو کمر کی پھونک مار کر ڈھیلا کر دیتی ہیں اور حقیقت میں عورت کی طرف مرد کو ایک طبعی کشش ہے۔ پھر یہ مردوں پر وہ فسونگری کرتی ہیں کہ ایک قصد کو توڑ کر دوسری طرف لگا دیتی ہے۔ عورت کے جادو سے خدا کی پناہ! اس کے بنائے سینکڑوں عاقل و فرزانہ دیوانہ بن گئے۔ عقائدِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ ترک کر دیے۔ اس جادو کی تاثیر کے تو معتزلہ اور حکماءِ فرنگ بھی قائل ہیں۔ یہ شر بھی بڑا شر ہے اور اسی لیے قرآن مجید میں ایک جگہ یوں آیا ہے زین للناس حب الشهوات الخ النساء الخ اور پھر یہ بھی فرما دیا ہے ان من ازواجکم و اولادکم عدواً لکم فاحذروہم کہ تمہارے زن و فرزندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں ان سے بچتے رہا کرو۔

الحاصل یہ دوسرا شر کہ جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے حب الشهوات و لذات کا شر ہے جس کا جادو انسان کے دل و دماغ اور باطن قوتوں پر چلتا ہے اور یہ گرہیں ہیں ان میں وہ ایسا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں کہ سب ڈھیلے ہو جاتے ہیں مگر وہ رب الفلق کو جو یا ہی میں سے روشنی

نکالتا ہے اگر اپنی پناہ میں لے لے اور تائید کرے اور قوائے بھیمہ کی تاریکی میں سے صبح نورِ فطرت پیدا کر دے تو کچھ بھی غم نہیں۔

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم گر تو بامائی نباشد بیچ غم

آنحضرت ﷺ پر سحر ہوا تھا یا نہیں! اس آیت میں یا اور کسی آیت میں اس بات کا ذکر تک بھی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نے سحر کیا تھا یا نہیں اور کیا تھا تو کس نے اور کب کیا تھا اور اس کا کیا اثر ہوا تھا؟

یہ ساری بحث ایک بالائی بات ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل روایت کہتے ہیں کہ مدینہ میں لبید بن اعصم یہودی نے اپنی بیٹیوں سے حضرت پر جادو کرایا تھا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک پر کچھ پڑھ کر اور ایک تاجے میں گرہیں لگا کر ایک کنوئیں میں جو خشک تھا جس کو ذروان کہتے تھے رکھوا دیا تھا۔ اس نفاثات فی العقد میں اس کی لڑکیوں کی طرف اشارہ بتاتے ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے تھے۔ دو روز یہ حالت رہی تھی پھر جبریل علیہ السلام نے مطلع کیا تو حضرت علی و طلحہ رضی اللہ عنہما گئے اور اس کنوئیں میں سے وہ تاجا گاد اور بال نکال لائے جوں جوں اس کی گرہیں کھلتی جاتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام ہوتا جاتا تھا۔

مگر معتزلہ اور بالخصوص قاضی وغیرہ ان روایت کا صاف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط اور بے اصل روایات ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کی راہ سے مسحور کہتے تھے یعنی جادو کیا گیا۔ اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو پھر ان کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت پہنچے۔ کس لیے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمک من الناس کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے؟

فریق سابق کہتا ہے کہ وہ مسحور بمعنی مجنون کہتے تھے یعنی جادو سے کسی نے ان کو دیوانہ کر دیا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل و ہوش میں کچھ فرق نہ آئے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا اور یہ سحر اس قسم کا نہ تھا اور لوگوں سے محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ تجھے کوئی قتل نہ کر سکے گا جیسا کہ کفار ارادہ کرتے تھے یہ نہیں کہ کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا بھی نہ پہنچے گی۔ کس لیے کہ احد کی لڑائی میں دندان مبارک شہید ہوئے، خیبر میں یہودیہ نے بکری میں ملا کر زہر دیا جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیہ کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جانا اور وہ بھی چند روزہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے؟

اور سحر کا اثر نمایاں ہو جانا منافی شانِ نبوت نہیں۔ کس لیے کہ یہ بحیثیت بشریت اثر نمودار ہوتا تھا اور کھانے پینے، سونے وغیرہ خواص بشریہ میں آپ بھی شریک بشر ہیں اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار جو آپ کو جادو گر کہتے تھے ان کا گمان غلط کرنا تھا۔ کس لیے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادو گر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

تعویذ باندھنے اور دم کرانے کا کیا حکم ہے؟ تعویذ لکھ کر باندھنا یا کوئی کلام پڑھ کر دم کرنا دفعِ مرض کے لیے شرعاً کیسا ہے؟ علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ (بعض کہتے ہیں نہیں کرنا چاہیے کس لیے کہ مشرکین اور یہود کا دستور ہے جس کی مذمت اس آیت سے ثابت ہے اور نیز احادیث صحیحہ میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سے ستر ہزار شخص بلا حساب جنت میں جائیں گے ہم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربہم یتوکلون۔ متفق علیہ کہ جو وہ نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ فال و شگن لیتے ہیں اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ زینب جو عبد اللہ بن مسعود کی بیوی تھیں کہتی ہیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرے گلے میں تاجا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا ہے یہ؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا یہ تاجا پڑا ہوا ہے (گنڈا) تب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر توڑ ڈالا اور کہا تم میرے گھروالے شرک سے بے نیاز ہو۔ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھاڑ اور تعویذ

اور ٹوٹکا شرک ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات ۱ کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا شیطانی کام ہے (رواہ ابو داؤد) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے داغ دلوا یا ۲ جھڑوایا وہ توکل سے دور ہو گیا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو حمزہ سے تھی میں نے کہا آپ تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کچھ تعویذ گنڈا لٹکائے گا تو اسی کے حوالے ۳ کیا جائے گا خدا تعالیٰ ہی کا توکل بس ہے۔

(۲) اکثر اہل علم کا قول ہے کہ تعویذ یا جھاڑنے میں بشرطیکہ کلمات شرک نہ ہوں اور اس میں بھی دوا کی طرح خدا کی عطا کی ہوئی تاثیر سمجھتا ہو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ جو احادیث مذکورہ بالا میں ممانعت مذکور ہے یا تو ان تعویذ اور گنڈوں اور منتروں کی بابت ہے کہ جن کو جاہلیت میں مشرکین عمل میں لاتے تھے اور ان میں غیر اللہ سے استمداد و استعانت تھی اور یا ان خاص لوگوں کے لیے حکم تھا کہ جن کی توکل میں شان بلند تھی اور عوام کے لیے ممنوع نہیں اور حق سبحانہ نے جس طرح دوا میں عطا کی ہے اسی طرح اس میں بھی دی ہے انکار کرنا مکابرہ ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس وغیرہ ادعیہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور صحابہ نے بھی ایسا کیا ہے اور کلمات مبارکہ بھی لکھ کر تعویذ کے طور پر باندھے ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سی احادیث ہیں جن کے نقل کرنے کی حاجت نہیں اور جو کوئی توکل کرے تو ادلی ہے۔

اب تیسری شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرماتا ہے جو وہ بھی بڑا ہی شر ہے فقال ومن شر حاسد اذا حسد۔ اور کہہ کہ میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔

حسد کا بیان ۱ حسد دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے برباد کرنے کی کوشش کرنا اور طرح طرح کے حیلے اور تدابیر عمل میں لانا۔ اور غبطہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر اپنے لیے بھی اس کی آرزو کرنا بغیر اس کے کہ اس کا برباد کرنا چاہتا ہو اس لیے حسد حرام ہے اور غبطہ جائز ہے۔ دنیا میں جس قدر شر ہیں دو ہی قسم کے ہیں۔ اول وہ جو بغیر ارادہ اور کسی خاص کاوش کے پیش آتے ہیں جیسا کہ اتفاقاً آگ میں جل جانا، پانی میں غرق ہو جانا۔ دوم وہ کہ ارادہ و اختیار سے سرزد ہوں جیسا کہ قتل، لوٹ، چوری وغیرہ اور یہ شر جو بالارادہ سرزد ہوتا ہے حتی المقدور نہ بچنے کی راہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور بالارادہ جس قدر شر ہیں ان کی بنیاد حسد پر ہے۔ حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لیے اپنی خرابی اور بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لیے یہ شر بڑا اثر ہے۔

اس لیے حکماء نے فرمایا ہے کہ یہ وہ مرض جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد جلتا ہے۔ پہلا گناہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا آپ بھی برباد ہوا مگر حضرت کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ قاتیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقیقی بھی برباد کی اور اس مظلوم کو بھی قتل کیا۔

اس کے شر سے خدا محفوظ رکھے۔ یہ بدنصیب انسان کے خیالات بھی بدل ڈالتا ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادر مطلق اس کی مصرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفت بد سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ دل

۱ اکثر عامل جنوں کو حاضر کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ ۱۲

۲ عرب میں مرض کا علاج داغ بھی تھا اس سے منع فرمایا کہ ناحق شکل بگاڑتا ہے اور کیا کوئی دوائیں۔ ۱۲

۳ حمزہ حائے مہملہ سے سرخ رنگ کے دانے نمودار ہو جانا ایک مرض پیچیدگی کے اقسام سے ہے جس کو سرخ بادا کہتے ہیں۔ ۱۲

۴ یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت دور ہو کر اب وہ تعویذ گنڈا ہی اس کا کارساز رہ گیا جو بغیر حکم الہی کچھ نہیں کر سکتا۔ ۱۲

میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر وہ سعادت جو پہلے تعلیم ہوئی تھی برباد ہو جاتی ہے۔ یہود باوجود یکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے سعادت سے محروم رہ گئے۔ حاسد کو کوئی سعادت نصیب نہیں ہوتی اس کا دل ملعون ہو جاتا ہے۔

فائدہ: بعض عارفین اس سورۃ کی اس طرح سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں الوہیت کی شان بیان فرمادی تو اب مخلوقات کے مراتب کی شرح کرتا ہے اس لیے کہ ظلماتِ عدم طاری تھے اور اس کے شر میں سب غرق تھے اس لیے اس نے ان عدم کی اندھیروں کو پھاڑ کر نور وجود نکالا اس لیے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق کہہ مجھے اس کی پناہ ہے جو اندھیروں کو پھاڑ کر ہستی کے نور میں لایا اور ممکنات پیدا کئے۔ پھر ممکنات کی دو قسم ۱۔ ہیں۔ ایک عالم بالا جس کو عالم امر کہتے ہیں۔ ارواح و ملائکہ۔ وہاں خیر ہی خیر ہے شر نہیں۔ دوسرا عالم خلق یعنی عالم محسوس جس میں شر بھی اور خیر بھی اس لیے اس کے بعد فرمایا من شر ما خلق کہ عالم خلق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرو اس سے پناہ مانگو۔ پھر عالم خلق یا علویات ہیں یا سفلیات ہیں۔ علویات میں بھی چنداں شر نہیں لیکن سفلیات میں جمادات، نباتات، حیوانات تین ایسی قسم ہیں کہ جن میں شر ہے کہ کس لیے کہ جمادات میں تو کوئی قوتِ نفسانیہ نہیں وہ تو شر ہی شر ہے کس لیے کہ عدم ظلمت ہے۔ اس لیے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر کرتا ہے فقال من شر عاقس اذ اوقب اور نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ ایسی ہے جو اس کو طول و عرض و عمق میں بڑھاتی ہے اور یہی اس کی گرہ ہیں جن میں وہ قوتِ نباتیہ پھونکتی ہے پھر نباتات کے شر ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس کے بعد ان کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا۔ ومن شر النفاثات فی العقد پھر حیوان میں تو اے حیوانیہ ہیں حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنیہ اور بالخصوص شہوت اور غصہ اور طمع اور یہ سب کے سب روح کو عالم غیب کی طرف متوجہ ہونے اور جلالِ الہی میں مشغول ہونے سے حاسد بن کر روکتے ہیں اس لیے ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں آیا ومن شر حاسد اذا حسد۔

اب عالم سفلی میں انسان ہی باقی رہا اس لیے اس کے مراتب کا ذکر سورۃ قل اعوذ برب الناس میں کیا کبیر۔

فائدہ: واضح ہو کہ اس سورۃ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو اجمالاً جملہ شرور سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی اور پناہ بھی کس سے مانگے رب الفلق سے جو اندھیروں میں سے روشنی نکالنے کا رب ہے اس کے بعد تین شر کو بالخصوص ذکر کیا تعلیم کے بعد تخصیص کے طور پر اور وہ تین شریہ ہیں۔ (۱) اندھیرے کا شر جبکہ پھیل پڑے خواہ رات کا اندھیرا ہو جس میں موزی چیزیں نکلتی ہیں خواہ قوتِ ہیمنیہ کا اندھیرا جبکہ نور عقل پر چھا جائے اور انسان کو اندھا کر دے۔ (۲) گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کا شر عام ہے کہ تاگے کی گرہوں پر جادو متر پڑے کہ پھونک مارتا ہو جیسا کہ ڈانسی اور جادو گرنیاں کیا کرتی ہیں یا انسانی مدارک و مشاعر دل و دماغ کو اپنے حسن و جمال کے منتر سے بیکار کرنے والی عورتیں ہوں یا عورتوں کے سوا وہ شہوات و لذات ہوں جو انسان کے دل و دماغ کی گرہوں کو اپنے منتر سے ڈھیلا کر دیتی اور منجھوٹ بنا دیتی ہیں۔ (۳) حاسد کا شر خواہ کوئی انسان ہو یا اسی کے اندر کا نفسِ امارہ ہو جبکہ روح پر حسد کر کے اس کی ترقی کو مٹانا چاہیے۔ الغرض یہ تینوں شر ایسے ہیں کہ جن میں ظلمت ہے اول شر میں تو ظلمت ظاہر ہے دوسرے میں بھی ظلمت ہے۔ جادو گر نیوں کے جادو سے بھی نور عقل پر قوتِ متوہمہ کی ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور اسی طرح حسین عورتوں کے ناز و کرشمہ بھی ہیمنیت کی ظلمت پھیلا دیتے ہیں اور شہوات کی ظلمت تو اندھا ہی کر دیتی ہے۔ تیسرے شر میں بھی ظلمت ہے کس لیے کہ نفسِ امارہ کا حسد جب روح کے مقابلہ میں زور کرتا ہے تو ظلمات کا تلاطم ہونے لگتا ہے اور اسی طرح کوئی انسانی حاسد بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اندھیر ہی مچا دیتا ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے اور خود اس کے اندر تو ظلمات کے دھوئیں اٹھتے ہیں پھر ان تینوں شرور سے جو ظلمات تھے پناہ مانگنے میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق ہی مناسب تھی یعنی رب النور۔

پس ان ظلمات پر اس رب النور ہی کی مدد اور پناہ کافی ہے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ اپنے نور کی تجلی ڈالے اور وہ اندھیرا دور ہو جائے یہ کمال بلاغت ہے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرکی بنیاد ظلمت پر ہے اور خیر کی نور پر۔ اس لیے رب الفلق کا اس صفت کے ساتھ یاد کرنا اور اس سے پناہ مانگنا نور پیدا کر دیتا ہے اور اس خاصیت کا جو چاہئے تجربہ کر دیکھے۔

اعوذ برب الفلق من شر ما خلق
(اللہ اکبر)

سورہ الناس مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝

الْخَنَاسِ ۝ الَّذِیْ یُوسِّسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ۝

اے نبی یوں کہا کرو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی۔ اس خطرہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی بدی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو۔

ترکیب: ۱۔ قل اعوذ قراء الجھور بالھمزہ قری مجذفھا نقل حرکتھا الی اللام برب الناس متعلق باعوذ ملک الناس عطف بیان لرب الناس قرء مجھور ملک الناس باسقاط الالف فی ملک والملك بکسر اللام السلطان القاہر۔ الہ الناس ایضاً عطف بیان من شر الواسواس متعلق باعوذ وهو المستعاذ منه۔ الواسواس بفتح الواو عند القراء اسم بمعنى الموسوس وبکسر ہا مصدر رای الوسوسۃ کا لزلزل بمعنی الزلزلۃ والوسوسۃ حدیث انفس یقال ویسوس الیہ نفسہ ووسوسۃ ای حدیثہ حدیثاً واصلاھا الصوت الخفی ومنہ الواسواس للصوت الخفی۔ الخناس نعت لہ۔ مبالغۃ من الخنس وهو التارخض تخنس اذا تارخرو ومن قولہ تعالیٰ فلا اقسم بالخنس۔ قال مجاهد اذا ذکر اللہ غض ای تاخر الشیطان۔ واذا لم یذکر تقدّم الذی الخ الجملۃ فی محل الجبر علی الصفۃ للخناس اونی محل الرفع بتقدیر هو اونی محل النصب علی الذم من الجنۃ والناس بیان للخناس او الواسواس وقیل متعلق بیوسوس ای یوسوس فی صدورہم من جھۃ الجن والانس وقیل بدل من شر باعادة الجار وقیل حال من الضمیر فی یوسوس ای یوسوس وهو من الجن والناس والجنۃ والجن بالکسر بمعنی واحد۔ فی الصراح جن بالکسر پری پری وهو خلاف الانس۔ الواحد منہ جنی بکسر تین۔ جنۃ بالکسر پریاں۔ قولہ تعالیٰ من الجنۃ والناس۔ ودیوانگی۔ قولہ تعالیٰ اہ بہ جنۃ فالاسم والمصدر علی صورتہ واحداً۔ انھی ملخصاً۔ والناس اصلہ عند سیبویہ اناس فحذفت فاوہ عند غیرہ لم یحذف منشیء واصلہ نوس اذا تصغیر نولیس والواحد منہ الناس۔

تفسیر: ۱۔ یہ سورہ بھی جہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی وہی گفتگو ہے جو سورہ فلق میں تھی اس کا شان نزول دربط وہی ہے جو سورہ قل اعوذ برب الفلق میں بیان کر آئے ہیں اس میں چھ آیات ہیں۔

خلاصہ اس ربط کا یہ ہے کہ اس سورہ میں ان شروں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے ہیں اور ایمان کے زائل کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔ خصوصاً عامہ ایمانداروں کے لیے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی تین حالت ہیں۔ اول طفولیت کا زمانہ جس کو عقل ہیولانی کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت تو حضرت کو اعضاء جسمانی کے کمزور ہونے کے سبب بدیہیات بھی معلوم نہیں

ہوتے ماں باپ کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ وہاں تو محض تربیت ہی تربیت ہوتی ہے جس کا منکسل وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور اپنی شان ربوبیت کا کس کس طرح سے جلوہ دکھاتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے اور اس نادان محض کی جبلت میں دودھ کا چوسنا القا کرتا ہے ایسے زمانہ کے لحاظ سے قل اعوذ برب الناس ارشاد فرمایا اور پناہ مانگنے میں اپنی اس قدیم ربوبیت کو یاد دلایا جس سے کوئی آدمی بھی محروم نہیں۔ پھر اس کے بعد نشوونما شروع ہوتے ہوتے اس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ بدیہیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور بدیہیات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کو فکر و نظر سے حاصل کرنے لگتا ہے۔ اب ایک تو یہ علمی زور حاصل ہو دوسرے بدن کا زور اٹھتی جوانی کا نشوونما لذات و شہوات کی رغبت اس کے اوپر بادشاہی کا رنگ جمادیتی ہے۔ اپنی تربیت میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ شاہانہ مزاج پیدا ہو گیا نہ آخرت کی فکر نہ کوئی مآل اندیشی اس زمانہ کے آفات اور شر بھی ایسے ہیں کہ الہی توبہ۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پناہ مانگنے میں ملک الناس ارشاد فرمایا کہ تو کیا ہے اور تیرا زور اور علم کیا ہے شہنشاہ مطلق ہم ہیں ہمارے دیے ہوئے قوی کے لشکروں پر تو کیا غور کرتا ہے جب چاہیں اپنے لشکروں کو تجھ سے لے سکتے ہیں اور دوسرے لشکر بھیج کر تجھے پامال کر سکتے ہیں تو اپنے زوروں پر گھمنہ نہ کر بلکہ تمام انسانوں کے بادشاہ سے جو بڑا زور آور ہے پناہ مانگ۔ پھر اس کے بعد جب جوانی کا شمار ہوتا ہے تو اس کو ادھر ادھر کی بھی سوچتی ہے جیسا کہ سورہ احقاف میں فطرت انسانی کے بعد اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب چالیس برس کو پہنچتا تو کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر مبذول ہوئی ہیں شکر کروں اور وہ عمدہ کام کروں جو تجھے پسند آئیں۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں اور معلومات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ اس کے سینہ میں جمع ہوا اور جو کمال اس میں ودیعت رکھے گئے تھے اور جن کا ختم اس کی استعداد کی زمین میں ڈال گیا تھا اب وہ سب باہر آ گیا اور اس کو حکماء کے نزدیک عقل بالفعل کا مرتبہ اور کمال کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اب اس پر شان الوہیت آشکار ہوئی۔ اس مرتبہ کمال کے لحاظ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا الہ الناس کہ لوگوں کے معبود سے جس میں جملہ کمالات اور تمام صفات کاملہ موجود ہیں اور تیرا یہ کمال اس کے آگے کچھ بھی نہیں پناہ مانگ اب اپنے ان تینوں اوصاف کو (جو انسان کی عمر کے تین حصوں کے مناسب تھے اور اسی لیے ربوبیت، ملکیت، الوہیت کو الناس کی طرف مضاف کیا ہے) بیان فرما کر یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم کس سے پناہ مانگنے کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہے جن سے پناہ مانگنی چاہیے وہ کون سا شر ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے من شر الوسواس کہ وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے وسواس بٹھک دے معنی ہیں دوسرے اور خطرہ ڈالنے والا اور بکسرہ واس کے معنی ہیں خطرہ اور وسوسہ بہر حال خطرہ اور وسوسہ ہو یا وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا ہو اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے اور دل سے کہنا چاہیے کہ الہی توبہ جو رب الناس ہے سب کی پرورش اور تربیت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو جو ملک الناس لوگوں کا بادشاہ ہے سب تیری رعیت ہیں سب پر تیرا زور چلتا ہے۔ (پرورش کرنے والا کبھی بادشاہ نہیں، ابھی ہوتا جیسا کہ ماں باپ اور آقا یا عزیز و اقارب پرورش کرتے ہیں مگر بادشاہ نہیں سب پر زور نہیں، مخالف کے زور اور اس کے شر کو نہیں روک سکتے) مگر تو پرورش کرنے والا بھی ہے اور بادشاہ بھی تجھ کو یہ فوقیت ہے اور بادشاہ بھی کیسا بادشاہ الہ الناس تو لوگوں کا خدا بھی ہے۔ بادشاہ کو اختیار استیلائی حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اختیار استیلائی وہاں وہ بھی اوروں کی طرح مجبور ہوتا ہے۔ موت اور بلائے آسمانی اور قضاء و قدر کے احکام میں اس کی کچھ بھی نہیں چلتی مگر تو خدا بھی ہے تیرے زور اور تیری قدرت کے کرشموں کو کسی انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ تجھ میں بے انتہا طاقتیں ہیں تو جیسا کہ تو نے سورہ قل ہوا اللہ میں آپ بتلایا ازلی ہے ابدی ہے، یکتا ہے، صمد ہے یعنی بے نیاز ہے کسی کا کسی کام میں محتاج نہیں۔ سب تیرے ہی محتاج ہیں۔ مجھ کو وسواس یعنی وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تو پناہ دے تیرا پرورش کردہ ہوں تیری رعیت و جگمگ ہوں تیرا بندہ ہوں ابتداء آفرینش سے اب تک اور آئندہ تیری ہی عنایات کا خوگر ہوں میرے کئی رابطے تجھ سے ہیں تو ہمیشہ کا کرم

گستر ہے میں موروٹی خانہ زاد اور رعیت ہوں۔

پھر وہ وسوسہ ڈالنے والا کون ہے جس کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے اور پناہ مانگنے کا آپ ہی اپنی رحمت سے حکم دیتا ہے جس پر قبولیت کا اشارہ ہے؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے الخناس وہ وسوسہ ڈال کہ بھٹ جانے والا چور اور داؤ گھات والا قراق ہے۔ خنوس پیچھے ہٹنا کام کر کے سٹک جانا جیسا کہ چوروں بد معاشوں کی عادت ہوتی ہے۔ خرمن ایمان میں چنگاری ڈال دی اور چل دیے پھر اور بھی توضیح کرتا ہے کہ وہ وسواس کیا کیا کرتا ہے؟ الذی یوسوس فی صدور الناس کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور بد خطرہ اور ناپاک خیال ڈال کر کرتا ہے۔ انسانی خناس کے وسواس کی توضیح: پھر فرماتا ہے کہ آخر وہ ہے کون؟ من الجنة والناس وہ جن ہے ابلیس اور اس کی ذریت جن کو قلوب بنی آدم تک رسائی ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈال کر کرتے ہیں اور انہیں پر موقوف نہیں آدمی بھی ایسے ہیں جو ایمان میں یا نیک کام میں یا کار خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا لگا دیا کرتے ہیں۔ کہیں منع کا تقریر سے کہیں پرافسوس تحریر سے کہیں ناصح مشفق بن کر کہیں پیر و مرشد بن کر فقیری کا لباس پہن کر الغرض ہزاروں بہروپ بدل کر انسانی شیطان ایسے کام کرتے ہیں جن کی نسبت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس شکل آدم است پس بہر دستے نباید داد دست

ان انسانی شیطانوں کا ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور ہوا ہے خصوصاً اس اخیر زمانہ میں کہ جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بہت کچھ ضرور ہے۔ ایمان کا تھا مٹنا آج کل ایسا مشکل ہے کہ جیسا ہاتھ میں انگارے کا تھا مٹا۔

ایک طرف کو غیر مذہب کے واعظ اس آزادی کے زمانہ میں ایسے نکل پڑے کہ جیسے برسات میں حشرات الارض۔ کہیں پادری اور ان کے کاسہ لیس ہیں جو طرح طرح سے دام تزویر پھیلاتے ہیں وغلط اور خطرات ڈالنے والی کتابوں کی تصنیف اور اخبارات و رسائل کی شہرت پر بس نہ کر کے مدارس بھی قائم کر دیے۔ عورتوں کے دلوں پر اپنے زہریلے ختم بونے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سادہ لوح ان کی چڑی چکنی باتوں میں آکر اپنی مستورات کو بھی تحتہ مشق بنانے کے لیے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کہیں یتیم خانے بنا کر مصیبت زدوں کے بچوں کو شکار کرتے ہیں اور روٹی کھلا کر ان کا ایمان چھین لیتے ہیں، کہیں شفا خانے بنا رکھے ہیں خیراتی اور رفاہ کے کاموں کی آڑ میں ایمان سے برگشتہ کرتے ہیں۔

پھر مدارس میں بھی الحاد کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کو نیو سائنس بتایا جاتا ہے اور کس کس پیرایہ سے ایمان اسلام اور اس کے ارکان و شعائر کی توہین کی جاتی ہے، مقبہ اڑائے جاتے ہیں پھر ان کے خوشامدی اور کاسہ لیس جو نئے فلسفے کے شیدائی ہیں بلباس اسلام لوگوں کو، کولڈ و دہریہ بنا رہے ہیں۔ کہیں معراج کا انکار کہیں خرق عادات کا انکار، معجزات انبیاء علیہم السلام پر تسخر ان کے برکات نفوس مقدسہ پر مضحکہ پھر عام بدکاری کے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ جن سے بچنا مشکل۔ شراب کا دریا رواں، فاحشہ عورتوں اور برہنہ تصاویر اور لہو و لعب اور طرح طرح کے باجے اور تھیز اور تماشے ایسے نکل پڑے کہ جن میں سے کوئی شہر اور کوئی محلہ خالی نہ ہو گا داؤں میں شراب، کھانوں میں شراب، پھر قانون نے شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لوگوں سے شریعت چھین کر رسم و رواج کی پابندی پر پروانہ دے دیا۔ پھر سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیل گئی کہ جس سے کوئی تجارت اور کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ پھر ان کے خوشامدی ان باتوں کے جواز میں اپنی منع کا تقریریں، ہیکچروں میں کیا کیا کارگیریاں کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر بیچارہ شیطان بھی ششدر رہ جاتا ہو تو تعجب نہیں۔ شاگرد

۱ سود کے جواز کے لیے کبھی تو تقریر ہے کہ سود عرب کے مفلس لوگوں کی داد و ستد تک محدود تھا کیونکہ غریب آدمیوں کی ضرورت پر قرض دے کر ان سے سویا یوزہ حالینا انسانی مروت کے خلاف تھا مگر شاہی بینکوں سے منافع لینے میں یہ بات نہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ سود کا مسئلہ شارع نے ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ یہ

رشید استاد سے بھی سبقت لے گئے یعنی اللہ علیہم اجمعین۔

پھر ان کے دیکھا دیکھی وہ مذاہب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جن کی بد بو سے دنیا سڑ گئی تھی اور اب تک سڑ رہی ہے۔ پھر وہ سیاہ باطن بنی روشنی کی خوشبو کیسے مل کر اس ناپاکی کو کیسا عطر بنا کر دکھا رہے ہیں اور اسلام اور اس کے بادی کے پر نور چہرہ پر کیسے کیسے بد نما دھبے لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی فرضی تصویر دکھا کر اس کا چہرہ بگاڑ کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو گھن آ جائے۔ ان کے خطرات و دوسواس کی شرح کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ پھر خود اسلامیوں میں جو زمانہ کے اثر بد سے لوگوں نے کجیاں پیدا کر کے ان کا نام اسلام اور سنت رکھا ہے اور پھر ان کے مولویوں، درویشوں نے جو دوسواس پیدا کر کے عامہ مسلمانوں کو راہ راست محمدی میں ٹھوکریں کھائی ہیں اور کھار رہے، خدا تعالیٰ ان سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ ہے انسانی خناسوں کے دوسواس کی تفسیر جن کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اب میں کسی قدر شراہیۃ کی بھی تفسیر کرتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر خون کی طرح شیطان پھرتا ہے۔ (متفق علیہ)۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان سے شیطان پوچھتا ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی اور یہ کس نے یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا پھر جب یہ نوبت پہنچے تو کہہ دینا چاہیے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کا بھی ابن آدم کے دل پر گزر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی۔ شیطان کے گزرنے سے شر پر آمادگی اور حق کی تکذیب پر تحریک ہوتی ہے اور فرشتے کے گزرنے سے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی تحریک ہوتی ہے پھر جس کو یہ بات نصیب ہو تو اللہ کا شکر کرے اور جس کو پہلی بات پیدا ہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ (رواہ الترمذی)۔ اور یہ ممکن ہے کس لیے کہ فرشتے اور اسی طرح شیطان جسم لطیف رکھتا ہے۔ سوان کا انسان کے مجازی دم میں مداخلت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسی لیے دل پر دریا کی طرح موجیں اٹھا کرتی ہیں۔ کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدی کی طرف دل میں از خود خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا محرک نیک کاموں میں فرشتہ کا الہام ہوتا ہے اور بد کاموں میں خطرہ شیطانی ہوتا ہے پھر جو اس خطرہ شیطانی پر جم گیا بر باد ہوا۔ اور اصل مادہ میں اس شیطانی اور ملکی گزر کا انسان کے قوائے بہیمیہ اور قوائے ملکیہ کا بیجان ہے اور اسی لیے بعض نے غلط فہمی سے صرف مادہ کو شیطان اور فرشتہ سمجھ کر شیطان اور فرشتہ کے وجود مستقل کا انکار کر دیا یہ بھی ایک شیطانی خطرہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر قوت و ہمیہ بھی ایک بڑا شیطان ہے۔ وہ اس کو کچھ کا کچھ دکھا دیتی ہے اور اس کے علوم و معارف حقہ میں فرق ڈال دیتی ہے۔ جس قدر گمراہ فریق ہیں اسی قوت و ہمیہ کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا جس سے ارشاد ہے کہ اپنے علوم و معارف حقہ پر جو تم کو مشکوٰۃ نبوت سے پہنچے ہیں مستقیم اور ثابت قدم رہو خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ہلاکت کی گھاٹی اور خسران کے گڑھے میں نہ گرو۔

فائدہ: سورہ قل اعوذ برب الفلق میں رب الفلق کی ایک صفت ذکر کر کے تین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر تھا اور اس سورہ میں تین صفات ذکر کر کے ایک چیز سے پناہ مانگنا فرمایا وہ کیا؟ شر و دوسواس خناس۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ (۱) تو یہ کہ اس میں جسمانی شروں سے پناہ مانگی گئی تھی جس کے لیے ایک صفت رب الفلق کافی تھی اور اس سورہ میں روحانی اور دینی شر سے پناہ مانگی گئی ہے اس لیے اس کے لیے تین صفات رب کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ معلوم ہو کہ دینی شر بڑا شر ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنے میں خدا پاک کے تین اوصاف رب الناس، ملک الناس، الہ الناس کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔

❖ قیود جو لگائی ہیں تو فقہاء نے فرصت میں بیٹھ کر لگائی ہیں اسلام کے وسیع دائرہ معاش کو تنگ کر دیا ہے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہاں وہ لینا درست ہے۔ مگر دارالحرب کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو حکام وقت کے ذر سے چپ ہو جاتے ہیں کس لیے کہ دارالحرب کے پھر اور احکام بھی تو ہیں۔ نسی یوں کہا جاتا ہے کہ سود جو روکا کر ترجمہ ہے خاص قرض لینے دینے میں ہے باقی تجارت اور ہندی بے انور نوں کے نافع سے کچھ تعلق نہیں۔

(۲) یہ کہ اس سورۃ میں ان تین شرور سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو اعلیٰ اور اوسط کو لاحق ہوتے ہیں اور اس میں اس شر سے بچنے کا حکم ہے جو عوام کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جو نہایت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان کو خدا تعالیٰ کے یہ تین وصف محافظ عطا کئے گئے کہ ان صفات عالیہ کے ذریعہ سے شر شیطانی سے پناہ مانگو۔

فائدہ ۲: بعض مفسرین نے من الجبنۃ والناس کا بیان قرار دیا ہے جو یوسوس فی صدور الناس میں مذکور تھا تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ خناس جو جنوں اور آدمیوں کے دلوں میں دوسرہ ڈالا کرتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کس لیے کہ جس طرح نیک و بد خطرات انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی اور وہ بھی انسان کی طرح محکف اور مامور ہیں ان میں بھی نیک اور بد ہیں ان کے دلوں تک بھی جس طرح فرشتہ مبہم خیر کا گزر ہوتا ہے اسی طرح خناس مبہم شر کا گزر ہوتا ہے ان میں بھی مومن اور کافر ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کے لیے بھی نبی ہیں اس لیے اس قوم کے ایمانداروں کو بھی پناہ مانگنا سکھایا ہے۔

مگر یہ کلام باقی رہے گا کہ ناس کا اطلاق کیا جن پر بھی ہوتا ہے جس کے بیان میں من الجبنۃ واقع ہوا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ ناس کا اطلاق انسان ہی پر ہوتا ہے نہ جن پر۔ بعض فرماتے ہیں ہوتا ہے جیسا کہ رجال کا اطلاق سورۃ جن میں جنوں پر بھی ہوا ہے یعودون برجال من الجن۔

فائدہ ۳: اس سورہ میں خدا پاک کے تین اوصاف مذکور ہوئے۔ اگرچہ وہ بندے کی تو تینوں حالتوں کے مناسب ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا مگر وہ اس خناس سے ان تینوں صفات کو کیا اثر پہنچتا ہے؟ ضرور پہنچتا ہے کس لیے کہ جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ وہ اس خناس ہے چونکہ اس میں لطافت بھی ہے جو دلوں تک پہنچتا ہے اور بدن انسان میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اور پھر کام کر کے چل دیتا ہے۔ وہ قزاق ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا اور جو پکڑا جائے اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔ اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنے میں باری تعالیٰ کے صفات میں سے وہ تین صفات اختیار کئے گئے جو اس کے لیے کافی ہیں۔ رب الناس میں لطافت رب کی طرف اشارہ ہے اور پاسبانی کی طرف بھی۔ کس لیے کہ رب وہ ذات ہے جس میں جمع صفات کمال ہیں اور منجملہ ان کے لطافت علم و خبر بھی ہے جس بغیر ظاہری و باطنی تربیت ممکن نہیں وہ خناس جب کبھی دل میں آئے گا اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا اور تربیت کا مقتضی ہے کہ باطن کو بھی شر سے محفوظ رکھے۔ اس لیے اس کے پہرے دار بھی خاصان خدا کے ارد گرد رہا کرتے ہیں۔ یحفظونہ من امر اللہ اور اس قزاق کی گرفتاری کے لیے ملک الناس کی صفت مذکور ہوئی۔ کس لیے کہ شاہان عالی شان بڑے بڑے چوروں قزاقوں کو بس میں کر لیا کرتے ہیں اور پھر قابو میں کرنے کے بعد سزا دینے کے لیے الہ الناس کی صفت کا اظہار فرمایا۔ کس لیے کہ خدائی سے بڑھ کر پھر اور کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ سب کو اعمال کی جزا اور سزا دینا اسی کی شہنشاہی اور خدائی مقتضی ہے۔

فائدہ ۴: سورہ قل اعوذ برب الفلق میں پناہ گمراہی اور حجاباتِ عاجزہ سے مانگی تھی جس کے غالباً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی قوت و ہمیہ اور ہیبت کا غلبہ اور کبھی لذات و شہوات کی رغبت جس کی طرف ومن شر النفثۃ فی العقد میں اشارہ تھا اور کبھی قوائے ملکوتیہ کا دب جانا اور عوارض ہیولانیہ و اسباب ظلمانیہ کا غلبہ پانا جس کی طرف ومن شر حاسد اذا حسد میں اشارہ تھا۔ اس لیے استعاذہ میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق کا ذکر کیا جو توبیخ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس سورہ میں شیطانی و سواس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے اور شیطان کا استیلاء انسانیت پر پورا پورا ہوتا ہے جو طرح طرح سے تخلیقاتِ باطلہ اور اشکال مختلفہ میں ظہور کرتا ہے۔ اس لیے اس سے استعاذہ کرنے میں تین صفاتِ جبروت ذکر ہوئے۔ ربوبیت، ملکیت، الوہیت کہ جن کے استیلاء شیطانی استیلاء کو جگہ نہیں ملتی۔

فائدہ ۵: ابتدا قرآن کی وصف ربوبیت سے تھی الحمد للہ رب العالمین فرمایا تھا اور اختتام وصف الوہیت پر ہوا۔ الہ الناس فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسی کی شکر گزاری کے ساتھ عبادات و

اطاعت میں عمر گزاری جائے۔ ولہ الحمد ظاہراً و باطناً۔ (اللہ اکبر)
تاریخ ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ بوقت صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی۔



قطعہ تاریخ از مولوی سکندر یار خان صاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ

زہے تفسیر حقانی تصنیفات مولانا زدیدارش فرو ریزد بدل نوار فیض حق
سکندر جست تاریخش زہاتف این ند آمد شدہ تاریخ سال اوکل از گلزار فیض حق
۱۳۱۴ھ

وہ ایضاً

لکھی تفسیر حقانی ہے کیا خوب مصنف کو خدا نے دی جو توفیق
ہوئی تاریخ کو جب فکر مجھ کو کہا دل نے یہ ہے تنویر تحقیق
۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

شدہ تفسیر حقانی چہ مرغوب زدیدارش نمود منظر حق
نمود فکر بہر سال تاریخ بگوش آمد ندا ایں منظر حق
۱۳۱۴ھ

هذا مأسطرة فخر العلماء الاعلام الحبر القمقام زير الاسلام المدرس في مدينة النبي الكريم عليه الصلوة والسلام مولانا عبدالرحمن احمد بن عبدالقادر المدني سلمه الله عن شر كل غوى وغبي

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدالمن جعل كتابه العزيز اصلا للعلوم و بابا للسعادة- وسببا للفوز والنجاة والهداية والسيادة- وجعل العلماء مفتاحا لهذا الباب ونور ايستضاء بهم في جميع البلاد- وفضلهم على من سواهم من خلقه من حاضر وبأد- فقال جل من قائل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون وقال هل تستوى الظلمات والنور فيه كفاية لاهل الشعور- وشكرالمن اصطفى منهم من شاء لخدمة كتابه الاسمي الكريم- وافاض عليهم من فتوحات الالهية لفهم مبانيه وتفسير معانيه مايقف دونه فهم كل فيلسوف وحكيم- ونظمهم في سلك قوله تعالى ومايعلم تاويله الاالله والراسخون في العلم- واصلى واسلم على المخصوص بجوامع الكلم والهادي الى اقوم الطريق وعلى اله واصحابه الواصلين غاية السبق في ميدان التحقيق- امابعد فيقول الفقير الى رحمة ربه الغني عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر الياس المدني خادم العلوم ببلدة اشرف رسول واكرم نبي- انه اقتعدت غارب الاغتراب واثنتي الغربية عن الاقران والاتراب ودخلت بلادالهند مجبورا عن التقدير قائلارب لماانزلت الي من خير فقير وجعلت جل قصدي في هذا السفر الاستفادة والافادة ودفع الغموم والهموم بملاقة العلماء السادة- كماهو داب السلف الكرام وعادة- كيلا اؤب صفراكيدين وارجع نجفى حنين فحلولى ووصولي اليها فزت بالعلماء الكرام وظفرت بزيارة الكملاء العظام منهم مفتي الانام المرجع في جميع الاحكام البحر الزاخر الحبر الماهر السحاب الماطر عديم النظير في هذا الجم الغفير شيخ المشائخ العلم الشامخ الملقب بحجة الله المفتي مولنا لطف الله متع الله المسلمين بطول بقائه ونضر رياض العلوم ببهائه ومن جملة ماطلعت عليه بتوفيق العليم الحنان تفسير القرآن العظيم الشان المسنى بفتح المنان فوجدته مريدا في جنسه جامعا لكل المحاسن في نفسه غيم النفع لكل عالم وطالب علماء في فنه يهتدى به الى جميع المطالب كشف عن مخدرات المعاني القناع بحسن بيان وتوضيح واقتناء يشفى به الداء العضال ويزاداد المهتدى به هداية ويهتدى به الضال هوالبهر الا ان للبحر ساحل وللبحر جزروليس له جزركيف لاوهوتاليف العالم العلامة البحرمدقق الفهامة وحيد دهره وفريد عصره الجامع بين المنقول والمعقول من فروع واصول من شدت عليه الفصاحة نطائها ومدت اليه البلاغة رواقها وسلمت اليه دقائق المعاني اعنتها ورقائق ازمتها حتى صاربحرامدة لايصارم ولايبارى وفردا في حلبة العلم وميدانه لايسابق ولايجارى ببابه تحط المشكلات رحالها فتصدرعن رحابه وقد حل اشكالها جامعا لجميع المجامد والمفاخر صادقاعليه قول الشاعر م

ليس على الله بمستعبد ان يجمع العالم في واحد

وهوالشيخ مولنا ابو محمدعبدالحق الدهلوى بيذا انى اطلب من مؤلفه ادامة الله وبلغه مناه في آخرته وديناه ان ينترجم بلسان العرب وارجومنه اجابتي لهذا المطلب ليعم نفعه اهل كل لسان من قاص ودان واسئل الله الكريم رب العرش العظيم ان يحسن له ولى العواقب ويكفيني واياه شر كل حاسد مراتب وان يجمعني واياه في دارالنعيم ببركة نبيه

الکریم انه علیٰ مایشاء قدیر وبلا جابة جذیر واصلى واسلم علی سیدنا محمد صلوة مستمرة الدوام واله واصحابه ومن تبعهم واهتدی بهدیبهم من الانام۔

هذا ماكتبه الفاضل الكامل العارف العامل شيخ الطريقة العلية القادرية مولنا محمد عمر الملقب بشاه

سراج الحق انار الله سراجہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان وعلمه البيان وانزل على عبده آيات بينات من الهدى والفرقان والصلوة والسلام على افضل الانبياء سيدنا محمدا كرم الخلق من الانس والجان المويد باوضح الحجج والبرهان المبعوث بالكتاب العلى شان وعلى اله واصحابه البالغين اقصى البراعة والبيان المنعوتين فى الصحف والقران وبعد فان الفاضل الاديب والكامل الاريب صدرا لا فاضل فى المعقول والمنقول فخر الامثال فى الفروع والاصول عالم انوار التفاسير القرآنية ماهر اسرار الاحاديث النبوية المحقق المدقق سيدنا واستاذنا الاحق مولانا ابو محمد عبد الحق لازال ذاته محققا للحق ومبطلا للباطل قد صنف كتابا جليلا المسمى بالتفسير الحقانى جامع نكات الاصولية والفروعية فاتح مغلفات العقلية والنقلية حيث لم يسمعها الاذان ولم يريعيون الا زمان معجبة للنواظر ومطربة للجواهر تميل اليها الطباء وتلذذ بها الاسماء كافية للمتمسكين بعروة الوثقى وافية للمتشبثين بغايه القصوى۔ واني يختفى للشمس ضوء عن ابصار فى ضحو النهار۔ وكيف يسرد فر المسك يحثو۔ خياشم الورى فى يوما حار۔ فيا ايها الطالبون الصادقون هملاوا الى مقاصدكم واشكروا الى انجاح مرادكم فانه نعم البضاعة واحسن متاع الدنيا والاخرة واخر كلامنا وختم مرامنا ان الحمد لله رب العلمين۔

حررة العبد الاحقر المدعو محمد عمر الملقب بشاه سراج الحق۔

یہ تاریخیں حضرت فاضل اجل شاعر بے مثل علامہ فہامہ و فرید زمانہ فخر عرفی رشک فیضی
خسر و ثانی مولانا مولوی عبدالعلی لکھنؤی و مدراسی نے ارسال فرمائی ہیں۔ ناظرین حضرت
کاتہ دل سے اور مصنف صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں

حامداً ومصلياً

تواریخ عربی و فارسی و اردوی تفسیر حقانی منظومہ حضرت آسی محمد عبدالعلی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ

تبصرو قل	ایہا	المستکین	هو الحق	للحق	حصن	حصین
لقد جاء	حق	بتفسير حق	هو العبد	للحق	حبر	فطین
على رفعة	الدرس	بدر منیر	وفي مجلس	الوعظ	صدر	امین
لاهل النوادی	ندی	الایادی	لصرح	الافاضات	رکن	رکین

به بدر نور الهدی یستبین	به فی اعلی شمس علم اضلّات
لشرح الاشارات متن متین	لِفَرَعِ الکَنایات اصل اصیل
لاصحاب فن دلیل قمین	لارباب علم امام همام
معالی مقالاته لاتشین	عوالی مقاماته فی المعالی
حدیث وای وفقه مبین	ومن فوهه قط لم یصدر الا
فدر سمین ودر ثمین	واماله الفیض درساً و وعظاً
ومراة تفسیره لاترین	فمصباح تقریره غیر مطفی
له فی العوالی کلام رزین	له فی المعالی مدیحه معلی
ومن عانه فهو نعم المعین	فمن شاء سوءاً له حان حیناً
واما المخطی فبنس القرین	فاما الممشی فنعم الجلیس
وامله لهم ان کیدی متین	لحسادہ قال ربی تعالی
من الحق فالحق حق مبین	فتفسیره جاء تفسیر حق
لحق حقیق به نستعین	بارخیه قد جاء اس اسی
الان هذا کتاب مبین	امان هذا النور من الحق

۱۳۱۲ھ

۱۳۱۲ھ

وَلَهُ اَيْضًا قَصِيدَةٌ تَارِيخِيَّةٌ دَرْفَارِسِيٌّ وَارْدُو

لَكُمْ بُشْرَى أَلَا يَا أَيُّهَا الْإِخْوَانُ خُلَانِي
لَكُمْ طُوبَى أَمَا يَا أَيُّهَا الْخُلَانُ إِيَّوَانِي

در سبغ الثانی رانوید حلقه جنبانی	سربغ الاغانی را اسید سبغ خوش خوانی
نوازم کوس آوازه بخوش از هوش حقانی	رسانم مژده تازه بگوش از جوش حقدانی
که تاروح از سیه مستی زنتف برتن آسانی	بده ساقی می باقی زراح روح دریحانی
نسیم نوبهارانی شمیم صبح گاهانی	دم در بارغ ایمانی و زد در راغ حقانی
شنید اسرار رحمانی و دید آثار سبحانی	سماع سوید جدانی و چشم نور عرفانی
که گرد زان به طح هفت منزل مشکل آسانی	دریں راه هدئی سرکن حدی خوانی وجدانی
برواز فرش ظلمانی بسوی عرش رحمانی	مرد از راه نفسانی بقعر چاه شیطانی
چه می بینی بجای گل بد اماں خار نفسانی	چه می چینی بجای گل بد اماں خار نفسانی
معنوں هست ہر عنوان حکمت لقمانی	مزین هست ہر ایوان بصنعہائے حقانی
بہر سوکن اشارتہا چہ پیدائی چہ پنہانی	بہر جادہ بشارتہا چہ آبادی چہ ویرانی

چہ نسبت جنسِ عالی را بوصفِ نوعِ تحتانی
 نہ ضبطِ منطق اندر ربطِ حکمت باخُن رانی
 نہ حجتِ خاک افشاں دستِ سفلٰی بر سرِ علوی
 نہی پا از مرجانِ دروہ جانبازی مردان
 نہایتِ یونس از مایِ بد اندر انج یا منجی
 چو علمِ دین و ایمانِ راسری داری برگیرند
 الا اے فلسفی باید سپر انداختن اینجا
 اگر درخانہ کس داری بسوی رائے رو آری
 کمالِ حلم اگر جوئی مجوش از دروہ نامردی
 نخواہی دید رویِ پر صفایِ علم و دانش را
 اگر بنشینِ اندر بہشتِ خلدِ رحم و ہمدردی
 پپایِ سریا گرداری اندر سرِ سرِ مجلس
 چو صلصلِ میزنی تاکی براغِ اندرم کو کو
 عبادت کی بود خالص زغشہائے ریاکاری
 رضائے حق اگر جوئی فاسوجانِ بجانانِ دہ
 کمالِ خلق اگر خواہی جمالِ خلق را ٹوکن
 کمر بند از دمِ چستی دریں منزل مکن سستی
 ہمانا خوشتر آں عابد کہ داغِ اندر دلش باشد
 تو کمتر ذرۂ باخاوری تاباں چہ می تابانی
 اگر پیرایۂ دانش نبودے نقلِ ایمان را
 قیاسِ علت و معلولِ حکمت را بہ یکسونہ
 دلاتا چند بردرازۂ دنیا کی دون باشی
 ہمیں از دیدۂ کثرتِ جمالِ شلبدِ وحدت
 مزن نے بچو نامردانِ مخطّہ نفسِ دل سروان

چہ نسبتِ نوعِ سافل را بذاتِ جنسِ فوقانی
 نہ ربطِ حکمت اندر ضبطِ منطق زباں دانی
 نہ برہانِ چاک دامانِ جسمِ تعلیمِ ہیولانی
 کنی دابابِ منت از کلیدِ فتحِ منانی
 دلیلِ عصمتِ یوسف شد از بس چاک دامانی
 ز بحثِ حیص و بیصِ این و آن وہمِ یونانی
 ہلا اے مدعی شاید سبقِ نشانِ خوانی
 والا شیشہ دانش بزن برسنگِ نادانی
 جمالِ علم اگر خواہی منوشِ از دروہ نفسانی
 کہ تا گردوغبارِ جبل از دامنِ بیفشانی
 لبیبِ ہفت دو رخ را بآبِ سردِ بنشانی
 چہ مجلسِ مجلسِ جانان چہ جانانِ جانِ جانی
 چو بلبلِ میکنی تاکی بہاغِ اندر نو خوانی
 قناعت کے شود حاصلِ زخواہشہائے نفسانی
 سکروجی اگر خواہی بیقلنِ بارِ جسانی
 حیاتِ روح اگر جوئی بدرکنِ خوئے حیوانی
 مبادا کز وصولِ راہِ حقانی فردمانی
 نہ آن زاہد کہ دارد دازِ ریاضی بہ پیشانی
 تو احقرِ قطرۂ بالقزمِ عمان چہ میمانی
 بیکِ ارزنِ نیز زیدے کتابِ عقلِ یونانی
 یمانی نقلِ رانتواں رسد عقلِ ہیولانی
 بیادرِ دینِ حق بشنو صدایِ حلقۂ جنبانی
 کہ در اثباتِ توحیدِ ستِ نفیِ اول و ثانی
 بزن ہی بچو مردانِ برہیوں از گرمِ جولانی

۱ فتح انسان ہم نام تفسیر حقانی سے لطیفش برابر ظاہر ہے۔ ۱۲

۲ اشارت ہے جو مجلسِ مظہر جانِ نان کہ مصنف تفسیر حقانی در سلسلہ ایشاں بیعت است۔ ۱۲

۳ اعلم بالتفصیل انما تہم جن جنہ الی عالم الغیب وجہ الی عالم الشہادۃ ولکل من المصنفین اربع مراتب فراتب القوۃ النظریۃ اولھا العقل الہی لانی و ہوالا استعداد
 لبین لوالہی من الصریب من الفعل لا ذاک المستقرات و لیس ہذا الاستعداد حاصل السائر الخواتمات و انما نسب الی الہی لانی لان النفس فی ہذہ المرتبۃ تحب الہی لانی
 الاولی والوالبیۃ من الصریب من النفس و کذا قوۃ النفس فی ہذہ المرتبۃ بالقص الہی لاتی ایضا نفی کون ہذہ المرتبۃ من مراتب القوۃ النظریۃ لیس بنظر لان النفس تیار
 بہاو استعداد بہالذک وہی لالاستعداد القریب من الفعل۔ ۱۲

سمند فکرو زخس عقل و ننگِ فکر را پے کرو
 روی در چہ چو نصب العین داری عینکِ تاری
 معاذ اللہ از حورے کہ می باشد پس از کورے
 بحمد اللہ درین دوران خزاں رفت و بہار آمد
 بر آ از قید آب و گل در آدر کاخ جان و دل
 برای نغمہ گفتاری چو در سفتن ہوا داری
 بہر مثل قلقلے مستی فزائی از دمِ حق حق
 ازین اکسیر اعظم چوں مسِ دل راطلا سازے
 بدل در گنبد تن نعرۂ اللہ اکبر زن
 چو خواہی یسر عسر جادۂ جانِ ربِ یسر خوان
 کرا قدرت کہ دریابد موادِ جوہر کلی
 زردی شرط انتاجِ قرآنِ اصغر و اکبر
 بیاندہر بلاغت ہم فصاحت را چہ می جوئی
 بیفکن تودۂ خاک ای جان ہمیں دینائے دوں بہمت
 نہ باشی در یک آن دم و روزہ سن مولد ہم
 چو نفسِ دون بدخالی چہ خواہی خانہ بربادی
 کجا زاید زشب آہستہ دنیائی دوں فردا
 بشو از صفیہ دل نقشِ دنیائی دنی بیکسر
 ہمیں نسبت بود بانواع سافل جنسِ عالی را
 بدست اندر دریں رہ ہر یکے حیران و سرگرداں
 کجا این نارسائی کمند دست کوتاہی
 ملک در ذکر او حیران فلک در فکر او گردان
 براہیل ظاہریت رای را بروئی آوردن
 جمالِ شاہد عین العیون واجبِ اعلیٰ تر
 ہمانا درک کنہ حمد و نعت واجب و ممکن
 کشابِ مجازی از حقیقی و زمجازی ہم
 ہمانا اندرین آبادی دیرِ خراباتی
 بدارم گوہرِ سلکم بہ بازارِ خریداری
 دہم سرورِ ہوائی چرخ شہبازِ خن دانی

دمِ دعوائی ملی ہفت خوانِ راہِ عرفانی
 شوی آگہ کتابِ حق نما را اگر تو بر خوانی
 چساں از باغِ در صحرا خرمِ سرو بستانی
 محمد در صحنِ بستان ہر شجر از فرطِ ریائی
 بزن چوں بایزید از سر خوشہا بانگِ سبحانی
 کنی واچوں صدفِ لب را بآبِ ابر نیسانی
 بہر گل بلبلِ دستانِ سرائی از خوش الحانی
 دریں دیر سنجی خاک افشاں بر زر افشانی
 مشو بزدل دریں منزل اگر شیر نیستانی
 والا طی نہ خواہد شدہ مشکل بہ آسانی
 کرا طاقت کہ پیاید سوادِ ملکِ امکانی
 کل اندر جز نہ جز در کل بشکلِ اول و ثانی
 ہمیں اندر درایت ہم روایت را چہ میخوانی
 بیفشاں آستین اے دل بریں آلودہ دامانی
 نہ در چار آتش و پنج حس و شش جہت مانی
 چو بومِ شوم بدخالی چہ جوئی خانہ ویرانی
 کجا آید زگرگِ نفس سرکش کارِ چوپانی
 بکن حاصل مقامِ ملا اعلیٰ از پر افشانی
 کہ فوقانی بودایں جنسِ دآن نوعتِ تحتانی
 چہ کلک گوہر افشانی چہ سلکِ سبہ گردانی
 کجا آن ذرۂ بامِ فلک سائے شاخوانی
 بعشش مہر و مہ دارد در آتشِ لعلِ حیرانی
 بدان ماند کہ برگنبدِ نبی جوزِ خراسانی
 زدرکِ قوتِ دژاکہ اعیانِ امکانی
 برون ست از درونِ سرحدِ امکانِ انسانی
 سراخوش نغمہ ہم زن زخمہ بر قانونِ حقانی
 چو طفلانِ میکی از خاک و گل تعمیرِ ویرانی
 بیارم اشپِ کلکم بہارِ خن رانی
 سمند خامہ را آرم درین میدانِ بجلانی

سرم شد مخزن الاسرار و جانم سبزه الابرار
منم امروز سفیر الحقائق بهجو غزالی
هم اکنون و برویم شیخ اول کودکی نادان
قلم اندر کفم بهجوں علم برصفحه مباد
منم امروز کشفاف المعانی بهجو جار الله
بیانشین بین لختی دریں تحریر حق گوئی
اگر داری هوایِ هائی وهوی حق سرائیدن
به یکسو خیال هفت خوان رستم دستان
طبیعی و ریاضی و اسمایی تا کی خوانی
اگر پری زمن احوال ایں تفسیر میگویم
اگر راز و نیاز حق شنیدن آرزو داری
توانمهی بدیں تقریر اگر مصحف نیاموزی
ازیں تقریر فرقان گوئی از تفسیر خواهی بود
خدایا تالبلب آید دلیل واجب و ممکن
چه حق علم البقین عین البقین باشد
چنین تفسیر نتوان یافت کس در عالم امکان
نه چیده دامن گلچیں چنین خنداں گل رنگین
چه تفسیر آنکه باشد غیرت تفسیر بیضادی
چه تفسیر آنکه مستغنی است از تفسیر این و آن
چه تفسیر آنکه تحریر از سواد عین حور العین
چه تفسیر آنکه توضیح حدیث سرور عالم
چه تفسیر آنکه باشد مخزن اسرار لاهوتی
چه تفسیر آنکه باشد مرکب ادوار دیداری
چه تفسیر آنکه تعلیمش علم در عالم امکان
چه تفسیر آنکه در آفاق نامش نامور آمد
چه تفسیر آنکه کشف سرحق جوئی و حق پوئی
چه تفسیر آنکه داندش ز تفسیر کبیر اکبر
چه تفسیر آنکه گوئی ز ابشار آب و رنگ سنگ

که گشت ایدر برویم فتح باب سرحقانی
منم امروز تحریر الدقائق بهجودوانی
هم ایدون شیخ ثانی پیش من طفل دبستانی
زبان اندر بیان در معرکه تیغ صفاهانی
منم امروز خلاق المعانی بهجو خاقانی
بخواس چه به بگوده ده بریں تفسیر حقانی
بیابشون صدای نعمه تفسیر حقانی
بطنی وادی سی منزل تفسیر حقانی
بیابشیں بخواس حرفه ازیں تفسیر حقانی
جهان اینست و جان اینست و جاینت گرمی
بیابنگر دریں تفسیر اسرار خدا دانی
توانادانی بدیں تفسیر اگر قرآن نمیخوانی
ازیں تفسیر قرآن آنچه با سفیر هوایی
مسلم بادامکان راخطش چون خط برهانی
چه حق الحق حق باحق شداین تفسیر حقانی
وَالْأَفَاتِنَا يَا مُدْعَى بِالْمِثْلِ وَالثَّانِي
ندیده دیده حق میں چنین تفسیر حقانی
چه تفسیر آنکه باشد روکش تفسیر شوکانی
چه تفسیر آنکه مستعلی ست برعرش سخن دانی
چه تفسیر آنکه تقریر از حدیث شاه عدنانی
چه تفسیر آنکه تلویح کلام ربانی
چه تفسیر آنکه باشد مطلع انوار سبحانی
چه تفسیر آنکه باشد نقطه پرکار ایمانی
چه تفسیر آنکه تادیش مودب باادب دانی
چه تفسیر آنکه در عالم علم اسمش سبحانی
چه تفسیر آنکه شرح تین حق گوئی و حق دانی
چه تفسیر آنکه خواندش زهریک قاصی ودانی
بدارد در بغل صد جلوه سرودچغانی

چه تفسیریکہ از علامہ علم کلام حق
 کہ حق برنام اوزدسکہ تفسیر حقانی
 وزین گوہر نماطغرائی تسبیح سلیمانی
 وزین الطیب شمیم فتح بیزروح و ریحانی
 وزین مردود شد اسباب تسویات شیطانی
 چه تفسیر آنکہ باشد مولوی عبدالحقش بانی
 شرف دارد براسا ہجو بسم اللہ عنوانی
 چه عبدالحق تفسیرش بود تفسیر حقانی
 چه عبدالحق کہ طبعش کاشف امثال میدانی
 چه انسان کزوی این صنعت تعالی شان انسانی
 ہم او درذوق و شوق مقصد تفسیر حقانی
 بوقت بحث معقولی محقق ہجو دوانی
 سمند حکمتش راہمحنان گردون گردانی
 بہار آرائی آب و رنگ باغ فقہ نعمانی
 بوفش صادق آمد بحر زخارہمہ دانی
 بل اندوخت اقلیمش زرد پہلو بہ سبحانی
 بلے مصداق آن گروید این تفسیر حقانی
 بفضل و علم و دانش بلے دریائی عمانی
 محقق متیواں دانی مدق متیواں خوانی
 کہ ازسرد احادیث آورد تفسیر حقانی
 بہ نظم دلکشائی جان حکیم و قدسی و شانی
 نہ جای و نظای ہم نہ فردوسی نہ خاقانی
 کہ در دارالشفائی اونیامید درد درمانی
 عصای زبرد آورد آب چوں موسیٰ عمرانی
 چه درہاسفت درسلب سیاقی نظم قرآنی
 کہ درحش عقول عشرہ عاجز شدز نادانی
 چه خوشخط طبع شد شرح کلام پاک ربانی
 چوزیر برقع زرب نمایاں شکل نورانی
 ضعیفاں را فزاید قوتی ازقوت روحانی

چه تفسیریکہ از علامہ علم کلام حق
 چه فہامہ کہ نامی نام اوعلامہ عبدالحق
 ازان جوہر نما دریائی زنار گہر سخی
 ازان الطف نسیم نافہ ریز مشک تاتاری
 ازان مسدود اسباب تاویلات لایعنی
 چه تفسیر آنکہ باشد مجمع علم و فنش جامع
 چه عبدالحق کہ الحق نام اوبر صفہ ہستی
 چه عبدالحق کہ تحدیش بود تحدیث حق بنی
 چه عبدالحق کہ ذہنش واقعہ اقوال غزالی
 چه عبدالحق کہ اوانسان عین و عین انسان ست
 ہم اودرخیز و میز مطلب فقہ و حدیث اکمل
 ہم تقریر منقولی مدق ہجو شیبانی
 کمند منطقش رازدبان نہ طاق مینائی
 چن پیرائے عقل دہنگ اہل الہی علم دین
 بذاتش ختم شد تفسیر ہر بابے دہر نوع
 کش چہرہ نھاندرد چہار اقلیم ہندوستان
 ولے تصدیق آں فرموداں معجز نما سفرے
 بنفیس وجود و بخشش موجہ سرچشمہ جاری
 اگر حق بر زبان آری چنین حیر مفسر را
 مفسر ایں چنین باید محدث ایں چنین شاید
 بہ نثر جانفزائی دل وحید و فیضی و طغرائی
 بایں جادو بیانی سحر خوانی نیست ماندش
 علائی درد قوی رازہے حاذق طیب آمد
 ز سنگ سخت ایں کوہ گراں بے دعویٰ معجز
 چه سرہا گفت ازہر بابہ معقولی و منقولی
 کشود از ناخن فکر رسا آں عقد لایخل
 بحدتہ بصد تصحیح و تنقیح کہ می باید
 معانی از مبانی و زمعانی رازبا روشن
 نماید منجلی خط جلیش چشم پیراں را

ایس جلوت و کثرت مجلس خلوت وحدت
 بیاض روشن از روش سوادش جلوه دارد
 مبانی یاسمن بویان مثانی رهک گلدیان
 برون اوصاف شان را ارایش انقاس ادبای
 تو گوئی سبز پوشان گلستان قدم انجا
 اگر از مضمون نعمت مصدر اوصاف قناری
 بخوان سلوت خواهد چورو برآمده آری
 سوادش غیرت لیلای بیاضت روش بیضا
 چشم قیس و هم چشم زلیخا هر دو باید دید
 نظردر سبیل همچنان زلف سطر اوقیدی
 پنه دلدادگان شهید خوش خال زیباخط
 ازین آئینه باید دید حسن صورت و معنی
 بهر لفظش بود فتح الحقایق سر پیغمبر
 مصفا صفی تاب از چشم خورشید خاور برد
 چه گویم صورت مطبوع طبع آب و رنگ سنگ
 لباس طبع پوشید و فزون شد جوهر حسنش
 صفایش را چه میهری جلایش را چه میخوانی
 بنام ایزد که از حسن و صفاتی آب و رنگ او
 بهر مبنی و معنی با همی ربط آنچنان باشد
 مسلسل سطر همچان آب و تاب از سلک لولو بود
 هم آمد حال را سیرت نمائی صورت جانان
 هم اسرار خداوند قدم را جام جم آمد
 بیاض صفتها خنده کنان بر صفحہ دندان
 سوادش از سواد زلف لیلای خدایینی
 سواد اندر بیاض او هویدا روشن اندر دل
 مصفا از صفاتی سطحی مرآت اسکندر
 دو چشم لفظ و معنی عشوه ساز صورت و سیرت
 الا اے جوهری بگر در نیجا حق نما جوهر
 سطورش نقلی از جوهر چه جوهر جوهر اصلی

رفیق عزت و صحبت رقی فیض سبحانی
 تو گوئی صبح نورانی دمید از شام ظلمانی
 معانی عنبریں مویان همه در عنبر افشانی
 بری دامان شان ز آرایش الواس شهبانی
 بعد فرگشته نازل از فراز عرش رحانی
 که از فحوی نعت مظہر الطاف پنهانی
 بسوی وحدت خواند باخلاص اگر خوانی
 ضیائی طبع خندد بر ضیائی صبح خندانی
 جمال شهید لیلی کمال ماه کعبانی
 نگه در دور های حلقه آیات زندانی
 بود حسن خطش آئینه دار حسن وحدانی
 وزین گنجینه شاید چید و رهای ثاخوانی
 بهر حرفش بود کشف العظای راز ربانی
 مجلا کاغذ آب از چادر متاب نورانی
 که شد آئینه از فرط صفایش غرق حیرانی
 چه جوهر جوهر تابان رهک لعل پیکانی
 هر آئینه در آئینه نماید شکل حیرانی
 پریده آب و رنگ از جوهر یا قوت رمانی
 که قلب لام الف واقع شود چون لام الف خوانی
 چه لو لو لو لا لا چه لالا لالا قانی
 هم آمد قال را صورت نمائی سیرت جانی
 هم آئینه نمائی شکل حال شاه عدنانی
 سواد حرفها چشمک زنان بر چشم فتانی
 بیاضش از بیاض روئے سلمای خدادانی
 بیاض اندر سواد او بظلمت آب حیوانی
 مجلا از جلای چشم خورشید نورانی
 دو زلف ظہر و بطن ایمائی پیدائی و پنهانی
 چه جوهر جوهر گوهر چه گوهر گوهر کانی
 حرفش نثری از گوهر چه گوهر گوهر کانی

چہ خط کز فرط خوبی خط کشد برخطِ ربیانی
 کہ سودایِ چنین جس گراں شد برتواریانی
 بخوبی و خوش اسلوبی ندیدم مثلِ آں ثانی
 بعارض غارہ حسن قبول از رنگِ حقانی
 کہ چون قرطاس زرش میبرد ہر قاصی ودانی
 قبول آمد بدرگاہِ نبی انسی وجانی
 بگفتا یار رسول اللہ زہے تفسیر حقانی
 در اردوی معلی ہم عنان تاہم بجولانی
 کہ ان دونوں سے گوئی ہے زبانِ نطقِ انسانی
 یہاں دونوں ہیں ابجد خوان حرفِ لوحِ نادانی
 کہ نفس الامر میں امکان سے باہر ہے ثاخوانی
 کہاں حادث سے ہو حادث ازل کی شرحِ پایانی
 کہاں وہ واجبِ باقی کہاں یہ حادثِ فانی
 کہاں وہ عقلِ یونانی کہاں یہ نقلِ ایمانی
 کہاں تقدیس واجب کی کہاں تحدیثِ امکانی
 کہ دیرانی میں آبادی ہے آبادی میں دیرانی
 ہے کس میں ایسی حق گوئی و حقِ بنی و حقِ دانی
 بجا ہے گر کہوں میں ان کو شیخِ اول و ثانی
 ادب میں سیبویہ و ابنِ رشد و شیخِ جرجانی
 کہ ہر دم زیرِ ران ان کے ہے شدیدِ سخنِ رانی
 روایت میں ہیں رزقانی درایت میں ہیں ودانی
 ہے اولیٰ جو کریں اصحابِ علم ان کی ثاخوانی
 قلم کرتا ہے ان کا مثلِ نیساں کی دُر افشانی
 زبان ہے چشمہ آبِ روانِ فقہِ نعمانی
 مناظر ہو تو ایسا ہو کہ بات اس کی ہو برہانی
 زبان ہے یکہ تازرزمِ میدانِ زباندانی
 ہے رفعت میں ہمائے چرخِ سائی عرشِ رحمانی
 وہ جودت انتقالِ ذہن کی یابرقِ جولانی

خطِ ہر ورقِ چوں خال و خطِ نو خطان آمد
 بیای طالبِ تفسیرِ مصحفِ نقدِ دل برکف
 بطرزِ خوب و ہم خوش طبع شد اس نسخہ دکش
 بدیدہ سرمہ جذبِ القلوب از نورِ حقِ بنی
 چنان مقبول عالمِ آماز احقاقِ حقِ الحق
 زہے حسن قبول او کہ ہر گہ پیش کردنش
 پس آسی خود بنی چوں ساش از جبریل پرسیدند
 بمیدانِ زبانِ فرس تا اینجا سخنِ راندم
 پس از عذر ثانیِ حق و نعتِ شاہِ عدنانی
 کہاں ہے قوتِ درا کہ اور کس جا ہے عقلِ کل
 کلامِ نفسی واجب کی کیونکر ہو شننا ممکن
 کہاں ممکن سے ہو ممکن ابد کے معنی واجب
 کلامِ نفسی و تعبیرِ لفظی میں ہے ضدِ باہم
 کجاوہ فرعِ نامحکم کجایہ اصلِ مستحکم
 کجا تشریقِ بیضا کی کجائویرِ مہتابی
 جو دیکھو اس طلسمی خانہ دنیا میں عبرت سے
 میں الحق حق ہی کہتا ہوں کہ جز علامہ عبدالحق
 ہے منطق ان کی لوئڈی اور حکمت ہے غلام ان کا
 مطلب میں بوعلی سینا و افلاطون و فارابی
 کہوں کیونکر نہ ان کو شہسوارِ عرصہ معنی
 فصاحت میں ہیں جرجانی بلاغت میں ہیں میدانی
 ہے زیبا جو لکھیں اربابِ فضل ان کی فضیلت میں
 علم کرتا ہے ان کا علمِ حق اظہارِ عالم میں
 وہاں ہے حقہ ذرہائی تفسیر و حدیث ان کا
 محقق ہو تو ایسا ہو مفسر ہو تو ایسا ہو
 بیان ہے دگدازِ بزمِ ایوانِ سخنِ سنجی
 ہے سرعت میں ہوائے تیز بوائے فرشِ بحرِ ویر
 وہ حرکتِ ارتجالی فکر کی یا گردشِ گردوں

بتادی مذہب تحقیق حق بینی کی راہ راست
نگاریں ملک گوہر سلک رنگ رنگ صنعت سے
ہر آیت کے وقائع اور حکایت لکھ دیے بالکل
فصاحت اور بلاغت سے نہ پر کیونکر ہو یہ تفسیر
ظہور حق سے اس تفسیر حقانی کی حق یہ ہے
بہت ہیں اب بھی دجالوں کذابوں دنیا میں
خصوصاً دہریت اور نیچریت کا ہے رد اس میں
ہوا ہے منکروں پر ظاہر اس تفسیر سے سب کچھ
فتائے کائنات و فتح صور و حال برزخ
مگر سچ پوچھو تو ہر ایک نے اطراف عالم میں
کتب فضیلت آیاتہ تفصیل میں پیش
ہوئی سرد اس سے بالکل دہریت کی گرم بازاری
یہ آئینہ ہے احقاق حق اور ابطال باطل کا
ہے جس سے بڑھ گئی سب دین حق کی حق نما شوکت
ہے جس سے عسکر ابرار کی جمعیت خاطر
کہیں تحقیق ربط و وقف و وصل و ضبط قصود
کہیں احقاق حق ہے اور کہیں ابطال باطل ہے
مبانی اور معانی میں ہے ربط و اتحاد ایسا
نہیں تشبیہ یہ لائق ہے فائق اس سے ربط اس کا
کتاب فضیلت آیاتہ شان نزول اس کا
یہ ہے تفسیر حقانی ہے حق یعْلَمُ وَلَا يَعْلَى
سواد لفظ سے ہے جلوہ گر بیضا ضیا معنی
بجہ اللہ کہ کیا ہے چھپ گئی تحقیق و صحت سے
اگرچا ہو نجات اخروی اور دولت دینی
چلو! اے جوہر تفسیر قرآن کے خریدارو
سوا نیزے پہ جب خورشید ہو گا روز محشر میں
ملے گا اجر اس تفسیر کا سب پڑھنے والوں کو
ہے اس میں غایت اعجاز کی معجز نما تاریخ

دکھادی ہے رین بن دانی کی جولانی
عیاں ہے حال و خط نوعوس نظم قرآنی
بتائے کھول کر مصحف کے سب اسرار پہنانی
کہ اردو و فارسی عربی کی حاصل ہے زبان دانی
کہ گویا دہریوں اور ملحدوں کی مر گئی نانی
سوا دجال اعمور کے کہ ایک آنکھ اس کی ہے کافی
باثبات بدہیات و نظریات برہانی
جنان و دوزخ و میزان و حوض و حور و غلانی
عذاب قبر و ایجاب سوال و حشر ابدانی
اسی تفسیر سے قدر اس مفسر کی ہے پہچانی
کِتَابُ اُحْکَمَاتِ اَيَاتِهِ حُكْمَتِ مِیْنِ لَاطَانِ
کہ گویا آگ پر باطل کی حق کا پڑ گیا پانی
یہ گنجینہ ہے لعل و گوہر ایمان کا لاطانی
ہے جس سے گھٹ گئی سب نیچری دریا کی طغیانی
ہے جس سے لشکر کفار کی ثابت پریشانی
کہیں تدقیق رسم خط توفیقی عثمانی
کہیں ہے علم ایمانی سے رد فن یونانی
کہ جیسا لام الف میں لام الف کا ربط وجدانی
کہ نقطہ حظ میں حظ نقطے میں یہ نکتہ ہے پہنانی
کِتَابُ اُحْکَمَاتِ اَيَاتِهِ اس کی شاعرانی
ہوا ہے ظاہر اس تفسیر سے اعجاز قرآنی
عیاں جس طرح مشکیں کاکلوں سے شکل نورانی
زبے تفسیر قرآنی خجے تقریر فرقتانی
لو اس کو نقد جان و دل سے اے اخوان ایمانی
کہ پائی گوہر جنس گراں نے کیا ہے ارزانی
یہی تفسیر ہو گی سر پہ چتر ظل سبحانی
رہے گا فیض اس کا تابقائے عالم فانی
ہے اس میں آیت مصحف سے نکلا سال لاطانی

پس اسی آیت قرآن سے اس تفسیر کی آئی یکتبُ اُحکمتُ ایاتہُ تاریخ قرآنی

تاریخ اختتام

تفسیر حقانی و خاتمہ جلد ہشتم در سال ۱۳۱۲ھ از جناب ساقی داد خان صاحب

بھمد اللہ	ز	فصل	کبریائی	بہ	تخیل	آمدہ	تفسیر	شیریں
ز مولائے		عبد الحق	محقق	زہے	تفسیر	باتقریر		شیریں
چو شد	تفسیر	حقانی	نامش	برائے	اہل	دین	تفسیر	شیریں
بتقلید	صحابہ		و آئمہ	بطرز	کالمیں		تفسیر	شیریں
پئے	دفع	مطامن	تلخ	اعدا	ضرورت	بودار	تفسیر	شیریں
ز تورات	وانا جیل		دو ساتیر	خبر ہا	مید ہد		تفسیر	شیریں
زید	ہندواں		و کید نیچر	کشاید	عقد ہا		تفسیر	شیریں
قبائح	شرک	وہم	ادہام	بدعت	صراحت	میکند	تفسیر	شیریں
ز مکرو	خدعہ	اعدائے	اسلام	خبردارت	کند	تفسیر		شیریں
غرض	بہر	افادہ	دین	برحق	زحق	داردار	تفسیر	شیریں
جزاک	اللہ	اے	علامہ	عصر	چہ	خوش	آوردہ	تفسیر
عدورا	پا	شکست	از	تاریخ	سروشتم	گفت	از تفسیر	شیریں

۱۳۱۲ھ



تاریخ تفسیر حقانی نتیجہ فکر شاعر بے بدل منشی مکمل حکیم غلام محی الدین صاحب متخلص بندہ
حنفی القادری ثم چشمی النظامی سیکرٹری انجمن محافظ حجاج وانجمن تبلیغ الاسلام و مالک شفا خانہ فیض واقع شہر بمبئی

لوحش	اللہ	دفتر	لاریب	فیہ	معنی	تفسیر	قرآن	تجدد
از تفسیر	ست	ایں	تفسیر	نیک	دا و تصریحات	شرح	و بط	را
کردہ	ز	استدلال	عقلیہ	ثبوت	شان	توحید	جناب	کبریا
گشت	ردہر	سوال	مکریں		از جواب	شانی	علم	خدا
بر صفات	و ذات	و اثبات	ملک		بر وجود	شکل	و ماہیت	بسا
کرد	بحث	آورد	اقوال	نبیل	بادلائل	باد ثوق		اہتدا
دفع	شبہات	و شکوک	لمحدین		کرد	در	و حج	نبوت
غیر ادیان	و مل	رائخ	ساخت		از براہین	و حج	صد مر حبا	
اختلاف	قرأت	و قراء	ہم		ز در قم	انہ	خامہ	معجز
از جواب	شافیش	لب	بستہ	اند	مکرمین	معجزات		انبیاء
گشت	این	تفسیر	نصر	راہ	بہر	گمراہان	دین	مصطفیٰ
بہر	ہر	نہجہ	جواب	با صواب	داداز	آیات	و تفسیر	ہدا
شرح	روح	و عالم	آخری	نوشت	کرد	اثبات	جزا و ہم	سزا
ایں	مفسر	کیست	اسم	سامیش	برزبان	من	رواں	شدر حبا
بو محمد عبد حق	ذی	فضل	و علم		رائف	شرح	محمد	مصطفیٰ
فاضل	اکمل	فقیر	بے	مثل	عالم	علم	حقائق	با خدا
ماہی	تاریکی	بدعات	و شرک		جلوہ	خورشید	درع	و اتقا
محرکہ	آراء	بحث	علم	دیں	مرد	میدان	حقائق	بے ریا
باز	نازان	ست	نظم	برزبان	باز شد جاں	و دلم	فرحت	فزا
اے	کہ	در عہد	ہمایوں	طبع	نام	والا	بر لب	آمد
آں	نظام	الملک	آصف	چاہ	و شان	میر	محبوب	علی
شاہ	اسلام	و شہ	ملک	دکن	عدل	گستر	خلق	پرور
ناز	بر عہد	شہ	ملک	دکن	می	کند	تفسیر	حقانی
مژدہ	طبعش	چو شد	شہرت	پذیر	فکر	لاحق	شد	پے سن
مصرعہ	تاریخ	دل	ناگاہ	خواند	طبع	شد	تفسیر	حقانی
					چہا			

قطعاتِ تاریخِ تالیفِ تفسیر حقانی از نتیجہ طبع شاعر بے بدل فاضل بیتل حافظ محمد یعقوب صدیقی متخلص بہ انیق جو پوری ابن شیخ رمضان علی صاحب

قطعہ

مرجا فاضل علام ادیب بے مثل
یہ طلاقت یہ سلاست یہ روانی کلام
ایسی تفسیر نہ دیکھی نہ سنی ہو گی کبھی
مرضِ جہل و ضلالت کے مٹانے کو انیق
ایسی تحقیق و دلائل سے مدلل کہے؟
کہہ دو یہ منکر بے دین سے کہ رستہ کاٹے
مرضِ شرک و جہالت کا اڑا دے خاکہ
آئے آئینہ تحقیق میں صورت دیکھے
کیوں نہ مقبولِ خلاق ہو کلامِ حق ہے
کورِ باطن اسے آنکھوں سے لگائیں آ کر
لکھ دو اب بے سرفراط سن ہجری یہ

چست کیا آپ کی تقریر ہے ماشاء اللہ
کیا ہی جادو بھری تحریر ہے ماشاء اللہ
واعظو! اور زہے تقدیر ہے ماشاء اللہ
واقعی نسخہ اکسیر ہے ماشاء اللہ
اُردو میں کون سی تفسیر ہے ماشاء اللہ
دینِ حق کی کھلی شمشیر ہے ماشاء اللہ
نسخہ حق کی یہ تاثیر ہے ماشاء اللہ
ہاں کدھر منکر بے پیر ہے ماشاء اللہ
چار سو دہر میں تشہیر ہے ماشاء اللہ
نسخہ سرمہ تبصیر ہے ماشاء اللہ
واہ جی کیسی یہ تفسیر ہے ماشاء اللہ

۱۳۱۳ھ

ایضاً

کیوں نہ ہو بیتل تفسیر مقدس لاکلام
یہ وہ محبوب دل آرائے جہاں ہے زاہدو!
شکرِ خالق کا بجا لاؤ کہ عین احسان ہے
ایسی جامع ہے یہ تفسیر مقدس ماہ واہ
دیکھ کر اس پایہ کی تفسیر اُردو میں انیق
بے سر آورد اک مصرع میں دو تاریخ ہیں

اور اُردو میں کوئی تفسیر ایسی ہے کہو
ہے بجا اس کے لیے گرجان سے سودا کرو
تمغہ اسلام یہ حق سے ملا ہے واعظو
دین کا اے مومنو حل اس سے ہر عقدہ کرو
بول اٹھا بے ساختہ دل کہ سن ہجری لکھو
ناظر الاسلام منظور زمانہ ہے سنو

۱۳۱۳ھ

۱۳۱۳ھ

ایضاً

لکھی کیا ہے شرح کلامِ حق ہوئے حل معانی جو تھے ادق
ہیں کہاں محقق ماسبق کریں اس کی قدر و منزلت

ہے کدھر خیال ترا اتیق ہے انتشاریہ کس لیے سن ہجری تو سر احترام سے لکھ وسیلہ آخرت
۱۳۱۳ھ

ایضاً

مرحبا! آفرین جزاک اللہ حبذا اے مفسر علام
ایں چه تفسیر دلبر زیاست عشوہائش کشند جان انام
پائے علت چو دور ازو کردم گشت تفسیر بے مثالش نام
۱۳۱۳ھ

ایضاً

تعالی اللہ چه تفسیر مقدس بہ سدرہ مدح خواں روح الایمنش
نور جلوہ حسن معانی ثنا خواں درجنان ہر حور عینش
سن ہجری سروش ازروئے ایمان بمن گفتاگو مرغوب دینش
۱۳۱۳ھ

ایضاً

لکھی واہ تفسیر کیا مرحبا! فہذا من اللہ فوزکبیر
برابر کاسرکا ککرائے اتیق فقل ان هذا عظیم التظیر
۱۳۱۳ھ

ایضاً

ہے لکھی تفسیر حقانی عجیب ہر ورق کوڑا ہے بہر مکرین
مصرعہ تاریخ ہجری کے لیے تھی جو مجھ کو فکر اتیق کترین
ازسراخلاص بولا چرخ پیر اے جوان لکھ ہے یہ مہر واعظین
۱۳۱۳ھ

تاریخ طبع

ایں چه تفسیر شد جہاں آرا ہمہ آفات زدست نورانی
اکشاف تمام یافت ازد ہمہ اسراء برز قرآنی
سال طبعش چو جستجو کردم گفت ہاتف چراغ ایمانی
۱۳۱۳ھ

دیگر قطعہ تالیف

دلہ	درالمولف	ایق	فہذا	عجیب	نصح	متین
حدانی	لاجل	ملہم	الا	ان	کتاب	مبین
						۱۳۱۳ھ

دیگر تاریخ طبع

شدہ مطبوع عالم مرجبا تفسیر قرآنی زہ انوار ایمانی خجہ الطاف ربانی
 زسال طبع پرسیدند اہل طبع چوں ازمن دلم گفتاگو۔ زہ طبع شد تفسیر حقانی
 ۱۳۱۶ھ

واضح رہے کہ ۱۳۱۳ھ میں یہ جلد ہشتم قریب الاختتام تھی شاعر فاضل نے تاریخوں میں وہی سال ملحوظ رکھا مگر ۱۳۱۴ھ میں اتفاق
 اختتام ہوا۔



تقریظ تفسیر حقانی (طبع ششم)

از جناب مولانا مولوی حافظ محمد عبدالنواب صاحب چشتی (مولوی فاضل) مؤلف سیرۃ الحبيب و برکات رمضان و حیاۃ بعد
الحماۃ وغیرہ

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى مَنْ كَانَ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ
وَ سِرَاجًا مُنِيرًا ۝ وَعَلَى آلِهِ وَآَصْحَابِهِ وَخَلَفَائِهِ وَسَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّبِعِينَ بَأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ وَعَلَى
الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِينَ وَالْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِينَ الَّذِينَ فَشَرُّوا الْقُرْآنَ أَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝ اَمَّا بَعْدُ

خلاق عالم نے انسان کو عقل سلیم عطا فرما کر تمام مخلوقات پر اس کو فضیلت و برتری کا شرف عطا فرمایا۔ وَلَقَدْ لَعَنَّاهُ مَّا بَنَيْنَا آدَمَ اور
یہی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ حَيْثُ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور اسی ضعیف البیان بے
چارے انسان کو وہ بار امانت بھی سونپا گیا جس کے لینے سے تمام مخلوق نے ڈر کر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاکْبٰیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ
(احزاب: ۷۲/۳۳)

ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی
نے اس کو اٹھا لیا۔

اس بنی نوع انسان کے فرد کا مل جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کا خطاب عطا فرما کر نبوت و رسالت ہی کے
سلسلے کو ختم کر دیا۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ (احزاب: ۴۰/۳۳)
محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ خاتم النبیین ہیں۔

نزول قرآن

ان ہی نبی کریم اور مقدس ہستی رسول امی ﷺ پر وہ مقدس کتاب نازل فرمائی گئی جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام نامی سے ملقب و
مشہور ہے۔ جس کی ہر آیت مومنین کے لیے باعث رحمت اور نسخہ شفا ہے۔ وَ نَزَّلَ سَمِیْعَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ
(بنی اسرائیل: ۸۲/۱۷) جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اور اسلام ایک ہاتھ میں تبلیغ علم اور دوسرے میں قرآن شریف لے
کر اقوام عالم کے سامنے آیا۔ وہ زمانہ نہایت تاریک اور ہر قسم کے معاصی صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پُر تھا۔ ہر چار سو کفر اور شرک و بت پرستی
کی گھنگور گھٹائیں چھا رہی تھیں اور آفتاب ہدایت کو جہالت کی بدلیوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی اور خدائے واحد کی یکتائی

۱۔ اور ہم نے انسان کو بزرگی دی۔ ۱۲ اس

۲۔ میں زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔

۳۔ اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور موجب رحمت ہیں۔ ۱۲ منہ

اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کی کار سازی کو کوئی جانتا سمجھتا نہ تھا اور ہام پرستی کا زور تھا۔ کوئی جنات کو پوجتا کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتلاتا۔
 وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا (زخرف: ۲۷) اس وقت داعی اسلام نے تمام اقوام کو بآواز بلند للکارا اِنَّمَا
 إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ أَوْ فَا عِبُدُوهُ وَاسْجُدُوا لَهُ كَلَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ تمہارا معبود حقیقی تو صرف خدا ہے اور اسی ایک اللہ کی عبادت و پرستش کیا
 کرو اور اسی کو سجدہ کرو۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ (حم سجدہ ۵۷ پ ۲۳)

اثرِ قرآن

جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے کلام الہی کی آیات سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور حسیہ خداوندی
 سے ایسی رقت طاری ہوتی کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ: ۸۳)

جب وہ ان آیتوں کو جو رسول پر نازل ہوتی ہیں سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں کو دیکھیے گا کہ ان سے آنسو جاری ہیں کیونکہ حضور نبی کریم
 ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص قرآن شریف کی ترجمانی نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضور کی زبان مبارک قرآن شریف کی بہترین تفسیر تھی۔ وَمَا يَنْطِقُ
 عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ع ۱ پ ۳) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن وحی منزل من اللہ ہے۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ضرورتِ تفسیر

جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفاء اربعہ کا زمانہ آیا۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہوا۔ الغرض یہ تمام کے تمام خیر
 القرون (اچھے زمانے) تھے کہ جن میں کلام ربانی کے مطالب و معانی جاننے اور آیات الہی کی تفاسیر سمجھنے والے آنحضور ﷺ کے احباب و
 اصحاب اور اتباع بکثرت موجود تھے۔

اس دور کے جب اسلام اطراف اکناف عالم میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور مختلف زبانوں مختلف مذاق اور مختلف طبقات کے
 لوگوں سے اس کو واسطہ پڑا تو کسی کی زبان عربی تھی تو کسی کی محض عجمی اور عربی زبان بھی تھی تو وہ عربی نہ تھی کہ جس صاف زبان میں کلام الہی
 نازل ہوا ہے۔ هَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ۔

اور عربانی زبان میں اتنے ماہر اور ایسے سمجھدار بھی سب ملکوں میں ایسے بھر عالم نہ تھے کہ جو آیات کے ان مفہوم اور مصادیق کو سمجھ سکیں۔
 کہ جن اغراض کے لیے کلام الہی نازل ہوا ہے۔ اس لیے تفسیر کی ضرورت پڑی اور علماء ربانین نے وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ کو مد نظر
 رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو کلام الہی کو تفسیر لکھنے میں صرف کر دیا اور تفسیر خازن، جلالین، بیضاوی، اتقان، تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، روح
 البیان، روح المعانی وغیرہ وغیرہ متعدد مختصر و مطول اور مبسوط تفسیریں عربی لکھیں۔ (فجزاهم اللہ خیرا الجوا) جن کا علامہ مفسر حقانی رحمہ اللہ
 نے مقدمہ القرآن میں تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر جبکہ یہ سرچشمہ ہدایت (یعنی اسلام بادیہ عرب اور اس کے مضامینات کو سیراب کرتا ہوا بلا دِ عجم کی سرزمین جہالت و بت پرستی اور خطہ
 کفرستان یعنی ہندوستان تک پہنچا اور اس کی سیرابی اور شادابی کا باعث ہوا تو اہل ہند، فارس، ایران، ترکستان وغیرہ کے مسلمانوں کی خاطر
 علماء کرام نے فارسی میں تفسیریں لکھیں۔

شاہان اسلام کے عروج اور ہندوستان میں دار الخلافہ ہونے کے باعث فارسی کا دور دورہ تھا۔ سرکاری شاہی دفاتر کی زبان فارسی تھی۔ روزمرہ بول چال میں فارسی ہی بولی جاتی۔ الغرض تحریر و تقریر میں فارسی ہی زبان استعمال ہوتی تھی۔ شدہ شدہ تغیرات عالم کی نیرنگیوں سے وہ زمانہ آ گیا کہ یک نخت حالت بدل گئی۔ آج آں قدح بشکست و آں ساقی نماںد اور بلاد ہند میں فارسی کی جگہ اردو زبان رائج ہو گئی اور ماہرین علوم عربیہ اور فارسی دان اساتذہ اور ان کے قدردان ایک ایک کر کے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ وہ زمانہ تھا کہ بلاد ہند میں مسلم افراد کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور ان کے لیے

اردو میں جامع مانع تفسیر کی ضرورت

اور سخت ضرورت تھی۔ تو علماء ربانین نے تبلیغ اسلام کی خاطر کلام الہی کے معانی و مطالب عام مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے اردو میں قرآن شریف کے ترجمے کیے اور بہت سی تفسیریں لکھیں جیسا کہ علامہ مفسر حقانی نے ذکر فرمایا ہے لیکن اردو بھی آئے دن اپنا رنگ اور لب و لہجہ بدلتی رہی اور زمانہ حال کے لوگوں کے لیے پہلے زمانہ کی اردو فارسی تفسیروں سے اخذ مطالب کرنا اور معانی کا سمجھنا دشوار ہو گیا تو ان وقتوں کو دیکھ کر آج سے پچاس سال پیشتر علامہ مفسر حقانی نے اردو میں

تفسیر حقانی

لکھی یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں بھی تو ہم پرستی کا رواج تھا۔ الحاد بے دینی کا چار سو چہ چاکہیں آریوں کی مادہ پرستی زوروں پر تو کہیں سنا تن دھرمیوں کی مہادیو اور پتیل پوجا اور طرح طرح کی بت پرستی اپنا رنگ لارہی تھی کہیں رام لیلا اور دسہرہ ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں تعزیرہ پرستی اور گود پرستی کا مزاج ہے۔ بدعات کا اتنا زور کہ قبروں سے منیں مانی جاتی ہیں کہیں اسلام کی بھی تعلیم اور اس کی توحید کے مقابلہ میں ثالث ثلاثہ تین خداؤں کی خدائی جنگ کے چرچے اور قرآن اس کے خلاف پکار کر کہہ رہا ہے لَوْ کَانَ فِیْہِمَا اِلٰہٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۱/۲۲) اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔

اور کہیں تعلیم جدید کے اثرات سے نیچریت اور دہریت کے باعث خود مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ شیعہ سنی الگ کٹے مارتے تھے۔ حنفیوں اور اہل حدیث میں آئے دن آمین بالجبر اور رفع یدین کی بابت تو تو میں میں ہوتی رہتی تھی ادھر عقائد اور ارکان اسلام کا انکار تو ادھر نیچریت اور دہریت معجزات اور بزرگوں کی کرامات۔ جنوں اور ملائکوں کے وجود سے منکر اور دوزخ جنت کو خیالی و اہمہ بتلاتی تھی۔ معاذ اللہ منھا۔

عوام میں اتنی استعداد نہ تھی کہ ان شکوک و شبہات کا جواب دے سکیں اور خود تشفی حاصل کر سکیں یا عربی فارسی اردو قدیم تفاسیر سے اخذ مطالب کر لیں۔ کیونکہ قدما کی تفاسیر کی عالمانہ عبارتیں اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لیے فخر للفرسین زبدۃ الحمد شین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل مولانا مولوی ابو عبد الحق صاحب مرحوم و مغفور حنفی قادری چشتی ودہلوی مفسر تفسیر حقانی نے

فتح المنان

کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر اردو میں لکھی جس میں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی صداقت اور ارکان اسلام و عقائد و عبادات و معاملات کو کلام الہی کے تحت میں الحمد سے لے کر والناس تک نمایاں طور سے ظاہر کرتے ہوئے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے پوری بحث

کی ہے۔ مخالف اسلام کا کوئی شک و شبہ یا سوال باقی نہیں چھوڑا کہ جس کا عقلی نقلی طور سے مسکت جواب نہ دیا ہو۔ پھر خوبی یہ کہ تفسیر سلف صالحین اور عقائد اہل سنت والجماعہ کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اس تفسیر سے مستفید ہو سکتا ہے۔ علماء کرام اور عربی دان حضرات کے لیے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب شان نزول ربط آیات نیز صرفی نحوی لغوی تشریح و تحقیق۔ منطق و فلسفہ سے استدلال فن مناظرہ کے مباحث۔ علم معانی و بلاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموز نکات بیان فرمائے ہیں۔

عوام اردو دانوں کے لیے سلیس اردو میں زیر متن با محاورہ ترجمہ۔ پھر ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ پھر صوفیائے کرام کے فیوضات و ملفوظات اور تصوف کے اسرار و نکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں اپنا خاص رنگ اور روحانی اثر دکھلا رہے ہیں۔

اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمہ القرآن میں علامہ مفسر حقانی نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں اور فوائد لکھ دیے ہیں جن کا جاننا ہر مفسر قرآن کے لیے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لیے لابی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کیے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالب قرآن کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے الغرض یہ تفسیر ہر طرح سے قابل قدر تفسیر ہے جس طرح آج سے پچاس سال پیشتر اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح اب بھی بلکہ اس سے زیادہ اس کی طرف لوگوں کی حاجت ہے۔

کننہ
فقیر محمد عبدالنواب چشتی غفرلہ از مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۴۹ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۰ء یوم یکشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جغرافیۃ العرب

نحمدہ ونصلی

ہم نے تفسیر میں عرب کے جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں جو کہ قرآن مجید میں واقعات گزشتہ بطور عبرت بیان ہوئے ان کی پوری کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی جب تک کہ جس زمین پر وہ گزرے ہیں اس کا صحیح حال نہ معلوم ہو جائے اور احادیث اور فن سیرت میں اور نیز فقہ میں جہاں عشری اور خراجی زمین کا بیان ہوتا ہے وہاں بھی بغیر جغرافیہ جانے اچھی طرح سے حال معلوم نہیں ہوتا اور استاد شاگرد دونوں پر جہالت کا پردہ پڑا رہتا ہے اور ہمارے معاصرین علماء کو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں۔ اس لیے جو غلط بیانیوں ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان مدارس کے لڑکوں کو جو فن جغرافیہ و تاریخ سے ماہر ہیں مضحکہ کرنے کا موقع دیتی ہیں اور اسی طرح تاریخ عرب نہ جاننے سے بڑی بڑی پرخطر گھاٹیوں میں گر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اسی لیے اکثر تفاسیر موجودہ میں ان فنون سے بے خبر مفسروں نے سخت غلطیاں کھائی ہیں جو اب باب بصیرت پر مخفی نہیں۔

ہم قدیم اور جدید جغرافیوں کو آگے رکھ کر عرب کا جغرافیہ اور مختصر تاریخ اور اسی طرح عراق اور جزیرہ اور شام اور کنعان اور ایشیائے کوچک کا بھی مختصر سا حال لکھتے ہیں کیونکہ اسلامی کتابوں میں ان ملکوں اور ان کے شہروں کا بھی ذکر آتا ہے۔

(من کتاب مسالک الہمالک لابن اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصفہانی المعروف بالکرمی المطبوع بمطبع بریل لیڈن ۱۸۷۷ء)

ملک عرب ایک مستطیل زمین ہے جس کو بحر فارس مقام عباداں سے کہ جہاں دجلہ نہر آ کر ملتی ہے احاطہ کرتا ہے اور پھر بحرین شہر کو احاطہ کرتے ہوئے شہر عمان تک پہنچتا ہے۔ پھر سواحل مہرہ و حضرموت کو احاطہ کر کے عدن کی طرف مڑتا ہے پھر شمال کے رخ ایک کھاڑی بن کر چلتا ہے اور جدہ تک پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ حجاز و مدین تک جاتا ہے اور وہاں سے بھی گزر کر اس کھاڑی کی کہ جس کو بحر قلزم کہتے ہیں دو شاخوں میں سے ایک ایلہ پر تمام ہو جاتی ہے اور دوسری شاخ تکران اور صیلاں سے ہو کر قلزم پر تمام ہو جاتی ہے اور اسی لیے اس کو بحر قلزم کہتے ہیں۔ یہ عرب کی شرقی اور جنوبی اور کسی قدر غربی حدود ہیں۔

پھر حد عرب ایلہ سے شروع ہوتی ہے اور شہر لوط اور جمیل مر دار سے (اس کو بحیرہ زغر بھی کہتے ہیں) ہوتی ہوئی ثراۃ و یلقاء کو طے کر کے جو علاقہ فلسطین سے ہیں اذریعات اور حوران اور یشیہ و غوطہ کے پاس سے گزر کر جو علاقہ دمشق سے ہیں تدمر و سلمیہ کے قریب سے گزرتی ہوئی جو علاقہ حمص سے ہیں۔ پھر خناصرہ اور بانس کو طے کرتی ہوئی جو قسریں کے علاقہ ہیں فرات ندی تک جاملتی ہے پھر یہاں سے اس شمالی و شرقی حد کو دریائے فرات تمام کرتا ہے جبکہ ورقہ اور قرقیسا اور رجبہ اور والیہ اور عانہ اور حدیث اور ہیبت اور انبار کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر یہ حد کو فہ کے پاس سے ہو کر فرات کے دہانوں پر تمام ہو جاتی ہے۔

پھر وہاں سے یہ حد یوں چلے گی کہ اس کو کو فہ شہر کے نواح سے لوار حیرہ اور خورنق کو لیتے ہوئے واسطہ تک پہنچا دو اور یہاں ایک منزل تک دریائے دجلہ کے دہانے پھیلتے ہیں پھر وہاں سے بصرہ شہر کے نواح کو لے کر عبادان تک ملادو۔

یہ ہے دیار عرب کا محیط اور حدود اربعہ۔ پس عبادان سے لے کر ایلہ تک جو بحر فارس و بحر ہند و بحر قلزم محیط ہے یہ تین ریع عرب کو شامل ہے جس میں تمام شرقی اور تمام جنوبی اور کچھ غربی حد آگئی اور اب کچھ غربی اور تمام شمالی حد جو باقی رہی تو وہ ایلہ سے لے کر مابین تک اور وہاں سے

عباداں تک شمالی حد ہے اور مابین سے انبار کے بھی آگے تک جزیرے کی حد جنوبی ملتی ہے اور انبار سے لے کر عباداں تک عراق عرب کی جنوبی حد ملتی ہے اور ایلہ کے قریب سے ایک بیابان عرب سے ملحق ہوتا ہے۔ غربی و شمالی حد میں جس کو تہ بنی اسرائیل کہتے ہیں یعنی وہ بیابان جس میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے یہ بیابان عرب میں داخل نہیں اور یہ عمالقی اور یونانیوں اور قبطیوں وغیرہ اقوام کا مسکن تھا۔ انہیں اقوام سے بنی اسرائیل کو ان دنوں میں لڑائیاں پڑی تھیں۔

اور اسی طرح ملک جزیرہ بھی عرب میں شامل نہیں۔ ہر چند اس میں ربیعہ و مضر کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ تغلب ربیعہ اور اسی طرح یمن کے قبائل شام میں آباد ہو گئے تھے اور وہ بھی قیصر روم کے تابع تھے اور مذہب عیسائی رکھتے تھے جیسا کہ تنوخ اور غسان اور بہراء اور جنوب عرب و عراق میں اکثر عرب پارسی مذہب رکھتے تھے اور شاہان ایران کے مطیع تھے اور یمن میں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔

عرب ۲ کی تقسیم: ۱۔ حد سرین سے لے کر کوہ یلملم کے بیابانوں تک اور پھر طائف سے لے کر سیدھا نجد یمن تک ادھر شرق میں بحر فارس تک اس بڑے حصہ کو جو تمام عرب سے تقریباً دو تہائی ہے ملک یمن کہتے ہیں جو پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے اور حصوں سے اچھا ہے۔ قدیم زمانہ میں اسی سرزمین میں بڑے بڑے نامور بادشاہ اٹھے ہیں۔ قوم حمیر اور شاہان تیج اور قوم عاد کا یہی ملک ہے ان شاہان سابقہ نے تمام عرب ہی پر حکومت نہیں کی ہے بلکہ مصر اور عمران اور وہاں سے گزر کر اور مالیک پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے۔ بلقیس بادشاہ زادی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملک شام میں حاضر ہوئی تھی اسی ملک کی فرمانروا تھی اور سرزمین سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے تخمیناً دین تک طول میں اور عرض میں شرقی سمت میں حجر سے لے کر جبل طے تک یمامہ سے گزرتے ہوئے بحر قلزم تک اس نکلے کا نام حجاز ہے۔ مکہ مدینہ جدہ وغیرہ اسی ملک کے شہر ہیں اور حد یمامہ سے لے کر مدینہ کے قریب تک بصرہ کے بیابانوں سمیت اور بحرین سمیت

۱۔ ملک جزیرہ وہ ملک ہے جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے یعنی میان دو آب فرات و دجلہ۔ یہ بڑا شاداب اور آباد ملک ہے اور عراق

عرب جزیرہ سے ملا ہوا ہے وہ بھی آباد ملک ہے عرب کے ملحقہات میں سے ہے نہ عرب۔ ۱۲۔

۲۔ شرح اس کی یہ ہے کہ عرب پانچ حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) یمن یعنی عرب کا جنوبی حصہ اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ غرب میں قلزم و جنوبی تہامہ شرق میں بحر فارس جنوب میں بحر عرب شمال میں حدود نجد و یمامہ وغیرہ اور اس کو یمن اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے شرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے والے کو یہ بجانب دست یمن یعنی دائیں ہاتھ واقع ہے اس کے اضلاع یہ ہیں۔ حضرت موت، شحر، مہرہ، عمان، نجران۔ (۲) نجد۔ اس کے معنی ہیں بلند زمین کے چونکہ یہ قطع مرتفع ہے اس لیے اس کو نجد کہتے ہیں اس کے حدود یہ ہیں۔ عرب میں حجاز و تہامہ، جنوب میں یمامہ و یمن، شمال میں فرات، شرق میں عراق عرب۔ یہ حصہ زرخیر ہے شعراء نے اس کی بہت مدح کی ہے چنانچہ قیس بن طلوح شاعر کہتا ہے۔

فتح من یم عرابجہ فبا بعد الخیہ من عرار دوسرا شاعر کہتا ہے سنی اللہ نجداً و السلام علی نجد یا حجازاً علی القرب والبع

۳۔ حرب الہوس عرب کی خونخوار جنگ باہمی اسی ملک میں واقع ہوئی ہے جو کلیب اور وائل بن ربیعہ کی خونخوار جنگ تھی اور جبل عکا دھمی اسی ملک میں ہے جہاں اب تک وہی قدیم عربی زبان فصاحت سے بولی جاتی ہے یہاں کا گھوڑا اور اونٹ ضرب الشل ہے۔ (۳) تہامہ۔ یہ عرب کا ایک غربی مستطیل نکلہ ہے اس کے غرب میں بحر احمر جنوب میں یمن کا ایک حصہ شمال میں حجاز شرق میں نجد و یمن۔ یہاں کی رات خوشگوار مشہور ہے یہ حصہ ریگستان ہے اور چھوٹا سا نکلہ ہے۔ (۴) یمامہ یہ عرب کے شرقی نکلے کا نام ہے اس کے غرب میں حجاز و تہامہ شرق میں بحر فارس بحرین وغیرہ جنوب میں یمن شمال میں نجد اور اس کو عروض بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے گیہوں اور کھجور مشہور ہیں۔ (۵) حجاز یہ بھی ایک مستطیل نکلہ ہے عرب کے غربی حصہ میں اس کے غرب میں بحر قلزم ہے غربی حد جنوب کے رخ ملک تہامہ اور شمالی رخ ایلہ شرق میں نجد یمامہ ہے اور جنوب میں یمن اور تہامہ ہے۔ حجاز کے معنی ہیں پردے کے چونکہ یہ ملک ایک سمت سے تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اس لیے اس کو حجاز کہتے ہیں مکہ مدینہ جدہ وغیرہ شہر اسی متبرک نکلے میں واقع ہیں۔ یہ نکلہ ریگستانی اور پہاڑی ہے بھٹی باغ بہت کم ہیں ندی نالے چشمے بھی نہیں مگر رسالت کا چشمہ یہیں سے جاری ہوا ہے جس نے دنیا کو سیراب کر دیا۔ ۱۲۔

بحر فارس تک اس حصہ کا نام نجد ہے۔

اور عبادان سے لے کر انبار اور نجد اور حجاز تک کہ جس میں اسد اور طے اور تمیم اور تمام قبائل مضر ہیں عراق کہلاتا ہے اور حد انبار سے لے کر مابس تک ملک شام کی جانب کہ جس میں تہامہ اور میدان خفاف ہے وادی القری اور حجر تک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلمہ تک حجاز کے رخ سمندر کے کنارہ تک تبوک کے سامنے کے حصہ کو دیار طے تک بادیہ شام کہتے ہیں۔

بعض علماء مکہ کو تہامہ یمن میں اور مدینہ کو نجد میں قرب کی وجہ سے شمار کرتے ہیں اور تہامہ کو یمن کا غربی و جنوبی حصہ سمجھتے ہیں۔

ملک عرب ۱۲ درجہ سے لے کر ۲۵ درجہ تک عرض شمالی میں اور ۳۳ درجہ سے لے کر ۵۹ درجہ تک طول شرقی میں ہے اور زیادہ سے زیادہ عرض اس ملک کا ۱۱۵۰ میل ہے اور طول زیادہ سے زیادہ ۱۴۰۰ میل ہے جغرافیہ کے میلوں سے اور قبہ اس کا تخمینہ گیارہ لاکھ میل مربع ہے اور باشندے یہاں کے دو کروڑ سے زائد ہیں مذہب سب کا اسلام اور زبان عربی ہے۔ آدمی اس ملک میں ہر قسم کی رنگت اور قد و قامت کے ہوتے ہیں۔ سیاہ فام بھی اور گندم گون بھی اور شمالی عرب کے سرخ و سفید، طبعاً بہادر اور مہمان نواز، ذکی الطبع، غیور، عقیف ہوتے ہیں مگر غصہ اور شیلے بھی ہوتے ہیں۔

لڑائی اور شکار سے بہت رغبت رکھتے ہیں۔ تجارت کو عمدہ سمجھتے ہیں اور عمدہ زمین کے عرب کھیتی اور نخلستان کی تربیت کو بہت پسند کرتے ہیں، صنعت و حرفت کم ہے۔ یہ ملک اکثر ریگستان ہے جہاں کھیتی اور باغ اور نہریں اور چشمے کچھ نہیں۔ قدرے گھانس ہوتی ہے جو ان کے مواشی کو کافی ہو جاتی ہے اور ایسے بھی قطعات ہیں جہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہر قسم کے درخت اور چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ہیں مگر تمام ملک میں ایسی کوئی ندی یا نہر نہیں جس میں کشتیوں کی آمد و رفت ہو اور بارہ مہینے جاری رہتی ہو اگر دجلہ و فرات کو عرب سے خارج کر دیا جائے۔ عرب میں پہاڑ بھی بکثرت ہیں۔ بیشتر تو سیاہ اور خشک پہاڑ ہیں جہاں چشمے اور شادابی اور درخت بہت ہی کم ہیں۔ از انجملہ کوہ شراۃ کا سلسلہ ہے جو ایلمہ تک پہنچ کر عقبی سے گزرتا ہوا، محرار کے کناروں تک جاملتا ہے۔ کہیں سے چالیس میل اور کہیں سے اسی میل ہے۔ پھر یہ سلسلہ مشرق کی طرف موڑ کھاتا ہے یمن کو عبور کرتا ہے خلیج فارس سے آلتا ہے پھر وہاں سے بحرین کو طے کرتا ہوا فرات اور عمان کے دہانوں پر منتہی ہوتا ہے اور مدینہ کے شرق میں کوہ طے کے بھی دو سلسلے ہیں جن کو آجا اور سلطی کہتے ہیں۔ یہ کوہ سے مکہ آنے والوں کو ملتے ہیں اور عرب کو جو جنوباً تقسیم کرتا ہے وہ کوہ عارض ہے۔ اس کی جنوبی حد بلاد یمن میں سے جعدہ کے قریب ملتی ہے پھر یہاں سے شمالی جانب چلتا ہے اور خلیج فارس تک جا پہنچتا ہے اور اسی پہاڑ پر شہر جبر اور یمامہ ہے جہاں کے چشمے اور باغ نخلستان مشہور ہیں اور مدینہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جس کو جبل احد کہتے ہیں اور جنوبی پہاڑ کو عیر کہتے ہیں اور حجاز کے پہاڑوں میں سے مکہ اور مین کا پہاڑ ہے جس کو فاران بھی کہتے تھے۔ عرب میں کوئی بھی جمیل نہیں۔ اگر بحر لوط کو عرب میں شمار نہ کیا جائے۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو سمندر تک نہیں پہنچتے کچھ چل کر رستے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ صنعاء یمن کے قریب ایک نہر ہے جو بحر ہند میں گرتی ہے اور ایک ہچھوٹی سی نہر بلادِ مہرہ میں بھی ہے جو اسی سمندر میں آلتی ہے۔ ان بلاد کے پہاڑوں میں ہوا معتدل ہے لیکن نشیبی قطعات اور ریگستانی میدانوں میں سخت گرم ہوا چلتی ہے۔ عرب کے قطعات میں مختلف مہینوں میں بارش ہوتی ہے عرب کے بعض بلند پہاڑ ایسے بھی ہیں جن پر سردی اور کبھی کبھی برف جم جاتی ہے جیسا کہ طائف کا پہاڑ۔ یمن کے بعض بلند پہاڑ نہایت فرحت بخش ہیں۔ عرب کے بعض پہاڑوں اور ان کے نشیبوں میں ایسے بھی قطعات ہیں جہاں زخمیل، چنیل، کھجور، انجلی، بیٹشکر، بیگن، مرج، انار، بادام، پستہ، انگور، سیب، ناشپاتی، لیموں، کیلا، انجیر، گلاب، زگس، بنفشہ، بیر، نارنیل کھیرے، گکڑی، تربوز، خر بوزے، ہر قسم کی چیزیں اور ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں خصوصاً نواح جنوبیہ میں۔ یمامہ کے گیبوں مشہور ہیں باقی میدانوں میں جوار، بارہ، چنا اسی قدر ہوتا ہے جو بمشکل وہیں کے لوگوں کو کافی ہوتا ہے۔

عرب میں ہر قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں خصوصاً نجد کا گھوڑا تو دنیا میں مشہور ہے اس کے سوائے گدھا، گائے، بیل، اونٹ، خچر بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، ہرن، خرگوش، دنبہ بھی بہت ہوتا ہے۔ درندے بھی ہر قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔ پرند بھی بکثرت ہیں۔ چڑیا، کبوتر، فاختہ، چیل، کوا، ہد ہد، عقاب گدھ وغیرہ اور جنوب عرب میں ایک جانور سناس پہلوں کا بوا دشمن ہوتا ہے۔ آج کل عرب میں لوہے اور تانبے کی کان اور یمن میں عقیقہ یمنی کی کان مشہور ہے بلکہ یمن کے بعض پتھر بے بہا مشہور ہیں اور کوہ سینا کے پاس بہت سی کانیں ہیں لیکن اب تک ظاہر نہیں ہوئیں اور چاندی سونے کی کانیں جن پر عرب کو کسی زمانہ میں فخر تھا افسوس آج کل نامعلوم ہیں۔

جب ہند اور مغربی ممالک میں آمد و رفت نہ تھی عرب کی تجارت بڑی ترقی نہ تھی کس لیے کہ مغربی ملکوں میں مشرقی ملکوں کا مال اور مشرقی ملکوں میں مغربی ملکوں کی چیزیں عرب ہی کے وسیلے سے آتی جاتی تھیں۔ عرب کو فن جہاز رانی میں بڑا کمال تھا وہ جہازوں پر ہند اور اس کے جزائر اور چین و جاپان تک ادھر بحر احمر میں ہسپانیہ تک دیر اندہ سفر کیا کرتے تھے اور جب سے رستہ نکل آیا اور درخانی جہاز ایجاد ہو گئے تو عرب کی تجارت بالکل جاتی رہی۔ عرب سے اب سناء اور لوبان، صبر مر، فلفل، سیاہ، سنا، عود، بن جاتے ہیں۔ اور یورپ سے عمدہ عمدہ کپڑے ریشمی اور اونی اور لوہے کی ساخت کے ہتھیار وغیرہ اور بلور اور شیشے کے ظروف اور بارود و چھرے بہت آتے ہیں اور حبش سے ہاتھی دانت اور بکریاں اور مشک اور جنوبی افریقہ سے سونا اور ہاتھی دانت، کھربا اور غلام آکر بکتے ہیں اور مصر و ہند سے چاول، شکر، تیل اور ہند سے کتان و روئی اور شام سے صابون اور وہاں کی ساخت کے کپڑے آکر بکتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عرب کے بادشاہان حیر نے اور ملکوں پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے۔ اسلام کے بعد عرب نے وہ کایا پلٹی تھی کہ روئے زمین کے فرمانروا، علوم کے خزانچی، صنایع و دستکاری کے استاد مانے جاتے تھے۔ فن عمارت میں ان کو ایک خاص ملکہ تھا۔ اسپین میں الحمراء وغیرہ عمارات ان کی یادگار ہیں۔

یہ سفر بحری و بری کے بڑے مشاق تھے چھین تک اول ہی صدی میں جا پہنچے، ادھر غرب میں سپین پہنچے۔ ترکستان وغیرہ ملک ان کے گھوڑوں نے کھنڈل ڈالے تھے۔ یہ جہاں جاتے تھے اسلام اور اپنے کمالات کو ساتھ لے جاتے تھے ان کو غیر لوگوں پر بہت جلد فتح حاصل کر لینے میں بڑا کمال تھا مگر فتح کرتے ہی مفتوح قوموں کو اپنی نعمتوں اور عزت میں شریک کر لینا اپنی جوانمردی اور فیاض طبیعت کا شیوہ جانتے تھے۔ اس لیے جو ملک انہوں نے فتح کیا تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں کے باشندوں کو نہال کر دیا۔ یہ عہد اور قول و قرار کے بڑے سچے تھے، ان کے قوانین میں جو فروشی گندم نمائی کا دوسرا پہلو نہ تھا، ان کی پرہیزگاری اور فیاضی اس پر شجاعت غیر قوموں کو بہت جلد اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، عیاشی اور شہوت پرستی سے ان کو دینی نفرت تھی۔ رعایا پر ظلم کرنا یا حیلہ و تدبیر سے ان کا مال چھین لینا ان کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔ وہ حکومتوں کو اپنی برابر عزت کا مستحق بنانے میں سرگرم تھے مگر اب کئی صدیوں سے یہ سب اوصاف کم ہو گئے اور دنیا بھر کی کوئی سرسبز سلطنت بھی ان کے قبضہ میں نہ رہی۔ اب جو شاہان اسلام اور ملکوں کے فرمانروا ہیں انہیں عربوں کے تعلیم کئے ہوئے شاگرد ہیں۔ اب ہم اول حجاز کے مشہور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ | دو پہاڑوں کے بیچ ایک مستطیل شہر آباد ہے۔ اس کا طول معلاۃ سے مسفلہ تک تقریباً دو میل ہے جنوب و شمال میں۔ اور اسفل جیاد سے لے کر کوہ عقیقہ کان کی پشت تک عرض طول سے تخمیناً دو ملٹ ہے۔

اس کے مکانات گارے اور چوئے اور پتھر کے بنے ہیں۔ لکڑی کا بھی بہت کام ہے۔ شہر میں متعدد بازار ہیں خصوصاً بزازوں کا بازار تختوں سے پناہوا ہے صرف دھوپ کے بچاؤ کے لیے بازار پر رونق ہیں ہر قسم کی چیز موجود ہے۔ رستوں اور بازاروں میں صفائی کا عمدہ انتظام ہے اور روشنی کا بھی۔ آبادی بڑھ جانے سے دونوں پہاڑوں پر بھی مکانات اور محلے آباد ہو گئے ہیں۔ آب و ہوا گرم خشک مگر صحت بخش ہے۔ چونکہ سمندر سے یہ شہر بہت دور نہیں اس کی مغربی سمت میں کہیں دو منزل کہیں اس سے بھی کم سمندر یعنی بحر قلزم ہے اس لیے خشکی زیادہ نمودار

نہیں ہوتی۔ مگر منطقہ حارہ کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں بادِ موسم چلتی ہے۔ شہر کے قدیم رؤسا میں سے جن کو اصلی باشندہ کہنا چاہیے تین ہی گھر مشہور ہیں۔ ایک شریف کا جو امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے گویا یہ جاز کا بادشاہ ہے گورنر جاز جس کو باشا کہتے ہیں مکہ معظمہ میں رہا کرتا ہے۔ سلطان المعظم کی طرف سے وہ شریف کا نگران رہتا ہے کبھی کبھی باشا اور شریف میں بد مزگی ہو جانے سے جاز اور اہل شہر کو تکالیف بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ دوسرا گھر شیمی کا ہے جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہا کرتی ہے۔ تیسرا عباس علیہ السلام کا خاندان ہے جس کو سقلیۃ الحاج اور آب زمزم کی خدمت ہے۔ اکثر لوگ شہر کے آفاقی ہیں کوئی چار پشت سے کوئی دس پشت سے کوئی خود باہر سے آکر بسا ہے۔ مصر، شام، ہند، جاوا، عرب کے لوگ بکثرت موجود ہیں۔ ترکی نسلیں بھی ہیں بیشتر مخلوط ہیں اور اسی لیے اس شہر کے لوگ گورے، کالے، موٹے، دبیلے، خوبصورت، بد صورت ہر قسم کے ہوتے ہیں مگر زبان اور لباس سب کا عربی ہے عربی زبان اس شہر کی اصلی زبان ہے۔

شریف مکہ کو جاز کے قبائل بادشاہ مانتے ہیں اور سلطان المعظم کی طرف سے بھی وہ ایک بڑا سردار یا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے اور وہاں سے اس کو بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا شریف اسی خاندان سے مسند نشین ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ نفیس مزاج ہیں مکانات میں عجب عجب آرائش کرتے ہیں۔ ہمیشہ پچھلی رات سے بازار کھل جاتے ہیں کھانے پینے کی چیزیں دن نکلنے تک بہت کچھ بک چکتی ہیں۔ اسبابِ معاش یہاں کئی قسم پر ہیں۔ اول تجارت یہ شہر بندر جدہ سے بہت قریب ہے۔ سمندر کی راہ سے ہر ایک ملک سے ہر قسم کی چیز آتی ہے۔ غلہ پارچہ ظروف وغیرہ اس لیے اس شہر میں بڑے بڑے تاجر ہیں اور مرقد الحالی سے گزران کرتے ہیں۔

(۲) حرفت۔ گرچہ یورپ کی طرح کسی کام کی بھی اس شہر میں کلیں نہیں ہیں مگر ہاتھ سے بنانے والے کارگر بہت ہیں سینے کے اور لکڑی کے۔ خصوصاً تنبیج کے کام سے بہت لوگ واقف ہیں اور یہی کام ہوتے ہیں۔ (۳) دغائف خوار بیشتر کو تو حضرت سلطان المعظم کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے حرم شریف کے بہت سے امام اور بہت سے مؤذن اور بہت سے خادم ہیں ان سب کا خرچ اور مسجد الحرام کا خرچ سب سلطان المعظم کی طرف سے آتا ہے جس کو خود یومصر بھیجتا ہے اور شام سے بھی آتا ہے یہ کئی لاکھ روپیہ کا خرچ ہے۔ (۴) حجاز کی خدمت اس میں ایک جماعت مطوفین کی بھی ہے۔ یہی لوگ پردیسی حاجیوں کو مکان کرایہ دلاتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو رفع کرتے ہیں اور ان کو حج کے ارکان بھی تعلیم کرتے ہیں۔ پہلے روز یہ اپنی طرف سے ضیافت بھی کھلاتے ہیں۔ یہ متعدد زبانیں جانتے ہیں۔ حاجی بے کھٹکے اپنی امانتیں ان کے پاس رکھ دیتے ہیں مگر آج تک ان کی امانت داری میں کوئی دھبہ نہیں لگا۔ خرید و فروخت بھی انہیں کی معرفت ہوتی ہے تو اچھی ہوتی ہے۔ انہیں کی معرفت مدینہ جانے کے لیے اونٹ کرایہ ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ وہی جو حکام کی طرف سے مجاز ہو۔

سلطان المعظم کے جو قانون حجاز خصوصاً مکہ اور مدینہ کی بابت ہیں نہایت نرم اور پر رحم ہیں۔ سلطانی انتظام بہت عمدہ ہے، عدالتیں بھی ہیں، میونسپل کمیٹی بھی ہے، سرکاری مدارس اور شفا خانہ اور ڈاک خانہ بھی ہیں تاگر بھی ہے مگر اس وجہ سے کہ گاڑیوں کا رواج اس ملک میں نہیں۔ صرف اونٹ گھوڑے، خچر، گدھے بارکشی کرتے ہیں ایسی سڑکیں نہیں جن پر روڑی پیچی ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں دوڑتی چلی جائیں اور اس طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔

شہر میں مسافر خانے بھی بکثرت ہیں جن کو رباط کہتے ہیں جن میں ہر قسم کا انتظام ہے۔ کرایہ کے مکان بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ مکانات دو منزل لے بلکہ سہ منزل لے بھی ہوتے ہیں ہر طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں صحن ندارد۔

شہر کے ایک گوشہ میں سلطانی لشکر بھی رہتا ہے۔ عمدہ چھاؤنی ہے۔ حجاز کے لشکروں کا صدر مقام یہی ہے اور جدہ بھی ہے۔ شہر میں رات دن خدا تعالیٰ کی عبادت اور تہلیل و تکبیر کا ہر جگہ چرچا رہتا ہے۔ خصوصاً مسجد الحرام تو کسی وقت خالی نہیں رہتی۔ یہاں کے آدمی عموماً عفت شعار

پر ہیزگار ہیں۔ نہ شہر میں کہیں شراب خانہ ہے نہ کوئی مسکر چڑکتی ہے نہ کوئی کبھی، فاحشہ ہے نہ ایسے وقوعہ ہوتے ہیں جیسے کہ ہند میں ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے حج کے مجمع میں کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہو نہ یہ کہ کسی نے کسی کو عورت یا مال کے لیے مار ڈالا ہو۔ نہ کوئی تھیٹر ہے نہ کوئی تماشا گاہ ہے، نہ بد معاشی اور بدکاری کے یہ طریقے ہیں نہ کوئی ایسی موشگافی وہاں جانتا ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر واقعات کا لحاظ ہو کر دادرسی مد نظر رہتی ہے نہ وہاں ملع کاری ہے نہ دکھاوے کی یہ چمک دمک ہے کہ بال کی کھال کھینچی جاتی ہے اور نہ قانونی چیخ لڑا کر ملک کو مکروفریب سکھانے والے دکلاء ہیں نہ شیطان کی آنت کی طرح مقدمات اس قدر طول پکڑتے ہیں نہ اہل مقدمات زیر باری اور بیکاری کے سبب برباد ہو جاتے ہیں۔

پولیس کا بھی عمدہ اسلوب ہے حتی المقدور لوگوں کی آسائش و امن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دکھاوے کی زرق برق اور مفت کے اچھ چھ نہیں نہ لوگوں کو شہنوجوں میں کھینچا جاتا ہے۔ یہی حال میونسپلٹی کا ہے۔ ضروری کاموں کے لیے مختصر سے ٹیکس ہیں نہ دکھانے کی ٹیپ ٹاپ ہے اور نہ ترکوں کے آرام کے لیے منظر وسیع میں لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے نہ میلوں ان کے لیے سڑک بنائی جاتی ہے نہ ان کے لیے ٹون ہال میں عیش و نشاط کے سامان بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے نہ بات بات پر ٹیکس ہے۔ شہر میں جا بجا نہجربیدہ پھرتی ہے اسی کے صاف اور شیریں پانی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں۔ جا بجا حوض بنے ہوئے ہیں جن میں نہر پڑ کر نکل جاتی ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے وضو کرتے ہیں کوئی مانع نہیں نہ کوئی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ شہر میں انگور، انار، کشمش، مٹقی، کھجور وغیرہ میوہ جات بکثرت بکتا ہے اور ارزاں بکتا ہے۔ نہ شہر میں کوئی باغ ہے نہ سبز درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں نہ ترکاری اور سبزہ زار کے کھیت ہیں۔ یہ سب چیزیں موجود ہیں جو طائف وغیرہ مقامات سے آتی ہیں یہ اس شہر کی بڑی برکت ہے۔

اس شہر میں تخمیناً تین لاکھ آدمی آباد ہوں گے۔ خاص اس شہر اور مدینہ میں غیر مسلم کو آنے نہیں دیتے لیکن یورپ کی سلطنتیں اپنے جاسوس بھیجتی رہتی ہیں جو بہ تبدیل لباس آیا کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی رعیت میں سے کسی مسلمان کو بھیجتے ہیں جو وہاں طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے اور اس بات کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے کہ شریف اور عربوں کو سلطان المعظم سے لڑا دیا جائے تاکہ سلطان المعظم کے ہاتھ سے خدمتِ حرمین شریفین کا افتخار جاتا رہے۔

مسجد الحرام | تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور اس کے چاروں طرف نہایت خوشنما سنگ مرمر کے ستونوں پر کئی کئی درجہ کے دالان ہیں یعنی قبة بنتے چلے گئے ہیں اور اس نشیب کے وسط میں سنگ مرمر کا فرش ہے اس کے پتھوں بیچ ایک مربع بڑی بلند عمارت ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ یہ عمارت مسقف ہے قد آدم کے قریب کرسی پر ایک دروازہ مقامِ ابراہیم و زمزم کے کنوئیں کی طرف ہے۔ اس عمارت پر نیچے سے لے کر اوپر تک سیاہ ریشم کا کہ جس پر خط نسخ میں بناوٹ میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ غلاف پہنایا ہوا ہے اور نصف سے بلند نہری حروف کا ایک پٹکا بنا ہوا ہے اور کعبہ سے ملی ہوئی مغرب رخ بیضوی شکل سنگ مرمر کی دیوار دو ہاتھ بلند ہے اس کو حطیم کہتے ہیں اور جرجری اسی طرف کعبہ کا نہری پر تالہ پڑتا ہے جبکہ اس کی چھت پر بارش ہوتی ہے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

حطیم سمیت کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس رخ میں کعبہ کے ایک کونہ کو رکن عراقی دوسرے کو رکن یمانی کہتے ہیں اور اسی طرح دوسری طرف کے دونوں گوشوں میں سے ایک کا نام رکن شامی ہے اور دوسرے گوشہ پر جو دروازہ کعبہ کے قریب ہے گز سوا گز بلندی پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جو عمدہ عقیق ہے، ڈھال کے برابر چاندی کے حلقہ میں بندھا ہوا دیوار میں لگا ہوا ہے۔ طواف کے بعد اس کو بوسہ دیتے ہیں اور اس کو حجرِ اسود یعنی کالا پتھر کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کے سبب نہایت قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ دروازہ کے سامنے ایک کنواں ہے جس کو زمزم کہتے ہیں اور یہیں سقایۃ الحاج ہے جس کو سقایۃ عباس کہتے ہیں اور دارالندوة جو جاہلیت میں قریش کی مجلس کا مکان

تھاب حرم میں شامل ہو گیا ہے دارالامارۃ کے مغربی جانب میں تھا۔

صفا ۱۔ جبل ابونعیم کی ایک مرتفع جگہ کا نام ہے جیسا کہ مردہ جبل قعقعان کے پتھر کا نام ہے جو اس کے مقابلہ میں ہے اور یہی وہ دونوں پہاڑ ہیں کہ جن کے بیچ شہر مکہ بستا ہے لیکن ابونعیم جو شرقی جانب میں ہے قعقعان سے بلند ہے جو غربی جانب میں ہے۔ قعقعان کے پتھروں سے کعبہ کی عمارت چنی گئی ہے۔ صفا و مردہ کا میدان آج کل بازار ہے جس میں حاجی سہی کیا کرتے ہیں۔

منیٰ ۱۔ مکہ سے عرفات کی جانب انہیں دونوں پہاڑوں کے سلسلہ میں تقریباً تین میل ہے وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں بازار بھی اور مکانات بھی ہیں اور اس کے وسط میں مسجد خیف ہے۔ اور یہیں وہ چھوٹے چھوٹے تین مینار ہیں جن پر حاجی سات سات کنکریاں مارا کرتے ہیں مکہ کے رخ کے مینار کو جو منیٰ کے اخیر پر ہے حمرۃ العقی کہتے ہیں۔

مزدلفہ ۱۔ منیٰ سے آگے بڑھ کر عرفات کے رستہ پر بطن محسر اور مازمان کے بیچ ایک مقام ہے جہاں عرفات سے واپس آ کر رات کو حجاج رہا کرتے ہیں بطن محسر منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ ایک وادی کا نام ہے اور مازمان دو پہاڑوں کی شاخ ہے جو بطن عرنہ تک گئی ہیں۔

عرفات ۱۔ عرنہ سے لے کر بنی عامر کے باغ تک کے میدان کا نام ہے اور وہیں وہ مسجد ہے جہاں ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھا کرتے ہیں عرفات حرم مکہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح تعمیم بھی خارج حرم ہے۔ عرفات مکہ سے تخمیناً آٹھ نو میل ہے۔

شعب ۱۔ یہ بلند پہاڑی ہے جو منیٰ اور مزدلفہ سے دکھائی دیتی ہے۔ ایام جاہلیت میں جب تک اس پہاڑی پر دھوپ نہ لگی دیکھ لیتے تھے چلتے نہ تھے۔

مشعر الحرام ۱۔ مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی جگہ امام حج کے دنوں میں عشاء اور صبح کی نماز پڑھایا کرتا ہے۔

حدیبیہ ۱۔ یہ مکہ سے ایک دن کے رستہ سے زیادہ پر ایک مقام ہے کسی قدر حرم میں اور کسی قدر صل میں داخل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کو آئے تو قریش برسر مقابلہ آئے اور اسی جگہ روک دیا اور یہیں صلح نامہ باہمی لکھا گیا۔

مدینہ ۱۔ مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دس منزل ایک شہر ہے کہ جس کی پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے اس کی آبادی شہر پناہ سے بھی باہر ہے۔ آبادی مکہ سے کم ہے مکانات کا وہی طرز ہے یہاں تقریباً سردی اور گرمی ایسی ہوتی ہے کہ جیسی ہندوستان کے دہلی شہر میں۔ اس کے ارد گرد کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں ان کو حائل کہتے ہیں۔ ان میں کنوؤں اور کاریزوں سے پانی دیا جاتا ہے۔ شہر کے وسط میں مسجد نبوی ہے جس کو حرم شریف کہتے ہیں۔ یہ نہایت شاندار اور پر تکلف عمارت ہے جو لاکھوں روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ اب جو مسجد موجود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک محلہ تھا اور مسجد نبوی جو آپ کے عہد میں تھی اسی میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وسعت دی۔ پھر خلفائے بنی امیہ نے ازواج مطہرات کے گھروں کو بھی اور دیگر گھروں کو بھی شامل کر لیا۔

مسجد کے گوشہ میں ایک مرتفع عمارت ہے جس کے اوپر بزرگنبد ہے اس کے اندر ایک درجہ چھوڑ کر ایک اور گنبد ہے جو ہر طرف سے بند ہے اس کے اندر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مزار شریف ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پر تکلف اور پر زربزخمل سے ڈھکی رہتی ہے یعنی بزرخمل کے بڑے بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر زر کی حرفوں سے جو نہایت خوشخط ہیں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی شہر کی غربی جانب میں وہ جگہ بھی ہے جہاں آنحضرت ﷺ عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور بیع الغرقہ شہر کے شرقی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ بنا ہوا ہے جس میں بڑے بڑے صحابہ انصار و مہاجرین و اہل بیت کی قبریں ہیں۔ اب بھی یہی قبرستان ہے بڑی پر برکات اور عبرت خیز جگہ ہے۔

قبا ۱۔ دو میل کے فاصلہ پر مکہ کے رخ ایک بستی ہے۔ ہجرت کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پہلے یہیں اترے تھے۔ شہر

کے جنوب اور شمال میں کئی میل کے فاصلہ سے پہاڑوں کے دو سلسلہ ہیں۔ جنوبی سلسلہ کا نام جبلِ غیر ہے اور شمالی کا احد جو تخمیناً دو میل کے فاصلے سے ہے اور اسی کے دامن میں ان شہداء کے مزارات ہیں جو جنگِ احد میں شہید ہوئے تھے۔ جن میں حضرت کے چچا سید الشہداء حمزہ بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ مسجد نبوی کے غرب میں ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے اور اس کے پاس مدرسہ بھی یہاں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ بازار وسیع نہیں مگر پر رونق ہیں۔ شہر میں شیریں پانی اور سبز چیزیں اور میوے بکثرت ملتے ہیں۔ نہایت شاداب جگہ ہے آدمی یہاں کے نہایت نرم دل اور مہربان اور مہمان نواز اور بے تکلف ہیں۔ شہر کے شرقی طرف کئی میل کے فاصلہ پر بنی نصیر دینی قریظہ ہے۔ یہودی گڑھیاں بھی تھیں جن کے اب کچھ نشان بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہاں بھی متعدد مدرسہ اور شفا خانہ ہیں اور مسافروں کے لیے مہمان سرائیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار نظام الملک آصف جاہ مالک دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بھی ان دونوں مقدس شہروں میں ہزار ہا روپیہ ماہوار اللہ صرف ہوتا ہے اور عمدہ مکانات اور آسائش کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ حضور پر نور میر محبوب علی خان نظام الملک آصف جاہ بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کا دستِ کرم نیک کاموں کے لیے بڑا فراخ ہے۔ حیدر آباد میں جس امیر کے متعلق وہاں کی خبر گیری ہے وہ ہمارے عنایت فرمانوایاں معزیا والدولہ بہادر ہیں ان کی ہمت اور کوشش سے شاہ عالیجاہ کا خطیہ بڑی امانت سے مستحقوں کو پہنچتا ہے اور ہر سال حجاج کی ایک جماعت بھی روانہ کی جاتی ہے۔ یہ شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی فیاضی کی ایک چھوٹی سی نظیر ہے۔

فرع | مدینہ کے جنوب میں چار دن کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں۔

عقیق | مدینہ سے مکہ کے رخ چار میل کے فاصلہ پر ایک وادی پر فرحت ہے جس کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے۔

حجفہ | یہ سمندر سے دو میل کے فاصلہ پر بڑی آباد بستی ہے۔ مکہ اور مدینہ کے رستہ میں اس سے آباد تر کوئی جگہ نہیں جیسا کہ مدینہ اور عراق کے رستہ میں فید سے زیادہ پر رونق اور کوئی جگہ نہیں اور یہ دیار طے میں ہے اور طے کے دونوں پہاڑ اس جگہ سے دودن کے فاصلہ پر ہیں اور یہاں کھجور بکثرت ہیں طے کے قبائل مویشی چرانے کو یہاں آیا کرتے ہیں۔

جبلہ | ایک قلعہ ہے آخر وادی ستارہ میں مرزا اور عسکان کے بیچ۔ مکہ جانے والوں کو بائیں طرف ملتا ہے اس وادی کا طول دودن کا سفر ہے جہاں کوئی بھی کھجور کا پتھر نظر نہیں آتا اور اس کی پشت پر ایک اور وادی ہے جس کو سایہ کہتے ہیں اور بھی ہے جس کو سائرہ کہتے ہیں اسی جبلہ پر زمانہ سابق میں تمیم اور بکر بن وائل کی خونخوار جنگ ہوئی تھی۔

خیبر | یہ مدینہ سے شمال و غرب میں چار منزل کے فاصلہ سے ایک مستحکم گڑھی ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا قصبہ بستا ہے اس کے آس پاس کھجور کے باغ بکثرت ہیں اور قابلِ کاشت زمین بھی بہت ہے۔ یہاں مالدار یہودیوں کی ایک قوم رہا کرتی تھی جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بد عہدی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اس لیے ان پر صلح حدیبیہ کے بعد چڑھائی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار کیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے دروازہ کو اکھڑ کر بھینک دیا۔ اب تک وہ پتھر موجود ہے جس کو پچاس آدمی بمشکل ہلا سکتے ہیں۔ فتح کرنے کے بعد اس کے باغ اور زمین مسلمانوں کو تقسیم کر دی گئی۔ مدینہ کی فاقہ کشی اور تنگی دفع کرنے کا یہ پہلا سامان تھا۔ یہاں سے تیمہ چار منزل ہے وہاں سے حجر چار منزل ہے۔

مدینہ کے اطراف میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں جن میں عرب کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ بیعِ بختر قلم کے کنارہ پر مدینہ سے چار منزل۔ یہ بہت ہی قریب بندر ہے اور اسی کے متصل عیص اور مردہ ہے۔ بیع کے پاس جبلِ رضوی ایک سرسبز اور بلند پہاڑ ہے۔ فرقہ کیسانیا کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ اب تک زندہ اسی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ ودان: حجفہ سے ایک منزل پر ہے اور اس کے چار میل کے قریب

ابو اہ ہے یہاں جعفری اور حسنی قابل رہتے ہیں جن میں باہم لڑائیاں ہوا کرتی ہیں۔

جدہ ! یہ مکہ سے غربی جانب دو منزل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارہ ایک عمدہ شہر آباد ہے جس کے چاروں طرف سنگین شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں بازار وسیع ہیں۔ ہر قسم کے تاجر موجود ہیں اور مالدار لوگ بھی رہتے ہیں۔ یہ حجاز کا سب سے آباد بندر ہے۔ بحر قلزم سے مکہ جانے والے لوگ اکثر یہیں اترتے ہیں پھر ایک منزل بیچ اگلی منزل مکہ ہے اس جگہ غیر سلطنتوں کے کونسل بھی رہا کرتے ہیں۔

طائف ! چھوٹا سا شہر جبل غزوان پر آباد ہے مکہ سے شرقی رخ میں تین منزل پر۔ اس پہاڑ پر بنی سعد اور ہذیل کے تمام قبائل آباد ہیں۔ ثقیف و ہوازن کا بھی یہی مرکز ہے۔ یہ بڑی بلند جگہ ہے اس لیے سرد مقام ہے جس کی چوٹی پر برتن میں پانی جم جاتا ہے۔ تمام حجاز میں اس سے زیادہ شاداب اور سرد سیر اور بہار افزا کوئی مقام نہیں۔ یہاں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگوڑی قسم کا انار نہایت شیریں اور بڑے بڑے دانوں کا اور انجیر اور بہت سے میوے اور اسی طرح ترکاریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مکہ میں جو میوے آتے اور ارزاں بکتے ہیں سب کا خزانہ یہی مقام ہے۔ گرمیوں میں ترکی حکام اور دولت مند اشخاص اس پہاڑ پر چلے جایا کرتے ہیں۔ مکہ سے وہاں تک تار لگا ہوا ہے۔ اوپر عمدہ عمدہ مکانات اور باغ ہیں۔ مکہ شہر میں جو نہر زبیدہ جاری ہے جس کو زبیدہ خاتون ہارون رشید کی بیگم نے بنایا تھا اسی سلسلہ پہاڑ کے کسی چشمہ سے نکلتی ہے۔

اور یہی بستیاں حجاز میں ہیں لیکن اب ہم اسی قدر پر بس کر کے ملک حجاز کا بیان ختم کرتے ہیں۔

شمالی عراق کے مقامات

حجر ! چھوٹا سا گاؤں وادی القریٰ کے قریب ہے ایک دن کے فاصلہ پر پہاڑوں میں اور یہاں قوم ثمود کے مکانات ہیں جن کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے و ثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ ہم نے ان کے کھدے ہوئے مکانوں کو دیکھا ہے جو ہمارے مکانوں کی مانند پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے ان پہاڑوں کو غالباً کہتے ہیں۔ یہ چند پہاڑ متصل ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے جدا ہے، ان کے ارد گرد ریت ہے جس کے سبب اذ پر چڑھنا نہایت دشوار ہے اور یہیں وہ کنواں ہے جو صالح علیہ السلام کے ناقہ کے لیے معین ہوا تھا جیسا کہ فرمایا تھا لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم۔

تبوک ! حجر اور شام کے بیچ ہے۔ شروع شام سے چار منزل کے فاصلہ پر شام کے نصف رستہ میں ایک قصبہ ہے جہاں ایک قلعہ بھی ہے اور باغ اور چشمے بھی ہیں۔ کہتے ہیں اصحاب الایکہ کہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے یہیں رہتے تھے۔ حضرت شعیب مدین کے رہنے والے تھے ان کے لیے رسول ہو کر آئے تھے۔

مدین ! قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھ منزل کے فاصلہ سے ایک بستی ہے جو تبوک سے بڑی ہے اور یہیں وہ کنواں ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ مگر پاٹ دیا گیا تھا اس کے اوپر کسی نے گھر بنالیا ہے اور یہاں کے لوگ چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ مدین دراصل قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داماد تھے۔

بادیہ سماوہ ! ایک بیابان ہے جو دومتہ الجندل سے لے کر عین التمر تک ہے۔ اس وادی میں پیڑ سرسبز بکثرت ملتے ہیں اور چشمے بھی اور اسی کے قریب میدان قادسیہ ہے۔

بادیہ خساف ! یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیان میدان میں ہے۔ رعد سے لے کر مابس تک یہ بھی سرسبز ہے۔

صفین | یہ بھی اسی میدان میں ایک مقام ہے فرات کے قریب۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علیؓ و معاویہؓ میں کئی مہینوں تک ستر لڑائیاں ہوئی تھیں۔

تیماء | ایک قلعہ ہے تبوک سے شمال کی طرف۔ اس میں ایک بستی ہے یہاں بھی چشمہ اور سرسبز درخت بکثرت ملتے ہیں۔
 قلزم | بحر قلزم کے کنارے ایک بستی ہے اور اسی کے قریب ہی سمندر کی شاخ تمام ہو گئی ہے نہ یہاں کھیتی ہوتی ہے نہ کوئی سایہ دار درخت ہے نہ پانی شیریں ہے دور سے لاکر پانی پیتے ہیں۔ مصر اور شام اور فلسطین اور حجاز کے قافلے یہاں آکر ٹھہر ا کرتے ہیں اور اسی کے سبب اس کو بحر قلزم کہتے ہیں۔

تاران | ایلہ اور قلزم کے درمیان اسی بحر کے کنارے پر ایک بستی ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہوا لکر کھا کر دریا میں بڑا طوفان برپا کرتی ہے۔ اس دریا میں اس جگہ سے زیادہ اور کوئی مقام خطرناک نہیں۔ اسی جگہ فرعون مع لشکر غرق ہوا ہے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف ایک اور مقام ہے جس کو صحیلات کہتے ہیں۔ یہاں بھی بڑا طوفان رہتا ہے پھر اس سے آگے بڑھ کر جنوبی طرف میں ایک بستی ہے جس کو ابلہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بحر قلزم کے کنارہ ہے۔ اگلے زمانہ میں یہاں یہود رہتے تھے یہاں کسی قدر شیریں پانی اور کھیتی بھی ہے مگر زیادہ گزران مچھلی کے شکار پر ہے۔ ان لوگوں کو سبت کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت ہوئی تھی انہوں نے عدول حکمی کی جس پر قہر نازل ہوا۔ ان کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ صورتیں مسخ ہو کر بندر اور سور نظر آنے لگے۔ واسئلہم عن القرية التي كانت حاضرة البحر۔ اسی کے سامنے شرقی طرف مدین بستی ہے۔

تہ بنی اسرائیل

یہ بیابان قلزم کے شرق سے شروع ہوتا ہے۔ قلزم کی دونوں شاخوں کے بیچ جو بیابان ہے کوہ طور اور سینا وہیں واقع ہے مدین سے کئی منزل کے فاصلہ پر۔ پھر یہ بیابان آگے چل کر شام اور عرب کے رخ دور تک چلا گیا ہے۔ اس میں عمالیق اور دیگر اقوام آباد تھے۔ آج کل اکثر عرب رہتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے ہیں یہ بیابان کہیں تو ایسا ہے کہ جہاں نہ پانی نہ سایہ دار درخت ہے۔ سنگلاخ یا ریگستانی زمین اور خاردار پیڑ اور خشک پہاڑیاں ہیں۔ اور کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں۔

یمن کے مقامات

اب میں یمن کے مقامات کو بیان کرتا ہوں

عمان: یہ ملک یمن کا شرقی حصہ سمندر کے کنارے کنارے اور کچھ جنوبی حصہ ایک مثلث کی صورت جس کی ابتداء شہر بحرین اور انتہا شرقی اور جنوبی حصہ کو لیتی ہوئی دفر تک ہے اور اس کے اس موڑ پر کہ جہاں سے شرقی حد تمام ہو کر جنوبی شروع ہو جاتی ہے شہر مسقط آباد ہے جو تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں سے ہندوستان کا کراچی بندر صرف تخمیناً چھ سو میل ہے اور ہندوستان اور عرب میں اس سے کم فاصلہ اور کسی طرف سے نہیں۔ ملک عمان کا کنارہ جو بحرین سے شروع ہو کر دفر پر تمام ہو جاتا ہے یہ دور تخمیناً گیارہ سو میل ہے اور عرض اس ملک کا تقریباً دو سو میل ہے۔ یہ ملک سرسبز ہے اور میوے بکثرت ملتے ہیں زراعت بھی ہے۔ سمندر کے کنارے اس کے یہ بندر بہت مشہور ہیں۔ صحاریہ: بڑی تجارت گاہ ہے اور پر رونق ہے۔ مسقط: یہاں عمان کا سلطان رہا کرتا ہے جو خوارجی مذہب رکھتا ہے۔ یہ رونق دار شہر ہے۔ مساجد و مدارس بکثرت ہیں۔ یہاں کا حلوی بہت مشہور ہے۔ بحرین: یہ بھی ایک شہر ہے، یہاں موتی نکلتے ہیں اس لیے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بکثرت رہا کرتی ہے۔ یہ بھی مسقط کی طرح اور صحار کی طرح خلیج فارس پر آباد ہے۔
 حضر موت | یہ ملک عدن اور عمان کے درمیان ہے اور اس کے درمیانی حصہ کو نجد الیمن کہتے ہیں۔ نجد کے لغوی معنی ہیں بلندی کے یعنی

اونچی زمین جس کو اس ملک میں بانگر کہتے ہیں اور پست اور نشیب کو کھادر۔

اس ملک کو بلاؤخیوان بھی کہتے ہیں اس لیے کہ بلاؤخیوان بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ سرسبز اور آباد ملک ہے اور زمین قابل کاشت ہے اس کے مشہور شہر یہ ہیں۔ نجران: یہ ایک بارونق شہر ہے اسلام سے پہلے یہاں عیسائی رہا کرتے تھے اور وہی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہالہ کے لیے آئے تھے۔ اسی کے قریب دوسرا شہر جرش ہے یہاں بھی کھجور بکثرت ہیں اور آباد و شاداب جگہ ہے اور ان دونوں سے آباد زیادہ شہر صعوہ ہے یہاں بھی چڑے کے ویسے ہی کارخانے ہیں جیسا کہ صنعا میں ہیں اور یہاں تجارت بکثرت آباد ہیں اور حسنی زیدی سردار یہیں رہا کرتا ہے۔ صنعا: یمن کا دارالسلطنت ہے اس سے زیادہ یمن میں کوئی شہر آباد اور بارونق اور مالدار نہیں ہے۔ اس کی آب و ہوا معتدل ہے گرمی سردی میں اور جگہ جانے کی حاجت نہیں پڑتی زمانہ گزشتہ میں شاہان یمن کا یہی شہر دارالامارۃ تھا جہاں اب تک بڑے بڑے نشانات عمارات سابقہ کے پائے جاتے ہیں۔ اسی جگہ وہ قصر غمدان تھا جس کا حال ہم بیان کریں گے مگر اب ایک ڈھیر پڑا ہے اور یہیں دو اور محل بھی تھے سلکٹن، یمنوں۔ انہیں کے باب میں کوئی شاعر افسوس ظاہر کرتا ہے۔

وبعد بینوں یمنی الناس بنیاناً

هل من بعد غمدان او سلبحن من اثر

اور اسی کے قریب مارب کا بندر ہے جو کسی زمانہ میں شام تک ملک کو شاداب کیا کرتا تھا اور یہ بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھا وہ دو پہاڑوں میں دو میل تک کی دیوار ہے تین سو گز بلند مربع اور ترشے ہوئے پتھروں سے چنی ہوئی اور ایک پتھر کو دوسرے سے یمنوں اور سیسے سے جوڑا گیا ہے۔ اس سے ان پہاڑوں اور نالوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا اور ایک بڑی پھیل شیریں پانی کو دیکھنے میں آتی تھی اور پھر اس میں آبپاشی کے لیے بڑی حکمت اور پیانہ سے روزن رکھے ہوئے تھے جن سے نالوں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے طور سے ملک کی آبپاشی ہوتی تھی اور اس ملک میں باغ اور میوے بکثرت تھے۔ منزلوں درختوں کے سایہ میں مسافر چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی ناشکری سے یہ دیوار جس کو عرم کہتے تھے ٹوٹ گئی اور اب تک اسی طرح خراب پڑی ہے۔ باغ ارم اسی کے سبب سے تروتازہ تھا اور صنعا سے شمال و مشرق میں تخمیناً اسی میل کے فاصلہ پر شہر سباء کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں سباء بھی دنیا کے عمدہ شہروں میں سے تھا۔ بلقیس شہزادی اسی شہر کی رہنے والی اور یمن کی حاکم تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی اور سباء کو مارب بھی کہتے ہیں اور یہ بندر شہر سباء کے قریب بتلاتے ہیں نہ صنعا کے۔ اور یہی صحیح ہے۔ یدغرہ یمن میں بلند پہاڑ ہے جس پر سبز درخت اور چشمے ہیں اور کھیتی بھی ہوتی ہے۔ شام یمن کے مشہور پہاڑوں میں سے ہے جو بہت بلند ہے اس پر بکثرت آبادی ہے۔ عدن: انتہاء یمن بحر قلزم کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور اسی لیے انگریزوں نے حضرت سلطان ترکی سے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اپنا بہت سا سامان وہاں رکھتے ہیں۔ صرف شہر عدن، باقی ملک اور گرد و نواح میں کچھ دخل نہیں۔ اس جگہ بھی موتی نکلا کرتے تھے۔

ارض مہرہ: ملک عمان اور حضر موت کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو دریائے شور سے ملا ہوا ہے یہاں کا بڑا شہر ہے۔ یہ بے آباد ملک ہے۔ یہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں جن کا گزارہ مواشی پر ہے یہاں کا اونٹ تیز روی میں بہت مشہور ہے۔ بلاؤخیوان: ارض مہرہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ علاقہ سرسبز ہے یمن کے بڑے قبائل یہاں آباد ہیں۔ دیار کندہ کوخولان و ہمدان: یہ یمن کے اندر نجد اور تہامہ کے درمیان ہیں۔ یہاں باغات اور آبادی موجود ہے۔ بلاؤباضیہ: یہ خوارج کا مسکن ہے بلاؤخیوان کے قریب بڑا سرسبز اور آباد ملک ہے کھیتی اور باغ اور چشمے بکثرت ہیں۔

۱۔ قریب سے مراد یہ نہیں کہ صنعا کے کوس دو کوس بلکہ ضلع میں جس سے مراد سباء ہے۔ ۱۲۰

۲۔ یہ یمن کے مشہور قبائل ہیں۔

تھ: عدن کا مشہور بندر ہے یہاں سے صنعاء و تریم بہت نزدیک ہے اور اسی طرح مکہ بھی مشہور بندر ہے حضرت موت بھی ایک شہر ہے شرق میں دریا کے قریب اور اس کے نواح میں بہت ریت ہے جس کو احقاف کہتے ہیں اور یہیں حضرت ہودؑ غبر علیہ السلام کی قبر مشہور کرتے ہیں۔ یہیں قوم عاد پر عذاب آیا تھا اور اسی کے قریب مقام بلہوت میں ایک ایسا گہرا کنواں ہے کہ جس کی تہ تک کوئی اتر نہیں سکتا۔ ملک یمن قوم عاد کا مسکن تھا اور ان کے اب تک یادگار پائے جاتے ہیں۔

تہامہ ! اس ملک کو بعض نے ملک یمن کا ایک حصہ قرار دیا ہے جس کا طول آٹھ سو میل عرض دو سو میل ہے۔ یہاں شیریں پانی بکثرت ملتا ہے اس کو یوں خیال کرنا چاہیے کہ عرب کا غربی کنارہ جو بحر قلزم سے ملا ہوا ہے مدین سے لے کر عدن تک طول میں۔ اس کے دو حصہ ہیں مکہ تک کاشانی کنارہ ملک حجاز اور مکہ سے عدن تک جنوبی کنارہ تہامہ ہے۔

اس قطعہ میں وہی پہاڑوں کا سلسلہ چلا آتا ہے جو حجاز میں تھا اور یہ پہاڑ بیشتر بحر قلزم کے متصل ہیں اور کہیں سے پھیل گئے ہیں، کہیں سے کئی کئی سلسلے ہو گئے ہیں اور پھر ریتا بھی ہے اور تہامہ کی رات اسی لیے مشہور ہے کہ دن میں تو آفتاب کی گرمی سے زمین آگ ہوتی ہے اور جب آفتاب غروب ہوا، ہوا ٹھنڈی چلنے لگی، ریت سرد ہو گیا۔ پھر نہ پسو ہے نہ کھٹل ہے۔ دن کے جلے بھنوں کو اس ریت کے نرم بستر پر کس مزے سے نیند آتی ہے زبید تہامہ کا بڑا اور آباد شہر ہے اور بھی شہر ہیں جیسا کہ معقر، کدرہ، جور، عطشہ، شرجہ، دویمہ، حصہ، غلافہ، کمران، لئدرہ، لئسہ، شرمہ، عشیہ، رلقہ، خصوف، ساعد، عجم وغیرہ۔

یمامہ ! عرب کے مشرق میں بحر فارس سے ملا ہوا ملک ہے۔ یہ عمان سے اسی طرح ملا ہوا ہے کہ جس طرح تہامہ حجاز سے۔ اس کی ابتداء طولانی بحریں کے نواح سے شروع ہوتی ہے اور شمال میں بڑھتے بڑھتے علاقہ کوفہ سے گزر کر بصرہ کے میدانوں تک جا ملا ہے اور عرض میں سمندر کے کنارہ سے لے کر تخمیناً دو سو میل تک غرب میں چلے جاؤ سب ملک یمامہ ہی کا علاقہ ملے گا اور اس کے بعض علاقوں کو الیضا بھی کہتے ہیں۔ یمامہ قبیلہ طلسم میں سے مرہ کی بیٹی تھی جس کے نام سے یہ ملک نامزد ہے۔ زمانہ سابق میں طم اور جدس کے قبائل یمامہ میں رہا کرتے تھے۔ بحرین تک پھیلے ہوئے تھے اور عداوہی احقاف میں رہتے تھے جو عمان سے لے کر عدن تک پھیلے ہوئے تھے اور احقاف کا ایک مشہور ریگستان ہے یمامہ دو وادی ہیں جو شمال سے شروع ہو کر جنوب تک تمام ہوتی ہیں۔ اس ملک میں بہت سے چشمے اور متعدد چھوٹی چھوٹی نہریں یا نالیاں رواں ہیں جن سے ملک نہایت سرسبز اور آباد ہے۔ یمامہ کے لوگ کہتے ہیں یہ ملک پانچ چیزوں میں بڑھ کر ہے۔ (۱) یہاں کی عورتیں نہایت خوش رنگ ہوتی ہیں۔ سنہری رنگت ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ سونے کا زیور پہنے ہوئے دور سے معلوم نہیں ہوتا۔ (۲) یہاں کے گے بھوں۔ (۳) یہاں کی بھجور نہایت عمدہ ہے کہ ایسی اور کہیں نہیں ہوتی۔ (۴) یہاں گوشت ایسا خوش ذائقہ اور عمدہ ہوتا ہے کہ پھر اور جگہ نہیں ملتا۔ (۵) یہاں پانی بھی ایسا شیریں ہوتا ہے کہ پھر اور پانی کیسا ہی شیریں ہونے نہیں لگتا۔ ذات النسوع: ایوان یمامہ میں عجائب دنیا سے تھا احسن التقسیم کا مصنف ابو عبد اللہ محمد شامی کہتا ہے یمامہ دراصل ملک بجر کا سوانا ہے یعنی علاقہ اور بجر کے مشہور شہر یہ ہیں، احساء، سابون، زرقاء، اول، عقیر۔

اسی طرح سے نجد البین کے ناحیہ یعنی سوانا اور علاقہ احقاف کو قرار دیتا ہے اور احقاف کے یہ شہر گنواٹا ہے۔ خاص حضرت موت، حسب اور اسی طرح سب کو بھی ناحیہ قرار دیتا ہے۔

۱۔ ہندوستان سے کہ جانے والے جہازوں کو اس جگہ حکماً ٹھہرایا جاتا ہے تاکہ امراض متعدیہ کا اثر ازل ہو جائے اس کا نام قرقینہ ہے۔ آبادی کمران سے دور ایک میدان میں غریب حجاج کو اتار دیا جاتا ہے جہاں نہ شیریں پانی ہے نہ سایہ دار درخت۔ مسافروں کے لیے چھوٹی بڑیاں بنادی ہیں کھانے پینے کی بھی چیزیں کم ہوتی ہیں۔ یہ مصیبت یورپ کے روشن دماغ ڈاکٹروں اور خود غرض سلطنتوں کا فیض ہے، اللہ رحم کرے۔ ۱۲۷ھ

عجائبات یمن

(۱) یمن کے بعض علاقوں میں سے عقیق سرخ اور یا قوت خالص اور لال برآمد ہوتا ہے جس کے آگے لال بدخشانی کی اصل نہیں اور بھی طرح طرح کے جوہر برآمد ہوتے ہیں۔ یمنی ایک خاص پتھر ہے جو وہاں بکثرت موجود ہے اور اس ملک کی چیز ہے۔
(۲) یمن کے پہاڑوں میں ہر قسم کی کانیں موجود ہیں لوہا، جست، تانبا وغیرہ خصوصاً مہنگڑی کے بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں جس کو یشب یمانی کہتے ہیں۔

(۳) یمن کے ریگستان میں شتر مرغ پایا جاتا ہے اور ایک عجیب جانور ملتا ہے جس کے پاؤں نیل جیسے منہ ہرن جیسا گردن صراحی دار کئی گز کی اونٹ سے بھی بڑی اور اسی طرح ٹانگیں بھی بڑی بڑی پتلی دہلی۔ یہ جانور اگر گردن بلند کرے تو چھ سات گز بلندی تک پہنچا دے۔
(۴) اس کے بیابانوں میں بندر بکثرت ملتے ہیں۔ خیر یہ تو اور جگہ بھی ہوتے ہیں مگر ایک اور جانور بھی ہے جس کو عدا کہتے ہیں۔ وہ ایک چار پایہ ہے اس کی صورت انسان سے بہت مشابہ ہے جہاں کہیں انسان کو دیکھ پاتا ہے تو دوڑ کر گھیر لیتا ہے اور نیچے ڈال کر اس سے مباشرت کرتا ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت جس کے صدمہ سے انسان کمتر زندہ رہتے ہیں۔

(۵) اس ملک میں قدیم یادگار شاہان سلف کے ایسے ہیں کہ جن کا مثل اور دوسری جگہ تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا اور وہ عمارات یہ ہیں۔ غمدان، مارب، قصر مسعود، لقمان، سلحجن، صرواح، مرواح، بنیوں، ہندہ، ہندہ، غلمو، مہرہ۔

غمدان: شہر صنعاء میں ایک چور خانہ ایوان تھا جس کا ایک رخ زرد عقیق کا دوسرا سرخ پتھر کا تیسرا سبز کا چوتھا سفید کا بنایا گیا تھا۔ یہ ایوان نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا اور سات منزل بلند تھا۔ ہر ایک منزل دوسری سے چالیس ہاتھ بلند تھی اور ہر منزل کی چھت ایک سنگ مرمر سے پٹی تھی۔ اس دیوان کے چاروں طرف بڑی خوشنمائی اور نزاکت سے درخت چڑھ رکھے تھے جو رنگ رنگ کے عقیق اور بیش بہا پتھروں سے بنے تھے اور اس ایوان کے فرش اور چھت اور دیواروں پر وہ گلکاری کی ہوئی تھی کہ دیکھ کر عقل حیرت کرتی تھی کسی جگہ کسی بادشاہ کی بزم کا نقشہ کھینچا تھا کہ پرستاران پری روہا تھوں میں ظروف لیے اس زمانہ کے عمدہ کپڑے پہنے کھڑی ہیں، کہیں امراء صف بستہ کھڑے ہیں جن کی تصویریں اس کی شان و شوکت کو یاد دلارہی ہیں۔ ایک بلند تخت پر کوئی بادشاہ باخشم و خشم بیٹھا ہوا اپنی جبروت و سطوت چند روزہ کو یاد دلارہا ہے۔

اور اس کے ہر ایک گوشہ میں شیر کی صورت سنگ ہرنگ شیر سے بنی ہوئی تھی اور طلسم یہ تھا کہ اس کے منہ میں آواز داخل ہو کر ہیر پھیر کھا کر پیچھے سے جو نکلتی تھی تو ہو بہو شیر کے غرانے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر کمرہ میں ایک ایسا مصلحہ رکھا ہوا تھا کہ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بجلی کی روشنی ہو رہی ہے اور اس سبب سے تمام ایوان چمک اٹھتا تھا اور دیواروں کے پتھروں میں ایسی صفائی تھی کہ وہ روشنی رات کو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتی تھی۔ اندھیری رات میں جب کوئی صنعاء کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صنعاء میں بجلی کو ندر رہی ہے اور بارش ہو رہی ہے حالانکہ وہ سب اس ایوان کی روشنی ہوتی تھی۔ اس ایوان کے کسی ستون پر خط حمیری میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس ایوان کو گرائے گا قتل کیا جائے گا۔ یہ ایوان کسی مصلحت سے بحکم امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ گرایا گیا آخر وہ شہید ہوئے۔ اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے اور کسی قدر زمین کے اندر کا حصہ باقی ہے۔

صنعاء میں اس قسم کے اور بھی دو ایوان تھے جن کا نام سلحجن اور بنیون تھا۔ اسلام کے زمانہ تک یہ ایوان باقی تھے۔

(۶) یمن میں کپڑے بھی نہایت عمدہ بنتے تھے کسی زمانہ میں برویمانی بڑی عزت سے دیکھی جاتی تھی۔

یمن کے اقوام اور ان کے عادات

یہاں اکثر قبائل بنی فحطان ہیں اور یہی عرب العربا شمار ہوتے ہیں پھر ان کے باہم صد با قبائل ہیں ان میں سے قبیلہ بنو حمیر جو شاہان یمن

تھے نہایت معزز قبیلہ ہے اور بعض قبائل فاطمیوں کے بھی دوسری صدی سے وہاں آباد ہیں۔

اہل یمن پر ہیزگار، مہمان نواز، بہادر، علم پسند ہیں اب بھی دینیات کے عالم جس قدر یمن میں ملیں گے عرب کے کسی خطہ میں نہ ملیں گے۔

نجد

شرق و غرب میں یمامہ سے لے کر مدینہ تک اور جنوب و شمال میں مکہ کے محاذی ملک سے لے کر مدینہ کے سامنے تک یعنی حجاز میں مکہ اور مدینہ تک کی لمبائی کے مقابلہ میں دن نکلنے رخ یمامہ کا جو حصہ ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔ بعض نے بحرین اور نواحی کوفہ کو بھی نجد میں شامل کیا ہے بلکہ یمامہ کو بھی۔

مدینہ منورہ سے چند میل شرق کی طرف جانے سے نجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حصہ یمن سے کم ہے مگر بڑا حصہ ہے پھر اس کے اندر متعدد اضلاع ہیں جو متعدد ناموں سے نامزد ہیں۔ یہ ایک مرتفع ہے۔ اس میں پہاڑ اور ریتلے میدان بکثرت ہیں اور آباد و شاداب اضلاع بھی ہیں جہاں کھجوریں اور ہر قسم کے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔ الغرض حجاز کے مقابلہ میں بحر فارس کی حد تک شرقی جانب کے حصہ کو نجد کہتے ہیں۔ کوفہ بصرہ کا میدان بھی بعض کے نزدیک نجد میں داخل ہے اور بیابان قادیسیہ اکثر کے نزدیک نجد میں داخل نہیں۔ نجد کا گھوڑا اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ وہ ریگستان جو مشہور ہے اس کا عرض شقوق سے اجز تک اور طول جبل طے سے لے کر شرق میں بحر فارس تک ہے وہ زرد اور نرم ریت ہے جہاں نہ کوئی سبز درخت نظر آتا ہے نہ کوئی چشمہ پانی کا۔

عرب کے قبائل

قادیسیہ سے شقوق تک طول میں اور ساداسے لے کر بصرہ کے جنگل تک عرض میں بنی اسد کے قبائل آباد ہیں۔ پھر شقوق سے گزر کر جب دیار طے میں آجاؤ اور معدن نقرہ سے گزر جاؤ تو اس کے بائیں طرف سلیم کے قبائل ملیں گے اور دائیں طرف جہدہ کے۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان بکر بن وائل کے قبائل اور مضر کے قبائل آباد ہیں اور مکہ کے شرق میں بنو ہلال اور بنو سعد اور ہذیل کے قبائل آباد ہیں اور طائف اور اس

۱۔ عرب کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی کچھ اولاد عراق میں جا بسی تھی پھر ایک زمانہ کے بعد ان پر حام کی اولاد غالب ہو گئی اور وہ تتر بتتر ہو گئے کچھ تو شمال کی جانب آشور پہنچے اور بعض عرب کے رخ چل دیے جن کو عرب کہنے لگے کس لیے کہ سامی زبان میں غنیمت نہیں اس کی جگہ عین بولا جاتا تھا۔ بہر حال عراق سے خروج کر کے سام کی اولاد ملک عرب میں آئی۔ ایک زمانہ کے بعد ان میں مدیان اور عیسو اور لوط کی نسل بھی مخلوط ہو گئی اور جنوبی ملک میں طام کی اولاد سے بھی خلط ہوا اسی لیے مختلف ناموں سے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور پھر کچھ قبائل تو آذنی ارضی و سماوی یا باہمی جنگ و جدل سے نیست و نابود ہی ہو گئے ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ کم ہوئے اور کم ہوتے ہوئے اور قبائل میں جا ملے۔ ان کے بھی اصلی قبیلہ کا نام و نشان باقی نہ رہا اس قسم کے قبائل کو باندہ کہتے ہیں۔ ان میں سے (۱) عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا قبیلہ تھا۔ (تکوین ۱۰-۲۲-۲۳) جو یمن میں آباد تھا اور انہیں میں کے بادشاہ نے باغ ارم لگایا اور بہشت بنائی تھی اور انہیں میں سے (۲) ثمود بن ارم بن سام کا قبیلہ تھا (تکوین ۱۰-۲۳)۔ یہ قبیلہ بھی یمن میں رہتا تھا لیکن ان کو حمیر بن عبد شمس نے جس کا لقب سبأ تھا وہاں سے نکال دیا اور پھر یہ شمال عرب میں بمقام حجر آ رہے تھے اور انہیں باندہ یعنی فاشدہ قبائل میں سے قبیلہ (۳) طسم بھی ہے یہ لود بن سام کی اولاد میں سے تھا (تکوین ۱۰-۲۳) اور انہیں فاشدہ قبائل میں سے قبیلہ (۴) جدیس بھی ہے جو جاشری نسل سے تھا یہ دونوں قبیلہ ایک جگہ رہا کرتے تھے آخر کسی بات پر تلوار چلی اور برسوں چلی یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کو نیست و نابود کر دیا اور انہیں فاشدہ قبائل میں سے (۵) جرہم اولیٰ کا قبیلہ ہے اور انہیں میں سے قبیلہ (۶) عمالیق بن اطفایہ بن عیسو ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے عہد تک تھا۔ ان قبائل باندہ کے صرف اشعار عرب کی زبان پر یادگار باقی ہیں اور انہیں سے کچھ کچھ ان کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ

کے نواح میں بنی ثقیف اور اداس ہیں اور مکہ کے غرب میں مذحج وغیرہ مضر کے قبائل ہیں۔ بصرہ کے نواح میں سب سے زیادہ قبائل آباد ہیں اور ان میں سب سے زیادہ تمیم ہیں۔ بحرین اور یمامہ تک اور قبیلہ طے کے بھی جن میں سے حاتم طائی تھا۔ اس نواح میں بکثرت ہیں۔ یمن میں اکثر بنی حمیر اور ان کے قبائل آباد ہیں۔ اب قبائل کے نام ان کی نسلیں زیادہ پھیل جانے سے اور ناموں سے مشہور ہو گئے ہیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں جو لشکر ملکوں کے فتح کرنے کو جمع کیا گیا تھا بیشتر یمن کے قبائل تھے اور بعد میں خلفاء کے لشکروں کا خزانہ کوفہ اور بصرہ کے دوران کا نواح تھا اور پھر عراق عرب ہو گیا۔

عرب کے مقامات کی مسافتیں

کوفہ مدینہ سے بیس منزل ہے اور مدینہ سے مکہ تقریباً دس منزل ہے۔ بصرہ سے مدینہ اٹھارہ منزل اور معدن نقرہ کے قریب کوفہ کا رستہ آ ملتا ہے۔ مدینہ سے بحرین تخمیناً پندرہ منزل۔ رقد سے مدینہ بیس منزل اسی طرح مدینہ سے دمشق بیس منزل اور فلسطین بیس منزل اور مصر ساحل بحر کے رستہ سے بیس منزل شام اور عرب کا مصر سے کوئی جد رستہ نہیں بلکہ دونوں کے رستے خشکی سے جانے والوں کے ایلہ میں مل جاتے ہیں اور یہیں سے تہ بنی اسرائیل یعنی وہ بیابان کہ جس میں وہ چالیس برس نکریں مارتے پھرے تھے شروع ہوتا ہے۔ مدین سے نکل کر مصر اور فلسطین کے رستہ کی دو شاخ ہو جاتی ہیں۔ عدن سے مکہ تک دو رستہ ہیں ایک تو سمندر کے کنارہ یہ دور کا رستہ ہے اور دوسرا صنعاء صعوہ جرش نجران طائف ہو کر۔ یہ کم ہے تیسرا اور بھی رستہ ہے جو اس سے بھی کم ہے۔ یہ تہامہ سے ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں سے مگر یہ دشوار ہے اس لیے ہر ایک نہیں جاسکتا۔

حضر موت اور مہرہ کے لوگ اپنے ملکوں کو عرضاً قطع کرتے ہوئے اس مقام پر آ ملتے ہیں جو مکہ اور عدن کے درمیان ہے۔ عمان کے لوگوں کا رستہ مکہ تک خشکی سے دشوار گزار ہے اس لیے وہ جدہ تک دریا کے رستہ سے آتے ہیں۔ اسی طرح عمان اور بحرین کا خشکی کی راہ سے دشوار گزار رستہ ہے۔ عربوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے بحرین اور عبادان کا خشکی سے رستہ کف دست میدان ہونے کے سبب دشوار گزار ہے۔ اس لیے دریا کے رستہ سے آتے جاتے ہیں۔ بصرہ سے بحرین اٹھارہ منزل ہے رستہ اچھا ہے، پانی ملتا ہے مگر خطرناک ہے۔

عراق عرب

زمانہ قدیم میں دجلہ اور فرات کے درمیان ملک کو یونانی مسو پوئیمہ کہتے تھے۔ عراق اور جزیرہ دونوں اسی میں آ گئے۔ پھر ان کی باہم یوں تقسیم کی گئی ہے کہ اس کا شرقی حصہ عبادان سے لے کر انبار تک وہ عراق عرب ہے اور انبار سے لے کر ملک شام کی جانب کہ جس میں یتھاء اور میدان خفاف بھی ہے اس ملک کو جزیرہ کہتے ہیں اور ما بس سے لے کر ایلہ تک جاز کے رخ تبوک کے سامنے کا حصہ دیار طے تک کو باد یہ شام کہتے ہیں۔ عراق عرب کو قدامت کلد یہ بھی کہتے ہیں۔

عراق کے مشہور مقامات

بغداد: دجلہ کے کنارہ پر آباد ہے۔ اس وقت اس میں تخمیناً نوے ہزار یا لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ بارونق شہر ہے۔ خلفاء بنی العباس کے عہد میں یہ شہر دنیا کے شہروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بغداد میں ساٹھ ہزار حمام علاوہ امراء کے حماموں کے تھے اور کئی لاکھ مسجدیں تھیں جن میں امام اور مؤذن مقرر تھے اور شہر پناہ کے سترہ دروازہ تھے ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا۔ اس شہر کو ہلاکو خاں بن چنگیز خاں ملعون نے ساتویں صدی ہجری میں برباد کیا۔ اس

کافر بادشاہ کو جو تاتاری تھا علامہ نصیر الدین طوسیؒ چڑھا کر لایا تھا۔

اس شہر میں بڑے بڑے بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ از انجملہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار پاک ہے۔ از انجملہ حضرت امام اعظمؒ کا مزار ہے اور شہر کے غربی رخ حضرت امام ہمام موسیٰ کاظمؒ اور ان کے پوتے حضرت محمد بن علی بن موسیٰ کا مزار پر انوار ہے۔ ابن خلکان کہتا ہے ”وكانت ولادة ابی الحسن موسیٰ الكاظم یوم الثلثاء قبل طلوع الفجر من شہر رسنہ سبع وعشرین ومایہ (۱۲۹ھ) وتوفی خامس عشرین شہر رجب سنہ ثلث وثمانین ومایہ (۱۸۳ھ) وقیل انه توفی مسومنا دفن فی مقابر الشونیزیه خارج القبة وقبره هناک مشہور مزارو علیہ مشہد عظیم فیہ من قتادیل الذهب والفضة وانواع الآلات والفرش مالا یوجد ہئی فی جانب الغربی“۔ اور اسی جگہ کو کاظمین کہتے ہیں۔ مدائن: جہاں ایوان کسریٰ ہے عجائب زمانہ میں سے ایک عمارت ہے۔ بغداد کے قریب ہے اس شہر کی زبان عربی ہے مگر فارسی اور ترکی بھی مروج ہے یہاں یہود و نصاریٰ کا بھی مجمع ہے۔ سامرہ: جگہ کے کنارہ پر بغداد سے تخمیناً ستر میل شمال و مغرب میں ایک پر رونق شہر ہے اور اس کو سرمن رائی بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت امام علی نقیؒ اور ان کے پسر بزرگوار حضرت امام حسن عسکریؒ کا مزار پاک ہے اور یہیں ایک غار بتلاتے ہیں جس کی نسبت شیعہ مشہور کرتے ہیں کہ اس میں مہدی آخر الزماں جو بارہویں امام ہیں اور امام حسن عسکریؒ کے پسر بزرگوار ہیں پانچ برس کی عمر میں بقول بعض نو برس کی عمر میں بقول بعض سترہ برس کی عمر میں اس غار میں خوف اعداء سے چھپے ہیں اور قیامت کے قریب نکلیں گے اور یہ واقعہ دو سو پچھتر ہجری کا ہے۔

کوفہ: بغداد سے جنوب و مشرق میں تخمیناً تین منزل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر بڑا آباد تھا اور مسلمانوں ہی نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ بغداد جوں جوں ترقی پاتا گیا یہ اجڑتا گیا۔ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

نجف: کوفہ سے غربی رخ پانچ میل پر ایک شہر ہے کبھی یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔ اس جگہ حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ کا مزار مقدس ہے۔ چالیسویں سال ہجری میں رمضان کی ۱۹ شب میں تریسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ حضرت کی قبر ہارون رشید کے زمانہ تک مخفی تھی۔ پھر تحقیق کر کے ہارون رشید نے اس جگہ ایک گنبد اور مسجد بنادی ہے۔ اس قصبہ کو لیرے بدوؤں کے ہاتھوں سے مصیبت پہنچا کرتی تھی مگر حاجی محمد حسین خان اصفہانی نے جو فتح علی شاہ قاجار شاہ ایران کا وزیر اعظم تھا بہت سارے پیہ صرف کر کے اس کی پختہ شہر بنا دیا۔ دی جب سے امن ہو گیا اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ اس سے پہلے نادر شاہ نے گنبد کو سنہری بنوایا تھا۔ کہتے ہیں جو اہر و اسباب طلائی و نقرئی جس قدر اس درگاہ میں ہے جو شیعوں نے نذر و نیاز میں بھیجا ہے اتنا کسی سلطنت کے خزانہ میں بھی نہ ہوگا اور کوفہ کے نزدیک ایک اور جگہ ہے جس کو ذی الکفل کہتے ہیں یہاں حضرت خرقیل علیہ السلام کی قبر ہے جس کے پہلے متولی یہود تھے۔ اب مسلمان ہیں ہر سال دور دراز سے یہود زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

کر بلائے معلیٰ: یہ بغداد سے جنوب و مغرب میں پچاس میل کے فاصلہ سے ایک آباد شہر ہے جو نجف سے بڑا ہے اور نجف سے یہ شمال و مغرب میں تخمیناً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ فرات یہاں سے قریب ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے عہد میں یہ ایک جنگل تھا جب حضرت کوفہ آتے ہوئے یزید کے لشکر سے اس مقام پر گھیرے گئے اور آپ اور آپ کے ہمراہی یہیں شہید ہوئے اور آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا یہیں مزار بناتا ہے ایک شہر بس گیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ اکٹھ ہجری میں محرم کی دسویں تاریخ ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف چھپن برس کی تھی۔ یہاں کا گنبد بھی طلائی ہے۔ شاہ فتح علی خان کے عہد میں آقا محمد خان نے ۱۲۰۷ھ میں طلائی کرایا تھا۔ کاظمین کا گنبد بھی طلائی ہے۔ یہ شہر کر بلا دن بدن ترقی پر ہے

آبادی عمدہ ہے۔ بازار بھی خوب ہیں شہر کے وسط میں حضرت کی درگاہ ہے۔

رقہ: فرات کے کنارہ پر ایک قدیم قصبہ ہے اس کے سامنے شمالی طرف میں پینسٹھ میل کے فاصلہ پر قصبہ حران واقع ہے اور رقة سے غربی سمت تقریباً چوالیس میل مابں ہے اور مابں کے قریب صفین ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ کربلا سے تخمیناً پچیس میل شرق میں شہر حله ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ قدیم شہر بابل کا حلد ایک محلہ ہے جیسا کہ موصل نیوئی شہر کا محلہ ہے۔
بصرہ: اس کے نیچے فرات اور دجلہ آکر باہم ملتے ہیں اور بحر فارس میں گرتے ہیں۔ یہ شہر کبھی بارونق تھا مگر اب تو کجیور کی تجارت کی ایک بڑی منڈی ہے۔ بازار اور مکانات معمولی ہیں۔ زمین میں سیلابی کی وجہ سے نمی رہتی ہے، گرمی بہت ہوتی ہے، چھڑ اور پوسو بھی بیحد ہوتے ہیں۔

جزیرہ

مرصاد الاطلاع میں ہے کہ جزیرۃ القورمی التي بین دجلۃ والفرات وھا مجاورا الشام یشتمل علی دیار مضرو دیار بکر سمیت الجزیرۃ لانھا بین دجلۃ والفرات وھا مقبلان من دیار الروم ویمحطان متباہان حتی یتقیان قرب البصرۃ ثم یصبان فی البحر وھی صحیحۃ الهواء بھادن جلیلۃ وقلار وحصون کثیرۃ۔ من امہات مدائن حران والرها والرقہ وراس عین و نصمین و سنجار والخابور وماردین و آمد و میافارقین والموصل وغیر ذلک۔ کہ جزیرہ اس ملک کو کہتے ہیں جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور اس کو یہ دونوں دریا گھیرے ہوئے ہیں اس لیے جزیرہ کہتے ہیں اور یہ دریا شام کے متصل ہیں اور دیار روم یعنی آرمینا سے آتے ہیں۔ پھر موڑ کھا کر برابر شرق کی طرف بہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بصرہ کے قریب آکر مل جاتے ہیں (بمقام قونہ جو بصرہ کے شرق میں ہے) اور بحر فارس میں جا گرتے ہیں۔ جزیرہ میں دیار مضرو اور دیار بکر شامل ہیں اور یہ صحت بخش ہے۔ اس میں بڑے بڑے قلعے اور شہر ہیں اور اس کے بڑے شہر یہ ہیں۔ حران، ربا، رقة، راس عین، نصمین، سنجار، خابور وماردین، آمد، میافارقین، موصل وغیرہ۔

یعنی غربی حصہ اس میان دو آب کا جو بڑا وسیع اور دولٹ ہے اس کو جزیرہ کہتے ہیں اور شرقی حصہ کو عراق۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بڑی شہرت اور فوقیت رکھتا تھا۔ بابل اور نیوئی کے بادشاہ اسی سرزمین کے تھے جو ایک وقت شہنشاہ مانے جاتے تھے۔ ان کی عمارات کے یادگار اب تک زمین سے برآد ہوتے ہیں۔

اور اس میان دو آب کے شمال و شرق کے ملک کو کردستان کہتے ہیں جس کو یونانی خارجیہ کہتے تھے۔ یہ ایک مستطیل ٹکڑا ہے یہ بھی اس شہر میں شریک ہے۔ عراق عرب کو قدما کلد یہ کہتے تھے۔ کلدانی بادشاہ بخت نصر وغیرہ یہاں کے تھے اور کلدانی زبان اسی ملک کی قدیم زبان کا نام ہے جو اب بالکل متروک ہے۔ جزیرہ اور کردستان کے غرب و شمال کے حصہ کو شمال میں بحر اسود تک اور غرب میں اس پہاڑی سلسلہ تک کہ جس میں سے دجلہ اور فرات نکلے ہیں آرمینا کہتے ہیں۔ پھر پہاڑی سلسلہ سے عرب کے رخ سمندر تک یعنی بحر روم تک اور شمال میں بحر اسود تک کو ایشیائے کوچک کہتے ہیں اور اناطولی بھی۔ اس کا طول غرب سے شرق تک تخمیناً ہزار میل ہے اور عرض جنوب و شمال میں چار سو میل سے پانچ سو میل تک ہے اور قدما اس کو روم کہتے تھے اس کے مشہور شہر سمرنا یعنی از میر اور بردساء اور قونیہ اور طلیمر اور آفس کہ جہاں اصحاب الکھف غار میں چھپے تھے اور جہاں دیانا کا گنبد تھا ایشیائے کوچک اور یورپ کے اس براعظم کے بچے کہ جس کے شرقی کونہ پر قسطنطنیہ ہے صرف سمندر کی ایک کھاڑی حد فاصل ہے جو تخمیناً ساٹھ ستر کوس لمبی اور کہیں دو کوس کہیں اس سے بھی کم چوڑی ہے جس کو ڈارڈنیلز کہتے ہیں اس کا جنوبی سرا بحر روم سے ملتا ہے اور شمالی سرا بحر اسود سے۔

پھر فرات سے لے کر سمندر کے کنارہ تک غرب میں اور شمال میں حلب سے لے کر جنوب میں حدود عرب تک کے قطعہ کو شام اور یونانی شیر یہ کہتے ہیں جس کے غرب میں جزیرہ سائبرس ہے جس کو عرب قبرس کہتے ہیں جو تخمیناً ایک سو چالیس میل لمبا اور چالیس میل چوڑا ہوگا۔ شام کے حدود مختلف رہے ہیں کبھی فلسطین اور جزیرہ اور عراق کو شام کہتے تھے۔ شام کے مشہور شہر حلب، دمشق، حماہ، حمص، انطاکیہ وغیرہ ہیں اور قدامت اس ملک کو آرام بھی کہتے تھے۔

اس کے پانچ ضلع ہیں۔ (۱) قسریں۔ (۲) حمص۔ (۳) دمشق۔ (۴) اردن۔ (۵) فلسطین۔

یہ چھوٹا سا مستطیل قطعہ ہے جس کے غرب میں بحر روم ہے اور اس کو کنعان اور ارض مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مشہور شہر یروشلم یعنی بیت المقدس ہے اور اس کے ساحل پر بیروت، قیصریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ یہ سمندر کے قریب قریب تخمیناً ڈیڑھ سو میل جنوب و شمال میں طویل اور تخمیناً چالیس پچاس میل شرق و غرب میں عرض ایک مستطیل کٹا ہے۔ مخروطی شکل جس کی نوک شمال میں ہے۔ اس ملک کے جنوب و مشرق میں جھیل مردار ہے جس کو عرب بحر المیت کہتے ہیں۔ اسی کے کنارہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہ تھیں وہ ان کی بدکاری سے الٹی گئیں۔ ان الٹی بستیوں کے آثار اب تک شام کے آنے جانے والوں کو نظر آیا کرتے ہیں۔ وائھا لبسیبل مقیمہ اور اس ملک کے جنوب و غرب میں وہ بیابان بھی ہے جس کو تیبہ بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قلزم کی دونوں شاخوں کی جڑ سے لے کر شمال میں بحر روم تک۔ تخمیناً سو میل طول اور شرقاً قریباً قلزم کے کناروں سے لے کر بحر المیت یعنی جھیل مردار کے کناروں تک۔ یہیں بنی اسرائیل چالیس برس تک میدانوں میں ٹکراتے پھرے تھے۔ اس ملک کی زبان عبرانی اور شام کی سریانی اور کلدیہ کی کلدانی کہلاتی تھی۔

اب عموماً ان سب ملکوں کی زبان عربی ہے۔

یہ تمام ملک حضرت سلطان المعظم کے قبضہ میں ہیں۔ کسی زمانہ میں ان ملکوں میں متعدد سلطنتیں تھیں۔ جزیرہ کی جدا اور عراق کی جدا اور کردستان کی جدا اور آرمینا کی جدا اور ایشیائے کوچک کی جدا اور فلسطین کی جدا۔ اور عجب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے بادشاہ پاس بے شمار فوج اور شاہی سامان تھا۔ خاص فلسطین کو دیکھو کہ اس کے فرمانروا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بخت نصر شاہ بابل کی چڑھائی تک بنی اسرائیل تھے۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام بھی انہیں فرمانرواؤں میں سے تھے۔ نینوی اور بابل کے بادشاہوں کی دولت مندی مشہور ہے۔ اس وقت یہ ملک بڑے آباد اور سرسبز تھے جن کے کاریزوں اور نہروں کے ڈھے پھوٹے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ملک سردیر اور شاداب ہیں۔ آب و ہوا معتدل، سردی میں بعض مقامات پر برف بھی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں میوے بکثرت ہیں اور آبادی بہت ہے۔ یہ قومیں زیادہ آباد ہیں:

(۱) ترکمان یہ قبائل ان تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۲) کرد۔ (۳) اعراب جن کو بدو کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی قومیں بھی ہیں مگر یہ تینوں قومیں بہادر اور جنگجو اور قوی ہیں۔ اگر یہ بد امنی نہ پیدا کریں تو ان ممالک میں پھر اور کوئی بد امنی نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ ممالک روئے زمین پر اس لیے فخر کر سکتے ہیں۔

(۱) سلطنت و حکومت کی بنیاد طوفان نوح کے بعد یہیں پڑی اور بڑے بڑے بادشاہ نامور یہیں سے اٹھے۔

(۲) طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کا یہی وطن ہے، یہیں سے نکل کر اور ملکوں میں پھیلے۔

(۳) حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی مولد ہے اسی سرزمین سے نامور انبیاء اٹھے مگر ان سب کے بعد عرب سب پر فوقیت لے گیا۔ کس لیے کہ اس سرزمین سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حکمت و علوم اور ایمان و معرفت کے چشمے اسی ملک سے نکلے۔

بخت نصر اور نینوی کے بادشاہوں اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پیشتر یونانی

بادشاہ سکندر اکبر ان ملکوں پر مسلط ہوا۔ اس کے بعد اردشیر بابکان کے عہد تک عراق و جزیرہ میں یونانی قابض تھے اور بعد میں دور تک رومی مالک تھے۔ شام اور فلسطین پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک اور اس کے بعد زمانہ اسلام تک۔ مگر ایران اور عراق کے کچھ حصوں پر اردشیر اور اس کے جانشین ایرانی بادشاہ مسلط تھے۔ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روم یعنی ایشیائے کوچک اور شام کا دجلہ تک ہرقل مالک تھا اور ایران اور اس کے نواح کا کسری اور جزیرہ میں غسان قوم کے عرب قیصر کی طرف سے فرمانروا تھے۔

عرب میں ایک زمانہ میں بنی حمیر کی سلطنت تھی اور مدتوں تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ اسلام سے کچھ آگے ذونواس کا حبش کے رہنے والے نجاشی نے خاتمہ کیا اور نائب جس کو ابرہہ کہتے تھے خانہ کعبہ کی بے ادبی سے غارت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بادشاہ ہوا اس کو سیف بن ذی یزن حمیری نے انوشیروان کی مدد سے ہلاک کیا اور وہ بھی ایک حبشی کے ہاتھ سے مدت تک سلطنت کرنے کے بعد مارا گیا۔ اس کے بعد انوشیروان نے اپنا گورنر مرزبان یمن پر بھیج دیا۔ اس کے بعد مرزبان کا بیٹا خرخرہ حاکم یمن ہوا اور ہرمز نے اس کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ بازان کو بھیج دیا۔ یہ بازان یمن پر اسلام کے زمانہ تک حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے حاکم بنا کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔

ادھر یمامہ اور بحرین و اطراف کوفہ و بصرہ میں یمن کے بادشاہوں کی خود سری سے ایک مستقل سلطنت ہو گئی تھی انوشیروان کے عہد میں اس سلطنت کا مالک نعمان بن المنذر تھے اور یہ بادشاہ مجوس تھا اور شاہان ایران کے تابع تھے۔ اسلام سے دو ایک صدیوں پہلے عرب میں طوائف الملوکی ہو گئی تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔ حرب البسوس بھی اسی زمانہ کی جنگ ہے۔ پھر اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو عرب پر سایہ آفرین ہو کر عراق و شام وغیرہ ممالک پر قبضہ کرتے ہوئے شرق میں چین تک اور غرب میں اندلس تک جا پہنچا اور اپنا قدم جما دیا۔ و نہ الحمد حمداً کثیراً۔



